دربارِ اکبری

مصنّفہ

شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم

سابق پروفیسر عربی، گورنمنٹ کالج لاہور

دربارِ اکبری

جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان اور اس کے امرائے جلیل القدر
مثلاً بیرم خاں خان خاناں، امیر الامراء خان زماں علی قلی خاں شیبانی
منعم خاں خاناں، مہیش داس راجہ بیربر، ابوالفیض فیضی فیاضی،
شیخ عبدالقادر بدایونی، شیخ ابوالفضل، موتمن الدولہ عمدۃ الملک
راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، مرزا عبدالرحیم خان خاناں وغیرہ کے
دلچسپ حالات مع تتمہ

مصنف: شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم
سابق پروفیسر عربی، گورنمنٹ کالج لاہور

توضیح و تخریج
محمد مصطفےٰ خاں (ایم۔ اے تاریخ)

معاونت
محمد بابر جاوید (ایم۔ اے تاریخ)

مشتاق بُک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق توضیح وتخریج محفوظ ہیں۔

نام کتاب ☜ دربارِ اکبری
مصنف ☜ مولوی محمد حسین آزاد
توضیح وتخریج ☜ محمد بابر جاوید
(ایم۔اے تاریخ)
معاونت ☜ محمد مصطفٰے خاں
(ایم۔اے تاریخ)
ناشر ☜ مشتاق احمد
اہتمام ☜ سلمان خالد
پرنٹرز ☜ اسلم عصمت پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ ☜ گل گرافکس
قیمت ☜ 600 روپے

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تا کہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

Marfat.com

عرضِ ناشر

اکبر کا شمار دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو استحکام بخشنے اور اس کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے اکبر کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اکبر کے دور میں مغلیہ سلطنت کی سرحدیں اتنی وسیع ہو گئی تھیں کہ اس سے پہلے ہندوستان میں کسی مسلم حکمران کو نصیب نہ ہوئیں تھیں۔ بلاشبہ اسی وجہ سے اکبر کو ''اکبر اعظم'' اور ''مغلِ اعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دنیا پر انمٹ نقوش چھوڑنے والی مختلف شخصیات کی تاریخ کو عام فہم زبان میں قارئین تک پہنچانے کا جو عزم ہم نے کیا ہوا ہے یہ کتاب ''دربارِ اکبری'' اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان اور اُس کے دربار کے اُمرائے جلیل القدر مثلاً بیرم خاں خانخاں، امیر الامراء خان زماں علی قلی خاں شیبانی، منعم خاں خانخاں، مہیش داس راجہ بیربر، ابوالفیض فیضی فیاضی، شیخ عبدالقادر بدایونی، شیخ ابوالفضل، موتمن الدولہ عمدۃ الملک، راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، مرزا عبدالرحیم خان خاناں وغیرہ کے دلچسپ حالات شامل کیے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں دوسرے مختلف امراء مثلاً آصف خاں، برہان نظام شاہ، حسین نظام الملک، اسمٰعیل نظام الملک، ابراہیم برہان الملک، چاند بی بی، پیر روشنائی، تردی بیگ خاں ترکستانی، حسین قلی خان خانجہاں، اسمٰعیل قلی خاں، حکیم مصری، خواجہ مینا، سلیمان کرانی، سلیمہ سلطان بیگم، سلطان مظفر خاں گجراتی، شاہ عارف حسینی، شاہ ابوالمعالی، ناصر الملک ملا پیر محمد خاں، گلرخ بیگم، شیری مُلا، شیخ گدائی کنبوہ، شیخ حسین اجمیری، شیخ محمد غوث گوالیاری، شیخ علائی، شیخ سلیم چشتی، مرزا سلیمان حاکم بدخشاں، مرزا شاہرخ خاں اور دیگر بہت سے امراء، شیوخ، اور علماء کرام کے مفصل

Marfat.com

حالات درج کیے گئے ہیں۔

بلاشبہ یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص اور تاریخ کے طالب علموں کے لیے ایک نادر خزانہ سے کم نہیں ہے۔

اکبر کے ان درباریوں کو اکبر کے نورتن کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ انہی جانثاروں کی وجہ سے اکبر نے دکن تک کے علاقے کو فتح کیا اور نہ صرف ان وسیع ترین علاقوں کو فتح کیا بلکہ ان کا انتظام مالگزاری اور بندوبست اراضی اتنے خوبصورت طریقے سے کیا کہ اورنگزیب کے عہد تک یہ نظام بے ردو بدل کے چلتا رہا۔

دربارِ اکبری کی ایک پرانی کتاب مجھے ملی تو میں نے اسے نئے سرے سے کمپوز کروا کر شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ اس کتاب میں زبان کافی پرانی ہونے کی وجہ سے موجودہ دور کے عام قارئین کو سمجھنے اور پڑھنے میں دشواری پیش آسکتی تھی اس چیز کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے اس کی زبان کو سادہ اور عام فہم کروادیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جابجا ذیلی عنوانات لگوا کر اس کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں جتنی بھی اچھائیاں اور آسانیاں ہیں وہ ہمارے اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ اس میں مزید کہیں کوئی اچھائی پیدا ہو سکتی ہو تو اپنی آراء سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔ ہم کوشش کریں گے کہ آئندہ ایڈیشن میں آپ کی آراء کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس میں مزید اچھائیاں پیدا کریں۔

آخر میں میں قارئین سے اُمید کرتا ہوں کہ اس نادر کتاب کی بڑے اچھے انداز میں پذیرائی کریں گے اور تاریخ کے طالب علموں اور حلقہ احباب تاریخ داں کے لیے ایک اچھا اور مفید اضافہ ثابت ہوگی۔

والسلام

ناشر

Marfat.com

ابتدائیہ

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد بلاشبہ ظہیر الدین مرزا بابر نے رکھی مگر اس سلطنت کو استحکام اور وسعت اکبر نے بخشی۔ تاریخ میں ایسی شخصیات بہت کم ہیں جن کا ستارہ اقبال اتنی بلندی پر جا پہنچا ہو اور دنیا انہیں اعظم کے خطاب سے یاد کریں۔

مسلم تاریخ میں سب سے پہلے اعظم کا خطاب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا دنیا تاریخ اُنہیں فاروق اعظم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ علماء کرام میں امام ابو حنیفہ کو لوگ امامِ اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دنیا کے عظیم فاتح سکندر اعظم کو بھی اعظم کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اکبر کو بھی تاریخ اکبر اعظم کے نام سے یاد کرتی ہے۔

کتاب ہذا ''دربارِ اکبری'' میں اکبر کے اُن جلیل القدر امرائے سلطنت کی زندگی کے حالات و واقعات درج ہیں جن کی بدولت اکبر، اکبر سے اکبر اعظم بنا۔ بلاشبہ ان امرائے سلطنت نے اپنے بادشاہ کے ساتھ حقیقی طور پر حق نمک حلالی کا ثبوت فراہم کیا۔

ہمایوں کی جلاوطنی کے بعد یہی خیال کیا جا رہا تھا کہ ہندوستان سے مغلیہ سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا مگر ہمایوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے باپ کا فتح کردہ ملک دوبارہ حاصل کیا۔ ہندوستان میں دوبارہ مغلیہ سلطنت کی بنیادیں استوار ہوئیں مگر ہمایوں کی زندگی زیادہ دیر وفا نہ کر سکی اور جلد ہی وفات پا گیا۔ ہمایوں کی ناگہانی موت مغلوں کے لیے ایک عظیم حادثہ تھا۔ اس وقت بہت سے اعلیٰ افسر پنجاب اور یوپی میں افغانوں سے جنگ میں مشغول تھے۔ دہلی میں جو افسر موجود تھے وہ اس بات سے پوری طرح باخبر تھے کہ اگر ہمایوں کے جانشین کا اعلان اور حکومت کے کاروبار کا مناسب انتظام کیے بغیر بادشاہ کی موت کا اعلان کر دیا گیا تو ملک میں افراتفری پھیل جائے گی۔ یہ لمحہ

Marfat.com

مغلیہ سلطنت کے لیے بڑا نازک تھا۔مگر اکبر کے اتالیق بیرم خان نے جس ہمت اور دلیری کا ثبوت فراہم کیا تاریخ اسے کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ اکبر آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔اتنی کم عمری میں وہ امور سلطنت کو نہ چلا سکتا تھا اس وقت بیرم خاں نے امور سلطنت کو سنبھالا دیا اور اکبر کے جوان ہونے تک تمام ملکی اُمور بیرم خان کے سپرد رہے۔

بعد میں اکبر نے جب امور سلطنت میں دلچسپی لینی شروع کی تو بیرم خان کو معزول کر دیا گیا اور تمام امورِ سلطنت پر خود نظر رکھتا تھا۔بیرم خان کے زوال کے بعد سے اکبر رعایا کے معاملات میں بہت دلچسپی لینے لگا۔اس کی عادت تھی کہ ہر معاملے میں احتیاط سے قدم اُٹھاتا اور یہ کوشش کرتا کہ ہر مسئلہ اور اُس کا حل کرنے کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل کرلے۔وہ بھیس بدل کر آگرے کے گلی کوچوں میں فقیروں ،سنیاسیوں اور عوام سے ملتا۔اس نے خود ہی راجپوتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات پیدا کرنے کا ایک تاریخی فیصلہ کیا۔

اندرونی خطرات سے فارغ ہوکر اکبر ایک ایسی وسیع سلطنت کا بلاشرکت غیرے مالک بن چکا تھا جس کی وسعت دریائے سندھ سے جونپور تک پھیلی ہوئی تھی اور جس کی حدود میں بُندیل کھنڈ، گونڈوانہ اور مشرقی راجپوتانہ کے وسیع علاقے داخل ہو چکے تھے اور اب شہنشاہ سلطنت کی منظم و بتدریج توسیع کی طرف توجہ دے سکتا تھا۔

اکبر کے ان جلیل القدر امرائے سلطنت میں بیرم خاں خانخاں،امیر الامرا خاں زماں علی قلی خاں شیبانی اور دوسرے سپہ سالاروں نے اپنی تلوار کے جوہر دکھا کر سلطنت کی وسعت اور استحکام میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ہندوستان میں کسی بھی علاقے کو فتح کر لینے سے مشکل وہاں کا انتظام اور امن وامان کو قائم رکھنا تھا۔اس شعبے میں ٹوڈرمل وزیر مالیات نے جو خدمات سرانجام دیں وہ اب بھی یاد کی جاتی ہیں۔دکن کی فتوحات میں راجہ مان سنگھ کا بہت بڑا ہاتھ ہے اُنہوں نے ہندوستانی ہوتے ہوئے اپنے غیر ملکی بادشاہ کے ساتھ وفاداری کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ان سب اُمور کے علاوہ جو چیز اکبر کو سب سے جدا کرتی ہے وہ اُس کی سیاسی ڈپلومیسی ہے۔ اکبر یہ جانتا تھا کہ ہندوستان میں رہ کر ہندوستانیوں کے یہاں سلطنت قائم کرنا اور اس میں امن و

Marfat.com

امان قائم رکھنا ناممکن ہے۔ اس لیے اُس نے ہندوؤں راجپوتوں اور مرہٹوں کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کیے اور ان کے خاندان میں شادیاں کیں تاکہ رشتہ قرابت داری کی وجہ سے ملک میں امن وامان قائم ہو سکے۔ اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کی شادی مان سنگھ کی بہن کے ساتھ کی۔ اس سیاسی ڈپلومیسی کا اکبر کو یہ فائدہ ہوا کہ دکن کے مرہٹے جو کسی بھی حکمران کے لیے اکثر دردِ سر بنے رہتے تھے وہ خود بخود اطاعت میں آ گئے۔ اکبر نے اپنے محل میں جہاں مسجدیں تعمیر کرائیں وہاں ساتھ ہی مندر بھی بنوائے تاکہ جو ہندو مہارانیاں ہیں وہ اپنے عقیدے کے مطابق پوجا پاٹ کر سکیں۔

اکبر کے نو امرائے سلطنت جنہیں تاریخ اکبر کے نورتن کے نام سے بھی یاد کرتی ہے بلاشبہ ہر آدمی اپنے فن میں یکتا اور کامل تھا۔ ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل بہت بڑے عالم تھے ابوالفضل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکبر کا ارسطو تھا۔

تاریخ میں ہمیشہ سے ستم ظریفیاں ہوتی آئی ہیں۔ اکبر کو اکبر اعظم کے بلند مقام تک پہنچانے والوں کے ساتھ بعد میں جو سلوک ہوا وہ تاریخ پر سیاہ دھبوں کی مانند ہے۔ اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو ہمیں اس کی کافی مثالیں ملتی ہیں۔ بنو اُمیہ کے دورِ خلافت میں ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں اُس کے چار جرنیل بہت مشہور ہوئے، ان میں موسیٰ بن نصیر، حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم طارق بن زیاد سب سے نمایاں ہیں۔ اُنہوں نے سلطنتِ بنو اُمیہ کی سرحدوں کو عرب سے لے کر ہندوستان اور چین تک پھیلا دیا مگر بعد میں اُن کا کیا حال ہوا ذلت اور خواری کی موت اُن کے حصے میں آئی۔

اکبر کے اتالیق بیرم خاں کی خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی جس طرح اُس نے ہیمو بقال کے ساتھ پانی پت کی دوسری جنگ لڑی اور اُس میں فتح حاصل کر کے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا جھنڈا پھر سے گاڑ دیا۔ مگر آخر عمر میں اُسے زبردستی معزول کر کے مکہ معظمہ حج کے لیے بھیج دیا گیا۔ اسی طرح اکبر جسے بھی اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا اُسے زبردستی معزول کر دیا جاتا یا ہمیشہ کے لیے مکہ معظمہ بھیج دیا جاتا اگر کسی کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا تو اُسے قید کی مصیبت جھیلنا پڑتی تھی۔

Marfat.com

الغرض بحیثیت تاریخ کے طالب علم میں یہ کہنے پر حق بجانب ہوں کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیادیں استوار کرنے میں جن امرائے سلطنت نے خدمات سرانجام دیں ہیں اُن کی خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی اور انہی امرائے سلطنت کی زندگی کے حالات وواقعات عروج وزوال کا ذکر کتاب ہذا میں موجود ہے۔

اس کتاب کی زبان کافی دقیق تھی اس کو میں نے اب عام فہم زبان میں تبدیل کر دیا ہے۔ جہاں مسلسل لمبی لمبی عبارتیں تھیں اُنہیں چھوٹے چھوٹے پیراگراف میں بدل کر پیراگراف کو عنوانات سے مزین کر دیا گیا۔تا کہ قارئین دلچسپی سے اس کو پڑھ سکیں اور تاریخی واقعات کو ذہن نشین کرنے میں آسانی پیدا ہو۔ساتھ ساتھ تاریخ کے طالب علم اس سے اپنی علمی پیاس بجھا سکیں اور اپنے امتحان کے لیے ایک اچھی معیاری کتاب میں سے تیاری کر سکیں۔

اس سے پیشتر بھی ہم تاریخ کی کئی قابل ذکر کتابوں کو نئی ترتیب وتوضیح کے ساتھ شائع کروا چکے ہیں جنہیں قارئین اور حلقہ تاریخ داں میں کافی پذیرائی ملی۔ہم اُمید کرتے ہیں کہ سابقہ کتابوں کی طرح اس کتاب کو اور اس میں کی گئی توضیح وتخریج کو قارئین پسند فرمائیں گے اور اپنی آراء سے ہمیں آگاہ کریں گے۔

اس کتاب میں جتنی بھی خوبیاں ہیں وہ میرے اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت ہیں اور میں اپنے اللہ سے اُمید کرتا ہوں وہ میرے علم میں اور اضافہ فرمائے۔

میں جناب مشتاق احمد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس کام کی ترغیب دی اور ساتھ ہی خالد سلمان کا جنہوں نے اس کام کا اہتمام کیا۔

آخر میں مَیں اُن سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام کی تکمیل میں میرے ساتھ تعاون کیا خاص کر اپنی اہلیہ کا جو میرے حوصلے کو کبھی ڈگمگانے نہ دیتی تھی۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔(آمین)

محمد بابر جاوید
لاہور ـــ پاکستان

Marfat.com

فہرست

مقدمہ 35

جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان

اکبر کی پیدائش	41	بے مروت چچا ہے اور معصوم بچے کی جان	46
اکبر اپنے چچا کامران کے پاس	47	ہمایوں کا کابل فتح کرنا	48
ہمایوں اور کامران کی جنگ	48	ہمایوں کی ہندوستان کی طرف دوبارہ توجہ	49
شاہ ابوالمعالی کی پیشوائی کرنا	50	ہمایوں کا زخمی ہونا	51
ہمایوں کی وفات پوشیدہ رکھنے کی حکمت عملی	51	بادشاہ ہمایوں کی وفات	51
اکبر کی تاجپوشی	52	شاہ ابوالمعالی کی نیت بگڑنا	52
شاہ ابوالمعالی کی گرفتاری	53	ہیموں بقال	54
ہیمو بقال کی مقابلہ کی تیاریاں	54	لڑائی کا آغاز	55
دلی پر ہیمو کا قبضہ	56	اکبر کی ابتدائی پریشانیاں	56
خان خاناں کی تقریر	57	پایتخت پاتخت	58
فال مبارک	58	پانی پت کے میدان کی طرف روانگی	59
پانی پت کی دوسری جنگ	59	اکبر کی فتح	60
ہیمو کی گرفتاری	60	مال غنیمت کا ہاتھ آنا	61

Marfat.com

بیرم خانی دور کا خاتمہ اور اکبر کی خود اختیاری

بیرم خاں کی مخالفت	62	اکبر کی خود اختیاری	63
اکبر کی پہلی یلغار، ادہم خان پر	64	روپ متی	65
قلعہ کا کرون کی فتح	66	اکبر کو قتل کرنے کی سازش	66
ادہم خاں اور اُس کی ماں کا قتل	67	دوسری یلغار، خان زماں پر	67
تیرِ آسمانی اور غیب کی نگہبانی	68	عجیب اتفاق	69
تیسری یلغار گجرات پر	69	شگون مبارک	70
اقبال کی مبارک فال	71	محبت کے ناز و نیاز	71
اکبری آئین	72	میدان جنگ کا نظارہ کرنا	74
خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت	74	بخت حسین مرزا کی گرفتاری	75
جنگ میں اکبر کا زخمی ہونا	75	حسین خاں کی بہادری	77
عجیب اتفاق	77	اکبر کے دین و اعتقاد کی ابتدا و انتہا	78
علماء مشائخ و بزرگان دین سے عقیدت	79	علماء و مشائخ کا طلوع اقبال اور قدرتی زوال	79
عبادت خانہ کی تعمیر	80	عوامی محفلوں میں بادشاہ کی شرکت	81
درباری علماء کرامؒ	82	اپنے عہد کا امام غزالی اور امام رازی	83
مذہبی رسوم کی ادائیگی میں سہولیات	83		

جلوۂ قدرت علماء و مشائخ کی بداقبالی کے اصلی اسباب

وسعتِ سلطنت	85	رحم اور حق شناسی کے جوہر	85
دینی اور دنیاوی فرقے	87	مشائخ وملاؤں سے رویہ	88
علماء بااختیار اور اکبر	89	جو کچھ کیا مصلحت کی مجبوری سے کیا	90

Marfat.com

قرابادین قدرت کے عجائب نسخے	90	علمائے عہد کا کردار	92
دوسرا کام	93	دفتر شاہی کا ایک زبان میں نہ ہونا	93
بندوبست مال گزاری	94	دفتر مال کی خرابیاں اور اصلاح	94
ملازمت اور نوکری	95	ملازمین کی تنخواہوں میں خرد برد	95
ایشیا کے فرمانرواؤں کا آئین	97	آئین داغ	98
داغ کی صورت	99	تنخواہ	101
آئین صرّاف	102		

احکام عام بنام کارکنان ممالک محروسہ

مخبروں کا خیال رکھنا	103	ترویج دانش اور کسب کمال	103
میر محلہ	104	بازاروں میں دلال مقرر کرنا	104
شراب کے باب میں بڑی تاکید	104	عیدوں کے جشنوں کا لحاظ	105
دریاؤں اور نہروں پر مردوں اور عورتوں کے غسل	105		

ہندوؤں کے ساتھ اپنایت

ہندوستانی اقوام میں برابری قائم کرنا	108	حسد اور کینہ دری	109
آتش پرست	111	اہل فرنگ کا آنا اور ان کی خاطر داری	111
ابراہیم حسین مرزا کی بغاوت	112	اکبر کی ایجاد پسند طبیعت	112
پادری فریتبون کا دربار میں حاضر ہونا	113	شیخ قطاب الدین جالیسری	114
طالب تحقیق بادشاہ	115	برہمنوں سے تسخیر آفتاب کا منتر سیکھنا	117
اکبر کے دین الٰہی کی ابتداء	118	ترک مال۔ترک جان۔ترک ناموس	118
جو امراء دین الٰہی میں شامل ہوئے	119	معافی جزیہ	120

Marfat.com

نئے دین کا اختراع	121	ضعیف حدیث کی تشہیر	123

شادی

مریم مکانی کی وفات	126	سلطنت کے آئین میں مصلحت کی رعایت	126
سنہ ہجری کی موقوفی سنہ الٰہی کا اجراء	126	جانوروں کو ذبح کرنے پر پابندی	127
آفتاب کی عبادت کے وقت	127	دو عالی شان محلوں کی تعمیر	128
اکبر کے ۱۰۰۱ نام	130	مکند برہم چاری	130
حضرت شیخ کمال بیابانی	131	اکبر پر حالت طاری ہوئی	133
جہاز رانی کا شوق	133	ملک موروثی کی یاد نہ بھولتی تھی	134
مصالح مملکت	135	اکبر نے اولاد سعادتمند نہ پائی	135
شہزادوں کی سعادت مندی کے کارنامے	139	شہزادہ مراد کی دکن مہم پر روانگی	139
سلیم کو شہنشاہی خطاب	139	دانیال کی شادی	140
خلاصہ فرمان	142	اکبر کے وفاداروں میں چپقلش	144
جہانگیر کی سنگ دلی	145	دانیال کی موت	145
ہاتھیوں کی لڑائی	146	اکبر کی بیماری	148
تاج وتخت کے لیے جنگ	148	اکبر کی بیماری میں شدت اور موت	149

ایجادہائے اکبری

اکبر ہاتھیوں کا شوقین تھا	151	میری میں ہاتھیوں کا شکار	152
گوئے آتشیں	153	چار ایوان یا عبادت خانہ	153
تقسیم اوقات	154	معافی جزیہ ومحصول	155
گنگ محل	155	التزام دوازدہ سالہ	155

Marfat.com

چاند کے مہینوں میں امورات مفصلہ ذیل کا لحاظ رکھیں	156	مردم شماری	157
خیر پورہ۔ دھرم پورہ	157	شیطان پورہ	157
زنانہ بازار	157	ترقی اجناس	157
کشمیر میں کشتیوں کی عمدہ تراشیں	158	جہاز	158

اکبر کی تحصیل علمی اور شوق علمی

فلسفہ وحکمت کے نکتے	160	ترجمہ کا سررشتہ خاص	161

کتابوں کی تفصیل جو اکبر کی فرمائش سے یا اس کے عہد میں لکھی گئیں

سنگھاسن بتیسی	161	حیواۃ الحیوان	161
اتھربن بید	162	عتاب الاحادیث	162
تاریخ الفی	162	رامائن	162
جامع رشیدی	162	تزک بابری	162
تاریخ کشمیر	163	معجم البلدان	163
نجات الرشید	163	مہابھارت	163
طبقات اکبر شاہی	163	تواطع الالہام	163
موارد الکلم	163	نلدمن	164
لیلاوتی	164	بحر الاسماء	164
مرکز ادوار	164	اکبر نامہ	164
عیار دانش	164	کشکول	164
تاجک	165	ہری بنس	165
جوتش	165	ثمرۃ الفلاسفہ	165

Marfat.com

خیر البیان 165

عمارات عہد اکبر شاہی

نگر چین	166	مسجد و خانقاہ شیخ سلیم چشتی	167
فتح پور سیکری	167	قلعہ اکبر آباد	168
ہمایوں کا مقبرہ	169	عمارات اجمیر	169
کوکر تلاؤ	169	چاہ و منارہ	170
عبادتخانہ چار ایوان	170	الہ آباد	170
قلعہ تاراگڑھ	171	منوہر پور	172
قلعہ اٹک	172	حوض حکیم علی	172
انوپ تلاؤ	172	اکبر کی شاعری اور طبع موزوں	173

عہد اکبر کے عجیب واقعات

دو جڑواں بھائی	175	مرد عورت دونوں کی علامتیں	175
بغیر کانوں کے آدمی	176	بچے کا بڑا سر	176
ہاتھی کی زنجیر سونے کی ہوگئی	176	دھوبی کا ننھا بچہ	176

خصائل و عادات اور تقسیم اوقات

علما و حکما کے جلسہ میں شرکت	177	جانوروں اور پرندوں کا شوق	178
اکبر کی خود اعتمادی	178	دشمن کے دل پر ہیبت	179
علی مرتضیٰؓ شیر خدا کا قول	179	آداب کورنش	180
تعظیمی سجدہ کی موقوفی	181	لطائف اقبال	181

Marfat.com

اکبر کی شجاعت ذاتی اور بے حد دلاوری

چیتوں کا شوق	184	ہاتھی	185
لکنہ ہاتھی	186	ہوائی ہاتھی	186
ببر شیر کا شکار	187	قمرغہ	189
سواری کی سیر	190	اکبر کی تصویر	192
سفر میں بارگاہ کا کیا نقشہ تھا	192	شکوہ سلطنت	195
سایہ بان	196	کوکبہ	196
علم	196	چتر توغ	196
جھنڈہ	196	گورکہ	196
نقارہ	197	دہل	197
سرنا	197		

جشن نوروزی

دیوان عام وخاص	198	اگلے وقتوں کے امراء کے شوق	198
ہر فن اور ہر کام کا بادشاہ	199	جشن کی ریت رسوم کی بھی سیر دیکھ لو	200
مینا بازار۔ زنانہ بازار	201	نیک نیت بادشاہ	201
جہانگیر کا دل زین خاں کوکہ کی بیٹی پر	202		

بیرم خاں خانخاناں

محمد قاسم فرشتہ کے بقول	204	شفیق آقا اور وفادار نوکر	205
ہمایوں کا قندھار فتح کرنا	210	افغانوں پر حملہ	213
ہمایوں کا دلی پر قبضہ اور جشن شاہانہ	214	امرائے دربار اور بابری سردار	218

Marfat.com

اکبر کی دانائی کا نمونہ	219	خواجہ کلاں بیگ	220
ملا پیر محمد	221	مالوہ کی مہم	224
بنگالہ کی مہم	224	امراء کے نام احکام جاری ہونا	229
خان خاناں پر بدخواہی کا داغ	229	شیخ گدائی و دیگر رفقاء کے مشورے	230
اکبر کی خوبیوں کی تعریف	230	اہل وعیال اور مرزا عبدالرحیم	234
خان خاناں کا مال ومتاع	234	منعم خاں کا حاضر خدمت ہونا	237
اتکہ خاں کا دربار میں پہنچنا	238	چہرے پر مایوسی نگاہوں میں ندامت	239
ملازمین کا ساتھ چھوڑ جانا	242	عبرت	242
خرابی خان خاناں کا اصلی سبب	242	بیرم خاں کا مذہب	243
حکایت	243	اخلاق	243
غیرت مردانہ	245	علوحوصلہ	245
نقل	245	تصنیف	246

امیر الامرا خاں زماں علی قلی خاں شیبانی

آوارہ وگمنام سپاہی	249	ادب آداب بھول جانا	250
علی قلی خاں کو خان زماں کا خطاب	250	قنبر سیاہ بخت	251
شادی خاں ایک پرانا افغان	252	دل میں دلاوری کی اُمنگ	253
سیستانی رستم کے جاسوس	253	ہیموں کا ہاتھی ہوائی	254
شادی خاں کا قتل	255	ہیموں کی گرفتاری اور قتل	255
بہادر خاں کی بہادری	258	میوات کے مفسد	258
افغانوں کا یکجا ہو کر بغاوت کرنا	259	خان زماں کے اصول	259
خان زماں پر اکبر کی پہلی یلغار	260	فتح خاں اور حسن خاں	261
کوہ پارانام ہاتھی	261	دوسری فوج کشی	262
اکبر کی مالوہ پر یلغار	263	حاجی محمد خاں سیستانی	264

Marfat.com

خان زماں جنگ کا پکا شطرنج باز	265	منعم خاں اور خان زماں میں دوستی	266
منعم خاں اور خان زماں کی ملاقات	267	امرائے شاہی اور بہادر خاں کی لڑائی	268
معز الملک مصر غرور کا فرعون اور شداد	268	ٹوڈرمل اور لشکر خاں	269
خان زماں پر نحوست کی چیل	270	آصف خاں کا معاملہ	271
میر مرتضٰی شریفی	272	تیسری فوج کشی	273
ہیرانند اور او دیانہ کا مقابلہ	276	سر لشکر کی وفات	277
علی قلی خاں کے حالات سے بے خبری	277	خان زماں کا قتل	278
اکبر کا شکر بجالانا	278	اتفاق	279

منعم خاں خان خاناں

خاندان امارت کا بانی	283	اکبر کی تخت نشینی اور منعم خاں	283
صبح کا بھولا شام کو گھر آئے وہ بھی بھولا نہیں	284	منعم خاں اکبر کا اتالیق	284
بیرم خاں کی بربادی کی تدبیریں	286	بیرم خاں کا علیشان محل	287
وکالت کا منصب اور خان خاناں کا خطاب بحال	288	منعم خاں کے بیٹے کی ذلت	289
اکبر چتوڑ کی مہم پر	291	منعم خان کے قتل کی سازش	292
بندر سوت قلعہ کی فتح سے واپسی	293	پٹنہ کے محاصرہ کا طول	294
جنگی پالیسی مرتب کرنا	296	صلح کی شرائط	296
اکبری شفقت کے دریا کا چڑھاؤ	297	سورج گڑھ مُنگیر اور بھاگل پور کی فتح	299
خان خاناں کی ٹانڈہ روانگی	300	خان خاناں روک تھام کے انتظام میں	300
بے وفا پلاؤ خور	301	ٹوڈرمل اور داؤد میں لڑائی	302
گوجر خاں کا فرار ہونا	302	داؤد کٹک بنارس میں	303
داؤد میر اور خان خاناں میں صلح	304	علاقہ گور کو آباد کرنے کا خیال	305

Marfat.com

منعم خاں کی وفات	305	منعم خاں کے اخلاق و عادات	306
منعم خاں کا تعمیراتی شوق	307	بزرگان قدیم کی عمدہ یادگار	308

خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش خاں

ابتدائی حالات	310	اکبر کا دودھ شریک بھائی	310
خان اعظم کا خطاب	311	دیپالپور کی جاگیر	311
صوبہ گجرات کی جاگیر	312	مقامی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنا	315
داغ کا آئین جاری کرنا	316	بادشاہی امراء اور افغان	317
راجہ علی خاں کی دور اندیشی	318	ماہم بیگم کی نشانی	319
راجہ علی خاں حاکم خاندیس	319	خان اعظم کی بیٹی سے شہزادہ مراد کی شادی	321
سورٹھ کا حاکم دولت خاں اور راجہ کنکار	321	لشکر کی میدان جنگ سے واپسی	322
خان اعظم کی سخاوت	323	دوارکا کی فتح	324
خان اعظم کو فرزند کا خطاب	325	شیخ ابوالفضل کا مراسلہ	327
قرۃ العین شمس الدین کا خط	328	پرتگالی بحری جہاز کی ہندوستان آمد	330
خان اعظم کی گجرات میں آمد	332	جی جی کا انتقال	334
اکبر کی بیماری	334	جہانگیر کی تخت نشینی	335
خانِ اعظم پر عتاب اور معافی	335	خان اعظم کے نواسے کی پیدائش	337
خان اعظم کی جان نثاری	338	خسرو کی رہائی اور اقرار نامہ	339
خسرو کی وفات	339	خان اعظم کا انتقال	339
ہمت، شجاعت، سخاوت، لیاقت	340	اکبر کی دلداری اور ناز برداری	340
سلاطین چغتائیہ کا آئین	341	استعداد علمی	341

Marfat.com

حسین خاں ٹکریہ

ابتدائی حالات	344	شجاعت و بہادری	344
ٹکریہ کی وجہ تسمیہ	345	گنا چور کا میدان جنگ	345
میر معز الملک کی ہمراہی	347	لکھنو کی جاگیر ملنا	347
کوہ شوالد کے مندر اور شوالے	347	قدرتی آفات کا سامنا	348
ابراہیم حسین مرزا	348	حسین خاں کی فتح	349
مرزا کی لاہور تک پیش قدمی	350	حسین قلی خاں	351
شیخ زکریا گوشہ نشین	352	پٹنہ کی مہم	353
حسین خاں کے باغی ہونے کی خبریں	354	صادق محمد خاں	355
حسین خاں کی وفات	355	دینداری اور سخاوت	356
شجاعت بہادری	357	واجب الادا قرض	358

مہیش داس راجہ بیربر

ابتدائی حالات	359	بیربر کی وجہ تسمیہ	360
سواد اور باجوڑ کا علاقہ	362	پیر روشنائی	362
افغانوں کی بہادری	364	زین خاں کا ولایت کی طرف متوجہ ہونا	366
زین خاں پیدائشی سپاہی	367	قسمت کی گردش	368
باہمی نفاق	371	بیربر کی تلاش	372
بیربر اور دین الٰہی	373	بیربر کی وفات	373
ملکی انتظام اور دفتر	374	مہمات ملکی	374
تفریح کی صحبت ناچ رنگ کے تماشے	374	مال پوا	375

Marfat.com

مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری

ابتدائی حالات	376	شیخ داؤد جھنی وال	376
ہمایوں کی طرفداری کے نقش	377	ہمایوں کے عہد میں عزت وقار	378
آدم خاں گکھڑ	379	اکبر کی علماء، فضلاء، سادات ومشائخ سے ملاقات	379
مخدوم صاحب اور شیخ صدر	381	دونوں صاحبوں کی مکہ معظمہ روانگی	381
شیعوں کا قتل عام	382	افغانوں کا ہمایوں، اکبر کے عہد میں عزت وقار	382
علم وفضل میں کمال	384	اہم تصانیف اور اولاد	385

شیخ عبدالنبی صدر

ابتدائی حالات	386	تعظیم واحترام کی حالت	386
فیضی اور ابوالفضل کی دربار تک رسائی	388	تعداد نکاح کا مسئلہ	388
علمائے دربار میں نئے نئے مسئلوں پر جھگڑے	389	متھرا کے قاضی کا شیخ صدر کے پاس استغاثہ	389
برہمنوں کا اظہار ناراضگی	390	شیخ عبدالنبی کی تنزلی	391
شیخ عبدالنبی کی مکہ روانگی	391	شیخ صدر کی فتح پور دربار میں حاضری	393
شیخ صاحب کا احتساب	394	قید اور قتل	394

شیخ مبارک اللہ عرف شیخ مبارک

ابتدائی حالات	395	شیخ مبارک کے مخالفین	395
حسب ونسب	396	شیخ مبارک کے ابتدائی ایام	398
ناگور میں قحط	398	خواجہ احرار	398
والدہ کا انتقال اور درس وتدریس کا سلسلہ	399	خطیب ابوالفضل گازرونی کی ملازمت	399

Marfat.com

عالموں کی صحبت	400	آگرہ میں آمد	400
شیخ مبارک کی پرہیزگاری	401	شیخ مبارک کے مخالفین	401
علمی عروج	402	عہد ہمایوں میں عروج	402
اکبری عہد اور شیخ مبارک	403	چند اہل بدعت تشیع	404
علمائے حسد پیشہ	407	والد کی دانش نگاہ	408
قسمت کی گردش	408	مصائب ومشکلات کا دور	410
ترک دلاوروں کی ہمنوائی	412	گردشِ ایام کا زمانہ	413
اکبر کی دربار میں ایک شخص کی تقریر	414	آگرہ کو روانگی	414
مصیبت در مصیبت	415	تنگ دستی میں دریا دلی	416
مہدی واہل بدعت شیعہ ہونے کا الزام	417	فیضی کی اکبری دربار تک رسائی	418
شیخ مبارک کا دربار میں آنا	419	اکبر کو علمی تحقیقاتوں کا شوق	419
علم موسیقی میں مہارت	420	نقل محضر	421
زمانہ کے علمائے کبار میں سے	422	حکایات اور واقعات دلچسپ	422
شیخ مبارک کی وفات	424	شیخ مبارک کی اولاد	425
شیخ ابوالفیض فیضی	425	شیخ ابوالفضل	425
شیخ ابوالبرکات	426	شیخ ابوالخیر	426
شیخ ابوالمکارم	426	شیخ ابوتراب	426
شیخ ابوحامد	426	شیخ ابوراشد	426
شیخ مبارک کی بیٹیاں	427		

ابوالفیض فیضی فیاضی

ابتدائی حالات	430	چتوڑ کی مہم پر لشکر کے ساتھ روانگی	431
بلند خیال شاعر شگفتہ مزاج عالم	432	شہزادوں کی اُستادی	433
حریفوں کا مقابلہ کرنا	433	ملک الشعراء کا خطاب	434

Marfat.com

راجی علی خان کو فرمان شہنشاہی ملنا	435	تاریخ دے فلسفی و شیعی و طبعی دہری	438
بادشاہ کا عیادت کرنا	439	تصنیفات	440
تباشیر الصبح	441	احمد آباد گجرات وغیرہ کی مہمیں	441
میر قریش ایلچی توران	442	انشائے فیضی	443
نل دمن کی داستان	444	مرکز ادوار	446
کتاب للیاوتی	447	مہابھارت کا فارسی ترجمہ	447
بھاگوت اور اتھرون بید کا فارسی ترجمہ	448	انشائے فیضی	448
تفسیر سواطع الالہام	449	موارد الکلم	450
مذہب	451	ملا بدایونی اور ابوالفضل کا دربار میں داخلہ	452
دہریہ اور بدمذہبی کے الزام	453	تفسیر سواطع الالہام اور موارد الکلام	454
جنگی یا ملکی خدمتیں	455	خلق و مروت کی پاسداری	456
سنی اور شیعہ کا اختلاف	456	۱۴ سو برس کے معاملے کی بات	457
ایک ہی منزل مقصود کے مسافر	458	پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک	458
اراکین سلطنت سے مصلحت اور مشورہ	459	اخلاق و عادات	460
شگفتہ مزاج، خوش طبع، خندہ جبیں	460	سخی اور مہمان نواز	460
عرضداشت	481		

شیخ عبدالقادر بدایونی امام اکبر شاہ

فقہ، اصول فقہ اور حدیث کے عالم	502	شگفتہ و شاداب طبیعت کے مالک	503
شیر شاہ کے رفاہی کاموں کا ذکر	505	ابتدائی حالات و حسب نسب	505
تیزیٔ طبع	506	شیخ سعدی نحوی	506
علم کا شوق	507	قاضی ابوالمعالی بخارائی	507
نانا مخدوم اشرف کی وفات	508	دوسری شادی	510
تقدیر کا اتفاق	515	جمال خاں قورچی	516

Marfat.com

سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ	518	مرزا سلیمان والی بدخشاں	519
دکن کا ایک برہمن دانا	522	پیر پرشاد	524
کوکندہ کی مہم	525	بیماری کی شدت	525
حسین خاں ٹکریہ کی وفات کا رنج	526	بانس بریلی کا انتظام کرنا	526
حج پر روانگی میں رکاوٹ	527	لڑکے کی پیدائش	527
شیخ ابوالفضل سے ملاقات	529	ملا صاحب کا تاریخ گوئی میں انصاف	531
ہجرت کے ہزار سال کی تاریخ	532	مہابھارت کا ترجمہ	533
رامائن کا ترجمہ	534	ملا محمد شاہ آبادی	536
معجم البلدان کا فارسی ترجمہ	536	مہدوی فرقہ کا حال	437
جامع رشیدی کا ترجمہ	439	مرزا نظام الدین خدمات بادشاہی میں	540
ملّا صاحب کی وفات	541	طبقات اکبری	541
شیخ فیضی اور حکیم ہمام کی وفات	544	ملّا صاحب کی وفات	545

شیخ ابوالفضل

ابتدائی حالات	548	ابوالفضل دربار اکبری میں آتے ہیں	550
انتظام سلطنت اور قانون انتظام	550	شیخ موصوف کی تحریروں کا خلاصہ	551
سورہ فتح کی تفسیر	552	دربار میں عزت وقار	552
انشاپردازی کا بادشاہ	554	قرآن مجید کی تفسیر وار نقلیں	556
شہزادے کی بلا اجازت دربار میں حاضری	556	اکبر کا ارسطو	557
دکن کے معاملات میں خرابی	557	نیک نیتی اور عقل و تدبیر	558
تلتم کے قلعہ پر قبضہ	560	سوئید بیگ اور اداب خانہ	561
آہنگ خاں کی خوشامد اور عاجزی	563	چالش لیہاں خدایو بکنالیش احمد نگر	563
بادشاہ کی عنایات و اعتبار	564	فتح آسیر	566
قلعہ مالی پر قبضہ	566	غیرت مردانہ سلطان	567

Marfat.com

جہانگیر کی بغاوت 567
ناسک کی مہم 567
محمد قاسم فرشتہ کے بقول 571
ڈچ سیاح ڈیلیٹ کے بقول 571
خود پسند اور خود رائے آدمی 572
آل تیمور میں دستور قدیم 573
ابوالفضل کے مذہب کا بیان 574
شیخ کی انشاپردازی 579
تصنیفات 580
جلد اول 581
جلد دوم 581
آغاز سال ہژدہم الٰہی از جلوس مقدس شہنشاہی 581
آغاز سال بست ودوم الٰہی از جلوس اقدس شہنشاہی 582
آغاز سال بست وششم الٰہی از جلوس شہنشاہی 582
آغاز سال بست ونہم از مبدائے جلوس 582
نکتہ چینی 586
خطاب سلاطین تیموری 587
ملا عبدالحمید کا حال 588
مکاتبات علامی 588
کلیلہ دومنہ کا فارسی ترجمہ 590
رقعات ابوالفضل 591
کشکول 592
جامع اللغات 592
رزمنامہ 592
شکل وشمائل 593
دسترخوان 594
عبدالرحمٰن 595
مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی 602

موتمن الدولہ عمدۃ الملک راجہ ٹوڈرمل

ابتدائی حالات 606
وزیر باتدبیر 606
مذہبی پابندی 607
پابندی آئین تعمیل احکام اور محاسبات 607
بہار کی مہم میں شمولیت 608
جنید کرارانی کی بغاوت 608
بنگال سے ہاتھیوں کا تحفہ 610
پٹھانوں کے ساتھ معرکہ آرائی 611
وزیر خاں کی بے تدبیری 611
بنگالہ میں دوبارہ بغاوت 612
بادشاہ کا جشن ضیافت 613
بادشاہ کی کشمیر روانگی 614
علمی لیاقت 616
فارسی زبان کی ترویج 616

Marfat.com

تجویز وتدبیر میں مصلحت 617 تنخواہ اور جاگیروں میں امراء کے قواعد وضوابط 620

راجہ مان سنگھ

ابتدائی حالات 623 مذہب کی دیوار اور قانون قومی کا قلعہ 625
ہلدی گھاٹ کا معرکہ 627 راجپوتوں سے مقابلہ 629
راجہ رامساہ گوالیاری 630 رانا کے ساتھ مان سنگھ کا مقابلہ 631
مرزا حکیم کی بغاوت 632 مرزا حکیم کا فرار ہونا 634
اکبر کا مرزا حکیم کو مراسلہ 635 مرزا حکیم کی کہانی 637
فریدوں خاں فوج لے کر نمودار ہونا 640 راجپوتوں کی دلاوری 640
خاندان کچھواہہ سے ولی عہد کا تعلق 641 مرزا حکیم کی موت 641
خسرو کی پیدائش 643 حرم سرا اور محلوں کا انتظام 643
ٹوڈرمل کی وفات 644 قتلو خاں سے جنگ 644
کارنامے اور اس کی ہمتوں کے ہنگامے 645 راجہ بہار کا اکبر کی اطاعت کرنا 646
عیسیٰ خان کی بغاوت 647 نحوست کی سیاہ چادر 647
توران کی فتح کا شوق 648 مان سنگھ کا ستارہ سعد اکبر 649
منوچہر شاہ کا غلام معتبر 650 عالی ہمتی اور دریا دلی 651
خوش اخلاق، ملنسار، شگفتہ مزاج 651 جہانگیر کے عہد میں تنزلی 653
مان سنگھ کی تاریخ زندگی 653 تحقیق 654
نکتہ رسی 654 ہندو مسلم اتحاد کی مثال 655

مرزا عبدالرحیم خان خاناں

ابتدائی حالات 656 بیرم خاں کی قدر ومنزلت میں کمی 656
بیرم خاں کی وفات کے بعد لوٹ مار 657 مصیبت زدوں کا احمد آباد میں قیام 658

Marfat.com

اکبر کی عبدالرحیم پر شفقت	658	ہونہار لڑکا اکبری سایہ	659
مرزا خاں کا حسن	660	مرزا خاں کی شادی	660
ایک مبارک شگون	660	بادشاہ کی منظورِ نظری	661
احمد آباد کی حکومت ملنا	662	اجمیر میں فساد	663
شہزادہ سلیم کا اتالیق	663	امرائے سلف،علوم کے ذیل میں	667
ہونہار نوجوان	668	گجرات پر اکبر کی یلغار	669
فلک کا قاعدہ	670	اعتماد خاں اور شہاب خاں کے درمیاں چپقلش	671
لڑ مرنے کی قسمیں کھانا	673	کاٹھی اور کولی اور جنگلی لٹیرے	674
شہاب اور اعتماد قطب الدین خاں	674	پشتوں کا خدمت گزار	675
ترک ،افغان، گجراتی	676	ایرانی دلاور اور سورما راجپوت	676
ایک جھوٹی ہوائی	677	لڑائی کی تیاریاں	677
خاتمہ سخاوت	679	خان خاناں کی فتح کا نشان	680
رستم اور اسفندیار کے فتح ناموں کی یاد	680	تیز نظر سپہ سالار	681
خطوط،مراسلات کا ایک پرانا مجموعہ	681	اتفاق	682
مرزا خاں کے کارنامے	683	ابوالفضل اور حکیم ہمام کو خط	684
خط کا جواب	684	خان خاناں کا اور شیخ کا معاملہ	685
امراء کا ایک دوسرے کے گھر جمع ہونا	685	مظفر خاں کی تیسری مرتبہ بغاوت	686
راجی علی خاں	687	حکام دکن اور خاندیس	687
خان اعظم کی آمد اور لڑائیوں کا آغاز	687	بدخشاں پر فوج کشی	688
مظفر خاں کی گاہے بگاہے بغاوتیں	689	واقعات بابری کا ترجمہ	689
ٹھٹھہ کی فتح کا خیال	690	حکیم ہمام کا خط موصول ہونا	691
قندھار فقط نام کا میٹھا	692	سندھ کی تسخیر	693
مرزا جانی کا فوج لے کر پہنچنا	693	بادشاہی فوج کی کثرت	694
جوان [illegible] فتح ولایت	695	مراد کی دکن کی مہم پر روانگی	698

Marfat.com

احمد نگر پر یلغار	698	چاند بی بی	700
قلعہ گیری اور شہر داری	701	قدرت کا تماشا	702
سرنگوں میں گرم پانی چھوڑنا	702	سرنگوں کی تباہی	703
چاند بی بی کی ہمت مردانہ	704	سہیل خاں حبشی کی آمد	704
سہیل خاں کا فوج لے کر میدان جنگ میں آنا	706	سہیل خاں کی فوج کا قتل اور پسپائی	707
اقبال اکبری کی طلسم کاری	708	خانِ خاناں کے اقبال کا کارنامہ	710
شہزادہ کی شراب خوری و بدحالی	710	شہزادہ دانیال کی مہم پر روانگی	711
خان خاناں کا احمد نگر کا محاصرہ	712	ابوالفضل اور خان خاناں کی دشمنی	713
عادل خانی اور قطب الملکی	717	ملک موروثی کا خیال	718
دردناک لطیفہ	720	خان خاناں کا ستارہ غروب ہوتا ہے	720
نور جہاں بیگم	720	شطرنج زمانہ کے پکے چال باز	725
جانا بیگم کے ہمت و حکمت کے سبق	725	ارکان دولت کو حکم	727
بادشاہ و بیگم کو قید کرنا	727	تزکِ جہانگیری کے بقول	728
خان خاناں کا مذہب	729	اخلاق اور طبعی عادات	730
استعداد علمی اور تصنیفات	732	اولاد	733
مرزا ایرج	733	شجاعت، ہمت، عالی دماغ	734
سلاطین ایشیائی کے اصول و فروغ	734	شاہنواز خاں خطاب	734
رحمٰن داد	735	امر اللہ	736
حیدر قلی	736	جانا بیگم	736

میاں فہیم

ابتدائی حالات:	737	میاں فہیم کی جانثاری:	738
باغ فتح	739	امارت اور دریادلی کے کارنامے	739

Marfat.com

نظیر نیشاپوری کو دولاکھ روپے انعام	741	چکوا چکوی کی زبانی کبت	741
ایک بھوکا برہمن اور خان خاناں	741	توپ کے گولہ کے برابر سونا دینا	742
خانِ خاناں کی خوبیاں اور محبوبیاں	742	سپاہی کو ہزار روپے انعام	743
ایک آدمی کو نوکری دینا	744	مصور کو پانچ ہزار روپے انعام	744
موزونی طبع	745		

مسیح الدین حکیم ابوالفتح گیلانی

ابتدائی حالات	748	خواجہ حسین ثنائی	748
اکبر کے نام کی دھوم	749	افغانوں کے فساد	749
باباخاں اور مجنوں خاں قاقشال	750	کشتیاں جمع کرنا	750
ائمہ مساجد اور بزرگان مشائخ	750	انسانیت کا صراف	753
مرزا سلیمان حاکم بدخشاں	754	بے دینی کا نشتر	755
واردات	757	قیاسیہ	757
چارباغ	757		

حکیم ہمام

ابتدائی حالات	759	علم وفضل لیاقت اور قابلیت	759
زمانہ کے مزاجدان اور عالم کے نبض شناس	760	ملکی خدمتیں	760
بادشاہ کا اکثر یاد کرنا	760	مرتے کے ساتھ کون مرگیا	761
حکیم حسن اور شیخ فیضی	762	والئ توران سے دوستی	762
بدمزاج اور مغرور	763	ہر چند فن طب	763
شعروشاعری کا شوق	763	حکیم نورالدین قراری	764

Marfat.com

شاہ فتح اللہ شیرازی

ابتدائی حالات	766	شیراز سے بلانا	767
علم و فضل	767	عضد الدولہ میر فتح اللہ امین الملک	769
تسخیر دکن کا ارادہ	769	دکن کی داستان طویل	770
ذات کا حال	773	فضیلت و قابلیت	773
خلاصۃ المنہج	774	نہج الصادقین	774
تاریخ الفی	774	زیچ جدید	774
ہندوستان کی سیر	776	سچے اخلاص و نیاز	777

تتمہ

آصف خان	779	رانی دُرگاوتی	780
برہان نظام شاہ	783	ابتدائی حالات	783
برہان الملک کا قید سے بھاگنا	783	قسمت نے یاوری نہ کی	784
میر جمال الدین حسین آنجوکہ	784	امرا کی سرکشی و سرداری	785
حسین نظام الملک	785	اسماعیل نظام الملک	785
نصیحتیں وصیتیں	786	فرمان مذکور کی تعمیل	786
برہان کی قسمت	787	اسد خاں اور فرہاد خاں کی سپہ سالاری	787
ابراہیم برہان الملک	788	چاند بی بی	789
پیر روشنائی	789	تردی بیگ خاں ترکستانی	791
تورہ چنگیزی	792	چتور کی فتح	793
حسین قلی خاں کی عرض	796	پنڈولی سے بسی تک	797

Marfat.com

رام پور کی فتح	798	حاجی ابراہیم	798
ابتدائی حالات	798	**حسی قلی خان خان جہان**	799
ابتدائی حالات	799	ہیموں کے مقابلہ میں بہادری کے کارنامے	799
باغی مرزا اشرف الدین حسین	800	پنجاب کا علاقہ واپس لینا	800
راجہ جے چند کو قید کرنا	801	کوٹلہ کے حاکم کا مقابلہ کرنا	801
کوٹ کانگڑہ کا محاصرہ	801	بھریلی کی آبادی پر قبضہ	802
اکبر کی گجرات کی مہم سے واپسی	804	اُزبکوں سے مقابلہ	804
بھاگل پور، بہار میں آمد	805	ٹوڈرمل کی نیک نیتی	805
مشرقی مہم کا خاتمہ	805	دونوں فوجوں کا آمنا سامنا	806
پانچ لاکھ روپیہ کا خزانہ	807	**سید میرک**	808
اسماعیل قلی خاں	810	عیش وعشرت کے عاشق	810
حکیم مصری	811	**خاندان سوری**	812
ہمایوں کے پیچھے افغانوں کا کیا حال تھا	812	افغان سلطنت کا بانی	812
شیر شاہ کے رفاہی اقدامات	812	ہمایوں کی جلاوطنی	814
جلال خاں کی تخت نشینی	814	فیروز خاں کی تخت نشینی	816
دکن کا ایک سازندہ	817	عدل کی ہوا بگڑ گئی	818
خداوند خاں دکھنی	818	ابتدائی حالات	818
خواجہ مینا	819	ابتدائی حالات	819
رشوت خوری اور بخیلی	820	سورہ محمد ﷺ کی تفسیر	820
خواجہ شاہ منصور	821	حساب کتاب اور تحریر وتقریر میں کارگزار	821
مالگواری کا بندوست	822	ٹوڈرمل سے چشمک	823
مرزا حکیم کا لاہور تک پہنچنا	823	خواجہ مظفر علی الخاطب بہ مظفر خاں	824

Marfat.com

داغ اور دفتر مالگواری میں خالصہ کا آئین	825	بنگال کا انتظام	826
راجگان میواڑ یا اُودے پور	826	تزکِ جہانگیری کے بقول	826
رانا سانگا	827	قندھار حسن ابن مکن کے پاس	827
آپس کی کشاکشی	828	پرتاب کی تخت نشینی	828
رن تھنبور	828	رن تھنبور قلعہ کی تاریخ	829
سادات بارہہ	830	سلیمان کرانی	831
عدلی، سکندر سور، ابراہیم سور	831	خان زماں کی گرمجوشی	832
لودھی خاں، گوجر خاں، قتلو خاں	832	سلیمہ سلطان بیگم	834
بیرم خاں سے شادی	834	سلطان مظفر گجراتی فرمانروائے گجرات واحمد آباد	835
سورت کے قلعہ کی فتح	836	سلیمانی توپیں	837
سید محمد جونپوری	838	علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دستگاہ کامل	838
سید محمد میر عدل	839	سید رفیع الدین صفوی	840
شاہ عارف حسینی	841	شاہ ابوالمعالی	843
بے مثال قصیدہ	843	خاندان بابری کے اندرونی و بیرونی اسرار اور معلومات	844
مکہ معظمہ روانگی	845	شرف الدین حسین مرزا	847
والد بزرگوار کی آمد	848	امرائے ترک بنگالہ کی بغاوت	848
شمس الدین محمد اتکہ خان۔خان اعظم	849	صاف دل آدمی	849
بیرم خاں کی مہم بڑی مہم	851	مدد الٰہی پر توکل	851
وکیل مطلق کا منصب	852	خان اعظم کا قتل	852
عبرت تقدیر کا تماشا	854	ناصر الملک ملا پیر محمد خان	855

Marfat.com

ہم پیالہ وہم نوالہ	855	باز بہادر کی آمد	856
اتفاق عجیب	857	خان زماں علی قلی خان	857
قلعہ مان کوٹ کا محاصرہ	858	باز بہادر پسر سجاول خان	858
شمس الدین حکیم الملک گیلانی	859	شہزادگان تیموری	862
ابراہیم حسین وغیرہ	862	نولاکھ سوار کے لشکر	863
بے حیائی کا خضاب	863	چیتے کے شکار کا شگون	865
شاہی لشکر کی آمد	866	باباخاں قاقشال	866
اکبر پر قاتلانہ حملہ	867	رائے سنگھ، رام سنگھ، فرخ خان	867
راجہ باڑہ مل مان سنگھ کے دادا	868	گل رخ بیگم	868
شیری ملا	870	شیخ گدائی کنبو	872
بزرگان وشرفا وامرا	874	اراضی ومدد معاش	874
شیخ گدائی اوران کے بزرگ	876	شیخ حسین اجمیری	876
ابتدائی حالات	876	متولی اجمیر شریف	877
شیخ محمد غوث گوالیاری	877	سپاہی مزاج امیر	878
مصاحبان روحانی	878	شیخ کی ہدایت وارشاد	879
رسالہ معارجیہ	880	مصنف کتاب ہذا کے بقول	880
وفات	881	جواہر خمسہ	881
شیخ ضیاء اللہ	882	صوفی نما مصاحبوں میں سے	882
ذات پاک جزوکل سے پاک	884	ذات پاک پر کلیت اور جزئیت کا اطلاق	884
شیخ ابوالفضل سے دوستانہ راہ ورسم	885	شیخ علائی	885
میاں عبداللہ خان نیازی	886	توکل اللہ	886
دائرہ مہدویت میں داخلہ	887	حج پر روانگی	887

Marfat.com

شیخ علائی کی تقریر 886
سلیم شاہ اس کی تقریر کا عاشق 890
سلیم شاہ کے لشکر میں شمولیت 891
شیخ کو سزائے موت 893
خدا کی قدرت 894
سیر و سیاحت 895
شہزادہ سلیم کی پیدائش 897
دوبارہ ہندوستان آنا 898
وصال کا وقت 899
نواب قطب الدین خاں اور جہانگیر 900
بے گناہ قیدیوں کی رہائی 901
بابر کی ہندوستان کی طرف توجہ 902
شیبانی خاں کی فتوحات 903
بابر افغانستان میں 905
ہمت کے رستم 906
تاریخ رشیدی کے بقول 907
خاک ایرانی جیسی گل انگیز 909
نکتہ تاریخی 911
تورانیوں یا افغانوں سے اتفاق ناممکن 912
سکندر خاں ازبک 914
چار ایوان کی تعمیر 915
قاضی نظام بدخشی مخاطب
بہ غازی خاں 919
تیز طبع اولوالعزم لوگوں کا قاعدہ 889
ہمیشہ فساد کے لیے تیار رہنا 890
شیخ علائی کے گھر سے موسیقی کی آوازیں 892
شیخ سلیم چشتی کا حال 894
عالم تصوف کی کیفیتوں میں ڈوبا ہوا 895
شیخ سلیم کی دعا سے اکبر کے گھر اولاد ہونا 896
مصنف کے بقول 897
تزکِ جہانگیری کے بقول 898
اولاد 900
سلسلہ صفیہ اور خاندان تیموری کا تعلق 901
شیخ جنید مسند ہدایت پر 901
شیبانی خاں کے اقتدار کا عروج 903
قزلباش کے خونریز دستے 905
عبداللہ خاں ازبک 906
عبداللہ خاں ازبک سے مقابلہ 907
شاہ طہماسپ کی مہمان نوازی 908
ہمایوں کو مذہب شیعہ اختیار کرنے کی دعوت 911
شیخ حمید سنبلی 912
عبداللہ خاں اُزبک 913
عبداللہ نیازی سرہندی 915
فصلی سن کی بابت فرمان 916
رسالہ اثبات کلام و بیان ایمان 621

Marfat.com

ملا عالم کابلی	622	شیخ ابوالفضل اور غازی خاں	623
قندھار	624	کوہستان بدخشاں	626
تعلیم، صنعت گری، زراعت، تجارت	627	محمد حکیم مرزا	628
مرزا سلیمان حاکم بدخشاں	933	مرزا شاہرخ	939
میر عبداللطیف قزوینی	942	نقابت	944
نظام الدین احمد بخشی صاحب		طبقات اکبری	946
طبقات اکبری	945		
ہیمو بقال	947	ہیمو کی ہمت کیوں نا کام رہی	951

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت قبلہ وکعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ایسی نہیں جس پر میرے جیسا ہیچمدان کج مج بیان کسی مقدمہ لکھنے کی جرأت کرتا۔ لیکن کتاب ہذا کا پہلا ایڈیشن جو مطبع رفاہ عام لاہور میں چھپا تھا (جس کے مالک ومنیجر میر ممتاز علی صاحب ہیں) اس کے آغاز میں منیجر صاحب موصوف نے ایک ایسا عجیب وغریب مقدمہ تحریر کر دیا جسکی وجہ سے نہ صرف مجھے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ دوسرا ایڈیشن اپنے اہتمام سے دوسرے مطبع میں چھپواؤں بلکہ منیجر صاحب موصوف کے تحریر کردہ مقدمہ کی اصلی حقیقت ظاہر کرنے کیلئے مجھے اس امر کی جسارت کرنے پر بھی مجبور ہونا پڑا کہ کتاب ہذا کے ساتھ ایک مختصر مقدمہ شامل کر دوں۔

میر ممتاز علی صاحب نے پہلے ایڈیشن کے ساتھ جو مقدمہ لکھا ہے اس میں تحریر کا انداز ایسا رکھا ہے کہ گویا دربار اکبری کا کوئی ایسا مسودہ مرقومہ حضرت قبلہ مرحوم ان کو دستیاب نہ ہوا جو مسودہ سمجھا جانے کے قابل ہو۔ بلکہ ایک ٹوٹا پھوٹا، بے ربط، بے ترتیب بے سروپا مجموعہ چند پرچوں اور پرزوں اور دیگر کاغذات کا ایسی مشکلات ومصائب طے کرنے کے بعد جو ہفتخوان رستم کی مشکلات سے مشابہ تھیں میر صاحب موصوف کے ہاتھ آیا۔ اور ایسی جستجوئیں اور تفتیشیں ان کاغذات کی بہم رسائی کے لئے ان کو کرنی پڑیں جو بہت ہی قابل داد ہیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک غلط بیانی میر صاحب کے لکھے ہوئے مقدمہ میں یہ تھی کہ انہوں نے حضرت قبلہ مرحوم کی نسبت یہ تحریر کیا کہ "وہ یہ سن کر کہ میں ان کا مسودہ لینے کے درپے ہوں جوش جنوں میں مسودات کا ایک بستہ لیکر دریائے راوی پر پہنچے اور پل پر کھڑے ہو کر اس کو دریا برد کر دیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اس میں دربار اکبری کا صاف شدہ مسودہ ہوگا"۔ اس فرضی دریا بردگی کے قصے پر (جس کا علم سوائے میر صاحب کے کسی اور شخص کو نہیں جو غالباً اس وقت ہمراہ ہونگے) میر صاحب موصوف نے کمال اندوہ وخلق اور درد وسوز کے ساتھ یہ بھی ارقام فرمایا کہ "خدا جانے اس سخنور نے نظم ونثر کے کیا کیا موتی پروئے ہونگے جو ہماری بدقسمتی

Marfat.com

سے دریا میں غرق ہو گئے۔'' غرض کہ میر صاحب کے اس بیان کے ساتھ جب ان کے مزید ایسے بیانات کو شامل کیا جائے جن کا ماحصل یہ ہے کہ جو مسودہ شاگردوں کا صاف کیا ہوا تھا وہ غلطیوں کا مجموعہ تھا اور جو مسودہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا وہ بیشمار چھوٹے چھوٹے پرزوں پر تھا جو علاوہ بہت کٹے ہوئے اور مشکوک و مشتبہ ہونے کے پڑھے جانے کے بھی قابل نہ تھے اور پنسل سے لکھی ہوئی تحریریں قریبا محو ہو چکی تھیں اور انہیں وجوہات سے میر صاحب کو مسودہ میں جابجا تصرفات کرنے پڑے (جس میں کہ حذف اور ایزاد اور تبدیلی غرض کہ ہر قسم کے تصرفات شامل ہیں) اور اور ورق کے اور ورق جو گم تھے ان کی گمشدگی دیکھ کر بقول میر صاحب ''بجز اس کے اور کیا چارہ ہو سکتا تھا کہ اس حصہ ناقص کو میں خود لکھ کر پورا کروں۔'' تو ان بیانات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کے دل پر سوائے اس کے اور کیا اثر پیدا ہو سکتا تھا کہ بحیثیت مجموعی کتاب دربارِ اکبری دراصل قریبا میر صاحب موصوف ہی کی عرق ریزی اور محنت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حضرت قبلہ مرحوم کے صاف کردہ مسودات تو دریائے راوی میں ہی غرق ہو چکے تھے۔ علاوہ بریں بقول میر صاحب موصوف ضمیمہ دربارِ اکبری تو تمام وکمال ہی میر صاحب موصوف کا اپنا لکھا ہوا ہے۔

ایسے حالات میں دربارِ اکبری کی وقعت میں اسی قدر فرق آ جانے کا احتمال ہے جس قدر حضرت قبلہ مرحوم اور میر صاحب کی وقعت میں تفاوت ہے اور اس لئے اس امر کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ اصلی واقعات کا پبلک پر انکشاف ہو جائے۔

حقیقت حال یوں ہے کہ جس وقت میر ممتاز علی صاحب نے مطبع رفاہ عام کی مشینیں ولایت سے منگوائیں تو قدرتی طور پر ان کو چھاپنے کے لئے کتابوں کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے بھی کتابوں کے چھپوانے کی درخواست کی۔ میں نے بغیر کسی قسم کے شک کے دربارِ اکبری اور سخندانِ فارس کے حصہ اول کا مسودہ میر صاحب کو دیدیا اور معاہدہ یہ ہوا کہ دونوں کتابوں کے خرچ چھپوائی وآمدنی فروخت میں میرا اور ان کا نصف نصف حصہ ہوگا۔ مسودوں کے لئے جانے کے قریبا چھ مہینے کے بعد میر صاحب نے مجھے ایک طویل خط لکھا اس میں بہت پیچ در پیچ شرائط دربارِ اکبری کے چھاپنے کی نسبت پیش کیں۔ جن کو میں نے منظور نہ کیا اور صاف لکھ دیا کہ آپ دربارِ اکبری کا مسودہ واپس کر دیں۔ جب میر صاحب نے دیکھا کہ میں کسی طرح راضی نہیں ہوتا تو انہوں نے پھر وہی شرط سابقہ نصف نصف حصہ خرچ وآمدنی کو منظور کر کے کتاب چھاپنی شروع کی۔ مقدمہ کے صفحہ اول پر جو میر صاحب نے دربارِ اکبری کے مسودہ حاصل کرنیکی کوشش کا ذکر کیا ہے یہ بالکل صحیح نہیں۔ وہ کبھی کتب خانہ مصنف مرحوم میں داخل ہو کر کسی کتاب کو چھونے کے مجاز نہیں ہو سکتے تھے۔ پچھلے صفحات

Marfat.com

پر جو میر صاحب نے مسودوں کا بستہ دریائے راوی میں ڈالنے کا ذکر کیا ہے یہ بھی درست نہیں۔ میں نے جس وقت حضرت قبلہ و کعبہ مرحوم کی طبیعت میں مجذوبیت کا اثر دیکھا تو فوراً تمام مسودے جواب تک چھپوا چکا ہوں کتب خانے سے خود نکال لئے۔ جو مسودہ میں نے میر صاحب کو دیا تھا وہ آخری مرتبہ صاف شدہ مسودہ تھا۔ لیکن چونکہ حضرت مرحوم کا قاعدہ تھا کہ ہر ایک مسودہ خواہ کتنی ہی دفعہ دیکھا ہوا ہو ہمیشہ ترمیم کرتے رہتے تھے۔ اس لئے جگہ جگہ کٹا ہوا ضرور تھا۔

حضرت مرحوم نے تمام حالات اعیان دربار اکبری کے علیحدہ علیحدہ کاغذوں میں ترتیب دیکر رکھے ہوئے تھے۔ اور غالباً اسی ترتیب سے ان کو کتاب میں درج کرنا منظور تھا۔ اگرچہ مسودہ مذکور کٹا ہوا تھا اور کہیں کہیں چیپیاں بھی لگی ہوئی تھیں مگر وہ ایسی حالت میں تھا کہ ایک سمجھدار کاتب ایسے شخص کی نگرانی میں جو مصنف کی تحریر پڑھنے کا عادی ہو اچھی طرح سے نقل کر سکتا تھا۔ چنانچہ سخندان فارس کا مسودہ جو میں نے ۱۹۰۷ء میں چھپوایا ہے بالکل ایسی ہی حالت میں تھا اور مجھے اس کے چھپوانے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔

پچھلے صفحہ کے آخر میں جو میر صاحب نے لکھا ہے کہ بعض ناقص حصوں کو میں نے خود لکھ کر پورا کیا ہے درست نہیں۔ تمام حالات بالکل مکمل تھے۔ اور مصنف مرحوم اپنے مختلف احباب سے بارہا حالت صحت میں ذکر کر چکے تھے کہ مسودہ بالکل مکمل ہے صرف چھپوانے کی دیر ہے۔ مسودہ جوں کا توں میں نے مقفل رکھا ہوا تھا۔ کوئی کاغذ بھی اس کا ضائع نہیں ہوا۔ سنین کی صحت کی نسبت جو میر صاحب نے لکھا ہے وہ سہو کتابت ہے اور اس کا مضائقہ نہیں ہے۔ پچھلے صفحات میں مَیں نے علی قلی شیبانی کی جگہ علی قلی خاں سیستانی کر دیا ہے یہ صحیح کو غلط کر دیا ہے۔ کیونکہ اصل میں علی قلی خاں شیبانی درست ہے۔ علی قلی خاں شیبانی قبیلہ کا تھا۔ جہاں جہاں کتابوں کے حوالے دیئے ہوئے ہیں وہاں اصل کتاب کے مضمون شاگردوں یا دوستوں کے نقل کئے ہوئے موجود ہیں۔ چنانچہ ایک خط حافظ ویران مرحوم کا اصل مسودہ میں رکھا ہے کہ میں منتخب التواریخ میں سے فلاں حصہ نقل کروا کر بھیجتا ہوں اور وہ نقل مسودہ میں شامل تھی۔ پچھلے صفحہ پر جو تتمہ خود لکھنے کا ذکر میر صاحب نے کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔

چونکہ الحق یعلوا و لا یعلے کا ارشاد بالکل صحیح ہے اس لئے تائید غیبی یہ ہوئی کہ میر صاحب موصوف نے دربار اکبر طبع چھاپنے کے بعد کتاب مذکور کا مسودہ جو میں نے ان کو دیا تھا مجھے واپس کر دیا اور دیتے وقت وہ تتمہ کا مسودہ دستخطی حضرت مرحوم بھی نکالنا بھول گئے جس کی نسبت انہوں نے ایسی دلیری سے لکھ دیا تھا کہ وہ قریباً تمام و کمال ہی ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ تتمہ کے اس مسودے میں مجھے خداوند خاں دکنی۔ سکندر خان ازبک۔ مرزا شاہرخ۔ تردی بیگ ترکستانی۔ قاضی

Marfat.com

نظام بدخشی ۔ملا عالم کابلی۔ برہان نظام شاہ۔ حسین نظام الملک۔اسماعیل نظام الملک۔ابراہیم برہان الملک۔ چاند بی بی۔ میر عبداللطیف قزوینی۔میر غیاث الدین علی۔خواجہ مظفر علی تربتی۔ حکیم الملک گیلانی۔شاہ ابوالمعالی۔مرزا شرف الدین حسین۔ ابراہیم حسین۔گل رخ بیگم۔حکیم محمد مرزا۔تورہ چنگیزی۔ ملا شیری۔حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔حضرت محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ۔شیخ گدائی کنبو۔ ہیمو بقال۔ سادات بارہہ۔سلیمہ سلطان بیگم۔شمس الدین محمد اتکہ خاں۔شہاب خاں۔ ناصر الملک ملا پیر محمد خاں۔محمد سعید بہادر خاں۔حسین قلی خاں۔خان جہاں۔اسماعیل قلی خاں۔خواجہ ابیتا۔خواجہ شاہ منصور۔آصف خاں۔عبداللہ خاں ازبک۔شاہ عارف حسینی۔میاں عبداللہ نیازی سہرندی۔شیخ علائی۔سلیمان کرانی۔سید محمد میر عدل۔رن تھنبور۔نظام احمد بخشی۔سید محمد جونپوری۔ حکیم مصری۔پیر روشنائی۔خاندان سوری کے حالات مصنف کے اپنے قلم سے درست کیے ہوئے مل گئے۔ جو کتاب مطبوعہ میں حرف بحرف نقل کیے گئے ہیں۔اصل کتاب میں مصنف نے جگہ جگہ تتمہ کا حوالہ دیا ہے یہی ایک بدیہی ثبوت اس امر کا ہے کہ مصنف نے تتمہ لکھ لیا ہے۔مسودات مذکورہ بالا جس کا جی چاہے میرے پاس دیکھ سکتا ہے۔

پچھلے صفحات میں میر صاحب نے تحریر کیا ہے کہ جو خیالات حضرت قبلہ مرحوم سے وہ سنا کرتے تھے ان کو اپنے الفاظ میں لکھ کر انہوں نے مقولہ آزاد ظاہر کیا ہے چنانچہ میر صاحب کے اصلی فقرات نقل کر دیئے جاتے ہیں:۔

> ''مصنف کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی کسی واقعہ کے بیان میں اپنے تئیں بہ لفظ آزاد خطاب کر کے اپنے خیالات دلی ظاہر کیا کرتا ہے۔ مجھے چونکہ اپنے معزز استاد کے ہمراہ تقریباً پندرہ سال تک رہنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے جہاں تک مجھے اس معیت سے ان کے عادات وخیالات سے آگاہی ہو سکتی تھی اس کے لحاظ سے میں نے اسی طرح بعض اوقات پر ان کے دلی خیالات ظاہر کئے ہیں اور چونکہ وہ انہیں کے خیالات ہیں۔اس لئے میں نے وہاں آزاد کا لفظ ہی لکھنا مناسب جانا ہے۔درحقیقت یہ کام کئی سال کا تھا جس کو میں نے چند ماہ میں ختم کیا۔''

اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ جس کا دل چاہے وہ اصل مسودات دستخطی حضرت قبلہ مرحوم میرے پاس دیکھ کر میر صاحب کے اس بیان کی صحت کا خود اندازہ کر لے۔اس موقع پر اس لطیفہ کا ذکر کر دینا خالی از لطف نہ ہوگا کہ آئندہ صفحات میں یہ فقرات درج

Marfat.com

ہیں:۔''آج سے پندرہ سولہ برس پہلے تک میں نے خود دیکھا کہ تورہ چنگیزی کا اثر باقی چلا آتا ہے۔''
ان فقران کو کم از کم اس تتمہ میں ضرور حذف کر دینا چاہئے تھا جس کو میر صاحب تمام و کمال اپنی تحریر ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت قبلہ مرحوم کا سفر بخارا کرنا تو سب کو معلوم ہے مگر جناب میر صاحب کو یقیناً خود اقبال کرنا پڑے گا کہ وہ کبھی حدود ہندوستان سے آج تک باہر تشریف نہیں لے گئے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ میری نظر سے گزرا جو قابل ذکر ہے۔ یعنی بعض بعض حاشیئے جو اصلی مسودات دستخطی حضرت قبلہ مرحوم میں موجود ہیں ان کو میر صاحب نے کتاب مطبوعہ میں بجنسہ نقل کر کے ان کے نیچے اپنا نام یعنی ممتاز علی لکھ دیا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میر صاحب کے اپنے نتائج طبع ہیں۔

ان حالات کا انکشاف پبلک کی اطلاع کے لئے اشد ضروری تھا تا کہ ان کی کتاب ہذا کی وقعت میں کوئی شبہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ منتخب مبصران زبان اور پیچیدہ سخندان تو حضرت قبلہ مرحوم کی زبان وکلام اور ان کے لطف بیان کو خود پہچان سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی سے مجھے ایک دفعہ پٹیالہ میں جناب آنریبل خلیفہ صاحب مرحوم کے مکان پر نیاز حاصل ہوا تو انہوں نے تعجب سے دریافت فرمایا کہ جو مضمون سیر ممتاز علی نے مقدمہ دربار اکبری میں لکھا ہے کہ تتمہ ان کی تحریر ہے درست ہے؟ میں نے تمام حالات عرض کر دیئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تتمہ کی عبارت پڑھ کر مجھے پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ یہ زبان مولوی صاحب کے سوا کسی دوسرے شخص کی نہیں ہو سکتی۔ امید ہے کہ جو جو لوگ زبان کے نبض شناس ہیں انہوں نے میر صاحب کے ان بیانات کی حقیقت اور وقعت کو پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا لیکن جن صاحبان کو کوئی مغالطہ یا شکوک پیدا ہوئے ہوں ان کو اب اس امر کا عین الیقین ہو جانا چاہئے کہ دربار اکبری میں کوئی قابل تذکرہ تحریف یا تصرف نہیں کیا گیا۔ بلکہ بحیثیت مجموعی یہ حضرت قبلہ مرحوم کی اصلی تصنیف اور ان کے دستخطی مسودات کے مطابق ہے۔

خاکسار

محمد ابراہیم

منصف امرتسر

مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۰ء

Marfat.com

جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان

امیر تیمور نے ہندوستان کو زور شمشیر سے فتح کیا۔ مگر وہ ایک بادل آیا تھا کہ گرجا برسا اور دیکھتے دیکھتے کھل گیا۔ بابر اس کا پوتا❶ چوتھی پشت میں ہوتا تھا۔ سوا سو برس کے بعد آیا۔ اس نے سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی کہ اسی رستے ملک عدم کو روانہ ہوا۔ ہمایوں اس کے بیٹے نے قصر سلطنت کی بنیاد کھودی اور کچھ اینٹیں بھی رکھیں۔ مگر شیر شاہ کے اقبال نے اسے دم نہ لینے دیا۔ اخیر عمر میں اس کی طرف پھر ہوائے اقبال کا جھوکا آیا تو عمر نے وفا نہ کی۔ یہاں تک کہ ۹۶۳ ہجری میں یہ با اقبال بیٹا جانشین ہوا۔ تیرہ برس کے لڑکے کی کیا بساط۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو۔ اس نے سلطنت کی عمارت کو انتہائے بلندی تک پہنچایا۔ اور بنیاد کو ایسا استوار کیا کہ پشتوں تک جنبش نہ ہوئی۔ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ پھر بھی اپنی نیک نامی کے کتابے ایسے قلم سے لکھ گیا ہے کہ دن رات کی آمد و رفت اور فلک کی گردشیں انہیں گھس گھس کر مٹاتی ہیں مگر وہ جتنا گھستے ہیں اتنا ہی چمکتے آتے ہیں۔ اگر جانشین بھی اسی رستے پر چلتے تو ہندوستان کے رنگا رنگ فرقوں کو دریائے محبت پر ایک گھاٹ پانی پلا دیتے۔ بلکہ وہی آئین ملک ملک کے لئے آئینہ ہوتے۔ اس کے حالات بلکہ بات بات کے نکتے اول سے آخر تک دیکھنے کے قابل ہیں۔

جن دنوں ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھ سے پریشان حال تھے۔ ایک دن ماں نے اس کی ضیافت کی۔ وہاں ایک نوجوان لڑکی نظر آئی۔ اور دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال کا عاشق شیدا ہو گیا۔ دریافت کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حمیدہ بانو بیگم اس کا نام ہے۔ ایک سید بزرگوار شیخ ژندہ پیل احمد جام کی اولاد میں ہیں۔ اور آپ کے بھائی مرزا ہندال کے استاد ہیں یہ ان کے خاندان کی بیٹی ہے۔ ہمایوں نے چاہا کہ اسے عقد میں لائے۔ ہندال نے کہا۔ مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ

❶ اکبر ولد ہمایوں۔ ولد بابر۔ ولد عمر شیخ مرزا۔ ولد ابو سعید مرزا۔ ولد سلطان محمد میرزا۔ ولد میران شاہ۔ ولد امیر تیمور صاحبقران۔

Marfat.com

میرے استاد کو ناگوار ہو۔ ہمایوں کا دل ایسا نہ آیا تھا کہ کسی کے سمجھائے سمجھ جاتا۔ آخر محل میں داخل کر لیا۔

اکبر کی پیدائش:

لیکن حضرت عشق نے شادی کی تھی۔ اور محبت کے قاضی نے نکاح پڑھا تھا۔ ہمایوں کو دم بھر جدائی گوارہ نہ تھی۔ دن ایسے نحوست کے تھے کہ ایک جگہ قرار نہ ملتا تھا۔ ابھی پنجاب میں ہے ابھی سندھ میں ہے۔ ابھی بیکانیر جیسلمیر کے ریگستان میں سرگرداں چلا جاتا ہے۔ پانی ڈھونڈتا ہے تو منزلوں تک میسر نہیں۔ جودھپور کا رخ ہے کہ ادھر سے امید کی آواز آئی ہے۔ قریب پہنچ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ امید نہ تھی دغا آواز بدل کر بولی تھی۔ وہاں تو موت منہ کھولے بیٹھی ہے۔ ناچار پھرا لئے پاؤں پھر آتا ہے۔ یہ سب مصیبتیں ہیں۔ مگر پیاری بی بی دم کے ساتھ ہے۔ کئی لڑائی کے مقاموں میں اس کے سبب سے خطرناک خرابیاں اٹھانی پڑیں۔ مگر اسے تعویذ کی طرح گلے سے لگائے پھرا۔ جب وہ جودھپور کے سفر میں تھے تو اکبر ماں کے پیٹ میں باپ کے رنج و راحت کا شریک تھا۔ اس سفر سے پھرے اور سندھ کی طرف آئے۔ ایام ولادت بہت نزدیک تھے۔ اس لئے بیگم کو امرکوٹ میں چھوڑا۔ اور آپ آگے پرانی لڑائی کو تازہ کیا۔ اسی عالم میں ایک دن ملازم نے آکر خبر دی کہ مبارک۔ اقبال کا تارا طلوع ہوا۔ یہ ستارا ایسے ادبار کے وقت جھلملایا تھا کہ کسی کی آنکھ ادھر نہ اٹھی۔ مگر تقدیر ضرور کہتی ہوگی کہ دیکھنا! آفتاب ہو کر چمکے گا اور سارے ستارے اس کی روشنی میں دھندلے ہو کر نظروں سے غائب ہو جائیں گے۔

ترکوں میں رسم ہے کہ جب کوئی ایسی خوشخبری لاتا ہے تو اسے کچھ دیتے ہیں۔ ایک سفید پوش اشراف ہوگا تو اپنا چغہ ہی اتار کر دے دیگا۔ امیر ہے تو اپنی دستگاہ کے بموجب خلعت اور گھوڑا۔ نقد و جنس جو جو کچھ ہو سکے گا دیگا۔ سب کی ضیافتیں کرے گا۔ نوکروں کو انعام اکرام سے خوش کرے گا۔ ہمایوں کے پاس جب سوار یہ خبر لایا تو اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ دائیں بائیں دیکھا۔ کچھ نہ پایا۔ آخر یاد آیا کہ کمر میں ایک مشک نافہ ہے۔ اسے نکال کر توڑا اور ذرا ذرا سا مشک سب کو دے دیا کہ شگون خالی نہ جائے۔ اللہ اللہ تقدیر نے کہا ہوگا کہ دل میلا نہ کیجو۔ اس بچے کی شمیم اقبال مشک کی طرح تمام عالم میں پھیلے گی۔ ولادت کی تاریخ ہوئی۔ ع شب یکشنبہ و پنج رجب است۔ ۹۴۹ ہجری۔ بے سامان بچے کو جس طرح خدا نے تمام سامان ملک و دولت کے دیئے۔ اسی طرح ولادت کے وقت ستاروں کو بھی اس نظام کے ساتھ ہر ایک برج میں واقع کیا کہ آج تک نجومی حیران ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ ہمایوں خود ہیئت اور نجوم کا ماہر تھا۔ وہ اس کے زائچے ❶ کو اکثر دیکھا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کئی باتوں میں امیر تیمور سے بھی زیادہ مبارک ہے۔

اکبر ابھی حمل میں تھا۔ اور میر شمس الدین ❷ محمد کی بی بی بھی حاملہ تھیں۔ بیگم نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میرے ہاں بچہ ہوگا۔ تو تمہارا دودھ اسے دونگی۔ اتفاق یہ کہ جب اکبر پیدا ہوا۔ تو ان کے ہاں ابھی کچھ نہ ہوا تھا۔ بیگم نے پہلے آپ دودھ پلایا۔ پھر ان کے دودھ نہ رہا تو بعض بعض اور بیبیاں بھی دودھ پلاتی رہیں۔ چند روز کے بعد جب ان کے ہاں بچہ ہوا تو انہوں نے دودھ پلایا۔ اور زیادہ تر انہیں کا دودھ پیا۔ یہی سبب ہے کہ اکبر انہیں جیجی کہا کرتا تھا۔

اکبر میں بہت سی باتیں تھیں کہ دور بینی کی عینک اور دور اندیشی کی آنکھیں اسے دکھاتی تھیں۔ بہت سے کارنامے تھے کہ اس کی جرأت اور ہمت کے جوش انہیں سرانجام دیتے تھے۔ اکثر چغتائی مورخوں نے انہیں پیشین گوئی اور کرامات کے رنگ میں جلوہ دیا ہے۔ وہ لوگ اس کے وفا پرست نمک خوار تھے اور ایشیا کی انشا پردازی ان پر گرم مصالح۔ آزاد سب باتوں کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ البتہ اتنی بات ہے کہ ایسے با اقبال اور نیک نیت لوگوں میں بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ میں ان میں سے چند حکایتیں نقل کرتا ہوں۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ انہیں سچ سمجھو۔ جو

---

❶ اکبر کے طالع وقت میں ہند کے جوتشی اور یونان کے منجم اختلاف کرتے ہیں۔ ایک کہتے ہیں اسد ہے۔ ایک کہتے ہیں سنبلہ ہے۔ جب میر فتح اللہ شیرازی آئے تو انہیں دونوں زائچے دکھائے وہ ہیئت اور نجوم میں مہارت کلی رکھتے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر کہا کہ منجمان ہند بموجب تحقیق قدما کے فلک البروج کی حرکت کو نہیں مانتے۔ اہل یونان میں حکمائے متقدمین اور ارسطو نے متحرک مانا ہے۔ ابرخس حکیم متحرک مانتا ہے مگر مقدار حرکت کچھ نہیں لکھتا۔ بطلیموس نے لکھا ہے کہ سو برس میں ایک درجہ حرکت کرتا ہے۔ ۳۶ ہزار سال میں دورہ تمام کرتا ہے۔ اکثر حکماء کہتے ہیں کہ ۷۰ برس میں ایک درجہ اور ۲۵ ہزار دو سو برس میں دورہ پورا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۶۳ برس میں ایک درجہ یعنی ۲۲ ہزار ۶ سو ۸۰ برس میں دورہ کرتا ہے۔ ان سابوں سے وقت تک ۷ اور ۱۷ کا فرق ہوگیا۔ کیونکہ ہندی رسد ۱۱۹۰ برس پہلے کی بنی ہوئی ہے۔ ۱۱۹۰ کو ۷۰ پر تقسیم کیا تو ۱۷ نکلے پس معلوم ہوا کہ ۷ اور ۱۷ کا فرق ہونا چاہئے۔ غرض میر موصوف نے بھی رسد جدید کے بموجب اسد ہی طالع قرار دیا اور کہا کہ سنبلہ ۱۷ درجہ اپنی جگہ سے حرکت کر گیا ہوگا اور اسد طلوع ہوگیا ہوگا۔ ہمایوں کو علم ہیئت میں مہارت کامل تھی۔ بیٹے کا زائچہ سامنے رکھ کر اکثر دیکھا کرتا تھا اور سوچتا تھا۔ مصاحبان خاص کا بیان ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ دیکھتے دیکھتے اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔ تالیاں بجا کر اچھلتا اور مارے خوشی کے چک پھیریاں لیا کرتا تھا۔ اور یہ تو اکثر کہا جاتا تھا کہ اس بچے کا زائچہ کئی باتوں میں امیر تیمور صاحبقران کے زائچے پر فائق ہے۔

❷ میر شمس الدین محمد کا مفصل حال دیکھو تتمے میں۔

Marfat.com

بات واقعی ہے اور دل کو لگتی ہے۔ خود معلوم ہو جاتی ہے۔ دکھانا یہ منظور ہے کہ اس زمانے میں ایسی ایسی باتیں بادشاہوں کی طرف منسوب کرتے اور فخر سمجھتے تھے۔

جیجی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ اکبر نے کئی دن دودھ نہ پیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ جیجی نے جادو کر دیا ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ اور کوئی دودھ نہ پلائے۔ جیجی کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ ایک دن اکیلی اکبر کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ اور غم سے افسردہ تھی۔ بچہ چپکا اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔ یکا یک بولا کہ جیجی۔ غم نہ کھاؤ۔ دودھ تمہارا ہی پیوں گا اور خبردار اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ جیجی حیران ہوئی۔ اور ڈر کے مارے کسی سے نہ کہا۔

جب اکبر بادشاہ ہوا تو ایک دن شکار گاہ میں شکار کھیلتے کھیلتے تھک کر درخت کے نیچے اتر پڑا کہ آرام لے۔ اس وقت فقط کوکہ ❶ یوسف محمد خاں پاس تھا۔ ایک بڑا اژدھا کہ جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔ نکلا۔ اور ادھر دوڑنے لگا۔ اکبر بے خطر جھپٹا۔ اس کی دم پکڑ کر کھینچی۔ اور پٹخ پٹخ کر مار ڈالا۔ کوکہ حیران ہوا۔ اور آ کر یہ ماجرا ماں سے بیان کیا۔ اس وقت جیجی نے وہ راز سربستہ بھی کھولا۔

جب اکبر کی ماں حاملہ تھی۔ تو ایک دن بیٹھی سی رہی تھی۔ یکا یک کچھ خیال آیا۔ سوئی سے پنڈلی کو گودا۔ اور اس میں سرمہ بھرنے لگی۔ ہمایوں باہر سے آ گیا۔ پوچھا۔ بیگم یہ کیا کرتی ہو؟ اس نے کہا۔ میرا جی چاہا کہ ایسا ہی گل میرے بچے کے پاؤں میں بھی ہو۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ اکبر پیدا ہوا تو اسکی پنڈلی میں بھی ویسا ہی سرمئی نشان تھا۔

ہمایوں سندھ کے ملک میں مدت تک لڑتا بھڑتا رہا کہ شاید قسمت یاوری کرے۔ اور ایسی صورت بن جائے کہ پھر ہندوستان پر فوج کشی کرنے کا سامان بہم پہنچ جائے۔ لیکن نہ تدبیر چلی نہ شمشیر۔ اسی عرصے میں بیرم خاں آن پہنچے۔ انہوں نے آ کر سب حال سنے اور صورت حال کو دیکھ کر دربار میں گفتگو اور خلوت میں صلاحیں ہوئیں۔ بیرم خاں نے کہا کہ ان بے مروتوں سے ہرگز امید نہیں۔ اور مروت کریں تو اس ریگستان میں کیا خاک ہے جو کچھ ہاتھ آئے۔ ہمایوں نے کہا۔ بہتر ہے کہ اب ہندوستان کو خیر باد کہیں اور ملک موروثی میں چل کر قسمت آزمائیں۔ بیرم خاں نے کہا کہ اس ملک سے بادشاہ مغفور نے کیا پایا جو حضور کو حاصل ہوگا۔ ایران کو چلیں تو قرین مصلحت ہے۔ وہ میرا

❶ جس بچے کی ماں کا دودھ دیتے تھے وہ بچہ شہزادے یا امیر زادے کا کوکہ کہلاتا تھا۔ اس کی اور اس کے رشتہ داروں کی بڑی خاطر ہوا کرتی تھی اور ان کا حق سلطنت میں شریک ہوتا تھا۔ بچہ مذکور کو کلتاش خاں خطاب ملتا تھا۔ اکبر نے دودھ تو آٹھ دس بیبیوں کا پیا تھا مگر بڑی حق داران میں ماہم بیگم اور جیجی یعنی میر شمس الدین محمد خاں کی بیوی شمار ہوتی تھیں۔

Marfat.com

اور میرے بزرگوں کا ملک ہے۔ کیا شاہ کیا فقیر مہماں نواز ہیں۔ غلام وہاں کے رسم وراہ سے واقف ہے۔ اور حضور کے خاندان عالی نے بھی وہاں سے ہمیشہ مبارک اور کامیابی کے شگون پائے ہیں۔

ہمایوں نے ملک سندھ سے ڈیرے اٹھائے۔ ایران کا ارادہ فسخ نہ کیا تھا مگر یہ خیال تھا کہ جیسا سفر دور کا ہے۔ ویسے ہی کامیابی کی امید بھی دور دراز ہے۔ فی الحال بولان کی گھاٹی سے نکل کر قندھار کو دیکھنا چاہئے کہ قریب ہے۔ وہاں سے مشہد کا رستہ بھی روشن ہے۔ بلخ و بخارا کی راہ بھی جاری ہے۔ عسکری مرزا اس وقت قندھار میں حکومت کر رہا تھا۔ میں اس قدر حادثے اٹھا کر آیا ہوں۔ عیال کا ساتھ ہے۔ آخر بھائی ہے۔ جیتا خون کب تک ٹھنڈا رہے گا۔ کچھ بھی حق نہ سمجھا تو مہمانی تر کانہ کہیں نہیں گئی۔ چند روز رہ کر اس کا اور نمکخواران قدیم کا رنگ دیکھوں گا بوئے وفا نہ پاؤں گا تو جدھر منہ اٹھائے گا چلا جاؤں گا کہ خلق خدا ملک خدا۔

شہریار بے شہر اور بادشاہ بے لشکر ان خیالات میں غلطاں و پیچاں۔ غم غلط کرتا کوہ و دست کو دیکھتا چلا جاتا تھا۔ ایک منزل میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ کسی نے آکر خبر دی کہ فلاں شخص کامران کا وکیل سندھ جاتا ہے۔ شاہ حسین ارغون کی بیٹی سے کامران کے بیٹے کی نسبت کا پیام لے چلا ہے۔ اور اس وقت قلعہ سیوی ❶ میں اترا ہوا ہے۔ ہمایوں نے ایک ملازم کے ہاتھ شقہ بھیج کر اسے بلایا۔ وہ بے وفا قلعے کا استحکام کر کے بیٹھ رہا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل قلعہ مجھے آنے نہیں دیتے۔ ہمایوں کو رنج ہوا۔

اسی عالم میں شال ❷ کے قریب پہنچا مرزا عسکری کو بھی خبر مل گئی تھی۔ بے مروت بھائی نے خانہ برباد بھائی کی آمد آمد سن کر ایک سردار کو بھیج دیا تھا کہ حالات معلوم کر کے لکھتا رہے۔ ادھر سے ہمایوں نے بھی دو ملازموں کو روانہ کیا تھا۔ وہ سردار مذکور کو رستے میں مل گئے۔ اس نااہل نے فوراً دونوں کو گرفتار کر کے قندھار کو روانہ کیا اور جو احوال معلوم ہوا وہ لکھ بھیجا۔ ان میں سے ایک وفادار نے موقع پایا۔ وہ بھاگ کر پھر ہمایوں کے پاس آیا۔ اور جو کچھ وہاں سنا تھا اور دیکھ کر قرینوں سے سمجھا تھا سب بیان کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حضور کے آنے کی خبر سن کر مرزا عسکری بہت گھبرایا ہے۔ قلعہ قندھار کی مورچہ بندی شروع کر دی ہے۔ بھائی کی بے مہری اور لوگوں کی بے حیائی اور بے وفائی دیکھ کر ہمایوں کی امید ٹوٹ گئی اور مستنگ کی طرف باگیں پھیریں۔ پھر بھی ایک محبت نامہ مفصل لکھا جس کا القاب یہ تھا:۔

---

❶ یہ وہی مقام ہے جو آج کل سبی کے نام سے مشہور ہے۔

❷ یہ مقام قندھار سے گیارہ کوس دور ہے۔

Marfat.com

بردار بے مہر بے ارادت معلوم نمایند۔اس میں محبت اور اپنایت کے لہو کو بھی بہت گرمایا تھا اور نصیحتوں اور نیک صلاحوں کے خریطے بھرے تھے۔مگر کان کہاں جو سنیں؟ اور دل کہاں جو مانے؟

یہ خط دیکھ کر مرزا کے سر پر اور بھی شیطان چڑھا۔رفیقوں کو لے کر چلا کہ بے خبر پہنچ کر ہمایوں کو قید کر لے۔موقع نہ پائے تو کہے کہ استقبال کو آیا ہوں۔غرض نور کا تڑکا تھا کہ سوار ہوا اور پوچھا کہ ادھر دامن کوہ کا راستہ کون جانتا ہے۔جی بہادر ایک ازبک پہلے ہمایوں کے وفاداروں کا نوکر تھا۔تباہی کے عالم میں مرزا عسکری کے پاس نوکری کر لی تھی۔اس وقت نمک کی تاثیر چمک اٹھی اور ہمایوں کی حالت نے اس کے دل میں غائبانہ رحم پیدا کیا۔اس نے عرض کی۔میں جانتا ہوں اور کئی دفعہ آیا گیا ہوں۔مرزا نے کہا سچ کہتا ہے۔ادھر اس کی جاگیر تھی۔اچھا آگے آگے چل۔اس نے کہا میرا یابو کام نہیں دیتا۔مرزا نے ایک نوکر سے گھوڑا دلوا دیا۔جی بہادر نے تھوڑی دور آگے چل کر گھوڑا اڑایا اور سیدھا بیرم خاں کے خیمے میں آیا۔کان میں کہا کہ مرزا آن پہنچا ہے۔اب فرصت کا وقت نہیں۔اور میں قدرتی اتفاق سے اس طرح پہنچا ہوں۔بیرم خاں اسی وقت چپ چاپ اٹھ کر خیمے کے پیچھے سے ہمایوں کے پاس آیا اور حال بیان کیا۔سوا اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ ان کا ارادہ مصمم کریں۔تردی بیگ کے پاس آدمی بھیجا۔کہ چند گھوڑے بھیج دو۔اس نا اہل بے مروت نے صاف جواب دیا۔ہمایوں کو خدا یاد آیا کہ بھائیوں کا یہ حال۔نمک خواروں اور ہمراہیوں کا یہ حال۔جودھپور کے رستے کی بے وفائی اور بے حیائی بھی یاد آ گئی۔چاہا کہ اسی وقت خود جائے اور اس کو حد کو پہنچائے۔بیرم خاں نے عرض کی کہ وقت تنگ ہے۔بات کی بھی گنجائش نہیں۔آپ ان کافر نعمتوں کو قہر الٰہی کے حوالے کریں۔اور جلد سوار ہوں۔اکبر اس وقت پورا برس دن کا بھی نہیں ہوا تھا۔اسے میر غزنوی ① اور خواجہ سرا وغیرہ اور ماہم اتکہ کے سپرد کر کے یہیں چھوڑا۔بیگم تو جان کے ساتھ تھیں۔وفاداروں سے کہا۔کہ مرزا کا خدا نگہبان ہے۔ہم آگے چلتے ہیں بیگم کو کسی طرح تم ہم تک پہنچا دو۔آپ مخلصان جانثار کے ساتھ دشت غربت کو روانہ ہوا۔پیچھے بیگم بھی آن ملیں۔مورخ کہتے ہیں کہ اس شکستہ حال قافلہ میں نوکر چاکر مل کر ۲۰ آدمی سے زیادہ نہ تھے۔تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رات نے آنکھوں کے آگے سیاہ پردہ تان دیا۔خیال یہ تھا کہ ایسا نہ ہو بے مہر بھائی تعاقب کرے۔بیرم خاں نے کہا مرزا عسکری اگرچہ شہزادہ ہے۔مگر پیسے کا غلام ہے۔اس وقت خاطر جمع سے بیٹھا ہوگا۔دو منشی ادھر ادھر ہوں گے۔اور اسباب واجناس کی فہرست لکھوا رہا ہوگا اگر ہم خدا پر توکل کر کے اس وقت جا پڑیں تو باندھ ہی لیں۔جب مرزا بیچ میں نہ رہا تو نوکر نمک خوار ہیں۔سب حاضر ہو کر سلام کریں گے۔بادشاہ نے کہا

① وہی میر غزنوی جو اکبر کی بادشاہت میں خان اعظم میر شمس الدین محمد اتکہ خاں ہوئے، دیکھو تتمہ۔

Marfat.com

کہ صلاح تو بہت ٹھیک ہے مگر ایک ارادہ کرلیا۔ اور دور دراز عرصہ سامنے ہے چلے ہی چلو۔

اب ادھر کی سنو کہ مرزا عسکری جب مشتنگ کے پاس پہنچے۔ تو اپنے صدر اعظم کو بھیجا کہ ہمایوں کو جعلسازی کے پیغاموں سے باتوں میں لگائے۔ مگر مکاری کامیاب نہ ہوئی۔ ہمایوں وانہ ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی ایک گروہ کثیر پہنچا۔ پھٹے پرانے خیمے کھڑے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے نوکر چاکر پڑے تھے۔ انہیں آ کر گھیر لیا کہ کوئی آدمی لشکر سے نکلنے نہ پائے۔ پیچھے مرزا عسکری پہنچے۔ جی بہادر کا پہنچنا اور ہمایوں کی روانگی کا حال صدر اعظم سے مفصل سنا۔ بے وارثے قافلے کو پڑا دیکھ کر اپنی بدنیتی پر بہت پچھتایا۔ تردی بیگ سب کو لے کر سلام کو حاضر ہوئے۔ مگر سب میں یہ بھی نظر بند ہو گئے۔ میر غزنوی سے پوچھا کہ مرزا (اکبر) کہاں ہیں۔ عرض کی۔ گھر میں ہیں۔ چچا نے ایک اونٹ میوے کا بھتیجے کے لئے بھیجا۔ اتنے میں رات ہو گئی۔ مرزا عسکری بیٹھے اور جو بات خانخاناں نے وہاں کی تھی اس کی تصویر کھنچ گئی۔ کہ ایک دو منشیوں کو لے کر اسباب ضبطی کی فہرست لکھوانے لگے۔ صبح کو سوار ہوئے۔ اور نقارہ بجاتے ہمایوں کے لشکر میں داخل ہو کر چھوٹے بڑے سب کو گرفتار کر لیا۔ تردی بیگ صندوق دار تھے۔ کفایت شعاری کے انعام میں شکنجہ پر سوار کئے گئے۔ بہت آدمی ان کے ماتحت ہوئے۔ اور جو جمع کیا تھا۔ دام دام ادا کر دیا۔ اکثر بے گناہ مارے گئے۔ بہت باندھے گئے۔ سب لوٹے گئے۔ ہمایوں کا غصاتی سزا ہرگز نہ دے سکتا جو مرزا عسکری کے ہاتھوں سے مل گئی۔

بے مروت چچا ہے اور معصوم بچے کی جان:

بے رحم چچا ڈیوڑھی پر آیا کہ بھتیجے سے ملوں گا۔ یہاں رات قیامت کی رات گزری تھی۔ سب کے دل دھڑک کرتے تھے۔ کہ ماں باپ اس حال سے گئے۔ ہم ان پہاڑوں میں بے سروسامان پڑے ہیں۔ بے مروت چچا ہے۔ اور معصوم بچے کی جان ہے۔ اللہ ہی نگہبان ہے۔ میر غزنوی اور ماہم اتکہ اکبر کو کندھے سے لگائے سامنے آئی۔ منافق چچا نے گود میں لے لیا۔ اور زہر خند ہنسی سے بول چال کر چاہا کہ بچے ہنسے بولے۔ مگر اکبر کے لبوں پر تبسم بھی نہ آیا۔ چپکا منہ دیکھا کیا۔ کینہ ور چچا نے مکدر ہو کر کہا۔ میدانم فرزند کیست۔ باما چگونہ شگفتہ شود۔ مرزا عسکری کے گلے میں ایک انگوٹھی سرخ ریشم کی ڈوری میں تھی۔ لال لچھا باہر نظر آتا تھا۔ اکبر نے اس پر ہاتھ بڑھایا۔ بارے چچا نے اپنے گلے سے اتار کر بھتیجے کے گلے میں ڈال دی۔ دل شکستہ ہوا خواہوں نے کہا۔ کیا عجب ہے خدا ایک دن اس طرح سلطنت کی انگوٹھی اس نونہال کی انگلی میں پہنا دے۔

غرض جو کچھ مرزا عسکری کے ہاتھ آیا۔ لوٹا کھسوٹا۔ اور اکبر کو بھی اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔

Marfat.com

قلعے کے اندر ایک بالا خانہ رہنے کو دیا۔ اور سلطانی بیگم اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ بیگم بڑی محبت وشفقت سے پیش آتی تھی۔ خدا کی شان دیکھو۔ باپ کے جانی دشمن۔ بیٹے کے حق میں ماں باپ ہو گئے۔ ماہم اور جیجی اندر۔ میر غزنوی باہر خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ یا عنبر خواجہ سرا تھا کہ اکبری اقبال کے دور میں اعتماد خاں ہو کر بڑا صاحب اختیار ہوا۔

ترکوں میں رسم ہے کہ بچہ جب پاؤں پاؤں چلنے لگتا ہے۔ تو باپ دادا چچا وغیرہ میں سے جو بزرگ موجود ہو۔ وہ اپنے سر سے عمامہ اتار کر بچے کو چلتے ہوئے مارتا ہے۔ اس طرح کہ بچہ گر پڑے۔ اور اس کی بڑی خوشی سے شادی کرتے ہیں۔ جب اکبر سوا برس کا ہوا۔ اور پاؤں چلنے لگا۔ تو ماہم نے مرزا عسکری سے کہا۔ کہ یہاں تم ہی اس کے باپ کی جگہ ہو۔ اگر یہ رسم ادا ہو جائے تو شفقت بزرگانہ سے بعید نہ ہوگا۔ اکبر کہا کرتا تھا کہ ماہم کا یہ کہنا اور مرزا عسکری کا عمامہ پھینکنا اور اپنا گرنا وہ ساری صورتحال مجھے اب تک یاد ہے۔ انہیں دنوں میں سر کے بال بڑھانے کو بابا حسن ابدال ❶ کی درگاہ میں لے گئے تھے کہ قندھار میں ہے۔ وہ بھی آج تک مجھے یاد ہے۔

جب ہمایوں ایران سے پھرا اور افغانستان میں آمد آمد کا غل ہوا۔ تو مرزا عسکری اور کامران گھبرائے۔ آپس میں دونوں کے نامہ و پیام دوڑنے لگے۔ کامران نے لکھا کہ اکبر کو ہمارے پاس کابل میں بھیج دو۔ مرزا عسکری نے یہاں مشاورت کی۔ بعض سرداروں نے کہا بھائی اب پاس آ پہنچا ہے۔ اعزاز واکرام سے بھتیجے کو بھیج دو۔ اور اسی کو عفو تقصیرات کا وسیلہ قرار دو۔ بعض نے کہا کہ اب صفائی کی گنجائش نہیں رہی۔ مرزا کامران ہی کا کہنا ماننا چاہئے۔ مرزا عسکری کو بھی یہی مناسب معلوم ہوا۔ اکبر کو سب متعلقوں کے ساتھ کابل بھیج دیا۔

اکبر اپنے چچا کامران کے پاس:

مرزا کامران نے انہیں خان زادہ بیگم اپنی پھوپھی کے گھر میں اتروایا۔ اور ان کے کاروبار بھی انہیں کے سپرد کئے۔ دوسرے دن باغ شہر آرا میں دربار کیا۔ اور اکبر کو بھی دیکھنے کو بلایا۔ اتفاقاً شب برات کا دن تھا۔ دربار خوب آراستہ کیا تھا۔ وہاں رسم ہے کہ بچے اس دن چھوٹے چھوٹے نقاروں سے کھیلتے ہیں۔ مرزا ابراہیم اس کے بیٹے کے لئے رنگین و نگارین نقارہ آیا۔ اس نے لے لیا۔ اکبر بچہ تھا۔ کیا سمجھتا تھا۔ کہ میں کس حال ہوں اور یہ کیا وقت ہے۔ اس نے کہا کہ یہ نقارہ میں لوں گا۔ مرزا کامران تو پورے حیادار تھے۔ انہوں نے بھتیجے کی دلداری کا ذرا خیال نہ کیا کہا کہ اچھا۔ دونوں کشتی

---

❶ انہیں بابا حسن ابدال کے نام سے راہ پیشاور میں ایک منزل مشہور ہے۔

Marfat.com

لڑو۔ جو پچھاڑے اسی کا نقارہ۔ یہی خیال کیا ہوگا کہ میرا بیٹا اس سے بڑا ہے۔ مار لے گا۔ یہ شرمندہ بھی ہوگا اور چوٹ بھی کھائے گا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ہوتے ہیں۔ وہ نونہال اقبال مند ان ان باتوں کو ذرا خیال میں نہ لایا۔ جھٹ لڑنے کو آگے بڑھا لپٹ کر گتھم گتھا ہو گیا۔ اور ایسا بے لاگ اٹھا کر مارا کہ دربار سے غل اٹھا۔ کامران کچھ شرمندہ ہوا۔ اور کچھ اپنے حال کو سوچ کر چپ رہ گیا۔ کہ آثار اچھے نہیں۔ ادھر والے باغ باغ ہو گئے۔ اور اندر اندر آپس میں کہا کہ اسے کھیل نہ سمجھو۔ یہ باپ کا دمامہ دولت لیا ہے۔

ہمایوں کا کابل فتح کرنا:

جب ہمایوں نے کابل فتح کیا تو اکبر دو برس دو مہینے آٹھ دن کا تھا۔ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں روشن کیں۔ اور خدا کا شکر بجا لایا۔ چند روز کے بعد تجویز ہوئی کہ ختنے کی رسم ادا کی جائے۔ بیگم وغیرہ حرم سرا کی بیبیاں قندھار میں تھیں وہ بھی آئیں۔ اس وقت عجب تماشا ہوا۔ ظاہر ہے کہ جب ہمایوں اور اس کے ساتھ بیگم ایران کو گئے تھے۔ اس وقت اکبر کی کیا بساط تھی۔ دنوں اور مہینوں کا ہوگا۔ اتنی سی جان کیا جانے کہ ماں کون ہے۔ اب جو سواریاں آئیں تو ان سب کو لاکر محل میں بٹھایا۔ اکبر کو بھی لائے۔ اور کہا کہ جاؤ مرزا۔ اماں کی گود میں جا بیٹھو۔ بھولے بھالے بچے نے پہلے تو بیچ میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر خواہ دانش خداداد کہو۔ خواہ دل کی کشش کہو۔ خواہ لہو کا جوش کہو۔ سیدھا ماں کی گود میں جا بیٹھا۔ ماں برسوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ گلے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس عمر میں اس کی سمجھ اور پہچان پر سب کو بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہوئیں۔

ہمایوں اور کامران کی جنگ:

۹۵۴ھ میں جب کامران پھر باغی ہوا تو کابل کے اندر تھا۔ اور ہمایوں باہر گھیرے پڑا تھا۔ ایک دن دھاوے کا ارادہ تھا۔ باہر سے گولے برسانے شروع کیے۔ اکثر اشخاص کے گھر اور گھر والے اندر تھے۔ خود ہمایوں کے لشکر میں شامل تھے۔ بے درد کامران نے ان کے گھر لوٹ لئے۔ ننگ و ناموس برباد کیے۔ ان کے بچوں کو مار مار کر فصیل پر سے پھنکوایا۔ ان کی عورتوں کی چھاتیاں باندھ باندھ کر لٹکایا۔ غضب یہ کیا کہ جس مورچے پر گولوں کا زور تھا۔ پونے پانچ برس کے معصوم بھتیجے کو وہاں بٹھا دیا۔ ماہم نے گود میں دبکا لیا۔ اور ادھر سے پیٹھ کر کے بیٹھ گئی۔ کہ اگر گولا لگے تو بلا سے۔ پہلے میں پیچھے بچہ۔ ہمایوں کے لشکر میں کسی کو اس حال کی خبر نہ تھی۔ یکایک توپ چلتے چلتے بند ہو گئی۔ کبھی مہتاب دکھائی تو رنجک چاٹ گئی۔ کبھی گولا اگل دیا۔ سنبل خاں میر آتش بڑا تیز نظر تھا۔

Marfat.com

اس نے غور سے دیکھا تو سامنے آدمی بیٹھا معلوم ہوا۔ دریافت کیا تو یہ حقیقت حال معلوم ہوئی۔ آزاد۔ یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ جب اقبال رفیق حال ہوتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور مجھے تو سردار عرب وعجم کا قول نہیں بھولتا۔ اجلک حافظک تیری اجل ہی محافظ ہے۔ جب تک اس کا وقت نہیں آیا۔ تب تک کسی حربہ ہلاکت کو تجھ پر اثر نہ کرنے دے گی۔ موت خود اسے روکے گی اور کہے گی تو ابھی سے اسے کیونکر ہلاک کرتا ہے۔ یہ تو فلاں وقت پر میرے حصہ میں آنے والا ہے۔

ہمایوں کی ہندوستان کی طرف دوبارہ توجہ:

جب ۹۶۱ھ میں ہمایوں نے ہندوستان کی طرف فتح کا نشان کھولا تو اقبال مند بیٹا ساتھ تھا اور ۱۲ برس ۸ مہینے کی عمر تھی۔ ہمایوں نے لاہور میں قیام کیا۔ امرا کو آگے بڑھایا۔ افغانوں نے نواح جالندھر میں بڑی شکست اٹھائی۔ سکندر سور نے خوانین افغان اور دلاور پٹھانوں کا ۸۰ ہزار انبوہ در انبوہ لشکر جمع کیا۔ اور سرہند پر جم کر سد سکندر ہو گیا۔ بیرم خاں فوج لیکر آگے بڑھا۔ شہزادے کو سپہ سالار قرار دیا۔ اور مورچے باندھ کر لڑائی ڈالی۔ اسی عرصے سے ہمایوں بھی لاہور جا پہنچا۔ ان میدانوں میں اکبر نے ہمت وجرأت کے خوب خوب نشان دکھائے اور آخر یہ معرکہ اسی کے نام پر فتح ہوا۔ بیرم خاں نے کلہ ❶ منار یادگار بنایا اور اس مقام کا نام سرمنزل رکھا۔ فتح یاب بادشاہ اور ظفریاب شہزادہ کامیابی کے نشان لہراتے دلی میں داخل ہوئے۔ آپ وہاں بیٹھے۔ امرا کو اطراف ممالک میں ملک گیری کے لئے روانہ کیا۔ سکندر سور مان کوٹ کے قلعوں کو امن کا گنبد سمجھ کر پہاڑ کے دامنوں میں دبک بیٹھا تھا اور وقت کا منتظر تھا کہ جب ہوائے اقبال آئے۔ ابر کی طرح پہاڑ سے اٹھے۔ اور پنجاب پر چھا جائے۔ ہمایوں نے شاہ ابوالمعالی کو صوبہ پنجاب دیا۔ اور چند امرائے جنگ آزمودہ کو ساتھ کیا کہ فوجیں لیکر ہمراہ ہوں۔ وہ جب آئے تو سکندر افواج شاہی کی ٹکر نہ اٹھا سکا۔ اس لئے پہاڑوں میں گھس گیا۔ شاہ ابوالمعالی لاہور میں آئے۔ کہ قدیم الایام سے شاہ نشین شہر ہے۔ یہاں شاہی اور فرمانروائی کی شان دکھائی۔ جو امرا مدد کو آئے تھے۔ یا پہلے سے پنجاب میں تھے۔ ان کے رتبے اور علاقے خاص بادشاہ کے دیئے ہوئے تھے۔ شاہ ابوالمعالی کے دماغ میں شاہی کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ انکی جاگیروں کو توڑا پھوڑا۔ بلکہ پرگنات خالصہ میں تصرف کیا اور خزانے میں بھی

❶ شاہان ایشیا کا قدیمی دستور ہے کہ جب لڑائی کا میدان مارتے ہیں تو مقام جنگ میں ایک بلند اور نمودار مقام پر بڑا سا گڑھا کھودتے ہیں۔ باغیوں کے سر کاٹ کر اس میں بھرتے ہیں اور انبار کرتے ہیں۔ اس پر ایک بلند عمارت بشکل منار بناتے ہیں کہ فتح کی یادگار رہے اور دیکھنے والوں کو عبرت ہو اس کو کلہ منار کہتے ہیں۔

Marfat.com

ہاتھ ڈالا۔ یہ شکایتیں دربار میں پہنچ ہی رہی تھیں کہ سکندر نے بھی زور پکڑنا شروع کیا۔ اس وقت ہمایوں کو بندوبست مناسب کرنا واجب ہوا۔ چنانچہ ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا اور بیرم خاں کو اسکا اتالیق کر کے ادھر روانہ کیا۔

شاہ ابوالمعالی کی پیشوائی کرنا:

جب اکبر آیا تو شاہ ابوالمعالی نے سلطان پور ❶ کنار بیاس تک پیشوائی کی۔ اکبر نے بھی باپ کی آنکھ کا لحاظ کر کے بیٹھنے کی اجازت دی مگر شاہ جب اپنے ڈیروں میں گئے۔ تو شکایت سے لبریز ہو گئے۔ اور اکبر کو کہلا بھیجا۔ کہ جو عنایت بادشاہ مجھ پر فرماتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے۔ آپ کو بھی یاد ہو گا کہ جوئے شاہی ❷ کے شکار میں مجھے ساتھ کھانے کو بٹھایا اور تم کو الش بھیجا۔ اور ایسا اکثر ہوا ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ آپ نے میرے بیٹھنے کو نمد تکیہ الگ بچھوایا۔ اور دستر خوان بھی الگ تجویز کیا۔ اکبر کی بارہ تیرہ برس کی عمر تھی۔ مگر رہا نہ گیا اور کہا تعجب ہے۔ میر کو اب تک نسبتوں کی کیفیت کا امتیاز نہیں۔ آئین سلطنت کا اور عالم ہے۔ اور شفقت و محبت کا دستور کچھ اور ہے۔ (شاہ کا حال دیکھو تتمہ میں)

خانخاناں نے اکبر کو ساتھ لیا اور دریائے لشکر کو پہاڑ پر چڑھا دیا۔ سکندر نے جب طوفان آتا دیکھا تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ لڑائی جاری تھی۔ بہادروں کی تلواریں لہو سے کارناموں کی تصویریں کھینچتی تھیں کہ برسات آ گئی۔ پہاڑ میں یہ موسم بہت دق کرتا ہے۔ اکبر پیچھے ہٹ کر ہوشیار پور کے میدانوں میں اتر آیا۔ اور ادھر ادھر شکار میں دل بہلانے لگا۔

---

❶ اب اسے سلطان پور ڈھیریاں کہتے ہیں۔ ویران پڑا ہے اور کوسوں تک عمارات عالیشان کے کھنڈر چلے جاتے ہیں۔ کپڑے کے رنگ میں مشہور ہے۔ وہاں کی آب و ہوا میں قدرتی تاثیر ہے۔ پرانی وضع کی چھینٹیں اب بھی چھپتی ہیں۔ کوئی صاحب ہمت کاریگروں کی دستگیری کرنیوالا ہو تو اب بھی دستکاری دکھانے کو حاضر ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں بھی اس کے مصنف نے اس شہر کا حال اور آبادی کی رونق دکھائی ہے۔ مصنف مذکور عہد جہانگیری میں عادل شاہ کی طرف سے خود وکیل ہو کر آیا تھا۔ جہانگیر اس وقت لاہور میں تھا۔ اور شہر مذکور شاہراہ کے سرے پر تھا۔ اور کثرت آبادی اور عمارات عالی سے گلزار ہو رہا تھا۔ ایک زمانے میں دولت خاں لودھی کا دارالحکومت تھا۔

❷ جوئے شاہی وہی مقام ہے جو راہ پشاور کابل میں اب جلال آباد کہلاتا ہے۔ ہمایوں نے علاقہ مذکور بچپن ہی میں اکبر کے نام کر دیا تھا۔ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اسی سال سے اس کی سرسبزی اور پیداوار میں ترقی ہونے لگی۔ جب اکبر بادشاہ ہوا تو اس کی آبادی اور تعمیر بڑھا کر جلال آباد نام رکھا تھا۔ کتب قدیمہ میں اس علاقہ کا نام ننگ نہار لکھا ہوا نظر آتا ہے۔)

Marfat.com

ہمایوں کا زخمی ہونا:

ہمایوں دلی میں بیٹھا آرام اور ملک کے انتظام میں مصروف تھا کہ دفعتاً کتاب خانے کے کوٹھے پر سے گر پڑا۔ جاننے والے جان گئے کہ گھڑی ساعت کا مہمان ہے۔ نیم جاں کو اٹھا کر محل میں لے گئے۔ اسی وقت اکبر کو عرضی کی اور یہاں ظاہر کیا کہ چوٹ سخت آئی ہے۔ ضعف زور پر ہے۔ اس لئے باہر نہیں نکلتے۔ خاص خاص مصاحب اندر جاتے تھے۔ اور کوئی سلام کو بھی نہ جاتا تھا۔ باہر یہ صورت کہ کبھی دوا خانے سے دوا جاتی ہے۔ کبھی باورچی خانے سے مرغ کا شوربہ۔ دمبدم خبر آتی ہے کہ اب طبیعت بحال ہے۔ اور اس وقت ذرا ضعف زیادہ ہے۔ اور وہ اندر ہی اندر بہشت میں پہنچ گئے۔

ہمایوں کی وفات پوشیدہ رکھنے کی حکمت عملی:

دربار میں شکیبی شاعر تھا کہ قد وقامت۔ صورت شکل میں ہمایوں سے بہت مشابہ تھا۔ کئی دفعہ اسے بادشاہ کے کپڑے پہنا کر محل سرا کے کوٹھے پر سے اہل دربار کو دکھایا اور کہا کہ ابھی حضور کو باہر آنے کی طاقت نہیں۔ دیوان عام کے میدان سے مجرا کر کے رخصت ہو۔ جب اکبر تخت نشین ہوا۔ اور سب طرف فرمان جاری ہو گئے۔ تب بادشاہ کے مرنے کا حال ظاہر کیا۔ سبب یہی تھا کہ اس زمانے میں بغاوت اور بدعملی کا ہو جانا ایک بات تھی۔ خصوصاً ایسے موقع پر کہ سلطنت کے قدیم بھی نہ نکلے تھے۔ اور ہندوستان افغانوں کی کثرت سے افغانستان ہو رہا تھا۔

ادھر جس وقت ہرکارے نے آکے خبر دی۔ اکبر کے ڈیرے اس وقت بڑھانے کے مقام پر تھے۔ سپہ سالار نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ کلانور کو پھرا جواب علاقہ گورداس پورہ میں ہے ساتھ ہی نذر شیخ چولی ہمایوں کا مراسلہ لے کر پہنچا۔ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

ہمایوں کی وفات:

۷ ربیع الاول کو ہم مسجد کے کوٹھے سے کہ دولت خانے کے پاس ہے اترتے تھے۔ سیڑھیوں میں اذان کی آواز کان میں آئی۔ بہ مقتضائے ادب زینے میں بیٹھ گئے۔ موذن نے اذان کو پورا کیا تو اٹھے کہ اتریں۔ اتفاقاً عصا کا سرا قبا کے دامن میں اٹکا۔ ایسا بے طور پاؤں پڑا کہ نیچے گر پڑے۔ پتھر کی سیڑھیاں تھیں۔ کان کے نیچے نگر کی ٹکر لگی۔ کچھ لہو کی بوندیں ٹپکیں۔ تھوڑی دیر بے ہوشی رہی۔ ہوش بجا ہوئے تو ہم دولت خانہ میں گئے۔ الحمدللہ خیر ہے۔ اصلاً وہم کو دل میں راہ نہ دینا۔ فقط۔ برابر ہی خبر پہنچی کہ ۱۵ کو ہمائے ہمایوں نے عالم قدس کو پرواز کی۔

Marfat.com

اکبر کی تاجپوشی:

خانخاناں نے امرا کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ اور بموجب اتفاق رائے کے جمعہ کے دن ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ نماز کے بعد تیموری تاج نے اکبری اقبال کے رنگ میں جلوہ دکھایا۔ اس وقت اس کی عمر شمسی حساب سے ۱۳ برس نو مہینے اور قمری حساب سے ۱۴ برس کئی مہینے کی تھی۔ بموجب آئین چنگیزی و تیموری کے تمام رسمیں جشن شاہانہ کی ادا ہوئیں۔ بہار نے پھول برسائے۔ آسمان نے تارے اتارے۔ اقبال نے خبرن کر سر پر سایہ کیا۔ امرا کے منصب بڑھے۔ خلعت انعام جاگیریں تقسیم ہوئیں۔ فرمان جاری کئے۔ اکبر بموجب باپ کی وصیت کے خانخاناں کی بہت عزت و عظمت کرتا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کی جاں نثاریاں جو سخت خطرناک معرکوں میں خصوصاً سفر ایران پر ظہور میں آئی تھیں وہ ہر وقت اس کی سفارش کرتی تھیں چنانچہ اب اتالیقی و سپہ سالاری کے منصب پر وکیل مطلق کا عہدہ زیادہ کیا۔

شاہ ابوالمعالی کی نیت بگڑنا:

اس موقع پر کہ ہمایوں ❶ کا ہمائے روح دفعتاً پرواز کر گیا۔ اور اکبر کے سر پر ہمائے سلطنت نے سایہ ڈالا۔ شاہ ابوالمعالی کی نیت بگڑی۔ خانخاناں جس کے دستر خوان پر ۳۰ ہزار شمشیری بہادر پلاؤ کی قابیں گھسیٹیں۔ اس کے نزدیک شاہ کا پکڑ لینا کیا بڑی بات تھی۔ ذرا اشارہ کرتا خیمے میں گھس کر باندھ لاتے۔ مگر تلوار ضرور چلتی۔ خون بھی بہتے۔ اور یہاں ابھی معاملہ نازک تھا۔ لشکر میں ہل چل پڑ جاتی۔ خدا جانے نزدیک و دور کیا کیا ہوائیاں اڑتیں۔ جو چوہے گمنامی کے بلوں میں جا بیٹھے تھے۔ پھر شیر بن کر نکل آتے۔ اس لئے سوچا اور بہت مناسب سوچا کہ حکمت عملی سے اسے قابو میں کر لیں گے۔ کشت و خون سے کیا حاصل۔

جب دربار تخت نشینی منعقد ہوا تھا۔ تو شاہ ابوالمعالی اس میں شامل نہ ہوئے تھے۔ اور پہلے بھی ان کی طرف سے کھٹکا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے خیمے میں بیٹھے فرزندی کے دعوؤں سے بلند پروازیاں کرتے ہیں۔ اور خوشامدی ہم جنس اور انہیں آسمان پر اڑاتے ہیں۔ بیرم خاں نے امرا سے مشاورت کی۔ اور تیسرے دن دربار سے پیغام بھیجا کہ بعض مہمان سلطنت میں مصلحت درپیش ہے۔ ارکان دولت حاضر ہیں۔ بے تمہارے صلاح ناتمام ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے تشریف لانا مناسب ہے۔ پھر حضرت سے رخصت ہو کر لاہور کو روانہ ہو جاؤ۔

---

❶ ہمایوں نے پہلے ۱۰ برس۔ دوسری دفعہ ۱۰ مہینے سلطنت کی۔

Marfat.com

وہ غرور کی شراب میں بدمست تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا خیال باندھ رہا تھا۔ کہلا بھیجا کہ صاحب میں شاہ غفراں پناہ کے غم میں ہوں۔ مجھے ان باتوں کا ہوش نہیں۔ میں نے ابھی سوگ بھی نہیں اتارا اور بالفرض اگر میں آیا تو نئے بادشاہ مارا تب اعزاز میں کس طرح پیش آئیں گے؟ نشست کہاں قرار پائی ہے۔ امرا مجھ سے کس طرح پیش آئیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ طول طویل تقریریں اور حیلے حوالے کہلا بھیجے۔ خیر یہاں تو یہ مطلب تھا کہ ایک دفعہ وہ دربار تک آجائیں۔ جو جو انہوں نے کہا۔ سب بے عذر منظور ہوا۔ اور وہ تشریف لائے اور بعض امورات سلطنت میں گفتگو ہوئی۔

شاہ ابوالمعالی کی گرفتاری:

اسی عرصے میں دستر خوان بچھا۔ شاہ صاحب نے سلانچی پر ہاتھ بڑھائے۔ تولک خاں قوچین افسر توپ خانہ ان دنوں خوب بھسنڈ بنا ہوا تھا۔ بے خبر پیچھے سے آیا اور شاہ کی مشکیں کس لیں۔ شاہ تڑپ کر اپنی تلوار کی طرف پھرے۔ جس سپاہی زادہ کے پاس تلوار رہتی تھی اسے پہلے ہی کھسکا دیا تھا۔ غرض کہ شاہ قید ہو گئے۔ بیرم خاں کا ارادہ قتل کا تھا۔ مگر پہلا رحم اکبر کا جو ظاہر ہوا۔ یہی تھا کہ اس نے کہا۔ جان کھونی کیا ضرور ہے۔ قید کردو۔ چنانچہ پہلوان گل گز کو کوتوال کے حوالے کیا۔ شاہ نے بڑی کرامات دکھائی۔ سب کی آنکھوں میں خاک ڈالی اور قید سے بھاگ گئے۔ پہلوان بچارا عزت کا مارا زہر کھا کر مر گیا۔

سال اول جلوس میں کل اشیائے سوداگری پر سے محصول کا بند کھول دیا۔ کئی برس تک سلطنت کے کاروبار اپنے ہاتھ میں نہیں لئے۔ اس لئے پوری پوری تعمیل نہیں ہوئی مگر اس کی نیت نے جوہر دکھا دیا۔ جب اپنا کام آپ کرنے لگا۔ تو تجویز کو پورا کیا۔ اس وقت بھی اہل کاروں نے سمجھایا کہ ملک ہند ہے۔ اس کی یہ رقم ایک ولایت کا خرچ ہے۔ مگر اس دریا دل نے ایک نہ سنی اور کہا جب خلق خدا کی جیب کتر کو توڑے بھرے تو اس خزانے پر بھی حیف ہے۔

اکبری لشکر سکندر کو دبائے پہاڑوں میں لئے جاتا تھا۔ برسات کا موسم آہی گیا تھا۔ مینہ کی فوج بادلوں کے دگلے۔ اور شفق کی رنگا رنگ وردیاں پہن کر موجودات دینے آئی۔ انہوں نے غنیم کو پتھروں کے حوالے کیا اور آپ جالندھر میں آکر چھاؤنی ڈالی۔ مینہ کی بہاریں دیکھ رہے تھے اور غنیم کا رستہ روکے ہوئے تھے۔ کہ سر نکالنے نہ پائے۔ اکبر بھی شکار کھیلتے تھے۔ نیزہ بازی۔ چوگان بازی۔ تیراندازی کرتے تھے۔ ہاتھی لڑاتے تھے۔ خان بابا سلطنت کے بندوبستوں میں تھے۔ جو یکا یک خبر

Marfat.com

پہنچی کہ ہیموں بقال نے آگاہ لے کر دلی مارلی۔ اور تردی بیگ وہاں کا حاکم بھاگا چلا آتا ہے۔

ہیموں بقال:

اس کی اصل و نسل اور ترقی کا مفصل حال تتمے میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس نے افغانی اقبال کی آندھیوں میں ترقی کی پرواز کی تھی۔ جو سردار بادشاہی کے دعویدار۔ اور اس کے بڑھانے اور دھاروں کے میدان چڑھانے والے تھے۔ وہ آپس میں کٹ کر مر گئے۔ بنی بنائی فوج اور بادشاہی خزانے اس کے قبضے میں آ گئے۔ ملک دل میں خیالات کی نسل پھیلنی شروع ہوئی۔ اسی عرصے میں ہمایوں کو مرگ ناگہانی پیش آئی۔ ہیموں کے دماغ میں جو امید نے انڈے بچے دیئے تھے انہوں نے سلطنت کے پر و بال نکالے۔ سمجھا کہ ۱۲ برس کا لڑکا تخت پر ہے۔ وہ بھی سکندر سور کے ساتھ پہاڑوں میں الجھا ہوا ہے۔ صاحب ہمت بقال نے میدان خیال میں اپنے حال کی موجودات لی۔ افغانوں کے انبوہ بے حساب گرد نظر آئے۔ کئی بادشاہوں کی کمائی۔ خزانے اور سلطنت کے کارخانے ہاتھ کے نیچے معلوم ہوئے۔ تجربے نے کان میں کہا کہ اب تک جدھر ہاتھ ڈالا ہے۔ پورا پڑا ہے۔ بابر کئی دن اور ہمایوں کئی رات یہاں رہا۔ اس لڑکے کی کیا بنیاد ہے۔ غرض جس لشکر کو ایسے قدرتی موقع کی امید پر تیار کر رہا تھا۔ اسے اپنی ذاتی لیاقت سے ترتیب دیکر روانہ ہوا۔ آگرے میں اکبر کی طرف سے سکندر خاں حاکم تھا۔ اس کے ہوش غنیم کی آمد آمد ہی میں اڑ گئے۔ آگرے جیسا مقام۔ بداقبال سکندر کو دیکھو کہ بے جنگ قلعہ خالی کر کے بھاگا۔ اب ہیموں کب تھمتا تھا۔ دبائے چلا آیا۔ رستے میں ایک مقام پر دل شکستہ سکندر الٹ کر اڑا۔ مگر کئی ہزار سپاہیوں کو قتل۔ قید اور دریا میں غرق کروایا اور پھر بھاگ نکلا۔ ہیموں کا حوصلہ اور زیادہ ہوا اور طوفان کی طرح دلی کا رخ کیا۔ بڑے بڑے جتھے والے افغان۔ جنگی تجربہ کار اور جنگ کے بھاری سامان۔ ۵۰ ہزار فوج جرار پٹھان اور راجپوت میواتی وغیرہ کی۔ ہزار ہاتھی۔ ۵۱ توپ قلعہ شکن۔ پانسو گھڑنال اور شترنال زنبورک ساتھ تھے۔ اس دریا نے جگہ سے جنبش کی۔ اور جہاں جہاں چغتائی حاکم بیٹھے تھے۔ سب کو رولتا ہوا دلی پر آیا۔ اور خوش ہوا کہ اس وقت وہاں تردی بیگم خاکم تھا۔ جس کی ضعف تدبیر اور بے ہمتی کے کارناموں کی اسے بھی خبر تھی۔

ہیمو بقال کی مقابلہ کی تیاریاں:

تردی بیگ کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو ایک عرضی اکبر کو لکھی۔ اور امرائے بادشاہی جو نزدیک دور تھے۔ انہیں خطوط روانہ کیے۔ کہ جلد حاضر اور جنگ میں شامل ہو۔ باوجود اس کے آپ کچھ بندوبست نہ کیا۔ جب غنیم کے لشکر کی شان اور ساز و سامان کی خبریں دھوم دھام سے اڑیں۔ تو مشورے کا جلسہ

Marfat.com

کر کے گفتگو شروع کی۔ بعض کی صلاح ہوئی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھے رہو اور لشکر بادشاہ کا انتظار کرو۔ اس عرصے میں جب موقع پاؤ نکل کر شب خون مارو۔ اور ترکانہ حملے بھی کرتے رہو۔ بعض کی صلاح ہوئی کہ پیچھے ہٹو اور بادشاہی لشکر کے ساتھ آ کر مقابلہ کرو۔ بعض کی صلاح ہوئی کہ علی قلی خاں بھی سنبھل سے آتا ہے۔ اس کا انتظار کرو کہ زبردست سپہ سالار ہے۔ دیکھیں وہ کیا کہتا ہے یہاں تک کہ غنیم لڑائی کے پلے پر آ گیا اور کوئی پہلو نہ رہا مگر یہ کہ نکلیں اور لڑ مریں۔

چنانچہ فوجیں لیکر بڑھے۔ اور تغلق آباد ❶ پر میدان جنگ قرار پایا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اکبری اقبال یہاں بھی کام کر گیا تھا۔ مگر خواہ تردی بیگ کی بے ہمتی نے۔ خواہ اس کی قضا نے مارا ہوا میدان ہاتھ سے کھو دیا۔ خان زماں برق کے گھوڑے پر سوار آیا تھا مگر میرٹھ میں پہنچا تھا کہ یہاں کام تمام ہو گیا۔ اس لڑائی کا تماشا دیکھنے کے قابل ہے۔

جس وقت دونوں لشکر صفیں باندھ کر میدان میں جمے۔ تو آئین جنگ کے بموجب امرائے شاہی آگا پیچھا۔ دایاں۔ بایاں سنبھال کر کھڑے ہوئے۔ تردی بیگ قلب میں قائم ہوئے۔ ملا پیر محمد کہ لشکر بادشاہی سے ضروری احکام لے کر آئے تھے۔ پہلو میں جم گئے۔ ادھر ہیموں میں لڑائی کا مشتاق ہو گیا تھا اور پرانے پرانے جنگ آزمودہ افغان اس کے ساتھ تھے۔ اس نے بھی اپنے گرد فوج کا قلعہ باندھا اور مقابل ہوا۔

لڑائی کا آغاز:

لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے توپ و تفنگ کے گولوں نے لڑائی کے پیغام پہنچائے۔ نیزوں کی زبانیں جنبش میں آئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں لشکر شاہی کا ہراول اور داہنا آگے بڑھا۔ اور اس زور سے ٹکر ماری کہ اپنے سامنے کے حریفوں کو الٹ کر پھینک دیا۔ وہ گڑگانوے کی طرف بھاگے۔ اور یہ انہیں ریلتے دھکیلتے پیچھے ہوئے۔ ہیموں اپنے فدائیوں کی فوج اور تین سو ہاتھی کا حلقہ لئے کھڑا تھا کہ اسی کا اسے بڑا گھمنڈ تھا۔ اور دیکھ رہا تھا کہ اب ترک کیا کرتے ہیں۔ ادھر تردی بیگ بھی منتظر تھے کہ آدھا میدان تو مار لیا ہے۔ آگے کیا کرنا چاہئے۔ اس انتظار میں کئی گھنٹے گزر گئے اور جو فوج فتحیاب ہوئی تھی۔ وہ مارا مار کرتی ڈل پلول تک جا پہنچی اور بڑے پیچ سے کیا۔ جو فوج شاہی اس کی فوج کو مارتی ہو گئی تھی۔ اس کے گرد وپیش سوار دوڑا دیئے۔ اور کہا۔ کہتے چلے جاؤ کہ الور سے حاجی خاں افغان ہیموں کی مدد کو پہنچا۔ اور تردی بیگ کو بھگا دیا۔ مگر حاجی خاں بھی اسی راستے پھرا آتا ہے کیونکہ

---

❶ تغلق آباد دلی سے قریب ۷ کوس دور ہے۔

Marfat.com

جانتا ہے۔ ترک دغاباز ہوتے ہیں۔ مبادا بھاگ کر پلٹ پڑیں۔

ادھر تو وہ چکمہ چلا۔ ادھری تردی بیگ پر حملہ کیا جو بے وقوف باوجود کامیابی کے چپ چاپ کھڑا تھا۔ اور ہیموں اب حملہ نہ کرتا تو وہ احمق تھا۔ کہ حریف کی بے ہمتی کھلی نظر آتی تھی۔ اور آگا اھد ایک بازو اس کا صاف میدان۔ غضب یہ ہوا کہ تردی بیگ کے قدم اکھڑ گئے اور ہزار غیضب یہ کہ رفیقوں کی ہمت نے بھی دغا کی۔ خصوصاً ملا پیر محمد کہ حریف کی آمد کو دیکھتے ہی ایسے بھاگ نکلے۔ گویا اسی ساعت کے منتظر تھے۔ لڑائی کا قاعدہ ہے کہ ایک کے پاؤں اکھڑے اور سب کے اکھڑے۔ خدا جانے اصل معاملہ کیا ہو۔ کہتے ہیں کہ خانخاناں کی تردی بیگ سے کھٹکی ہوئی تھی۔ ملا ان دنوں میں خانخاناں کے رفیق خاص الخاص بنے ہوئے تھے۔ اور اس نے اسی غرض سے انہیں بھیجا تھا۔ خان خاناں اگر ایسا کیا تو حیف ہے تمہاری اس دانائی اور ذہن کی رسائی پر جو ایسی باریکیوں کی تلاش میں خرچ ہوئی۔

فتحیاب حملہ آور جو ہوڈل پلول سے سرداروں کے سر اور لوٹ کے مال باندھے پھرے تو پریشان خبریں سنتے۔ حیران چلے آتے تھے۔ شام کو مقام پر پہنچے۔ تو دیکھتے ہیں کہ جہاں تردی بیگ کو چھوڑا تھا۔ وہاں حریف کا لشکر اترا ہوا ہے۔ چپ رہ گئے کہ کیا ہوا؟ فتح کی تھی۔ شکست بن گئی۔ چپ چاپ دلّی کی برابر سے آہستہ آہستہ نکل کر پنجاب کی طرف چلے۔

ادھر فتح یاب جب تغلق آباد تک پہنچ گیا تو اس سے کب رہا جاتا تھا۔ دوسرے ہی دن ہیموں دلی میں داخل ہوئے۔ دلی عجب مقام ہے۔ کون سا سر ہے کہ ہوائے حکومت رکھے اور وہاں پہنچ کر تخت پر بیٹھنے کی ہوس نہ کرے۔ اس ہمت والے نے فقط جشن اور راجہ مہاراجہ کے خطاب پر قناعت نہ کی بلکہ بکرماجیت کے خطاب کو نام کا تاج کیا۔ اور سچ ہے۔ دلی جیتی۔ بکرماجیت کیوں نہ ہوں۔

دلّی پر ہیمو کا قبضہ:

دلّی لے کر اس کا دل ایک سے ہزار ہو گیا تھا۔ تردی بیگ کی بے ہمتی کو آئندہ کی روئداد کا نمونہ سمجھا۔ اور سامنے میدان کھلا نظر آیا۔ وہ جانتا تھا کہ خان خاناں نوجوان بادشاہ کو لئے سکندر کے ساتھ پہاڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لئے دلی میں ایک دم ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ بڑی گھمنڈ کے ساتھ پانی پت پر فوج روانہ کی۔

اکبر کی ابتدائی پریشانیاں:

اکبر جالندھر میں چھاؤنی ڈالے مینہ کے تماشے دیکھ رہا تھا۔ یکایک خبر پہنچی کہ ہیموں بقال عدلی

Marfat.com

کا سپہ سالار امرائے شاہی کو سامنے سے ہٹاتا۔ منزلوں کے ورق الٹتا چلا آتا ہے۔ کہ آگرے سے سکندر خاں اُذبک بھاگا۔ ساتھ ہی سنا کہ غنیم نے تردی بیگ کو توڑ کر دلی بھی مار لی۔ ابھی باپ کا سایہ سر پر سے اٹھا۔ ابھی یہ شکست عظیم پیش آئی۔ اس پر ایسے سخت غنیم سے سامنا۔ افسردہ ہو گیا اور لشکر میں خبریں برابر پہنچ رہی ہیں۔ کہ فلاں امیر چلا آتا ہے۔ فلاں سردار بھی بھاگا آتا ہے۔ ساتھ ہی خبر آئی کہ علی قلی خاں میدان جنگ میں نہ پہنچ سکا تھا۔ وہ جمنا پار تھا کہ دلی کی مہم طے ہو گئی۔ دو تخت گاہیں ہاتھ سے نکل گئیں۔ لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔ اور شیر شاہی معرکے یاد آ گئے۔ امراء نے آپس میں کہا کہ موقع بیڈھب آن پڑا ہے۔ بہتر ہے کہ کابل کو اٹھ چلیں۔ سال آئندہ میں سامان کر کے آئینگے۔ اور غنیم کو دفع کرینگے۔

خان خاناں کی تقریر:

خان خاناں نے جب یہ رنگ دیکھا۔ تو خلوت میں اکبر سے سارا حال عرض کیا اور کہا کہ حضور کچھ فکر نہ کریں۔ یہ بے مروت بے ہمت جان کو عزیز کر کے ناحق حوصلہ ہارتے ہیں۔ آپ کے اقبال سے سب سرانجام وانتظام ہو جائیگا۔ فدوی جلسہ مشورت کر کے انہیں بلاتا ہے۔ فقط حضور کا دست اقبال میری پشت پر چاہئے۔ چنانچہ امراء بلائے گئے۔ انہوں نے وہی تقریریں ادا کیں۔ خان خاناں نے کہا۔ ایک برس کا ذکر ہے۔ جو شاہ جنت مکان کی رکاب میں ہم تم آئے۔ اور اس ملک کو سرسواری مار لیا۔ اس وقت لشکر۔ خزانہ۔ سامان۔ جس پہلو سے دیکھو پہلے سے زیادہ ہے۔ ہاں کمی ہے تو یہ ہے کہ وہ شاہ نہیں۔ پھر بھی خدا کا شکر کرو اگرچہ ہما نظر نہیں آتا مگر اس کا سایہ سر پر موجود ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے جو ہم ہمت ہاریں۔ کیا اس واسطے کہ اپنی جانیں پیاری ہیں۔ کیا اس واسطے کہ بادشاہ ہمارا نوجوان لڑکا ہے؟ افسوس ہے ہمارے حال پر کہ جس کے بزرگوں کا ہم نے اور ہمارے باپ دادا نے نمک کھایا۔ ایسے نازک وقت میں اس سے جانیں عزیز کریں اور وہ ملک جس پر اس کے باپ اور دادا نے تلواریں مار کر۔ ہزار جان جوکھوں اٹھا کر قبضہ پایا تھا۔ اسے مفت غنیم کے حوالے کر کے چلے جائیں۔ جبکہ ہمارے پاس کچھ سامان نہ تھا۔ اور سامنے دو پشت کے دعوے دار افغان تھے۔ وہ تو کچھ نہ کر سکے۔ یہ ۱۶ برس کا مرا ہوا بکر ماجیت آج کیا کر لے گا۔ برائے خدا ہمت نہ ہارو۔ اور ذرا خیال کرو۔ عزت اور آبرو کو تو یہاں چھوڑا۔ جانیں لے کر نکل گئے تو منہ کس ملک میں دکھائیں گے سب کہیں گے کہ بادشاہ تو لڑکا تھا۔ تم کہنہ عمل۔ کہن سال سپاہیوں کو کیا ہوا تھا۔ مار نہ سکتے تھے۔ تو مر ہی گئے ہوتے۔

Marfat.com

پایتخت پایتختہ:

یہ تقریر سن کر سب چپ ہو گئے۔ اور اکبر نے امرائے دربار کی طرف دیکھ کر کہا کہ دشمن سر پر آ پہنچا۔ کابل بہت دور ہے۔ اڑ کر بھی جاؤ گے تو نہ پہنچ سکو گے۔ اور میرے دل کی بات تو یہ ہے۔ کہ اب ہندوستان کے ساتھ سر لگا ہوا ہے۔ جو ہو سو یہیں ہو۔ پایتخت پایتختہ۔ دیکھو خان بابا شاہ مغفرت پناہ نے بھی سب کاروبار کا اختیار تمہیں دیا تھا۔ میں تمہیں اپنے سر کی اور ان کی روح کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ کہ جو مناسب وقت اور مصلحت دولت دیکھو۔ اسی طرح کرو۔ دشمنوں کی کچھ پروانہ کرو۔ میں نے تمہیں اختیار دیا۔

یہ سن کر امرا چپ ہو گئے۔ خان بابا نے فوراً تقریر کا رنگ بدلا۔ بڑی اولوالعزمی اور بلند نظری سے سب کے دل بڑھائے۔ اور دوستانہ مصلحتوں کے ساتھ نشیب و فراز دکھا کر متفق کیا۔ امرائے اطراف کو اور جو شکستہ حال دلی سے شکست کھا کر آئے تھے۔ ان کے نام ولدہی اور دلاسے کے فرمان جاری کر کے لکھا کہ تم بہ اطمینان تھانیسر کے مقام میں آکر ٹھہرو۔ ہم خود لشکر منصور کو لے آئے ہیں۔ غرض عید قربان کی نماز جالندھر کی عیدگاہ میں پڑھی اور مبارکباد لے کر پیش خیمہ دلی کی طرف روانہ ہوا۔

فال مبارک:

سلاطین سلف میں بہت سے شغل تھے کہ شوق ہائے شاہانہ سمجھے جاتے تھے۔ ان ہی میں مصوری بھی تھی۔ ہمایوں کو تصویر کا بہت شوق تھا۔ اکبر کو حکم دیا تھا کہ تم بھی سیکھا کرو۔ جب سکندر کی مہم فتح ہو چکی (ہیموں کی بغاوت کا ابھی ذکر فکر بھی نہیں تھا) اکبر ایک دن تصویر خانے میں بیٹھا تھا۔ مرقع کھلے تھے۔ مصور حاضر تھے۔ ہر شخص اپنی دست کاری میں مصروف تھا۔ اکبر نے ایک تصویر کھینچی۔ کہ گویا ایک شخص کا سر۔ ہاتھ پاؤں الگ الگ کٹے پڑے ہیں۔ کسی نے عرض کی۔ حضور یہ کس کی تصویر ہے؟ کہا ہیموں کی۔

لیکن اسے شہزادہ مزاجی کہتے ہیں۔ کہ جب جالندھر سے چلنے لگے۔ تو میر آتش نے چاہا کہ عید کی مبارک بادی میں آتش بازی کی سیر دکھائے۔ انہوں نے اس میں یہ بھی فرمائش کی کہ ہیموں کی مورت بناؤ اور راون کی طرح آگ دے کر اڑاؤ چنانچہ اس کی بھی تعمیل ہوئی۔ اچھا۔

مبارک بود فال فرخ زدن نہ برزخ زدن بلکہ شہ رخ زدن

جب اقبال سامنے ہوتا ہے۔ تو وہی منہ سے نکلتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ نہیں۔ یہ ہی کہو کہ جو منہ

Marfat.com

سے نکلتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔

خان خاناں کی لیاقت اور ہمت کی تعریف میں زبان قلم قاصر ہے۔ مشرقی ہندوستان میں تو یہ تلاطم پڑا ہوا۔ اور سکندر سور جو کہ پہاڑوں میں رکا ہوا بیٹھا تھا۔ دانا سپہ سالار نے اس کے لئے فوج کے بندوبست سے سدّ سکندر باندھی۔ راجہ رام چندر کانگڑے کا راجہ بھی تیار ہو رہا تھا۔ اسے ایسا دبدبہ دکھا کر پیغام سلام کئے کہ حسب دلخواہ عہد نامہ لکھ کر حضور میں حاضر ہو گیا۔

غرض دلاور سپہ سالار بادشاہ اور بادشاہ لشکر کو ہوا کے گھوڑوں پر اڑاتا۔ بجلی اور بادل کی کڑک دمک دکھاتا دلی کو چلا۔ سرہند کے مقام پر دیکھا کہ بھاگے بھٹکے امیر بھی حاضر تھے۔ ان سے ملاقاتیں کر کے صلاح و مشورت کے ساتھ بندوبست شروع کئے۔ لیکن خودمختاری کی تلوار نے اس موقع پر ایسی کاٹ دکھائی۔ کہ تمام امرائے بابری میں کھلبلی پڑ گئی۔ پھر بھی کوئی دم نہ مار سکا۔ بلکہ ہر شخص تھرا کر اپنے اپنے کام پر متوجہ ہو گیا۔

آزاد: وہ تردی بیگ حاکم دہلی کا قتل تھا۔ یہ ضرور ہے کہ دونوں امیروں کے دلوں میں عداوت کی پھانسیں کھٹک رہی تھیں مگر مورخ یہ کہتے ہیں کہ مصلحت یہی تھی جو تجربہ کار سپہ سالار اس وقت کر گزرا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ قتل بالکل بے جا ہوتا تو بابری امیر (جن میں ایک ایک اس کا برابر کا دعوے دار تھا) اسی طرح دم بخود نہ رہ جاتے۔ فوراً بگڑ کھڑے ہوتے۔

پانی پت کے میدان کی طرف روانگی:

بادشاہ جواں سال تھانیسر کے مقام پر تھا جو سنا کہ غنیم کا توپ خانہ ۲۰ ہزار منچلے پٹھانوں کے ساتھ پانی پت کے مقام پر آ گیا۔ خان خاناں نے بڑے استقلال کے ساتھ لشکر کے دو حصے کئے۔ ایک کو لے کر شکوہ شہانہ کے ساتھ خود بادشاہ کی رکاب میں رہا۔ دوسرے میں چند دلاور اور جنگ آزمودہ امیر اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ رکھے۔ ان پر علی قلی خاں سیستانی کو سپہ سالار کر کے دشمن کے مقابلے پر بطور ہراول روانہ کیا۔ اور اپنی فوج خاص بھی ساتھ کر دی۔ اس جواں ہمت۔ اور پر جوش افسر نے برق و باد کو پیچھے چھوڑا۔ کرنال پر جا کر مقام کیا۔ اور جاتے ہی ہاتھوں ہاتھ حریفوں سے آتش خانہ چھین لیا۔

پانی پت کی دوسری جنگ:

جب ہیموں نے سنا کہ آتش خانہ اس بے آبروئی کے ساتھ ہاتھ سے گیا تو دماغ رنجک کی طرح اڑ گیا۔ دلی سے دھواں دھار ہو کر اٹھا۔ بڑی بے پروائی سے پانی پت کے میدان پر آیا اور جتنی

Marfat.com

جنگی طاقت تھی۔ حوصلے سے نکال کر میدان میں ڈال دی۔ علی قلی خاں کچھ خطر خاطر میں نہ لایا۔ خانخاناں سے مدد بھی نہ مانگی۔ جو فوج اپنے ساتھ تھی وہی لی اور آ کر حریف سے دست و گریبان ہو گیا۔ پانی پت کے میدان میں رن پڑا۔ اور ایسا بھاری رن پڑا کہ خدا جانے کب تک کتابوں میں یادگار رہے گا۔ جس صبح کو یہ معرکہ ہوا۔ اکبری لشکر میں لڑائی کا کسی کو خیال نہ تھا۔ وہ خاطر جمع سے پچھلی رات رہے کرنال سے چلے اور کچھ دن چڑھا تھا جو ہنستے کھیلتے چند کوس زمین طے کر کے اتر پڑے، رستے کی گرد، چہروں سے نہ پونچھی تھی۔ اور میدان جنگ یہاں سے ۵ کوس آگے تھا۔ جو ایک سوار تیر کی رفتار پر پہنچا۔ اور خبر دی کہ غنیم سے مقابلہ ہو گیا۔ ۳۰ ہزار کی فوج اس کی ہے۔ اکبری جاں نثار فقط ۱۰ ہزار ہیں۔ خان زماں جرأت کر کے لڑ بیٹھا ہے۔ مگر میدان کا طور بے طور ہے۔

اکبر کی فتح:

خان خاناں نے پھر لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اکبر خود اسلحہ جنگ سجانے لگا مگر چہرے سے شگفتگی اور شوق جنگ ٹپکتا تھا۔ فکر یا پریشانی کا اثر بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ وہ مصاحبوں کے ساتھ ہنستا ہوا سوار ہوا۔ ہر ایک امیر اپنی اپنی فوج کو لئے کھڑا تھا۔ اور خان خاناں گھوڑا مارے ایک ایک غول کو دیکھتا پھرتا تھا۔ اور سب کے دل بڑھاتا تھا۔ نقارچی کو اشارہ ہوا۔ ادھر نقارے پر چوٹ پڑی۔ اکبر نے رکاب کو جنبش دی اور دریائے لشکر بہاؤ میں آیا۔ تھوڑی دور چل کر خدا جانے آدمی تھا یا فرشتہ سامنے سے گھوڑا مارے آیا۔ ایک شخص نے خبر دی کہ لڑائی فتح ہو گئی۔ کسی کو یقین نہ آیا۔ ابھی میدان جنگ کی سیاہی نمودار نہ ہوئی کہ فتح کے نور اڑتے نظر آنے لگے۔ جو خبردار آتا تھا مبارک مبارک کہتا ہوا خاک پر گر پڑتا تھا۔ اب کون تھم سکتا تھا۔ پل کی پل میں گھوڑے اڑا کر پہنچے۔

ہیمو کی گرفتاری:

اتنے میں ہیموں مجروح اور بدحال سامنے حاضر کیا گیا۔ وہ ایسا چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا کہ نوجوان بادشاہ کو ترس آیا۔ کچھ پوچھا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ کون کہہ سکے کہ عالم حیرت میں تھا یا ندامت تھی۔ یا ڈر چھا گیا تھا اس لئے بولا نہ جاتا تھا۔ شیخ گدائی کنبو۔ کہ خاندان میں مستند معرفت کے بیٹھنے والے۔ اور دربار میں صدر الصدور تھے۔ اس وقت بولے "پہلا جہاد ہے۔ حضور دست مبارک سے تلوار ماریں کہ جہاد اکبر ہو'۔ بادشاہ نوجوان کو آفرین ہے۔ رحم کھا کر کہا کہ یہ تو آپ مرتا ہے۔ اس کو کیا ماروں۔ پھر کہا میں تو اسی دن کام تمام کر چکا۔ جس دن تصویر کھینچی تھی۔ مقام جنگ پر کلہ منار عظیم الشان بنوا دیا اور دلی کو روانہ ہوئے۔

Marfat.com

مال غنیمت کا ہاتھ آنا:

ہیموں کی بی بی خزانے کے ہاتھی لے کر بھاگی۔ اکبری لشکر سے حسین خاں اور پیر محمد خاں فوج لے کر پیچھے دوڑے۔ وہ بیوہ بڑھیا کہاں بھاگتی؟ بجواڑے کے جنگل پہاڑوں میں کوادہ گاؤں پر جا کر پکڑا۔ جو دولت تھی۔ بہت تو رستے کے گنواروں کے حصے کی تھی۔ باقی غازیوں کے ہاتھ آئی۔ وہ بھی اتنی تھی کہ اشرفیاں ڈھالوں میں بھر بھر کر بٹیں۔ جس رستے سے رانی گزرتی تھی۔ روپے اشرفیاں اور سونے کی اینٹیں گرتی چلی گئی تھیں۔ برسوں تک مسافر رستے میں پایا کرتے تھے۔ خدا کی شان۔ وہی خزانے تھے جو شیر شاہ۔ سلیم شاہ۔ عدلی نے سالہا سال میں جمع کیے تھے۔ اور خدا جانے کن کن کلیجوں میں ہاتھ گھنگولے تھے۔ ایسے مال اسی طرح برباد ہوتے ہیں۔ ع

بباد آمد وہم ببادے رود

خواجہ حافظ نے کیا خوب کہا ہے ۔

ہرچہ دل کرد فراہم ہمہ اش دیدہ بباخت
اللہ اللہ کوتبہ کردو کہ اندوختہ بود

———— ⸙⸙⸙ ————

❶ یہ وہ بجواڑہ نہیں جو ضلع ہوشیار پور پنجاب میں ہے۔ بلکہ ایک بجواڑہ بیانہ علاقہ آگرہ میں ہے اور یہاں وہی مراد ہے۔

Marfat.com

بیرم خانی دور کا خاتمہ اور اکبر کی خود اختیاری

تقریباً ۴ برس تک اکبر کا یہ حال تھا۔ کہ شاہ شطرنج کی طرح مسند پر بیٹھا تھا۔ خان خاناں جس چال چاہتا تھا اسی چال چلتا تھا۔ اور اسے اس بات کی کچھ پرواہ بھی نہ تھی۔ نیزہ بازی و چوگان بازی کرتا تھا۔ باز باشے اڑاتا تھا۔ ہاتھی لڑاتا تھا۔ جاگیر۔ انعام موقوفی بحالی کل کاروبار سلطنت خان خاناں کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے رشتہ دار۔ ملازم اور متوسل عمدہ زرخیز اور سر سبز جاگیریں پاتے تھے۔ سامان ولباس سے خوش حال نظر آتے تھے۔ بادشاہی نمک خوار جو باپ دادا کے عہد سے خدمتوں کے دعوے رکھتے تھے۔ ان کی جاگیریں ویران۔ خود پریشان اور شکستہ حال تھے۔ بلکہ بادشاہ اپنے شوقوں کے لئے بھی خزانہ خالی پاتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی تنگ ہوتا تھا۔ پندرہ سولہ برس کے لڑکے کی کیا بساط ہوتی ہے۔ علاوہ براں بچپن سے خان خاناں کی اتالیقی کے نیچے رہا تھا۔ لوگ اس کی شکایت کرتے تو چپ ہو رہتا تھا۔

خان خاناں کے اختیارات اور تجویزیں کچھ نئی نہ تھیں۔ ہمایوں کے عہد سے جاری چلی آتی تھیں۔ مگر اس وقت عرض معروض کے راستے سے ہوتی تھیں۔ اور بادشاہ کی زبان سے حکم کا لباس پہن کر نکلتی تھیں۔ البتہ اب وہ بلا واسطہ خان خاناں کے احکام تھے۔ دوسرے یہ کہ اول اول سلطنت ملک گیری کی محتاج تھی۔ قدم قدم پر مشکلوں کے دریا اور پہاڑ سامنے تھے۔ اور اس کے سرانجام کا حوصلہ خان خاناں کے سوا ایک کو بھی نہ تھا۔ اب میدان صاف اور دریا پایاب نظر آنے لگے۔ اس لئے ہر شخص کو اچھی جاگیر اور عمدہ خدمت مانگنے کا منہ ہو گیا۔ اور اس کا اور اس کے متوسلوں کا فائدہ آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔

بیرم خاں کی مخالفت:

خان خاناں کی مخالفت میں کئی امیر تھے۔ مگر سب سے زیادہ ماہم اتکہ اور اس کا بیٹا ادہم خان اور چند رشتہ دار تھے۔ کیا دربار۔ کیا محل۔ ہر جگہ دخیل تھے۔ ان کا بڑا حق سمجھا جاتا تھا۔ اور واقعی تھا

Marfat.com

بھی۔ ماہانے ماں کی جگہ بیٹھ کر اسے پالا تھا۔ اور جب بے درد چچا نے معصوم بھتیجے کو توپ کے مہرے پر رکھا تھا تو وہی تھی جو اسے گود میں لے کر بیٹھی تھی۔ اس کا بیٹا ہر وقت پاس رہتا تھا۔ اندر وہ لگائی بجھائی رہتی تھی۔ اور باہر بیٹا اور اس کے متوسل۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس عورت کے تعلقے اور حوصلے نے مردوں کو مات کر دیا تھا۔ تمام امرائے دربار حد سے زیادہ اس کی عظمت کرتے تھے اور مادر مادر کہتے منہ سوکھتا تھا۔ وہ مہینوں اندر ہی اندر جوڑ توڑ کرتی رہی۔ پرانے خواتین وامرا کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ تم خان خاناں کے حال میں دیکھنا اس کا جھگڑا ابھی مہینوں تک رہا۔ اس عرصے میں اور اس کے بعد بھی جو کام خان خاناں دربار میں بیٹھ کر کیا کرتا تھا۔ ملک داری کے معاملے۔ امرا کے عہدے اور منصف وجاگیر۔ موقوفی۔ بحالی کل کاروبار وہ اندر ہی اندر بیٹھے کرتی۔

قدرت الٰہی کا تماشا دیکھو کہ سب کے ارکان دل ہی میں لے گئی۔ انا اور انا والوں نے سمجھا تھا کہ مکھی کو نکال کر پھینک دینگے اور گھونٹ گھونٹ پیکر ہم دودھ کے مزے لیں گے یعنی خان خاناں کو اڑا کر اکبر کے پردے میں ہم ہندوستان کی بادشاہت کرینگے۔ وہ بات نصیب نہ ہوئی۔ اکبر پردہ غیب سے ان لیاقتوں کا مجموعہ بن کر نکلا تھا جو ہزاروں میں ایک بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی ہونگی۔ اس نے چند روز میں ساری سلطنت کو انگوٹھی کے نگینے میں دھر لیا۔ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ اور دیکھتا کون؟ جو لوگ خان خاناں کی بربادی پر چھریاں تیز کئے پھرتے تھے۔ برس دن کے اندر باہر۔ اس طرح نابود ہو گئے گویا قصانے جھاڑو دیکر کوڑا اپھینک دیا۔ (خان خاناں کا معاملہ ۹۶۷ھ میں فیصلہ ہوا)۔

اکبر کی خود اختیاری:

کہنا یہ چاہئے کہ ۹۶۸ھ سے اکبر بادشاہ ہوا۔ کیونکہ اس اس نے خود اختیاری کے ساتھ ملک کے کاروبار سنبھالے۔ یہ وقت اکبر کے لئے نہایت نازک موقع تھا اور مشکلیں اس کی چند در چند تھیں۔

(۱) وہ ایک بے علم اور بے تجربہ نوجوان تھا جس کی عمر ۱۷ برس سے زیادہ نہ تھی۔ بچپن ان چچاؤں کے پاس بسر ہوا جو اس کے باپ کے نام کے دشمن تھے۔ لڑکپن کی حد میں آیا تو باز اڑاتا رہا۔ کتے دوڑاتا رہا۔ پڑھنے سے دل کوسوں بھاگتا تھا۔

(۲) لڑکپن کی حد سے نہ بڑھا تھا کہ بادشاہ ہو گیا۔ شکار کھیلتا تھا۔ شیر مارتا تھا۔ مست ہاتھیوں کو لڑاتا تھا۔ جنگلی دیوزادوں کو سدھاتا تھا۔ سلطنت کے کاروبار سب خان بابا کرتے تھے۔ یہ مفت کے بادشاہ تھے۔

Marfat.com

(۳) ابھی سارا ہندوستان فتح بھی نہ ہوا تھا۔ پورب کا ملک شیر شاہی سرکشوں سے افغانستان ہو رہا تھا اور ایک ایک راجہ بکرماجیت اور راجہ بھوج بنا ہوا تھا۔ سلطنت کا پہاڑ اس کے سر پر آ پڑا اور اس نے ہاتھوں پر لیا۔

(۴) بیرم خان ایسا منتظم اور رعب داب والا امیر تھا کہ اسی کی لیاقت تھی جس نے ہمایوں کا بگڑا ہوا کام بنایا اور صلاحیت کے رستے پر لایا۔ اس کا دفعتاً دربار سے نکل جانا کچھ آسان بات نہ تھی۔ خصوصاً وہ حالت کہ تمام ملک باغیوں سے بھڑوں کا چھتہ ہو رہا تھا۔

(۵) سب سے زیادہ یہ کہ ان امیروں پر حکم کرنا اور ان سے کام لینا پڑا جن کی بے وفائی نے ہمایوں کو چھوٹے بھائیوں سے برباد کروا دیا۔ وہ دو غلے اور دورنے لوگ تھے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ مشکل تر یہ کہ بیرم خاں کو نکال ہر ہر ایک کا دماغ فرعون کا دارالخلافہ ہو گیا تھا۔ نوجوان شہزادہ کسی کی نگاہ میں جچتا نہ تھا۔ ہر شخص اپنے تئیں خود مختار سمجھتا تھا۔ مگر آفرین ہے اس کی ہمت اور حوصلے کو کہ ایک مشکل کو مشکل نہ سمجھا۔ سخاوت کے ہاتھ سے ہر گرہ کو کھولا۔ جو نہ کھلی اسے تیغ شجاعت سے کاٹا۔ اور نیک نیتی نے ہر ارادے کو پورا اتارا۔ اقبال کا یہ عالم تھا کہ فتح اور ظفر حکم کی منتظر رہتی تھی۔ جہاں جہاں لشکر جاتے تھے فتح یاب ہوتے تھے۔ اکثر مہموں میں خود اس کڑک دمک سے یلغار کر کے گیا کہ کہنہ عمل سپاہی اور پرانے پرانے سپہ سالار حیران تھے۔

اکبر کی پہلی یلغار

ادہم خان پر

ملک مالوہ میں شیر شاہ کی طرف سے شجاعت خاں عرف شجاول خاں حکمرانی کرتا تھا۔ وہ ۱۲ برس ایک مہینے کی میعاد بسر کر کے دنیا سے رخصت ہوا۔ باپ کی مسند پر بازید خاں عرف باز بہادر نے جلوس کیا۔ دو برس دو مہینے عیش و عشرت کے شکار کرتا رہا کہ دفعتاً اقبال اکبری کا شہباز ہوا سے ملک گیری میں بلند پرواز ہوا۔ بیرم خاں نے اس مہم پر بہادر خاں خان زماں کے بھائی کو بھیجا۔ انہیں دنوں میں اس کے اقبال نے رخ بدلا۔ بہادر خاں مہم کو ناتمام چھوڑ کر طلب ہوا۔ بیرم خاں کی مہم کا فیصلہ کر کے اکبر نے ادھر کا قصد کیا۔ ادہم خاں اور ناصر الملک پیر محمد خاں کے لوہے تیز ہو رہے تھے

Marfat.com

ان ہی کو فوجیں دے کر روانہ کیا۔ بادشاہی لشکر فتح یاب ہوا۔ باز بہادر اس طرح اڑ گیا جیسے آندھی کا کوا۔ اس کے گھر میں پرانی سلطنت تھی اور دولت بے قیاس۔ دفینے۔ خزینے۔ توشہ خانے۔ جواہر خانے۔ تمام عجائب ونفائس سے مالا مال ہو رہے تھے۔ کئی ہزار ہاتھی تھے۔ عربی وایرانی گھوڑوں سے اصطبل بھرے ہوئے وغیرہ وغیرہ وہ عیش کا بندہ تھا۔ عشرت ونشاط۔ ناچ۔ گانا۔ رات دن رنگ رلیوں میں گزارتا تھا۔ سینکڑوں کنچنیاں۔ کلانوت۔ گائک۔ نائک نوکر تھے۔ کئی سوگائنیں۔ ڈومنیاں۔ پاتریں حرم سرا میں داخل تھیں۔ بے قیاس نعمتیں جو ہاتھ آئیں تو ادہم خاں مست ہو گئے۔ کچھ ہاتھی ایک عرضداشت کے ساتھ بادشاہ کو بھیج دیئے۔ اور آپ وہیں بیٹھ گئے۔ ملک میں سے علاقے بھی آپ ہی امرا کو تقسیم کر دیئے۔ پیر محمد خاں نے بھی بہت سمجھایا۔ مگر ہوش نہ آیا۔

روپ متی:

ادہم خاں کے ماتھے پر ایک پاتر (کنچنی) نے جو کالک کا ٹیکا دیا۔ ماں کے دودھ سے منہ دھوئیں گے۔ تو بھی نہ مٹے گا۔ باز بہادر پشتوں سے فرماں روائی کرتا تھا۔ مدتوں سے سلطنت جمی ہوئی تھی۔ عیش کا بندہ تھا۔ اور آرام و بے فکری میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کا دربار اور حرم سرا دن رات راجہ اندر کا اکھاڑا تھا۔ انہیں میں ایک پاتر ایسی پری زاد تھی۔ جس کے حسن کا باز بہادر دیوانہ بلکہ عالم میں فسانہ تھا۔ روپ متی اس کا نام تھا۔ اس حسن وجمال پر لطف یہ کہ لطیفہ گوئی۔ حاضر جوابی۔ شاعری۔ گانے بجانے میں بے نظیر نہیں۔ بدر منیر تھی۔ ان خوبیوں اور محبوبیوں کی دھوم سن کر ادہم خاں بھی لٹو ہو گئے۔ اور پیام بھیجا۔ اس نے بڑے سوگ اور بروگ کے ساتھ جواب دیا۔ ''جاؤ خانہ بربادوں کو نہ ستاؤ۔ باز بہادر گیا۔ سب باتیں گئیں۔ اب اس کام سے جی بیزار ہو گیا''۔ انہوں نے پھر کسی کو بھیجا۔ ادھر بھی اس کی سہیلیوں نے سمجھایا کہ دلاور، بہادر، سجیلا جوان ہے، سردار ہے، سردار زادہ ہے۔ اور انا کا بیٹا ہے تو اکبر کا ہے کسی اور کا تو نہیں۔ تمہارے حسن کا چاند چمکتا رہے۔ باز گیا تو گیا۔ اسے چکور بناؤ۔ عورت نے اچھے اچھے مردوں کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں۔ جیسی صورت کی وضع دار تھی ویسی ہی طبیعت کی بھی وضع دار تھی۔ دل نے گوارا نہ کیا مگر سمجھ گئی کہ اس سے اس طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ قبول کیا۔ اور دو تین دن بیچ میں ڈال کر وصل کا وعدہ کیا۔ جب وہ رات آئی تو سویرے سویرے ہنسی خوشی بن سنور۔ پھول پہن، عطر لگا، چھپر کھٹ میں گئی اور پاؤں پھیلا کر لیٹ رہی۔ دوپٹا تان لیا۔ محل والیوں نے جانا کہ رانی جی سوتی ہیں۔ ادہم خاں ادھر گھڑیاں گن رہے تھے۔ وعدے کا وقت نہ پہنچا تھا کہ جا پہنچے۔ اسی وقت خلوت ہو گئی۔ لونڈیاں چیریاں یہ کہہ کر سب باہر چلی آئیں کہ رانی جی

Marfat.com

سکھ کرتی ہیں۔ یہ خوشی خوشی چھپر کھٹ میں داخل ہوئے کہ اسے جگائیں۔ جاگے کون؟ وہ تو زہر کھا کر سوئی تھی اور بات کے پیچھے جان کھوئی تھی۔

قلعہ کاکرون کی فتح:

اکبر کو بھی خبر پہنچی۔ سمجھا کہ یہ انداز اچھے نہیں۔ چند جاں نثاروں کو ساتھ لے کر گھوڑے اٹھائے۔ رستے میں کاکرون کا قلعہ ملا کہ ادہم خان بھی اس پر فوج کشی کر کے آیا چاہتا تھا۔ قلعہ دار ادھر ادھر کی خبرداری میں تھا۔ یکا یک دیکھا کہ ادھر سے بجلی آن گری۔ کنجیاں لے کر حاضر ہوا۔ اکبر قلعے میں گیا۔ جو کچھ حاضر تھا نوش فرمایا اور قلعہ دار کو خلعت دیکر منصف بڑھایا۔

پھر جو رکاب میں قدم رکھا تو اس سناٹے سے گیا کہ ماہم نے بھی قاصد دوڑائے تھے۔ سب رستے ہی میں رہے۔ یہ دن رات مارا مار گئے۔ اور صبح کا وقت تھا کہ ادہم کے سر پر جا دھمکے۔ اسے خبر بھی نہ تھی فوج لے کر کاکرون پر چلا تھا۔ چند عزیز مصاحب ہنستے بولتے آگے آگے جاتے تھے۔ انہوں نے جو یکا یک اکبر کو سامنے سے آتے دیکھا۔ بے اختیار ہو کر گھوڑوں سے زمین پر گر پڑے۔ اور آداب بجالائے ادہم خاں کو بادشاہ کے آنے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اس نے دور سے دیکھا حیران ہوا کہ کون آتا ہے جسے دیکھ کر میرے نوکر آداب بجالائے۔ گھوڑے کو ٹھکرا کر آپ آگے بڑھا۔ دیکھا تو آفتاب سامنے ہے۔ ہوش جاتے رہے۔ اتر کر رکاب پر سر رکھ دیا۔ قدم چومے۔ بادشاہ ٹھہر گئے۔ امراء اور خوانین قدیمی نمکخوار جو ادہم کے ساتھ آتے تھے۔ سب کے سلام لئے۔ ایک ایک کو پوچھ کر سب کا دل خوش کیا۔ اگر چہ ادہم ہی کے گھر میں جا کر اترے۔ مگر شگفتہ ہو کر بات نہ کی۔ گرد سفر سے آلودہ تھے۔ توشہ خانے کا صندوق پیچھے تھا۔ کپڑے نہ بدلے۔ ادہم نے لباس کے بقچے حاضر کیے۔ منظور نہ فرمائے۔ ایک ایک امیر کے آگے روتا جھینکتا پھرا۔ خود بھی بہت ناک گھسنی کی۔ بارے دن بھر کے بعد عرض قبول اور خطا معاف ہوئی۔

اکبر کو قتل کرنے کی سازش:

حرم سرا کی پشت پر جو مکان تھا۔ رات کو اس کے کوٹھے پر آرام کیا۔ اکھڑ جوان (ادہم خان) کی سرشت میں بدی داخل تھی۔ بدگمانی نے اس کے کان میں پھونکا کہ بادشاہ جو یہاں اترے ہیں۔ اس سے میرے ننگ و ناموس پر نظر منظور ہے۔ سر شوری نے صلاح دی کہ جس وقت موقع پائے۔ ماں کے دودھ میں نمک گھولے اور حق نمک کو آگ میں ڈال کر بادشاہ کا کام تمام کر دے۔ نیک نیت بادشاہ کا ادھر خیال بھی نہ تھا۔ خیر جس کا خدا نگہبان ہوا سے کون مار سکے۔ اس بے ہمت کی بھی ہمت نہ

Marfat.com

پڑی۔

دوسرے ہی دن ماہم جا پہنچی۔ بیٹے کو بہت لعنت ملامت کی۔ بادشاہ کے سامنے بھی باتیں بنائیں۔ تمام ضبطی کے نفائس تحائف حضور میں حاضر کیے۔ اور بگڑی ہوئی بات پھر بنالی۔

ادہم خاں اور اُس کی ماں کا قتل:

بادشاہ نے یہاں چار دن قیام کیا۔ ملک کا بندوبست کرتے رہے۔ پانچویں دن روانہ ہوئے۔ شہر سے نکل کر باہر ڈیروں میں اترے۔ باز بہادر کی عورتوں میں سے کچھ عورتیں پسند آئی تھیں۔ وہ ساتھ لے لی تھیں۔ ان میں سے دو پر ادہم خان کی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ ماں کی لونڈیاں۔ ماما ئیں بادشاہ کی حرم سرا میں بھی خدمت کرتی تھیں۔ ان کی معرفت دونوں پریوں کو اڑا لیا۔ جانا تھا کہ ہر شخص کوچ کے کاروبار اور اپنے اپنے حال میں گرفتار ہے۔ کون پوچھے گا۔ کون پیچھا کرے گا۔ اکبر کو جب خبر ہوئی تو سمجھ گیا۔ دل ہی دل میں دق ہوا۔ اسی وقت کوچ ملتوی کر دیا۔ اور چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ وہ بھی ادھر ادھر سے جستجو کر کے پکڑ ہی لائے۔ ماہم نے سنا۔ سمجھی کہ جب دونوں عورتیں سامنے آئیں۔ بھانڈا پھوٹ جائے گا اور بیٹے کے ساتھ میرا بھی منہ کالا ہوگا۔ افسوس دونوں بے گناہوں کو اوپر ہی اوپر مروا ڈالا۔ کٹے ہوئے گلے کیا بولتے۔ اکبر پر بھی راز کھل گیا تھا مگر لہو کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اور آگرے کو روانہ ہوا۔ اللہ اکبر۔ پہلے ایسا حوصلہ پیدا کر لے جب کوئی اکبر سا بادشاہ کہلائے۔ آگرے میں آئے اور چند روز کے بعد ادہم خان کو بلا لیا۔ پیر محمد خاں کو علاقہ سپرد کیا۔ یہ اکبر کی پہلی یلغار تھی۔ کہ جس رستے کو شاہان سلف پورے ایک مہینے میں طے کرتے تھے۔ اس نے ہفتے بھر میں طے کیا۔

دوسری یلغار

خان زماں پر

خان زمان علی قلی خاں نے جونپور وغیرہ اضلاع شرقی میں فتوحات عظیم حاصل کر کے بہت سے خزانے اور سلطنت کے سامان سمیٹے تھے۔ اور حضور میں نہ بھیجے تھے۔ شاہم بیگ کے مقدمے میں ابھی اس کی خطا معاف [1] ہو چکی تھی اولوالعزم بادشاہ ادہم خاں سے دل جمعی کر کے آگے میں آیا۔ آتے ہی توسن ہمت پر زین رکھا۔ اور سورج مغرب سے مشرق کو چلا۔

---

[1] مفصل حال دیکھو تتمہ میں۔

Marfat.com

یک جا قرار ہمت عالی نے کند گردش ضرورت است سپہر بلندرا

بڑھے بڑھے امرا کورکاب میں لیا۔وہ خاں زماں کو جانتا تھا کہ من چلا بہادر ہے اور غیرت والا ہے۔اہل دربار نے اسے ناحق ناراض کر دیا ہے۔شاید بگڑ بیٹھا تو بہتر ہے کہ تلوار درمیان نہ آئے۔ کہن سال نمک حلال بیچ میں آ کر باتوں میں کام نکال لینگے۔چنانچہ کالپی کے راستے الہ آباد کا رخ کیا اور اس کڑک دمک سے کڑہ مانک پور پر جا کھڑا ہوا کہ خان زماں اور بہادر خاں دونوں ہاتھ باندھ کر پاؤں میں آن پڑے وہاں سے بھی کامیابی اور کامرانی کے ساتھ پھرے۔بہکانے والوں نے اس کی طرف سے بہت کان بھرے تھے۔مگر نیک نیت بادشاہ کا قول تھا کہ آدمی ایک نسخہ معجون دواخانہ الٰہی کا ہے۔مستی و ہوشیاری سے مرکب ہے۔اسے بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔یہ بھی کہا کرتا تھا کہ امرا ہرے بھرے درخت تھے۔ ہمارے لگے ہوئے ہیں۔انہیں سرسبز کرنا چاہئے۔نہ کاٹنا۔ انسان میں برگزیدہ صفت معافی گناہ ہے۔جو حضور میں چلا آئے۔اور ناکام پھر جائے تو اس پر حیف نہیں۔ہم پر حیف ہے۔(دیکھو اکبر نامہ کہ اسی مقام پر شیخ ابوالفضل نے کیا لکھا ہے)۔

تیرِ آسمانی اور غیب کی نگہبانی

اکبر کی نیت اور علو ہمت کی باتیں حد تحریر سے باہر ہیں۔۹۷۰ھ میں دلی پہنچے۔شکارگاہ سے پھرتے ہوئے سلطان نظام الدین اولیاء کی زیارت کو گئے۔وہاں سے رخصت ہوئے۔ ماہم کے مدرسے کے پاس تھے۔جو معلوم ہوا کہ کچھ شانے میں لگا۔دیکھا تو تیر کہ پوست مال تھا مگر دو تین بار نکل گیا تھا۔دریافت کیا۔معلوم ہوا کہ کسی نے مدرسے کے کوٹھے پر سے مارا ہے۔ابھی تیر نہ نکلا تھا کہ مجرم کو پکڑ لائے۔دیکھا کہ فولاد حبشی مرزا اشرف الدین حسین کا غلام ہے۔آقا چند روز پہلے بغاوت کر کے بھاگا تھا۔جب شاہ ابوالمعالی سے سازش ہوئی تو تین سو آدمی جنہیں اپنی جان نثاری کا بھروسہ تھا اس کے ساتھ گئے تھے۔آپ مکہ کا بہانہ کر کے بھاگا پھرتا تھا۔ان میں سے یہ شب سیاہ اس کام کا بیڑا اٹھا کر آیا تھا۔لوگوں نے چاہا۔فولاد سنگ دل سے پوچھیں کہ یہ حرکت کس کے اشارے سے کی ہے؟ اکبر نے کہا نہ پوچھو۔غلام روسیاہ خدا جانے کیا کہے۔اور کن کن جانثاروں کی طرف سے شبہے ڈال دے۔بات نہ کرنے دو اور کام تمام کر دو۔دریا دل بادشاہ کے چہرے پر کچھ اضطراب نہ ہوا۔اسی طرح گھوڑے پر سوار چلا آیا۔اور قلعہ دین پناہ میں داخل ہوا۔چند روز میں زخم اچھا ہو گیا۔ اور اسی ہفتے میں سنگھاسن پر بیٹھ کر آگرے کو روانہ ہوئے۔

Marfat.com

عجیب اتفاق:

اکبر کے کتوں میں ایک زرد رنگ کا کتا تھا۔ نہایت خوبصورت۔ اسی واسطے مہوہ اس کا نام رکھا تھا۔ وہ آگرے میں تھا۔ جس دن یہاں تیر لگا۔ اسی دن سے مہوے نے راتب کھانا چھوڑ دیا تھا۔ جب بادشاہ وہاں پہنچے تو میر شکار نے حال عرض کیا۔ اکبر نے اسے حضور میں منگایا۔ آتے ہی پاؤں میں لوٹ گیا۔ اور نہایت خوشی کی حالتیں دکھائیں۔ اپنے سامنے راتب منگا کر دیا جب اس نے کھایا۔

یہ یلغاریں بابری بلکہ تیموری و چنگیزی خون کے جوش تھے کہ اکبر پر ختم ہو گئے۔ اس کے بعد کسی بادشاہ کے دماغ میں ان باتوں کی بو بھی نہ رہی۔ بنے تھے کہ گدی پر بیٹھے تھے۔ ان کی قسمتیں لڑتی تھیں۔ اور امراء فوجیں لے کر مرتے پھرتے تھے۔ اس کا کیا سبب سمجھنا چاہئے؟ ہندوستان کی آرام طلب خاک۔ اور باوجود گرمی کے سردمہر ہوا اور بزدل پانی۔ روپے کی بہتات۔ سامانوں کی کثرت۔ یہاں جوان کی اولاد ہوئی۔ ایک نئی مخلوق ہوئی انہیں گویا خبر نہ تھی۔ کہ ہمارے باپ دادا کون تھے؟ اور انہوں نے کیونکر یہ قلعے، یہ ایوان، یہ تخت، یہ درجے تیار کئے تھے۔ جن پر ہم چڑھے بیٹھے ہیں۔ میرے دوستو تمہارے ملک کے اہل خاندان جب اپنے تئیں شکوہ و شامان کے سامانوں میں پاتے ہیں۔ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے گھر سے ایسے ہی آئے ہیں۔ اور ایسے ہی رہیں گے۔ جس طرح ہم آنکھ ناک ہاتھ پاؤں لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح یہ سب چیزیں ہمارے ساتھ پیدا ہوئی ہیں۔ ہائے غافل بدنصیبو تمہیں خبر نہیں۔ کہ تمہارے بزرگوں نے پسینے کی جگہ خون بہا کر اس ڈھلتی پھرتی چھاؤں کو قابو کیا تھا۔ اور اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو جو قبضے میں ہے۔ اسے تو ہاتھ سے جانے نہ دو۔

تیسری یلغار گجرات پر

اکبر نے یلغاریں تو بہت کیں مگر عجیب یلغار وہ تھی۔ جب کہ احمد آباد گجرات میں خان اعظم اس کا کوکہ گھر گیا۔ اور وہ شتر سوار فوج کو اڑا کر پہنچا۔ خدا جانے رفیقوں کے دلوں میں ریل کا زور بھر دیا تھا کہ تار برقی کی پھرتی۔ اس سے کا تماشا۔ ایک عالم ہوگا دیکھنے کے قابل۔ آزاد اس حالت کا فوٹو گراف الفاظ و عبارت کے رنگ و روغن سے کیونکر کھینچ کر دکھائے۔

اکبر ایک دن فتح پور میں دربار کر رہا تھا۔ اور اکبری نورتن سے سلطنت کا بازو آراستہ تھا۔ دفعتاً پرچہ لگا کہ حسین مرزا چغتائی شہزادہ ملک مالوہ میں باغی ہو گیا۔ اختیار الملک دکنی کو اپنے ساتھ شریک کیا تھا۔ ملکی باغیوں کی بے شمار جمعیت۔ اور حشری فوج جمع کی ہے۔ دور دور تک ملک مار لیا ہے۔ اور مرزا

Marfat.com

عزیز کو اس طرح قلعہ بند کیا ہے کہ نہ وہ اندر سے نکل سکے۔ نہ باہر سے کوئی جا سکے۔ مرزا عزیز نے بھی گھبرا کر ادھر اکبر کو عرضیاں۔ ادھر ماں کو خط لکھنے شروع کیے۔ اکبر اسی فکر میں داخل محل سرا ہوا۔ وہاں جی جی ❶ نے رونا شروع کر دیا کہ جس طرح ہو میرے بچے کو صحیح سلامت دکھاؤ۔ بادشاہ نے سمجھا کہ سارا لشکر بھیر و بنگاہ سمیت ایسا جلدی کیونکر جا سکے گا۔ اسی وقت محل سے باہر آیا۔ اور اقبال اپنے کام میں مصروف ہوا کئی ہزار کار آزمودہ اور من چلے بہادر روانہ کیے۔ اور کہہ دیا کہ ہر چند ہم تم سے پہلے پہنچیں گے۔ مگر جہاں تک ہو سکے تم بھی اڑے ہی جاؤ۔ ساتھ ہی رستے کے حاکموں کو لکھا۔ کہ جتنی کوتل سواریاں موجود ہوں۔ تیار کر لیں۔ اور اپنی اپنی انتخابی فوج سے سر راہ حاضر ہوں۔ خود تین سو جاں نثاروں سے (خافی خاں نے چار پانچ سو لکھا ہے) کہ تمام نامی سردار اور درباری منصب دار تھے۔ سانڈنیوں پر بیٹھ۔ کوتل گھوڑے اور گھڑ بہلیں لگا۔ نہ دن دیکھا نہ رات۔ جنگل اور پہاڑ کاٹتا چلا۔

غنیم کے تین سو سپاہی سرگنج سے پھرے ہوئے گجرات کو جاتے تھے۔ اکبر نے راجہ سالباہن۔ قادر قلی۔ رنجیت وغیرہ وغیرہ سرداروں کو کہ بال باندھے نشانے اڑاتے تھے۔ آواز دی کہ لینا۔ اور نہ جانے دینا۔ یہ ہوا کی طرح گئے۔ اور اس صدمے سے حملہ کیا کہ خاک کی طرح اڑا دیا۔

شگون مبارک:

اسی عالم میں شکار بھی ہوتے جاتے تھے۔ ایک جگہ ناشتے کو اترے۔ کسی کے منہ سے نکلا۔ اوہو کیا ہرن کی ڈار درختوں کی چھاؤں میں بیٹھی ہے۔ بادشاہ نے کہا آؤ شکار کھیلیں۔ ایک کالا ہرن سامنے نکلا۔ اس پر سمندر ٹانک چیتا چھوڑا اور کہا کہ اگر اس نے یہ کالا مار لیا۔ تو جانو کہ غنیم کو مار لیا۔ اقبال کا تماشا دیکھو۔ کہ مار ہی لیا۔ بس پل کے پل ٹھیرے اور روانہ۔

غرض ستائیس منزلوں کو لپیٹ (خافی خاں نے لکھا ہے کہ ۴۰ منزلیں جنہیں شاہان سلف نے مہینوں میں طے کیا) نویں دن گجرات کے سامنے دریائے نربتی کے کنارے پر جا کھڑا ہوا۔ جن امرا کو پہلے روانہ کیا تھا۔ رستے میں ملتے جاتے تھے۔ شرمندہ ہوتے تھے۔ سلام کرتے تھے اور ساتھ ہو لیتے تھے۔ پھر بھی اکثر نبھ نہ سکے۔ پیچھے پیچھے دوڑے آتے تھے۔

جب گجرات سامنے آیا تو موجوات لی۔ تین ہزار نامور۔ نشان شاہی کے نیچے مرنے مارنے کو کمر بستہ تھے۔ اس وقت کسی نے تو کہا کہ جو جاں نثار پیچھے رہے ہیں۔ آیا چاہتے ہیں۔ ان کا انتظار کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا شبخون مارنا چاہیے۔ بادشاہ نے کہا کہ انتظار بزدلی اور شبخون چوری ہے۔

---

❶ جس کا دودھ پیتے ہیں اسے ترکوں کے بچے جی جی کہا کرتے ہیں۔

Marfat.com

سلاخ خانے سے ہتھیار بانٹ دیئے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے فوج کی تقسیم کی۔ مرزا عبدالرحیم یعنی خان خاناں کا بیٹا سولہ برس کا نوجوان تھا۔ اسے سپہ سالاروں کی طرح قلب میں قرار دیا۔ خود سو سوار سے الگ رہے کہ جدھر مدد کی ضرورت ہو ادھر ہی کو پہنچیں۔

اقبال کی مبارک فال

بادشاہ جب خود سر پر رکھنے لگے۔ تو دیکھا کہ دبلغہ نہیں رستے میں دبلغہ ❶ اُتار کر راجہ دیپ چند کو دیا تھا کہ لئے آؤ۔ وہ رستے میں اترتے چڑھتے کہیں رکھ کر بھول گیا۔ اس وقت جو مانگا تو وہ گھبرایا اور شرمندہ ہوا۔ فرمایا۔ اوہو۔ کیا خوب شگون ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ کہ سامنا صاف ہے۔ بڑھو آگے۔

خاصے کے گھوڑوں میں ایک بادرفتار تھا۔ سر سے پاؤں تک سفید براق۔ جیسے نور کی تصویر۔ اکبر نے اس کا نام نور بیضا رکھا تھا۔ جس وقت اس پر سوار ہوا۔ گھوڑا بیٹھ گیا۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ شگون اچھا نہ ہوا۔ راجہ بھگوانداس (مان سنگھ کے باپ) نے آگے بڑھ کر کہا۔ حضور فتح مبارک۔ اکبر نے کہا۔ سلامت باشید۔ کیونکر اس نے کہا۔ اس رستے میں تین شگون برابر دیکھتا چلا آیا ہوں:۔

(۱) ہمارے شاستر میں لکھا ہے کہ جب فوج مقابلے کو تیار ہو۔ اور سیناپتی کا گھوڑا سواری کے وقت بیٹھ جائے۔ تو فتح اسی کی ہوگی۔

(۲) ہوا کا رخ حضور ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح بدل گیا۔ بزرگوں نے لکھ دیا ہے کہ جب ایسی صورت ہو سمجھ لیجئے کہ مہم اپنی ہے۔

(۳) رستے میں دیکھتا آیا ہوں کہ گدھ، چیلیں، کوے، برابر لشکر کے ساتھ چلے آتے ہیں۔ اسے بھی بزرگوں نے فتح کی نشانی لکھا ہے۔

محبت کے ناز و نیاز

اکبر بادشاہ قوم کا ترک۔ مذہب کا مسلمان تھا۔ راجہ یہاں کے ہندی وطن اور ہندو مذہب

---

❶ دبلغہ خود کے آگے کی طرف ماتھے پر چھجا لگاتے تھے کہ دھوپ اور چھوٹے موٹے صدموں سے بچاؤ رہے۔

Marfat.com

تھے۔ اتفاق اور اختلاف کے مقدمے تو ہزاروں تھے۔ مگر میں ان میں سے ایک نکتہ لکھتا ہوں۔ ذرا آپس کے برتاؤ دیکھو اور ان سے دلوں کے حال کا پتہ لگاؤ۔ اسی ہنگامے میں راجہ جے مل (راجہ روپسی کا بیٹا تھا) اکبر کے برابر نکلا۔ اس کا بکتر بہت بھاری تھا۔ اکبر نے سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ اس وقت یہی ہے۔ زرہ وہیں رہ گئی۔ درد خواہ بادشاہ نے اسی وقت بکتر اتروایا۔ اور اپنے خاصے کی زرہ پہنوادی۔ وہ سلام کر کے خوش ہوتا اپنے رفیقوں میں گیا۔ اتنے میں راجہ کرن (مالدیو راجہ جودھپور کے پوتے) کو دیکھا کہ اس کے پاس زرہ بکتر کچھ نہ تھا۔ بادشاہ نے وہی بکتر اسے دیدیا۔

جے مل اپنے باپ (روپسی) کے سامنے گیا۔ اس نے پوچھا۔ بکتر کہاں ہے؟ جے مل نے سارا ماجرا سنایا۔ روپسی کی جودھپوریوں سے خاندانی عداوت چلی آتی تھی۔ اسی وقت بادشاہ کے پاس آدمی بھیجا کہ حضور میرا بکتر مرحمت ہو۔ وہ میرے بزرگوں سے چلا آتا ہے۔ اور بڑا مبارک اور فتح نصیب ہے۔ اس وقت بادشاہ کو یاد آیا کہ ان کی خاندانی کھٹک ہے۔ فرمایا کہ خیر ہم نے اسی واسطے خاصے کی زرہ تمہیں دیدی ہے کہ فتح کا تعویذ اور اقبال کا گنڈا ہے۔ اسے اپنے پاس رکھو۔ روپسی کے دل نے نہ مانا۔ اور تو کچھ نہ ہو سکا اسلحہ جنگ اتار کر پھینک دیئے۔ اور کہا۔ خیر میں میدان جنگ میں یونہی جاؤں گا۔ اس نازک موقع پر اکبر کو بھی اور کچھ نہ بن آیا۔ کہا۔ خیر ہمارے جاں نثار ننگے لڑیں تو ہم سے بھی نہیں ہو سکتا کہ زرہ بکتر میں چھپ کر میدان میں لڑیں۔ ہم بھی برہنہ تیر و تلوار کے منہ پر جائیں گے۔ راجہ بھگوانداس اسی وقت گھوڑا اڑا کے جے مل کے پاس گئے۔ اسے سمجھایا۔ بہت لعنت ملامت کی۔ اور سمجھا بجھا کر دنیا کے راستے کا نشیب و فراز دکھایا۔ یہ بڈھا خاندان کا ستون تھا۔ اس کا سب لحاظ کرتے تھے۔ اس نے شرمندہ ہو کر پھر ہتھیار سجے۔ راجہ بھگوان داس نے آکر عرض کی کہ حضور روپسی نے بھنگ پی تھی اس کی لہروں نے ترنگ دکھائی تھی۔ اور کچھ بات نہ تھی۔ اکبر سن کر ہنسنے لگا۔ اور ایسا نازک جھگڑا لطیفہ ہو کر اڑ گیا۔

اکبری آئین:

ایسے ایسے منتروں نے محبت کا طلسم باندھا تھا جو ہر دل پر نقش ہو گیا تھا۔ خاندان کی ریت رسوم۔ مبارک نامبارک بلکہ دین آئین۔ سب برطرف۔ اب جو اکبر کہے وہی ریت رسوم۔ جو اکبر کی خوشی وہی مبارک۔ جو اکبر کہہ دے وہی دین آئین اور اس سے بڑے مطلب نکلتے تھے کیونکہ اگر مذہب کے دلائل سے انہیں سمجھا کر کسی بات پر لانا چاہتے تو سر کٹواتے۔ اور راجپوت کی ذات قیامت تک اپنی بات سے نہ ٹلتی۔ اکبری آئین کا نام لیتے تو جان دینے کو بھی فخر سمجھتے تھے۔ غرض حکم ہوا کہ

Marfat.com

باگیں اٹھاؤ۔ خان اعظم کے پاس آصف خاں کو بھیجا کہ ہم آپہنچے۔ تم اندر سے زور دے کر نکلو۔ اس پر ایسا ڈر چھایا تھا۔ کہ قاصد بھی پہنچے تھے۔ ماں نے بھی خط لکھے تھے۔ اسے بادشاہ کے آنے کا یقین ہی نہ آیا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ دشمن غالب ہے کیونکر نکلوں۔ یہ امرائے اطراف میرا دل بڑھانے اور لڑانے کو ہوائیاں اڑاتے ہیں۔

احمد آباد تین کوس تھا حکم ہوا کہ چند قراول آگے بڑھ کر ادھر ادھر بندوقیں سر کریں۔ ساتھ ہی نقارہ اکبری پر چوٹ پڑی۔ اور گورکھے کی گرج سے گجرات گونج اٹھا۔ اس وقت تک بھی غنیم کو اس یلغار کی خبر نہ تھی۔ بندوقوں کی کڑک اور ڈنکے کی آواز سے اس کے لشکر میں کھلبلی پڑی۔ کسی نے جانا کہ دکن سے ہماری مدد آئی ہے۔ کسی نے کہا کہ کوئی بادشاہی سردار ہوگا۔ دور نزدیک سے خان اعظم کی کمک کو پہنچا ہے۔ حسین مرزا گھبرایا۔ خود گھوڑا مار کر نکلا۔ اور رقادلی ٹہنا ہوا آیا۔ کہ دیکھوں کون آتا ہے۔ دریا کے کنارے پر آکھڑا ہوا۔ ابھی نور کا تڑکا تھا۔ سجان قلی ترکمان (بیرم خانی جوان تھا) یہ بھی پار اتر کر میدان دیکھتا پھرتا تھا۔ حسین مرزا نے اسے آواز دی۔ بہادر [1] دریا کے پار یہ کس کا لشکر ہے۔ اور سر لشکر کون ہے؟ اس نے کہا۔ "لشکر بادشاہی اور شہنشاہ آپ سر لشکر"۔ پوچھا کون شہنشاہ؟ وہ بولا اکبر شہنشاہ غازی۔ جلدی جا۔ ان ادبار زدہ گمراہوں کو راہ بتا کہ کسی طرف کو بھاگ جائیں۔ اور جانیں بچائیں۔ مرزا نے کہا بہادر ڈراتے ہو۔ چودھواں دن ہے۔ میرے جاسوسوں نے بادشاہ کو آگرے میں چھوڑا ہے۔ سجان قلی نے قہقہہ مارا۔ مرزا نے کہا۔ اگر بادشاہ ہیں۔ تو وہ جنگی ہاتھیوں کا حلقہ کہاں ہے جو رکاب سے جدا نہیں ہوتا؟ اور بادشاہی لشکر کہاں ہے؟ سردار مذکور نے کہا۔ آج نواں دن ہے رکاب میں قدم رکھا ہے۔ رستے میں سانس نہیں لیا۔ ہاتھی کیا ہاتھ میں اٹھالاتے؟ شیر جنگ۔ فی شکار۔ بہادر جوان جو ساتھ ہیں۔ یہ ہاتھیوں سے کچھ کم ہیں؟ کس نیند سوتے ہو۔ اٹھو سر پر آفتاب آگیا۔

یہ سنتے ہی مرزا موج کی طرح کنار دریا سے الٹا پھرا۔ اختیار الملک کو محاصرے پر چھوڑا۔ اور خود سات ہزار فوج لیکر چلا کہ طوفان کو روکے۔ ادھر بادشاہ کو انتظار تھا کہ خان اعظم ادھر قلعے سے ہمت کر کے نکلے۔ تو ہم ادھر سے دھاوا کریں۔ مگر جب وہ دروازے سے سر بھی نہ نکال سکا تو اکبر سے رہا نہ گیا۔ کشتی کا بھی انتظار نہ کیا۔ توکل بخدا گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ اقبال کی یاوری دیکھو کہ دریا پایاب تھا۔ لشکر اس پھرتی سے پار اتر گیا کہ جاسوس خبر لائے۔ غنیم کا لشکر ابھی کمر بندی میں ہے۔

---

[1] اہل دکن کا محاورہ تھا ایک دوسرے کو بہادر کہہ کر بات کرتے تھے۔

Marfat.com

میدان جنگ کا نظارہ کرنا:

میدان میں جا کر پرے جمائے۔ اکبر ایک بلندی پر کھڑا میدان جنگ کا اندازہ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں آصف خاں مرزا کوکہ کے پاس سے پھر کر آیا اور کہا کہ اسے حضور کے آنے کی خبر بھی نہ تھی۔ میں نے قسمیں کھا کھا کر کہا ہے۔ جب یقین آیا ہے۔ اب لشکر تیار کر کے کھڑا ہوا ہے وہ ابھی پوری بات نہ کہہ چکا تھا کہ درختوں میں سے غنیم نمودار ہوا۔ حسین مرزا جمعیت قلیل دیکھ کر خود پندرہ سو فدائی مغلوں کو لیکر سامنے آیا۔ اور بھائی اس کا بائیں پر گرا۔ ساتھ ہی گجراتی اور حبشی فوج بازوؤں پر آئی۔ ادھر سے بھی ترکی بہ ترکی کلہ بہ کلہ جواب ہونے لگے۔

اکبر الگ کھڑا تھا اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھ رہا تھا کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ہراول پر زور پڑا۔ اور طور بے طور ہوا ہے۔ راجہ بھگوان داس پہلو میں تھا۔ اس سے کہا کہ اپنی فوج تھوڑی ہے۔ اور غنیم کا ہجوم بہت ہے۔ مگر تائید الٰہی پر اس سے بہت زیادہ بھروسہ ہے۔ چلو ہم تم کو جا پڑیں کہ پنجہ سے مشت کا صدمہ برداشت پڑتا ہے۔ اس فوج کی طرف چلو جدھر سرخ جھنڈیاں نظر آتی ہیں۔ حسین مرزا نہیں میں ہے۔ اسے مارلیا تو میدان مارلیا۔ یہ کہہ کر گھوڑوں کو جگہ سے جنبش دی۔ حسین خاں ٹکریہ نے کہا کہ ہاں "دھاوے کا وقت ہے"۔ بادشاہ نے آواز دی۔ ابھی پلہ دور ہے۔ تھوڑے ہو۔ جتنا پاس پہنچ کر دھاوا کرو گے۔ تازہ دم پہنچو گے۔ اور خوب زور سے حریف پر گرو گے۔ مرزا بھی اپنے لشکر سے کٹ کر ایک دستے کے ساتھ ادھر آیا۔ وہ زور میں بھرا آتا تھا مگر اکبر اطمینان اور دلاسے کے ساتھ فوج کو لئے جاتا تھا۔ اور گن گن کر قدم رکھتا تھا کہ پاس جا پہنچے۔ راجہ ہاپا چارن نے کہا۔ ہاں دھاوے کا وقت ہے۔ ساتھ ہی اکبر کی زبان سے نعرہ نکلا۔ اللہ اکبر۔

خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت:

ان دنوں میں خواجہ معین الدین چشتی سے بہت اعتقاد تھا۔ اور یا ہادی یا معین کا وظیفہ ہر وقت زبان پر تھا۔ للکار آواز دی کہ ہاں (سمرن) سورن بینداز ید۔ آپ اور سب سوار یا ہادی یا معین کے نعرے مارتے جا پڑے۔ مرزا نے جب سنا کہ اکبر اسی غول میں ہے۔ نام سنتے ہی ہوش اڑ گئے۔ فوج بکھر گئی اور خود بے سروپا بھاگا۔ رخسارے پر ایک زخم بھی آیا۔ گھوڑے مارے چلا جاتا تھا۔ جو تھور کی باڑ سامنے آئی۔ گھوڑا اچھا تھا اس نے چاہا کہ اڑا جائے۔ مگر نہ ہو سکا۔ اور بیچ میں پھنس گیا۔ گھوڑا ابھی ہمت کرتا تھا۔ وہ خود بھی حوصلہ کرتا تھا۔ مگر نکل نہ سکتا تھا کہ اتنے میں گدا علی ترکمان خاصے کے سواروں میں سے پہنچا اور کہا۔ آؤ میں تمہیں نکالوں۔

Marfat.com

بخت حسین مرزا کی گرفتاری:

وہ بھی عاجز ہو رہا تھا۔ جان حوالے کر دی۔ گدا علی اسے اپنے آگے سوار کر رہا تھا۔ خان کلاں (مرزا کوکہ کے چچا) کا ایک نوکر بھی جا پہنچا۔ یہ لالچی بہادر بھی گدا علی کے ساتھ ہو لئے۔ فوج پھیلی ہوئی تھی۔ فتح یاب سپاہی بھگوڑوں کو مارتے باندھتے پھرتے تھے۔ سپہ سالار بادشاہ۔ چند سرداروں اور جاں نثاروں کے بیچ میں کھڑا تھا۔ ہر شخص اپنی خدمتیں عرض کر رہا تھا۔ وہ سن سن کر خوش ہوتا تھا کہ کم بخت حسین مرزا کو مشکیں باندھا سامنے حاضر کیا۔ بادشاہ کے آگے آ کر دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ یہ کہتا تھا میں نے پکڑا ہے۔ وہ کہتا تھا میں نے۔ فوج لطائف کے سپہ سالار ملک تمسخر کے مہاراجہ راجہ بیر برسورما سپاہی بیٹھے ہوئے۔ کبھی اکبر کے آگے۔ کبھی پیچھے۔ خواہ مخواہ گھوڑا دوڑائے پھرتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "مرزا تم آپ بتا دو۔ تمہیں کس نے پکڑا ہے"۔ کمبخت مرزا نے کہا کہ مجھے کون پکڑ سکتا تھا۔ حضور کے نمک نے پکڑا ہے۔ لوگوں کے دلوں سے تصدیق کے سانس نکلے۔ اکبر نے آسمان کو دیکھا۔ اور سر جھکا لیا۔ پھر کہا مشکیں کھول دو۔ آگے ہاتھ باندھو!

سزا تو دل کی تھی قابل بہت سی مار کھانے کے — تیری زلفوں نے مشکیں باندھ کر مارا تو کیا مارا

مرزا نے پانی پینے کو مانگا۔ ایک شخص پانی لینے کو چلا۔ فرحت خاں چیلے نے دوڑ کر مرزا بدنصیب کے سر پر ایک دوہتڑ ماری اور کہا کہ ایسے نمک حرام کو پانی؟ رحم دل بادشاہ کو ترس آیا۔ اپنی چھاگل سے پانی پلوایا اور فرحت خاں سے کہا۔ اب یہ کیا ضرور ہے۔

نوجوان بادشاہ نے اس میدان میں بڑا ساکھا کیا۔ اور وہ کیا کہ پرانے سپہ سالاروں سے بھی کہیں کہیں بن پڑتا ہے۔ بیشک اس کے ساتھ کہن سال ترک اور پراتم راجپوت سائے کی طرح لگے تھے۔ مگر اس کی ہمت اور حوصلے کی تعریف نہ کرنی بے انصافی میں داخل ہے۔ وہ سفید براق گھوڑے پر سوار تھا۔ اور عام سپاہیوں کی طرح تلواریں مارتا پھرتا تھا۔ ایک موقع پر کسی دشمن نے اس کے گھوڑے کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ چراغ پا ہو گیا۔ اکبر بائیں ہاتھ سے اس کے بال پکڑ کر سنبھلا۔ اور حریف کو برچھا مارا کہ زرہ کو توڑ کر پار ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ کھینچ کر پھر مارے۔ مگر پھل ٹوٹ کر زخم میں رہا۔ اور بھگوڑا بھاگ گیا۔ ایک نے آ کر ران پر تلوار کا وار کیا۔ ہاتھ اوچھا پڑا تھا۔ خالی گیا اور بزدل گھوڑا بھگا کر نکل گیا۔ ایک نے آ کر نیزہ مارا۔ چیتہ بڈگوجر نے برچھا پھینک کر اس کا کام تمام کیا۔

جنگ میں اکبر کا زخمی ہونا:

اکبر چاروں طرف لڑتا پھرتا تھا۔ سرخ بدخشی لہو میں لال زخمی ہو کر گھبرایا ہوا قلب

Marfat.com

اکبر کی شمشیر زنی اور اپنے زخمی ہونے کے احوال اس اضطراب کے ساتھ بیان کئے کہ لوگوں نے جانا بادشاہ مارا گیا لشکر میں تلاطم پڑ گیا۔ اکبر کو بھی خبر ہوئی۔ فوراً فوج قلب کے برابر میں آیا۔ اور للکارنا شروع کیا کہ ہاں باگیں لئے ہوئے۔ ہاں قدم اٹھائے ہوئے۔ غنیم کے قدم اکھڑ گئے ہیں۔ ایک حملے میں فیصلہ ہے۔ اس کی آواز سن کر سب کی جان میں جان آئی اور دل قوی ہو گئے۔

ایک ایک کی جاں بازی اور جاں فشانی کے حال عرض ہو رہے تھے۔ سپاہی جو گرد و پیش حاضر تھے۔ دو سو کے قریب ہونگے کہ ایک پہاڑی کے نیچے سے غبار کی آندھی اٹھی۔ کسی نے کہا خان اعظم نکلا ہے۔ کسی نے کہا اور غنیم آیا۔ ایک سوار حکم شاہی کے ساتھ دوڑا اور آواز کی طرح پہاڑ سے پھرا۔ معلوم ہوا کہ محاصرے کو چھوڑ کر اختیار الملک ادھر پلٹا ہے۔ لشکر میں کھلبلی پڑی۔ بادشاہ نے پھر بہادروں کو للکارا۔ نقارچی کے ایسے اوسان گئے کہ نقارے پر چوٹ لگانے سے بھی رہ گیا۔ یہاں تک کہ اکبر نے خود برچھی کی نوک سے ہشیار کیا۔ غرض سب کو سمیٹا اور پھر فوج کو لیکر دل بڑھاتا ہوا دشمن کی طرف متوجہ ہوا۔ چند سرداروں نے گھوڑے جھپٹائے۔ اور تیز اندازی شروع کی۔ اکبر نے پھر آواز دی کہ نہ گھبراؤ۔ کیوں کھنڈے جاتے ہو۔ دلاور بادشاہ شیر مست کی طرح خراماں خراماں جاتا تھا اور سب کو دلاسا دیتا تھا۔ غنیم طوفان کی طرح چڑھا چلا آتا تھا۔ مگر جوں جوں پاس آتا تھا۔ جمعیت کھنڈی جاتی تھی۔ دور سے ایسا معلوم ہوا کہ اختیار الملک چند رفیقوں کے ساتھ جمعیت سے کٹ کر جدا ہوا ہے۔ اور جنگل کا رخ کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت حملہ کرنے نہیں آیا تھا۔ متواتر فتحوں کے سبب سے تمام ہندوستان میں دھاک بندھ گئی تھی کہ اکبر نے تسخیر آفتاب کا عمل پڑھا ہے اب کوئی اس پر فتح نہ پا سکے گا۔ محمد حسین مرزا کی قید اور تباہی لشکر کی خبر سنتے ہی اختیار الملک بے اختیار محاصرہ چھوڑ کر بھاگا تھا۔ تمام لشکر اس کا جیسے چیونٹیوں کی قطار۔ برابر سے کترا کر نکل گیا۔ اس کا گھوڑا ابگٹوٹ چلا جاتا تھا۔ یہ کمبخت بھی تھور میں الجھا۔ اور خود زمین پر گرا۔ سہراب بیگ ترکمان بھی اس کے پیچھے گھوڑا اڑائے چلا جاتا تھا۔ دست و گریبان پہنچا۔ اور تلوار کھینچ کر کودا۔ اختیار الملک نے کہا ''اے جوان تو ترکمان مے نمائی۔ و ترکماناں غلام مرتضی علی و دوستداران او مے باشند۔ من سید بخاریم۔ مرا بگزار''۔ سہراب بیگ نے کہا۔ ''اے دیوانہ چوں بگزارم؟ تو اختیار الملک ہستی۔ و ترا شناختہ و بنالت سرگرداں آمدہ ام۔'' یہ کہا اور جھٹ سر کاٹ لیا۔ پھر کو دیکھے تو کوئی اپنا گھوڑا لے بھاگا۔ لہو ٹپکتے سر کو دامن میں لے کر دوڑا۔ خوشی خوشی آیا۔ اور حضور میں نذر گزران کو انعام پایا۔ وہ آغا سہراب اسی منہ سے کہو گے۔ فدایت شوم یا مولے۔ بابی انت وامی یا مولے۔ میرے دوستو ایسے وقت پر خدا اور خدا کے پیاروں کا بس رہے تو بات ہے۔ نہیں تو یہ باتیں ہی باتیں ہیں۔

Marfat.com

حسین خاں کی بہادری:

حسین خاں کا حال میں نے الگ لکھا ہے۔ اس بہادر جاں نثار نے اس حملے میں اپنی جان کو جان نہیں سمجھا۔ اور ایسا کچھ کیا۔ کہ بادشاہ دیکھ کر خوش ہو گیا۔ تحسین و آفرین کے طرے اس کے سر پر لٹکائے۔ خاصے کی تلواروں میں ایک تلوار تھی کہ اکبر نے اس کے گھاٹ اور کاٹ کے ساتھ مبارکی اور دشمن کشی دیکھ کر ہلا کی خطاب دیا تھا۔ اس وقت وہی ہاتھ میں علم تھی۔ وہی انعام فرما کر جاں نثار کا دل بڑھایا۔ تھوڑا دن باقی رہ گیا تھا۔ اور بادشاہ اختیار الملک کی طرف سے خاطر جمع کر کے آگے بڑھا چاہتے تھے۔ کہ ایک اور فوج نمودار ہوئی۔ فتح یاب سپاہ پھر سنبھلی اور قریب تھا با گیں اٹھا کر جا پڑیں کہ شیخ محمد غزنوی (مرزا عزیز کوکہ کے بڑے چچا) فوج مذکور میں سے گھوڑا مار کر آگے آئے اور عرض کی کہ مرزا کوکہ حاضر ہوتا ہے۔ سب کی خاطر جمع ہوئی۔ بادشاہ خوش ہوئے۔ اتنے میں وہ بھی صحیح و سلامت آن پہنچے۔ اکبر نے گلے لگایا۔ ساتھیوں کے سلام لئے۔ قلعے میں گئے۔ میدان جنگ میں کلہ منار بنوانے کا حکم دیا۔ اور دو دن کے بعد دار الخلافہ کو روانہ ہوئے۔ پاس پہنچے تو جو لوگ رکاب میں تھے۔ سب کو دکھنی وردی سے سجایا۔ وہی چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہاتھوں میں دیں۔ اور خود بھی اسی وردی کے ساتھ ان کے کمان افسر ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ امرا و شرفا و بزرگان شہر نکل کر استقبال کو آئے۔ فیضی نے غزل سنائی۔

نسیم خوش دلی از فتح پورے آید　　　کہ بادشاہ من از راہ دورے آید

یہ مبارک مہم اول سے آخر تک خوشی کے ساتھ ختم ہوئی۔ البتہ ایک غم نے اکبر کو رنج دیا اور سخت رنج دیا۔ وہ یہ کہ سیف خاں اس کا جان نثار اور وفادار کوکہ پہلے ہی حملے میں منہ پر دو زخم کھا کر سرخ رو دنیا سے گیا۔ سرنال کا میدان جہاں سے فساد اٹھا تھا۔ اس میں وہ نہ پہنچ سکا تھا۔ اس ندامت میں اپنی موت کی دعا مانگا کرتا تھا۔ جب یہ دھاوا ہوا تو اسی نشے کے جوش میں خاص حسین مرزا اور اس کے ساتھیوں پر اکیلا جا پڑا۔ اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ اور سچ کہتا تھا کہ مجھے حضور نے جان دی ہے۔

عجیب اتفاق:

اس کی ماں کے ہاں کئی دفعہ برابر بیٹیاں ہی ہوئیں۔ کابل کے مقام میں پھر حاملہ ہوئی۔ باپ نے اس کی ماں کو بہت دھمکایا۔ اور کہا۔ اب کے بیٹی ہوئی تو تجھے چھوڑ دوں گا۔ جب ولادت کے دن نزدیک ہوئے تو بے بس بی بی مریم مکانی کے پاس آئی۔ حال بیان کیا۔ اور کہا کیا کروں۔ اسقاط حمل

Marfat.com

کر دونگی۔ بلا سے گھر سے بے گھر تو نہ ہوں۔ جب وہ رخصت ہو کر چلی۔ تو اکبر رستے میں کھیلتا ہوا ملا۔ اگرچہ بچہ تھا مگر اس نے بھی پوچھا کہ جی جی کیا ہے؟ افسردہ معلوم ہوتی ہو۔ اس بچاری کا سینہ درد سے بھرا ہوا تھا۔ اس سے بھی کہہ دیا۔ اکبر نے کہا۔ میری خاطر عزیز ہے۔ تو ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اور دیکھنا بیٹا ہی ہوگا۔ خدا کی قدرت سیف خاں پیدا ہوا۔ اس کے بعد زین خاں پیدا ہوا۔ مرتے وقت۔ اجمیری اجمیری اس کی زبان سے نکلا۔ شاید خواجہ اجمیر کے نام کا وردِ زبان تھا۔ یا اکبر کو پکارتا تھا۔ کہ کمال عقیدت کے سبب سے اس درگاہ کے ساتھ اسے نسبت خاص ہوگئی تھی۔ حسین خاں نے عرض کی کہ میں اس کے گرنے کی خبر سنتے ہی گھوڑا مار کر پہنچ اتھا۔ اس وقت تک حواس قائم تھے۔ میں نے فتح کی مبارک باد دے کر کہا کہ تم تو سرخرو چلتے ہو۔ دیکھیں ہم بھی تمہارے ہی ساتھ آتے ہیں یا پیچھے رہنا پڑے۔

عجیب تر یہ کہ لڑائی سے ایک دن پہلے اکبر چلتے چلتے اتر پڑا اور سب کو لے کر دستر خوان پر بیٹھا۔ ایک ہزار بھی اس سواری میں ساتھ تھا۔ معلوم ہوا کہ شانہ بینی کے فن میں ماہر ہے (قوم مذکور میں شانہ بینی کی فال سے حال معلوم کرنا ور یہ قدیم ہے کہ اب تک چلا آتا ہے) اکبر نے پوچھا۔ ملافتح از کیست؟ کہا قربانت شوم۔ از ماست۔ مگر امیرے ازیں لشکر بلا گردان حضورے شود۔ پیچھے معلوم ہوا کہ سیف خاں ہی تھا۔ (دیکھو تزکِ جہانگیری صفحہ ۲۰)

لوگ کہیں گے کہ آزاد نے دربار اکبری لکھنے کا وعدہ کیا اور شاہنامہ لکھنے لگا۔ لو اب ایسی باتیں لکھتا ہوں کہ جن سے شہنشاہ موصوف کے مذہب۔ اخلاق۔ عادات اور سلطنت کے دستور و آداب اور اس کے عہد کے رسم ورواج اور کاروبار کے آئین آئینہ ہوں۔ خدا کرے کہ دوستوں کو پسند آئیں۔

اکبر کے دین واعتقاد کی ابتدا وانتہا

اس طرح کی فتوحات سے کہ جن پر کبھی سکندر کا اقبال اور کبھی رستم کی دلاوری قربان ہو۔ ہندوستان کے دل پر ملک گیری کا سکہ بٹھا دیا۔ اٹھارہ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا کہ جس طرح سیدھے سادھے مسلمان خوش اعتقاد ہوتے ہیں اسی طرح احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا۔ اور صدق دل سے بجالاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا تھا۔ آپ اذاں کہتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔ علما وفضلا کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ ان کے گھر جاتا تھا۔ بعض کے سامنے بھی

Marfat.com

کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا۔ مقدمات سلطنت شریعت کے فتوے سے فیصلہ ہوتے تھے۔ جابجا قاضی و مفتی مقرر تھے۔ فقرا و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا اور ان کے برکت انفاس سے اپنے کاروبار میں فیض حاصل کرتا تھا۔

علماء مشائخ و بزرگان دین سے عقیدت:

اجمیر میں جہاں خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ ہے۔ سال بہ سال جاتا تھا۔ کوئی مہم یا مراد ہو۔ یا اتفاقاً پاس سے گزر ہو تو برس کے بیچ میں بھی زیارت کرتا تھا۔ ایک منزل سے پیادہ ہوتا تھا۔ بعض منتیں ایسی بھی ہوئیں کہ فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پیادہ گیا۔ وہاں جا کر درگاہ میں طواف کرتا تھا۔ ہزاروں لاکھوں روپے کے چڑھاوے اور نذریں چڑھاتا تھا۔ پہروں صدق دل سے مراقبے میں بیٹھتا تھا اور دل کی مرادیں مانگتا تھا۔ فقرا اور اہل طریقت کے حلقے میں شامل ہوتا تھا۔ ان کے وعظ و نصیحت کی تقریریں گوش یقین سے سنتا تھا۔ قال اللہ و قال الرسول میں وقت گزارتا تھا۔ معرفت کی باتیں، علمی تذکرے، حکمی اور الٰہی مسئلے اور دینی تحقیقاتیں ہوتی تھیں۔ مشائخ و علماء، فقرا و غربا کو نقد، جنس، زمینیں، جاگیریں دیتا تھا۔ جس وقت قوال معرفت کے نغمے گاتے تھے۔ تو روپے اور اشرفیاں مینہ کی طرح برستے تھے۔ اور ایک عالم ہوتا تھا کہ در و دیوار پر حیرت چھا جاتی تھی۔ یا ہادی یا معین کے اسم وہیں سے عنایت ہوئے تھے۔ یہ وظیفہ ہر وقت زبان پر تھا۔ اور ہر شخص کو یہی ہدایت تھی۔ اسے سمرن کہتا تھا۔ لڑائیوں میں جب دھاوا ہوتا تھا۔ ایک نعرہ مار کر کہتا۔ ہاں سمرن بینداز ید۔ آپ بھی اور ساری فوج ہندو مسلمان یا ہادی یا معین للکارتے ہوئے دوڑ پڑتے۔ ادھر باگیں اٹھائیں۔ ادھر غنیم بھاگا۔ اور میدان صاف۔ لڑائی فتح۔

علماء و مشائخ کا طلوع اقبال اور قدرتی زوال

اس ۲۰ برس کے عرصے میں جو برابر فتوحات خداداد ہوئیں۔ اور عجیب عجیب طور سے ہوئیں تدبیریں تمام تقدیر کے مطابق پڑیں۔ اور ادھر ارادہ کیا۔ اقبال استقبال کو دوڑا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ چھ برس میں دور دور تک کے ملک زیر قلم ہو گئے۔ جس طرح سلطنت کا دائرہ پھیلا۔ ویسا ہی اعتقاد بھی روز بروز زیادہ ہوتا گیا۔ پروردگار کی عظمت دل پر چھا گئی۔ ان نعمتوں کے شکرانے میں اور آئندہ فضل و کرم کی دعاؤں میں نیک نیت بادشاہ ہر وقت توجہ اور حضور قلب سے درگاہ الٰہی میں رجوع رکھتا تھا۔ شیخ سلیم چشتی کے سبب سے اکثر فتح پور میں رہتا تھا۔ محلوں کے پہلو میں سب سے الگ پرانا

Marfat.com

سا حجرہ تھا۔ پاس ایک پتھر کی سل پڑی تھی۔ تاروں کی چھاؤں اکیلا وہاں جا بیٹھتا۔ نوروں کے تڑکے۔ صبحوں کے سویرے۔ رحمت کے وقت مراقبوں میں خرچ ہوتے تھے۔ عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ وظیفے پڑھتا۔ اپنے خدا سے دعائیں مانگتا۔ اور نور سحر کے فیض دل پر لیتا۔ عام صحبت میں بھی اکثر خداشناسی، معرفت، شریعت اور طریقت ہی کی باتیں ہوتی تھیں۔ رات کو علما و فضلا کے مجمع ہوتے تھے۔ اس میں بھی یہی باتیں۔ اور حدیث تفسیر۔ اس میں علمی مسائل کی تحقیقیں۔ اسی میں مباحثے بھی ہو جاتے تھے۔

عبادت خانہ کی تعمیر:

اس ذوق شوق نے یہاں تک جوش مارا کہ ۹۸۲ھ میں شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی۔ اور اس کا نام عبادت خانہ رکھا۔ یہ اصل میں وہی حجرہ تھا۔ جہاں شیخ عبداللہ ❶ نیازی سرہندی کسی زمانے میں خلوت نشین تھے۔ اس کے چاروں طرف چار بڑے ایوان بنا کر بہت بڑھایا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد نئی خانقاہ یعنی شیخ الاسلام (شیخ سلیم چشتی) کی خانقاہ سے آ کر یہاں دربار خاص ہوتا تھا۔ مشائخ وقت، علماء و فضلا اور فقط چند مصاحب و مقرب درگاہ ہوتے۔ درباریوں میں اور کسی کو اجازت نہ تھی۔ خداشناسی اور حق پرستی کی ہدایتیں اور حکایتیں ہوتی تھیں۔ رات کو بھی جلسے ہوتے تھے۔ دل نہایت گداز اور سراپا فقر کی خاک راہ ہو گیا تھا۔ مگر علماء کی جماعت ایک عجیب الخلقت فرقہ ہے۔ مباحثوں کے جھگڑے تو پیچھے ہونگے۔ پہلے نشست ہی پر معرکے ہونے لگے کہ وہ مجھ سے اوپر کیوں بیٹھے۔ اور میں اس سے نیچے کیوں بیٹھوں۔ اس لئے اس کا یہ آئین باندھا کہ امرا جانب شرقی ہیں۔ سادات جانب غربی ہیں۔ علما و حکما جنوبی ہیں۔ اہل طریقت شمالی میں بیٹھیں۔ دنیا کے لوگ طرفہ معجون ہیں۔ عمارت مذکور کے پاس ہی انوپ ❷ تلاؤ دولت سے لبریز تھا۔ لوگ آتے تھے اور اس طرح روپے اشرفیاں لے جاتے تھے جیسے گھاٹ سے پانی۔ ملا شیری ❸ شاعر اس پر بھی خوش نہ ہوئے۔ چنانچہ اس ہیئت مجموعی پر ایک نہایت نمکین قطعہ نظم کیا جس کا ایک شعر یاد ہے۔

دریں ایام دیدم جمع باموال قارونی ‏ ‏ ‏ عبادتہائے فرعونی عمارتہائے شدادی

---

❶ شیخ عبداللہ نیازی بھی پہلے سلیم چشتی کے مرید تھے۔ ان کا حال دیکھو تتمہ میں۔

❷ انوپ تلاؤ۔ دیکھو تتمہ

❸ ملا شیری دیکھو تتمہ

Marfat.com

عوامی محفلوں میں بادشاہ کی شرکت:

ہر ایوان میں شب جمعہ کو بادشاہ آپ آتا تھا۔ وہاں کے اہل جلسہ سے باتیں کرتا تھا اور تحقیقات۔ مطالب سے معلومات کے ذخیرے بھرتا تھا۔ آرائش وزیبائش ان ایوانوں کو اپنے ہاتھ سے سجاتی تھی۔ گلدستے رکھتی تھی۔ عطر چھڑکتی تھی۔ پھول برساتی تھی۔ خوشبوئیاں جلاتی تھی۔ سخاوت روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں لئے حاضر تھی۔ کہ دو اور حساب نہ پوچھو۔ کیونکہ انہیں لوگوں کی اوٹ میں اہل حاجت بھی آن پہنچے تھے۔ گجرات کی لوٹ میں عمدہ عمدہ کتابیں اعتماد خاں گجراتی کے کتب خانے کی آئی تھیں اور خزانہ عامرہ میں جمع تھیں۔ ان کے نسخے بھی علماء کو بٹتے تھے۔ جمال خاں قورچی نے ایک دن عرض کی کہ فدوی آگرے میں ایک دن شیخ ضیاء الدین ولد شیخ محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں گیا تھا۔ ایسی مفلسی غالب ہوئی تھی کہ میرے لئے کئی سیر چنے بھنائے تھے۔ کچھ آپ کھائے۔ کچھ مجھے دیئے۔ باقی خانقاہ میں فقرا اور مریدوں کے لئے بھیج دیئے۔ یہ سن کر بادشاہ کے دل پر درد پر اثر ہوا۔ انہیں بلا بھیجا۔ اور اسی عبادت خانے میں رہنے کو جگہ دی۔ ان کے اوصاف بھی ملا صاحب سے سن لو۔ (دیکھو تتمہ) افسوس کہ مسجدوں کے بھوکوں کو جب تر نوالے ملے۔ اور حوصلے سے زیادہ عزتیں ہوئیں۔ تو گردنوں کی رگیں سخت تن گئیں۔ آپس میں جھگڑنے لگے۔ اور غل ہو کر شور سے شر اٹھے۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میں اپنی فضیلت کے ساتھ دوسرے کی جہالت دکھاؤں۔ دغابازیاں۔ ان کی دھوکے بازیاں اور جھگڑے بادشاہ کو ناگوار ہوئے۔ ناچار حکم دیا کہ جو نامعقول بے محل بات کرے۔ اسے اٹھا دو۔ ملا صاحب ❶ سے کہا۔ آج سے جس شخص کو دیکھو کہ نامعقول بات کہتا ہے ہم سے کہہ دو۔ ہم مجلس سے اٹھا دینگے۔ آصف خاں برابر حاضر تھے۔ ملا صاحب نے چپکے چپکے ان سے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو بہتوں کو اٹھنا پڑے گا۔ پوچھا یہ کیا کہتا ہے؟ جو انہوں نے کہا تھا۔ اس نے کہہ دیا۔ سن کر بڑے خوش ہوئے۔ بلکہ اور مصاحبوں سے بیان کیا۔ ملا نے اپنی جنگ وجدل میں جو خودنمائی کی بیرقیں ہلاتے تھے۔ ایک نمونہ اس کا یہ ہے:۔

لطیفہ:

حاجی ابراہیم ❷ سرہندی مباحثوں میں بڑے جھگڑالو اور مغالطوں میں چھلاوے کا تماشا تھے۔ ایک دن چارایوان کے جلسے میں مرزا مفلس سے کہا۔ کہ موسیٰ کیا صیغہ ہے۔ اور اس کا ماخذ اشتقاق کیا؟ مرزا علوم عقلی کے سرمائے میں بہت مال دار تھے۔ مگر اس جواب میں مفلس ہی نکلے۔ شہر

❶ ملا عبدالقادر بدایونی مراد ہیں۔　❷ دیکھو تتمہ

Marfat.com

میں چرچا ہو گیا کہ حاجی نے مرزا کو لاجواب کر دیا۔ اور حاجی ہی بڑے فاضل ہیں۔ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ بھی تاثیر زمانہ کا ایک شعبدہ ہے۔ یہ رباعی ملا صاحب نے فرمائی:۔

از بہر فساد وجنگ بعضے مردم کروند بکوے گمرہی خود راگم
درمدرسہ ہر علم کہ آموختہ اند فی القبر یضرھم ولا ینفعھم

تحصیل فوائد پر نظر کر کے بادشاہ خوش اعتقاد دل سے چاہتا تھا کہ یہ جلسے گرم رہیں۔ چنانچہ ان ہی دنوں میں قاضی زادہ لشکر سے کہا کہ تم رات کو بحث میں نہیں آتے؟ عرض کی۔ حضور آؤں تو سہی لیکن حاجی وہاں مجھ سے پوچھیں عیسے کیا صیغہ ہے۔ تو کیا جواب دوں۔ لطیفہ اس کا بہت پسند آیا۔ غرض اختلاف رائے اور خود نمائی کی برکت سے عجب عجب مخالفتیں ظاہر ہونے لگیں۔ اور ہر عالم کا یہ عالم تھا کہ جو میں کہوں وہی آیت وحدیث مانو۔ جو ذرا چون وچرا کرے اس کیلئے کفر سے ادھر کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ دلیلیں سب کے پاس آیتوں اور روایتوں سے موجود بلکہ علمائے سلف کے جو فتوے اپنے مفید مطلب ہوں۔ وہ بھی آیت وحدیث سے کم درجے میں نہ تھے۔

۹۸۳ھ میں مرزا سلیمان والئی بدخشاں شاہ رخ اپنے پوتے کے ہاتھ سے بھاگ کر ادھر آئے۔ صاحب حال شخص تھے۔ مرید بھی کرتے تھے اور معرفت میں خیالات بلند رکھتے تھے یہ بھی عبادت خانے میں آتے تھے۔ مشائخ وعلماء سے گفتگوئیں ہوئی تھیں اور ذکر قال اللہ وقال الرسول سے برکت حاصل کرتے رہتے تھے۔

درباری علماء کرام:

ملا صاحب دو برس پہلے داخل دربار ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ کتابیں ساری پڑی ہوئی تھیں جنہیں لوگ پڑھ کر عالم وفاضل ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ استادوں نے بتادیا تھا۔ وہ حرف بہ حرف یاد تھا۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اجتہاد کچھ اور شے ہے۔ وہ مرتبہ نہ حاصل تھا۔ مجتہد کا یہی کام نہیں کہ آیت یا حدیث یا کسی فقہ کی کتاب کے معنے بتادے۔ کام اس کا یہ ہے کہ جہاں صراحتہً آیت یا حدیث موجود نہیں یا کسی طرح کا احتمال ہے۔ یا آیتیں یا حدیثیں بظاہر۔ معنوں میں مختلف ہیں۔ یہ وہاں ذہن سلیم کی ہدایت سے استنباط کر کے فتویٰ دے۔ جہاں دشواری پیش آئے وہاں مصالح وقت کو مدنظر رکھ کر حکم لگائے۔ آیت وحدیث عین مصالح خلق اللہ ہیں۔ ان کے کاموں کے بند کرنیوالی یا ان کو حد سے زیادہ تکلیف میں ڈالنے والی نہیں ہیں۔

واہ رے اکبر تیری قیافہ شناسی۔ ملا صاحب کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ حاجی ابراہیم کو سانس نہیں

Marfat.com

لینے دیتا۔ یہ اس کا کلہ توڑے گا۔ چنانچہ علم کا زور۔ طبیعت بے باک، جوانی کی امنگ، بادشاہ خود مدد کو پشت پر اور بڈھوں کا اقبال بڈھا ہو چکا تھا۔ یہ حاجی سے بڑھ کر شیخ صدر کو ٹکریں مارنے لگے۔

ان ہی دنوں میں شیخ ابوالفضل بھی آن پہنچے۔ اس فضیلت کی جھولی میں دلائل کی کیا کمی تھی۔ اور اس طبع خداداد کے سامنے کی کی حقیقت کیا تھی۔ جس دلیل کو چاہا۔ چٹکی میں اڑا دیا۔ بڑی بات یہ تھی۔ کہ شیخ اور شیخ کے باپ نے مخدوم اور صدر وغیرہ کے ہاتھ سے برسوں تک زخم اٹھائے تھے۔ جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے۔ علما میں خلاف واختلاف کے رستے تو کھل ہی گئے تھے۔ چند روز میں یہ نوبت ہوگئی کہ فروعی مسائل تو درکنار رہے۔ اصول عقائد میں بھی کلام ہونے لگے۔ اور ہر بات پر طرہ یہ کہ دلیل لاؤ۔ اور اس کی وجہ کیا۔ رفتہ رفتہ غیر مذہب کے عالم بھی جلسوں میں شامل ہونے لگے۔ اور خیالات یہ ہوئے کہ مذہب میں تقلید کچھ نہیں۔ ہر بات کو تحقیق کر کے اختیار کرنا چاہئے۔

اپنے عہد کا امام غزالی اور امام رازی:

حق یہ ہے کہ نیک نیت بادشاہ سے جو کچھ ظہور میں آیا۔ مجبوری سے تھا۔ ۹۸۶ھ تک بھی ملا صاحب لکھتے ہیں کہ رات کو اکثر اوقات عبادت خانے میں علماء و مشائخ کی صحبت میں گزرتے تھے۔ خصوصاً جمعہ کی راتیں۔ کہ رات بھر جاگتے تھے۔ اور مسائل دین کے اصول وفروغ کی تحقیقیں کرتے تھے۔ اور علما کا یہ عالم تھا کہ زبانوں کی تلواریں کھینچ کر پل پڑتے تھے۔ کٹے مرتے تھے۔ اور آپس میں تکفیر و تضلیل کر کے ایک دوسرے کو فنا کئے ڈالتے تھے۔ (ملا صاحب کہتے ہیں) شیخ صدر اور مخدوم الملک کا یہ حال تھا کہ ایک کا ہاتھ اور ایک کا گریبان۔ دونوں طرف کے ردئی توڑ اور شردے جٹ ملانوں نے دو طرفہ دھڑے باندھے ہوئے تھے۔ گویا فرعونی دور تھا۔ سبطی و قبطی دونوں گروہ حاضر تھے۔ ایک عالم ایک کام کو حلال کہتا تھا۔ دوسرا اسی کو حرام ثابت کر دیتا تھا۔ بادشاہ انہیں اپنے عہد کا امام غزالی اور امام رازی سمجھے ہوئے تھا۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو حیران رہ گئے۔ ابوالفضل وفیضی بھی آگئے تھے اور ان کے بھی طرفدار دربار میں پیدا ہو گئے تھے۔ یہ دمبدم اکساتے تھے۔ اور بات بات میں ان کی بے اعتباری دکھاتے تھے۔

مذہبی رسوم کی ادائیگی میں سہولیات:

آخر علمائے اسلام ہی کے ہاتھوں یہ خواری ہوئی۔ کہ اسلام اور عام مذہب یکساں ہو گئے اور اس میں علماء و مشائخ سب سے بڑھ کر بدنام ہوئے۔ پھر بھی بادشاہ اپنے دل سے حق مطلق کا طالب تھا۔ بلکہ ہر نکتے کی تحقیق اور ہر امر کی دریافت کا شوق رکھتا تھا۔ اس لئے ہر ایک مذہب کے عالموں کو

Marfat.com

جمع کرتا تھا۔ اور حالات دریافت کرتا تھا۔ بے علم انسان تھا۔ مگر سمجھ والا تھا۔ کسی مذہب کا دعویدار اسے اپنی طرف کھینچ بھی نہ سکتا تھا۔ وہ بھی ان سب کی سنتا تھا۔ اور اپنی من سمجھوتی کر لیتا تھا۔ اس کے پاک اعتقاد اور نیک نیت میں فرق نہ آیا تھا۔ جب ۹۸۴ھ میں داؤد افغان کا سر کٹ کر بنگالہ سے فساد کی جڑ اکھڑ گئی تو وہ شکرانے کے لئے اجمیر میں گیا۔ عین عرس کے دن پہنچا۔ بموجب اپنے معمول کے طواف کیا۔ زیارت کی، فاتحہ پڑھی، دعائیں مانگیں۔ دیر تک حضور قلب سے مراقبے میں بیٹھا رہا۔ حج کے لئے قافلہ جانے والا تھا۔ خرچ راہ میں ہزار ہا آدمیوں کو روپے اور سامان سفر دیا۔ اور حکم دیا کہ جو چاہے حج کو جائے۔ خرچ راہ خزانے سے دو۔ سلطان خواجہ خاندان خواجگان میں سے ایک خواجہ باعظمت کو میر حاج مقرر کیا۔ چھ لاکھ روپے نقد۔ ۱۲ ہزار خلعت اور ہزاروں روپے کے تحفے تحائف۔ جواہر شرفائے مکہ کے لئے دیئے کہ وہاں کے مستحق لوگوں کو دینا۔ یہ بھی حکم دیا کہ مکے میں عظیم الشان مکان بنوا دینا تا کہ حاجی مسافروں کو تکلیف نہ ہوا کرے۔ جس وقت میر حاج ❶ قافلے کو لے کر روانہ ہوئے تو اس تمنا میں کہ میں خانہ خدا میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ نے خود ہی وضع بنائی جو حالت حج میں ہوتی ہے۔ بال قصر کئے۔ ایک چادر آدھی کا لنگ۔ آدھی کا جھرمٹ۔ ننگے سر ننگے پاؤں نہایت رجوع قلب اور عجز کے ساتھ حاضر ہوا۔ کچھ دور تک پیادہ پا ساتھ چلا اور زبان سے اسی طرح کہتا جاتا تھا۔ لبیک لبیک لا شریک لک لبیک الخ (حاضر ہوا۔ میں حاضر ہوا اے وحدہ لاشریک میں حاضر ہوا) جس وقت بادشاہ نے یہ الفاظ اس حالت کے ساتھ کہے۔ عجب عالم ہوا۔ خلق خدا کے دلوں کے آہ و نالے بلند ہوئے۔ قریب تھا کہ درختوں اور پتھروں سے بھی آواز آنے لگے۔ اس عالم میں سلطان خواجہ کا ہاتھ پکڑ کر شرعی الفاظ کہے جن کے معنے یہ تھے کہ حج اور زیارت کے لئے ہم نے اپنی طرف سے تمہیں وکیل کیا۔ شعبان ۹۸۴ھ کو قافلہ روانہ ہوا۔ میر حاج چھ سال متواتر ان ہی سامانوں سے جاتے رہے۔ البتہ یہ بات پھر نہ ہوئی۔ شیخ ابو الفضل لکھتے ہیں کہ بعض بھولے بھالے عالموں کے ساتھ اکثر غرض پرستوں نے ساجھا کر کے بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور کو بذات خود ثواب حج حاصل کرنا چاہئے۔ اور حضور بھی تیار ہو گئے۔ لیکن جب حقیقت پرست دانشمندوں نے حج کی حقیقت اور اس کا راز اصلی بیان کیا تو اس ارادے سے باز رہے اور بموجب بیان مذکورہ بالا کے میر حاج کے ساتھ قافلہ روانہ کیا۔ سلطان خواجہ مع تحائف شاہی اور اہل حج کے جہاز الٰہی میں بیٹھے کہ اکبر شاہی جہاز تھا اور بیگمات جہاز سلیمی میں بیٹھیں کہ رومی سوداگروں کا تھا۔

❶ ۲۴ شعبان ۹۸۴ھ کو یہ قافلہ روانہ ہوا۔ قطب الدین خاں کوکلتاش اور راجہ بھگوتی داس۔ رانا کی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ انہیں حکم ہوا کہ ہمراہ ہو کر کنارہ دریائے شور تک پہنچا دو۔ دیکھو عالمگیر نامہ۔

Marfat.com

جلوۂ قدرت

علماء و مشائخ کی بداقبالی کے اصلی اسباب

وسعتِ سلطنت:

ایسے عالی حوصلہ شہنشاہ کے لئے یہ حرکتیں علما کی ایسی نہ تھیں جن پر وہ اس قدر بیزار ہو جاتا۔ اصل معاملہ ایک تفصیل پر منحصر ہے۔ جسے میں مختصر بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب سلطنت کا پھیلاؤ ایک طرف افغانستان سے لے کر گجرات دکن بلکہ سمندر کے کنارے تک پھیلا۔ دوسری طرف مشرق میں بنگالے سے آگے نکل گیا۔ ادھر بھکر اور حد قندھار تک جا پہنچا۔ اور اٹھارہ بیس برس کی ملک گیری میں اس کی دلاوری نے دلوں پر سکہ بٹھا دیا۔ آمد کے رستے بھی خرچ سے بہت زیادہ کھل گئے۔ اور خزانوں کے ٹھکانے نہ رہے۔ ایسے آئین بند بادشاہ کو اس کی قانون بندی بھی واجب تھی۔ اس لئے ادھر متوجہ ہوا۔ سلطنت کا انتظام اب تک اس طرح تھا۔ کہ دیوانی فوجداری کل قاضیوں اور مفتیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ اختیار انہیں شریعت اسلام نے دیئے ہوئے تھے۔ جن کی بات پر کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ امرا پر ملک تقسیم تھا۔ وہ باشی۔ بیستی سے لیکر ہزاری و پنج ہزاری تک جو امیر منصب دار ہوتا تھا۔ اس کی فوج اور اخراجات کے لئے ملک ملتا تھا۔ باقی خالصہ بادشاہی کہلاتا تھا۔

رحم اور حق شناسی کے جوہر:

اکبر کے اقبال کو اس موقع پر دو کام درپیش تھے۔ پہلے چند با اختیاروں سے جگہ خالی کرنی دوسرے کارواں صاحب ایجاد اشخاص کا پیدا کرنا۔ پہلا کام کہ ظاہر میں فقط اپنے نوکروں کا موقوف کر دینا ہے۔ آج آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت ایک کٹھن منزل تھا۔ کیونکہ قدامت نے ان کے قدم گاڑے ہوئے تھے۔ جس کا اگلے وقتوں میں ہلانا بھی محال تھا۔ اگرچہ لیاقت ان کے لئے بالکل سفارش نہ کرتی تھی لیکن رحم اور حق شناسی جو ہر وقت اکبر کے ناصح مخفی تھے۔ ان کے ہونٹ برابر

Marfat.com

ملے جاتے تھے۔ مضمون سفارش یہی کہ ان کے باپ دادا تمہارے باپ دادا کی خدمت میں رہے۔ انہوں نے تمہاری خدمت کی ہے۔ اب یہ کسی کام کے نہیں رہے۔ اور اس گھر کے سوا ان کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس زمانے میں خاص و عام اپنے خیالات پر ایسے جمے ہوئے تھے۔ کہ ان کے نزدیک کسی پہلے کا دستور بدلنا (اگرچہ قلم کی تراش ہی کیوں نہ ہو) ایسا تھا جیسے نماز روزہ کو بدل دیا۔ وہ لوگ اعتقاد کئے بیٹھے کہ جو کچھ بزرگوں سے چلا آتا ہے۔ عین آیت و حدیث ہے۔ اس میں یہ بھی کہنے کی حاجت نہ تھی۔ کہ جس نے یہ قاعدہ باندھا وہ کون تھا۔ یہ بھی پوچھنا ضرور نہیں کہ مذہبی طور پر ہوا تھا۔ یا عام کاروبار کے طور پر۔ ان کے دل پر نقش تھا کہ جو کچھ ہمارے بزرگوں سے چلا آتا ہے۔ اس کی برکت ہزاروں منافع کا چشمہ اور بے شمار برائیوں کے لئے مبارک سپر ہے۔ جس میں ہماری عقل کام نہیں کر سکتی۔ ایسے لوگوں سے یہ کب ممکن تھا کہ وہ موجودہ باتوں پر غور کریں۔ اور آگے عقل دوڑائیں کہ کیا صورت ہو جو حالت موجودہ سے زیادہ فائدہ مند اور باعث آسانی ہو۔ یہ لوگ یا علما تھے۔ کہ شریعت کے سلسلے میں کارروائی کر رہے تھے۔ یا عام اہلکار اور اہل عمل تھے۔ اکبر کے اقبال نے ان دونوں مشکلوں کو آسان کر دیا۔ علماء کی مشکل تو اس طرح آسان ہوئی کہ تم سن چکے۔ یعنی خدا پرستی اور حق جوئی کے جوش نے اسے علمائے دیندار کی طرف زیادہ متوجہ کیا۔ اور یہ توجہ اس درجے کو پہنچی کہ انعام و اکرام اور قدر دانی ان کی حد سے گزر گئی۔ حسد اس فرقے کا جوہر ذاتی ہے۔ ان میں جھگڑے وفساد شروع ہوئے۔ لڑائی میں ان کی چلتی تلوار کیا ہے؟ تکفیر اور لعنت۔ اس کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ آخر لڑتے لڑتے آپ ہی گر پڑے۔ آپ ہی بے اعتبار ہو گئے۔ صاحب تدبیر کو فکر و تردد کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ آزاد۔ وقت کی حالت دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ادبار کا موسم آ گیا تھا۔ ثواب کی نظر سے ایک معاملہ پیش ہوتا تھا۔ عذاب نکل آتا تھا۔ مہم بنگالہ جو کئی برس جاری رہی تو معلوم ہوا کہ اکثر علما و مشائخ کے عیال فقر و فاقے سے تباہ ہیں۔ خدا ترس بادشاہ کو رحم آیا۔ حکم دیا کہ سب جمعہ کو جمع ہوں۔ بعد نماز ہم آپ روپے بانٹیں گے۔ ایک لاکھ مرد عورت کا انبوہ تھا۔ میدان چوگان بازی میں جمع ہوئے۔ فقرا کا ہجوم۔ دلوں کی بے صبری۔ احتیاج کی مجبوری۔ کارداروں کی بے دردی یا بے پروائی۔ اسی بندے خدا کے پامال ہو کر جان سے گئے۔ اور خدا جانے کتنے پس کر نیم جاں ہوئے۔ مگر کمروں سے اشرفیوں کی ہمیانیاں نکلیں۔ بادشاہ رحم کا پتلا تھا۔ جلد ترس آ جاتا تھا۔ نہایت افسوس کیا مگر اشرفیوں کو کیا کرے۔ بدگمان اور بے اعتقاد بھی ہو گیا۔

شیخ صدر کی مسند بھی الٹ چکی تھی۔ اور بہت کچھ پردے کھل گئے تھے۔ کئی دن کے بعد ۹۵۷ھ

Marfat.com

میں نئے صدر ❶ کو حکم دیا کہ مسجدوں کے اماموں اور شہروں کے مشائخ وغیرہ کے لئے جو صدر سابق نے جاگیریں دی تھیں۔ ہزاری سے پانصدی تک کو پرتال کرو۔ تحقیقات میں بہت سے جاگیر خوار تخفیف میں آئے۔ اور اس قربانی میں کسی کو دیا تو گویا گاے میں سے غدود۔ باقی ہضم۔ مسجدیں ویران، مدرسے کھنڈر، بزرگان واکابر اور روشناس مشاہیر شہروں میں ذلیل ہو گئے۔ جلاوطن ہو گئے۔ تباہ ہو گئے۔ جو رہے۔ بدنام کرنے والے۔ آرام کے بندے۔ باپ دادا کی ہڈیاں بیچنے والے۔ جب محتاج ہوئے۔ تو دھنیوں جلاہوں سے بدتر ہو گئے۔ اور انہی میں مل گئے۔ بلکہ ہندوستان میں کسی فرقے کی اولاد ایسی ذلیل نہ تھی۔ جیسے شرفائے مشائخ کی۔ خدمت گاری وسائیسی بھی نہ ملتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی نہ ہوسکتی تھی۔

دینی اور دنیاوی فرقے:

ان لوگوں سے بداعتقادی وبیزاری کا سبب ایک نہ تھا۔ بڑے بڑے پیچ تھے۔ ان میں سے کھلی بات بنگالے کی بغاوت تھی کہ بزرگان مذکور کی برکت سے اس طرح پھیل پڑی۔ جیسے بن میں آگ لگی۔ سبب اس کا یہ ہوا کہ بعض مشائخ معافی دار اور مسجدوں کے امام اپنی جاگیروں کے باب میں ناراض ہوئے۔ ان کے دماغ پشتوں سے بلند چلے آتے تھے۔ اور اسلام کی سند سے سلطنت کو اپنی جاگیر سمجھے بیٹھے تھے۔ مشائخ عظام۔ اور ائمہ مساجد نے (انہیں آج تم ایسی کنگال حالت میں دیکھتے ہو۔ ان دنوں میں یہ لوگ بادشاہ کی حقیقت کیا سمجھتے تھے) وعظ کی مجلسوں میں ہدایت شروع کردی کہ بادشاہ وقت کے ایمان میں فرق آگیا۔ اور اس کے عقائد درست نہیں ہیں۔ اتفاق یہ کہ کئی امرائے فرمانروا اور دربار کے بعض احکام سے اور اپنی تنخواہ لشکر اور ملک کے حساب کتاب وغیرہ میں ناراض تھے۔ انہیں بہانہ ہاتھ آیا۔ دینی اور دنیاوی فرقے متفق ہو گئے۔ علما اور قاضیوں اور مفتیوں میں سے بھی جو ہوسکا۔ اسے ملا لیا۔ چنانچہ ملا محمد یزدی قاضی القضاۃ جونپور تھے۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ وقت بدمذہب ہو گیا۔ اس پر جہاد واجب ہے۔ جب یہ سندیں ہاتھ میں آئیں تو کئی جلیل

---

❶ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قاضی علی بغدادی۔ ملا حسین واعظ کے پوتے تھے۔ انہیں کارگزار دیکھ کر شیخ صدر کی چوٹ پر صدر نشین کیا تھا۔ یہ بھی دربار الٰہی سے اپنے حق کو پہنچ گئے تھے۔ ۱۰۰۰ھ میں کشمیر کے دیوان تھے۔ وہاں لمبے چوڑے حساب اور ہزاروں دقتیں پھیلا رکھی تھیں۔ سپاہ ورعیت کا ناک میں دم تھا۔ خنجر زمانہ نے کان کاٹے۔ اور کٹے ہوئے کان پر قلم رکھا۔ گدھے پر چڑھا کر تشہیر کیا کہ عدم سفر میں بھی پیادہ نہ جائیں۔ ملا صاحب نے زادِ سفر عنایت کیا چونکہ قاضی علی بغدادی حسرتے یادگار با خود برد خامۂ منشئ قضا بنوشت سال تاریخ کو کہ موذی مرد۔

Marfat.com

القدر۔ عمروں کے جانثار، صاحب لشکر امیر، بنگالہ اور شرق رویہ ملکوں میں باغی ہو گئے۔ اور جہاں جہاں تھے تلواریں کھینچ کر نکل پڑے۔ وفادار امیر اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس آگ کے بجھانے کو دوڑے۔ بادشاہ نے آگرے سے خزانے اور فوجیں کمک پر بھیجیں۔ مگر فساد روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ ائمہ مساجد۔ اور خانقاہوں کے مشائخ کہتے تھے۔ کہ بادشاہ نے ہماری معاش پر ہاتھ ڈالا۔ خدا نے اس کے ملک میں ہاتھ ڈالا۔ اس پر آیتیں اور حدیثیں پڑھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

مشائخ وملاؤں سے رویہ:

وہ اکبر بادشاہ تھا۔ اسے ایک ایک بات کی خبر پہنچتی تھی۔ اور ہر بات کا تدارک کرنا واجب تھا۔ ملا محمد یزدی اور معزالملک وغیرہ کو ایک بہانے سے بلا بھیجا۔ جب وزیر آباد (آگرے سے ۱۰ کوس دور پہنچے تو حکم دیا کہ ان دونوں کو الگ کر کے دریائے جمن کے رستے گوالیار پہنچا دو (مجرمان سلطنت کا جیل خانہ تھا) پیچھے حکم پہنچا کہ فیصلہ کر دو۔ پہرے داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی کشتی میں ڈالا۔ اور تھوڑی دور آگے جا کر چادر آب کا کفن دیا اور گرداب کی گور میں دفن کر دیا۔ اور مشائخ ملاؤں کو بھی جن جن پر شبہ تھا۔ ایک ایک کر کے عدم کے تہ خانے میں بھیج دیا۔ بہتیروں کو نقل مکان کے ساتھ پورب سے پچھم۔ اور دکھن سے اتر میں پھینک دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا اثر بہت تیز وتند اور سخت پرزور ہے۔ چنانچہ اس بداعتقادی کا چرچا مکے مدینے اور روم اور بخارا وسمرقند تک پہنچا۔ عبداللہ خاں ازبک نے رسم کتابت بند کر دی۔ مدت کے بعد جو مراسلہ لکھا تو اس میں صاف لکھ دیا کہ تم نے اسلام چھوڑا۔ ہم نے تمہیں چھوڑا۔ اور ادھر کا اکبر کو بڑا بچاؤ رہتا تھا۔ کیونکہ ازبک کی بلا نے دادا کو وہاں سے نکالا تھا۔ اور اب بھی اس کا کنارہ قندھار، کابل اور بدخشاں سے لگا ہوا تھا۔ باوجود ان تدبیروں کے بغاوت مذکور کئی برس میں دبی۔ کروڑوں روپے کا نقصان ہوا۔ لاکھوں جانیں گئیں۔ ملک تباہ ہوئے۔

بہت سے قاضی مفتی علماء ومشائخ عہدہ دار تھے۔ ان کی رشوت خواریوں اور فتنہ کاریوں نے تنگ کر دیا۔ یہ بھی خیال تھا کہ شاید ان میں صاحب معرفت اور اہل دل بلکہ کشف وکرامات والے لوگ ہوں۔ ملک کی مصلحت نے حکم دیا کہ جو صاحب سلسلہ مشائخ ہیں سب حاضر ہوں۔ اب دل میں ان لوگوں کی وہ عظمت نہ رہی۔ جو ابتدا میں تھی۔ چنانچہ ملازمت کے وقت نئے آئینوں کے بموجب انہیں بھی تسلیم وکورنش وغیرہ بجالانی پڑی۔ پھر بھی ہر ایک کی جاگیر ووظیفہ کو خود دیکھتا تھا۔ خلوت وجلوت میں باتیں بھی کرتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شاید اس گروہ میں کوئی سوار نکلے۔ اور اس

Marfat.com

سے کچھ خدا کا رستہ معلوم ہو۔ مگر افسوس کہ وہ بات کے قابل بھی نہ تھے۔ ان سے کیا معلوم ہوتا۔ خیر۔ جو مناسب دیکھے۔ جاگیر وظیفے دیئے۔ جسے سنتا کہ مرید کرتا ہے۔ حال وقال کا جلسہ جماتا ہے۔ اسے کہیں کا کہیں پھینک دیا۔ ان لوگوں کا نام دکاں دار رکھا تھا۔ اور سچ ہی رکھا تھا۔

بدنام کنندہ نکونامے چند

روز انہیں کی جاگیروں کے مقدمے پیش رہتے تھے۔ کیونکہ یہی لوگ معافی دار بھی تھے۔

انقلاب زمانہ دیکھو جتنے بڈھے سن رسیدہ مشائخ تھے (واجب الرحم وقابل ادب نظر آتے تھے) انہیں پر فتنہ وفساد کا خیال زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ وہی زیادہ ان صفتوں سے موصوف ہوتے تھے اور انہی پر لوگ گرویدہ ہوتے تھے۔ آخر حکم ہوا کہ صوفیہ ومشائخ کے فرمانوں کی پرتال ہندو دیوان کریں کہ رعایت نہ کریں گے۔ پرانے پرانے خاندانی مشائخ جلاوطن کئے گئے۔ گھروں میں چھپ رہے۔ گمنام ہو بیٹھے۔ بدحالی نے حال وقال سب بھلا دیئے۔

چناں قحط سالے شد اندر دمشق　که یاراں فراموش کروند عشق

اے خدا تیری شان۔ چوں آیم برسر قہر۔ نہ خویش گزارم نہ بیگانہ۔ سوکھوں کے ساتھ گیلے۔ بروں کے ساتھ اچھے سب جل گئے۔

علمائے با اختیار اور اکبر:

علمائے با اختیار ہیں کہ اراکین دربار تھے۔ بعض اشخاص فی الحقیقت صاحب دل اور کریم النفس تھے۔ مثلاً میر سید محمد میر عدل کہ خالص اسلام کے باخبر عالم تھے۔ اور عالم بھی باعمل تھے۔ علوم دینیہ کی سب کتابیں پڑھے تھے۔ مگر جتنے الفاظ کتاب میں لکھے تھے۔ ان سے بال بھر سرکنا کفر سمجھتے تھے۔ خاص سے لے کر عام تک سب ان کا ادب کرتے تھے اور اکبر خود بھی لحاظ کرتا تھا۔ سلطنت کی مصلحتوں پر نظر کر کے انہیں دربار سے ٹالا اور بھکر کا حاکم کر کے بھیج دیا۔ بے شک وہ ایسے نیک اور نیک نیت شخص تھے کہ ان کا دربار سے جانا برکت کا جانا تھا۔ مخدوم الملک اور شیخ صدر کے حال میں نے علیحدہ لکھے ہیں۔ تم پڑھو گے تو معلوم کرو گے۔ مخدوم نے کئی بادشاہوں کے دور اس طرح بسر کئے تھے کہ شریعت کے پردے میں دربار کے ایوان۔ امیروں کے دیوان بلکہ رعایا کے گھر گھر پر دھواں دھار چھائے ہوئے تھے۔ شاہان با اقبال ان کا منہ دیکھتے رہتے تھے۔ اور انہیں اپنے ساتھ موافق رکھنا مصالح ملکی کا جز سمجھتے تھے۔ ان کے آگے یہ لڑکا بادشاہ کیا مال تھا اللہ اللہ لڑکوں کے ہاتھوں بڑھاپے کی مٹی خراب ہوئی۔ (ابوالفضل وفیضی کون تھے۔ ان کے آگے کے لڑکے ہی تھے)

Marfat.com

شیخ صدر کے اختیار اگرچہ بادشاہ نے خود بڑھائے تھے مگران کی کہن سالی اور جلالت خاندانی نے (کہ امام صاحب کی اولاد میں تھے) لوگوں کے دلوں میں بڑا اثر دوڑایا ہوا تھا۔ اور ابتدا میں انہی اوصاف کی سفارشوں نے دربار اکبری میں لاکر اس رتبہ عالی تک پہنچایا تھا کہ ہندوستان میں ان سے پہلے یا پیچھے کسی کو نصیب نہ ہوا۔ علمائے عصر ان کے بچے کھچے تھے کہ قاضی ومفتی بن کر ملک ملک میں امیر وغریب کی گردن پر سوار تھے۔ شاہ بدتدبیر نے ان دونوں کو مکے بھیج کر داخل ثواب کیا اور بہتیرے علما تھے انہیں ادھر ادھر ٹال دیا۔

جو کچھ کیا مصلحت کی مجبوری سے کیا

عہد قدیم میں ہر سلطنت کو شریعت کے ساتھ ذاتی پیوند رہا ہے۔ اول اول سلطنت شریعت کے زور سے کھڑی ہوئی۔ پھر شریعت اس کے سائے میں بڑھتی گئی۔ مگر اس دربار کا رنگ کچھ اور ہونے لگا اول تو سلطنت کی جڑ مضبوط ہو کر دور تک پہنچ گئی تھی۔ دوسرے بادشاہ سمجھ گیا تھا کہ ہندوستان میں۔ اور توران وایران کی حالت میں مشرق مغرب کا فرق ہے۔ وہاں بادشاہ اور رعایا کا ایک مذہب ہے۔ اس لئے جو کچھ علمائے دین حکم دیں۔ اسی پر سب کو ایمان لانا واجب ہوتا ہے۔ خواہ کسی کی ذات خاص یا ملکی امورات کے موافق ہو خواہ مخالف۔ برخلاف اس کے ہندوستان ہندوؤں کا گھر ہے۔ ان کا مذہب اور رسم ورواج اور معاملات کا جدا طور ہے۔ ملک گیری کے وقت جو باتیں ہو جائیں وہ ہو جائیں۔ جب ملک داری منظور ہو۔ اور اس ملک میں رہنا ہو تو چاہئے کہ جو کچھ کریں نہایت سوچ سمجھ کر اور اہل ملک کے مقاصد واغراض کو مدنظر رکھ کر کریں۔

قرابادین قدرت کے عجائب نسخے:

تم جانتے ہو کہ صاحب عزم بادشاہ کے لئے جس طرح ملک گیری کی تلوار میدان صاف کرتی ہے۔ اسی طرح ملک داری کا قلم تلوار کے کھیت کو سبز کرتا ہے۔ اب وہ وقت تھا کہ تلوار بہت سا کام کر چکی تھی۔ اور قلم کی عرق ریزی کا وقت آیا تھا۔ علما نے شریعت کے اسناد سے خدائی زور پھیلائے ہوئے تھے۔ کہ نہ ان کو کوئی دل برداشت کر سکتا تھا۔ نہ ملک کی مصلحت اس بنیاد پر بلند ہو سکتی تھی۔ بعض امرا بھی اکبر کی رائے سے متفق تھے۔ کیونکہ جانیں لڑا کر ملک لینا انہیں کا کام تھا۔ اور پھر ملک داری کر کے حکومت جمانا بھی انہیں کا ذمہ تھا۔ وہ اپنے کام کی مصلحتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ قاضی ومفتی ان کے سر پر حاکم شرع تھے۔ بعض مقدموں میں لالچ سے۔ بعض جگہ حماقت سے۔ کہیں بے خبری۔

Marfat.com

کہیں بے پروائی سے کہیں اپنے فتوے کا زور دکھانے کو امرا کے ساتھ اختلاف کرتے تھے۔ اور انہیں کی پیش جاتی تھی۔ اس صورت میں امرا کو ان سے تنگ ہونا واجب تھا۔ دربار میں اب ایسے عالم بھی آ گئے تھے کہ قرابادین قدرت کے عجائب نسخے تھے۔ خوشامد اور حصول انعام کے لالچ نے انہیں ایسے ایسے مسائل بتا دیئے تھے کہ بادشاہوں کے شوق مصلحت سے بھی بہت آگے نکل گئے تھے۔ اور نئی اصلاح وانتظام کے لئے رستہ کھلا۔

(ابوالفضل وفیضی کا ناحق نام بدنام ہے۔ کر گئے داڑھی والے پکڑے گئے موچھوں والے)

غازی خاں بدخشی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے۔ علماء نے کان کھڑے کیے۔ غل مچایا۔ گفتگو کے سلسلے پھیل کر الجھے۔ معترض ملانوں کے جوش نہ دم لیتے تھے نہ لینے دیتے تھے۔ جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے اور اپنی بنیاد جمائے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ عہد سلف پر نظر کرو۔ امت ہائے قدیمہ کو دیکھو۔ وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے تحفہ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے۔ ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم کو کیسا تھا؟ ج ظاہر کہ تعظیمی۔ باپ اور بھائیوں کا سجدہ حضرت یوسف کو کیوں تھا۔ جواب تحفہ ادب پیش کیا تھا نہ کہ پرستش بندگی۔ بس وہی سجدہ یہ ہے پھر انکار کیوں؟ اور تکرار کیا؟

لطیفہ:

طرہ اس پر یہ ہے کہ ملا عالم کابلی ہمیشہ افسوس کیا کرتے تھے کہ ہائے مجھے یہ نکتہ نہ سوجھا۔ حریف بازی لے گیا۔

لطیفہ:

حاجی ابراہیم سرہندی کے زعفرانی اور لال کپڑوں پر جو دھبہ لگا۔ دیکھو میر سید محمد میر عدل کے حال میں۔

لطیفہ:

بادشاہ نے کہا کہ مہر کا سجع اللہ اکبر کہیں تو کیسا ہو۔ باوجود اوصاف مذکورہ کے حاجی صاحب بولے۔ اس میں شبہ پڑتا ہے۔ اس لئے ولذکر اللہ اکبر ہو تو بہتر ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ شبہ نہیں وہم ووسوسہ ہے۔ بندہ ضعیف۔ محتاج۔ عاجز۔ خدائی کا دعوٰی کیونکر کرسکتا ہے۔ ایک شاعرانہ مناسبت ہے۔ اس مطلب کو ادھر لے جانا کیا ضرور تھا۔ سب طرف سے اس کی تائید ہوئی اور یہی لکھا گیا۔

Marfat.com

علمائے عہد کا کردار:

غرض نوبت یہ ہوئی کہ شریعت کے اکثر فتوے تجویزات ملکی سے ٹکرانے لگے۔ علما تو ہمیشہ سے زوروں پر چڑھے چلے آتے تھے۔ وہ اڑنے لگے۔ اور بادشاہ بلکہ امرا بھی تنگ ہوئے۔ شیخ مبارک نے دربار میں کوئی منصب نہ لیا تھا۔ مگر برس میں ایک دو دفعہ کسی مبارکباد یا کچھ اور تقریب سے اکبر کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کی تعریف میں اول تو اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ابوالفضل وفیضی کے باپ تھے۔ اور جو فضل وکمال بیٹوں کو بہم پہنچا۔ اسی مبارک باپ کی کرامات تھی۔ وہ جیسا علم وفضل میں ہمہ داں عالم تھا۔ ویسا ہی عقل ودانش کا پتلا تھا۔ اس نے کئی سلطنتیں دیکھی تھیں۔ اور سو برس کی عمر پائی۔ مگر دربار یا اہل دربار سے تعلق ہی نہ پیدا کیا۔ علمائے عہد درباروں اور سرکاروں میں دوڑے پھر تے تھے۔ وہ اپنے گھر کے گوشہ میں علم کی دوربین لگائے بیٹھا تھا۔ اور ان شطرنج بازوں کی چالوں کو دور سے دیکھ رہا تھا کہ کہاں بڑھتے ہیں اور کہاں چوکتے ہیں۔ اور بے غرض دیکھنے والا تھا۔ اس لئے چالیں اسے خوب سوجھتی تھیں۔ اس نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے تھے کہ دل چھلنی ہو رہا تھا۔ شیخ مبارک کی تجویز سے یہ صلاح ٹھہری کہ چند عالموں کو شامل کر کے آیتوں اور روایتوں کی اسناد سے ایک تحریر لکھی جائے۔ خلاصہ جس کا یہ کہ امام عادل کو جائز ہے کہ اختلافی مسئلے میں اپنی رائے کے بموجب وہ جانب اختیار کرے۔ جو اس کے نزدیک مناسب وقت ہو۔ اور اس کی تجویز کو علما ومجتہدین کی رائے پر ترجیح ہو سکتی ہے۔ مسودہ شیخ مبارک نے کیا۔ قاضی جلال الدین ملتانی۔ صدر جہاں مفتی کل ممالک ہندوستان خود شیخ موصوف۔ غازی خاں بدخشی نے اول دستخط کئے۔ پھر اگرچہ مطلب تو جن سے تھا انہیں سے تھا مگر علما، فضلا، قاضی، ومفتی اور بڑے بڑے عمامہ بند۔ جن کے فتوؤں کو لوگوں کے دلوں میں گہری تاثیریں تھیں سب بلائے گئے اور مہریں ہو گئیں۔ اور ۹۹۷ھ میں علما کی مہم عظیم فتح ہوئی۔

اس محضر کے بنتے ہی علمائے دولت پرست کے گھروں میں ماتم پڑ گئے۔ مسجدوں میں بیٹھے تھے۔ تسبیحیں ہاتھ میں۔ منہ سے نکلتا تھا کہ بادشاہ کافر ہو گیا اور حق لعجانت تھا۔ کہ سلطنت ہاتھ سے نکل گئی۔ اگلے وقتوں میں ایک حکمت عملی تھی کہ جن لوگوں کا کچھ لحاظ ہوتا تھا۔ اور ملک میں رکھنا مصلحت نہ ہوتا تھا انہیں مکہ کو بھیج دیتے تھے۔ چنانچہ شیخ ومخدوم کو بھی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر حج واجب نہیں۔ ہمارے پاس پیسہ کہاں؟ غرض ریل دھکیل کر دونوں کو روانہ کر ہی دیا۔ دیکھو دونوں صاحبوں کے حال۔

Marfat.com

امام عادل کے لفظ پر بادشاہ کا خیال ہوا کہ خلفائے راشدین اور اکثر سلاطین بلکہ امیر تیمور اور مرزا الغ بیگ گورگاں بھی برسر منبر جمعہ و جماعت میں خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ ہمیں بھی پڑھنا چاہئے۔ چنانچہ مسجد فتح پور میں جو جمعہ کے دن جماعت ہوئی۔ تو بادشاہ منبر پر گئے۔ لیکن عجب اتفاق ہوا کہ تھر تھر کانپنے لگے۔ اور زبان سے کچھ نہ نکلا۔ آخر شیخ فیضی کے ۳ شعر پڑھ کر اتر آئے۔ سو بھی اور کوئی برابر سے بتاتا گیا۔

خداوندے کہ مارا خسروی داد ۔۔۔ دل داناؤ بازوے قوی داد
بعدل وداد مارا رہنموں کرد ۔۔۔ بجز عدل از خیال مابروں کرد
بودوصفش زحد فہم برتر ۔۔۔ تعالیٰ شانہ، اللہ اکبر

دوسرا کام:

اہل عمل میں بھی دیوان اور منشی بڑے بڑے کارگزار امیر تھے۔ ان پرانے پاپیوں نے بادشاہی دفتر کو اختیار کے بستوں (1) میں باندھ رکھا تھا۔ اُن کی دفتری لیاقت۔ پرانی، اقفیت اور حساب کتاب کی مہارت کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ اور بادشاہ سمجھتا تھا کہ میں بے علم ہوں۔ اس مہم کو بھی اس کے اقبال نے بڑے اسلوب سے سرانجام کیا۔ کوئی مر گیا۔ کسی کو گردش ایام نے بیچ میں ڈال کر مارا۔ ان کی جگہ بالیاقت۔ باکمال صاحب ایجاد لوگوں کو گھر کے گوشوں سے نکال کر۔ دور دور کے ملکوں سے کھینچ کر دربار میں حاضر کر دیا۔ ٹوڈرمل۔ فیضی۔ حکیم ابوالفتح۔ حکیم ہمام۔ میر فتح اللہ شیرازی۔ نظام الدین بخشی وغیرہ اشخاص تھے۔ ان میں ایک ایک شخص ہر فنی تھا۔ اور جس فن میں دیکھو بجائے خود ایسی دستگاہ رکھتا تھا کہ گویا یک فنی تھا۔ یہ لوگ اس وقت کے ارسطو و افلاطون تھے۔ اگر اظہار فن کے موقع پاتے تو خدا جانے کیا کیا کچھ لکھ جاتے۔ مگر وقت نہ پایا۔ دفتر کی ترتیب اور حساب کتاب کا انتظام ان کے رتبہ کمال کے لئے کمینہ کام تھا۔ دفتر مال اور اس کے حساب کتاب میں بھی ایسے تھے۔ کہ ایک ایک شخص کا نام گوشہ کاغذ میں موتی ہو کر ٹکے۔ مگر ٹوڈرمل اسی کام میں تھا۔ اس لئے پہلے اس کا نام لینا واجب ہے۔

دفتر شاہی کا ایک زبان میں نہ ہونا:

اس وقت تک دفتر شاہی کہیں ہندی میں تھا۔ کہیں فارسی میں۔ کہیں مہاجنی بہی کھاتہ۔ کہیں ایرانی ترتیب۔ اس میں بھی پرزے پرزے کاغذ کے بے حساب تھے۔ سررشتہ و انتظام نہ تھا۔ یہ مجسم

(1) دیکھو خواجہ شاہ منصور، خواجہ امنا، مظفر خان وغیرہ کے حال تمہ میں۔

Marfat.com

عقلیں مل کر بیٹھیں۔کمیٹیاں کیں۔گفتگوئیں ہوئیں۔مال، دیوانی، فوجداری وغیرہ وغیرہ کے الگ الگ سرشتے باندھے۔اور ہر ایک کو اصول وضوابط کے رشتوں سے کس دیا کہ کل قلمرو اکبری میں ایک آئین اکبری جاری ہو۔ہر بات میں جزوی جزوی نکتوں پر نظر کی گئی۔جس کا پہلا نقطہ یہ تھا۔کہ کل دفتروں میں ایک سنہ پر حساب کی بنیاد ہو۔اور اسی کا نام سنہ فصلی ہو۔ملا صاحب نے اس بات پر بڑی داد و بے داد کی ہے اور اسے بھی انہی فریادوں میں داخل کیا ہے جن سے اکبر کے دل میں تنفر یا عداوت اسلام پیدا کرتے ہیں لیکن معاملے کی اصلیت اس فرمان کے مطالعے سے کھلتی ہے جو اس باب میں جاری ہوا۔فرمان مذکور سے یہ بھی آئینہ ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں کیا کیا مشکلیں سد راہ تھیں جس کے لئے بادشاہ ملک پرور کو یہ قانون باندھنا واجب ہوا تھا۔میں بھی فضول فقروں کو چھوڑ کر ترجمہ لکھتا ہوں۔مگر احتیاط رکھی ہے کہ جو مطلب کے فقرے ہیں ان کا مضمون نہ رہ جائے۔فرمان مذکور ابوالفضل کا لکھا ہوا تھا۔دیکھو تتمہ۔

بندوبست مال گزاری

دفتر مال کی خرابیاں اور اصلاح:

مالگزاری اور مالیات کا انتظام حقیقت میں ابھی تک تخمین پر تھا۔جن دیہات کا جو رقبہ تھا۔اور جو اس کی جمع تھی۔وہی صدہا سال سے بندھی چلی آتی تھی۔بہتیری باتیں منشیان دفتر کی زبان پر ہی تھیں۔سلطنتوں کے انقلابوں نے انتظام کا موقع نہ آنے دیا تھا۔دفتر مال میں بڑی خرابی یہ تھی کہ ایک امیر کو ملک دیتے تھے۔اہل دفتر اسے ۲۰ ہزار کا کہتے تھے۔وہ حقیقت میں پندرہ ہزار کا ہوتا تھا۔پھر بھی جسے دیتے تھے وہ روتا تھا کہ ۵ ہزار کا بھی نہیں۔تجویز ہوئی کہ کل ممالک محروسہ کی پیمائش ہو جائے اور جمع تحقیقی قرار دی جائے۔جریب رسی کی ہوتی تھی۔اس سے تر وخشک میں فرق ہو جاتا تھا۔اس لئے بانس کے ٹوٹوں میں لوہے کے حلقے ڈال کر جریبیں تیار ہوئیں۔رعایا کے فائدے کو مدنظر رکھ کر ۵۰ گز کی جگہ ۶۰ گز کا طول قرار دیا۔تمام اراضی خشک و تر مع اقسام زمین۔ریت کے میدان۔کوہستان۔بیابان۔جنگل۔شہر۔دریا۔نہر۔جھیل۔تلاؤ۔کنواں وغیرہ سب کو ماپ ڈالا۔اور کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ذرہ ذرہ دفتر میں قلمبند کر لیا۔یہ سمجھ لو کہ کاغذات مال گزاری میں جو جو تفصیلیں تم آج دیکھتے ہو یہ اکبری عہد کی تحقیقیں ہیں کہ اب تک اسی طرح چلی آتی ہیں۔البتہ بعض اصلاحیں بھی ہوئی ہیں۔اور ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

بعد پیمائش کے جس قدر زمین کا محصول ایک کروڑ تنکہ ہو۔وہ ایک معتبر آدمی کو دی گئی۔اس کا

Marfat.com

نام کروری ہوا۔اس پر کارکن فوطہ دار مقرر ہوئے۔وغیرہ وغیرہ۔اقرار نامہ لکھا گیا کہ تین برس میں نامزروعہ کو بھی مزروعہ کردونگا اور روپیہ خزانے میں داخل کروں گا۔وغیرہ وغیرہ۔بہت سے جزئیات اس تحریر میں داخل تھے۔

سیکری گاؤں کو فتح پور شہر بنا کر مبارک سمجھا تھا۔اور اس کی رونق اور آبادی وزیبائی اور اعزاز کا بڑا خیال تھا بلکہ چاہا تھا کہ یہ دارالخلافہ ہو جائے۔اسی مرکز سے چاروں طرف پیمائش شروع ہوئی۔ پہلے موضع کا نام آدم پور۔پھر شیث پور۔ایوب پور وغیرہ وغیرہ ہو کر یہ ٹھہری کہ تمام موضع پیغمبروں کے نام پر ہو جائیں۔ بنگ بہار۔ گجرات دکن۔ بدستور الگ رکھے گئے۔اور اس وقت تک کابل۔ قندھار۔غزنیں۔کشمیر۔ٹھٹھہ۔سواد بنیر۔بجور۔تیراہ۔بنگش۔سورٹھ۔اڑیسہ فتح نہ ہوئے تھے۔باوجود اس کے ۱۸۲ عامل (کروری) مقرر ہوئے۔

جس طرح چاہا تھا اسی طرح یہ کام نہ چلا کیونکہ لوگ اس میں اپنا نقصان سمجھتے تھے۔معافی دار جانتے تھے کہ ہمارے پاس زمین زیادہ ہے۔اور اس کی آمدنی بھی زیادہ ہے۔پیمائش کے بعد جس قدر زیادتی ہوگی کتر لیں گے۔جاگیردار یعنی امرا کو بھی یہی خیال تھا۔انسان کی طبیعت کو خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ کسی پابندی کے نیچے آنا گوارا نہیں کرتا۔اس لئے زمیندار بھی کچھ خوش تھے کچھ ناخوش۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی کام نہیں چل سکتا۔جب تک کہ کل اشخاص جن کا قدم اس میں ہے سب خوش اور یک دل ہو کر کوشش نہ کریں۔ چہ جائیکہ نقصان سمجھ کر حارج ہوں افسوس یہ ہے کہ کروریوں نے آبادی پر اتنی کوشش نہ کی جتنی تحصیل پر۔کاشتکاران کے ظلم سے برباد ہو گئے۔بال بچوں کو بیچ ڈالا۔ خانہ ویران ہو گئے۔بھاگ گئے۔کروری بدنیت و بدعمل کہاں بچ سکتے تھے ۳ برس جو کھایا سو کھایا۔پھر جو کھایا تھا۔راجہ ٹوڈرمل کے شکنجے میں آکر اگلنا پڑا۔غرض وہ فائدہ مند اور عمدہ بندوبست خلط ملط ہو کر سرمایہ نقصان ہو گیا اور جو مطلب تھا وہ حاصل نہ ہوا۔شکریے کی جگہ جابجا شکایتیں ہوئیں اور گھر گھر میں اسی کا رونا پڑا۔عاملوں کی ہجویں۔قواعد آئین کے مضحکے ہوئے۔انہیں میں سے جریب کے حق میں کسی مثنوی کا ایک شعر ہے۔

در نظر عبرت مرد لبیب   مار دوسر بہ کہ طناب جریب

ملازمت اور نوکری

شرفا کے گزارے کے لئے ان دنوں میں دو رستے تھے ایک مدد معاش دوسرے نوکری۔

Marfat.com

مدد معاش جاگیر تھی کہ علماء ومشائخ اور آئمہ مساجد کے لئے ہوتی تھی اس میں خدمت معاف تھی۔ نوکری میں خدمت بھی ہوتی تھی۔ یہ دہ باشی سے لیکر پنج ہزاری تک جو ملازم ہوتے تھے سب اہل سیف ہوتے تھے۔ دہ باشی کو ۱۰ بیستی کو ۲۰ وغیرہ وغیرہ سپاہی رکھنے ہوتے تھے۔ اسی طرح دو بیستی۔ پنجہ باشی۔ سہ بیستی۔ چار بیستی۔ یوزباشی وغیرہ وغیرہ پنج ہزاری تک۔ تنخواہ کی صورت یہ کہ حساب کے بموجب اتنی زمین کا قطعہ یا دیہہ یا دیہات یا علاقہ یا ملک مل جاتا تھا۔ اس کے محاصل سے اپنے ذمہ واجب کی فوج رکھیں۔ اور اپنی حیثیت اور عزت امارت کو درست رکھیں۔ ایک بات اور سن لو کہ یہاں اس زمانے میں اور ایشیائی ملکوں میں اب بھی یہی دستور ہے کہ جتنا کسی کا سامان اور خرچ وافر۔ خصوصاً دسترخوان کا پھیلاؤ۔ اور رفیقوں اور نوکروں کی جمعیت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ شخص با لیاقت عالی ہمت اور صاحب خانوادہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اتنا زیادہ اور جلد اس کا منصب بڑھاتے ہیں۔

ملازمان مذکور میں سے جس کو جیسی لیاقت دیکھتے تھے ویسا کام اہل قلم میں بھی دیتے تھے۔ لڑائی کا موقع آتا تو جن جن کے نام تجویز میں آتے۔ کیا اہل سیف کیا اہل قلم ان کے نام حکم پہنچتے۔ دہ باشی سے لیکر صدی دوصدی تک وغیرہ وغیرہ۔ کل منصب دار اپنے اپنے ذمے کی فوج۔ پوشاک۔ ہتھیار اور سامان سے درست کرتے اور حاضر ہوتے۔ حکم ہوتا تو آپ بھی ساتھ ہوتے۔ نہیں تو اپنے آدمیوں کو لشکر میں شامل کر دیتے۔

ملازمین کی تنخواہوں میں خردبرد:

بدنیت منصب داروں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ سپاہی تیار کر کے مہم پر جاتے۔ جب پھر کر آتے تو چند آدمی اپنی ضرورت کے بموجب رکھ لیتے۔ باقی موقوف۔ ان کی تنخواہیں آپ ہضم۔ روپے سے بہاریں اڑاتے۔ یا گھر بھرتے۔ جب مہم پیش آتی اور یہ اس بھروسے پر بلائے جاتے کہ آراستہ فوجیں جنگی سپاہی لیکر حاضر ہوں گے۔ وہ کچھ اپنے دسترخوانوں کے پلاؤ۔ کچھ کنجڑے۔ بھٹھیارے۔ دھنئے۔ جلاہے۔ کچھ جنگلی مغل۔ پٹھان۔ ترک۔ کہ ہزاروں بازاروں میں پھرتے تھے۔ اور سراؤں میں پڑے رہتے تھے۔ ان ہی کو پکڑ لاتے تھے۔ کچھ اپنے خدمت گار۔ کچھ سائیس۔ شاگرد پیشہ وغیرہ لیتے۔ گھسیاروں کے گھوڑے۔ بھٹیاروں کے ٹٹوؤں پر بٹھاتے۔ کرائے کے ہتھیار۔ مانگے تانگے کے کپڑوں سے لفافہ چڑھاتے اور حاضر ہوتے۔ لیکن توپ تلوار کے منہ پر ان لوگوں سے کیا ہوتا تھا۔ عین لڑائی کے وقت بڑی خرابی ہوتی تھی۔

Marfat.com

ایشیا کے فرمانرواؤں کا آئین:

ایشیا کے فرمانرواؤں کا عہد قدیم سے یہی آئین تھا۔ کیا ہندوستان کے راجہ مہاراجہ۔ کیا ایران توران کے بادشاہ۔ میں نے خود دیکھا افغانستان۔ بدخشان۔ سمرقند۔ بخارا وغیرہ وغیرہ ملکوں میں اب تک بھی۔ یہی آئین چلا آتا تھا۔ ادھر کے ملکوں میں سب سے پہلے کابل میں یہ قانون بدلا۔ اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ جب امیر دوست محمد خاں نے احمد شاہ درانی کے خاندان کو نکال کر بے مزاحم حکم حاصل کیا تو افواج انگلشیہ شاہ شجاع کو اس کا حق دلوانے گئیں۔ ادھر سے امیر بھی لشکر لیکر نکلا۔ تمام سردار صاحب فوج اس کے ساتھ۔ محمد شاہ خاں غلزئی۔ امین اللہ خاں لوگری۔ عبداللہ خاں اچک زئی۔ خان شیریں خاں قزلباش۔ وغیرہ وہ خوانین تھے کہ ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر نقارہ بجائیں تو تیس تیس چالیس چالیس ہزار آدمی فوراً جمع ہو جائیں۔ امیر سب کو لیکر میدان جنگ میں آیا دونوں لشکروں کے سپہ سالار منتظر کہ کدھر سے لڑائی شروع ہو۔ دفعتاً ایک افغان سردار امیر کی طرف سے گھوڑا اڑا کر چلا اس کی فوج اس کے پیچھے پیچھے۔ جیسے چیونٹیوں کی قطار، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ حملہ کرتا ہے۔ اس نے آتے ہی شاہ کو سلام کیا اور قبضہ شمشیر نذر گزرانا۔ دوسرا آیا۔ تیسرا آیا۔ امیر صاحب دیکھتے ہیں تو گرد میدان صاف ہوتا جاتا ہے۔ ایک مصاحب سے پوچھا۔ فلاں سردار کجاست؟ صاحب اور فت و شاہ را سلام کرد۔ فلاں سردار کجاست؟ صاحب اور فت بہ لشکر فرنگی۔ امیر حیران۔ اتنے میں ایک وفادار گھوڑا مار کر آیا۔ اے امیر صاحب کرامے پرسید۔ ہمہ لشکر نمک حرام شد۔ برابر سے ایک نے امیر کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کھینچی اور کہا۔ ہاں۔ امیر صاحب چہ مے بینید۔ ورق برگشت بیک کنار کشید خود را۔ یہ سن کر امیر صاحب نے بھی باگ پھیری۔ وہ آگے آگے۔ باقی پیچھے پیچھے۔ گھر چھوڑ کر نکل گئے۔ جب دولت انگلشیہ نے پھر تاج بخشی کر کے انہیں ملک عنایت کیا تو سمجھایا کہ اب امرا اور خوانین پر فوج کو نہ چھوڑنا۔ اب فوج نوکر رکھنا۔ آپ تنخواہ دینا اور اپنے حکم میں فوج کو رکھنا۔ چونکہ نصیحت پا چکے تھے۔ جھٹ سمجھ گئے۔ جب کابل میں پہنچے تو بڑی حکمت عملی سے بندوبست کیا اور آہستہ آہستہ تمام خوانین اور سرکردگان افغانستان کو نیست و نابود کر دیا۔ جو رہے ان کے بازو اس طرح توڑے کہ ہلنے کے قابل نہ رہے۔ دربار میں حاضر رہو۔ تنخواہ نقد لو۔ گھروں میں بیٹھے تسبیحیں ہلایا کرو۔

کجا بود اشہب کجا تاختم

Marfat.com

آئین داغ

ہندوستان کے سلاطین سلف میں سب سے پہلے علاؤ الدین خلجی کے عہد میں داغ کا ضابطہ نکلا تھا۔ وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا۔ اور کہا تھا کہ امرا کو اس طرح رکھنے میں خودسری کا زور پیدا ہوتا ہے۔ جب ناراض ہونگے۔ مل کر بغاوت پر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور جسے چاہیں گے بادشاہ بنالیں گے۔ چنانچہ فوج نوکر رکھی اور داغ کا قانون قائم کیا۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جاگیریں ہوگئیں۔ شیر شاہ کے عہد میں پھر داغ کا آئین تازہ ہوا۔ مگر وہ مرگیا۔ داغ بھی مٹ گیا۔ اکبر جب ۹۸۱ھ میں پٹنے کی مہم پر گیا تو امرا کی فوجوں سے بہت تنگ ہوا کہ سپاہی بدحال اور سپاہ بے سامان تھی۔ شکایتیں پہلے سے بھی ہو رہی تھیں۔ جب پھر کر آئے تو شہباز خاں کنبو نے تحریک کی اور آئین مذکور پر عمل درآمد شروع ہوا۔

شاہ باتدبیر سمجھا کہ اگر اس حکم کی تعمیل دفعتاً عام کریں گے تو تمام امرا گھبرا جائیں گے کیونکہ پوری فوجیں کس کے پاس ہیں ان کی آزردگی سے شاید کچھ قباعت رنگ نکالے۔ اس کے علاوہ تمام ملک میں یکبارگی نگہداشت شروع ہو جائے گی۔ اس میں اور خرابی ہو گی۔ جلا ہے۔ سائیس۔ گھسیارے۔ بھٹھیارے اور ان کے ٹٹو جو ہاتھ آئیں گے سب سمیٹ لیں گے۔ اس لئے قرار پایا کہ وہ باشی اور بیستی منصب داروں سے موجودات شروع ہو۔ اپنے اپنے سواروں کو لیکر چھاؤنی میں حاضر ہوں اور فہرست کے ساتھ پیش کریں۔ ہر ایک کا نام، وطن، عمر، قد وقامت، خط وخال۔ غرض تمام حلیہ لکھا جائے۔ موجودات کے وقت ہر نکتہ مطابق کرتے تھے اور فہرست پر نشان کرتے جاتے تھے اس کو بھی داغ کہتے تھے۔ ساتھ اس کے گھوڑے پر لوہا گرم کر کے داغ لگاتے تھے اس عمل درآمد کا نام آئین داغ تھا۔

استاد مرحوم نے اسی اصطلاح کا اشارہ کیا اور کیا خوب کیا ہے۔

داغ دیتے ہیں اسے جس کو ورم دیتے ہیں کہتی ہے ماہی بریاں کہ دبیران قضا

جب درجہ مذکور کے ملازم جابجا داغ ہو گئے۔ تو صدی دوصدی وغیرہ کی نوبت آئی بلکہ آدمی سے بڑھ کر منصب داروں کے اونٹ ہاتھی خچر۔ گدھے۔ بیل وغیرہ جوان کے کاروبار سے متعلق تھے سب داغ کے نیچے آگئے۔ یہ بھی ہو گئے تو ہزاری۔ دو ہزاری۔ پنج ہزاری تک نوبت پہنچی کہ معراج مراتب امرا کی تھی۔ حکم تھا کہ جو امیر داغ کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اس کا منصب گر جائے۔ اصل وہی

Marfat.com

تھا کہ کم اصل ہے۔ جب ہی کم حوصلہ ہے۔ اس قابل نہیں کہ اس کے مصارف کو اتنا خرچ اور اسے یہ منصب دیا جائے۔ انکار داغ کی سزا میں بہت سے نامی امیر بنگالہ ❶ بھیجے گئے اور منعم خاں خان خاناں کو لکھا گیا کہ ان کی جاگیریں وہیں کر دو۔ باوجود اس نرمی و آہستگی کے منصب دار بہت گھبرائے۔ مظفر خان عتاب میں آئے۔ مرزا عزیز کوکلتاش ان کا لاڈلہ امیر اور ضدی سپہ سالار اتنا جھگڑا کہ دربار سے بند ہو گیا اور حکم ہو گیا کہ اپنے گھر میں بیٹھے نہ یہ کسی کے پاس جانے پائے نہ کوئی اس کے پاس آنے پائے۔

داغ کی صورت:

(ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں) ابتدا میں گھوڑے کی گردن پر سیدھی طرف سین کا سرا لوہے سے داغ دیتے تھے پھر دو الف متقاطع بہ قائمہ ہو گئے مگر چاروں سرے ذرا موٹے۔ یہ نشان سیدھی ران پر ہوتا تھا۔ پھر مدت تک چلہ اتری کمان کی شکل رہی پھر یہ بھی بدلا گیا۔ لوہے کے ہندسے بن گئے۔ یہ گھوڑے کے سیدھے پٹھے پر ہوتے تھے۔ پہلی دفعہ دوسری دفعہ وغیرہ۔ پھر خاص طور کے ہندسے سرکار سے مل گئے۔ شہزادے، سلاطین سپہ سالار وغیرہ سب انہی سے نشان لگاتے تھے۔ اس میں یہ فائدہ ہوا کہ اگر کسی کا گھوڑا مر جاتا اور وہ کورا گھوڑا داغ کے وقت حاضر کرتا تو بخشی فوج کہتا تھا کہ آج کی تاریخ سے حساب میں آئیگا۔ سوار کہتا تھا۔ میں نے اسی دن خرید لیا تھا جس دن پہلا گھوڑا مرا تھا۔ کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ سوار کرایہ کا گھوڑا لا کر دکھا دیتے تھے۔ کبھی پہلے گھوڑے کو بیچ کھاتے تھے۔ داغ کے وقت اس چہرے کا گھوڑا لا کر دکھا دیتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس داغ سے دغا کے رستے بند ہو گئے۔ داغ مکرر ہیں یہی داغ دوبارہ۔ تیسری دفعہ سہ بارہ۔

ملا صاحب اس مقدمے کو بھی غصے کی وردی پہنا کر اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگرچہ سب امرا ضں ناراض ہوئے اور سزائیں بھی اٹھائیں لیکن آخر یہی آئین سب کو ماننا پڑا۔ اور غریب سپاہی کے طبق میں پھر بھی خاک ہی پڑی۔ اُدھر امرا نے اپنا آئین یہ باندھا کہ داغ کے وقت کچھ اصلی کچھ نقلی۔ وہی لفافے کی فوج لا کر دکھا دی اور منصب پورا کروا لیا۔ جاگیر پر جا کر سب رخصت۔ وہ فرضی گھوڑے کیسے۔ اور کرائے کے ہتھیار کہاں؟ پھر کام کا وقت ہو گا تو دیکھا جائیگا۔ مہم

❶ سلاطین چغتائیہ میں یہ آئین تھا کہ جب امیر پر خفا ہوتے تھے اسے بنگالہ میں پھینک دیتے تھے۔ کچھ اس سبب سے کہ گرم ملک تھا اس پر ہوا مرطوب۔ بیمار ہو جاتے تھے۔ اور کچھ اس سبب سے کہ ولایتی لوگ اپنے ملک سے دوری اور بعد مسافت سے بہت گھبراتے تھے اور ناجنسی محض کے سبب سے اس ملک میں تنگ رہتے تھے۔

Marfat.com

آن پڑی۔ تو فضیحت و رسوائی۔ جو اصلی سپاہی ہے اسی کی تباہی ہے۔ دلاور۔ بہادر معرکے مارنے والے مارے مارے پھرتے ہیں۔ تلواریں مارنے والے بھوکوں مرتے ہیں۔ گھوڑا اتنی امید پر کون باندھے کہ بادشاہ کو کبھی مہم پیش آئیگی تو کسی امیر کے نوکر ہو جائیں گے۔ آج رکھیں تو کھلائیں کہاں سے بیچتے پھرتے ہیں۔ کوئی نہیں لیتا۔ تلوار گرو رکھتے ہیں بنیا آٹا نہیں دیتا۔ اس بربادی کا نتیجہ یہ ہے کہ وقت پر ڈھونڈیں تو جسے سپاہی کہتے ہیں وہ انسان پیدا نہیں۔ اس سلسلے میں ملا صاحب عبارت آئندہ تمسخر کے رنگ میں لکھتے ہیں مگر مجھ سے پوچھو تو وہ غصہ بھی ناحق تھا اور یہ تمسخر بھی بے جا ہے۔

حق یہ ہے کہ اکبر نے اس کام کو دلی شوق اور بڑی کوشش سے جاری کیا تھا۔ کیونکہ وہ حقیقی اور تحقیقی بادشاہ مہمات و فتوحات کا عاشق تھا۔ آپ تلوار پکڑ کر لڑتا تھا۔ اور سپاہیانہ یلغاریں کرتا تھا اس لئے بہادر سپاہی اور دیدار و جوان اسکے بہت پیارا تھا۔ چنانچہ جب آئین مذکور جاری کیا تو بعض وقت خود بھی دیوان خاص میں آن بیٹھتا تھا اور اس خیال سے کہ میرا سپاہی پھر بدلا نہ جائے۔ اس کا چہرہ لکھواتا تھا۔ پھر کپڑوں اور ہتھیاروں سمیت ترازو میں تلواتا تھا۔ حکم تھا کہ لکھ لو۔ یہ اڑھائی من سے کچھ زیادہ کا نکلا۔ وہ ساڑھے تین من سے کچھ کم ہے۔ پھر معلوم ہوتا تھا کہ ہتھیار کرائے کے لئے تھے اور کپڑے مانگے کے تھے۔ ہنس کر کہہ دیتا تھا کہ ہم بھی جانتے ہیں مگر انہیں کچھ دینا چاہئے۔ سب کا گزارہ ہوتا رہے۔ سوار دو اسپہ دیک اسپہ تو عام بات تھی مگر پرورش کی نظر سے نیم اسپہ کا آئین نکالا۔ مثلاً اچھا سپاہی ہے مگر گھوڑے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حکم دیتا تھا کہ خیر دو مل کر ایک گھوڑا رکھیں۔ باری باری سے کام دیں۔ ۶ روپے مہینہ گھوڑے کا۔ اس میں بھی دونوں شریک۔ یہ سب کچھ صحیح مگر اسے اقبال سمجھو خواہ نیک نیتی کا پھل۔ کہ جہاں جہاں غنیم تھے خود بخود نیست و نابود ہو گئے۔ نہ فوج کشی کی نوبت آتی تھی۔ نہ سپاہی کی ضرورت ہوتی تھی۔ اچھا ہوا منصب دار بھی داغ کے دکھ سے بچ گئے۔ ملا صاحب اپنے جوش جذبہ میں خواہ مخواہ ہر بات کو بدی اور تعدی کا لباس پہناتے ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ نیک نیت تھا اور رعایا کو دل سے پیار کرتا تھا۔ سب کی آسائش کے لئے خالص نیت سے یہ اور صدہا ایسے ایسے آئین باندھے تھے۔ البتہ اس سے لاچار تھا کہ بدنیت اہل کار عمل درآمد میں خرابی کر کے بھلائی کو برائی بنا دیتے تھے۔ داغ سے بھی دغاباز نہ باز آئیں تو وہ کیا کرے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری ۱۰۰۶ھ میں ختم کی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ سپاہ بادشاہی فرمانروایان زمیں خیز (راجگان وغیرہ) کی سپاہ مل کر ۴۴ لاکھ سے زیادہ ہے۔ بہتوں کے لئے داغ اور چہرہ نویسی نے ماتھے روشن کئے ہیں۔ اکثر بہادروں نے شرافت اطوار۔ اور اعتبار کے جوہر سے منتخب ہو کر حضوری رکاب میں عزت پائی ہے۔ یہ لوگ پہلے یکے کہلاتے تھے۔ اب احدی کا خطاب ملا۔ (ملا صاحب کہتے ہیں

Marfat.com

کہ اس میں توحید الٰہی اکبرشاہی کا اشارہ بھی تھا) بعض کو داغ سے معاف بھی رکھتے ہیں۔

تنخواہ:

ایرانی۔ تورانی کی ۲۵ روپے۔ ہندی ۲۰۔ خالصہ ۱۵۔ اس کو برآوردی کہتے تھے۔ جو منصب دار خود سوار اور گھوڑے بہم نہ پہنچا سکتے انہیں برآوردی سوار دیئے جاتے تھے۔ وہ ہزاری۔ ہشت ہزاری۔ ہفت ہزاری۔ منصب تینوں شہزادوں کے لئے خاص تھے۔ امرا میں انتہائے ترقی پنج ہزاری تھی۔ اور کم سے کم وہ باشی۔ منصب داروں کی تعداد ۶۶ تھی کہ اللہ کے عدد ہیں بعض متفرقات کے طور پر تھے کہ یاوری یا کمکی کہلاتے تھے۔ جو داغ دار ہوتے تھے ان کی عزت زیادہ ہوتی۔ اکبر اس بات سے بہت خوش ہوتا تھا کہ دیدار و سپاہی ہو اور خود اسپہ ہو۔ منصب داروں کا سلسلہ اس تفصیل سے چلتا تھا۔ وہ باشی۔ بیستی۔ دو بیستی۔ پنجاہی۔ سہ بیستی۔ چار بیستی۔ صدی وغیرہ وغیرہ انہیں حسب تفصیل ذیل سامان رکھنے ہوئے تھے:

نام عہدہ	اسپ عراقی	مجنس	ترکی	یابو	تازی	جنگلہ	ہاتھیوں کے پانچ نمبر تھے					باربرداری			ماہانہ		
							۱	۲	۳	۴	۵	شتر	خچر	عراب	درجہ اوّل	درجہ دوم	درجہ سوم
دہ بیستی	-	-	۲	۲	-	-	-		-	-	-	-	-	-	۱۰۰	۸۰	۷۵
بیستی	-	۱	۱	۱	۲	-	-	-	-	۱	-	یک	-	یک	۱۳۵	۱۲۵	۱۱۵
دو بیستی	۱	۲	۲	۱	۱	-	-	-	-	-	-	۲	-	۱	۲۲۳	۲۰۰	۱۸۵
پنجاہی	۱	۱	۲	۲	۱	۱	-	۱	۱	۱	-	۲	-	۲	۲۵۰	۲۴۰	۲۳۰
سہ بیستی	۱	۱	۲	۲	۰۱۰	۱	-	-	۱	۱	-	۲	-	۲	۳۰۱	۲۸۵	۲۷۰
چہار بیستی	۲	۱	۲	۲	۱	۱	-	-	۱	۲	-	۲	-	۳	۴۱۰	۳۸۰	۳۵۰
بوزباشی	۲	۲	۲	۲	۲	-	-	۱	۱	۱	-	۲	-	۵	۷۰۰	۶۰۰	۵۰۰
پنجہزاری	۳۴	۳۴	۶۸	۶۸	۶۷	۶۶	۲۰	۳۰	۲۰	۲۰	۱۰	۸۰	۲۰	۱۶۰	۳۰ہزار	۲۹۱ہزار	۲۸۷ہزار

سوا گر اگر طاقت رکھتا ہو تو ایک گھوڑے سے زیادہ بھی رکھ سکتا تھا۔ انتہا ۲۵ گھوڑے تک اور چار پائے کا نصف خرچ خزانے سے ملتا تھا۔ پھر تین گھوڑے سے زیادہ کی اجازت نہ رہی۔ ایک اسپہ سے زیادہ کو ایک اونٹ یا بیل بھی باربرداری کے لئے رکھنا ہوتا تھا۔ گھوڑے کے لحاظ سے بھی سوار کی

Marfat.com

تنخواہ میں فرق ہوتا تھا۔ چنانچہ

عراقی والے کو	ے	پیادے کی تنخواہ ۸ سے عہ ـہے ۔ سے تک ہوتی تھی ان میں سے ۱۲ ہزار بندوقچی تھے کہ حاضر رکاب رہتے تھے۔
مجنس والے کو	عہ	بندوقچی کی تنخواہ ۱۲ معہ۔ معہ۔۱۲ سے تک ہوتی تھی۔
ترکی	عہ	
یابو	عہ	
تازی	صہ عہ	
جنگلہ	عہ عہ	

آئین صرّاف

صرافوں اور مہاجنوں کی سیہ کاری اب بھی عالم میں روشن ہے۔ اس وقت بھی شاہان سلف کے سکوں پر جو چاہتے تھے بٹا لگاتے تھے اور غریبوں کی ہڈیاں توڑتے تھے۔ حکم ہوا کہ پرانے روپے جمع کر کے سب گلا ڈالو۔ ہماری قلمرو میں یک قلم ہمارا سکہ چلے۔ اور نیا پرانا ہر سنہ کا یکساں سمجھا جائے۔ جو گھس پس کر بہت کم ہو جائے اس کے لئے آئین و قواعد قائم ہوئے۔ شہر شہر میں فرمان جاری ہو گئے۔ قیچ خاں کو انتظام سپرد ہوا کہ سب سے مچلکے لکھوا لو۔ مگر یہ تو دلوں کے کھوٹے تھے۔ لکھ کر بھی باز نہ آئے۔ پکڑے آتے تھے۔ باندھے جاتے۔ ماریں کھاتے تھے۔ مارے بھی جاتے تھے اور اپنی کرتوتوں سے باز نہ آتے تھے۔

احکام عام بنام کارکنان ممالک محروسہ

جوں جوں اکبری سلطنت کا سکہ بیٹھتا گیا۔ اور سلطنت کی روشنی پھیلتی گئی۔ انتظام و احکام بھی پھیلتے گئے چنانچہ ان میں سے ایک دستور العمل کا خلاصہ اور اکثر تاریخوں سے نکتہ نکتہ چن کر یکجا کرتا ہوں کہ شہزادوں۔ امیروں۔ جاگیرداروں۔ عاملوں کے نام فرمان کا خلعت پہن کر جاری ہوئے تھے۔

سب سے پہلے یہ کہ رعایا کے حال سے باخبر رہو۔ خلوت پسند نہ ہو کہ اس میں اکثر امور کی خبر نہ ہوگی جن کی تمہیں اطلاع واجب تھی۔ بزرگان قوم سے بہ عزت پیش آؤ۔ شب بیداری کرو۔ صبح۔ شام۔ دوپہر۔ آدھی رات کو خدا کی طرف متوجہ ہو۔ کتب اخلاق۔ نصائح۔ تاریخ کو زیر نظر رکھو۔ مسکین اور گوشہ نشین لوگ جو آمد و رفت کا دروازہ بند کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے ساتھ سلوک کرتے رہو کہ ضروریات

Marfat.com

سے تنگ نہ ہونے پائیں۔ اہل اللہ۔ نیک نیت۔ صاحب دلوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرو۔ اور دعا کے طلب گار رہو۔ مجرموں کے گناہوں پر بڑی غور کیا کرو کہ کس پر سزا واجب ہے کس سے چشم پوشی۔ کیونکہ بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جن سے کبھی ایسی خطائیں ہو جاتی ہیں کہ زبان پر لانا بھی مصلحت نہیں ہوتا۔

مخبروں کا خیال رکھنا:

مخبروں کا بڑا خیال رکھو۔ جو کچھ کرو خود دریافت کر کے کرو۔ دادخواہوں کی عرض خود سنو۔ ماتحت حاکموں کے بھروسے پر سب کام نہ چھوڑ دو۔ رعایا کو دلداری سے رکھو۔ زراعت کی فراوانی اور تقاوی اور دیہات کی آبادی میں بڑی کوشش رہے۔ ریزہ رعایا کے حال کی فرداً فرداً بڑی غور و پرداخت کرو۔ نذرانہ وغیرہ کچھ نہ لو۔ لوگوں کے گھروں میں سپاہی زبردستی نہ جا اتریں۔ ملک کے کاروبار ہمیشہ مشورت سے کیا کرو۔ لوگوں کے دین و آئین سے کبھی معترض نہ ہو۔ دیکھو دنیا کہ چند روزہ ہے۔ اس میں انسان نقصان گوارا نہیں کرتا۔ دین کے معاملے میں کب گوارا کریگا۔ کچھ تو سمجھا ہی ہوگا۔ اگر وہ حق پر ہے تو تم حق سے مخالفت کرتے ہو؟ اور اگر تم حق پر ہو تو وہ بچارا بیمار نادانی ہے۔ رحم کرو اور دست گیری۔ نہ کر تعرض و انکار۔ ہر مذہب کے نکوکاروں اور خیراندیشوں کو عزیز رکھو۔

ترویج دانش اور کسب کمال:

ترویج دانش اور کسب کمال میں بڑی کوشش کرو۔ اہل کمال کی قدردانی کرتے رہو کہ استعدادیں ضائع نہ ہو جائیں۔ قدیمی خاندانوں کی پرورش کا خیال رکھو۔ سپاہی کی ضروریات ولوازمات سے غافل نہ رہو۔ خود تیراندازی۔ تفنگ اندازی وغیرہ سپاہیانہ ورزشیں کرتے رہو۔ ہمیشہ شکار ہی میں نہ رہو۔ ہاں تفریح مشق سپاہ گری کی رعایت سے ہو۔

نیر نوربخش عالم کے طلوع پر اور آدھی رات کو کہ حقیقت میں طلوع وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ نوبت بجا کرے۔ جب نیر اعظم برج سے برج میں جائے تو توپیں اور بندوقیں سر ہوں کہ سب باخبر ہوں۔ اور شکرانہ الٰہی بجا لائیں۔ کوتوال نہ ہو تو اس کے کاموں کو خود دیکھو اور سرانجام کرو۔ اس خدمت کو دیکھ کر شرماؤ نہیں۔ عبادت الٰہی سمجھ کر بجا لاؤ کہ اس کے بندوں کی خدمت ہے۔

کوتوال کو چاہئے کہ ہر شہر قصبہ گاؤں میں۔ کل محلے۔ گھر گھر والے سب لکھ لے۔ ہر شخص آپس کی حفاظت وضمانت میں رہے۔ ہر محلے پر میر محلہ ہو۔ جاسوس بھی لگے رکھو کہ ہر جگہ کا حال رات دن پہنچاتے رہیں۔ شادی۔ غمی۔ نکاح۔ پیدائش ہر قسم کے واقعات کی خبر رکھو۔ کوچہ، بازار، پلوں اور

Marfat.com

گھاٹوں پر بھی آدمی رہیں۔ رستوں کا ایسا بندوبست رہے کہ کوئی بھاگے تو بے خبر نہ نکل جائے۔

میر محلہ:

چور آئے۔ آگ لگ جائے۔ کوئی مصیبت پڑے تو ہمسایہ فوراً مدد کرے۔ میر محلہ اور خبردار بھی فوراً اٹھ دوڑیں۔ جان چھپا بیٹھیں تو مجرم۔ ہمسایہ۔ میر محلہ اور خبردار کی اطلاع بغیر کوئی سفر میں نہ جائے۔ اور کوئی آکر اترنے بھی نہ پائے۔ سوداگر۔ سپاہی۔ مسافر۔ ہر قسم کے آدمی کو دیکھتے رہیں۔ جن کا کوئی ضامن نہ ہو ان کو الگ سرا میں بساؤ۔ وہی بااعتبار لوگ سزا بھی تجویز کریں۔ رؤساء و شرفائے محلہ بھی ان باتوں کے ذمہ دار ہیں۔ ہر شخص کی آمد و خرچ پر نظر رکھو۔ جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے ضرور دال میں کالا ہے۔ ان باتوں کو انتظام اور بہبودی خلائق سمجھا کرو۔ روپیہ کھینچنے کی نیت سے نہ کرو۔

بازاروں میں دلال مقرر کرنا:

بازاروں میں دلال مقرر کردو۔ جو خرید و فروخت ہو۔ میر محلہ و خبردار محلہ کی بے اطلاع نہ ہو۔ خریدنے اور بیچنے والے کا نام روزنامہ میں درج ہو۔ جو چپ چپاتے لین دین کرے اس پر جرمانہ۔ محلہ محلہ اور نواح شہر میں بھی رات کے لئے چوکیدار رکھو۔ اجنبی آدمی کو ہر وقت تاڑتے رہو۔ چور۔ جیب کترے۔ اچکے۔ اٹھائی گیرے کا نام بھی نہ رہنے پائے۔ مجرم کو مال سمیت پیدا کرنا اس کا ذمہ ہے۔ جو لاوارث مر جائے یا کہیں چلا جائے۔ اس کے مال سے سرکاری قرضہ ہو تو پہلے وصول کرو۔ پھر وارثوں کو دو۔ وارث موجود نہ ہو تو امین کے سپرد کردو۔ اور دربار میں اطلاع لکھو۔ حق دار آجائے تو وہ پائے۔ اس میں بھی نیک نیتی سے کام کرو۔ روم کا دستور یہاں نہ ہو جائے کہ جو آیا ضبط۔ ملا صاحب اس پر طرہ لگاتے ہیں کہ جب تک داروغہ بیت المال کا خط نہیں ہوتا تب تک اس کا مردہ بھی دفن نہیں ہوتا اور قبرستان کہ شہر کے باہر بنا ہے۔ وہ بھی رو بہ مشرق۔ کہ عظمت آفتاب نہ جانے پائے۔

شراب کے باب میں بڑی تاکید:

شراب کے باب میں بڑی تاکید رہے۔ بو بھی نہ آنے پائے۔ پینے والا۔ بیچنے والا۔ کھینچنے والا۔ سب مجرم۔ ایسی سزا دو کہ سب کی آنکھیں کھل جائیں۔ ہاں کوئی حکمت اور ہوش افزائی کیلئے کام میں لائے تو نہ بولو۔ نرخوں کی ارزانی میں بڑی کوشش رکھو۔ مالدار ذخیروں سے گھر نہ بھرنے پائیں۔

Marfat.com

عیدوں کے جشنوں کا لحاظ:

عیدوں کے جشنوں کا لحاظ رہے۔ سب سے بڑی عید نوروز ہے کہ نیر نور بخش عالج برج حمل میں آتا ہے۔ یہ فروردین کی پہلی تاریخ ہے۔ دوسری عید ۱۹ اسی مہینے کی۔ کہ شرف کا دن ہے۔ تیسری ۳۔ اروی بہشت کی وغیرہ وغیرہ۔ شب نوروز اور شب شرف کو شب برات کی طرح چراغاں ہوں۔ اول شب نقارے بجیں۔ معمولی عیدیں بھی بدستور ہوا کریں اور ہر شہر میں شادیانے بجا کریں۔

دریاؤں اور نہروں پر مردوں اور عورتوں کے غسل:

عورت بے ضرورت گھوڑے پر نہ چڑھے۔ دریاؤں اور نہروں پر مردوں اور عورتوں کے غسل کو اور پنہاریوں کے پانی بھرنے کو الگ الگ گھاٹ تیار ہوں۔ سوگدار بے حکم ملک سے گھوڑا نہ نکال لے جائے۔ ہندوستان کا بردہ کہیں اور نہ جانے پائے۔ نرخ اشیاء بادشاہی قیمت پر رہے۔

بے اطلاع ❶ کوئی شادی نہ کرے۔ عوام الناس کی شادی ہو تو دولہا دلہن کو کوتوالی میں دکھا دو۔ عورت ۱۲ برس مرد سے بڑی ہو تو مرد اس سے تعلق نہ کرے کہ باعث ضعف و ناتوانائی ہے۔ لڑکا ۱۶ برس اور لڑکی ۱۴ برس سے پہلے نہ بیاہی جائے۔ چچا اور ماموں وغیرہ کی بیٹی سے شادی نہ ہو کہ رغبت کم ہوتی ہے۔ اولاد ضعیف ہوگی۔ جو عورت بازاروں میں کھلم کھلا بے برقع۔ بے گھونگٹ پھرتی نظر آیا کرے۔ یا ہمیشہ خاوند سے دنگہ فساد رکھے اسے شیطان پورہ میں داخل کرو۔ ضرورت مجبور کرے تو اولاد کو گرو رکھ سکتے ہیں جب روپیہ ہاتھ آئے چھڑالیں۔ ہندو کا لڑکا بچپن میں جبراً مسلمان ہو گیا ہو تو بڑا ہو کر جو مذہب چاہے اختیار کرے۔ جو شخص جس دین میں چاہے چلا جائے کوئی روکنے نہ پائے۔ ہندنی عورت مسلمان کے گھر میں بیٹھ جائے تو وارثوں کے گھر پہنچا دو۔ مندر۔ شوالہ۔ آتش خانہ۔ گرجا جو چاہے بنائے روک ٹوک نہ ہو۔

---

❶ ملا صاحب اس حکم پر بڑے خفا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اہلکاروں اور ملازموں کی بن آئی۔ لوگوں کے کام بند کر دیئے۔ جب تک اپنی منہ بھرائی نہ لے لیتے۔ شادی نہیں ہونے دیتے۔ آزاد ملا صاحب کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر یہ بھی تو دیکھو کہ عوام میں شادی کے دعوے آج تک بھی کیسے الجھے ہوئے پیش آتے ہیں۔ باوجودیکہ ایسا چست اور درست انگریزی قانون ہے۔ پھر بھی اس ملک پنجاب میں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوتا ہے۔ چار خاوند حاضر ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ ایک ملا صاحب منڈا ہوا سر۔ ناف تک داڑھی۔ پاؤں تک کرتہ۔ نیلا لنگ۔ ہلاس دانی ہاتھ میں۔ بحلف شرعی فرماتے ہیں کہ میں نے بزبان خود نکاح پڑھا تو ۵۴ مسلمان باایمان گواہ کہ مجلس عام میں پڑھا گیا اور ماں باپ نے پڑھوایا۔ سرکاری کو بھی سوا رجسٹری کے کچھ تدبیر نہ بن آئی۔

Marfat.com

اس کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں احکام ملکی۔ مالی۔ داغ محلی۔ ٹکسال۔ فرد فرد رعایا۔ واقعہ نویسی۔ چوکی نویسی ہے بادشاہ کی تقسیم اوقات۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا۔ وغیرہ وغیرہ تھے کہ آئین اکبری کا مجلد ضخیم اس سے آراستہ ہے کوئی بات آئین وقواعد وقانون سے بچی نہ تھی۔ ملا صاحب ان کا بھی خاکہ اڑاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نئے ایجاد تھے۔ جو بات نئی معلوم ہوتی ہے اس پر لوگوں کی نظر اٹکتی ہے۔ اس وقت بھی اہل دربار مل کر بیٹھتے ہونگے تو ضرور ان باتوں کے چرچے کرتے ہونگے۔ اور چونکہ صاحب علم وصاحب کمال تھے اس لئے ایک ایک بات لطیف وظرائف کے ساتھ نقل مجلس ہوتی ہوگی۔

لطیفہ:

ایک موقع پر حکم ہوا کہ قلعہ لاہور میں دیوان عام کے سامنے جو چبوترہ ہے اس پر مختصر مسجد بنوا دو کہ بعض اشخاص بہ حالت حضوری کار ضروری میں مصروف ہوتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو تو انہیں دور جانا نہ پڑے۔ ہمارے سامنے نماز پڑھیں اور پھر حاضر ہو جائیں۔ حکیم مصری کے دہن ظرافت میں پانی بھر آیا اور فرمایا۔

شاہِ ما کرد مسجدے بنیاد　　ایہا المومنوں مبارک باد
وندریں نیز مصلحت وارد　　تا نمازاں گزار بشمارد

حکیم صاحب کی باتیں مصری کی ڈلیاں تھیں۔ جس قدر حال ان کا معلوم ہوا علیحدہ لکھا ہے۔ تتے کو پڑھ کر منہ میٹھا کرو۔

ہندوؤں کے ساتھ اپنایت

اکبر اگر چہ ترک ماوراء النہری تھا۔ مگر اس نے ہندوستان میں آ کر جس طرح ہندوؤں اور ہندوستانیوں سے اپنایت پیدا کی۔ وہ ایک صنعت کیمیائی ہے کہ کتابوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ اور یہ بھی ایک تمہید پر منحصر ہے۔ واضح ہو کہ جب ہمایوں ایران میں گیا اور شاہ طہماسپ سے ملاقات ہوئی تو ایک دن دونوں بادشاہ شکار کو نکلے۔ کسی مقام پر تھک کر اتر پڑے۔ شاہی فراش نے اٹھتہ غالیچہ ڈال دیا۔ شاہ بیٹھ گئے۔ ہمایوں کے ایک زانو کے نیچے فرش نہ تھا۔ اس عرصے میں کہ شاہ اٹھیں اور غالیچہ کھول کر بچائیں۔ ہمایوں کے ایک جانثار نے جھٹ اپنے تیردان کا کار چوبی غلاف چھری سے چاک کیا اور اپنے بادشاہ کے نیچے بچھا دیا۔ شاہ طہماسپ کو یہ پھرتی اور ہواخواہی اس کی پسند آئی۔ اور

Marfat.com

کہا کہ برادر ہمایوں تمہارے ساتھ ایسے ایسے جاں نثار نمک حلال تھے۔ اور پھر ملک اسی طرح ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ بھائیوں کے حسد اور عداوت نے کام خراب کر دیا۔ نمک خوار نوکر ایک آقا کے بیٹے سمجھ کر کبھی ادھر ہو جاتے تھے کبھی ادھر۔ شاہ نے کہا کہ ملک کے لوگوں نے رفاقت نہ کی؟ ہمایوں نے کہا کہ کل رعایا غیر قوم غیر مذہب ہیں۔ اور خود ملک کے اصلی مالک ہیں۔ ان سے رفاقت ممکن نہیں۔ شاہ نے کہا کہ ہندوستان میں دو فرقے کے لوگ بہت ہیں ایک افغان۔ دوسرے راجپوت۔ خدا کی مدد حال شامل ہو اب کی دفعہ وہاں پہنچو تو افغانوں کو تجارت میں ڈال دو۔ اور راجپوتوں کو دلاسا و محبت کے ساتھ شریک حال کرو۔ (دیکھو ماثر الامرا)

ہمایوں جب ہندوستان میں آیا تو اسے اَجل نے اجازت نہ دی۔ اور اس تدبیر کو عمل میں نہ لا سکا۔ البتہ اکبر نے کیا۔ اور خوب طور سے کیا۔ وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کا گھر ہے۔ مجھے اس ملک میں خدا نے بادشاہ کر کے بھیجا ہے۔ ملک گیری اور تسخیر کی حالت میں ممکن ہے کہ ملک کو تلوار کے زور سے زیر کیا اور اہل ملک کو ویران کر دیا۔ ملک والوں کو دبا لیا۔ لیکن جبکہ میں اسی گھر میں رہنا اختیار کروں تو یہ ممکن نہیں کہ ان کے ملک کے کل فوائد اور آرام میں اور میرے امراء اٹھائیں۔ اور ملک والے ویران و پریشان رہیں۔ اور پھر میں آرام سے بھی بیٹھ سکوں۔ اور یہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ انہیں بالکل فنا کر کے نیست و نابود کر دوں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میرے باپ پر چچاؤں کے ہاتھ سے کیا گزری۔ چچاؤں کی اولاد اور ان کے نمک خوار موجود ہیں۔ اور جو ہمقوم ترک اس وقت میرے ساتھ ہیں۔ یہ ہمیشہ دو دھاری تلوار ہیں۔ جدھر فائدہ دیکھا ادھر پھر گئے۔ غرض جب اس نے ملک کو آپ سنبھالا تو ایسا ڈھنگ ڈالا جس میں خاص و عام اہل ہند یہ نہ سمجھیں کہ غیر قوم ترک۔ غیر مذہب مسلمان۔ کہیں سے آ کر ہم پر حاکم ہو گیا ہے۔ اس لئے ملک کے فوائد و منافع پر کوئی بند نہ رکھا۔ اس کی سلطنت ایک دریا تھا کہ جس کا کنارہ ہر جگہ سے گھاٹ تھا۔ آؤ۔ اور سیراب ہو جاؤ۔ دنیا میں کون ہے کہ جان رکھتا ہو اور دریا کے کنارے پر نہ آئے۔

جب ملک گیری نے بہت سے معرکے طے کر دیئے۔ اور رونق و زیبائی کو اس کے دربار سجانے کا موقع ملا۔ ہزاروں راجہ، مہاراجہ، ٹھاکر، سردار حاضر ہونے لگے۔ دربار ان جواہر کی پتلیوں سے جگمگا اٹھا۔ عالی ہمت بادشاہ نے ان کے اعزاز اور مدارج کا بڑا لحاظ رکھا۔ اخلاق کا پتلا تھا۔ ملنساری اس کی طبیعت میں داخل تھی۔ ان سے اس طرح پیش آیا کہ سب کو آئندہ کے لئے بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔ بلکہ جو ان کا متوسل ہو کر آیا۔ اس سے اس طرح پیش آیا کہ ایک عالم ادھر کو جھک پڑا۔ پنڈت۔ کبیشر۔ گنی گنوان ہندوستان کے جو آئے اس طرح خوش نکلے کہ شاید اپنے راجاؤں کے دربار

Marfat.com

سے بھی اسی طرح نکلتے ہونگے۔ ساتھ ہی یہ بھی سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ برتاؤ اس کا ہمارے پھسلانے کے لئے نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہم کو اپنا کر لے۔ اور ہمارا ہو رہے۔ اور اس کی سخاوتیں اور دن رات کے کاروبار اور اپنایت کے برتاؤ اس خیال کی ہر دم تصدیق کرتے ہیں۔

ہندوستانی اقوام میں برابری قائم کرنا:

نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہمقوم اور غیر قوم کا فرق اصلا نہ رہا۔ سپہ داری اور ملک داری کے جلیل القدر عہدے ترکوں کے برابر ہندوؤں کو ملنے لگے۔ دربار کی صف میں ایک ہندو ایک مسلمان۔ دو مسلمان ایک ہندو برابر نظر آنے لگے ❶۔ راجپوتوں کی محبت ان کی ہر بات کو بلکہ ریت رسوم اور لباس کو بھی اس کی آنکھوں میں خوشنما دکھانے لگی۔ چغے اور عمامہ کو اتار کر جامہ اور کھڑکی دار پگڑی اختیار کر لی۔ ڈاڑھی کو رخصت کر دیا تخت و دیہیم کو چھوڑ کر سنگھاسن پر بیٹھنے اور ہاتھی پر چڑھنے لگا۔ فرش فروش سواریاں اور دربار کے سامان آرائش سب ہندوانے ہونے لگے۔ ہندو اور ہندوستانی لوگ ہر وقت خدمت گزاری میں حاضر۔ جب بادشاہ کا یہ رنگ ہوا تو اراکین و امرا ایرانی تورانی سب کا وہی لباس۔ دربار اور پان کی گلوری ❷ اس کا لازمی سنگار ہو گیا۔ ترکوں کا دربار اندر سبھا کا تماشا تھا۔

نوروز کا جشن ایران و توران کی رسم قدیم ہے۔ مگر اس نے ہندوانی ریت رسوم کا رنگ دیکر اسے بھی ہندو بنایا۔ ہر سالگرہ پر جشن ہوتا تھا۔ شمسی بھی قمری بھی۔ ان میں تلادان کرتے تھے۔ ۷ اناج ۷ دھات وغیرہ وغیرہ میں تلتے تھے۔ برہمن بیٹھ کر ہوَن کرتے تھے اور سب کی گٹھڑیاں باندھ اسیسیں دیتے گھر کو لے جاتے۔ دسہرہ کو آتے۔ اشیر باد دیتے۔ پوجا کرواتے۔ ماتھے پر ٹیکا لگاتے۔ جواہر و مروارید سے مرصع راکھی ہاتھ میں باندھتے۔ بادشاہ ہاتھ پر باز بٹھاتے۔ قلعے کے برجوں پر شراب رکھی جاتی۔ بادشاہ کے ساتھ اہل دربار بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ اور پان کے بیڑوں نے سب کے منہ لال کر دیئے۔ گائے کا گوشت۔ لہسن۔ پیاز بہت سی چیزیں حرام اور بہت سی حلال ہو گئیں۔ صبح کو روز جمنا کے کنارے شرق رویہ کھڑکیوں میں بیٹھتے تھے کہ پہلے آفتاب کے درشن ہوں۔ ہندوستان کے لوگ صبح کو بادشاہ کے دیدار کو بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ جو لوگ دریا پر اشنان کو آتے تھے۔ مرد عورتیں۔ بچے۔ ہزار در ہزار سامنے آتے تھے۔ ڈنڈوتیں کرتے۔ مہابلی بادشاہ

---

❶ ذرا راجہ ٹوڈرمل کے حال میں دیکھو کہ جب راجہ موصوف کو کل ممالک ہند کی وزارت اعظم کے اختیارات ملے تو لوگوں نے کیا شکایت کی اور نیک نیت بادشاہ نے کیا جواب دیا۔

❷ دیکھو ملی قلی خاں کا حال اسکا سر بریدہ کیونکر پہچانا گیا۔

Marfat.com

سلامت کہتے اور خوش ہوتے۔ وہ اپنے بچوں سے زیادہ انہیں دیکھ کر خوش ہوتا۔ اور خوشی بھی بجا تھی۔ جس کے دادا (بابر ❶) کو اپنی قوم (ترک) اس تباہی کے ساتھ اس کے موروثی ملک سے نکالے۔ اور پانچ چھ پشت کی بندگی پر خاک ڈالے۔ یہ غیر قوم غیر جنس ہو کر اس محبت سے پیش آئیں۔ ان سے زیادہ عزیز کون ہوگا؟ اور وہ ان کے دیکھنے سے خوش نہ ہوگا تو کس سے ہوگا۔

اکبر نے سب کچھ کیا مگر راجپوتوں نے بھی جاں نثاری کو حد سے گزار دیا۔ سینکڑوں میں سے ایک بات ہے کہ جہانگیر نے بھی تزک میں لکھی ہے۔ اکبر نے رسوم ہند کو ابتدا میں فقط اس طرح اختیار کیا گویا غیر ملک کا تازہ میوہ ہے۔ یا نئے ملک کا نیا سنگار ہے۔ یا یہ کہ اپنے پیاروں اور پیار کرنے والوں کی ہر بات پیاری لگتی ہے۔ مگر ان باتوں نے اسے مذاہب کے عالم میں بدنام کر دیا۔ اور بد مذہبی کا داغ اس طرح دامن پر لگایا کہ آج تک بے خبر اور بے درد ملا اس کی بدنامی کا سبق دیسا ہی پڑھے جاتے ہیں۔ اس مقام پر سبب اصلی کا نہ لکھنا اور دادگر بادشاہ پر ظلم کا جاری رکھنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میرے دوستو تم نے کچھ سمجھ لیا۔ اور آئندہ سمجھو گے کہ ان علمائے زر پرست کی سینہ سیاہی اور بدنفسی نے کس قدر جلد انہیں اور ان کے ہاتھوں اسلام کو ذلیل و خوار کر دکھایا۔

حسد اور کینہ دری:

ان نااہلوں کے کاروبار دیکھ کر نیک نیت بادشاہ کو ضرور خیال ہوا ہوگا کہ حسد اور کینہ دری علمائے کتابی کا خاصا ہے۔ اچھا۔ انہیں سلام کروں اور جو بزرگ اہل باطن اور صاحبدل کہلاتے ہیں۔ ان میں ٹٹولوں۔ شاید اندر سے کچھ نکلے۔ چنانچہ اطراف ملک سے مشائخ نامدار بلائے۔ ہر ایک سے الگ الگ خلوت رہی اور بہت باتیں اور حکایتیں ہوئیں لیکن جس کو دیکھا خاکستری جامہ کے اندر خاک نہ تھا۔ مگر خوشامد۔ اور وہ خود دو چار بیگھہ مٹی کا سائل تھا۔ افسوس وہ آرزومند اس بات کا کوئی بات یا فقیرانہ کرامات۔ یا راہ خدا کا رستہ ان سے ملے۔ انہیں دیکھا تو خود اس سے مانگنے آتے تھے۔ معجزہ کہاں۔ کرامات کجا۔ باقی رہے اخلاق۔ توکل۔ خوف الٰہی۔ دردمندی۔ سخاوت۔ ہمت۔ ظاہری باتیں۔ اس سے بھی پاک صاف پایا۔ انجام یہ ہوا کہ بدگمانی خدا جانے کہاں کہاں دوڑ گئی۔

ملا صاحب ایک بزرگ ❷ کا نام لکھ کر کہتے ہیں۔ فلاں نامی صاحبدل اور مشہور مشائخ تشریف لائے۔ بڑی تعظیم سے عبادتخانہ میں اتارا انہوں نے نماز معکوس دکھائی اور سکھائی۔ اور

❶ دیکھو تمہ شاہزادگان تیموری کا حال

❷ خلیفہ شیخ عبدالعزیز دہلوی کے تھے۔ اور سرہند کے رہنے والے تھے۔

Marfat.com

بادشاہ کے ہاتھ بیچ بھی ڈالی۔ مجلس میں کوئی حرم حاملہ تھی۔ کہا کہ بیٹا ہوگا۔ وہاں بیٹی ہوئی۔ اور بہت ہی خشک اور بے نمک اور بدمزہ حرکتیں کیں۔ کہ سوا افسوس کے کچھ زبان قلم پر نہیں آتا۔

آں نہ صوفی گری و آزادیست — بلکہ کیدی گری وقلابیست

دزدی وراہ زنی بہتر ازیں — کفن از مردہ کنی بہتر ازیں

ایک شخص حسب الطلب حاضر ہوئے ❶ مگر اس طرح کہ تعمیل کی نظر سے حکم سنتے ہی خانقاہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سواری (ڈولا) پیچھے آئی۔ خود فرمان کے ادب سے پچیس تیس منزل بادشاہی پیادوں کے ساتھ پیادہ آئے۔ فتح پور میں پہنچے۔ تو ایک بزرگ ❷ کے گھر اترے اور کہلا بھیجا کہ حکم کی تعمیل کی ہے مگر میری ملاقات کسی بادشاہ کو مبارک نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے فوراً انعام و کرام کے ساتھ حکم بھیجا کہ آپ کو تکلیف کرنی کیا ضرور تھی۔ بہت سے اشخاص دور ہی دور سے کنارے کش ہو گئے۔ خدا جانے کچھ اندر تھا یا نہیں۔

ایک صاحبدل آئے۔ نہایت نامی اور عالی خاندان تھے۔ بادشاہ نے ان کی کھڑے ہو کر تعظیم بھی کی۔ نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ مگر جو کچھ پوچھا۔ انہوں نے کانوں کی طرف اشارہ کیا اور جواب دیا کہ اونچا سنتا ہوں۔ علم۔ معرفت۔ طریقت۔ شریعت جس معاملہ میں پوچھتا تھا۔ انجان اور بھولی بھالی صورت بنا کر کہتے تھے "اونچا سنتا ہوں" غرض وہ بھی رخصت ہوئے۔ جس کو دیکھا۔ یہی معلوم ہوا کہ خانقاہ یا مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ دکان داری کر رہے ہیں۔ اندر لامکان۔

کرے کعبہ میں کیا جو سر بت خانہ سے آگہ ہے — وہاں تو کوئی صورت بھی۔ یہاں اللہ ہی اللہ ہے

بعضے شیطان طینتوں نے کہا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اختلاف مذاہب جو سلف سے چلا آتا ہے۔ ان کا دفع کرنے والا آئیگا۔ اور سب کو ایک کر دے گا۔ وہ اب آپ پیدا ہوئے ہیں۔ بعض نے کتب قدیم کے اشاروں سے ثابت کر دیا کہ ۹۹۰ھ میں اس کا ثبوت نکلتا ہے۔

ایک عالم کعبۃ اللہ سے شریف مکہ کا رسالہ لیکر تشریف لائے۔ اس میں اتنی بات کو پھیلایا تھا کہ دنیا کی ۷ ہزار برس کی عمر ہے۔ وہ ہو چکی۔ اب حضرت امام مہدی کے ظہور کا وقت ہے۔ سو آپ ہیں۔

قاضی عبدالسمیع میانکالی قاضی القضاۃ تھے ان کا خاندان تمام ماوراء النہر میں عظمت اور برکت

---

❶ شیخ متقی افغان پنجاب سے تشریف لے گئے۔

❷ شیخ جمال بختیاری۔

Marfat.com

سے نامور تھا۔ مگر یہاں یہ عالم تھا کہ بازی لگا کر شطرنج کھیلنا وظیفہ تھا۔ جلسہ میخواری ایک عالم تھا۔ جس کے وہ آفریدگار تھے۔ رشوت نذرانہ تھا جس کا لینا مثل ادائے نماز فرض عین تھا۔ تمسکوں میں سود پر حسب الحکم لکھتے تھے اور وصول کر لیتے تھے۔ حیلہ شرعی بھی ضرور چاہئے) قاسم خاں فوجی نے کچھ اشعار لکھ کران کے احوال وافعال کی تصویر کھینچی تھی۔ ایک شعراس کا یاد ہے۔

پیرے زقبیلہ معزز ریشے چوگل سفید یک گز

نیک نیت بے علم بادشاہ طالب خیر اور جویائے حق تھا۔ ایسی ایسی باتوں نے اس کے عقل وہوش پریشان کر دیئے۔

لا الہ الا اللہ بگرفتہ بہ طامات الف لامے چند پوشیدہ مرقع اندریں خامے چند
بدنام کنندہ نکونامے چند نارفتہ رہ صدق وصفاگامے چند

آتش پرست:

پارسی نوساری علاقہ گجرات دکن سے آئے۔ وہ دین زردشت کی کتابیں بھی لائے۔ ملک دل کا بادشاہ ان سے بہت خوش ہو کر ملا۔ شاہان کیانی کی رسم ورواج۔ آگ کی عظمت کے آئین۔ اور اس کی اصطلاحیں معلوم کیں۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ آتشکدہ محل کے پاس بنوایا۔ حکم تھا۔ ایک دم آگ بجھنے نہ پائے کہ آیات عظیمہ الٰہی اور اس کے نوروں میں سے ایک نور ہے۔ ۲۵ جلوس میں بے تکلف آگ کو سجدہ کیا۔ جب چراغ یا شمع روشن ہوتی۔ مصاحبان مقربین تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اہتمام اس کا شیخ ابوالفضل کے سپرد ہوا۔ آزاد۔ پارسیان مذکور کو نوساری میں چار سو بیگھہ زمین جاگیر دی۔ اب تک ان کے قبضے میں چلی آتی ہے۔ اکبری اور جہانگیری سندیں ان کے پاس موجود ہیں۔ میں نے سیاحت بمبئی میں وہ کاغذات بچشم خود دیکھے ہیں۔

اہل فرنگ کا آنا اور ان کی خاطرداری

اکبر اگرچہ علوم وفنون کی کتابیں نہ پڑھا تھا۔ مگر اہل علم سے زیادہ علوم وفنون اور شائستگی اور تہذیب کا عاشق تھا۔ اور ہمیشہ ایجاد واختراع کے رستے ڈھونڈتا تھا۔ اس کی دلی آرزو یہ تھی کہ جس طرح فتوحات ملکی۔ اور شجاعت وسخاوت میں نامور ہوں۔ اور میرا ملک قدرتی پیداوار اور زرخیزی میں باغ زرریز ہے۔ اسی طرح علوم وفنون میں نامور ہو۔ وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ علم وکمال کے آفتاب نے یورپ میں صبح کی ہے۔ اس لئے اس ملک کے باکمالوں کی تلاش رکھتا تھا۔ یہ امر قانون قدرت

Marfat.com

میں داخل ہے کہ جو ڈھونڈے گا سو پائے گا۔ سامان اس کے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے چند اتفاق لکھتا ہوں۔

ابراہیم حسین مرزا کی بغاوت:

۹۷۹ھ میں ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کر کے قلعہ بندر سورت پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہی لشکر نے جا کر گھیرا۔ اور خود اکبر بھی یلغار کر کے پہنچا۔ سوداگران فرنگ کے جہاز ان دنوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ مرزا نے انہیں لکھا کہ اگر تم آؤ۔ اور اس وقت میں میری مدد کرو تو قلعہ تمہیں دے دوں گا۔ وہ لوگ آئے۔ مگر بڑی حکمت سے آئے۔ یعنی بہت سے عجائب وغرائب تحفے مختلف ممالک کے ساتھ لیتے آئے۔ جب لڑائی کے پلے پر پہنچے تو دیکھا کہ سامنے کا وزن بھاری ہے۔ مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ جھٹ رنگ بدل کر ایلچی بن گئے۔ اور کہا کہ ہم تو اپنی سلطنت کی سفارت پر آئے ہیں۔ دربار میں پہنچ کر تحفے تحائف گزارنے اور خلعت وانعام کے ساتھ مراسلہ کا جواب لیکر رخصت ہوئے۔

اکبر کی ایجاد پسند طبیعت:

اکبر کی ایجاد پسند طبیعت اپنے کام سے کبھی نچلی نہ رہتی تھی۔ جس طرح اب بمبئی اور کلکتہ ہے ان دنوں اکثر ممالک یورپ اور ایشیا کے جہازوں کیلئے گووا اور سورت بندرگاہ تھے۔ معرکہ مذکور کے کئی برس بعد اس نے حاجی حبیب اللہ کاشی کو زر کثیر دیکر روانہ کیا۔ صنعتوں کے ماہر اور ہر فن کے مصر ساتھ کئے کہ بندرگاہ گووا میں جا کر مقام کرو اور وہاں سے عجائب ونفائس دیار فرنگ کے لاؤ اور جو صنعت گر اور دستکار ممالک مذکورہ کے وہاں سے آسکیں۔ انہیں بھی ساتھ لاؤ۔ وہ ۹۸۴ھ میں وہاں سے پھرے۔ تحائف وعجائب کے علاوہ جماعت کثیر اہل کمال کی ساتھ لائے۔ جس وقت شہر میں داخل ہوئے تو عجائبات کی برات بن گئی۔ انبوہ کثیر جوان وپیر کا ساتھ تھا۔ بیچ میں بہت سے اہل فرنگ اپنا ملکی لباس پہنے۔ اور اپنے قانون موسیقی کے بموجب فرنگی باجے بجاتے شہر میں داخل اور دربار میں حاضر ہوئے۔ انہی کے نوادر وغرائب میں اول ارغنوں (آرگن) ہندوستان میں آیا۔ وقت کے مورخ لکھتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس باجے کو دیکھ کر عقل حیران اور ہوش سرگردان ہے۔

دانایان مذکور نے دربار اکبری میں جو اعزاز پائے ہونگے۔ بادبانوں نے اڑا کر یورپ کے ملک ملک میں پہنچائے ہوں گے۔ اور جابجا امیدوں کے دریا لہرائے ہونگے۔ کسی موج نے بندر ہگلی کے کنارے پر بھی ٹکر کھائی ہوگی۔ امرا کی کارگزاری جدھر بادشاہ کا شوق دیکھتی ہے ادھر پسینہ ٹپکاتی

Marfat.com

ہے چنانچہ ۲۳ جلوس میں شیخ ابوالفضل اکبر نامہ میں ۹۸۶ھ لکھتے ہیں کہ خان جہاں حسین قلی خاں نے کوچ بہار کے راجہ سے اطاعت نامہ اور تحائف ونفائس اس ملک کے لیکر دربار میں بھیجے تاب بارسو تاجر فرنگ بھی حاضر دربار ہوئے۔ اور باسو بارن تو بادشاہ کے حسن اخلاق اور اوصاف طبع کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اکبر نے بھی ان پر درستی عقل اور شائستگی حال کا صاد کیا۔

پادری فریتبون کا دربار میں حاضر ہونا:

۳۵ جلوس میں لکھتے ہیں۔ پادری فریتون بندر گووا سے اتر کر حاضر دربار ہوئے۔ بہت سے عقلی اور نقلی مطالب سے آگاہ تھے۔ شہزادگان تیز ہوش کو ان کا شاگرد کیا کہ یونانی کتابوں کے ترجمہ کا سامان فراہم اور ہر رنگ کی باتوں سے آگاہی حاصل ہو۔ پادری موصوف کے علاوہ ایک گروہ انبوہ فرنگی۔ ارمنی۔ حبشی وغیرہ کا تھا کہ ممالک مذکور کی عمدہ اجناس لایا تھا۔ بادشاہ دیر تک سیر دیکھتے رہے۔

۴۰ ج میں پھر ایک قافلہ بندر مذکور سے آیا۔ اشیائے عجیب واجناس غریب لایا۔ ان میں چند دانشور صاحب ریاضت مذہب نصارے کے تھے کہ پہادری کہلاتے تھے۔ نوازش بادشاہی سے کامیاب ہوئے۔ دیکھو اقبال نامہ ۱۰۰۳ھ

ملا صاحب فرماتے ہیں کہ پاپا یعنی پادری آئے۔ ملک افرنجہ کے دانایان مرتاض کو پادھری کہتے ہیں اور مجتہد کامل کو پاپا۔ وہ مصلحت وقت کی رعایت سے احکام کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور بادشاہ بھی اس کے حکم سے عدول نہیں کر سکتا۔ وہ انجیل لائے اور ثالث ثلثہ پر دلائل پیش کر کے نصرانیت کا اثبات کیا اور ملت عیسوی کو رواج دیا۔ ان کی بڑی خاطریں ہوئیں۔ بادشاہ اکبر دربار میں بلاتا تھا اور دینی حالات اور دنیاوی معاملات میں گفتگوئیں سنتا تھا۔ ان سے توریت وانجیل کے ترجمے کرنے چاہے اور کام بھی شروع ہوا مگر ناتمام رہا اور شاہزادہ مراد کو ان کا شاگرد بھی کیا۔ (ایک اور جگہ کہتے ہیں) جب تک یہ لوگ رہے ان کے حال پر بہت توجہ رہی۔ وہ اپنی عبادت کے وقت ناقوس بجاتے تھے اور باجوں سے نغمہ سرائی کرتے تھے اور بادشاہ سنتا تھا۔ آزاد۔ معلوم نہیں کہ جو زبان شہزادے سیکھتے تھے وہ رومی تھی یا عبرانی تھی۔ ملا صاحب اگرچہ سنہ نہیں لکھتے مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کی شاگردی کا تعلق بھی پادری فریتون سے تھا۔ شاید وہ اپنی یونانی زبان سکھاتے ہونگے۔ جس کا ابو الفضل کے بیان سے اشارہ پایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہماری کتابوں میں سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس وقت کون کون سی کتابیں ان لوگوں کی معرفت ترجمہ ہوئیں۔ البتہ ایک کتاب میں خلیفہ سید محمد حسن صاحب کے کتب خانہ میں دیکھی کہ زبان لاطینی (رومی) سے اسی عہد میں ترجمہ ہوئی تھی۔

Marfat.com

شیخ قطاب الدین جالیسری:

ملا صاحب لکھتے ہیں ایک موقع پر شیخ قطاب الدین جالیسری کو کہ مجذوب خراباتی تھے۔لوگوں نے پادریوں کے مقابلے میں مباحثے کے لئے پیش کیا۔فقیر مذکور میدان مباحثہ میں جوش وخروش سے صف آرا ہوئے۔کہا کہ ایک بڑا ڈھیر آگ کا دہکاؤ۔جس کو دعوئی ہو میرے ساتھ آگ میں کود پڑے۔جو صحیح سلامت نکل آئے وہ حق پر ہے۔آگ دہکا کر تیار کی۔انہوں نے ایک پاپا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ہاں بسم اللہ۔پاپا پاؤں نے کہا کہ یہ بات خلاف عقل ہے۔اور اکبر کو بھی یہ حرکت ناگوار گزری۔آزاد۔بے شک ایسی بات کہنی گویا اقرار ہے اس بات کا کہ ہمارے پاس دلیل عقلی نہیں۔اور نہ مہمانوں کا دل آزردہ کرنا نہ شریعت میں درست ہے نہ طریقت میں۔

تبت اور خطا کے لوگوں سے وہاں کے حالات سنتا تھا۔جین مت کے لوگوں سے بودھ دھرم کی کتابیں سنا کرتا تھا۔ہندوؤں میں بھی صدہا فرقہ ہیں اور سینکڑوں ہی کتابیں ہیں۔وہ سب کو سنتا تھا۔اور ان پر گفتگوئیں کرتا تھا۔

لطیفہ:

چند مسلمانوں بلکہ شیطانوں نے ایک فرقہ پیدا کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات وطاعات سب چھوڑ دیئے۔ناچ رنگ شراب کباب کو شغل لازمی اختیار کیا۔علمائے بلاکر ہدایت کی کہ اعمال ناشائستہ سے توبہ کرو۔جواب دیا کہ پہلے توبہ کرلی ہے۔جب یہ اختیار کیا ہے۔

انہیں دنوں میں اکثر سلسلوں کے مشائخ بھی حکومت سے اخراج کے لئے انتخاب ہوئے تھے۔چنانچہ ان بے سلسلہ اور ان باسلسلہ اشخاص کو ایک قندھاری کاروان کے سلسلے میں رواں کردیا۔کارواں باشی کو کہا کہ انہیں وہاں چھوڑ آؤ۔کاروان مذکور قندھار سے ولایتی گھوڑے لے آیا کہ کار آمد تھے۔انہیں چھوڑ آیا کہ نکمے تھے۔بلکہ کام بگاڑنے والے۔جب زمانہ بدلتا ہے تو ایسے ہی مبادلے کیا کرتا ہے۔تین سو برس بعد استاد مرحوم نے اس انگوٹھی پر نگینہ جڑا ہے۔

عجب نہ تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم تیمّم آب سے اور خاک سے وضو کرتے

خلاصہ مطالب مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ مختلف اور متفرق معلومات کا ذخیرہ ایک ایسے بے تعلیم دماغ میں بھرا۔جن پر ابتدا سے اب تک کبھی اصول وقواعد کا عکس بھی نہ پڑا تھا۔سمجھ لو کہ اس کے خیالات کا کیا حال ہوگا۔اتنا ضرور ہے کہ اس کی نیت بدی اور بدخواہی پر نہ تھی۔اسے یہ بھی خیال تھا کہ کل مذہبوں کے بانی نیک نیتی سے لوگوں کو حق پرستی اور نیک راہ پر لایا چاہتے تھے۔اور انہوں نے

Marfat.com

اپنے اصول عقائد اور احکام و مسائل اپنے فہم اور اپنے عہد کے بموجب نیکی واخلاق اور تہذیب وشائستگی کی بنیاد پر رکھے تھے اسے یہ بھی یقین تھا کہ ہر مذہب میں حق پرست اور صاحب معرفت لوگ ہوئے ہیں۔ نیک نیت بادشاہ جو سب سے اعلیٰ رتبے کی بات سمجھتا تھا۔ وہ یہ تھی کہ پروردگار رب العالمین ہے۔ اور قادر مطلق ہے۔ اگر سارا حق ایک ہی مذہب کے حجرے میں بند ہوتا اور وہی خدا کو پسند ہوتا تو اسی کو دنیا میں رکھتا۔ باقی سب کو نیست و نابود کر دیتا۔ لیکن جب ایسا نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک مذہب نہیں۔ سب اسی کے مذہب ہیں۔ بادشاہ سایہ خدا ہے اسے بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ سب مذہب میرے ہیں۔ استاد مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنی سب سے راہ ہے اور سب سے یاد اللہ ہے ہم کو کیا یاں راہ پر ہے کوئی یا گمراہ ہے

اسی واسطے اسے اس بات کا شوق نہ تھا کہ سارا جہاں مسلمان ہو جائے۔ اور مسلمان کے سوا دوسرا آدمی نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس کے دربار میں بہت سے مقدمے اس جھگڑے کے دائر ہوئے بلکہ ایک مقدمے نے ایسا طول کھینچا کہ شیخ صدر کی بنیاد اکھڑ گئی۔

از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است در حیرتم کہ دشمنیٔ کفر و دیں چرا است

ہندو ہر وقت پہلو سے لگے تھے۔ ان سے ہر ایک بات پوچھنے کا موقع تھا۔ وہ بھی مدتوں سے دعائیں کر رہے تھے۔ کہ کوئی پوچھنے والا پیدا ہو۔ شوق تحقیق کو ان کی طرف جھکنے کا زیادہ موقع ملے۔

طالب تحقیق بادشاہ:

طالب تحقیق بادشاہ پر گھوتم برہمن کو (ابتدا میں سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ لکھوایا کرتا تھا) بلا کر تحقیقاتیں کرتا تھا۔ ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ایک بالا خانہ خوابگاہ کہلاتا تھا۔ آپ اس کی کھڑکی میں بیٹھتے تھے۔ خلوت میں دیوی برہمن کو (جو مہابھارت کا ترجمہ کرواتا تھا) چارپائی پر بٹھاتے تھے اور رسیاں ڈال کر اوپر کھینچ لیتے تھے۔ وہ بیچ ہوا میں ہوتا تھا۔ کہ نہ زمین پر ہو نہ آسمان پر۔ اس سے آگ کے سورج کے۔ اور ہر ایک ستارہ کے۔ اور ہر ایک دیوی، دیوتا، برمھا، مادیو، بشن، کرشن، رام، مہامائی وغیرہ کی پوجا کے طریقے اور ان کے منتر سیکھتے تھے۔ اور ان کے مسائل اور افسانوں کو بڑے شوق سے سنتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی ساری کتابیں ترجمہ ہو جائیں۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ۳۰ جلوس کے بعد زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا۔ کیونکہ بعض دین فروش ملا بھی شامل ہو کر ان کے ساتھ ہمداستان ہو گئے۔ نبوت میں کلام۔ وحی میں سکوت ہونے لگے۔ معجزے کرامت۔ جن، پری، ملائک جو آنکھ سے غائب اس کا انکار۔ قرآن کا تواتر۔ اس کا کلام

Marfat.com

الٰہی ہونا۔ سب باتوں کے لئے ثبوت طلب۔

تناسخ پر رسالے لکھے گئے۔ اور قرار یہ پایا کہ اگر مرنے کے بعد ثواب یا عذاب ہے تو تناسخ ہی سے ہوسکتا ہے اس کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں۔ ایک فقرہ کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے ما من مذھب الا و فیہ قدم راسخ للتناسخ اتنی بات کو بڑھا کر بہت سے پھیلاوے پھیلائے۔ ارباب زمانہ اس قسم کے اشعار پڑھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

درحقیقت بدست کورے چند | مصحفے ماند و کہنہ گورے چند
گور باکس سخن نمے گوید | سر قراں کسے نمے جوید

لطیفہ:

خان اعظم جب کعبۃ اللہ سے پھرے تو جہان کو دیکھ کر ذرا عقل آگئی تھی۔ ڈاڑھی بڑھائی اور درگاہ اکبری میں چڑھائی۔

گر ابکے پھرے جیتے وہ کعبہ کے سفر سے | تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

سبحان اللہ۔ وہی خان اعظم۔ جن سے ڈاڑھی کے طول پر کیا کیا طویل کلام ہوئے۔ دیکھو خان موصوف کا حال۔ ۹۹۰ھ میں ایک مہم پر سے فتح یاب آئے۔ بادشاہ خوشی خوشی باتیں کر رہے تھے۔ اسی کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے تناسخ کے لئے دلائل قطعی پیدا کیے ہیں۔ شیخ ابو الفضل تمہیں سمجھائیں گے۔ تم قبول کرو گے۔ تسلیم کے سوا کیا جواب تھا۔

ایک بڑے (1) خاندانی مشائخ تھے۔ دیوی برہمن کو خوابگاہ پر جاتے ہوئے دیکھ کر انہیں بھی شوق پیدا ہوا اور مکر و حیلہ کی کمند پھینک کر خوابگاہ پر پہنچنے لگے۔ بہت مقاصد قرآن کے اور مطالب پر ان کے ملا کر ایک کر دیئے۔ وحدت وجود کی بنیاد رکھ کر ہمہ اوست کا منارہ بلند کیا اور فرعون کو بھی مومن ثابت کر کے کسی کو ایمان سے محروم نہ رکھا بلکہ منقوش خاطر کر دیا کہ مغفرت کی امید ہمیشہ خوف عذاب پر غالب ہے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ انسان کامل جو پہلے پیغمبر تھے وہ اب خلیفۃ الزمان ہے۔ اور وہی عین واجب ہے۔ کم سے کم اس کا پرتو تو ضرور ہے۔ پس قبلہ مرادات اور کعبہ حاجات وہی ہے۔

(1) ملا صاحب فرماتے ہیں شیخ تاج الدین ولد زکریا اجودھنی دہلوی تھے۔ اجودھن اب پاک پٹن کہلاتا ہے اور اکثر اشخاص شیخ زکریا موصوف کو تاج العارفین کہتے ہیں۔ یہ حضرت شیخ مان پانی پتی کے شاگرد تھے۔ شیخ مان پانی پتی وہ شخص تھے کہ لوائح پر شرح لکھی تھی اور نزہت الارواح پر بھی موٹی شرح تحریر فرمائی تھی اور تصوف میں ایسی ایسی یادگار چھوڑی تھیں کہ علم توحید کے دوسرے محی الدین عربی تھے۔

Marfat.com

سجدہ اس کے لئے جائز ہے کہ فلاں فلاں پیروں کو ان کے مرید کیا کرتے تھے۔ شیخ یعقوب کشمیری نے (کہ اپنی مشہور تصنیفوں سے مرشد اور مقتدائے وقت مشہور تھے) اس معاملہ میں بعض تمہید ین عین القضات ہمدانی سے نقل کیں اور ایسی ایسی بہت سی گمراہیاں پھیلائیں۔

ملا صاحب خفا ہو کر کہتے ہیں۔ بیربر نے یہ روشنی ڈالی کہ آفتاب ذات الٰہی کا مظہر کامل ہے۔ سبزہ کا اگانا۔ غلوں کا لانا۔ پھولوں کا کھلانا۔ پھلوں کا پھلانا۔ عالم کا اجالا۔ اہل عالم کی زندگی اسی سے وابستہ ہے۔ اس لئے تعظیم اور عبادت کے لائق ہے۔ اس کے طلوع کی طرف رخ کرنا چاہئے نہ کہ غروب کی طرف۔ اسی طرح آگ، پانی، پتھر اور پیپل کے ساتھ سب درخت مظاہر الٰہی ہو گئے۔ یہاں تک کہ گائے اور گوبر بھی مظاہر الٰہی ہوئے۔ ساتھ اس کے تلک اور جنیو کو بھی جلوہ دیا۔ مزا یہ کہ علما و فضلا اور مصاحبان خاص نے اس کی تقویت کی اور کہا کہ فی الحقیقت آفتاب نیر اعظم۔ اور عطیہ بخش تمام عالم۔ اور مربی بادشاہوں کا ہے۔ اور جو با اقبال بادشاہ ہوئے ہیں وہ اس کی عظمت کو رواج دیتے رہے ہیں۔ اس قسم کی رسمیں ہمایوں کے عہد میں بھی جاری تھیں۔ کیونکہ چنگیزی ترکوں کا تورہ تھا۔ وہ قدیم سے نوروز کو عید مناتے تھے۔ اور خوان یغما لگا کر لوٹتے لٹاتے تھے۔ اسلام میں بھی ہر بادشاہ نے کہیں کم کہیں زیادہ اسے عید کا دن سمجھا ہے۔ اور فی الحقیقت جس دن سے اکبر تخت پر بیٹھا تھا۔ اس مبارک دن کو عالم کی عید سمجھ کر جشن کرتا تھا۔ اس کے رنگ کے موافق سارا دربار رنگین ہوتا تھا۔ ہاں اب وہ ہندوستان میں تھا۔ اس لئے ہندوستان کی ریت رسمیں بھی برت لیتا تھا۔

برہمنوں سے تسخیر آفتاب کا منتر سیکھنا:

برہمنوں سے تسخیر آفتاب کا منتر سیکھا کہ نکلتے وقت اور آدھی رات کو اسے جپا کرتا تھا۔ دیپ چند راجہ مجہولہ نے ایک جلسہ میں کہا۔ کہ حضور اگر گائے خدا کے نزدیک واجب التعظیم نہ ہوتی تو قرآن میں سب سے پہلے اس کا سورہ کیوں ہوتا۔ اس کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور تاکید سے کہہ دیا کہ جو مارے گا۔ مارا جائیگا۔ حکما طب کی کتابیں لے کر تائید کو حاضر ہوئے کہ اس کے گوشت سے رنگا رنگ کے مرض پیدا ہوتے ہیں۔ ردی اور دیر ہضم ہے۔ آزاد۔ ملا صاحب اس کی باتوں کو جس طرح چاہیں بدرنگ کر کے دکھائیں۔ وہ حقیقت میں اسلام کا منکر بھی نہ تھا۔ چنانچہ میر ابو تراب میر حاج ہو کر مکہ کو گئے تھے وہ ۹۸۷ھ میں پھر کر آئے۔ اور ایک ایسا بھاری پتھر لائے کہ ہاتھی سے بھی نہ اٹھے۔ جب قریب پہنچے تو لکھا کہ فیروز شاہ کے عہد میں قدم شریف آیا تھا۔ حضور کے عہد مقدس میں فدوی یہ پتھر لایا ہے۔ اکبر سمجھ گیا تھا کہ سید سادہ لوح نے سوداگری کی ہے۔ مگر اس لئے کہ خاص و عام میں اس

Marfat.com

بیچارے کی ہنسی نہ ہو۔اور جولوگ مجھے انکار نبوت کی تہمتیں لگاتے ہیں۔ان کے دانت ٹوٹ جائیں۔ اس لئے حکم دیا کہ آداب الٰہی کے ساتھ دربار آراستہ ہو۔سید موصوف کو فرمان پہنچا کہ چار کوس پر توقف کرو۔شہزادوں اور تمام امیروں کولیکر پیشوائی کو گئے دور سے پیادہ ہوئے۔نہایت ادب اور عجز و نیاز سے خود اسے کندھا دیا۔اور چند قدم چل کر فرمایا کہ امرائے خوش اعتقاد اسی طرح دربار تک لائیں۔اور پھر میرہی کے گھر پر رکھا جائے۔

اکبر کے دین الٰہی کی ابتداء:

ملا صاحب کہتے ہیں کہ ۹۸۷ھ میں قیامت آ گئی اور یہ موقع وہ تھا کہ سب طرف سے خاطر جمع ہوگئی تھی۔تجویز ہوئی کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ کہا کریں۔پھر بھی لوگوں کے شور شرابے کا خیال تھا۔اسی لئے کہتے تھے۔کہ باہر نہیں۔محل میں کہا کرو۔عوام کالانعام کی زبانوں پر اللہ اکبر کے سوا وظیفہ نہ تھا۔اکثر اشخاص سلام علیک کی جگہ اللہ اکبر۔جواب میں جل جلالہ کہتے تھے۔ہزاروں روپے اب تک موجود ہیں۔جن کے دونوں طرف یہی سکہ منقوش ہے۔گوکہ جاں نثار اور باوفا۔با اعتبار گنے جاتے تھے مگر صلاح ہوئی کہ پہلے ان میں سے کوئی ابتدا کرے۔چنانچہ قطب الدین خاں کوکہ کو مذہب تقلیدی چھوڑنے کے لئے اشارہ ہوا۔وہ سیدھا سپاہی تھا۔اس نے خیر اندیشی و دلسوزی کے رنگ میں ظاہر کیا کہ ولایتوں کے بادشاہ یعنی سلطان روم وغیرہ سن کر کیا کہیں گے۔سب کا یہی دین ہے۔خواہ تقلیدی ہے خواہ نہیں ہے۔بادشاہ نے بگڑ کر کہا۔ہاں تو سلطان روم کی طرف سے غائبانہ لڑتا ہے۔اپنے لئے جگہ پیدا کرتا ہے کہ یہاں سے جائے تو وہاں عزت پائے۔جا دہیں چلا جا۔شہباز خاں کمبوہ نے بھی تیز و تند سوال جواب کئے۔بیربر موقع تاک کر کچھ بولے۔انہیں تو اس نے اس سختی سے دھمکایا کہ صحبت بدمزہ ہوگئی۔اور امرا آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔بادشاہ نے شہباز خاں کو خصوصاً اور اوروں کو عموماً کہا کیا بکتے ہو۔تمہارے منہ پر گو میں جوتیاں بھر کر لگواؤں گا۔ملا شیری نے اس عالم میں ایک قصیدہ کہا کہ اس کے چند اشعار ان کے حال میں لکھتے ہیں۔

ترک مال۔ترک جان۔ترک ناموس:

انہی دنوں میں قرار پایا کہ جو شخص دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہو۔چاہئے کہ اخلاص چارگانہ رکھتا ہو۔ترک مال۔ترک جان۔ترک ناموس۔ترک دین۔ان میں سے جو چاروں رکھتا ہے وہ پورا ہے۔ورنہ پون، آدھا، چوتھائی، جیسا ہوگا ویسا اس کا اخلاص ہوگا۔سب مخلص مرید درگاہ ہو گئے کہ ان کا دین۔دین الٰہی اکبر شاہی تھا۔ہدایت اور ترویج مذہب اور تعلیم مسائل کے لئے خلیفہ بھی تھے۔ان

Marfat.com

میں سے خلیفہ اول شیخ ابوالفضل تھے۔ جو شخص دین الٰہی میں آتا تھا۔ وہ اقرار نامہ لکھ کر دیتا تھا۔ اس کا انداز یہ تھا۔ منکہ فلاں ابن فلاں باشم۔ بطوع ورغبت وشوق قلبی از دین اسلام مجازی وتقلیدی کہ از پدراں دیدہ وشنیدہ بودم۔ ابراوتبرا نمودم۔ وددر دین الٰہی اکبر شاہی درآمدم۔ ومراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال وجان وناموس ودین باشد قبول نمودم۔ اس دین میں بڑے بڑے عالیشان امیر اور صاحب ملک فرمانروا داخل ہوتے تھے۔ چنانچہ مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ بھی حلقہ ارادت میں آیا۔ خطوط مذکورہ ابوالفضل کے سپرد ہوتے تھے کہ جس جس کا جیسا اعتقاد ہو نمبروار ترتیب دے رکھو۔ شیخ موصوف مجتہد اور خلیفہ دین الٰہی کے تھے۔ اس طریقے کا نام توحید الٰہی اکبر شاہی تھا۔

جو امراء دین الٰہی میں شامل ہوئے:

امرا میں سے جو اشخاص دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے ان کی تفصیل کتابوں کے انتخاب سے حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ ابوالفضل خلیفہ	۱۰۔ صدر جہاں مفتی کل ممالک ہندوستان
۲۔ فیضی ملک الشعرائے دربار	۱۱۔ ان کے دونوں صاحبزادے
۳۔ شیخ مبارک ناگوری	۱۲۔ ان کے دونوں صاحبزادے
۴۔ جعفر بیگ آصف خاں مورخ اور شاعر	۱۳۔ میر شریف املی
۵۔ قاسم کابلی شاعر	۱۴۔ سلطان خواجہ صدر
۶۔ عبدالصمد مصور دربار اور شاعر	۱۵۔ مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ
۷۔ اعظم خاں کوکہ مکہ سے آکر	۱۶۔ نقی شوستری شاعر و دو صدی منصبدار
۸۔ ملا شاہ محمد شاہ آبادی مورخ	۱۷۔ شیخ زادہ گوسالہ بنارسی
۹۔ صوفی احمد	۱۸۔ بیربر

اسی سلسلہ میں ملا صاحب کہتے ہیں ایک دن جلسہ مصاحبت میں کہا کہ آج کے زمانہ میں بڑا عقلمند کون ہے۔ بادشاہوں کو مستثنیٰ کرو اور بتاؤ۔ حکیم ہمام نے کہا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ میں عقلمند ہوں۔ ابوالفضل نے کہا۔ میرا باپ بڑا عقلمند ہے۔ اس قسم کے کلمات سے ہر شخص نے اپنی عقلمندی ظاہر کی۔

اکبر کی تاریخ میں یہ آئین آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ باوجود ان سب باتوں کے اس سال میں اس نے صاف حکم دے دیا کہ ہندوؤں کا جزیہ معاف کیا جائے۔ اور یہ کئی کروڑ

Marfat.com

روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔

معافی جزیہ

پہلے بھی بعض بعض بادشاہ ہندوؤں سے جزیہ لیتے رہے تھے۔ سلطنت کے انقلابوں میں کبھی موقوف ہو جاتا تھا۔ کبھی مقرر ہو جاتا تھا۔ جب اکبر کی سلطنت نے استقلال پکڑا تو ملانوں نے پھر یاد دلایا۔ چنانچہ ملا صاحب سنوں کے خلط ملط میں لکھتے ہیں۔ ''انہی دنوں میں شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو فرمایا کہ تحقیق کر کے ہندوؤں پر جزیہ لگاؤ۔ مگر پانی پر تحریر ہوا تھا۔ جھٹ مٹ گیا۔'' پھر ۹۸۷ ھ میں چوٹ کرتے ہیں۔ ''تمغا یعنی محصول اور جزیہ کوئی کروڑ کی آمدنی تھی۔ اس سال میں موقوف کر دیا۔ اور تاکید کے ساتھ فرمان جاری ہوئے۔'' وہ اس تحریر سے لوگوں کے دلوں پر یہ تو ڈالتے ہیں کہ دین کی بے پروائی بلکہ اسلام کی دشمنی نے اس کے دل میں حرارت دینی کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اب حقیقت حال سنو کہ اول سنہ یکم جلوس میں اکبر کو معافی جزیہ کا خیال آیا تھا۔ نوجوانوں کا عالم تھا۔ کچھ بے پروائی۔ کچھ بے اختیاری حکم جاری نہ ہوا۔ ۹ جلوس میں پھر اس مقدمہ پر بحث ہوئی۔ علمائے دیندار کا زور پورا پورا تھا۔ اس لئے قیل وقال ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ شریعت اسلام کا حکم ہے ضرور لینا چاہئے۔ چنانچہ کہیں اس پر عمل ہوا۔ کہیں نہ ہوا۔ ۹۸۸ ھ ۲۵ جلوس میں بادشاہ صلاح اندیش پھر اس عزم پر مستقل ہوا۔ اور کہا کہ عہد سلف میں جو یہ امر تجویز کیا گیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے اپنے مخالفوں کے قتل اور غارت کو مصلحت سمجھا تھا۔ چنانچہ اس نظر سے کہ ظاہری انتظام قائم رہے۔ یعنی جو ہاتھ کے نیچے ہیں۔ وہ دبے رہیں۔ جو باہر ہیں ان پر دباؤ پہنچے۔ اور اپنی ضروریات کے لئے سامان ہاتھ آئے کچھ روپیہ قرار دیا اور اس کا نام جزیہ رکھا۔ اب کہ ہماری خیراندیشی اور کرم بخشی اور مرحمت عام سے غیر مذہب اشخاص یک جہتان ہمدین کی طرح کمر باندھ کر رفاقت پر جان دیتے ہیں۔ اور خیرخواہی اور جاں فشانی میں جان نثاری کی حد سے گزر گئے ہیں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اہل خلاف سمجھ کر انہیں بے عزت اور قتل وغارت کیا جائے اور ان جاں نثاروں کو مخالف قیاس کیا جائے۔ ان لوگوں پر کہ جن کی پہلی نسلوں میں اور ہماری اصلوں میں عداوتیں چلی آتی تھی۔ دبے ہوئے خون جو خدا جانے کس طرح خاک پر گرے تھے مگر اب ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔ انہیں دمبدم جگانا اور گرمانا کیا ضرور ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ بڑا سبب جزیہ لینے کے لئے یہ تھا کہ سلطنتوں کے منتظم اور معاون سامان اور اسباب دینوی کے محتاج تھے۔ اس ذریعے سے معاش میں وسعت پیدا کرتے تھے۔ اب ہزاروں

Marfat.com

ہزار زر نقد خزانہ میں موجود ہے۔ بلکہ آستانہ اقبال کے ایک ایک ملازم کو بے ضرورتی سے بڑھ کر فارغ البالی حاصل ہے۔ پھر منصف دانا کوڑی کوڑی چننے کے لئے کیوں نیت بگاڑے۔ اور نہیں چاہئے کہ موہوم فائدہ کے لئے نقد نقصان پر تیار ہو بیٹھے۔ آزاد۔ اگرچہ دینے والوں کو پیسے۔ آنے یا کچھ روپے دینے پڑتے تھے۔ مگر فرمان جاری ہوتے ہی گھر گھر خبر پہنچ گئی۔ اور زبان زبان پر شکرانے جاری ہو گئے۔ ذرا سی بات نے دلوں اور جانوں کو مول لے لیا۔ یہ بات ہزاروں خون بہانے اور لاکھوں لونڈی یا غلام بنانے سے نہ حاصل ہوتی۔ ہاں مسجد نشین ملا نے جنہوں نے مسجدوں میں بیٹھ کر پیٹ پالے اور کتابوں کے لفظ یاد کر لئے تھے۔ ان کے کان میں آواز گئی کہ آتا ہوا روپیہ بند ہوا۔ جان تڑپ گئی ایمان لوٹ گئے۔

لطیفہ:

ایک جلسہ میں کوئی ملانے صاحب بھی آ گئے۔ گفتگو یہ تھی کہ مولویوں کو (سیاق) حساب میں لیاقت کم ہوتی ہے۔ ملانے صاحب الجھ پڑے۔ ایک شخص نے کہا۔ اچھا بتاؤ۔ دو اور دو کے؟ ملا گھبرا کر بولے چار روٹیاں۔ پناہ بخدا۔ یہ مسجدوں کے فرمانروا۔ دن کا کھانا دو پہر ڈھلے۔ اور رات کا کھانا آدھی بجے کھاتے ہیں کہ شاید کوئی اچھی چیز آ جائے۔ اور اچھی چیز آ جائے۔ اور اس سے بھی اچھی چیز آ جائے۔ اور شاید کوئی بلانے ہی آ جائے۔ آدھی بجے رات سے گھڑیاں گنتے ہیں اور بیٹھے رہتے ہیں۔ ہوا سے کنڈی ہلی اور دروازہ کو دیکھنے لگے۔ کہ کوئی کچھ لایا۔ مسجد میں بلی کی آہٹ ہوئی اور چونکے ہوئے کہ دیکھیں کیا آیا۔ **اللھم احفظنا من کلا بلاء الدنیا و عذاب الاخرۃ**۔ ایسے لوگ مصالح سلطنت کو کیا سمجھیں۔ انہیں کیا خبر کہ یہ معاملہ کیا ہے اور اس کا ثمرہ کیا ہے۔ ایک ایسے ہی مقام پر ابوالفضل نے کیا خوب لکھا ہے۔

تو خود ے نشوی بانگ دہل را ۔۔۔ رموز سر سلطاں راچہ دانی
تر اازکاف کفرت ہم خبر نیست ۔۔۔ حقایقہائے ایماں راچہ دانی

نئے دین کا اختراع:

پھر ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ابھی ۹۹۰ھ ہوئے تھے جو لوگوں نے ذہن نشین کیا ۱۰۰۰ھ ہو چکے مذہب اسلام کا دور ہو چکا۔ اب دین نیا ہوگا۔ چنانچہ دین الٰہی اکبر شاہی کو کہ احکام حکمت پر مشتمل تھا۔ جلوہ دینا شروع کیا۔ اسی سنہ میں حکم دیا کہ سکوں میں سنہ الف منقوش ہو۔ اور تاریخ الفی تصنیف ہوئی۔ زمیں بوسی کے نام سے سجدہ قائم ہوا کہ بادشاہوں کے لئے لازم ہے۔ شراب کا بند

Marfat.com

کھل گیا۔مگراس میں بھی ایک آئین تھا کہ بقدر فائدہ ہو۔بیماری میں حکیم بتائے تو پیو۔اتنی نہ پیو کہ بدمستیاں کرتے پھرو۔اور ایسا ہو تو سزا بھی سخت تھی۔دربار کے پاس ہی آبکاری کی دوکان تھی نرخ سرکار سے مقرر تھا۔جسے درکار ہوئی وہاں گیا۔رجسٹر میں اپنا، باپ کا، دادا کا نام، تومیت وغیرہ وغیرہ لکھوائی۔اور لے آیا۔مگر یار لوگ کسی گم نام کو بھیج دیتے تھے۔فرضی نام لکھوا کر منگاتے تھے۔اور شیر مادر کی طرح پیتے تھے۔خواجہ خاتون دربان اس کا داروغہ تھا۔یہ بھڑوا بھی اصل میں کلال ہی کی نسل تھا۔اس احتیاط پر بھی شور شرابے ہوتے تھے۔سر پھوٹتے تھے۔دار القضا سے سخت سزائیں ملتی تھیں مگر خاطر میں کون لاتا تھا۔

لطیفہ:

لشکر خاں میر بخشی ایک دن شراب پی کر دربار میں آیا اور بدمستی کرنے لگا۔اکبر بہت خفا ہوا۔گھوڑے کی دم سے بندھوایا۔اور لشکر خاں کو لشکر میں تشہیر کیا۔سب نشے ہرن ہو گئے۔ان ہی لشکر خاں کو عسکر خان خطاب ہوا۔لوگوں نے استر خاں بنادیا(واہ خچر خاں)

لطیفہ:

ملا صاحب کے رونے کا مقام تو یہ ہے کہ ۹۹۸ھ کے جشن میں دربار خاص تھا۔شراب کا دور چل رہا تھا۔کہ میر عبدالحی صدر جہاں مفتی کل ممالک ہندوستان نے اپنے دلی شوق وذوق سے جام طلب کر کے نوش جان فرمایا۔اکبر نے مسکرا کر خواجہ حافظ کا شعر پڑھا۔

در عہد بادشاہ خطا بخش جرم پوش — قاضی پیالہ کش شد و مفتی قرابہ نوش

حضرت صدر جہاں کا حال دیکھتے ہیں۔یہی بزرگوار حکیم ہمام کے ساتھ عبداللہ خاں ازبک کے دربار میں برسم سفارت بھیجے گئے تھے۔اور مراسلت میں جو فقرے ان کی شان میں نازل ہوئے تھے یہ ہیں۔سیادت مآب۔نقابت نصاب۔میر صدر جہاں۔از جملہ اعاظم سادات کبار واجلہ اتقیا سے ایں دیار۔زمانہ کی تاثیر کو دیکھو کہ اہل عالم کا کیا حال کر دیا تھا اور اکبر کی اس میں کیا خطا تھی۔

سبحان اللہ کسی استاد نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے۔

عشقت خبرز عالم بیہوشی آورد — اہل صلاح رابہ قدح نوشی آورد
یادتو اے نگار چہ معجون حکمت است — کز ہر چہ خواندہ ایم فراموشی آورد

بازوں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہونگے۔خصوصاً دارالخلافہ میں۔ ان سب کو شہر کے باہر ایک جگہ آباد کیا۔اور شیطان پورہ نام رکھا۔اس کے

Marfat.com

لئے بھی آئین تھے۔ داروغہ، منشی، چوکیدار موجود۔ جو کسی رنڈی کے پاس آ کر رہتا۔ یا گھر لے جاتا نام کتاب میں لکھوا جاتا۔ بے اس کے کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ رنڈیاں نئی نوچی کو نہ بٹھا سکتی تھیں۔ ہاں کوئی امیر چاہے۔ تو حضور میں اطلاع ہو۔ پھر لے جائے۔ پھر بھی اندر ہی اندر کام ہو جاتے تھے۔ پتہ لگ جاتا تو اس رنڈی کو خود الگ بلاتے اور پوچھتے کہ یہ کام کس کارگزار کا تھا۔ وہ بتا بھی دیتی تھیں معلوم ہوتا تھا تو اس امیر کو خلوت میں بلا کر خوب لعنت ملامت کرتے۔ بلکہ بعضوں کو قید بھی کر دیا۔ آپس میں بھی بڑے شور و شر ہوتے تھے۔ سر پھوٹتے تھے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے تھے۔ مگر مانتا کون تھا۔ ایک دفعہ یہاں بیر برجی کی بھی چوری پکڑ گئی۔ جاگیر پر بھاگ گئے۔

ڈاڑھی جو مسلمانوں میں نور الٰہی کہلاتی ہے۔ بڑی خوار ہوئی۔ سبزہ رخسار کی جڑ پتال سے ڈھونڈ کر نکالی۔ جہاں سے اسے پانی پہنچتا ہے۔

ضعیف حدیث کی تشہیر:

علماء میں ایک مشائخ تھے۔ اور خاص حضرت شیخ مان پانی پتی کے بھتیجے تھے۔ اپنے عمر بزرگوار کے کتب خانہ میں سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے۔ اس میں سے حدیث دکھائی کہ آنحضرت کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے۔ ساتھ بیٹا تھا اس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی آنحضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی۔ بعض جعلساز فقیہوں نے کتب فقہ میں سے یہ فقرہ جواز کی سند میں نکالا۔ کما یفعله بعض القضات۔ عصائے [illegible]موں نے قضات پڑھ کر دکھایا۔ غرض تمام دربار منڈ کر صفاچٹ ہو گیا۔ اہل ایران و تو[illegible]ن لی ڈاڑھیوں کی خوبصورتی تصویر کا عالم دکھاتی تھی۔ ان کے رخسارے میدان لق و[illegible]نظر آنے لگے۔

ملا صاحب پھر چوٹ فرماتے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہب کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ ۱۰ جانور ہیں جن کی صورت میں خدا نے ظہور کیا ہے۔ ایک ان میں سے سور ہے۔ بادشاہ نے بھی اس کا خیال کیا اور زیر جھروکہ اور بعض مقامات میں جدھر یہ لوگ اشنان کو آتے تھے سور پلوائے۔ کتے کے فضائل میں یہ دلیل پیش ہوئی کہ اس میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ ایک بھی انسان میں ہو تو ولی ہو جائے۔ بعض مقربان درگاہ نے کہ خوش طبعی اور ہمہ دانی اور ملک الشعرائی سے ضرب المثل ہیں۔ چند کتے پالے گودوں میں بٹھاتے تھے۔ دسترخوان پر ساتھ کھلاتے تھے۔ منہ چومتے تھے اور بعض مردود شاعر ہندی و عراقی فخر سے ان کی زبانیں منہ میں لیتے تھے۔ سند کے لئے ایک صوفی شاعر کا یہ قول تھا

بسکہ در چشم و دلم ہر لحظہ اے یارم توئی ہر کہ آید در نظر از دور پندارم توئی

Marfat.com

شیخ فیضی کے کتوں پر ملا صاحب ہمیشہ تاک باندھے بیٹھے ہیں۔ جہاں موقع پاتے ہیں ایک پتھر کھینچ مارتے ہیں۔ دیکھو یہاں بھی منہ مارا لیکن حقیقت یہ ہے کہ شکار کے ذوق شوق میں اکثر شاہان وامرا کتوں کا بھی شوق رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔ ترکستان اور خراسان میں رسم عام ہے۔ اکبر نے سیتے رکھے تھے۔ قاعدہ ہے کہ جس بات کا بادشاہ کو شوق ہوتا ہے۔ امرائے قربت پسند کو اس کا شوق واجب ہوتا ہے۔ اس لئے فیضی نے بھی رکھے ہونگے۔ ملا صاحب چاہتے ہیں ثابت کریں کہ وہ فرضی مذہبی سمجھ کر کتے پالتا تھا۔

لطیفہ:

مطلع مذکورہ بالا لکھ کر مجھے یاد آیا کہ شاعر نے جب یہ مطلع جلسہ احباب میں پڑھا اور کہا۔

ہر کہ آید در نظر از دُور پندارم توئی

تو ایک شوخ طبع شخص نے کہا۔ آنجا۔ اگر سگ بنظر آید؟ اس نے کہا۔ پندارم توئی۔

جب زبانیں کھل جاتی ہیں اور خیالات کے میدان وسیع ہو جاتے ہیں تو ایک عقلی بات میں ہزار بے عقلی کی باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ چنانچہ ملا صاحب فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں۔ دربار میں تقریریں ہوتی تھیں کہ غسل جنابت کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے تو انسان اشرف المخلوقات کی بنیاد قائم ہوتی ہے جس سے اہل علم۔ صاحب فضل۔ پاک خیال نیک بنیاد لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے آدمی ناپاک ہو جائے؟ اس کے کیا معنے۔ بلکہ حق پوچھو تو غسل کر کے اسکی بنیاد رکھنی چاہئے۔ اور یہ کیا بات ہے کہ اتنی سی چیز کے نکلنے میں غسل واجب ہو جائے۔ اس سے دس بیس حصہ زیادہ کثافتیں دن بھر میں کئی کئی دفعہ نکل جائیں۔ اس پر کچھ بھی نہ ہو۔

کوئی کہتا تھا کہ شیر اور سور کا گوشت کھانا چاہئے کہ بہادر جانور ہیں۔ کھانے والے کی طبیعت میں ضرور بہادری پیدا کرتا ہوگا۔

کوئی کہتا تھا کہ چچا اور ماموں کی اولاد کے ساتھ قرابت نہ کرنی چاہئے کہ رغبت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے اولاد ضعیف ہوگی۔ آزاد۔ دانایان فرنگ نے بھی لکھا ہے۔ انسان کی طبیعت میں داخل ہے کہ جس خون سے خود پیدا ہوا ہے اسی خون کی نسل پر وہ شوق کا جوش اور رغبت کا ولولہ نہیں ہوتا جو غیر خون پر ہوتا ہے۔ دیکھو خچر میں گھوڑی سے زیادہ زور ہوتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ جب تک بیٹا ۱۶ برس کا اور بیٹی ۱۴ برس کی نہ ہو جائے تب تک نکاح جائز نہیں۔ اولاد کمزور ہوگی۔

Marfat.com

شادی

ابوالفضل آئین اکبری میں جو لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کتخدائی میں نسل انسان کی بقا اور بزم دنیا کی زیبائش اور ڈانوانڈول دلوں کی بہرہ داری اور گھر کی آبادی ہے۔ اور بادشاہ نیک روزگار چھوٹے بڑوں کا پاسبان۔ اس لئے شادی کے معاملے میں نسبت معنوی اور ذات کی ہمسری کو نہیں چھوڑتا۔ چھوٹی عمر دولہا دلہن اسے پسند نہیں۔ عمدہ فائدہ نہیں۔ نقصان بڑا ہے۔ اکثر مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ گھر نہیں بستے۔ ہندوستان۔ شرمستان ہے۔ بیاہی ہوئی عورت دوسرا خاوند کر نہیں سکتی تو کام مشکل ہوتا ہے۔ دولہا دلہن اور دونوں کے ماں باپ کی خوشی لازم سمجھتا ہے۔ قریب کے رشتہ داروں میں نامناسب سمجھتا ہے۔ اور جب دلیل میں ابتدائے عالم کا حال بیان کرتا ہے کہ دیکھو جڑواں لڑکی اس کے ساتھ کے لڑکے سے نہ بیاہی جاتی تھی تو معترض لوگوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں مہر کی زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ کہ جھوٹ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ دیتا کون ہے۔ کہتا تھا کہ مہر کا بڑھانا پیوند کا توڑنا ہے۔ ایک جورو سے زیادہ پسند نہیں کرتا کہ طبیعت کی پریشانی اور گھ کی ویرانی ہوتی ہے۔ بڈھے کو جوان نہ کرنی چاہئے کہ بے حیائی ہے۔ دو آدمی بادیانت کم لالچ مقر کئے تھے۔ ایک مردوں کی تحقیقات کرتا تھا۔ دوسرا عورتوں کی۔ تو بیگی کہلاتے تھے۔ اور اکثر دونوں خدمتیں ایک ہی کے سپرد ہوتی تھیں۔ شکرانہ میں طرفین کو نذرانہ بھی دینا ہوتا تھا۔

پنج ہزاری سے ہزاری تک	۱۰ اشرفی
ہزاری سے پانصدی تک	۴۔۴ اشرفی
پانصدی سے دوصدی تک	۲ اشرفی
دوصدی سے دوبیست تک	۱ اشرفی

ترکش بند سے دہ باشی تک	۴ روپے
اور منصبدار	۴ روپے
متوسط اشخاص	یک روپیہ
عام	یک دام

اب یہ عالم ہو گیا کہ امرائے دربار تو بالائے طاق رہے۔ وہی صدر جہاں مفتی الممالک تھے۔ جنہوں نے جشن نوروزی میں بادہ گلرنگ کا جام لے کر پیا۔ حریر اطلس کے کپڑے پہننے لگے۔ ملا صاحب نے ایک دن ان کا لباس دیکھ کر پوچھا کہ کوئی روایت نظر سے گزری ہوگی؟ فرمایا۔ ہاں جس شہر میں رواج ہو جائے۔ جائز ہے۔ میں نے کہا شاید اس روایت پر بنیاد ہوگی کہ حکم سلطان سے عدول مکروہ ہے۔ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی۔ ملا مبارک ایک عالم تھے۔ ان کا بیٹا شیخ ابوالفضل کا شاگرد تھا۔ اس نے بڑے تمسخر کے ساتھ ایک رسالہ لکھ کر پیش کیا کہ نماز روزہ حج وغیرہ عبادتیں سب

Marfat.com

بے حاصل۔ ذرا انصاف کرو۔ جب عالموں کا یہ حال ہو تو بے علم بادشاہ کیا کرے۔

مریم مکانی کی وفات:

مریم مکانی بادشاہ کی والدہ مرگئیں۔ امرائے دربار وغیرہ ۱۵ ہزار آدمی نے بادشاہ کے ساتھ بدرہ کیا۔ انا یعنی خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش خاں کی ماں مرگئی۔ اس کا بڑا ادب تھا اور نہایت خاطر کرتے تھے۔ خود اور خان اعظم نے بدرہ کیا۔ خبر پہنچی کہ لوگ بھی بھدرہ کروار ہے ہیں۔ کہلا بھیجا کہ اوروں کو کیا ضرر ہے۔ اتنی دیر میں بھی ۴ سو سر اور منہ صفاچٹ ہو گئے۔ اصل یہ ہے کہ لوگوں کو یہ باتیں ایک کھیل تھیں۔ اور ہزاروں مسخر پن ہیں۔ یہ بھی ایک دل لگی سہی۔ اس میں دین و مذہب کا کیا علاقہ۔ ملا صاحب خواہ مخواہ خفا ہوتے ہیں۔ آپ نے جب بین بجانی سیکھی تھی۔ تو نماز کی طرح واجب سمجھ کر سیکھی تھی؟ ہرگز نہیں۔ ایک دل کا بہلاوا تھا۔ ان لوگوں نے ایسی باتوں کو دربار کا مشغلہ سمجھ لیا تھا۔

سلطنت کے آئین میں مصلحت کی رعایت:

اکبر کو اس بات کا لحاظ بھی ضرور تھا کہ یہ ملک ہندوستان ہے۔ ہندوؤں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم پر ایک متعصب مسلمان حکومت کر رہا ہے اس لئے سلطنت کے آئین اور مقدمات کے احکام میں بلکہ روزمرہ کاروبار میں اس مصلحت کی رعایت ضرور ہوتی ہوگی۔ اور ایسا ہی چاہئے تھا۔ خوشامدیوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں۔ اسے بھی خوشامدیں کر کے بڑھاتے چڑھاتے ہوں گے۔ اپنی بڑائی یا دانائی کی تعریف یا اس کا لحاظ کسے بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ بھی ان باتوں سے خوش ہوتا تھا۔ اور اعتدال سے بڑھ بھی جاتا تھا۔ اور وہ تو بے علم بادشاہ تھا علما و مشائخ کے حالات سن چکے۔

سنہ ہجری کی موقوفی سنہ الٰہی کا اجراء:

ملا صاحب لکھتے ہیں۔ تحریروں میں سنہ ہجری موقوف ہو گیا۔ سنہ الٰہی اکبر شاہی تحریر ہونے لگا۔ آفتاب کے حساب سے برس میں ۱۴ عیدیں ہونے لگیں۔ نوروز کی دھوم دھام عید رمضان و عید قربان سے بھی زیادہ ہونے لگی۔ اس کی تفصیل مکمل توضیح سن چکے مگر لطیفہ یہ ہے کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ حروف مختصہ عربی مثلاً ث ح ع ص ض ط وغیرہ جن میں امتیاز ضرور ہوتا ہے ان سے بھی گھبراتے تھے۔ آزاد۔ بزرگان عالم نما کو اکثر دیکھا ہوگا کہ باتوں میں بھی ع اور ح کو خواہ مخواہ حلق بلکہ پیٹ کے اندر سے نکالتے ہیں۔ خصوصاً جو ایک دفعہ حج بھی کر آئے ہوں۔ دربار میں ایسوں کی

Marfat.com

گفتگو پر اشارے ضرور ہوتے ہونگے۔ ملا صاحب اس پر خفا ہو کر فرماتے ہیں اگر عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہتے تھے تو بادشاہ خوش ہوتے تھے۔ اور منشیان دفتر الہ آباد کو بھی الہ باس لکھتے ہیں۔

آغاز اسلام میں جبکہ چاروں طرف فتوحات دین کی روشنی پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ایران پر بھی فوج اسلام آئی ہوئی تھی۔ فارس کا ملک تسخیر ہوتا جاتا تھا۔ ہزاروں برس کی پرانی سلطنت تباہ ہو رہی تھی۔ فردوسی نے اس حالت کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ چنانچہ خسرو کی ماں کی زبانی جو اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے دو شعر ہیں۔

زشیر شتر خوردن وسوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں راکند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ان شعروں کو پڑھوا کر خوش ہوتے ہیں۔ اور جو مسائل کہ اسلام میں عقائد قرار پا چکے ہیں۔ ان کی تحقیقاتیں اور اس پر ردو قدح ہوتی ہے۔ عقلی دلائل سے گفتگو ہوتی ہے۔ علمی مجلس ہوتی ہے۔ اور مصاحبوں میں سے ۴۰ آدمی منتخب ہوتے ہیں۔ حکم ہے کہ جو شخص چاہیے سوال کرے اور ہر علم میں گفتگو ہو۔ اگر کسی مسئلے پر مذہب کی رو سے سوال ہو۔ تو کہتے کہ اسے ملاؤں سے پوچھو۔ ہم سے وہ پوچھو جو عقل و حکمت سے متعلق ہو۔ اگر کسی بزرگ کے کلام سے سند دیں تو صاف نامقبول کہ وہ کون تھا؟ وہ تو فلاں فلاں موقع پر خود ایسا تھا۔ اور ایسا تھا۔ اس نے خود فلاں مقام پر یوں کہا۔ اور یوں کہا۔ اور ایسا کیا ویسا کیا۔ انہی باتوں کے جا بجا مدرسوں اور مسجدوں میں چرچے ہیں۔

جانوروں کو ذبح کرنے پر پابندی:

۹۹۹ھ کے جشن میں عجب عجب آئین ایجاد ہوئے۔ خود ماہ آبان میں اتوار کو پیدا ہوئے تھے۔ حکم ہوا کہ اتوار کو تمام قلمرو میں جانور ذبح نہ ہونے پائے۔ آبان کے تمام مہینے میں اور جشن نوروز کے ۱۸ دن تک ذبح بند۔ جو کرے۔ سزا پائے۔ جرمانہ بھرے۔ گھر لٹ جائے۔ آپ خاص خاص دنوں میں گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ کھانے کے دن برس میں ۶ مہینے بلکہ اس سے بھی کم رہ گئے اور ارادہ ہوا کہ گوشت کھانا ہی چھوڑ دیا جائے۔

آفتاب کی عبادت کے وقت:

آفتاب کی عبادت کے وقت دن رات میں ۴ تھے۔ صبح و شام، دوپہر، آدھی رات، دوپہر کو اس کی طرف منہ کرتے تھے۔ اور نہایت رجوع قلب کے ساتھ ایک ہزار ایک نام کا وظیفہ پڑھتے تھے۔

Marfat.com

دونوں کان پکڑ کر چک پھیری لیتے تھے۔ کانوں پر مکے مارتے جاتے تھے اور کچھ حرکتیں اور بھی ایسی ہی کرتے تھے۔ تلک بھی لگاتے تھے۔ حکم ہوا کہ طلوع اور آدھی رات کو نقارہ بجا کرے۔ چند روز بعد حکم ہوا کہ ایک عورت سے زیادہ نکاح نہ کرو۔ ہاں۔ بیوی بانجھ ہو تو مضائقہ نہیں۔ جو عورت مایوس ہو جائے۔ نکاح نہ کرے۔ بیوہ نکاح چاہے تو کوئی نہ روکے۔ ہندو عورتیں لڑکپن میں بیوہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اور جس عورت نے مرد سے کچھ کامیابی نہ پائی ہو۔ اور بیوہ ہوگئی ہو وہ ستی نہ ہو۔ ہندو اس پر اڑنکے۔ چنانچہ گفتگوئیں ہوئیں۔ ان سے کہا کہ بہت خوب اگر یہ ہے تو رنڈوے مرد بھی ستی ہوں۔ ضدی لوگ سوچ میں گئے۔ آخر ان سے کہا کہ خیر اگر ایسی ہی ضد پر قائم ہو تو ستی نہ ہو۔ مگر اتنا ضرور ہو کہ رنڈوا جورو نہ کرے اس کے اقرار نامے لکھ دو۔ ہندوؤں کے تہواروں کے لئے بھی حکم ہوا اور فرمان جاری ہوئے۔ شروع سال بکرماجیت میں بھی تبدیلی چاہی تھی۔ مگر نہ چلی۔ پواج وارازل کو علم نہ پڑھائیں کہ سخت خرابیاں کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے مقدمے فیصل کرنے کے لئے برہمن مقرر ہوں۔ ان کے معاملے قاضی مفتیوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں۔ قسم کو دیکھا کہ گاجر مولی کی طرح لوگ کھائے جاتے ہیں۔ اس لئے حکم دیا کہ لوہا گرم کر کے رکھو۔ کھولتے تیل میں ہاتھ ڈلواؤ۔ جل جائے تو جھوٹا۔ یا وہ غوطہ مارے دوسرا آدمی تیر پھینکے۔ اس عرصے میں سر نکال دے تو جھوٹا۔ مگر ایک دو برس بعد ستی کا آئین نہایت شدت سے جاری ہوا۔ اور حکم ہوا کہ اگر عورت خود ستی نہ ہو۔ تو پکڑ کر نہ جلاویں۔ مسلمانوں کو تاکید ہوئی کہ بارہ برس تک ختنہ نہ کرو۔ پھر لڑکے کو اختیار ہے۔ چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ جو قسائی کے ساتھ کھانا کھائے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو اس کے گھر والوں میں سے کوئی کھائے تو انگلی کتر لو۔

دو عالی شان محلوں کی تعمیر:

اس سال میں شہر کے باہر دو عالیشان محل بنوائے خیر پورہ۔ دھرم پورہ۔ ایک میں فقرائے اسلام کے لئے کھانا پکتا تھا۔ ایک میں ہنود کے لئے۔ شیخ ابوالفضل کے آدمیوں کا اہتمام تھا۔ مگر جوگی غول کے غول آنے لگے۔ ان کے لئے ایک اور سرا بنی۔ اس کا نام جوگی ڈیرہ رکھا۔ رات کو چند خدمت گاروں کے ساتھ جاتے۔ خلوت میں باتیں کرتے تھے۔ اور ان کے عقائد مذہب۔ جوگ کے اسرار و حقائق۔ اور عبادت و اشغال کے طریقے، حرکات، سکنات، بیٹھنا، اٹھنا، سونا، جاگنا، کایا پلٹ وغیرہ کے کرتب ان سے حاصل کئے بلکہ کیمیا گری بھی سیکھی۔ اور سونا لوگوں کو دکھایا۔ شوراتری کی رات کو (جوگیوں کا بڑا میلہ ہوتا ہے) ان کے گرو اور مہنتوں کے ساتھ پرشاد کھائے۔ انہوں نے

Marfat.com

کہا کہ اب آپ کی عمر معمولی عمر سے سہ چند چہار چند ہوگئی ہے۔ تماشا یہ کہ حلقیان دربار نے بھی اس کی تائید کی اور کہا کہ دور قمر ہو چکا اس کے حکام بھی ہو چکے۔ اب دور زحل شروع ہوا۔ اس کا عمل اور اس کے احکام جاری ہونگے۔ عمریں بھی بڑھ جائیں گی۔ اتنی بات تو کتابوں سے بھی ثابت ہے کہ اگلے وقتوں میں سیکڑوں سے لے کر ہزار ہزار برس سے زیادہ جیتے تھے اور ہندوؤں کی کتابوں میں تو آدمیوں کی عمر ۱۰۔۱۰ ہزار برس کی لکھی ہے۔ اب بھی تبت کے پہاڑوں میں خطائیوں کے عابد لامہ ہیں۔ ان کی دو دو سو برس بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر ہے۔ انہی کے خیال سے کھانے پینے کے باب میں اصلاحیں اور گوشت کے کھانے میں کمی کر دی۔ عورت کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ بلکہ جو کچھ ہوا اس پر بھی تاسف تھا۔ تالو پر سے بال منڈوا ڈالے۔ ادھر ادھر رہنے دیئے۔ خیال یہ تھا کہ اہل صفا کی روح کھوپڑی کے رستے نکلتی ہے یہی وہم و خیال کی آمد کا رستہ ہے۔ اس وقت ایسی آواز آتی ہے۔ جیسے بجلی کڑکی۔ اور یہ ہو تو جانو کہ مرنے والا بڑا نیک تھا۔ اور نیک انجام ہوا۔ اور اب اس کی روح کسی بادشاہ عالمگیر جہاں تسخیر کے قلب میں جائیگی (جسے سنسکرت میں چکروتی راجہ کہتے ہیں) اپنے طریق کا نام توحید الٰہی رکھا۔ مریدان خاص جوگیوں کی اصطلاح کے بموجب چیلے کہلاتے تھے۔ پواج، اراذل، مکار، رکابی، مذہب جو قلعہ معلی میں قدم رکھنے کے قابل نہ تھے۔ روز صبح کو آفتاب پرستی کے وقت زیر جھروکہ جمع ہوتے تھے جب تک درشت نہ کرلیں۔ مسواک، کھانا، پینا ان پر حرام تھا۔ رات کو ہر محتاج، مسکین، ہندو، مسلمان، رنگ رنگ کے آدمی، مرد عورت، اچھے، اپاہج سب کو اجازت تھی۔ عجب ہنگامہ ہوتا تھا۔ جب سورج کے نام جپ چکتے تھے۔ پردہ سے نکل آتے تھے۔ یہ لوگ دیکھتے ہی سجدہ میں جھک جاتے تھے۔

ان میں بارہ بارہ آدمیوں کی ایک ایک ٹولی باندھی تھی۔ (دیکھو اس میں بھی آئین وقانون قائم ہے کہ جماعت جماعت مرید ہوتی تھی۔ شجرہ کی جگہ اپنی تصویر دے دیتے تھے کہ اس کا پاس رکھنا اور زیر زیارت رکھنا باعث برکت وترقی اقبال ہے۔ ایک زریں ❶ اور مرصع غلاف میں رکھتے تھے اور

❶ ملا صاحب نے چیلوں کے آئین کا یہ لباس پہنایا ہے۔ ابوالفضل نے ۹۹۱ھ کی تجویزوں میں لکھا ہے کہ اس سنہ میں لونڈی غلاموں کی آزادی کا حکم ہوا کیونکہ خدا کے بندوں پر انسان کی بندگی کا داغ سخت بے ادبی ہے۔ ہاں بادشاہی غلام جو حضوری منظور کریں وہ چیلے کہلائیں۔ ۹۸۵ھ تک ۱۲ ہزار یکہ جوان تھے (باڈی گارڈ) چند روز کے بعد احدی ان کا خطاب ہوا۔ پھر یہی لوگ چیلے ہو گئے۔ آزاد۔ ایسے آقا کی غلامی جان دیکر بھی ہاتھ آئے تو سستی ہے۔ جاتا کون تھا؟ آزاد ہو کر بھی چیلے کہلاتے تھے۔ عیش کرتے تھے اور بہاریں اڑاتے تھے۔ جائیں دیکر خدمتیں بجالاتے تھے۔ دلی میں جو چیلوں کا کوچہ مشہور ہے وہاں کسی زمانہ میں سلاطین چغتائیہ کے اسی نسل کے خانہ زاد رہتے تھے۔

Marfat.com

اس سے سر کو تاجدار کرتے تھے۔ سلطان خواجہ امین میر حاج مریدان خاص الخصا میں سے تھا۔ ملا احمد ٹٹوی نے سلطان الخوارج اس کے مرنے کی تاریخ کہی تھی کہ آفتاب گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ روز صبح کو اس کی شعاع منہ پر پڑے۔ ہونٹوں کو آگ بھی دکھائی دی۔ حکم تھا کہ قبر میں مریدوں کے سر شرق کو پاؤں مغرب کو رہیں۔ خود بھی سونے میں اس کی پابندی کرتے تھے۔

اکبر کے ۱۰۰۱ نام:

برہمنوں نے حضور کے لئے بھی ۱۰۰۱ نام تراشے تھے۔ کہتے تھے کہ مایا کی ایلا ہے۔ بشن، کشن، رام چندر جی وغیرہ اوتار گزرے ہیں۔ اب اس روپ میں پرکاش کیا ہے۔ اشلوک بنا بنا کر پڑھتے تھے۔ پرانے پرانے کاغذوں پر لکھے دکھاتے تھے کہ پراتم پنڈت لکھ کر رکھ گئے ہیں۔ ''ایک چکروتی راجہ اس دیس میں ہوگا۔ برہمنوں کا آدر مان۔ گوکی رکھیا کریگا دنیا کو نیاؤ سے بسائے گا۔''

مکند برہم چاری

اکبر کے سامنے ایک پراچین پتر پیش ہوا کہ الہ آباس میں مکند برہم چاری۔ جس نے اپنا سارا بدن کاٹ کاٹ کر ہون کر دیا تھا۔ وہ اپنے چیلوں کیلئے اشلوک لکھ کر رکھ گیا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ ہم عنقریب ایک بادشاہ با اقبال ہو کر آئیں گے۔ اس وقت تم بھی حاضر ہونا۔ بہت سے برہمن بھی اس پترے کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ جب سے آج تک مہاراج پر گیان دھیان جمائے بیٹھے ہیں۔ حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے مرنے اور اکبر کے پیدا ہونے میں صرف تین چار مہینے کا فرق تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ برہمن کا ملکش مسلمان کے گھر میں جنم لینا عقل میں نہیں آتا۔ عرض کی کہ کرنے والے نے تدبیر میں کوتاہی نہیں کی۔ مگر تقدیر کو کیا کرے کہ اسے خبر نہ تھی۔ ہون کی جگہ کچھ ہڈیاں اور لوہا گڑا تھا۔ جو کچھ پیش آیا اس کا اثر ہے۔

مسلمانوں نے کہا کہ ایسا نہ ہو ہم ہندوؤں سے پیچھے رہ جائیں۔ حاجی ابراہیم نے ایک گمنام غیر مشہور۔ کرم خوردہ کتاب کہیں کی گڑی دبی نکالی۔ اس میں شیخ ابن عربی کے نام سے ایک عبارت منقول تھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی کی بہت ساری بیبیاں ہونگی۔ اور ڈاڑھی منڈی ہوگی۔ اور چند ایسی باتیں اور تھیں۔ مطلب یہ کہ وہ آپ ہی ہیں۔

یکہ سپاہی تھے۔ انہی کا نام احدی رکھا تھا۔ اب مریدوں کا خطاب ہوا۔ اس امت کے باب

Marfat.com

میں خیال تھا کہ یہ اصل احدی لوگ ہیں کیونکہ عالم توحید میں پورا اخلاص رکھتے ہیں۔ کوئی وقت آن پڑے گا تو دریائے آب اور طوفان آتش سے بھی منہ نہ پھیریں گے۔

ملا صاحب جو چاہیں سو کہیں۔ میرے نزدیک نیک نیت بادشاہ کا کچھ قصور نہیں۔ جب اہل دین خود اپنے دین و ایمان کو لا کر سامنے نثار کریں تو فرمایئے وہ کیا کرے؟ چنانچہ ملا شیری پنجاب میں صدر الصدور تھے۔ وہی ملا شیری جنہوں نے بڑے جوش ایمان وخروش یقین کے ساتھ بے دینی کی شکایت میں قطعہ کہا تھا۔ اب انہوں نے آفتاب کی تعریف میں ایک ہزار ایک قطعہ کہہ کر ہزار شعاع نام رکھا۔ اس سے بڑھ کر سنئے۔ لطیفہ۔ حضرت میر صدر جہاں کی پیاس بادہ گلرنگ سے نہ بجھی۔ چنانچہ ۱۰۰۴ھ میں مع دو فرزند برخوردار مریدان خاص میں داخل ہوئے۔ ہاتھ چومے۔ قدم لئے۔ کرامات کی نعمت علی۔ اور خاتمہ تقریر پر عرض کی۔ ریش مرا چہ حکم مے شود۔ فرمودند۔ باشند (رہے۔ ہرج کیا ہے؟) پھر بھی آفرین ہے اس حق شناس بادشاہ کو جب سجدہ زمیں بوس آئین دربار میں داخل ہوا تو ان بزرگوار کو اس سے مستثنیٰ کیا۔ وہ خود اپنے دل میں شرماتا ہوگا کہ مفتی شریعت ہیں۔ مسند پیغمبر پر بیٹھتے ہیں۔ ان کی مہر سے چاردانگ ہندوستان میں فتویٰ جاری ہوتا ہے۔ تخت کے سامنے ان کا سر جھکوانا مناسب نہیں۔ اس پر ان کی یہ کراماتیں۔ واویلاہ وامصیبتاہ۔ کوئی مجھے بتاؤ کہ وہ امر کیا تھا جو اکبر کو کرنا چاہئے تھا اور اس نے نہ کیا۔ بے دین خود اپنے دینوں کو دنیا پر قربان کئے دیتے تھے۔ اس بیچارے کا کیا گناہ۔

ایک فاضل اجل کو حکم دیا کہ شاہ نامے کو نثر میں لکھو۔ انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ جہاں نام آجاتا۔ آفتاب کو عز شانہ اور جلت عظمتہ لکھتے تھے۔ جیسے خدا کے لئے۔

حضرت شیخ کمال بیابانی

اکبر کو اس بات کا بڑا خیال رہا کہ کوئی شخص صاحب کرامات نظر آئے۔ مگر ایک بھی نہ ملا۔ ۹۹۷ھ میں چند شیطان شہر لاہور میں ایک بڈھے شیطان کو لائے کہ حضرت شیخ کمال بیابانی ہیں۔ انہیں دریائے راوی پر بٹھا دیا۔ کرامات یہ کہ کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہیں اور پل کی پل میں ہوا کی طرح پانی پر سے گزر کر پار جا کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھنے والوں نے تصدیق کی کہ ہم نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ اور سن لیا۔ انہوں نے پار کھڑے ہو کر صاف آواز دی ہے کہ میاں فلانے بس اب تم

Marfat.com

گھر جاؤ۔ بادشاہ خود اسے لے کر دریا کے کنارے گئے اور چپکے سے یہ بھی کہا کہ ہم ایسی چیزوں کے طالب گار ہیں اگر کوئی کرشمہ ہمیں دکھاؤ تو مال مملکت جو کچھ ہے سب تمہارا بلکہ ہم بھی تمہارے۔ وہ چپ دم بخود۔ جواب کیا دے؟ کچھ ہو تو کہے۔ تب بادشاہ نے کہا کہ اچھا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قلعہ کے برج پر سے۔ دریا میں ڈال دو۔ اگر کچھ ہے تو صحیح سلامت نکل آئیگا۔ نہیں تو جائے جہنم کو۔ یہ سن کر ڈر گیا اور پیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ سب اس دوزخ کے لئے ہے۔ رموز تاریخ کے تاڑنے والے تاڑ گئے ہوں گے کہ اس وقت دریائے راوی کی لہریں ثمن برج کے پاؤں میں لوٹتی تھیں۔ جو آج قلعے سے دو میل پرے ہٹ گیا ہے۔

بات یہ تھی کہ وہ شخص لاہوری ہی تھا۔ اس کا ایک بیٹا ڈاڑھی منڈا بھی ساتھ تھا۔ باپ بیٹوں کی آواز بہت ملتی تھی۔ جس سے باپ کرامات دکھانے کا وعدہ کرتا۔ بیٹا بھی نام سن لیتا اور پل یا کشتی پر چڑھ کر پار چلا جاتا۔ جب موقع وقت ہوتا تو باپ یہاں کنارے پر گفتگو کرتا ادھر ادھر باتیں کرتا پھرتا۔ بیٹا سامنے سے دیکھتا رہتا۔ یہ لوگوں کو جل دے کر کنارے سے نیچے اترتا کہ وضو کر کے عمل پڑھتا ہوں۔ وہیں ادھر ادھر کراڑوں میں چھپ جاتا۔ بیٹا بد ذات چند لمحہ بعد ادھر سے آواز دیتا۔ میاں فلانے جاؤ گھر کو۔ ع

آخرش گرگ زادہ گرگ شود

یہ حال معلوم ہوا تو بادشاہ بڑے خفا ہوئے۔ اور بھکر بھیج دیا۔ اس نے وہاں بھی جال مارا۔ کہا کہ میں ابدال ہوں۔ جمعہ کی رات لوگوں کو دکھا دیا۔ سر الگ۔ ہاتھ پاؤں الگ۔

خان خاناں ان دنوں مہم بھکر پر تھے۔ دولت خاں ان کا سپہ سالار (وکیل مطلق۔ اتالیق جو کہو سو بجا) اس کا معتقد ہو گیا۔ بھلا وہ تو افغان وحشی تھا۔ خود خان خاناں نے اس دانائی و فرزانگی زیر کی و فیلسوفی کے ساتھ غوطہ کھایا۔ اس غول بیابانی نے کہا۔ حضرت خضر سے آپ کی ملاقات کروا دیتا ہوں۔ دریائے اٹک کے کنارے پر ڈیرے پڑے تھے۔ خان خاناں خود آ کر کھڑے ہوئے۔ مصاحب اور رفقا ساتھ۔ اس دغا باز نے غوطہ مار کر سر نکالا اور کہا کہ خضر علیہ السلام آپ کو دعا فرماتے ہیں۔ خان خاناں کے ہاتھ میں ایک سونے کی گیند تھی۔ کہا کہ ذرا گیند دیکھنے کو مانگتے ہیں۔ انہوں نے دے دی۔ اس نے وہ گیند پانی میں ڈال کر ایک اور غوطہ مارا۔ غرض اول بدل کر پیتل کی گیند ہاتھ میں دیدی۔ باتوں باتوں اور ہاتھوں ہاتھوں میں سونے کی گیند اڑا لے گیا۔

Marfat.com

اکبر پر حالت طاری ہوئی

بادشاہ نیک نیت کو ایک دن عجب واقعہ پیش آیا۔ وہ پاک پٹن سے زیارت کرتا ہوا نندنہ کے علاقہ میں پہنچا اور دامن کوہ کے جانور گھیر کر شکار کھیلنے لگا۔ چار دن کے عرصہ میں بے حساب شکار مار کر گرا دیے۔ حلقہ سمٹتے سمٹتے ملا چاہتا تھا۔ دفعتاً بادشاہ کا دل ایسا جوش و خروش میں آیا کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ عجب جذبے کا عالم ہوا۔ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کیا دکھائی دیا تھا۔ اسی وقت شکار بند کیا۔ جس درخت کے نیچے یہ حالت ہوئی تھی۔ وہاں زر کثیر فقیروں اور مسکینوں کو دیا۔ اس خلوۃ غیبی کی یادگار میں ایک عمارت عالیشان بنوانے کا اور باغ لگانے کا حکم دیا۔ وہیں بیٹھ کر سر کے بال منڈائے اور جو مصاحب بہت مقرب تھے۔ خوشامد کے استرے سے خود بخود منڈ گئے۔ اس حالت نے عجیب و غریب رنگ سے شہروں میں شہرت پھیلائی بلکہ زندگی کے باب میں رنگ برنگ کی ہوائیاں اڑیں۔ بعضے مقاموں میں بدعملی بھی ہو گی۔ خیال مذکور کا اعتقاد ایسا دل پر چھایا کہ اس دن سے شکار کھیلنا ہی چھوڑ دیا۔

جہاز رانی کا شوق

ایشیائی بادشاہوں کو دریائی ملک گیری کا خیال بالکل نہیں ہوا۔ اور راجگان ہند کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ کہ پنڈتوں نے سفر دریا کو خلاف مذہب لکھ دیا تھا۔ اکبر کی طبیعت کو دیکھو کہ باپ دادا کے ملک کو کبھی دریا سے تعلق نہ ہوا۔ خود ہندوستان ہی میں آ کر آنکھیں کھولی تھیں۔ اور خشکی کے فساد دم نہ لینے دیتے تھے۔ باوجود اس کے دریا پر نظر لڑی ہوئی تھی۔ یہ شوق اسے دو سبب سے پیدا ہوا تھا۔ اول یہ کہ جو قافلے سوداگروں یا حاجیوں کے جاتے اور آتے تھے۔ ان پر ڈچ اور پرتگالی جہاز دریا میں آن گرتے تھے۔ لوٹتے تھے مارتے تھے۔ آدمیوں کو پکڑ لے جاتے تھے۔ بالکل صلاحیت سے پیش آتے تو یہ تھا کہ اندازے سے بہت زیادہ محصول وصول کرتے اور تکلیف بھی دیتے تھے۔ بادشاہی لشکر کا ہاتھ وہاں بالکل نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے اکبر دق ہوتا تھا۔

فیضی جب دکن کی سفارت پر گیا ہے اور وہاں سے رپورٹیں کر رہا ہے۔ ان میں روم اور ایران کی خبریں جہازی مسافروں کی زبانی اس خوبصورتی سے لکھتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر انہیں بڑے شوق سے سن رہا ہے۔ ان تحریروں میں بعض جگہ راہ دریا کی بے انتظامی کا بھی اثر پایا جاتا

Marfat.com

ہے۔اس خیال سے وہ بندرگاہوں پر بڑے شوق سے قبضہ کرتا تھا۔

اس وقت ادھر کراچی کی جگہ ٹھٹھہ اور دکن کی جانب میں بندر گووہ۔کمبائت اور سورت کا نام بہت کتابوں میں آتا ہے۔دریائے راوی بڑے زور شور سے بہہ رہا تھا۔اکبر نے چاہا تھا کہ جہاز یہاں سے چھوڑے۔اور ملتان کے نیچے سے نکال کر سکر سے ٹھٹے میں پہنچادے۔چنانچہ اسی لاہور کے باہر ایک جہاز کا بچہ تیار ہوا۔جس نے مستول کے رنگ میں ۳۶ گز کا قد نکالا۔جب بادبانوں کے کپڑے پہنا کر روانہ کیا تو بعض مقاموں پر پانی کی کمی سے رک رک گیا جب ۱۰۰۲ھ میں ایلچی ایران کو رخصت کر کے خود ایلچی روانہ کیا۔تو حکم دیا کہ لاہور سے براہ دریا لاہری بندر میں جااترو اور وہاں سے سوار ہو کر سرحد ایران میں داخل ہو۔

وہ زمانہ اور تھا۔ہوا اور تھی۔پانی اور تھا اس پر آئے دن کی لڑائیاں اور فساد اور سب امیروں کے سینہ میں اکبر کا دل بھی نہ تھا جو اپنے شوق سے اس کام کو پورا کرتے اور دریا کو ایسا بڑھاتے کہ جہاز رانی کے قابل ہو جاتا۔اس لئے کام آگے نہ چلا۔

ملک موروثی کی یاد نہ بھولتی تھی

اکبر کے درخت سلطنت نے ہندوستان میں جڑ پکڑی تھی۔لیکن ملک موروثی یعنی سمرقند و بخارا کی ہوائیں ہمیشہ آتی تھیں اور اس کے دل کو سبزہ تر کی طرح لہراتی تھیں۔یہ داغ اس کے بلکہ اس سے لے کر عالمگیر تک کے دل پر ہر وقت تازہ تھا۔کہ بابر ہمارے دادا کو ازبک نے پانچ پشت کی سلطنت سے محروم کر کے نکالا۔اور ہمارا گھر دشمن کے قبضہ میں ہے۔لیکن عبداللہ خاں ازبک بھی بڑا بہادر۔صاحب عزم۔با اقبال بادشاہ تھا۔ہٹانا تو درکنار اس کے حملہ سے کابل اور بدخشاں کے لالے پڑے رہتے تھے۔والئ کاشغر کے نام ایک مراسلا اکبر کا دفتر ابوالفضل میں ہے۔اسے تم پڑھو گے تو کہو گے کہ فی الحقیقت اکبر بادشاہ سلطنت کی شطرنج کا پورا شاطر تھا۔ملک مذکور پر بھی اس کا خاندانی دعویٰ تھا۔مگر کجا کاشغر اور کجا ہندوستان پھر بھی جب کشمیر پر تسلط کر لیا تو بزرگوں کا وطن یاد آیا۔تم جانتے ہو کہ شطرنج باز جب حریف کے کسی مہرہ کو مارنا چاہتا ہے یا حریف کے ایک مہرے کو اپنے کسی مہرے پر آتا دیکھتا ہے تو اسی مہرے سے سینہ بہ سینہ لڑ کر نہیں مار سکتا۔اسے واجب ہے کہ دائیں بائیں۔دور ونزدیک تک کہیں کہیں کے مہروں سے اپنے مہرے کو زور اور حریف پر ضرب پہنچائے۔اکبر دیکھتا تھا کہ میں ازبک پر کابل کے سوا اور کہیں سے چوٹ نہیں کر سکتا۔کشمیر کی طرف سے ایک رستہ بدخشان کا

Marfat.com

نکلا ہے۔اور اس کا ملک ترکستان و تاتار کی طرف دور دور تک پھیل گیا ہے۔اور پھیلا جاتا ہے۔وہ یہ بھی سمجھا شمشیر ازبک کی چمک پر کاشغر۔خطا۔ختن سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔اور ازبک اسی فکر میں ہے کہ کب موقع پائے اور اسے بھی نگل جائے۔

اکبر نے اسی بنیاد پر والئی کاشغر سے قرابت قدیمی کا رشتہ ملا کر رستہ نکالا۔خط مذکور میں اگرچہ کھول کر نہیں لکھا۔مگر پوچھتا ہے کہ حکومت خطا کا حال مدت سے معلوم نہیں۔تم لکھو کہ وہاں کا حاکم کون ہے۔اس کی کس سے مخالفت ہے کس سے موافقت ہے۔صاحب علم و فضل اور اہل دانش کون کون اشخاص ہیں۔مسند ہدایت پر کون کون لوگ مشہور ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔ہندوستان کے عجائب و نفائس سے جو کچھ تمہیں مرغوب ہو بے تکلف لکھو۔وغیرہ وغیرہ۔ہم اپنا معتبر فلاں شخص روانہ کرتے ہیں۔اسے آگے کو چلتا کردو۔وغیرہ وغیرہ۔

مصالح مملکت

جو قافلہ سال بسال حج کو جاتا تھا۔اور اکبر اپنی طرف سے میر حاج مقرر کر کے ساتھ کرتا تھا۔اس کے ہاتھ ہزاروں روپے مکہ معظمہ،مدینہ منورہ اور مختلف روضوں اور درگاہوں کے مجاوروں کو بھیجتا تھا کہ ہر جگہ تقسیم ہو جائیں۔اور ان میں بھی خاص خاص اشخاص کے لئے روپے اور تحفے الگ ہوتے تھے۔کہ خفیہ دیئے جاتے تھے۔شرفائے مکہ میں سے خاص خاص لوگوں کو جو خفیہ روپے پہنچتے تھے۔آخر کس غرض سے؟ یہ سلطان روم کے گھر میں سرنگ لگتی تھی۔افسوس اس وقت کے مورخوں نے خوشامد کے انبار باندھے۔مگر ان باتوں کی پرواہ بھی نہ کی۔نہ اس وقت کے دفتر رہے جن سے یہ نکتے کھلتے۔نقد و جنس تو لاکھوں روپے جاتے ہیں ایک رقم جس کا شیخ عبدالنبی صدر سے یہاں آکر مطالبہ ہوا۔۷۰ ہزار کی تھی اور کھلم کھلا جو کچھ جاتا تھا اس کا کیا ٹھکانہ ہے۔

اکبر نے اولاد سعادتمند نہ پائی

با اقبال بادشاہ کی اولاد پر نظر کرتا ہوں تو افسوس آتا ہے کہ بڑھاپے میں ان سے دکھ بھی پائے اور داغ بھی اٹھائے۔بلکہ اخیر عمر میں ایک بیٹا رہا اس کی طرف سے بھی دل آزردہ اور ناکام ہو گیا۔خدا نے اسے تین بیٹے دیئے تھے۔اگر صاحب توفیق ہوتے تو دست و بازو دولت و اقبال کے ہوتے۔اس کی تمنا تھی کہ یہ نونہال میری ہی ہمت اور میرے ہی خیالات کی ہوا میں سرسبز و سرفراز

Marfat.com

ہوں۔کوئی ملک مقبوضہ کو سنبھالے اور مفتوحہ کو بڑھائے۔کوئی دکن کو صاف کرے۔کوئی افغانستان کو پاک کر کے آگے بڑھے۔اور ازبک کے ہاتھ سے باپ دادا کا ملک چھڑائے مگر وہ شرابی کبابی ایسی ہوس رانی اور عیش پرستی کے بندے ہوئے کہ کچھ بھی نہ ہوئے۔دو ہونہار باغ جوانی کے نونہال لہلاتے گئے۔تیسرا جہانگیر رہا۔سلطنت کے مورخ دولت کے نمکخوار تھے۔ہزار باتیں بنائیں۔مگر بات یہی ہے کہ اکبر جیسا باپ اس سے ناراض اور اس کے افعال سے بیزار گیا۔

جہانگیر سب سے پہلے ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو پیدا ہوا اور یہ راجہ بھارامل کچھواہہ کا نواسہ تھا یعنی راجہ بھگوان داس کا بھانجا۔مان سنگھ کی پھوپھی کا بیٹا۔

مراد ۹۷۷ھ میں ۱۰ محرم کو فتح پور کے پہاڑوں میں پیدا ہوا تھا۔اور اسی واسطے اکبر پیار سے اسے پہاڑی راجہ کہا کرتا تھا۔مہم دکن پر سپہ سالار ہو کر گیا۔شراب مدت سے گھلا رہی تھی اور ایسی منہ لگی تھی۔کہ چھٹ نہ سکتی تھی۔وہاں جا کر اور بڑھ گئی۔اور بیماری بھی حد سے زیادہ گزر گئی۔آخر ۱۰۰۷ھ میں ۳۰ برس کی عمر میں مراد و نامراد و ناشاد جواں مرگ دنیا سے گیا۔تاریخ ہوئی......ع

ازگلشن اقبال نہالے گم شد

جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔سبزہ رنگ۔باریک اندام،خوش قد،بلند بالا تھا۔تمکین وو قار چہرہ سے نمودار تھا۔اور سخاوت و مردانگی اطوار سے آشکار۔باپ نے اس کے شکرانہ ولادت میں بھی اجمیر کی درگاہ کے گرد طواف کیا۔شہر کے گرد فصیل بنوائی۔عمارات عالی اور شاہانہ محل بلند کر کے قلعہ مرتب کیا۔اور امرا کو بھی حکم دیا کہ اپنے اپنے حسب مراتب عمارتیں بنوائیں۔تین برس میں طلسمات کا شہر ہو گیا۔

دانیال اسی سال اجمیر میں پیدا ہوا۔اس کی ماں جب حاملہ تھی۔تو برکت کے لئے اجمیر میں ایک نیک مرد صالح مجاور درگاہ کے گھر میں اسے جگہ دی تھی۔مجاور مذکور کا نام شیخ دانیال تھا۔پیدا ہوا تو اس کی مناسبت سے اس کا نام بھی دانیال رکھا۔یہ وہی ہونہار تھا جس سے خان خاناں کی بیٹی بیاہی تھی۔مراد کے بعد اسے مہم دکن پر بھیجا۔خان خاناں کو بھی ساتھ کیا۔پیچھے پیچھے آپ فوج لے کر گیا۔کچھ ملک اس نے لیا کچھ آپ نے فتح کیا۔سب اس کو دیا۔خاندیس کا نام دان دیس رکھا کہ دانیال کا دیس ہے۔اور دارالخلافہ کو پھر آیا۔وہ جان ہار بھی شراب میں غرق ہوا۔بدنصیب باپ کو خبریں پہنچیں۔خان خاناں پر فرمان دوڑنے شروع ہوئے وہ کیا کرے۔سمجھایا۔تاکید کی۔نوکروں کو تنبیہہ کی کہ شراب کی بوند اندر نہ جانے پائے۔اسے لت لگ گئی تھی۔نوکروں کی منت خوشامد کی کہ خدا کے واسطے جس طرح ہو کہیں سے لاؤ۔اور کسی طرح پلاؤ۔

Marfat.com

اے ذوق استاد ختر رز کو نہ منہ لگا — چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

جانہار جوان کو بندوق کے شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ ایک بندوق بہت عمدہ اور نہایت بے خطا تھی۔ اسے ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ اس کا نام رکھا تھا یکہ و جنازہ۔ یہ بیت آپ کہہ کر اس پر لکھوائی تھی۔

از شوق شکار تو شود جاں تر و تازہ — بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

جن نوکروں اور مصاحبوں سے بے تکلف تھا انہیں کمال منت و زاری سے کہا۔ ایک نادان خیر خواہ لالچ کا مارا اسی بندوق کی نالی میں شراب بھر کر لے گیا۔ اس میں میل اور دھواں جما ہوا تھا۔ کچھ تو وہ چھٹا۔ کچھ شراب نے لوہے کو کاٹا خلاصہ یہ کہ پیتے ہی لوٹ پوٹ ہو کر موت کا شکار ہو گیا۔ یہ بھی خوبصورت اور بجیلا جوان تھا۔ اچھے ہاتھی اور اچھے گھوڑے کا عاشق تھا۔ ممکن نہ تھا کہ کسی امیر کے پاس سنے اور لے نہ لے۔ گانے کا شوقین تھا۔ کبھی کبھی آپ بھی ہندی دہرے کہتا تھا اور اچھے کہتا تھا۔ اس جوانمرگ نے ۳۳ برس کی عمر ۱۰۱۳ھ میں باپ کے جگر پر داغ دیا اور سلیم کی جہانگیری کیلئے پاک صاف میدان چھوڑا۔ دیکھو تزک جہانگیری۔

جہانگیر نے بھی شراب خوری میں کسر نہیں کی۔ اپنی سینہ صافی سے آپ تزک میں لکھتے ہیں۔ خورم (شاہجہاں) کی ۲۴ برس کی عمر ہوئی اور کئی شادیاں ہوئیں۔ اب تک شراب سے لب آلودہ نہیں کئے تھے۔ میں نے کہا کہ بابا شراب تو وہ شے ہے کہ بادشاہوں اور شاہزادوں نے پی ہے۔ تو بچوں والا ہو گیا اور اب تک شراب نہیں پی۔ آج تیرا تلا کا جشن ہے۔ ہم تمہیں شراب پلاتے ہیں اور اجازت دیتے ہیں کہ روز ہائے جشن اور ایام نو روز اور بڑی بڑی مجلسوں میں شراب پیا کرو لیکن اعتدال کی رعایت رکھو۔ کیونکہ اس قدر پینی کہ جس میں عقل جاتی رہے داناؤں نے ناروا سمجھی ہے۔ چاہئے کہ اس کے پینے سے فائدہ مد نظر ہو۔ نہ کہ نقصان۔ بوعلی جسے تمام فلاسفہ و اطبا میں بزرگ دنیا سمجھتے ہیں۔ رباعی کہہ گیا ہے۔ رباعی

مے دشمن مست و دوست ہشیار است — اندک تریاق و بیش زہر مار است

از بسیارش مضرتے اندک نیست — در اندک او منفعتے بسیار است

غرض بڑی تاکید سے پلائی۔

اپنا حال لکھتا ہے۔ میں نے ۱۵ برس کی عمر تک شراب نہیں پی تھی۔ بچپن میں والدہ اور اناؤں نے بچوں کی دوا کی طرح کبھی والد بزرگوار سے عرق منگالیا۔ وہ بھی تولہ بھر گلاب یا پانی ملایا۔ کھانسی کی دوا کہہ کر مجھے پلا دیا۔ ایک دفعہ والد بزرگوار کا لشکر اٹک کے کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ میں شکار کو سوار ہوا۔ بہت پھرتا رہا۔ شام کو آیا تو تھکن معلوم ہوئی۔ استا شاہ قلی توپچی اپنے فن میں بڑا صاحب کمال

Marfat.com

تھا۔ میرے عم بزرگوار مرزا حکیم کے نوکروں میں سے تھا۔ اس نے کہا۔ ایک پیالی نوش جان فرمائیں تو ساری ماندگی جاتی رہے۔ جوانی دوانی تھی۔ ایسی باتوں پر دل مائل تھا۔ محمود آبدار سے کہا۔ حکیم علی کے پاس جا۔ سرور کا شربت لے آ۔ حکیم نے ڈیڑھ پیالہ بھیج دیا۔ زرد بسنتی۔ شیریں۔ سفید شیشہ میں۔ میں نے پیا۔ عجب کیفیت معلوم ہوئی۔ اس دن سے شراب شروع کی۔ اور روز بروز بڑھاتا رہا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شراب انگوری کچھ معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ عرق شروع کیا۔ ۹ برس میں یہ عالم ہوا کہ عرق دو آتشہ کے ۱۴ پیالے دن کو ۷ رات کو پیتا تھا۔ کل ۶ سیر اکبری ہوئی۔ ان دنوں ایک مرغ کے کباب روٹی کے ساتھ اور مولیاں خوراک تھی۔ کوئی منع نہ کرسکتا تھا۔ نوبت یہ ہوئی کہ حالت خمار میں رعشہ کے مارے پیالہ ہاتھ میں نہ لے سکتا تھا اور لوگ پلاتے تھے۔ حکیم ہمام حکیم ابوالفتح کا بھائی والد کے مقربان خاص میں سے تھا۔ اسے بلا کر حال کیا۔ اس نے کمال اخلاص اور نہایت دلسوزی سے بے حجابانہ کہا۔ صاحب عالم جس طرح آپ عرق نوش جاں فرماتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ چھ مہینے میں یہ حال ہو جائے گا کہ علاج پذیر نہ رہے گا اس نے چونکہ خیراندیشی سے عرض کیا تھا۔ اور جان بھی عزیز ہے۔ میں نے فلونیا کی عادت ڈالی۔ شراب گھٹاتا تھا۔ فلونیا بڑھاتا جاتا تھا۔ حکم دیا کہ عرق شراب انگوری میں ملا کر دیا کرو۔ چنانچہ دو حصے شراب انگوری۔ ایک حصہ عرق دینے لگے۔ گھٹاتے گھٹاتے ۷ برس میں ۶ پیالے پر آگیا۔ اب ۱۵ برس سے اسی طرح ہوں۔ نہ کم ہوتی ہے نہ زیادہ۔ رات کو پیا کرتا ہوں۔ مگر جمعرات کا دن مبارک ہے کہ میرا روز جلوس ہے۔ اور شب جمعہ متبرک رات ہے۔ اور اس کے آگے بھی متبرک دن آتا ہے اس لئے نہیں پیتا۔ جمعہ کا دن آخر ہوتا ہے تو پیتا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ وہ رات غفلت میں گزرے اور منعم حقیقی کے شکر سے محروم رہوں۔ جمعرات اور اتوار کو گوشت نہیں کھاتا۔ اتوار والد بزرگوار کی پیدائش کا دن ہے۔ وہ بھی اس دن کا بڑا ادب کرتے تھے۔ چند روز سے فلونیا کی جگہ افیون کردی ہے۔ اب عمر ۴۶ برس ۴ مہینے شمسی پر پہنچی۔ ۴۷ برس ۹ مہینے قمری ہوئے۔ ۸ رتی ۵ گھڑی دن چڑھے۔ ۶ رتی پہر رات کو کھاتا ہوں۔ آزاد۔ دیکھتے ہو سادہ لوح مسلمان آج حکومت اسلام اور عمل اسلام کہہ کر فدا ہوئے جاتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ وہ کیا اسلام تھے اور کیا آئین اسلام تھے۔ جس کو دیکھو شیر مادر کی طرح شراب پئے جاتا ہے۔ ناموں کی فہرست لکھ کر اب کیوں انہیں بدنام کروں اور ایک شراب کو کیا روئیے۔ سن چکے اور سن لوگے کہ کیا کیا کچھ ہوتا تھا۔ غرض میں کیا کہوں دنیا عجب تماشا ہے۔

Marfat.com

شہزادوں کی سعادت مندی کے کارنامے:

اب شہزادوں کی سعادت مندی کے کارنامے سنو کہ اکبر کو ملک دکن کی تسخیر کا شوق تھا۔ ادھر کے حکام وامرا کو پرچاتا تھا۔ جو آتے تھے۔ انہیں دلداری وخاطر داری سے رکھتا تھا۔ خود سفارتیں بھیجتا تھا۔ ۱۰۰۳ھ میں معلوم ہوا کہ برہان الملک کے مرنے اور اس کے نااہل بیٹوں کی کشاکشی سے گھر بے چراغ اور ملک میں اندھیر پڑ گیا۔ امرائے دکن کی عرضیاں بھی دربار اکبری میں پہنچیں کہ حضور اس طرف کا قصد فرمائیں تو عقیدت مند خدمت کو حاضر ہیں۔ اکبر نے جلسہ مشورۃ قائم کر کے ادھر کا عزم مصمم کیا۔ ملک کو امراء پر تقسیم کیا۔ ان کے عہدے بڑھائے۔ اس وقت تک دربار میں پنج ہزاری منصب معراج مدارج تھا۔ اب شہزادوں کو وہ منصب عطا کیے جو آج تک نہ سنے تھے۔

بڑے شاہزادے یعنی سلیم (جو بادشاہ ہو کر جہانگیر ہوا) کو کہ ولیعہد دولت تھا۔ دوازدہ ہزاری (۲) مراد کو دہ ہزاری (۳) دانیال کو ہفت ہزاری۔

شہزادہ مراد کی دکن مہم پر روانگی

مراد کو سلطان روم کی چوٹ پر سلطان مراد بنا کر مہم دکن پر روانہ کیا۔ ناتجربہ کار شہزادہ اول سب کو بلند نظر نوجوان نظر آیا مگر حقیقت میں پست ہمت اور کوتاہ عقل تھا۔ خان خاناں جیسے شخص کو اپنی عالی دماغ سے ایسا تنگ کیا کہ وہ اپنی التجا کے ساتھ دربار میں واپس طلب ہوا اور مراد دنیا سے ناشاد گیا۔

اکبر نے ایک ہاتھ جگر کے داغ پر رکھا۔ دوسرے ہاتھ سے سلطنت کو سنبھال رہا تھا۔ جو ۱۰۰۵ھ میں خبر آئی کہ عبداللہ خاں ازبک والئی ترکستان نے بیٹے کے ہاتھ سے قضا کا جام پیا اور ملک میں چھری کٹاری کا بازار گرم ہے۔ اس نے فوراً انتظام کا نقشہ بدلا۔ امرا کو لے کر بیٹھا اور مشاورت کی انجمن جمائی۔ صلاح یہی ٹھہری کہ پہلے دکن کا فیصلہ کر لینا واجب ہے۔ گھر کے اندر کا معاملہ ہے۔ اور کام بھی قریب الاختتام ہے۔ ادھر سے خاطر جمع کر کے ادھر چلنا چاہیے۔ چنانچہ دانیال کے نام پر مہم نامزد کی اور مرزا عبدالرحیم خان خاناں کو ساتھ لے کر خاندیس روانہ کیا۔

سلیم کو شہنشاہی خطاب:

سلیم کو شہنشاہی خطاب اور بادشاہی لوازمات واسباب دیکر ولی عہد قرار دیا۔ اجمیر کا صوبہ متبرک سمجھ کر اس کی جاگیر میں دیا اور میواڑ (ادیپور) کی مہم پر نامزد کیا۔ راجہ مان سنگھ وغیرہ نامی امرا کو ساتھ کیا۔ تمن، توغ، علم، نقارہ، فراش خانہ وغیرہ تمام سامان سلطانی عنایت فرمائے۔ لاکھ اشرفی نقد

Marfat.com

دی۔ عماری دار ہاتھی سواری کو دیا۔ مان سنگھ کو بنگالہ کا صوبہ پھر عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ شہزادہ کی رکاب میں جاؤ۔ جگت سنگھ اپنے بڑے بیٹے کو۔ یا جسے مناسب سمجھو نیابت بنگالہ پر بھیج دو۔

دانیال کی شادی:

دانیال کی شادی خان خاناں کی بیٹی سے کر دی۔ ابوالفضل بھی مہم دکن پر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اور خان خاناں نے اکبر کو لکھا کہ حضور خود تشریف لائیں تو یہ مشکل مہم ابھی آسان ہو جائے۔ اکبر کا اسپ ہمت قمچی کا محتاج نہ تھا۔ ایک اشارہ میں برہانپور پر جا پہنچا اور آسیر کا محاصرہ کر لیا۔ خان خاناں دانیال کو لئے احمد نگر کو گھیرے پڑا تھا کہ اکبر نے آسیہ کا قلعہ بڑے زور شور سے فتح کیا۔ ادھر احمد نگر خان خاناں نے توڑا۔

۱۰۰۹ھ ۔ ۱۶۰۱ء ۔ اب ملک کے دروازے خود بخود کھلنے لگے۔ ابراہیم عادل شاہ کا ایلچی بیجاپور سے تحائف گراں بہا لے کر حاضر ہوا۔ تحریر و تقریر میں اشارہ تھا کہ بیگم سلطان اس کی بیٹی کو حضور شہزادہ دانیال کی ہمنشینی کے لئے قبول فرمائیں۔ اکبر یہ عالم دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ میر جمال الدین انجو کو اس کے لینے کے لئے بھیجا۔ بڈھے بادشاہ کا جوان اقبال ادائے خدمت میں طلسمات کا تماشا دکھا رہا تھا۔ جو خبر پہنچی کہ شاہزادہ ولی عہد رانا کی مہم کو چھوڑ کر بنگالہ کو چلا گیا۔

بات یہ تھی کہ اول تو وہ نوجوان عیش کا بندہ تھا۔ آپ اجمیر کے علاقہ میں شکار کھیل رہا تھا۔ امرا کو رانا پر روانہ کیا تھا۔ دوسرے وہ کوہستان ویران۔ گرم ملک۔ غنیم جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے۔ کبھی ادھر سے آن گرا۔ کبھی ادھر سے شبخون مارا۔ بادشاہی فوج بڑے حوصلہ سے حملے کرتی تھی اور روکتی تھی۔ رانا جب دبتا تھا۔ پہاڑوں میں بھاگ جاتا تھا۔ شہزادہ کے پاس بدنیت اور بداعمال مصاحب صحبت میں تھے۔ وہ ہر وقت دل کو اچاٹ اور طبیعت کو آوارہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بادشاہ اس وقت مہم دکن میں ہیں اور منصوبہ عظیم پیش نظر ہے۔ مدتوں کی منزلیں اور مسافت درمیان ہے۔ آپ راجہ مان سنگھ کو اس کے علاقہ پر رخصت کر دیں اور آگرہ کی طرف نشان دولت بڑھا کر کوئی سیر حاصل اور سرسبز علاقہ زیر قلم کر لیں۔ یہ امر کچھ معیوب نہیں۔ جو ہر ہمت اور غیرت سلطنت کی بات ہے۔ شہزادہ ان کی باتوں میں آ گیا اور ارادہ کیا کہ پنجاب میں جا کر باغی بن بیٹھے۔ اتنے میں خبر آئی کہ بنگالہ میں بغاوت ہو گئی۔ اور راجہ کی فوج نے شکست کھائی۔ اس کی مراد بر آئی۔ راجہ کو ادھر رخصت کیا اور آپ مہم چھوڑ آگرہ کو روانہ ❶ ہوا۔ یہاں آ کر باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ قلعہ میں مریم

❶ ابوالفضل کی دوراندیشی نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ جو کچھ ہوا مان سنگھ کے اغوا سے ہوا۔

Marfat.com

مکانی (والدہ اکبر) بھی موجود تھیں۔ قلیچ خاں پرانا خدمت گزار اور نامی سپہ سالار قلعدار اور تحویلدار تھا۔اور کارسازی و منصوبہ بازی میں یکتا مشہور تھا۔ اس نے نکل کر بڑی خوشی اور شگفتہ روئی سے مبارک باد دی۔ پیشکش اور نذرانہ شاہانہ گزران کو ایسی خیر خواہی کے ساتھ باتیں بنائیں اور تدبیریں بتائیں کہ شاہزادہ کے دل پر اپنی ہواخواہی پتھر کی لکیر کر دی۔ ہر چند نئے مصاحبوں نے کان میں کہا کہ پرانا پاپی بڑا متفنی ہے۔اس کا قید کر لینا مصلحت ہے۔ یہ آخر شہزادہ تھا۔ نہ مانا بلکہ رخصت کے وقت اسے کہہ دیا کہ ہر طرف سے ہوشیار رہنا اور قلعہ کی خبر داری اور ملک کا بندوبست رکھنا۔

جہانگیر جمنا اتر کر شکار کھیلنے لگا۔ مریم مکانی پر یہ راز کھل گیا تھا اور وہ بیٹے سے زیادہ اسے چاہتی تھیں۔انہوں نے بلا بھیجا۔ نہ آیا۔ ناچار خود سوار ہوئیں۔ یہ آنے کی خبر سن کر شکار کی طرح بھاگے۔ اور جھٹ کشتی پر بیٹھ الہ آباد کو روانہ ہوئے۔ دادی کہن سال افسردہ حال اپنا سا منہ لے کر چلی آئی۔ اس نے الہ آباد پہنچ کر سب کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ الہ آباد آصف خاں میر جعفر کے سپرد تھا۔ اس سے لے کر اپنی سرکار میں داخل کر لیا۔ بہار اودھ وغیرہ آس پاس کے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ ہر جگہ اپنے حاکم مقرر کیے۔ وہ اکبری ملازم پرانے قدیم الخدمت ٹھوکریں کھاتے ادھر آئے۔ بہار کا خزانہ ۳۰ لاکھ سے زیادہ تھا۔ اس پر قبضہ کیا۔ صوبہ مذکور شیخ جیون اپنے کوکہ کو عنایت کیا اور قطب الدین خاں خطاب دیا۔ تمام مصاحبوں کو منصب اور خانی سلطانی کے خطاب دیئے جاگیریں دیں اور آپ بادشاہ بن گیا۔

اکبر دکن کے کنارہ پر بیٹھا پورب پچھم کے خیال باندھ رہا تھا۔ یہ خبر پہنچی تو بہت گھبرایا میر جمال الدین حسین کے آنے کا انتظار بھی نہ کیا۔ مہم کو امرا پر چھوڑا اور آپ حسرت و افسوس کے ساتھ آگرہ کو روانہ ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ ہلہلا چند روز اور نہ اٹھتا تو دکن کے بہت سے قلعدار خود کنجیاں لے لے کر حاضر ہو جاتے اور دشوار مہمیں آسان طور سے طے ہو جاتیں۔ پھر ملک موروثی یعنی ترکستان پر خاطر جمع سے دھاوے مارتے مگر مقدر مقدم ہے۔

نااہل و ناخلف بیٹے نے جو حرکتیں وہاں کیں۔ باپ کو حرف حرف خبر پہنچی اب اسے محبت پدری کہو خواہ مصلحت ملکی سمجھو۔ باوجود ایسی بے اعتدالیوں کے باپ نے ایسی بات نہ کی جس سے بیٹا بھی باپ کی طرف سے ناامید ہو کر کھلم کھلا باغی ہو جاتا۔ بلکہ کمال محبت سے فرمان لکھا۔ اس نے جواب میں ایسے زمین آسمان کے افسانے سنائے گویا اسکی کچھ خطا ہی نہیں۔ بلا بھیجا تو ٹال گیا اور ہرگز نہ آیا۔ اکبر آخر باپ تھا اور آخری وقت تھا۔ دانیال بھی دنیا سے جانے والا تھا۔ یہی ایک نظر آتا تھا اور اسے

Marfat.com

بڑی منتوں مرادوں سے پایا تھا۔ ایک اور فرمان لکھ کر محمد شریف ولد خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے ہاتھ روانہ کیا کہ وہ ان کا ہم سبق تھا اور بچپن سے ساتھ کھیلا تھا۔ زبانی بھی بہت کچھ کہلا بھیجا۔ اور بڑی محبت اور اشتیاق دیدار کے پیام بھیجے۔ بہت بہلایا پھسلایا۔ خدا جانے وہ منایا نہ منا۔ باپ بیچارا آپ ہی کہہ سن کر خوش ہو گیا اور حکم بھیجا کہ ملک بنگال اور اڑیسہ تمہاری جاگیر ہے اس کا انتظام کرو۔ مگر اس نے حکم کی تعمیل نہ کی اور آلے بالے بتاتا رہا۔

۱۰۱۱ھ میں پھر وہی روز سیاہ پیش آیا۔ الہ آباد میں بگڑ بیٹھے۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ٹکسال میں سکہ لگوایا۔ روپے اشرفیاں مہاجنوں کے لین دین میں آگرہ اور دلی پہنچائیں کہ باپ دیکھے اور جلے۔ اس کے پرانے وفاداروں اور قدیمی جاں نثاروں کو اپنا بدخواہ اور نمک حرام ٹھیرایا۔ کسی کو تخت قید، کوئی قتل، یہاں تک کہ شیخ ابوالفضل کے خون ناحق سے فارغ ہوئے۔ اب یا تو اکبر بلاتا تھا۔ یہ آتے نہ تھے۔ یا مصاحبوں سے صلاح مشورہ کر کے تیس چالیس ہزار لشکر جرار کے ساتھ آگرہ کو چلے۔ رستے میں بہت سے امیروں کی جاگیریں لوٹتے آئے۔ اٹاوہ میں آصف خاں کی جاگیر تھی۔ وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ آصف خاں دربار میں تھا۔ اس کے وکیل نے آقا کی طرف سے لعل گراں بہا نذر گزرانا۔ اور عرضی پیش کی (اکبر کے اشارے سے لکھی گئی تھی) اس پر بھی زرخطیر اس کی جاگیر سے وصول کیا۔ جن امرا کی جاگیریں صوبہ بہار میں تھیں۔ سب نالاں تھے۔ آصف بہت کہتے رہتے تھے مگر سلیمان صلاح اندیش ایسے جواب دیتا تھا جسے سن کر محبت کے سینے سے دودھ بہنے لگتا تھا۔ امرا چپ تھے مگر آپس میں کہتے تھے کہ بادشاہ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ دیکھیے اس بیحد شفقت کا انجام کیا پیش ہوتا ہے

جب نوبت حد سے گزر گئی اور وہ اٹاوہ سے بھی کوچ کر کے آگے بڑھا تو انتظام سلطنت میں خلل عظیم نظر آیا۔ اب اکبر کا بھی یہ حال ہوا کہ یا تو بیٹے کے ملنے کی آرزو اور ذوق شوق کے خیالات سنا سنا کر خوش ہوتا تھا یا اپنے اور اس کے معاملے کے انجام کو سوچنے لگا۔ فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصہ فرمان:

اگرچہ اشتیاق دیدار فرزند کامگار کا حد سے زیادہ ہے۔ بوڑھا باپ دیدار کا پیاسا ہے لیکن پیارے بیٹے کا ملنے کو آنا۔ اور اس جاہ و جلال سے آنا دل محبت منزل پر شاق اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اگر تجمل اور خوشنمائی لشکر کی اور موجودات سپاہ کی منظور نظر ہے۔ تو مجرا قبول ہو گیا۔ سب کو جاگیروں پر

Marfat.com

رخصت کر دو اور معمول کے بموجب چھڑے چلے آؤ۔ باپ کی دکھتی آنکھوں کو روشن اور محروم دل کو خوش کرو۔ اگر لوگوں کی یاوہ گوئی سے کچھ وہم و وسواس تمہارے دل میں ہے جس کا ہمیں سان گمان بھی نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں الہ آباد کی طرف مراجعت کرو اور کسی قسم کے وسوسے کو دل میں راہ نہ دو۔ جب وہم کا نقش تمہارے دل سے دھویا جائے گا۔ اس وقت ملازمت میں حاضر ہونا۔

اس فرمان کو دیکھ کر جہانگیر بھی بہت شرمایا کیونکہ کوئی بیٹا باپ کے سلام کو اس کروفر سے نہیں گیا۔ اور ایسے اختیارات نہیں دکھائے اور کسی بادشاہ نے بیٹے کی بے اعتدالیوں کا اس قدر تحمل بھی نہیں کیا۔ چنانچہ وہیں ٹھیر گیا۔ اور عرضی لکھی۔ کہ غلام خانہ زاد کو سوا آرزوئے ملازمت کے اور کچھ خیال نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب حکم حضور کا اس طرح پہنچا ہے۔ اطاعت فرمان واجب جان کر چند روز اپنے خداوند مرشد و قبلہ کی درگاہ سے جدا رہنا ضرور ہوا۔ وغیرہ وغیرہ یہ لکھا۔ اور الہ آباد کو پھر گیا۔ اکبر کے حوصلے کو آفرین ہے کہ کل بنگالہ بیٹے کی جاگیر کر دیا۔ اور لکھ بھیجا کہ اپنے ہی آدمی تعینات کر دو۔ سفید وسیاہ کا تمہیں اختیار ہے اور ہماری ناخوشی کا وسوسہ اور دغدغہ دل سے نکال ڈالو۔ بیٹے نے شکریہ کی عرضداشت لکھی اور خود اختیاری کے ساتھ اپنے ہاتھوں کے احکام وہاں جاری کر دیئے۔

صحبت میں مصاحب اچھے نہ تھے۔ بے اعتدالیاں بڑھنے لگیں۔ اکبر پریشان رہتا تھا۔ امرائے دربار میں نہ کسی کی عقل پر اعتماد تھا نہ دیانت کا اعتبار تھا۔ ناچار شیخ ابوالفضل کو دکن سے بلایا۔ وہ اس طرح مارے گئے۔ خیال کرنا چاہئے کہ دل پر کیا صدمہ گزرا ہوگا۔ واہ رے اکبر زہر کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ جب کچھ نہ بن آئی تو خدیجۃ الزمانی سلیمہ سلطان بیگم کو کہ دانائی، کاروانی اور سخن سنجی و حسن تقریر میں سحر آفرین تھیں۔ بیٹے کی تسلی اور دلاسے کے لئے روانہ کیا۔ خاصہ کے ہاتھیوں میں سے فتح لشکر ہاتھی، خلعت اور تحفے گراں بہا بھیجے۔ لطیف میوے، من بھاتے کھانے، مٹھائیں، پوشاک ولباس کی اکثر چیزیں برابر چلی جاتی تھیں کہ کسی طرح بات بنی رہے اور ضدی لڑکا ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ وہ اکبر بادشاہ تھا۔ سمجھتا تھا کہ میں چراغ سحری ہوئی۔ اس وقت یہ تکرار بڑھی تو سلطنت کا عالم تہ و بالا ہو جائے گا۔

کارداں بیگم وہاں پہنچی۔ اپنی کاروانی سے وہ منتر پھونکے کہ مرغ وحشی دام میں آ گیا۔ اور ایسا کچھ سمجھایا۔ کہ بھولا لڑکا ساتھ چلا آیا۔ رستے میں سے پھر عرضی آئی کہ مریم مکانی مجھے لینے آئیں۔ اکبر نے جواب میں لکھا کہ مجھے تو اب ان سے کہنے کا منہ نہیں۔ تم آپ ہی لکھو۔ خیر ایک منزل آگرہ رہا تو مریم مکانی بھی گئیں۔ اپنے ہی گھر میں لا کر اتارا۔ دیدار کا بھوکا باپ وہاں آپ چلا گیا۔ بارے ایک ہاتھ مریم مکانی نے پکڑا۔ ایک سلیمہ سلطان بیگم نے۔ سامنے لائے۔ باپ کے قدموں پر ان کا سر

Marfat.com

رکھا۔ باپ کو اس سے زیادہ اور دنیا میں تھا کیا؟ اٹھا کر دیر تک سر چھاتی سے لگائے رہے اور روئے۔ اپنے سر سے دستار اتار کر بیٹے کے سر پر رکھ دی۔ ولی عہدی کا خطاب تازہ کیا اور حکم دیا کہ شادیانے بجیں۔ جشن کیا۔ مبارکبادیں ہوئیں۔ رانا کی مہم پر پھر نامزد کیا اور امرا فوجیں دیکر ساتھ کیے۔

اکبر کے وفاداروں میں چپقلش:

یہ یہاں سے روانہ ہوئے۔ اور فتح پور میں جا کر مقام کیا۔ بعض سامانوں اور خزانوں کے پہنچنے میں دیر ہوئی۔ نازک مزاج پھر بگڑ گیا۔ اور لکھا کہ کفایت اندیش حضور کے سامان بھیجنے میں ٹال کرتے ہیں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے اوقات ضائع ہوتی ہے۔ اس مہم کے لیے لشکر وافر چاہئے۔ رانا پہاڑوں میں گھس گیا ہے وہاں سے نکلتا نہیں۔ اس لئے چاروں طرف سے فوج روانہ کرنی چاہئے۔ اور ہر جگہ اتنی فوج ہو کہ جہاں مقابلہ ہو پڑے اس کا جواب دے سکے۔ امیدوار ہوں کہ فی الحال مجھے اجازت ہو کہ جاگیر پر جاؤں۔ وہاں حسب دلخواہ خود کافی وافی سامان سرانجام کر کے حکم کی تعمیل کر دونگا۔ اکبر نے دیکھا کہ لڑکا پھر مچلا۔ سوچ سمجھ کر اپنی بہن کو بھیجا۔ پھوپھی نے بھی جا کر بہتیرا سمجھایا۔ وہ کیا سمجھتا تھا۔ آخر باپ کو اجازت ہی دیتے بن آئی۔ یہ کوچ بہ کوچ شان شاہانہ سے الہ آباد کو روانہ ہوئے۔ کوتہ اندیش امیروں نے اکبر کو اشارہ کیا کہ موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہئے (قید) اس نے ٹال دیا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ دوسرے ہی دن ایک پوستین سمور سفید کا بھیجا کہ ہمیں اس وقت بہت پسند آیا۔ جی چاہا کہ نور چشم اسے پہنے۔ اور کچھ تحفے کشمیر کابل کے اور بھی ساتھ بھیجے۔ مطلب یہی تھا کہ اس کے دل میں شبہ نہ آئے۔ اس نے الہ آباد میں پہنچ کر پھر وہی اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی۔ جن امرا کو باپ نے پچاس برس کی محنت میں جاں باز اور جاں نثار دلاور فتح یاب تیار کیا تھا۔ اور اس کے بھی محرم راز تھے۔ انہی کو برباد کرنے لگا۔ وہ اٹھ اٹھ کر دربار میں آنے لگے۔

خسرو اس کا بیٹا راجہ مان سنگھ کا بھانجا تھا۔ مگر بے عقل اور بدنیت تھا۔ وہ اپنے حال پر اکبر کی شفقت دیکھ کر سمجھتا تھا کہ دادا مجھے ولی عہد کرے گا۔ باپ کے ساتھ بے ادبی اور بیباکی سے پیش آتا تھا۔ اور کبھی کبھی اکبر کی زبان سے بھی نکل گیا تھا کہ اس باپ سے تو یہ لڑکا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ ایسی ایسی باتوں پر نظر کر کے وہ کوتہ اندیش لڑکا اور بھی لگاتا بجھاتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی ماں کو یہ حالات دیکھ کر تاب نہ رہی۔ کچھ تو جنون اس کا موروثی مرض تھا۔ کچھ ان باتوں کا غم وغصہ۔ بیٹے کو سمجھایا۔ وہ باز نہ آیا۔ آخر راجپوت رانی تھی افیم کھا کر مرگئی۔ کہ اس کی ان حرکتوں سے میرے دودھ پر حرف آئے گا۔

Marfat.com

جہانگیر کی سنگ دلی:

انہی دنوں میں بادشاہی واقعہ نویس ایک لڑکے کو لے کر بھاگ گیا کہ نہایت صاحب جمال تھا۔ اور جہانگیر بھی اسے دربار میں دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا۔ حکم دیا کہ پکڑ لاؤ۔ وہ کئی منزل سے پکڑے آئے۔ اپنے سامنے دونوں کی زندہ کھال اتروا ڈالی۔ اکبر کو بھی دم دم کی خبر پہنچتی تھی۔ سن کر تڑپ گیا اور کہا۔ اللہ اللہ شیخو جی ہم تو بکری کی کھال بھی اترتے نہیں دیکھ سکتے۔ تم نے یہ سنگدلی کہاں سے سیکھی۔ شراب اس قدر پیتا تھا کہ نوکر چاکر ڈر کے مارے کونوں میں چھپ جاتے تھے۔ پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جو حضوری سے مجبور تھے وہ نقش دیوار کھڑے رہتے تھے۔ وہ ایسی حرکتیں کرتا تھا جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوں۔

ایسی ایسی باتیں سن کر عاشق باپ سے نہ رہا گیا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ زیادہ تر شراب کی خانہ خرابی ہے۔ چاہا کہ خود جاؤں اور آپ سمجھا کر لے آؤں۔ کشتی پر سوار ہوا۔ ایک دن کشتی ریتے میں رکی رہی۔ دوسرے دن اور کشتی آئی۔ دو دن مہینہ کا تار لگا رہا۔ اتنے میں خبر پہنچی کہ مریم مکانی کا برا حال ہے۔ مختصر یہ کہ پھر آئے اور ایسے وقت پہنچے کہ لبوں پر دم تھا۔ ماں نے بیٹے کا آخری دیدار دیکھ کر ۱۰۱۲ھ میں دنیا سے سفر کیا۔ اکبر کو بڑا رنج ہوا۔ بھدرا کیا کہ چنگیز خانی تورہ اور ہندوستانی ریت کا حکم تھا۔ ۱۴ سو نمک حلالوں نے ساتھ دیا۔ تھوڑی دور سعادت مند بیٹے نے ماں کا تابوت سر پر اٹھایا۔ تمام امرا کندھوں پر لے گئے۔ اکبر تھوڑی دور تک جا کر نہایت آزردہ ہوا۔ پھر آیا اور تابوت کو دلی روانہ کیا کہ شوہر کے پہلو میں دفن ہو۔ الہ آباد میں خبر پہنچی تو یہ بھی کچھ سمجھے۔ اور روتے بسورتے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عاشق باپ نے گلے لگایا بہت سمجھایا۔ معلوم ہوا کہ کثرت شراب سے دماغ میں خلل آگیا ہے۔ نوبت یہ ہوگئی تھی کہ فقط شراب کا نشہ بس نہ تھا۔ اس میں افیون گھول کر پیتے تھے جب ذرا سرور معلوم ہوتا تھا۔ اکبر نے حکم دیا کہ محل سے نکلنے نہ پائیں۔ مگر پھر کب تک۔ ناچار تفریحوں اور ترکیبوں سے طبیعت کی اصلاح کرتا تھا۔ اور حکمت عملی کے علاجوں سے دیوانہ کو قابو میں لاتا تھا۔ غائبانہ حاضرانہ شفقتیں کر کے پھسلاتا تھا کہ ہٹیلے لڑکے کی ضدوں میں بڑوں کا نام نہ مٹ جائے۔ اور فی الحقیقت وہ ملک تدبیر کا بادشاہ سچ سمجھا تھا۔

دانیال کی موت:

ابھی مراد کے آنسوؤں سے پلکیں نہ سوکھی تھیں کہ اکبر کو پھر جوان بیٹے کے غم میں رونا پڑا۔ یعنی ۱۰۱۳ھ میں دانیال نے بھی اسی شراب کے پیچھے اپنی جان عزیز کو ضائع کیا اور سلیم کیلئے میدان خالی

Marfat.com

چھوٹ گیا۔ باپ کو اب سوا سلیم کے دین دو دنیا میں کوئی نہ تھا۔ بیٹا اور اکلوتا بیٹا۔ ع

داغ فرزندے کند فرزند دیگر را عزیز

ہاتھیوں کی لڑائی:

اسی عرصہ میں ایک دن بعض سلاطین ❶ اور شہزادوں کی فرمائش سے صلاح ٹھہری کہ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھیں۔ اکبر کا بھی قدیمی شوق تھا پھر جوانی کی امنگ آ گئی۔ ولی عہد دولت کے پاس ایک بڑا بلند اور تناور ہاتھی تھا۔ اسی لئے اس کا نام گرانبار رکھا تھا۔ وہ ہزاروں ہاتھیوں میں نمودار نظر آتا تھا۔ اور لڑائی میں ایسا بلونت تھا کہ ایک ہاتھی اس کی ٹکر نہ اٹھا سکتا تھا۔ خسرو (شاہزادہ ولی عہد کے بیٹے) کے پاس ایسا ہی نامور اور دھیس دھونکڑ ہاتھی تھا۔ اس کا نام آپ روپ تھا۔ دونوں کی لڑائی ٹھیری۔ خاصہ بادشاہی میں بھی ایک ایسا ہی جنگی ہاتھی تھا۔ اس کا نام رن تھمن تھا۔ تجویز ٹھہری کہ جوان دونوں میں سے دب جائے اس کی مدد پر رن تھمن آئے۔ بادشاہ اور اکثر شہزادے جھروکوں میں بیٹھے۔ جہانگیر اور خسرو اجازت لے کر گھوڑے اڑاتے میدان میں آئے۔ ہاتھی آمنے سامنے آئے اور پہاڑ ٹکرانے لگے۔ اتفاقاً بیٹے (خسرو) کا ہاتھی بھاگا اور باپ کا (جہانگیر کا) ہاتھی اس کے پیچھے چلا۔ خاصہ کے فیلبان نے بموجب قرارداد کے رن تھمن کو آپ روپ کی مدد پر پہنچایا۔ جہانگیری نمکخواروں کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو۔ ہماری جیت ہار ہو جائے۔ اس لئے رن تھمن کو مدد سے روکا۔ چونکہ پہلے سے یہ بات ٹھیری ہوئی تھی۔ فیلبان نہ رکا۔ جہانگیری نوکروں نے غل مچایا۔ برچھوں کے کوچے اور پتھر مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ فیلبان شاہی کی پیشانی پر پتھر لگا اور کچھ لہو بھی منہ پر بہا۔

خسرو ہمیشہ دادا کو باپ کی طرف سے اکسایا کرتا تھا۔ اپنے ہاتھی کے بھاگنے سے کھسیانا ہو گیا۔ اور جب مدد بھی نہ پہنچ سکی تو دادا کے پاس آیا۔ بسورتی صورت بنا کر باپ کے نوکروں کی زیادتی اور فیلبان خاصہ کی مجروحی کا حال برے رنگ سے دکھایا۔ جہانگیر کے نوکروں کا شور شرابا اور اپنے فیلبان کے منہ پر لہو بہتا ہوا سامنے سے اکبر نے بھی دیکھا تھا۔ بہت برہم ہوا۔ خرم ❷ (شاہجہاں) کی ۱۴ برس کی عمر تھی اور دادا کی خدمت سے ایک دم جدا نہ ہوتا تھا۔ اس وقت بھی حاضر تھا۔ اکبر نے کہا۔ تم

---

❶ خاندان چغتائیہ کی اصلاح میں بادشاہ اور ولی عہد کے سوا جو خاندان کے بھائی بند ہوں۔ سلاطین کہلاتے ہیں بلکہ مجازاً ایک کو بھی سلاطین کہہ دیتے ہیں۔ اگرچہ لفظاً جمع کا صیغہ ہے۔

❷ خرم۔ سلیم یعنی جہانگیر کا بیٹا تھا۔ یہ راجہ ادے سنگھ کی بیٹی۔ راجہ مالدیو فرمانروائے جودھ پور کی پوتی کے شکم سے ۱۰۰۰ھ میں شہر لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اکبر نے اسے خود بیٹا کر لیا تھا۔ بہت پیار کرتا تھا اور وہ ہر وقت دادا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

Marfat.com

جاؤ اپنے شاہ بھائی (جہانگیر) سے کہو کہ شاہ بابا (اکبر) کہتے ہیں۔ دونوں ہاتھی تمہارے۔ دونوں فیلبان تمہارے۔ جانور کی طرفداری میں ہمارے ادب کا بھول جانا یہ کیا بات ہے۔

خورم اس عمر میں بھی دانشمند اور نیک طبع تھا۔ ہمیشہ ایسی باتیں کیا کرتا تھا جس میں باپ اور دادا میں صفائی رہے۔ وہ گیا اور خوشی خوشی پھر آیا۔ عرض کی۔ شاہ بھائی کہتے ہیں۔ حضور کے سر مبارک کی قسم ہے کہ فدوی کو اس بے ہودہ حرکت کی ہرگز خبر نہیں اور غلام کبھی ایسی گستاخی گوارا نہیں کر سکتا۔ غرض باپ کی طرف سے اس طرح تقریر کی کہ دادا خوش ہو گیا۔ اکبر اگرچہ جہانگیر کی حرکات ناشائستہ سے ناراض تھا اور اس عالم میں کبھی خسرو کی تعریف بھی کر دیا کرتا تھا مگر سمجھتا تھا کہ یہ اس سے بھی نالائق ہے۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ خسرو ایک دفعہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر نہ رہے گا کیونکہ اس کا پیچھا بھاری ہے۔ یعنی مان سنگھ کا بھانجا ہے۔ تمام سرداران کچھواہا ساتھ دینگے۔ خان اعظم کی بیٹی اس سے بیاہی ہے۔ وہ بھی سلطنت کا رکن اعظم ہے۔ ان دونوں کا ارادہ تھا کہ جہانگیر کو باغی قرار دے کر اندھا کر دیں اور قید رکھیں۔ خسرو کے سر پر تاج اکبری رکھیں مگر دانا بادشاہ برسوں کی مدت اور کوسوں کی مسافت کو سامنے دیکھتا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ جب اس طرح بگڑے گی تو گھر ہی بگڑ جائے گا اس لئے مصلحت یہی نظر آئی کہ سب کاروبار بدستور رہے۔ اور جہانگیر ہی تخت نشین ہو۔ ان دنوں میں جو بڑے بڑے امیر تھے وہ اضلاع دور دست میں بھیجے ہوئے تھے۔ اس لئے جہانگیر بہت ہراساں تھا۔ چنانچہ جب اکبر کی حالت غیر ہوئی تو اس کے اشارہ سے قلعہ سے نکل کر ایک مکان محفوظ میں جا بیٹھا۔ وہاں شیخ فرید بخشی [1] وغیرہ پہنچے اور شیخ اپنے مکان میں لے گئے۔

جب بیٹے کو کئی دن نہ دیکھا تو اکبر بھی سمجھ گیا اور اسی عالم میں بلایا۔ گلے سے لگا کر بہت پیار کیا اور کہا کہ امرائے دربار کو یہیں بلا لو۔ پھر بیٹے سے کہا۔ اے فرزند جی نہیں قبول کرتا کہ تجھ میں اور میرے ان دولت خواہوں میں بگاڑ ہو جنہوں نے برسوں میرے ساتھ یلغاروں اور شکاروں میں محنتیں اٹھائیں اور تیغ و تفنگ کے منہ پر جان جوکھوں میں رہے۔ اور میرے جاہ جلال اور ملک و دولت کی ترقی میں جانفسانی کرتے رہے۔ اتنے میں امرا بھی حاضر ہو گئے۔ سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے وفادارو۔ اے میرے عزیزو اگر بھولے سے بھی کوئی خطا تمہاری میں نے کی ہو

[1] اس نے اکثر معرکوں میں دلاوری کے کارنامے دکھا کر جہانگیر سے مرتضیٰ خاں خطاب حاصل کیا۔ سید صحیح النسب تھا۔ کہتا تھا کہ میں رضوی سید ہوں مگر حقیقت میں تقوی سید تھا یعنی حضرت جعفر تواب کی اولاد تھا۔ جنہیں اکثر مصنف جعفر کذاب لکھتے ہیں۔ اکبر کے عہد میں بھی بڑی جانفسانی اور نمک حلالی سے خدمتیں بجالاتا رہا تھا یہاں تک کہ بخشی گری کے منصب تک پہنچا تھا۔

Marfat.com

تو معاف کرو۔ جہانگیر نے جب یہ بات سنی تو باپ کے قدموں پر گرا اور زار زار رونے لگا۔ باپ نے سر اٹھا کر سینہ سے لگایا اور تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اسے کمر سے باندھو۔ اور میرے سامنے بادشاہ بنو۔ اور پھر کہا کہ خاندان کی عورتوں اور حرم سرا کی بیبیوں کی غور و پرداخت سے غافل نہ رہنا۔ اور قدیمی نمک خواروں اور میرے پرانے ہوا خواہوں اور رفیقوں کو نہ بھولنا۔ سب کو رخصت کر دیا۔ اور مرض کو آرام ہوا مگر وہ طبیعت نے سنبھالا لیا تھا۔ غرض جہانگیر پھر شیخ فرید کے گھر میں جا بیٹھا۔

اکبر کی بیماری:

اکبر کی بیماری میں خورم اس کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسے محبت دلی اور سعادت مندی کہو یا باپ کی اور اپنی مصلحت وقت سمجھو۔ اہل تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ باپ (جہانگیر) محبت پدری کے سبب سے بلا بلا بھیجتا اور کہتا تھا کہ چلے آؤ۔ دشمنوں کے نرغے میں رہنا کیا ضرور ہے۔ وہ نہ آتا تھا اور کہلا بھیجتا تھا کہ شاہ بابا کا یہ حال ہے۔ اس عالم میں انہیں چھوڑ کر کس طرح چلا آؤں۔ جب تک جان میں جان ہے۔ شاہ بابا کی خدمت سے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ یہاں تک کہ ماں بیقرار ہو کر آپ اس کے لینے کو دوڑی گئی۔ اور بہت سمجھایا مگر وہ ہرگز اپنے ارادے سے نہ ٹلا۔ دادا کے پاس رہا اور باپ کو بھی دم دم کی خبریں پہنچاتا رہا۔

تاج و تخت کے لیے جنگ:

اس وقت اس کا وہاں رہنا اور باہر نہ آنا ہی مصلحت ہوا۔ خان اعظم اور مان سنگھ کے آدمی ہتھیار بند چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اگر وہ نکلتا تو فوراً پکڑا جاتا۔ جہانگیر ہاتھ آجاتا تو وہ بھی گرفتار ہو جاتا۔ جہانگیر نے ان حالات کو خود بھی توزک میں لکھا ہے۔ اسے بڑا خطرہ اس واقعہ کے سبب سے تھا جو شاہ طہماسپ کے بعد ایران میں گزرا تھا۔ جب شاہ کا انتقال ہوا تو سلطان حیدر اپنے امرا اور رفقا کی حمایت سے جانشین ہو گیا۔ بری جان خانم شاہ طہماسپ کی بہن پہلے سے سلطنت کے کاروبار اور انتظام مہمات میں دخل رکھتی تھی وہ اس کی تخت نشینی دل سے نہ چاہتی تھی۔ اس نے شفقت کے پیام بھیج کر بھتیجے کو قلعہ میں بلایا۔ بھتیجا نفاق سے بے خبر۔ وہ بے خبر پھوپھی کے پاس گیا۔ اور جاتے ہی قید ہو گیا۔ قلعے کے دروازے بند ہو گئے۔ اس کے رفقا نے جب سنا تو اپنی اپنی فوجیں لے کر آئے اور قلعہ کو گھیر لیا۔ اندر والوں نے سلطان حیدر کو مار ڈالا۔ اس کا سر کاٹ کر فصیل پر سے دکھایا اور کہا کہ جس کے لیے لڑتے ہو اس کا تو یہ حال ہے۔ اب کس بھروسے پر مرتے ہو اور سر کو باہر پھینک دیا۔ جب ان لوگوں کو یہ حال معلوم ہوا تو دل شکستہ ہو کر پریشان ہو گئے اور شاہ اسماعیل ثانی تخت نشین ہو

Marfat.com

گیا۔ غرض مرتضیٰ خاں (شیخ فرید بخشی) جہانگیر کا بھی خیر خواہ تھا۔ اس نے آکر بندوبست کیا۔ وہ بخشی بادشاہی تھا اور امرا اور افواج کی طبیعت میں اثر عظیم رکھتا تھا چنانچہ اس کے سبب سے خان اعظم کے نوکروں میں بھی تفرقہ پڑ گیا۔ خسرو کا یہ عالم تھا کہ کئی برس سے ہزار روپیہ روز (۳۶ لاکھ ۶۰ ہزار سالانہ) ان لوگوں کو دے رہا تھا کہ وقت پر کام آنا۔ اخیر وقت میں بعض خیر خواہان سلطنت نے مشورہ کر کے یہی مناسب سمجھا کہ مان سنگھ کو بنگالہ کے صوبہ پر ٹالنا چاہئے۔ چنانچہ اسی دن اکبر سے اجازت لی اور فوراً خلعت دے کر روانہ کر دیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اندر اندر مدت سے کھچڑی پک رہی تھی۔ مصلحت اندیش بادشاہ نے اپنے علو حوصلہ سے گھر کا راز کھلنے نہ دیا تھا۔ اخیر میں جا کر یہ باتیں کھلیں۔ ملا صاحب تیرہ چودہ برس پہلے لکھتے ہیں (اس وقت دانیال اور مراد بھی زندہ تھے) ایک دن بادشاہ کے پیٹ میں درد ہوا اور شدت اس کی اس قدر ہوئی کہ بے قراری ضبط کی طاقت سے گزر گئی۔ اس وقت عالم اضطراب میں ایسی باتیں کرتے تھے جس سے بڑے شہزادے پر بدگمانی ہوتی تھی کہ شاید اسی نے زہر دیا ہے۔ بار بار کہتے تھے۔ بابا شیخو جی ساری سلطنت تمہاری تھی۔ ہماری جان کیوں لی۔ بلکہ حکیم ہمام جیسے معتمد پر بھی سازش کا شبہ ہوا۔ پیچھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت جہانگیر نے شاہزادہ مراد پر خفیہ پہرے بٹھا دیئے تھے۔ مگر جلد ہی صحت ہو گئی۔ پھر شاہزادہ مراد اور بیگمات نے بادشاہ سے سب حال عرض کیا۔

اکبر کی بیماری میں شدت اور موت:

اواخر عمر میں اکبر کو فقرا اور اہل کمال کی تلاش تھی اور غرض اس سے یہ تھی کہ کوئی ترکیب ایسی ہو جس سے اپنی عمر زیادہ ہو جائے۔ اس نے سنا۔ ملک خطا میں فقرا ہوتے ہیں کہ لامہ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ کاشغر اور خطا کو سفیر روانہ کئے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب ریاضت ہندوؤں میں بہت ہوتے ہیں۔ اور ان کے مختلف فرقوں میں سے جوگی لوگ حبس دم۔ کایا پلٹ اور اس قسم کے شغل و عمل بہت رکھتے ہیں اس لئے اس فرقہ کے فقیروں کو بہت جمع کرتا تھا اور ان کے ساتھ صحبت رکھتا تھا لیکن افسوس یہی ہے کہ موت کا علاج کچھ نہیں۔ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ دنیا کی ہر بات میں کلام کو جگہ ہے۔ لاکلام بات ہے تو یہی ہے کہ ایک دن جانا ہے۔ غرض ۱۱ جمادی الاول کو طبیعت علیل ہوئی حکیم علی اپنے جملہ اوصاف کے ساتھ فن طبابت میں ایسا صاحب کمال تھا کہ اسی کو علاج کیلئے کہا۔ اس نے ۸ دن تک دفع مرض کو مزاج پر چھوڑا کہ شاید اپنے وقت پر طبیعت آپ دفع کرے لیکن بیماری بڑھتی ہی گئی۔ نویں دن علاج پر ہاتھ ڈالا دس دن تک دوا کی۔ کچھ اثر نہ ہوا۔ بیماری بڑھتی جاتی تھی اور

Marfat.com

طاقت گھٹتی جاتی تھی۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی　　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

باوجود اس کے اس ہمت والے نے ہمت نہ ہاری۔ دربار میں آ بیٹھتا تھا۔ حکیم نے انیسویں دن پھر علاج چھوڑ دیا۔ اس وقت تک جہانگیر پاس موجود تھا مگر جب طور بے طور دیکھا تو چپکے ❶ سے نکل کر شیخ فرید بخاری کے گھر میں چلا گیا کہ اسے باپ کے نمک حلالوں میں اپنا بھی جاں نثار سمجھتا تھا۔ یہاں وقت کا منتظر بیٹھا تھا اور دولت خواہ دم بدم خبر پہنچا رہے تھے کہ حضور اب فضل الٰہی ہوتا ہے اور اب اقبال کا ستارہ طلوع ہوتا ہے (یعنی باپ مرتا ہے اور تم تخت نشین ہوتے ہو) افسوس افسوس ع

دُنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

اے غافل کیسے دن کے لئے؟ اور کس امید پر؟ اور اس بات کا ذرا خیال نہیں کہ ۲۲ برس کے بعد مجھے بھی یہی دن آنے والا ہے۔ اور ذرا بھی شک نہیں کہ آنے والا ہے۔ آخر بدھ کے دن ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کو آگاہ میں اکبر نے دنیا سے انتقال کیا۔ ۶۴ برس کی عمر پائی۔

آزاد۔ ذرا اس دنیا کے رنگ دیکھو۔ وہ کیا مبارک دن ہوگا۔ اور دلوں کی شگفتگی کا کیا عالم ہوگا جس میں کہنے والوں نے ولادت کی تاریخیں کہیں تھیں۔ انہیں میں سے ایک تاریخ ہے۔ ع

شب یکشنبہ و پنج رجب است

تاریخ کیا ہے لطیفہ غیبی ہے۔ سنہ، مہینہ، دن، تاریخ، وقت سب موجود۔ ایسے بادشاہ کی تاریخ بھی ایسی ہی چاہئے تھی اور اس دن کی خوشی کا کیا کہنا کہ جمعہ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو تخت پر بیٹھا۔ کسی نے نصرت اکبر۔ کسی نے کام بخش۔ خدا جانے کیا کیا تاریخیں کہیں ہوں گی۔ اللہ اللہ وہ گجرات کی یلغاریں وہ خان زماں کی لڑائیاں۔ وہ جشنوں کی بہاریں۔ اقبال کے نشان۔ خدائی کی شان۔

گیا حسن خوبان دلخواہ کا　　　ہمیشہ رہے نام اللہ کا

کہاں وہ عالم، کہاں آج کا عالم۔ ذرا آنکھیں بند کر کے خیال کرو۔ اس کا مردہ ایک الگ مکان میں سفید چادر اوڑھے پڑا ہے۔ ایک ملا صاحب تسبیح ہلا رہے ہیں۔ چند حافظ قرآن شریف پڑھے جاتے ہیں۔ کچھ خدمت گزار بیٹھے ہیں۔ نہلائیں گے، کفنائیں گے، بنادیں دروازے سے چپ چپاتے لے کر چلے جائیں گے۔ دفنا کر چلے آئیں گے۔

❶ ایشیائی سلطنتوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مرتے ہی بغاوت ہو جاتی ہے۔ سلطنت کے دعویدار۔ مختلف امراء اور ارکان سلطنت کو ملا لیتے ہیں۔ ہزاروں واقعہ طلب لالچی ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ دعویدار سلطنت کے کبھی کشت و خون سے کبھی سازش سے ایک دوسرے کو مروا ڈالتے ہیں۔

Marfat.com

لائی حیات آئے۔ قضا لے چلی۔ چلے اپنی خوشی نہ آئے۔ نہ اپنی خوشی چلے

وہی ارکان دولت جو اس کی بدولت سونے روپے کے بادل اڑاتے تھے۔ موتی رولتے تھے۔ جھولیاں بھر بھر لے جاتے تھے۔ اور گھروں پر لٹاتے تھے۔ زرق برق پڑے پھرتے ہیں۔ نیا دربار سجاتے ہیں۔ نئے سنگار۔ نئے نقشے تراشتے ہیں۔ نئے بادشاہ کو نئی خدمتیں دکھائیں گے۔ بڑی بڑی ترقیاں پائیں گے۔ جس کی جان گئی اس کی پروا بھی نہیں۔ آصف خاں کو آفرین ہے اسی عالم میں ایک تاریخ تو کہہ دی

فوت اکبر شد از قضائے الہ گشت تاریخ فوت اکبر شاہ

اس میں ایک زیادہ ہے۔ کسی نے تخرجہ خوب کیا ہے ع

الف کشیدہ ملائک ز فوت اکبر شاہ

یعنی ملائک نے اس کے غم میں فقیری و قلندری اختیار کی۔ اس لئے ماتھے پر الف اللہ کا کھینچا۔ وہاں آسمان پر انہوں نے وہ الف کھینچا۔ یہاں اعداد میں سے الف کا ایک شاعر نے کھینچ لیا۔ ۱۰۱۴ پورے رہ گئے۔

آزاد۔ الف کشیدن بمعنی قلندری اختیار کردن کے لئے فارسی میں کسی استاد کے کلام سے سند چاہئے اور سکندرہ کے باغ میں کہ اکبر آباد سے کوس بھر ہے دفن کیا۔

ایجاد ہائے اکبری

اگرچہ علوم نے اس کی آنکھوں پر عینک نہ لگائی تھی۔ اور فنون نے دماغ پر دستکاری بھی خرچ نہ کی تھی لیکن وہ ایجاد کا عاشق تھا۔ اور یہی فکر تھا کہ ہر بات میں نئی بات پیدا کیجئے۔ اہل علم اور اہل کمال گھر بیٹھے تنخواہیں اور جاگیریں کھا رہے تھے۔ بادشاہ کے شوق ان کے آئینہ ایجاد کو اجالتے تھے۔ وہ نئی سے نئی بات نکالتے تھے۔ نام بادشاہ کا ہوتا تھا۔

اکبر ہاتھیوں کا شوقین تھا:

شیر شکار اکبر ہاتھیوں کا شوقین تھا۔ ابتدا میں فیل شکاری کا شوق ہوا اور کہا کہ ہم خود ہاتھی پکڑیں گے۔ اس میں بھی نئے نئے ایجاد نکالیں گے۔ چنانچہ ۹۷۱ ھ میں مالوہ پر فوج کشی کی تھی۔ گوالیار سے ہوتے ہوئے نرور کے جنگلوں میں گھس گئے۔ لشکر کو کئی فوجوں میں تقسیم کیا۔ ایک ایک فوج پر ایک

Marfat.com

ایک امیر کو فوجدار کیا۔ اور اپنے اپنے رخ کو چلے۔ بہت سرگردانی کے بعد پہلے ایک ہتنی نظر آئی۔ اس کی طرف ہاتھی لگایا وہ بھاگی یہ پیچھے پیچھے دوڑے اور اتنا دوڑے گئے کہ وہ تھک کر ڈھیلی ہوگئی۔ داہنے بائیں جو دو ہاتھی لگے ہوئے تھے۔ ایک نے رسا پھینکا دوسرے نے لپک لیا اور دونوں طرف سے لٹکا کر اتنا ڈھیلا چھوڑا کہ ہتنی کی سونڈ کے نیچے ہوگیا۔ پھر جو تانا تو گلے سے جالگا۔ ایک فیلبان نے اپنا سرا دوسرے کی طرف پھینک دیا۔ اس نے لپک کر دونوں سروں میں گرہ دی یا بل دیا۔ اور اپنے ہاتھی کے گلے میں باندھ لیا۔ پھر جو ہاتھی کو دوڑایا تو ایسا دبائے چلا گیا کہ ہتنی ہانپ کر بے دم ہوگئی۔ ایک فیلبان اپنا ہاتھی برابر لے گیا اور جھٹ اس کی پشت پر جا بیٹھا۔ آہستہ آہستہ رستے پر لگایا۔ ہری ہری گھاس سامنے ڈالی۔ کچھ چاٹ دی۔ کچھ کھلایا۔ وہ بھوکی پیاسی تھی۔ جو کچھ ملا غنیمت معلوم ہوا۔ پھر جہاں لانا تھا لے آئے۔ ملائے کتابدار کا بیٹا بھی ساتھ ہوگیا تھا۔ اس کھینچا تانی میں ہاتھیوں کی روندن میں آگیا تھا۔ غنیمت ہوا کہ جان بچ گئی۔ گرتا پڑتا بھاگا۔

چلتے چلتے ایک کجلی بن میں جا نکلے۔ ایسا گھن کا بن تھا۔ کہ دن بھی شام ہی نظر آتا تھا۔ اقبال اکبری خدا جانے کہاں سے گھیر لایا تھا۔ کہ وہاں ۷۰ ہاتھی کا گلہ چرتا نظر آیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اسی وقت آدمی دوڑائے۔ تمام فوجوں کے ہاتھی جمع کر لئے۔ اور لشکر سے شکاری رسے منگائے۔ اپنے ہاتھی پھیلا کر رستے روک لئے۔ اور بہت سے ہاتھیوں کو ان میں ملا دیا۔ پھر گھیر کر آہستہ آہستہ ایک کھلے جنگل میں لائے۔ چرکٹوں اور فیلبانوں کو ہزار آفرین کہ جنگلیوں کے پاؤں میں رسے ڈال کر درختوں سے باندھ دیا۔ بادشاہ اور ہمراہی وہیں اتر پڑے جس جنگل میں کبھی آدمی کا قدم نہ پڑا ہوگا قدرت کا گلزار نظر آنے لگا۔ رات وہیں کاٹی۔ دوسرے دن عید تھی۔ وہیں جشن منائے۔ گلے مل کر آپس میں مبارکبادیں دیں۔ اور سوار ہوئے۔ ایک ایک جنگلی کو دو دو اکبری ہاتھیوں کے بیچ میں رسوں سے جکڑ کر رواں کیا۔ حکمت عملی سے آہستہ آہستہ لے کر چلے۔ کئی دن کے بعد جہاں لشکر کو چھوڑ گئے تھے۔ آن شامل ہوئے۔ افسوس یہ ہے کہ جاتے ہوئے جبکہ ہاتھیوں کا حلقہ دریائے چنبل سے اترتا تھا۔ لکنہ ہاتھی ڈوب گیا۔

سیری میں ہاتھیوں کا شکار:

۹۷۱ھ میں اکبر مالوہ سے خاندیس کی سرحد پر دورہ کرکے آگرہ کی طرف پھرا۔ رستے میں قصبہ سیری پر ڈیرے ہوئے اور ہاتھیوں کا شکار ہونے لگا۔ ایک دن بڑا گلہ ہاتھیوں کا جنگل میں ملا۔ حکم دیا کہ بہادر سوار جنگل میں پھیل جائیں۔ گلہ پر گھیرا ڈال کر ایک طرف کا رستہ کھلا رکھیں اور بیچ میں لے کر

Marfat.com

نقارے بجانے شروع کریں۔ چند فیلبانوں کو حکم دیا کہ اپنے سدھے سدھائے ہاتھیوں پر سوار ہو جاؤ۔ اور سیاہ شالیں اوڑھ کر ان کے پیٹ سے اس طرح وصل ہو جاؤ کہ جنگلی ہاتھیوں کو ذرا نظر نہ آؤ۔ اور ان کے آگے آگے ہو کر قلعہ سیری کی طرف لگا لے چلو۔ سواروں کو سمجھا دیا کہ گرد گھیرے نقارے بجاتے چلے آؤ۔ منصوبہ درست بیٹھا اور سارے ہاتھی قلعہ مذکور میں فیل بند ہو گئے۔ فیلبان کوٹھوں اور دیواروں پر چڑھ گئے۔ بڑے بڑے رسوں کی کمندیں اور پھاندیں ڈال کر سب کو باندھ لیا۔ ایک ہاتھی بڑا ابلونت اور مستی میں بپھرا ہوا تھا کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ حکم دیا کہ ہمارے کھانڈے رائے ہاتھی کو لے کر اس سے لڑاؤ۔ وہ بڑا تناور اور جنگلی ہاتھی تھا۔ آتے ہی ریل دھکیل ہونے لگی۔ ایک پہر دونوں پہاڑ ٹکرائے آخر جنگلی کے نشے ڈھیلے ہو گئے۔ قریب تھا کہ کھانڈے رائے اسے دبا لے۔ حکم ہوا کہ منہ پر مشعلیں جلا جلا کر مارو تاکہ اس کا پیچھا چھوڑے۔ بڑی مشکلوں سے دونوں جدا ہوئے۔ مگر جنگلی دیوزاد جب ادھر سے چھٹا تو بھاگا اور قلعے کی دیوار ٹکروں اور ٹھوکروں سے توڑ کر جنگل کو نکل گیا۔ یوسف خاں کوکلتاش (مرزا عزیز کوکہ کے بڑے بھائی) کو کئی ہاتھی اور ہاتھی بان دے کر اس کے پیچھے بھیجا اور کہا کہ رن بھیروں ہاتھی کو (کہ حلقہ خاصہ کا ہاتھی اور بدمستی اور زبردستی میں بدنام عالم تھا) جا کر الجھا دو۔ تھکا ہوا ہے۔ ہاتھ آ جائیگا۔ اس نے جا کر پھر لڑائی ڈالی۔ فیل بانوں نے رسوں میں پھانس کر ایک درخت سے جکڑ دیا اور دو تین دن میں چارہ پر لگا کر لے آئے۔ چند روز تعلیم پا کر فیلہائے خاصہ میں داخل ہو گیا۔ اور گج پتی خطاب پایا۔

گوئے آتشیں:

چوگان بازی کا بہت شوق تھا۔ اکثر ہوتا تھا کہ کھیلتے کھیلتے شام ہو گئی۔ بازی ابھی تمام نہ ہوئی۔ اندھیرا ہو گیا گیند نہیں دکھائی دیتی۔ ناچار کھیل بند کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے ۹۷۴ھ میں گوئے آتشیں نکالی کہ اندھیرے میں شعلے کی طرح جاتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ایک قسم کی لکڑی کی تراشی تھی۔ اوپر کچھ دوائیں مل دیتے تھے (فاس فورس ہوگا)۔ جب ایک دفعہ اسے آگ دیتے تھے تو چوگان کی چوٹ اور زمین پر پٹخنے اور لڑھکنے سے بجھتی نہ تھی۔ واہ۔ رات کی بہار دن سے بھی زیادہ ہو گئی۔

چار ایوان یا عبادت خانہ:

۹۸۳ھ میں دولتخانہ فتح پور میں تیار ہوا۔ یہ گویا ایک کونسل (انجمن) عقلا۔ علما کی تھی کہ مسائل مذہبی، مہمات، سلطنت، مقدمات ملکی اس میں پیش ہوتے تھے۔ اور جو کتابی یا عقلی اختلاف ان میں ہوتے تھے وہ کھل جاتے تھے۔ جس وقت اسے قرار دیا تھا۔ تو خالص نیک نیتی کے ساتھ یہی غرض

Marfat.com

رکھی تھی دوسرا ایجاد قدرتی پیدا ہو گیا کہ آپس کے رشک اور اختلاف باہمی کے سبب سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اس سے شریعت جو سلطنت کو دبائے ہوئے تھی اس کا زور ٹوٹ گیا۔

تقسیم اوقات:

۹۸۶ھ میں تقسیم اوقات کی ہدایت فرمائی۔ جب سو کے اٹھیں تو سب کاموں سے ہاتھ روک کر باطن ہی کی طرح ظاہر کو بھی نیاز طلب کریں (عبادت میں مصروف ہوں) اور دل کو جان آفریں کی یاد سے روشنی دیں۔ اس ضروری وقت میں یہ بھی چاہئے کہ نئی زندگی پائے۔ شروع وقت کو کسی اچھے کام سے سجائیں کہ سارا دن اچھی طرح گزرے۔ اس کام میں ۵ گھڑی سے کم خرچ نہ ہو (دو گھنٹے ہوئے) اور اسے ابواب مقاصد کی کنجی سمجھئے۔

بدن کا بھی تھوڑا سا خیال چاہئے۔ اس کی خبر گیری اور لباس پر توجہ کرنی چاہئے مگر اس میں ۳ گھڑی سے زیادہ نہ لگے۔

پھر دربار عام میں عدل کے دروازے کھول کر ستم رسیدوں کی خبر گیری کریں۔ خواہ اور قسم حیلہ گروں کی دست آویز ہے اس پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ تقریروں کے اختلاف اور قیافوں کے انداز سے اور نئی جستجوؤں سے اور بڑی بڑی حکمتوں سے مطلب کا کھوج لگانا چاہئے۔ یہ کام ڈیڑھ پہر سے کم نہ ہوگا۔

دنیا عالم تعلق ہے۔ تھوڑا کھانے پینے میں بھی مصروف ہونا ضرور ہے کہ کام اچھی طرح ہو سکے۔ اس میں دو گھڑی سے زیادہ نہ لگائیں گے۔

پھر عدالت کی بارگاہ کو بلندی بخشیں گے۔ جن بے زبانوں کے دل کا حال کوئی کہنے والا نہیں۔ ان کی خبر لیں۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، خچر وغیرہ کو ملاحظہ کر لیں۔ اس بے تکلف مخلوق کے کھانے کھلانے کی بھی خبر لینی واجب ہے۔ ۴ گھڑی اس کے لئے جدا کرنی چاہئے۔

پھر محلوں میں جایا کریں۔ اور جو پاکدامن بیبیاں وہاں حاضر ہوں ان کی عرض معروض سنیں کہ مرد عورت برابر اور انصاف سب پر شامل رہے۔

بدن ہڈیوں کی عمارت ہے۔ نیند پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔ اس نیت سے کہ طاقت اور شکرانہ مل کر کارگزاری کریں۔ اڑھائی پہر نیند کو دینے چاہئیں۔ ان ہدایتوں سے اہل شرف نے سعادت کا سرمایہ سمیٹا۔ اور بخت بیداری کا آئین ہاتھ آیا۔

Marfat.com

معافی جزیہ ومحصول:

تمام احکام اکبری میں جو حکم سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ ۹۸۷ ھ کے پس وپیش میں جزیہ اور چنگی کا محصول معاف کر دیا۔ جس کا محاصل کئی کروڑ روپیہ ہوتا تھا۔ [1]

گنگ محل:

گفتگو ہوئی کہ انسان کی طبعی اور مادری زبان کیا ہے؟ خدا کے ہاں سے کیا مذہب لے کر آئے ہیں؟ اور پہلے پہل کیا کلمہ ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ ۹۸۸ ھ میں اس کی تحقیق کے لئے شہر سے الگ ایک وسیع عمارت بنوائی۔ تقریباً ۲۰ بچے پیدا ہوتے ہی ماؤں سے لے لئے۔ اور وہاں لے جا کر رکھا۔ انائیں، پالنے والی، خدمت گزار، کیا عورتیں کیا مرد۔ سب گونگے ہی رکھے کہ گفتگو ے انسان کی آواز تک کان میں نہ جائے۔ آرام وآسائش کے سامان کمال فارغ البالی کے ساتھ موجود تھے۔ مقام کا نام گنگ محل تھا۔ چند سال کے بعد آپ وہاں گئے۔ خدمتگاروں نے بچوں کو لا کر آگے چھوڑا، چھوٹے چھوٹے تھے۔ چلتے، پھرتے، کھیلتے، کودتے، بولتے بھی تھے مگر بات کا ایک لفظ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جانوروں کی طرح غائیں بائیں کرتے تھے۔ گنگ محل میں پلے تھے۔ گونگے نہ ہوتے تو کیا ہوتے۔ الاسماء تنزل من السماء۔

التزام دوازدہ سالہ:

اکبر کے کاروبار کے عمل درآمد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایجاد اس کے رفع قباحت یا باعث آسائش۔ یا فائدہ کی نظر سے ہوتے ہیں۔ بعض فقط مضامین شاعرانہ تھے و بعض اس خیال سے تھے کہ مختلف بادشاہوں سے خاص خاص باتیں یادگار ہیں۔ یہ بات ہماری بھی یادگار رہے۔ چنانچہ ۹۸۸ ھ میں خیال آیا کہ ہمارے بزرگوں نے ۱۲،۱۲ سال کا ایک ایک مجموعہ کر کے ہر سال کا ایک نام رکھا ہے۔ آئین باندھنا چاہئے کہ ہم اور ہمارے جاں نثار ہر سال میں اس کے مناسب حال ایک خاص کام التزام رکھیں:۔

سچقائیل	چوہے کو نہ ستائیں (سچقان۔موش)
اودئیل	گائے بیل کو پرورش اور کسانوں کو دان پن کر کے مدد کریں۔ (اود۔گاؤ)
پارس ئیل	نہ چیتے کو شکار کریں۔ نہ چیتے سے شکار کریں۔ (پارس۔پلنگ)
توشقائیل	نہ خرگوش کھائیں نہ اس کا شکار کریں۔ (توشقان۔خرگوش)

Marfat.com

لوئی ئیل	مچھلی سے وہی معاملہ رہے۔(لوئی۔مگرمچھ)
بیلانئیل	سانپ کو نہ آزار دیں (بیلان۔مار)
آیت ئیل	نہ گھوڑوں کو ذبح کریں نہ کھائیں۔خیرات میں دیں۔(آت۔گھوڑا)
قوی ئیل	بکری سے یہی سلوک رہے۔(قوی۔بکری)
پچی ئیل	بندر کا شکار نہ کریں۔جس کے پاس ہو۔جنگل میں چھوڑ دے۔(پچی۔بندر)
تخاقو ئیل	مرغا نہ ماریں۔نہ لڑائیں۔(تخاقو۔مرغا)
ایت ئیل	کتے کے شکار سے دل نہ بہلائیں۔اس وفادار کو آرام دیں۔خصوصاً بازاری کو۔(ایت۔کتاب)
تنگوزی ئیل	سور کو نہ ستائیں۔(تنگز۔سؤر)

چاند کے مہینوں میں امورات مفصلہ ذیل کا لحاظ رکھیں

محرم	جاندار کو نہ ستاؤ
صفر	بندی آزاد کر دو
ربیع الاول	۳۰ نیک محتاج شخصوں کو بخشش کرو
ربیع الثانی	غسل کر کے خوشحال ہو
جمادی الاول	لباس فاخرہ اور ابریشمیں کپڑے نہ پہنو
جمادی الثانی	چمڑا کام میں نہ لاؤ
رجب	۴۰ برس کی دستگاہ کے بموجب اپنے ہم سال کیلئے دستگیری کرو
شعبان	کسی پر سختی نہ کرو
رمضان	اپاہج کو کھلاؤ۔پہناؤ
شوال	ہزار دفعہ نام الٰہی ورد کرو
ذی قعدہ	اول شب جاگتے رہو۔اور چند غیر مذہب آدمیوں کو سلوک کر کے روز خوش کرتے رہو
ذوالحجہ	آسائش خلق کے لئے عمارت بناؤ

Marfat.com

مردم شماری:

۹۸۹ھ میں حکم ہوا کہ تمام جاگیردار، عامل، شقدار وغیرہ وغیرہ سب مل کر دفتر مردم شماری، نام بنام بہ قید پیشہ وحرفہ وغیرہ وغیرہ مرتب کریں۔

خیر پورہ۔ دھرم پورہ:

شہروں اور منزلوں میں جابجا دو دو مقام مقرر ہوئے کہ ہندو مسلمان وہاں کھانا کھائیں اور سامان آسائش سے آرام پائیں۔ مسلمانوں کے لئے خیر پورہ۔ ہندوؤں کے لئے دھرم پورہ۔

شیطان پورہ:

۹۹۰ھ میں آباد ہوا اس کی سیر دیکھی ہے۔

زنانہ بازار:

جشن سالانہ کے درباروں کا انداز تم نے دیکھ لیا ہے۔ اس کے بازاروں کا تماشا محلوں کی بیگمات کو بھی دکھایا۔ ۹۹۱ھ میں یہ آئین قرار پایا۔

ترقی اجناس:

مختلف اشیاء جو مہمات سلطنت میں اجزائے ضروری بلکہ ہمیشہ کاروبار کے لازمی اوزار ہوتے ہیں وقت پر تیار نہیں ملتیں اس لئے ۹۹۰ھ میں حکم دیا کہ ایک ایک کی حفاظت اور ترقی اور عمدہ اقسام کا بہم پہنچانا ایک ایک امیر کے ذمہ ہو۔ اس سپردگی میں مناسبت حال بلکہ ظرافت کا گرم مصالحہ بھی چھڑکا۔ نمونہ کے طور پر چند نام اور نامداروں کے کام لکھتا ہوں:۔

عبدالرحیم خانخاناں	گھوڑے کی نگہداشت
راجہ ٹوڈرمل	ہاتھی اور غلہ
مرزا یوسف خاں	خان اعظم کے بڑے بھائی کو اونٹ کی نگہداشت سپرد کی۔ شاید اس میں یہ اشارہ ہو کہ اس گھرانے کا ہر شخص عقل کا اونٹ ہے۔
شریف خاں	بھیڑ، بکری، اعظم خان کے چچا تھے۔ بھیڑ بکری کیا بلکہ دنیا کے جانور اس خاندان کی امت تھے۔
شیخ ابوالفضل	پشمینہ
نقیب خاں	کتابت

Marfat.com

قاسم خاں میر بحر و میر بر　پھول پتی، جڑی بوٹی وغیرہ نباتات ان کے سپرد ہوئی۔ مطلب یہ کہ جنگل اور دریا کے سامان خوب بہم پہنچائیں گے۔ دونوں میں انہیں کی بادشاہی ہے۔

حکیم ابوالفتح　مسکرات۔ مطلب یہ کہ حکیم ہیں اس میں بھی حکمتیں نکالیں۔

راجہ بیر بر　گائے بھینس۔ اس میں اشارہ تھا کہ گائے کی رکھیا تمہارا دھرم ہے۔ اور بھینس اسکی بہن ہے۔ لطف یہ ہے کہ صورت دیکھو تو خود ایک جاموش اکبری ہے۔

کشمیر میں کشتیوں کی عمدہ تراشیں:

۹۹۷ھ میں لشکر اور امرائے لشکر اور بیگمات سمیت گلگشت کشمیر کو گئے دریا اور تالابوں میں ۳۰ ہزار کشتی سے زیادہ چلی جاتی تھی۔ مگر بادشاہی نشست کے لائق ایک بھی نہ تھی۔ بنگالے کی کشتیاں اور ان کے نشیمن اور مکانات اور بالا خانے اور کھڑکیوں کی عمدہ تراشیں دیکھی ہوئی تھیں۔ ان کے نمونے پر ہزار کشتی چند روز میں تیار ہوئی۔ اور امرا نے بھی اسی طرح پانی پر گھر بنائے۔ دریا پر ایک آباد شہر چلنے لگا۔

جہاز:

۱۰۰۲ھ میں دریائے راوی کے کنارے پر جہاز تیار ہوا۔ ۳۵ گز الٰہی کا مستول تھا۔ ۲۹۳۶ بڑے بڑے شہتیر سال اور ناجود کے۔ ۴۶۸ من دو سیر لوہا خرچ ہوا۔ ۲۴۰ بڑھئی اور لوہار وغیرہ اس میں کام کرتے تھے۔ جب تیار ہوا تو جہاز سلطنت کا ناخدا کنارے آ کر کھڑا ہوا۔ جر ثقیل کے عجیب وغریب اوزار لگائے۔ ہزار آدمیوں نے ہاتھ پاؤں کا زور لگایا۔ ۱۰ دن میں بڑی مشکل سے پانی میں ڈال کر لاہری بندر کو روانہ کیا۔ جہاز کے بوجھ اور دریا کی کم آبی کے سبب سے جا بجا رک گیا اور بڑی مشکل سے بندر مقصود تک پہنچا۔ اس زمانہ میں ایسے روشن دماغ اور یہ سامان کہاں تھے جو دریا کا زور بڑھا کر گزرگاہ کو جہاز رانی کے قابل کر لیتے اس لئے آمد و رفت جاری نہ ہوئی۔ اگر امرائے عہد اور اس کے جانشین بھی ویسے ہی ہوتے تو کام چل نکلتا۔

۱۰۰۴ھ میں ایک اور جہاز تیار ہوا۔ اس میں پانی کی کمی کا لحاظ رکھ کر جہاز کے بوجھ کی رعایت کی گئی۔ پھر بھی ۱۵ ہزار من سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا تھا۔ یہ لاہور سے لاہری تک آسان جا پہنچا۔ اس کا مستول ۳۷ گز کا تھا۔ ۱۶۳۳۸ روپے کی لاگت میں تیار ہوا تھا۔ (دیکھو اکبر نامہ)

Marfat.com

اکبر کی تحصیل علمی اور شوق علمی

سلاطین وامرا کے بچوں کے لئے ایشیائی ملکوں میں پڑھنے لکھنے کی عمر چھ سات برس سے زیادہ نہیں۔ جہاں گھوڑے پر چڑھنے لگے۔ چوگان بازی شروع ہوئی۔ پھر شکار ہونے لگے۔ شکار کھیلتے ہی کھل کھیلے۔ اب پڑھنا کجا اور لکھنا کجا۔ چند روز میں ملک و دولت کے شکار پر گھوڑے دوڑانے لگے۔

اکبر جب ۴ برس ۴ مہینے ۴ دن کا ہوا تو ہمایوں نے بیٹے کی بسم اللہ کی۔ ملا عصام الدین ابراہیم کو آخوندی کا اعزاز ملا۔ چند روز کے بعد سبق سنا تو معلوم ہوا کہ اللہ اللہ۔ ہمایوں نے جانا کہ اس ملا نے توجہ نہیں کی۔ لوگوں نے کہا کہ ملا کو کبوتر بازی کا بہت شوق ہے۔ شاگرد کا دل بھی کبوتروں میں ہوائی ہو گیا۔ ناچار ملا بایزید کو مقرر کیا۔ مگر نتیجہ کچھ نہ حاصل ہوا۔ ان دونوں کے ساتھ مولانا عبدالقادر کا نام شامل کر کے قرعہ ڈالا۔ اس میں مولانا کا نام نکلا۔ چند روز وہ پڑھاتے رہے۔ غرض جب تک کابل میں رہا اپنے دلی شوق سے شہ سواری، شتر دوانی، سگ تازی، کبوتر بازی میں الجھا رہا۔ ہندوستان میں آکر بھی وہی شوق رہے۔ ملا پیر محمد۔ بیرم خاں خانخاناں کے وکیل تھے۔ جس وقت حضور کی طبیعت حاضر ہوتی اور خیال آتا۔ تو برائے نام ان کے سامنے بھی کتاب لے کر بیٹھتے۔

۹۶۳ھ میں میر عبداللطیف قزوینی سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ ۹۸۷ھ میں علماء کے جھگڑے سن سن کر زبان عربی کی بھی ہوس ہوئی۔ اور صرف ہوائی شروع کی۔ شیخ مبارک استاد ہوئے۔ مگر اب بچپن کا مغز کہاں سے آئے۔ خیر یہ بھی ایک ہوا تھی چند روز میں بدل گئی۔ ایک لطیفہ اکثر اشخاص کی زبانی سنا مگر کتاب میں نہیں دیکھا۔ چونکہ مشہور ہے۔ آمد سخن کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

ایک دن خلوت کا دربار ہوا۔ ارکین خاص موجود۔ ایلچی توران مراسلت گزرانتا ہے۔ اس نے ایک کاغذ پیش کر کے اکبر کی طرف بڑھایا کہ قبلہ عالم ملاحظہ فرمائیں۔ فیضی نے اس کے ہاتھ سے لے لیا کہ پڑھے۔ وہ ایک انداز سے مسکرایا۔ اور نگاہوں سے طرز بے علمی کے اشارے ٹپکتے تھے۔ فیضی فوراً بولے۔ درحضرت ما سخن مگوئید۔ مگر نشنید یدکہ پیغمبر ما صلواۃ اللہ علیہ ہم امی بودہ۔

ہندوستان کے مورخ کہ تمام دولت چغتائی کے نمک خوار تھے۔ عجیب عبارتوں سے اس کی بے

Marfat.com

علمی کو جلوے دیتے تھے۔ کبھی کہتے ہیں۔ حقیقت معنوی پر عالم صورت کے علوم کا پردہ نہ ڈالا تھا۔ کبھی کہتے ہیں پروردگار کو ثابت کرنا تھا۔ کہ یہ برگزیدہ الٰہی بے تحصیل علوم ظاہری کے ہمارے فیوضات نامتناہی کا منبع ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ اہل عالم پر روشن ہو جائے کہ اکبر بادشاہ خدا آگاہ کی عقل و دانش خداداد ہے۔ بندہ سے حاصل کی ہوئی نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کچھ تھا مگر علم کا مذاق بلکہ علوم و فنون کا شوق اور قدر دانی کا جوش جو اس کو تھا۔ کوئی عالم بادشاہ بھی ہو تو شاید اتنا ہو۔ ذرا عبادت خانہ چار ایوان کے جلسے یاد کرو۔ راتوں کو ہمیشہ کتابیں پڑھواتا تھا۔ اور سنتا تھا۔ علمی تحقیقیں تھیں۔ علمی باتیں تھیں۔ اور علمی چرچے تھے۔ کتب خانہ کئی جگہ تقسیم تھا۔ کچھ حرا سرم میں۔ کچھ باہر۔ اس میں دو تقسیمیں تھیں۔ کچھ قدر و قیمت۔ کچھ علوم و فنون، نثر، نظم، ہندی، فارسی، کشمیری، عربی الگ الگ تھیں۔ اسی انتظام سے سال بہ سال موجودات لی جاتی تھی۔ عربی کا نمبر سب سے اخیر تھا۔ اہل دانش وقت معمولی پر کتابیں سناتے تھے اور وہ بھی جس کتاب کو سنتا تھا۔ ایک صفحہ بھی نہ چھوڑتا تھا۔ پڑھتے پڑھتے جہاں پر ملتوی کرتے تھے۔ وہاں اپنے ہاتھ سے نشان کر دیتا تھا۔ اور جب کتاب ختم ہوتی تو پڑھنے والے کو بحساب صفحات جیب خاص سے انعام ملتا تھا۔

فلسفہ و حکمت کے نکتے:

مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو گی جو اس کے سامنے نہ پڑھی گئی۔ کوئی تاریخی سرگزشت۔ اکثر فقہی مسائل۔ علوم کے عمدہ مباحثے۔ فلسفہ و حکمت کے نکتے ایسے نہ تھے جن سے وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو۔ کتاب کے دوبارہ سننے سے اکتاتا نہ تھا۔ بلکہ اور بھی دل لگا کر سنتا تھا۔ اور اس کے مطالب پر گفتگو کرتا تھا۔ اخلاص ناصری۔ کیمیائے سعادت سیکڑوں مسئلے فقہ کے اور اس میں اختلاف علما کے زبانی یاد تھے۔ تاریخی معلومات میں ایک جامع الاخبار کتاب بلکہ کتب خانہ تھا۔ ملا صاحب منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں حکایت سلطان شمس الدین التمش کے باب میں مشہور ہے کہ وہ ہیز تھا۔ اور اصل اس کی یہ ہے کہ اس نے ایک دفع کسی خوبصورت صاحب جمال لونڈی سے صحبت کرنی چاہی۔ کچھ نہ ہو سکا اور چند دفعہ ایسا ہی ارادہ کیا مگر خالی گیا۔ ایک دن وہی لونڈی اس کے سر میں تیل مل رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ کئی بوندیں سر پر ٹپکی ہیں۔ بادشاہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور رونے کا سبب پوچھا۔ بڑے اصرار سے بتایا کہ مجھے یاد ہے۔ بچپن میں میرا ایک بھائی تھا اور آپ کی طرح اس کے بھی سر کے بال اڑے ہوئے تھے۔ اسے یاد کر کے میرے آنسو نکل پڑے۔ جب تحقیق کیا کہ یہ تباہی زدہ کیونکر آئی تھی۔ اور کہاں سے آئی تھی تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی حقیقی بہن تھی۔ خدا نے اس

Marfat.com

نیک نیت بادشاہ کو اس طرح گناہ سے بچایا۔ بعد اس کے ملا صاحب لکھتے ہیں کہ راقم اوراق کو خلیفہ آفاق اکبر بادشاہ اکثر خلوت گاہ میں رات کو بلا لیتے تھے اور گفتگوے زبانی سے اعزاز بڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فتح پور میں اور ایک دفعہ لاہور میں فرمایا کہ یہ نقل سلطان غیاث الدین بلبن کی ہے اور کچھ زیادہ نکتے بھی بیان فرمائے۔ قابوس نامہ۔ ملفوظات شیخ شرف الدین منیری۔ حدیقہ حکیم ثنائی۔ مثنوی معنوی۔ جام جم۔ شاہنامہ۔ خمسہ نظامی۔ کلیات امیر خسرو۔ کلیات جامی۔ دیوان خاقانی انوری وغیرہ وغیرہ اور ہر قوم کی تاریخیں اس کے سامنے بلا ناغہ پڑھی جاتی تھیں۔ اور گلستان بوستاں سب سے زیادہ۔

ترجمہ کا سرشتہ خاص:

ترجمہ کا سرشتہ خاص تھا۔ مختلف زبان داں نوکر تھے۔ سنسکرت، یونانی، عربی کی کتابیں فارسی اور بھاشا میں ترجمہ کرتے تھے۔ جہاں یہ صاحب زبان بیٹھتے تھے اس مقام کا نام مکتب خانہ تھا۔ زیچ جدید مرزا الغ بیگ کا ترجمہ میر فتح اللہ شیرازی کے اہتمام سے ہوا۔ کشن جوتشی۔ گنگا دھر۔ مہیش مہانند بھی اس میں شامل تھے کہ سنسکرت سے مدد کرتے تھے۔

کتابوں کی تفصیل جو اکبر کی فرمائش سے یا اس کے عہد میں لکھی گئیں

کتابیں جو اس کی فرمائش سے تصنیف ہوئیں۔ اب تک اہل نظر ان میں سے مطالب کے پھول اور فوائد کے میوے چن چن کر دامن بھرتے ہیں۔ استاد مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے

روز اس گلشن رخسار سے لے جاتے ہیں اپنے دامان نظر مردم بینا بھر کر

سنگھاسن بتیسی:

کی پتلیوں کو بادشاہ کی فرمائش سے ۹۸۲ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے فارس کے کپڑے پہنائے۔ اور نامہ خرد افزا اس کا تاریخی نام ہوا۔

حیواۃ الحیوان:

عربی میں تھی۔ اکبر پڑھوا کر اس کے معنے سنا کرتا تھا۔ ۹۸۳ھ میں ابوالفضل سے فرمایا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ ہو چنانچہ شیخ مبارک نے لکھ دیا۔ دیکھو اس کا حال۔

Marfat.com

اتھربن بید:

۹۸۳ھ میں شیخ بھاون ایک برہمن دکن سے آ کر اپنی خوشی سے مسلمان ہوا۔ اور خواصوں میں داخل ہوا۔ اسے حکم ہوا کہ اس کا ترجمہ کرواؤ۔ یہ چوتھا بید ہے۔ فاضل بدایونی کو لکھنے کی خدمت سپرد ہوئی۔ اکثر عبارتیں ایسی مشکل تھیں کہ معنی بیان نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے عرض کی۔ اول شیخ فیضی کو پھر حاجی ابراہیم کو یہ خدمت سپرد ہوئی۔ مگر وہ بھی نہ لکھ سکے۔ آخری ملتوی رہا۔ بلوک مین صاحب آئین اکبری کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ ہو گیا تھا۔

عتاب الاحادیث:

ملا صاحب نے ثواب جہاد اور ثواب تیر اندازی میں لکھی۔ اور نام بھی تاریخی رکھا۔ ۹۸۶ھ میں اکبر کو نذر گزرانی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۷۶ھ میں ملازمت سے پہلے اپنے شوق سے لکھی تھی۔ ان کا قلم بھی نچلا نہ رہتا تھا۔ آزاد کی طرح کچھ نہ کچھ کیے جاتے تھے۔ لکھتے تھے۔ ڈال رکھتے تھے۔

تاریخ الفی:

۹۹۰ھ میں فرمایا کہ ہزار سال پورے ہو گئے۔ کاغذوں میں سنہ الف لکھے جاتے ہیں۔ وقائع عالم کا ہزار سالہ حال لکھ کر اس کا نام تاریخ الفی رکھنا چاہیے۔ تفصیل دیکھو عبدالقادر کا حال۔ شیخ ابو الفضل لکھتے ہیں کہ دیباچہ میں نے لکھا۔

رامائن:

۹۹۳ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ کرو۔ چند پنڈت ساتھ کیے۔ ۹۹۷ھ میں ختم ہوئی۔ ضخامت ۱۲۰ جز ہوئی۔ کل کتاب کے ۲۵ ہزار اشلوک ہیں۔ فی اشلوک ۶۵ حرف۔ مہا بھارت کو بھی انہی پنڈتوں نے ترجمہ کروایا تھا۔

جامع رشیدی:

۹۹۳ھ میں ملا عبدالقادر کو حکم ہوا کہ شیخ ابوالفضل کی صلاح سے اس کا خلاصہ کرو۔ وہ ایک مجلد ضخیم ہے۔

تزک بابری:

کہ عقل عملی کا قانون ہے ۹۹۷ھ میں عبدالرحیم خان خاناں نے حسب الحکم ترکی سے فارسی

Marfat.com

میں ترجمہ کر کے نذر گزرانی اور بہت پسند آئی۔

تاریخ کشمیر:

راج ترنگی کا ذکر آیا۔ وہ کشمیر کے عہد قدیم کی تاریخ زبان سنسکرت میں ہے۔ ملا شاہ محمد شاہ آبادی (1) ایک فاضل جامع معقول ومنقول تھے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ اس کا ترجمہ لے کر کشمیر کی تاریخ لکھو۔ تیار ہوئی تو عبارت پسند نہ آئی۔ ۹۹۹ھ میں ملا صاحب کو حکم دیا کہ سلیس اور برجستہ عبارت میں لکھو۔ انہوں نے دو مہینے میں لکھ دی۔

معجم البلدان:

۹۹۹ھ میں حکیم ہمام نے کتاب مذکور کی بہت تعریف کی اور کہا کہ فوائد عجیب اور حکایات غریب پر مشتمل ہے ترجمہ ہو جائے تو خوب ہے۔ دو سو جز کی کتاب تھی۔ دس بارہ شخص ایرانی و ہندوستانی جمع کیے۔ اور کتاب کے ٹکڑے کر کے بانٹ دی۔ چند روز میں تیار ہوگئی۔

نجات الرشید:

۹۹۹ھ میں خواجہ نظام الدین بخشی کی فرمائش سے ملا عبدالقادر نے لکھی نام تاریخی ہے۔

مہابھارت:

سنہ الف میں ترجمہ شروع ہوا۔ بہت سے مصنف اور مترجم مصروف رہے۔ تیار ہو کر باتصویر لکھی گئی۔ اور مکرر لکھی گئی۔ زرمنامہ نام پایا۔ شیخ ابوالفضل نے اس پر دیباچہ لکھا۔ تقریباً دو جز ہوں گے۔

طبقات اکبر شاہی:

سنہ الف تک لکھی گئی آگے نہ چلی۔

سواطع الالہام:

۱۰۰۲ھ میں شیخ فیضی نے ایک تفسیر بے نقط لکھی ۷۵ جز ہیں۔ دیکھو فیضی کا حال

موارد الکلم:

یہ بھی فیضی نے لکھی۔ بے نقط ہے۔

---

(1) یہ شاہ آباد علاقہ کشمیر میں ہے۔ سری نگر دار الحکومت سے ۳ منزل ادھر۔

Marfat.com

نلدمن:

۱۰۰۳ھ میں اکبر نے شیخ فیضی کو حکم دیا کہ پنج گنج نظامی پر پنج گنج لکھو۔ انہوں نے ۴ مہینے میں اول نل دمن کہہ کر گزرانی دیکھو فیضی کا حال۔

لیلاوتی:

ایک حساب کی کتاب ہے۔ فیضی نے سنسکرت سے فارسی کے قالب میں ڈھالی۔ دیکھو فیضی کا حال۔

بحر الاسماء:

۱۰۰۴ھ میں ایک ہندی افسانے کو ملا عبدالقادر بدایونی سے درست کروایا۔ جس نے بحر الاسماء نام پایا۔ اصل ترجمہ سلطان زین العابدین بادشاہ کشمیر کے حکم سے ہوا تھا۔ بڑی برفہ اور ضخیم کتاب ہے۔ اب نہیں ملتی۔

مرکز ادوار:

خمسہ مذکورہ میں سے یہ کتاب بھی فیضی نے لکھی تھی۔ مرنے کے بعد ایک بیاض میں متفرق اشعار مسودہ کے طور پر نکلے۔ ابوالفضل نے انہیں ترتیب دے کر صاف کیا۔ دیکھو فیضی کا حال۔

اکبر نامہ:

۴۰ برس کا حال اکبر کا ہے۔ اور آئین اکبری اس کا حصہ دوم۔ کل ابوالفضل نے لکھا۔ دیکھو ابوالفضل کا حال۔

عیار دانش:

قصہ کلیلہ و دمنہ ابوالفضل نے لکھا۔ دیکھو ابوالفضل کا حال۔

کشکول:

شیخ ابوالفضل نے سیاحت نظر کے عالم میں جو جو کتابوں میں دیکھا اور پسند آیا۔ انتخاب کے طور پر لکھا۔ اسی مجموعہ کا نام کشکول ہے۔ اکثر علمائے صاحب نظر کا قاعدہ ہے کہ جب مختلف کتابوں کی سیر کرتے ہیں تو ان میں سے یادداشتیں لکھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ حر عاملی، شیخ بہاؤالدین، سید نعمت اللہ جزائری، شیخ یوسف بحرانی وغیرہ اکثر علما کے کشکول ہیں اور ایران میں چھپ گئے ہیں۔

Marfat.com

تاجک:

علم ہیئت میں ایک کتاب تھی۔ مکمل خاں گجراتی نے حسب الحکم اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

ہری بنس:

اس میں سری کرشن جی کا حال ہے۔ ملا شیری نے حسب الحکم فارسی میں ترجمہ کیا۔

جوتش:

خان خاناں نے جوتش میں ایک مثنوی لکھی۔ ہر بیت میں ایک مصرع فارسی۔ ایک سنسکرت۔

ثمرۃ الفلاسفہ:

عبدالستار ابن قاسم کی تصنیف ہے۔ اکبری تاریخ میں شہرت کی سرخی اس کے نام پر نہیں نظر آتی۔ مصنف خود دیباچہ میں لکھتا ہے کہ میں نے چھ مہینے کے عرصے میں زبان مذکور پادری جرونموشو پر سے حاصل کر لی۔ بول نہیں سکتا مگر مطلب خاصہ نکال لیتا ہوں۔ چنانچہ ادھر بادشاہ نے اس کتاب کے ترجمہ کا حکم دیا۔ ادھر کتاب تیار ہوگئی۔ مصنف مذکور اور اس کی کتاب ابوالفضل کے اس فقرے کی تصدیق کرتے ہیں جو اس نے پادری فریتون وغیرہ اہل فرنگ کے آنے کے ذکر میں لکھا ہے۔ ''یونانی کتابوں کے ترجمے کا سامان بہم پہنچا۔'' کتاب مذکور میں اول روما کی تاریخ قدیم کا مختصر بیان ہے۔ پھر مشاہیر اہل کمال کے حالات ہیں۔ انداز عبارت ایسا ہے کہ اگر دیباچہ نہ پڑھو تو تم جانو کہ ابو الفضل یا اس کے شاگرد کا مسودہ ہے۔ نظر ثانی کی نوبت نہ پہنچی ہوگی۔ ۴۸ جلوس اکبری میں لکھی گئی۔ ۱۰۱۱ھ ہوئے۔ یہ کتاب خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر پٹیالہ کے کتب خانہ میں میری نظر سے گزری۔

خیر البیان:

ایک کتاب پیر تاریکی نے لکھی۔ یہ وہی پیر ہے جس نے اپنا نام پیر روشنائی رکھا تھا۔ کوہستان پشاور میں جو وہابی پھیلے ہوئے ہیں وہ اسی کی امت چلے آتے ہیں۔ جو ادھر ادھر نئے پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں میں جا ملتے ہیں۔

Marfat.com

عمارات عہد اکبر شاہی

۹۶۱ ھ میں جب ہمایوں ہندوستان پر آیا تو لاہور میں پہنچ کر آپ یہاں ٹھہرا اور اکبر کو باتالیق خان خاناں آگے بڑھایا۔ سرہند کے مقام پر سکندر سور پٹھانوں کا ٹڈی دل لئے پڑا تھا۔ خان خاناں نے جا کر میدان میں صف آرائی کی اور ہمایوں کو عرضی لکھی۔ وہ بھی جا پہنچا۔ لڑائی بڑے معرکے سے شروع ہوئی اور کئی دن تک جاری رہی۔ جو پہلوا کبر اور بیرم خاں کے سپرد تھا ادھر سے خوب خوب کارنامے ہوئے۔ اور جس دن شاہزادے کے دھاوے کا دن تھا اسی دن معرکہ فتح ہوا چنانچہ اس فتح کے تہنیت نامے اس کے نام سے لکھے گئے۔ خان خاناں نے مقام مذکور کا نام سر منزل رکھا کہ شاہزادہ کے نام کی پہلی فتح تھی۔ اور ایک کلہ منار یادگار تعمیر کیا۔

۹۶۹ ھ میں خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ آگرہ میں شہید ہوئے۔ ان کا جنازہ دلی میں بھجوایا اور اس پر مقبرہ بنوایا۔ اسی تاریخ ادہم خاں ان کے جرم قتل میں قتل ہوا۔ اسے بھی اسی رستے روانہ کیا۔ اس کے چالیسویں کے دن ماہم بیگم اس کی ماں کہ اکبر کی اناتھی بیٹے کے غم میں دنیا سے کوچ کر گئی اس کا جنازہ بھی وہیں بھیجا کہ ماں بیٹے ساتھ رہیں اور ان کی قبر پر مقبرہ عالیشان بنوایا۔ قطب صاحب کے پاس اب تک بھول بھلیاں مشہور ہے۔

۹۶۴ ھ سال اول جلوس میں ہیمو کی مہم فتح ہوئی۔ پانی پت کے میدان میں جہاں لڑائی ہوئی تھی کلہ منار بنایا۔

نگر چین:

شہر آگرہ سے ۳ کوس کے فاصلے پر کرائی ایک گاؤں تھا۔ اس دلکشا مقام کی سر سبزی اور سیرابی اکبر کو بہت پسند آئی۔ اکثر سیر و شکار کو وہیں آجاتے تھے۔ اور دل کو شگفتہ کرتے تھے۔ ۹۷۱ ھ میں خیال آیا کہ یہاں شہر آباد ہو۔ چند روز میں پھلے پھولے باغ، عالیشان عمارتیں، شاہانہ محل، پائیں باغ، دلچسپ مکانات، چوپڑ کے بازار، اونچی اونچی دکانیں، بلند بالا خانے تیار ہو گئے۔ امرائے دربار اور ارکین سلطنت نے بھی اپنی اپنی دسترس کے بموجب مکان، حرم سرائیں، خانہ باغ تعمیر

Marfat.com

کئے۔ بادشاہ نے یہیں ایک میدان ہموار مرتب کیا تھا کہ اس میں چوگان کھیلا کرتے تھے۔ وہ میدان چوگان بازی کہلاتا تھا۔ شہر مذکور اپنی بے نظیر لطافتوں اور عجیب و غریب ایجادوں کے ساتھ اس قدر جلد تیار ہوا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے (ملا صاحب کہتے ہیں) اور مٹا بھی ایسا جلد کہ دیکھتے دیکھتے نشان تک نہ رہا۔ میں نے خود آگرہ جا کر دیکھا اور لوگوں سے دریافت کیا۔ مقام مذکور اب شہر سے پانچ کوس سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت کی کتابوں میں جو شہر سے تین کوس فاصلہ لکھا ہے۔ اس سے اور وہاں کے خرابوں سے دریافت کر سکتے ہیں کہ جب شہر آگاہ کہاں تک آباد تھا۔ اور اب کتنا رہ گیا ہے۔

مسجد و خانقاہ شیخ سلیم چشتی:

اکبر کی ۲۷۔ ۲۸ برس کی عمر ہو گئی تھی اور اولاد نہ تھی۔ ہوئی تو مر گئی۔ شیخ سلیم چشتی نے خبر دی کہ وارث تاج و تخت پیدا ہونیوالا ہے۔ اتفاق یہ کہ انہی دنوں محل میں حمل کے آثار معلوم ہوئے۔ اس خیال سے کہ برکات انفاس قریب تر ہو جائے۔ حرم مذکور کو شیخ کے گھر میں بھیج دیا۔ اور خود بھی وعدہ کے انتظار میں وہیں رہنے لگے۔ اس عالم میں کہ ۹۷۶ھ تھے۔ شیخ کی پہلی خانقاہ اور حویلی کے پاس کوہ سیکری پر ایک شاہانہ عمارت اور نئی خانقاہ اور نہایت عالیشان مسجد کی تعمیر شروع کی کہ کل سنگین ہے اور ایک پہاڑ ہے کہ پہاڑ پر دھرا ہوا ہے۔ مسافران عالم کہتے ہیں کہ ایسی عمارتیں عالم میں کم ہیں۔ تخمیناً ۵ برس میں تیار ہوئی۔ اس کا بلند دروازہ کسی بنئے نے ہی بنوایا تھا۔

فتح پور سیکری:

۹۷۹ھ میں حکم ہوا کہ دیوان دولت اور شبستان حشمت کے لئے قصر ہائے عالی تعمیر ہوں اور تمام امراء درجہ اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک سنگین اور گچکاری کی عمارتوں سے محل اور مکان آراستہ کریں۔ سنگین اور چوڑے چوپڑ کے بازار۔ اوپر ہوادار بالا خانے۔ نیچے مدرسے خانقاہیں اور حمام گرم ہوں۔ شہر میں خانہ باغ۔ باہر باغ لگیں۔ شرفا و غربا ہر پیشہ کے لوگ آباد ہو کر دلچسپ مکانوں اور دلکش دکانوں سے شہر کی آبادی بڑھائیں۔ گرد شہر کے پتھر اور چونے کی فصیل کا دائرہ کھینچیں۔ ۴ کوس کے فاصلے پر مریم مکانی کے محل اور باغ دلکشا تھا۔ بابر نے بھی رانا پر یہیں فتح پائی تھی۔ اکبر نے مبارک شگون سمجھ کر فتح آباد نام رکھا تھا۔ پھر فتح پور مشہور ہو گیا اور بادشاہ کو بھی یہی منظور ہو گیا۔ الاسماء تنزل من السماء۔ چاہا تھا کہ یہی دارالخلافہ ہو جائے۔ خدا نے نہ چاہا۔ ۹۸۵ھ میں حکم دیا کہ ٹکسال بھی یہیں جاری ہو۔ چنانچہ ۴ گوشہ روپے پہلے وہیں سے نکلے۔

Marfat.com

بنگالی محل:

اور ایک اور محل اسی سنہ میں آگرہ میں تیار ہوا۔ قاسم ارسلاں نے دونوں کی تاریخ کہی۔

تمام شد دو عمارت بسان خلد بریں — بدور دولت صاحبقران ہفت اقلیم
یکے بہ بلدہ دارالخلافہ آگرہ — دگر بہ خطہ سیکری مقام شیخ سلیم
سپہراز پے تاریخ ایں دو عالی قصر — رقم زدہ دو بہشت بریں بکلک قدیم

قلعہ اکبر آباد:

آگرہ کو زیادہ تر سکندر لودھی نے آباد کیا اور ایسا بڑھایا چڑھایا کہ اینٹ پتھر چونے سے قلعہ تیار کر کے دارالسلطنت بنا دیا۔ اس وقت دونوں شہر آباد تھے۔ بیچ میں جمنا بہتی تھی۔ قلعہ شہر کے مشرق پر تھا۔ ۹۷۳ھ میں اکبر نے حکم دیا کہ قلعہ کو سنگین بنائیں اور سنگ سرخ کی سلیں تراش تراش کر لگائیں دو طرفہ گچ اور پتھر سے مستحکم عمارتیں بنیں۔ ملا صاحب فرماتے ہیں ۳ سیر غلہ سر جریب تمام ولایت پر لگا دیا۔ محصل پہنچے اور امرائے جاگیردار کی معرفت وصول کر لائے۔ ۵ برس میں تیار ہو گیا۔ عرض دیوار ۳۰ گز۔ ارتفاع ۶۰ گز۔ ۴ دروازے۔ خندق عمیق پانی تک کہ ۱۰ گز پر نکل آیا تھا۔ تین چار ہزار آدمی کی مدد روز لگتی تھی۔ اب بھی طول میں جمنا کے کنارے تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ قلعہ بھی اپنا نظیر نہیں رکھتا❶۔ شیخ فیضی نے دروازے کی تاریخ کہی:۔ بنائے در بہشت۔ پھر ملا صاحب کہتے ہیں قریب ۳۰ کروڑ کے لاگت ہے اور ہندوستان بھر کے روپے کو چھاتی پر لئے بیٹھا ہے۔ کاریگر معمار، سنگتراش، نزاکت کار، مصور جادو نگار، لہار مزدور وغیرہ وغیرہ ۴ ہزار آدمی کی مدد روز جاری تھی۔ دولتخانہ خاص میں سنگتراشوں کی منبت اور پچی کاری اور مصوروں کی سحر نگاروں نے آئندہ ایجاد کے لئے جگہ نہ چھوڑی۔ اس لئے تاریخ ہوئی۔ بنائے قلعہ شد بہر زر۔ اس کے عالیشان دروازے کے دونوں طرف دو ہاتھی پتھر کے تراش کر کھڑے کئے تھے کہ آمنے سامنے سونڈیں ملا کر محراب بناتے تھے اور سب اس کے نیچے سے آتے جاتے تھے۔ اس کا نام ہتیا پول تھا (پول بمعنی دروازہ) اسی پر نقار خانہ دربار تھا۔ ملا شیری❷ نے تاریخ کہی۔

---

❶ بدایونی میں مدت تعمیر ۵ برس اور اکبر نامہ میں ۸ برس لکھتے ہیں اور مقدار عرض اور ارتفاع میں بھی فرق ہے۔ خافی خاں لکھتے ہیں ۹۷۳ھ میں تمام ہوا۔ ۳۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ انہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عوام میں یہ خیال ہے کہ اکبر کے عہد سے اس کا نام اکبر آباد ہوا۔ مگر مرزا امینا شاجہاں نامہ میں لکھتا ہے کہ شاجہاں نے دادا کی محبت سے اکبر آباد نام رکھا۔ اس سے پہلے آگرہ ہی مشہور تھا۔

❷ ملا شیری کا حال دیکھو تتمہ میں۔

Marfat.com

کلک شیری پئے تاریخ نوشت بے مثال آمدہ دروازۂ فیل

اب نقارہ نہ رہا۔ صاحب نقارہ نہ رہے۔ نقار خانہ بے فائدہ چیز تھی۔ سرکار نے اسے گرا کر پتھر بیچ ڈالے۔ دروازہ باقی ہے۔ ہاتھی بھی نہ رہے۔ ہتیا پول کا نام باقی ہے۔ اور جامع مسجد اس کے محاذی واقع ہوئی ہے۔ فتح پور سیکری کے ہتیا پول میں ہاتھی موجود ہیں۔ سونڈیں ٹوٹ گئیں۔ افسوس محراب کا لطف نہ رہا۔

ہمایوں کا مقبرہ:

۹۷۷ھ میں شہر دہلی میں دریائے جمن کے کنارے پر میرک مرزا غیاث کے اہتمام سے آٹھ نو برس کی محنت میں تیار ہوا۔ تمام سنگین۔ اس کی گلتراشی اور منبت کاری کے لئے پہاڑوں نے اپنے جگر کے ٹکرے بھیجے۔ اور معماروں نے صنعت کاری کی جگہ جادوگری خرچ کی۔ اب تک دیکھنے والوں کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں مگر حیرت کی نگاہیں نہیں تھکتیں۔

عمارات اجمیر:

۹۷۷ھ میں پہلے سلیم پیدا ہوا۔ پھر مراد پیدا ہوا۔ بادشاہ شکرانے اور منت بڑھانے کو اجمیر گئے۔ شہر کے گرد قلعہ باندھا۔ امرا کو حکم ہوا کہ تم بھی عالیشان عمارتیں بناؤ۔ سب تعمیل کر کے شکوہ اقبال کی شہ نشینوں میں بیٹھے اور آفرین بادشاہی طرہ دستار ہوئی۔ شرقی جانب میں بادشاہی دولت خانے تھے تین برس میں سب عمارتیں تیار ہو گئیں۔

کوکر تلاؤ:

کہ خسرو شیریں کار کی توجہ سے شکر تلاؤ ہو گیا۔ اس کا افسانہ سننے کے قابل ہے۔ جب ۹۸۷ھ میں شاہزادہ مراد کی ولادت کے شکرانے ادا کر کے اجمیر سے پھرے تو ناگور کے رستے آئے اور اسی مقام پر ڈیرے ہوئے۔ رعایائے شہر نے حاضر ہو کر عرض کی کہ خشک ملک ہے اور خلق خدا کی گزران دو تالابوں پر ہے۔ گیلانی تلاؤ۔ شمس تلاؤ کہ کوکر تلاؤ کہلاتا ہے اور بند پڑا ہے۔ بادشاہ نے اس کی پیمائش کروا کر صفائی امرا پر تقسیم کی اور وہیں مقام کر دیا۔ چند روز میں صاف ہو کر کٹورے کی طرح چھلکنے لگا۔ اور شکر تلاؤ نام پایا۔ کوکر تلاؤ اس لئے کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کے پاس ایک وفادار کتا تھا۔ اسے بہت عزیز رکھتا تھا مگر کچھ ضرورت ایسی پڑی کہ ایک شخص کے پاس گرو رکھ دیا۔ چند روز کے بعد اس پر خدا نے کرم کیا کہ دولت و مال سے آسودہ حال ہو گیا اور اپنی وفا کی گٹھری لینے چلا۔ اتفاقاً کتا

Marfat.com

بھی اپنی وفا کے جوش میں اس کی طرف چلا تھا۔ مقام مذکور پر ملاقات ہوئی۔ کتے نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور دم ہلا کر اس کے پاؤں میں لوٹ گیا اور یہاں تک خوش ہوا کہ دم نکل گیا۔ سوداگر جتنا محبت والا تھا اس سے زیادہ ہمت والا تھا۔ یہاں پکا تلاؤ بنایا کہ آج تک اس کی ہمت اور کتے کی محبت پر گواہی دیتا ہے۔

چاہ و منارہ:

اکبر نے عہد کیا ہوا تھا کہ ہر سال ایک دفعہ اجمیر میں زیارت کو حاضر ہوا کرونگا۔ ۹۸۱ھ میں آگرہ سے وہاں تک ہر میل پر ایک کنواں اور ایک منارہ تعمیر کیا۔ اس وقت تک جتنے ہرن شکار کئے تھے۔ ان کے سینگ جمع تھے۔ ہر منارہ پر لگا کر سراپا شاخ در شاخ کر دیا کہ یہ بھی یادگار رہے۔ ملا صاحب اس کی تاریخ میل شاخ کہہ کر فرماتے ہیں۔ کاش کہ ان کی جگہ باغ یا سرا بنواتے کہ فائدہ بھی ہوتا۔ آزاد کہتا ہے۔ کاش ملا صاحب کو دے دیتے۔ یونیورسٹی پنجاب ہوتی تو ڈپوٹیشن لے کر پہنچتی کہ ہمیں دے دو۔ ع عزازیل گوید نصیبے برم۔

عبادتخانہ چار ایوان:

۹۸۱ھ میں بمقام فتح پور سیکری تعمیر ہوا۔

الہ آباد:

پراگ پر گنگا جمنا دونوں بہنیں گلے ملتی ہیں۔ اس پانی کے زور کا کیا کہنا جہاں دو محبت کے دریا ٹکر کھائیں۔ یہ ہندوؤں کے تیرتھ کا مقام ہے۔ ہمیشہ سے یہاں منتیں مانتے ہیں اور تناسخ کے خیالات میں جانیں دیتے ہیں۔ ۹۸۱ھ میں اکبر پٹنے کی مہم پر جاتا تھا۔ مقام مذکور پر حکم دیا کہ ایک حصار عظیم الشان قلعہ آگرہ کے نقشے پر تعمیر ہو۔ اور یہ ایجاد زیادہ ہو کر چار قلعوں میں تقسیم ہو۔ ہر قلعے میں محل، مکانات، بالا خانے، خوشنما طرزوں کے ساتھ مرتب ہوں۔ پہلا قلعہ وہاں ہو جہاں ٹھیک دونوں دریاؤں کی ٹکر ہے۔ اس میں ۱۲ خانہ باغ ہوں۔ ہر باغ میں کئی کئی مکانات دلکشا۔ یہ خاص دولت خانہ بادشاہی۔ (۲) میں بیگمات اور شاہزادے۔ (۳) اقربائے سلطانی، ملازم اور اہل خدمت، خاص و عام، مہندسان تیز ہوش نے اس کے نقشوں کی تراشیں پیدا کرنے میں ذہن لڑا کر کارنامے دکھلائے اور ساتھ ہی ایک کوس طولانی۔ ۴۰ گز عریض۔ ۴۰ گز بلند بند مستحکم باندھ کر عمارتیں تیار کھڑی کر دیں۔ ۶۸ جلوس میں عمارت کا کام ختم ہوا تھا۔ پھر وہ الہ آباد سے الہ باس ہو گیا۔ ارادہ

Marfat.com

ہوا کہ اس میں دارالخلافہ قائم کریں۔ امرا نے بھی عمارات عالی تعمیر کیں۔ شہر کی آبادانی اور فراوانی زیادہ ہوئی۔ ٹکسال کا سکہ بیٹھا۔ شریف سرمدی کا شعر مقبول ہو کر منقوش ہوا۔

ہمیشہ چوں زر خورشید و ماہ روشن باد بہ شرق و غرب جہاں سکۂ الہ آباد

اسی عہد میں چوکی نویسی کا آئین مقرر ہوا تھا۔ چند معتبر منصبدار تھے کہ باری باری سے حاضر ہوتے تھے۔ روزمرہ ساعت بساعت کے احکام لکھتے رہتے تھے۔ وہ چوکی نویس کہلاتے تھے۔ امیر، منصبدار، احدی جو خدمت پر حاضر ہوتے تھے ان کی یہ حاضری لکھتے تھے۔ جو سندیں اور چٹھیاں ان کی تنخواہوں کی خزانہ پر ہوتی تھیں انہی کی تصدیق سے ہوتی تھیں۔ محمد شریف مذکور اور محمد نفیس بھی انہی میں تھے۔ ان کی لیاقت بھی بہت خوب تھی اور اکبر کی بھی نظر عنایت تھی۔ اس واسطے حاضر بھی زیادہ رہتے تھے۔ محمد شریف شیخ ابوالفضل کے جلسے کے بھی یار تھے۔ انشائے ابوالفضل کے دفتر دوم میں کئی خط ان کے نام ہیں۔ اور مان سنگھ وغیرہ امرا کے خطوط میں ان کی سفارش بھی کی ہے۔ پھر تو ملا صاحب کو ان پر خفا ہونا واجب ہوا۔ چنانچہ سلسلہ تاریخ میں اس مقام پر فرماتے ہیں۔ ان کے باب میں کسی نے شعر بھی کہا ہوا ہے۔

دو چوکی نویس اند ہر دو کثیف یکے ناقص و دگر ناشریف

قلعہ تاراگڑھ:

اسی سال میں زیارت اجمیر کو گئے اور حضرت سید حسین خنگ سوار کی عمارات مزار اور فصیل کی تعمیر کی۔

منوہر پور:

شہر انبر ❶ پر لشکر اترا۔ معلوم ہوا کہ قریب تر یہاں سے ملتھان نام ایک شہر قدیم کے ویرانے پڑے ہیں اور خاک کے ٹیلے اس کی تاریخ سنا رہے ہیں۔ اکبر نے جا کر دیکھا۔ حکم دیا کہ فصیل دروازے باغ وغیرہ تیار ہوں۔ کام امرا کو تقسیم ہو گئے اور تعمیر میں بڑی تاکید کی۔ انتہا ہے کہ ۸ دن میں کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اور رعایا آباد ہو گئی۔ رائے منوہر ولد رائے لون کرن حاکم سانبھر کے نام پر منوہر پور اس کا نام رکھا۔ ملا صاحب کہتے ہیں کنور مذکور پر بڑی نظر عنایت تھی۔ سلیم کے ساتھ کھیل کر

❶ شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اسے عنبر سرا اور ملا صاحب نے عنبر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں انبر کے پاس موضع ملتان پر خیمے ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ شہر قدیم ہے۔ خدا جانے کب سے ویران پڑا ہے اس کی آبادی کا سرانجام کر کے وہاں سے اٹھے۔

Marfat.com

بڑا ہوا تھا۔ شعر بھی خوب کہتا تھا اور اس میں توسنی تخلص کرتا تھا۔ جوان قابل اور ہر معاملہ میں منصف مزاج تھا۔ رائے مرزا منوہر کہلاتا تھا۔

قلعہ اٹک:

جب محمد حکیم مرزا کی اخیر مہم فتح کر کے کابل سے پھرے تو اٹک کے گھاٹ پر مقام ہوا۔ جاتے ہوئے تجویز ہوگئی تھی کہ یہاں جنگی قلعہ تعمیر ہو۔ ۹۹۰ھ میں ۱۴ خورواد دوپہر پر دو گھڑی بجے اپنے مبارک ہاتھ سے بنیاد کی اینٹ رکھی۔ بنگالہ میں کٹک بنارس ہے اس کا نام اٹک بنارس رکھا۔ خواجہ شمس الدین خانی انہی دنوں میں بنگالہ سے آئے تھے۔ ان کے اہتمام سے تعمیر ہوا۔ کنار اٹک پر جو دو پتھر جلالہ۔ کمالا کہلاتے ہیں۔ اسی صاحب تاثیر بادشاہ نے خطاب دیا ہے۔ عجب برکت والے لوگ تھے۔ جو موج دل میں آئی۔ عالم کی زبان پر جاری ہوگئی۔

حوض حکیم علی:

۱۰۰۲ھ میں حکیم علی نے لاہور میں ایک حوض بنایا کہ پانی سے لبریز تھا۔ عرض وطول ۲۰x۲۰۔ گہرا ۳ گز۔ بیچ میں حجرہ سنگین۔ اس کی چھت پر بلند منارہ۔ حجرہ کے چاروں طرف ۴ پل۔ لطف یہ تھا کہ حجرہ کے دروازے کھلے تھے اور پانی اندر نہ جاتا تھا۔ ۷ برس پہلے فتح پور میں ایک حکیم نے اسی کمال کا دعویٰ کیا۔ یہی سب سامان بنوایا مگر بن نہ آیا۔ آخر کہیں غوطہ مار گیا۔ اس باکمال نے کہا اور کر دکھایا۔ رستہ ڈھونڈتا ہے۔ نہیں ملتا۔ دم گھٹ کر گھبراتا ہے اور نکل آتا ہے۔ خود کپڑے اتار کر غوطہ مارا۔ اور اندر جا کر سارا حال معلوم کیا۔ ہوا خواہ بہت گھبرائے۔ جب نکلے تو سب کے دم میں دم آئے۔ جہانگیر نے ۱۰۱۶ھ میں لکھا ہے۔ آج آگرہ میں حکیم علی کے گھر اس حوض کا تماشا دیکھنے گیا۔ جیسا والد کے وقت لاہور میں بنایا تھا۔ چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر گیا کہ انہوں نے نہیں دیکھا تھا ۶x۶ ہے۔ پہلو میں ایک حجرہ ہے نہایت روشن۔ رستہ اسی حوض میں سے ہے۔ مگر پانی اس راہ سے اندر نہیں آتا۔ ۱۰۔۱۲ آدمی اس میں جلسہ جما کر بیٹھ سکتے ہیں۔

انوپ تلاؤ:

۹۸۶ھ میں فتح پور سے بھیرہ کی طرف شکار کو چلے۔ حکم دیا کہ تا تمام حوض کو صاف کر کے ہر قسم کے سکوں سے لبریز کر دو کہ ہم اعلیٰ سے ادنیٰ تک خلق اللہ کو اس کا فیض پہنچائیں گے۔ (ملا صاحب کہتے ہیں پیسوں سے بھروایا تھا) طول عرض بیس بیس۔ عمق دو قد آدم۔ سنگ سرخ کی عمارت تھی۔ چند

Marfat.com

روز کے بعد رستے میں راجہ ٹوڈرمل نے عرض کی کہ ۱۷ کروڑ بھر چکے ہیں مگر بھرا نہیں ہے۔ فرمایا کہ جب تک ہم پہنچیں لبالب کردو۔ جس دن تیار ہوا۔ آپ کنارے پر آئے۔ شکر الٰہی بجالائے۔ پہلے ایک اشرفی ایک روپیہ۔ ایک پیسہ آپ اٹھایا۔ اسی طرح امرائے دربار کو عنایت فرمایا۔ شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ راقم شگرفنامہ نے بھی کرم عام سے فیض خاص پایا۔ پھر مٹھیاں بھر بھر کر دیں اور دامن بھر بھر کر لوگ لے گئے۔ اور ہر شخص نے برکت کا تعویذ بنا کر رکھا، جس گھر میں رہا اس میں کبھی روپے کا توڑا نہ ہوا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ شیخ منجھو قوال صوفیانہ وضع رکھتا تھا۔ شیخ اوہن جونپوری کے مریدوں میں سے تھا انہی دنوں میں حوض مذکور کے کنارے راسے بلایا۔ اس کا گانا سن کر بہت خوش ہوئے۔ تانسین اور اچھے اچھے گویوں کو بلا کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کیفیت کو تم میں سے ایک نہیں پہنچتا۔ پھر اس سے کہا۔ منجھو۔ جا سب نقدی تو ہی اٹھا لے جا۔ اس سے کیا اٹھ سکتی تھی۔ عرض کی حضور یہ حکم دیں کہ جتنی غلام اٹھا سکے اتنی لے جائے۔ منظور فرمایا۔ غریب ہزار روپے کے قریب ٹکے باندھ لے گیا۔ ۳ برس بعد اسی طرح لٹا کر حوض خالی کر دیا۔ ملا صاحب کو بہت افسوس ہوا۔ آزاد۔ میں نے ایک پرانی تصویر دیکھی۔ اکبر اس تلاؤ کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ بیربل وغیرہ چند راحاضر ہیں۔ کچھ مرد۔ کچھ عورتیں۔ کچھ لڑکیاں، پنہیاریوں کی طرح اس میں سے گھڑے بھر بھر کر لئے جاتے ہیں۔ اللہ اللہ جو سخاوت کی بہار دیکھنے والے ہیں انہیں یہ بھی ایک تماشا ہے۔ جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے کہ ۳۶x۳۶ طول عرض سوا چار گز عمق تھا۔ ۳۴ کروڑ ۴۸ لاکھ ۴۶ ہزار دام = ۱۶ لاکھ ۹۷ ہزار ۴ سو روپے کی نقدی اس میں آئی تھی۔ روپے اور پیسے ملے ہوئے تھے۔ ضرورت اور احتیاج کے پیاسے مدتوں تک آتے اور دلوں کی پیاس بجھاتے رہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس میں کپور تلاؤ نام لکھا ہے۔

اکبر کی شاعری اور طبع موزوں

وہ دربار قدرت سے اپنے ساتھ بہت سی نعمتیں لایا تھا۔ ان میں طبیعت بھی موزوں لایا تھا۔ اسی واسطے کبھی کبھی اشعار زبان سے نکل جاتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشعار جو اس کے نام پر کتابوں میں لکھے ہیں اسی کے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا تو شاعر ہزاروں تھے۔ جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے۔ لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں تو اپنی ہی طبیعت

Marfat.com

کی امنگ ہے۔ جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے۔ شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو۔ خیر طبیعت کا انداز دیکھ لو۔ مطلع

گریہ کردم زغمت موجب خوشحالی شد　　زتخم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

بے نازکہ دل خوں شدہ؟ از دوری او　　من یار غم زدست مجبوری او
در آئینہ چرخ نہ قوس قزح است　　عکس است نمایاں شدہ از چوری او

قطعہ

دوشینہ بکوے مے فروشاں　　پیمانہ مے بزر خریدم
اکنوں زخمار سرگرانم　　زر دوادم وورد سر خریدم

مطلع

من ینگ نے خورم مے آرید　　من چنگ نے زنم نیارید

۹۹۷ھ میں بہار کشمیر کی گلگشت کیلئے مع لشکر و امرائے لشکر تشریف لے گئے۔ اور بیگمات کو بھی ساتھ لیا کہ باغ قدرت کا تماشا دیکھ کر سب خوش ہوں۔ آپ امرائے خاص اور مصاحبوں کو لے کر آگے بڑھ گئے تھے۔ شہر سری نگر میں پہنچ کر خیال آیا کہ مریم مکانی کے دولت خیز قدم بھی ساتھ ہوں تو نہایت مبارک بات ہے۔ شیخ کو حکم ہوا کہ عرضداشت لکھو۔ وہ تحریر میں مصروف تھے۔ خود فرمایا۔ اور یہ بھی عرض داشت میں درج ہو۔

حاجی بسوے کعبہ رود از برائے حج　　یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

عہد اکبر کے عجیب واقعات

مقام بکسر میں راوت ٹیکا نام موضع مذکور کا مقدم تھا۔ کسی دشمن نے قابو پا کر اسے مار ڈالا۔ مقتول نے دو زخم کھائے تھے۔ ایک پیٹھ پر۔ دوسرا کان کے نیچے۔ چند روز کے بعد اس کے رشتہ دار

Marfat.com

کے گھر بچہ پیدا ہوا کہ یہی دو زخم اس کے موجود تھے۔ لوگوں میں چرچا ہوا۔ اور جب وہ بڑا ہوا تو اس نے بھی یہی کہا۔ بلکہ اکثر اس کی باتیں ایسے ایسے نشان و مقام کے پتے سے بتائیں کہ سب حیران ہوئے۔ معاملہ اکبر تک پہنچا۔ یہ ایسی تحقیقات کے عاشق تھے۔ اسے بلا کر حالات پوچھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اکبر نے بھی اس کا دوبارہ جنم لینا تسلیم کیا۔ مگر اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے کہا۔ اگر زخم لگے تھے۔ تو راوت کے جسم پر لگے تھے۔ جان پر نہ تھے۔ اس جسم میں آئی ہے تو جان آئی ہے۔ پھر زخموں کا اس بدن پر ظاہر ہونا چہ معنی دارد۔ اس پر اپنی والدہ کا حال بیان کیا۔

ایک اندھے کو لائے کہ جو کچھ بات اس سے کہتے تھے۔ وہ بغل میں ہاتھ دے کر جواب دیتا تھا۔ اور بغل سے شعر پڑھتا تھا۔ مشق اور ورزش سے یہ بات بہم پہنچائی تھی۔

دو جڑواں بھائی:

نواح اکبر آباد میں ایک بغاوت کے دبانے کو فوج بادشاہی گئی۔ وہاں لڑائی ہوئی۔ لشکر بادشاہی میں دو بھائی تھے۔ قوم کھتری۔ اکبر آباد کے رہنے والے کہ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اور باہم بالکل مشابہ تھے۔ ایک ان میں سے کام آیا۔ اور چونکہ لڑائی جاری تھی۔ دوسرا وہاں موجود رہا۔ مقتول کی لاش گھر آئی۔ دونوں بھائیوں کی بیبیاں اس کے ساتھ ستی ہونے کو تیار ہوئیں۔ یہ کہتی تھی میرا شوہر ہے۔ وہ کہتی تھی میرا ہے۔ مقدمہ کوتوال کے پاس اور وہاں سے دربار میں پہنچا۔ بڑے بھائی کی بی بی کہ جس کا خاوند چند ساعت پہلے پیدا ہوا تھا۔ آگے بڑھی اور عرض کی۔ حضور میرے والی کا ۱۰ برس کا بیٹا مر گیا تھا۔ اور اسے فرزند کے مرنے کا بڑا غم ہوا تھا۔ اس لاش کا سینہ چیر کر دیکھئے۔ اگر اس کے جگر میں داغ یا سوراخ ہو تو جانئے کہ وہی ہے۔ نہیں ہے تو وہ نہیں ہے۔ اسی وقت جراح حاضر ہوئے۔ چھاتی چاک کر کے دیکھا تو زخم تیر کی طرح سوراخ میں موجود تھا۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اکبر نے کہا کہ بوا تم سچی ہو۔ اور جلنے اور نہ جلنے کا تمہیں اختیار ہے۔

مرد عورت دونوں کی علامتیں:

ایک شخص کو لوگ لائے کہ اس میں مرد عورت دونوں کی علامتیں موجود تھیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اسے مکتب خانہ کے پاس لا کر بٹھایا تھا۔ یہیں ہم کتب علمی ترجمہ کیا کرتے تھے۔ جس وقت چرچا ہوا تو میں بھی گیا۔ وہ ایک حلال خور تھا۔ چادر اوڑھے گھونگھٹ نکالے شرمندہ صورت کچھ منہ سے نہ بولتا تھا۔ حضرت بن دیکھے قدرت الٰہی کے قائل ہو کر چلے آئے۔

Marfat.com

بغیر کانوں کے آدمی

۹۹۰ھ میں ایک آدمی کو لائے کہ نہ اس کے کان تھے۔ نہ کانوں کے چھید تھے۔ رخسارے اور تمام کنپٹیاں صفا صفا۔ مگر ہر بات برابر سنتا تھا۔

بچے کا بڑا سر:

ایک شیر خوار بچے کا سر اعتدال بدن سے زیادہ بڑھنے لگا۔ اکبر کو اطلاع ہوئی اس نے بلا کر دیکھا اور کہا کہ چمڑے کی چست ٹوپی بناؤ اور اسے پہناؤ۔ رات دن ایک لحہ سر سے نہ اتارو۔ ایسا ہی کیا۔ چند روز میں بڑھاؤ تھم گیا۔

ہاتھی کی زنجیر سونے کی ہوگئی:

۱۰۰۷ھ میں جب اکبر آسیر کی مہم پر خود لشکر لے کر چلا۔ فوج نربدا سے عبور کر رہی تھی۔ ہاتھیوں کا حلقہ کہ سواری کا جزاعظم تھا۔ دریا اترا۔ فیلبانوں نے دیکھا کہ خاصہ کے ہاتھی کی زنجیر سونے کی ہو گئی۔ داروغہ فیلخانہ کو خبر کی۔ اس نے خود جا کر دیکھا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ زنجیر منگا کر ملاحظہ کی۔ چاشنی لی۔ ہر طرح درست۔ گفتگو کے بعد یہ مضمون نکلا کہ دریا میں کسی مقام پر سنگ پارس ہوگا۔ اس خیال سے ہاتھیوں کو پھر اسی گھاٹ اور رراستے پر کئی بار وار اور پار لے گئے کچھ بھی نہ ہوا۔

دھوبی کا ننھا بچہ:

ملا صاحب ۹۶۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے خان زماں کی اخیر مہم کے لئے نشان فتح بلند کئے۔ میں حسین خاں کے ساتھ ہمسفر تھا۔ وہ ہراول ہو کر تعمیل فرمان کے لئے روانہ ہوا۔ میں شمس آباد میں رہ گیا۔ عجائبات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے پہنچنے سے کئی دن پہلے رات کے وقت ایک دھوبی کا ننھا بچہ چبوترہ پر سوتا تھا۔ غفلت میں کروٹ لی۔ پانی میں جا پڑا۔ دریا کا بہاؤ اسے دس کوس تک صحیح سلامت لے گیا اور بھوجپور پر جا کر کنارے سے لگا دیا۔ وہاں کسی دھوبی نے دیکھ کر نکالا وہ انہی کا بھائی بند تھا۔ اس نے پہچانا۔ صبح کو ماں باپ کے پاس پہنچا دیا۔

خصائل وعادات اور تقسیم اوقات

اس کی طبیعت کا رنگ ہر عہد میں بدلتا رہا۔ بچپن کی عمر کہ پڑھنے کا وقت تھا کبوتروں میں اڑایا۔ ذرا ہوش آیا تو کتے دوڑانے لگے۔ اور بڑے ہوئے۔ گھوڑے بھگانے اور باز اڑانے لگے۔ نوجوانی

Marfat.com

تاج شاہانی لے کر آئی۔ بیرم خاں وزیر صاحب تدبیر مل گیا تھا۔ یہ سیر و شکار اور شراب و کباب کے مزے لینے لگے۔ لیکن ہر حال میں مذہبی اعتقاد سے دل نورانی تھا۔ بزرگان دین سے اعتقاد رکھتا تھا۔ نیک نیتی اور خدا ترسی بچپن سے مصاحب تھی۔ طلوع جوانی میں آ کر کچھ عرصہ تک ایسے پرہیز گار نماز گزار ہوئے کہ کبھی کبھی خود مسجد میں جھاڑو دیتے تھے اور نماز کیلئے آپ اذان کہتے تھے۔ علم سے بے بہرہ رہے مگر مطالب علمی کی تحقیقات اور اہل علم کی صحبت کا شوق اتنا تھا کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ باوجودیکہ ہمیشہ فوج کشی اور مہموں میں گرفتار تھا۔ اور انتظامی کاروبار کا ہجوم تھا۔ سواری شکاری بھی برابر جاری تھی۔ مگر وہ علم کا عاشق علم و حکمت کے مباحثوں اور کتابوں کے سننے کو وقت نکال ہی لیتا تھا۔ یہ شوق کسی خاص مذہب یا خاص فن میں محبوس نہ تھا۔ کل علوم اور کل فنون اس کے لئے یکساں تھے۔ ۲۰ برس تک دیوانی فوجداری بلکہ سلطنت کے مقدمات بھی علمائے شریعت کے ہاتھ میں رہے جب دیکھا کہ ان کی بے لیاقتی اور جاہلانہ سینہ زوری ترقی سلطنت میں خلل انداز ہے تو آپ کام کو سنبھالا۔ اس عالم میں جو کچھ کرتا تھا امرائے تجربہ کار اور معاملہ فہم عالموں کی صلاح سے کرتا تھا۔ جب کوئی مہم پیش آتی۔ یا اثنائے مہم میں کوئی نئی صورت واقع ہوتی۔ یا کوئی انتظامی امر آئین سلطنت میں جاری یا ترمیم ہوتا تو پہلے امرائے دولت کو جمع کرتا۔ ہر شخص کی رائے کو بے روک سنتا اور سناتا اور اتفاق رائے اور صلاح اور صلاح کے ساتھ عمل درآمد کرتا۔ اور اس کا نام مجلس کنگاش تھا۔

علما و حکما کے جلسہ میں شرکت:

شام کو تھوڑی دیر آرام لے کر علما و حکما کے جلسہ میں آتا تھا۔ یہاں مذہب کی خصوصیت نہ تھی۔ ہر طریق اور ہر قوم کے صاحب علم جمع ہوتے تھے ان کے مباحثے سن کر معلومات کے خزانے کو آباد کرتا تھا۔ اس کے عہد میں عمدہ اور مفید اور عالی رتبے کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جو عرضیاں حکام و عمال نے بھیجی تھیں انہیں سنتا تھا اور ہر نکتے پر خود حکم مناسب لکھواتا تھا۔ آدمی رات کو یادالٰہی میں مصروف ہوتا۔ بعد اس کے شبستان راحت میں غروب ہوتا تھا کہ جسم و جان کو خواب کی خوراک دے لیکن بہت کم سوتا تھا بلکہ اکثر رات بھر جاگتا تھا۔ اس کی نیند عموماً ۳ گھنٹے سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ صبح سے پہلے اس کا دل روشن ہوتا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہوتا۔ نہا دھو کر بیٹھتا۔ دو گھنٹے یاد خدا کرتا اور انوار سحر سے دل کو روشنی دیتا۔ آفتاب کے ساتھ دربار میں طلوع ہوتا تھا۔ اہالی موالی بھی اندھیرے منہ حاضر ہوتے تھے۔ ان کی عرض معروض سنتا تھا۔ بے زبان نمکخوار نہ دکھ کی شکایت کر سکتے نہ کسی آرام کی درخواست۔ اس لئے خود اٹھ کر جاتا اور ان کی عرضیاں صورت حال سے پڑھتا۔

Marfat.com

اصطبل اور فیلخانہ شتر خانہ، آہو خانہ وغیرہ وغیرہ جانوروں کو اول۔ بعد ان کے اور کارخانوں کو دیکھتا تھا۔ اقسام صنعت گری کی کارگاہوں کا ملاحظہ کرتا تھا۔ ہر باب میں عمدہ ایجاد کرتا تھا اور دلپذیر اصلاحیں دیتا تھا۔ اہل کمال کے ایجادوں کی قدر مقدار سے زیادہ کرتا تھا۔ اور ہر فن میں اس توجہ سے شوق دکھاتا تھا کہ گویا اسی فن کا فریفتہ ہے۔ توپ بندوق وغیرہ آلات جنگ کی صنعت اور فنون دستکاری میں دستگاہ رکھتا تھا۔

جانوروں اور پرندوں کا شوق:

گھوڑے اور ہاتھی کا عاشق تھا۔ جہاں سنتا تھا لے لیتا تھا۔ شیر، چیتے، گینڈے، نیل گائیں، بارہ سنگے، ہرن وغیرہ ہزاروں جانور بڑی محبت سے پالے اور سدھائے تھے۔ جانوروں کے لڑانے کا بڑا شوق تھا۔ مست ہاتھی، شیر اور ہاتھی، ارنے بھینسے، گینڈے، ہرن لڑاتا تھا۔ چیتوں سے ہرن شکار کرتا تھا۔ باز، بہری، جرے، باشے اڑاتا تھا اور یہ دل کے بہلاوے میں ہر سفر میں ساتھ رہتے تھے۔ ہاتھی، گھوڑے، چیتے وغیرہ جانوروں میں بعضے بہت پیارے تھے۔ ان کے پیارے پیارے نام رکھے تھے۔ جن سے اس کی طبیعت کو موزونی اور ذہن کی مناسبت جھلکتی تھی۔ شکار کا دیوانہ تھا۔ شیر کو شمشیر سے مارتا تھا۔ ہاتھی کو زور سے زیر کرتا تھا۔ خود صاحب قوت تھا اور سخت محنت برداشت کر سکتا تھا۔ جتنی جفاکشی کرتا تھا۔ اتنا ہی خوش ہوتا تھا۔ شکار کھیلتا ہوا بیس تیس کوس پیدل نکل جاتا تھا۔ آگرہ اور فتح پور سیکری سے اجمیر تک ۷ منزل ہے۔ اور ہر منزل ۱۲ کوس کی۔ کئی دفعہ پیادہ زیارت کو گیا۔ شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ ایک بار جرأت وجوانی کے جوش میں متھرا سے پیادہ پا شکار کھیلتا ہوا چلا۔ آگرہ ۱۸ کوس ہے تیسرے پہر جا پہنچا۔ اس دن دو تین آدمیوں کے سوا کوئی ساتھ نہیں نبھ سکا۔ گجرات کے دھاوے کا تماشا دیکھ ہی چکے ہو۔ دریا میں کبھی گھوڑا ڈال کر کبھی ہاتھی پر کبھی آپ پیر کر پار اتر جاتا تھا۔ ہاتھیوں کی سواری اور اس کے لڑانے میں عجیب وغریب کرتب دکھاتا تھا۔ غرض مصیبت کا اٹھانا اور جان جوکھوں میں پڑنا اسے مزہ دیتا تھا۔ خطر کی حالت میں اس پر کبھی اضطراب نہ معلوم ہوتا تھا۔ باوجود اس جوانمردی ودلیری کے غصے کا نام نہ تھا اور ہمیشہ شگفتہ وشاد نظر آتا تھا۔

اکبر کی خود اعتمادی:

باوجود اس دولت وحشمت اور خدائی جاہ وجلال کے نمائش کا خیال نہ تھا۔ اکثر تخت کے آگے فرش پر ہو بیٹھتا۔ سیدھا سادہ مزاج رکھتا۔ سب سے بے تکلف باتیں کرتا تھا۔ رعیت کی دادخواہی کو سنتا تھا اور فریادرسی کرتا تھا۔ ان سے خلق ومحبت کے ساتھ بولتا تھا اور نہایت دردخواہی سے حال

Marfat.com

پوچھتا اور جواب دیتا تھا۔ غریبوں کی خاطرداری بہت کرتا تھا۔ جہاں تک ہوسکتا ان کی دل شکنی گوارا نہ کرسکتا تھا۔ ان کے غریبانہ نذرانوں کو امیروں کے پیشکشوں سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کی باتیں سن کر یہ معلوم ہوتا تھا گویا اپنے تئیں کمترین مخلوقات سے شمار کرتا ہے۔ اس کی ہر بات سے خدا پر توکل معلوم ہوتا تھا۔ اس کی رعایا اس کے ساتھ دل سے محبت رکھتی تھی ساتھ اس کے دلوں پر اس کی ہیبت اور دہشت بھی چھائی ہوئی تھی۔

دشمن کے دل پر ہیبت:

دشمنوں کے دلوں میں اس کے دلیرانہ دھاووں اور فتوحات کے کارناموں نے بڑا رعب ڈالا تھا۔ باوجود اس کے خواہ مخواہ لڑائی کا شوق نہ تھا۔ لڑائی کے معرکوں اور جنگ کے میدانوں میں دل اور جان تک کھپا دیتا تھا مگر ہمیشہ فہم و فراست سے کام لیتا تھا۔ دل میں ہمیشہ صلح مدنظر رکھتا تھا۔ جب حریف اطاعت کے رستے پر آتا۔ فوراً عذر قبول اور ملک بحال۔ جب مہم ختم ہوتی تو دارالسلطنت پھر کر آتا اور آبادانی و فراوانی کے شغلوں میں مصروف ہوتا۔ بنیاد سلطنت اس پر رکھی تھی کہ جہاں تک ہو سکے ملک کی خوشحالی اور لوگوں کی فارغ البالی میں خلل نہ آئے۔ سب آسودہ حال رہیں۔ فنچ صاحب اس عہد میں ملکہ الزبیتھ کے دربار سے سفیر ہو کر آئے تھے انہوں نے جو حالات مشاہدہ کر کے لکھے ہیں ان مطالب کا آئینہ ہیں۔

خداترسی اور رحم و شفقت اس کے خمیر میں رچی ہوئی تھی۔ کسی کا دکھ دیکھ نہ سکتا تھا۔ گوشت بہت کم کھاتا تھا۔ جس تاریخ پیدا ہوا تھا اس دن اور اس سے چند روز پہلے اور پیچھے بالکل نہ کھاتا تھا اور حکم تھا کہ ان دنوں کل ممالک محروسہ میں ذبح نہ ہو۔ جہاں ہوتا تھا چوری چھپے سے ہوتا تھا۔ پھر اس مہینے میں اور اس سے پہلے اور پیچھے ترک کر دیا۔ پھر جتنے برس عمر کے تھے اتنے دن پہلے اور پیچھے چھوڑ دیا۔

علی مرتضیٰؓ شیرِ خدا کا قول

علی مرتضیٰؓ شیر خدا کا قول ہے کہ سینے کو حیوانات کا گورستان نہ بناؤ۔ یہ خزانہ اسرار الٰہی کا ہے۔ یہی مضمون ادا کرتا تھا اور کہتا تھا۔ گوشت آخر درخت میں نہیں لگتا۔ زمین سے نہیں اگتا۔ جانور کے بدن سے کٹ کر جدا ہوتا ہے۔ اسے کیسا دکھ ہوتا ہوگا اگر انسان ہیں تو ہمیں بھی درد آنا چاہئے۔ ہزاروں نعمتیں خدا نے دی ہیں۔ کھاؤ پیو اور مزے لو۔ ذرا سے چٹخارے کے لئے کہ پل بھر سے زیادہ نہیں رہتا۔ جان کا ضائع کرنا بڑی بے عقلی و بے رحمی ہے۔ کہتا تھا کہ شکار نکموں کا کام ہے اور جلادی کی مشق ہے۔ ناخداترسوں نے خدا کی جانوں کا مارنا تماشا ٹھہرایا ہے۔ بے گناہ بے زبانوں کی جان

Marfat.com

لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ پیاری صورتیں اور موہنی مورتیں خاص اس کی صنعت گری ہے اس کا مٹانا سخت سنگدلی اور شقاوت ہے۔

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد — کہ رحمت براں تربت پاک باد
میازار مورے کہ دانہ کش است — کہ جاں دارد و جان شیریں خوش است

خاص دن اور بھی تھے کہ ان میں گوشت مطلق نہ کھاتا تھا۔ وسط عمر میں حساب کیا گیا تھا تو ان دنوں کا مجموعہ ۳ مہینے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ برس میں چھ مہینے ہو گئے آخر عمر میں یہاں تک کہتا تھا کہ جی چاہتا ہے گوشت کھانا ہی چھوڑ دیجئے۔ وہ کم خوراک تھا۔ اکثر ایک وقت کھانا کھاتا تھا اور جتنا کم کھاتا تھا اس سے بہت زیادہ محنت اٹھاتا تھا۔ عورت سے بھی کنارہ کش ہو گیا تھا۔ بلکہ جو کچھ ہوا اس کے ضائع ہونے کا افسوس کرتا تھا۔

آداب کورنش

شاہان دانش آرا نے اپنی اپنی رسائی کے بموجب ادائے آداب کے آئین رکھے تھے۔ کسی ملک میں سر جھکاتے تھے۔ کہیں سینہ پر ہاتھ بھی رکھتے تھے۔ کہیں دوزانو بیٹھ کر جھکتے تھے (ترکوں کا آئین آداب تھا) اور اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اکبر نے یہ آئین قرار دیا کہ ادب پرست دولتخواہ سامنے آکر آہستگی سے بیٹھے۔ سیدھے ہاتھ کو مٹھی کر کے پشت دست کو زمین پر ٹیکے اور آہستگی سے سیدھا اٹھے۔ دست رات سے تالو کو پکڑ کر اتنا جھکے کہ دہرا ہو جائے۔ اور ایک خوشنما انداز سے داہنی طرف کو جھوک دیتا ہوا اٹھے۔ اسی کو کورنش کہتے تھے۔ اس کے معنے یہ تھے کہ محسوس اور معقول زندگی اسی پر منحصر ہے۔ اسے دست نیاز پر رکھ کر نذر کرتا ہے۔ خود فرمان پذیری پر آمادہ ہوتا ہے اور جان وتن سپرد حضور کرتا ہے۔ اس کو تسلیم بھی کہتے ہیں۔

اکبر نے خود بیان کیا کہ وہ عالم طفولیت میں ایک دن ہمایوں کے پاس آکر بیٹھا۔ مہر پدری نے اپنے سر سے تاج اتار کر نور چشم کے سر پر رکھ دیا۔ تاج دولت فراخ تھا۔ پیشانی پر درست کرکے اور گدی کی طرف بڑھا کے رکھ دیا۔ عقل و آداب اتالیق ساتھ آئے تھے۔ ان کے اشارے سے اٹھا کر آداب بجا لائے۔ دست راست کی مٹھی کو پشت کی طرف سے زمین پر ٹیکا اور سینہ و گردن کو سیدھا کر کے آہستگی سے اٹھا کہ مبارک تاج آنکھوں پر پردہ نہ ہو جائے۔ یا کان پر نہ ڈھلک جائے۔ کھڑے

Marfat.com

ہو کر پر ہما اور کلغی کو بچا کر تالو پر ہاتھ رکھا کہ شگون سعادت گر نہ پڑے اور جتنا جھک سکتا تھا جھک کر آداب بجالایا۔ بچپن کے عالم میں یہ جھک کر اٹھنا بھی ایک خوشنما انداز ہوا۔ باپ کو پیارے فرزند کا ادائے آداب بہت اچھا معلوم ہوا۔ حکم دیا کہ کورنش وتسلیم اسی طرز پر ادا ہوا کرے۔

اکبر کے وقت میں ملازمت، رخصت، عطائے جاگیر، عنایت منصب، انعام، خلعت، ہاتھی اور گھوڑا مرحمت ہوتا تھا تو تھوڑے فاصلے پر تین تسلیمیں ادا کرتے ہوئے پاس آکر نذر دیتے تھے۔ اور عنایتوں پر ایک۔ بندگان باارادت جنہیں جلوت میں بھی بار ملتے تھے۔ جب بیٹھنے کی اجازت پاتے تھے تو سجدہ نیاز کرتے تھے حکم تھا کہ دل میں سجدہ الٰہی کی نیت رہے۔ کج فہم ظاہر میں اسے مردم پرستی سمجھتے تھے اس واسطے ایسی سعادت کے لئے عام اجازت نہ تھی۔ دربار عام میں بندگان خاص کو بھی حکم نہ تھا۔ کوئی باارادت اس طرح چہرہ نورانی کرنا چاہتا تو بادشاہ خفا ہوتا تھا۔ جہانگیر کے وقت میں کسی بات کی پروانہ تھی یہی رسم عموماً جاری رہی۔

شاہجہاں کے عہد میں تعظیمی سجدہ کی موقوفی:

شاہجہاں کے عہد میں پہلا حکم یہی جاری ہوا کہ سجدہ موقوف ہوا۔ ذات الٰہی کے سوا دوسرے کے لئے روا نہیں۔ مہابت خاں سپہ سالار نے کہا کہ بادشاہ کے سلام میں اور عام اہل دولت کے سلام میں کچھ امتیاز واجب ہے۔ سجدہ کی جگہ زمیں بوس ہو تو مناسب ہے کہ خادم ومخدوم اور بادشاہ ورعیت کا سرشتہ باقاعدہ رہے۔ قرار پایا کہ اہل آداب دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اپنے پشت دست کو بوسہ دیا کریں۔ اہل احتیاط نے کہا کہ اس میں بھی سجدہ کی صورت نکلتی ہے۔ سال دہم جلوس میں یہ بھی موقوف ہوا۔ اس کی جگہ چوتھی تسلیم اور بڑھادی۔ سادات علماء مشائخ ملازمت کے وقت سلام شرعی ادا کرتے تھے۔ اور رخصت کے وقت فاتحہ پڑھ کر دعا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیمی دستور ترکستان کا ہے کیونکہ وہاں بھی یہی رسم ہے بلکہ عموماً ہر صحبت اور ہر ملاقات میں یہی عمل درآمد عام تام ہے۔

لطائف اقبال

دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ جب دولت واقبال کسی کی طرف جھک جاتے ہیں تو عالم طلسمات کو مات کر دیتے ہیں۔ جو چاہے وہی ہو۔ جو منہ سے نکل جائے وہی ہو۔ اکبر کی فرمانروائی میں ایسی باتوں کا ظہور بہت نظر آتا ہے۔ مہمات سلطنت اور فتوحات ملکی کے علاوہ اس کے تہور اور ہمت

Marfat.com

وجرات کے معاملے کل تائید اقبال کا اثر تھے۔ اکثر معاملات میں جو کچھ اس نے ابتدا میں کہہ دیا اسی انتہا پر خاتمہ ہوا۔ اگر اس کی فہرست لکھوں تو بہت طولانی ہو چند باتیں بطور تمثیل لکھتا ہوں۔

۲۷ جلوس میں اکبر نے قاضی نور اللہ شستری کو محالات کشمیر کی جمع بندی کیلئے بھیجا۔ یہ باوجود کمال علم وفضل کے نہایت دقیقہ رس اور دیانت دار شخص تھے۔ عاملات کشمیری کو ڈر ہوا کہ ہمارے پیچ کھل جائیں گے۔ انہوں نے باہم مشاورت کی۔ بادشاہ بھی لاہور سے اسی طرف جانے والے تھے۔ مرزا یوسف خاں صوبہ دار کشمیر استقبال کو ادھر آیا۔ مزار یادگار اس کا رشتہ دار نائب رہا۔ کشمیریوں نے سازش کر کے اسے بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اور کہا کہ رستے دشوار۔ ملک ٹھنڈا۔ سامان جنگ بہت کچھ موجود ہے۔ کشمیر ایسی جگہ نہیں کہ ہندوستان کا لشکر آئے اور سر سواری اسے مار لے۔ وہ بھی ان کی باتوں میں آ گیا اور خود سر ہو کر تاج شاہی سر پر رکھا۔

دربار میں ان باتوں کا سان گمان بھی نہیں تھا۔ اکبر نے لاہور سے کوچ کیا۔ اور دریائے راوی سے اترتے ہوئے کسی مصاحب سے پوچھا کہ یہ بیت شاعر نے کونسے گنجے کے حق میں کہی تھی۔

کلاہ خسروہی وتاج شاہی بہر کل کے رسد حاشا و کلا

تماشا یہ ہوا کہ مرزا یادگار سر سے گنجہ نکلا۔

لشکر دریائے چناب کے کنارے پہنچا تھا کہ اس فساد کی خبر پہنچی۔ اکبر کی زبان سے نکلا۔

ولدالزناست حاسد۔ منم آنکہ طالع من ولدالزناکش آمد چو ستارہ یمانی

لطف یہ ہے کہ یادگار فقرہ نام ایک کنچنی کے پیٹ سے تھا جس کے نطفے کی بھی تحقیق نہ تھی۔ اکبر نے یہ بھی کہا کہ ایں بولی بچہ بجز دبر آمدن سہیل کشتہ خواہد شد۔ شیخ ابوالفضل نے دیوان حافظ میں فال دیکھی۔ یہ شعر نکلا

آں خوش خبر کجاست کزیں فتح مژدہ وارد تاجاں فشانمش چو زروسیم درقدم

عجیب بات یہ ہے کہ جب یادگار کا خطبہ پڑھا گیا تو اسے ایسی تھرتھری چڑھی جیسے بخار چڑھا اور مہر کن سکہ کی مہر کھودنے لگا۔ فولاد کی نی اس کی آنکھ میں جا پڑی۔ آنکھ بیکار ہو گئی۔ اکبر نے یہ بھی کہا کہ دیکھنا جو لوگ اس کی بغاوت میں شامل ہیں انہی میں سے کوئی شخص ہوگا کہ اس کا گنجہ سر کاٹ لائے گا۔ خدا کی قدرت کہ انجام کار اسی طرح وقوع میں آیا۔

دنیا میں کوئی شغل اور کوئی شوق ایسا نہ تھا جس کے یہ عاشق نہ ہوں۔ اس عشق بازی سے کبوتر چھٹ جاتے تو سخت دشواری تھی۔ انواع واقسام کے کبوتر شہر شہر بلکہ ولایتوں سے منگائے تھے۔ عبداللہ خاں ازبک کو لکھا اس نے کبوتران گرہ باز اوران کے کبوتر باز ملک توران سے بھیجے۔ یہاں ان

Marfat.com

کی بڑی قدر ہوئی۔ مرزا عبدالرحیم خان خاناں کو انہی دنوں میں فرمان لکھا ہے اس میں بھی مضامین رنگین کے بہت کبوتر اڑائے ہیں اور ایک ایک کبوتر کا نام بنام حال لکھا ہے۔ آئین اکبری میں جہاں اور کارخانوں کے آئین وضوابط لکھے ہیں۔ اس کے بھی لکھے ہیں اور ایک کبوتر نامہ بھی لکھا گیا۔ شیخ ابو الفضل اکبرنامہ میں لکھتے ہیں۔ ایک دن کبوتر اڑ رہے تھے۔ وہ بازیاں کرتے تھے۔ آپ تماشا دیکھتے تھے کہ ایک خاصہ کے کبوتر پر بہری گری۔ انہوں نے للکار کر آواز دی کہ خبردار۔ بہری جھپٹا مارتے مارتے رک کر ہٹ گئی۔ اس کا قاعدہ ہے کہ اگر کبوتر کنوٹ کر کے نکل جاتا ہے تو چکر مارتی ہے اور پھر آتی ہے۔ بار بار جھپٹے مارتی ہے اور آخر لے جاتی ہے مگر وہ پھر نہ آئی۔

اکبر کی شجاعت ذاتی اور بے حد دلاوری

یہ بات راجگان ہند کے اصول سلطنت میں داخل تھی کہ راج کا فرمانروا اکثر خطرناک اور جان جوکھوں کے کام کر کے خاص وعام کے دلوں میں ایک تاثیر پھیلائے۔ جس سے وہ سمجھیں کہ بے شک تائید غیبی اس کے ساتھ ہے اور اقبال اس طرح مددگار ہے کہ ہم میں سے یہ بات کسی کو نصیب نہیں۔ اور اسی واسطے اس کی عظمت خدا کی عظمت اور اس کی طاعت اطاعت الٰہی کی پہلی سیڑھی ہے۔ اور یہی بات ہے کہ ہندو راجہ کو بھگوان کا اوتار اور مسلمان ظل اللہ (سایہ خدا) کہتے ہیں۔ اکبر اس بات کو خوب سمجھ گیا تھا۔ تیموری وچنگیزی لہو کی گرمی سے ہمت، جرات، جذبہ وجوش اور شوق ملک گیری جو اس کے لہو میں باقی تھا وہ خیالات کو اور بھی گرماتا رہتا تھا۔ بلکہ یہ جوش یا بابر کی طبیعت میں تھا یا اس میں کہ جب دریا کے کنارے پر پہنچتا تھا خواہ مخواہ گھوڑا پانی میں ڈال دیتا تھا۔ جب وہ اس طرح دریا اترے تو نمک حلالوں میں کون ہے کہ جاں نثاری کا دعویٰ رکھے اور اس سے آگے نہ ہو جائے۔ ہمایوں راحت پسند تھا۔ کہیں ایسا ہی بوجھ پڑا ہے جب وہ اس طرح جان پر کھیلا ہے۔ یلغاریں کر کے مہمیں کرنی۔ ہمت کے گھوڑے پر چڑھ کر آپ تلوار مارنی۔ قلعوں کے محاصرے کرنے۔ سرنگیں لگانی۔ ادنیٰ سپاہیوں کی طرح مورچے مورچے پر آپ پھرنا اکبر ہی کا کام تھا۔ اس کے بعد جو ہوئے عیش وآرام کے بندے تھے۔ بندگان خدا سے عبادت وصول کرنے والے دربار بادشاہی کے رکھوالے اور پیٹ کے ماروں کے سر کٹوانے والے بنئے مہاجن تھے کہ باپ دادا کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ یا پیرزادے کہ بزرگوں کی ہڈیاں بیچتے ہیں اور آرام سے زندگی کرتے ہیں۔ اکبر جب تک

Marfat.com

کابل میں تھا تو اونٹ سے بڑا کوئی جانور نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے اسی پر چڑھتا تھا۔ دوڑاتا تھا لڑاتا تھا۔ کبھی کتوں سے کبھی تیر و کمان سے شکار کھیلتا تھا۔ اور نشانے لگاتا تھا۔ باز باشے اڑاتا تھا۔

جب ہمایوں ایران سے ہندوستان کو پھرا اور کابل میں آکر آرام سے بیٹھا۔ تو اکبر کی عمر پانچ برس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ یہ بھی چچا کی قید سے چھٹا۔ اور سیر و شکار جو شاہزادوں کے شغل ہیں ان میں دل خوش کرنے لگا۔ ایک دن کتے لے کر شکار کو گیا۔ کوہستان کا ملک ہے۔ ایک پہاڑ میں ہرن خرگوش وغیرہ شکار کے جانور بہت تھے۔ چاروں طرف نوکروں کو جما دیا کہ رستے روکے کھڑے رہو۔ کوئی جانور نکلنے نہ پائے۔ اسے لڑکا سمجھ کر نوکروں نے بے پروائی کی۔ ایک طرف سے جانور نکل گئے۔ اکبر بہت خفا ہوا۔ الٹا پھرا۔ اور جن نوکروں نے غفلت کی تھی۔ انہیں رسوائی کے ساتھ تمام اردو میں تشہیر کیا۔ (پھیرایا)۔ ہمایوں سن کر خوش ہوا اور کہا کہ شکر خدا کہ ابھی سے اس نونہال کی طبیعت میں سیاست شاہانہ اور ایجاد آئین کے اصول ہیں۔

جب ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے اکبر کو صوبہ پنجاب کا انتظام سپرد کر کے دلی سے روانہ کیا۔ تو سرہند کے مقام میں حصار فیروزہ کی فوج آکر شامل ہوئی ان میں استاد عزیز سیستانی بھی تھا۔ اسے توپ اور بندوق کے کام میں کمال تھا۔ اور بادشاہ سے رومی خاں ❶ کا خطاب حاصل کیا تھا۔ وہ بھی اکبر کے سلام کو آیا۔ اپنی نشانہ بازی اور تفنگ اندازی کے کمال اس خوبی سے دکھائے کہ اکبر کو بھی شوق ہوگیا۔ شکار کا عشق تو پہلے ہی سے تھا۔ یہ اس کا جز اعظم ہوا۔ چند روز میں ایسا مشاق ہوگیا۔ کہ بڑے بڑے گل چلے استاد کان پکڑنے لگے۔

چیتوں کا شوق

جس طرح ہندوستان میں چیتوں سے شکار کھیلتے ہیں۔ ایران و ترکستان میں اس کا رواج نہیں۔ جب ہمایوں دوبارہ ہندوستان پر آیا۔ اکبر ساتھ تھا بارہ برس کی عمر تھی۔ سرہند کے مقام پر سکندر خاں افغان انبوہ در انبوہ افغانوں کی فوج کو لئے پڑا تھا۔ جنگ عظیم ہوئی اور ہزاروں کا کھیت پڑا۔ افغان بھاگے۔ خزانے ہزار در ہزار اور اموال بے شمار فوج بادشاہی کے ہاتھ آئے۔ ولی بیگ ذوالقدر (بیرم خاں کا بہنوئی حسین قلی خاں خان جہاں کا باپ) سکندر کے چیتا خانے میں سے ایک چیتا لایا۔ اس کا نام فتح باز تھا۔ دوندوا س کا چیتابان تھا۔ دوندو نے اپنے کرتب اور چیتے کے ہنر اس

❶ اس عہد میں اکثر توپ انداز روم سے آتے تھے۔ اسی واسطے بادشاہوں کے دربار سے رومی خاں خطاب پایا کرتے تھے۔ توپ و تفنگ کے کاروبار ممالک یورپ سے اول دکن میں آئے پھر ہندوستان میں پھیلے۔

Marfat.com

خوبی سے دکھائے کہ اکبر عاشق ہو گیا۔ اور اسی دن سے چیتوں کا شوق ہوا۔ سینکڑوں چیتے جمع کیے۔ ایسے سدھے ہوئے تھے کہ اشاروں پر کام دیتے تھے۔ اور دیکھنے والے حیران رہتے تھے۔ کمخواب مخمل کی جھولیں اوڑھے۔ گلے میں سونے کی زنجیریں۔ آنکھوں پر زردوزی چشمے چڑھے۔ بہلوں میں سوار چلتے تھے۔ بیلوں کا سنگار بھی ان سے کچھ کم نہ تھا۔ سنہری روپہلی سنگوٹیاں چڑھی۔ زردوزی تاج سر پر، زریں وزرتار جھولیں جھم جھم کرتی۔ غرض کہ عجب بہار کا عالم تھا۔

ایک دفعہ سفر پنجاب میں چلے جاتے تھے کہ ایک ہرن نمودار ہوا۔ حکم ہوا کہ اس پر چیتا چھوڑ دو۔ چھوڑا۔ ہرن بھاگا۔ ایک گڑھا بیچ میں آ گیا۔ ہرن نے چاروں پتلیاں جھاڑ کر جست کی اور صاف اڑ گیا۔ چیتا بھی ساتھ ہی اڑا۔ اور ہوا میں جا دبوچا۔ جیسے کبوتر اور شہباز۔ عجب طرح سے اوپر تلے گتھم متھ ہوتے ہوئے گرے۔ سواری کا انبوہ تھا۔ دلوں سے واہ واہ کا ولولہ نکلا۔ عمدہ عمدہ چیتے آتے تھے۔ ان میں سے انتخاب ہوتے تھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ خاصہ میں داخل ہوتے تھے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان کی تعداد کبھی ہزار تک نہ پہنچی۔ جب ایک دو کی کسر رہتی کچھ نہ کچھ عارضہ ایسا ہوتا تھا کہ چند چیتے مر جاتے تھے۔ سب حیران تھے اور اکبر بھی ہمیشہ ہی متعجب رہتا تھا۔

ہاتھی

ہاتھی کا بڑا شوق تھا۔ اور یہ شوق فقط شاہوں اور شہزادوں کا شوق نہ تھا۔ ہاتھیوں کے سب سے اکثر مہمیں قائم ہو گئیں۔ جن میں لاکھوں کروڑوں روپے صرف ہوئے اور ہزاروں سر کٹ گئے۔ خود ہاتھی پر بہت خوب بیٹھتا تھا۔ سرشور، مست، آدم کش ہاتھی کہ بڑے بڑے مہاوت ان کے پاس جاتے ہوئے ڈریں۔ وہ بے لاگ جاتا، برابر گیا، کبھی دانت، کبھی کان پکڑا اور گردن پر نظر آیا۔ ہاتھی سے ہاتھی پر اچھل جاتا تھا۔ اور اس کی گردن پر بیٹھ کر بے تکلف ہنستا۔ کھیلتا لڑاتا، بھگاتا، گدی، جھول کچھ نہیں۔ جھٹ اچھلا اور گردن یا پشت پر۔ پھر وہ بہتیری جھرجھریاں لیتا ہے، سر دھنتا ہے، کان پھٹ پھٹاتا ہے۔ یہ کب ہلتے ہیں۔

ایک دفعہ اس کا پیارا ہاتھی مستی کے عالم میں جھٹا اور فیلخانہ سے نکل کر بازاروں میں ہتیائی کرنے لگا۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ اکبر سنتے ہی قلعہ سے نکلا اور پتا لیتا ہوا چلا کہ کدھر ہے۔ ایک بازار میں پہنچ کر غل سنا کہ وہ سامنے سے آتا ہے۔ اور خلقت خدا کی بھاگی چلی آتی ہے۔ یہ ادھر ادھر دیکھ کر ایک کوٹھے پر چڑھ گیا اور اس کے چھجے پر آ کھڑا ہوا۔ جونہی ہاتھی برابر آیا۔ جھٹ لپک کر اس کی گردن

Marfat.com

پر۔ دیکھنے والے بے اختیار چلائے۔ آہاہاہا۔ پھر کیا تھا۔ دیو قابو میں آ گیا۔ یہ باتیں چودہ پندرہ برس کی عمر کی ہیں۔

لکنہ ہاتھی:

لکنہ ہاتھی بدمستی و بدخوئی میں بدنام عالم تھا۔ ایک دن (دہلی میں) اس پر سوار ہوا۔ اور ایک جنگجو خونریز اسی کے جوڑ کا ہاتھی منگا کر میدان میں لڑانے لگا۔ لکنہ نے بھگا دیا۔ اور بھاگتے کے پیچھے دوڑا۔ ایک تو مست۔ دوسرے فتح یابی کا جوش۔ لکنہ اپنے حریف کے پیچھے دوڑا جاتا تھا ایک تنگ اور گہرے گڑھے میں پاؤں جا پڑا۔ پاؤں بھی ایک ستون کا ستون تھا۔ مستی کی جھوجھل میں پھر پھر کر جو حملے کیے تو ہیہ بھی پچھے پر سے گر پڑا۔ اکبر اول سنبھلا۔ اخیر کو اس کے آست بھی گردن سے آ کھڑے۔ مگر پاؤں کلاوہ میں انکارہ گیا۔ جاں نثار نمک حلال گھبرا گئے۔ اور عجب غلغلہ پڑ گیا۔ یہ اس پر سے اترے اور جب ہاتھی نے اپنا پاؤں باہر نکال لیا تو پھر اسی پر سوار ہو کر ہنستے کھیلتے چلے گئے۔ وہ زمانہ ہی اور تھا۔ خان خاناں زندہ تھے۔ انہوں نے صدقے اتارے۔ روپے اشرفیاں نثار کیں اور خدا جانے کیا کیا کچھ کیا۔

ہوائی ہاتھی:

خاصہ کے ہاتھیوں میں ایک ہاتھی کا ہوائی نام تھا کہ بدہوائی اور شرارت میں باروت کا ڈھیر تھا۔ ایک موقع پر کہ وہ مست ہو رہا تھا۔ میدان چوگان بازی میں اسے منگایا۔ آپ سوار ہوئے ادھر ادھر دوڑاتے پھرے۔ بٹھایا اٹھایا سلام کروایا۔ رن باگھ ایک اور ہاتھی تھا اس کی بدمستی اور سرشوری کا بھی بڑا غل تھا۔ اسے بھی وہیں طلب فرمایا۔ اور آپ ہوائی کو لے کر سامنے ہوئے۔ ہوا خواہوں کے دل بے قرار ہو گئے۔ جب دونوں دیو ٹکر مارتے تھے پہاڑ ٹکراتے تھے۔ اور دریا جھولے کھاتے تھے۔ آپ شیر کی طرح اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ کبھی سر پر تھے اور کبھی پشت پر۔ جان نثاروں میں کوئی بول نہ سکتا تھا۔ آخر اتکہ خاں کو بلا کر لائے کہ سب کا بزرگ تھا۔ بڈھا بچارہ ہانپتا کانپتا دوڑا آیا۔ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ داد خواہوں کی طرح سر ننگا کر لیا۔ پاس گیا اور مظلوم فریادوں کی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخیں مارنے لگا۔ شاہم برائے خدا بخشید۔ للہ برحال مردم رحم آرید۔ بادشاہم جان بندگاں مے رود۔ چاروں طرف خلقت کا ہجوم تھا۔ اکبر کی نظر اتکہ خاں پر پڑی۔ اسی عالم میں آواز دی۔ چرا بیقراری مے کنید۔ اگر شما آرام نمے کشید ما خود را از پشت فیل مے اندازیم۔ وہ محبت کا مارا ہٹ گیا۔ آخر رن باگھ بھاگا اور ہوائی آگ بگولا ہو کر پیچھے پڑا۔ دونوں ہاتھی آگا دیکھتے تھے نہ پیچھا۔ گڑھا نہ

Marfat.com

ٹیلا۔ جو سامنے آتا لانگھتے پھلانگتے چلے جاتے تھے۔ جمنا کا پل سامنے آیا۔ اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ دو پہاڑوں کا بوجھ کشتیاں دبتی تھیں اور اچھلتی تھیں۔ خلقت کناروں پر جمع تھی اور دلوں کا عجب عالم تھا۔ جاں نثار دریا میں کود پڑے۔ پل کے دونوں طرف تیرتے چلے جاتے تھے۔ خدا خدا کر کے ہاتھی پار ہوئے۔ بارے رن باگھ ذرا تھما۔ ہوائی کے زور شور بھی ڈھیلے پڑے اس وقت سب کے دل ٹھکانے ہوئے۔ جہانگیر نے اس سرگزشت کو اپنی توزوک میں درج کر کے اتنا زیادہ لکھا ہے۔ میرے والد نے مجھ سے خود فرمایا کہ ایک دن ہوائی پر سوار ہو کر میں نے ایسی حالت بنائی۔ گویا نشے میں میں ہوں۔ پھر یہی سارا ماجرا تحریر کیا۔ اور اکبر کی زبانی یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر میں چاہتا تو ہوائی کو ذرا سے اشارے میں روک لیتا مگر اول سرخوشی کا عالم ظاہر کر چکا تھا اس لئے پل پر آ کر سنبھلنا مناسب نہ سمجھا کہ لوگ کہیں گے بناوٹ تھی۔ یا یہ سمجھیں گے کہ سرخوشی تو تھی مگر پل اور دریا دیکھ کر نشے ہرن ہو گئے۔ اور ایسی باتیں بادشاہوں کے باب میں نازیبا ہیں''۔

ببر شیر کا شکار:

اکثر شیر ببر شکارگاہوں یا عالم سفر میں اس کے سامنے ہوئے۔ اور اس نے تنہا مارے۔ کبھی تیر کبھی تفنگ۔ کبھی تلوار سے۔ بلکہ اکثر آواز دے دی ہے کہ خبردار کوئی اور آگے نہ بڑھے۔

ایک دن فوج کی موجودات لے رہا تھا۔ دو راجپوت نوکری کے لئے سامنے آئے۔ اکبر کی زبان سے نکلا۔ کچھ بہادری دکھاؤ گے؟ ان میں سے ایک نے اپنی برچھی کی بوڑی اتار کر پھینک دی اور دوسرے کی برچھی کی بھال اس پر چڑھائی۔ تلواریں سونت لیں۔ برچھی کی انیاں سینوں پر لیں اور گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں۔ بے خبر گھوڑے چمک کر آگے بڑھے۔ دونوں بہادر چھد کر بیچ میں آن ملے۔ اس نے اس کے تلوار کا ہاتھ مارا۔ اس نے اس کے دونوں وہیں کٹ کر ڈھیر ہو گئے اور دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

اکبر کو بھی جوش آیا مگر کسی کو اپنے سامنے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ حکم دیا کہ تلوار کا قبضہ دیوار میں خوب مضبوط گاڑ دو۔ پھل باہر نکلا رہے۔ پھر تلوار کی نوک پر سینہ رکھ کر چاہتا تھا کہ آگے کو حملہ کرے۔ مان سنگھ دوڑ کر لپٹ گیا۔ اکبر بڑے جھنجھلائے۔ اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا کہ جوش خداداد کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ انگوٹھے کی گھائی میں زخم بھی آ گیا تھا۔ مظفر سلطان نے زخمی ہاتھ مروڑ کر مان سنگھ کو چھڑایا۔ اس کشتم کشتا میں زخم زیادہ ہو گیا تھا مگر علاج سے جلد اچھا ہو گیا۔

ان ہی دنوں میں ایک دفعہ کسی خلاف طبع بات پر غصے ہو کر سواری کو گھوڑا مانگا۔ اور حکم دیا کہ

Marfat.com

سائیس خدمت گار کوئی ساتھ نہ رہے۔ خاصہ کے گھوڑوں میں ایک سرنگ گھوڑا تھا۔ ایرانی۔ کہ خضر خواجہ خاں نے پیش کیا ہوا تھا (خالو تھے) گھوڑا نہایت خوبصورت اور خوش ادا تھا مگر جیسا ان اوصاف میں بے نظیر تھا ویسا ہی سرکش سرشور اور شریر تھا۔ جھپٹ جاتا تھا۔ تو کسی کو پاس نہ آنے دیتا تھا۔ کوئی چابک سوار اس پر سواری کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ بادشاہ خود ہی اس پر سوار ہوئے تھے۔ اس دن غصے میں بھرے ہوئے تھے اسی پر سوار ہو کر نکل گئے۔ رستے میں خدا جانے کیا خیال آیا کہ اتر پڑے اور درگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ گھوڑا اپنی عادت کے بموجب بھاگا اور خدا جانے کہاں سے کہاں نکل گیا۔ یہ اپنے عالم میں غرق۔ اس کا خیال بھی نہیں۔ جب حالت سے ہوش میں آئے تو دائیں بائیں دیکھا۔ وہ کہاں۔ نہ کوئی اہل خدمت پاس نہ اور گھوڑا ساتھ۔ کھڑے سوچ رہے تھے۔ اتنے میں دیکھتے ہیں۔ وہی وفادار گھوڑا سامنے سے دوڑا چلا آتا ہے۔ پاس آیا اور سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کوئی کہتا ہے کہ خانہ زاد حاضر ہے۔ سوار ہو جائیے۔ اکبر بھی حیران رہ گیا۔ اور سوار ہو کر لشکر میں آیا۔

اگرچہ بادشاہوں کو ہر ملک میں اور ہر وقت میں جان کا ڈر لگا رہتا ہے۔ مگر ایشیائی ملکوں میں جہاں شخصی سلطنت کا سکہ چلتا ہے وہاں زیادہ تر خطرہ ہوتا ہے۔ خصوصاً اگلے وقتوں میں۔ کہ نہ سلطنت کا کوئی اصول یا قانون تھا۔ نہ لوگوں کے خیالات کا کوئی قاعدہ تھا۔ باوجود اس کے اکبر کسی بات کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اسے ملک کے حال سے بے خبر رہنے اور لوگوں کو آرام و آسائش سے رکھنے کا بڑا خیال تھا۔ ہمیشہ اسی فکر میں لگا رہتا تھا۔

ابوالفضل سے خود ایک دن بیان کیا کہ ایک رات آگرہ کے باہر چھڑیوں کا میلہ تھا۔ میں بھیس بدل کر وہاں گیا کہ دیکھوں لوگ کس حال میں ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں۔ ایک بازاری سا آدمی تھا۔ اس نے مجھے پہچان کر اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھنا بادشاہ جاتا ہے۔ وہ برابر ہی تھا۔ میں نے بھی سن لیا۔ جھٹ آنکھ کو بھینگا کر کے منہ ٹیڑھا کر لیا۔ اور اسی طرح سے بے پروائی سے چلا گیا۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر دیکھا اور غور کر کے کہا۔ وہ نہیں۔ بھلا اکبر بادشاہ کہاں۔ اس کی وہ صورت کہاں یہ کوئی ٹڈھموا ہے۔ اور بھینگا بھی ہے۔ میں آہستہ آہستہ اس بھیڑ سے نکلا۔ اور اپنے تکلف کو بر طرف کر کے قلعہ کی راہ لی۔ اژدھا مارنے کا حال آگے آئیگا۔

اکبر نے اپنے غنیموں پر بڑے زور شور کی یلغاریں اور جان جوکھوں کے ساتھ دھاوے کئے اور تھوڑی جمعیت سے ہزاروں کے لشکر گرد باد کر دیئے لیکن ایک دھاوا اس نے ایسے موقع پر کیا جو اس سلسلہ میں لکھنا بھی ناموزوں نہیں ہے۔ موٹہ راجہ کی بیٹی راجہ جیمل سے بیاہی تھی۔ وہ جاں نثار

Marfat.com

کا مزاج شناس تھا۔ ۹۹۱ھ میں کسی کار ضروری کے لئے اسے بنگالہ بھیجا تھا۔ حکم کا بندہ گھوڑے کی ڈاک پر بیٹھ کر دوڑا۔ تقدیر کی بات کہ جوسا کے گھاٹ پر تھکن نے بٹھایا اور تھوڑی ہی دیر میں لٹا کر بستر مرگ پر سلا دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ سن کر بہت افسوس ہوا۔ محل میں آئے تو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا اور چند اور جاہل راجپوت اپنی جہالت کے زور سے رانی کو زبردستی ستی کرتے ہیں۔ خداترس بادشاہ کو ترس آیا اور تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سمجھا کہ ممکن ہے کسی اور امیر کو بھیج دوں۔ مگر اس کے سینے میں اپنا دل اور دل میں یہ درد کیونکر ڈال دوں۔ فوراً گھوڑے پر بیٹھا اور ہوا کے پر لگا کر اڑا۔ اکبر بادشاہ کا دفعتاً تخت گاہ سے غائب ہو جانا آسان بات نہ تھی۔ شہر میں شور اور عالم میں شورش مچ گئی۔ جابجا بتیار بندی ہونے لگی۔ اس دوڑا دوڑ میں امرا اور اہل خدمت میں سے کون ساتھ نبھ سکے؟ چند جاں نثار اور کئی خدمتگار رکاب میں رہے اور دفعتاً محل واردات پر جا کر کھڑے ہوئے۔ اکبر کو شہر کے قریب کسی جگہ ٹھیرایا۔ راجہ جگناتھ اور راجہ رائسال گھوڑے مار کر آگے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے جا کر خبر دی کہ مہابلی آ گئے۔ ضدی جاہلوں کو روکا اور حضور میں لا کر حاضر کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اپنے کئے پر پشیمان ہیں۔ اس لئے جاں بخشی کی لیکن حکم دیا کہ چند روز ادبخانہ زندان میں رہیں۔ رانی کی جان کے ساتھ ان کی بھی جان بچ گئی۔ اسی دن وہاں سے پھرا۔ جب فتح پور میں پہنچا تو سب کے دم میں دم آیا۔

۹۷۴ھ میں تیغ آفتاب مشرق پر چمک رہی تھی۔ اکبر خان زمان کی مہم میں مصروف تھا۔ محمد حکیم مرزا کو بد صلاح مصاحبوں نے صلاح بتائی کہ آپ بھی آخر ہمایوں بادشاہ کے بیٹے ہیں اور ملک کے وارث ہیں پنجاب تک ملک آپ کا ہے۔ وہ بھولا بھالا سادہ شہزادہ ان کے کہنے میں آ کر لاہور میں آ گیا۔ اکبر نے ادھر کی حرارت کو عفو تقصیر کے شربت اور نذرانہ جرمانہ کی سکنجبین سے فرو کیا۔ امرا کو فوجیں دے کر ادھر بھیجا اور فوراً سمند ہمت پر سوار ہوا۔ محمد حکیم آمد آمد کی ہوا میں اڑ کر کابل پہنچے۔ اکبر نے لاہور میں آ کر مقام کیا اور شکار قمرغہ کا حکم دیا۔ سردار منصب دار قراول اور شکاری دوڑے اور جلد حکم کی تعمیل کی۔

قمرغہ:

یہ ایران و توران کے بادشاہوں کا قدیمی شوق تھا۔ ایک فراخ جنگل کے گرد بڑے بڑے لکڑوں کی دیوار سے احاطہ باندھتے تھے۔ کہیں ٹیلوں کی قدرتی نظاروں سے۔ کہیں بنائی ہوئی دیواروں سے مدد لیتے تھے۔ تیس تیس چالیس چالیس کوس سے جانوروں کو گھیر کر لاتے تھے رنگ

Marfat.com

ہر رنگ کے جانور درندے چرندے، پرندے ان میں آ جاتے تھے اور نکاس کے رستے بالکل بند کر دیتے تھے۔ بیچ میں کئی بلند مقام بادشاہ اور شاہزادوں کے بیٹھنے کے لئے بناتے تھے۔ پہلے بادشاہ سوار ہو کر خود شکار مارتا تھا۔ پھر شہزادے۔ پھر اجازت ہو جاتی تھی۔ خاص خاص امیر بھی شامل ہو جاتے تھے۔ روز بروز دائرے کو سکیڑتے اور جانوروں کو سمیٹتے لاتے تھے۔ اخیر دن جبکہ تھوڑی جگہ میں جانوروں کی بہتات ہو جاتی تھی تو ان کی دھکا پیل اور ریل دھکیل، گھبراہٹ اور اضطراب سے بولانا اور دوڑانا، چلانا، بھاگنا، کودنا، ترارے بھرنا، اچھلنا اور گر پڑنا شکار بازوں کو طرفہ تماشا اور اہل درد کے دلوں کا عجب عالم ہوتا تھا۔ اسی کو شکار قمرغہ اور شکار جرگہ بھی کہتے ہیں۔ اس موقع پر ۴۰ کوس کے دورے سے جانور گھیر کر لائے اور لاہور سے ۵ کوس پر شکار مذکور کا گھیرا ڈالا۔ خوب شکار ہوئے اور نیک شگون نظر آئے۔ یہاں کی صید افگنی سے دل خوش کر کے کابل کے شکار پر گھوڑے اٹھائے۔ راوی کے کنارے پر آ کر اپنے لباس اور ترکیوں تازیوں کے منہ سے لگامیں اتار ڈالیں۔ خود امرا اور مصاحبوں سمیت دریا سے پیر کر پار ہوئے۔ اقبال اکبری کی دستگیری سے سب صحیح سلامت اتر گئے۔ الا خوشخبر خاں کہ جس طرح خوشخبری کے لانے میں پیش قدم تھا۔ یہاں پیش روی کر کے کنارہ عدم پر جا نکلا۔ اس عجیب شکارگاہ کی ایک پرانی تصویر ہاتھ آئی۔ ناظرین کے معائنہ کے لئے آئینہ دکھاتا ہوں۔

سواری کی سیر

سلطنت کی شکوہ اور دولت و حشمت کے انبوہ۔ جشن سالگرہ۔ اور جشن جلوس پر بہار دکھاتے تھے۔ بارگاہ جلال آراستہ، تخت مرصع زریں و سیمیں چبوترے پر جلوہ گر۔ تاج اقبال میں ہما کا پر۔ چتر جواہر نگار سر پر۔ زربفت کا شامیانہ موتیوں کے جھالر۔ سونے روپے کے استادوں پر تنا۔ ابریشمیں قالینوں کے فرش۔ در و دیوار پر شالہائے کشمیری۔ مخملہائے رومی۔ اطلسہائے چینی لہراتے۔ امرا دست بستہ دو طرفہ حاضر، چوبدار، خاص بردار اہتمام کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے زرق برق لباس۔ سونے روپے کے نیزوں اور عصاؤں پر باناتی اور سقرلاطی غلاف۔ طلسمات کی پتلیاں تھیں خدمت کرتی پھرتی تھیں۔ شادی و مبارکبادی کی چہل پہل اور عیش و عشرت کی ریل پیل ہوتی تھی۔

بارگاہ کے دونوں طرف شہزادوں اور امیروں کے خیمے۔ باہر دونوں طرف سواروں اور پیاروں کی قطار۔ بادشاہ دو منزلی راوٹی (جھروکے) میں آ بیٹھتے۔ اس کا زردوزی خیمہ۔ سایہ اقبال کا

Marfat.com

شامیانہ، شہزادے، امرا، سلاطین آتے۔ انہیں خلعت و انعام ملتے۔ منصب بڑھتے۔ روپے اشرفیاں سونے چاندی کے پھول اولوں کی طرح برستے۔ یکا یک حکم ہوتا کہ ہاں نور برسے۔ فراشوں اور خواصوں نے منوں بادلا اور مقیش کتر کر جھولیوں میں بھر لیا ہے۔ اور صندلیوں پر چڑھ کر اڑا رہے ہیں۔ نقار خانے میں نوبت جھڑ رہی ہے۔ ہندوستانی، عربی، ایرانی، تورانی، فرنگی باجے بجتے ہیں۔ غرض گہما گہمی تھی اور ناز و نعمت کے لئے صلائے عام تھا۔

اب دولہا کے سامنے سے عروس دولت کی بارات گزرتی ہے۔ نشان کا ہاتھی آگے۔ اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار۔ پھر ماہی مراتب اور اور نشانوں کے ہاتھی۔ جنگی ہاتھیوں پر فولادی پاکھریں، پیشانیوں پر ڈھالیں۔ بعض کی مستکوں پر دیوزادی نقش و نگار۔ بعض کے چہروں پر گینڈوں، ارنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کلوں سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت، ڈراؤنی مورت، سونڈوں میں گرز، برچھیاں تلواریں لئے۔ سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سوسوکوس کے دم۔ گردن کھچی، سینے تنے، جیسے لقا کبوتر۔ پھر گھوڑوں کی قطاریں۔ عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق۔ چالاکی میں برق، اچھلتے، مچلت، کھیلتے، کھودتے، شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر شیر، پلنگ، چیتے، گینڈے، بہتیرے جنگل کے جانور سدھے سدھائے شائستہ۔ چیتوں کے چھکڑوں پر نقش و نگار، گل گلزار، آنکھوں پر زردوزی غلاف وہ اور اس کے بیل کشمیری شالیں، مخمل و زربفت کی جھولیں اوڑھے، بیلوں کے سروں پر کلغیاں اور تاج۔ سینگ مصوروں کی قلمکاری سے قلمدان کشمیر، پاؤں میں جھانجن، گلے میں گھنگرو، چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے۔ شکاری کتے کہ شیر سے منہ نہ پھرائیں۔ شکار کی بو پر پتال سے پتا نکال لائیں۔

پھر خاصے کے ہاتھی آتے۔ ان کی زرق و برق کا عالم اللہ اللہ۔ آنکھوں کو چکا چوندی آتی تھی۔ یہ خاص الخاص چہیتے تھے ان کی جھلابور جھولیں، موتی اور جواہر ٹنکے۔ زیوروں میں لدے پھندے، قوی ہیکل سینوں پر سونے کی ہیلیں لٹکتی، سونے چاندی کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے، جھومتے جھامتے۔ خوش مستیاں کرتے چلے جاتے تھے۔

سواروں کے دستے۔ پیاروں کے قشون (پلٹنیں) سپاہ ترک کے ترکی و تاتاری لباس۔ وہی جنگ کے سلاح۔ ہندوستانی فوجوں کا اپنا اپنا بانا۔ کیسری دگلے۔ سورما راجپوت ہتھیاروں میں اوچھی بنے۔ دکھنیوں کے دکھنی سامان۔ توپخانے آتشخانے ان کی فرنگی و رومی وردیاں۔ سب اپنے اپنے باجے بجاتے۔ راجپوت شہنائیوں میں کڑکے گاتے۔ اپنے نشان لہراتے چلے جاتے تھے۔ امرا و سردار اپنی اپنی سپاہ کو انتظام سے لئے جاتے تھے۔ جب سامنے پہنچتے۔ سلامی بجالاتے۔ دمامے پر

Marfat.com

ڈنکا پڑتا۔ تینوں میں دل ہل جاتے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ فوج اور لوازمات فوج اور ہر شے کی موجودات ہو جائے۔ کوتاہی ہو تو پوری ہو جائے۔ قباحت ہو تو اصلاح میں آئے۔ ایجاد مناسب اپنی جگہ پائے۔

اکبر کی تصویر

اکبر کی تصویریں جا بجا موجود ہیں مگر چونکہ سب میں اختلاف ہے اس لئے کسی پر اعتبار نہیں۔ میں نے بڑی کوشش سے چند تصویریں مہاراجہ جے پور کے پوتھی خانہ سے حاصل کیں۔ ان میں جو اکبر کی تصویر ملی۔ وہ سب سے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں۔ اور اسی کی نقل سے اس مرقع کا تاج سر کرتا ہوں۔ لیکن یہاں اس تصویر کو جلوہ دیتا ہوں جو کہ جہانگیر نے اپنی توزک میں عبارت والفاظ سے کھینچی ہے۔ حلیہ مبارک ان کا یہ تھا کہ بلند بالا، میانہ قد، گندمی رنگ، آنکھیں اور بھویں سیاہ، گورہ پن نے صورت کو خنک نہیں کیا تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام، سینہ کشادہ، چھاتا ابھرا ہوا۔ دست و باز و لمبے، بائیں نتھنے پر ایک مسا آدھے چنے کے برابر۔ جو لوگ علم قیافہ میں مہارت رکھتے تھے اسے بڑی دولت واقبال کا نشان سمجھتے تھے۔ آواز بلند تھی۔ گفتگو میں لذت اور قدرتی نمکینی تھی۔ اور سج دھج میں عام لوگوں کو ان سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ شکوہ خداداد ان کے صورتحال سے نمودار تھی۔

سفر میں بارگاہ کا کیا نقشہ تھا

جب دورہ کا سفر یا شکار کا لطف منظور نظر ہوتا تھا تو مختصر لشکر اور ضروری شکوہ سلطنت کے اسباب ساتھ لئے جاتے تھے۔ لیکن چار دانگ ہندوستان کا شہنشاہ ۴۴ لاکھ سپاہ کا سپہ سالار۔ اس کا اختصار بھی ایک عالم کا بہلاوا تھا۔ آئین اکبری میں جو کچھ لکھا ہے۔ آج کے لوگوں کو مبالغہ نظر آتا ہے مگر یورپ کے سیاح جو اس وقت یہاں آئے ان کے بیان سے بھی حالات مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ بارگاہ کی شان وشکوہ کاغذی سجاوٹ میں کب آ سکتی ہے۔ شکار میں اور پاس کے سفر میں جو انتظام ہوتا تھا اس کا نقشہ کھینچتا ہوں:۔ گلال بار یہ چوبی سراپردہ۔ خرگاہ کی وضع کا ہوتا تھا۔ تسموں سے مضبوطی کی جاتی تھی۔ سرخ مخمل۔ بانات۔ قالینوں سے بجاتے تھے۔ گرد عمدہ احاطہ ایک قلعہ تھا۔ اس میں مضبوط دروازہ۔ قفل کنجی سے کھلتا تھا۔ سو گز سے سو گز یا زیادہ۔ حضور کا ایجاد ہے۔

Marfat.com

اس کے شرقی کنارے پر بارگاہ۔ بیچ کے استادوں پر دو کڑیاں۔ ۵۴ کمروں میں تقسیم۔ ہر ایک کا ۲۴ گز طول۔ ۱۴ گز عرض ۱۰ ہزار آدمی پر سایہ ڈالتی تھی۔ ہزار پھرتیلے فراش ایک ہفتے میں سجاتے تھے۔ چرخیاں، پہیئے وغیرہ جرثقیل کے اوزار زور لگاتے تھے۔ لوہے کی چادریں اسے مضبوط کرتی تھیں۔ فقط سادی بارگاہ جس میں مخمل، زرباف، کمخواب، زربفت کچھ نہ لگائیں ۱۰ ہزار کی لاگت میں کھڑی ہوتی تھی اور کبھی اس سے بھی زیادہ بوجھ دیتی تھی۔

بیچ میں چوبیں راوٹی ۱۰ ستونوں پر کھڑی ہوتی تھی۔ ستون تھوڑے زمین میں گڑے ہوئے۔ سب باہم برابر مگر دو اونچے۔ ان پر ایک کڑی۔ اوپر اور نیچے داسہ مضبوطی کرتا تھا۔ اس پر کئی کڑیاں۔ ان پر لوہے کی چادریں کہ نر مادگی انہیں وصل کرتی تھی۔ دیوارں اور چھتیں نرسلوں اور بانس کی پکھچیوں سے بنی ہوئیں۔ دروازے دو یا ایک۔ نیچے کے داسہ کے برابر چبوترہ۔ اندر زربفت و مخمل سجاتے تھے۔ باہر بانات سلطانی۔ ابریشمیں نوازڑیں اس کی کمر مضبوط کرتی تھیں گرد اور سراپردے۔

اس سے ملا ہوا ایک چوبیں محل دو منزلہ ۱۸ ستون اسے سر پر لئے کھڑے رہتے تھے۔ چھ چھ گز بلند۔ چھت تختہ پوش۔ اس پر چوگزے ستون۔ نر مادگیوں سے وصل ہو کر بالا خانہ سجاتے تھے۔ اندر باہر اسی طرح سے سنگار کرتے تھے۔ لڑائیوں میں اس کا پہلو شبستان اقبال سے ملا رہتا تھا۔ اسی میں عبادت الٰہی کرتے تھے۔ یہ پاک مکان ایک صاحبدل تھا ادھر کا رخ خلوت خانہ وحدت پر۔ ادھر کا نگار خانہ کثرت پر۔ آفتاب کی عظمت بھی اسی پر بیٹھ کر ہوتی تھی۔ پھر اول حرم سرا کی بیبیاں دولت دیدار حاصل کرتی تھیں۔ پھر باہر والے حاضر ہو کر سعادت کے ذخیرے سمیٹے تھے۔ دوروں کے سفر میں ملازمت بھی یہیں ہوتی تھی۔ اس کا نام دو آشیانہ منزل تھا اور اسی کو جھروکہ بھی کہتے تھے۔

زمیں دوز طرح طرح کے انداز پر ہوتے تھے۔ ایک کڑی بیچ میں یا دو بیچ میں پردے ڈال کر الگ الگ گھر کر دیتے تھے۔

عجائبی ۹ شامیانے چار چار ستونوں پر ملا کر کھڑے کرتے تھے۔ ۵ چوگوشے۔ ۴ مخروطی اور یک لخت بھی ہوتے تھے۔ ایک ایک کڑی بیچ میں۔

منڈل ۵ شامیانے ملے ہوئے چار چار ستونوں پر تانتے تھے۔ کبھی گرد کے چار کو لٹکا دیتے تھے تو خلوت خانہ ہو جاتا تھا۔ کبھی ایک طرف کبھی چاروں طرفیں کھول کر جی خوش کرتے تھے۔

اٹھ کھنبہ ۷ شامیانے جدا اور ملے ہوئے سجاتے تھے۔ آٹھ آٹھ ستونوں پر۔

خرگاہ:۔ شیخ ابوالفضل کہتے ہیں مختلف وضع کی ہوتی ہیں ایک دری اور دو دری۔ بندہ آزاد کہتا ہے۔ اب تک بھی تمام ترکستان میں صحرانشینوں کے گھر یہی ہیں۔ بید وغیرہ لچکدار درختوں کی موٹی

Marfat.com

اور پتلی پتلی ٹہنیاں سکھاتے ہیں۔ اور چھوٹی بڑی موقع موقع سے کاٹ کر ایک مدور ٹٹی کھڑی کرتے ہیں۔ بلند قد آدم۔ اس پر ویسی ہی موزوں اور متناسب لکڑیوں سے بنگلہ چھاتے ہیں۔ اوپر موٹے موٹے صاف۔ عمدہ اور خوش رنگ نمدے منڈھتے ہیں۔ اندر بھی دیواروں پر گلکاری کے نمدے اور قالین سجاتے ہیں اور ان کی پٹیوں سے حاشئے چڑھاتے ہیں۔ یہ سب انہی کی دستکاری ہوتی ہے۔ چوٹی پر گز بھر مدور روشندان کھلا رکھتے ہیں۔ اس پر ایک نمدہ ڈال دیتے ہیں۔ برف پڑنے لگی تو یہ نمدہ پھیلا رہا۔ ورنہ کھلا رکھتے ہیں۔ جب چاہا لکڑی سے کونا الٹ دیا۔ لطف یہ ہے کہ اس میں لوہا بالکل نہیں لگاتے۔ لکڑیاں آپس میں پھنسی ہوتی ہیں۔ جب چاہا کھول ڈالا۔ گٹھے باندھے۔ اونٹ، گھوڑوں، گدھوں پر لادا اور چل کھڑے ہوئے۔

حرم سرا۔ بارگاہ کے باہر موزوں مناسب ۲۴ چوبین راوٹیاں ۱۰ گز طول ۶ عرض بیچ میں قناتوں کی دیواریں۔ اس میں بیگمات اترتی تھیں کئی خیمے اور خرگاہ اور کھڑے ہوتے تھے اس میں خواصیں اترتی تھیں۔ آگے سائبان زردوزی۔ زربفتی۔ مخملی بہار دیتے تھے۔

اس سے ملا ہوا سر پردہ گلیمی کھڑا کرتے تھے۔ یہ ایسا بادل تھا کہ اس کے اندر کئی اور خیمے لگاتے تھے۔ اردو بیگنیاں اور اور عورتیں ان میں رہتی تھیں۔

اس کے باہر دولتخانہ خاص تک سو گز عرض کا ایک صحن سجاتے تھے کہ مہتابی کہلاتا تھا۔ اس کے دونوں طرف بھی پہلی طرح سراچہ ساں باندھتا تھا۔ دو دو گز پر چھ گزی چوب کھڑی۔ گز بھر زمین میں گڑی۔ سروں پر بجی قبے۔ اسے اندر باہر ۲ طنابیں تانے رہتی تھیں۔ چوکیدار برابر برابر پہرے پر حاضر۔ اس خوشی خانہ کے بیچ میں ایک صفہ (چبوترہ) اس پر چار چوبہ شامیانہ۔ اس پر رات کو جلوس فرماتے تھے۔ خاصان درگاہ کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی۔

گلال بار سے ملا ہوا ۳۰ گز قطر کا دائرہ کھینچتے تھے۔ ۱۲ حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ گلال بار کا دروازہ ادھر نکالتے تھے۔ ۱۲ شامیانے ۱۲ گزے اس پر سائبانی کرتے تھے اور قناتیں انہیں خوشنما تراش سے تقسیم کرتی تھیں۔ اس خلوتخانہ کو اتچکی خانہ کہتے تھے۔

مناسب انداز سے ہر مقام پر ایک صحت خانہ ہوتا تھا۔ یہ پاکخانہ کو خطاب عطا ہوا تھا۔

اس سے ملا ہوا ایک گلیمی پردہ سرا۔ ۱۵۰ گز مربع۔ اس کی چوبیں بھی اسی طرح قبوں سے تاجدار۔ بیچ میں بارگاہ وسیع۔ ہزار فراش اسے سجاتے تھے۔ ۷۲ کمروں میں تقسیم۔ اوپر ۱۵ گز کا شہتیر۔

• اس کے اوپر قلندری کھڑی کرتے تھے۔ خیمے کی وضع ہوتی تھی۔ اوپر موبجامہ وغیرہ۔ اس کے ۵۰ شامیانے ۱۲ گزے دامن پھیلائے کھڑے تھے۔ یہ دولتخانہ خاص تھا۔ اس کا دروازہ بھی زنجیر قفل کنجی

Marfat.com

سے محفوظ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے امیر سالار بخشی بے اجازت نہ جاسکتے تھے۔ ہر مہینے اس بارگاہ کو نیا سنگار ملتا تھا۔ اندر باہر رنگین۔ نقشی بوقلموں فرش اور پردے چمن کھلا دیتے تھے۔ اس کے گرد ۳۵۰ گز کے فاصلے پر طنابیں کھنچی تھیں۔ تین تین گز پر ایک ایک چوب کھڑی ہوئی۔ جابجا پاسبان ہشیار۔ یہ دوانخانہ عام کہلاتا تھا۔ ہر جگہ پہرہ دار۔ اخیر میں جا کر ۱۲ طناب کے فاصلے پر ایک طناب ۶۰ گز کی نقار خانہ۔

اس میدان کے بیچ میں اکاس دیا روشن ہوتا تھا۔ اکاس دیئے کئی ہوتے تھے۔ ایک یہاں اور ایک سراپردے کے آگے کھڑا کرتے تھے۔ ۴۰ گز کا طولانی ستون ہوتا تھا۔ اسے ۱۵ طنابیں تانے کھڑی رہتی تھیں۔ دور تک روشنی دکھاتا تھا اور بھولے بھٹکے وفاداروں کو اندھیرے میں درِ دولت کا رستہ بتاتا تھا۔ اور اس کے دائیں بائیں کا حساب لگا کر امرا کے خیموں کے پتے لگا لیتے تھے۔

۱۰۰ ہاتھی۔ ۵۰۰ اونٹ۔ ۴۰۰ چھکڑے، ۱۰۰ کہار۔ ۵۰۰ منصب دار اور احدی۔ ہزار فراش ایرانی و تورانی و ہندوستانی۔ ۵۰۰ بیدار۔ ۱۰۰ سقے۔ ۵۰ بخار۔ بہت سے خیمہ دوز۔ مشلعچی ۳۰ چرم دوز۔ ۱۵۰ حلال خور (خاکروب کو خطاب عطا ہوا تھا) آباد شہر کے ساتھ چلتے تھے۔ پیادے کا مہینہ ۶ روپے سے ۳ روپے تک۔

۱۵۰۰ کے ہموار خوشنما قطعہ زمین پر بارگاہ خاص کا سامان پھیلتا تھا۔ ۳۰۰ گز گول فاصلہ دے کر دائیں بائیں پیچھے پہرہ دار کھڑے ہوتے تھے۔ پشت پر بیچوں بیچ میں سو گز کے فاصلے پر مریم مکانی، گلبدن بیگم اور اور بیگمات اور شاہزادہ دانیال۔ دائیں پر شاہزادہ سلطان سلیم (جہانگیر) بائیں پر شاہ مراد۔ پھر ذرا ہٹ کر توشہ خانہ، آبدار خانہ، خوشبو خانہ وغیرہ تمام کارخانے۔ ہر گوشے پر خوشنما چوک۔ پھر اپنے اپنے رتبے سے امرا دونوں طرف غرض لشکر اقبال اور بارگاہ جلال ایک چلتا ہوا شہر تھا۔ جہاں جا کر اترتا تھا عیش و عشرت کا میلہ ہوتا تھا۔ جنگل میں منگل ہو جاتا تھا۔ چار چار پانچ پانچ میل تک دو طرفہ بازار لگ جاتے تھے۔ سارا اردوئے لشکر اور سامان مذکور ایک طلسمات کا شہر آباد ہو جاتا تھا۔ اور گلال بار بیچ میں قلعہ نظر آتا تھا۔

شکوہ سلطنت

جب دربار آراستہ ہوتا تھا۔ بادشاہ با اقبال اورنگ سلطنت پر جلوہ گر ہوتا تھا اورنگ ہشت پہلو موزوں اور خوشنما تخت تھا گنگا جمنی یعنی سونے چاندی کے عنصروں سے ڈھلا ہوا۔ دریائے دل۔ پہاڑ؟

Marfat.com

نے جگر نکال کر پیشکش کیا۔لوگ سمجھے کہ الماس، لعل، یاقوت اور موتیوں سے مرصع ہے۔

باکستے انجم از پئے ترصیع تاج وتخت ناز م فروتنی کہ جواہر قرار یافت

سر پر چتر زرکار وزرتار جواہر نگار۔جھالروں میں مروارید و جواہرات جھلمل جھلمل کرتے۔ سواری کے وقت ۷ چتر سے کم نہ ہوتے تھے۔کوتل ہاتھیوں پر چلتے تھے۔

سایہ بان:

بیضوی تراش۔گز بھر بلند۔دستہ چتر کے برابر اور اسی طرح زربفت اور مخمل زرباف سے سنگارتے تھے جواہرات اور مروارید ٹکے ہوئے۔چالاک خاص بردار رکاب کے برابر لئے چلتے تھے۔ دھوپ ہو تو سایہ کر لیتے تھے اور اسے آفتاب گیر بھی کہتے تھے۔

کوکبہ:

چند سونے کے گولے صیقل اور جلا سے مبارک ستاروں کی طرح دغدغاتے پیشگاہ دربار میں آویزاں ہوتے تھے۔اور یہ چاروں بادشاہ کے سوا کوئی شاہزادہ یا امیر نہ رکھ سکتا تھا۔

علم:

سواری کے وقت لشکر کے ساتھ کم سے کم ۵ علم ہوتے تھے۔ان پر بانات کے غلاف رہتے تھے۔میدان جنگ میں کھل کر ہوا میں لہراتے تھے۔

چتر توغ:

اسے بھی چتر توغ ہی سمجھو۔اس سے ذرا اونچا ہوتا تھا۔یہ دونوں رتبے میں اونچے تھے اور شہزادوں کے لئے خاص تھے۔

جھنڈہ:

وہی علم۔پلٹن پلٹن اور رسالے رسالے کا الگ ہوتا تھا۔بڑا معرکہ ہو تو تعداد بڑھا دیتے تھے۔ نقارے کے ساتھ الگ ہوتا تھا۔

گورکہ:

عربی میں دمامہ کہتے ہیں۔ایک نقارخانہ میں کم وبیش ۱۸ جوڑیاں ہوتی تھیں

Marfat.com

نقارہ:

کم وبیش ۲۰ جوڑیاں۔

دہل:

سونے چاندی اور پیتل وغیرہ سے ڈھالتے تھے۔ چار سے کم نہ بجتی تھی۔

سرنا:

ایرانی اور ہندوستانی کم سے کم ۹ نغمہ سرائی کرتی تھی۔ نفیر: ایرانی۔ ہندوستانی فرنگی ہر قسم کی نئی نفیریاں نغمہ ریزی کرتی تھیں۔ سینگ: گائے کے سینگ کی وضع پر تانبے کا سینگ ڈھال لیتے تھے اور دو بجتے تھے۔ سنج: (جھانج) تین جوڑیاں بجتی تھیں۔

پہلے ۴ گھڑی رات رہے۔ اور ۴ گھڑی دن رہے نوبت بجا کرتی تھی۔ اکبری عہد میں ایک آدھی ڈھلنے بجنے لگی کہ آفتاب چڑھاؤ کے درجہ میں قدم رکھتا ہے۔ دوسری طلوع کے وقت۔

جشن نوروزی

نوروز ایک عالم افروز دن ہے کہ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے عید مانتے ہیں اور بالفرض کوئی بھی نہ مانے تو بھی موسم بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ امر کچھ انسان یا حیوان پر منحصر نہیں بلکہ اس کا اثر ہر شے میں جان ڈال دیتا ہے۔ انتہا ہے کہ مٹی میں سرسبزی اور سبزی میں گلکاری کرتا ہے۔ بس اسی کا نام عید ہے۔ ترک چنگیزی کہ کچھ مذہب نہ رکھتے تھے اور جاہل محض تھے باوجود اس کے ادنیٰ صاحب مقدور سے لے کر امرا و بادشاہ تک اس دن گھروں کو سجاتے تھے خوان یغما گاتے تھے سب مل کر لوٹتے لٹاتے تھے اور اسے سال بھر کے لئے مبارک شگون سمجھتے تھے۔ ایرانی پہلے بھی مانتے تھے۔ زرتشت نے آ کر اس پر مذہبی سکہ لگایا کیونکہ اس کے خیالات کے بموجب آفتاب سب سے روشن دلیل خداشناسی اور حق جوئی کی ہے۔ ہندو بھی اس خیال میں ان سے متفق ہیں۔ خصوصاً اس جہت سے کہ ان کے بعض مہاراجگان جلیل القدر کے جلوس اور اکثر بڑی بڑی کامیابیاں اسی دن ہوئی ہیں۔

اکبر کو انہیں فرقوں سے تعلق تھا اس لئے وہ بھی نوروز کے دن جشن شاہانہ کے سامان میں فصل بہار کی شان دکھاتا تھا اور سلطنت کا نوروز مناتا تھا چونکہ وہ ہندوستان میں تھا اور ہندوؤں میں اسے

Marfat.com

رہتا سہتا اور گزارہ کرتا تھا۔ اس لئے ان کی ریت رسوم کی بھی بہت سی باتیں داخل کر لی تھیں۔ تمہیں یاد ہے؟ اس بے علم بادشاہ کو علمائے زر پرست نے ذہین نشین کر دیا تھا کہ سنہ ہزار میں ملک وملت بدل جائے گا اور اس کے صاحب فرمان آپ ہی ہونگے۔ وہ اس خوشی میں ایسا بیقرار ہوا کہ جو باتیں سنہ الف پر کرنی تھیں۔ پہلے ہی کر گزرا۔ یہاں تک کہ ۹۹۰ ھ میں ہی سنہ الف کا سکہ لگا دیا۔ اور جشن نوروزی کی شان وشکوہ میں بھی عمدہ عمدہ ترقیاں اور فائدہ مند اصلاحوں سے جاہ وجلال کو جلوہ دیا۔ جشن کے قواعد وآئین نے سال بسال کی ترقیوں سے پرورش پائی مگر آزاد سب کو ایک جگہ سجاتا ہے کہ دلچسپ تماشا ہے۔

دیوان عام وخاص:

دیوان عام وخاص کے گرد ۱۲۰ ایوان عالیشان تھے جن کی عمارت کو خوشنما اور بیش بہا پتھروں نے سنگین اور رنگین کیا تھا۔ ایک ایک ایوان ایک ایک امیر باتدبیر کو عنایت ہوا کہ ہر عالی حوصلہ اسے آراستہ کر کے اپنی قابلیت اور علو ہمت کا نمونہ دکھائے۔ ایک طرف دولت خانہ خاص تھا۔ وہ خدمتگار ان خاص کے سپرد ہوا کہ آئین بندی کریں۔ سبھا منڈل کہ جلوہ گاہ خاص تھا سجایا گیا اور تمام مکانات کے درودیوار کو پرتگالی بانات۔ رومی وکاشانی مخمل۔ بناری زربفت وکمخواب۔ سلیے دوپٹے۔ تاش تمامی۔ گوٹے ٹھپے۔ پیمک۔ مقیش کے خلعت پہنائے۔ کشمیر کی شالیں اڑھائیں۔ ایران وترکستان کی قالین پا انداز میں بچھا دیئے۔ ملک فرنگ اور چین اور ماچین کے رنگا رنگ پردے۔ نادر تصویریں۔ عجیب وغریب آئینے سجائے۔ شیشہ اور بلور کے کنول، مردنگ، قندیلیں، جھاڑ، فانوسیں، قمقمے لٹکائے، شامیانے تانے، آسمانی خیمے بلند کئے۔ مکانات کے صحنوں میں بہار نے آکر گلکاری کی اور کشمیر کے گلزاروں کو تراش کر فتح پور اور آگرہ میں رکھ دیا اسے مبالغہ نہ سمجھنا جو اس وقت ہوا اس سے بہت کم ہے یہ جو کہ آج آزاد لکھتا ہے۔ جب عالم ہی اور تھا۔ وہ اصل حال تھا۔ آج خواب وخیال ہے۔ وہ وہ سامان جمع تھے کہ عقل دیکھتی تھی اور حیران تھی۔

اگلے وقتوں کے امراء کے شوق:

اگلے وقتوں کے امرا کو بھی ہر قسم کی عجیب وغریب اور عزیز الوجود چیزوں کا شوق ہوتا تھا اور جس قدر یہ سامان زیادہ ہوتا تھا۔ اس سے ان کے سلیقہ اور ہمت وحوصلے کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ اوصاف عموماً امیری کے لازمے تھے۔ مگر قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو بمقتضائے طبیعت خاص خاص قسم کی چیزوں کا یا مختلف صنائع وبدائع میں سے ایک دو کا دلی شوق ہوتا ہے بلکہ بعضوں کے عہدے اور منصب اشیائے خاص کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ خان خاناں اور خان اعظم کے ایوان ملک

Marfat.com

ملک کے صنائع وبدائع سے ایک کامل نمائش گاہ بنے ہوئے تھے جن کے در و دیوار۔ فصل بہار کی چادر کو ہاتھوں پر پھیلائے کھڑے تھے۔ اور ہر ستون ایک باغ کو بغل میں دبائے تھا۔ اکثر امرا نے اسلحہ حرب کے عمدہ نمونے دکھائے تھے کہ ہندوستان سے جمع کئے تھے اور اور ملکوں سے منگائے تھے۔ شاہ فتح اللہ نے اپنے ایوان میں علوم وفنون کا طلسم باندھ کر ہر بات میں نکتہ اور نکتہ میں باریکی پیدا کی تھی۔ گھڑیاں اور گھنٹے چل رہے تھے۔ علم ہیئت کے آلات، کرے، ربع مجیب، اسطرلاب نظام فلکی کے نقشے۔ اور ان کی مجسم مورتوں میں سیارے اور افلاک چکر مار رہے تھے۔ جر اثقال کی کلیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ علم کیمیا اور علم نیرنجات کے شعبدے ساعت بساعت رنگ بدل رہے تھے۔

دانایان فرنگ موجود تھے۔ بیلان (بیلون) کا خیمہ کھڑا تھا۔ ارغنوں [1] (آرگن) کا صندوق رنگا رنگ کی آوازیں سناتا تھا۔ ممالک روم وفرنگ کی عمدہ صنعتیں اور انوکھی دستکاریاں جادو کا کام اور اچنبھے کا تماشا تھیں۔ انہوں نے تھیٹر کا ہی سماں باندھا تھا۔ جس وقت بادشاہ آکر بیٹھے۔ موسیقی فرنگ نے مبارکباد کی نغمہ سرائی شروع کی۔ باجے بج رہے تھے۔ فرنگی ساعت بساعت رنگ برنگ کے بدل بدل کر آتے تھے اور غائب ہو جاتے تھے۔ پرستان کا عالم نظر آتا تھا۔

ہر فن اور ہر کام کا بادشاہ:

اکبر بادشاہ فقط ملک کا بادشاہ نہ تھا۔ ہر فن اور ہر کام کا بادشاہ تھا۔ ہمیشہ علوم وفنون کی پرورش اور ترقی کی فکر میں رہتا تھا۔ اس کی قدردانی نے دانایان فرنگ کو بندر گوہ۔ سورت اور ہگلی سے بلا کر اس طرح رخصت کیا کہ یورپ کے ممالک مختلفہ سے لوگ اٹھ اٹھ کر دوڑے۔ اپنے اور ملک ملک کے صنائع وبدائع لا کر پیشکش کیے۔ اس موقع پر ان سب کے نمونے سجائے گئے۔ اور ہندوستان کے صنعت گروں نے بھی اپنی دستکاریاں دکھا کر شاباش وآفرین کے پھول سمیٹے۔

نوروز سے لے کر ۱۸ دن تک ہر ایک امیر نے اپنے اپنے ایوان میں ضیافت کی۔ حضور رونق افروز ہوئے اور بے تکلف اور دوستانہ ملاقات سے محبت واتحاد کی بنیاد دلوں میں استوار کی۔ امرا نے اپنے

---

[1] ملا صاحب ۹۸۸ھ میں لکھتے ہیں۔ ارغنوں باجا آیا کہ عجائب مخلوقات سے ہے۔ حاجی حبیب اللہ فرنگستان سے لایا تھا۔ بادشاہ محظوظ ہوئے۔ اہل دربار کو بھی دکھایا۔ ایک بڑا صندوق تھا قد آدم۔ ایک فرنگی اندر بیٹھ کر تار بجاتا تھا۔ دو باہر بیٹھتے تھے۔ صندوق میں مور کے پر لگے تھے۔ ان کی جڑوں پر انگلیاں مارتے تھے۔ کیا کیا آوازیں نکلتی تھیں کہ روح پر اثر ہوتا تھا۔ فرنگی دم بدم کبھی سرخ کبھی زرد۔ بوقلموں ہو ہو کر نکلتے تھے اور ساعت بساعت رنگ بدلتے تھے۔ عجب عالم تھا۔ اہل مجلس حیران تھے۔ کیفیت اس کی ٹھیک ادا نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

رتبے کے بموجب پیشکش گزرانی۔ ارباب طرب اور اہل نشاط کے طوائف۔ کشمیری، ایرانی، تورانی، ہندوستانی گویئے، دوم، ڈھاڑی، میراثی، کلاونت، گائک، نائک، سپردائی، ڈومنیاں، پاتر، کنچنیاں ہزار در ہزار جمع ہوئیں۔ دیوان خاص اور دیوان عام سے لے کر بازوؤں کے نقار خانوں تک جا بجا مقامات تقسیم ہوگئے۔ جدھر دیکھو راجہ اندر کا اکھاڑا تھا۔

جشن کی ریت رسوم کی بھی سیر دیکھ لو:

روز جشن سے ایک دن پہلے مبارک ساعت سبھ لگن میں ایک سہاگن بی بی اپنے ہاتھ سے دال دلتی۔ اسے گنگا جل میں بھگوتی۔ پیٹھی پیس کر رکھتی۔ جشن کی ساعت قریب آئی۔ بادشاہ اشنان کو گئے۔ رنگین جوڑا، ساعت اور ستاروں کے موافق حاضر۔ جامہ پہنا۔ کھڑکی دار پگڑی راجپوتی انداز سے باندھی۔ مکٹ سر پر رکھا۔ کچھ اپنا خاندانی کچھ ہندوانی گہنا پہنا۔ جوتشی اور نجومی اسطرلاب لائے بیٹھے ہیں۔ جشن کی ساعت آئی۔ برہمن نے ماتھے پر ٹیکہ لگایا۔ جواہر نگار کنگن ہاتھ میں باندھ دیا۔ کولے دہک رہے تھے۔ خوشبوئیاں تیار ہیں۔ ادھر ہون ہونے لگا۔ چوکے میں کڑھائی چڑھی ہے۔ یہاں اس میں بڑا پڑا وہاں بادشاہ نے تخت پر قدم رکھا۔ نقارہ دولت پر چوٹ پڑی۔ نوبت خانہ میں نوبت بجنے لگی کہ گنبد گردوں گونج اٹھا۔

خوانوں اور کشتیوں پر زر نگار طورہ پوش پڑے۔ موتیوں کے جھالر لٹکتے۔ امرا لئے کھڑے ہیں۔ سونے روپے کے بادام پستے وغیرہ میوہ جات۔ روپے اشرفیاں۔ جواہر اس طرح نچھاور ہوئے جیسے اولے برستے ہیں۔ دربار ایک موقع قدرت الٰہی کا تھا۔ راجوں کے راجہ مہاراجہ اور بڑے بڑے ٹھاکر کہ فلک سے سر نہ جھکائیں۔ ایرانی تورانی سردار کہ رستم و اسفندیار کو خاطر میں نہ لائیں۔ خود، زرہ، بکتر، چار آئینہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ تصویر کا عالم کھڑے ہیں۔ خاص شہزادوں کے سوا کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اول شہزادوں نے، پھر امرا نے درجہ بدرجہ نذریں دیں۔ سلام گاہ پر گئے۔ وہاں سے تخت گاہ تک تین جگہ آداب و کورنش آداب بجالاؤ جہاں پناہ بادشاہ سلامت۔ مہابلی بادشاہ سلامت۔ ملک الشعراء نے سامنے آکر قصیدہ مبارکباد کا پڑھا۔ خلعت و انعام سے سربلند ہوا۔

برس میں دو دفعہ تلادان ہوتا تھا (۱) نوروز۔ سونے کی ترازو کھڑی ہوتی۔ بادشاہ ۱۲ چیزوں میں تلتا تھا۔ سونا۔ چاندی۔ ابریشم۔ خوشبوئیاں۔ لوہا۔ تانبا۔ جست۔ توتیا۔ گھی۔ دودھ۔ چاول۔ ست بجا۔ (۲) جشن ولادت: قمری حساب سے ۵ رجب کو ہوتا تھا اس میں چاندی۔ قلعی۔ کپڑا۔ ۱۲ میوے۔ شیرینی۔ تلوں کا تیل۔ سبزی سب برہمنوں اور عام فقیروں غریبوں کو بٹ جاتا تھا۔ اسی حساب سے شمسی تاریخ کو۔

Marfat.com

مینا بازار۔ زنانہ بازار

ترکستان میں دستور ہے کہ ہفتے میں دو دفعہ یا ایک دفعہ ہر شہر میں اور اکثر دیہات میں بازار لگتے ہیں۔ اس آبادی کے اور اکثر پانچ پانچ چھ چھ کوس سے آس پاس کے لوگ پچھلی رات سے گھروں سے نکلتے ہیں۔ دن نکلے مقام پر آ کر جمع ہوتے ہیں عورتیں برقع سروں پر۔ نقابیں منہ پر۔ ابریشم، سوت، ٹوپیاں، رومال پھلکاری اپنی دستکاری۔ یا ضرورت کی ماری جو کچھ ہو بیچنے کو لاتی ہے۔ مرد ہر قسم کے پیشہ ور اپنی اپنی جنس سے بازار کو گرم کرتے ہیں۔ مرغی اور انڈے سے لے کر گراں بہا گھوڑوں تک اور گزی گاڑھے سے لے کر قیمتی قالین تک۔ میوہ جات سے لیکر اقسام غلہ بھس اور گھاس تک۔ تیل، گھی، مسگری، نجاری، لہاری کے کام یہاں تک کہ مٹی کے باسن تک سب موجود ہوتے اور دوپہر میں سب بک جاتے ہیں۔ اکثر لین دین مبادلے میں ہوتے ہیں۔ بادشاہ نیک آئین نے اسے اصلاح و تہذیب کے ساتھ رونق دی۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ہر مہینے معمولی بازار کے تیسرے دن قلعہ میں زنانہ بازار لگتا تھا۔ غالباً یہ امر آئین میں داخل ہوگا۔ عمل اس پر کبھی کبھی ہوتا ہوگا۔

جب جشن کے آداب و آئین شان و شکوہ میں اپنے خزانے خالی کر لیتے۔ اور آرائش اور زیبائش کی بھی ساری دستکاری خرچ ہو چکتی تو ان ایوانوں میں جو درحقیقت ایجاد اور عقل و شعور کے بازار تھے۔ زنانہ ہو جاتا۔ وہاں محل کی بیگمات آتی تھیں کہ ذرا ان کی آنکھیں کھلیں اور سلیقے کی آنکھوں میں سگھڑاپے کا سرمہ لگائیں۔ امراو شرفا کی بیبیوں کو بھی اجازت تھی جو چاہے آئے اور تماشا دیکھے۔ دکانوں پر تمام عورتیں بیٹھ جاتی تھیں۔ سوداگری اور سودا زیادہ تر زنانہ رکھا جاتا تھا۔ خواجہ سرا، قلماقنیاں، اردہ بیگنیاں، اسلحہ جنگ سجے، انتظام کے گھوڑے دوڑاتی پھرتی تھیں۔ عورتیں ہی پہروں پر ہوتی تھیں۔ مالیوں کی جگہ مالنیں چمن آرائی کرتی تھیں اس کا نام خوش روز تھا۔

نیک نیت بادشاہ:

نیک نیت بادشاہ آپ بھی آتا تھا۔ اور اپنی رعیت کی بہو بیٹیوں کو دیکھ کر ایسا خوش ہوتا تھا کہ ماں باپ بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہونگے۔ جہاں مناسب جگہ دیکھتے تھے بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم، بہنیں،

Marfat.com

بیٹیاں پاس بیٹھتی تھیں۔ امرا کی بیبیاں آ کر سلام کرتیں، نذریں دیتیں، بچوں کو سامنے حاضر کرتیں۔ ان کی نسبتیں حضور میں قرار پاتی تھیں۔ اور حقیقت میں یہ بھی آئین سلطنت کا ایک جز تھا۔ کیونکہ یہی لوگ اجزائے سلطنت تھے۔ شطرنج کے مہروں کی طرح باہم تعلق رکھتے تھے۔ اور آپس میں ایک ایک کا زور ایک ایک کو پہنچ رہا تھا۔ ان کے باہمی محبت وعداوت، اتفاق واختلاف اور ذاتی نفع ونقصان کے اثر بادشاہ کے کاروبار تک پہنچتے تھے۔ ان کی نسبتوں کے معاملے خواہ اس جشن پر خواہ کسی اور موقع پر ایک مبارک تماشا دکھاتے تھے۔ کبھی دو امیروں میں ایسا بگاڑ ہوتا تھا کہ دونوں یا ایک ان میں سے راضی نہ ہوتا تھا اور بادشاہ چاہتے تھے کہ ان میں بگاڑ نہ رہے بلکہ اتحاد ہو جائے۔ اس کا یہی علاج تھا کہ دونوں گھر ایک ہو جائیں۔ جب وہ کسی طرح نہ مانتے تو بادشاہ کہتے تھے کہ اچھا یہ لڑکا یا لڑکی ہماری۔ تمہیں اس سے کچھ کام نہیں۔ وہ یا اس کی بی بی ناز خانہ زادی سے کہتے۔ حضور لونڈی بھی اس بچے سے دست بردار۔ آخر حضور ہی کے لئے پالا تھا۔ محنت بھر پائی۔ باپ کہتا۔ کرامات بہت مبارک۔ مگر خانہ زاد کو اب اس سے کچھ واسطے نہیں۔ غلام حق سے ادا ہوا۔ بادشاہ کہتے بہت خوب۔ ہم نے بھی وصول پایا۔ کبھی بیگم بیاہ کا ذمہ لے لیتیں۔ کبھی بادشاہ لے لیتے اور شادی کا سرانجام اس طرح ہوتا کہ ماں باپ سے بھی نہ ہو سکتا تھا۔

جہانگیر کا دل زین خاں کوکہ کی بیٹی پر:

دنیا کے معاملات سخت نازک ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں جس کے فوائد کے ساتھ نقصان کا کھٹکا نہ لگا ہو۔ اسی آمد و رفت میں سلیم (جہانگیر) کا دل زین خاں کوکہ کی بیٹی پر آیا اور ایسا آیا کہ قابو ہی میں نہ رہا۔ غنیمت ہوا کہ اس کی ابھی شادی نہ ہوئی تھی۔ اکبر نے خود شادی کر دی۔ لیکن قابل عبرت وہ معاملہ ہے جو کہن سال بزرگوں سے سنا ہے یعنی یہی مینا بازار لگا ہوا تھا۔ بیگمات بڑی پھرتی تھیں۔ جیسے باغ میں قمریاں یا ہریاول میں ہرنیاں۔ جہانگیر ان دنوں نوجوان لڑکا تھا۔ بازار میں پھرتا ہوا

❶ عبدالرحیم خان خاناں کو دیکھا کہ بن باپ کا لڑکا ہے اور بیرم خاں کا بیٹا ہے۔ بعض امرا اب تک دربار میں ہیں جن کے دلوں میں کانٹا سا کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ شمس الدین محمد خاں اتکہ کی بیٹی یعنی خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کی بہن سے اس کی شادی کر دی۔ اب بھلا مرزا عزیز کوکہ کب چاہے گا کہ عبدالرحیم کو کچھ صدمہ پہنچے اور بہن کا گھر برباد ہو۔ اور عبدالرحیم جس کے گھر میں اتکہ کی بیٹی خان اعظم کی بہن ہے۔ اس کے دل میں وہ خیال کب باقی رہ سکتا ہے کہ اس کا باپ میرے باپ پر تلوار کھینچ کر سامنے ہوا تھا اور لشکر خونریز کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ خان خاناں کی بیٹی سے دانیال اپنے بیٹے کی شادی کر دی۔ قلیج خاں کہ سپہ سالار تھا اور ۴ ہزاری منصب رکھتا تھا۔ اس کی بیٹی سے مراد کی شادی کر دی۔ سلیم (جہانگیر) سے مان سنگھ کی بہن بیاہی تھی۔ اور اس کے بیٹے خسرو سے خان اعظم کی بیٹی کی شادی کی تھی۔ وغیرہ وغیرہ مصلحت اس میں یہی تھی کہ ہر شاہزادہ اور امیر کو اس طرح آپس میں مسلسل اور وابستہ کر دیں کہ ایک کا زور دوسرے کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

Marfat.com

چمن میں آ نکلا۔ ہاتھ میں کبوتر کا جوڑا تھا۔ سامنے کوئی پھول کھلا ہوا نظر آیا کہ عالم سرور میں بہت بھایا۔ چاہا کہ توڑے۔ دونوں ہاتھ رکے ہوئے تھے۔ وہیں ٹھہر گیا۔ سامنے سے ایک لڑکی آئی شہزادہ نے کہا کہ بوا ذرا ہمارے کبوتر تم لے لو ہم وہ پھول توڑ لیں۔ لڑکی نے دونوں کبوتر لے لئے۔ شہزادہ نے کیاری میں جا کر چند پھول توڑے۔ پھر کر آیا تو دیکھا کے لڑکی کے ہاتھ میں ایک کبوتر ہے۔ پوچھا دوسرا کبوتر کیا ہوا؟ عرض کی۔ صاحب عالم وہ تو اڑ گیا۔ پوچھا۔ ہیں۔ کیونکر اڑ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوسری مٹھی بھی کھول دی کہ حضور یوں اڑ گیا۔ اگر چہ دوسرا کبوتر بھی ہاتھ سے گیا مگر شہزادے کا دل اس انداز پر لوٹ گیا۔ پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کی کہ مہر نسا خانم پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ عرض کی مرزا غیاث۔ حضور کا ناظم بیوتات ہے۔ کہا اور امرا کی لڑکیاں محل میں آیا کرتی ہیں۔ تم ہمارے ہاں نہیں آتیں؟ عرض کی کہ میری اماں جان تو آتی ہیں مجھے نہیں لاتیں۔ ہمارے ہاں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں نکلا کرتیں۔ آج بھی بڑی منتوں سے یہاں لائی ہیں۔ کہا تم ضرور آیا کرو۔ ہمارے ہاں بڑی احتیاط سے پردہ رہتا ہے۔ کوئی غیر نہیں آتا۔

وہ سلام کر کے رخصت ہوئی۔ جہانگیر باہر آ گیا۔ مگر دونوں کو خیال رہا۔ تقدیر کی بات ہے کہ پھر جو مرزا غیاث کی بی بی بیگم کے سلام کو محل میں جانے لگی تو بیٹی کے کہنے سے اسے بھی ساتھ لے لیا۔ بیگم نے دیکھا۔ بچپن کی عمر۔ اس میں ادب قاعدے کا لحاظ، سلیقہ اور تمیز اس کی بہت بھلی معلوم ہوئی۔ باتیں چیتیں پیاری لگیں بیگم نے بھی کہا کہ اسے تم ضرور لایا کرو۔ آہستہ آہستہ آمد و رفت زیادہ ہوئی۔ شہزادے کا یہ عالم کہ جب وہ ماں کے پاس آئے تو وہاں موجود۔ وہ دادی کے سلام کو جائے تو یہ وہاں حاضر۔ کسی نہ کسی بہانے سے خواہ مخواہ اس سے بولتا، بات چیت کرتا تو اس کا طور ہی کچھ اور۔ نگاہوں کو دیکھو تو انداز ہی کچھ اور غرض بیگم تاڑ گئی اور خلوۃ میں بادشاہ سے عرض کی۔ اکبر نے کہا۔ مرزا غیاث کی بی بی کو سمجھا دو چندروز لڑکی کو یہاں نہ لائے۔ اور مرزا غیاث سے کہا کہ لڑکی کی شادی کر دو۔

جب خان خاناں بھکر کی مہم پر تھا تو طہماسپ قلی بیگ ایک بہادر نوجوان شریف زادہ ایران سے آیا تھا اور مہم مذکور میں کارنمایاں کر کے اس کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ شریف نواز شرافت پرست اسے ساتھ لایا تھا اور حضور میں اس کی خدمتیں عرض کر کے دربار میں داخل کیا تھا۔ اس نے شجاعت اور دلاوری کے دربار سے شیر افگن خان خطاب حاصل کیا تھا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ نسبت ٹھیرا دی۔ اور جلدی ہی شادی کر دی۔ یہی شادی اس جوان نامراد کی بربادی تھی۔ تدبیر میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے؟ انجام اس کا یہ ہوا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا۔ شیر افگن خاں موت کا شکار ہو کر جوانمرگ دنیا سے گیا۔ مہرنسا بیوہ ہوئی۔ چند روز کے بعد جہانگیری محلوں میں آ کر نور جہاں بیگم ہو گئی۔ افسوس نہ جہانگیر رہے نہ نور جہاں رہیں۔ ناموں پر [illegible] گیا۔

Marfat.com

بیرم خاں خانخاناں

جس وقت شہنشاہ اکبر خود اختیار صاحب دربار ہوا اس وقت یہ امیر ملک گیر دربار میں نہ رہا تھا لیکن اس میں کسی کو انکار نہیں کہ اکبر بلکہ ہمایوں کی بنیاد سلطنت بھی اس نے دوبارہ ہندوستان میں قائم کی۔ پھر بھی میں سوچتا تھا کہ اسے دربار اکبری میں لاؤں یا نہ لاؤں۔ یکا یک اس کی جانفشاں خدمتیں اور بے خطا تدبیریں سفارش کو آئیں۔ ساتھ ہی شیرانہ حملے اور رستمانہ کارنامے مدد کو آپہنچے۔ وہ شاہانہ جاہ جلال کے ساتھ اسے لائے۔ دربار اکبری میں درجہ اول پر جگہ دی اور نعرہ شیرانہ کی آواز میں کہا۔ یہ وہی سپہ سالار ہے جو ایک ہاتھ پر نشان شاہی لئے تھا کہ خوش نصیبی اس کی جس کے پہلو میں چاہے۔ سایہ کر کے قائم ہو جائے۔ دوسرے ہاتھ میں تدابیر وزارت کا ذخیرہ تھا کہ جس کی طرف چاہے نظام سلطنت کا رخ پھیر دے۔ نیک نیتی کے ساتھ نیکو کاری اس کی مصاحب تھی۔ اور اقبال خداداد مددگار تھا کہ وہ فرزانہ فیروز مند جس کام پر ہاتھ ڈالتا تھا پورا پڑتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ تمام مورخوں کی زبانیں اس کی تعریفوں میں خشک ہوتی ہیں۔ اور کسی نے برائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ ملا صاحب نے تاریخی حالات کے ذیل میں بہت جگہ اس کے ذکر کئے ہیں۔ آخر کتاب میں شعرا کے ساتھ بھی شامل کیا ہے۔ وہاں ایک سنجیدہ اور مختصر عبارت میں اس کا برگزیدہ حال لکھا ہے۔ جس سے بہتر کوئی کیفیت خانخاناں کے خصائل واطوار کی۔ اور سند اس کے اوصاف کمالات کی نہیں ہو سکتی۔ میں بعینہ اس کا ترجمہ لکھتا ہوں دیکھنے والے دیکھیں گے کہ یہ اجمالی الفاظ اس کے تفصیلی حالات سے کیسی مطابقت کھاتے ہیں۔ اور سمجھیں گے کہ ملا صاحب بھی حقیقت شناسی میں کس رتبہ کے شخص تھے۔ عبارت مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے:۔

وہ مرزا جہاں شاہ کی اولاد میں تھا۔ رموز دانش، سخاوت، راستی، حسن خلق، نیاز و خاکساری میں سب سے سبقت لے گیا تھا۔ ابتدائے حال میں بابر بادشاہ کی خدمت میں۔ بیچ میں ہمایوں بادشاہ کے حضور میں رہ کر بڑھا چڑھا اور خانخاناں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ پھر اکبر نے وقت بوقت

Marfat.com

القاب میں ترقیاں دیں۔ نہایت فقیر دوست، صاحب حال اور نیک اندیش تھا۔ ہندوستان جو دوبارہ فتح بھی ہوا اور آباد بھی ہوا۔ یہ اسی کی کوشش اور بہادری اور حسن تدبیر کی برکت سے ہوا۔ دنیا کے فاضل اطراف و جوانب سے اس کی درگاہ کی طرف رخ کرتے تھے۔ اور دریا مثال ہاتھ سے شاداب ہو کر جاتے تھے۔ اس کی بارگاہ آسماں جاہ ارباب فضل و کمال کے لئے قبلہ تھی۔ اور زمانہ اس کے وجود شریف سے فخر کرتا تھا۔ اخیر عمر میں بسبب اہل نفاق کی عداوت کے بادشاہ کا دل اس سے پھر گیا۔ اور وہاں تک نوبت پہنچی جس کا ذکر حالات سالانہ میں لکھا گیا۔

شیخ داؤد جھنی وال کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔ درعہد بیرم خاں کہ بہترین عہد ہابود و ہند حکم عروس داشت جامع اوراق در آگرہ طالب علمی میکرد۔

محمد قاسم فرشتہ کے بقول:

محمد قاسم فرشتہ نے نسب نامہ کو زیادہ تفصیل دی ہے اور ہفت اقلیم میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایران کے قراقو نیلو ترکمانوں میں بہارلو قبیلہ سے علی شکر بیگ ترکمان ایک سردار نامی گرامی خاندان تیموری سے وابستہ تھا۔ ولایت ہمدان، دینور، کردستان اور اس کے متعلقات وغیرہ کا حاکم تھا۔ کتاب ہفت اقلیم اکبر کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے اس میں لکھا ہے کہ اب تک وہ علاقہ قلمرو علی شکر مشہور ہے۔ علی شکر کی اولاد میں شیر علی بیگ ایک سردار تھا۔ جب سلطان حسین بایقرا کے بعد سلطنت برباد ہوئی تو شیر علی بیگ کابل کی طرف آیا۔ اور سیستان وغیرہ سے جمعیت پیدا کر کے شیراز پر چڑھ گیا۔ وہاں سے شکست کھا کر پھرا۔ پھر بھی ہمت نہ ہارا۔ ادھر ادھر سے سامان سمیٹنے لگا۔ آخر بادشاہی لشکر آیا اور انجام کو شیر علی میدان میں قضا کا شکار ہو گیا۔ اس کا بیٹا اور پوتا یار علی بیگ اور سیف علی بیگ پھر افغانستان میں آئے۔ یار علی بیگ بابر کی یاوری میں پہنچ کر غزنی کا حاکم ہو گیا مگر چند روز بعد مر گیا۔ سیف علی بیگ باپ کا قائم مقام ہوا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اس کا بیٹا خرد سال با اقبال تھا جو بیرم خاں کے نام سے نامی ہوا۔ سیف علی بیگ کی موت نے عیال کے ایسے دل توڑ دیئے کہ کچھ نہ کر سکے۔ چھوٹے سے بچے کو لیکر بلخ میں چلے آئے۔ یہاں اس کے خاندان کے کچھ لوگ رہتے تھے۔ چند روز ان میں رہا۔ کچھ پڑھا لکھا اور ذرا ہوش سنبھالا۔

جب بیرم خاں نوکری کے قابل ہوا۔ ہمایوں ان دنوں میں شہزادہ تھا۔ خدمت میں آکر نوکر ہوا۔ علوم معمولی سے تھوڑا تھوڑا بہرہ حاصل تھا، ملنساری، حسن اخلاق، آداب محفل، طبع کی موزونی اور موسیقی میں بھی اچھی آگاہی رکھتا تھا خلوت میں خود بھی گاتا بجاتا تھا اس لئے ہم عمر آقا کے مصاحبوں

Marfat.com

میں داخل ہو گیا۔ ایک لڑائی میں اس سے ایسا کارنمایاں بن پڑا کہ دفعتاً شہرہ ہو گیا۔ اس وقت عمر ۱۶ برس کی تھی۔ بابر بادشاہ نے بلایا خود باتیں کر کے حال پوچھا اور چھوٹے سے بہادر کا بہت سا دل بڑھایا۔ وضع ہونہار، پیشانی پر اقبال کے آثار دیکھ کر قدر دانی کی اور کہا کہ شہزادہ کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا کرو۔ پھر اپنی خدمت میں لے لیا۔ سعادت مند لڑکا کارگزاری اور جاں نثاری کے بموجب ترقی پانے لگا۔ ہمایوں بادشاہ ہوا تو پھر اس کی حضوری میں رہنے لگا تھا۔

شفیق آقا اور وفادار نوکر:

اس شفیق آقا اور وفادار نوکر کے حالات و معاملات دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں فقط محبت نہ تھی بلکہ ایک قدرتی اتحاد تھا۔ جس کی کیفیت بیان میں نہیں آ سکتی۔ ہمایوں دکن کی مہم میں جانپانیر کے قلعہ کو گھیرے پڑا تھا۔ یہ قلعہ ایسی کھڈ ھب جگہ پر تھا کہ ہاتھ آنا بہت مشکل تھا۔ بنانے والوں نے ایسے ہی وقت کے لئے عمودی پہاڑوں کی چوٹی پر بنایا تھا۔ اور گرد اس کے جنگل اور درختوں کا بن رکھا تھا۔ اس وقت دشمن بہت سا کھانا دانا بھر کر خاطر جمع سے اندر بیٹھ رہے تھے ہمایوں قلعہ کو گھیرے باہر پڑا تھا عرصہ کے بعد پتہ لگا کہ ایک طرف سے جنگل کے لوگ رسد کی ضروری چیزیں لے کر آتے ہیں۔ قلعہ والے اوپر سے رسے ڈال کر کھینچ لیتے ہیں۔ ہمایوں نے بہت سی فولادی اور چوبی میخیں بنوائیں ایک رات اسی چور راستہ کی طرف گیا۔ پہاڑ میں اور قلعہ کی دیوار میں گڑوا کر رسے ڈلوائے۔ سیڑھیاں لگوائیں اور اور طرف سے لڑائی شروع کی۔ قلعہ والے تو ادھر جھکے۔ ادھر سے پہلے ۳۹ بہادر جانوں پر کھیل کر رسوں اور سیڑھیوں پر چڑھے جن میں چالیسواں دلاور خود بیرم خاں تھا۔ لطیفہ۔ اس نے کمانڈ کے بیچ میں عجب لطیفہ سر کیا۔ ایک رسی کی گرہ پر ہمایوں نے قدم رکھا کہ اوپر چڑھے۔ بیرم خاں نے کہا ٹھیریئے ذرا میں اس پر زور دیکر دیکھ لوں رسی مضبوط ہے۔ ہمایوں پیچھے ہٹا۔ اس نے جھٹ حلقہ میں پاؤں رکھا اور چار قدم مار کر دیوار قلعہ پر نظر آیا۔ غرض صبح ہوتے ہوتے تین سو جانباز اور پہنچ گئے اور خود بادشاہ بھی جا پہنچا صبح کا دروازہ ابھی بند تھا جو قلعہ فتح ہو کر کھل گیا۔

۹۴۶ھ میں جوسہ کے مقام پر شیر شاہ کی پہلی لڑائی میں بیرم خاں نے سب سے پہلے ہمت دکھائی۔ اپنی فوج لیکر بڑھ گیا دشمن پر جا پڑا۔ حملہ ہائے مردانہ اور چپقلشہائے ترکانہ سے غنیم کی صف کو تہ و بالا کر دیا۔ اور اس کے لشکر کو الٹ کر پھینک دیا۔ مگر امرائے ہمراہی کوتاہی کر گئے اس لئے کامیاب نہ ہوا اور لڑائی نے طول کھینچا۔ انجام یہ ہوا کہ غنیم نے فتح پائی اور ہمایوں شکست کھا کر آگرہ بھاگ آیا۔ یہ وفادار کبھی تلوار بن کر آقا کے آگے ہوا کبھی سپر بن کر پشت پر رہا۔ دوسری لڑائی نواح قنوج میں ہوئی

Marfat.com

ہمایوں کی قسمت نے یہاں بھی وفا نہ کی بدحالی سے شکست کھائی۔ امرا اور فوج اس طرح پریشان ہوئی کہ ایک کو ایک کا ہوش نہ رہا۔ مارے گئے۔ باندھے گئے۔ ڈوب گئے۔ بھاگ گئے۔ اور بیاباں مرگ ہوئے۔

بیاباں مرگ ہے مجنوں خاک آلودہ تن کس کا؟ سئے ہے سوزن خار مغیلاں تو کفن کس کا؟

انہی ❶ میں وہ جانثار بھی بھاگا اور سنبھل کی طرف جا نکلا۔ میاں عبدالوہاب رئیس سنبھل سے اس کا پہلے کا اتحاد تھا انہوں نے اپنے گھر میں رکھا مگر ایسا نامی آدمی چھپے کہاں۔ اس لئے مترسین لکھنو کے راجہ کے پاس بھیج دیا کہ علاقہ جنگل میں ہی چند روز تم رکھو مدت تک وہاں رہا۔ نصیر خاں حاکم سنبھل کو خبر ہو گئی۔ اس نے مترسین کے پاس آدمی بھیجا۔ مترسین کی کیا تاب تھی کہ شیر شاہی امیر کے آدمیوں کو ٹال دے۔ ناچار بھیج دیا۔ نصیر خاں نے قتل کرنا چاہا یہاں مسند علی عیسیٰ خاں کہ کہن سال امیر زادہ افغانوں کا تھا شیر شاہ کا بھیجا ہوا آیا تھا اس کی اور میاں عبدالوہاب کی سکندر لودی کے وقت سے دوستی تھی۔ میاں نے عیسیٰ خاں سے کہا کہ نصیر خاں ظالم ایسے نامور اور عالی ہمت سردار کو قتل کرنا چاہتا ہے ہو سکے تو کچھ مدد کرو۔ میاں کا اور ان کے خاندان کی بزرگی کا سب لحاظ کرتے تھے۔ عیسیٰ خاں گئے اور قید سے چھڑا کر اپنے گھر میں لے آئے۔

شیر شاہ نے عیسیٰ خاں کو ایک مہم پر بلا بھیجا۔ یہ مالوہ کے رستہ میں جا کر ملے بیرم خاں کو ساتھ لے گئے تھے۔ اس کا بھی ذکر کیا۔ اس نے منہ بنا کر پوچھا اب تک کہاں تھا۔ مسند عالی نے کہا شیخ ملہن قتال کے ہاں پناہ لی تھی۔ شیر شاہ نے کہا بخشیدم۔ عیسیٰ خاں نے کہا خون تو ان کی خاطر سے بخشا اسپ و خلعت میری سفارش سے دیجئے اور ابوالقاسم گوالیار سے آیا ہے حکم دیجئے کہ اس کے پاس اترے۔ شیر شاہ نے کہا قبول۔

شیر شاہ وقت پر لگاوٹ بھی ایسی کرتے تھے کہ بلی کو مات کر دیتے تھے۔ بیرم خاں کی سرداری کی اب بھی ہوا بندھی ہوئی تھی۔ شیر شاہ بھی جانتے تھے کہ صاحب جوہر ہے اور کام کا آدمی ہے۔ ایسے آدمیوں کے یہ خود تابعدار ہو جاتے تھے اور کام لیتے تھے چنانچہ جس وقت وہ سامنے آیا تو شیر شاہ کھڑے ہو کر گلے ملا اور دیر تک باتیں کیں۔ وفا اور اخلاص کے باب میں گفتگو تھی۔ شیر شاہ دیر تک دلجوئی کی غرض سے باتیں کرتا رہا۔ اسی سلسلہ میں اس کی زبان سے یہ فقرہ نکلا کہ "ہر کہ اخلاص دارد خطا نمیکند"۔ خیر وہ جلسہ برخاست ہوا۔ شیر شاہ نے اس منزل سے کوچ کیا۔ یہ اور ابوالقاسم بھاگے رستہ میں شیر شاہ کا ایلچی ملا وہ گجرات سے آتا تھا۔ اور ان کے بھاگنے کی خبر سن چکا تھا مگر کبھی ملاقات نہ

❶ دیکھو تاریخ شیر شاہی جو اکبر کے حکم سے لکھی گئی تھی۔

Marfat.com

ہوئی تھی دیکھ کر شبہ ہوا۔ ابوالقاسم قد وقامت میں بلند بالا اور خوش اندام تھا جانا کہ یہی بیرم خاں ہے اسے پکڑ لیا۔ بیرم خاں کی نیک ذاتی و جوانمردی اور نیک نیتی پر ہزار آفرین ہے کہ خود آگے بڑھا اور کہا کہ اسے کیوں پکڑا ہے بیرم خاں تو میں ہوں۔ ابوالقاسم کو دس ہزار آفرین۔ کہا کہ یہ میرا غلام ہے مگر وفادار ہے۔ اپنی جان کو حق نمک پر فدا کرنا چاہتا ہے اسے چھوڑ دو۔ خیر۔ بے قضا نہ کوئی مر سکے نہ بچ سکے۔ وہ بیچارا شیر شاہ کے سامنے آ کر مارا گیا اور بیرم خاں موت کا منہ چڑا کر صاف نکل گئے۔ شیر شاہ کو بھی خبر ہوئی اس ماجرے کو سن کر افسوس کیا اور کہا جب اس نے ہمارے جواب میں کہا تھا کہ چنین است ہر کہ جوہر اخلاص دارد و خطا میکند۔ ہمیں اسی وقت کھٹکا ہوا کہ یہ اکٹنے والا نہیں۔ جب خدا نے پھر اپنی خدائی کی شان دکھائی اکبر کا زمانہ تھا اور وہ ہندوستان کے سفید وسیاہ کا مالک تھا تو ایک دن کسی مصاحب نے پوچھا کہ مسند عالی عیسیٰ خاں اس وقت آپ سے کس طرح پیش آئے تھے۔ خان خاناں نے کہا جان انہوں نے بچائی تھی۔ وہ ادھر آئے نہیں اور تو کیا کروں اگر آئیں تو کم سے کم چندیری کا علاقہ نذر کروں۔

بیرم خاں وہاں سے گجرات پہنچا سلطان محمود سے ملا۔ وہ بھی بہت چاہتا تھا کہ میرے پاس رہے۔ اس سے حج کے بہانے رخصت لیکر بندر سورت میں آیا اور وہاں سے آقا پیارے کا پتا لیتا ہوا سندھ کی سرحد میں جا پہنچا۔ ہمایوں کا حال سن ہی چکے ہو کہ قنوج کے میدان سے بھاگ کر آگرہ میں آیا۔ قسمت برگشتہ۔ بھائیوں کے دل میں دغا، امرا بے وفا، سب نے یہی کہا کہ اب یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ لاہور میں بیٹھ کر صلاح ہوگی۔ یہاں آکر کیا ہونا تھا۔ کچھ نہ ہوا۔ یہ ہوا کہ غنیم شیر ہو کر دبائے چلا آیا۔ ناکام بادشاہ نے جب دیکھا کہ دغاباز بھائی وقت ٹال رہے ہیں۔ اور پھسانے کی نیت ہے۔ اور غنیم ہندوستان پر چھاتا ہوا سلطان پور کنارس بیاس تک آ پہنچا ہے ناچار ہند کو خدا حافظ کہہ کر سندھ کا رخ کیا اور ۳ برس تک وہاں قسمت آزماتا رہا۔ جب بیرم خاں وہاں پہنچا ہمایوں مقام جون کنارہ دریائے سندھ پر ارغونیوں سے لڑتا تھا روز معرکے ہو رہے تھے اگرچہ شکست دیتا تھا مگر رفیق مارے جاتے تھے جو تھے ان سے وفا کی امید نہ تھی۔

خان خاناں جس دن پہنچا ے محرم ۹۵۰ھ تھی۔ لڑائی ہو رہی تھی۔ اس نے آتے ہی دور سے یہ لطیفہ نذر کیا کہ ملازمت بھی نہ کی سیدھا میدان جنگ میں پہنچا اپنے ٹوٹے پھوٹے نوکروں اور خدمت گاروں کو ترتیب دیا اور ایک طرف سے موقع دیکھ کر حملہ ہائے مردانہ اور نعرے ہائے شیرانہ شروع کر دیئے۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ غیبی فرشتہ کون اور کہاں سے آیا۔ دیکھیں تو بیرم خاں۔ ساری فوج خوشی کے مارے غل مچانے لگی۔ ہمایوں اس وقت ایک بلندی سے دیکھ رہا تھا حیران ہوا کہ معاملہ

Marfat.com

کیا ہے چند نوکر پاس حاضر تھے۔ ایک آدمی دوڑ کر آگے بڑھا اور خبر لایا کہ خان خاناں آ پہنچا۔

یہ وہ وقت تھا کہ ہمایوں ہندوستان کی کامیابی سے مایوس ہو کر چلنے کو تیار تھا۔ کملایا ہوا دل شگفتہ ہو گیا اور ایسے جاں نثار با اقبال کے آنے کو سب مبارک شگون سمجھے۔ جب حاضر ہوا تو ہمایوں نے اٹھ کر گلے لگا لیا۔ دونوں مل کر بیٹھے۔ مدتوں کی مصیبتیں تھیں اپنی اپنی کہانیاں سنائیں۔ بیرم خاں نے کہا کہ یہ جگہ امید کا مقام نہیں۔ ہمایوں نے کہا چلو جس خاک سے باپ دادا اٹھے تھے اسی پر چل کر بیٹھیں۔ بیرم خاں نے کہا کہ جس زمین سے حضور کے والد نے پھل نہ پایا حضور کیا لیں گے۔ ایران کو چلئے وہ لوگ مہماں پرور اور مسافر نواز ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کہ امیر تیمور جد اعلیٰ حضور کے تھے۔ ان کے ساتھ شاہ صفی نے کیا کچھ کیا۔ ان کی اولاد نے دو دفعہ آپ کے والد کو مدد دی۔ ملک ماوراء النہر پر قبضہ دلایا۔ نہ تھمنا خدا کے اختیار ہے۔ رہا یا نہ رہا۔ اور ایران فدوی اور فدوی کے بزرگوں کا وطن ہے، وہاں کے کاروبار سے غلام خوب واقف ہے۔ ہمایوں کی بھی سمجھ میں آ گیا اور ایران کا رخ کیا۔

اس وقت بادشاہ اور امرائے ہمراہی کی حالت ایک لٹے قافلہ کی تصویر تھی یا کاروان وفا کی فہرست جس میں سب نوکر چاکر مل کر ۷۰ آدمی سے زیادہ نہ تھے لیکن جس کتاب میں دیکھا اول نمبر پر بیرم خاں کا نام نظر آتا ہے اور حق پوچھو تو اس کے نام سے فہرست کی پیشانی کو چمکانا چاہئے تھا۔ وہ رزم کا بہادر اور بزم کا مصاحب سایہ کی طرح پیارے آقا کے ساتھ تھا۔ جب کوئی شہر پاس آیا تو آگے جاتا اور اس خوبصورتی سے مطالب ادا کرتا کہ جابجا شاہانہ شان سے استقبال اور نہایت دھوم دھام سے ضیافتیں ہوتی گئیں۔ قزوین کے مقام سے شاہ کی خدمت میں نامہ لیکر پہنچا اور اس خوبی سے وکالت کا حق ادا کیا کہ شاہ مہمان نواز آبدیدہ ہوا۔ بیرم خاں کی بھی بہت خاطر کی۔ اور بہت عزت سے مہمانداری کی۔ جو مراسلہ جواب میں لکھا اس میں عزت و احترام کے ساتھ کمال شوق ظاہر کیا اور یہ شعر بھی لکھا۔

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد　　اگر ترا گزرے بر مقام ما افتد

جب تک ایران میں رہے وہ ہما کا سایہ ہمایوں کے ساتھ تھا ہر ایک کام اور پیغام اسی کے ذریعے سے طے ہوتا تھا بلکہ شاہ اکثر خود بلا بھیجتا تھا کیونکہ عقل و دانش کے ساتھ اس کی مزہ مزہ کی باتیں اور حکایتیں اور شعر و سخن، لطائف و ظرائف سن کر وہ بھی بہت خوش ہوتا تھا۔ شاہ یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ خاندانی سردار نمک حلالی اور وفاداری کا جوہر رکھتا ہے اسی واسطے طبل و علم کے ساتھ خانی کا خطاب عطا کیا تھا اور شکار جرگہ میں جو بھی رتبہ بھائی بند شہزادوں کا ہوتا ہے وہ بیرم خاں کا تھا۔

جب ہمایوں ایران سے فوج لے کر پھر ادھر آیا تو قندھار کو گھیرے پڑا تھا۔ بیرم خاں کو ایلچی کر

Marfat.com

کے کامران مرزا اپنے بھائی کے پاس کابل بھیجا کہ اسے سمجھا کر راہ پر لائے۔ اور یہ نازک کام حقیقت میں اسی کے قابل تھا رستہ میں ہزارے کی قوم نے روکا اور سخت لڑائی ہوئی۔ بہادر نے ہزاروں کو مارا اور سینکڑوں کو باندھا اور بھگایا۔ میدان صاف کر کے کابل پہنچا۔ وہاں کامران سے ملا اور اس انداز سے مطلب ادا کئے کہ اس وقت اس کا پتھر دل بھی نرم ہوا۔ کامران سے کچھ کام نہ نکلا۔ البتہ اتنا فائدہ ہوا کہ بعض شہزادے اور اکثر سردار کچھ اسکی رفاقت میں اور کچھ اس کی قید میں تھے سب سے جدا جدا ملا۔ ہمایوں کی طرف سے بعض کو تحفے دیئے۔ بعض کو مراسلوں کے ساتھ بہت سے محبت کے پیام پہنچائے اور سب کے دلوں کو پرچایا۔ کامران نے اتنا پردہ کیا کہ ڈیڑھ مہینے کے بعد خانہ زاد بیگم بڑی پھوپھی کو بیرم خاں کیساتھ مرزا عسکری کی طرف روانہ کیا کہ اسے سمجھائے۔ اور ہمایوں کو عذر معذرت کے ساتھ صلح کا پیغام بھیجا۔

ہمایوں کا قندھار فتح کرنا:

جب ہمایوں نے قندھار فتح کیا تو جس طرح شاہ سے اقرار کر آیا تھا وہ علاقہ ایرانی سپہ سالار کے حوالے کر دیا اور آپ کابل کو چلا جسے کامران بھائی دبائے بیٹھا تھا۔ امرا نے کہا کہ جاڑے کا موسم سر پر ہے۔ رستہ کڈھب ہے، عیال اور اسباب کا ساتھ لے چلنا مشکل ہے۔ بہتر ہے کہ قندھار سے بداغ خاں کو رخصت کیا جائے۔ حرم بادشاہی بھی یہاں آرام پائیں گے اور خانہ زادوں کے عیال بھی ان کے سایہ میں رہیں گے۔ ہمایوں کو بھی یہ صلاح پسند آئی اور بداغ خاں کو پیغام بھیجا۔ ایرانی فوج نے کہا کہ جب تک ہمارے شاہ کا حکم نہ آئے ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔ ہمایوں لشکر سمیت باہر پڑا تھا۔ ملک برفانی اس پر بے سامانی غرض سخت تکلیف میں تھے۔

امرا نے سپاہیانہ منصوبہ کھیلا۔ پہلے کئی دن ولایتی اور ہندی سپاہی بھیس بدل کر شہر میں جاتے رہے گھاس اور لکڑیوں کی گٹھریوں میں ہتھیار پہنچاتے رہے۔ ایک دن صبح نور کے تڑکے گھاس کے اونٹ لدے ہوئے شہر کو جاتے تھے کئی سردار اپنے اپنے بہادر سپاہیوں کو ساتھ لئے انہیں کی آڑ میں دبکے دبکے شہر کے دروازہ پر جا پہنچے۔ یہ جانباز مختلف دروازوں سے گئے تھے چنانچہ گندگان دروازہ سے بیرم خاں نے بھی حملہ کیا تھا۔ پہرے والوں کو کاٹ کر ڈال دیا اور دم کے دم میں اس طرح پھیل گیا کہ ایرانی حیرانی میں آ گئے۔ ہمایوں مع لشکر شہر میں داخل ہوا اور جاڑا آرام سے بسر کیا۔

لطیفہ یہ ہے کہ شاہ کو بھی خالی نہ چھوڑا۔ ہمایوں نے مراسلہ لکھا کہ بداغ خاں نے تعمیل احکام میں کوتاہی کی اور ہمراہی سے انکار کیا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سے ملک قندھار لیا جائے

Marfat.com

اور بیرم خاں کے سر پڑ کیا جائے کہ بیرم خاں دامن دولت سے وابستہ ہے۔ اور خاک ایران کا پتلا ہے یقین ہے کہ اب بھی ملک مذکور کو آپ دربار ایران سے متعلق سمجھیں گے۔ خاص اس معرکہ میں بیرم خاں کی ہمت یا حسن تدبیر پر اہل نظر بہت سوچ کر رائے لگائیں کہ قابل تعریف ہے یا محل اعتراض۔ کیونکہ اسے جس زور سے اپنے آقا کی خدمت کیلئے جانفشانی کرنی واجب تھی۔ اسی طرح آقا کو یہ بھی سمجھانا واجب تھا کہ برف کا موسم گزر جائیگا مگر بات رہ جائے گی اور دربار ایران بلکہ ملک ایران اس معاملہ کو سن کر کیا کہے گا۔ جس لشکر اور سر کی بدولت ہم کو یہ دن نصیب ہوئے اسی کو ہم تلوار سے کاٹیں اور اس برف و باران میں تلوار کی آنچ دکھا کر گھروں سے نکالیں کب مناسب ہے۔ افسوس باوفا بیرم یہ اس شاہ کی فوج اور سردار فوج ہے جس سے خلوت وجلوت میں تم کیا کیا باتیں کرتے تھے اور اب اگر کوئی موقع آن پڑے تمہیں وہاں جانے کا منہ ہے یا نہیں۔ بیرم خاں کے طرفدار ضرور کہیں گے کہ وہ نوکر تھا اور اس اکیلے آدمی کی رائے جلسہ مشورہ کو کیونکر دبا سکتی تھی۔ اسے یہ بھی خطر ہوگا کہ امرائے ماوراء النہری آقا کے دل میں میری طرف سے یہ شک نہ ڈالیں کہ بیرم خاں ایرانی ہے ایرانیوں کی طرف داری کرتا ہے۔

دوسرے برس ہمایوں نے پھر کابل پر فوج کشی کی اور فتح پائی۔ بیرم خاں کو قندھار کا حاکم کر کے چھوڑ آیا تھا۔ کابل کا فتحنامہ جو ہمایوں نے لکھا تو یہ شعر خود کہے اور اپنے ہاتھ سے اس پر لکھے اور فتح نامے کو محبت نامہ بنا کر بیرم خاں کو بھیجا۔

شکر للہ کہ باز شادانیم	بر رخِ یار دوست خندانیم	دشمنان را بکام دل دیدیم	میوۂ باغ فتح را چیدیم
روز نوروز بیرم است امروز	دلِ احباب بے غم است امروز	شاد باد ا ہمیشہ خاطرِ یار	غم نگر زو بگر دیار و دیار
ہمہ اسباب عیش آمادہ است	دل بفکر وصالت افتادہ است	کہ جمالِ حبیب بے بینم	گل ز باغِ وصال کے چینم
گوش خرم شوز گفتارت	دیدہ روشن شود ز دیدارت	در حریم حضور شاد بہم	بنشینیم خرم و بے غم
بعد ازاں فکر کار ہند کنیم	عزم تسخیر ملک سند کنیم	ہر درے بستہ کشادہ شود	ہر چہ خواہیم ازاں زیادہ شود
آنچہ خواہیم از زمان و زمیں	نگوید آمین جبرئیل امین	ای الٰہی میرم گرداں	دو جہاں را مسخرم گرداں

اور خط کے حاشیہ پر یہ رباعی لکھی۔ رباعی

اے آنکہ انیس خاطرِ محزونی چوں طبع لطیف خویش موزونی
بے یاد توام نیست زمانے ہرگز آیا تو بیادِ من محروں چونی

بیرم خاں نے اس کے جواب میں اس طرح عقیدت ظاہر کی۔ رباعی

آے آنکہ بذات سایۂ بیچونی از ہر تراوصف کنم افزونی

Marfat.com

چوں میدانی کہ بے تو چوں میگزرد چوں مے پُرسی کہ در فراقم چونی

بیرم خاں قندھار میں تھا وہاں کے انتظام کرتا تھا اور جو حکم پہنچتے تھے نہایت گرم جوشی اور عرق ریزی سے تعمیل کرتا تھا۔ باغیوں اور نمک حراموں کو کبھی مار کر بھگاتا تھا۔ کبھی تابع کر کے دربار کو روانہ کرتا تھا۔

تاریخ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وطن کے امراو شرفا نے بابر سے کیسی بے وفائی اور نمک حرامی کی تھی۔ مگر اس کی مروت نے بے وفاؤں سے کبھی آنکھ نہ چرائی تھی۔ اسی باپ کی آنکھ سے ہمایوں نے سرمہ مروت کا نسخہ لیا تھا۔ اس لئے بخارا و سمرقند اور فرغانہ کے بہت لوگ آن موجود ہوئے تھے۔ اول تو قدیم الایام سے توران کی خاک ایران کی دشمن ہے۔ اس کے علاوہ تورانیوں کا مذہب بھی سنت و جماعت ہے۔ ایرانی تمام شیعہ، غرض ۹۶۱ھ میں ہمایوں کو شبہ ڈالا کہ بیرم خاں قندھار میں خودسری کا ارادہ رکھتا تھا اور شاہ ایران سے سازش رکھتا ہے۔ صورت احوال کے سامان ایسے تھے کہ ہمایوں کی نظر میں اس شبہ کا سایہ یقین کا پتلا بن گیا۔ چوں مضامین جمع گردو شاعری دشوار نیست۔ کابل کے جھگڑے۔ ہزاروں اور افغانوں کی سرشوریاں۔ سب اسی طرح چھوڑیں اور چند سواروں کے ساتھ گھوڑے مار کر خود قندھار پر جا کھڑا ہوا۔ بیرم خاں بڑا مزشناس اور معاملہ فہم تھا اس نے بدگویوں کی بدی اور ہمایوں کی بدگمانی پر ذرا دل میلا نہ کیا۔ اور اس عقیدت اور عجز و نیاز سے خدمت بجالایا کہ خود بخود چغل خوروں کے منہ کالے ہو گئے۔ دو مہینے ہمایوں وہاں ٹھہرا۔ ہندوستان کی مہم سامنے تھی خاطر جمع سے کابل کو پھرا۔ بیرم خاں کو بھی حال معلوم ہو گیا تھا چلتے ہوئے عرض کی۔ غلام کو حضور اپنی خدمت میں لے چلیں۔ منعم خاں یا جس جاں نثار کو مناسب سمجھیں یہاں چھوڑیں۔ ہمایوں بھی اس کے جوہروں کو پرکھ چکا تھا اس کے علاوہ قندھار ایک ایسے نازک موقع پر واقع ہوا تھا کہ ادھر ایران کا پہلو تھا۔ ادھر ترکان ازبک کا۔ ادھر سرکش افغانوں کا اس لئے وہاں سے اس کا سرکانا مصلحت نہ سمجھا۔ بیرم خاں نے عرض کی کہ اگر یہی مرضی ہے تو ایک اور سردار میری اعانت کو مرحمت ہو چنانچہ بہادر خاں علی قلی خاں شیبانی کے بھائی کو زمین داور کا حاکم کر کے چھوڑا۔

ایک دفعہ کسی ضرورت کے سبب سے بیرم خاں کابل میں حاضر ہوا۔ اتفاقاً عید رمضان کی دوسری تاریخ تھی ہمایوں بہت خوش ہوا۔ اور بیرم خاں کی خاطر سے باسی عید کو تازہ کر کے دوبارہ جشن شاہانہ کے ساتھ دربار کیا۔ دوبارہ نذریں گزریں اور سب کو خلعت اور انعام و اکرام دیئے۔ قبق اندازی اور چوگان بازی کے ہنگامے گرم ہوئے۔ بیرم خاں اکبر کو لیکر میدان میں آیا اس ۱۰ برس کے لڑکے نے جاتے ہی کدو پر تیر مارا اور ایسا صاف اڑایا کہ غل مچ گیا۔ بیرم خاں نے مبارکباد میں قصیدہ

Marfat.com

کہا مطلع

عقد قیق ربود خدنگ تو از کجک   کرد از ہلال صورت پروین شہاب حک

ایک رکے عہد میں بھی کئی سال قندھار اس کے نام پر رہا شاہ محمد قندھاری اس کی طرف سے نائب تھا۔ وہی انتظام کرتا تھا۔

ہمایوں نے آکر کابل کا انتظام کیا اور لشکر لیکر ہندوستان کو روانہ ہوا۔ بیرم خاں کب سے بیٹھا جاتا تھا قندھار سے برابر عرضیاں شروع کر دیں کہ اس مہم میں غلام خدمت سے محروم نہ رہے۔ ہمایوں نے فرمان طلب بھیجا۔ وہ اپنے پرانے کار آزمودہ دلاوروں کو لیکر دوڑا اور پشاور کے ڈیروں لشکر میں شامل ہوا۔ سپہ سالاری کا خطاب ملا اور صوبہ قندھار جاگیر میں عنایت ہو کر ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ یہاں بھی امرا کی فہرست میں سب سے پہلے بیرم خاں کا نام نظر آتا ہے۔ جس وقت پنجاب میں داخل ہوئے ادھر ادھر کے ضلعوں میں بڑے بڑے لشکر افغانوں کے پھیلے ہوئے تھے مگر ادبار آچکا تھا کہ انہوں نے کچھ بھی ہمت نہ کی لاہور تک بے جنگ ہمایوں کے ہاتھ آیا۔ ہمایوں لاہور میں ٹھہرا اور امرا کو آگے روانہ کیا۔ افغان کہیں کہیں تھے۔ مگر جہاں تھے گھبرائے ہوئے تھے۔ اور آگے کو بھاگے جاتے تھے۔ جالندھر پر لشکر شاہی کا مقام تھا۔ خبر آئی کہ تھوڑی دور آگے افغانوں کا انبوہ کثیر جمع ہو گیا ہے۔ خزانہ و مال بھی سب ساتھ ہے۔ اور آگے کو جایا چاہتا ہے۔

تردی بیگ مال کے عاشق تھے۔ انہوں نے چاہا کہ بڑھ کر ہاتھ ماریں۔ خان خاناں سپہ سالار نے کہلا بھیجا کہ مصلحت نہیں۔ بادشاہی جمعیت تھوڑی ہے غنیم کا انبوہ ہے اور خزانہ و مال اس کے پاس ہے مبادا کہ پلٹ پڑے اور مال کے لئے جان پر کھیل جائے اکثر امرا کی رائے خان خاناں کے ساتھ تھی۔ یہ اس نے نہ مانا اور چاہا کہ اپنی جمعیت کے ساتھ دشمن پر جا پڑے۔ دوستوں میں تلوار چل گئی۔ طرفین سے بادشاہ کو عرضیاں گئیں وہاں سے ایک امیر فرمان لے کر آیا اپنوں کو آپس میں ملایا اور لشکر آگے روانہ ہوا۔

افغانوں پر حملہ:

ستلج پر آکر پھر اختلاف ہوا خبر لگی کہ ماچھی واڑہ کے مقام پر ۳۰ افغان ستلج پار پڑے ہیں۔ خان خاناں اسی وقت اپنی فوج لیکر روانہ ہوا کسی کو خبر نہ کی اور مارا مار دریا پار اتر گیا شام قریب تھی کہ دشمن کے قریب جا پہنچا۔ جاڑے کا موسم تھا خبردار نے خبر دی کہ افغان ایک آبادی کے پاس پڑے ہیں اور خیموں کے آگے لکڑیاں اور گھاس جلا جلا کر سینک رہے ہیں تا کہ جاگتے رہیں اور روشنی میں رات کی

Marfat.com

بھی حفاظت رہے۔اس نے اور بھی غنیمت سمجھا۔دشمن کی کثرت کا ذرا خیال نہ کیا ایک ہزار سوار سے کہ خاص جان نثار تھے گھوڑے اٹھائے اور فوج دشمن کے پہلو پر جا کھڑا ہوا وہ بجواڑہ کے مقام میں پانی کے کنارے پر پڑے تھے سر اٹھایا تو موت چھاتی پر نظر آئی۔گھبرا گئے۔احمقوں نے جتنی لکڑیاں اور گھاس کے ڈھیر تھے سب میں بلکہ ان کے ساتھ آبادی کے چھپروں میں بھی آگ لگا دی کہ خوب روشنی ہو جائیگی تو دشمن کو اچھی طرح دیکھیں گے ترکوں کو اور بھی موقع ہاتھ آیا خوب تاک تاک کر نشانے مارنے لگے۔افغانوں کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی۔علی قلی خاں شیبانی کہ خان خاناں کی دستگیری سے ہمیشہ قوی بازو تھا سنتے ہی دوڑا اور سرداروں کو خبر ہوئی وہ بھی اپنی اپنی فوجیں لیکر دوڑا دوڑ آن پہنچے۔افغان بد حواس ہو گئے۔لڑائی کا بہانہ کر کے سوار ہوئے۔خیمے ڈیرے اسباب اسی طرح چھوڑا۔اور سیدھے دلی کو بھاگ گئے۔بیرم خاں نے فوراً خزانوں کا بندوبست کر لیا۔جو عجائب ونفائس گھوڑے ہاتھی ہاتھ آئے عرضی کے ساتھ لاہور کو روانہ کئے۔ہمایوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک جئے گا ہندوستان میں کسی بندے کو بردہ نہ سمجھے گا چنانچہ جو عورت لڑکی لڑکا گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا اور ترقی اقبال کی دعائیں لیں اس وقت ماچھی واڑے میں بڑی آبادی تھی۔بیرم خاں آپ وہاں رہا اور سرداروں کو جابجا افغانوں کے پیچھے روانہ کیا۔دربار میں جب عرضی پیش ہوئی اور اجناس واموال نظر سے گزرے سب خدمتیں مقبول ہوئیں۔اور القاب میں خان خاناں کے خطاب پر یار وفادار اور ہمدم غمگسار کے الفاظ بڑھائے۔اس کے نوکروں کیلئے کیا اشراف۔کیا پاجی،کیا ترک،کیا تاجیک،سقہ،فراش،باورچی،ساربان تک سب کے نام بادشاہی دفتر میں داخل ہو گئے اور خانی وسلطانی کے خطابوں سے زمانہ میں نامدار ہوئے۔اور سنبھل کی سرکار اس کی جاگیر لکھی گئی۔

سکندر سور ۸۰ ہزار افغان کا لشکر جرار لئے سرہند پر پڑا تھا۔اکبر بیرم خاں کے سایہ اتالیقی میں اس پر فوج لیکر گیا۔مہم مذکور میں بھی خوش اسلوبی سے طے ہوئی۔اس کے فتح نامے اکبر کے نام سے جاری ہوئے۔بارہ تیرہ برس کے لڑکے کو گھوڑا کدانے کے سوا اور کیا آتا ہے مگر وہی بات۔ ع اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست۔

ہمایوں کا دلی پر قبضہ اور جشن شاہانہ:

جب ہمایوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو جشن شاہانہ ہوئے۔امراء کو علاقے خلعت انعام واکرام ملے۔سب انتظام خان خاناں کی تجویز اور اہتمام سے تھے۔سرہند کا صوبہ اس کے نام پر ہوا کہ ابھی وہاں فتح عظیم حاصل کی تھی۔سنبھل علی قلی خاں شیبانی کو ملا۔پٹھان پنجاب کے پہاڑوں میں پھیلے

Marfat.com

ہوئے تھے۔۹۶۳ھ میں ان کی جڑ اکھاڑنے کے لئے اکبر کو فوج دیکر بھیجا۔اس مہم کے بھی کل کاروبار خان خاناں کے ہاتھ میں دیئے۔اتالیقی و سپہ سالاری کا عہدہ تھا۔اور اکبر اسے خان بابا کہتا تھا۔ ہونہار شہزادہ پہاڑوں میں دشمن شکاری کی مشق کرتا پھرتا تھا کہ دفعتاً ہمایوں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ خان خاناں نے اس خبر کو بڑی احتیاط سے چھپا رکھا۔لشکر کے امرا کو نزدیک دور سے جمع کر لیا۔وہ سلطنت کے آئین و آداب سے خوب واقف تھا۔شاہانہ دربار کیا۔اور تاج شاہی اکبر کے سر پر رکھا۔ اکبر باپ کے عہد سے اس کی خدمتیں اور عظمتیں دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ برابر تین پشت کا خدمت گزار ہے۔چنانچہ اتالیقی و سپہ سالاری پر وکیل مطلق کا منصب زیادہ کیا۔عنایات و اختیارات کے علاوہ خطاب خان بابا القاب میں داخل کیا۔اور خود زبان سے کہا کہ خان بابا حکومت و امارت کے بندوبست۔موقوفی و بحالی کے اختیار، سلطنت کے بدخواہوں اور خیرخواہوں کا باندھنا، مارنا، بخشنا، سب تمہیں اختیار ہے۔کسی طرح کے وسواس کو دل میں راہ نہ دو۔اور اسے اپنا ذمہ سمجھو۔یہ سب اس کے معمولی کام تھے۔فرمان جاری کر دیئے۔اور سب کاروبار بدستور کرتا رہا۔بعض سرداروں پر خود سرل کا خیال تھا۔ان میں سے ابوالمعالی تھے۔انہیں فوراً باندھ لیا۔اس نازک کام کو اس خوبصورتی سے طے کر دینا خان خاناں ہی کا کام تھا۔

اکبر دربار و لشکر سمیت جالندھر میں تھا۔جو خبر پہنچی کہ ہیمو ڈھوسر نے آگاہ لیکر دلی مار لی۔تردی بیگ حاکم وہاں کا بھاگا چلا آتا ہے۔سب حیران رہ گئے۔اور اکبر بھی بچپن کے سبب سے گھبرایا۔وہ اسی امر میں جان گیا تھا کہ ہر ایک سردار کتنے کتنے پانی میں ہے۔بیرم خاں سے کہا کہ خان بابا تمام ملکی و مالی کاروبار کا تمہیں اختیار ہے۔جس طرح مناسب دیکھو کرو۔میری اجازت پر نہ رکھو۔تم عموئے مہربان ہوں۔تمہیں والد بزرگوار کی روح مبارک کی اور میرے سر کی قسم ہے کہ جو مناسب دیکھنا سو کرنا، دشمنوں کی کچھ پرواہ نہ کرنا۔خان خاناں نے اسی وقت امرا کو بلا کر مشاورت کی۔ہیموں کا لشکر لاکھ سے زیادہ سنا گیا تھا۔اور بادشاہی فوج ۲۰ ہزار تھی۔سب نے بالاتفاق کہا کہ دشمن کی طاقت اور اپنی حالت ظاہر ہے۔ملک بیگانہ۔اپنے تئیں ہاتھیوں سے کچلوانا اور چیل کوؤں کو گوشت کھلانا کونسی بہادری ہے؟ اس وقت مقابلہ مناسب نہیں کابل کو چلنا چاہئے وہاں سے فوج لے کر آئیں گے اور سال آئندہ میں افغانوں کا بخوبی علاج کرینگے۔

خان خاناں نے کہا کہ جس ملک کو دو دفعہ لاکھوں جانیں دے کر لیا۔اس کو بے تلوار ہلائے چھوڑ جانا۔ڈوب مرنے کی جگہ ہے۔بادشاہ تو ابھی بچہ ہے۔اسے کوئی الزام نہ دیگا۔اس کے باپ نے عزتیں بڑھا کر ایران توران تک ہمارا نام روشن کیا۔وہاں کے سلاطین و امرا کیا کہیں گے اور سفید

Marfat.com

ڈاڑھیوں پر یہ روسیاہی کا وسمہ کیسا زیب دیگا۔ اس وقت اکبر تلوار ٹیک کر بیٹھ گیا اور کہا خان بابا درست کہتے ہیں۔ اب کہاں جانا اور کہاں آنا بن مرے مارے ہندوستان نہیں چھوڑا جا سکتا یا تخت یا تختہ۔

بچہ کی اس تقریر سے بڈھوں کی خشک رگوں میں جرات کا خون سرسرایا۔ اور کوچ کا حکم ہو گیا۔ دلی کی طرف فتح کے نشان کھول دیئے۔ رستہ میں بھاگے بھٹکے سردار اور سپاہی بھی آ کر ملنے شروع ہوئے۔ خان خاناں، فرزانگی، سخاوت، شجاعت کے لحاظ سے یکتا تھے مگر جوہری زمانہ کی دکان میں ایک عجب رقم تھے کسی کو بھائی کسی کو بھتیجا بنا لیتے تھے۔ تردی بیگ کو بھی تقان سردی کہا کرتے تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ دلوں سے دونوں امیر آپس میں کھٹکے ہوئے تھے اور صورتیں درباروں کے معمولی امر اتفاقی ہیں دونوں ایک آقا کے نوکر تھے۔ خان خاناں کو اپنے بہت سے حقوق و اوصاف کے دعوے تھے۔ اسے جو کچھ تھا قدامت کا دعوے تھا۔ منصوبوں کے رشک اور خدمتوں کی رقابت سے دونوں کے دل بھرے ہوئے تھے۔ اب ایسا موقع آیا کہ خان خاناں کا تیر تدبیر نشانے پر بیٹھا۔ چنانچہ اس کی بے ہمتی اور نمک حرامی کے حالات کیا نئے کیا پرانے حضور میں عرض کر دیے تھے۔ جس سے کچھ قتل کی بھی اجازت پائی جاتی تھی۔ اب جو وہ شکست کھا کر شکستہ حال شرمندہ صورت لشکر میں پہنچا تو انہوں نے بھی موقع غنیمت سمجھا۔

ان دنوں باہم شکر رنجی بھی تھی چنانچہ پہلے ملا پیر محمد نے جا کر وکالت کی کرامات دکھائی کہ ان دونوں خان خاناں کے خیر خواہ خاص تھے۔ پھر شام کو خاں خاناں سیر کرتے ہوئے نکلے۔ پہلے آپ اس کے خیمہ میں گئے پھر وہ ان کے خیمہ میں آیا۔ بڑی گرمجوشی سے ملے۔ تو قان بھائی کو بڑی تعظیم اور محبت سے بٹھایا خود ضرورت کے بہانے دوسرے خیمہ میں گئے۔ نوکروں کو اشارہ کر دیا تھا۔ انہوں نے بیچارے کا کام تمام کر دیا۔ اور کئی سرداروں کو قید کر لیا۔ اکبر تیرہ چودہ برس کا تھا شکر بے کا شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ جب آیا تو خلوۃ میں ملا پیر محمد کو بھیجا۔ انہوں نے جا کر پھر اس سردار بر دار کی طرف سے اگلے پچھلے نمک حرامیوں کے نقش بٹھائے۔ اور یہ بھی عرض کی کہ فدوی خود تغلق آباد کے میدان میں دیکھ رہا تھا اس کی بے ہمتی سے فتح کی ہوئی لڑائی شکست ہو گئی۔ خان خاناں نے عرض کی ہے کہ حضور دریائے کرم ہیں فدوی کو خیال ہوا کہ اگر آپ نے آ کر اس کی خطا معاف کر دی پھر تدارک نہ ہو سکے گا۔ مصلحت وقت پر نظر کر کے غلام نے اسے مارا تو سخت گستاخی ہے۔ اور موقع نہایت نازک ہے اگر اس وقت چشم پوشی کی تو سب کام بگڑ جائیگا۔ اور حضور کے بڑے بڑے ارادے ہیں۔ نمک خوار ایسا کرینگے تو مہمات کا سرانجام کیونکر ہوگا۔ اس لئے یہی مصلحت سمجھی۔ اگرچہ گستاخانہ جرات ہے مگر اس وقت حضور معاف فرمائیں۔

Marfat.com

اکبر نے ملا کی بھی خاطر جمع کی اور جب خان خاناں نے حضوری کے وقت عرض کی تو اس وقت بھی اسے گلے لگایا اور اس کی تجویز پر آفرین وتحسین کر کے فرمایا کہ میں تو مکرر کہہ چکا ہوں کہ اختیار تمہارا ہے کسی کی پروا اور کسی کا لحاظ نہ کرو۔ اور حاسدوں اور خود مطلبوں کی ایک بات نہ سنو جو مناسب دیکھو وہ کرو۔ ساتھ یہ مصرع پڑھا۔ دوست گردوست شود ہر دو جہاں دشمن گیر۔ باوجود اس کے اکثر مورخ یہی لکھتے ہیں کہ اس وقت اگر ایسا نہ ہوتا تو چغتائی امیر ہرگز قابو میں نہ آتے۔ اور وہی شیر شاہی شکست کا معاملہ پھر ہو جاتا۔ یہ انتظام دیکھ کر ایک ایک مغل سردار کہ اپنے تئیں کیکاؤس اور کیقباد سمجھے ہوئے تھا ہوشیار ہو گیا۔ اور خودسری اور نفاق کا خیال بھلا کر سب ادائے خدمت پر متوجہ ہو گئے یہ سب کچھ ہوا۔ اور اس وقت سب حریف دبک بھی گئے مگر دلوں میں ہر کے گھونٹ پی پی کر رہ گئے۔ غرض پانی پت کے میدان میں ہیموں سے مقابلہ ہوا۔ اور ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ اکبری سکہ کا نقش فتوحات کے تمغوں پر بیٹھ گیا۔ مگر اس معرکہ میں جتنی بیرم خاں کی ہمت اور تدبیر تھی اس سے زیادہ علی قلی خاں کی شمشیر تھی، غرض ہیمو زخمی شکستہ بستہ اکبر کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔ شیخ گدائی کنبوہ نے اکبر کو کہا کہ جہاد اکبر کیجئے۔ ہمت اکبر نے گوارا نہ کیا۔ آخر بیرم خاں نے بادشاہ کی مرضی دیکھ کر یہ شعر پڑھا

چہ حاجت تیغ شاہی را بخون ہر کس آلودن　　تو بنشین و اشارت کن بچشمے یا بروئے

اور بیٹھے بیٹھے ایک ہاتھ جھاڑا۔ پھر حضرت شیخ نے خود ایک ہاتھ پھینکا۔ مرے کو ماریں شاہ مدار۔ اہل اللہ لوگ حال وقال کی مجلسوں کو رونق دینے والے۔ انہیں یہ ثواب کی نعمت کہاں ملتی۔ ع اچھا ہوا کہ دل کا یہ ارماں نکل گیا۔ آزاد۔ دیکھنا، قسمت والے ایسے ہوتے ہیں جہاد اکبر کا ثواب کیسا سستا ہاتھ آیا ہے۔ یہ سب تو درست۔ مگر خان خاناں تمہارے لوہے کو زمانے نے مانا۔ کون تھا جو تمہاری بہادری کو تسلیم نہ کرتا۔ میدان جنگ میں مقابلہ ہو جاتا تو بھی تمہارے لئے بنئے بچارے کا مار لینا فخر نہ تھا۔ چہ جائیکہ اس حالت میں نیم جان مردے کو مار کر اپنی دلاوری اور عالی ہمتی کے دامن پر کیوں داغ لگایا۔

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا　　جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا　　نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خان خاناں نے اسے زندہ کیوں رکھا۔ منتظم آدمی تھا۔ رہتا تو بڑے بڑے کام کرتا۔ آزاد سب کہنے کی باتیں ہیں۔ جب معرکہ کا وقت ہوتا ہے تو عقل خرچ میں آ جاتی ہے موقع نکل جاتا ہے تو صلاحیتیں بتاتے ہیں۔ انصاف شرط ہے۔ اس وقت کو تو دیکھو کہ کیا عالم تھا۔ شیر شاہ کا سایہ ابھی آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹا تھا۔ مگر شور افغانوں سے تمام کشور ہندوستان

Marfat.com

طوفان آتش ہو رہا تھا۔ ایسے زبردست اور فتح یاب غنیم پر فتح پائی۔ گرداب فنا سے کشتی نکل آئی۔ اور وہ بندھ کر سامنے حاضر ہوا ہے۔ دل کا جوش اس وقت کس کے قابو میں رہتا ہے۔ اور سے سوجھتا ہے کہ یہ رہے گا تو اس سے فلاں کارخانہ کا انتظام خوب ہوگا۔ غرض فیروری کے ساتھ دلی پہنچے۔ اور ادھر اُدھر فوجیں بھیج کر انتظام شروع کر دیئے۔ اکبر کی بادشاہی تھی اور بیرم خاں کی سربراہی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ شکار کو جانا۔ شکارگاہوں میں رہنا۔ محل میں کم جانا اور جو کچھ ہو باجازت خانخاناں۔

امرائے دربار اور بابری سردار:

اگرچہ امرائے دربار اور بابری سردار اس کے بالیاقت اختیاروں کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ مگر کام ایسے پیچیدہ پیش آتے تھے کہ اس کے سوا کوئی ہاتھ نہ ڈال سکتا تھا۔ سب کو اس کے پیچھے پیچھے چلنا ہی پڑتا تھا۔ اسی عرصہ میں کچھ جزدی جزدی باتوں پر بادشاہ اور وزیر میں اختلاف پڑا۔ اس پر یاروں کا چمکانا غضب۔ خدا جانے نازک مزاج وزیر کئی دن تک سوار نہ ہوا۔ یا قدرتی بات ہوئی کہ کچھ بیمار ہوا۔ اس لئے کئی دن حضور میں نہ گیا۔ موقع وہ کہ سنہ دوم جلوس میں سکندر کوہستان جالندھر میں محصور ہوا ہے۔ اکبری لشکر قلعہ مانکوٹ کو گھیرے ہوئے تھے۔ خان خاناں کے دنبل نکلا تھا کہ سوار بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اکبر نے فتوحا اور لکھنہ ہاتھی سامنے منگائے۔ اور لڑائی کا تماشا دیکھنے لگا۔ یہ بڑے دھاوے کے ہاتھی تھے۔ دیر تک آپس میں ریلتے دھکیلتے رہے اور لڑتے لڑتے بیرم خاں کے خیموں میں آن پڑے۔ تماشائیوں کا ہجوم، عوام کا شوروغوغا، بازار کی دکانیں پامال ہو گئیں۔ اور ایسا غل مچا کہ بیرم خاں گھبرا کر باہر نکل آیا۔

خان خاناں کو شمس محمد خاں اتکہ کی طرف خیال ہوا کہ اس نے کچھ بادشاہ کے کان بھرے ہونگے۔ اور ہاتھی بھی بادشاہ کے اشارہ سے ادھر ہو لئے گئے ہیں۔ ماہم اتکہ لیاقت کی پتلی اور بڑی حوصلے والی بی بی تھی۔ خان خاناں نے اس کی زبانی کہلا بھیجا کہ اپنی دانست میں کوئی خطا خیال میں نہیں آئی کہ خانہ زاد سے ظہور میں آئی ہو پھر اس قدر بے اعتنائی کا سبب کیا ہے۔ اگر اس خیر اندیش کی طرف سے کوئی بات خلاف واقع حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہوا کہ فدوی اس کا عذر کرے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ فدوی کے خیمہ پر ہاتھی ہول دیئے۔ اسی عرض و معروض کے ساتھ ایک بی بی محل میں مریم مکانی کی خدمت میں پہنچی۔ ماہم نے جو حال تھا وہ خود ہی بیان کر دیا اور کہا کہ ہاتھی اتفاقاً ادھر آن پڑے بلکہ قسمیہ کہا کہ نہ کسی نے تمہاری طرف سے کہا ہے۔ نہ حضور کو کچھ خیال ہے۔ لاہور میں پہنچے تو اتکہ خاں اپنے بیٹوں کو لے کر خان خاناں کے پاس آئے۔ اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ

Marfat.com

میں نے خلوت یا جلوت میں ہرگز تمہارے باب میں حضور سے کچھ نہیں کہا۔ اور نہ کہوں گا۔ مورخ یہی کہتے ہیں کہ خان خاناں کی خاطر جمع اب بھی نہ ہوئی۔

اکبر کی دانائی کا نمونہ:

اکبر کی دانائی کا نمونہ اس عمر میں اتنی سی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی پھوپھی کی بیٹی بہن تھی۔ اور اپنے مرنے سے چند روز پہلے اسکی نسبت بیرم خاں سے ٹھیرادی تھی۔ اس موقع پر کہ ۹۶۴ھ اور سنہ ۲ جلوسی تھے اور لاہور سے آگاہ کو جاتے تھے جالندھر یا دلی کے مقام میں اکبر نے اس کا عقد کر دیا کہ اتحاد کا رشتہ اور مضبوط ہو گیا۔ بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ خان خاناں نے بھی جشن شاہانہ کے سامان کیے۔ اکبر بموجب اس کی تمنا کے مع امرا کے خود اس کے گھر گیا۔ خان خاناں نے بادشاہی نثاروں اور لوگوں کے انعام واکراموں میں وہ دریا بہائے کہ جو سخاوت کی شہر میں زبانوں پر تھیں دامنوں میں آن پڑیں۔ اس شادی میں بیگمات نے بڑی تاکید سے صلاح دی۔ مگر بخاری و ماوراء النہری ترک کہ اپنے تئیں امرا کہہ کہہ کر فخر کرتے تھے۔ اس قرابت سے سخت ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ ایرانی ترکمان اور وہ بھی نوکر۔ اس کے گھر میں ہماری شہزادی جائے۔ یہ ہمیں زنہار گوارا نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ پیر محمد خاں نے اس آگ پر اور بھی تیل ٹپکایا۔ آزاد ایرانی تورانی کا بہانہ تھا۔ اور شیعہ سنی کا افسانہ۔ رشک وہی منصب اور اس کے اختیارات کا تھا۔ آل تیمور اور آل بابر کی انہیں کیا پرواہ تھی۔ خود نمک حرامیاں کر کے بابر کا چھ پشت کا ملک برباد کیا۔ ہندوستان میں آ کر پوتے کے ایسے خیر خواہ بن گئے۔ اور بیرم خاں بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیر زادہ تھا۔ اس کے علاوہ اسکی نھیال کا خاندان تیموری سے رشتہ بھی تھا۔

خواجہ عطار

↓

خواجہ حسن مشہور بہ خواجہ زادہ چغانیاں

↓

مرزا غلام الدین

↓

مرزا انورالدین ← ان کی بی بی شاہ بیگم دختر محمود مرزا۔ ابن سلطان ابو سعید مرزا تھی۔ دختر مذکور چوتھی پشت میں علی شکر بیگ کی نواسی تھی کیونکہ علی شکر بیگ کی بیٹی شاہ بیگم شاہزادہ محمود مرزا سے

Marfat.com

منسوب تھی۔ اس سابقہ رشتے کے خیال سے بابر نے اپنی بیٹی گلرنگ بیگم کو مرزا نورالدین سے منسوب کیا۔ علی شکر کون؟ خان خاناں کے جدسویمی اس سلسلے میں خدا جانے خان خاناں کا خاندان تیموری سے کیا رشتہ ہوا۔ مگر ضرور کچھ نہ کچھ ہوا۔ (دیکھو اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۸ اور مآثر الامرا میں بیرم خاں کا حال)۔

گکھڑ کی قوم کو قدیم سے دعویٰ ہے کہ ہم نوشیرواں کی اولاد ہیں۔ جہلم پار سے اٹک تک کی پہاڑیوں میں یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کے سر شور تھے۔ اور حکومت کے دعوے رکھتے تھے۔ اس وقت بھی ایسے ایسے ہمت والے سرداران میں موجود تھے کہ شیر شاہ ان کے ہاتھوں سے تھک گیا تھا۔ بابر اور ہمایوں کے معاملات میں بھی ان کے اثر پہنچتے رہتے تھے۔ ان دنوں میں سلطان آدم گکھڑ اور اس کے بھائی بڑے دعوے کے سردار تھے۔ اور ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ خان خاناں نے سلطان آدم کو حکمت عملی سے بلایا۔ وہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کی معرفت آیا۔ دربار میں پیش کیا اور خان خاناں نے اسے رسم ہندوستان کے بموجب دستار بدل بھائی بنانا۔ اس ذرا کے ملک داری کے انداز تو دیکھو۔

خواجہ کلاں بیگ:

خواجہ کلاں بیگ ایک پرانا سردار بابر کے عہد کا تھا۔ اس کا بیٹا مصاحب بیگ کہ شرارت اور فتنہ انگیزی میں بے اختیار تھا خان خاناں نے ایک مفسدانہ جرم پر اسے مروا ڈالا۔ اس میں بھی قتل کے بانی ملا پیر محمد تھے۔ مگر دشمنوں کو تو بہانہ چاہئے تھا۔ بدنامی کا شیشہ خان خاناں کے سینے پر توڑا۔ اور تمام امرائے شاہی میں غل مچ گیا بلکہ بادشاہ کو بھی اس کے مرنے کا افسوس ہوا۔

ہمایوں اسے مصاحب منافق کہا کرتا تھا۔ اور اس کی بداعمالیوں سے نہایت تنگ تھا۔ جب کابل میں کامراں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں تو یہ نمک حرام ایک موقع پر ہمایوں کے پاس تھا اور کامران کی خیر خواہی کے منصوبے کھیل رہا تھا۔ اندر اندر اسے پرچے بھی دوڑا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں ہمایوں کو زخمی کروا دیا فوج نے شکست کھائی۔ انجام یہ ہوا کہ کابل ہاتھ سے نکل گیا۔ اکبر خرد سال۔ پھر بے رحم چچا کے پنجہ میں پھنس گیا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ کبھی ادھر ہوتا تھا کبھی ادھر چلا جاتا تھا۔ اور یہ اس کا ادنیٰ کمال تھا۔ ہمایوں ایک دفعہ نواح کابل میں کامران سے لڑ رہا تھا۔ اس موقع پر یہ اور اس کا بھائی مبارز بیگ ہمایوں کے ساتھ تھے۔ ایک دن میدان جنگ میں کسی نے آ کر خبر دی کہ مبارز بیگ مارا گیا۔ ہمایوں نے بہت افسوس کیا۔ اور کہا۔ اس کی جگہ مصاحب مارا جاتا۔ ہمایوں کے بعد اکبری دور ہوا تو شاہ ابوالمعالی جابجا فساد کرتا پھرتا تھا۔ یہ اس کے مصاحب بن گئے۔ اور مدت تک

Marfat.com

اس کے ساتھ خاک اڑاتے پھرے۔خان زمان باغی ہو گیا تو اس کے پاس جا موجود ہوئے۔ بیٹے کو مہر دار کروا دیا۔آپ عہدہ دار بن گئے۔ چند در چند بندوبستوں کے بعد دلی میں آئے۔ خان خاناں نے اس کے باب میں اصلاح مزاج کی تدبیریں کی تھیں مگر ایک کارگر نہ ہوئی اور وہ راہ پر نہ آیا۔ان دنوں دارالخلافہ میں فساد کی تخم ریزی کرنے لگا۔ بیرم خاں نے قید کر لیا۔اور تجویز کی کہ مکہ کو روانہ کر دے۔ملا پیر محمد اس وقت خان خاناں کے مصاحب تھے اور یہ خون کے عاشق تھے انہوں نے کہا قتل۔ پھر بھی قیل وقال کے بعد یہ ٹھہری کہ ایک پرزہ پر قتل ایک پر نجات لکھ کر نمد تکیہ کے نیچے رکھ دو۔ پھر ایک پرچہ نکالو۔وہی حکم غیب ہے۔تقدیر الٰہی یہ کہ پیر کی کرامات سچی نکلی اور مصاحب دلی میں قتل ہوا۔ امرائے بادشاہی میں غل مچ گیا کہ قدیم الخدمتوں کی اولاد اور خاص خانہ زاد مارے جاتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔تیموری خاندان کا آئین ہے کہ خاندانی نوکروں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ بادشاہ کو بھی اس امر کا خیال ہوا۔

ملا پیر محمد:

مصاحب بیگ کی آگ ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ ایک اور شعلہ اٹھا۔ ملا پیر محمد اب بڑھتے بڑھتے امیر الامراء کے درجہ کو پہنچ کر وکیل مطلق ہو گئے تھے۔سنہ ۳ جلوس میں بادشاہ مع لشکر دلی سے آگاہ کو چلے۔خان خاناں اور پیر محمد خاں ایک دن صبح کے وقت شکار کھیلتے چلے جاتے تھے۔ خان خاناں نے اپنے رکاب داروں سے پوچھا کہ بھوک لگی ہے۔ ناشتے کے لئے رکاب خانہ میں کچھ موجود ہے؟ پیر محمد خاں بول اٹھے کہ اگر ذرا ٹھہر جایئے تو جو کچھ حاضر ہے وہ حاضر ہو۔ خان خاناں نوکروں سمیت ایک درخت کے نیچے اتر پڑا۔دستر خوان بچھ گیا ۳ سو پیالی شربت کی اور ے سو غوریاں کھانے کی موجود تھیں خان خاناں کو تعجب ہوا منہ سے کچھ نہ کہا پر دل میں خیال رہا۔ مگر تو بے خبری کاندریں مقام ترا۔ چہ دشمناں حسود ند دوستاں غیور۔اس کے علاوہ چونکہ ملا اب وکیل مطلق تھا ہر وقت حضور میں رہتا تھا سب کی عرضیاں اس کے ہاتھ پڑتی تھیں۔تمام امرا اور اہل دربار بھی اسی کے پاس حاضر ہوتے البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ کم حوصلہ، مغرور، بے رحم اور کمینہ مزاج تھا۔ اہالی واشراف وہاں جاتے تھے اور ذلت اٹھاتے تھے اس پر بھی بہتوں کو بات نصیب نہ ہوتی تھی۔

آگرہ پہنچ کر ملا کچھ بیمار ہوئے۔خان خاناں خبر کو گئے۔کوئی ازبک غلام دروازہ پر تھا۔اسے کیا خبر تھی کہ ملا اصل میں کیا ہے۔اور خان خاناں کا رتبہ کیا ہے۔اور دونوں میں قدیمی علاقہ کیا ہے۔ وہ دن بھر میں بہت سے بڑے بڑوں کو روک دیا کرتا تھا۔اپنی عادت کے بموجب انہیں بھی رکا اور کہا

Marfat.com

کہ جب تک دعا پہنچے آپ ٹھہریں جب بلائیں گے تب جایئے گا۔ ملا آخر خان خاناں کا ۴۰ برس کا نوکر تھا۔ تعجب پر تعجب ہوا جز بز ہو کر رہ گیا۔ اور زبان سے نکلا ع بلے خود کردہ را درماں نباشد۔ لیکن یہ آنا بھی آخر خان خاناں کا آنا تھا۔ یا قیامت کا آنا تھا۔ ملا سنتے ہی خود دوڑے آئے اور کہتے جاتے تھے معذور فرمایئے۔ دربان آپ کو پہچانتا نہ تھا۔ یہ بولے بلکہ تم بھی اس پر بھی یہ ہوا کہ خان خاناں تو اندر گئے خانی ملازموں میں سے کوئی اندر نہ جا سکا فقط طاہر محمد سلطان میر فراغت نے بڑی دھکا پیل سے اپنے تئیں اندر پہنچایا۔ خان خاناں دم بھر بیٹھے اور گھر چلے آئے۔

دو تین دن کے بعد خواجہ امینا (جو اخیر میں خواجہ جہان ہو گئے) اور میر عبداللہ بخشی کو ملا کے پاس بھیجا اور کہا کہ تمہیں یاد ہوگا کتاب بغل میں مارے طالب علم و نامرادی کی وضع سے تم قندھار میں آئے تھے۔ ہم نے تم میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں۔ اور کوئی کوئی خدمت بھی تم سے اچھی بن آئی۔ چنانچہ بدترین درجہ فقر و طالب علمی سے عرش المراتب خانی و سلطانی اور درجہ امیر الامرائی تک پہنچایا۔ مگر تمہارا حوصلہ دولت و جاہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ خطر ہے کہ کچھ ایسا فساد نہ اٹھاؤ جس کا تدارک مشکل ہو جائے۔ ان مصلحتوں پر نظر کر کے چند روز یہ غرور کا اسباب تم سے الگ کر لیتے ہیں۔ تاکہ بگڑا ہوا مزاج اور مغرور دماغ ٹھیک ہو جائے۔ مناسب ہے کہ علم و نقارہ اور اسباب حشمت سب سپرد کر دو ملا کی کیا مجال تھی جو دم مار سکے۔ وہ غرور کا مواد جس نے بہت سی انسان صورتوں کو بے عقل اور خبطی کر رکھا ہے بلکہ انسانیت اور آدمیت کے رستے سے گرایا اور گراتا ہے۔ جنگل کے بھوتوں میں ملایا اور ملاتا ہے۔ اسی وقت سب حوالہ کر دیا۔ اور وہی ملا پیر محمد (1) رہ گئے جو کہ تھے۔ پہلے قلعہ بیانہ کے قید خانے میں بھیج دیا۔ ملا نے ایک رسالہ خان خاناں کے نام پر تصنیف کیا اس میں فقط برہان

(1) ملا پیر محمد یہاں سے چلے۔ گجرات کے پاس رادھن پور میں پہنچ کر مقام کیا۔ وہاں فتح خان بلوچ نے بہت خاطر داری کی یہاں سے ادہم وغیرہ امرا کے خط پہنچے کہ جہاں ہو۔ وہیں ٹھہر جاؤ۔ اور انتظار کرو کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے بیرم خاں کو خبر ہوئی کہ ملا وہاں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کئی سرداروں کو فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ ملا ایک پہاڑ کی گھاٹی میں گھس کر اڑے۔ اور دن بھر اڑے رات کو نکل گئے۔ مال و اسباب ان کا سب بیرم خانی سپاہ کے ہاتھ آیا اہلکار دیکھتے تھے مگر پیش کس کی جائے۔ بادشاہ دیکھتے تھے اور شربت کے گھونٹ پیے جاتے تھے۔ آزاد تماشا دیکھنے والے ان باتوں کو سن کر جو چاہیں باتیں بنائیں۔ لیکن تم غور کرو۔ ایک شخص پر کل سلطنت کا بوجھ ہے۔ درستی و خرابی کا ذمہ دار وہ ہے۔ جب ارکان سلطنت ایسے گردن کش اور خودسر اور سینہ زور ہوں تو وہ ان سے سلطنت کا کام کیونکر چلا سکتا ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ اسکے ہاتھ پاؤں ہیں جب ہاتھ پاؤں بجائے کام کرنے کے کام بگاڑنے والے ہوں تو اسے واجب ہے کہ اور ہاتھ پاؤں پیدا کرے۔ یا کام سے دست بردار ہو جائے۔

Marfat.com

تمانع کو طول و تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اور یہ ایک مشہور مباحثہ علما میں ہے۔ گویا تفسیر ہے اس آیت کی لو کان فیما الھۃ الا للہ لفسدتا ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ تھا اس بات کا کہ میری غلط فہمی تھی جو آپ کی بارگاہ اختیار کے سامنے اپنا خیمہ لگاتا تھا۔ اور اب میں آپ پر ایمان لا کر توبہ کرتا ہوں۔ یہ رسالہ بھی بھیجا۔ اور بہت سے عذر و معذرت کے خط لکھے۔ عجز و انکسار نے پہنچ کر شفاعت کی مگر قبول نہ ہوئی کہ بے وقت تھی۔ چند روز کے بعد براہ گجرات مکہ کو روانہ کر دیا۔ اس کی جگہ حاجی محمد سیستانی کو بادشاہ کا استاد اور وکیل مطلق کر دیا کہ وہ بھی اپنا ہی دامن گرفتہ تھا۔ جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ کچھ نہ کہا مگر رنج ہوا۔

شیخ گدائی (1) کمبوہ شیخ جمالی کے بیٹے تھے اور مشائخوں میں داخل ہو گئے تھے۔ جس وقت ہمایوں کی سلطنت بگڑی اور خان خاناں پر وقت پڑا تو انہوں نے گجرات میں کچھ رفاقت کی تھی۔ اب انہیں صدارت کا منصب دیکر کل اکابر و مشائخ ہند سے اونچا بٹھایا۔ خود ان کے گھر جاتے تھے۔ بلکہ بادشاہ بھی کئی دفعہ گئے تھے اور اس پر لوگوں نے بہت چرچا کیا تھا اور کہتے تھے ع سگ نشیند بہ جائے

(1) مجھے اب تک نہیں کھلا کہ شیخ گدائی کی ذات یا صفات میں کیا داغ تھا۔ ہر صاحب تاریخ ان کے باب میں گول گول باتیں کرتا ہے مگر کھول کر نہیں کہتا۔ جو کچھ حال ان کا اور ان کے خاندان کا مختلف مقاموں سے معلوم ہوا ہے اس کیلئے دیکھو تتمہ۔ خان خاناں نے جو انہیں صدارت کا منصب دیا۔ بادشاہی فرمان میں جہاں اور اعتراض کئے ہیں۔ ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ خان خاناں نے ضرور کہا ہوگا کہ شیخ نے میرے ساتھ جو رفاقت کی تھی۔ شاہ جنت مکان کا ملازم سمجھ کر کی تھی۔ اور بادشاہی امید پر کی تھی۔ اب جو کچھ اس کے ساتھ کیا گیا خدمت بادشاہی کا صلہ ہے۔ کوئی اپنا حق قرابت نہیں ہے۔ جو لوگ باپ دادا کا نام لیکر آج حاضر خدمت ہیں۔ اس وقت کہاں گئے تھے؟ حریفوں کے ساتھ تھے۔ یا جان بچا گئے تھے۔ جنہوں نے رفاقت کی ان کا حق بہر صورت مقدم ہے۔ اور حضور حق شناسی سے قطع نظر کر کے دیکھیں۔ آئین مملکت کیا فتویٰ دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو لوگ برے وقت میں رفاقت کرتے ہیں۔ اگر بھلے وقت ان سے سلوک نہ کیا جائے تو آئندہ کسی کو کیا امید ہوگی۔ اور کس بھروسے پر کوئی رفاقت کریگا مسجد نشین ملانے یا خود غرض لوگ جو چاہیں سو کہیں۔ یہ مسجد و مدرسہ کا وظیفہ نہیں کہ حضرت پیر صاحب کی اولاد ہیں یا مولوی صاحب کے بیٹے ہیں انہیں کو دے دو۔ یہ مہمات سلطنت ہیں۔ ذرا سی اونچ نیچ میں بات بگڑ جاتی ہے۔ اور ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ملک و مملکت تہ و بالا ہو جاتے ہیں۔ اور ذرا ذرا ہی سی بات میں بن بھی جاتے ہیں۔ پھر کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کیا تھا۔ آزاد۔ جن مشائخ اور اماموں سے اونچا بٹھایا تھا۔ غور تو کرو۔ وہ کون تھے؟ وہی بزرگوار جن کا حال چند سال کے بعد کھل گیا۔ اگر ایسے لوگوں سے اونچا بٹھا دیا تو کیا کفر ہو گیا؟)

Marfat.com

گیپائی۔

اب وہ وقت آیا کہ یا تو خان خاناں کی ہر تجویز عین تدبیر تھی۔ یا ہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی۔ اور حکموں پر ناراضیاں بلکہ شور وغل ہونے لگا۔ خیر وہ برائے نام وزیر تھا مگر عقل وتدبیر کا بادشاہ تھا۔ جب لوگوں کے چرچے سنے اور بادشاہ کو بھی کھٹکتے دیکھا تو گوالیار کا علاقہ مدت سے خودسر تھا۔ بادشاہی فوج بھی گئی تھی۔ کچھ بندوبست نہ ہوسکا تھا۔ اس نے بادشاہ سے کچھ مدد نہ لی۔ خاص اپنی ذاتی فوج سے گیا۔ اور اپنے جیب خرچ سے لشکرکشی کی۔ آپ جاکر قلعہ کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے۔ مورچے باندھے اور حملہ ہائے شیرانہ اور شمشیر دلیرانہ سے قلعہ توڑا۔ اور ملک فتح کر دیا۔ بادشاہ بھی خوش ہو گئے اور لوگوں کی زبانیں بھی قلم ہو گئیں۔

ملک مشرقی میں افغانوں نے ایسا سکہ بٹھایا ہوا تھا کہ کوئی امیر ادھر جانے کا حوصلہ نہ کرتا تھا۔ خان زمان کہ بیرم خاں کا داہنا ہاتھ تھا۔ اور اس پر بھی دشمنوں کا دانت تھا۔ اس نے ادھر کی مہم کا ذمہ لیا اور ایسے ایسے کارنامے کئے کہ رستم کے نام کو پھر زندہ کر دیا۔

چندیری اور کالپی کا بھی وہی حال تھا۔ خان خاناں نے اس پر بھی ہمت کی مگر امیروں نے بجائے مدد کے بدمددی کی۔ بنانے کے عوض کام کو خراب کیا۔ غنیموں سے سازشیں کر لیں۔ اس لئے کامیاب نہ ہوا۔ فوج ضائع ہوئی روپیہ برباد ہوا اور ناکام چلا آیا۔

مالوہ کی مہم:

مالوہ کی مہم کا چرچا ہو رہا تھا۔ عرض کی۔ فدوی بذات خود جائیگا۔ اور اپنے خرچ خاص سے اس مہم کو سر کرے گا۔ چنانچہ خود لشکر لیکر گیا۔ امرائے دربار مدد کی جگہ بدخواہی پر کمر بستہ ہو گئے۔ اطراف کے زمینداروں میں مشہور کیا کہ خان خاناں پر بادشاہ کا غضب ہے۔ اور بادشاہ کی طرف سے خفیہ حکم لکھ لکھ کر بھیجے کہ جہاں موقع پاؤ اس کا کام تمام کردو۔ اب اس کا رعب داب کیا رہا۔ اس حالت میں اگر وہ کسی سردار یا زمیندار کو توڑ کر موافق کرے اور انعام یا اعزاز کے وعدے کرے تو کون مانتا ہے۔ انجام یہ ہوا کہ وہاں سے بھی ناکام پھرا۔

بنگالہ کی مہم:

بنگالہ کی مہم کا بیڑا اٹھایا۔ وہاں بھی دو غلے دغاباز دوستوں نے دونوں طرف مل کر کام خراب کر دیئے بلکہ نیک نامی تو درکنار۔ پہلے الزاموں پر طرہ زیادہ ہوا کہ خان خاناں جہاں جاتا ہے جان بوجھ کر کام خراب کرتا ہے۔ بات وہی ہے کہ اقبال کا ذخیرہ ہو چکا۔ جس کام پر ہاتھ ڈالتا تھا۔ بنا ہوا بگڑ

Marfat.com

جاتا تھا۔

اللہ اللہ یا تو وہ عالم کہ جو بات ہے۔ پوچھو خان بابا سے۔ جو مقدمہ ہے۔ کہو خان خاناں سے۔ سلطنت کے سفید وسیاہ کا کل اختیار۔ آفتاب اقبال اس اوج پر کہ جس سے اونچا ہونا ممکن نہیں (مشکل یہ ہے کہ اس نقطہ پر پہنچ کر ٹھہرنے کا حکم نہیں) افسوس اب اس کے ڈھلنے کا وقت آ گیا۔ ظاہری صورتیں یہ ہوئیں کہ بادشاہی ہاتھیوں میں ایک مست ہاتھی فیلبان کے قابو سے نکل گیا۔ اور بیرم خاں کے ہاتھی سے جا لڑا۔ ہر چند بادشاہی فیلبان نے روکا مگر ایک تو ہاتھی اس پر مست نہ دب سکا۔ اور ایسی بے جگہ ٹکر ماری کہ بیرم خاں کے ہاتھی کی انتڑیاں نکل پڑیں۔ خان بڑے خفا ہوئے اور فیل بان شاہی کو قتل کیا۔

انہی دنوں میں ایک خاصہ کا ہاتھی مستی میں آ کر جمنا میں اتر گیا۔ اور بدمستیاں کرنے لگا۔ بیرم خاں بھی کشتی میں سوار سیر کرتے پھرتے تھے کہ ہاتھی اپنی ہتیائی کرنے لگا۔ اور ٹکر کو دریائی ہاتھی پر آیا۔ یہ حال دیکھ کر کناروں سے غل اور دریا میں شور اٹھا۔ ملاح بھی گھبرا گئے۔ ہاتھ پاؤں مارتے تھے اور دل ڈوبے جاتے تھے۔ خاں پر عجب حالت گزری۔ بارے مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا۔ اور بیرم خاں اس آفت سے بچ گئے۔ اکبر کو خبر پہنچی۔ مہاوت کو باندھ کر بھیج دیا مگر یہ پھر چال چوکے کہ اسے بھی وہی سزا دی۔ اکبر کو بڑا رنج ہوا اور تھوڑا بھی ہوا ہو گا تو بڑھانے والے موجود تھے۔ قطرہ کو دریا بنا دیا ہو گا۔ غلطی پر غلطی یہ ہوئی کہ بادشاہ کے خاصہ کے ہاتھی امرا کو تقسیم کر دیئے کہ اپنے اپنے طور پر انہیں تیار کرتے رہیں۔ اس کا عذر یہی ہو گا کہ نوجوان بادشاہ کے خیالات انہی کے سبب سے پریشان ہوتے ہیں۔ نہ یہ ہونگے۔ نہ یہ خرابیاں ہوں گی اور اس کا ہر وقت کا مشغلہ یہی تھا۔ وہ بہت گھبرایا اور دق ہوا۔

خان خاناں کے دشمن تو بہتیرے تھے مگر ماہم بیگم۔ ادھم خاں اس کا بیٹا۔ شہاب خاں اس کا رشتہ کا داماد اور اکثر رشتہ دار ایسے تھے کہ اندر باہر ہر طرح کی عرض کا موقع ملتا تھا۔ اکبر اس کا اور اس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا۔ یہ علامہ بڑھیا ہر دم لگاتی بجھاتی رہتی تھی اور جوان میں سے موقع پاتا تھا۔ بات بات پر اکساتا تھا۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ حضور کو بچا سمجھتا ہے اور خاطر میں نہیں لاتا بلکہ کہتا ہے کہ میں نے تخت پر بٹھایا۔ جب چاہوں اٹھا دوں اور جسے چاہوں بٹھا دوں۔ کبھی کہتے کہ شاہ ایران کے مراسلے اس کے پاس آتے ہیں۔ اور اس کی عرضیاں جاتی ہیں فلاں سوداگر کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے۔

درباری رقیب جانتے تھے کہ بابر اور ہمایوں کے وقت کے پرانے پرانے خدمت گزار کہاں

Marfat.com

کہاں ہیں اور کون اشخاص ہیں جن کے دل میں خان خاناں کی رقابت یا مخالفت کی آگ لگ سکتی ہے۔ان کے پاس آدمی بھیجے۔تمہیں یاد ہے۔شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا اور وہ ان سب باتوں کو خان خاناں کے اختیارات کا پھل سمجھتے تھے۔ان کے پاس بھی خطوط بھیجے اور مقدمات کے ایچ پیچ سے آگاہ کر کے برکت انفاس کے طلب گار ہوئے۔وہ مرشد کامل تھے۔نیت خالص سے شریک ہوئے۔

اگر چہ سلسلہ کلام پھیلتا چلا جاتا ہے مگر اتنی بات کہے بغیر آزاد آگے نہیں چل سکتا کہ باوجود تمام اوصاف وکمالات۔اور دانائی وفرزانگی کے بیرم خاں میں چند باتیں تھیں جو زیادہ تر اسکی برہمی کا سبب ہوئیں۔

(۱) اولعزم صاحب جرات شخص تھا۔جو مناسب تدبیر دیکھتا تھا کر گزرتا تھا۔اس میں کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔اور اس وقت تک زمانہ ایسا پایا تھا کہ سلطنت کی نازک حالتوں اور بھاری مہموں میں دوسرا شخص ہاتھ بھی نہ ڈال سکتا تھا۔اب وہ وقت نکل گئے تھے۔پہاڑ کٹ گئے تھے۔دریا پایاب ہو گئے تھے۔کام ایسے پیش آتے تھے کہ اور بھی کر سکتے تھے۔مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خان خاناں ہوتے ہمارا چراغ نہ جل سکے گا۔

(۲) وہ اپنے اوپر کسی اور کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔پہلے وہ ایسے مقام میں تھا کہ اس سے اوپر جانے کو رستہ بھی نہ تھا۔اب سڑک صاف بن گئی تھی اور ہر شخص کے ہونٹ بادشاہ کے کان تک پہنچ سکتے تھے۔پھر بھی اس کے ہوتے بات کا پیش جانا مشکل تھا۔

(۳) عظیم الشان مہموں اور پیچیدہ معرکوں کے لئے اسے ایسے بالیاقت شخصوں اور سامانوں کا تیار رکھنا واجب تھا۔جن سے وہ اپنی برجستہ تدبیروں اور بلند ارادوں کو پورا کر سکے۔اس کے لئے ریوں کی نہریں اور چشمے قابو میں ہونے چاہئیں۔(جاگیریں اور علاقے) اب تک وہ اس کے ہاتھ میں تھے۔اب ان پر اوروں کو بھی قابض ہونے کی ہوس ہوئی۔لیکن یہ خطر ضرور تھا کہ اس کے سامنے قدم جمنے مشکل ہونگے۔

(۴) اس کی سخاوت اور قدردانی ہر وقت بالیاقت اشخاص کا مجمع اور بہادر سپاہیوں کا انبوہ اس قدر فراہم رکھتی تھی کہ ۳۰ ہزار ہاتھ اس کے دستر خوان پر پڑتا تھا۔اسی واسطے جس مہم پر چاہتا فوراً ہاتھ ڈال دیتا تھا۔اس کی تدبیر کا ہاتھ ہر ملک ومملکت میں پہنچ سکتا تھا اور سخاوت اس کی رسائی کو بڑھاتی رہتی تھی۔اس لئے جو الزام لگاتے وہ اس پر لگ سکتا تھا۔

(۵) اسے یہ خیال ضرور ہوگا کہ اکبر وہی بچہ ہے جو میری گود میں کھیلا ہے۔اور یہاں بچے کے

Marfat.com

لہو میں خود مختاری کی گرمی سر سرانے لگی تھی۔ اس پر حریفوں کی اشتعالک ہر وقت گرمائے جاتی تھی۔

یہ سب کچھ تھا مگر جو جو خدمتیں اس نے عقیدت و اخلاص سے کی تھیں۔ ان کے نقش اکبر کے دل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی تھا کہ کسی کو نوکر نہ رکھ سکتا تھا۔ کسی کو کچھ دے نہ سکتا تھا۔ خان خاناں کے متوسل اچھے اچھے علاقوں میں تعینات تھے۔ وہ بار سامان اور خوش لباس نظر آتے تھے۔ جو خاص بادشاہی نوکر کہلاتے تھے۔ وہ ویران جاگیریں پاتے تھے۔ اور ٹوٹے پھوٹے حال سے پھرتے تھے۔ بھانڈا یہاں سے پھوٹتا ہے کہ ۹۶۷ھ سنہ ۵ جلوس میں اکبر اور بیرم خاں مع اہل دربار آگرہ میں تھے۔ مریم مکانی دلی میں تھیں۔ حریف ساتھ لگے ہوئے تھے اور ہر دم فساد کے منتر اس پر دم کرتے چلے آتے تھے۔ بیانہ کے مقام میں یہی ذکر ایک جلسہ میں چھڑا۔ مرزا اشرف الدین ❶ اکبر کے بہنوئی بھی موجود تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اس نے بندوبست کر لیا ہے۔ آپ کو تخت سے اٹھا دے اور کامران کے بیٹے کو بٹھا دے۔ غود غرضوں کی صلاحیں مطابق ہوئیں اور اکبر شکار کو اٹھا۔ آگرہ سے جالیسر اور سکندرہ ہوتے ہوئے خورجہ ہو کر سرائے بگھل میں آن اترے۔ ماہم نے رستہ میں دیکھا کہ اس وقت بیرم خاں سے میدان خالی ہے۔ بصورتی صورت بنا کر اکبر کے سامنے آئی۔ اور کہا کہ بیگم کا ضعیفی اور ناطاقتی سے عجب حال ہے۔ کئی خط میرے پاس آئے ہیں۔ حضور کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ بادشاہ کو بھی اس بات کا خیال ہو گیا۔ ادہم خاں اور اکبر رشتہ دار کہ صاحب رتبہ امیر تھے۔ دلی ہی میں تھے۔ اسی عرصہ میں ان کی عرضیاں پہنچیں۔ آخر لہو کا جوش تھا۔ بادشاہ کا دل کڑھ گیا اور دلی کو چلے ❷۔ شہاب خاں پنج ہزاری امیر تھا۔ اور ماہم کا رشتہ دار تھا۔ اس کی بی بی پاپا آغا مریم مکانی کی رشتہ دار تھی۔ اس وقت وہی دلی کا حاکم تھا۔ دلی پچیس تیس کوس رہی ہو گی۔ کہ وہ بڑھ کر استقبال کو پہنچا اور بہت سے نذرانے پیشکش گزرانے اور شہاب الدین احمد خاں ہو گیا۔

---

❶ مرزا اشرف الدین ایک کاشغری خواجہ زادے تھے۔ جب آئے تو ایسے گربہ مسکین تھے کہ اکبر نے خان خاناں کی صلاح سے اپنی بہن کی شادی کر دی۔ خان خاناں کے بعد باغی ہو گئے۔ وہ ملک کو تباہ کرتے پھرتے تھے اور امرا فوجیں لئے پھرتے تھے۔ یہ خان خاناں ہی کا رعب داب تھا کہ ایسوں کو دبا رکھا تھا۔ ان سرکش گردنوں نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔ بعض کے حالات تتمے میں دیکھو گے۔

❷ اہل تاریخ کہتے ہیں کہ بادشاہ آگرہ سے شکار کو نکلے تھے۔ رستے میں یہ کارسازیاں ہوئیں۔ ابوالفضل کہتے ہیں کہ اکبر نے ان لوگوں کے ساتھ اندر اندر بندوبست کر لئے تھے شکار کا بہانہ کر کے دلی میں آئے اور خان خاناں کی مہم کو طے کیا۔

Marfat.com

بعد اس کے خلوت میں گیا۔ کانپتی ہانپتی صورت بنا کر بولا کہ حضور کے قدم دیکھے۔ زہے طالع مگر اب جاںنثاروں کی جانوں کی خیر نہیں۔ خان خاناں سمجھے گا کہ حضور کا دلی میں آنا ہمارے اشارہ سے ہوا ہے۔ پس جو مصاحب بیگ کا حال ہوا سو ہمارا ہوگا۔ محل میں ماہم نے یہی رونا رویا بلکہ اس کے اختیارات اور انجام کی قباحتیں دکھا کر تنکے کو پہاڑ کر دکھایا۔ اور کہا کہ اگر بیرم خاں ہے تو حضور کی سلطنت نہیں۔ اور سلطنت تو اب بھی وہی کرتا ہے۔ سردست تو یہی مشکل ہے کہ وہ کہے گا کہ آپ میری بے اجازت گئے۔ ان کی اشارت سے گئے۔ اتنی طاقت کس میں ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے یا اس کے غصہ کو سنبھال سکے۔ اب شفقت شاہانہ یہی ہے کہ اجازت ہو جائے یہ قدیمی خانہ زاد۔ خانہ خدا کو چلے جائیں۔ وہاں غائبانہ دعاؤں سے خدمت بجالائیں گے۔

اکبر نے کہا میں خان بابا کو تمہاری عفو تقصیر کے لئے لکھتا ہوں۔ چنانچہ شقہ لکھا کہ ہم آپ مریم مکانی کی عیادت کو یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اس خیال سے ان کے دل بہت پریشان ہیں۔ تم ایک خط اپنی مہر و دستخط سے انہیں لکھ بھیجو کہ ان کی تشفی خاطر ہو جائے اور اطمینان سے ادائے خدمت میں مصروف رہیں وغیرہ وغیرہ۔ اتنی گنجائش دیکھتے ہی سب پھوٹ بہے۔ شکایتوں کے دفتر کھول دیئے۔ شہاب الدین احمد خاں نے اصلی اور وصلی کئی مقدمے اور مثلیں تیار رکھی تھیں۔ ان کے حالات عرض کئے۔ دو تین رفیق گواہی کے لئے تیار کر رکھے تھے۔ انہوں نے گواہیاں دیں۔ عرض اس کی بد اندیشی اور بغاوت کے ارادے ایسے بادشاہ کے دل پر نقش کر دیئے کہ اس کا دل پھر گیا۔ اور سوا اس کے چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو ان کی اصلاح و تدبیر کے حوالے کر دے۔

ادھر خان خاناں کے پاس جب شقہ پہنچا اور ساتھ ہی ہوا خواہوں کے خطوط پہنچے کہ دربار کا رنگ بے رنگ ہے تو کچھ حیران ہوا۔ کچھ پریشان ہوا۔ کمال عجز و انکساری کے ساتھ عرضی لکھی اور قسمہائے شرعی کے ساتھ لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ کہ جو خانہ زاد اس درگاہ کی خدمت وفا و اخلاص سے کرتے ہیں غلام کے دل میں ہرگز ان کی طرف سے برائی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ عرضی خواجہ امید الدین محمود کہ پھر خواجہ جہاں ہوئے اور حاجی محمد خاں سیستانی اور رسول محمد خاں اپنے معتبر سرداروں کے ہاتھ روانہ کی اور کلام اللہ ساتھ بھیجا کہ قسموں کا وزن زیادہ ہو۔ یہاں کام حد سے گزر چکا تھا۔ تحریر کا اثر کچھ نہ ہوا۔ کلام مجید بالائے طاق اور عجز و نیاز کے امانت دار قید ہو گئے۔ شہاب الدین احمد خاں باہر وکیل مطلق ہو گئے۔ ماہم اندر ہی بیٹھی بیٹھی حکم احکام جاری کرنے لگی۔ اور مشہور کر دیا کہ خان خاناں حضور کی غضبی میں آیا۔ بات منہ سے نکلتے ہی دور دور پہنچ گئی۔ امرا اور ملازم دربار جو آگاہ میں خان خاناں کے پاس تھے اٹھ اٹھ کر دلی کو دوڑے۔ دامن گرفتہ لوگ اپنے ہاتھ کے رکھے ہوئے نوکر الگ

Marfat.com

ہو ہو کر چلنے شروع ہوئے۔ یہاں جو آتا ماہم اور شہاب الدین احمد اس کا منصب بڑھاتے۔ جاگیریں اور خدمتیں دلواتے۔

امراء کے نام احکام جاری ہونا:

صوبجات اور اطراف وجوانب میں جو امرا تھے ان کے نام احکام جاری کئے۔ شمس الدین خاں آتکہ کو بھیرہ علاقہ پنجاب میں حکم پہنچا کہ اپنے علاقہ کا بندوبست کر کے لاہور کو دیکھتے ہوئے جلد دلی میں حاضر حضور ہو۔ منعم خاں بھی احکام وہدایات کے ساتھ کابل سے طلب ہوئے۔ یہ پرانے سردار کہنہ عمل سپاہی تھے کہ ہمیشہ بیرم خاں کی آنکھیں دیکھتے رہے۔ ساتھ ہی شہر پناہ اور قلعہ دہلی کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کردی۔ واے رے بیرم تیری ہیبت۔

یہاں خان خاناں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ شیخ گدائی اور چند اور شخصوں کی رائے تھی کہ ابھی حریفوں کا پلہ بھاری نہیں ہوا۔ آپ یہاں سے جریدہ سوار ہوں اور نشیب وفراز سمجھا کر بادشاہ کو پھر قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں کو فساد کا موقع نہ ملے۔ بعض کی رائے تھی کہ بہادر خاں کو فوج دیکر مالوہ پر بھیجا ہے۔ خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کر کے بیٹھ جاؤ۔ پھر جیسا موقع ہوگا۔ دیکھا جائیگا۔ بعض کی صلاح تھی کہ خانزماں کے پاس چلو۔ پورب کا علاقہ افغانوں سے بھرا ہوا ہے۔ صاف کرو اور چندروز وہاں بسر کرو۔

خان خاناں پر بدخواہی کا داغ:

خان خاناں ہر شخص کا بلکہ زمانے کا مزاج پہچانے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ اب حضور کا دل مجھ سے پھر گیا۔ کسی طرح نبھنے کی نہیں۔ تمام عمر دولت خواہی میں گزاری۔ بڑھاپے میں بدخواہی کا داغ پیشانی پر لگانا ہمیشہ کے لئے منہ کالا کرنا ہے۔ ان خیالوں کو بھول جاؤ۔ مجھے حج اور زیارات کا مدت سے شوق تھا۔ خدا نے خود سامان کر دیا ہے۔ ادھر کا ارادہ کرنا چاہئے۔ امراء اور رفقا جو ساتھ تھے۔ انہیں خود دربار کو رخصت کر دیا۔ وہ سمجھا اور خوب سمجھا کہ یہ سب بادشاہی نوکر ہیں۔ انہوں نے اگرچہ مجھ سے بہت فائدے اٹھائے ہیں۔ بلکہ اکثر میرے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن ادھر بادشاہ ہے۔ اگر میرے پاس رہے تو بھی عجب نہیں کہ ادھر خبریں دے رہے ہوں۔ یا دینے لگیں۔ اور آخر کو اٹھ بھاگیں۔ بہتر ہے کہ میں خود انہیں رخصت کر دوں۔ وہاں جا کر شاید کچھ اصلاح کی صورت نکالیں۔ کیونکہ آخر مجھ سے نقصان نہیں پایا۔ پایا ہے تو فائدہ ہی پایا ہے۔ بیرم خاں نے خانزماں کے بھائی بہادر خان کو فوج دے کر مالوہ کی مہم پر بھیجا ہوا تھا۔ دربار کا یہ حال دیکھ کر بلا بھیجا کہ اس کی

Marfat.com

ضروریات کی دربار سے کون خبر لے گا۔ دربار سے اس کے نام بھی حکم طلب پہنچا۔ اس میں کئی مطلب ہو نگے۔ اول یہ کہ وہ دنوں بھائی خان خاناں کے دو بازو تھے۔ مبادا کہ بے اختیار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں۔ دوسرے یہ کہ ذاتی فائدہ کی امید پر اس سے پھریں اور ادھر مڑیں۔ اگر نہ مڑیں تو منحرف تو نہ ہوں۔ مگر بہادر بچپن میں اکبر کے ساتھ کھیلا ہوا تھا اور اکبر اسے بھائی کہتا تھا اس لئے ہر بات میں اس سے بے تکلف تھا۔ غالباً ان کے ڈھب کا نہ نکلا ہوگا اور خان خاناں کی طرف سے صفائی کے نقش بٹھاتا ہوگا۔ اس لئے بہت جلد اسے اٹاوہ کا حاکم کر کے مغرب سے مشرق میں پھینک دیا۔

شیخ گدائی و دیگر رفقاء کے مشورے:

شیخ گدائی وغیرہ رفقا نے صلاحیں دیں اور خان خاناں نے بھی چاہا تھا کہ آپ حضور میں حاضر ہو۔ اور جو باتیں جرم و گناہ قرار دی گئی ہیں۔ ان کی عذر و معذرت کر کے صفائی کرے۔ بعد اس کے رخصت ہو۔ یا جیسا وقت کا موقع دیکھے ویسا کرے۔ لیکن حریفوں نے وہ بھی چلنے نہ دی۔ انہیں یہ ڈر ہوا جب یہ اکبر کے سامنے آیا۔ اپنے مقاصد کو پر اثر تقریر کے ساتھ اس طرح ذہن نشین کرے گا کہ جو نقش ہم نے اتنے دنوں میں بٹھائے ہیں۔ سب مٹ جائیں گے اور بنی بنائی عمارت کو چند باتوں میں ڈھادے گا۔ اکبر کو یہ ڈرایا کہ وہ خود صاحب فوج و لشکر ہے۔ امرا سب اس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔ اگر وہ یہاں آیا تو خدا جانے کیا صورت ہو۔ بادشاہ بھی لڑکا ہی تھا۔ ڈر گیا اور صاف لکھ بھیجا کہ ادھر آنے کا ارادہ نہ کرنا۔ ملازمت نہ ہوگی۔ اب تم حج کو جاؤ۔ پھر آؤ گے تو پہلے سے بھی زیادہ خدمت پاؤ گے۔ بڈھا خدمت گزار اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا کہ تم کیا کہتے تھے اور میں کیا کہتا تھا اور اب کیا کہتے ہو۔ غرض حج کا ارادہ مصمم کیا۔

اکبر کی خوبیوں کی تعریف:

اکبر کی خوبیوں کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ میر عبداللطیف قزوینی کہ اب ملا پیر محمد کی جگہ استاد تھے اور دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے۔ انہیں فہمایش کر کے بھیجا اور زبانی پیغام دیا کہ تمہارے حقوق خدمت اور اخلاص عقیدت عالم پر روشن ہیں۔ ابھی تک ہماری طبیعت سیر و شکار کی طرف مائل تھی۔ کاروبار ملکی تم پر چھوڑ دیئے تھے۔ اب مرضی ہے کہ مہمان خلائق کو بذات خود سرانجام فرمائیں تم مدت سے ترک دنیا کا ارادہ رکھتے ہو اور سفر حجاز کا شوق ہے۔ یہ نیک ارادہ مبارک ہو۔ پرگنات ہندوستان سے جو علاقہ پسند ہو وہ لکھو۔ تمہاری جاگیر ہو جائیگا۔ گماشتے تمہارے اس کا محاصل جہاں تم کہو گے وہاں پہنچا دینگے۔ یہ پیغام بھیجا اور فوراً خود بھی اسی طرف کوچ کیا۔ چند امراء کو آگے بڑھا دیا کہ خان خاناں و

Marfat.com

سرحد کے باہر نکال دو۔

جب یہ لوگ قریب پہنچے تو اس نے انہیں لکھا کہ میں نے دنیا کا بہت کچھ دیکھ لیا اور کر لیا۔ اب سب سے ہاتھ اٹھا چکا۔ مدت سے ارادہ تھا کہ خانہ خدا اور روضہ ہائے مقدسہ پر جا کر بیٹھوں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوں۔ الحمد للہ کہ اب اس کا سلسلہ ہاتھ آیا ہے۔ اس دریا دل نے سروچشم کہہ کر قبول کیا اور بہت خوشی سے تعمیل کی۔ ناگور سے طوغ وعلم، نقارہ، فیلخانہ، تمام اسباب امیرانہ اور شوکت شاہانہ کا سامان حسین قلی بیگ اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جھجر کے مقام میں پہنچا۔ اس کی عرضی جو مضامین نیاز اور صدق دل کی دعاؤں سے سہرائی ہوئی تھی۔ درگاہ میں پڑھی گئی۔ اور حضور خوش ہو گئے۔ اب وہ وقت آیا کہ خان خاناں کے لشکر کی چھاؤنی پہچانی نہ جاتی تھی۔ جو رفیق دونوں وقت ایک قاب میں کھانے پر ہاتھ ڈالتے تھے بہت ان میں سے چلے گئے۔ انتہا ہے کہ شیخ گدائی بھی الگ ہو گئے۔ فقط چند رشتہ دار اور وفا کے بندے تھے۔ وہی ساتھ رہے۔ (ایک ان میں حسین خاں افغان بھی تھے۔ ان کا حال الگ لکھا جائیگا)

ابوالفضل اکبرنامہ میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں کہ دربار سے اس محروم القسمت کے نام جاری ہوا تھا۔ اسے پڑھ کر بے درد بے خبر لوگ تو نمک حرامی کا جرم لگائیں گے۔ لیکن قابل اعتبار دو شخصوں کا حال ہوگا۔ ایک وہ کہ جس نے اس کے جزوی جزوی حالات کو نظر انصاف سے دیکھا ہو گا۔ وہ آئندہ ہمدردی اور رفاقت سے توبہ کریگا دوسرے جس نے کسی ہونہار امیدوار کے ساتھ جانفشانی اور جانبازی کا حق ادا کیا ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آئیگا بلکہ آتش غضب سے جگر جلے گا اور دھواں منہ سے نکلے گا۔

فرمان مذکور میں اس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے۔ اس کے اقربا کی جانفشانیوں کو خاک میں ملایا ہے۔ اسے خود پروری، اور خویش پروری اور ملازم پروری کے الزام لگائے ہیں۔ اس پر جرم لگائے ہیں کہ پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی۔ خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت کے منصوبے باندھے۔ اس میں علی قلی خاں اور بہادر خاں کو بھی لپیٹ لیا ہے۔ بڑھاپے کی نمک حرامی اور بیوفائی سے خبیث خیالات اور کثیف الفاظ اس کے حق میں صرف کر کے کاغذ کو سیاہ کیا ہے۔ ان دردوں کو کون جانے؟ بدنصیب بیرم خاں جانے یا جس ناکام کی بیرم خاں جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہیں۔ اس کا دل جانے۔ خصوصاً جب یقین ہو کہ یہ ساری باتیں دشمن کر رہے ہیں۔ اور گودوں کا پالا ہوا آقا ان کے ہاتھوں میں کاٹ کی پتلی ہے۔ ع یارب مبادکس رامخدوم بے عنایت۔

کم ظرف دشمن کسی طرح اس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ اس کے پیچھے چند امیروں کو فوج دیکر

Marfat.com

روانہ کیا تھا کہ جائیں اور سرحد ہندوستان سے نکال دیں جب وہ نزدیک پہنچے تو بیرم خاں نے انہیں لکھا کہ میں نے دنیا کا بہت کچھ دیکھ لیا اور اس سلطنت میں سب کچھ کر لیا۔ کوئی ہوس دل میں نہیں۔ میں سب سے ہاتھ اٹھا چکا۔ مدت سے دل میں شوق تھا کہ خانہ خدا اور روضہ ہائے مقدسہ کی ان آنکھوں سے زیارت کروں الحمد للہ کہ اب اس کا سلسلہ ہاتھ آیا ہے۔ تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ وہ سب چلے آئے۔

ملا پیر محمد جس کو خان خاناں نے حج کو روانہ کیا تھا۔ انہیں اسی وقت حریفوں نے پیغام بھیج دیئے تھے کہ یہاں گل کھلنے والا ہے۔ جہاں پہنچے ہو وہیں ٹھہر جاتا۔ وہ گجرات میں بلی کی طرح تاک لگائے بیٹھے تھے۔ اب حریفوں کے پرچے پیام پہنچے کہ بڈھا شیر ادھ موا ہو گیا۔ آؤ شکار کرو۔ یہ سنتے ہی دوڑے جھجھر کے مقام میں ہی ملازمت ہوئی۔ یاروں نے علم نقارہ دلوا کر فوج کا سردار کیا کہ خان خاناں کے پیچھے پیچھے جائیں۔ اور ہندوستان سے مکہ کو نکال دیں۔ ادہم خاں ماہم کا بیٹا اور بڑے بڑے سرداران کے ساتھ ہوئے۔ ادھر خان خاناں نے ناگور پہنچ کر خبر پائی کہ مارواڑ کے راجہ مالدیو نے گجرات دکن کا راستہ روکا ہوا ہے۔ سلطنت کے نمک حلال سے اسے صدمے پہنچے ہوئے تھے۔ دور اندیشی کر کے ناگور سے خیمہ کا رخ پھیرا کہ بیکانیر سے ہوتا ہوا پنجاب سے نکل کر قندھار کے رستے مشہد مقدس کی راہ لے۔ مگر دربار سے جو احکام جاری ہو رہے تھے انہیں دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹ رہا تھا۔ حریفوں نے زمینداران اطراف کو لکھا کہ یہ زندہ نہ جانے پائے جہاں پاؤ کام تمام کر دو۔ ساتھ ہی ہوائی اڑائی کہ خان خاناں پنجاب کو بغاوت کے ارادہ سے چلا ہے۔ وہاں ہر قسم کے سامان آسانی سے بہم پہنچ سکتے ہیں۔ ایسا دق ہوا کہ رائے بدل گئی۔ ان سفلوں کو کیا خاطر میں لاتا تھا۔ صاف کہہ دیا کہ جن مفسدوں اور بد کرداروں نے حضور کو مجھ سے ناراض کیا ہے۔ اب انہیں سزا دیکر بادشاہ سے رخصت ہو کر حج کو جاؤں گا۔ فوج بھی جمع کرنی شروع کی۔ اور امرائے اطراف کو مضامین وحالات مذکورہ سے اطلاع دی۔ ناگور سے بیکانیر آیا۔ راجہ کلیان مل اس کا دوست تھا۔ اور حق پوچھو تو حریفوں کے سوا کون تھا جو اس کا دوست نہ تھا۔ وہاں آئے دھوم دھام کی ضیافتیں ہوئیں۔ کئی دن آرام لیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ ملا پیر محمد تمہیں ہندوستان سے جلاوطن کرنے آتے ہیں۔ دل جل کر خاک ہو گیا۔ ملا کا اس طرح کچھ چھوٹا سا زخم نہ تھا۔ مگر انہوں نے قناعت نہ کی۔ اس پر داغ بھی دیا۔ یعنی ناگور میں ٹھہر کر خان خاناں کو ایک خط لکھا۔ اس میں طنز کی چنگاریاں تو بہت سی تھیں۔ مگر ایک شعر بھی درج تھا۔

آمدم دردل اساس عشق محکم ہمچناں باغمت جان فلا فرسودہ ہمدم ہمچناں

Marfat.com

خانخاناں نے بھی ترکی کا جواب ترکی لکھا۔ مگر یہ فقرہ اس میں بہت برجستہ واقع ہوا تھا۔ آمدن مردانہ۔ اما رسیدہ توقف کردہ زنانہ۔ ہر چند چوٹیں پہلے سے بھی کر رہا تھا اور اس نے یہ فقرہ بھی لکھا۔ مگر مسجد کے ٹکڑ گدا کو ۴۰ برس نمک کھلا کر امیر الامرا بنایا تھا۔ آج اس سے یہ باتیں سُنی پڑیں۔ عجب صدمہ دل پر گزرا۔ چنانچہ اسی دل شکستگی کے عالم میں ایک عریضہ حضور میں لکھا جس کے کچھ فقرے ہاتھ آئے ہیں۔ وہ خون کے قطرے ہیں۔ جو دل افگار سے ٹپکے ہیں۔ ان کا رنگ دکھلانا بھی واجب ہے۔

چوں بموجب اظہار و آرزوئے حاسدان۔ حقوق خدمت دیرینہ سہ واسطہ آں ودوماں پامال تہمت کفران نعمت در خدمت ولی نعمت گردیدہ۔ دمعانداں در حلال دانستن خون رافضی فتویٰ دادہ اند۔ برائے محافظت جاں کہ در ہمہ مذہب واجب است۔ مے خواہم بدور رفاقت خود ازیں بلیہ نجات دہم۔ بدیں ہیئت (کہ باظہار اہل غرض اسباب بغی آمادہ میدانند) در خدمت آں خداوند (ہر چند نفس الامر ارادہ بیت اللہ باشد) آمدن کفر میدانم وبر عالمے ظاہر است کہ در خاندان ماترکاں نمک حرامی بظہور رنیامدہ لہٰذا راہ مشہد اختیار نمودہ ام کہ بعد طواف روضہ امام علیہ السلام وعتبات نجف اشرف وکربلائے معلی وخواندن فاتحہ دراں مکانہائے شریف برائے بقائے سلطنت وعمر آں ولی نعمت از سر نو احرام کعبۃ اللہ بندم۔ التماس آنست کہ اگر بندہ را در جرگہ نمک حراماں واجب القتل میدانند۔ یکے از بندہ ہائے بے نام ونشاں را تعین فرمانید کہ سر بیرم را بریدہ برسناں جلوہ دہاں برائے تنبیہ وعبرت دیگر بدخواہان دولت بحضور بیاورد گرقبول افتد رہے عز وشرف۔ والا سردارئے فوج سوائے ملائے خارجی کہ از نمک پروردہ ہائے نمک بحرام واخراجی فدوی است بدیگر یکے از بندہ ہائے درگاہ الامقرر شود۔

اس نازک موقع پر کہ بدنصیبی کا پیچ تھا اس وفادار جاں نثار نے چاہا تھا کہ اپنی اور بادشاہ کی ناراضی کا پردہ رہ جائے اور عزت کی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ملک سے نکل جائے مگر قسمت نے بڈھے کی ڈاڑھی لونڈوں یا طفل حراج بڈھوں کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ بدنیت بداندیش نہ چاہتے تھے کہ وہ سلامت جانے پائے۔ غرض جب بات بگڑ جاتے اور دل پھر جائیں تو الفاظ وعبارت کا زور کیا کر سکتا ہے۔ البتہ اتنا ہوا کہ جب بادشاہ نے یہ عرضی پڑھی تو آبدیدہ ہوئے اور دل کو رنج ہوا۔ ملا پیر محمد کو بلالیا اور آپ دلی کو پھرے۔ مگر حریفوں نے اکبر کو سمجھایا کہ خان خاناں پنجاب کو چلا ہے۔ اگر یہ پنجاب میں جا پہنچا اور وہاں بغاوت کی تو مشکل ہوگی۔ پنجاب ایسا ملک ہے کہ جس قدر فوج اور سامان فوج چاہیں ہر وقت بہم پہنچ سکتا ہے۔ کابل کو چلا گیا تو قندھار تک قبضہ کر لینا اس سے آگے کچھ دشوار نہیں۔ اور خود نہ کر سکا تو دربار ایران سے مدد لانی بھی اسے آسان ہے۔ ان مصلحتوں

Marfat.com

پر نظر کر کے فوج کی سرداری شمس الدین محمد خاں اتکہ کے نام کی اور پنجاب کو روانہ کیا۔ سچ پوچھو تو آگے جو کچھ ہوا۔ اکبر کے لڑکپن اور نا تجربہ کاری سے ہوا۔

سب مورخ بالا تفاق لکھتے ہیں کہ بیرم خاں کی نیت میں فساد نہ تھا۔ اگر اکبر شکار کھیلتا ہوا خود اس کے خیمہ پر جا کھڑا ہوتا تو وہ قدموں پر آہی پڑتا۔ بات بنی بنائی تھی۔ یہاں تک طول نہ کھینچتا۔ نوجوان بادشاہ کچھ بھی نہ کرتا تھا۔ جو کچھ تھے بڑھیا اور بڑھیا والوں کے کرتوت تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اسے آقا سے لڑا کر نمک حرامی کا داغ لگائیں۔ اسے گھبرا کر بھالڑ کی صورت میں دوڑائیں۔ اور اگر جل کر اسی حالت موجودہ کے ساتھ پلٹ پڑا تو شکار ہمارا مارا ہوا ہے۔ اس غرض سے وہ آتش کے پرکالے نئی ہوائیاں اڑاتے تھے اور کبھی اس کے ارادوں کی۔ کبھی اکبر کے حکموں کی رنگ رنگ پھلجھڑیاں چھوڑتے تھے۔ کہن سال سپہ سالار سنتا تھا۔ پیچ و تاب کھاتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ اس بغاوت کے شوشہ سے وہ نیک نیت نیک رائے دنیا سے بے آس اہل دنیا سے بیزار بیکانیر سے پنجاب کی حد میں داخل ہوا۔ امرائے احباب کو لکھا کہ میں حج بیت اللہ کو جاتا تھا۔ مگر سنتا ہوں کہ چند اشخاص نے خدا جانے کیا کیا کہہ کر مزاج اشرف بادشاہی کو میری طرف سے متغیر کر دیا ہے۔ خصوصاً ماہم اتکہ کہ استقبال کے گھمنڈ کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں نے بیرم خاں کو نکالا۔ اب ہمت یہی چاہتی ہے کہ ایک دفعہ آکر بدکرداروں کو سزا دینی چاہیے۔ پھر نئے سرے سے رخصت لے کر سفر مقدس پر متوجہ ہونا چاہیے۔

اہل و عیال اور مرزا عبدالرحیم:

اس نے اہل و عیال اور مرزا عبدالرحیم ۴ برس کے بیٹے کو جو بڑا ہو کر خان خاناں اور اکبری سپہ سالار ہوا تھا۔ تمام نقد و جنس مال و دولت اور اسباب کے ساتھ بھٹنڈہ کے قلعہ میں چھوڑا۔ شیر محمد دیوانہ اس کا خاص الخاص ملازم اور قدیم الخدمت اور ایسا باعتبار تھا کہ بیٹا کہلاتا تھا۔ وہ بھٹنڈہ کا حاکم تھا۔ اور اس پر کیا منحصر ہے۔ جو اس وقت کے امرا اور سردار تھے۔ سب اس کے عیال تھے۔ اس کے بھروسے پر خاطر جمع کر کے آپ دیپالپور کو روانہ ہوا۔ دیوانہ نے مال و اسباب سب ضبط کر لیا اور آدمیوں کی بڑی بے عزتی کی تھی۔ خان خاناں کو جب خبر پہنچی تو خواجہ مظفر علی اپنے دیوان کو اور درویش محمد ازبک کو بھیجا کہ شیر محمد دیوانہ کو سمجھائیں۔ دیوانہ کو کتے نے کاٹا تھا وہ کب سمجھتا تھا۔ ع اے عاقلاں کنارہ کہ دیوانہ مست شد۔ ان دونوں کو بھی مفسد ٹھہرایا اور قید کر کے حضور میں بھیج دیا۔

خان خاناں کا مال و متاع:

خان خاناں کا مطلب ان انتظاموں سے یہ تھا کہ جو کچھ میرا مال و متاع ہے۔ دوستوں سے

Marfat.com

پاس رہے کہ ضرورت کے وقت مجھے مل جائیگا۔ میرے پاس ہو تو خدا جانے کیا اتفاق ہے۔ دشمنوں اور لٹیروں کے ہاتھ تو نہ آئے۔ میرے کام نہ آئے میرے دوستوں کے کام آئے۔ انہی دوستوں نے وہ نوبت پہنچائی۔ یہ رنج کچھ تھوڑا نہ تھا۔ اس پر عیال کا قید ہونا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ میں جانا۔ غرض نہایت دق ہوا۔ اور زمانہ کا یہ حال تھا کہ اگر کسی سے مصلحت بھی چاہتا تو وہاں سے مایوسی کی خاک آنکھوں میں پڑتی تھی۔ اور وہ وہ باتیں پیش آتی تھیں۔ جن کا عشر عشیر بھی تحریر میں نہیں آسکتا۔ حیران وپریشان، غیرت وغصہ میں بھرا ہوا تھاڑہ کے گھاٹ سے ستلج اترا۔ اور جالندھر پر آیا۔

دربار دہلی میں بعض کی رائے ہوئی کہ بادشاہ خود جائیں۔ بعض نے کہا کہ فوج جائے۔ اکبر نے کہا دونوں رایوں کو جمع کرنا چاہئے۔ آگے فوج جائے۔ پیچھے ہم ہوں۔ چنانچہ شمس الدین محمد خاں اتکہ بھیرہ سے پہنچ لئے تھے۔ انہیں فوج دے کر آگے بھیجا۔ اتکہ خاں بھی کوئی جنگ آزمودہ سپہ سالار نہ تھا۔ سلطنت کے کاروبار دیکھے تھے۔ مگر برتے نہ تھے۔ البتہ نیک طبع متحمل مزاج، سند رسیدہ شخص تھا۔ اہل دربار نے انہیں کو غنیمت سمجھا۔

بیرم خاں کو اول خیال یہ تھا کہ اتکہ خاں پرانا رفیق ہے۔ وہ اس آگ کو بجھائے گا۔ مگر خان خاناں کا منصب ملتا نظر آتا تھا۔ وہ بھی آتے ہی ہمدنان حضور میں داخل ہو گئے۔ اور خوشی خوشی فوج لیکر روانہ ہوئے۔ ماہم کی عقل کا کیا کہنا ہے۔ صاف پہلو بچالیا۔ اور بیٹے کو کسی بہانہ سے دلی میں چھوڑ دیا۔

خان خاناں جالندھر پر قبضہ کر رہا تھا کہ خان اعظم ستلج اتر آئے۔ اور گناچور کے میدان پر ڈیرے ڈال دیئے۔ خان خاناں کے لئے اس وقت تھے تو دو ہی پہلو تھے۔ یا لڑنا اور مرنا۔ اور یا دشمنوں کے ہاتھوں قید ہونا اور مشکیں بندھوا کر دربار میں کھڑے ہونا خیر۔ وہ خان اعظم کو سمجھتا کیا تھا جالندھر کو چھوڑ کر پلٹا۔

اب مقابلہ تو پھر ہوگا۔ مگر پہلے اتنی بات کہنی ضرور ہے کہ خان خاناں نے اپنے آقا پر تلوار کھینچی۔ بہت برا کیا۔ لیکن ذرا چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ جو جو خیال اور رنج وملال اس وقت اس کے مایوس دل پر چھائے ہوئے تھے۔ ان پر نظر نہ کرنی بھی بے انصافی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جو خدمتیں اس نے بابر اور ہمایوں سے لے کر اس وقت تک کی تھیں۔ وہ ضرور اس کی آنکھوں کے سامنے ہونگی۔ آقا کی وفاداری کا نباہنا، اودھ کے جنگلوں میں چھپنا، گجرات کے دشتوں میں پھرنا، شیر شاہ کے دربار میں پکڑے جانا اور ان نازک وقتوں کی دشواریاں سب اسے یاد ہونگی۔ ایران کا سفر اور قدم قدم کی کٹھن منزلیں اور شاہ کی درباداریاں بھی پیش نظر ہوں گی۔ اسے یہ بھی خیال ہوگا کہ یہی جان

Marfat.com

بازی اور جان جوکھوں سے اس مہموں کو اس نے سرانجام دیا۔ سب سے زیادہ یہ کہ جو گروہ مقابل میں نظر آتا ہے۔ ان میں اکثر وہ بڈھے دکھائی دیتے ہیں۔ جوان وقتوں میں اس کے منہ کو تکتے تھے۔ اور ہاتھوں کو دیکھتے تھے۔ یا کل کے لڑکے ہیں کہ جنہوں نے ایک بڑھیا کی بدولت نوجوان بادشاہ کو پھسلا رکھا ہے۔ یہ باتیں دیکھ کر اسے ضرور خیال ہوا ہوگا۔ کہ جو ہو سو ہو۔ ان سفلوں اور نااہلوں کو جنہوں نے کچھ نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ تماشا تو دکھا دو کہ حقیقت ان کی بادشاہ کو بھی معلوم ہو جائے۔

پرگنہ دگدار ❶ نواح گناچور میں کہ جنوب مشرق جالندھر پر تھا دونوں چھاؤنیوں کے دھوئیں طرفین کو دکھائی دینے لگے۔ بڈھے سپہ سالار نے پہاڑ اور لکھی جنگل کو پشت پر رکھ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور فوج کے دو حصے کئے۔ ولی بیگ ذوالقدر۔ شاہ قلی محرم۔ حسین خاں ٹکریہ وغیرہ کو فوجیں دے کر آگے بڑھایا۔ دوسرے حصے کے چاروں پرے باندھ کر آپ بیچ میں قائم ہوا۔ اس کے رفیق تعداد میں تھوڑے تھے۔ مگر مروت اور مردانگی کے جوش نے ان کی کمی کو بہت بڑھا دیا تھا۔ ہزاروں دلاوروں نے اس کی قدردانی کے ہاتھ سے فیض پائے تھے۔ ان سب کا مول یہ گنتی کے آدمی تھے۔ جو رفاقت کے نام پر جان قربان کرنے نکلے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بڈھا جوانمرد ہے۔ اور مرد کا ساتھ مرد ہی دیتا ہے۔ وہ اس غصہ میں آگ ہو رہے تھے کہ مقابل میں وہ لوگ تھے۔ جنہیں بوالموسیٰ نے مرد بنایا ہے۔ جب تلوار مارنے کے وقت تھے تو کچھ نہ کر سکے۔ اب میدان صاف ہے تو نوجوان بادشاہ کو پھسلا کر چاہتے ہیں کہ بڈھے خانہ زاد کی محنتیں برباد کریں۔ سو وہ بھی ایک بڑھیا کے بھروسے پر۔ وہ نہ ہو تو اتنا بھی نہیں۔ ادھر بڈھے سید یعنی خان اعظم نے بھی فوجوں کی تقسیم کر کے صفیں باندھیں۔ قرآن سامنے لا کر سب سے عہد و پیمان لئے۔ بادشاہی عنایتوں کا امیدوار کیا۔ سو اتنے ہی اس بچارے کی کرامات تھی۔

جس وقت سامنا ہوا تو بیرم خانی فوج نہایت جوش و خروش سے لیکن بالکل بے باکی اور بے پرواہی سے آگے بڑھی کہ آؤ۔ دیکھیں تو سہی تم ہو کیا چیز۔ جب قریب پہنچے تو یکدلی نے ان کی جانوں کو اٹھا کر اس طرح فوج بادشاہی پر دے مارا گویا بیرم کے گوشت کا ایک مچا تھا کہ اچھل کر حریف کی تلواروں میں جا پڑا۔ جو مرنے تھے مرے۔ جو بچے۔ آپس میں ہنستے کھیلتے اور دشمنوں کو ریلتے دھکیلتے چلے۔

❶ بلوک مین صاحب لکھتے ہیں کہ کنور پھلور، گوناچور کے جنوب مغرب میں تھا۔ فرشتہ کہتا ہے کہ یہ لڑائی ماچھی واڑہ کے باہر ہوئی۔ جو میں نے لکھا ہے یہ ملا صاحب کا قول ہے اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ دکن کے فرشتہ کو پنجاب کی کیا خبر۔

Marfat.com

کیا تڑپتا دل مضطر کا بھلا لگتا ہے   کہ جب اچھلے ہے تیرے سینہ سے جا لگتا ہے

ہائے۔ ان کے دلوں میں ارمان ہوگا کہ اس وقت نوجوان بادشاہ آئے۔ اور باتیں بنانے والوں کی بگڑی حالت دیکھے۔ ع ببیں کہ از کہ شکستی وبا کہ پیوستی۔ خان اعظم ہے مگر اپنے رفیقوں سمیت کنارہ ہوکر ایک ٹیلہ کی آڑ میں تھم گئے۔

پرانے فتح یاب نے جب میدان کا نقشہ حسب مراد دیکھا تو ہنس کو اپنی فوج کو جنبش دی۔ ہاتھیوں کی صف کو آگے بڑھایا جس کے بیچ میں فتح کا نشان اس کا تخت رواں ہاتھی تھا اور اس پر وہ آپ سوار تھا۔ یہ فوج سیلاب کی طرح اتکہ خاں پر چلی۔ یہاں تک کہ تمام مورخ بیرم خاں کے ساتھ ہیں آگے ان میں پھوٹ پڑتی ہے۔ اکبری اور جہانگیری عہد کے مصنف کوئی مردانہ کوئی نیم زنانہ ہو کر کہتے ہیں کہ اخیر میں بیرم خاں نے شکست کھائی۔ خانی خان کہتے ہیں کہ ان مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہے ورنہ شکست اتکہ خاں پر پڑی اور بادشاہی لشکر پریشان ہوگیا۔ بادشاہ خود بھی لودیانہ سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اب خواہ شکست کے سبب سے۔ خواہ اس لحاظ سے کہ ولی نعمت کے سامنے کھڑے ہوکر اسے لڑانا منظور نہ تھا۔ بیرم خاں اپنے لشکر کو لے کر لکھی جنگل کی طرف پیچھے ہٹا۔

منعم خاں کا حاضر خدمت ہونا:

منعم خاں کابل سے بلائے ہوئے تھے۔ لودیانہ کی منزل پر آداب بجالائے۔ کئی سردار ساتھ تھے۔ ان میں تردی بیگ کا بھانجا مقیم بیگ بھی تھا۔ اس کی ملازمت ہوئی۔ دیکھو لوگ کیسے کیسے مصالح کہاں کہاں سے سمیٹ کر لاتے ہیں۔ ملا صاحب فرماتے ہیں۔ منعم خاں کو خان خاناں کا خطاب اور وکیل مطلق کا عہدہ ملا۔ دخل الولی وخرج الولی کا نکتہ کھل گیا۔ اکثر امرا کو اپنی حیثیت بموجب منصب اور انعام دیئے۔ اسی منزل میں قیدی اور زخمی ملاحظہ سے گزرے جو لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے۔ نامی سرداروں میں ولی بیگ ذوالقدر خان خاناں کا بہنوئی حسین قلی خاں کا باپ تھا کہ گنوں کے کھیت میں زخمی پڑا پایا تھا۔ یہ بھی ترکمان تھا۔ اسمٰعیل قلی خاں حسین قلی خاں کا بڑا بھائی تھا۔ حسین خاں ٹکریہ کی آنکھ پر زخم آیا تھا کہ اس کے جمال شجاعت پر چشم زخم ہوا تھا۔ ولی بیگ بہت زخمی تھا چنانچہ زنداں میں زندگانی کی قید سے چھٹ گیا۔ اس کا سر کاٹ کر ممالک مشرقی میں بھیجا کہ شہر بشہر تشہیر ہو۔

مشہور یہ تھا کہ ولی بیگ ذوالقدر خان خاناں کو زیادہ تر برہم کرتا ہے۔ پورب میں خانزماں اور بہادر خاں تھے کہ بیرم خانی ذیلدار کہلاتے تھے۔ اور اس کا سر بھیجنے سے حریفوں کا یہی مطلب ہوگا کہ

Marfat.com

دیکھو تمہارے حمایتیوں کا یہ حال ہے۔ لے جانے والا بھی چوبدار چھوٹی امت کا آدمی تھا اور حریفوں کا آدمی تھا کہ دربار کے فتح یاب تھے۔ خدا جانے اس نے کیا کہا ہو گا اور کس طرح پیش آیا ہو گا۔ بہادر خاں کو برداشت کہاں۔ رنج نے اس کی آتش غضب کو بھڑکایا اور اس نے چوبدار کو مروا ڈالا۔ یہ گستاخی اس کے حق میں بہت خرابی پیدا کرتی مگر اس کے مصاحبوں اور دوستوں نے اسے پاگل بنا دیا۔ چند روز ایک مکان میں بند رکھا اور حکیم علاج کرتے رہے اور جھوٹ شہرت انہوں نے بھی نہیں دی۔ یار پرستی اور وفاداری بھی تو ایک مرض ہے۔ اہل دربار نے بھی اس وقت پردہ ہی رکھنا مصلحت سمجھا اور ٹال گئے کیونکہ وہ دونوں بھائی میدان جنگ میں طوفان آتش تھے۔ چند سال بعد ان سے بھی کسر نکالی۔

اتکہ خاں کا دربار میں پہنچنا:

اتکہ خان بھی دربار میں پہنچے۔ اکبر نے خلعت و انعام سے امرا کے دل بڑھائے۔ لشکر کو ماچھی واڑہ پر چھوڑا اور آپ لاہور پہنچے کہ دارالسلطنت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ واقعہ طلب لوگ اٹھ کھڑے ہوں۔ یہاں خاص و عام کو اقبال کی تصویر دکھا کر تشفی دی اور پھر لشکر میں پہنچے۔ دامن کوہ میں بیاس کے کنارہ پر تلواڑہ ان دنوں مضبوط مقام تھا اور راجہ گنیش وہاں راج کرتا تھا۔ خان خاناں پیچھے ہٹ کر وہاں آیا۔ راجہ نے بہت خاطر کی اور سب سامانوں کا ذمہ لیا۔ اسی کے میدان میں لڑائی جاری ہوئی۔ پرانا سپہ سالار تجویز و تدبیر میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ چاہتا تو چٹیل میدان میں سے لشکر اگا دیتا۔ پہاڑ کو اسی لئے پشت پر رکھا تھا کہ مقابلہ پر بادشاہ کا نام ہے۔ اگر پیچھے ہٹنا پڑے تو پھیلنے کو بڑے بڑے ٹھکانے تھے۔ غرض لڑائی برابر جاری تھی۔ اس کی فوج مورچوں سے نکلتی تھی اور لشکر بادشاہی سے لڑتی تھی۔ ملا صاحب کہتے ہیں کہ ایک موقع پر لڑائی ہو رہی تھی اکبری لشکر میں سے سلطان حسین جلائر کہ نہایت سجیلا جوان اور دلاور اور دیدار و امیر زادہ تھا۔ میدان میں زخمی ہو کر گرا۔ بیرم خانی جوان اس کا سر کاٹ کر مبارکباد کہتے لائے۔ اور خان خاناں کے سامنے ڈال دیا۔ دیکھ کر افسوس کیا۔ رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگا۔ اور کہا سو لعنت ہے اس زندگی پر۔ میری شامت نفس سے ایسے ایسے جوان ضائع ہوتے ہیں باوجودیکہ پہاڑ کے راجہ اور رانا برابر چلے آتے تھے۔ فوج اور ہر طرح کے سامان سے مدد دیتے تھے اور آئندہ کے لئے وعدے کرتے تھے مگر اس نیک نیت نے ایک کی نہ سنی۔

انجام کا خیال کر کے آخرت کا رستہ صاف کر لیا۔ اسی وقت جمال خاں اپنے غلام کو حضور میں بھیجا کہ اجازت ہو فدوی حاضر ہوا چاہتا ہے۔ ادھر سے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری فوراً چند

Marfat.com

سرداروں کو لیکر روانہ ہوئے کہ دلجوئی کریں اور لے آئیں۔ ابھی لڑائی جاری تھی۔ وکیل دونوں طرف سے آتے اور جاتے تھے۔ خدا جانے تکرار کس بات پر تھی۔ منعم خاں سے نہ رہا گیا۔ چند امراو مقربان بارگاہ کے ساتھ بے تحاشا خان خاناں کے پاس چلا گیا۔ کہن سال سردار تھے۔ کہنہ عمل سپاہی تھے۔ قدیمی رفاقتیں تھیں۔ مدتوں ایک جگہ رنج و راحت کے شریک رہے تھے۔ دیر تک دل کے درد کہتے رہے۔ ایک نے دوسرے کی بات کی داد دی۔ منعم خاں کی باتوں سے اسے یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں۔ واقعی ہیں۔ فقط سخن سازی نہیں ہے۔ غرض خان خاناں چلنے کو تیار ہوا۔ جب وہ کھڑا ہوا بابا زنبور اور شاہ قلی محرم دامن پکڑ کر رونے لگے۔ کہ ایسا نہ ہو جان جائے۔ یا عزت پر حرف آئے۔ منعم خاں نے کہا اگر زیادہ ڈر ہے تو ہمیں یرغمال میں یہاں رہنے دو۔ خیر یہ پرانی محبت کی شوخیاں تھیں۔ ان لوگوں سے کہا کہ تم نہ چلو۔ انہیں جانے دو اگر انہوں نے اعزاز و اکرام پایا تو تم بھی چلے آنا ورنہ نہ آنا۔ اس بات کو انہوں نے مانا اور وہیں رہ گئے۔ اور رفیقوں نے بھی روکا۔ پہاڑ کے راجہ اور رانا مرنے مارنے کے عہد و پیماں باندھے موجود تھے۔ وہ بھی کہتے رہے اور امداد فوج اور سامان جنگ کی تیاریاں دکھاتے رہے۔ مگر وہ نیکی کا پتلا اپنے نیک ارادہ سے نہ ٹلا اور سوار ہو کر چلا۔ جو فوج اس کے مقابلہ پر دامن کوہ میں پڑی تھی۔ اس میں ہزاروں ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ امرائے شاہی جو یہاں سے گئے ہیں انہیں بیرم خاں نے پکڑ رکھا ہے۔ کوئی کہتا تھا ہرگز نہ آئے گا وقت ٹالتا ہے اور سلطان بہم پہنچاتا ہے۔ پہاڑ کے راجہ مدد کو آئے ہیں۔ کوئی کہتا تھا پہاڑ کے رستے علی قلی خاں اور شاہ قلی محرم ❶ آتے ہیں۔ کوئی کہتا تھا صلح کا پیچ مارا ہے۔ رات کو شبخون مار یگا۔ غرض جتنے منہ تنے اتنی ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ جریدہ لشکر میں داخل ہو گیا۔ تمام فوج نے خوشی کا غل مچایا اور نقاروں نے دور دور خبر پہنچائی۔ کچھ میل فاصلہ پہ حاجی پور دامن کوہ میں بادشاہ کے خیمے تھے۔ سنتے ہی حکم دیا کہ تمام امرائے دربار استقبال کو جائیں اور قدیمی عزت و احترام سے لائیں۔ ہر شخص جاتا تھا سلام کرتا تھا پیچھے ہو لیتا تھا۔ وہ شان نشان سپہ سالار جس کی سواری کا غل نقارہ کی آواز کوسوں تک جاتی تھی۔ اس وقت چپ چاپ، سکوت کا عالم تھا۔ گھوڑا تک نہ ہنہناتا تھا۔ وہ آگے خاموش چلا آتا تھا۔ اس کا گورا گورا چہرہ اس پر سفید ڈاڑھی۔ ایک نور کا پتلا تھا کہ گھوڑے پر دھرا تھا۔

چہرے پر مایوسی نگاہوں میں ندامت:

چہرے پر مایوسی برستی تھی۔ اور نگاہوں سے ندامت ٹپکتی تھی۔ تمام انبوہ چپ چاپ پیچھے تھا۔

❶ یاد کرو یہ وہی شاہ قلی محرم ہیں جو میدان جنگ سے ہوائی ہاتھی کو ہیمو سمیت پکڑ کر لے آئے تھے۔ خان خاناں نے اسے بچہ سا پالا تھا۔ محرم ترکوں میں ایک درباری عہدہ ہے۔

Marfat.com

سناٹے کا سماں بندھا تھا۔ جب بادشاہی خیمہ کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اتر پڑا۔ ترک جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں۔ اس نے آپ بکتر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی، ٹپکے سے اپنے ہاتھ باندھے۔ عمامہ سر سے اتار کر گلے میں لپیٹا اور آگے بڑھا۔ خیمہ کے پاس پہنچا تو خبر سن کر اکبر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ لب فرش تک آیا۔ خان خاناں نے دوڑ کر سر پاؤں پر رکھ دیا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ بھی اس کی گودوں میں کھیل کر پلا تھا۔ آنسو نکل پڑے۔ اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور اس کی قدیمی جگہ یعنی دست راست پر پہلو میں بٹھایا۔ آپ اس کے ہاتھ کھولے دستار سر پر رکھی۔ خان خاناں نے کہا۔ آرزو تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں۔ اور شمشیر بند بھائی جنازہ کا ساتھ دیں۔ حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی اور جان نثاری خاک میں مل گئی۔ اور خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے یہی شکر ہے کہ اخیر وقت میں حضور کے قدم دیکھنے نصیب ہو گئے۔ یہ سن کر دشمنوں کے پتھر دل بھی پانی ہو گئے۔ دیر تک تمام دربار مرقع تصویر کی طرح خاموش رہا۔ کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔

ایک ساعت کے بعد اکبر نے کہا۔ کہ خان بابا اب صورتیں تین ہیں۔ جس میں تمہاری خوشی ہو کہہ دو۔ (۱) حکومت کو جی چاہتا ہے تو چندیری و کالپی کا ضلع لے لو۔ وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو۔ (۲) مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو۔ جو عزت و توقیر تمہاری تھی اس میں فرق نہ آئیگا۔ (۳) حج کا ارادہ ہو تو بسم اللہ۔ روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائیگا۔ چندیری تمہاری ہو چکی۔ محاصل تمہارے گماشتے جہاں کہو گے پہنچا دیا کرینگے۔ خان خاناں نے عرض کی کہ قواعد اخلاص و اعتقاد میں اب تک کسی طرح کا قصور اور فتور نہیں آیا۔ یہ سارا تردد فقط اس لیے تھا۔ کہ حضور میں پہنچ کر رنج و ملال کی بنیاد کو آپ دھوؤں۔ الحمد للہ جو آرزو تھی پوری ہوگئی۔ اب عمر آخر ہوئی۔ کوئی ہوس باقی نہیں۔ تمنا ہے تو یہی ہے کہ آستانہ الٰہی پر جا پڑوں۔ اور حضور کی عمر و دولت کی دعا کیا کروں۔ اور یہ معاملہ جو پیش آیا۔ اس سے بھی مطلب فقط یہ تھا کہ فتنہ انگیزوں نے جو اوپر سے اوپر مجھے باغی بنا دیا تھا۔ اس شبہ کو خود حضور میں پہنچ کر رفع کروں۔ غرض حج کی بات قائم ہوگئی۔ حضور نے خلعت خاص اور خاصہ کا گھوڑا عنایت کیا۔ منعم خاں دربار سے اپنے خیمہ میں لے گیا۔ خیمے ڈیرے اسباب خزانے سے لیکر باورچی خانہ تھا جو تھا سب حوالہ کر کے آپ نکل آیا۔ بادشاہ نے پانچ ہزار روپیہ نقد اور بہت کچھ اسباب دیا۔ ماہم اور ماہم والوں کے سوا کوئی شخص نہ تھا جس کے دل میں اس کی محبت نہ ہو۔ اپنے اپنے منصب کے بموجب نقد و جنس جمع کیا کہ ترکوں کی رسم تھی۔ اور اسے چندوغ کہتے ہیں۔ چنانچہ ناگور کے رستہ گجرات دکن کو روانہ ہوا۔ حاجی محمد خان سیستانی ۳ ہزاری امیر کہ ان کا مصاحب اور قدیمی رفیق تھا۔

Marfat.com

بادشاہ نے اسے فوج دیکر رستہ کی حفاظت کے لئے ساتھ کیا۔

رستہ میں ایک دن کسی بن میں سے گزر ہوا۔ پگڑی کا کنارہ کسی ٹہنی میں اس طرح الجھا کہ پگڑی گر پڑی۔ لوگ اسے برا شگون سمجھتے تھے۔ اس کے چہرے پر بھی ملال معلوم ہوا۔ حاجی محمد خاں سیستانی نے خواجہ حافظ کا شعر پڑھا۔

در بیاباں چوں بہ شوق کعبہ خواہی زد قدم سرزنش ہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

یہ سن کر وہ ملال خوشی کا خیال ہوگیا۔ پٹن گجرات میں پہنچا۔ یہیں سے گجرات کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ عہد قدیم میں اسے نہر والہ کہتے تھے۔ موسیٰ خاں فولادی وہاں کا حاکم۔ اور حاجی خاں الوری بڑی تعظیم سے پیش آیا اور دھوم سے ضیافتیں کیں۔ اس سفر میں کچھ کام تو تھا نہیں۔ کیونکہ کاروبار کی عمر تمام ہولی تھی۔ اس لئے جہاں خان خاناں جاتا تھا۔ دریا، باغ، عمارت کی سیر کر کے دل بہلاتا تھا۔

سلیم شاہ کے محلوں میں ایک کشمیرن بی بی تھی۔ اس سے سلیم شاہ کی ایک بیٹی تھی۔ وہ خان خاناں کے لشکر کے ساتھ حج کو چلی تھی۔ وہ خان خاناں کے بیٹے مرزا عبدالرحیم کو بہت چاہتی تھی۔ اور وہ لڑکا بھی اس سے بہت ہلا ہوا تھا اور خان خاناں اپنے فرزند یعنی مرزا عبدالرحیم سے لڑکی کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس بات کا افغانوں کو بہت خار تھا۔ (دیکھو خافی خاں اور ماثر) ایک دن شام کے قریب سہس لنگ (1) وہاں کے تلاؤ میں نواڑے پر بیٹھا۔ پانی پر ہوا کھاتا پھرتا تھا۔ مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لئے اترا مبارک خاں لوہانی ایک افغان تیس چالیس افغانوں کو لیکر سامنے آیا۔ ظاہر یہ کیا کہ ہم ملاقات کو آئے ہیں۔ بیرم خاں نے مروت واخلاص سے پاس بلا لیا۔ اس نامبارک نے مصافحہ کے بہانے پاس آکر پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینہ کے پار نکل آیا۔ ایک اور ظالم نے سر پر تلوار ماری کہ کام تمام ہوگیا۔ اس وقت کلمہ اللہ اکبر زبان سے نکلا۔ غرض جس شربت شہادت کی وہ خدا سے التجا مانگتا تھا اور دعائے سحری میں التجا کیا کرتا تھا۔ اور مردان خدا سے تمنا کیا کرتا تھا۔ خدا نے اسے نصیب کیا۔ لوگوں نے نامبارک سے پوچھا کہ کیا سبب تھا۔ جو یہ غضب کیا کہا۔ کہ ماچھی واڑہ کی لڑائی میں ہمارا باپ مارا گیا تھا ہم نے اس کا بدلہ لیا۔

---

(1) وہاں کی مشہور سیر گاہ تھی۔ سہس ہندی میں ہزار کو کہتے ہیں اور لنگ گھر۔ اس تالاب کے گرد ہزار مندر تھے۔ شام کو جب اس کے گنبدوں پر دھوپ ہوتی تھی تو ان کی روشنی۔ اور کلسوں کی چمک کا پانی میں عکس اور کناروں کا سبزہ عجب بہار دیتا تھا۔ اور جب چراغ جلے ان میں روشنی ہوتی تھی۔ اس کے عکس جو پانی میں پڑتے تھے تو سارا تلاؤ جگمگ جگمگ کرتا تھا۔

Marfat.com

ملازمین کا ساتھ چھوڑ جانا:

نوکر چاکر یہ حال دیکھ کر تتر بتر ہو گئے۔ اللہ کبھی وہ دولت وصولت اور کجا یہ حالت کہ اس کی لاش بے خون پڑا بہتا تھا۔ اور کوئی نہ تھا آ کر خبر بھی لے۔ اس بے کس کے کپڑے تک اتار لئے گئے آب رحمت ہوا پر کہ خاک کی چادر اڑھا کر پردہ کیا۔ آخر وہیں کے فقرا و مساکین نے شیخ حسام الدین کے مقبرہ میں کہ مشائخ کبار میں مشہور تھے۔ اور سلطان الاولیا کے خلفا میں تھے۔ دفن کر دیا۔ قاسم ارسلاں نے تاریخ کہی۔ ماثر میں لکھا ہے کہ ایک رات اسے خواب میں یہ تاریخ معلوم ہوئی تھی۔

بیرم بہ طواف کعبہ چوں بست احرام　　درراہ شد از شہادتش کار تمام
درواقعہ ہاتفے پئے تاریخش　　گفتہ کہ شہید شر محمد بیرام

لاش دلی میں لا کر دفن کی۔ حسین قلی خاں خان جہاں نے ۹۸۵ھ میں مشہد مقدس میں پہنچائی۔ لاوارث قافلہ پر جو مصیبت گزری۔ عبدالرحیم خان خاناں کے حال میں پڑھو۔

عبرت:

خدا کی شان دیکھو جن جن لوگوں نے اس کی برائی میں اپنی بھلائی سمجھی تھی۔ ایک برس کے پس وپیش میں دنیا سے گئے۔ اور ناکام و بدنام گئے۔ سب سے پہلے میر شمس الدین محمد خاں اتکہ اور گھنٹہ بھر نہ گزرا کہ ادہم خاں۔ ۴۰ دن نہ ہوئے تھے کہ ماہم۔ دوسرے ہی برس پیر محمد خاں۔

خرابی خان خاناں کا اصلی سبب:

اس مہم کا سبب خواہ بیرم خاں کی سینہ زوری کہو۔ خواہ یہ کہو کہ اس کے زبردست اختیارات اور احکام کو امرا کو برداشت نہ ہوئی۔ خواہ یہ سمجھو کہ اکبر کی طبیعت میں خود حکمرانی کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو۔ خواہ سب کی سب ہوں۔ حق پوچھو تو سب کے دلوں میں فتیلہ لگانے والی وہی مردانی عورت تھی جو مردوں کو چالاکی اور مردانگی کا سبق پڑھاتی تھی۔ یعنی ماہم اتکہ۔ وہ اور اس کا بیٹا یہ چاہتے تھے کہ سارے دربار کو نگل جائیں۔ میر شمس الدین محمد خاں اتکہ جس کے نام پر مہم مذکور کی فتح لکھی گئی۔ انہوں نے جب خاتمہ مہم کے بعد دیکھا کہ ساری محنت برباد ہو گئی۔ اور ماہم اے سلطنت کے مالک بن گئے۔ تو اکبر کو ایک عرضی لکھی۔ باوجودیکہ اپنی شرافت اور متانت کے جوہر کی ہر حرف میں رعایت رکھی ہے۔ پھر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے داغ داغ ہو رہے ہیں۔ عرضی مذکور اکبرنامہ میں درج ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ ان کے حال میں لکھا ہے۔ اس سے

Marfat.com

بہت سی رمزیں مبہم مذکور۔ اور ماہم کی کینہ وری کی عیاں ہونگی دیکھو اس کا حال۔

بیرم خاں کا مذہب:

(ملا صاحب فرماتے ہیں) اس کا دل برگدار تھا۔ اکابر اور مشائخ کے کلام پر بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ ذرا سی معرفت کے نکتہ پر آنسو بھر لاتا تھا۔ صحبت میں ہمیشہ قال اللہ و قال الرسول کا ذکر تھا۔ اور خود ایک باخبر انسان تھا۔

حکایت:

سیکری میں کسی فقیر گوشہ نشین سے ملنے گیا۔ اہل جلسہ میں سے ایک شخص نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ تعز من نشاء وتذل من نشاء کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے تفسیر نہ پڑھی تھی۔ چپکے بیٹھے رہے۔ خان خاناں نے کہا تعز من نشاء بالقناعة وتذل من نشاء بالسوال۔ لیکن عقیدہ تفصیل کی طرف مائل تھا۔ حافظ محمد امین جو خاص بادشاہی اور خاندانی خطیب تھے ان سے کہا کرتا تھا کہ جناب علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے القاب میں چند کلمے اور اصحابوں سے زیادہ پڑھا کرو۔

تباہی سے پہلے ایک علم اور پرچم مرصع مشہد مقدس میں چڑھانے کو تیار کیا تھا۔ اس پر کروڑ روپیہ لاگت آئی تھی اور قاسم ارسلاں نے علم امام ہشتم اس کی تاریخ کہی تھی۔ پرچم پر مولوی جامی کی یہ غزل لکھی تھی۔

سلام علی ال طه ویٰسین	سلام علی ال خیر النبیین
سلام علی روضه حل فیها	امام یباهی به الملک والدین
امام بحق شاه مطلق که آمد	حریم درش قبله گاه سلاطین
شه کاخ عرفان گل باغ احسان	دُر درج امکان مه برج تمکین
علی ابن موسیٰ رضا کز خدایش	رضا شد لقب چوں رضا بودش آئین

یہ علم بھی ضبطی میں گیا۔ اور خواہان دولت نے خزانہ میں داخل کیا۔

اخلاق:

کل مورخ نئے اور پرانے بیرم کے حق میں سوا تعریف کے کچھ نہیں لکھتے۔ فاضل بداؤنی تو کسی سے نہیں چوکتے وہ بھی جہاں اس کا ذکر کرتے ہیں خوبی اور شگفتگی کے ساتھ لکھتے ہیں۔ پھر بھی خالی تو نہ چھوڑنا چاہئے تھا جس سال میں اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے وہاں کہتا ہے۔ اس [illegible] میں خان خاناں

Marfat.com

نے ہاشمی قندھاری کی ایک غزل دست بردتر کانہ میں اڑا کر اپنے نام سے مشہور کی۔ صلہ میں ۶۰ ہزار روپیہ نقد دے کر پوچھا۔ آرزو پوری ہوئی۔ اس نے کہا۔ پوری تو جب ہو کہ پوری ہو (یعنی آرزو جب پوری ہو کہ لاکھ روپے کی رقم پوری ہو) یہ لطیف بہت پسند آیا۔ ۴۰ ہزار بڑھا کر پورے لاکھ کر دیئے خدا جانے کیا ساعت تھی۔ چند ہی روز میں غزل کا مضمون اور ادبار کا اثر ظاہر ہو گیا۔ غزل

سن کیستم عنان دل از دست دادۂ   دردست دل براہ غم از پا فتادۂ

دیوانہ وار در کمر کمرہ گشتۂ   بے اختیار سر بگریباں نہادۂ

گاہے چو شمع ز آتش دل درگرفتۂ   گرچوں فتیلہ بادل آتش فتادۂ

بیرم زفکر اندک وبسیار فارغیم   ہرگز نہ گفتہ ایم کے یا زیادۂ

آزاد۔ دیکھو ملا صاحب نے ظرافت کا نشتر مارا تھا وہاں سے سخاوت کا چشمہ بہ نکلا۔ یہ وہی نیت کا پھل ہے۔

(نمبر۲ سخاوت) رام داس لکھنوی۔ سلیم شاہی زمانہ کا گویا تھا کہ موسیقی میں دوسرا تان سین کہلاتا تھا۔ وہ اس کے دربار میں آیا اور گایا۔ خزانہ میں اس وقت کچھ نہ تھا۔ اس پر لاکھ روپیہ دیا۔ اس کا گانا بہت پسند تھا۔ چنانچہ خلوۃ اور جلوہ میں محرم اور ہمدم تھا۔ جب وہ گاتا تھا تو خان خاناں کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ ایک جلسہ میں نقد جنس جو اسباب موجود تھا سب دیدیا اور آپ الگ اٹھ گیا۔

(نمبر۳۔ سخاوت) حجاز خاں ایک سردار افغان امیروں میں سے باقی تھا۔ علم طوغ اور نقارہ سے اس کی سواری چلتی تھی۔ (ملا صاحب کیا مزہ سے لکھتے ہیں) اخیر عمر میں سپاہ گری چھوڑ کر تھوڑی سی مدد معاش پر بیٹھ رہا تھا کہ زہد اور عبادت کی برکت سے قناعت کی دولت پائی تھی اس نے قصیدہ کہہ کر سنایا۔ خان خاناں نے لاکھ روپیہ دیکر کل سرکار سرہند کا امین کر دیا۔

چوں مہرہ نگیں سما شد بزیر آب   پرگار خاتمش بزمیں داد لعل ناب

خواجہ کلاں بیگ کا لطیفہ ٹھیک ہوا کہ سخن فہمی عالم بالا ہم معلوم شد۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اسکی ہمت عالی کی نظر میں لک بھی کک (خس۔ تنکا) تھا۔ نہ یہ گھاس پھوس کہ پانی پر سوار نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

(نمبر ۴۔ اور ایک لطیفہ) میر علاء الدولہ اپنے تذکرہ میں فہمی قزوینی کے حال میں لکھتے ہیں کہ خاندان وزارت سے تھا۔ لیکن بے قید اور تکلفات سے آزاد رہتا تھا۔ رنگ سرخ اور آنکھیں کیری تھیں۔ ایک جلسہ میں بیرم خاں نے اسے دیکھ کر کہا۔ مرزا خرمہرہ چرا بر روے دوختہ۔ مرزا نے کہا برائے چشم زخم۔ خان خاناں بہت خوش ہوئے۔ ہزار روپے، خلعت، گھوڑا اور ایک لاکھ کی جاگیر عنایت کی۔ فہمی اکبر کی تعریف میں اکثر قصاید کہا کرتا تھا۔ ایک قصیدے کے دو شعر تذکرہ مذکور سے مجھے پہنچے۔

منم ہمیشہ ثنا خواں کہ بادشاہ سلامت	دعا ہے کنم از جاں کہ بادشاہ سلامت
بریں کتابہ نیلی رواق کاتب قدرت	خطے نوشتہ زافشاں کہ بادشاہ سلامت

(نمبر ۵۔ سخاوت) ۳۰ ہزار شریف شمشیر زن اس کے دستر خوان پر کھانا کھاتا تھا۔ اور ۲۵ امیر با لیاقت صاحب تدبیر اس کے ملازم تھے کہ برکت خدمت سے پنج ہزاری منصب اور صاحب طبل و علم ہوئے۔ دیکھو ماثر۔

غیرت مردانہ:

جب میدان جنگ کے لئے ہتھیار سجنے لگتا تو دستار کا سرا ہاتھ میں اٹھاتا اور کہتا۔ الٰہی یا فتح یا شہادت۔ بدھ کے دن معمول تھا کہ ہمیشہ شہادت کی نیت سے حجامت اور غسل کیا کرتا تھا۔ ماثر الامرا۔

علو حوصلہ:

اس آفتاب کا اقبال عین اوج پر تھا۔ دربار لگا ہوا تھا۔ ایک سید سادہ لوح کسی بات پر خوش ہوئے۔ کھڑے ہو کر کہا۔ نواب کی حصول شہادت کے لئے سب فاتحہ پڑھیں اور دعا کریں سب اہل دربار سید صاحب کا منہ دیکھنے لگے۔ اس عالی حوصلہ نے مسکرا کر کہا۔ جناب سید بایں اضطراب غم خواری نکنید۔ شہادت عین تمنا است مگر نہ بایں زودی۔ دیکھو اقبال نامہ اور ماثر الامرا انہی کتابوں میں ہے کہ ہمیشہ بدھ کے دن خط بنواتا تھا غسل کرتا تھا۔ اس نیت سے کہ میں شہادت کے لئے مستعد اور مہیا رہوں۔ ہمیشہ اس نعمت کے لئے دعا کرتا رہتا تھا اور اہل اللہ سے دعا چاہتا تھا۔

نقل:

Marfat.com

ایک شب دربار خاص میں ہمایوں بادشاہ بیرم خاں سے کچھ کہہ رہے تھے۔ رات زیادہ ہوگئی تھی۔ نیند کے مارے بیرم خاں کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بادشاہ کی بھی نگاہ پڑ گئی۔ فرمایا بیرم من بشما مے گویم۔ شما خواب میکنید۔ بیرم نے کہا۔ قربانت شوم۔ از بزرگان شنیدہ ام کہ در سہ مقام حفاظت سہ چیز واجب است۔ در حضرت بادشاہان حفظ چشم۔ در خدمت درویشان نگہداری دل۔ در پیش علما پاسبانی زبان۔ در ذات حضور صفات سہ گانہ جمع مے بینم۔ فکرے کنم کدام کدام شاں رانگہدارم۔ اس جواب سے بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ (مآثر الامرا)

آزاد:

اس برگزیدہ انسان کے کل حالات پڑھ کر صاحب نظر صاف کہہ دینگے کہ اس کا مذہب شیعہ ہوگا۔ لیکن اس کہنے سے کیا حاصل۔ ہمیں چاہئے کہ اس کی چال ڈھال دیکھیں اور گزرگاہ دنیا میں آپ چلنا سیکھیں۔ اس عالی حوصلہ دریا دل نے دوست و دشمن کے انبوہ میں کس ملنساری اور سلامت روی سے اور بے تعصبی اور خوش اعتدالی سے گزارہ کیا ہوگا۔ وہ شاہانہ اختیار رکھتا تھا۔ کل سلطنت کے کاروبار اس کے ہاتھ میں تھے۔ اور شیعہ سنی جن کے شمار ہزاروں اور لاکھوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ سب کی غرضیں اور امیدیں اس کے دامن کھینچتی تھیں۔ باوجود اس کے کیسا دونوں فرقوں کو دونوں ہاتھوں پر برابر لئے گیا کہ مورخاں وقت میں اس کے تشیع کا ثبوت تک نہ کرسکا۔ ملا صاحب جیسے نظر باز نے بہت تاڑا تو یہ کہا کہ تفصیل پر مائل تھا (اہل اسلام میں ایک فرقہ وہ ہے کہ خلافت میں حضرت علی کو چوتھے درجہ میں رکھتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ فضائل و اوصاف میں پہلے تینوں خلفا سے افضل تھے۔ جن سنت جماعت لوگوں کو اس سے کام پڑتا ان پر اس قدر اخلاق اور سخاوت مبذول کرتا تھا کہ امرائے اہل سنت نہ کرتے تھے۔ دیکھو مخدوم الملک کا حال۔

تصنیف

ہر تذکرہ و تاریخ میں لکھتے ہیں کہ شعر کا نکتہ شناس تھا اور خود بھی خوب کہتا تھا۔ مآثر الامرا میں ہے کہ استادوں کے شعروں میں ایسی اصلاحیں کیں کہ اہل سخن نے انہیں تسلیم کیا۔ ان سب کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ اور اس کا نام دخلیہ رکھا تھا۔ فارسی اور ترکی زبان میں تمام و کمال دیوان لکھے اور قصاید

Marfat.com

بلیغ نظم کیے۔ ملا صاحب اکبر کے زمانہ میں لکھتے ہیں کہ آج کل اس کے دیوان زبانوں اور ہاتھوں پر رواں ہیں۔ محوی شاعر کے حال میں لکھا ہے کہ اس کی یہ رباعی بیرم خاں کے دیوان میں لوح دیباچہ پر درج ہے۔

ازکون ومکاں نخست آثار نبود کاشیا ہمہ از دو حرف کن شد موجود
آمد چو ہمیں دو حرف مفتاح وجود شد مطلع دیباچہ دیوان شہود

افسوس کا دن آج ہے جس میں اس کی ایک غزل بھی پوری نہیں ملتی۔ تاریخوں اور تذکروں میں متفرق اشعار ہیں ہفت اقلیم ملا امین رازی میں ایک قصیدے کے بھی بہت سے شعر لکھے ہیں۔ جس کا مطلع ہے۔

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

———— ☙☙☙ ————

Marfat.com

امیر الامرا خان زماں علی قلی خاں شیبانی

علی قلی خاں اور اس کے بھائی بہادر خاں نے خاک سیستان سے اٹھ کر رستم کا نام روشن کر دیا۔ ملا صاحب سچ کہتے ہیں جس بہادری اور بے جگری سے انہوں نے تلواریں ماریں۔ لکھتے ہوئے قلم کا سینہ پھٹا جاتا ہے۔ یہ شان نشان سپہ سالار دولت اکبری میں بڑے بڑے کارنامے دکھاتے اور خدا جانے ملک کو کہاں سے کہاں پہنچاتے۔ حاسدوں کی نالائقی اور کینہ وری ان کی جانفشانیوں اور جان بازیوں کو دیکھ نہ سکی۔ آزاد میں اس معاملے میں انہیں اعتراض سے پاک نہیں رکھ سکتا۔ وہ آخر دربار میں سب کو جانتے تھے۔ اور سب کچھ جانتے تھے۔ خصوصاً بیرم خاں کی بربادی اور جانفشانی دیکھ کر چاہئے تھا کہ ہشیار ہو جاتے اور قدم قدم پر سوچ سمجھ کر پاؤں رکھتے۔ افسوس کہ پھر بھی نہ سمجھے اور وہ جانبازیاں جن سے دربار دلاوری میں رستم و اسفندیار کے برابر جگہ پاتے۔ سب اپنی بربادی میں خرچ کیں۔ یہاں تک کہ نمک حرامی کا داغ لے کر دنیا سے گئے۔

حیدر سلطان ان کا باپ قوم کا ازبک تھا۔ اور شیبانی خاں [1] کے خاندان میں سے تھا۔ اس نے ایک اصفہانی عورت سے شادی کی تھی۔ شاہ طہماسپ نے جو فوج ہمایوں کے ساتھ کی اس میں بہت سے سردار با اعتبار تھے۔ انہی میں حیدر سلطان [2] اور اس کے دونوں بیٹے بھی تھے۔ قندھار کے حملوں میں باپ بیٹے ہمت مردانہ کے جوہر دکھاتے رہے۔ ایران کا لشکر رخصت ہوا تو حیدر سلطان ہمایوں کے ساتھ رہا۔ بلکہ ایسی خصوصیت حاصل کی کہ ایرانی سپہ سالار اس کی معرفت حاضر ہو کر رخصت ہوا اور خطاواروں کی خطا اس کی سفارش سے معاف ہوئی۔

---

1. وہی شیبانی خاں جس نے بابر کو ملک فرغانہ سے نکالا بلکہ تیمور کا نام ترکستان سے مٹایا۔
2. یہ قول فرشتہ و خافی خاں وغیرہ کا ہے مگر بعض مورخ کہتے ہیں کہ جام پر قزلباش اور ازبک میں سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں حیدر سلطان قزلباشوں کی شمول سے سرخرو ہوا اور انہی میں سکونت اختیار کر کے ایک اصفہانی عورت سے شادی کر لی۔

Marfat.com

اس کی خدمتوں نے ہمایوں کے دل میں ایسا گھر کیا تھا کہ اس وقت قندھار کے سوا کچھ پاس نہ تھا۔ پھر بھی شال کا علاقہ اس کی جاگیر میں دیا تھا۔ بادشاہ ابھی اسی طرف تھا کہ لشکر میں وبا پڑی اس میں حیدر سلطان نے قضا کی۔ چندروز بعد ہمایوں نے کابل کی طرف علم کا پرچم کھولا۔ شہر آدھ کوس رہا تو مقام کیا۔ امرا کی تقسیم اور فوج کی ترتیب کی۔ دونوں بھائیوں کو خلعت دیکر سوگ سے نکالا اور بہت دلاسا دیا۔ علی قلی خاں اس وقت بکاول بیگی (کھانا کھلانے کا داروغہ تھا) جب کامران طالیقان پر۔ قلعہ بند ہوکر ہمایوں سے لڑ رہا تھا۔ روز جنگ کے میدان گرم ہوتے تھے۔ دونوں بھائی دلوں میں دلاوری کے جوش اور فوجیں رکاب میں لئے تلواریں مارتے پھرتے تھے۔ اس میں علی قلی خاں کے لباس نوجوانی کو زخموں سے گلرنگ کیا۔ ہندوستان پر ہمایوں نے فوج کشی کی۔ اس میں بھی دونوں بھائی شمشیر دودم کی طرح میدان میں چلتے تھے۔ اور دشمنوں کو کاٹتے جاتے تھے۔

ہمایوں نے لاہور میں آکر دم لیا۔ ہر چند پشاور سے یہاں تک افغان ایک میدان بھی نہ لڑے مگران کے مختلف سردار جابجا جمعیتوں کے انبوہ لئے دیکھ رہے تھے کہ کیا ہوتا ہے۔ خبر لگی کہ ایک سردار دیپال پور ❶ پر فوج فراہم کر رہا ہے۔ بادشاہ نے چند امرا کو سپاہ وسامان دے کے روانہ کیا۔ اور شاہ ابوالمعالی کو سپہ سالار کیا۔ وہاں مقابلہ ہوا اور افغانوں نے میدان جنگ میں حد سے بڑھ کر حوصلہ دکھایا۔ شاہ ملک حسن کے سپہ سالار تھے لیکن وہاں نگاہوں کی تلواریں۔ ناز کے خنجر نہیں چلتے۔ فوج کا میدان میں لڑانا اور خود شمشیر کا جوہر دکھانا اور بات ہے۔ جب میدان کارزار گرم ہوتو ایک جگہ افغانوں نے شاہ کو گھیر لیا۔ سیستانی شیر اپنے رفیقوں کے ساتھ ڈھاڑتا اور للکارتا پہنچا۔ اور وہ ہاتھ مارے کہ میدان مارلیا بلکہ شہرت ونامور کا نشان یہیں سے ہاتھ آیا۔

ستلج پار کی لڑائی میں جو خانخاناں کی فوج نے میدان مارا یہ سایہ کی طرح پیچھے پیچھے فوج لئے پہنچے۔

آوارہ وگمنام سپاہی:

لشکر بادشاہی میں ایک آوارہ وگمنام بے سروپا سپاہی قنبر نام تھا۔ اور اپنی سادہ مزاجی کے سبب سے قنبر دیوانہ مشہور تھا۔ لیکن کھانے کھلانے والا تھا اس لئے جہاں کھڑا ہوتا تھا۔ کچھ نہ کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوجاتے تھے۔ جب ہمایوں نے سرہند پر فتح پائی تو وہ لشکر سے جدا ہوکر لوٹتا مارتا چلا گیا۔ گاؤں اور قصبوں پر گرتا تھا۔ جو پاتا تھا لوٹتا تھا اور لوگوں کو دیتا تھا۔ خدائی لشکر ساتھ ہوتا جاتا تھا قنبر دیوانہ تھا مگر اپنے کام کا ہوشیار تھا۔ کچھ کچھ قیمتیں چیزیں ہاتھی گھوڑے جو ہاتھ آئے۔ عرایض بندگی

❶ دیپالپور لاہور سے جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔

Marfat.com

کے ساتھ حضور میں پہنچاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سنبھل میں جا پہنچا۔ ایک نامی افغان بہادر سردار وہاں کا حاکم تھا۔ اس نے مقابلہ کیا۔ تقدیر کی بات ہے کہ باوجود جمعیت وسامان کے بے جنگ ویران ہو گیا۔

جب قنبر نے جمعیت امیرانہ بہم پہنچائی۔ تو دماغ میں خیالات شاہانہ سمائے کہ میں مالک ملک اور صاحب تاج ہو گیا۔ یہ دیوانہ عجب مزے کی باتیں کرتا تھا۔ اس کا دسترخوان وسیع تھا۔ اچھے کھانے پکواتا تھا۔ سب کو بٹھاتا اور کہتا "تجوریدمال ،ال خدا۔ جان جان خدا۔ قنبر دیوانہ بکاول خدا۔ ہاں بخورید"۔ اس کا دل دسترخوان سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ اس سخاوت نے یہاں تک جوش وخروش دکھایا کہ کئی دفعہ گھر کا گھر لٹا دیا۔ آپ باہر نکل کر کھڑا اور کہا۔ مال خدا ایست۔ ہاں بندہائے خدا بیائید، بگیرید، بردارید، ونگزارید"۔ انسان کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ ترقی کے وقت جب اونچا ہوتا ہے۔ تو خیالات اس سے بھی بہت زیادہ اونچے ہو جاتے ہیں۔

جتنے نشے ہیں یاں روش نشہ شراب ہو جاتے بدمزہ ہیں جو بڑھ جاتے حد سے ہیں

ادب آداب بھول جانا:

ادب آداب بھول گیا۔ اور حقیقت میں تو یاد ہی کب کیے تھے جو بھولتا۔ ایک لشکری آدمی بلکہ صحرائی جانور تھا۔ بہر حال جو لوگ اس کی رکاب میں جانفشانیاں کرتے تھے۔ انہیں آپ ہی بادشاہی خطاب دینے لگا۔ آپ ہی علم ونقارے بخشنے لگا۔ انہی بھولی بھالی باتوں میں یہ بھی ضرور تھا۔ کہ رعایا کے ساتھ بعض بعض بے اعتدالیاں کرتا تھا۔ جب آدمی کا ستارہ بہت چمکتا ہے تو اس پر نگاہ بھی زیادہ پڑنے لگتی ہے۔ لوگوں نے حضور میں ایک ایک بات چن کر پہنچائی۔

علی قلی خاں کو خان زماں کا خطاب:

بادشاہ نے علی قلی خاں کو خان زمان کا خطاب دیکر روانہ کیا کہ سنبھل قنبر سے لے لو۔ بداؤں اس کے پاس رہے۔ اسے بھی خبر پہنچی اور ساتھ ہی علی قلی خاں کا وکیل پہنچا کہ فرمان آیا ہے۔ چل کر تعمیل کر۔ وہ کب خاطر میں لاتا تھا۔ جاہل سپاہی تھا۔ سنبھل کو سنبھر کہتا تھا۔ دربار میں بیٹھتا اور کہتا سنبھر۔ قنبر۔ سنبھر وعلی قلی خاں چہ؟ مثل ہماں است کہ وہ کسے درختاں کسے۔ علی قلی خاں کو کیا۔ سطہ۔ ملک میں نے مارا کہ تو نے؟ خان نے پہنچ کر بداؤں کے پاس لشکر ڈالا اور اسے بلا بھیجا۔ قنبر کب آتے تھے یہ کہتے تھے کہ تو میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ تو بادشاہی بندہ ہے تو میں بھی حضرت کا غلام ہوں۔ مجھے بادشاہ کے ساتھ تجھ سے زیادہ قرب ہے اپنے سر کی طرف انگلی اٹھاتا اور کہتا کہ یہ سرتاج

Marfat.com

شاہی سمیت پیدا ہوا ہے۔ خان نے فہمائش کے لئے اپنے معتبر بھیجے انہیں قید کر لیا۔ بھلا خان زماں اس پاگل کو کیا خاطر میں لاتا تھا۔ آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دیوانہ نے یہ برا کیا کہ ان دنوں میں رعایا کو زیادہ تر ناراض کرنے لگا۔ کسی کا مال لے لیا۔ کسی کے عیال لے لئے۔ لوگوں کی بے اعتباری کے سبب سے رات کو آپ مورچے مورچے پر قلعداری کا اہتمام کرتا پھرتا تھا۔

باوجود اس دیوانہ پن کے سیانا بھی ایسا تھا۔ کہ ایک دفعہ آدھی رات کو پھرتے پھرتے ایک بنئے کے گھر میں پہنچا۔ جھک کر زمین سے کان لگائے۔ چند قدم آگے پیچھے بڑھ کر ہٹ کر پھر دیکھا پھر پہلی جگہ آ کر بیلداروں کو آواز دی اور کہا کہ ہاں۔ آہٹ معلوم ہوتی ہے یہیں کھودو۔ دیکھا تو وہیں نقب کا سرا نکلا کہ علی قلی خاں باہر سے سرنگ لگا رہا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قلعہ خدا جانے کن وقتوں کا بنا ہوا تھا۔ باہر والوں نے جس طرف سے سرنگ لگائی۔ فصیل میں سال کے شہتیر اور لوہے کی سلاخیں پائی تھیں۔ بنانے والے نے آثار بھی پانی تک پہنچا دیا تھا۔ خان زماں کو کسی حکمت عملی سے پتہ لگ گیا۔ وہی ایک جگہ تھی جہاں سے اندر سرنگ جا سکتی تھی۔

بہرحال اگر قسمر تاڑ نہ جاتا تو اسی دن علی قلی خاں کی فوج سرنگ کی راہ سر توڑ اندر چلی آتی۔ خاں بھی یہ زیرکی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خیر شہر کے لوگ اس سے تنگ تھے۔ خان کے معتبر جو قلعے میں قید تھے۔ انہوں نے اندر اندر شہر کے لوگوں کو ملا لیا۔ جب رعایا پھر گئی۔ پھر کیا ٹھکانہ۔ باہر والوں کو پیغام بھیجا کہ رات کو اس برج پر فلانے وقت اس مورچے سے حملہ کرو۔ ہم کمندیں ڈال کر اور زینے لگا کر چڑھا لیں گے۔ شیخ حبیب اللہ وہاں کے روسائے سرگروہ میں سے تھے۔ اور شیخ سلیم چشتی کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ وہ خود اس معاملے میں شریک تھے چنانچہ رات کے وقت شیخ زادہ کے برج کی طرف سے چڑھا ہی لیا اور ایک آف آگ بھی لگا دی۔ شب اپنی سیاہ چادر تانے سوتی تھی اور دنیا غافل پڑی تھی۔

قسمر سیاہ بخت:

قسمر سیاہ بخت نے وقت کو غنیمت سمجھا اور ایک کالا کمبل اوڑھ کر بھاگ گیا۔ مگر اسی دن علی قلی خاں کے شکاری خرگوش کی طرح جنگل سے پکڑ لائے۔ بامروت سپہ سالار نے ہر چند کہا کہ فرمان شاہی کی بے ادبی کی ہے۔ توبہ اور معذرت کر۔ دیوانہ کس کی سنتا تھا کہا کہ معذرت چہ معنی دارد۔ آخر جان کھوئی اور مدت تک اس کی قبر درگاہ بن کر شہر بداؤں کو روشن کرتی رہی۔ لوگ پھول چڑھاتے اور مرادیں پاتے تھے۔ علی قلی خاں نے اس کا سر کاٹ کر عرضی کے ساتھ دربار میں بھیج دیا۔ رحم دل بادشاہ

Marfat.com

(ہمایوں) کو یہ بات پسند نہ آئی بلکہ ناراضگی کے ساتھ فرمان لکھا کہ جب وہ اظہار بندگی کرتا تھا۔اور چاہتا تھا کہ معذرت کو حضور میں حاضر ہو تو پھر یہاں تک کیوں نوبت پہنچائی۔اور جب گرفتار ہو کر آیا تو قتل کیوں کیا۔

انہیں دنوں میں ہمایوں کے ہمائے حیات نے پرواز کی۔اقبال چتر بنا اور اکبر کے سر پر قربان ہوا۔ہیمو ڈھوسر افغانوں کے گھر کا نمک خوار ممالک مشرقی میں حق نمک ادا کرتے کرتے بہت قوت پکڑ گیا تھا اور روز بروز زوروں پر چڑھتا جاتا تھا۔جب اس نے دیکھا کہ ۱۳ برس کا شہزادہ بادشاہ ہندوستان ہوا ہے تو فوج لیکر چلا۔بڑے بڑے امرائے افغان اور جنگ کے لئے بے شمار سامان لئے طوفان کی طرح پنجاب پر آیا تغلق آباد پر تردی بیگ کو شکست دی۔دلی میں جس کا تخت بادشاہوں کی ہوس کا تاج ہے۔جشن شاہانہ کیا۔اور دلی جیت کر بکرماجیت بن گیا۔

شادی خاں ایک پرانا افغان:

شادی خاں ایک پرانا افغان شیر شاہی پٹھانوں میں سے ادھر کے علاقے دبائے ہوئے تھا۔خان زماں اس سے لڑ رہا تھا۔جب ہیموں کا غلغلہ اٹھا تو بہادر نے مناسب سمجھا کہ پرانے خاک تودہ پر تیراندازی کرنے سے بہتر ہے کہ نئے دشمن پر جا کر تلوار کے جوہر دکھاؤں۔اس لئے ادھر کا معاملہ ملتوی کر کے دلی کا رخ کیا۔مگر لڑائی کے وقت تک میدان میں نہ پہنچ سکا۔میرٹھ میں تھا کہ سنا۔امرا بھاگے۔یہ دلی سے اوپر اوپر جمنا پار ❶ ہوا اور کرنال سے ہوتا ہوا پنجاب ہی کی طرف چلا۔دلی کے گھوڑے سرہند میں جمع ہو رہے تھے۔یہ بھی انہی میں شامل ہوا۔اکبر آئے سب کی ملازمت ہوئی۔تردی بیگ باہر سے باہر ہی مر چکے تھے۔اکبر نے عنایت و مرحمت بلکہ انعام و اکرام سے شکستہ دلوں کی مرہم پٹی کی۔یہ سب خان خاناں کی ہی تدبیریں تھیں۔

رستہ میں خبر پہنچی کہ ہیموں دلی سے چلا۔خان خاناں نے لشکر کے دو حصے کئے۔پہلے حصے کے لئے چند جنگ آزمودہ امیروں کا انتخاب کیا۔خان زماں کے سر پر امیر الامرائی کی کلغی تھی۔اس پر سپہ سالاری کا چتر لگایا۔سکندر وغیرہ امرا کو ساتھ کیا۔اپنی بھی فوج ساتھ کی اور اسے ہراول کر کے آگے روانہ کیا۔دوسری فوج کو اکبر کی رکاب میں لیا اور شکوہ شاہانہ کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا۔پیش قدم سپہ سالار اگرچہ نوجوان تھا مگر فنون جنگ میں قدرتی لیاقت رکھتا تھا۔میدان کا انداز دیکھتا تھا۔فوج کا بڑھانا لڑانا۔موقع وقت کا سمجھنا۔حریف کے حملہ کا سنبھالنا۔عین موقع پر خود دھاوے سے نہ

❶ باغپت کے گھاٹ اترا ہوگا۔

Marfat.com

چوکنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض ان مقدموں میں اسے ایک استعداد خداداد تھی کہ جس انجام کو سوچ کر ہاتھ ڈالتا تھا۔ وہی شکار پکڑ لاتا تھا۔ ادھر ہیموں کو اس انتظام کی خبر پہنچی۔ خاطر میں نہ لایا۔ دلی مار کر دل بہت بڑھ گیا تھا۔ ترکی کا جواب ترکی دیا۔ افغانوں کے دو عالیجاہ سردار انتخاب کیے کہ ان دنوں میدان جنگ میں چلتی تلوار بنے ہوئے تھے۔ انہیں ۲۰ ہزار فوج دی اور توپخانہ کہ دریائے آتش کا دہانہ تھا ساتھ روانہ کیا کہ پانی پت پر جا کر ٹھیرو۔ ہم بھی آتے ہیں۔

دل میں دلاوری کی اُمنگ:

نوجوان سپہ سالار کے دل میں دلاوری کی امنگ بھری ہوئی کہ اس بکرماجیت سے مقابلہ ہے جس کے سامنے سے پرانا سپاہی اور نامور سپہ دار بھاگ نکلا۔ اور جواں بخت نوجوان تخت پر بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اتنے میں سنا کہ حریف کا توخانہ پانی پت پر آ گیا۔ چند سرداروں کو آگے بھیجا کہ جا کر چھینا جھپٹ کریں۔ انہوں نے پہنچ کر لکھا کہ غنیم کا وزن بہت بھاری ہے۔ سیستانی شیر خود جھپٹا اور اس صدمے سے جا کر گرا کہ ٹھنڈے لوہے سے گرم لوہے کو دبا لیا اور ہاتھوں ہاتھ توپخانہ چھین لیا۔ صدہا گھوڑے ہاتھی شیروں کے ہاتھ آئے۔

ہیموں کو توپخانہ ہی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب یہ خبر سنی تو ایسا جھنجلا کر اٹھا جیسے دل میں بگھار لگا۔ اور سارا لشکر لیکر روانہ ہوا۔ ۳۰ ہزار جوشن پوش۔ ۱۵ سو ہاتھی جن میں پانسو جنگی فیل مست۔ ان کے چہروں کو کالے پیلے رنگ پھیر کر ہیبت ناک بنایا تھا۔ اور سروں پر ڈراؤنے جانوروں کی کھالیں ڈالی تھیں۔ لوہے کی پاکھریں پیٹ پر پڑی۔ مستکوں پر ڈھالیں۔ گرد چھریاں کٹاریں کھڑی۔ سونڈوں میں زنجیریں اور تلواریں ہلاتے۔ ہر ہاتھی پر ایک ایک سورما سپاہی۔ اور مہنت مہاوت بٹھایا تھا کہ دیوزاد لڑائی کے وقت خاطر خواہ کام دیں۔ ادھر بادشاہی فوج میں کل ۱۰ ہزار کی جمعیت تھی جن میں ۵ ہزار جنگی دلاور تھے۔

سیستانی رستم کے جاسوس:

سیستانی رستم نے جب حریف کی آمد آمد سنی تو جاسوس دوڑائے لیکن بادشاہ کے آنے یا کمک منگانے کا کچھ خیال نہ کیا۔ فوج کو تیاری کا حکم سنایا اور امرا کو جمع کر کے مجلس مشاورت آراستہ کی۔ میدان جنگ کے پہلو تقسیم کیے۔ پہلے یہی خبر آئی تھی کہ ہیموں پیچھے آتا ہے۔ شادی خاں سپہ سالاری کرتا ہوا فوج کو لاتا ہے۔ دفعتاً پرچہ لگا کہ ہیموں خود ہی ساتھ آیا ہے۔ پانی پت سے ایک پڑاؤ آگے بڑھ کر گھرونڈہ پر مورچے باندھے ہیں۔ خان زماں کا آگے بڑھنے کا ارادہ تھا مگر تھم گیا۔ اور شہر سے

Marfat.com

ہٹ کر مقابلے پر لشکر جمایا۔ چاروں پہلو امرا پر تقسیم کر کے فوجوں کا قلعہ باندھا۔ بیچ میں آپ اقبال کا نشان علم کیا۔ ایک بڑا سا چتر تیار کیا۔ اسے اپنے سر پر لگایا۔ اور سپہ سالاری کی شان بڑھا کر قلب میں جا کھڑا ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی اور میدان کارزار گرم ہوا۔ طرفین کے بہادر بڑھ بڑھ کر تلواریں مارنے لگے۔ خان زمانی جاں نثار بے جگر ہو کر حملے کرتے تھے اور تلوار کی آنچ پر اپنی جان کو دے دے مارتے تھے۔ مگر باوجود اس کے کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ دھاوا کرتے تھے اور بکھر جاتے تھے کیونکہ کم تھے۔ لیکن سیستانی شیر کا جوش سب کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ کسی طرح باز نہ آتے تھے۔ لڑتے تھے مرتے تھے۔ اور شیروں کی طرح پھر پھر کر جا پڑتے تھے۔

ہیموں کا ہاتھی ہوائی:

ہیموں ہوائی ❶ ہاتھی پر سوار قلب لشکر کو سنبھالے کھڑا تھا اور فوج کو لڑا رہا تھا۔ آخر میدان کا انداز دیکھ کر اس نے ہاتھی ہول دیئے۔ کالے پہاڑوں نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور کالی گھٹا کی طرح آئے۔ اکبری نمکخوار خاطر میں نہ لائے۔ بھاگے مگر ہوش و حواس سے۔ کالے پانی کی سیلاب کو ر دیا اور لڑتے بھڑتے ہٹتے چلے گئے۔ لڑائی کے وقت لشکر کا رخ اور دریا کا بہاؤ ایک حکم رکھتا ہے۔ جدھر کو پھر گیا پھر گیا۔ غنیم کے ہاتھیوں کی صف بادشاہی فوج کے ایک پہلو کو ریلتی ہوئی لے گئی۔ خان زماں اپنی جگہ کھڑا تھا اور سپہ سالاری کی دوربین سے چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ آندھی جو سامنے سے اٹھی۔ برابر کو نکل گئی۔ اب ہیموں قلب لشکر کو لئے کھڑا ہے۔ یکبارگی فوج کو للکار کر حملہ کیا۔ حریف ہاتھیوں کے حلقے میں تھا۔ اور گرد بہادر افغانوں کا غول تھا۔ اس نے پھر بھی حلقے ہی کو ریلا۔ ترک تیروں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے بڑھے۔ ادھر سے ہاتھی تلواریں سونڈوں میں پھراتے اور زنجیریں جھلاتے آگے آئے۔ اس وقت علی قلی خاں کے آگے بیرم خانی جوان جانفشانی کر رہے تھے۔ جن میں حسین قلی خاں اسکا بھانجا سپہ سالار تھا اور شاہ قلی محرم وغیرہ مصاحب سردار تھے۔

سچ یہ ہے کہ بڑا سا کھا گیا۔ اور ہاتھیوں کے حملے کو حوصلے اور ہمت سے روکا وہ سینہ سپر ہو کر آگے بڑھے۔ اور جب دیکھا کہ گھوڑے ہاتھیوں سے بدکتے ہیں تو کود پڑے اور تلواریں کھینچ کر صفوں میں گھس گئے۔ انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے سیاہ دیوزادوں کے منہ پھیر دیئے۔ اور کالے پہاڑوں کو خاک تودہ سا بنا دیا۔ عجب گھمسان کا رن پڑا۔ ہیموں کی بہادری تعریف کے قابل ہے۔ وہ ترازو باٹ کا اٹھانے والا۔ دال چپاتی کا کھانے والا۔ ہودے کے بیچ میں ننگے سر کھڑا تھا۔ فوج کا دل

❶ ہیمو کے ہاتھی کا نام ہوائی تھا۔

Marfat.com

بڑھاتا تھا اور فتح کا منتر جو کسی گیانی گنوان یا پنڈت بدیا دان نے بتایا تھا۔ جپے جاتا تھا۔

شادی خاں کا قتل:

فتح شکست خدا کے اختیار ہے۔ سپاہ کا ستھراؤ ہو گیا۔ شادی خاں افغان اس کے سرداروں کی ناک تھا۔ کٹ کر خاک پر گر پڑا۔ فوج اناج کے دانوں کی طرح کھنڈ گئی۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ ہاتھی پر سوار۔ چاروں طرف پھرتا تھا۔ سرداروں کے نام لے لے کر پکارتا تھا کہ سمیٹ کر پھر جمع کرلے۔ اتنے میں ایک قضا کا تیر اسکی بھینگی آنکھ میں ایسا لگا کہ باہر نکل گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے تیر کھینچ کر نکالا۔ اور آنکھ پر رومال باندھ لیا۔ مگر زخم سے ایسا بے قرار اور بے حواس ہوا کہ ہودے میں گر پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کے ہواخواہوں کے جی چھوٹ گئے۔ سب تتر بتر ہو گئے۔ اکبر کے اقبال اور خان زمان کی تلوار پر اس مہم کا فتح نامہ لکھا گیا۔

ہیموں کی گرفتاری اور قتل:

ہیموں کی گرفتاری اور قتل کی کیفیت۔ اس کے صلے میں سرکار سنبھل اور میان دواب کا علاقہ اس کی جاگیر ہو گیا۔ اور خود امیر الامرا خان زمان ہوئے بلکہ حق پوچھو تو (بقول بلوک مین صاحب) خان زماں نے ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنے میں بیرم خاں سے دوسرا نمبر حاصل کیا۔ سنبھل کی سرحد سے تمام جانب مشرق میں افغان چھائے ہوئے تھے۔ رکن خاں روحانی ایک پرانا پٹھان ان کا سردار تھا۔ خان زمان فوج لیکر چڑھا۔ لکھنو تک تمام شمالی ملک صاف کر دیا۔ اور ان ملکوں میں ایسا لڑا کہ ایک ایک میدان اس کا کارنامہ تھا دفتر روزگار پر۔ اکبر قلعہ مانکوٹ کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ جس خاں پچکوٹی نے سرکار سنبھل پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس فساد کی خبر سن کر یا اکبر ادھر آئیگا یا خان زماں جو آگے بڑھا جاتا ہے وہ اس طرف الجھے گا۔ خان زمان لکھنو کے مقام میں تھا کہ حسن خاں ۲۰ ہزار آدمی سے آیا۔ اور خان زمان کے پاس کل تین چار ہزار فوج۔ افغان دریائے سروہی اتر آئے۔ بہادر خاں کی فوج نے گھاٹ پر روکا۔ خان زماں کھانا کھاتا تھا۔ خبر آئی کہ غنیم آن پہنچا۔ یہ ہنسکر کہتے ہیں کہ ایک بازی شطرنج تو کھیل لو۔ مزے سے بیٹھے ہیں اور چالیں چل رہے ہیں۔ پھر خبردار نے خبر دی کہ غنیم نے ہماری فوج کو ہٹا دیا۔ آواز دی کہ ہتھیار لانا۔ بیٹھے بیٹھے ہتھیار سجے۔ جب خیمے ڈیرے لٹنے لگے اور لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ تب بہادر خاں سے کہا کہ اب تم جاؤ وہ آگے گیا۔ دیکھے تو دشمن دست و گریبان ہے۔ جاتے ہی چھری کٹاری ہو گیا۔ پھر آپ تھوڑے سے رفیق کہ رکاب میں تھے لیکر چلا۔ نقارہ پر چوٹ مار کر جو گھوڑے اٹھائے تو اس کڑک دمک سے

Marfat.com

پہنچا کہ غنیم کے قدم اٹھ گئے اور ہوش اڑ گئے۔ ان کے انبوہ کو گٹھری کر کے پھینک دیا۔ افغان اس طرح بھاگے جاتے تھے جیسے گلہ ہائے گوسپند۔ سات کوس تک فرش کرتا چلا گیا۔ کشتے کٹے پڑے تھے۔ اور زخمی لوٹتے تھے۔ سبد لیا اور دل سنگار اس لڑائی کے ہاتھیوں میں ہاتھ آئے تھے۔ ۹۶۴ھ میں جونپور پر قبضہ کر کے سکندر عدلی کا قائم مقام ہو گیا۔

۳ جلوس میں ہی اس کے باغ عیش میں نحوست کے کوے نے گھونسلا بنایا۔ تم پہلے سن چکے ہو کہ اس کا باپ ازبک تھا اور اس لئے قومی حماقتوں کا بھی ظہور ضرور تھا۔ احمق نے شاہم بیگ ایک خوبصورت ❶ خوش ادا نوجوان کو نوکر رکھ لیا کہ پہلے ہمایوں بادشاہ کے پیش خدمتوں میں تھا۔ فتحیاب حدود لکھنو میں تھا۔ اور شاہم بھی اس کے پاس تھا۔ جس طرح امرائے دنیا کا دستور ہے۔ ہنستے کھیلتے عیش کرتے تھے۔ اور سرکاری خدمتیں بھی اس طرح بجالاتے تھے کہ ترقی منصب کے ساتھ تحسین وآفرین کے خلعت حاصل کرتے تھے اور دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے تھے۔

اگرچہ وہ شیبانی خاں کی نسل میں تھا اور اس کا باپ خاص ازبک تھا لیکن ماں ایرانی تھی اور اس نے ایران میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے مذہب شیعہ تھا۔ قابل افسوس یہ بات ہے کہ اسکی دلاوری اور تیزی طبع نے اسے حد سے زیادہ بے باک کر دیا تھا۔ اس کی صحبتوں میں خواہ خلوت ہو خواہ جلوت بدکلام اور بے لگام جہلا جمع ہوتے تھے۔ ان سے کھلم کھلا بے تہذیب گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ کہ جو کسی طرح مناسب نہیں۔ اہل سنت جن کا دورہ اس وقت آفتاب کا دورہ تھا۔ لہو کے گھونٹ پیتے تھے۔ لیکن

❶ عجب زمانہ تھا۔ شاہ قلی محرم ایک بہادر اور نامی امیر تھے۔ انہی دنوں میں انہوں نے بھی عاشق مزاجی کے میدان میں جولانی دکھائی قبول خاں ایک مقبول نوجوان کہ رقص میں مور اور آواز میں کوئل تھا۔ اس پر شاہ قلی دیوانے تھے۔ اکبر باوجودیکہ ترک تھا مگر اتفاق ہے کہ اس شوق سے نفرت تھی۔ جب سنا تو قبول خاں کو بلا کر پہرے میں دیدیا۔ امیر مذکور کو بڑا رنج ہوا۔ گھر کو آگ لگادی اور جوگیوں کی جون بدل کر جنگل میں جا بیٹھے۔ خان خاناں کے ذیلداروں میں تھے۔ خان خاناں نے ان کی دلداری کے لئے ایک غزل بھی کہی اور جوگی جی کو جا کر سنائی۔ ادھر انہیں سمجھایا۔ ادھر حضور میں عرض کی اور جوگی سے امیر بنا کر پھر دربار میں داخل کیا۔ کیا کہوں۔ سمرقند و بخارا میں جو تماشے اس شوق کے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جی چاہتا ہے کہ لکھوں مگر قانون وقت قلم کو جنبش نہیں کرنے دیتا۔ یہ وہی شاہ قلی ہیں جو ہیمو کا ہاتھی گھیر لائے تھے۔ اور انہیں چار امیروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے بیرم خاں کی رفاقت سے برے وقت میں بھی منہ نہ موڑا تھا۔ بادشاہی خدمتیں بھی ہمیشہ جانفشانی سے بجالاتے رہے۔ محرم اب بھی ترکستان میں معتبر اور معزز عہدہ اہل دربار کا ہے۔

Marfat.com

اکبر کے دل پر اس کی خدمتیں نقش پر نقش بٹھاتی تھیں۔ اور دونوں بھائی خان خاناں کے دونوں ہاتھ تھے اس لئے کوئی بول نہ سکتا تھا۔

غنیم کے لشکر میں سے ایک شخص بھاگا۔ اور ملا پیر محمد کے پاس آ کر کہا کہ آپ کی پناہ میں آیا ہوں۔ اب شرم آپ کے ہاتھ ہے۔ ملا صاحب نے سفارش کرنی چاہی۔ مگر جاتے تھے کہ وہ ایک بے پروا سینہ زور آدمی ہے۔ اس لئے ادھر کچھ سلسلہ نہ ہلایا۔ مذہبی حالات سن سن کر یہ بھی آگ بگولا ہو رہے تھے۔ اس لئے اسکی عیاشی کے معاملات کو بڑی آب و تاب سے حضور میں پیش کیا۔ اور ایسا چمکایا کہ نوجوان بادشاہ خلاف عادت آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر بھی خان خاناں موجود تھے۔ انہوں نے ادھر جلتی آگ پر تقریروں کے چھینٹے دیئے۔ ادھر خان زماں کی طرف پرچے اڑائے۔ اپنے معتبر دوڑائے۔ اسے بلا بھیجا۔ اپنے اوپر جو حریف اندر اندر وار کر رہے تھے ان کے نشیب و فراز سمجھائے۔ اور رخصت کر دیا۔ اس وقت آگ دب گئی۔

سنہ ۳ جلوس میں حکم پہنچا کہ شاہم کو بھیج دو یا نکال دو اور خود لکھنو کو چھوڑ کر جانپور پر فوج کشی کرو کہ افغانوں کے سردار وہاں جمع ہیں۔ تمہاری جاگیر اور امرا کو عنایت ہوئی۔ یہ مہم جونپور میں تمہاری کمک ہونگے۔ امرائے مذکور جو فوجیں جرار لے کر روانہ ہوئے انہیں حکم ہوا کہ اگر خان زماں فرمان کی تعمیل کرے تو کمک کرو ورنہ کالپی وغیرہ کے حاکموں کو ساتھ لے کر اسے صاف کر دو۔ خان زماں سن کر حیران رہ گیا کہ ذرا سی بات پر جس پر اس قدر قہر و عتاب۔ وہ اپنے حریفوں کو خوب جانتا تھا۔ سمجھا کہ نوجوان شہزادہ بادشاہ ہو گیا ہے۔ بداندیشوں نے پیچ مارا۔ شاہم کو روانہ دربار نہ کیا کہ مابدان جان سے مارا جائے لیکن اپنے علاقے سے نکال دیا۔

برج علی اپنے معتبر ملازم اور مصاحب کو حضور میں بھیجا کہ مخالفوں نے جو الٹے نقش بٹھائے ہیں انہیں عجز و انکسار کے ہاتھ جوڑ کر اچھی طرح مٹائے۔ بادشاہ دلی میں تھے۔ اور قلعہ فیروز آباد میں اترے ہوئے تھے۔ کمبخت برج علی جب حضور میں پہنچا تو پہلے ملا پیر محمد سے ملنا واجب تھا کہ وکیل مطلق ہو گئے تھے۔ ملا قلعے کے برج پر اترے ہوئے تھے۔ برج علی سیدھا برج پر چڑھ گیا۔ اور اخلاص و نیاز کے پیغام پہنچائے۔ ان کا دماغ برج آتشبازی کی طرح اڑا جاتا تھا۔ بڑے خفا ہوئے۔ وہ بھی آخر جاں نثار و نمک حلال کا وکیل تھا۔ شاید کچھ جواب دیا ہوگا۔ یہ ایسے جامہ سے باہر ہوئے کہ حکم دیا۔ باندھ کر ڈال دو۔ اور مار کر تھیلا کر دو۔ اس پر بھی دل کا بخار نہ نکلا کہا کہ برج پر سے گرا دو۔ اسی وقت گرایا گیا اور دم کے دم میں جسم کی عمارت زمین سے ہموار ہو گئی۔ قسائی پیر محمد نے قہقہہ مار کر کہا۔ آج نام کا اثر پوا ہوا۔ خان زماں نے شاہم کا تو پھر نام بھی نہ لیا۔ مگر برج علی کی جان اور اپنی بے

Marfat.com

عزتی کا سخت رنج ہوا۔ خصوصاً اس سبب سے کہ جو رقیبوں نے جوڑ مارا وہ چل گیا۔ اور اس کی بات بھی بادشاہ تک نہ پہنچی۔ خان خاناں موجود تھے۔ ان کو ابھی خبر نہ ہوئی تھی کہ اوپر ہی اوپر کام تمام ہوگیا۔ پھر سنا۔ تو سوا افسوس کے کیا ہوسکتا تھا۔ اور حقیقت میں اینٹیں خان خاناں کی بنیاد کی بھی نکل رہی تھیں۔ چند ہی روز میں بادشاہ نے آگرہ کو کوچ کیا۔ رستے میں خان خاناں اور پیر محمد خاں کی بگڑی اور ایک کے بعد ایک پر آفت آئی۔

اگرچہ دربار کے رنگ بدرنگ ہو رہے تھے مگر دریا دل سپہ سالاران نااہلوں کو کیا خاطر میں لاتے تھے۔ خان زماں اور خان خاناں کی صلاح ہوئی کہ ان کی زبانیں تلواروں سے کاٹنی چاہئیں۔ چنانچہ ایک طرف خان خاناں نے فتوحات پر کمر باندھی۔ دوسری طرف خان زماں نے نشان کھولا کہ آب تیغ سے داغ بدنامی کو دھوئے۔ کوڑیہ افغان نے آپ ہی سلطان بہادر اپنا خطاب رکھا۔ بنگالہ میں اپنا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔ خان زمان جونپور میں تھا کہ وہ تمیں چالیس ہزار سوار سے چڑھ آیا۔ یہ اس وقت بھی دستر خوان پر تھے کہ اس نے آن لیا۔ جب خدمتگاروں کے ڈیرے اور اپنے سراپردے لٹوا لئے۔ تو خاطر جمع سے اٹھے اور رفیقوں اور جانثاروں کو لیکر چلے بلکہ حریف ان کے ڈیرے پر پہنچا تو دستر خوان اسی طرح بچھا پایا۔ خیر۔ یہ باہر نکل کر سوار ہوئے۔ نقارہ بجا کر ادھر ادھر گھوڑا مارا۔ نقارہ کی آواز سنتے ہی کھنڈے ہوئے نمک خوار سمٹے۔ ان گنتی کے سواروں سے جو تلوار لیکر پلے تو افغانوں کے دھوئیں اڑا دیئے۔

بہادر خاں کی بہادری:

بہادر خاں نے اس مہم میں وہ بہادری دکھائی کہ رستم و اسفندیار کے نام کو مٹا دیا۔ جو افغان بہادری کے دعوؤں سے ہزار ہزار سوار کے وزن میں تلتے تھے۔ انہیں کاٹ کاٹ کر خاک ہلاک پر ڈال دیا۔ انکی فوج میدان جنگ میں کم رہی تھی۔ لوٹ کے لالچ پر سب خیموں میں گھس گئے تھے۔ توشہ دان بھر رہے تھے اور گٹھریاں باندھ رہے تھے۔ جس وقت نقارہ بجا۔ اور ترک تلواریں لیکر پڑے۔ وہ اس طرح بھاگے جیسے مہال سے مکھیاں اڑیں۔ ایک نے پلٹ کر تلوار نہ کھینچی۔ خزانے اور مالخانے سامان جنگ بلکہ سامان سلطنت گھوڑے ہاتھی سب چھوڑ گئے اور اتنی لوٹ ہاتھ آئی کہ پھر فوج کو بھی ہوس نہ رہی۔

میوات کے مفسد:

میوات کے مفسد کہ سرشوری کے بانے باندھے بیٹھے تھے اور ہزاروں سرکش پٹھان دہلی و آگرہ

Marfat.com

کو گھڑ دوڑ کے میدان بنائے پھرتے تھے۔ جن کی گردن کی رگیں کسی تدبیر سے ڈھیلی نہ ہوتی تھیں۔ اس نے سب کو آب شمشیر سے ٹھیک کر دیا۔ ان خدمتوں کا اتنا اثر ہوا کہ پھر چاروں طرف سے اس کی واہ واہ ہونے لگی۔ بادشاہ بھی خوش ہو گئے۔ بدگویوں کی زبانیں قلم ہو گئیں۔ اور حاسدوں کے منہ دوات کی طرح کھلے رہ گئے۔

افغانوں کا یکجا ہو کر بغاوت کرنا:

اکبر جو چند روز بیرم خاں کی مہم میں مصروف رہا تو ممالک مشرقی کے افغانوں نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور سمٹ کر اتفاق کیا۔ انہوں نے کہا کہ ادھر کے علاقہ میں جو کچھ ہے خان زماں ہے۔ اسے اڑا دیں تو میدان صاف ہے۔ عدلی افغان کا بیٹا کہ قلعہ چنار کا مالک ہو کر بہت بڑھ چڑھ چکا تھا۔ اسے شیر خاں بنا کر نکالا۔ وہ بڑی جمعیت اور دعوے کے ساتھ لشکر لیکر آیا۔ خان زماں جونپور میں تھا۔ اگرچہ وہ خود دل شکستہ تھا۔ اور خان خاناں کی تباہی نے اسکی کمر توڑ دی تھی۔ لیکن سنتے ہی تمام امرائے اطراف کو جمع کر لیا۔ اور چاہا کہ غنیم کو روکے۔ لیکن ادھر کا پلہ بھاری رہا کہ ۲۰ ہزار سوار۔ ۵۰ ہزار پیادے۔ پانسو ہاتھی اس کے ساتھ تھے۔ خانزماں نے چڑھ کر جانا مناسب نہ سمجھا۔ غنیم اور بھی شیر ہو کر آیا۔ اور دریائے گودی پر آن پڑا جس کے کنارے پر جونپور آباد ہے۔ خان زماں اندر اندر تیاری کرتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ وہ تیسرے دن دریا اترا اور بڑے گھمنڈ سے بڑھا۔ خود چند سرداروں کے ساتھ فوج سے موج مارتا پرانے پٹھانوں کو لئے۔ سلطان حسین شرقی کی مسجد کی طرف آیا۔ اور چند نامور سرداروں کے زور سے داہنے کو دبایا کہ لعل دروازہ پر حملہ کریں۔ کئی تلوارئے افغانوں کو بائیں پر ڈالا کہ شیخ پھول کے بند کا مورچہ توڑیں۔ اکبری دلاور بھی آگے بڑھے اور لڑائی شروع ہوئی۔

خان زماں کے اصول:

میدان جنگ میں خان زماں کا پہلا اصول قواعد غنیم کے حملے کا سنبھالنا تھا۔ اسے دائیں بائیں ادھر ادھر کے سرداروں پر ڈالتا تھا۔ اور آپ بڑے ہوش و حواس سے مستعد کھڑا رہتا تھا۔ جب دیکھتا کہ حریف کا زور ہو چکا۔ تب تازہ دم آپ اس پر حملہ کرتا تھا۔ اور اس طرح ٹوٹ کر گرتا تھا کہ امان نہ دیتا تھا۔ اور دشمن کے دھوئیں اڑا دیتا تھا۔ چنانچہ یہ بازی بھی اسی چال سے جیتا۔ حریف ایسے لشکر کثیر اور جم غفیر اور سامان وافر کو برباد کر کے ناکام بھاگا۔ اور ہاتھی گھوڑے جواہر نفائس لاکھوں روپے کے خزانے اور مال خانزماں کو گھر بیٹھے دے گیا۔ خدا دے تو بندہ اس کا مزہ کیوں نہ لے۔ انہوں نے امراء کو بانٹا۔ سپاہ کو انعام بے شمار دیا۔ آپ سامان عیش و آرام درست کر کے بہاریں اڑانے لگے۔ یہ

Marfat.com

ضرور ہے کہ جو کچھ اس مہم میں ہاتھ آیا اس کی فہرست حضور میں نہ عرض کی۔ اور یہ دوسری فتح تھی جونپور میں۔

خان زماں پر اکبر کی پہلی یلغار

چغل خوروں کی طبیعت بندر کی خصلت کا چھاپا ہے۔ ان سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا۔ کوئی نہ کوئی شے نوچنے کریدنے کے لئے ضرور چاہئے۔ فتوحات مذکورہ کی خبریں سن کر پھر بادشاہ کو بہکانا شروع کیا۔ وہ جانتے تھے کہ اکبر ہاتھیوں کا عاشق ہے۔ اس لئے خزانوں اور عجائب ونفائس کے بیانوں کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس لڑائی میں خان زماں کو وہ وہ ہاتھی ہاتھ آئے ہیں کہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور جھومتے ہیں۔ چنانچہ جب بادشاہ ادہم خاں کا بندوبست کر کے مالوہ سے پھرے تو آتے ہی پھر توسن ہمت پر سوار ہوئے۔ منعم خاں وخواجہ جہان وغیرہ امرائے قدیم کو ساتھ لیا۔ اور کالپی کے رستے یکا یک کڑہ مانکپور پر جا اترے۔ دونوں بھائیوں کو بھی خبر ہوگئی تھی۔ وہ بھی جونپور سے یلغار کئے چلے آتے تھے کنارہ گنگا مقام کڑہ پر سجدہ بندگی میں جھک کر سر بلند ہوئے۔ جان مال سب حاضر کر دیئے۔ ہاتھیوں پر سارا جھگڑا اٹھا تھا۔ انہوں نے بہت سے مست ہاتھی لوٹ کے۔ بلکہ اپنے فیلخانہ کے بھی نذر گزرانے۔ ان میں سے دستکان۔ پلتہ۔ دلیل، سبدلیا، جگموہن بادشاہ کو ایسے پسند آئے کہ حلقہ خاصہ میں داخل ہوئے۔ اکبر عفو وکرم کا دریا تھا۔ اس کے علاوہ بہادر خاں کے ساتھ کھیلا ہوا تھا۔ اس لئے اسے بھائی کہا کرتا تھا۔ خان زماں کی دلاوری اور جاںنثاری نے اسے اپنا عاشق کیا ہوا تھا۔ اس لئے دونوں بھائیوں کی طرف سے دل میں گھر تھا۔ ہنسی خوشی ملا۔ اعزاز واکرام بڑھائے۔ خلعت پہنائے۔ زین زریں اور ساز مرصع کے ساتھ گھوڑوں پر چڑھا کر رخصت کیا۔ چغل خوروں کو بڑے بھروسے تھے۔ مگر جو جو باتیں انہوں نے کان میں پھوکی تھیں۔ ان کا ذکر تک زبان پر نہ آیا۔ اس صلح کی تاریخیں بھی شاعروں نے کہیں ایک مجھے بھی پسند ہے۔

منہی اقبال دریں کہنہ دیر　　غلغلہ انداخت کہ الصلح خیر ۹۶۹ھ

دونوں بھائی ملک گیری کے میدان میں کارنامے دکھاتے تھے۔ اور ملک داری کے معاملوں میں پانی پر سنگین نقش جماتے تھے۔ مگر دربار کی طرف سے بے دلی اور آزردگی اٹھاتے تھے۔ اکبر جیسے بادشاہ کو ایسے جاں بازوں کی قدردانی واجب تھی۔ اور جاں باز بھی قدیم الخدمت۔ چنانچہ ۹۷۱ھ میں ملا عبداللہ سلطان پوری، مولانا علاء الدین لاری، شہاب الدین احمد خاں اور وزیر خاں کو بھیجا کہ انہیں

Marfat.com

سمجھاؤ اور نصیحت کرو۔ توبہ کراؤ اور کہو کہ ناامید نہ ہو نا رحمت بادشاہی کا دریا تمہارے واسطے لہریں مار رہا ہے۔

فتح خاں اور حسن خاں:

فتح خاں اور حسن خاں افغان لشکر کثیر افغانوں کا لے کر قلعہ رہتاس سے گھٹا کی طرح اٹھے اور سلیم شاہ کے بیٹے کو بادشاہ بنا کر مہم کا منصوبہ جمایا۔ ولایت بہار کو تسخیر کیا اور بجلیوں کی طرح ادھر ادھر کوندنے لگے۔ بعض علاقے خان زماں کے بھی دبا لئے۔ دونوں بھائیوں نے ابراہیم خاں ازبک اور مجنون خاں قاقشال کو آگے بڑھایا مگر دیکھا کہ افغانوں کا ٹڈی دل زور میں بھرا آتا ہے۔ میدان میں مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اس لئے دریائے سون کے کنارے اندر باری پر قلعے کو دمدموں اور مورچوں سے استحکام دیا تھا۔ اور مقابلے کو تیار بیٹھا تھا۔ ایک دن ارکان بادشاہی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے جو غنیم آن پہنچا اور آتے ہی خان زماں کی فوج کو لپیٹتا پیٹتا شہر کی طرف آیا۔ خان زماں کا لشکر بھاگا اور افغان خیموں ڈیروں کو بلکہ آس پاس کے گھروں کو لوٹنے لگے۔ یہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور سوار ہو کر نکلا۔ جو ہمراہی ساتھ ہو سکے انہیں لیکر دیوار قلعہ کے نیچے آیا۔ ایک پہلو میں کھڑا قدرت الٰہی کا تماشا دیکھتا ہے۔ اور لطیفہ غیبی کا منتظر ہے کہ حسن خاں تبتی کو دیکھتا ہے۔ بخت بلند نام ہاتھی پر سوار چلا آتا ہے۔ یہ فوج لیکر سامنے ہوا اور حملے کیلئے آواز دی۔ دشمن کی فوج بہت تھی۔ حملہ کی ضرب کمزور پڑی اور فوج کھنڈ گئی۔ یہ چند آدمیوں کے ساتھ مرنے پر مصمم ہو کر برج کی طرف دوڑا۔ توپ تیار دھری تھی۔ غنیم ہاتھی پر سوار ہتیائی کرتا چلا آتا تھا۔ خان زماں نے اپنے ہاتھ سے شست باندھ کر جھٹ توپ داغ دی۔ خدا کی شان گولہ جو توپ سے نکلا۔ قضا کا گولہ تھا۔ ہاتھی اس طرح لاٹ کر گرا جیسے برج گرا۔ اس کے گرتے ہی پٹھانوں کے اوسان خطا ہوئے۔

کوہ پارا نام ہاتھی:

جب بیرم خاں نے بہادر خاں کو مالوہ کی مہم پر بھیجا تھا تو کوہ پارا نام ہاتھی دیا تھا۔ وہ دیومست کہیں اسی طرف زنجیروں سے جکڑا کھڑا تھا اور بدمستی کر رہا تھا۔ افغانی مہاوتوں کو اسکی کرتوتوں کی خبر نہ تھی۔ آتے ہی زنجیریں کھول دیں کہ چڑھ کر قبضہ کریں۔ وہ ابھی زنجیروں سے نہ نکلا تھا کہ قابو سے نکل گیا۔ ایک فیلبان کو وہیں چیر ڈالا اور زنجیر کو چکراتا اس طرح چلا گویا آندھی اور بھونچال ساتھ ہی آئے۔ لشکر میں قیامت مچ گئی۔ غنیم نے جانا کہ خان زماں نے گھات سے نکل کر پہلو مارا۔ جو پٹھان لوٹ پر پڑے ہوئے تھے۔ بدحواس ہو کر بھاگے۔ خان زماں کی فوج اس امداد الٰہی کو دیکھ کر پلٹی اور

Marfat.com

افغانوں کے پیچھے دوڑی۔ مارے، باندھے، لاکھوں روپیہ کے مال اور اسباب گراں بہا۔ نامی ہاتھی، عمدہ گھوڑے اور بے شمار عجائب ونفائس ہاتھ آئے۔ اس نے اس خداداد فتح کے شکرانے میں بادشاہ کے لئے تحائف خسروانہ بھیجے اور امرا کو گراں بہار خستانوں سے گرانبار کر دیا۔

دوسری فوج کشی

خان زماں کا گھوڑا ہوائے اقبال میں اڑا جاتا تھا کہ پھر نحوست کی ٹھوکر لگی۔ اس میں کچھ کلام نہیں کہ دشمن ہر وقت دونوں بھائیوں کے درپے تھے مگر وہ بھی کچھ اپنے نشہ دلاوری سے۔ کچھ غفلت عیاشی سے دشمنوں کو چغل خوری کے لئے موقع دیتے تھے۔ شکایتیں پیش ہوئیں کہ لڑائیوں میں جو خزانے اور اشیائے عجیب ونفیس ہاتھ آئی ہیں۔ سب لئے بیٹھا ہے۔ بھیجتا کچھ نہیں۔ ان میں صف شکن اور کوہ پارہ دو ہاتھیوں کی ایسی تعریف کی کہ اکبر سن کر مست ہو گئے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب خان زماں اور بہادر خاں کے جلسوں میں حریفوں کی دراندازیوں کے ذکر آتے تھے تو وہ انہیں خاطر میں بھی نہ لاتے ہونگے فتوحات کی مستی اور اقبال کے نشے میں اپنے کارناموں کو خاندان کے فخر سے چمکاتے تھے۔ اور حریفوں کے خاکے اڑاتے تھے۔ حریف ان باتوں کو اکبر کے سامنے ایسے پیرائے میں ادا کرتے تھے۔ جس سے کنایوں کے نشتر بادشاہ کی طرف چبھتے تھے اور اسے بغاوت کے شبہے پڑتے تھے۔ یہ شبہے اس سے زیادہ خطرناک نظر آتے ہونگے کہ اس کی رکاب میں ۳۰ ہزار جرار لشکر ایرانی تورانی افغان راجپوت کا تھا کہ جدھر خود گھوڑا اٹھاتا تھا۔ آندھی اور بھونچال ساتھ آتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض صحبتوں میں اکبر کی زبان پر یہ بات آئی کہ شیبانی خاں کے خاندان پر یہ کیا ناز کرتے ہیں۔ جانتے نہیں کہ اسکی بدولت فردوس مکانی نے کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں اور آزار پائے۔ میں ازبک کا تخم ہندوستان میں نہ چھوڑوں گا۔ بدترین اتفاقات یہ کہ انہی دنوں میں عبداللہ خاں ازبک وغیرہ کئی سرداروں سے برابر بداعمالیاں ظہور میں آئیں۔ وہ بھی جب دربار کی طرف سے مایوس ہوئے خان زماں کے پاس پہنچے اور سب نے مل کر بغاوت کی۔

باغیوں نے ملک بغاوت کی تقسیم اس نقشے پر کی کہ سکندر خاں ازبک اور ابراہیم خاں (خانزماں کا ماموں) لکھنو میں رہیں۔ خان زماں، بہادر خاں دونوں بھائی کڑہ مانکپور میں قائم ہوں۔ جب یہ خبریں مشہور ہوئیں۔ اور بدنظروں نے صورت حال کو دور دور سے دیکھا تو ادھر ادھر سے جمع ہو کر خان زماں پر آئے کہ وہی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ اور حقیقت میں جو کچھ تھا وہی تھا۔ نمک حلالی کے

Marfat.com

سوداگروں میں مجنون خاں اور باقی خاں قاق شال جمعیت اور جتھے والے لوگ تھے جو بہادری اور جانفشانی دکھا کر چاہتے تھے کہ بدنصیب خان زماں کی دو پشت کی محنت مٹائیں اور اپنے نقش بادشاہ کے دل پر بٹھائیں۔ وہ انکی کیا حقیقت سمجھتا تھا۔ مار مار کر بھگا دیا۔ مجنوں خاں بھاگ بھی نہ سکے۔ مانکپور میں گھر گئے۔ ان کے رفیق محمد امین دیوانہ پکڑے گئے۔ دربار شاہی میں ابھی آصف خاں صاف اور جرم بغاوت سے پاک تھے۔ وہ مجنوں خاں کی مدد کو آ گے۔ محاصرہ سے نکالا۔ اپنے خزانے کھول دیئے۔ سپاہ کی کمر بندھوائی۔ مجنوں خاں کو بھی بہت سا روپیہ دیا۔ انہی کی بدولت اس نے پھر پروبال درست کیے اور دونوں مل کر خان زماں کے سامنے بیٹھ گئے۔ دربار کی طرف عرضیاں پر چے دوڑائے۔ رونے اڑائے۔ بڈھے باقی خاں نے اپنی عرضی میں ایک شعر بھی لکھا۔ مطلب یہ تھا کہ حضور خود آئیں اور بہت جلد آئیں۔

اے شہ سوار معرکہ آرائے روز رزم ازدست رفتہ معرکہ پا در رکاب کن

اکبر کی مالوہ پر یلغار:

اکبر مالوہ کی یلغار مار کر آیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر سمجھا کہ معرکہ بے ڈھب ہے فوراً منعم خاں کو روانہ کیا کہ فوج لیکر قنوج کے گھاٹ اتار جاؤ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مقابلہ کس سے ہے اور یہ جو لوگ آگ لگاتے ہیں اور سپہ سالاری کا دم بھرتے ہیں ان کا وزن کیا ہے۔ چنانچہ کئی دن تک خود لشکر کشی کے سامانوں میں صبح سے شام تک غرق رہا۔ آس پاس کے امراء اور فوج کو فراہم کیا۔ جو موجود تھے۔ انہیں پورا سپاہی بنایا۔ اس لشکر میں ۱۰ ہزار فقط ہاتھی تھے۔ باقی تم آپ سمجھ لو۔ باوجود اس کے شکار کی شہرت دی اور نہایت پھرتی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جو مختصر جمعیت خاص اپنی رکاب میں تھی۔ وہ قابل شمار بھی نہ تھی۔

منعم خاں کہ ہراول ہو کر روانہ ہوا تھا۔ ابھی قنوج میں تھا کہ اکبر بھی جا پہنچے۔ مگر وہ کہن سال عجب سلیم الطبع صلح جو سردار تھا۔ وہ بے شک بادشاہ کا نمک حلال جانثار تھا۔ مگر مقدمے کی تہ کو سمجھا ہوا تھا۔ اسے کسی طرح منظور نہ تھا کہ لڑائی ہو۔ اور خدمت گزار موروثی اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مفت برباد ہو چنانچہ اس وقت خان زماں محمد آباد میں بے خبر بیٹھا تھا اگر یہ گھوڑے اٹھا کر جا پڑتا تو وہ آسان گرفتار ہو جاتا۔ منعم خاں نے ادھر تو اسے ہشیار کر دیا۔ ادھر لشکر کو روک تھام سے لے چلا کہ ابھی سامان ناتمام ہے۔ سارے لوازمات جنگ فراہم کر کے چلنا چاہئے۔

اس عرصے میں خانزماں کہیں کے کہیں پہنچے۔ باوجود ان باتوں کے اس کی طرف سے کئی

Marfat.com

سرداروں کو پیغام سلام کر کے توڑ لیا تھا۔ انہیں حضور میں پیش کر کے خطائیں معاف کروائیں۔ بادشاہ نے اسے وہیں چھوڑا اور یلغار کر کے لکھنو پہنچے۔ سکندر خاں پیچھے ہٹا۔ اور بھاگا بھاگ کر جونپور پہنچا کہ سب مل کر بچاؤ کی صورت نکالیں۔ بادشاہ بھی ان کے منصوبے کو تاڑ گئے۔ انہوں نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ اور منعم خاں کو حکم بھیجا کہ لشکر کو لیکر جونپور کی طرف چلو۔ خان زماں آخر پرانے سپاہی تھے۔ یہ بھی بادشاہ کو سامنے سے آتے دیکھ کر متفرق رہنا مصلحت نہ سمجھتے تھے۔ آصف خان ومجنون خاں کا مقابلہ چھوڑا اور جونپور پہنچے۔ رفیقوں سے جا کر حال بیان کیا۔ انہوں نے جب سنا کہ بادشاہ ادھر آتے ہیں۔ سب اکٹھے ہو کر عیال سمیت جونپور سے نکلے۔ اور پیچھے ہٹ کر دریا پار اتر گئے۔

اکبر اگرچہ بادشاہ مگر وقت پر اس طرح کے جوڑ توڑ مارتا تھا جیسے عمدہ اہلکار اور پرانے سپہ سالار۔ اسے معلوم تھا کہ خان زماں نے امرا...... وراجگان بنگالہ سے موافقت کر لی۔ راجہ اڑیسہ جو شرقی راجاؤں میں سپاہ وسامان کے باب میں نامور ہے۔ سلیمان کرانی اس کے ملک پر کئی دفعہ گیا ہے اور قابو نہیں پایا مہاپر تر بھاٹ کہ سلیم شاہ کے مصاحبوں سے تھا اور فن موسیقی اور ہندی شاعری میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اسے اور حسن خاں خزانچی کو اڑیسہ کے پاس بھیجا اور فرمان لکھا۔ سلیمان کرارانی علی قلی خاں کی مدد کو آئے تو تم آکر اس کے ملک کو تہہ وبالا کر دینا۔ راجہ نے آئی ہوئی مراد کو ادب کے سر پر لیا اور بہت سے ہاتھی اور نفیس تحفے اس ملک کے بھیج کر اطاعت منظور کی۔ قلیچ خاں کو رہتاس پر راہی کیا کہ فتح خاں تبتی افغان شیر خانی کو معافی تقصیرات سے مطمئن کرے اور کہے کہ جب خان زماں لشکر شاہی کی طرف متوجہ ہو تو رہتاس سے اتر کر اس کے ملک میں بغاوت برپا کرے۔ اس نے پہلی دفعہ اطاعت کے وعدے کر کے فیل تخت بلند کو تحائف پیشکش سے گرانبار کیا۔ اب دوبارہ پھر بھیجا۔ اس نے وعدہ وعید میں قلیچ خاں کو رکھا۔ اسے جب قرائن سے حال معلوم ہوا تو رخصت ہو کر ناکام واپس آیا۔

حاجی محمد خاں سیستانی:

اکبر خود جونپور میں جا پہنچے۔ آصف خاں جنہوں نے نمک حلال بن کر مجنوں خاں کو قلعہ بندی سے نکالا تھا پانچ ہزار سوار سے حضور میں حاضر ہوئے۔ انہیں سپہ سالاری ملی کہ باغیوں پر فوج لیکر جاؤ۔ ساتھ ہی بعض امرا کو سرداران افغان اور راجگان اطراف کے پاس بھیجا کہ اگر خان زماں بھاگ کر تمہارے علاقے میں آئے تو روک لو۔ چنانچہ حاجی محمد خاں سیستانی۔ بیرم خاں بڈھوں میں سے باقی تھا۔ اسے سلیمان کرارانی کے پاس بھیجا تھا۔ کہ کل بنگالہ کا حاکم تھا۔ اور پرانے افغانوں میں

Marfat.com

سے وہی کھر چن رہ گیا تھا۔ خانزماں کئی برس سے یہاں تھا اور اس عرصے میں بڑی رسائی سے اس ملک میں کارروائی کی تھی۔ سلیمان کرارانی کی اس سے بڑی رفاقت تھی۔ اس نے جھٹ حاجی محمد خاں کو پکڑ کر خان زماں کے پاس بھیج دیا۔ وہ اول تو ہموطن سیستانی۔ دوسرے بیرم خانی پرانا رفیق۔ جب بڈھے کہن سال کو جواں دولت۔ جواں اقبال کے سامنے لائے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت ہنسے۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر گلے ملے۔ بیٹھ کر صلاحیں ہوئیں۔ بڈھے نے تجویز نکالی کہ دل میں نمک حرامی یا دغا نہیں۔ کسی غیر بادشاہ سے معاملہ نہیں۔ تم یہیں حاضر رہو۔ ماں کو میرے ساتھ روانہ کر دو۔ وہ محل میں جائیں گی۔ بیگم کی معرفت عرض کرینگی۔ باہر میں موجود ہوں بگڑی بات بن جائیگی۔ دشمنوں کی کچھ پیش نہ جائے گی۔

اب ذرا خیال کرو۔ اکبر تو جونپور میں ہیں۔ آصف خاں اور مجنون خاں خانزماں کے سامنے کڑہ مانک پور میں فوجیں لئے پڑے ہیں۔ درباری نمک حراموں نے آصف خاں کو پیغام بھیجا کہ رانی درگاوتی کے خزانوں کا حساب سمجھانا ہوگا۔ کہو دو دوستوں کو کیا کھلواؤ گے؟ اور چورا گڈھ کے مال میں سے کیا تحفے دلواؤ گے۔ اسے کھٹکا تو پہلے بھی تھا۔ اب گھبرا گیا۔ لوگوں نے اسے یہ بھی شبہ ڈالا کہ یہ خان زماں کے مقابلے پر بھیجنا۔ فقط تمہارا سر کٹوانا ہے۔ آخر ایک دن سوچ سمجھ کر آدھی رات کے وقت اس نے خیمے ڈیرے اکھیڑے اور میدان سے اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ وزیر خاں اس کا بھائی اور سرداران ہمراہی بھی اٹھ گئے۔ بادشاہ نے سنتے ہی اسکی جگہ تو منعم خان کو بھیجا کہ مورچہ قائم رہے اور شجاعت خاں کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ شجاعت خاں مانکپور پر پہنچ کر چاہتے تھے کہ دریا اتریں۔ آصف خاں تھوڑی دور بڑھا تھا جو خبر پائی کہ مقیم بیگ پیچھے آتا ہے۔ جاتے جاتے پلٹ پڑا۔ اور دن بھر اس طرح جان توڑ کر لڑا کہ مقیم بیگ کا شجاعت خانی خطاب خاک میں مل گیا۔ آصف رات کو اپنی جمعیت اور سامان سمیت فتح کا ڈنکا بجاتا چلا گیا۔ صبح کو انہیں خبر ہوئی دریا اتر کر اپنی شجاعت کے روئے سیاہ کو دھویا اور پیچھے پیچھے دوڑے۔ ترک تھے مگر ترکوں کا قول بھول گئے تھے کہ جو حریف کمان بھر نکل گیا۔ تیروں کے پلے نکل گیا۔ خیر جیسے گئے ویسے ہی دربار میں آن حاضر ہوئے۔

خان زماں جنگ کا پکا شطرنج باز:

خان زماں عرصہ جنگ کا پکا شطرنج باز تھا۔ منعم خان ابھی اس کے مقابلے پر نہ پہنچا تھا جو اس نے دیکھا کہ بادشاہ بھی ادھر ہی چلے آئے۔ اودھ کا علاقہ خالی ہے۔ اپنے بھائی بہادر خاں کو سپہ سالار کر کے اودھ کو فوج روانہ کی۔ اور سکندر خاں کو اس کی فوج سمیت ساتھ کیا۔ کہ جاؤ اور ادھر کی طرف

Marfat.com

ملک میں بدعملی پھیلاؤ۔ بادشاہ نے سنتے ہی چند کہنہ عمل سرداروں کو فوجیں دیکر ادھر روانہ کیا۔ میر معز الملک مشہدی کوان کا سردار مقرر کیا۔ مگر یہ خلعت ان کے قد پر کسی طرح ٹھیک نہ تھا۔ انہیں یہ حکم دیا کہ بہادر کو روک لو۔ بھلا ان سے بہادر کب رکتا تھا۔

منعم خاں اور خانزماں میں دوستی:

ادھر منعم خاں خانزماں کے مقابل پہنچے۔ دونوں قدیمی یار اور دلی دوست تھے۔ پیغام سلام ہوئے۔ بی بی سروقد ایک پراتم بڑھیا۔ بابر بادشاہ کے محلوں کا تبرک باقی تھیں۔ انہیں منعم خاں کی حرم سرا میں بھیجا۔ باہر چند معتبر اور کارواں اشخاص بھیجے۔ حاجی محمد خاں بھی جا کر شامل ہوئے۔ انہیں دنوں میں یہ بھی ہوائی اڑی تھی کہ چند اکبری جاں باز اس تاک میں ہیں کہ موقع پا کر خان زماں اور بہادر خاں کا کام تمام کر دیں۔ اس لئے علی قلی خاں کو آنے میں تامل ہوا۔ آخر یہ ٹھہری کہ بوسہ بہ پیغام سے کام نہیں چلتا۔ خان زماں اور منعم خاں مل کر گفتگو کریں اور بات قرار پا جائے۔ باوجود شہرت مذکور کے اس بات کو علی قلی خاں نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ دونوں کی فوجیں دریائے جوسا کے کناروں پر آ کر کھڑی ہوئیں۔ ادھر سے خان زمان، شہریار گل، سلطان محمد میر آب آ ہوئے حرم اپنے غلام کو لیکر کشتی میں سوار ہوئے۔ ادھر سے منعم خان خان خاناں، مرزا غیاث الدین علی، بایزید بیگ، میر خاں غلام، سلطان محمد قبق (کدو) کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر چلے۔ سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ فوج در فوج اور صف در صف ہزاروں آدمی تھے۔ وار پار گنگا کے کناروں پر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مزا ہے جو پانی میں بجلیاں چمکتی نظر آئیں۔ غرض بیچ دریا میں ملاقات ہوئی۔ دل میں جوش، سینہ صاف تھا۔ خان زماں سامنے سے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ ہنسے اور ترکی میں کہا۔ کفت لیق سلام علیکم۔ جوں ہی کشتی برابر آئی۔ بے باک دلاور کود کر خان خاناں کی کشتی میں آ گئے۔ جھک کر گلے ملے اور بیٹھے۔ پہلے خدمت فروشیاں کیں۔ پھر رفیقوں کے ظلم و ستم، بادشاہ کی بے پروائی، اپنی بے یاری و بے مددگاری پر روئے۔ خان خاناں عمر میں بھی بڑے تھے۔ کچھ داد دیتے رہے کچھ سمجھاتے رہے۔ آخر یہ ٹھیری کہ ابراہیم خاں ازبک ہم سب کا بزرگ ہے اور خزانہ اور اجناس گراں بہا اور ہاتھی جو کہ ہر جگہ فساد کی جڑ ہیں۔ لیکر جائیں۔ ماں حرم میں جا کر عصو تقصیر کی دعا کرے۔ اور تم میری طرف سے حضور میں یہ عرض کرو کہ اس روسیاہ سے بہت گناہ ہوئے ہیں۔ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ ہاں چند جاں فشانی اور جانثاری کی خدمتیں بجالا کر اس سیاہی کو دھولوں۔ اس وقت خود اضر ہونگا۔

Marfat.com

منعم خاں اور خان زماں کی ملاقات:

دوسرے دن منعم خاں چند امرا کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر خان زماں کے خیموں میں گئے۔ اس نے آداب بزرگانہ کے ساتھ پیشوائی کی۔ جشن شاہانہ کا سامان کیا۔ دھوم دھام سے مہمانداری کی۔ خواجہ غیاث الدین وہی پیغام لیکر دربار میں گئے۔ وہاں سے خواجہ ❶ جہاں۔ کہ مہمات سلطنت ان کے ہاتھوں پر طے ہوتے تھے۔ خان زماں کی تسلی خاطر کے لئے آئے۔ منعم خاں نے کہا کہ اب کچھ بات نہیں رہی۔ خان زماں کے ڈیرے پر چل کر گفتگو ہو جائے۔ خواجہ جہان نے کہا وہ بے باک ہے۔ اور مزاج کا تیز ہے۔ اور پہلے بھی مجھ سے خوش نہیں۔ مبادا کوئی بات ایسی ہو جائے کہ پیچھے افسوس کرنا پڑے۔ جب منعم خاں نے بہت اطمینان دیا تو کہا کہ اچھا اس سے کوئی آدمی یرغمال میں لے لو۔ خان خاناں نے یہی کہلا بھیجا۔ وہ دل کا دریا تھا۔ اس نے فوراً ابراہیم خاں ازبک اپنے ماموں کو بھیج دیا۔ غرض منعم خاں اور صدر جہاں خانزماں کے لشکر میں گئے۔ سب نشیب و فراز دیکھ کر بندوبست پختہ ہوئے۔ دوسرے دن صدر جہاں کا بھی ڈھنگ نکل گیا۔ پھر گئے اور ابراہیم خاں ازبک کے ڈیرے پر بیٹھ کر باتیں ہوئیں۔ مجنون خاں قاقشال وغیرہ سرداروں کو بھی خانزماں سے گلے ملوا دیا۔ خان زماں کے دربار میں چلنے پر بہت گفتگوئیں ہوئیں۔ اس نے نہ مانا اور کہا کہ ابراہیم خاں ہم سب کا بزرگ ہے۔ اور ریش سفید ہے۔ باہر یہ، اندر والدہ جائے۔ اور فی الحال خطا معاف ہو جائے۔ پھر آبدیدہ ہو کر کہا کہ مجھ سے سخت گناہ اور کمال روسیاہی ظہور میں آئی ہے۔ سامنے نہیں جاتا۔ خدمت لائقہ بجالاؤں گا۔ اور سیاہی کو دھوؤں گا۔ جبھی حاضر دربار ہوں گا۔

دوسرے دن یہ امرا تمام اجناس گراں بہا اور اچھے اچھے ہاتھی۔ جن میں بال سندر اور لچھلہ وغیرہ بھی تھے لیکر دربار کو روانہ ہوئے۔ خان خاناں نے چادر کی جگہ تیغ و کفن ابراہیم خاں کے گلے میں ڈالا۔ وہ سر ننگا پاؤں ننگے طورہ چنگیز خانی کے بموجب بائیں طرف سے سامنے لا کر کھڑا کیا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کی ع خواہی بدار خواہی بکش رائے رائے تست۔ خان خاناں نے عفو تقصیر کی دعائیں کیں۔ خواجہ جہان آمین آمین کہتے گئے۔ اکبر نے کہا کہ خان خاناں تمہاری خاطر عزیز ہے ہم نے ان کے گناہ سے درگزر کی مگر دیکھئے کہ یہ راہ عقیدت پر رہتے ہیں یا نہیں۔ خان خاناں نے دوبارہ عرض کی کہ انکی جاگیر کے باب میں کیا حکم ہے۔ فرمایا تقصیریں معاف کر دیں تو جاگیریں کیا حقیقت ہیں۔ تمہاری خاطر سے وہ بھی بحال کیں۔ شرط یہ ہے کہ جب تک لشکر اقبال ہمارا ان حدود میں ہے۔

❶ وہی خواجہ امینا۔

Marfat.com

خان زماں دریا پار رہے۔ جب ہم دارالخلافہ میں پہنچیں۔تو اس کے وکیل حاضر ہوکر دیوان اعلیٰ سے سندیں ترتیب کروالیں۔اوران کے بموجب عمل کریں۔خان زمان شکر کے سجدے بجالایا۔اور پھر کھڑے ہوکر کہا۔ دوپشت کے قدیم الخدمت۔ ہونہار جوانوں کی جانیں حضور کے عفوکرم سے بچ گئیں۔ یہ کام کرنے والے ہیں اور کام کرکے دکھائیں گے۔حکم ہوا کہ ابراہیم خاں کے گلے سے تیغ وکفن اتاریں۔بادشاہ حرم سرامیں گئے تو وہ عمرنوح سامنے آئی۔جس کا سانس فقط بیٹوں کی آس پر چلتا تھا۔قدموں پر گر پڑی۔ ہزاروں دعائیں دیں۔ بیٹوں کی نااہلیاں بھی کہتی جاتی تھی۔عفوقصور کی سفارشیں بھی کرتی جاتی تھی۔روتی تھی اوردعائیں دیتی تھی۔اس کی حالت دیکھ کر اکبرکورحم آیا۔جو کچھ دربار میں کہہ کرآیا تھا۔سمجھایا اور بہت دلاسا دیا۔خان زماں کو باہر سے خان خاناں نے لکھا۔اندر نے ماں نے بیٹوں کو خوشخبری دی۔اورلکھا کہ کوہ پارہ اور صف شکن وغیرہ ہاتھی اور تحفے تحائف جلد روانہ کردو۔ان کی خاطر جمع ہوئی۔اور سب چیزیں بڑے تحمل کے ساتھ بھیج دیں۔

امرائے شاہی اور بہادر خاں کی لڑائی

ادھرتو مہم طے ہوئی۔اب ادھر کا حال سنو۔ یہ تو تم سن چکے کہ بہادر اور سکندر خاں کو خانزماں نے اودھ کی طرف بھیج دیا تھا کہ ملک میں خرابی کرکے خاک اڑاؤ۔ بہادر نے جاتے ہی خیرآباد پر قبضہ کرلیا اور ملک میں پھیل گیا۔ یہ بھی دیکھ چکے کہ ادھر سے ان کے روکنے کے لئے اکبر نے میرمعز الملک وغیرہ امراکوفوج دیکر بھیجا۔اب ذرا تماشا دیکھو۔دربار میں تو یہ معاملے ہورہے تھے۔وہاں جب بادشاہی لشکر پہنچا تو بہادر خاں جہاں تھا وہیں وہیں تھم گیا۔معزالملک کے پاس وکیل بھیجا۔حرا سرامیں اس کی بہن کے پاس عورتیں بھیجیں اور یہ پیغام دیا کہ خان زماں کی منعم خاں کے ذریعے سے عرض معروض ہورہی ہے۔ ہمارے لئے تم درگاہ بادشاہی میں سفارش کرو۔ کہ خطائیں معاف ہو جائیں۔فی الحال ہاتھی وغیرہ جو کچھ ہیں وکیل لے جائیگا۔جب ہم خطاؤں سے پاک،اور تقصیریں معاف ہوجائیں گی تو خود حاضر دربار ہونگے۔

معزالملک مصرغرور کا فرعون اور شداد:

معزالملک مصرغرور کا فرعون اور شداد بنا ہوا تھا۔وہ کہتا تھا۔جو میں ہوں سو ہے کون؟ آسمان پر چڑھ گیا اور کہا۔نمک حراموتم آب تیغ کے سوا پاک نہیں ہوسکتے۔تمہارے داغ کو میں آب شمشیر سے دھوؤں گا۔اتنے میں لشکر خاں میر بخشی (بادشاہ نے عسکر خاں خطاب دیا۔ لوگوں نے استر خاں بنادیا)

Marfat.com

اور راجہ ٹوڈرمل جا پہنچے کہ صلح یا جنگ جو کچھ مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں۔ بہادر خاں پھر بادشاہی لشکر کے کنارے پر آیا۔ معزالملک کو بلایا۔ اور سمجھایا کہ بھائی والدہ اور ابراہیم خاں کو درگاہ میں بھیجا چاہتے ہیں بلکہ اب تک بھیج دیا ہوگا اور عفو تقصیر کی امید قوی ہے۔ جب تک وہاں سے جواب نہ مل جائے تب تک ہم بھی تلوار پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ تم بھی اس عرصے میں صبر کرو۔ معزالملک تو آگ تھے۔ راجہ رنجک پہنچے۔ جوں جوں بہادر اور سکندر دھیمے ہوتے تھے۔ یہ آگ بگولا ہوئے جاتے تھے۔ اور سوا حرف سخت کے کچھ کہتے ہی نہ تھے۔ وہ بھی آخر بہادر خاں تھے۔ جب ناکام پھرے تو ناچار مرتا کیا نہ کرتا اپنے لشکر میں جا کر کام کی فکر میں لگے۔

وقت ضرورت چو نماند گریز دست گیرد سر شمشیر تیز

نواح خیرآباد میں فوج تیار کر کے سامنے ہوئے۔ ادھر سے معزالملک بادشاہی لشکر کو لیکر بڑے گھمنڈ سے آگے بڑھے۔ بہادر خاں اگرچہ اس موقع پر بہت دل شکستہ اور پریشان تھا مگر وہ سینے میں شیر کا دل اور ہاتھی کا کلیجہ لیکر پیدا ہوا تھا۔ فوج جما کر سامنے ہوا۔ دھاوا دھر ادھر سے برابر ہوا اور دونوں لشکر اس صدمے سے ٹکرائے جیسے دو پہاڑوں نے ٹکر کھائی۔ میدان میں محشر برپا ہو گیا۔ بادشاہی فوج نے سکندر کو ایسا ریلا کہ بھاگا۔ پشت پر ایک جھیل تھی۔ کود پھاند کر پار اتر گیا۔ بہت ڈوبے، بہت مارے گئے۔ اور امرائے شاہی اپنی اپنی فوجوں کو لیکر سب انہیں کے پیچھے دوڑے۔ سکندر تو بھاگا مگر بہادر خاں سد سکندر ہو کر کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا کہ معزالملک تھوڑی سی فوج کے ساتھ سامنے ہے۔ باز کی طرح جھپٹ کر گرا۔ معزالملک زبان کے بہادر تھے نہ کہ میدان کے۔ بہادر نے پہلے ہی حملے میں الٹ کر پھینک دیا۔ شاہ بداغ خاں جمے تھے۔ انہیں گھوڑے نے پھینکا۔ بیٹے نے زور کیا کہ اٹھائے۔ نہ ہو سکا۔ اپنی جان لیکر نکل گیا۔ باپ ازبکوں کے حوالے کر گیا۔

ٹوڈرمل اور لشکر خاں:

ٹوڈرمل اور لشکر خاں مدد کیلئے جدا رہے تھے۔ شام تک الگ الگ لڑتے رہے۔ رات کو سیاہ چادر کے پردے میں وہ بھی سرک گئے۔ قنوج میں پہنچے۔ اور بھاگے بھٹکے بھی آ کر جمع ہوئے۔ بادشاہ کو عرضی لکھی اس میں حریفوں کے ظلم و ستم کو بڑی آب و تاب سے ادا کیا۔ التجا یہ کہ ایسے نمک حراموں کو قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔ حق یہ ہے کہ معزالملک کی تلخ مزاجی اور کج اخلاقی۔ اور ٹوڈرمل کی سختیوں نے امرائے ہمراہی کو بہت جلایا ہوا تھا۔ وہ بھی وقت پر جان بوجھ کر پہلو دے گئے۔ ورنہ رسوائی کی نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ پرانے پرانے جاں باز جن میں حسین خاں بھی شامل تھے۔ میدان سے

Marfat.com

ٹلنے والے نہ تھے۔ مرنے اور مٹنے والے تھے۔

دربار میں ابراہیم خاں تیغ وکفن اتار کر خلعت اور ہار پہن چکے تھے۔ علی قلی خاں کے وکیل بھی نقد وجنس، تحفہ تحائف، کوہ پارہ اور صف شکن روانہ دربار کر چکے تھے کہ یہ عرضی پہنچی۔ بادشاہ نے کہا۔ خیر اب تو ہم خان خاناں کی خاطر سے خان خانزماں کے اور اس کے ساتھ اوروں کے گناہ بھی بخش چکے۔ معز الملک اور ٹوڈرمل چپ چپاتے چلے آئے۔ اور نفاق پیشہ مدت تک آداب وکورنش سے محروم رہے۔ لشکر خاں بخشی گری سے معزول۔ خواجہ جہان سے مہر کلاں کہ مہر مقدس کہلاتی تھی چھن گئی۔ اور سفر حجاز کو رخصت کیا۔

خانزماں پر نحوست کی چیل:

کم بخت خانزماں پر نحوست کی چیل نے پھر جھپٹا مارا۔ بادشاہ اس مہم سے فارغ ہوکر چنار گڑھ کا قلعہ دیکھنے گئے (اسے قلعہ نہ سمجھنا۔ جنگل کا جنگل بلکہ کوہستان ہے کہ فصیل کے حلقے میں گھرا ہوا ہے) وہاں شکار کھیلے۔ ہاتھی پکڑے۔ اس میں دیر لگی۔ ملک مذکور کئی برس سے خانزماں کی حکومت میں رہ چکا تھا۔ یا تو بے انتظامی اسکی نہ دیکھ سکا۔ یا بادشاہی اہلکاروں کی بدعملی نہ برداشت کر سکا۔ غرض گنگا اتر کر جونپور۔ غازی پور وغیرہ کا انتظام شروع کر دیا اس ارادہ پر کچھ سکندر خاں ازبک نے اکسایا تھا۔ کچھ اس کے دل میں یہ دعویٰ بھی ہوگا کہ آخر ملک حضور کا مال ہے۔ میں بھی حضور کا مال ہوں۔ قدیمی جاں نثار ہوں اور انتظام ہی کرتا ہوں۔ تباہ تو نہیں کرتا۔ یاروں نے بادشاہ کو پھر چمکا دیا کہ دیکھیے حضور کے حکم کو خاطر میں نہیں لاتا۔ انہوں نے فوراً اشرف خاں میر منشی کو بھیجا کہ جونپور میں جا کر انتظام کرلو۔ خانزماں کی بڑھیا ماں کو قلعہ میں لا کر قید کر دو۔ یہاں مظفر خاں کو لشکر اور چھاؤنی کا انتظام سپرد کیا۔ آپ یلغار کر کے خانزماں کی طرف دوڑے اور سر سوار غازی پور میں جا پہنچے۔ وہ اودھ کے کنارے پر تھا۔ اور بے فکر کاروبار میں مصروف تھا۔ دفعتاً بادشاہ کی آمد آمد کا غل سنا۔ خزانہ و مال کی کشتیاں بھری چھوڑیں اور آپ پہاڑوں میں گھس گیا۔

ادھر بہادر خاں اپنے بہادر دلاوروں کو جونپور پر لیکر آیا۔ کمندیں ڈال کر قلعے میں کود گیا۔ ماں کو نکالا۔ اور میر منشی صاحب کو مضمون کی طرح باندھا اور لے گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ لشکر بادشاہی پر گر کر مظفر کو ظفر کی گردان پڑھائے۔ مگر سنا کہ بادشاہ اودھ سے پھرے آتے ہیں۔ اس لئے پھر سکندر سمیت دریا پار اتر گیا۔ خان زماں نے اپنے معتبر یعنی میرزا میرک رضوی کے ساتھ ماں کو پھر خان خاناں کے پاس بھیجا۔ معافی کے دروازہ کی زنجیر ہلائی۔ اور عجز و نیاز کے ہاتھوں سے قدم لئے۔ جو عرضی لکھی اس

Marfat.com

میں یہ شعر بھی تھا۔

بدیں امید ہائے شاخ در شاخ　　کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

خان خاناں صلاح واصلاح کے ٹھیکہ دار تھے۔ انہوں نے میر عبداللطیف قزوینی، مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی صدر کو بھی ساتھ شامل کیا۔ سب کو ساتھ لیکر حضور میں حاضر ہوا۔ انہوں نے حال عرض لیا آخر قدیمی نمک پروردہ اور خدمت گزار تھے۔ اگلی پچھلی جاں نثاریوں نے شفاعت کی۔ اکبر نے کہا۔ خطا معاف۔ جاگیر بحال مگر حضور میں آکر حاضر رہیں۔ یہ حکم لیکر روانہ ہوئے۔ جب لشکر کے پاس پہنچے تو خان زماں استقبال کو آیا۔ بڑی تعظیم وتکریم سے لے گیا۔ ضیافتیں کھلائیں۔ جواب میں عرض کیا کہ حضور بدولت واقبال دارالخلافہ کو تشریف لے جائیں۔ دو تین منزل آگے بڑھ کر دونوں غلام حاضر حضور ہوتے ہیں۔ برسوں سے یہاں ملک داری اور ملک گیری کر رہے ہیں۔ حساب کتاب کا فیصلہ کر دیں۔ بزرگان مذکور کو بڑے اعزاز واحترام سے رخصت کیا۔ بہت سے تحائف دیئے۔ انہوں نے پھر جا کر حضور میں عرض کی۔ یہ بھی قبول ہوئی اور عہد و پیمان کو قسموں کی زنجیروں سے مضبوط کیا۔ بادشاہ دارالخلافہ میں داخل ہو گئے۔

آزاد۔ تدبیر کے بندے ضرور کہیں گے کہ حاضر باشی دربار کا مورچہ بہت خوب ہاتھ آیا تھا۔ سپاہی تھے۔ اہلکار نہ تھے اس لئے چال چوکے۔ یا یہ کہو کہ دور رہنے میں جو آزاد حکومت کا مزہ پڑ گیا تھا۔ اس نے جونپور مانک پور سے الگ نہ ہونے دیا۔ ورنہ موقع یہ تھا کہ جس بادشاہ کے حکموں سے وہ انہیں خراب کر رہے تھے۔ اب یہ پہلو میں بیٹھتے اور اسی کی تلوار سے حریفوں کے ناک کان کاٹتے۔

آصف خاں کا معاملہ:

آصف خاں کا معاملہ بھی سن لو۔ ایک وقت تو وہ تھا کہ اس نے مجنون خاں کو خانزماں کی قید سے چھڑایا اور دونوں فوج لیکر خانزماں کے مقابل ہو گئے۔ جب اہل دربار کے لالچ نے اسے بھی میدان وفاداری سے دھکیل کر نکال دیا تو وہ جوناگڑھ میں جا بیٹھا۔ اب جو خان زماں کی مہم سے بادشاہ کی خاطر جمع ہوئی تو مہدی قاسم خاں کو اسکی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ حسین خاں وغیرہ چند امرائے نامی کو حکم دیا کہ فوجیں لیکر اس کے ساتھ ہوں۔ آصف کو ہرگز اپنے سلیمان سے لڑنا منظور نہ تھا۔ درگاہ شاہی میں عفو تقصیر کی عرضی لکھی۔ مگر دعا قبول نہ ہوئی۔ ناچار خانزماں کو خط لکھا۔ اور آپ بھی جلد جا پہنچا۔ خانزماں کے زخم دل ابھی ہرے بڑے تھے۔ جب ملا تو نہایت غرور اور بے پروائی سے ملا۔ آصف خاں دل میں پچھتایا کہ ہائے یہاں کیوں آیا۔ ادھر سے جب مہدی خاں پہنچے تو میدان صاف دیکھ کر

Marfat.com

جونا گڑھ پر قبضہ کرلیا۔ اور آصف خاں کو خانزماں کے ساتھ دیکھ کر پہلو بچالیا۔

یہاں خانزماں آپ تو فرمانفرما بن کر بیٹھے۔ آصف خاں کو کہا کہ پورب میں جا کر پٹھانوں سے لڑو۔ بہادر خاں کو اس کے ساتھ کیا۔ وزیر خاں آصف خاں کے بھائی کو اپنے پاس رکھا۔ گویا دونوں کو نظر بند کرلیا اور نگاہ انکی دولت پر۔ وہ بھی مطلب تاڑ گئے تھے۔ دونوں بھائیوں نے اندر اندر پرچے دوڑا کر صلاح موافق کی۔ یہ ادھر سے بھاگا وہ ادھر سے۔ کہ دونوں مل کر مانک پور پر آ جائیں۔ بہادر خاں آصف کے پیچھے دوڑا۔ جونپور اور مانکپور کے بیچ میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر آصف خاں پکڑے گئے۔ بہادر خاں اسے ہاتھی کی عماری میں ڈال کر روانہ ہوئے۔ ادھر وزیر خاں جونپور سے آتا تھا۔ خبر سنتے ہی دوڑا۔ بہادر خاں کے آدمی تھوڑے تھے۔ اور تھکے ہوئے تھے جو کچھ تھے لوٹ میں لگے ہوئے تھے۔ اس لئے حملے کو روک نہ سکا۔ بھاگ نکلا اور لوگوں سے کہا کہ عماری میں آصف کا فیصلہ کردیں۔ وزیر خاں پیش دستی کر کے جا پہنچا اور بھائی کو نکال لے گیا۔ پھر بھی آصف کی انگلیاں کٹیں اور ناک پر زخم آیا۔ انجام یہ ہوا کہ پہلے وزیر خاں حاضر حضور ہوا۔ پھر آصف خاں کی خطا بھی معاف ہوگئی۔

میر مرتضیٰ شریفی:

میر مرتضیٰ شریفی۔ میر سید شریف جرجانی کی اولاد میں تھے۔ انکی تحقیقات وتصنیفات نے انہیں علم کے دربار سے فخر نوع بشر ثانی عقل ہادی عشر کا خطاب دلوایا تھا۔ یہ نہایت مقدس اور صاحب فضل وکمال تھے۔ ملا صاحب سال آئندہ کے حال میں لکھتے ہیں کہ دلی میں فوت ہوئے اور امیر خسرو علیہ الرحمتہ کے ہمسایہ میں دفن ہوئے۔ قاضیوں نے اور شیخ الاسلام نے حضور میں عرض کی کہ امیر خسرو ہندی ہیں اور سنی۔ میر مرتضیٰ ایرانی ہیں اور رافضی۔ کچھ شک نہیں کہ انہیں اس ہمسائے سے تکلیف ہو گی حکم دیا کہ وہاں سے نکال کر اور جگہ دفن کردو۔ سبحان اللہ۔ زمانہ کا اور خیالات کا انقلاب دیکھو۔ چند ہی روز بعد یہ عالم ہوا کہ علمائے سینہ زور میں ایک نہ رہا۔ اکبری دربار کا رنگ ہی اور ہوگیا۔ میر فتح اللہ شیرازی، حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام وغیرہ صدہا ایرانی تھے اور سلطنت کے کاروبار تھے۔ جو لوگ ایک زمانے میں دب کر نہایت سختی اٹھاتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد زمانہ ضرور انہیں اٹھا کر بلند کرتا ہے۔

اکبر یہاں اس جھگڑے میں تھا۔ جو خبر پہنچی کہ کابل میں فساد عظیم برپا ہوا۔ اور مرزا حکیم فوج لیکر کابل سے پنجاب کی طرف آتا ہے۔ سن کر بہت تردد ہوا۔ امرائے پنجاب اس کے سینے پر خاطر خواہ ٹکر مار کر ہٹا سکتے تھے۔ مگر اکبر کو بڑا خیال یہ تھا۔ کہ اگر وہ ادھر سے بھاگا اور ہماری طرف سے مایوس

Marfat.com

ہوا تو ایسا نہ ہو کہ بخارا میں ازبک کے پاس چلا جائے۔ اس میں خاندان کی بھی بدنامی ہے۔ اور یہ قباحت بھی ہے کہ اگر ازبک اسے ساتھ لیکر ادھر رخ کرے اور کہے کہ ہم فقط حقدار کو حق دلوانے آئے ہیں تو قندھار، کابل، بدخشاں کا لے لینا اسے سہل ہے۔ اس لئے تمام امرائے پنجاب کو لکھا کہ کوئی حکیم مرزا کا مقابلہ نہ کرے۔ جہاں تک آئے آنے دو۔ مطلب یہ کہ شکار ایسے موقع پر آجائے۔ جہاں سے باآسانی ہاتھ آجائے۔ ادھر خان زماں سے عفو تقصیر پر فیصلہ کر کے آگرہ کی طرف ہٹا۔ (حکیم مرزا کا حال دیکھو تتمہ کے حالات میں اور یہ بھی دیکھو کہ اسکی بغاوت نے کتنی دور جا کر گل کھلایا ہے)۔

خان زماں نے جب سنا کہ حکیم مرزا پنجاب پر آتا ہے تو بہت خوش ہوا۔ اس واقعہ کو اپنے حق میں تائید آسانی سمجھا اور کہا۔

خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

جونپور میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور عرضی لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ۴۰ نمک خوار موروثی حضور کے حکم کے منتظر بیٹھا ہے۔ آپ جلد تشریف لائیں۔ غزالی مشہدی خان زماں کے حضور میں ایک شاعر باکمال تھا۔ اس نے سکہ کا سجع بھی کہہ دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وارث ملک است محمد حکیم

اتنی بات پر صبر نہ کیا جہاں جہاں امرائے بادشاہی تھے۔ فوجیں بھیج کر انہیں گھیر لیا۔ ابراہیم حسین مرزا وغیرہ کو لکھا کہ تم بھی اٹھ کھڑے ہو یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور خود فوج لے کر قنوج پر آیا۔

اکبر کا اقبال تو سکندر کے اقبال سے شرط باندھے ہوئے تھا۔ پنجاب اور کابل کی مہم کا فیصلہ اس آسانی سے ہو گیا کہ خیال میں بھی نہ تھا۔ چند روز پنجاب میں شکار کھیلتا رہا۔ ایک دن شکارگاہ میں وزیر خاں آصف خاں کا بھائی آیا اور بھائی کی طرف سے بہت عذر معذرت کی، اکبر نے اس کی خطا معاف کر کے پھر پنج ہزاری کی خدمت دیدی۔

تیسری فوج کشی

مہم کابل کی تحقیقات سے اکبر کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ یہ منصوبہ خان زماں کا پورا پڑتا تو تمام ہندوستان ایک آتش بازی کا میدان ہو جاتا۔ اس صورت میں واجب ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا پورا تدارک کیا جائے۔ چنانچہ آصف خاں وزیر خاں کو حکم دیا کہ جاؤ اور کڑہ مانکپور کا ایسا کڑا انتظام

Marfat.com

رکھو کہ خان زماں اور بہادر خاں جنبش نہ کر سکیں۔ ۱۲ رمضان ۹۷۴ھ کو لاہور سے کوچ کیا اور خود بھی جھٹ پٹ یلغار کر کے آگرہ پہنچا۔ جنگ آزمودہ امیروں کو فوجوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ہراولی حسین خاں کے نام پر ہوئی۔ اسکی سخاوت اسے سدا مفلس رکھتی تھی۔ اب جو ستواس کا صدمہ اٹھا کر آیا تھا تو بہت شکستہ حال ہو رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ شمس آباد اپنے علاقے پر گیا ہوا ہے۔ اس لئے قیا خاں گنگ ہر اول ہوا۔ ۲۶ شوال کو آگرہ سے نکلا۔ سکیٹ مشرق آگرہ میں خبر لگی کہ خان زماں نے فوج سے ڈیرے اٹھائے اور رائے بریلی کو چلا جاتا ہے۔ محمد قلی برلاس اور ٹوڈرمل کو ۶ ہزار فوج دیکر سکندر خاں ازبک کے روکنے کو بھیجا اور آپ مانکپور کو مڑے اور چاروں طرف تیاری اور خبرداری کے فرمان بھیج دیئے۔ رائے بریلی میں پہنچ کر سنا کہ خان زماں نے سلطان مرزا کی اولاد سے سازش کر لی ہے مالوہ کو جاتا ہے کہ ادھر کے علاقے فتح کرے اور کچھ نہ ہو تو شاہان دکن کی پناہ میں جا بیٹھے۔

علی قلی خاں کو یہ خیال تھا کہ جن جھگڑوں میں میں نے اکبر کو ڈالا ہے۔ ان کا برسوں میں فیصلہ ہوگا۔ چنانچہ ایک قلعے پر کسی بادشاہی سردار کو گھیرے پڑا تھا۔ خبر پہنچی کہ اکبر آگرہ میں آن پہنچے۔ اور تمہاری طرف کونسا لشکر لہراتا چلا آتا ہے۔ ہنس کر یہ شعر پڑھا۔

سمند تند زریں لعل او خورشید را ماند   کہ از مشرق بمغرب رفت و یک شب درمیاں ماند

پھر بھی وہ ہمت کا پہاڑ اور تدبیر کا دریا تھا۔ شیر گڑھ (قنوج) سے مانک پور کو چلا کہ بہادر خاں بھی وہیں تھا۔ یہ کسی اور سردار کو گھیرے پڑا تھا۔ دونوں بھائی گنگا کے کنارے کنارے چل کر سنگروز (مانک پور اور الہ آباد کے بیچ میں ہے شاید نواب گنج کہلاتا ہے) کے پاس پل باندھ کر گنگا اتر گئے۔ اکبر نے جب یہ خبریں سنیں تو یلغار کر کے چلا مگر رستے دو تھے۔ ایک عام شاہ راہ کہ طولانی تھا۔ دوسرا نزدیک تھا۔ مگر بیچ میں پانی نہ ملتا تھا۔ لوگوں نے حال عرض کیا۔ اور شاہ کو شاہراہ پر چلنے کی صلاح دی۔ بلند نظر بادشاہ نے کہا کہ جو ہو سو ہو۔ جلد پہنچنا چاہیئے۔ توکل بخدا ادھر ہی سے روانہ ہوا۔ اقبال کا زور دیکھو کہ رستے میں مینہ برسا ہوا تھا۔ جابجا تلاؤ کے تلاؤ بھرے ملے۔ اور فوج اس آرام سے گئی کہ آدمی یا جانور کسی کو تکلیف نہ ہوئی۔

غرض شب و روز مارا مار چلا گیا۔ رات کا وقت تھا کہ گنگا کے کنارے پر پہنچا۔ جس کے پار کڑہ مانک پور آباد ہے۔ کشتی ناؤ کچھ نہ تھی۔ سب کی صلاح یہی تھی کہ یہاں ٹھیر کر اور امرا کا انتظار کریں۔ خاطر خواہ سامان سے آگے بڑھنا چاہیئے کہ علی قلی خاں کا سامنا ہے۔ مگر اکبر نے ایک نہ سنی۔ بال سندر پر سوار تھا آپ آگے بڑھا اور دریا میں ہاتھی ڈال دیا۔ خدا کی قدرت اقبال کا زور۔ گھاٹ بھی ایسا مل گیا کہ دریا پایاب تھا۔ گنگا جیسا دریا اور ہاتھی کو کہیں تیرنا نہ پڑا۔ غرض بہت سے نامی اور جنگی ہاتھی

Marfat.com

ساتھ تھے اور فقط سو سواروں کے ساتھ پار ہوا اور پچھلی رات چپ چاپ گنگا کے کنارے پر سو کر گزار دی۔ خان زماں کے لشکر میں بہت تھوڑا فاصلہ تھا کہ نواب گنج سے پھر کر کڑہ کو دریا کے داہنے کنارے پر گنہ سنگروڑ میں آ گیا تھا۔ صبح ہوئی تو علی قلی خاں کی فوج کے سر پر تھا۔ اس وقت آصف خاں بھی مسلح اور تیار فوج لئے آن پہنچا۔ مجنوں خاں اور آصف خاں دمبدم خان زماں اور اس کے لشکر کی خبریں اکبر کو پہنچا رہے تھے۔ اور حکم یہ تھا کہ پہر میں دو دفعہ قاصد بھیجو۔ اور احتیاط رکھو کہ خان زماں کو خبر نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نکل جائے۔ علی قلی خاں اور بہادر خاں کو بادشاہ کے اس طرح پہنچنے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ یہاں تمام رات ناچ گانا تھا اور شراب عشرت کا دور تھا۔ رنڈیاں چھم چھم ناچتی ہیں اور کہتی ہیں۔ بشکن بشکن۔ مست مغل خماری آنکھیں کھولتے اور کہتے۔ ہاں۔ بشکن بشکن کہ مبارک شگونیست۔ شکستیم دشمن را ع

زدیم بر صف رندان و ہر چہ بادا باد

غرض رات نے صبح کی کروٹ لی۔ ستارہ نے آنکھ ماری۔ اور شفق خونی پیالہ بھر کر مشرق سے نمودار ہوئی۔ نور کے تڑکے۔ بادشاہی فوج کا ایک آدمی ان کے خیمے کے پیچھے جا کر بہ آواز بلند چلایا کہ مستو بے خبرو، کچھ خبر بھی ہے؟ بادشاہ خود لشکر سمیت آن پہنچے اور دریا بھی اتر لئے۔ اس وقت خان زماں کے کان کھڑے ہوئے۔ مگر جانا کہ آصف خاں کی چالاکی ہے۔ مجنوں خاں قاقشال کو پھونس پتا بھی نہ سمجھتا تھا۔ کچھ پروانہ کی۔ خبر دینے والا بھی کوئی بادشاہی ہوا خواہ تھا۔ چونکہ فوج بادشاہی بہت کم تھی۔ یعنی تین چار ہزار فوج امرا کی تھی۔ پانسو سوار بادشاہ کے ہمراہ آئے تھے۔ پیچھے پانسو ہاتھی بھی آن پہنچے تھے۔ بہر حال اکثر سردار نہ چاہتے تھے کہ اس میدان میں تلوار چل جائے۔ اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر خان زماں بھاگ جائے۔ غرض نور کا تڑکا تھا کہ بادشاہی نقارہ پر چوٹ پڑی۔ یہ آواز سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور لشکر کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گئے۔

۹۷۴ھ نو بجے پیر کا دن۔ عید قربان کی پہلی تاریخ تھی۔ منکروال ❶ (سنگروال) علاقہ الہ آباد پر مقام تھا کہ میدان جنگ میں تلوار میان سے نکلی۔ دونوں بھائی شیر ببر کی طرح آئے اور اپنے اپنے پرے جما کر پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ قلب میں خان زماں قائم ہوا۔ ادھر سے اکبر نے ہاتھیوں کی صف باندھ کر فوج کے پرے باندھے۔ پہلے ہی بادشاہی فوج سے بابا خاں قاقشال ہراول کی فوج لیکر آگے بڑھا۔ اور دشمن کی طرف سے جو ہراول اس کے سامنے آیا اسے ایسا دبا کر ریلا کہ وہ علی قلی خاں کی فوج میں جا پڑا۔ بہادر خاں دیکھ کر جھپٹا۔ اور اس صدمے سے آ کر گرا کہ بابا خاں کو اٹھا کر

❶ بلوک مین صاحب کہتے ہیں سنکروال کو اس فتح کے سبب سے اب تک فتح پور کہتے ہیں ایک چھوٹا سا گاؤں کڑہ کے جنوب مشرق میں ہے۔ ۱۰۔۱۱ میل پر۔ اور دریا سے بہت دور نہیں۔

Marfat.com

مجنون خاں کی فوج پر دے مارا۔ اور باوجود یکہ اپنی فوج بے ترتیب ہو رہی تھی۔ دونوں کو الٹتا پلٹتا آگے بڑھا۔ دم کے دم میں صفوں کو تہ و بالا کر دیا۔ ادھر ادھر چاروں طرف لشکر میں قیامت برپا ہوئی۔ اور ساتھ ہی قلب کا رخ کیا کہ اکبر امرا کے غول میں وہیں موجود تھا۔ بڑے بڑے سردار اور بہادر جانثار آگے تھے۔ انہوں نے سینہ سپر ہو کر سامنا روکا مگر کھلبلی پڑ گئی۔

بادشاہ بال سندر ہاتھی پر سوار تھے۔ اور مرزا عزیز کوکہ خواصی میں بیٹھے تھے۔ ان کا خاندان گرد و پیش جما ہوا تھا۔ اکبر نے دیکھا کہ میدان کا رنگ بدلا۔ بنظر احتیاط ہاتھی سے کود کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور بہادروں کو للکارا۔ اب دونوں بھائیوں نے پہچانا کہ ضرور بادشاہ اس لشکر میں ہے۔ کیونکہ سرداروں میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے سامنے اس طرح جم کر ٹھہرے۔ اور بندوبست سے جا بجا مدد پہنچائے۔ ساتھ ہی ہاتھیوں کا حلقہ نظر آیا۔ اب انہوں نے مرنا دل میں ٹھان لیا اور جہاں جہاں تھے وہیں قائم ہو گئے کیونکہ بادشاہ کا مقابلہ ایک غور طلب امر تھا۔ اسے وہ بھی نہ چاہتے تھے۔ ان بدنصیبوں نے بھی خوب لاگ ڈانٹ سے لڑائی جاری کر رکھی تھی۔ مگر نمک کی مار کا حربہ کچھ اور ہی ضرب رکھتا ہے۔ بہادر خاں کے گھوڑے کے سینے میں ایک تیر لگا کہ چراغ پا ہو کر گر پڑا اور وہ پیادہ ہو گیا۔ بادشاہ کو ابھی تک اس حال کی خبر نہ ہوئی تھی۔ سب کو بدحواس دیکھ کر خود آگے بڑھا اور فوجداروں کو آواز دی کہ ہاتھیوں کی صف کو علی قلی خاں کی فوج پر ریل دو کہ بہادر خاں کو ادھر متوجہ ہونا پڑے۔ دونوں لشکر تہ و بالا ہو رہے تھے۔ علی قلی خاں اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔ بار بار بہادر خاں کا حال پوچھتا تھا اور مدد بھیجتا تھا۔ ابھی کچھ خبر نہ تھی کہ دونوں بھائیوں پر کیا گزری کہ اکبری بہادروں کو فتح کی رگ پھڑکتی معلوم ہوئی اور کامیابی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

ہیرانند اور رادیانہ کا مقابلہ:

بات یہ ہوئی کہ ادھر سے پہلے ہیرانند ہاتھی علی قلی خاں کی فوج پر جھکا۔ ادھر سے مقابلے میں رودیانہ ہاتھی تھا۔ ہیرانند نے قدم کاٹ کر اس طرح کلہ کی ٹکر ماری کہ رودیانہ سینہ ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً ایک تیر قضا کے تیر کی طرح علی قلی خاں کو لگا۔ دلاور بڑی بے پروائی سے نکال رہا تھا کہ دوسرا تیر گھوڑے کے لگا۔ اور ایسا بیڈھب لگا کہ ہرگز سنبھل نہ سکا۔ گرا اور سوار کو بھی لیکر گرا۔ ہمراہیوں نے دوسرا گھوڑا سامنے کیا۔ اتنے عرصے میں کہ وہ سوار ہو کر ایک بادشاہی ہاتھی باغیوں کو پامال کرتا ہوا بلا کی طرح اس پر پہنچا۔ خان زماں نے آواز دی۔ فوجدار ہاتھی کو روکنا، میں سپہ سالار ہوں۔ زندہ حضور میں لے جا۔ بہت انعام پائے گا۔ اس کمبخت نے نہ سنا۔ ہاتھی کو ہول ہی دیا۔ افسوس وہ خانزماں جس

Marfat.com

کے گھوڑے کی جھپٹ سے فوجوں کے دھوئیں اڑتے تھے۔ اسے ہاتھی روند کر ہوا کی طرح اور طرف نکل گیا اور وہ خاک پر سسکتا رہ گیا۔ اللہ اللہ۔ جس بہادر کو فتح و اقبال ہوا کے گھوڑوں پر چڑھاتے تھے۔ جس عیش کے بندے کو ناز و نعمت مخملوں کے فرش پر لٹاتے تھے۔ وہ خاک پر پڑا دم توڑتا تھا۔ جوانی سرہانے کھڑی سر ملتی تھی اور دلاوری زار زار روتی تھی۔ سارے ارادے اور حوصلے خواب و خیال ہو گئے تھے۔ ہاں خانزماں یہ یہاں کا معمولی قانون ہے۔ تم نے ہزاروں کو خاک و خون میں لٹایا۔ آؤ بھائی۔ اب تمہاری باری ہے۔ اسی خاک پر تمہیں سونا ہو گا۔

سر لشکر کی وفات:

سر لشکر کے مرتے ہی لشکر پریشان ہو گیا۔ فوج شاہی میں فتح کا نقارہ بج گیا۔ اکبر ادھر ادھر کمک دوڑا رہا تھا کہ اتنے میں نظر بہادر خاں کو اپنے آگے گھوڑے پر سوار کر کے لایا اور حضور میں پیش کیا۔ اکبر نے پوچھا بہادر چونی؟ کچھ جواب نہ دیا۔ اکبر نے پھر کہا۔ اس نے کہا الحمد للہ علی کل حال۔ بادشاہ کا دل بھر آیا۔ بچپن کا عالم اور ساتھ کا کھیلنا یاد آیا۔ پھر کہا۔ بہادر ما بشما چہ بدی کردہ بودیم کہ شمشیر بر روئے ما کشیدید۔ وہ شرمندہ شرمسار سر جھکائے کھڑا تھا۔ مارے خجالت کے کچھ جواب نہ دے سکا۔ کہا تو یہ کہا کہ الحمد للہ علی کل حال کہ در آخر عمر دیدار حضرت بادشاہ کہ ماحی گناہان است نصیب شد۔ آفرین ہے اکبر کے حوصلے کو۔ گنہ بخش کا لفظ سنتے ہی آنکھیں نیچے کر لیں۔ اور کہا بحفاظت نگہدارید۔ اس نے پانی مانگا۔ اپنی چھاگل میں سے پانی دیا۔

علی قلی خاں کے حالات سے بے خبری:

اس وقت تک کچھ خبر نہ تھی کہ علی قلی خاں کا کیا حال ہوا۔ دولت خواہوں نے سمجھا کہ ایسے شیر بھائی کا قید ہونا علی قلی خان نہ دیکھ سکے گا قیامت برپا کر دے گا۔ اپنی جان پر کھیلے گا۔ مگر اسے چھڑا لے جائے گا۔ اس لئے کوئی کہتا ہے بے اطلاع۔ کوئی کہتا ہے اکبر کے اشارے سے شہباز خاں کمبو نے بے نظیر بہادر کا نقش صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ مگر ملا صاحب کہتے ہیں کہ شہنشاہ اس کے قتل پر راضی نہ تھے۔

بادشاہ میدان میں کھڑے تھے۔ نمک حرام پکڑے جاتے تھے۔ اور مارے جاتے تھے۔ بادشاہ کو بڑا خیال خان زماں کا تھا۔ جو آتا تھا اس سے پوچھتے تھے۔ اتنے میں بابو فوجدار پکڑا آیا۔ ی ا (فوجدار فیلبان کو کہتے ہیں) اس نے عرض کی کہ میں دیکھتا تھا۔ حضور کے ایکدنت ہاتھی نے اسے مارا ہے، ہاتھی اور مہاوت کے پتے بھی بتائے۔ بہت سے ہاتھی دکھائے۔ چنانچہ اس نے نین سکھ ہاتھی کو پہچانا۔ اور حقیقت میں اس کے ایک دانت تھا۔

Marfat.com

خاں زماں کا قتل:

اکبراب تک شبہ ہی میں تھا۔حکم دیا کہ جونمک حراموں کے سرکاٹ کرلائے۔انعام پائے۔ولائتی کے سر کے لئے اشرفی۔ ہندوستانی کے سر کے لئے روپیہ۔ہائے کمبخت ہندوستانیو۔تمہارے سرکٹ کر بھی سستے ہی رہے؟ لشکر کے لوگ بے سروپا اٹھ دوڑے۔گودیں بھر بھر کر لاتے تھے۔اور مٹھیاں بھر بھر کر روپے اشرفیاں لیتے تھے۔ ہر سرکو دیکھتے تھے۔دکھاتے تھے اور پہچانتے تھے۔افسوس انہی سروں میں سے خان زماں کا سر بھی ملا کہ ادبار کا سر ہو گیا۔سبحان اللہ جس سر سے فتح کا نشان جدا نہ ہوتا تھا۔جس سے اقبال کا خود اترتا نہ تھا۔جس چہرے کو کامیابیوں کی سرخی شگفتہ رکھتی تھی۔اس پرخوں نے سیاہ دھاریاں کھینچی تھیں۔نحوست نے خاک ڈالی تھی۔کون پہچانے؟ سب کو تردد تھا۔ارزانی مل اسکا خاص اور معتبر دیوان بھی قیدیوں میں حاضر تھا۔بلایا اور دکھا کر پوچھا۔اس نے سر کو اٹھالیا۔اپنے سر پر دے مارا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔خواجہ دولت کہ پہلے اس کے حرم سرا کا خواجہ سرا تھا۔وہاں سے آکر حضور میں ملازم اور پھر دولت خاں ہو گیا تھا۔اس نے دیکھا اور کہا مرنے والے کو عادت تھی کہ ہمیشہ پان بائیں طرف سے کھایا کرتا تھا۔اس لئے ادھر کے دانت رنگین ہو گئے تھے۔دیکھا تو ایسا ہی تھا۔

اس بدنصیب پر وہاں یہ گزری تھی۔کہ نین سکھ تو روند کر چلا گیا۔وہ نیم جاں پڑا دم توڑتا تھا۔کوئی گمنام چھاؤنی کا چکر یا وہاں جا نکلا۔اور مغل کو سسکتے دیکھ کر سر کاٹ لیا۔اتنے میں ایک بادشاہی چیلا پہنچا۔اس نے اس سے چھین لیا اور دھکے دیکر دھتکار دیا۔آپ آکر اشرفی انعام لے لی۔ہائے۔ زمانے کی گردش دیکھتے ہو۔یہ اسی سیستانی رستم ثانی کا سر ہے۔اس پر کتے لڑ رہے ہیں۔الٰہی کتوں کا شکار نہ کروائے۔شکار بھی کروائے تو شیر ہی کا کروائے۔نہیں نہیں۔تیرے ہاں کیا کمی ہے۔شیر کا پنجہ قدرت دیکھو۔اور دنیا کے کتوں پر شیر ہی رکھو۔

اکبر کا شکر بجالانا:

جب اکبر کو یقین ہوا کہ خان زماں کا بھی کام تمام ہوا۔تو گھوڑے سے اتر کر خاک پر پیشانی کو رکھ دیا۔اور سجدہ شکر بجالایا۔تمام اہل تاریخ اس مہم کے خاتمے پر عبارتوں کا زور دکھاتے ہیں۔اور کہتے ہیں۔یہ فتح کارنامہائے جہاں ستانی سے تھی۔کہ فقط تائید حضرت ذوالجلال۔اور تقویت دولت واقبال سے ظہور میں آئی وغیرہ وغیرہ۔اگرچہ گرمی بشدت تھی مگر اسی دن بادشاہ الہ آباد میں چلے آئے۔خان زماں بل بے تری ہیبت اور واہ رے تیرا دبدبہ۔مرد ہو تو ایسا ہو۔آزاد کو تیرے مرنے کا افسوس نہیں۔مرنا تو ایک دن سب کو ہے۔ہاں اس بات کا افسوس ہے کہ خاتمہ اچھا نہ ہوا۔تو اس سے

Marfat.com

بھی زیادہ تباہی و بدحالی سے مرتا۔ تیری لاش اس سے بھی سوا خراب و خوار ہوتی مگر آقا کی جانثاری میں ہوتی تو آبِ زر سے لکھی جاتی۔ خدا حاسدوں کا منہ کالا کرے جنہوں نے دونوں بھائیوں کی سنہری سرخروئی کو روسیاہی کر دیا۔ آزاد بھی ایسے ہی بے لیاقت بداصالت حاسدوں کے ہاتھ سے داغ داغ بیٹھا ہے۔ پھر بھی شکر ہے کہ روسیاہی سے محفوظ ہے اور خدا محفوظ رکھے۔ یہ نااہل خود کچھ نہیں کر سکتے۔ اوروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور مورچے باندھتے ہیں۔ موقع پاتے ہیں تو افسروں سے لڑاتے ہیں۔ خیر آزاد بھی پروا نہیں کرتا۔ اپنے تئیں خدا کے اور انہیں زمانے کے حوالے کر دیتا ہے۔ ان کے اعمال ہی ان سے سمجھ سمجھا لیتے ہیں۔

تو بد کنندہ خود را بروزگار گزار   کہ روزگار ترا چاکریست کینہ گزار

اتفاق:

خواجہ نظام الدین بخشی نے طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ میں ان دنوں آگرہ میں تھا۔ ادھر تو مقابلے ہو رہے تھے۔ ادھر لوگ رات دن نئی نئی ہوائیاں اڑا رہے تھے۔ اور پوستیوں افیمیوں کا تو یہی کام ہے۔ ایک دن دو چار دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ جی میں آیا کہ لاؤ ہم بھی ایک پھلجڑی چھوڑیں۔ مضمون یہ تراشا کہ خان زماں اور بہادر مارے گئے۔ بادشاہ نے ان کے سر کٹوا کر بھیجے ہیں۔ دارالخلافہ کو چلے آتے ہیں۔ چند شخصوں سے ذکر کیا۔ شہر میں یہی چرچا فوراً پھیل گیا۔ خدا کی قدرت کہ تیسرے دن ان کے سر آگرہ میں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے دلی اور لاہور ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ میں بھی اس تجویز میں شامل تھا۔

بسا فالے کہ از بازیچہ برخاست   چو اختر در گزشت آں فال شد راست

جن کو ان سے فائدہ تھے انہوں نے پُردرد اور غمناک تاریخیں کہیں۔

چوں خان جہاں ازیں جہاں رفت بباد   بنیاد فلک سرا سر از پا افتاد
تاریخ وفاتش از خرد جستم گفت   فریاد ز دست فلک بے بنیاد

دوسری طرف والوں نے کہا۔ فتح اکبر مبارک۔ ایک تاریخ کا مصرع ہے۔ ع

قتل دو نمک حرام بے دیں

اور اس میں ایک کی کمی ہے۔ قاسم ارسلاں نے کہی تھی۔ لفظ اخیر کو دیکھنا۔ وہی مذہب کا اشارہ ہے۔ آزاد کہتا ہے کہ شیعہ بیرم خاں بھی تھے۔ ان کے لئے ہر شاعر اور ہر مورخ نے سوا تعریف کے زبان نہیں ہلائی۔ یہ انعام ہے اسی بدزبانی کا کہ غیر مذہب کے لئے جو منہ میں آتا تھا کہہ اٹھتے تھے۔

Marfat.com

ایک شخص سے محبت رکھنی کچھ اور شے ہے اور بدکلامی اور بے تہذیبی کچھ اور شے ہے۔ اچھا جیسا تم نے کہا تھا ویسا سن لو استاد مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۔

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

برج علی بچارا اس طرح سے کیوں گرا۔ اسی بنیاد پر۔ اپنے سر پر آسمان کیوں ٹوٹا۔ اسی بنیاد پر۔ خیر آزاد کو ان جھگڑوں سے کیا غرض ہے۔ بات میں بات نکل آئی تھی کہہ دی ۔

اگر دریافتی بر دانشت بوس وگر غافل شدی افسوس افسوس

بے لاگ تاریخ تو یہ ہوئی ہے کہ دوخوں شدہ۔ مگر اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ پانچ برس پہلے جب اتکہ خاں کو ادہم خاں نے مارا۔ اور مارا گیا۔ تو کہنے والوں نے کہا تھا کہ دوخوں شد۔ اب یہ دونوں مارے گئے ہ =۵۔ ملا صاحب نے کہا۔ دوخوں شدہ۔

خان زماں سخی تھا۔ عالی ہمت تھا۔ اور امیرانہ مزاج رکھتا تھا۔ فکر کا تیز اور مزاج کا ذکی تھا۔ علماء وشعراو اہل کمال کا بڑا قدرداں تھا۔ شہر زمانیہ اسی کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ اور ریلوے کا سٹیشن بھی ہے۔ ۶ کوس غازی پور سے ہے۔ غزالی مشہدی اپنی بداعمالی و بداطواری کے سبب سے وطن کو بھاگ گیا۔ اور پھر کر دکن میں آیا۔ وہاں تنگ تھا۔ خانزماں نے ہزار روپیہ خرچ بھیجا اور بلا بھیجا۔ ساتھ اس کے رباعی لکھی۔ دیکھنا ہزار کا اشارہ کس خوبصورتی سے کیا ہے۔

اے غزالی بحق شاہ نجف کہ سوئے بندگان بیچوں آئی

چونکہ بے قدر بودہ آنجا سر خود را بگیر وبیروں آئی

الفتی یزدی کہ شاعر تھا اور علوم ریاضی میں صاحب کمال تھا۔ خان زماں کے پاس نہایت خوشحالی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ آپ بھی شعر کہتا تھا کہ عاشق مزاجی کا مصالح ہے۔ سلطان تخلص کرتا تھا۔ اور شعر و شاعری کے جلسے رکھتا تھا۔ جب خانزماں نے غزل کہی جس کا مطلع ذیل میں لکھا جاتا ہے تو ادھر کے اضلاع میں بہت سے شاعروں نے اس پر غزلیں کہیں۔ خان زمان

باریک چو موئیست میانے کہ تو داری گویا سرآں موست دہانے کہ تو داری

کسی اور صاحب طبع نے کہا

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری

ملا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بھی کہا۔

سرچشمہ خضر است دہانے کہ تو داری ماہی ست دراں چشمہ زبانے کہ تو داری

ملا صاحب کو طرز قدما پسند ہے اس لئے اس زمانے کی شاعری پر طنز کر کے کہتے ہیں۔ ایسی

Marfat.com

شاعری جس کا زمانہ جاہلیت میں رواج تھا اور اب غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ ان دنوں میں اس سے توبہ نصوح کرنی اچھی ہے۔ خان زماں کے چند شعر لکھ کر اس کا مذاق طبع دکھاتا ہوں:۔

لہ فغان و نالہ بسان جرس مکن اے دل	زجور یار شکایت بکس مکن اے دل
ولہ صبا بحضرت جاناں باں زماں کہ تو دانی	نیازمندی من عرض کن چناں کہ تو دانی
ولہ دلبرے دارم کہ رویش چوں گل و مو سنبل است	سنبل پر چین او افتادہ بروئے گل است
ولہ جاناں نہ بود مثل تو جاناں نہ دیگر	مانند من دل شدہ دیوانہ دیگر
اے مغبچہ از دست تو پیمانہ نہ نوشم	ما مست الستیم زپیمانہ دیگر

شعرائے عصر کے سلسلے میں جو ملا صاحب نے سلطان سبکلی کا حال لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ قندھار کے علاقہ میں سکل ایک گاؤں ہے۔ سلطان وہاں کا رہنے والا تھا۔ لوگ اسے چھپکلی کہتے تھے۔ وہ شرماتا تھا اور کہتا تھا کیا کروں لوگوں نے کیسا کثیف اور مردار نام رکھ دیا ہے۔ خان زماں کا تخلص بھی سلطان تھا۔ اس نے سبکلی کو خلعت گراں بہا کے ساتھ ہزار روپیہ بھیجا اور کہا کہ ملا یہ تخلص ہماری خاطر سے چھوڑ دو۔ اس نے وہ ہدیہ پھیر دیا اور کہا کہ واہ میرے باپ نے سلطان محمد میرا نام رکھا ہے۔ میں اس تخلص کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ میں تم سے برسوں پہلے اس تخلص سے شعر کہتا رہا اور شہرت تمام حاصل کی ہے۔ خان زماں نے بلا کر سمجھایا۔ آخر کہا کہ نہیں چھوڑتے تو ہاتھی کے پاؤں میں کچلواتا ہوں اور غصہ ہو کر ہاتھی بھی منگا لیا اس نے کہا زہے سعادت کہ شہادت نصیب ہو جب خانزماں نے بہت دھمکایا تو مولانا علاء الدین لاری خانزماں کے استاد موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا جامی کی ایک غزل دو اگر فی البدیہہ جواب کہہ دے تو معاف کر ورنہ کہہ سکے تو تمہیں اختیار ہے۔ دیوان موجود تھا۔ یہ مطلع نکلا۔

دل خطت را رقم صنع الٰہی دانست	بر سر سادہ رخاں حجت شاہی دانست

محمد سلطان نے اسی وقت غزل لکھی اس کا مطلع ہے۔

ہر کہ دل را صدف سر الٰہی دانست	قیمت گوہر خود را بکماہی دانست

باوجودیکہ کچھ بھی نہیں۔ پھر بھی خانزماں بہت خوش ہوا۔ تحسین و آفرین کی اور اس سے چند در چند زیادہ انعام دیکر اعزاز سے رخصت کیا۔ پھر سلطان وہاں نہ رہ سکا۔ خانزماں سے رخصت بھی نہ ہوا اور نکل گیا۔ (ملا صاحب کہتے ہیں) حق ہے کہ بے مروتی اسی کی تھی۔ خان زماں جیسا امیر اس انسانیت کے ساتھ تخلص مانگے اور وہ ایسے بزرگوں سے قیل وقال کرے مناسب نہ تھا۔

آزاد۔ [illegible] صاحب [illegible] لگی [illegible] کہنے والے ہیں۔ شاہ و وزیر پیر و مرید کسی سے چوکتے نہیں [illegible]

Marfat.com

مذہب کی کھٹک سے دونوں بھائیوں سے خفا بھی ہیں۔تاریخ قتل میں نمک حرام بھی کہا۔بے دین بھی کہا۔پھر بھی جہاں خانزماں اور بہادر خاں کا ذکر آیا ہے ان کے کارنامے بیان کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے ہیں اور باغ باغ ہوتے ہیں۔اور جہاں بغاوت کا ذکر کیا ہے وہاں بھی خاسدوں کی فتنہ پردازی کا اشارہ ضرور کیا ہے۔اس کا سبب کیا ہے؟ ان کے اوصاف ذاتی۔نیکی، فقیر سانی، کمال کی قدردانی، دلاوری، شمشیر زنی۔میں نے خوب دیکھا وصف اصلی میں ایک پرزور تاثیر ہے۔خواہ اپنا ہو خواہ بیگانہ۔اصلیت اپنے حق کو اس کے منہ میں سے اس طرح کھینچ کر نکالتی ہے جیسے سنار جنتری میں سے تار نکالتا ہے۔

بہادر خاں بھی موزوں طبیعت تھا۔ملا آصفی کی زمین بھی اس کی غزل کا مطلع ہے۔

آصفی

برماشب غم کار بے تنگ گرفتہ — کو صبح کہ آئینہ ماز نگ گرفتہ

بہادر

آں شوخ جفا پیشہ بکف سنگ گرفتہ — گویا بمن خستہ رہ جنگ ❶ گرفتہ

بہ نشستہ مہ من بہ سر مسند خوبی — شاہے ست۔ جابرسر اورنگ گرفتہ

از نالہ دمے بس نکند بے تو بہادر — زینساں کہ نے غم زتو در چنگ گرفتہ

یہ لکھ کر (ملا صاحب فرماتے ہیں) ان کا تانا ہی بہت ہے کلام الملوک ملوک الکلام۔اس کا اصلی نام محمد سعید خاں تھا۔ہمایوں کے عہد میں بیرم خاں کی مصلحت سے زمینداور کا حاکم رہا۔اکبری عہد میں خطا معاف ہوئی۔بیرم خاں کا دور تھا ملتان کا حاکم ہو گیا۔سنہ ۲ جلوس میں مانکوٹ کی مہم میں بلایا گیا۔نام کی بہادری کو کام کی بہادری سے ثابت کیا۔پھر ملتان گیا اور بلوچوں کی مہم ماری۔سنہ ۳ جلوس میں مالوہ کی مہم پر گیا۔بیرم خاں کی مہم میں اہل دربار نے اسے لیا اور وکیل مطلق کر دیا۔چند ہی روز کے بعد اٹاوہ کا حاکم کر کے بھیج دیا۔جس پھرتی کے ساتھ اس نے اپنے بھائی کے کارناموں میں حصہ لیا۔اس کا تماشا بھی دیکھ چکے۔اخیر وقت کا حال بھی دیکھ لیا کہ شہباز خاں کمبو کی بے دردی سے کبوتر کی طرح شکار ہو گیا۔اٹاوہ میں تھے جب ولی بیگ ذوالقدر کا سر بادشاہی قورچی لیکر پہنچا۔انہوں نے اسے مروا ڈالا۔خیر خواہوں نے اس خیال سے کہ مبادا بادشاہ کے دل پر ملال آئے انہیں دیوانہ بنا دیا۔اور اس بہانہ سے بلا ٹل گئی۔

❶ جنگی آدمی تھا شعر میں بھی جنگ ہے۔

Marfat.com

منعم خاں خان خاناں

خاندان امارت کا بانی:

اس نامور سپہ سالار اور پنج ہزاری امیر کا سلسلہ کسی خاندان عمارت سے نہیں ملتا۔ لیکن یہ بات اس سے بھی زیادہ فخر کی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے خاندان امارت کا بانی ہوا۔ اور امرائے اکبری میں وہ رتبہ پیدا کیا کہ ۹۷۸ھ میں جو عبداللہ خاں ازبک فرماں روائے ترکستان کی طرف سے سفارت آئی۔ اس میں خاص منعم خاں کے نام سے علیحدہ تحائف کی فہرست تھی۔ وہ قوم کا ترک اور اس کا اصلی نام منعم بیگ تھا۔ بزرگوں کا حال فقط اتنا معلوم ہے۔ کہ باپ کا نام بیرم بیگ تھا۔ ہمایوں کی خدمت سے منعم خاں ہو کر ان کا اور فضیل بیگ ان کے بھائی کا نام بھی سلسلہ تاریخ میں مسلسل ہوا۔ مگر ابتدائی حال میں فقط اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمدہ نوکر ہے۔ اور جو حکم آقا دیتا ہے۔ اسے پورا کرتا ہے۔ شیر شاہی معرکوں میں ساتھ تھا۔ تباہی کی حالت میں شریک حال تھا۔ وہ مصیبت کا سفر جو سندھ سے جودھ پور تک ہوا۔ اس میں اور اس کی واپسی میں شامل ادبار تھا۔

اکبر کی تخت نشینی اور منعم خاں:

جب اکبر تخت نشین ہوا تو منعم خاں کی عمر ۵۰ برس سے زیادہ تھی۔ اس عرصے میں جو اس نے ترقی نہ کی اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنجیدہ مزاج دور اندیش احتیاط کا پابند تھا۔ اور آگے بڑھنے میں ہمیشہ حکم کا محتاج تھا۔ سلاطین سلف کے زمانے ملک گیری، شمشیر زنی اور ہمت کے عہد تھے۔ ان میں وہی شخص ترقی کر سکتا تھا۔ جو ہمت حوصلہ اور دلاوری رکھتا ہو۔ اور اس کی سخاوت رفیقوں کا مجمع اس کے گرد رکھتی ہو۔ ہر کام میں بڑھ کر قدم رکھے اور آگے نکل کر تلوار مارے۔ وہ بھی ان اوصاف کا استعمال خوب جانتا تھا۔ مگر جو کچھ کرتا تھا۔ اپنی جیب سے پوچھ کر اور اعتدال سے اجازت لیکر کرتا تھا۔ اکثر باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عزت کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ وہاں قدم نہ رکھتا تھا جہاں سے اٹھانا پڑے۔ کسی کے تنزل میں ترقی نہ چاہتا تھا۔ اور تنازع کے مقام میں نہ ٹھیرتا تھا۔ یاد کرو۔ جب

Marfat.com

بدگویوں کی چغل خوری سے ہمایوں کابل سے یلغار کر کے قندھار پر گئے۔ تو بیرم خاں نے خود چاہا۔ کہ منعم خاں کو اس کی جگہ قندھار میں چھوڑیں۔ لیکن جس طرح ہمایوں نے نہ مانا۔ اسی طرح منعم خاں نے بھی منظور نہ کیا۔

صبح کا بھولا شام کو گھر آئے وہ بھی بھولا نہیں:

کسی کے وقت میں رفاقت کرنی بڑے مردوں کا کام ہے۔ جبکہ ہمایوں سندھ میں شاہ حسین ارغون کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اور لشکر ادبار اور فوج بدنصیبی کے سوا کوئی اس کا ساتھ نہ دیتا تھا۔ افسوس اس وقت منعم خاں نے بھی ایک بدنامی کا داغ پیشانی پر اٹھایا۔ لشکر کے لوگ بھاگ بھاگ کر جانے لگے۔ خبر لگی۔ کہ منعم خاں کا بھائی یقیناً اور منعم خاں بھی بھاگنے پر تیار ہیں۔ ہمایوں نے قید کر لیا۔ افسوس کہ یہ شک بہت جلد یقین بن گیا۔ اور منعم خاں بھی بھاگ گئے۔ اس عرصے میں بیرم خاں آن پہنچے۔ بادشاہ کو ایران لے گئے۔ ادھر سے پھرے۔ تو افغانستان میں یہ بھی پھر آن ملے۔ خیر صبح کا بھولا شام کو گھر آئے وہ بھی بھولا نہیں۔

یہ علو حوصلہ اس کا قابل تعریف ہے کہ چغل خوروں کی بدگوئی نے ہمایوں کو بدگمان کیا۔ اس نے چاہا کہ قندھار بیرم خاں سے لیکر منعم خاں کے سپرد کر دیں۔ منعم خاں نے خود انکار کیا اور کہا کہ ہندوستان کی مہم سامنے ہے۔ اس وقت حکام اور احکام کا الٹ پلٹ کرنا مناسب مصلحت نہیں ہے۔

منعم خاں اکبر کا اتالیق:

۹۶۱ھ میں ہمایوں افغانستان کا بندوبست کر رہا تھا۔ بیرم خان قندھار کا حاکم تھا۔ اکبر کی عمر دس گیارہ برس کی تھی۔ ہمایوں نے منعم خاں کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ اس نے شکریے میں جشن شاہانہ ترتیب دیا۔ مع اہل دربار بادشاہ کی ضیافت کی اور پیشکش ہائے شایستہ نذر گزرانے جیسی اس وقت بادشاہی تھی ویسا ہی جشن شاہانہ ہوگا ویسے ہی پیش کش ہونگے۔

اسی سنہ میں ہمایوں ہندوستان پر فوج لے کر چلا۔ محمد حکیم مرزا ایک برس کا بچہ تھا۔ اس ستارہ کو ماہ جوجک بیگم اس کی ماں کے دامن میں لٹکا کر کابل کی حکومت اس کے نام کی۔ بیگمات کو بھی یہیں چھوڑا۔ اور کل کاروبار کا انتظام منعم خاں کے سپرد کیا۔

جب اکبر تخت نشین ہوا۔ تو شاہ ابوالمعالی کا بھائی میر ہاشم ادھر تھا۔ کھمرو، ضحاک، غوربند اس کی جاگیر تھی۔ یہاں شاہ نے بدنیتی کے آثار دکھلائے۔ اس باتدبیر سردار نے وہاں میر ہاشم کو لطائف الحیل سے بلا کر قید کر لیا۔ ادھر بادشاہ خوش ہو گئے۔ ادھر اپنے پہلو سے کانٹا نکل گیا۔ تمام افغانستان تھا

Marfat.com

اور یہ تھے حکومت کے نقارے بجاتے پھرتے تھے۔

جب ہمایوں ہندوستان کو چلا تھا تو بدخشان کا ملک مرزا سلیمان کو دے آیا تھا۔ اور ابراہیم مرزا اس کے بیٹے سے بخشی بیگم اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔ جب یہاں ہمایوں مر گیا۔ تو مرزا سلیمان اور اسکی بیگم کی نیت بگڑی بیگم ہمایوں کے پرسے کا بہانہ کر کے کابل میں آئی وہ نام کو حرم بیگم تھی۔ لیکن اپنے طنطنے سے سلیمان بلکہ سارے خاندان کو جورو بنا کر ولی نعمت بیگم کا لقب پیدا کیا تھا ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ سنا۔ کابل میں دیکھا کہ منعم خاں ہیں یا بیگمات ہیں۔ سب حالات معلوم کر کے گئی۔ پھر ادھر سے مرزا سلیمان فوج لیکر آئے۔ مرزا ابراہیم اپنے بیٹے کو ساتھ لائے۔ کہ اس سے ہمایوں کی بیٹی منسوب تھی غرض مرزا نے آ کر کابل کو گھیر لیا۔ منعم خاں نے آمد آمد کی خبر سنتے ہی اکبر کو عرضی کی۔ اور خندق فصیل کی مرمت کر کے قلعہ بند ہو بیٹھا۔ بمقتضائے احتیاط لڑائی میدان میں ڈالی۔ ادھر سے اطمینان کا فرمان گیا۔ بدخشی حملے کرتے تھے۔ اندر والے توپ وتفنگ سے جواب دیتے۔ اتفاقاً بیگمات کے لینے کو اکبر نے چند امیر کچھ فوج کے ساتھ بھیجے تھے۔ یہ ابھی اٹک بھی نہ اترے تھے۔ وہاں خبر مشہور ہو گئی۔ کہ ہندوستان سے مدد آ گئی۔ اس زمانے میں علمائے شریعت سے بڑے کام نکلتے تھے۔ مرزا سلیمان گھبرا گیا۔ اس نے قاضی نظام بدخشی کو قاضی خان بنایا تھا۔ بہت سے پیغام سلام سمجھا کر منعم خاں کے پاس بھیجا۔ قاضی صاحب کے پاس مطالب ودلائل کا سرمایہ اس سے زیادہ نہ تھا۔ کہ مرزا سلیمان بڑا دیندار، پرہیزگار، خدا پرست بادشاہ ہے۔ طریقت وشریعت کی برکتوں سے فیض یافتہ ہے۔ وہ بھی خاندان تیموریہ کا چراغ ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی اطاعت اختیار کرو۔ اور ملک سپرد کر دو۔ لڑائی کی قباحتیں بندگان خدا کی خونریزی اور خونریزی کے گناہ دکھا کر بہشت ودوزخ کے نقشے کھینچ دیئے۔ من قتل نفساً فکا نما قتل الناس جمعیاً۔

منعم خاں بھی پراتم بڈھے تھے۔ انہوں نے باتوں کے جواب باتوں ہی سے دیئے۔ اور باوجود بے سامانی اور تنگدستی کے مہمانداریوں اور ضیافتوں اور روشنی میں اس قدر جمعیت اور سامان کے دبدبے دکھائے۔ کہ قاضی خاں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اصلیت حال اصلا نہ کھلی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ سامان قلعہ داری کافی ووافی ہے۔ ذخیرے برسوں کے لئے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن جو باتیں آپ نے فرمائیں۔ انہی خیالوں سے اب تک اندر بیٹھا ہوں۔ ورنہ جنگ میدان میں کلہ شکن جواب دیتا۔ احتیاط کا سررشتہ ہاتھ سے دینا سپاہی کا کام نہیں۔ دربار سے بھی کمک روانہ ہوئی ہے۔ اور پیچھے سامان برابر چلا آتا ہے۔ لیکن آپ ابھی مرزا کو سمجھائیں۔ کہ ابھی تو ہمایوں بادشاہ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ ان کی عنایتوں کو خیال کرو۔ کفران نعمت کا داغ نہ اٹھاؤ۔ محاصرہ اٹھاؤ۔ اہل عالم کیا کہیں گے۔

Marfat.com

قاضی صاحب نا امید ہو کر صلح کی طرف پھرے۔ منعم خاں بھی مصلحتاً راضی ہو گئے۔ مگر ایلچی کارواں تھا۔ پہلے شرط یہ کی۔ کہ مرزا کے نام کا خطبہ پڑھا جاوے۔ دوسرے ہماری سرحد بڑھائی جاوے منعم خاں نے برائے نام ایک گمنام مسجد میں چند آدمی جمع کروا کر خطبہ پڑھوا دیا۔ مرزا سلیمان اسی دن محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔ نئے علاقے میں اپنا معتبر چھوڑ گئے مگر وہ ابھی بدخشاں میں نہ پہنچے تھے کہ ان کا معتبر ایک ناک دو کان سلامت لے کر پہنچ گیا۔ غرض منعم خاں نے فقط حکمت عملی کے زور سے کابل کو بربادی سے بچا لیا۔

افسوس جب بڈھے شیر (منعم خاں) نے دور تک میدان صاف دیکھا۔ تو پہلے حملے میں گھر کی بلی کو شکار کیا دولت بابری کے خدمت گزاروں میں خواجہ جلال الدین محمود ایک مصاحب دربار تھے۔ کہ ان کی خوش طبعی کو وہ گوئی نے بدمزہ کر دیا تھا۔ باوجود اس کے خود تیز طبع، آتش دماغ۔ بڑا فخر اس بات کا تھا کہ ہم شاہ قلی ہیں۔ اس گھمنڈ کی سختیوں اور تمسخر کی تیزیوں نے تمام اہل دربار کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ خصوصاً منعم خاں کہ جل کر کوئلہ ہو رہا تھا اور دربار کا حال بھی معلوم تھا۔ کہ بیرم خاں ناراض ہے۔ ہمایوں کے وقت میں منعم خاں کو اتنی طاقت کہاں تھی۔ جو خواجہ سے انتقام لیتے۔ مگر اب کہ کابل میں حاکم با اختیار ہوئے۔ اور جھاڑو گھر کے مالک ہو گئے کچھ آپ سمٹے کچھ فتنہ سازوں نے کمر بندھوائی۔ خواجہ غزنی کے حاکم تھے۔ خان نے انہیں عہد و پیمان کر کے غزنی میں بلایا اور قید کر لیا۔ اسی عالم میں چند نشتر ان کی آنکھ میں لگوائے اور سمجھے کہ بینائی سے معذور ہو گئے۔ انہیں تو اس خیال میں کچھ پرواہ نہ رہی۔ خواجہ بڑے کرامات والے تھے۔ کوئی دم چراتا ہے۔ وہ آنکھیں چرا گئے تھے۔ چند روز کے بعد جلال الدین اپنے بھائی کے پاس بھاگ گئے۔ کہ بنگش کے رستے سے قلات اور کوئٹے سے ہو کر دربار اکبری میں جا پہنچے۔ منعم خاں نے سنتے ہی آدمی دوڑائے۔ پھر بیچارے کو پکڑوا منگایا۔ بظاہر قید کیا۔ چند روز کے بعد اندر ہی اندر کام تمام کر دیا۔ ایسے سلیم الطبع آدمی سے خون ناحق ہونا (وہ بھی اس بے عزتی و بے مروتی سے) کمال افسوس کا مقام ہے۔

بیرم خاں کی بربادی کی تدبیریں:

جب دربار میں بیرم خاں کی بربادی کی تدبیریں ہو رہی تھیں۔ تو اہل مشورہ نے اکبر سے کہا۔ کہ جو پرانے پرانے نمک خوار دور و نزدیک ہیں۔ انہیں اس مہم میں شامل کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ منعم خاں کو بھی کابل سے بلایا تھا۔ اس نے وہاں غنی خاں اپنے بیٹے کو چھوڑا۔ اور خیزا خیز لدھیانے کے مقام میں آ کر اکبر کو سلام کیا۔ اکبر اس وقت خان خاناں کے تعاقب میں تھا۔ شمس الدین محمد خان اتکہ

Marfat.com

آگے آگے تھے۔ حضور سے خان خاناں کے خطاب کے ساتھ وکالت کا منصب حاصل کیا۔ لیکن اس کی نیک نیتی کا ثبوت اس روئداد سے ہوسکتا ہے۔ جو بیرم خاں کے حال میں لکھی گئی۔ کہ جب لڑائی کے بعد بیرم خاں سے پیغام سلام ہونے لگے۔ تو کس بیتابی سے اس کے پاس دوڑا چلا گیا۔

بیرم خاں کا علیشان محل:

جب خان خاناں کا قصہ فیصل ہو گیا۔ تو منعم خاں خان خاناں تھے۔ اکبر مہم سے فارغ ہو کر آگرہ میں گئے۔ بیرم خاں کا علیشان محل جس کے پاؤں میں دریا کا پانی لوٹ لوٹ کر لہریں مارتا تھا۔ منعم خاں کو انعام فرمایا۔ اسے خیال تھا کہ خان خاناں کا عہدہ اور کل اختیارات مجھے ملیں گے۔ لیکن پانسا پلٹ گیا۔ اکبر کی آنکھیں کھلنے لگی تھیں۔ وہ سلطنت کے کاروبار اپنی رائے پر کرنے لگا۔ ماہم سے وکالت کے کاروبار چھن گئے۔ میر اتکہ وکیل مطلق ہو گئے۔ ماہم اور ماہم والوں کو بھی سخت ناگوار ہوا۔ ادہم خان ماہم کے بیٹے کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ منعم خاں نے اسے بھڑکایا۔ اور شہاب خاں نے تیل ڈالا۔ نوجوان بھڑک اٹھا۔ کوتہ اندیش نے برسر دیوان جلسہ امرا میں آکر میر اتکہ کو قتل کیا۔ لیکن جب وہ قصاص میں قتل ہوا تو جو جو اس فتنہ پردازی میں شریک تھے۔ انہیں سخت خطرہ ہوا۔ شہاب خاں کا رنگ زرد ہو گیا۔ منعم خاں بھی گھبرائے۔ اور سنہ ے جلوس میں تھے کہ بھاگے۔ اکبر نے اشرف خاں میر منشی کو بھیجا وہ فہمائش سے مطمئن کر کے لے آئے مگر چند روز کے بعد قاسم خاں میر بحر کے ساتھ پھر آگرہ سے بھاگے۔ دو تین آدمی ساتھ لئے۔ بوسہ کے گھاٹ پر کشتی کی سیر کا بہانہ کیا۔ وہاں جا کر مغرب کی نماز پڑھی۔ اور رستے سے کٹ کر الگ ہوئے۔ کابل کا ارادہ کیا۔ روپڑ سے ہو کر بجواڑہ میں آئے۔ علاقہ ہوشیار پور میں آکر کوہ کا دامن پکڑا۔ پہاڑوں پر چڑھتے اور کھڈوں میں اترتے قسمت کی مصیبت بھرتے سروت علاقہ میان دوآب میں جا پہنچے۔ کہ میر محمود منشی کی جاگیر تھا۔ جنگل میں اترے ہوئے تھے۔ وہاں کا شقدار قاسم علی اسپ خلاب سیستانی گشت کرتا ہوا ادھر آنکلا۔ وہ انہیں پہچانتا نہ تھا۔ مگر وضع سے معلوم کیا کہ سردار ہیں۔ کہیں روپوش بھاگے جاتے ہیں۔ اسی وقت علاقے کو پھرا۔ چند سپاہی اور کچھ گاؤں کے زمیندار ساتھ لے کر گیا اور انہیں گرفتار کر کے لے آیا۔ سید محمود بارہہ بہادر اور عالی ہمت اور سردار عالیشان لشکر اکبری کے تھے۔ اس علاقے میں ان کی جاگیر تھی۔ کسی سبب سے اس نواح میں تھے۔ انہیں خبر کی۔ کہ دو شخص امرائے بادشاہی سے نظر آتے ہیں۔ ادھر سے جاتے ہیں۔ اور آثار واطوار سے خوف زدہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ یہ کون صاحب ہیں۔ یہ آٹھ پہر کے ساتھ رہنے سہنے والے۔ انہوں نے پہچانا، بڑے تپاک سے ملاقاتیں

Marfat.com

ہوئیں۔ موقع کو غنیمت سمجھا۔ اپنے گھر لائے۔ تعظیم وتکریم سے رکھا۔ مہمانداری کے حق ادا کئے۔ اور اعزاز اکرام سے اپنے فرزندوں اور بھائی بندوں کے ساتھ خود لے کر حضور میں حاضر ہوئے۔

وکالت کا منصب اور خان خاناں کا خطاب بحال:

یہاں لوگوں نے اکبر کو بہت کچھ لگایا بجھایا تھا۔ بلکہ یہ بھی اشارہ کیا تھا۔ کہ اس کا گھر ضبط کرنا چاہئے۔ اکبر نے کہا کہ ہفقط وہم سے منعم خاں نے ایسا کیا ہے۔ وہ نہ جائیگا۔ اور اگر گیا بھی تو کہاں گیا؟ کابل ہمارا ہی ملک ہے۔ کوئی ان کے گھر کے گرد پھٹکنے نہ پائے۔ وہ بندہ قدیم الخدمت اس خاندان کا ہے۔ ہم اس کا سب اسباب وہیں بھجوا دینگے۔ جب یہ آئے تو سب کے منہ بند ہو گئے۔ بادشاہ نے بہت دلجوئی کی۔ اور وہی مرحمت اس کے حال پر مبذول فرمائی۔ جو کچھ چاہئے تھی۔ وکالت کا منصب اور خان خاناں کا خطاب بحال رکھا۔

۹۷۰ھ میں منعم خاں ❶ نے ایک ہمت دلاورانہ کی۔ اور افسوس کہ اس میں ٹھوکر کھائی۔ مجمل تمہید اس کی یہ ہے کہ وہ یہاں تھا اور غنی خاں اس کا بیٹا کابل میں قائم مقام تھا۔ اس نا اہل لڑکے نے وہاں رعایا کو اپنی سختی سے اور امرا کو نا اہلی سے ایسا تنگ کیا کہ حکیم مرزا کی ماں (چوچک بیگم) بھی دق ہو گئی۔ فضیل بیگ منعم خاں کا بھائی آنکھیں نہ رکھتا تھا۔ مگر فتنہ وفساد کی تاک میں سرتاپا آنکھیں تھا۔ وہ بھی نا اہل بھتیجے کی خودسری سے تنگ تھا۔ اور اس نے اور اہل خدمت نے بیگم کو بھڑکایا۔ اس کی اور ابوالفتح اس کے بیٹے کی صلاحوں سے نوبت یہ ہوئی۔ کہ ایک دن غنی خاں فالیز کی سیر سے پھر کر آیا۔ لوگوں نے شہر کا دروازہ بند کر لیا۔ وہ کئی دروازوں پر دوڑا آخر دیکھا کہ ہمت کا موقع نہیں۔ اب قید کا وقت ہے۔ اس لئے کابل سے ہاتھ اٹھا کر ہندوستان کی طرف پاؤں بڑھایا۔ وہاں فضیل بیگ کو بیگم نے مرزا کا اتالیق کر دیا۔ اندھے سے سوا بے ایمانی کے کیا ہوتا تھا۔ اس نے اچھی اچھی جاگیریں آپ لیں اور اپنے وابستوں کو دیں۔ بری بری مرزا کے متعلقین کو دیں۔ ابوالفتح بیٹا تحریر وغیرہ کا کام کرتا تھا۔ یہ عقل کا اندھا تھا۔ باپ خودغرضی، بداعمالی، شراب خوری کے حاشئے چڑھاتا تھا۔ وگ پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہو گئے۔ آخر ابوالفتح دختر رز کی بدولت بزم دغا میں مارے گئے۔ اور سرکٹ کر نیزے پر چڑھ گیا۔ اندھا بھاگا مگر پکڑا گیا۔ اور آتے ہی بیٹے کے پاس پہنچا۔ اب ولی بیگ کابل کے صاحب اختیار ہوئے۔ یہ پورے ولی تھے۔ انہوں نے اکبر کو بھی لڑکا سمجھا۔ اور خود ہی بادشاہی کی ہوا میں

---

❶ جب ہمایوں کے بھائیوں نے بغاوت کی تو منعم خان ہمایوں کے ساتھ تھا۔ فضیل بیگ کامران کے ہاتھ آ گیا۔ وہ مردم آزادی کا مشتاق تھا۔ اس نے فضیل کو اندھا کر دیا۔

Marfat.com

اڑنے لگے۔ وہاں کے شوروشر دیکھ کر اکبر کو یہاں تک خطر ہوا کہ کابل ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ منعم خاں کچھ خوبی آب وہوا سے کچھ جسمانی آسائشوں کی طفیل سے کچھ آزادانہ حکمرانی کے مزے سے ہمیشہ کابل کی آرزو رکھتا تھا۔ اس لیئے اکبر نے حکیم مرزا کی اتالیقی اور حکومت کابل اس کے نام پر کر کے ادھر روانہ کیا۔ اور کئی امیر اس کی مدد کے لئے فوج دے کر ساتھ کیئے۔ منعم خان کابل کے نام پر جان دے رہے تھے۔ کابلیوں کی سرشوری وسینہ زوری کو ذرا خاطر میں نہ لائے۔ دولت حضوری کی بھی قدر نہ سمجھے۔ حکم ہوتے ہی روانہ ہو گئے اور کوچ بہ کوچ منزلیں لپیٹ کر جلال آباد کے قریب جا پہنچے۔ امرا کا اور فوج کمک کا بھی انتظار نہ کیا۔

منعم خاں کے بیٹے کی ذلت:

بیگم اور اس کے مشورہ کاروں کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو خیال کیا کہ منعم خاں کے بیٹے نے یہاں بہت ذلت اٹھائی ہے۔ بھائی بھتیجے اس خواری سے مارے گئے ہیں۔ خدا جانے آکر کس کس سے کیا سلوک کرے اس لئے باسامان جمعیت بہم پہنچائی۔ اہل فساد نے مرزا کو بھی فوج کے ساتھ لیا۔ اور مقابلے پر آئے پہلو یہ سوچا کہ اگر ہم نے فتح پائی۔ تو سبحان اللہ اور شکست پائی تو یہاں نہ رہیں گے۔ بادشاہ کے پاس چلے جائیں گے۔ غرض بیگم نے ایک سردار کو فوج دے کر آگے بڑھایا۔ کہ قلعہ جلال آباد کا استحکام کرے۔ منعم خاں کو جب یہ خبر پہنچی تو ایک جنگ آزمودہ سردار کو اس کے روکنے کے لئے بھیجا۔ وہ اس عرصے میں قلعے کا بندوبست کر چکا تھا۔ اس نے جلال آباد کے میدان میں لڑائی ڈال دی۔ اتنے میں خبر لگی کہ بیگم اور مرزا بھی آن پہنچے۔

منعم خاں کیسے ہی جوش وخروش میں ہوں۔ مگر اپنی سلامت روی کی چال نہ چھوڑتے تھے۔ نیار بردی ایک سردار بابر کے عہد کا تھا کہ اب لباس فقیری میں امیری کرتا تھا۔ وہ بھی ہوائے کابل میں منعم خاں کے ساتھ اڑا جاتا تھا۔ اسے بھیجا کہ مرزا سے جا کر گفتگو کرے۔ کشت وخون کی نوبت نہ پہنچے۔ باتوں میں کام نکل آئے اور یہ منتر نہ چلے۔ تو لڑائی کل پر ڈالے آج ملتوی رکھے۔ کہ ستارہ ❶ سامنے ہے۔ فوج ہراول میں ثمر یکہ ❷ گھوڑا دوڑائے آیا اور کہا کہ غنیم بہت کم ہے۔ ایسی حالت

❶ ترکوں میں مشہور ہے کہ یلدوز ایک ستارہ ہے۔ لڑائی کے میدان میں جس فریق کے سامنے ہوتا ہے۔ اس کی شکست ہوتی ہے۔

❷ یکہ ایک قسم کے انتخابی اور بہادر سواروں کا رسالہ ہوتا تھا کہ اسے یکہ سواروں کا رسالہ کہتے تھے۔ اکبر کے عہد خوش اعتقادی اور دین الٰہی وغیرہ کی قیدیں لگا کر یکو نکو احدی کہنے لگے۔ اس میں توحید خاص کا اشارہ تھا۔

Marfat.com

میں لڑائی کل پر نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو وہ ہراساں ہو کر نکل جائے۔ اور بات بڑھ جائے۔ منعم خان اور حیدر محمد خاں دونوں کابل کے عاشق تھے اور سپاہ گری پر مغرور۔ رکابی فوج کی ہمت اور اپنے حوصلے پر گھوڑے بڑھائے چلے گئے۔ اور چار باغ کے پاس خواجہ رستم کی منزل پر میدان جنگ قائم ہوا۔ خان خاناں جب اپنے اصول سے باہر قدم رکھتے تھے۔ جبھی خطا پاتے تھے۔ ان کا سردار جو ہراول بن کر گیا تھا۔ مارا گیا اور ایسا سخت کشت وخون ہوا کہ فوج برباد ہوگئی۔ اور انہوں نے شکست کھائی۔ بہت سے ہمراہی کابلیوں سے جا ملے۔ نقد جنس ۳۰ لاکھ کا خزانہ اور توشہ خانہ سب کابلی لٹیروں کو دے کر آپ بحال تباہ وہاں سے بھاگے۔ اور غنیمت ہوا کہ وہ لوٹ پر گر پڑے ورنہ خود بھی شکار ہو جاتے۔

منعم خاں بے ہوش۔ بدحواس پرجھڑے۔ دم نچی پیشاور میں پہنچے۔ مدت تک سوچتے رہے۔ آخر اکبر کو سارا حال لکھا۔ اور عرض کی کہ بندہ منعم نے نعمت حضوری اور مرحمت بادشاہی کی قدر نہ جانی۔ اس بداعمالی کی یہی سزا تھی۔ اب منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ حکم ہو تو مکے کو چلا جاوے۔ گناہوں سے پاک ہوگا۔ جب حضور میں حاضر ہونے کے قابل ہوگا۔ یہ التجا قبول نہیں۔ تو کچھ جاگیر سرکار پنجاب میں مرحمت ہو جائے کہ صورت حال درست کر کے شرف زمین بوس حاصل کروں۔

منعم خاں کچھ مارے ڈر کے کچھ مارے شرم کے پشاور میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ اٹک اتر کر گکھڑوں کے علاقے میں چلا آیا۔ سلطان آدم گکھڑ بڑی آدمیت اور حوصلے سے پیش آیا۔ اور شان کے لائق مہمانداری کی۔ حیران بیٹھا تھا کہ کیا کرے۔ نہ چلنے کو رستہ نہ بیٹھنے کو جگہ۔ نہ دکھانے کو منہ۔ بارے اکبر نے اپنے قدیم الخدمت ملازم کو بڑی تسلی اور دلاسے کے ساتھ جواب لکھا۔ کہ کچھ خیال نہ کرو تمہاری جاگیر سابق بحال ہے اپنے ملازم بدستور علاقوں پر بھیج دو۔ آپ چلے آؤ۔ عنایات الطاف اس قدر ہونگے کہ سب نقصان پورے ہو جائیں گے۔ اور یہ رنج کا مقام نہیں۔ عالم سپاہ گری میں اکثر ایسی صورتیں پیش آتی ہیں۔ انشاء اللہ جو ہرج ہوئے ہیں۔ سب کا تدارک ہو جائیگا۔ منعم خاں کی خاطر جمع ہوئی۔ دربار میں حاضر ہوئے۔ اور جلد آگرہ کے قلعہ دار ہو گئے۔ اور کئی سال تک یہ خدمت انہی کے نام پر رہی۔

۹۷۳ھ میں جب کہ اکبر نے علی قلی خان سیستانی پر فوج کشی کی۔ تو چند روز پہلے منعم خاں کو فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ اور اس نے اپنی سلامت روی اور دونوں طرف کی دلسوزی و خیراندیشی سے کار ہائے نمایاں کئے۔ کہ بادشاہ بھی خوش ہو گئے۔ اگرچہ آگ لگانے والے بہت تھے لیکن اس کی کوشش اسی میں عرق ریزی کر رہی تھی۔ کہ سلطنت کا قدیم الخدمت برباد نہ ہو۔ آخر نیک نیتی کامیاب ہوئی اور مہم کا خاتمہ صلح وصفائی پر ہوا۔ دشمنوں نے اس کی طرف سے بادشاہ کو شبہ بھی ڈالے۔ مگر کچھ اثر نہ

Marfat.com

ہوا۔

۹۷۵ھ میں جب خان زمان اور بہادر خان کے خون سے خاک رنگین ہوئی۔ اور مشرقی فساد کا خاتمہ ہوا۔ تو منعم خاں کو دارالخلافہ آگرہ میں چھوڑ گئے تھے۔ اسے بلا بھیجا۔ بڑھاپے میں اقبال کا ستارہ طلوع ہوا۔ تمام علاقہ علی قلی خان کا۔ تمام جونپور، بنارس، غازی پور، چنار گڑھ۔ زمانیہ سے لے کر دریائے جوسا کے گھاٹ تک عطا فرمایا۔ اور خلعت شاہانہ اور گھوڑا دیکر رخصت کیا۔ وہ بڑے حوصلہ اور تدبیر کے ساتھ وہاں حکومت کرتا رہا۔ اور سلیمان کرارنی اور لودی وغیرہ افغانوں کے سردار جو ملک بنگالہ اور اضلاع مشرقی میں افغانوں کے عہد سے حاکم مستقل اور صاحب لشکر تھے۔ انہیں بھی کچھ صلح اور کچھ جنگ کے سامان دکھا کر دباتا رہا۔ اور حق پوچھو تو یہی آخری تین برس اس کی عمر دراز کا نچوڑ تھا۔ جسے خان خاناں کے خطاب سے اس کے نام کو تاج دار کر سکتے ہیں اور یہی بنگالہ کی مہم ہے جس کی بدولت وہ دربار اکبری میں آنے کے قابل ہوا ہے۔ اور سلیمان سے عہد نامہ کر کے اکبر کا سکہ خطبہ جاری کر دیا۔

اکبر چتوڑ کی مہم پر:

اکبر چتوڑ کی مہم پر تھا۔ خان خاناں کو خبر پہنچی کہ زمانیہ پر جو اسد اللہ خان نمک خوار بادشاہی حکومت کر رہا ہے اس نے سلیمان کرارنی کے پاس آدمی بھیجا ہے۔ کہ تم اس علاقے پر قبضہ کر لو۔ خان خاناں نے فوراً فیمالیش کے لئے معتبر بھیجے۔ وہ بھی سمجھ گیا اور قاسم موشکی خان خاناں کے گماشتے کو علاقہ سپرد کر کے خدمت میں حاضر ہوا۔ افغانوں کا لشکر جو قبضہ کرنے آیا تھا۔ ناکام پھر گیا۔

سلیمان کا وزیر لودھی تھا۔ کہ دریائے سون تک وکیل مطلق کے اختیار سے کام کرتا تھا۔ اس نے جب اکبری فتوحات پے در پے دیکھیں۔ اور خان خاناں کو سلیم الطبع صلح جو سنجیدہ مزاج پایا تو دوستی کے رنگ جمائے تاکہ ملک سلیمان آسیب میں نہ آئے۔ چنانچہ نامہ و پیام اور دوستی کی بنیاد اور تحفے تحائف ان پر عمارتیں چنے لگے۔

چتوڑ کے محاصرہ نے طول کھینچا۔ سرنگوں کے اڑنے میں فوج بادشاہی بہت برباد ہوئی۔ سلیمان کے خیالات بدلے۔ یہ خبریں سن کر اپنے آصف کے ذریعے سے منعم خان کو بلا بھیجا۔ کہ محبت سے ملاقات کر کے بنیاد اتحاد کو محکم کریں۔ خیر خواہوں نے احتیاط پر نظر کر کے روکا۔ مگر نیک نیت دل اور بے تکلف چلا گیا۔ ساتھ چند امرا اور فوج میں کل تین سو آدمی ہونگے۔ لودھی لینے آیا۔ بایزید سلیمان کا بڑا بیٹا کئی منزل پیشوائی کو آیا جب پٹنہ پانچ چھ کوس رہا تو خود استقبال کو آیا۔ بڑے اعزاز و احترام سے

Marfat.com

ملا۔ پہلے خان خاناں نے جشن کرکے اسے بلایا۔ دوسرے دن اس نے مہمانی سلیمانی کرکے انہیں بلایا۔ بڑے اعزاز واحترام کئے۔ گراں بہا تحفے پیشکش کئے۔ مسجدوں میں اکبری خطبہ پڑھا گیا۔ سکے نے سنہری رُ پہری لباس پہنا۔

منعم خان کے قتل کی سازش:

سلیمان کے دربار میں دیو سیرت مصاحب بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ اکبر تو مہم میں مصروف ہے۔ ادھر جو کچھ ہے۔ منعم خاں ہے۔ اسے مارلیں تو یہاں سے وہاں تک ملک خالی ہے۔ لودھی کو بھی خبر ہوگئی۔ وہی اس صلح وصفائی کا سفیر تھا۔ اس نے سمجھایا کہ ایسا نہ چاہئے۔ مہمان بلا کر دغا کرو گے۔ تو خاص وعام ہمیں کیا کہیں گے۔ اور اکبر جیسے با اقبال بادشاہ سے بگاڑنا خلاف مصلحت۔ یہ خان خاناں نہ ہوگا اور خان خاناں بنا کر بھیج دیگا۔ ان گنتی کے آدمیوں کو مار کر ہمارے ہاتھ کیا آیگا۔ اور ہمارے سر پر خود دشمن قوی موجود ہیں۔ جن کے روکنے کے لئے ہم نے یہ سد سکندر اٹھائی ہے۔ اسے آپ گرانا عقل دور اندیش کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہتا تھا۔ مگر افغان غل مچائے جاتے تھے۔ منعم خان کو بھی خبر پہنچی۔ اس نے لودھی کو بلا کر صلاح کی۔ لشکر کو وہیں چھوڑا۔ اور چند آدمیوں کے ساتھ وہاں سے اڑ نکلے۔ جب بڑھیا پری شیشے سے نکل گئی۔ تو دیوزادوں کو خبر ہوئی۔ اپنی بدنیتی پر پچھتائے۔ جلسے بیٹھے۔ صلاحیں ہوئیں۔ آخر بایزید اور لودھی جریدہ خان خاناں کے پاس آئے۔ اور اعزاز واحترام کے مراتب طے کرکے چلے گئے۔ خان خاناں گنگا اتر کر تین منزل آئے تھے۔ جو چتوڑ کا فتح نامہ پہنچا۔ پھر تو ان کا ایک زور دہ چند ہوگیا۔ لیکن ان کی سلامت روی نے سلیمان کو مطمئن کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے حریفوں کے پیچھے پڑا۔ اور سب کو دغا وجفا سے فنا کر دیا۔ مگر چند ہی روز میں خود لقمہ فنا ہوگیا۔

جب کہ داؤد ملک سلیمان پر قابض ہوا۔ اور تخت پر بیٹھا۔ باپ کا ایک خیال دماغ میں نہ رہا۔ تاج شاہی سر پر رکھا۔ بادشاہی کی ہوا میں اڑنے لگا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ سکہ جاری کیا۔ اکبر کو عرضی تک بھی نہ لکھی۔ اور جو دربار اکبری کے لئے آئین عمل میں لاتے تھے۔ سب بھول گیا۔

اکبر گجرات کو مار کر قلعہ سورت پر تھے۔ کہ پھر خبریں پہنچیں۔ منعم خاں کو حکم دیا کہ داؤد کو درست کرو۔ یا ملک بہار فوراً فتح کرلو۔ سپہ سالار لشکر جرار لے کر گیا اور داؤد کو ایسا دبایا کہ اس نے لودھی ان کے قدیم دوست کو بیچ میں ڈال کر دو لاکھ روپیہ نقد اور بہت سی اشیائے گراں بہا پیشکش گزرانیں۔ یہ جنگ کے نقارے بجاتے گئے تھے۔ صلح کے شادیانے گاتے چلے آئے۔

Marfat.com

بندر سوت قلعہ کی فتح سے واپسی:

اکبر جب بندر سوت کا قلعہ فتح کر کے پھرا۔ تو ہمت میں جوانی کا جوش و خروش۔ اقبال کا سمندر طوفان اٹھا رہا تھا۔ فتوحات موجوں کی طرح ٹکراتی تھیں۔ ٹوڈرمل کو منعم خاں کے پاس بھیجا۔ کہ خود جا کر ملک اور اہل ملک کی حالت دیکھو۔ اور ان کے ارادوں پر غور کرو۔ منعم خاں۔ سے بھی دریافت کرو کہ اس صورتحال کو دیکھ کر تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ گیا اور جلد واپس آیا۔ اور جو حالات معلوم کئے تھے سب بیان کئے۔ یہاں فوراً منعم خاں کے نام آغاز جنگ۔ اور امرا کیلئے روانگی بنگالہ کے فرمان جاری ہوئے۔

داؤد کی بدنصیبی سے اس کے منافق سرداروں کے ساتھ اس قدر جلد بگاڑ ہوا۔ جس کی امید نہ تھی پیچ تو ہمیشہ سے چلتے تھے۔ اب چند ہاتھیوں پر داؤد کو لودھی سے لڑا دیا۔ لودی نے ایسے ہی وقتوں کے لئے ادھر راہ نکال رکھی تھی۔ منعم خاں سے مدد مانگی۔ انہوں نے فوراً چند سردار اور ایک فوج معقول روانہ کی۔ چند روز کے بعد ان کی تحریریں آئیں۔ کہ وہ تو داؤد سے مل گیا۔ اور ہمیں رخصت کر دیا۔ خان خاناں بڑھاپے کے گریبان میں گردن جھکائے سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ اور کرنا کیا چاہئے۔ ساتھ ہی ان کے مخبر خبر لائے کہ لودی کو داؤد نے مروا ڈالا۔ یہ ایسے ہی موقع کی تاک میں تھے۔ فوج کشی کرنے میں تھا تو اسی کا کھٹکا تھا۔ فوراً لشکر لے کر پٹنہ اور حاجی پور آئے۔ اب نوجوان کی آنکھیں کھلیں۔ اور لودی کی بات یاد آئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

اسپ دولت بزیر ران تو بود چوں تو کم تاختی کسے چہ کند
مہرہ عیش برمراد تو بود لیک بدیافتی کسے چہ کند

فصیل اور قلعہ پٹنہ کی مرمت شروع کر دی۔ یہاں غلطی یہ کھائی۔ کہ تلوار میان سے نہیں نکلی۔ گولی بندوق میں نہیں پڑی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ خان خاناں نے محاصرہ ڈالا۔ اور بادشاہ کو عرضی کی کہ اس ملک میں لڑائی بے سامان دریائی کے نہیں ہو سکتی۔ ادھر سے جھٹ جنگی کشتیاں۔ جنگ دریائی کے سامان اور رسد فراواں سے بھر کر روانہ ہوئیں۔ بڈھا سپہ سالار خود بھی مدت سے تیاری کر رہا تھا۔ اور ادھر ادھر فوجیں دوڑائیں۔ مگر نہایت احتیاط سے کام کرتا تھا۔ جہاں کچھ بھی خطر دیکھتا تھا۔ جرأت نہ کرتا تھا۔ فوراً پہلو بچا جاتا تھا۔ روپیہ کی بھی کفالت کرتا تھا۔ ہاں سامان جنگ اور رسد وغیرہ کی ضرورت دیکھتا تو لاکھوں لٹاتا تھا چنانچہ گورکھ پور فتح کیا۔ افغانوں کا یہ حال تھا۔ کہ ایک جگہ سے پریشان ہو کر بھاگتے تھے۔ دوسری جگہ اس سے زیادہ جمعیت اور استقلال کے ساتھ جم جاتے تھے۔

Marfat.com

وہ سرداروں کو فوج دے کر مقابلے پر بھیجتا تھا اور وقت پر خود بھی پہنچتا تھا۔ مگر ساتھ ملا لینے کی تاک میں رہتا تھا۔

پٹنہ کے محاصرہ کا طول:

پٹنہ کے محاصرہ نے طول کھینچا۔ خان خاناں نے عرضی کی۔ کہ اگرچہ لڑائی جاری ہے۔ اور جاں نثار حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ مگر برسات نزدیک ہے جتنا جلد فیصلہ ہوا اتنا ہی مناسب ہے۔ اور جب تک حضور نہ آئیں یہ آرزو بر نہ آئیگی۔ بادشاہ نے اسی وقت ٹوڈرمل کو روانہ کیا۔ اور مہمات اطراف کا بندوبست کر کے حکم دیا۔ کہ لشکر تیار ہو۔ اور اس سفر کی مسافت دریا میں طے ہو۔ لشکر آگرہ سے خشکی کے رستے روانہ ہوا۔ اور آپ معہ بیگمات اور شہزادہائے کامگار اور امرائے باوقار کشتیوں پر سوار ہوئے۔ بادشاہ جوان۔ اقبال جوان۔ ارکان دولت جوان ابوالفضل فیضی ملا صاحب انہی دنوں دربار میں پہنچے تھے۔ فتح واقبال اشارے کے منتظر۔ عجب شان وشکوہ سے چلے۔ دریا میں عیش کا دریا بہا جاتا تھا۔ اس سواری کا تماشا دیکھنا ہو تو ملا صاحب کے حال میں دیکھو۔ کہ اکبر بلکہ خاندان چغتائی میں کسی کو ایسا موقع نصیب نہ ہوا ہوگا۔

منعم خاں ہر طرف تدبیر کے گھوڑے دوڑاتے تھے۔ اور افغانوں کو ملاتے تھے۔ جو قابو میں نہ آتے تھے انہیں دباتے تھے۔ ان کے لشکر کو بڑی مصیبت پڑی۔ مگر حسین خاں پنی جو ادھر سے آ کر ملا تھا۔ اس سے یہ نکتہ ہاتھ آیا۔ کہ برسات میں دریا بہت چڑھے گا۔ اس لئے پن پن کا بند توڑ دینا چاہئے کہ پانی گنگا میں جا گرے۔ یہ بند استاد نے اسی غرض سے باندھا تھا۔ کہ پانی قلعے کے گرد آ جائے تو غنیم آئے تو یہاں ٹھہر نہ سکے۔ پٹنہ میں حاجی پور سے رسد برابر پہنچ رہی تھی۔ چاہا کہ پہلے حاجی پور کو فتح کرلیں۔ مگر فوج ایسی وافر نہ تھی۔ اس لئے ارادہ ہی رہ گیا۔

داؤد نے بھی بند کی حفاظت کے لئے بڑی احتیاط سے فوج رکھی ہوئی تھی۔ مگر مجنوں خاں رات کی سیاہ چادر اوڑھ کر اس پھرتی سے کام کر آیا کہ نیند کے مستوں کو خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ شرم کے مارے ایسے بھاگے کہ داؤد کے پاس تک نہ جاسکے۔ آوارہ وسرگرداں گھوڑا گھاٹ پہنچے۔

بادشاہ منزل بمنزل خشکی وتری کی سیر کرتے۔ شکار کھیلتے چلے جاتے تھے۔ ایک دن داس پور کنار گنگا پر منزل تھی۔ کہ اعتماد خاں خواجہ سرا لشکر گاہ سے پہنچا۔ لڑائی کا حال عرض کیا۔ اور اس کے بیان سے غنیم کا نہایت زور ظاہر ہوا۔ میر عبدالکریم اصفہانی کو بلا کر سوا کیا۔ انہوں نے حساب کر کے کہا۔

برد ملک از کف داؤد بیروں ۔ بزودی اکبر از بخت ہمایوں

Marfat.com

بلکہ جب بادشاہ فتح پور سے آگرہ میں آکر سامان روانگی کر رہے تھے۔ اسی وقت میر نے یہ حکم لگایا تھا۔

گرچہ باشد لشکرت جرار بے حد و شمار لیک باشد فتح و نصرت در قدوم شہریار

شیر پور پر ٹوڈرمل بھی حاضر ہوئے۔ اور ہر مورچے کا مفصل بیان کیا۔ منعم خاں کی طرف سے حضوری کے باب میں عرض کی۔ فرمایا دو کوس سے زیادہ استقبال نہ کریں۔ کہ محاصرے کا مدار انہی پر ہے۔ سب امرا اپنے اپنے مورچے پر قائم رہیں۔ ٹوڈرمل رات ہی رات رخصت ہوئے۔ یہ سفر دو مہینے دس دن میں ختم ہوا۔ کوئی نقصان ایسا نہیں ہوا کہ قابل تحریر ہو۔ البتہ چند کشتیاں طوفان گرداب میں آکر بتاسہ کی طرح بیٹھ گئیں۔ جب بادشاہ چھاؤنی کے سامنے پہنچے۔ تو خان خاناں نے بہت سی کشتیاں اور نواڑے سامان آرائش کے ساتھ جنگی آتشبازی سے سجائیں۔ خود استقبال کو چلا۔ توپ خانوں پر گولہ انداز قواعد اور نظام کے ساتھ بیٹھے۔ رنگ رنگ کی بیرقیں لہراتی بڑہ شکوہ شان سے آیا۔ اور رکاب کو بوسہ دیا۔ حکم ہوا تمام توپوں کو مہتاب دکھا دو۔ تو پخانوں نے بھی اس زنانے سے سلامی اتاری کہ زمین میں بھونچال آگیا۔ اور کوسوں تک دریا دھواں دھار ہو گیا۔ نقاروں کا غل۔ دماموں کی گرج۔ کرنائی کڑک۔ قلعے والے حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ کہ قیامت آگئی۔ چھاؤنی بیچ پہاڑی پر تھی۔ کہ دریا سے اس طرف ہے۔ بادشاہ منعم خاں ہی کے ڈیروں میں آئے۔ اس نے بڑی طمطراق سے آرائش کی تھی۔ سونے کے طبق جواہر اور موتیوں سے بھر کر کھڑا ہوا۔ لپ بھر بھر کر نچھاور کرتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آسماں رسید کہ سایہ بر سرش افگند چوں تو سلطانے

نفیس تحائف۔ گراں بہا جواہر نذر گزرانے۔ کہ حد و حساب سے باہر تھے۔ پرانے پرانے امیر۔ خدمت گار بابری۔ نئے نئے نوجوان جاں نثار اکبری کہ مہینوں ہوئے خدمت سے محروم تھے سینوں میں جوش وفا۔ دلوں میں شوق۔ منہ میں دعا، بچوں کی طرح دوڑے آئے۔ جھک جھک کر سلام کرتے تھے۔ اور دل شوق بندگی کے مارے قدموں میں لوٹے جاتے تھے۔

کیا تڑپتا دل مضطر کا بھلا لگتا ہے جب اچھلتا ہے ترے سینے سے جا لگتا ہے

اکبر ایک ایک کو دیکھتا تھا۔ نام لے لے کر حال پوچھتا تھا۔ اور نگاہیں کہتی تھیں۔ کہ دل میں وہی محبت لہراتی ہے جو ماں کے سینے سے دودھ بن کر پیارے بچوں کے منہ میں ٹپکتی ہے۔ غرض سب اپنے اپنے خیموں اور مورچوں کو رخصت ہوئے۔

Marfat.com

جنگی پالیسی مرتب کرنا:

دوسرے دن خود بادشاہ سوار ہوئے۔ اور مورچوں پر پھر کر قلعے کا ڈھنگ اور لڑائی کا رنگ دیکھا یہی صلاح ہوئی۔ کہ پہلے حاجی پور کا فیصلہ کیا جائے۔ پھر پٹنہ کا فتح کر لینا آسان ہے۔ چنانچہ خان عالم کو چند سرداروں کے ساتھ تعینات کیا۔ خان خاناں نے ایک ایلچی داؤد کے پاس بھیجا تھا۔ اور بہت سی نصیحتیں وصیتیں کہلا بھیجی تھیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ خان فرزند ابھی تک اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے اپنی صورت حال کو دیکھو۔ اکبری اقبال کو سمجھو۔ اتنی جانیں برباد ہوئیں۔ بہتر ہے کہ اور خون نہ ہوں۔ مال و ناموس خلائق پر رحم کرو۔ جوانی اور سرخوشی کی بھی حد ہوتی ہے۔ بہت کچھ ہو چکا۔ اب بس کرو کہ عالم کی تباہی حد سے گزر چکی ہے۔ اس دولت خداداد کے دامن سے اپنی گردنیں کیوں نہیں باندھ دیتے کہ سب مصلحتیں پوری ہو جائیں۔ لڑکا سرتا تھا۔ اس نے بہت سوچ سوچ کر ایلچی کو رخصت کیا۔ اور اپنا معتبر ساتھ کیا۔ چنانچہ وہ بھی اسی دن حضور میں حاضر ہوا۔ خلاصہ جواب یہ کہ حاشا وکلا سرداری کا بار اپنے سر پر لینے کی خوشی نہیں۔ مجھے لودھی نے اس بلا میں ڈالا۔ اور وہ اس کی سزا کو پہنچا۔ اب عقیدت بادشاہی میرے دل پر چھا گئی ہے۔ جتنی جگہ ملے۔ جس جگہ ملے قناعت اور سرمایہ سعادت ہے۔ خوردسالی اور مستی جوانی میں یہ حرکت ہوگئی۔ کہ منہ نہیں دکھا سکتا۔ اور جب تک کوئی خاطر خواہ خدمت کر کے سرخرو نہ ہوں۔ حاضر نہیں ہوا جاتا۔

صلح کی شرائط:

بادشاہ سمجھ گئے کہ لڑکا چالاک ہے اور نیت درست نہیں۔ ایلچی سے کہا کہ اگر داؤد صدق دل عقیدت رکھتا ہے تو ابھی چلا آئے۔ یہاں انتقام کا کبھی خیال نہیں ہوا۔ اگر نہیں آتا تو تین صورتیں ہیں۔

(۱) یا تو وہ ادھر سے آئے۔ ہم ادھر سے آتے ہیں۔ ایک ادھر کا سردار ادھر جائے۔ اور ایک ادھر کا سردار ادھر آ جائے۔ دونوں لشکروں کو روکے رہیں۔ کہ کوئی اور دلاور باہر نہ جانے پائے۔ ہم دونوں بخت آزمائی کے میدان میں کھڑے ہوں۔ اور جس حربہ سے وہ کہے۔ قسمت کے ہاتھوں سے لڑائی کا فیصلہ کر لیں۔

(۲) یہ نہیں تو ایک سردار جس کی قوت اور دلاوری پر اسے پورا بھروسا ہو۔ ادھر سے۔ اور ایک ادھر سے نکلے جو فتح پائے اس کے لشکر کی فتح۔

(۳) اگر اس فوج میں ایسا کوئی نہ ہو۔ تو ایک ہاتھی ادھر کا لو اور ایک ادھر کا لو۔ اور لڑا دو۔ جس کا

Marfat.com

ہاتھی جیتے اس کی فتح۔ وہ ایک بات پر بھی راضی نہ ہوا۔ بادشاہ نے ۳ ہزار سوار جرار عین طوفان آب میں کشتیوں پر سوار کیے۔ قلعہ گیری کے اسباب زنبورک، رہکلے، بان، جزائل، توپ تفنگ، عجیب وغریب حربے اور بہت سا میگزین دیا۔ اور یہ سب سامان اس دھوم دھام اور آرائش ونمائش سے روم وفرنگ کے باجوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ کہ کان گونجتے تھے اور دل سینوں میں جوش مارتے تھے۔ بادشاہ خود پہاڑی پر چڑھ گئے اور دوربین لگائی۔ میدان جنگ گرم تھا۔ اکبری بہادر قلعہ شکن حملے کر رہے تھے۔ اور قلعہ والے جواب دے رہے تھے۔ قلعے کی توپوں کے گولے اس زور سے آتے تھے۔ کہ تین کوس پر سراپردہ تھا۔ بیچ میں دریا بہتا تھا اور وہ سروں پر سے جاتے تھے۔ جانثاروں نے سن لیا تھا کہ جوہر شناس ہمارا چشم دوربیں سے دیکھ رہا ہے۔ اس طرح جان توڑ کر دھاوے کرتے تھے کہ بس ہو۔ تو گولہ بنیں اور قلعہ میں جا پڑیں۔ یہاں سے لشکروں کے ریلے دکھائی دیتے تھے۔ آدمی نہ پہچانے جاتے تھے۔ بات یہ تھی کہ چڑھاؤ کے مقابل سے پانی کا سینہ توڑ کر کشتیوں کو لے جانا سخت محنت اور دیر چاہتا تھا۔ مگر پرانے پرانے ملاحوں نے خان عالم کی رہنمائی کی۔ بڑے بڑے دلاور سردار۔ سورما سپاہی چن کر کشتیوں پر سوار کیے۔ کچھ دن باقی تھا۔ کہ ملاحوں نے چڑھاؤ کے سینے پر کشتیوں کو چڑھانا شروع کیا۔ پانی کی چادر اوڑھ لی اور منہ پر دریا کا پاٹ لپیٹا۔ راتوں رات ایک ایسی نہر میں لے گئے کہ عین حاجی پور کے نیچے آ کر گرتی تھی۔ پچھلی رات باقی تھی۔ کہ بیڑا یہاں سے چھوٹا۔ صبح ہوتے ہی جس غل سے قلعہ والے تھے۔ وہ شور قیامت تھا۔ سب گرداب حیرت میں ڈوب گئے۔ کہ اتنی فوج کدھر سے آئی اور کیونکر آئی۔ انہوں نے بھی گھبرا کر کشتیاں تیار کیں اور مقابلے پر پہنچے کہ طوفان کو آگے نہ بڑھنے دیں۔ پہلے توپوں اور بندوقوں نے پانی پر آگ برسائی۔ لڑائی بہت زور پر تھی۔ اور فی الحقیقت اس سے زیادہ جان لڑانے کا وقت کون سا ہوگا۔

اکبری شفقت کے دریا کا چڑھاؤ:

عصر کا وقت تھا۔ کہ اکبری شفقت کا دریا چڑھاؤ پر آیا۔ بہت سے بہادر انتخاب کیے۔ کہ کشتیوں پر سوار ہو کر جائیں۔ اور میدان جنگ کی خبر لائیں۔ قلعہ والوں نے دیکھ کر اوپر سے گولے برسانے شروع کیے اور اٹھارہ کشتیاں ان کے روکنے کو بھیج دیں۔ بیچ منجدھار میں ٹکر ہوئی۔ دیکھ گئے

Marfat.com

تھے۔ کہ بادشاہ ہمارا دیکھ رہا ہے۔ دریا کے دھوئیں اڑا ئے۔ اور آگ برساتے پانی پر سے ہوا کی طرح گزر گئے۔ حریف دیکھتے ہی رہ گئے پھر بھی چڑھاؤ کی چھاتی توڑ کر جانا کچھ آسان نہ تھا۔ اور کمک کو غنیم نے دریا میں روکا ہوا تھا۔ دور ہی سے مقام جنگ پر گولے مارنے شروع کیے۔ ان کے لوگوں نے غنیم کی ہمت کا لنگر توڑ دیا۔ اور کشتیاں ہٹانی شروع کیں۔ اب کمک کے ملاح پہلو کاٹ کر چلے۔ اگرچہ قلعے سے گولے پڑنے شروع ہوئے۔ مگر یہ بھاگا بھاگ ایک موقع کے گھاٹ پر جا پہنچے۔ اور وہاں سے کشتیوں کو چھوڑا کہ تیر کی طرح سیدھی معرکہ جنگ پر آئیں۔ بادشاہی فوج کناروں پر اتری ہوئی تھی اور سینہ بہ سینہ لڑائی ہو رہی تھی۔ افغانی سرداروں نے کوچہ بندی کر کے بھی لڑائی ڈالی۔ مگر تقدیر سے کون لڑ سکے۔ خلاصہ یہ کہ حاجی پور فتح ہو گیا۔ اور بادشاہی فوج قلعے پر قابض ہو گئی۔

اس فتح سے داؤد کا لوہا ٹھنڈا ہو گیا۔ باوجودیکہ بیس ہزار سوار جری اور جنگی ہاتھی مست بے شمار اور توپ خانہ آتش بار ساتھ تھا۔ رات ہی کو کشتی میں بیٹھا اور پٹنہ سے نکل کر لوگر کو بھاگ گیا۔ سر ہر بنگالی جس کی صلاح سے لودھی کو مار کر بکر ماجیت خطاب دیا تھا۔ اس نے کشتیوں میں خزانہ ڈالا اور پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ گوجر خاں کرارانی جس کا رکن الدولہ خطاب تھا۔ جو کچھ اٹھا سکا اٹھایا۔ وہ ہاتھیوں کو آگے ڈال کر خشکی کے رستے بھاگ گیا۔ ہزاروں آدمی کی بھیڑ دریا میں کود کود پڑی اور طوفان اجل کے ایک جھکولے میں ادھر سے ادھر پہنچی۔ ہزار در ہزار آدمی گھبرا گھبرا کر برجوں اور فصیلوں پر چڑھ گئے۔ اور وہاں سے کود کر گہری خندق کا بھراؤ ہو گئے۔ بہتیرے کوچہ و بازار میں ہاتھی گھوڑوں کے نیچے پامال ہو گئے۔ ویران طیران جب دیرائے پن پن پر پہنچے تو گجر خاں نے ہاتھیوں کو آگے ڈالا اور پل سے اتر گیا۔ بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ پل بھی بوجھ نہ اٹھا سکا۔ آخر ٹوٹ گیا۔ بہتیرے نامی گرامی افغان تھے۔ کہ اسباب اور ہتھیار پھینک دیئے۔ ننگے پانی میں گرے اور گرداب اجل میں چکر مار کر بیٹھ گئے۔ سر تک نہ نکالا۔ پچھلا پہر تھا کہ خان خاناں نے آکر خبر دی۔ بہادر بادشاہ اسی وقت تلوار پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ خان خاناں نے عرض کی۔ کہ صبح کو حضور اقبال کا قدم شہر میں رکھیں۔ کہ خبر بھی تحقیق ہو جائے اور احتیاط کی باگ بھی ہاتھ میں رہے۔ اکبر شعاع آفتاب کے ساتھ دہلی دروازے کے رستے پٹنہ میں داخل ہوا۔ اور نظر عبرت سے داؤد کے محلوں کو دیکھا۔ تاریخ ہوئی۔ فتح بلاد پٹنہ۔ مگر دوسرا نگینہ نگین سلیمان ہے ع

کہ ملک سلیمان زداؤد رفت

خلوت کے چمن میں حکم ہوا۔ مشورت کی بلبلیں آئیں۔ کہ بنگالہ کے لئے کیا صلاح ہے۔ بعض کا زمزمہ ہوا کہ برسات میں ملک مقبوضہ کا بندوبست ہو۔ جاڑے کی آمد میں بنگالہ پر خونریزی

Marfat.com

سے گلزار کا خاکہ ڈالا جائے۔ بعض نے نغمہ سرائی کی کہ غنیم کو دم نہ لینے دو۔ اڑ جائیں اور چھری کٹاری ہو جائیں۔ کہ یہی بہار ہے۔ فتح کے گلچین اور سلطنت کے باغبان نے کہا کہ ہاں یہی ہانک سچی ہے۔ ساتھ ہی خان خاناں نے التجا کی۔ اس واسطے اسی کو مہم سپرد ہوئی۔ چنانچہ دس ہزار لشکر خونخوار ❶ امراء، بیگ، اور بیگچے۔ سب کمک کے لئے ساتھ دیئے اور سپہ سالاری منعم خان کے نام پر قرار پائی۔ نواڑے، کشتیاں اور آتش خانے جو ساتھ آئے تھے سب عطا ہوئے۔ بہار کا ملک اسکی جاگیر ہوا۔ بعد اس کے جاں نثاروں اور وفاداروں کو جاگیریں اور انعام خلعت وخطاب۔ ہر ایک کی خدمت درجے کے لائق دیکر آپ دریا کے رستے آئے تھے۔ اسی رستے شادیانے بجاتے فتح کے بادبان اڑاتے خوشی کی لہریں بہاتے دارالخلافہ کو روانہ ہوئے۔

سورج گڑھ منگیر اور بھاگل پور کی فتح:

سالہا سال سے وہ ملک افغانستان ہو رہا تھا۔ داؤد سراسیمہ ہو کر بنگالہ کے رخ بھاگا۔ خان خاناں اور ٹوڈرمل چھاؤنی ڈال کر ٹانڈہ میں بیٹھے۔ ٹانڈہ گور کے مقابل میں گنگا کے داہنے کنارے پر ہے۔ اور بنگالہ کا مرکز ہے۔ ادھر ادھر سرداروں کو پھیلا دیا وہ جا بجا لڑتے تھے۔ افغان شکستیں کھاتے تھے۔ مضبوط اور مستحکم مقاموں کو چھوڑتے تھے۔ اور جنگلوں میں گھس جاتے تھے۔ پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ ایک جگہ سے بھاگ جاتے تھے۔ دوسری جگہ جم جاتے تھے۔ کہیں بھاگتے تھے۔ کہیں بھگاتے تھے۔ چنانچہ اول سورج گڑھ فتح ہوا۔ پھر منگیر مارا۔ ساتھ ہی بھاگل پور اور پھر کھل گاؤں لیا۔ گڑھی باوجود قدرتی استحکام بے کے جنگ ہاتھ آئی۔ وہ ملک بنگالہ کا دروازہ ہے۔ اس کے ایک پہلو کو پہاڑ نے دوسرے کو پانی نے مضبوط کیا ہے۔ انہوں نے دو طرف سے دبا کر ایسا تنگ کیا کہ بے جنگ ہاتھ آ گیا۔ خان خاناں کی جاگیر پہلے بہار میں تھی اب بنگالہ میں کر دی۔ اس نے خواجہ شاہ منصور اپنے دیوان کو وہاں بھیج دیا خبر آئی کہ داؤد ٹانڈہ پہنچا ہے۔ وہاں بیٹھے گا اور ادھر کے مقامات کا استحکام کر رہا ہے۔ محمد قلی خان برلاس کو کہ پرانا امیر اور کہنہ عمل سپاہی تھا۔ فوج دیکر ادھر روانہ کیا۔ اور آپ ٹانڈہ میں بیٹھ کر ملک کا بندوبست میں مصروف ہوا کہ مرکز ملک کا تھا۔

افغانوں کو جو خرابی نصیب ہوئی فقط آپس کی پھوٹ سے ہوئی۔ لودی کو داؤد نے مروا ڈالا تھا اور گوجر سے بگاڑ تھا۔ ایک موقع ایسا پڑا کہ اتفاق کے فائدے کو دونوں نے سمجھا۔ اور آپس میں صفائی ہو گئی۔ صلاح یہ ٹھیری کہ دونوں مل جائیں۔ اور فوجیں ملا کر لشکر شاہی سے مقابلہ کریں۔ شاید نصیبہ

❶ مآثر الامراء میں ۲۰ ہزار لشکر ہے۔

Marfat.com

یاوری کرے۔ داؤد نے کٹک بنارس کو مضبوط کر کے اہل وعیال کو وہاں چھوڑا۔ اور دونوں سردار لشکر خونخوار درست کر کے مقابلہ کو چلے۔

خان خاناں کی ٹانڈہ روانگی:

خان خاناں سنتے ہی ٹانڈہ سے روانہ ہوا۔ اور ٹوڈرمل کے لشکر کے ساتھ شامل ہو کر کٹک بنارس کا رخ کیا۔ راستے میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ افغانوں کو شیر شاہ کا پڑھایا ہوا سبق یاد تھا۔ لشکر کے گرد خندق کھود کر قلعہ باندھ لیا۔ اس طرح کئی دن تک لڑائی جاری رہی۔ طرفین کے بہادر نکلتے تھے۔ افغان ہمت مردانہ کرتے تھے۔ ترک ترکتاز دکھاتے تھے۔ لڑائی کی انتہا نظر نہ آتی تھی۔ دونوں حریف تنگ ہو گئے۔ ایک دن میدان میں صفیں جما کر فیصلہ کے لئے آمادہ ہوئے۔ ہاتھی بنگالہ کی ہری گھاسیں کھا کر افغانوں سے سوا مست ہو رہے تھے۔ پہلے وہی بڑھے۔ خان خاناں بھی اکبری امرا کو دائیں بائیں اور پس وپیش جمائے بیچ میں آپ کھڑا تھا۔ لیکن ستارہ اس دن سامنے تھا۔ اور انہیں پہلے ستارہ آنکھیں دکھا چکا تھا۔ اس لئے لڑائی کا ارادہ نہ تھا حکم دیا کہ آج حریف کے حملے کو دور دور سے سنبھالو۔ ہاتھیوں کو توپوں اور زنبوروں سے روکو۔ آگ کی مار خدا کی پناہ۔ حریف کے کئی نامی ہاتھی آگے بڑھے تھے۔ الٹے ہی پھر گئے۔ اور اکثر اڑ گئے۔ بہت سے نامور افغان ان پر سوار گئے۔ گوجر خاں داؤد کی فوج پیش قدم کا سردار تھا۔ وہ حملہ کر کے ہراول پر آیا۔ خان عالم سردار ہراول نوجوان سردار تھا۔ اس کی جرات دیکھ کر نہ رہ سکا اور حملہ کیا۔ لیکن دلاوری کے جوش میں بہت تیزی کر گیا اس کی فوج بندوقیں خالی کرتی چلی جاتی تھی۔

خان خاناں روک تھام کے انتظام میں:

خان خاناں روک تھام کے انتظام میں تھے۔ یہ حال دیکھ کر آدمی بھیجا کہ فوج کو روکو۔ یہاں اس کے دلاور غنیم پر جا پڑے تھے۔ بڈھے سپہ سالار نے جھنجھلا کر پھر سوار دوڑایا اور بتاکید کہلا بھیجا کہ کیا لڑکپن کرتے ہو۔ جلد فوج کو پھیر لاؤ۔ وہاں لڑائی دست وگریبان ہو گئی تھی۔ اور صورت یہ تھی کہ گوجر خاں نے بہت سے ہاتھیوں کو سامنے رکھ کر حملہ کیا تھا۔ سراگائے کی دُمیں۔ چیتوں۔ شیروں اور پہاڑی بکروں کی کھالیں جن کے چہروں پر سینگ اور دانت تک بھی موجود تھے۔ ہاتھیوں کے چہروں پر چڑھائے تھے۔ ترکوں کے گھوڑوں نے نہ یہ صورتیں دیکھیں تھیں نہ یہ بھیانک آوازیں سنی تھیں۔ بدک بدک کر بھاگے اور کسی طرح نہ تھم سکے۔ فوج ہراول ہٹ کر اور سمٹ کر مقدمہ لشکر میں جا گھسی۔ سردار ہراول (خان عالم) ثابت قدمی سے کھڑا رہا مگر ایسا گرا کہ قیامت ہی کو اٹھے گا۔ کیونکہ حریف کا

Marfat.com

ہاتھی آیا اور اسے پامال کر گیا۔ افغانوں نے خوشی کا شور وفغان کیا اور گوجر خاں نے انہیں لیکر اس زور سے حملہ کیا کہ سامنے کی فوج کو رولتا ہوا قلب میں جا پڑا۔

یہاں خود خان خاناں امرائے عالیشان کو لئے کھڑا تھا۔ بڈھوں نے جوانوں کو بہت سنبھالا۔ مگر سنبھلے کون؟ گوجر مارا مار بگ ٹوٹ چلا آتا تھا۔ سیدھا آیا اور اتفاق یہ کہ خان خاناں ہی سے مڈھ بھیڑ ہوگئی۔

بے وفا پلاؤ خور:

بے وفا پلاؤ خور بھاگ گئے۔ اور گوجر نے برابر آ کر کئی ہاتھ تلوار کے مارے۔ یہاں خان خاناں کمر میں دیکھتے ہیں تو تلوار بھی نہیں۔ غلام جو تلوار لئے رہتا تھا۔ خدا جانے کہاں کا کہاں جا پڑا کوڑا ہاتھ میں تھا وہ تلواریں مارتا تھا۔ یہ کوڑے سے پیش آتے تھے۔ سر گردن اور بازو پر بھی زخم کھائے۔ اور زخم بھی کاری کھائے۔ اچھے ہونے پر بھی کہا کرتا تھا۔ کہ سر کا زخم اچھا ہو گیا ہے۔ مگر بینائی بگڑ گئی۔ گردن کا گھاؤ بھر گیا ہے مگر مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ کندھے کے زخم نے ہاتھ نکما کر دیا۔ اچھی طرح سر تک نہیں جا سکتا۔ باوجود اس کے پھرنے کا خیال تک نہ تھا۔ کئی امراء رفاقت میں تھے وہ بھی زخمی ہو گئے۔ اس عرصے میں حریف کے ہاتھی بھی آ پہنچے۔ اور خان خاناں کا گھوڑا ہاتھیوں سے بدکنے لگا۔ روکا مگر بے قابو ہو گیا۔ آخر ٹھوکر بھی کھائی۔ کچھ نمک حلال نوکروں نے باگ پکڑ کر کھینچی کہ ٹھہرنے کا موقع نہیں۔ اس بچارہ کو فکر یہ کہ میں سپہ سالار ہو کر بھاگوں گا۔ تو سفید ڈاڑھی لیکر کسے منہ دکھاؤں گا۔ خیر اس وقت انکی درد خواہی غنیمت ہوئی۔ اس طرح بھاگے کہ گویا فوج والوں کو فراہم کرنے گئے ہیں۔ گھوڑا دوڑائے تین چار کوس بھاگے گئے۔ اور افغان بھی اردوئے بادشاہی تک دبائے چلے آئے۔ تمام خیمے اور سارا بازار لٹ گیا۔ مگر بادشاہی سردار کہ بھاگ کر چاروں طرف کھنڈ گئے تھے۔ کچھ دور جا کر ہوش میں آئے پھر پلٹے اور افغان جو مارا مار چینٹیوں کی قطار چلے جاتے تھے۔ ان کی دونوں طرف لپٹ گئے۔ برابر تیروں سے چھیدتے چلے جاتے تھے۔ اور اس لمبے تانتے کی گنڈیریاں کترتے جاتے تھے۔ نوبت یہ ہوئی کہ اپنے بیگانے کسی میں سکت نہ رہی۔ اور افغان خود تھک کر رہ گئے۔ گوجر پٹھانوں کو ہلکارتا اور للکارتا تھا کہ مارلو مارلو۔ خان جہاں کو تو مار لیا ہے۔ اب تردد کیا ہے۔ باوجود اس کے مصاحب جو برابر میں تھے۔ ان سے کہتا تھا کہ فتح ہوگئی مگر دل کا کنول نہیں کھلتا تھا۔ کہ اتنے میں اسے مدد غیبی کہو خواہ اکبری اقبال سمجھو کہ کسی کمان سے ایک تیر چلا جو گوجر خاں کی جان کے لئے قضا کا تیر تھا۔ اس نے فتح یاب بہادر کو گھوڑے سے گرا دیا۔ ساتھیوں نے سر پر

Marfat.com

سردار نہ دیکھا تو بے سروپا بھاگے۔ یا تو افغان مارامار چلے جاتے جاتے تھے یا خود مرنے لگے۔ اس الٹ پلٹ میں خان خاناں کو ذرا سی فرصت نصیب ہوئی تو ٹھیر کر سوچنے لگا کہ کچھ کرنا چاہئے۔ اور کیا کرنا چاہئے؟ اتنے میں اس کا نشانچی بھی نشان لئے آن پہنچا۔ ساتھ ہی غل ہوا کہ گوجر خاں مارا گیا۔ خان خاناں نے گھوڑا پھیرا۔ اور ادھر ادھر جو دلاور تھے۔ وہ بھی اکٹھے ہو گئے۔ جو افغان تیر کے پلے پر نظر آیا اسے پرونا شروع کر دیا۔

ٹوڈرمل اور داؤد میں لڑائی:

قلب پر جو گزری سو گزری۔ مگر لشکر بادشاہی میں ٹوڈرمل اپنے لشکر کو لئے دائیں پر کھڑے تھے۔ اور شاہم خاں جلائر بائیں پر۔ یہاں خان عالم کے ساتھ خان خاناں کے بھی مرنے کی اڑ گئی تھی۔ لشکر کے دل اڑے جاتے تھے۔ اور یہ رنگ جمائے جاتے تھے۔ ادھر گوجر کی کامیابی دیکھ کر داؤد کا دل بڑھ گیا۔ اور فوج کو جنبش دی۔ تاکہ دائیں سے دھکا دیکر گوجر سے جا ملے۔ راجہ اور شاہم نے جب یہ طور دیکھا تو اس طرح کھڑے ہونا اپنا بھی مناسب نہ دیکھا گھوڑے اٹھائے اور توکل بخدا افغانوں کے دائیں بائیں پر جا گرے۔ جس وقت ٹوڈرمل اور داؤد میں لڑائی ترازو ہو رہی تھی۔ سادات بارہہ کے سردار حریف کے دائیں بازو پر ٹوٹ پڑے۔ اور اسے برباد کر کے اپنے دائیں کو مدد کو پہنچے۔ یہ حملہ اس زور کا ہوا۔ کہ غنیم کے دونوں بازوؤں کو توڑ کر قلب میں پھینک دیا۔ جہاں داؤد سپہ سالاری کا چتر چمکا رہا تھا۔ اس کے جنگی اور نامی ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے۔ انہیں ترکوں نے تیروں سے چھلنی کر دیا۔ اور اس کی جمعیت میں ہل چل پڑ گئی۔ اتنے میں نقارہ کی آواز آئی۔ اور خان خاناں کا علم کہ فتح کا نمودار نمونہ تھا۔ دور سے آشکارا ہوا۔ امرا اور افواج شاہی کے گئے ہوئے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ داؤد کو جب خبر پہنچی کہ گوجر خاں مارا گیا ہے۔ رہے سہے حواس بھی اڑ گئے اور لشکر کے قدم اٹھ گئے۔ تمام اسباب اور سامان اور بڑے بڑے دل بادل ہاتھی برباد کر کے سیدھا کٹک بنارس کو بھاگ گیا۔

گوجر خاں کا فرار ہونا:

خان خاناں نے خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کئے۔ کہ بگڑی بات کا بنانے والا وہی ہے۔ ٹوڈرمل کو کئی سرداروں کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ کیا۔ اور خود اسی منزل میں مقام کر کے زخمیوں کے اور اپنے علاج میں مصروف ہوا۔ ہزاروں افغان تتر بتر ہو گئے۔ سرداروں کو پھیلا دیا اور تاکید کی کہ ایک کو جانے نہ دیں۔ میدان جنگ میں ان کے سروں سے ۸ کلہ منار بلند کئے کہ فتح کی خبر آسمان تک

Marfat.com

پہنچائیں۔

داؤد کٹک بنارس میں:

داؤد کٹک ❶ بنارس میں پہنچ کر قلعے کے استحکام میں مصروف ہوا۔ مفسد پھر فراہم ہو کر ساتھ ہو گئے۔ یہ بھی گفتگو ہوئی کہ جو شکست پڑی۔ بعض بے احتیاطیوں سے پڑی ہے۔ اب کے بندوبست سے کام کرنا چاہئے۔ اس نے دل میں ٹھان لی کہ مرجانا ہے۔ یہاں سے بھاگنا نہیں۔ لیکن خان خاناں کو گھر میں مہم پیش آئی۔ اول تو مدت سے بادشاہی لشکر سفر میں خانہ برباد پھرتا تھا۔ دوسرے بنگالہ کی بیماری اور مرطوب ہوا سے تنگ تھے۔ اس لئے سپاہی سے لیکر سردار تک سب گھبرا گئے۔ راجہ ٹورڈرمل نے ہر چند تسلی اور دلاسے کے منتر پھونکے۔ اور دلاوری کے نسخوں سے مردبھی بنایا۔ مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ خان خاناں کو سب حال لکھا اور کہلا بھیجا کہ تمہارے آئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اقبال شہنشاہی سے کام بن چکا ہے۔ لیکن کام چوروں کی بے ہمتی سے پھر مشکل ہو جائے گا۔ ان لوگوں سے کچھ امید نہیں۔ خان خاناں کے زخم ابھی ہرے تھے۔ سنگھاسن پر بیٹھ کر روانہ ہوا۔ سامنے جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ لالچ کے بھوکوں کو روپے اشرفی سے پرچایا۔ غیرت والوں کو اونچ نیچ دکھا کر سمجھایا۔ اور وہی اپنا الصلح خیر کا ختم شروع کیا۔ غنیم کو بھی بے سامانی اور سرگردانی نے تنگ کر دیا تھا۔ پیغام سلام دوڑنے لگے۔ کئی دن وکیلوں کی آمد و رفت اور گفتگوؤں کی ردوبدل ہوئی۔ یہاں بھی امرا کے ساتھ مشورے ہوتے رہے۔ اکثر امرا راضی تھے کہ جلد فیصلہ ہو اور صحیح سلامت گھروں کو پھریں۔ ہاں ٹوڈرمل نہ مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ غنیم کی جڑ اکھڑ گئی ہے۔ خرگوش کی طرح چاروں طرف بھاگا پھرتا ہے۔ اب اس کا پیچھا چھوڑنا نہ چاہئے۔ داؤد حیران کہ قلعہ داری کا سامان نہیں۔ میدان جنگ کی طاقت نہیں۔ بھاگنے کا رستہ نہیں۔ ساتھ ہی خبر آئی کہ جو فوج بادشاہی گھوڑا گھاٹ پر گئی تھی۔ وہ بھی فتح کر کے گھوڑوں پر سوار ہو گئی۔ اس خبر سے داؤد کی زرہ ڈھیلی ہوئی۔ ناچار جھکا، بڈھے سرداروں کو بھیجا۔ وہ خان خاناں اور امرائے بادشاہی کے پاس آئے۔ یہ خود ہی تیار بیٹھے تھے۔ پھر بھی تمام امرائے بادشاہی کو جمع کر کے جلسہ مشورۃ جمایا۔ سب نے اتفاق کیا۔ مگر راجہ ٹورڈرمل ناراض تھے۔ لیکن غلبہ رائے کا صلح پر تھا۔ راجہ نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر کثرت رائے کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ اور چند شرطوں پر صلح ٹھہری۔ داؤد ایسے اضطراب میں تھا کہ جو کچھ کہا گیا چارناچار قبول کیا اور احسان مند ہو کر قبول کیا۔

---

❶ مآثر الامرا میں کٹک اڑیسہ لکھا ہے۔

Marfat.com

داؤد میر اور خان خاناں میں صلح:

خان خاناں نے بڑے تو زک واحتشام سے جشن جمشیدی ترتیب دیا۔ لشکر کے باہر ایک بڑا اور بلند چبوترہ تیار کرا کر سراپردہ شاہانہ قائم کیا۔ بہت دور تک سڑک کی داغ بیل ڈالی۔ دونوں طرف صفیں باندھ کر بادشاہی فوجیں بڑے جاہ وتحمل سے کھڑی ہوئیں۔ اندر سراپردہ کے بہادر سپاہی خلعت زریں اور لباس فاخرہ پہنے۔ دائیں بائیں اور پس وپیش کھڑے۔ امرا اور سردار کمال جاہ وحشم سے اپنے اپنے رتبے پر قائم۔ دو امیر داؤد کو لینے گئے۔ اور وہ افغان بچہ۔ نوجوان رعنا اور صاحب جمال زیبا تھا۔ بڑی کروفر سے بزرگان افغان کو ساتھ لیکر آیا۔ اور اردوئے خان خاناں کے بیچ میں ہو کر دربار میں داخل ہوا۔ سپہ سالار کہن سال گرمجوشی کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آیا۔ مگر جس طرح بزرگ خوردوں سے۔ آدھی دور تک سراپردہ میں استقبال کیا۔ داؤد نے بیٹھتے ہی تلوار کمر سے کھول کر خان خاناں کے سامنے دھر دی اور کہا۔ چوں بمثل شما عزیزاں زخمے وآزارے رسد۔ من از سپاہ گری بیزارم۔ حالا داخل دعا گویان درگاہ شدم۔ خان خاناں نے تلوار اٹھا کر اپنے نوکر کو دیدی۔ اس کا ہاتھ پکڑ ا برابر تکئے سے لگا کر بٹھایا۔ بزرگانہ اور مشفقانہ طور سے مزاج پرسی اور باتیں کرنے لگا۔ دستر خوان آیا۔ انواع واقسام کے کھانے۔ رنگ رنگ کے شربت۔ مزے مزے کی مٹھائیاں چنی گئیں۔ خان خاناں خود ایک ایک چیز پر اس کی صلح کرتا تھا۔ میووں کی تشتریاں۔ اور مربوں کی پیالیاں آگے بڑھاتا تھا۔ نور چشم باباجان اور فرزند کہہ کر باتیں کرتا تھا۔ دستر خوان اٹھا۔ پان کھائے۔ میر منشی قلمدان لیکر حاضر ہوا۔ عہد نامہ لکھا گیا۔ خان خاناں نے خلعت گراں بہا اور شمشیر مرصع جس کے قبضہ اور ساز میں جواہرات گراں بہا جڑے ہوئے تھے خزانہ شاہی سے منگا کر دی۔ اور کہا حالا ما کمر شمارا بنوکری بادشاہ مے بندیم۔ اسے جس وقت تلوار باندھنے کو پیش کی۔ تو اس نے آگرہ کی طرف منہ کیا اور جھک جھک کر تسلیمیں وآداب بجالایا۔ خان خاناں نے کہا۔ شما طریقہ دولت خواہی اختیار کردہ اید۔ ایں شمشیر از جانب شہنشاہ بربندید۔ وولایت بنگالہ را چنانچہ التماس خواہم کرد۔ موافق آں فرمان عالیشان خواہد آمد۔ اس نے تلوار کا قبضہ آنکھوں سے لگایا اور بارگاہ خلافت کی طرف رخ کر کے سجدہ تسلیم کیا۔ یعنی نوکران حضور میں داخل ہوتا ہوں۔ غرض بہت سے تکلف بجالا کر اور بہت سے نفائس اور عجائب تحفے دیکر اور لیکر اسے رخصت کیا۔ اور یہ دربار بڑی گرمی اور شگفتگی سے برخاست ہوا۔

یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ۔ ایسا عالیشان دربار آراستہ ہوا اور وہی بات کا پورا ٹوڈرمل تھا کہ اس میں شامل نہ ہوا بلکہ صلح نامہ پر بھی مہر نہ کی۔ سپہ سالار اس مہم کو طے کر کے گور میں آیا۔ مصلحت

Marfat.com

اس میں یہ تھی۔ کہ گھوڑا گھاٹ جوان بھڑوں کا چھتہ تھا۔ وہ یہاں سے پاس ہے۔ بادشاہی چھاؤنی چھاتی پر دیکھ کر افغان خود دب جائیں گے۔ گور عہد قدیم میں دارالخلافہ تھا۔ اور اب بھی اپنی دلکشائی وسرسبزی سے آنکھوں میں کھبا ہوا ہے۔ اس کا نادر قلعہ اور بے نظیر عمارتیں گرتی چلی جاتی ہیں۔ سب نئی ہو کر اٹھ کھڑی ہوں گی۔

(ملا صاحب لکھتے ہیں) خان خاناں ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر عین برسات کے دنوں میں ٹانڈہ کو چھوڑ کر گور میں آیا۔ وہ بھی خوب جانتا تھا کہ ٹانڈہ کی آب و ہوا معتدل اور صحت بخش ہے۔ گور کی ہوا خراب۔ پانی بدبو اور کمزور ہے مگر ع

صیدراچوں اجل آید سوئے صیاد رود

علاقہ گور کو آباد کرنے کا خیال:

امرا نے بھی کہا مگر اس کے خیال میں نہ آیا۔ اور ارادہ یہ کہ گور کو نئے سرے سے آباد کیجئے۔ تمام امرا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ یہیں چلے آؤ۔ افسوس کہ گور آباد نہ ہوا۔ البتہ گوریں بہت سی آباد ہو گئیں۔ بہت سے امرا اور سپاہی کہ میدان مردی میں تلواریں مارتے تھے۔ بستر مرگ پر عورتوں کی طرح پڑے پڑے مر گئے ❶۔ عجیب عجیب مرض۔ انوکھی بیماریاں جن کے نام جاننے بھی مشکل ہیں۔ بیچاروں کے گلوگیر ہوئیں۔ فوج در فوج بندے خدا کے روز آپس میں رخصت ہوتے تھے اور جان دیتے تھے۔ ہزاروں کا لشکر گیا تھا۔ شاید سو آدمی جیتے گھر پھرے ہونگے۔ نوبت یہ ہوئی کہ زندے مردوں کے دفن سے عاجز ہو گئے۔ جو مرتا پانی میں بہا دیتے۔ ہر دم اور ہر ساعت خان خاناں کو خبریں پہنچتی تھیں۔ اس کی نازک مزاجی کے سبب سے کوئی کھلم کھلا جتا بھی نہ سکتا تھا کہ یہاں سے نکل جانا مصلحت ہے۔

منعم خاں کی وفات:

اتفاق یہ کہ اتنی مدت ایک وہی شخص تھا۔ کہ بیمار نہ ہوا۔ دفعتاً خبر لگی کہ جنید افغان نے صوبہ بہار میں بغاوت کی۔ انہیں بھی گور سے نکلنے کو بہانہ ملا۔ اور تو سب ادھر روانہ ہوئے۔ ٹانڈہ میں آکر (جس کی ہوا لوگ اچھی سمجھتے تھے) ان کی طبیعت علیل ہو گئی۔ دس دن بیمار رہے۔ گیارہویں دن روانہ ہو گئے۔ اسی برس سے زیادہ عمر تھی۔ ۹۸۳ھ میں موت کے فرشتہ نے پکارا۔ خدا جانے مالک کو جا کر

❶ حاجی محمد خان سیستانی۔ بیرمخانی۔ اور خان زمانی بڈھے۔ اشرف خاں میرمنشی قدیمی بھی انہی میں رخصت ہوئے۔

Marfat.com

حساب سمجھایا یا رضوان کو۔ وہ جاہ وجلال۔ عز وکمال۔ خواب تھا یا کہ خیال۔ وارث کوئی نہ تھا۔ برسوں کی جمع کی ہوئی کمائی کا بادشاہی خزانچیوں نے آ کر میزان مستوفی ملالیا۔ غالباً اس کی کفایت شعاری سے خفا ہو کر ملا صاحب نے یہ فقرے فرمائے ہیں۔ کچھ اور گناہ تو نہیں معلوم ہوتا۔ خیر یہ مرنے کے بعد اس غریب کو جو چاہیں سو فرمائیں۔ ان کی زبان اور قلم سے کون بچا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ آج سینکڑوں برس کی بات ہے۔ ہمارا قیاس آج ایک بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ اصلیت پر کیا پہنچ سکتا ہے۔

منعم خاں کے اخلاق وعادات:

اکثر معاملات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں رفاقت کا جوش بہت تھا۔ اور دل اس کا دوستوں کی دردمندی سے بہت جلد اثر پذیر ہوتا تھا۔

تمہیں یاد ہے۔ بیرم خاں کا حال۔ کہ لڑتے لڑتے دفعتاً اس کے خیالات خلوص عقیدت پر مائل ہوئے۔ اور اکبر کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے پیغام بھیجا۔ یہاں حریفوں نے اکبر کے دل میں پھر شک شبہے ڈالے۔ ادھر اسے بھی خطر تھا۔ گفتگو نے وکیلوں کی آمد ورفت میں طول کھینچا۔ ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ہنوز معرکہ جنگ بر پا بود وآمد ورفت وکیلاں بر جا کہ منعم خاں با معدودے بے تحاشا اور انجا رفت وخانخاناں را آورد۔ یہ اس کی صفائی دل کا جوش اور نیت کی نیکی تھی۔ ورنہ خان خاناں کا منصب اور خطاب بھی اسے مل چکا تھا۔ اس کے دل میں رقابت کے خیال اور منصب چھن جانے کا خطر پڑ جاتا تو عجب نہ تھا۔

علی قلی خاں کے معرکے یاد کرو۔ کس کس طرح اس کی معافی تقصیرات میں کوششیں کرتا رہا۔ اور بار بار کرتا رہا۔ پہلی ہی معافی پر ٹوڈرمل نے عرضی لکھی۔ کہ بہادر خاں بھائی خان زماں کا اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ بادشاہ نے عرضی سن کر کہا کہ منعم خاں کی خاطر سے ہم اس کی خطا معاف کر چکے ہیں۔ لکھ دو کہ فوجیں لئے چلے آئیں۔ خان زماں دوبارہ بگڑا اور منعم خاں سے ملتجی ہوا۔ اس نے دیکھا کہ اب میری عرض کی گنجائش نہیں۔ اسے بھی لکھا۔ اور شیخ عبدالنبی صدر۔ میر مرتضیٰ شریفی۔ ملا عبداللہ سلطان پوری کی وساطت سے پھر حضور میں عرض کی۔ آپ دست بستہ۔ آنکھیں بند۔ سر جھکائے کھڑا تھا۔ آخر گناہ معاف ہی کروایا۔ وہ جانتا تھا کہ بعض امرائے حسد پیشہ کی چالاکی نے ان دونوں بھائیوں کو بلائے ادبار میں گرفتار کیا ہے۔ یہ اور وہ پرانے جاں نثار سلطنت کے تھے۔ اس لئے بیچ میں بھی خاں زمان کو اکبر دربار کی ایسی باتوں کی خبریں اور تدارک کی اصلاحیں دیتا رہتا تھا۔ جس میں

Marfat.com

حریفوں کے صدمے سے بچ کر سعادت مندی کی راہ پر آجائے کہ نمک حرام نہ کہلائے، چغل خوروں نے عرض بھی کی کہ منعم خاں اس سے ملا ہوا ہے۔ وہ اپنی نیک نیتی سے ایک قدم بھی نہ ہٹا۔

تمہیں یاد ہوگا کہ۔ بیرم خاں کی مہم درپیش تھی۔ جو منعم خاں کابل سے بلایا ہوا آیا۔ اور لدھیانے کے مقام پر حاضر دربار ہوا۔ اس نے مقیم خاں کو بھی پیش کیا۔ کہ تردی بیگ کا بھانجا تھا۔ اور ایسے موقع پر اس کا پیش کرنا گویا منارہ ترقی پر اٹھا کر پھینک دینا تھا۔ وہ تو تردی بیگ کا بھانجا تھا۔ جب دربار میں رتبہ ہم زبانی حاصل ہوا اور شجاعت خاں خطاب ہو گیا۔ تو ایک دن دربار خلوت میں منعم خاں کو ایسے الفاظ کہے کہ تورہ ترکانہ اور دربار شاہانہ کے خلاف تھے۔ اکبر خفا ہوا۔ منعم خاں ان دنوں بنگالہ میں تھے۔ شجاعت خاں کو اس کے پاس بھجوا دیا۔ یعنی اس نے تمہارے حق میں یہ یہ کہا ہے۔ تم ہی اس سے سمجھ لو۔ آفرین ہے منعم خاں کے حوصلے کو کہ بڑی عزت اور توقیر سے پیش آیا۔ اس کی دلجوئی و خاطر داری کی اور لائق حال جاگیر اپنے پاس تجویز کر دی۔ وہ بھی بلند نظر امیر زادہ تھا۔ نہ رہنے کو راضی ہوا نہ جاگیر قبول کی۔ خان خاناں نے یہ بھی قبول کیا۔ حضور میں اس کی معافی کے لئے عرض داشت لکھی۔ اور سامان اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

انہیں احکام نجوم اور تاثیر شگون وغیرہ کا بھی خیال ضرور تھا۔ یاد کرو کابل میں جب ان کے بھائی بندوں کا فساد ہوا اور یہ یہاں سے گئے۔ قلعہ اٹک پر معرکہ ہوا۔ اس دن انہوں نے لڑائی کو روکنا چاہا۔ کہ منحوس ستارہ سامنے ہے۔ گوجر خاں کی لڑائی جس میں خود زخمی ہوئے۔ وہاں بھی جام میں یہی شربت تھا لطف یہ کہ دونوں جگہ پینا پڑا۔

جو کہ قسمت میں لکھا ہے جان ہو وے گا وہی پھر عبث کاہے کو طالع آزمائی کیجئے

اگرچہ ہمدردی اور رحم و کرم ان کے اصلی مصاحب تھے۔ مگر خواجہ جلال الدین محمود کے ساتھ کابل میں جو سلوک کیا۔ نہایت بدنما داغ اس کے دامن نیک نامی پر رہا۔

منعم خاں کا تعمیراتی شوق:

اضلاع مشرقی میں اس نے مسجدیں اور عالیشان عمارتیں اپنی عالی ہمتی کی یادگار چھوڑی ہیں۔ جونپور میں بھی کئی عمارتیں تھیں۔ مگر ۹۷۵ھ میں دریائے گومتی پر پل باندھا ہے۔ وہ اب تک جوں کا توں موجود ہے۔ تین سو برس گزر چکے زمانے کے صدمے اور دریا کے چڑھاؤ ایک کنکر کو جنبش نہیں دے سکتے۔ اس کی طرز عمارت اور تراش کی خوبیاں ہندوستان کی قدیمی تعمیروں کی شان و شکوہ بڑھاتی ہیں۔ اور سیاحان عالم سے داد لیتی ہیں۔ یہی پل ہے جسے لوگ کہتے ہیں۔ کہ ان کے غلام کا نام فہیم

Marfat.com

تھا۔اور پل مذکور بھی اسی فہیم غلام کے اہتمام سے بنا تھا۔بہر حال پل مذکور کی جانب مشرق حمام کے پاس ایک محراب پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

خان خاناں خان منعم اقتدار بستہ ایں پل را بہ توفیق کریم
نام او منعم از آں آمد کہ ہست برخلائق ہم کریم وہم رحیم
از صراط المستقیمش ظاہر است شاہ راہے سوئے جنات النعیم
رہ بتاریخش بری گر افگنی لفظ بدرا از صراط مستقیم

منعم خاں جس طرح آپ اپنے خاندان کے بانی تھے۔اسی طرح اپنی ذات پر خاتمہ کر گئے۔ اولاد میں فقط غنی خاں ایک بیٹا تھا۔مگر جیسا باپ لائق تھا۔ویسا ہی وہ ناخلف نالائق ہوا۔بالیاقت باپ اسے پاس بھی نہ رکھ سکا۔کابل کے مفسدے کے بعد چندروز خراب وخوار۔پھر دکن کو چلا گیا۔ وہاں ابراہیم عادل شاہ کی سرکار میں نوکر ہو گیا۔پھر خدا نے کیا ہو گیا۔دیکھو مآثر الامرا۔

زنان باردارا اے مرد ہشیار اگر وقت ولادت مار زایند
از آں بہتر بہ نزدیک خردمند کہ فرزندان ناہموار زایند

ملا صاحب کہتے ہیں۔کہ جونپور کے علاقے میں جھک مارتا پھرتا تھا۔اسی عالم میں زندگی کی رسوائی سے مخلصی پائی۔

بزرگان قدیم کی عمدہ یادگار:

بزرگان قدیم کی عمدہ یادگار مولوی عظیم اللہ صاحب رئمی ایک عاشق فضل وکمال غازی پور زمنیہ میں رئیس خاندانی ہیں۔ان کے والدین علوم وفنون خصوصاً شعروسخن کے شیفتہ وشیدا تھے۔اور اسی ذوق وشوق میں خصوصاً شیخ امام بخش ناسخ کی محبت کے سبب سے ہمیشہ گھر چھوڑ کر لکھنو جاتے تھے اور مہینوں وہیں رہتے تھے۔مولانا رئمی سلمہم اللہ کا پانچ برس کا سن تھا۔اسی عمر سے یہ والد کے ساتھ جایا کرتے تھے۔عالم طفولیت سے شیخ مرحوم کی خدمت میں رہے اور سالہا سال فیض حضوری سے بہرہ یاب ہوئے۔انہی سے شعرا کی اصلاح لی۔بلکہ رئمی تخلص بھی انہیں نے عنایت فرمایا۔کہ تاریخ تلمذ پر مشتمل ہے۔رئمی موصوف اردو فارسی میں صاحب تصنیفات ہیں۔اور نظم ونثر میں مجلدات ضخیم مرتب کی ہے۔چونکہ سرکار انگریزی میں بھی عمدہ اور با اعتبار عہدوں کا سرانجام کر کے پنشن پائی ہے۔اس لئے علاقہ مذکور میں تاریخی اور جغرافی حالات کی تحقیقات کامل رکھتے ہیں۔آب حیات کی برکت سے بندہ آزاد کو بھی ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔انہوں نے شفقت فرما کر ریاست قدیم اور

Marfat.com

واقفیت خاندانی کی معلومات سے جونپور اور غازی پور زمینہ کے بہت سے حالات عنایت کیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اکبر بادشاہ ۹۷۲ھ میں یہاں آئے۔ اور جس مقام پر پل مذکور ہے۔ یہیں کھڑے ہو کر تعمیر کی فرمائش فرمائی۔ خان خاناں نے معماروں کو بلا کر کہا۔ انہوں نے عرض کی یہاں پانی بہت گہرا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے۔ ابراہیم لودھی نے بھی ارادہ کیا تھا اس وقت یہاں سے آدھ کوس جانب مشرق بدیع منزل کے پاس جگہ تجویز ہوئی تھی۔ کہ گرمی میں وہاں پانی کم ہو جاتا ہے۔ خان خاناں نے کہا۔ بادشاہ نے اسی مقام کو پسند کیا ہے کہ قریب قلعہ ہے۔ بہتر ہے۔ کہ یہیں پل بنے۔ چنانچہ انہوں نے اول دکن کی جانب میں نہایت مستحکم اور عالیشان پانچ محراب کا ایک پل بنایا۔ اس کی تاریخ بھی کسی شخص نے کہی تھی۔ اگرچہ اب عبور زمانہ سے حروف مٹ گئے ہیں۔ مگر مولوی صاحب موصوف نے اسی نظر عنایت سے جو آزاد کے حال پر مبذول ہے۔ پڑھ کر سب نکالے۔ اور یہ قطعہ تحریر فرمایا۔

مقامے ساخت سلطان السلاطیں — سرشتہ آب دخاکش از مسرت
بعشرت کامراں بادا کہ آمد — دراو قبلہ ارباب حاجت
الٰہی تا قیامت باد معمور — ازیں بانی بنائے عمر و دولت
چواز پیر خرد تاریخ آں جست — حکیم پرخرد گفتا بہ عشرت

Marfat.com

خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش خان

ابتدائی حالات:

تمام تاریخیں اور تذکرے خان اعظم کی عظمت امیرانہ اور شجاعت رستمانہ اور لیاقت اور قابلیت کی تعریفوں سے مرصع ہیں۔ لیکن اس قسم کے حالات کم ہیں جن سے یہ نگینے اسکی انگوٹھی پر ٹھیک آجائیں۔ ہاں اکبر کے ہم سن تھے۔ ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے تھے۔ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی عنایتوں اور شفقتوں نے رتبے اور قدر و منزلت بہت بڑھائی تھی۔ بلکہ ان کی سپاہیانہ طبیعت اور بادشاہ کی ناز برداریوں نے لاڈلے بچوں کی طرح ضدی اور بدمزاج کر دیا تھا۔ خیر میں حالات لکھتا ہے۔ قارئین ان سے آپ ہی نتیجے نکال لیں گے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ ہیں نہایت دلکش اور دلچسپ ہیں۔

اس کے والد ❶ میر شمس الدین محمد خاں تھے۔ کہ اکبری عہد میں خان اعظم اور اتکہ خاں کہلاتے تھے۔

اکبر کا دودھ شریک بھائی:

اکبر ابھی پیدا نہ ہوا تھا جو بادشاہ بیگم نے میرزا عزیز کی ماں سے کہہ دیا تھا۔ کہ میرے ہاں لڑکا ہوگا۔ تو اسے تم دودھ ❷ پلانا۔ اکبر پیدا ہوا۔ ان کے ہاں ابھی بچہ پیدا نہ ہوا تھا۔ اس عرصہ میں اور بیبیاں اور بعض خواصیں دودھ پلاتی رہیں۔ پھر ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے دودھ پلایا اور زیادہ تر انہی نے یہ خدمت ادا کی۔ جب ہمایوں ہندوستان سے بالکل مایوس ہوا۔ اور راہ قندھار سے ایران کو روانہ ہوا۔ تو ان میاں بیوی کو اکبر کے پاس چھوڑ گیا۔ خدا کے آسرے پر دونوں دکھ بھرتے رہے یہاں تک کہ ہمایوں وہاں سے پھر کر آیا۔ کابل کو فتح کیا اور اکبر کے اقبال کے ساتھ انکا ستارہ بھی نحوست سے نکلا۔ اکبر ان کے سبب سے ان کے سارے خاندان کی رعایت بدرجہ غایت کرتا تھا۔ اور عزت کے مدارج پر جگہ دیتا تھا۔ یہ بھی ہمیشہ خطرناک موقع پر جان نثاری کا قدم آگے رکھتے تھے۔

❶ دیکھو تتمہ میں ❷ دیکھو تتمہ کے حالات

Marfat.com

اکبر خان اعظم کی ماں کو جی جی کہتا تھا اور بڑا ادب بلکہ ماں سے زیادہ خاطر کرتا تھا۔ (حالات آئندہ سے واضح ہوگا)

خان اعظم کا خطاب:

۹۶۹ھ میں خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ شہید ہوئے تو اکبر نے مرزا عزیز کی کہ چھوٹے بیٹھے تھے۔ بہت دلداری کی۔ اور تمام خاندان کو تسلی دی۔ چند روز کے بعد خان اعظم خطاب دیا۔ مگر ہمیشہ پیار سے مرزا عزیز اور مرزا کوکہ کہتا تھا۔ ہر وقت مصاحبت میں رہتے تھے۔ جب ہاتھی پر سوار ہوتے تھے تو اکثر انہی کو خواصی میں بٹھاتے تھے۔ ان کی گستاخی اور بے اعتدالی کو بھائی بیٹوں کا ناز سمجھتے تھے خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اس پر غصہ آتا ہے۔ تو دیکھتا ہوں۔ کہ میرے اور اس کے بیچ میں دودھ کا دریا بہہ رہا ہے۔ میں چپ رہ جاتا ہوں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر میرزا عزیز مجھے پر تلوار بھی کھینچ کر آئے تو جب تک یہ وار نہ کرلے۔ میرا ہاتھ اس پر نہ اٹھے گا۔ خان اعظم کو بھی اس بات کا بڑا ناز تھا کہ ہم اکبر بادشاہ کے عزیز بلکہ بھائی ہیں۔ اخبار قربت ان کے اس قدر دور دور پہنچے تھے کہ ۹۷۸ھ میں جو عبداللہ خاں ازبک کی طرف سے سفارت آئی اس میں تحائف سلطنت کے ساتھ ان کے اور منعم خان خان خاناں کے نام علیحدہ علیحدہ تحائف آئے۔ آزاد۔ باوجود ان محبتوں کے نہ سمجھتا کہ اکبر کسی کے حال سے غافل تھا۔ جب محمد حکیم مرزا کابل سے بغاوت کر کے آیا تھا۔ اور بعد اس کے ۹۷۴ھ میں چتوڑ کی مہم میں اسے خبریں پہنچی تھیں کہ اتکہ خیل یک رخ نہیں۔ اور یہ آئین سلطنت تھا کہ جب ایک حاکم مدت تک ایک مقام پر رہتا ہے تو اسکی جاگیر تبدیل کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۹۷۵ھ میں تمام اتکہ خیل کو پنجاب سے بلالیا۔ پنجاب حسین قلی خاں کو مل گیا۔ مرزا عزیز ہمیشہ حضور میں رہتے تھے۔ اس لئے دیپالپور ان کی جاگیر میں بدستور رہا۔ اوروں کو چند روز کے بعد سنبھل۔ قنوج وغیرہ کے علاقے مل گئے۔

دیپالپور کی جاگیر:

دیپالپور کا علاقہ خاص انکی جاگیر تھا۔ ۹۷۸ھ میں بادشاہ پاک پٹن سے زیارت کر کے ادھر آئے انہوں نے عرض کی۔ کہ لشکر شاہی مدت سے برابر تکلیف سفر اٹھا رہا ہے۔ چند روز حضور یہاں آرام فرمائیں بادشاہ نے کئی مقام کئے۔ اور مع شہزادوں اور امرائے دربار ان کے گھر گئے۔ خان اعظم نے ضیافتوں اور مہمانداریوں میں بڑی عالی ہمتی دکھائی۔ رخصت کے دن گرانبہا نذرانے پیشکش گزرانے۔ عربی اور ایرانی گھوڑے جن پر سونے روپے کے زین۔ کوہ پیکر ہاتھی، نقرئی اور

Marfat.com

طلائی زنجیریں سونڈھوں میں جھلاتے۔ مخمل زربفت کی جھولیں، سونے چاندی کے آنکس۔ موتی، جواہرات گراں بہا سے مرصع کرسیاں، پلنگ، سونے چاندی کی چوکیاں، سینکڑوں باسن طلائی ونقرئی، جواہرات قیمتی بڑے عجائب اجناس ملک فرنگ، روم، خطا، یزد کے نفائس تحائف خارج از حد وقیاس حاضر کئے۔ شہزادوں اور بیگماتوں کو لباس اور زیور ہائے گراں مایہ پیش کئے۔ تمام ارکان دولت اور اراکین سلطنت۔ کل ارباب منصب، اہل فضل، اہل کمال جو ملازم رکاب تھے۔ بلکہ تمام لشکر کو خوان انعام سے فیض پہنچائے اور سخاوت کے دریا میں پانی کی جگہ دودھ کے طوفان اٹھائے۔ اس کے نمک خوار مظفر حسین کو دیکھنا۔ کیا مزے کی تاریخ کہی ہے ۔

مہمان عزیز اند شہ وشہزادہ۔

آزاد۔ ہاں۔ بادشاہ کا دودھ بھائی ایسا ہی دریا دل ہونا چاہئے۔ ملا صاحب نے اس ضیافت میں فقط اتنا لکھا ہے۔ "ایسی ضیافت کی کہ کم کسی نے کی ہوگی۔" خود سمجھ لو کہ اتنا ہی کچھ کیا ہوگا۔ جو حضرت کا قلم اتار سا ہے۔ آزاد۔ اکبر اگرچہ ناخواندہ بادشاہ تھا۔ مگر ملک داری اور ملک گیری کے علم میں ماہر کامل تھا۔ وہ اپنے امیرزادوں کو اس طرح حکمرانی کشورستانی کی تعلیم کرتا تھا۔ جیسے کوئی کامل مولوی اپنے شاگردوں کو کتاب کے سبق یاد کرواتا ہے۔ ان میں ٹوڈرمل، خان خاناں، مان سنگھ، خان اعظم با استعداد شاگرد نکلے۔

صوبہ گجرات کی جاگیر:

۹۷۹ھ میں جو صوبہ گجرات فتح کیا تھا۔ انہیں جاگیر میں عنایت ہوا کہ انتظام کرد۔ لیکن اکبر تو ادھر آیا۔ وہاں محمد حسین مرزا اور شاہ مرزا نے فولاد خاں دکنی اور سرشور افغانوں وغیرہ سے موافقت کر کے لشکر فراہم کیا اور مقام پٹن پر آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے۔ کہ حسین مرزا کی جرات وشجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ کے معرکوں میں دلاوران زمانہ کے حوصلے سے بڑھ کر قدم مارتا تھا۔ خان اعظم نے امرائے شاہی کو اطراف سے جمع کیا۔ بعض امرائے اکبری جو حسب الحکم اپنی خدمتوں پر جاتے تھے خود دوڑ کر آئے اور شامل ہوئے۔ غرض لشکر آراستہ ہو کر باہر نکلا۔ غنیم بھی ادھر سے اپنی جمعیت سنبھال کر آگے بڑھا۔ جب پلہ جنگ پر پہنچے۔ تو طرفین نے اپنے اپنے لشکروں کے پرے باندھ کر بازی شطرنج کی طرح ایک دوسرے کو قوی پشت کیا۔ اتنے میں خبر لگی۔ کہ غنیم کا ارادہ ہے پیچھے سے حملہ کرے۔ انہوں نے چند امرا کو الگ کر کے فوج دی۔ اور اس کے بندوبست سے خاطر جمع کی۔

Marfat.com

جب خان اعظم نے میدان میں آ کر فوج کو قائم کیا۔ تو غنیم نے لشکر شاہی کی جمعیت اور سرداروں کا بندوبست دیکھ کر لڑائی کو ٹالنا چاہا اور صلح کا پیغام دیکر ایک سردار کو بھیجا۔ امرائے شاہی صلح پر راضی ہو گئے۔ مگر ایک امیر گھوڑا مار کر خان اعظم کے پاس پہنچا اور کہا کہ زنہار صلح منظور نہ فرمایئے کہ دغا ہے۔ جب آپ کی فوجیں اپنے اپنے مقاموں پر چلی جائینگی۔ یہ پھر سر اٹھائیں گے۔ خان اعظم نے اسکی دور اندیشی پر تحسین کی۔ اور غنیم کو جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ صلح منظور ہے۔ لیکن تمہاری نیت صاف ہے تو پیچھے ہٹ جاؤ کہ ہم تمہارے مقام پر آن اتریں۔ انہوں نے یہ بات نہ مانی۔

خان اعظم نے فوج کو آگے بڑھایا۔ غنیم کی دائیں فوج نے بائیں پر حملہ کیا۔ اور اس کڑک دمک سے آیا کہ خان کی فوج کا بازو اکھڑ گیا۔ قطب الدین قدیم الخدمت سردار تھا۔ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہیں گڑ کر کھڑا ہو گیا۔ آفرین ہے ہمت مردانہ پر کہ جب غنیم کے ہاتھی نے حملہ کیا۔ تو بڑھ کر اسکی مستک پر ایک ایسا ہاتھ تلوار کا مارا کہ مستک کا پیٹ کھول دیا۔ تعجب یہ کہ فوج ہراول پر زور پڑا۔ تو وہ بھی مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی۔ اور آگے کی فوج بھی درہم برہم ہو کر پیچھے ہٹی۔ بھاگنے والے بھاگتے بھی تھے۔ لڑتے بھی تھے۔ حریف ان کے پیچھے گھوڑے مارے چلے جاتے تھے۔

خان اعظم قلب کو لئے کھڑا تھا۔ اور تقدیر الٰہی کا منتظر تھا۔ اتنے میں پانسو سوار کا پرا اس پر بھی آیا مگر ٹکر کھا کر پیچھے ہٹا۔ غنیم نے جب دیکھا کہ میدان ہمارے ہاتھ رہا۔ اور دائیں میں اتنی طاقت نہیں کہ بائیں کی مدد کو آئے۔ بادشاہی سردار دور سے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ تو وہ مطمئن ہو کر ٹھیرا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس عرصہ میں فوج اس کی لوٹ پر گر پڑی۔ لیکن بائیں فوج میں قطب الدین خاں پر سخت بنی ہوئی تھی۔ خان اعظم اپنی فوج کو لیکر ادھر پہنچا اور اس کے بہادر گھوڑے اٹھا کر باز کی طرح جا پڑے۔ غنیم کی فوج ادھر سے تتر بتر ہو گئی۔ کیونکہ اور فوجوں کے لوگ کچھ تو بھاگتوں کے پیچھے بھاگے جاتے تھے۔ کچھ لوٹ پر گرے ہوئے تھے۔ سرداروں سے نہ ہو سکا کہ پھیلاؤ کو پھر سمیٹ لیں۔ یہ اقبال اکبری کا طلسمات تھا۔ کہ شکست سے فتح ہو گئی اور بگڑی ہوئی بات بن گئی۔ خان اعظم اپنی فوج لیکر ایک بلندی پر آن کھڑا ہوا۔

اتنے میں غل ہوا کہ مرزا پھر ادھر پلٹے۔ خان اعظم کی فوج بھی سنبھل کر کھڑی ہوئی۔ غنیم سے اول غلطی یہ ہوئی کہ اس نے بھاگتوں کا پیچھا کیا۔ جیسا پہلے حملے میں کامیاب ہوا تھا۔ ساتھ ہی خان اعظم پر آتا۔ تو میدان مار لیا تھا۔ یا جس طرح بائیں اٹھا کر گیا تھا۔ اسی طرح سیدھا شہر گجرات میں جا داخل ہوتا تو خان اعظم کو اور بھی مشکل ہوتی۔

اب جو دوبارہ اس کے غبار لشکر نے نشان دکھایا تو ادھر سب سنبھل گئے تھے۔ کچھ بھاگے ہوئے

Marfat.com

پل کر پھرے تھے۔ وہ بھی آن ملے۔ ایک امیر نے کہا۔ کہ بس یہی موقع حملہ کا ہے۔ خان اعظم چاہتا تھا کہ باگ اٹھائے۔ جو ایک سردار نے کہا۔ اتنے امیر موجود ہیں۔ سپہ سالار کو حملہ پر جانا کہاں کا آئین ہے۔ ابھی حملہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ کہ معلوم ہوا غنیم خود ہی ہٹا۔ اور فوج اسکی گھونگھٹ کھا کر میدان سے نکل گئی۔ دشمن کی فوج میں ایک مست ہاتھی تھا۔ کہ اس کا فیلبان تیر قضا کا شکار ہوا تھا۔ وہ شتر بے مہار اپنے بیگانہ سب کو روندتا اور کھندلتا پھرتا تھا۔ جدھر نقارہ کی آواز سنتا ادھر ہی دوڑتا۔ لشکر بادشاہی میں جو فتح کے نقارے جابجا بجنے لگے۔ وہ بولا ہو گیا۔ خان اعظم نے حکم بھیج کر نقارے موقوف کر دیئے اور دیوانہ دیو کو گھیر کر گرفتار کر لیا۔

خان اعظم فتح کے نشان لہراتا گجرات میں داخل ہوا۔ مگر غنیم کا پیچھا چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر فوج لیکر چلا۔ جب یہ خبر دربار میں پہنچی اکبر کو بڑی خوشی ہوئی۔ ایک امیر کے ہاتھ آفرین کا فرمان بھیج کر انہیں بلا بھیجا یہ سن کر پھولے نہ سمائے۔ اور مارے خوشی کے بے سروپا دربار کی طرف دوڑے۔

۹۸۰ھ میں بے ڈھب مصیبت کے پھندے میں پڑ گئے تھے۔ اگر اکبر کی تلوار اور ہمت کی پھرتی مدد نہ کرتی۔ تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ خان اعظم گجرات میں بیٹھے تھے۔ کبھی شاہانہ حکومت کے۔ کبھی امیرانہ سخاوت کے مزے لیتے تھے کہ وہی محمد حسین مرزا اختیار الملک دکنی کے ساتھ مل گیا۔ دکن کے کئی سردار اور بھی آن ملے۔ اور تمام احمد نگر وغیرہ کی اطراف پر پھیل گئے۔ انجام یہ ہوا کہ خان اعظم بھاگ کر احمد آباد میں گھس بیٹھے اور اسی کو غنیمت سمجھا کہ شہر تو ہاتھ میں ہے۔ غنیم ۱۴ ہزار لشکر جمع کر کے گجرات پر آیا اور خان اعظم کو ایسا محاصرہ میں دبوچ لیا کہ تڑپ نہ سکے۔

ایک دن فاضل خاں فوج لیکر خانپور دروازے سے نکلے اور لڑنے لگے۔ غنیم ایسے امنڈ کر آئے۔ کہ سب کو سمیٹ کر قلعہ میں گھسیڑ دیا۔ فاضل خاں سخت زخمی ہوئے اور غنیمت سمجھو کہ جان لے کر بھاگے۔ سلطان خواجہ گھوڑے سے گر کر خندق میں جا پڑے۔ فصیل پر سے رسا ڈالا۔ ٹوکرا لٹکایا۔ جب نکلے۔ سب کے جی چھوٹ گئے اور کہہ دیا کہ اس غنیم کا مقابلہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ عرضیاں اور خطوط دوڑانے شروع کئے۔ یہی عرائض کی تحریر تھی اور یہی پیام کی تقریر کہ اگر حضور تشریف لائیں تو جانیں بچیں گی۔ ورنہ کام تمام ہے۔ محل میں جی جی آتی تھی۔ اور روتی تھی۔ کہ واری میرے بچے کو جا کر لے آؤ۔ اکبر عمدہ عمدہ سرداروں اور سپاہیوں کو لیکر سوار ہوا۔ اور اس طرح گیا کہ ۲۷ دن کا رستہ ۷ دن میں لپیٹ کر ساتویں دن گجرات سے تین کوس پر دم لیا۔ فیضی نے جو سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھنا چاہا تھا۔ اس میں اس معرکہ کا خوب سماں بندھا ہے ؎

یک ہفتہ تا احمد آباد رفت تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت

Marfat.com

یلاں برشتر ترکش اندر کمر شتر چوں شتر مرغ درزیر بر

لڑائی کا بیان ہفت خوان رستم کی داستان ہے۔ اکبر کے حال میں دیکھ لو۔

علاء الدولہ نے تذکرہ میں لکھا ہے۔ کہ جب اکبر نے گجرات فتح کی تو شاہزادہ سلیم کی وکالت اور نیابت کے ساتھ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کا علوفہ کر کے دار الملک احمد آباد سے پایہ تخت گجرات میں ممتاز کیا۔ اس دن ایک تقریب خاص کے سبب سے میں بھی حاضر تھا اور میں مرزا کا ملازم بھی تھا۔ شب برات کی ۱۵ تاریخ تھی۔ میں نے اسی وقت تاریخ کہی۔

گفتا کہ بہ شب برات دادند بدو

دوسرے سال فتوحات بنگالہ کے شکرانے میں بادشاہ فتح پور سے اجمیر گئے۔ دو بڑے بڑے نقارے جو لوٹ میں آئے تھے۔ وہاں نذر چڑھائے۔ خان اعظم پہلے سے اشتیاق حضوری میں عرضیاں دوڑا رہے تھے یلغار کر کے احمد آباد سے پہنچے۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ اٹھے اور چند قدم بڑھ کر گلے لگایا۔

۹۸۲ھ میں مرزا سلیمان کی آمد آمد تھی۔ اور ضیافت کے وہ سامان ہو رہے تھے۔ کہ جس سے جشن جمشید کی شان شکوہ گرد تھی۔ انہیں حکم پہنچا کہ تم بھی حاضر دربار ہونا کہ زمرہ امرا میں پیش ہو۔ خان اعظم ڈاک بٹھا کر فتح پور میں حاضر ہوئے۔

مقامی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنا:

اکبر ہندوستان کے لوگوں کو عمدہ عہدے اور با اعتبار خدمتیں بہت دینے لگا تھا اور اس کے کئی سبب تھے۔ کچھ تو اس لئے کہ اس کے باپ اور دادا نے ہمیشہ بخارا اور سمر قند کے لوگوں سے خطا پائی تھی۔ اور اس سے بھی اکثر ترکوں نے بغاوت کی تھی۔ کچھ اس سبب سے کہ یہاں کے لوگ صاحب علم۔ بالیاقت بدتدبیر اپنے ملک کے حال سے باخبر ہوتے تھے۔ اور اطاعت بھی صدق دل سے کرتے تھے۔ کچھ اس سبب سے کہ ان کا ملک تھا۔ اس لئے اس سے فائدہ اٹھانا بھی پہلے ان کا حق تھا۔ بہرحال ترک اس بات سے جلتے تھے۔ اور اکثر طرح طرح سے بدنام کرتے۔ کبھی کہتے تھے بد مذہب ہو گیا۔ کبھی یہی کہتے تھے کہ بزرگوں کے خدمتگاروں اور حق داروں کے حق بھول گیا۔ اس موقع پر کہ مرزا سلیمان آنے والا تھا۔ بادشاہ بدتدبیر نے اس سے یہ بات دکھانی مصلحت سمجھی کہ دیکھو جو لوگ باوفا اور جان نثار ہیں۔ میں ان کو اور ان کی اولاد کو کتنا بڑھاتا ہوں۔ اور کس قدر عزیز رکھتا ہوں۔ اور مرزا عزیز کو دیکھئے۔ کس رتبہ عالی پر پہنچایا ہے۔ کہ میری انکہ کا لڑکا ہے۔ اور اس کے علاوہ

Marfat.com

بھی بہت سے قدیم الخدمت اور کہنہ عمل اہل سیف واہل قلم موجود تھے انہیں پیش کیا۔

داغ کا آئین جاری کرنا:

انہی دنوں میں داغ کا آئین جاری ہوا تھا۔ امرا کو یہ قانون ناگوار تھا۔ بادشاہ نے مرزا عزیز کو اپنا سمجھ کر فرمایا۔ کہ پہلے خان اعظم اپنے لشکر کی موجودات دیگا۔ ہٹیلے نواب کی آنکھوں پر ان دنوں جوش جوانی نے پردہ ڈالا تھا۔ ایک میاں باؤلے اوپر سے پی بھنگ۔ ہمیشہ کے لاڈلے تھے۔ یہ اپنی ہٹ پر آکر اڑ گئے اور نئے قانون کی قباحتیں صاف صاف کہنی شروع کیں۔ بادشاہ نے کچھ فہمائش کی۔ اور ارکان دولت نے تائید میں تقریریں کیں۔ یہ جواب میں کس سے رکتے تھے۔ بادشاہ نے تنگ آکر کہا۔ کہ ہمارے سامنے نہ آؤ۔ کئی دن کے بعد آگرہ بھیج دیا۔ کہ اپنے باغ میں رہیں اور آمد و رفت کا دروازہ بند۔ نہ یہ کہیں جائیں۔ نہ کوئی ان کے پاس آئے۔ باغ مذکور کا نام باغ جہاں آرا تھا۔ کہ خود ذوق و شوق کی نہروں سے سرسبز کیا تھا۔

۹۸۳ھ میں بادشاہ کو خود خیال آیا۔ اور تقصیر معاف کر کے پھر صوبہ گجرات پر رخصت کرنا چاہا۔ یہ تو پورے ضدی تھے۔ نہ مانا۔ بادشاہ نے پھر کہلا بھیجا کہ وہ ملک سلاطین عالی جاہ کا تخت گاہ ہے۔ اس نعمت اور حضور کی عنایت کا شکرانہ بجالاؤ اور جاؤ۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ کہ میں نے سپاہی گری چھوڑ دی۔ میرا نام اہل دعا کے لشکر میں رہنے دیجئے۔ قطب الدین خاں ان کے حقیقی چچا کو بھیجا۔ کہن سال بڈھے نے بہت سے نشیب و فراز دکھلا کر سمجھایا۔ ماں نے بھی کہا۔ جھنجھلائی اور خفا بھی ہوئی۔ مگر یہ کس کی سنتے تھے۔ ادھر مرزا خاں کی قسمت زور کر رہی تھی اور خان خاناں ہونا تھا۔ بادشاہ نے اسے بھیج دیا۔ وہ شکرانے بجالایا اور سجدے کرتا ہوا روانہ ہوا۔ ان کی خطا تو ہر وقت معاف تھی۔ مگر یہ کھو ۹۸۶ھ میں انہوں نے بھی معافی خطا کو منظور کیا۔

۹۸۷ھ میں مرزا پر سے بڑی کل بل ٹلی۔ بادشاہ خلوت میں تھے۔ دفعتہً دولت خانہ اقبال سے غوغای عظیم کی آوازیں بلند ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ مرزا کوکہ زخمی ہوئے۔ حقیقت حال یہ تھی کہ بھوپت چوہان اٹاوہ کا راجہ باغی ہو کر ملک بنگالہ میں چلا گیا تھا۔ بنگالہ تسخیر ہو گیا تو وہ پھر اپنے علاقہ میں آیا اور رعیت کو پرچانے اور چوروں رہزنوں کو دبانے لگا۔ حکام بادشاہی نے اسے دبایا اور دربار میں عرضی کی۔ حکم ہوا کہ ملک مذکور مرزا کی جاگیر ہے۔ یہ جا کر اس کا بندوبست کریں۔ وہ بھاگ کر راجہ ٹوڈرمل اور بیربر کے پاس آیا اور جرم بخشی کا رستہ نکالا۔ مرزا کو یہ حال معلوم ہوا۔ حضور میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ شیخ ابراہیم، شیخ سلیم چشتی کے خلیفہ اسے بلائیں اور حال دریافت کریں۔ وہ ظاہر میں بندگی اور دل

Marfat.com

سے مرزا کی گھات میں تھا۔ راجپوتوں کی جمعیت سے لشکر میں آیا اور شیخ سے کہا۔ کہ مرزا مجھے اپنی پناہ میں لیں اور جرم بخشی کا ذمہ لیکر حضور میں لے چلیں۔ ورنہ میں اپنی جان کھو دونگا۔ شیخ اسے اور مرزا کو لیکر حضور میں حاضر ہوئے۔ آئین تھا کہ بارگاہ میں بے اجازت کسی کو ہتھیار بند نہ آنے دیتے تھے۔ اس کی کمر میں جمدھر تھا۔ ایک پہرہ والے نے جمدھر پر ہاتھ رکھا۔ وہ بدگمان ہوا۔ اور جھٹ جمدھر کھینچ لیا۔ مرزا نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے انہیں زخمی کیا۔ پالکی میں پڑ کر گھر گئے۔ دوسرے دن حضور نے جا کر آنسو پونچھے اور دم دلاسوں کی مرہم پٹی چڑھائی۔

۹۸۸ھ میں پھر نحوست آئی۔ اسکی کہانی بھی سننے کے قابل ہے۔ ان کا دیوان کچھ روپیہ کھا گیا تھا۔ انہوں نے اسے طالب اپنے غلام کے سپرد کیا۔ کہ روپیہ وصول کرے۔ اس نے دیوان جی کو باندھ کر لٹکا دیا۔ چوبکاری شروع کر دی اور ایسا مارا کہ مار ہی ڈالا۔ دیوان کا باپ روتا پیٹتا حضور میں حاضر ہوا۔ بڈھے کی حالت دیکھ کر بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ قاضی لشکر کو حکم ہوا کہ تحقیقات کرے۔ خان اعظم نے کہا کہ غلام کو میں نے سزا دیدی۔ میرا مقدمہ حضور قاضی کے ہاتھ میں نہ ڈالیں۔ اس میں میری بے عزتی ہے۔ بادشاہ نے یہ عرض منظور نہ کی۔ یہ خفا ہو کر پھر گھر جا بیٹھے۔ کئی مہینے کے بعد بادشاہ نے خطا معاف کی۔

۹۸۸ھ میں بنگالہ میں فساد ہوا۔ مظفر خاں سپہ سالار مارا گیا تو ان کی پنج ہزاری منصب عنایت کی۔ ابھی تک خان اعظم ان کے باپ کا خطاب بھی امانت رکھا تھا۔ وہ عنایت فرما کر راجہ ٹوڈرمل کی جگہ بنگالہ کی مہم پر سپہ سالار کر دیا۔ کئی امیر کہنہ عمل سپاہی اور پرانے تیغ زن فوجوں سمیت ساتھ کئے۔ انہیں بھی بھاری بھاری خلعت اور عمدہ گھوڑے دیکر اعزاز بڑھایا۔ مشرقی امرا کے نام پر فرمان جاری ہوئے۔ کہ یہ آتے ہیں۔ سب ان کی اطاعت کرنا اور حکم سے باہر نہ ہونا۔

بادشاہی امراء اور افغان:

منعم خاں خان خاناں اور حسین قلی خاں خانجہاں اس ملک میں برسوں تک رہے۔ تلواروں نے خون اور تدبیروں نے پسینے بہائے۔ مگر ملک مذکور کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک طرف تو افغان جو اپنا ملک سمجھتے تھے جا بجا فساد کرتے تھے۔ دوسری طرف بادشاہی امرا جو نمک حرام ہو رہے تھے۔ وہ کبھی آپ بھی افغانوں کے ساتھ مل کر مار دھاڑ کرتے پھرتے تھے۔ خان اعظم فوجیں بھیج کر ان کا بندوبست کرتے تھے۔ ان پر بس نہ چلتا تھا۔ امرائے ہمراہی پر خفا ہوتے تھے۔ بہت غصے ہوتے تو ایک چھاؤنی چھوڑ دوسری چھاؤنی میں چلے جاتے تھے۔ امرا بہت چاہتے تھے کہ انہیں خوش رکھیں۔ مگر

Marfat.com

وہ خوش ہی نہ ہوتے تھے۔ٹوڈرمل بھی ساتھ تھے۔کمر باندھے پھرتے تھے۔کبھی ادھر۔کبھی ادھر۔ ایک برس سے زیادہ یہ دو برس تک ادھر رہے۔اور رات دن انہیں میں غلطاں و پیچاں پڑے رہے۔ امارت بھی خرچ کی۔روپیہ دیکر بھی باغیوں کو پرچایا۔پر اس ملک کے معاملے ایسے نہ تھے۔کہ پاک وصاف ہو جائیں۔۹۹۰ھ میں جب بادشاہ کابل کی مہم فتح کر کے فتح پور میں آئے۔تو ۹۹۱ھ کے جشن میں آکر شامل دربار ہوئے۔اور وہاں بغاوت ہوگئی۔اور بنگالہ سے لیکر حاجی پور تک باغیوں نے لے لیا۔ خان اعظم مہم بنگالہ کے لئے دوبارہ خلعت اور فوج لیکر روانہ ہوئے۔ اور اس کا بندوبست کیا۔۹۹۲ھ میں عرضی کی کہ اسکی ہوا مجھے موافق نہیں۔چند روز اور رہا تو زندگی میں شبہ ہے۔ بادشاہ نے بلا لیا۔

اکبر کا دل مدت سے دکن کی ہوا میں لہرا رہا تھا۔۹۹۳ھ میں ادھر کے اضلاع سے ملک مذکور میں فتنہ وفساد کی خبریں آئیں۔میر مرتضیٰ اور خداوند خاں امرائے دکن برار سے احمد نگر پر چڑھ گئے۔کہ نظام الملک کا پایہ تخت تھا۔وہاں سے شکست کھا کر راجہ علی خاں حاکم خاندیس کے پاس آئے۔کہ اکبر کے پاس جاتے ہیں۔مرتضیٰ نظام شاہ نے راجہ علی خاں کے پاس آدمی بھیجے۔کہ انہیں فہمائش کر کے روک لو۔وہ روانہ ہو گئے تھے۔اس لئے آدمی بھیجے کہ خوانین کو روکیں۔وہ نہ رکے اور نوبت تلوار وتفنگ کی پہنچی۔انجام یہ کہ انہیں لوٹ کھسوٹ کر ذخیرہ وافر جمع کیا اور وہ آگرہ پہنچے۔

راجہ علی خاں کی دوراندیشی:

راجہ علی خاں بڑا دوراندیش اور صاحب حکمت تھا۔خیال ہوا کہ بہادر اکبر کو یہ امر ناگوار گزرا ہو۔وہ جانتا تھا کہ اکبر ہاتھی کا عاشق ہے ۱۵۰ ہاتھی بیٹے کے ہاتھ روانہ دربار کئے۔بزم نوروزی میں اس نے اور بہت سے نفائس اور اسباب واجناس پیشکش گزرانے۔ساتھ ہی تسخیر دکن کے رستے دکھائے۔خان خاناں تو احمد آباد میں پہلے ہی سے موجود تھے۔تمام امرا اور سرداروں کے نام فرمان جاری ہوئے۔چند امرا کو ادھر روانہ کیا۔اور خان اعظم کو فرزندی کا خطاب اور سپہ سالار قرار دیکر حکم دیا کہ برار لیتے ہوئے احمد نگر کو جا مارو۔انہوں نے ہنڈیا میں جا کر مقام کیا۔اور فوج بھیج کر سانول گڑھ پر قبضہ کیا۔ناہر راؤ اطاعت میں حاضر ہوا۔اور راجہ بھی کمر بستہ خدمت میں حاضر ہونے لگے۔اور ملک گیری کا ہنگامہ گرم ہوا۔بادشاہ نے ملک مالوہ کے عمدہ عمدہ مقام پیارے کوکہ کی جاگیر کر دیئے۔ جب امراء کو ان کی ہمراہی کے فرمان پہنچے تو سب فراہم ہوئے۔تقدیر کے اتفاق سے نا اتفاقی کی آندھی اٹھی اور اندھیرا پھیلنا شروع ہوا۔سپہ سالار پر بدگمانی غالب آئی۔اور ایسا گھبرایا کہ انتظام کا

Marfat.com

رشتہ تباہ ہو گیا۔

ماہم بیگم کی نشانی:

ماہم بیگم کی نشانی شہاب الدین احمد خاں موجود تھے۔ ان کی صورت دیکھ کر باپ کا خون آنکھوں میں اتر آیا۔ خان اعظم اکثر صحبتوں میں اس بڈھے کہن سال کو ذلیل کرنے لگے۔ شاہ فتح اللہ شیرازی کو بادشاہ نے اصلاح وتدبیر کے لئے ساتھ کر دیا تھا۔ کہ یہ ادھر کے ملک اور ملک داروں سے واقف تھے۔ اور ان کی تدبیروں کو وہاں کے لوگوں میں بڑا اثر تھا۔ یہ نفاق کے حرفوں کو مٹاتے تھے۔ کینہ وری کی آگ کو دباتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ دیکھو یہ موقع آپس کی عداوت کا نہیں ہے۔ مہم خراب ہو جائیگی۔ باپ سب کا اکبر بادشاہ ہے اس کی بات میں فرق آئیگا۔ ملک ملک میں رسوائی ہو گی۔ خان اعظم ان سے بھی خفا ہو گئے۔ باوجودیکہ شاہ فتح اللہ استاد بھی تھے۔ مگر رقیب کا خیر خواہ ٹھہرا کر بزرگی کو طاق پر رکھا۔ خود خان اعظم اور ان کے مصاحب سر مجلس تمسخر اور تضحیک سے شاہ موصوف کو آزردہ کرنے لگے۔ شاہ تدبیر کے ارسطو اور عقل کے افلاطون تھے۔ لطائف الحیل سے ان باتوں کو ٹالتے اور وقت گزارتے تھے۔ اور شہاب الدین احمد خان بڈھے سردار کی تو اس قدر خواری ہوئی۔ کہ وہ خفا ہو کر فوج سمیت رائسین دواجین اپنے علاقے کو اٹھ گیا۔ انہوں نے بجائے دلداری اور دلجوئی کے اس پر جرم قائم کیا۔ کہ میں ایک تو بادشاہ کا بھائی دوسرے سپہ سالار۔ میری اجازت بغیر جانا چہ معنی وارد۔ فوج لیکر اس کے پیچھے دوڑے۔ تو لک خاں قوچی کہ شجاعت اور ہمت میں نظیر نہ رکھتا تھا اور دست راست کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اسے بھی کچھ تہمت لگائی اور غافل قید کر لیا۔ دشمن دل میں ڈر رہا تھا۔ کہ خدا جانے بادشاہی لشکر کب اور کن کن پہلوؤں سے حملہ کر بیٹھے۔ جب اس نے دیکھا کہ دیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر خبریں پہنچیں۔ کہ امرا اپنے ہی گھر میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ تو وہ شیر ہو گیا۔ چند امرا کے ساتھ ۲۰ ہزار کی فوج کی۔ جن میں محمد تقی کو سپہ سالار کیا اور وہ مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ مرزا محمد تقی خود راجہ علی خاں کے پاس گئے۔ بعض دکنی سردار جو ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی بدہوا ہو گئے۔ قریب تھا کہ سلطنت کی نوبت رسوائی تک پہنچے۔ میر فتح اللہ پھر بیچ میں آکر آپس کی مصلحت اور غنیم کی مصالحت میں آکر شامل ہو گئے۔ یہی غنیمت ہوئی کہ پردہ رہ گیا۔

راجہ علی خاں حاکم خاندیس:

راجہ علی خاں حاکم خاندیس دکن کے حصوں کا سردار اور مالک شمشیر تھا۔ وہ خان اعظم کی رفاقت کو مستعد ہو گیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر اس نے بھی موقع پایا۔ برار اور احمد نگر کے امرا اور انکی فوجوں کو ساتھ

Marfat.com

لیکر چلا۔ مرزا عزیز نے یہ سن کر ادھر سے شاہ فتح اللہ کو بھیجا کہ فہمائش کریں۔ وہ دکن کے جنگلوں کا شیر تھا۔ اب کس کی سنتا تھا۔ سیدھا آیا۔ شاہ فتح اللہ وہاں سے ناکام پھرے۔ اور آزردہ اور بیزار ہو کر خان خاناں کے پاس گجرات چلے گئے۔ راجہ علی خاں کی آمد آمد دیکھ کر خان اعظم گھبرائے۔ امرا کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ جو آدمی دوست و دشمن کو نہ پہچانے اور موقع کو نہ سمجھے۔ ان کے لئے مشورہ کیا؟ اور صلاح کون دے؟ کئی دن مقام ہنڈیہ میں آمنے سامنے پڑے رہے۔ مقابلے کی طاقت نہ پائی۔ رفیقوں پر اعتبار نہ ہوا۔ ایک شب چپ چپاتے کسی گمنام رستہ سے نکل ملک برار کا رخ کیا۔ ایلچ پور اس کا پایہ تخت تھا۔ اس کا اور جس شہر کو پایا لوٹ کھسوٹ کر ستیاناس کر دیا۔ اور دولت بے قیاس سمیٹی۔ ہتیا راؤ ادھر کا راجہ ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ کڈھب رستوں میں رہنمائی کرتا آتا تھا۔ راہ میں اس پر خیال ہوا کہ یہ غنیم سے ملا ہوا ہے۔ وہ بدگمانی کی تلوار سے غصے کی درگاہ میں قربانی ہوا۔

ایلچ پور میں پہنچ کر بعض امرا کی صلاح ہوئی کہ اسی طرح باگیں اٹھائے چلے چلو۔ اور احمد نگر تک دم نہ لو۔ کہ دارالملک دکن کا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ یہیں ڈیرے ڈال دو۔ اور جو ملک لیا ہے۔ اس کا انتظام کرو۔ انہیں کسی کی بات پر بھروسہ نہ تھا۔ یہاں بھی نہ تھمے۔ اور نہ دربار کا رخ کیا۔ غنیم سوچتا رہ گیا۔ کہ دانشمند سپہ سالار سپہ لئے ہوئے ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ خدا جانے اس میں کیا پیچ کھیلا ہے۔ یہاں اندر کچھ بھی نہ تھا۔ وہ جریدہ ان کے پیچھے دوڑا۔

اس رستے میں عجب حالت گزری۔ قدم اٹھائے چلے جاتے تھے۔ بھدے ہاتھی اور بھاری بھاری بوجھ رہے جاتے تھے۔ انہیں کوچے کاٹ کاٹ کر ڈالے جاتے تھے۔ کہ ہاتھی دشمن کے ہاتھ آئیں۔ تو ان کے کام کے نہ ہوں۔ دشمن کو راہ میں ہنڈیہ شہر ملا کر بادشاہی علاقہ تھا۔ ایلچ پور کے بدلے میں اسے لوٹ مار کر ٹھیکرا کر دیا۔ غنیم کی چنداول (لشکر کے پچھلے حصے) سے لڑائی ہوتی چلی آتی تھی۔ رستے میں آرام لینے کی مہلت نہ ملی۔ ایک موقع پر تھم کر لڑائی ہوئی۔ اس میں بھی جگ ہنسائی ہوئی۔ غرض ہزار جاں کندن سے ندربار کی حد میں لشکر کو چھوڑا۔ اور آپ احمد آباد کی طرف چلے۔ یہ اس خیال خام میں گئے تھے۔ کہ خان خاناں میرا بہنوئی ہے۔ اس سے مدد لاؤں گا۔ اور غنیم کو مار کر تباہ کروں گا۔ خان خاناں بھی دربار اکبری کی ایک اعلیٰ رقم تھے۔ وہ فوراً محمود آباد کی منزل میں نظام الدین احمد کے ڈیروں میں آکر ملے۔ کہ بڑودہ کو جاتے تھے۔ انکی گرمجوشی اور تپاک اور اختلاط کا کیا بیان ہو سکے۔ دن کو مشورے رہے۔ اور یہ ٹھہری کہ اس وقت احمد آباد چلے چلو۔ بہن بھی وہیں ہیں۔ ان سے ملو۔ پھر مل کر دکن پر چلو۔ چنانچہ وہ دونوں ادھر گئے۔ نظام الدین احمد امرا اور افواج ہمراہی کو لئے بڑودہ کو روانہ ہوئے۔ بڑودہ میں پھر دونوں خان آئے۔ خان اعظم تو پھر آگے بڑھ گئے۔ کہ

Marfat.com

جب تک خان خاناں لشکر لیکر احمد آباد سے آئیں۔ میں لشکر ندر بار کو تیار کرتا ہوں۔ خان خاناں پھر احمد آباد گئے۔ اور نظام الدین احمد کو لکھا کہ جب تک میں نہ آؤں۔ بڑودہ سے نہ بڑھنا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں فوج آراستہ کو لیکر پہنچے اور بھڑوچ کو چلے۔ وہاں پہنچے تھے جو خان اعظم کے خط آئے۔ کہ اب تو برسات آ گئی۔ اس سال لڑائی موقوف رکھنی چاہیے۔ سال آئندہ میں سب مل کر چلیں گے۔ راجہ علی خاں اور دکنی سردار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ سب کو گالیاں دیتے ندر بار سے دربار میں آن حاضر ہوئے۔

خان اعظم کی بیٹی سے شاہزادہ مراد کی شادی:

۹۹۵ھ میں صلاح ہوئی۔ کہ دودھ میں مٹھاس ملاؤ تو اور بھی مزہ دیگا۔ خان اعظم کی بیٹی سے شاہزادہ مراد کی شادی ہو جائے۔ شاہزادہ اس وقت ۱۷ برس کا تھا۔ میرم مکانی یعنی اکبر کی والدہ کے گھر میں یہ شادی رچی۔ خان اعظم کی عظمت بڑھانی تھی۔ بادشاہ خود برات لیکر گئے۔ اور دھوم دھام سے دلہن بیاہ لائے۔ ۹۹۶ھ میں لڑکا بھی پیدا ہوا۔ اور مرزا رستم نام رکھا۔

۹۹۷ھ میں احمد آباد گجرات خان خاناں سے لیکر پھر انہیں دیا۔ یہ کہتے تھے کہ مالوہ کا ملک اچھا ہے۔ میں تو وہ لوں گا۔ وہ اکبر بادشاہ تھا۔ خدا جانے اس نے اپنی تجویز میں اور کیا کیا مصلحتیں مدنظر رکھی تھیں۔ مشورہ کے لئے جلسہ بٹھایا۔ الحمدللہ صلاح بھی ایسی ٹھہر گئی جس میں ان کی ضد پوری ہوئی۔ یہ ساز و سامان کر کے ادھر روانہ ہوئے۔

سورٹھ کا حاکم دولت خاں اور راجہ کنکار:

۹۹۹ھ میں خان اعظم نے ایسا میدان مارا کہ کسی فتح یاب سے پیچھے نہ رہا۔ جام سر سال اس ولایت کے اعلیٰ حکمرانوں میں سے تھا۔ اور ہمیشہ فسادوں کی تاک میں رہتا تھا۔ اس نے مظفر گجراتی کو پیر مرد بنا کر نکالا۔ سورٹھ کا حاکم دولت خاں (1) اور راجہ کنکار کچھ کا حاکم بھی شامل ہوا۔ ۲۰ ہزار کا بلوہ باندھ کر لڑنے کو آئے۔ خان اعظم نے ادھر ادھر خطوط لکھے۔ کوئی مدد کو نہ آیا۔ اس ہمت والے نے دل نہ ہارا اور جس طرح ہو سکا۔ جمعیت کی صورت پیدا کر کے نکلا۔ غنیم نے بڑے حوصلے سے فوجوں کو بڑھایا۔ خان اعظم نے چند سرداروں کو فوج دیکر آگے روانہ کر دیا۔ ان سے کوتہ اندیشی یہ ہوئی۔ کہ غنیم کے ساتھ صلح کی گفتگوئیں کیں۔ ان کے دماغ اور بھی بلند ہو گئے۔ اور جنگ کے نقارے بجاتے آگے

---

(1) دولت خاں فرمانروائے ملک سورٹھ۔ امین خان غوری کا بیٹا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں سلاطین غور کی اولاد ہوں۔

Marfat.com

بڑھے۔ ضدی سپہ سالار کو غصہ آیا۔ باوجودیکہ ۱۰ ہزار سے زیادہ جمعیت نہ تھی۔ اور غنیم کے ساتھ ۴۰ ہزار فوج تھی۔ یہ سامنے ڈٹ گیا اور لشکر کو سات فوجوں میں تقسیم کیا۔ قلب میں اپنا فرزند خرم چاروں طرف امرائے شاہی اپنی اپنی فوجوں سے قلعہ باندھ کر کھڑے ہوئے۔ اور انہیں اور سپاہ کی مدد سے قوی پشت کیا۔ انور اپنے بیٹے کو چھ سو سواروں سے الگ کیا۔ اور خود بہت سے سورما سپاہیوں کی جمعیت میں چار سو سوار لیکر کھڑے ہوئے۔ کہ جدھر وقت پڑے۔ فوراً پہنچیں۔ ادھر سے مظفر نے میدان میں فوجیں قائم کیں۔ کہ یکایک مینہ برسنا شروع ہوا۔ اور بارش کا تار لگ گیا۔ جس انداز سے لڑائی شروع ہوئی۔ وہ ملتوی ہو گیا اور طرفین سے ترکانہ حملے ہوتے رہے۔ غنیم بلندی پر تھا۔ یہ نیچے تھے۔ بڑی دقتیں پیش آئیں۔ مشکل یہ ہوئی کہ ادھر رسد بند ہو گئی۔ دو دفعہ شبخون بھی لے گئے۔ مگر ناکام پھرے۔

لشکر کی میدان جنگ سے واپسی:

جب تکلیفیں حد سے گزر گئیں۔ تو خان اعظم نے اس میدان میں فوج کو لڑانا مناسب نہ سمجھا۔ چار کوس کوچ کر کے جام کے علاقے میں گھس گیا۔ یہاں مینہ نے ذرا امان دی۔ جنگل نے جانوروں کے لئے گھاس دی۔ لوٹ مار نے غلہ کی رسد پہنچائی۔ مظفر کو ناچار ادھر کوچ کرنا پڑا۔ اور دریا کو بیچ میں ڈال کر ڈیرے ڈال دیئے۔ بڑی بات یہ ہوئی۔ کہ طول مدت کے سبب سے غنیم کی سپاہ کو بال بچوں کے فکر ہوئے۔ لشکر کو چھوڑ ادھر بھاگنے لگے۔ مگر مظفر کہاں سنتا تھا۔ جس حال میں تھا۔ قائم رہا۔ فوجوں میں روز چھینا جھپٹی ہو جاتی تھی۔ مگر ایک دن میدان ہوا۔ اور میدان بھی وہ ہوا کہ فیصلہ ہی ہو گیا۔

دونوں سپہدار اپنی اپنی سپاہ کو لیکر نکلے۔ اور قلعے باندھ کر سامنے ہوئے۔ اول خان اعظم کے بائیں کی فوج پیش قدمی کر کے بڑھی۔ اور ایسی بڑھی۔ کہ ہراول سے بھی آگے نکل گئی۔ اور پل کے پل میں غنیم کی فوج سے چھری کٹاری ہو گئے۔ سرداروں نے خود بڑھ کر تلواریں ماریں۔ اور ایسے لڑے کہ مر گئے۔ افسوس یہ کہ جو فوجیں خان اعظم نے مدد کو رکھی تھیں۔ وہ پہلو بچا کر پیچھے آگئیں۔ اور دشمن ان کا پیچھا کرتا ڈیروں تک چلا آیا۔ اسے وہاں پہنچ کر چاہئے تھا۔ کہ پیچھا مارتا۔ اس نے گٹھریاں باندھی شروع کر دیں۔ البتہ ہراول ہراول سے خوب ٹکرایا۔ اور باقی فوجیں بھی بڑھ بڑھ کر دست و گریبان ہو گئیں۔ لشکر غنیم کے راجپوت گھوڑوں سے کود پڑے۔ اور کمر پٹکے آپس میں باندھ باندھ کر سد سکندر کی طرح ڈٹ گئے۔ کام تیر تفنگ سے گزر گیا۔ اور دست بدست معاملہ آپڑا۔ قریب تھا کہ لشکر شاہی کا حال بدحال ہو جائے۔ اتنے میں آگے کی فوج نے بڑھ کر غنیم کے بائیں کو الٹ دیا۔

Marfat.com

خان اعظم منتظر وقت کھڑا تھا۔ جھٹ لشکر کو للکارا۔ اور گھوڑے اٹھائے۔ اسے خدائی اقبال کہنا چاہئے کہ ادھر اس نے باگ لی۔ ادھر دشمن کے قدم اکھڑے۔ مظفر اور جام بے ہوش بدحواس بھاگے۔ اس کے کئی سردار دو ہزار بہادروں کے ساتھ میدان میں کھیت رہے۔ تھوڑی دیر میں سامنا صاف ہو گیا۔ نقد و جنس، توپخانہ، ہاتھی، سامان امارت اور اسباب جاہ وحشمت جس قدر فوج شاہی کے ہاتھ آیا۔ اس کا حساب نہیں۔ اکبری لشکر کے سو بہادروں نے جانیں عزت پر قربان کیں۔ اور پانسو نے زخموں سے چہرہ گلرنگ کیا۔ شیخ فیضی نے فتوحات عزیزی تاریخ کہی۔

خان اعظم کی سخاوت:

خان اعظم سخاوت کے شہزادہ تھے۔ اور کیوں نہ ہوں؟ بادشاہ کے بھائی تھے۔ امرائے لشکر کو خلعت، ہاتھی، گھوڑے، نقد و جنس بے حساب دیئے۔ انشا پرداز بھی اچھے تھے۔ بادشاہ کو اپنی لڑائی کا نامہ خوب بنا بنا کر لکھا۔ وہاں بھی اندر محلوں اور باہر درباروں میں بڑی مبارکبادیں ہوئیں۔ خان اعظم کے سردار غنیموں کے پیچھے دوڑے۔ خرم فرزند فوج لیکر مظفر کا پتا لیتا چلا۔ رستے میں بعض قلعوں کو فتح کرنا چاہا مگر امرائے ہمراہی کی سستی سے کام کی درستی نہ ہوئی۔ خان اعظم نے بھی اس وقت فوج کا بڑھانا۔ اور ملک کا پھیلانا مصلحت نہ سمجھا۔ ہاتھ پاؤں ساتھ نہ دیں تو دل کیا کرے۔ امرا اور فوجوں نے اپنے اپنے علاقوں میں آرام لیا۔

۱۰۰۰ھ میں خبر لگی کہ دولت خاں جو جام کی لڑائی میں تیر کھا کر بھاگا تھا۔ تیر اجل کا نشانہ ہوا۔ خان اعظم لشکر آراستہ کر کے نکلا اور جونا گڑھ کی تسخیر پر کمر باندھی۔ کہ ملک سوہرٹھ کا حاکم نشین شہر تھا۔ پہلا شگون یہ ہوا۔ کہ جام کے بیٹے اس ملک کے چند سرداروں کے ساتھ آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ ساتھ ہی کوکہ بنگلور سومنات اور ۱۶ بندر بے جنگ قبضے میں آ گئے۔ قلعہ جونا گڑھ کی مضبوطی فولاد کے ساتھ شرط باندھے کھڑی تھی۔ خان اعظم نے توکل بخدا محاصرہ ڈالا۔ معلوم ہو گیا تھا۔ کہ کاٹھی لوگ قلعے میں رسد پہنچا رہے ہیں ایک سردار کو بھیج کر ان کا بندوبست کیا۔ اقبال اکبری کا زور دیکھو۔ کہ اسی دن قلعے کے میگزین میں آگ لگ گئی۔ غنیم نے اگرچہ نقصان سخت اٹھایا۔ مگر حوصلہ ذرا نہ ٹوٹا۔ قلعے والے اور بھی گرم ہوئے۔ سوتوپ پر فتیلہ پڑتا تھا۔ اور برابر ڈیڑھ من کا گولہ گرتا تھا۔ پرتگالی توپچی نے گول اندازی میں ایسی جان لڑائی کہ گولی کی طرح حوصلہ سے نکل پڑا۔ اور خندق میں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ خان اعظم نے بھی سامنے ایک پہاڑی ڈھونڈ کر نکالی۔ اس پر توپیں چڑھائیں۔ اور قلعے پر گولے اتارنے شروع کر دیئے۔ قلعے میں بھونچال اور قلعہ والوں میں تلاطم مچ گیا۔ خلاصہ یہ کہ قلعہ

Marfat.com

والے تنگ ہو گئے۔آخر میاں خاں اور تاج خاں پسران دولت خاں نے کنجیاں حوالہ کر دیں۔اور پچاس سردار صاحب نشان ولشکر آ کر حاضر ہوئے۔خان اعظم نے انکی بڑی دلداری کی، بھاری خلعت، بلند منصب اور بڑی بڑی جاگیریں دیکر خوش کیا۔خود بھی بہت خوشی کے جشن کئے۔ہاں جو بادشاہ کے بھائی ہوتے ہیں۔ایسا ہی کرتے ہیں۔اور خوش کیوں نہ ہوں۔اب تو سومنات قبضے میں آیا۔محمود غزنوی ہو گئے۔اور حق بھی یہ ہے کہ بڑا کام کیا۔اکبری سلطنت کا باٹ سمندر کے گھاٹ تک پہنچا دیا۔یہ کچھ تھوڑی خوشی کا مقام نہیں۔اکبر کو بھی اس بات کی بڑی آرزو تھی۔کیونکہ اسے دریائی طاقت کے بڑھانے کا دل سے خیال تھا۔

دوارکا کی فتح:

اب خان اعظم سمجھا کہ جب تک مظفر ہاتھ نہ آئے گا۔یہ فساد فرو نہ ہوگا۔اس نے کئی سردار نامی فوجیں دیکر روانہ کئے۔اور انور اپنے بیٹے کو ساتھ کیا۔مظفر نے ملک ہار کے راجہ کے پاس پناہ لی تھی کہ دوارکا کا مندر وہیں ہے۔راجہ بھی اس کی مدد پر کمر بستہ ہوا۔یہ فوجیں اس طرح سرتوڑ پہنچیں۔کہ دوارکا بے جنگ ہاتھ آ گیا۔راجہ نے مظفر کو اہل وعیال سمیت ایک جزیرے میں بھیج دیا تھا۔جب انہوں نے راجہ کو دبایا تو وہ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔انہوں نے گھوڑا اٹھا کر رستے میں جا لیا۔وہ پلٹ کر اڑا۔اور خوب جان توڑ کر لڑا۔دریا کے کنارے تھے۔زمین کہیں بلند، کہیں گہری، جگہ ناہموار، سوار کا گزارہ نہ تھا۔اکبری بہادروں نے گھوڑے چھوڑ دیئے۔اور خوب تلواریں ماریں۔راجہ اور اس کی فوج نے بھی کمی نہیں کی۔شام تک تلوار کی آنچ سے میدان میں آگ لگی ہوئی تھی۔مگر قضا سے کون لڑے۔گلے پر چھوٹا سا تیر کھا کر راجہ کی گلوخلاصی ہوئی۔مگر مظفر گڑھوں میں گرتا پڑتا نکل کر کچھ میں پہنچا۔وہاں کے راجہ نے چھپا رکھا اور مشہور ہوا کہ دریا میں ڈوب گیا۔

خان اعظم کو جب خبر پہنچی۔تو عبداللہ اپنے بیٹے کو اور فوج دیکر کچھ کو روانہ کیا۔جام یہ سن کر گھبرایا۔بال بچوں کو لیکر دوڑا کہ ایسا نہ ہو۔تہمت یا بدگمانی میرے خانہ دولت کو برباد کر دے۔عبداللہ سے رستے ہی میں آ کر ملا۔اور بنیاد اخلاص کو مستحکم کیا۔کچھ کے راجہ نے بھی وکیل بھیجے۔بہت سا عجز وانکسار کیا اور کہا کہ بیٹے کو حاضر دربار اور مظفر کی تلاش کرتا ہوں۔یہ روئداد خان اعظم کے پاس جوناگڑھ میں پہنچی۔اس نے لکھا۔اگر صدق دل سے دولت خواہی بادشاہی اختیار کی ہے۔تو مظفر کو ہمارے حوالہ کر دو۔اس نے پھر لمبی لمبی تقریریں اینچ پینچ کے جملوں میں ملفوف کر کے بھیجیں۔خان اعظم نے کہا کہ فقروں سے کام نہیں چلتا۔غنیم کو میرے حوالے کرو۔نہیں تو برباد کرونگا۔اور ملک تمہارا

Marfat.com

جام کے دامن میں ڈال دونگا۔ راجہ کا مطلب اس طول میں فقط وقت گزارنا تھا۔ کہ شاید کوئی اور نکاس کا پہلو نکل آئے۔ جب سب رستے بند پائے۔ تو کہا مور بی کا ضلع قدیم سے میرے علاقے میں تھا۔ وہ مجھے دیدو۔ اور جگہ بتا دیتا ہوں۔ تم جا کر گرفتار کر لو۔ خان اعظم نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چند سو سوار ادھر سے روانہ ہوئے۔ جام کے آدمی ساتھ گئے۔ مظفر بے خبر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا۔ کہ فلاں سردار تمہاری ملاقات کو آیا ہے۔ وہ بے تکلف نکل آیا۔ خان اعظم کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے گھیر کر پکڑ لیا۔ خوشی کا جوش کہتا تھا کہ ابھی لے اڑیں۔ اور مصلحت کہتی تھی کہ اگر رستے میں اس کے جانثار آ کر جانوں پر کھیل جائیں۔ تو کیا ہو۔ بہرحال اندھیرے کے پردے کا انتظار کیا۔ اور راتوں رات خان اعظم کی طرف لیکر دوڑے۔ مظفر صبح ہوتے ہی نماز کے بہانے اترا۔ اور طہارت وضو کے لئے ایک درخت کے نیچے گیا۔ جب دیر تک نہ آیا۔ تو انہوں نے آواز دی۔ وہاں سے جواب بھی نہ آیا۔ آخر جا کر دیکھا۔ بکرا سا ذبح کیا پڑا تھا۔ اسے بھی اسی روز سیاہ کا خیال تھا۔ اس لئے حجامت کے لوازمات پاس رکھا کرتا تھا۔ کہ اس میں استرا بھی لگا رہے۔ آج کام آیا۔ سر کٹ کر خان اعظم کے پاس آیا۔ اس نے روانہ دربار کر دیا۔ کہ فساد کی جڑ کٹ گئی۔

خان اعظم کو فرزند کا خطاب:

۱۰۰۱ھ میں خان اعظم سے وہ کام ہوا۔ کہ تمام اہل تاریخ اسکی تعریفوں کے وظیفے پڑھتے ہیں۔ اور ملا صاحب نے تو اس کی دینداری پر اپنی انشا پردازی کے سہرے چڑھائے ہیں۔ مگر تھوڑی سی تمہید بغیر اس معاملے کا مزہ نہ آئیگا۔ یہ تو تم نے بار بار سن لیا۔ کہ اکبر نے انہیں فرزندی کا خطاب دیا ہوا تھا۔ اور اپنی خدمت میں رکھ کر تربیت کیا تھا۔ جیسا عزیز اس کا نام تھا۔ ویسا ہی اسے عزیز رکھتے تھے۔ اور تمام ارکان دولت میں عزت دیتے تھے۔ اپنی خواصی میں بٹھاتے تھے۔ اور خاص خاص موقع پر اسے ضرور یاد کرتے تھے۔ لیکن اس کی طبیعت ایسی واقع ہوئی تھی۔ کہ ہمیشہ جاہل اور کوتہ اندیش۔ بلکہ ضدی اور لاڈلے بچوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتا تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ اکبر اس کی گستاخیوں کا کچھ بھی خیال نہ کرتا تھا۔ بلکہ اسے خود مناتا تھا۔ اور عنایت و انعام سے خوش کرتا تھا۔ ایک پیچ یہ بھی تھا۔ کہ خان اعظم شیخ ابوالفضل کو اکبر کی عقل کی کنجی سمجھتا تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جو احکام اس کی خلاف مرضی دربار سے پہنچتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ شیخ کی فطرت ہے۔ اس کا ترکانہ مزاج اور سپاہیانہ طبیعت اپنی آزردگی کو چھپا نہ سکتے تھے۔ صاف صاف ظاہر بھی کر دیتے تھے۔

خان اعظم سپاہی زادہ تھا۔ اور خود سپاہی تھا۔ ایسے لوگوں کو مذہب کی پاسداری ہوتی ہے۔ تو

Marfat.com

سخت تعصب کے ساتھ ہوتی ہے۔ دربار میں تحقیقات مذاہب اور اصلاح اسلام کی تدبیریں جاری تھیں۔ اس اصلاح میں ڈاڑھیوں پر ایسی وبا آئی تھی کہ اکثر امرا بلکہ علماء نے ڈاڑھیاں منڈوا ڈالی تھیں۔ ڈاڑھی کی جڑ کو ڈھونڈ کر پتال سے نکالا تھا۔ ملا صاحب نے تاریخ کہی تھی۔ جس کا مصرع مقصود ہے۔ ع

بگفتار ریشہا بر باد دادہ مفسدے چندے

انہی دنوں میں وہ بنگالہ سے فتح پور میں آیا ہوا تھا۔ یہاں ہر وقت یہی چرچے رہتے تھے۔ اس کے سامنے کئی مسئلے میں بحث ہونے لگی۔ ضدی سپاہی کو اس وقت مذہب کی ضد آ گئی۔ اس نے بھی گفتگو شروع کی۔ وہاں علما و فضلا کے خاکے اڑ جاتے تھے۔ یہ تو کیا حقیقت تھے۔ انہوں نے بہت زور طبیعت اور مبلغ استعداد دکھایا ہوگا۔ تو مولانا روم کی مثنوی یا حدیقہ حکیم سنائی کے شعر سند میں پڑھے ہونگے۔ وہاں یہ سپر کیا کام آتی تھی۔ غرض سپاہی بگڑا۔ بخار تو پہلے ہی سے دل میں بھرے تھے۔ نوبت یہ ہوئی کہ بادشاہ کے سامنے ہی شیخ کو اور بیر بر کو آگے دھر لیا۔ اگرچہ تعریز عام بے دین اور بداعتقادوں کے باب میں کرتے تھے۔ مگر بات کا رخ انہی دنوں کی طرف تھا۔ خیر وہ جلسہ انہیں ملھم باتوں میں طے ہوگیا۔

اس کے علاوہ بادشاہ نے آئین باندھا تھا۔ کہ امرائے سرحدی کو ایک مقررہ مدت کے بعد موجودات دینے کو حاضر ہونا چاہیے۔ خان اعظم کے نام فرمان طلب گیا۔ قدیمی لاڈلے تھے۔ متواتر فرمان گئے۔ نہ آئے۔ اکبر کے احکام، ابوالفضل کی انشا پردازی، رنگا رنگ کے مضامین دست بستہ حاضر تھے۔ خدا جانے کیا کیا لکھا۔ مگر انشا پردازی کا ایک جادو نہ چلا۔ ان کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی، اور اس کے باب میں تقریریں اور تحریریں ہو چکی تھیں۔ مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ یہ بھی لکھا گیا۔ ظاہرا پشم ریش شما گرانی میکند۔ کہ ایں ہمہ تعلل در آمدن دارند۔ جام کی لڑائی پر قرار پایا تھا۔ کہ منت مانو۔ یہ مہم فتح ہو جائیگی۔ تو ڈاڑھی درگاہ اکبری میں چڑھاؤں گا۔ جب مہم فتح ہوئی۔ تو ادھر سے تقاضے شروع ہوئے۔ اس نے جواب میں ڈاڑھی سے بھی لمبی عرضی لکھی اور سخت لکھی۔ یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ مگر وہ حاضر دربار نہ ہوا تھا۔ سیکڑوں مقدمات مالی وملکی تھے۔ دربار سے اکثر احکام ادھر بھی کچھ اس کے خلاف مقصد کچھ خلاف طبع گئے۔ خدا جانے وہ شیخ کی فطرت تھی یا خان کی بدگمانی تھی۔ اسے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سیدھا سپاہی۔ صاف صاف آزردگی اور نہایت آشفتگی ظاہر کرتا تھا۔ ان میں کبھی کبھی یہ بھی لکھتا تھا۔ کہ میں نے دنیا چھوڑ دی، حج کو چلا جاؤں گا۔ غرض اب اکبر کو خبر نویس کی تحریر سے اور بعض امرا کے عرائض سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ہٹیلے نے مصمم ارادہ کر لیا۔ بادشاہ

Marfat.com

نے فرمان لکھے۔ اور بڑھیا ماں نے برابر خطوط لکھے۔ کہ خبردار خبردار ایسا ارادہ نہ کرنا مگر وہ کب سننے والا تھا۔ جو کرنا تھا۔ وہی کر گزرا۔

ملا صاحب نے مرزا کو کہ کے حج کے جانے کا حال لکھ کر اکبر کی بدمذہبی کے اشاروں سے عجب بدنما عکس دلوں پر ڈالا ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بھی خیال تھا۔ کہ وہ خوش اعتقاد امیر فقط جوش دینداری سے ہندوستان چھوڑ کر نکل گیا۔ پھر مدت دراز میں جب بہت سی کتابیں نظر سے گزریں تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہ تھا۔ جہاں اور بچوں کی سی ضدیں تھیں۔ وہاں یہ بھی ایک بات تھی۔ مثلاً یہ کہ فرمانوں کی پشت پر جہاں میری مہر ہوتی تھی۔ وہاں قلیچ خاں کی مہر کیوں ہوتی ہے۔ اور جو کام میں کرتا تھا وہ قلیچ خاں اور ٹوڈرمل کیوں کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوالفضل کے دفتر دوم میں ایک بڑا طولانی مراسلہ ہے۔ کہ شیخ موصوف نے خان اعظم کے نام لکھا ہے۔ اول ڈیڑھ بلکہ دو صفحے میں بہت سی حکمت اخلاق اور فلسفہ واشراق سے تمہیدیں پھیلائی ہیں۔ بعد اس کے جو کچھ لکھتے ہیں۔ اس کا ترجمہ کرتا ہوں اور جس قدر کہ ممکن ہے۔ مطابقت الفاظ کے ساتھ لکھتا ہوں۔ مراسلہ مذکور اگرچہ ظاہر میں شیخ کی طرف سے ہے۔ مگر حقیقت میں بادشاہ کے ایما سے لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی خط ہیں۔ جن سے دلداری اور دلجوئی کے دودھ اور شربت ٹپکتے ہیں۔

شیخ ابوالفضل کا مراسلہ:

غرض شیخ مراسلہ مذکور میں لکھتے ہیں۔ ''جو کچھ میں سمجھتا ہوں۔ اس کے لکھنے سے پہلے سرگزشت واقعی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قرۃ العین شمس الدین احمد نے نامہ والاشکوہ (تمہارے لڑکے نے تمہارا خط) عرض اقدس میں پہنچایا۔ چونکہ حضرت مقام وفور عنایت وعطوفت میں تھے۔ یکبارگی حیران رہ گئے۔ اگرچہ پہلے ہمیشہ خلوتوں میں تمہارے اخلاص قدیمی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی کوتہ اندیش حرف نامناسب تم سے منسوب کرتا تھا۔ تو اس قدر مہربانی ظاہر فرماتے تھے۔ کہ وہ تنگ حوصلہ شرمندہ ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ تمہارے خشکی (1) دماغ کے دنوں میں خلوت اور دربار میں نہایت توجہ ظاہر ہوتی تھی۔ خصوصاً ان دنوں میں کہ اخلاص دولت کی (میری) رفاقت اور توجہ شہنشاہی کی برکت سے تم رحمت الٰہی کے منظور نظر ہو کر خدمات لائقہ سے کامیاب ہوئے۔ کیا جام کی فتح، کیا جونا

(1) خشکی دماغ کے لفظ کو دیکھو۔ اور مورخوں نے بھی قید سابقہ کے ذکر میں یہی الفاظ استعمال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت جو دربار میں آپ نے یادہ گوئی کی تھی اور نظر بند ہوئے تھے۔ اس حرکت ناشائستہ کا نام خشکی دماغ رکھا گیا تھا۔ اور قید کا حکم اس پردے میں تھا کہ علاج معالجہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

گڑھ کی، کیا تو (مظفر) وغیرہ کا گرفتار کرنا۔ کیا کہوں کہ حضرت کیسے تمہارے مشتاق ہوئے ہیں۔ دن رات تمہاری یاد میں گزرتی ہے۔ ہمیشہ اس بات کے طلبگار ہیں۔ کہ کب وہ دن ہوگا۔ کہ اپنے سامنے تمہیں مرحمت ہائے خسروانہ سے مالا مال کریں۔

جو کچھ تم نے والدہ مقدسہ اور فرزندان عزیز کو لکھا تھا۔ اس سے ایسا شوق آستان بوسی ظاہر ہوتا تھا۔ کہ سالی نوروز عالم افروز میں اپنے تئیں پہنچاؤ گے۔ نوروز نہیں۔ تو شرف آفتاب میں تو خواہ مخواہ پہنچو گے۔ دفعتاً ایک شخص نے عرض کی۔ کہ تم سرانجام خدمت کو نا تمام چھوڑ کر اس خیال سے خود جزیرے کو چلے گئے۔ کہ اسے تسخیر کرو گے۔ حضور کو تعجب ہوا۔ اس خیر خواہ جمہور سے (مجھ سے) پوچھا۔ میں نے عرض کی۔ کہ ایسی باتیں دشمن کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہاں کچھ دغدغہ ہوگا۔ خود ملازمت حضور میں آنے والے ہیں گئے ہونگے تو اس لئے گئے ہونگے۔ کہ جا کر خرخشہ صاف کر دیں۔ اور خاطر جمع سے حضور میں آئیں۔ خلوص عقیدت میں فتور واقع ہو؟ یہ کب ہو سکتا ہے۔ حضور نے پسند فرمایا۔ اور کہنے والا شرمندہ ہو گیا۔

قرۃ العین شمس الدین کا خط:

اب کہ حضرت حد سے زیادہ تم پر متوجہ ہیں۔ اور اس سبب سے کہ عنایت روز افزوں حضور کی تمہارے باب میں جلوہ ظہور دے رہی ہے۔ کوتاہ حوصلہ ناتوان ہیں۔ پیچ وتاب میں ہیں۔ اتفاقاً کشن داس (تمہارا وکیل) پہنچا۔ اور جو خط تم نے لکھا تھا۔ مجھ سے مشورہ کئے بغیر ہی حضور کے دست اقدس میں دیا۔ حسب الحکم قرۃ العین شمس الدین نے مضمون عرض کیا۔ سن کر بہت تعجب ہوا۔ کمترین سے فرمایا۔ دیکھو ہماری عنایت کس درجہ پر ہے۔ اور عزیز اب بھی اس طرح لکھتا ہے۔ جہاں اس کی مہر ہوتی تھی۔ پہلے یہاں مظفر خاں راجہ ٹوڈرمل اور لوگ مہر کرتے تھے۔ یہ گلہ تھا۔ تو اس وقت کرنا چاہئے تھا۔ اگر چہ وہاں بھی گلہ کرتے ہیں۔ تو اس وقت بازوئے سلطنت کے (تمہارے) حق میں ہماری بے عنایتی کی دلیل نہیں ہو سکتی تھی۔ بات فقط یہ ہے کہ گھر کے کام آخر کسی سے لینے چاہئیں۔ جس کو یہ خدمتیں سپرد ہوں۔ ایک مقام پر مہر کرنی اسی خدمت کا جز ہے۔ اعظم خاں گھر میں ہو۔ اور اس خدمت پر متوجہ ہو۔ تو اول اور اولیٰ۔ وہ جس طرح امیر الامرا ہے۔ امیر معاملہ بھی ہوگا۔ یہ سب اس کے تابع ہونگے۔ یہ بدگمانی تمہاری خاطر اقدس کو ذرا ناگوار ہوئی۔ خیر خواہان بزم مقدس نے (میں نے) مناسب موقع باتیں عرض کر کے بہت اچھی طرح اس کا تدارک کر دیا۔ قرۃ العین کو جو تم نے لکھا ہے۔ اور جو واقعہ تم نے دیکھا تھا۔ اور فتوحات مذکورہ کو اس کا نتیجہ سمجھا تھا۔ اس کا ذکر کر دیا۔ جو

Marfat.com

نذر تم نے بھیجی تھی۔ وہ خیال شہنشاہی کی اور جو کچھ تمہارے مخلصوں نے کہا تھا۔ اس کی بھی موید ہوئی۔

پھر لمبی تقریروں میں تقریباً دو صفحہ حکمت و اخلاق کے طور پر لکھتے ہیں۔ اور مختلف طبقات انسان کی تفصیل و تقسیم کر کے کہتے ہیں۔ قلیچ خان کا شکوہ بیجا ہے۔ تم اور طبقہ سے وہ اور گروہ سے۔ باوجود اس کے منصب حالت اور اعتبار میں تمہارے پاسنگ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ تم کو کہ تمہاری فرزندی کی نسبت۔ ساتھ اس کے خاص الخاص۔ بادشاہی تو جہیں تمہارے لئے تمام۔ بار ہا زبان گوہر فشاں پر فرزند کا لفظ تمہارے لئے آتا ہے۔ اس سے قطع نظر جو خدمات شائستہ تم سے اور تمہارے خاندان سے ہوئیں۔ زمانے کے کونسے امیر کو یہ رتبہ ہے۔ کہ اس مجموعے میں تمہارے ساتھ برابری کر سکے۔ پھر تمہیں کب زیبا ہے۔ کہ اس کا نام اپنے پدر بزرگوار کے برابر لا کر شکوہ کرو۔ اور مرزا اور راجہ کا نام لیکر اپنے برابر کردو۔ ہاں یہ غصے کی رنگ آمیزیاں ہیں۔ مگر غضب ہے۔ کہ تم جیسے بزرگ کے پاس غصے کو راہ ہو۔ اور اس سے ایسے دب جاؤ۔

اگر کنارہ کشی سبب مذکور سے بجا ہے۔ تو آخر پہلے بھی یہی حال تھا (کہ تم سے پہلے اور لوگ اس عہدے پر کام کرتے پس تم نے انکی جگہ کام کرنا کیونکر گوارا کر لیا تھا) اور بات تو وہی ہے کہ جو زبان شہنشاہی پر گزری ہے۔ "عزیز من مجلسوں میں کیسے کیسے آدمی کیسے آدمیوں کی جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر غصے ہو کر گلہ کرو تو وہاں بھی کرو۔ کہ کیسا آدمی کیسے آدمی کی جگہ بیٹھ گیا ہے۔ مہر تو ایک نام کا نقش ہے۔ کہ دوسرے نقش کی جگہ ہو گیا۔ دیکھو تو سہی۔ اس میں اور اس میں کہاں سے کہاں تک فرق ہے۔"

پھر ایک ڈیڑھ صفحہ کا طول کلام کر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔ چونکہ تم دولت خواہ حقیقی اس درگاہ کے ہو۔ اس لئے میں نے اتنا طول کلام کیا۔ اب دو کلموں پر اختصار کرتا ہوں۔ کہ تم کسی چیز کے پابند نہ ہو۔ آستان بوسی کا ارادہ کرو۔ اور اپنے تئیں حضور میں پہنچاؤ۔ کہ یہاں خورمی، خوش حالی، کامروائی کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ ظاہرا تو یہی ہے۔ کہ چل لئے ہوگے۔ تم بزرگ زمانہ ہو۔ اگر خاطر روشن ادھر مائل ہو۔ تو اور باتیں کہوں۔ کہ دین و دنیا میں کام آئیں۔ ورنہ خیر اندیشی دائم تو قائم ہے۔ کہ دادار جہاں آفریں نے دل کو عطا کی۔ دل نے ہاتھ کے حوالہ کی۔ اس نے قلم کو دی۔ قلم نے کاغذ پر لکھ دی۔ خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں سے محفوظ رکھے۔ جو کہ باید اور شاید نہیں۔

اس نے بھی جواب میں ان کی موچھیں پکڑ پکڑ کر خوب ہلائی ہیں۔ ایک پرانے مجموعہ میں سے اسکی اصل عرضداشت کی نقل میرے ہاتھ آئی۔ تتمہ میں درج ہے۔

ایک عرضداشت عین روانگی کے وقت لکھی ہے۔ اس میں اور مطالب بھی مندرج ہیں۔ اس مطلب کے متعلق جو فقرے ہیں۔ ان کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ "بدخواہان دین و دولت نے آپ کو راہ

Marfat.com

راست سے ہٹا کر بد عاقبتی کے رستے میں بدنام کر دیا ہے۔ اور نہیں جانتے۔ کہ کون سے بادشاہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آیا کلام اللہ جیسا قرآن آپ کے لئے نازل ہوا ہے۔ یا شق القمر جیسا معجزہ آپ سے ہوا ہے؟ چار بار یار باصفا جیسے اصحاب آپ کے ہیں؟ کہ آپ اپنے تئیں اس بدنامی سے متہم کرتے ہیں۔ بہ نسبت ان خیر خواہوں کے جو حقیقت میں بدخواہ ہیں۔ عزیز کوکہ فدویت رکھتا ہے۔ اور قصد بیت اللہ کرتا ہے۔ اس ارادہ سے کہ وہاں بیٹھ کر آپ کے لئے راہ راست پر آنے کی دعا کریگا۔ امیدوار ہے کہ اس گنہگار کی دعا قاضی الحاجات کی درگاہ میں قبول ہو کر اثر بخشے گی۔ اور وہ آپ کو راہ راست پر لائیگا۔''

ان دنوں اس کے حسن تدبیر اور آب شمشیر سے دریائے شور کے کنارے تک اکبری عملداری پہنچ گئی تھی۔ اور پندرہ ❶ بندر حلقہ حکومت میں آگئے تھے۔ جوں جوں بادشاہ لطف و محبت کے فرمان لکھتے گئے۔ اس کا وہم بڑھتا گیا۔ خدا جانے کیا سمجھا۔ کہ ہرگز آنا مناسب نہ دیکھا۔ اس نے وہاں کے لوگوں میں یہ ظاہر کیا۔ کہ بندر دیو کو دیکھنے جاتا ہوں۔ فقط چند غمگسار مصاحبوں سے راز کھولا۔ اور کسی سے ذکر نہ کیا۔ اول بندر پور پر پہنچا۔ یہ مقام سمندر کے کنارے تھا۔ اس میں بڑا وسیع اور سنگین قلعہ تھا۔ اور گھر بھی اکثر سنگین ہی تھے۔ یہاں سے بنگلور آیا اور وہاں کے لوگوں سے کہا۔ کہ بندر دیو کو دبانے جاتا ہوں۔

پرتگالی بحری جہاز کی ہندوستان آمد:

امرائے شاہی کو رخصت کر کے انکی جاگیروں پر بھیج دیا۔ حکام بندر سے اقرار نامے لے لئے۔ کہ آپ کے بے اجازت سوداگران ملک غیر کو لنگرگاہ دیو میں نہ آنے دینگے۔ مطلب اس سے یہ تھا۔ کہ پرتگالی قوم برسا کو دبائے اور دھمکائے رکھے۔ اس کا رعب وداب ایسا پھیل رہا تھا کہ وہ دب گئے۔ اور خاطر خواہ شرطوں پر اقرار نامے لکھ دیئے۔ مرزا نے کئی جہاز بادشاہی بنوائے تھے۔ ان میں یک کا نام جہاز الٰہی تھا۔ یہ بھی اقرار ہو گیا کہ جہاز الٰہی آدھا دیو بندر میں بھرینگے۔ باقی آدھے کو جہاں کپتان جہاز چاہے بھرے۔ خرچ اس کا کہ• اہزار محمودی ہوتا تھا۔ ان سے طلب نہ کرے۔ جہاز جہاں چاہے جائے۔ کوئی روک نہ سکے۔ جام اور بہارا دھر کے با اقتدار حاکم تھے۔ انہیں اسی دھوکہ میں رکھا۔ کہ ہم براہ سمندر بندر سندھ پہنچیں گے۔ وہاں سے ملتان کے رستے دربار حضور میں جا کر آداب بجالائیں گے۔ تمہیں رفاقت کرنی ہوگی۔ اس عرصے میں کنارہ کنارہ منزل بہ منزل چلا

---

❶ دیکھو کہاں سے کہاں تک سمندر کا کنارہ قبضے میں آگیا ہے۔

Marfat.com

جاتا تھا۔ کہ پرتگالیوں کا عہد نامہ بھی دستخط ہو کر آ گیا۔ سومنات کے گھاٹ پر پہنچ کر بخشی بادشاہی وغیرہ اشخاص کو قید کر لیا۔ کہ مبادا فوج کو سمجھا کر متفق کر لیں اور مجھے روکیں۔

سومنات کے پاس بندر بلاور میں پہنچ کر جہاز الٰہی پر سوار ہوا۔ خوارم، انور، عبدالرسول، عبداللطیف، مرتضیٰ قلی، عبدالقوی چھ بیٹوں کو اور چھ بیٹیوں اور اہل حرم، نوکر چاکر، لونڈی غلاموں کو اس میں بٹھایا۔ ملازم بھی سو سے زیادہ ساتھ لئے۔ نقد و جنس سے جو کچھ ساتھ لے سکا۔ وہ بھی لیا۔ کھانے پینے کے لئے کافی ذخیرہ بھرا۔ اور ہندوستان کو ہندوستانیوں کے حوالے کر دیا۔

جس وقت وہ خیمہ سے نکل کر جہاز کی طرف چلا۔ ایک عالم تھا جس کے مشاہدے سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو اور دلوں میں دریائے شوق لہراتے تھے۔ تمام لشکر اور فوجیں آراستہ کھڑی تھیں۔ جب وہ لشکر کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ نقاروں پر ڈنکے پڑے، پلٹنوں اور رسالوں نے سلامی دی۔ ترم اور طنبور، ساز فرنگی، عربی، ہندی باجے بجنے لگے۔ جو سپاہی ہمیشہ لڑائیوں اور پردیس کے دکھوں۔ سردی گرمی کے دنوں میں اس کے شریک حال۔ اور احسانوں اور انعاموں سے مالا مال رہتے تھے غم سے لبریز کھڑے تھے۔ جن لوگوں کو قید کیا تھا چھوڑ دیا۔ اور معذرت کر کے خطا معاف کروائی۔ سب سے دعا کی درخواست کی۔ اور لمبے لمبے ہاتھوں سے سلام کرتا ہوا جہاز میں جا بیٹھا۔ نا خدا سے کہا کہ خانہ خدا کے رخ پر بادبان کھول دو۔ ملا صاحب نے تاریخ کہی ؎

بجائے راستاں شد خان اعظم	ولے در زعم شاہنشاہ کج رفت
چو پرسیدم ز دل تاریخ سالش	بگفتا میرزا کوکہ بہ حج رفت

ناز بردار بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو ناگوار بھی ہوا اور رنج بھی ہوا۔ دل کے خیالات عجیب و غریب فقروں میں زبان سے ٹپکے۔ اور کہا کہ میرزا عزیز کو میں ایسا چاہتا ہوں۔ کہ اگر وہ مجھ پر تلوار کھینچ کر آتا۔ تو میں ضبط کرتا۔ وہ زخمی کر لیتا۔ تب ہاتھ ہلاتا۔ افسوس اس کم فرصت نے محبت کی قدر نہ جانی اور سفر کر بیٹھا۔ خدا کرے کامیاب مقصد ہو۔ اور خیر و خوشی سے پھر آئے۔ میں یہود اور نصاریٰ اور غیروں سے بھی اپنایت کے رستے میں ہوں۔ وہ تو پروردگار کے رستے پر جاتا ہے۔ اس سے کیونکر مخالفت کا خیال ہو سکتا ہے۔ محمد عزیز سے ایسی محبت ہے کہ وہ مجھ سے ٹیڑھا بھی چلے۔ تو میں سیدھا ہی چلوں گا۔ اس کی برائی نہ چاہوں گا۔ بڑا خیال یہ ہے۔ کہ اگر رنج دوری میں ماں کا کام تمام ہو گیا۔ تو اس کا انجام کیا ہو گا۔ کاش اب بھی کئے پر پچھتائے اور پھر آئے۔ اسی غم و غصہ کے عالم میں اکبر نے کہا کہ چند روز ہوئے۔ جی جی میرے پاس آئیں۔ ایک کٹورا پانی کا میرے سر پر سے وار کر پیا۔ اور کہا۔ الٰہی بہ خویشتن بر گرفتم۔ میں نے حال پوچھا۔ کہا۔ آج رات کو میں نے ایک ایسا ہی خواب

Marfat.com

دیکھا ہے۔ مجھے بھی اس بات کا خیال تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ میرے قالب میں بیٹے کو دیکھا تھا اور جی جی تو مارے غم کے مرنے کے قرب ہوگئی۔ بادشاہ نے بہت دلجوئی اور دلداری کی (شمسی ●) شمس الدین اس کے بڑے بیٹے نے بچپن سے حضور میں پرورش پائی تھی۔ اسے ہزاری منصب دیا۔ شادمان کو پانصدی کر دیا۔ آباد جاگیریں دیں اور ادھر ملک جو خالی پڑا تھا۔ اس کی حکومت مراد کے نام کر کے بندوبست کر دیا۔

خان اعظم جو یہاں سے گئے تھے۔ تو دماغ میں یہ دعوی بھرے تھے۔ کہ ہم اکبر بادشاہ کے بھائی ہیں۔ اس کا جلال وجاہ لوگوں سے پیغمبری بلکہ خدائی کے اقرار لیتا ہے۔ اور میں ایسا دیندار حق پرست ہوں۔ کہ اسکی درگاہ کو چھوڑ کر چلا آیا ہوں۔ مگر وحدہ لا شریک ذوالجلال والاکرام کا دربار تھا۔ وہاں انہیں کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ انہوں نے سخاوت کو مدد پر بلایا۔ وہ ہزاروں اور لاکھوں سے حاضر ہوئی۔ لیکن اس دروازے پر ایسے ایسے بہت مینہ برس جاتے تھے۔ شریف مکہ اور وہاں کے خدام وعلما خاطر میں بھی نہ لائے۔ بلکہ بے دماغی اور تلخ مزاجی ان کی مصاحب وہاں بھی ساتھ تھی۔ اور بچوں کی سی ضدیں ہر وقت موجود تھیں۔ ان رفیقوں کی بدولت شرمائے۔ مکہ سے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ غرض اصلی خدا کے گھر میں گزارہ نہ ہوسکا۔ نقلی خدا کا گھر پھر غنیمت نظر آیا۔ باوجود اس کے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں حجرے خرید کر وقف کیے۔ کہ حاجی اور زائر آ کر رہا کریں۔ مدینہ منورہ کے خرچ ہر سالہ کی برآورد بنا کر پچاس برس کا مصارف وہاں کے شرفا کو دیا اور رخصت ہوئے۔ سفر کی عمر کوتاہ۔ یہاں لوگ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ آپ ہرگز نہ آئیں گے۔

خان اعظم کی گجرات میں آمد:

۱۰۰۲ھ میں یکایک خبر آئی کہ خان اعظم آگئے۔ اور گجرات میں پہنچ لئے۔ اب حضور میں چلے آتے ہیں۔ بادشاہ پھول کی طرح کھل گئے۔ فرمان کے ساتھ گراں بہا خلعت اور بہت سے عمدہ گھوڑے روانہ کیے۔ محل میں بڑی خوشیاں ہوئیں۔ ان سے بھی رہا کہا جاتا تھا۔ گجرات سے عبداللہ کو ساتھ لیا۔ بندر بلاول کے رستے چوبیسویں دن لاہور میں آن حاضر ہوئے۔ خرم کو کہہ دیا۔ کہ تم سارے قافلہ کو لیکر منزل بہ منزل آؤ۔ حضور میں آکر زمین پر سر رکھ دیا۔ اکبر نے اٹھایا۔ مرزا عزیز مرزا عزیز کہتے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔ خوب بھینچ کر گلے لگایا۔ جی جی کو وہیں بلا بھیجا۔ بڑھیا بیچاری سے چلا نہ جاتا تھا۔ بیٹے کی جدائی میں جان بلب ہو رہی تھی۔ تھرتھراتی سامنے آئی۔ خوشی

● اکبر اسے شمسی کہا کرتا تھا۔ یہی نام مشہور ہوگیا تھا۔ دیکھنا اس میں بھی وہی اشارہ ہے۔ سورج والا

Marfat.com

کے مارے زار زار روتی تھی۔ وہ اس بیقراری سے دوڑ کر لپٹی۔ کہ دیکھنے والے بھی رونے لگے۔ بادشاہ کے آنسو جاری تھے۔ اور حیران دیکھ رہے تھے۔ خانِ اعظم نے خدا سے لڑ جھگڑ کر دعا قبول کرائی ہوگی۔ پنج ہزاری منصب خانِ اعظم خطاب پھر عنایت کیا اور کہا کہ گجرات، پنجاب، بہار جہاں چاہو جاگیر لو۔ انہیں بہار پسند آیا۔ بیٹوں کو بھی منصب اور جاگیریں عطا ہوئیں۔

شمس الدین	ہزاری		عبداللہ	۴ صدی
خرم	ہشت صدی		عبداللطیف	۲ صدی
انور	شش صدی		مرتضیٰ قلی	صدو پنجاہی
شادمان	پانصدی		عبدالقوی	صدو پنجاہی

اب انہیں بھی خوب نصیحت ہوگئی تھی۔ آتے ہی خاص مریدوں کے سلسلے میں داخل ہوگئے۔ حضور میں سجدہ ادا کیا۔ ڈاڑھی درگاہ میں چڑھائی۔ اور جو جو لوازم خوش اعتقادی کے تھے سب بجا لائے۔ پھر تو ہر صحبت اور ہم زبانی میں پیش تھے۔ حاجی پور غازی پور جاگیر مل گیا۔ دین الٰہی کے اصول کی غلامی سے تعلیم پانے لگے۔ خاقانی نے کیا خوب کہا ہے:

دریں تعلیم شد عمرو ہنوز ابجد ہمی خوانم ندانم کے سبق آموز خواہم شد بدیوانش

۱۰۰۳ھ میں ایسے بڑھے اور چڑھے۔ کہ وکیل مطلق ہو کر سب سے اونچے ہوگئے۔ چند روز بعد مہر ازک (مہر انگشتری) اور پھر مہر توزوک (مہر درباری) بھی انہی کو سپرد ہوگئی۔ اس کا دو انچ قطر کا دائرہ تھا۔ گردہامیوں سے لیکر امیر تیمور تک سلسلہ چغتائیہ کا دورہ تھا۔ بیچ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا نام روشن تھا۔ مہر مذور فرامین عطائے مناصب و جاگیر اور مہمات ملک داری کے عظیم الشان فرمانوں پر اعزاز و اعتبار بڑھاتی تھی۔ یہ اس وقت کی صنعت گری کا عمدہ نمونہ تھا۔ جسے تاریخی کتابوں میں ملا علی احمد کا کارنامہ صنعت کہہ کر ذکر کیا ہے۔ میں نے کئی فرمانوں میں دیکھی ہے۔ اور حقیقت میں دیکھنے کے قابل ہے۔

لطیفہ:۔ شاہجہاں بادشاہ نے ابو طالب حکیم اپنے ملک الشعراء کو مہر داری کی خدمت عطا کرنی چاہی اس نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

چو مہر تو دارم چہ حاجت بہ مہرم مرا مہر داری بہ از مہر داری

حکم ہوا کہ سلطنت کے حکم احکام سپرد۔ ہفتے میں دو دن سر دیوان بیٹھا کریں۔ دیوان بخشی مستوفی تمام اہل عمل ان کی ہدایت کے بموجب کام کیا کریں۔

Marfat.com

۱۰۰۷ھ میں جب خود بادشاہ نے قلعہ آسیر کا محاصرہ کیا۔ یہ ساتھ تھے۔ مورچوں پر جاتے تھے۔ اطراف کو دیکھتے تھے۔ اور حملہ کے رخ قرار دینے میں ابوالفضل کے ساتھ عقل لڑاتے تھے۔ حملے کے دن انہوں نے اور ان کی فوج کی پیشقدمی نے خوب کام کیا۔

جی جی کا انتقال:

۱۰۰۸ھ میں وہیں جی جی کا انتقال ہو گیا۔ جو بچپن میں انہیں کندھے سے لگائے پھرتی تھی۔ بادشاہ نے بہت غم کیا۔ چند قدم اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ اور چار ابرو کی صفائی کی۔ کہ آئین چنگیزی تھا۔ خان اعظم اور ان کے رشتہ داروں نے بھی صفائی میں ساتھ دیا۔ اگرچہ حکم دے دیا تھا کہ اس رسم میں ہماری رفاقت ضرور نہیں۔ مگر اتنے حکم پہنچنے میں کئی ہزار ڈاڑھیوں کی صفائیاں ہو گئی تھیں۔

۱۰۱۰ھ میں ہفت ہزاری ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ اور خسرو ولد جہانگیر سے ان کی بیٹی منسوب ہوئی۔ سامان ساچق کہ ایک شاہانہ سواری تھی۔ اس کا اندازہ اس سے قیاس کرنا چاہیئے۔ کہ جہاں آرائش کے ہزاروں سامان گراں بہا تھے۔ وہاں ایک لاکھ روپیہ نقد تھا۔ امرائے دربار ساچق لیکر ان کے گھر گئے۔ اسی سنہ میں شمس الدین خاں ان کے بیٹے کو دو ہزاری منصب دیکر گجرات بھیج دیا۔

۱۰۱۱ھ میں شادمان اور عبداللہ کو ہزاری منصب عطا ہوئے۔ انور ان دونوں سے بڑا تھا مگر بڑا ہی شرابی تھا۔ اس لئے نمبر میں سب سے پیچھے پڑا تھا۔ اب ذرا ہوش میں آیا۔ اکبری دربار میں ان کے بچوں کے لئے بہانہ ہی چاہیئے تھا۔ وہ بھی ہزاری ہو گیا۔

اکبر کی بیماری:

۱۰۱۴ھ میں نحوست کا سیارہ سیاہ چادر اوڑھ کر سامنے آیا۔ اکبر بیمار ہوا۔ اور اسکی حالت نے نا امیدی کے آثار دکھائے۔ تو انہوں نے اور مان سنگھ نے بعض راز داروں کی معرفت اسکا مافی الضمیر دریافت کیا۔ کہ حکم ہو تو خسرو کی ولی عہدی کی رسمیں ادا کر دی جائیں۔ وہ حقیقت میں جہانگیر سے محبت نہ رکھتا تھا۔ یا یہ کہو کہ اس دوراندیش، معاملہ فہم، تجربہ کار بادشاہ نے سمجھا۔ کہ اس وقت نئی بنیاد ڈال کر یہ عمارت اٹھانی برف کے ستونوں پر گنبد قائم کرنا ہے۔ ان کے ارادے تاڑ گیا۔ اور حکم دیا کہ مان سنگھ اسی وقت بنگالہ (اپنی جاگیر) کو روانہ ہو جائے۔ اور وہاں جا کر اس اس طرح بندوبست کرے۔ مآثر میں ہے۔ کہ جہانگیر اکبر کے اشارے سے شہر میں ایک محفوظ مکان میں جا بیٹھا تھا۔ چنانچہ شیخ فرید بخشی اور بعض اور دولتخواہ جا پہنچے۔ اور شیخ اسے اپنے گھر لے گئے۔

Marfat.com

خان اعظم نے جب سنا کہ راجہ مان سنگھ جاتے ہیں۔ خسرو کو بھی ساتھ لئے جاتے ہیں۔ تو اسی وقت اپنے قبائل کو راجہ کے گھر بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ اب میرا بھی یہاں رہنا مناسب نہیں۔ مگر کیا کروں۔ خزانوں اور اجناس خانوں کے لئے بغیر چارہ نہیں اور بار برداری ہے نہیں۔ راجہ نے کہا۔ دل تو میرا بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ اس وقت میں تم سے جدا نہ ہوں۔ مگر مجھ سے خود سامان نہیں سنبھل سکتا۔ ناچار خان اعظم قلعے میں رہ گئے۔ آخر اکبر کا انتقال ہوا۔ اور جس بادشاہ کو کبھی دولھا بنا کر جشن کے تخت پر بٹھاتے تھے۔ کبھی خواصی میں بیٹھ کر میدان جنگ میں لے جاتے تھے۔ اس کے جنازے کو کندھا دیا۔

جہانگیر کی تخت نشینی:

جہانگیر تخت نشین ہوا۔ امرا نے حاضر دربار ہو کر مبارکباد کی نذریں دیں۔ نئے بادشاہ نے کمال حکمت سے خان اعظم کی عظمت بڑھائی۔ اور کہا کہ جاگیر پر نہ جاؤ۔ میرے پاس ہی رہو۔ غالباً اس سے یہ مطلب ہوگا کہ دربار سے دور ہوگا۔ تو بغاوت کے سامان مہیا کرنے کو میدان فراخ پائے گا۔ آخر خسرو باغی ہوا۔ اور جہانگیر کے دل پر نقش ہوگیا۔ کہ اس لڑکے کا کیا حوصلہ تھا۔ یہ جرات اسے خان اعظم کی پشت گری سے ہی ہوئی ہے۔ جب اس کی مہم سے فارغ ہوا تو یہ عتاب وخطاب میں آئے۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں۔ کہ خان اعظم کو خسرو کی بادشاہت کا بڑا ارمان تھا۔ وہ اس آرزو میں ایسا آپے سے باہر تھا کہ اپنے رازداروں سے کہا کرتا تھا۔ کاش ایک کان میں کوئی کہے۔ کہ خسرو بادشاہ ہوگیا۔ اور دوسرے کان میں حضرت عزرائیل موت کا پیغام دیدیں۔ مجھے مرنے کا افسوس نہ ہوگا۔ مگر ایک دفعہ اس کی بادشاہت کی خبر سن لوں۔

خانِ اعظم پر عتاب اور معافی:

غرض اب یہ نوبت ہوئی۔ کہ دربار میں جاتے تھے۔ تو کپڑوں کے نیچے کفن پہن کر جاتے تھے۔ کہ دیکھئے زندہ پھروں یا نہ پھروں۔ بڑا عیب اس میں یہ تھا۔ کہ گفتگو میں سخت بیباک تھے۔ اس کی زبان اس کے قابو میں نہ تھی۔ جو منہ میں آتا تھا صاف کہہ بیٹھتا تھا۔ موقع بے موقع کچھ نہ دیکھتا۔ اس امر نے جہانگیر کو تنگ اور اکثر اہل دربار کو اس کا دشمن کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی جوش غضب کے دنوں میں جہانگیر ❶ نے امرائے خاص کو ٹھہرالیا۔ خلوت میں لے گئے۔ اور خان اعظم کا مقدمہ جلسہ مشورۃ

---

❶ مآثر الامرا میں ہے۔ کہ ایک شب امیر الامرا سے سخت کلامی کی۔ بادشاہ نے اٹھ کر مشورہ کا جلسہ کیا۔ امیر الامرا نے کہا کہ "کشتن او توقف نمی خواہد"۔ مہابت خاں نے کہا۔ "مرا در کنگاش دخلے نیست۔ سپاہیم۔ شمشیر سروہی دارم۔ بکمر او میزنم۔ اگر دو حصہ نہ کند دست مرا ببرند۔"

Marfat.com

میں ڈالا۔ جب گفتگوئیں ہونے لگیں۔ تو امیر الامرا نے کہا کہ اس کے فنا کر دینے میں دیر کیا لگتی ہے۔ بادشاہ کی مرضی دیکھ کر مہابت خاں بولا کہ میں تو سپاہی آدمی ہوں۔ مجھے صلاح مشورہ نہیں آتا۔ سر وہی رکھتا ہوں۔ کمر کا ہاتھ مارتا ہوں۔ دو ٹکڑے نہ کر دے تو میرے دونوں ہاتھ قلم۔ خان جہاں غالباً خان اعظم کا خیر خواہ تھا یا عموماً نیک نیت تھا نے کہا۔ حضور میں تو اس کے طالع کو دیکھتا ہوں۔ اور حیران ہوتا ہوں۔ ایک جہان خانہ زاد کی نظر گزرا۔ جہاں دیکھا حضور کا نام روشن نظر آیا۔ اور وہیں خان اعظم کا نام بھی موجود۔ قتل کرنا اس کا کچھ مشکل نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ظاہر کوئی خطا معلوم نہیں ہوتی۔ اگر اسے حضور نے مارا۔ تو تمام عالم میں وہی مظلوم مشہور ہوگا۔ جہانگیر اس پر ذرا دھیما ہوا۔ اتنے میں سلیمہ سلطان بیگم پردے کے پیچھے سے پکار کر بولیں۔ حضور محل ❶ کی بیگمات اسکی سفارش کو آئی ہیں۔ حضور آئیں۔ تو آئیں ورنہ سب باہر نکل پڑیں گی۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حرم میں چلے گئے۔ وہاں سب نے مل کر ایسا سمجھایا۔ کہ خطا معاف ہوگئی۔ خان اعظم نے افیم تک بھی نہ کھائی تھی۔ بادشاہ نے خاصہ کی گولیاں (اپنے کھانے والی گولیاں) دیں اور رخصت کیا۔ یہ آگ تو دب گئی۔ مگر چند ہی روز بعد خواجہ ابوالحسن تربتی نے خاص اس کے ہاتھ کا لکھا ایک خط مدت سے لگا رکھا تھا۔ باپیش کیا۔ اس کا حال جس طرح جہانگیر نے خود اپنی توزک میں لکھا ہے۔ ترجمہ لکھتا ہوں۔ میرا یقین کہتا تھا۔ کہ خسرو اس کا داماد ہے۔ اور وہ ناخلف میرا دشمن ہے۔ اس کے سبب سے میری ذات سے خان اعظم کے دل میں ضرور نفاق ہے۔ اب اس کے ایک خط سے معلوم ہوا۔ کہ خبث طبعی کو اس نے کسی وقت بھی جانے نہیں دیا۔ بلکہ میرے والد بزرگوار سے بھی جاری رکھا تھا۔ مجمل یہ ہے۔ کہ ایک موقع پر اس نے ایک خط راجہ علی خان کو لکھا تھا۔ اول سے آخر تک بدی اور بد پسندی اور ایسے مضمون کہ کوئی دشمن کے لئے بھی نہیں لکھتا۔ اور کسی کی طرف نسبت نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ حضرت عرش آشیانی جیسے بادشاہ اور صاحب قدرداں کے حق میں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحریر برہان پور میں راجہ علی خاں کے دفتر خزانہ میں سے ہاتھ آئی۔ اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اگر بعض خیالات کا۔ اور اس کی ماں کے دودھ کا لحاظ نہ ہوتا۔ تو بجا ہوتا۔ کہ اپنے ہاتھ سے اسے قتل کرتا۔ بہر حال بلایا۔ اور اس کے ہاتھ میں وہ نوشتہ دے کر کہا۔ کہ سب کے سامنے با آواز بلند پڑھے۔ مجھے گمان تھا کہ اسے دیکھ کر اس کی جان نکل جائیگی۔ انتہائے بے شرمی اور بے حیائی ہے۔ کہ اس طرح پڑھنے لگا۔ گویا اس کا لکھا ہی نہیں۔ کسی اور کا لکھا ہوا پڑھوایا ہے۔ وہ پڑھ رہا ہے۔ حاضران مجلس بہشت آئین۔ بندہائے اکبری

❶ حضرت ہمہ بیگمہا بجہت شفاعت میرزا کوکہ در محل جمع شدہ اند۔ اگر تشریف آرند بہتر والا برے آیند۔

Marfat.com

وجہانگیری جس نے وہ تحریری دیکھی اور سنی۔لعنت ونفرین کرنے لگے۔اس سے پوچھا کہ قطع نظر ان نفاقوں کے جو مجھ سے کئے۔اور اپنے اعتقاد ناقص میں ان کے لئے کچھ وجہیں بھی قرار دی تھیں۔ والد بزرگوار نے کہ تجھ کو تیرے خاندان کو خاک راہ سے اٹھا کر اس رتبہ اعلیٰ تک پہنچایا۔کہ اس درجے پر پہنچے (جس پر ہم جنس اور ہم رتبہ لوگ رشک کرتے ہیں) بات کیا ہوئی تھی؟ کہ دشمنان ومخالفان دولت کو ایسی باتیں لکھیں۔اور اپنے تئیں حرام خوروں اور بدنصیبوں میں جگہ دی۔سچ ہوے۔سرشت اصلی اور پیدائش طبعی کو کیا کرے۔جب تیری طبیعت نے آب نفاق سے پرورش پائی ہو۔تو ان باتوں کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔جو کچھ مجھ سے کیا تھا۔اس سے میں درگزرا۔اور جو منصب تھا۔پھر اسی پر سرفراز کیا۔گمان تھا۔کہ تیرا انفاق خاص میرے ہی ساتھ ہوگا۔اب جو یہ بات معلوم ہوئی۔کہ اپنے مربی اور خدائے مجازی سے بھی اس درجے پر تھا۔تو تجھے تیرے اعمال اور تیرے مذہب کے حوالے کیا۔یہ باتیں سن کر چپ رہ گیا۔ایسی روسیاہی کے جواب میں کیا کہے؟ جاگیر کی موقوفی کا حکم دیا اور جو کچھ اس ناشکرے نے کیا تھا۔اگرچہ اس میں عفو اور درگزر کی گنجائش نہ تھی۔مگر بعضے لحاظوں کی رعایت کرکے درگزر کی (مورخ کہتے ہیں۔کہ نظر بند بھی رہے)

خان اعظم کے نواسے کی پیدائش:

۱۰۱۷ھ جلوس میں خسرو کے ہاں بیٹا (خان اعظم کا نواسہ) پیدا ہوا۔بادشاہ نے بلند اختر نام رکھا۔خان اعظم کو گجرات عنایت ہوا۔اور حکم ہوا۔کہ وہ حاضر دربار رہے۔جہانگیر قلی خاں اس کا بڑا بیٹا جاکر ملک کا کاروبار کرے۔

۱۰۱۸ھ جلوس میں اسے داور بخش یعنی خسرو کے بیٹے کا اتالیق کیا۔اسی سنہ میں امرائے جلیل القدر دکن پر بھیجے گئے۔اور مہم بگڑ گئی۔معلوم ہوا کہ سبب اس خرابی کا آپس کا نفاق اور بے اتفاقی خان خاناں کی تھی۔اس لئے خان اعظم کو چند امرا اور منصب داروں کے ساتھ فوج دیکر کمک کے لئے بھیجا۔دس ہزار سوار، دو ہزار احدی، کل بارہ ہزار، تیس لاکھ روپیہ خرچ خزانہ۔کئی حلقے ہاتھیوں کے ساتھ کئے۔خلعت فاخرہ، کمر شمشیر مرصع، گھوڑا اور فیل خانہ اور پانچ لاکھ روپیہ امداد کے طور پر عنایت ہوا۔اسی سنہ میں خورم پسر خان اعظم کو جونا گڑھ کی حکومت دیکر بھیجا تھا۔اسے کامل خاں خطاب ملا۔

۱۰۲۰ھ میں خان اعظم کے بیٹے کو شادمان خاں خطاب دیکر ایک ہزاری ہفت صدی ذات پانسو سوار کے ساتھ علم مرحمت ہوا۔

Marfat.com

خان اعظم کی جان نثاری:

خان اعظم کا ستارہ جو ابھی نحوست کے گھر سے نکلا۔ اسی سنہ میں پھر رجعت کھا کر الٹا گرا۔ وہ برہان پور میں آرام سے بیٹھا امارت کی بہاریں لوٹ رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ اودے پور پر مہم کیا چاہتے ہیں۔ بڈھے سپہ سالار کو بہادری اور دلاوری کا جوش آیا۔ عرضی کی۔ حضور کو یاد ہوگا۔ دربار گہربار میں جب مہم رانا کا ذکر آتا تھا۔ تو فدوی عرض کیا کرتا تھا۔ "آرزو ہے کہ یہ مہم ہو۔ اور فدوی جاں نثار ہو۔" بندگان حضور پر یہ بھی روشن ہے۔ کہ یہ مہم وہ ہے۔ جس میں فدوی مارا بھی جائے۔ تو شہید راہ خدا ہے۔ فتح یاب ہوا تو غازی ہونے میں کیا کلام ہے۔ اس جانثاری سے جہانگیر بہت خوش ہوا۔ اور کمک مدد توپخانے نقد خزانے وغیرہ وغیرہ جو کچھ درخواست کی سرانجام ہو گیا۔ یہ روانہ ہوئے۔ اودے پور کے کوہستان میں جا کر مہم شروع ہوئی۔ وہاں سے عرضی کی۔ کہ جب تک نشان اقبال ادھر کی ہوا میں نہ لہرائے گا۔ کھلنا اس عقدے کا دشوار ہے۔ جہانگیر اٹھے۔ یہاں تک کہ دائرہ اجمیر میں جا اترا۔ شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کو دو ہزار سوار خوش اسپ، امرائے کہنہ عمل اور بہت سے سامان ضروری دیکر آگے روانہ کیا۔ یہ سب وہاں پہنچے۔ اور کاروبار جاری ہوا۔

آزاد۔ کلیہ قاعدہ ہے۔ کہ باپ کے باتدبیر جاں نثار بیٹے کے عہد میں بے عقل، سینہ زور بلکہ سرشور گنے جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ دادا کے وقت کے۔ اور وہ بھی خان اعظم۔ ان کی اور شاہزادوں کی رائے نے مطابقت نہ کھائی۔ کام بگڑنے لگے۔ ادھر شاہزادہ کی عرضیاں آئیں۔ ادھر خبر نویسوں کے پرچے پہنچے۔ اور امرائے لشکر کی تحریروں سے ان کی تائید ہوئی۔ سب سے زیادہ ان کی بدمزاجی اور بد دماغی ع

گواہ عاشق صادق در آستیں باشد

غرض بادشاہ کے دل پر نقش ہو گیا۔ کہ فساد خان اعظم کی طرف سے ہے۔ یہ خیال اتنا ہی رہتا تو بھی بڑی بات نہ تھی۔ بہت ہوتا۔ تو بلا کران کے علاقے پر بھیج دیتے۔ بڑا چغل خوران کا وہ رشتہ تھا۔ کہ خسرو کے خسر تھے۔ اور وہ جرم بغاوت میں خود معتوب تھا۔ چنانچہ شاہزادہ خورم نے صاف لکھا۔ کہ خان اعظم اسی رعایت سے مہم کو برباد کیا چاہتا ہے۔ اس کا یہاں رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ مست الست بادشاہ نے فوراً مہابت خاں کو روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ خان اعظم کو اپنے ساتھ لیکر آؤ، وہ گیا۔ اور خان کو عبداللہ اس کے بیٹے سمیت حاضر دربار کیا۔ آصف خاں کے سپرد ہوئے۔ کہ قلعہ گوالیار میں قیدیوں کی طرح محبوس رکھو۔ بلکہ چند روز پہلے خسرو کے لئے ماں بہنوں کی منت وزاری،

Marfat.com

سے اجازت ہوگئی تھی۔ کہ حضور میں آیا کرے۔ اب اسے بھی حکم ہوا۔ کہ بدستور آنا جانا بند۔

اللہ شکر خورہ کو شکر ہی دیتا ہے۔ آصف خاں نے حضور میں عرض کی۔ کہ خان اعظم قید خانہ میں مجھ پر عمل پڑھتا ہے۔ ترک حیوانات، خلوت، عورتوں سے علیحدگی وغیرہ وغیرہ عمل مذکور کے لئے شرط ہے۔ وہ اسے خود حاصل ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ تمام خانہ داری کے لوازمات اور آسائش کے سامان وہیں بھیج دو۔ اور دسترخوان پر بھی سب طرح کے کھانے، امیرانہ نعمتیں، یہاں تک کہ مرغ مرغابی، تیتر کے کباب لگانے لگے۔ خان اعظم کہتا تھا کہ مجھے عمل کا سان گمان بھی نہ تھا۔ خدا جانے ادھر ہی ادھر یہ معاملہ کیونکر ہوگیا۔

خسرو کی رہائی اور اقرار نامہ:

کچھ عرصہ کے بعد خسر تو چھٹ گئے۔ خسرو اسی طرح قید میں رہے۔ مگر رہائی کے وقت اقرار نامہ لکھوالیا کہ بے پوچھے بات نہ کرونگا۔ بادشاہ جدروپ گسائیں سے بڑی محبت کے ساتھ ملتے تھے۔ اس کی فقیرانہ اور حکیمانہ باتیں سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ بلکہ اسکی فرمائش کو ٹالتے نہ تھے۔ خان اعظم ان کے پاس گئے۔ اور بڑی عجز وانکسار کے ساتھ التجا کی۔ چنانچہ ایک دن جو جہانگیر گسائیں کے پاس گئے تو اس نے عارفانہ اور صوفیانہ تقریروں میں مطلب ادا کیا۔ اس کا اثر پورا ہوا۔ آکر حکم دیا۔ کہ خسرو بدستور دربار میں حاضر ہوا کرے۔ افسوس یہ کہ اخیر عمر میں مرتے مرتے خان اعظم نے ایک بیٹی کے رنڈاپے کا داغ اٹھایا۔

خسرو کی وفات:

۱۰۳۰ھ میں خسرو مر گیا۔ شاہجہاں مہم دکن پر رخصت ہوا تھا۔ وہ آکر باپ سے اس بدنصیب بھائی کی سفارش کیا کرتا تھا۔ اس موقع پر جہانگیر نے اسے کہا۔ میں دیکھتا ہوں۔ خسرو ہمیشہ آزردہ اور مکدر رہتا ہے۔ اور کسی طرح اس کا دل شگفتہ نہیں ہوتا۔ اسے تم اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ اور جس طرح مناسب سمجھو۔ حفاظت میں رکھو۔ وہ دکن میں بھائی کے ساتھ تھا۔ کہ دفعتاً درد قولنج اٹھا اور مر گیا۔ بعض مورخ یہ بھی کہتے ہیں۔ رات کو اچھا بھلا سویا۔ صبح دیکھو تو فرش پر مقتول پڑا ہے۔

۱۰۳۲ھ میں جلوس اٹھارہ میں داور بخش خسرو کے بیٹے کو صوبہ گجرات عنایت ہوا۔ انہیں بھی ساتھ رخصت کیا۔

خان اعظم کا انتقال:

۱۰۳۳ھ میں جلوس انیس میں بدمزاجی اور خوش مزاجی نفاق واتفاق کے جھگڑے تمام ہوئے۔

Marfat.com

ساری باتیں زندگی کے ساتھ ہیں۔ مر گئے کچھ بھی نہیں۔ احمد آباد گجرات میں خان اعظم نے دنیا سے انتقال کیا۔ جنازہ کو دلی میں لائے۔ سلطان مشائخ کے ہمسایہ میں اتکہ خان سوتے ہیں۔ ان کے پہلو میں بیٹے کو لٹا کر اماں زمین کے سپرد کر دیا۔

خان اعظم کی ہمت، شجاعت، سخاوت، لیاقت:

خان اعظم کی ہمت، شجاعت، سخاوت، لیاقت کی تعریفوں میں تمام تاریخوں اور تذکروں کی ایک زبان ہے۔ میں اول اس باب میں جہانگیر بادشاہ کا کلام لکھتا ہوں۔ تزک میں کہتے ہیں۔ میرے اور میرے والد بزرگوار نے اس کی ماں کے دودھ کا خیال کر کے اسے سب امرا سے بڑھا دیا تھا۔ اور اس سے اور اسکی اولاد کی طرف سے عجیب عجیب باتوں کی برداشت کرتے تھے۔ علم سیر فن تاریخ میں اسے کامل یادداشت تھی۔ تحریر اور تقریر میں بے نظیر تھا۔ نستعلیق خوب لکھتا تھا۔ ملا باقر ولد ملا میر علی کا شاگرد تھا۔ یہ بات بالاتفاق ہے۔ کہ ارباب استعداد اس کے قطعے کو اساتذہ مشہور کی تحریر سے کم درجہ نہ دیتے تھے۔ مدعا نویسی میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ مگر عربیت سے عاری تھا۔ لطیفہ گوئی میں بے مثل تھا۔ شعر بھی اچھا کہتا تھا۔ یہ رباعی اس کے واردات حال سے ہے۔

عشق آمد و از جنوں برومندم کرد　　وارستہ ز صحبت خردمندم کرد
آزاد ز بند دین و دانش گشتم　　تا سلسلۂ زلف کسے بندم کرد

اکبر کی دلداری اور ناز برداری:

جو کچھ حالات بیان ہوئے۔ سمجھنے والا اس سے نتیجے نکال سکتا ہے۔ مگر مآثر الامرا وغیرہ تاریخوں سے صاف صاف ثابت ہے کہ اس کی خود پسندی، خود رائی، بلندی نظری، بلکہ اوروں کی بداندیشی حد سے گزری ہوئی تھی۔ اور اکبر کی دلداری اور ناز برداری نے ان قباحتوں کو پرورش کیا تھا۔ جس کے حق میں جو چاہتا تھا کہہ بیٹھتا تھا۔ کسی انسان یا مقام یا انجام کا ہرگز لحاظ نہ کرتا تھا۔ اسی واسطے یہ بات زبان زد تھی۔ کہ اسے اپنی زبان پر اختیار نہیں۔ آخر اقرار نامہ لیا گیا کہ جب تک تم سے بات نہ پوچھیں۔ تم نہ بولو۔

لطیفہ:

ایک دن جہانگیر نے جہاں قلی (ان کے بیٹے) سے کہا۔ کہ ضامن پدر مے شوی؟ اس نے کہا۔ در ہر امر مگر زبان۔

Marfat.com

سلاطین چغتائیہ کا آئین:

سلاطین چغتائیہ کا آئین تھا کہ جب کوئی امیر حکم بادشاہی لیکر دوسرے امیر کے پاس جاتا تھا۔ تو وہ اس کا استقبال کر کے بڑی تعظیم سے ملتا تھا۔ جس وقت یہ ادائے پیام کرتا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر بموجب قواعد مقررہ کے کورنش و تسلیم بجالاتا تھا۔ خصوصاً جبکہ خبر کسی ترقی یا عنایت و مرحمت کی ہوتی تھی۔ تو زیادہ تر شکرانے کرتا تھا۔ بہت سی دعائیں دیتا تھا۔ اور جو امیر آتے تھے۔ انہیں تحائف نقد وجنس ساتھ کر کے رخصت کرتا تھا۔

جب جہانگیر نے ان کی خطا معاف کی۔ اور پھر پنج ہزاری منصب پر بحال کرنے لگا تو دربار میں بلایا۔ شاہجہاں سے کہا۔ کہ بابا (شاجہاں کو بابا۔ یا۔ بابا خرم کہا کرتا تھا) مجھے یاد ہے۔ کہ تمہارے دادا نے جب انہیں دوہزاری منصب عنایت فرمایا۔ تو شیخ فرید بخشی اور راجہ رام داس کو بھیجا کہ جا کر منصب کی مبارک باد دو۔ جب وہ پہنچے۔ تو یہ حمام میں تھے۔ وہ ڈیوڑھی پر بیٹھے رہے۔ ایک پہر کے بعد یہ نکلے۔ دیوان خانہ میں آکر بیٹھے اور انہیں سامنے بلایا۔ مبارک باد لی۔ بیٹھے بیٹھے سر پر ہاتھ رکھا (یہ آداب و کورنش ہوا) اور کہا تو یہ کہا۔ اب اس کے لئے اور فوج رکھنی پڑی۔ ان کا خیال بھی نہ کیا اور رخصت کر دیا۔ بابا مجھے شرم آتی ہے۔ کہ بحالی منصب پر مرزا کو کہ کھڑے ہو کر تسلیم بجالائے۔ خیر تم اس کی طرف سے کھڑے ہو کر آداب بجالاؤ۔

استعداد علمی:

تحصیل علمی ان کی عالمانہ نہ تھی۔ لیکن درباداری اور مصاحبت میں بے نظیر تھی۔ ہر بات ایک لطیفہ تھی۔ فارسی کے فصیح انشا پرداز اور عمدہ مطلب نگار تھے۔ زبان عربی تحصیل نہ کی تھی مگر کہا کرتے تھے۔ درعربی واہ عربیم۔

لطیفہ:

ان کا قول تھا۔ کہ جب کسی معاملے میں کوئی مجھ سے کچھ کہتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔ اور اسی بنا پر کارروائی کی صورت سوچنے لگتا ہوں۔ جب وہ کہتا ہے کہ نواب صاحب آپ خلاف نہ سمجھیں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ تب مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ قسم کھاتا ہے۔ تو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ جھوٹا ہے۔ مصاحبت اور علم مجلس میں بے نظیر تھے۔ اور مزے کی باتیں کرتے تھے۔

لطیفہ: فرمایا کرتے تھے کہ امیر کے لئے چار بیبیاں چاہئیں۔ مصاحبت اور باتوں چیتوں کے

Marfat.com

لئے ایرانی، خانہ سامانی کے لئے خراسانی، بیج کے لئے ہندوستانی، چوتھی ترکانی۔ اسے ہر وقت مارتے دھاڑتے رہیں کہ اور بیبیاں ڈرتی رہیں۔

چند فقرے آزاد کو ایسے لکھنے پڑے کہ خان اعظم کی روح سے شرمسار ہے۔ لیکن مورخ کا کام ہر بات کو لکھنا ہے اس لئے مآثر الامرا کے ورق کو اپنے برات کا گواہ پیش کر کے لکھتا ہے۔ کہ وہ خبث ونفاق۔ سخت مزاجی و بدکلامی میں سرآمد عہد تھے۔ اور تند غضب تھے۔ جب کوئی عامل ان کی سرکار میں معزول ہو کر آتا تھا۔ مستوفی ان کا روپیہ طلب کرتا۔ اگر دیدیا تو دے دیا۔ ورنہ اتنا مارتا کہ مر جاتا۔ لیکن خوبی یہ ہے کہ مار کھا کر بچ نکلتا تو پھر کوئی مزاحمت ہی نہ تھی۔ لاکھ روپیہ ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی برس نہ گزرتا تھا۔ کہ ان کے غصے کا استرا ایک دو دفعہ اپنے ہندو منشیوں کے سر اور منہ صاف نہ کرتا ہو۔ رائے درگا داس ان کے خاص دیوان تھے۔ ایک موقع پر اور منشیوں نے گنگا اشنان کی رخصت لی۔ نواب اس وقت کچھ خوشی کے دم میں تھے۔ کہا کہ دیوان جی تم ہر برس اشنان کو نہیں جاتے۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ میرا اشنان حضور کے قدموں میں ہو جاتا ہے (وہاں بھدرا نہ ہوا یہاں ہو گیا) سمجھ گئے۔ وہ قانون منسوخ کر دیا گیا۔

نماز کے مقید نہ تھے۔ مگر مذہب کا تعصب بہت تھا۔

ان کی طبیعت میں زمانہ سازی ذرا نہ تھی۔ نور جہاں کی وہ اوج موج رہی اور اس کی بدولت اعتماد الدولہ اور آصف جاہ کے دربار میں بھی ایک عالم کی رجوع تھی۔ مگر یہی نہ گئے۔ بلکہ نور جہاں کے دروازے تک بھی قدم نہ اٹھا۔ برخلاف خان خاناں کے۔ وہ ضرورت کے وقت رائے گوردھن اعتماد الدولہ کے دیوان کے گھر پر بھی جا موجود ہوتے تھے۔

خان اعظم کے بیٹے جہانگیری عہد میں باعزت واحترام رہے۔

سب سے بڑا شمس الدین	جہانگیر قلی خطاب تھا۔ اور تین ہزاری کے رتبے تک پہنچا۔
شادماں	شادماں خاں ہوئے۔
خرم	اکبر کے عہد میں جونا گڑھ پر تھا۔ گجرات میں باپ کے ساتھ تھا۔ جہانگیری عہد میں کامل خاں خطاب پایا۔ رانائے اودے پور کی مہم میں شاہجہاں کیساتھ تھا۔
مرزا انور	زین خاں کوکہ کی بیٹی اس سے منسوب تھی۔ یہ سب تین ہزاری اور دو ہزاری کے رتبے کو پہنچے۔

خان اعظم کے حالات سے اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک جاہل مزاج مسلمان۔ خواہ ٹرا سپاہی یا

Marfat.com

ضدی امیر زادہ تھا۔ بعض باتیں ایسی بھی ہو جاتی تھیں۔ جن سے اسے لوگ احمق کہتے تھے۔ نقلیں جو اس باب میں مشہور ہیں وہ کتابی نہیں ہیں۔ اس لئے درج کتاب نہیں کرتا۔ اتنا ضرور ہے کہ سادگی کہو، کم فہمی نام رکھو۔ غرض یہ وصف اس خاندان کے لہو میں داخل تھا۔ ان کے چچا میر محمد خاں اتکہ خاں اور خان کلاں کہلاتے تھے۔ اکبر نے کمال خاں گکھڑ کے ساتھ کیا۔ کہ اس کے بھائی بندوں نے سرشوری کر کے اسے نکال دیا ہے۔ تم فوج لیکر جاؤ۔ اور اس کا حق دلوا دو۔ چند امیر صاحب اور بھی ساتھ تھے۔ بادشاہی سرداروں نے جا کر پہاڑوں کو ہلا ڈالا۔ آدم خاں گکھڑ کمال خاں کا چچا قید ہوا۔ لشکر خاں اس کا بیٹا کشمیر کو بھاگ گیا۔ اور پکڑا آیا مگر دونوں اپنی موت سے مر گئے۔ امرائے شاہی نے ملک کمال خاں کو سپرد کر دیا اور آگرہ میں آکر حضور کو سلام کیا۔ خان کلاں سب سے آگے تھے۔ بادشاہ نے ان کی سلامی لینے کے واسطے دربار عالی ترتیب دیا۔ خان موصوف نے اپنی ساری بہادری کا زور لگا کر ایک قصیدہ بھی کہا۔ اس دن امرا، فضلا، شعرا وغیرہ اکابر سلطنت کے لئے حاضر ہونے کا حکم تھا۔ خان نے کہا کہ ایسے دربار پر بہار پر میرا قصیدہ پڑھا جاوے تو بڑی بہار ہے۔ بادشاہ کو بھی اس گھرانے کا بڑھانا منظور تھا۔ بلکہ اسی واسطے یہ دربار کیا تھا۔ غرض تمام جلسہ مرتب و مکمل۔ آراستہ اور بادشاہ بھی دل و جان سے کان لگائے۔ کہ دیکھیں۔ خان کلاں کیا کہتے ہیں۔ اور انہیں بھی بڑے انعام کی امید۔ غرض پہلا ہی مصرع پڑھا۔

بحمد اللہ کہ دیگر آمدم فتح گکر کردہ

لوگ تو انہیں پہلے سے جانتے تھے۔ آپس میں نگاہیں لڑیں۔ اور دلوں میں گدگدیاں ہوئیں۔ کہ دیکھئے آگے کیا کہتے ہیں۔ اتنے میں عبد الملک خاں ان کا داماد آن پہنچا۔ اور آگے بڑھ کر بولا۔ خانم دیگر آمدیم بخوانید۔ کہ نامردان دیگر ہم در رکاب شما بودند۔ اتنا کہنا تھا کہ ایک قہقہہ اڑا اور ہنسی کے مارے سب لوٹ گئے۔ خان کلاں نے دستار زمین پر دے ماری۔ اور کہا، بادشاہوں، داد از دست ایں مردک ناقابل کہ ہمہ مشقت مرا ضائع ساخت۔

عبد الما لک خاں کی حقیقت بھی سن لو۔ اپنا سجع آپ کہا تھا اور مہر درباری کے نگینے پر کھدوا کر اپنے تئیں رسوا کیا تھا۔

عبدرا چوں بر ملک افزوں کنی　　پس الف لا مے درد و اندروں کنی

ملا شیری شاعر ہندی نے ان کی تعریف میں قصیدہ کہا تھا۔ کہ تمام دور نے مضامین سے رنگین تھا۔ ایک شعر اسی کا ملا صاحب نے لکھ دیا ہے۔

اگر گنوار بیاید مقابل تو گریز　　کہ صاحبی و مقابل نمے شوی بہ گنوار

Marfat.com

حسین خاں ٹکریہ

ابتدائی حالات:

یہ سردار نورتن کے سلسلے میں آنے کے قابل نہیں۔ مگر اپنے اسلام اور دینداری میں اس قسم کے خیالات رکھتا تھا جن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت کے سیدھے سادھے مسلمانوں کے کیا طور وطریقے تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ ملا صاحب کے حالات اور خیالات کو اس سے بڑا تعلق ہے۔ جہاں اس کا ذکر آتا ہے۔ بڑی محبت سے لکھتے ہیں۔ مآثر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بہادر افغان اول بیرم خاں خان خاناں کا نوکر ہوا۔ اور اسی وقت سے ہمایوں کے ساتھ تھا۔ جب کہ اس نے ایران سے آکر قندھار کو محاصرہ کیا۔ اور فتح پائی۔ شجاعت ہر معرکے میں اسے بے جگر کر کے آگے بڑھاتی رہی۔ اور جانفشانی اس کے درجے بڑھاتی رہی۔ مہدی قاسم خاں ایک معزز سردار تھا۔ وہ اس کا ماموں تھا۔ اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔

شجاعت و بہادری:

یہ اکبر کے عہد میں بھی با اعتبار رہا۔ جبکہ سکندر سور کو اکبری لشکر نے دباتے دباتے جالندھر کے پہاڑوں میں گھسیڑ دیا۔ اور پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ تو سکندر قلعہ مان کوٹ میں بیٹھ گیا۔ امرا روز لڑتے تھے۔ اور جوہر دکھاتے تھے۔ اس بہادر نے ان لڑائیوں میں وہ کام کیے۔ کہ رستم ہوتا تو داد دیتا۔ حسن خاں اس کے بھائی نے بڑھ کر قدم مارا۔ کہ جان کو نام پر قربان کیا۔ حسین خاں نے وہ وہ تلواریں ماریں۔ کہ ادھر سے اکبر اور ادھر سے سکندر دونوں دیکھتے تھے اور عش عش کرتے تھے۔ اور روز بروز بادشاہ زرخیز علاقے اس کی جاگیر میں دیتے تھے۔ ان حملوں میں حسن خاں ان کا بھائی جانباز بہادروں میں سرخرو ہو کر دنیا سے گیا۔ بادشاہ جب ۹۶۵ھ میں لڑائی کے بعد ہندوستان کو چلے تو اسے صوبہ پنجاب عنایت کیا۔

Marfat.com

ٹکریہ کی وجہ تسمیہ:

جب یہ حاکم لاہور تھے۔ تو ایک لمبی ڈاڑھی والا مرد معقول ان کے دربار میں آیا۔ یہ حامئ اسلام تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ مزاج پرسی سے معلوم ہوا کہ وہ تو ہندو ہے۔ اس دن سے حکم دیا کہ جو ہندو ہوں وہ کندھے کے پاس ایک رنگین کپڑے کا ٹکڑا ٹکوایا کریں۔ لاہور بھی ایک عجیب چیز ہے۔ یہاں کے لوگوں نے ٹکریہ نام رکھ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اب پیوند کوتا کی کہتے ہیں۔ اس وقت اسے ٹکڑی کہتے تھے۔

۹۶۶ھ میں اندری سے آگرہ میں آئے۔ اور چند سرداران نامی کے ساتھ فوجیں لیکر رنتھبور پر گئے۔ مقام سوپر پر میدان ہوا۔ بہادر پٹھان دھاوے کا شیر تھا۔ ایسے متواتر حملے کئے۔ کہ رائے سرجن رانا قلعے میں گھس گیا۔ یہ اسے دبا رہا تھا۔ کہ خان خاناں کے ساتھ زمانے نے دغا کی۔ اور عالم کا نقشہ بدلتا نظر آیا۔ جن لوگوں کے رنگ جمتے جاتے تھے۔ ان کی ان کی پہلے سے لاگیں چلی آتی تھیں (صادق محمد خاں وغیرہ) اس لئے دل شکستہ ہو گیا اور مہم کو ناتمام چھوڑ کر گوالیار میں آیا۔ مالوے کا ارادہ تھا۔ کہ خان خاناں نے آگرہ سے خط لکھا اور بلا بھیجا۔ برے وقت میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ بڑے بڑے سردار اس کے دامن گرفتہ کہلاتے تھے۔ پچیس ان میں سے پنج ہزاری تھے۔ باقی کا شمار تم سمجھو۔ ان میں سے فقط چھ امیر تھے جنہوں نے جان اور مال کو بات پر قربان کر کے خان خاناں کا ساتھ دیا۔ اور ان میں سے ایک حسین خان تھے۔ ایک شاہ قلی خاں مرحوم۔

گناچور کا میدان جنگ:

جب گناچور کے میدان میں خان خاناں کا اتکہ خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ تو وفاداروں نے خوب خوب جوہر دکھائے۔ چار دلاور سردار میدان جنگ میں زخمی ہو کر گرے۔ اور بادشاہی فوج کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ انہی میں خان مذکور تھا۔ ایک زخم اس کی آنکھ پر آیا کہ زخم نہ تھا۔ جمال دلاوری کے لئے چشم زخم تھا۔ مہدی قاسم خاں اور اس کا بیٹا دربار میں بااعتبار تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ بادشاہ بھی حسین خاں کے جوہر وفا سے خوب واقف تھا اسی واسطے عزیز رکھتا تھا۔ ساتھ اس کے اپنے بدنیت مصاحبوں سے واقف تھا۔ چنانچہ حسین خاں کو اس کے سالے کے حوالے کر دیا۔ اس میں ضرور یہ غرض تھی۔ کہ بداندیشوں کی بدی سے محفوظ رہے۔ جب اچھا ہوا تو خدمتیں بجالانے لگا۔ چند روز کے بعد چپتالی (1) کا لعاقہ ملا۔ کہ امیر خسرو کی ولادت گاہ ہے۔

---

(1) دریائے گنگا کے کنارے تھا۔

Marfat.com

۹۷۴ھ میں مہدی قاسم خاں حج کو چلے۔ حسین خاں اس کے بھانجے بھی تھے۔ داماد بھی۔ حسن اعتقاد سے پہنچانے کو سمندر کے کنارے تک ساتھ گیا۔ پھرے ہوئے آتا تھا۔ جو دیکھا کہ ابراہیم حسین مرزا وغیرہ شہزادگان تیموری نے ادھر کے شہروں اور جنگلوں میں آفت برپا کر رکھی ہے۔ ایک مقام پر غل ہوا۔ کہ شہزادہ مذکور فوج لئے لوٹتا مارتا چلا آتا ہے۔ یہ بالکل بے سروسامان تھے۔ مقرب خاں ایک دکنی سردار کے ساتھ ستواس میں پناہ لی۔ قلعے میں ذخیرہ نہ تھا۔ گھوڑے اونٹ تک نوبت پہنچ گئی۔ سب کاٹ کر کھا گئے۔ مقرب خاں کی کہیں سے مدد نہ پہنچی۔ ابراہیم مرزا ہر چند پیام بھیجتا تھا۔ قلعہ والوں کے سر پر شجاعت کھیل رہی تھی۔ کسی طور پر صلح پر راضی نہ ہوتے تھے۔ ادھر مقرب خاں کا باپ اور بھائی ہنڈیہ میں گھرا ہوا تھا۔ مرزا کی فوج نے ہنڈیہ کو توڑ ڈالا۔ اور بڈھے کا سر کاٹ کر بھیج دیا۔ مرزا نے اپنے نیزے پر چڑھا کر مقرب خاں کو دکھایا۔ اہل قلعہ کو کہا کہ مقرب خاں کے اہل وعیال کا یہ حال ہوا۔ تم کس بھروسے پر لڑتے ہو۔ ہنڈیہ کے ٹھیکرے تو یہ موجود ہیں۔ مقرب خاں نے مجبور ہو کر شہر حوالے کر دیا۔ اور خود بھی جا کر سلام کیا۔

حسین خاں کو بھی قول دیکر امان دی اور قسم کھا کر باہر نکالا۔ یہ یک رخہ بہادر اپنی بات کا پورا تھا۔ ہرگز نہ مانا اور سامنے نہ گیا۔ کہ اپنے بادشاہ کے باغی کو سلام کرنا پڑے گا۔ اس نے بہت کہا کہ میری رفاقت اختیار کرو۔ یہاں سے کب ہو سکتا تھا۔ آخر اجازت دی کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اکبر کو سب خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جب دربار میں آیا۔ خان زمان کی مہم درپیش تھی۔ اور قدر دانی و دلداری کے بازار گرم تھے۔ بہت عنایت کی۔ قلعہ بندی کی مصیبت نے کمال مفلس و بدحال کر دیا تھا۔ ۹۷۴ھ میں ۳ ہزاری منصب اور شمس آباد کا علاقہ بھی ملا۔ مگر سخاوت کی بدانتظامی اسے تنگدست ہی رکھتی تھی۔ وہ یہاں علاقے کا انتظام اور اپنی فوج کی درستی میں مصروف تھا۔ کہ اکبر نے خان زمان پر فوج کشی کی۔ اور یہ اس کی تیسری دفعہ تھی۔ جس میں اکبر کا ارادہ تھا۔ کہ اب کی دفعہ ان کا فیصلہ ہی کر دے۔ اس فوج کشی میں جس قدر پھرتی تھی۔ اس سے زیادہ سنگینی اور استحکام تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔ اول لشکر کی ہراولی اس کے نام ہوئی تھی۔ مگر چونکہ وہ ستواس سے قلعہ بندی اٹھا کر آیا تھا۔ اور مفلس اور پریشان حال ہو رہا تھا۔ اس لئے دیر ہوئی۔ بادشاہ نے اس کی جگہ قبا خاں گنگ کو ہراول کیا۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ میں ان دنوں اس کے ساتھ تھا۔ شمس آباد میں ٹھہر گیا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

آزاد۔ اس مہم میں حسین خاں کے شامل نہ ہونے کا سبب یہی ہے۔ جو ملا صاحب نے کہا۔ ۔۔۔ یہ بھی عجب نہیں کہ وہ اور علی قلی خاں وغیرہ سب بیرم خانی امت تھے۔ حسین خاں یک رخہ سپاہی

Marfat.com

تھا۔ اور یہ جانتا تھا کہ منافقان حسد پیشہ نے خواہ مخواہ اسے باغی کروایا ہے۔ اس لئے نہ چاہا۔ اس مہم میں شامل ہو اور دوست کے منہ پر بے تقصیر تلوار کھینچے۔ اور دیکھنا وہ اس کی کسی لڑائی میں شامل نہیں ہوا۔

میر معز الملک کی ہمراہی:

میر معز الملک کی ہمراہی میں بہادر خاں کی لڑائی میں شامل تھے۔ محمد امین دیوانہ کہ وہ بھی خاص بیرم خاں کا پالا ہوا ہراول کا سردار تھا۔ اور حسین خاں بھی اپنی فوج میں موجود تھے۔ ملا صاحب یہاں لکھتے ہیں۔ بہت سے بہادر اس معرکے میں موجود تھے۔ مگر معز الملک کی بدمزاجی اور لالہ ٹوڈرمل کے روکھے پن سے بیزار تھے۔ انہوں نے لڑائی میں تن نہ دیا۔ ورنہ سر میدان خواری نہ ہوتی۔

لکھنو کی جاگیر ملنا:

۹۷۷ھ میں لکھنو کا علاقہ اس کی جاگیر میں تھا۔ کہ مہدی قاسم خاں ان کا خسر حج سے پھرا۔ بادشاہ نے لکھنو اس کی جاگیر میں دے دیا۔ حسین خاں اس علاقے کا اپنی جاگیر سے نکلنا نہ چاہتا تھا۔ ان کی مرضی یہ تھی کہ مہدی قاسم خاں خود بادشاہ سے کہیں اور لینے سے انکار کریں۔ اس نے لے لیا۔ یہ بہت خفا ہوئے اور آیہ ہذا فراق بینی وبینک پڑھا۔ اس طرح کہ قیامت پر دیدار جا پڑے۔ باوجود یکہ مہدی قاسم خاں کی بیٹی کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس پر اس کے باپ کے جلانے کو اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اسے پٹیالی میں رکھا۔ اور قاسم خاں کی بیٹی کو خیر آباد اس کے بھائیوں میں بھیج دیا۔ نوکری سے بیزار ہو گیا۔ اور کہا کہ اب خدا کی نوکری کرینگے۔ اور جہاد کر کے دین خدا کی خدمت بجا لائیں گے۔

کوہ شوالک کے مندر اور شوالے:

کہیں سن لیا تھا۔ کہ اودھ کے علاقے سے کوہ شوالک میں داخل ہوں۔ تو ایسے مندر اور شوالے ملتے ہیں۔ کہ تمام سونے چاندی کی اینٹوں سے چنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ لشکر تیار کر کے دامن کوہ میں داخل ہوا۔ پہاڑیوں نے اپنے معمولی پیچ کھیلے، گاؤں چھوڑ دیئے اور تھوڑی بہت مار پیٹ کے بعد اونچے اونچے پہاڑوں میں گھس گئے۔ حسین خان بڑھتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ جہاں سلطان محمود کا بھانجا پیر محمد شہید ہوا تھا۔ اور شہیدوں کا مقبرہ موجود تھا۔ اس نے شہیدوں کی پاک روحوں پر فاتحہ پڑھی۔ قبریں مسمار پڑی تھیں۔ ان کا چبوترہ باندھا اور آگے بڑھا۔ دور تک نکل گیا۔ مقام جزایل پر جا پہنچا

Marfat.com

اور وہاں تک گیا۔ کہ جہاں اجمیر دار الخلافہ ان کا دو دن کی راہ پر رہ گیا۔

قدرتی آفات کا سامنا:

یہاں سونے چاندی کی کان ابریشم مشک اور تمام عجائب ونفائس ولایت تبت کے ہوتے ہیں۔ اس سرزمین کی قدرتی تاثیر ہے۔ نقارہ کی دمک۔ لوگوں کے غل اور گھوڑوں کے ہنہنانے سے برف پڑنے لگتی ہے۔ چنانچہ یہی آفت برسنی شروع ہوئی۔ گھاس کے پتے تک نایاب ہو گئے۔ رسد کا رستہ ہی نہ تھا۔ بھوک کے مارے لوگوں کے حواس جاتے رہے۔ حسین خاں دلاور کا دل اپنی جگہ بدستور قائم تھا۔ اس نے لوگوں کے دل بہت بڑھائے۔ جواہرات اور خزانوں کے لالچ دیئے۔ سونے چاندی کی اینٹوں کی بھی کہانیاں سنائیں۔ مگر سپاہی دل ہار چکے تھے۔ کسی نے قدم نہ اٹھایا۔ اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر زبردستی کھینچ لائے۔ پھرتے ہوئے پہاڑوں نے رستہ روکا۔ چاروں طرف سے امنڈ آئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کھڑے ہوئے۔ اور تیر برسانے شروع کئے۔ ان تیروں پر زہریلی ہڈیوں کی پیکان چڑھی تھی۔ پتھروں کی بارش تو ان کے نزدیک کچھ بات ہی نہ تھی۔ بڑے بڑے بہادر سورما شہید ہو گئے۔ جو جیتے پھرے وہ زخمی تھے۔ پانچ پانچ چھ چھ مہینے بعد زہر کی تاثیر سے وہ مر گئے۔

حسین خاں پھر دربار میں حاضر ہوئے۔ اکبر کو بھی افسوس ہوا۔ مگر اس نے عرض کی۔ مجھے کانت گولہ کا علاقہ جاگیر ملے کہ دامن کوہ ہے۔ میں ان سے انتقام لئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ درخواست منظور ہوئی۔ اس نے بھی کئی دفعہ پہاڑ کے دامن کو ہلا ہلا دیا۔ مگر اندر نہ جا سکا۔ اور اپنے پرانے سپاہی جو پہلی دفعہ بچا کر لایا تھا انہیں اب کی دفعہ موت کا زہر آب پلایا۔ پہاڑ کا پانی ایسا لگا کہ بن لڑے مر گئے۔

۹۸۰ھ میں کہ اکبر خان اعظم کی مدد کے لئے خود یلغار کر کے گیا تھا۔ میدان جنگ کی تصویر تم دیکھ چکے ہو رستم واسفندیار کے معرکے آنکھوں میں پھر جاتے تھے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حسین خاں اس موقع پر پیش قدم تھا۔ اور اکبر شمشیر زنی دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اسی وقت بلوایا اور شمشیر خاصہ کہ جسے کاٹ اور گھاٹ کی خوبی سے اور جوہر دشمن کشی سے ہلا کی خطاب دیا ہوا تھا۔ انعام فرمائی۔

ابراہیم حسین مرزا:

ابراہیم حسین مرزا لوٹتا مارتا ہندوستان کی طرف آیا۔ کہ اکبر گجرات میں ہے ادھر میدان خالی ہے۔ شاید کچھ بات بن جائے۔ حسین خاں کی جاگیر اس وقت کانت گولہ ہی تھی۔ پٹیالی اور بداؤں

Marfat.com

کے سرکش دبانے آئے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں ابراہیم کے آنے سے بھونچال آ گیا۔ مخدوم الملک اور راجہ بھاڑامل فتح پور میں وکیل مطلق تھے۔ دفعتاً ان کا خط حسین خاں کے پاس پہنچا۔ کہ ابراہیم دو جگہ شکست کھا کر دلی کی اطراف میں پہنچا ہے اور یہ پائے تخت کا مقام ہے کہ خالی پڑا ہے۔ اس فرزند کو چاہئے۔ کہ جلد اپنے تئیں وہاں پہنچائے۔ یہ ایسے معرکوں کے عاشق تھے خط دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ رستے میں خبر لگی کہ راجہ اولیر جو ابتدائی جلوس اکبری سے ہمیشہ نواحی آگرہ میں رہزنی اور فساد کرتا رہتا ہے۔ اور قزاق بنا پھرتا ہے۔ اور بڑے بڑے نامی امیروں کے ساتھ سخت معرکے مار کے اچھے اچھے بہادروں کو ضائع کر چکا ہے۔ اس وقت نورا ہے کے جنگل میں چھپا ہوا بیٹھا ہے۔ رمضان کی ۱۵ تاریخ تھی۔ حسین خاں اور اس کے لشکر کے لوگ روزے سے تھے اور بے خبر چلے جاتے تھے۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ کہ یکا یک بندوق کی آواز آئی۔ اور فوراً لڑائی شروع ہوگئی۔ راجہ اولیر نے جنگل کے گواروں کو ساتھ لیا ہوا تھا۔ درختوں پر تختے باندھ رکھے تھے۔ ڈاکوان پر مزے سے بیٹھ گئے۔ اور جنگل پہاڑوں کو تیر و تفنگ کے منہ پر دھر لیا۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی حسین خاں کے زانو کے نیچے گولی لگی۔ ران میں دوڑ گئی۔ اور گھوڑے کی زین پر جا کر نشان دیا۔ اسے ضعف آ گیا۔ چاہتا تھا کہ گرے مگر بہادری نے سنبھالا۔ ملا عبدالقادر بھی ساتھ تھے۔ لکھتے ہیں۔ کہ میں نے پانی چھڑکا آس پاس کے لوگوں نے جانا روزہ کا ضعف ہے۔ میں نے باگ پکڑ کر چاہا کہ کسی درخت کی اوٹ میں لے جاؤں۔ آنکھ کھولی۔ خلاف عادت چیں بہ جبیں ہو کر مجھے دیکھا اور جھنجھلا کر کہا۔ کہ باگ پکڑنے کا کیا موقع ہے۔ بس اتر پڑو۔ اسے وہیں چھوڑ کر سب اتر پڑے۔ ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور طرفین سے اتنے آدمی مارے گئے۔ کہ وہم بھی ان کے شمار میں عاجز ہے۔ شام کے وقت اس قلیل جماعت کے حال پر خدا نے رحم کیا۔ فتح کی ہوا چلی۔ اور مخالف اس طرح سامنے سے چلنے شروع ہوئے۔ جیسے بکریوں کے ریوڑ چلے جاتے ہیں۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں حرکت نہ رہی۔ جنگل میں دوست دشمن غٹ پٹ ہو گئے۔ باہم پہچانتے تھے۔ اور ضعف کے مارے ایک کا ہاتھ ایک پر نہ اٹھتا تھا۔ بعض مقبول اور مستقل بندوں نے جہاد کا بھی ثواب لیا اور روزہ بھی رکھا۔ برخلاف فقیر کے کہ جب بے طاقت ہونے لگا تو گھونٹ پانی بہم پہنچا کر گلا تر کیا۔ بعضے بیچاروں نے بے آبی سے جان دی۔ اچھے یار تھے کہ اچھی شہادت کو پہنچے۔

حسین خاں کی فتح:

بڈھا سردار حسین خاں فتح پا کر کانت گولہ کو گیا۔ کہ سامان درست کرے اور علاقے کا

Marfat.com

بند و بست کرے۔ اتنے میں سنا کہ حسین مرزا نواحی لکھنو میں سنبھل سے ۱۵ کوس پر ہے۔ سنتے ہی پالکی میں پڑ کر چل کھڑا ہوا۔ مرزا بانس بریلی کو کترا گیا۔ اور وہ یلغار کر کے دوڑا۔ مرزا کو خان کی بہادری کا حال خوب معلوم تھا۔ لکھنو کے نواحی میں فقط سات کوس کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اگر لڑائی ہوتی تو خدا جانے۔ قسمت کا پاسا کس پہلو پڑتا۔ مگر جو حالت اس وقت حسین خاں کی اور لشکر کی تھی اس کے لحاظ سے مرزا نے غلطی کی جو نہ آن پڑا۔ اور بچ کر نکل گیا۔ حق یہ ہے کہ اس کی دھاک کام کر گئی۔

حسین خان سنبھل گیا۔ آدھی رات تھی۔ نقارے کی آواز پہنچی۔ پرانے پرانے سردار انبوہ لشکر لئے موجود تھے جانا کہ مرزا آن پہنچا۔ سب قلعے کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے۔ اور مارے رعب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ آخر قلعے کے نیچے کھڑے ہو کر آواز دی کہ حسین خاں ہے تمہاری مدد کو آیا ہے۔ اس وقت خاطر جمع ہوئی تو پیشوائی کو نکلے۔ دوسرے سب سب امرا کو جمع کر کے مشورت کی۔ سب کی رائے یہ تھی۔ کہ گنگا کے کنارے پر اہار کے قلعے میں اور امرا بھی لشکر لئے بیٹھے ہیں۔ ان کے ساتھ چل کر ملنا چاہئے۔ اور جو صلاح ہو سو عمل میں آئے۔ حسین خاں نے کہا۔ بارک اللہ مرزا کہ یہ دور دست ملک اور گنتی کے سواروں سے یہاں تک آن پہنچا۔ تمہارے پاس اضعاف مضاعف لشکر اور بیس تیس سردار پرانے سپاہی اور سنبھل کے قلعے میں ہیں۔ ادھر وہ قلعہ اہار والے سردار ہیں۔ کہ جمعیت بے شمار لے کر چوہے کی بلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اب دو باتوں کا موقع ہے یا تو تم گنگا پار اتر جاؤ۔ اہار والے پرانے بہادروں کو بھی ساتھ لو۔ اور مرزا کا راستہ روکو کہ پار نہ اتر سکے۔ اور میں پیچھے سے آتا ہوں۔ جو کرے سو خدا۔ یا میں جھٹ پٹ پار اتر جاتا ہوں۔ تم پیچھے سے دباؤ کہ شہنشاہی دولت خواہی کا حق یہی ہے۔ اس پر ان میں سے ایک راضی نہ ہوا۔ ناچار جو سوار ساتھ تھے۔ انہیں کو لے کر بھاگا بھاگ اہار پر پہنچا۔ انہیں بھی باہر نکالنا چاہا۔ جب نکلے تو بہت ملامت کی اور جمع کر کے کہا کہ غنیم ولایت کے بیچ میں آن پڑا ہے۔ اور یہاں بدحواسی کا یہ عالم ہے۔ گویا لشکر میں خرگوش آ گیا۔ اگر جلد جنبش کرتے ہو تو کچھ کام ہو جائے گا۔ زندہ ہاتھ آئیگا اور فتح تمہارے نام ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ میں تو دلی کی حفاظت کا حکم تھا ہم وہاں سے ریلتے ہوئے یہاں تک آئے۔ خواہ مخواہ مقابلہ کیا ضرور ہے۔ خدا جانے انجام کیا ہو۔

مرزا کی لاہور تک پیش قدمی:

ادھر مرزا امروہہ کو لوٹتا ہوا چومالہ کے گھاٹ سے گنگا پار ہوا۔ اور لاہور کا رستہ پکڑا۔ حسین خاں امرا پر دولت خواہی ثابت کر کے ان سے جدا ہوا۔ اور گڑھ مکتیسر پر اس طرح جھپٹ کر آیا کہ حریف

Marfat.com

سے دست و گریبان ہو جائے۔ امرا میں سے جنہوں نے ساتھ دیا ترک سبحان قلی اور فرخ دیوانہ تھے۔ پیچھے اہار والے امیروں کے بھی خط آئے کہ ذرا ہمارا انتظار کرنا کہ ۹ سے گیارہ اچھے ہیں۔ مرزا کے سامنے میدان خالی تھا۔ جیسے خالی شطرنج میں رخ پھرتا ہے۔ اسی طرح مرزا پھرتا تھا۔ اور آباد شہروں کو لوٹتا مارتا چلا جاتا تھا۔ پائل نواح انبالہ میں فحش و فضیحت بندگان بے گناہ کے عیال کی حد سے گزر گئی۔ غرض حسین خاں پیچھے پیچھے دبائے چلا آتا تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے امرا تھے۔ سرہند میں آ کر سب رہ گئے۔ حسین خاں ہی لپٹا چلا آیا۔ اور سوار اس کے رفاقت میں سو سے زیادہ نہ تھے۔ لودیانہ میں خبر پائی کہ لاہور والوں نے دروازے بند کر لئے۔ اور مرزا شیر گڑھ اور دیپال پور کو گیا۔

حسین قلی خاں:

حسین قلی خاں بیرم خاں کا بھانجا۔ کانگڑہ کو گھیرے پڑا تھا۔ اس نے مرزا کی آمد سنتے ہی پہاڑیوں سے صلح کا ڈھنگ ڈالا۔ انہوں نے منظور کیا۔ بہت سے نقد جنس جن میں پانچ من سونا تھا۔ لعل بہا میں لیا۔ اور وعدہ کر لیا کہ سکہ خطبہ بادشاہی جاری رہے گا۔ چند نامی سردار اس کے ساتھ تھے جن میں راجہ بیربر بھی شامل تھے۔ سب کو لیکر سیل کی طرح پہاڑ سے اترا۔ حسین خاں سنتے ہی تڑپ گیا۔ اور قسم کھائی کہ جب تک حسین قلی خان سے نہ جا ملوں روٹی حرام ہے یہ دیوانگی کہ ہزار درجہ ان عاقلوں کی عقلوں پر شرف رکھتی ہے۔ اسے اڑائے لئے جاتی تھی۔ جھنی وال علاقہ شیر گڑھ میں پہنچ کر شیخ داؤ جھنی وال سے کہ بڑے خدا رسیدہ فقیر تھے۔ ملاقات کی۔ کھانا آیا تو انہوں نے عذر بیان کیا۔ انہوں نے کہا۔ آزردن دل دوستاں جہل است و کفارہ یمین سہل۔ اس خوش اعتقاد نے تعمیل حکم سعادت سمجھ کر اسی وقت غلام آزاد کیا اور کھانا کھایا۔

فاضل بداؤنی بھی اس یلغار میں ساتھ تھے۔ کہتے ہیں کہ رات کو وہیں رہے۔ اور کل رسد کا سامان شیخ کے ہاں سے ملا۔ میں لاہور سے تیسرے دن وہاں پہنچا اور حضرت کی حضوری میں وہ کچھ آنکھوں سے دیکھا کہ خیال میں بھی نہ تھا۔ چاہا تھا کہ دنیا کے کاروبار چھوڑ کر ان کی جاروب کشی کیا کروں۔ مگر حکم ہوا کہ فی الحال ہندوستان جانا چاہئے۔ رخصت ہو کر بحال خراب و دل پریشاں کہ خدا کسی کو نصیب نہ کرے۔ رخصت ہوا چلتے وقت نالہائے بے اختیار دل سے نکلے

دل بہ امید صدائے کہ مگر در تو رسد | نالہا کرد دریں کوہ کہ فرہاد نہ کرد

حضرت کو خبر ہوئی۔ باوجودیکہ تین دن سے زیادہ کسی کو حکم نہ تھا۔ مجھے چوتھے دن بھی رکھا۔ بہت سے فیض پہنچائے۔ اور ایسی باتیں کہیں۔ کہ اب تک دل مزے لیتا ہے۔

Marfat.com

میروم سوئے وطن وز درد دل بے اختیار　　نالہ دارم کہ پنداری بہ غربت مے روم

حسین قلی خاں مرزا سے چھری کٹاری ہوا چاہتا تھا۔ حسین خاں اس کے پیچھے تھا۔ تلبہ ایک منزل رہا تھا حسین قلی خاں کو خط لکھا کہ چار سو کوس یلغار مار کر...... یہاں تک آیا ہوں۔ اگر اس فتح میں مجھ کو بھی شریک کرو اور ایک دن لڑائی میں دیر کرو تو آثار محبت سے دور نہ ہوگا۔ وہ بھی آخر بیرم خان کا بھانجا تھا۔ یہ سنتے ہی ظاہرا خوش باشد کہا۔ اور گھوڑے کو ایک چچی اور کر گیا۔ اسی دن مارا مار تلنبے کے میدان میں جہاں سے ملتان ۴۰ کوس رہتا ہے۔ تلواریں کھینچ کر جا پڑا۔ مرزا کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ تھی۔ شکار کو گیا تھا۔ فوج کچھ کوچ کی تیاری میں تھی۔ بعضے بے سامان پریشان تھے۔ جنگ میدان کی لڑائی کا انتظام بھی نہ ہو سکا۔ مرزا کا چھوٹا بھائی پیش دستی کر کے حسین قلی خان کی فوج پر آن پڑا۔ زمین کی ناہمواری سے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا۔ نوجوان لڑکا پکڑا گیا۔ مرزا اتنے میں شکار سے پھرے۔ اتنے میں کام ہاتھ سے جا چکا تھا۔ ہر چند سپاہیانہ کوششیں کیں۔ اور مردانہ حملے کئے کچھ نہ ہو سکا۔ آخر بھاگ نکلا۔ فتح کے دوسرے دن حسین خان پہنچے۔ حسین قلی خان نے میدان جنگ دکھایا۔ اور ہر ایک کی جانفشانی کا حال بیان کیا۔ حسین خاں نے کہا کہ غنیم جیتا نکل گیا ہے تمہیں تعاقب کرنا چاہئے تھا۔ کہ جیتا پکڑ لے۔ کام ابھی ناتمام ہے۔ اس نے کہا کہ نگر کوٹ یلغار کر کے آیا ہوں۔ لشکر نے وہاں بڑی محنتیں اٹھائیں۔ اب ان میں طاقت نہیں رہی۔ یہی بڑی فتح تھی۔ حالانوبت یاران دیگر است۔ حسین خاں نے اس امید پر کہ شاید اس کی بھی نوبت آجائے اور محنت پانسو کوس کی یلغار کی بھول جائے۔ اس سے رخصت ہو کر چلا۔ تھکے ماندے آدمیوں کو ہاتھی اور نقارہ سمیت لاہور بھیج دیا۔ اور آپ مرزا بچارہ کے پیچھے چلا۔ جہاں بیاس اور ستلج ملتے ہیں۔ وہاں مرزا بدنصیب پر جنگل کے ڈاکوؤں نے شبخون مارا۔ ایک تیر اس کی گدی میں ایسا لگا کہ منہ میں نکل آیا۔

شیخ زکریا گوشہ نشین:

جب حال بہت بدحال ہوا۔ تو اس نے بھیس بدلا۔ ساتھی ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہوئے۔ اور جدھر گئے مارے گئے۔ مرزا نے دو تین قدیمی غلاموں کے ساتھ فقیرانہ لباس کیا اور شیخ زکریا نام ایک گوشہ نشین کے پاس پناہ لی۔ وہ مرشد کامل تھے۔ ظاہر میں رحم کا مرحم دکھایا۔ اندر اندر سعید خاں حاکم ملتان کو خبر دی۔ اس نے جھٹ اپنے غلام کو بھیجا۔ وہ قید کر کے لے گیا۔ حسین خاں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ گرفتاری کی خبر سنتے ہی ملتان پہنچے۔ سعید خاں سے ملے۔ اس نے کہا کہ مرزا سے بھی ملو۔ حسین خاں نے کہا کہ ملاقات کے وقت اگر تسلیم بجالاؤں تو شہنشاہی کے اخلاص کے خلاف ہے۔ اور نہیں

Marfat.com

کرتا تو مرزا دل میں کہے گا کہ اس راہزن کو دیکھو جب ستو اس کے محاصرے میں سے میں نے امان دیکر چھوڑا تو کس کس طرح کی تسلیمیں کی تھیں۔ آج ہم اس بدحالی میں ہیں تو پروا بھی نہیں کرتا۔ مرزا نے یہ بے تکلفانہ بات سن کر کہا کہ آئے بے تسلیم ہی ملئے۔ کہ ہم نے معاف کیا۔ مگر وہ جب گیا تو تسلیم بجالایا۔ مرزا افسوس کر کے کہتا تھا۔ کہ ہمیں سرکشی اور جنگ کا خیال نہ تھا۔ جب جان پر بن گئی تو سر لے کر ملک بیگانہ میں نکل آئے۔ یہاں بھی نہ چھوڑا۔ قسمت میں تو یہ ذلت پہنچی تھی۔ کاش تیرے سامنے سے بھاگتے کہ ہم جنس تھا۔ تجھ ہی کو کچھ فائدہ ہوتا۔ حسین قلی خان کہ دین و مذہب سے بیگانہ ہے۔ اس سے شکست کھانے کا افسوس ہے۔

حسین خاں وہاں سے کانت گولہ یعنی اپنی جاگیر پر گئے۔ وہاں سے ادھر تو حسین خان ادھر حسین قلی خان دربار میں پہنچے۔ مسعود حسین مرزا کی آنکھوں میں ٹانکے لگائے۔ باقیوں میں سے ہر ایک کے رتبے کے بموجب کسی کے منہ پر گدھے کی، کسی پر سور کی، کسی پہ کتے کی، کسی پر بیل کی کھال سب چہروں اور سینگوں سمیت چڑھائیں۔ اور عجب مسخراپن کے ساتھ دربار میں حاضر کیا۔ تین سو آدمی کے قریب تھے۔ مرزا کے ساتھیوں میں سے تقریباً سو آدمی تھے۔ کہ دعویٰ کے بہادر تھے۔ اور خانی اور بہادری کے خطاب رکھتے تھے۔ حسین قلی خان سب کو پناہ دیکر جاگیر پر لے گئے۔ وہاں خبر پائی کہ حضور میں ان کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اس لئے سب کو رخصت کر دیا آخر بیرم خاں کا بھانجا تھا۔ جب مفصل حال لڑائی کا بیان کیا تو ان لوگوں کے نام بھی لئے مگر کہا کہ قیدیوں کے باب میں حضور سے قتل کا گلہ نہیں ہے۔ فدوی نے سب حضور کے صدقے میں چھوڑ دیئے۔ اکبر نے بھی کچھ نہ کہا اور حسین خان سے بھی کچھ نہ پوچھا۔ حسین قلی خاں کو اس کی نیک نیتی کا پھل ملا۔ کہ خان جہاں کا خطاب ملا۔

پٹنہ کی مہم:

۹۸۲ھ میں جبکہ پٹنہ پر مہم تھی۔ اور اکبر کو دل سے اس مہم میں اہتمام تھا۔ منعم خاں خان خاناں کی سپہ سالاری تھی۔ بھوجپور کے علاقے میں بادشاہ دورہ کرتے پھرتے تھے۔ قاسم علی خاں کو بھیجا کہ بچشم جا کر معرکہ جنگ کو دیکھے۔ اور ہر ایک کی جانفشانی کا حال عرض کرے۔ وہ واپس آیا اور سب حال بیان کیا۔ حسین خاں کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ کوچلک خاں اس کا بھائی تو حق الخدمت بجالاتا ہے۔ مگر حسین خاں کانت گولہ سے اودھ میں آکر لوٹتا پھرتا ہے۔ بادشاہ نہایت خفا ہوئے۔ اور انجام اس کا یہ ہوا کہ جب کچھ عرصہ بعد دورے کرتے ہوئے دلی میں پہنچے۔ تو حسین خاں بھی پٹیالی اور بھونگاؤں میں آیا ہوا تھا۔ ملازمت کو حاضر ہوا۔ معلوم ہوا کہ مجرا بند ہے۔ اور شہباز خاں کو حکم ہے کہ

Marfat.com

طناب دولتخانہ کی حد سے باہر نکال دو۔ اس قدیمی جاںنثار کو نہایت رنج ہوا۔ ہاتھی اونٹ گھوڑے جو کچھ سامان امارت کا تھا سب لٹا دیا۔ کچھ ہمایوں کے روضے کے مجاوروں کو دیا۔ کچھ مدرسے اور خانقاہوں کے غریبوں کو دیا اور کفنی گلے میں ڈال کر فقیر ہو گیا۔ کہ اسی نے مجھے نوکر رکھا تھا۔ وہی میرا قدردان تھا۔ اب میرا کوئی نہیں اس کی قبر پر جھاڑو دیا کروں گا۔ جب یہ خبر حضور میں پہنچی تو مہرباں ہوئے۔ شال خاصہ عنایت ہوئی۔ اور ترکش خاص کا تیر پروانگی کے لئے دیا۔ کانت گولہ اور پٹیالی کی ایک کروڑ بیس لاکھ دام کی جاگیر ہوتی تھی۔ حکم دیا کہ ایک فصل تک بدستور سابق مقرر ہے۔ اور کروڑی مداخلت نہ کرے۔ جب سوار داغ و محلہ پر حاضر کرے گا تو جاگیر تنخواہ کے لائق پائے گا۔ وہ للکھ لٹ مسخر ۱۰ سوار بھی نہ رکھ سکتا تھا۔ بحسب ضرورت دفع الوقت کر کے جاگیر پر پہنچا۔

۹۸۲ھ میں فاضل بداؤنی لکھتے ہیں۔ حسین خاں کہ سپاہی پیشہ بہادروں میں سے تھا۔ اس کے ساتھ معنوی علاقے کے ساتھ میرا رابطہ عظیم وقدیم تھا۔ اور خالصاً للہ محبت تھی۔ داغ و محلہ کی خدمت سپاہی کی گردن توڑنے والی اور لذتوں کو خاک میں ملانے والی ہے۔ آخر وہ بھی نہ کر سکا۔ چنانچہ ظاہری دیوانگی اور باطنی فرزانگی کے ساتھ جاگیر سے روانہ ہوا۔ رفیقان خاص کی جماعت جو طوفان آتش اور سیلاب دریا سے منہ توڑنے والی نہ تھی اور کسی طرح اس کی رفاقت نہ چھوڑ سکتی تھی۔ انہیں ساتھ لیا۔ اور علاقوں کے زمیندار جنہوں نے جاگیرداروں کو خواب تک میں بھی نہیں دیکھا تھا انہیں پامال کرتا ہوا کوہ شمالی کا رخ کیا۔ جس کا مدت العمر سے عاشق تھا۔ کیونکہ سونے چاندی کی کانیں وہاں کی سامنے تھیں۔ اور اس وسیع دل میں نقرئی اور طلائی مندروں کا شوق تھا کہ جن میں عالم نہ سماتا تھا۔

حسین خاں کے باغی ہونے کی خبریں:

بسنت پور ایک نہایت بلند اور مشہور جگہ ہے یہ تو وہاں پہنچا۔ یہاں جو زمیندار اور کروڑی اس کے سامنے چوہے کے بلوں میں چھپ رہے تھے۔ انہوں نے اب مشہور کیا کہ حسین خاں باغی ہو گیا۔ اور یہی عرضیاں حضور میں بھی پہنچیں۔ حضرت شہنشاہی نے بعض امرا سے دریافت کیا۔ زمانے کی وفاداری کو دیکھو کہ جو لوگ قرابت قریبی رکھتے تھے۔ انہوں نے کلمہ حق سے پہلو بچا لیا اور کہا تو اور جو کچھ بولے برے ہی بولے۔

غرض یہاں تو اپنے یہ بیگانگی خرچ کر رہے تھے۔ وہاں اس نے بسنت پور جا گھیرا اور بے قاعدہ محاصرہ ڈالا۔ بہت سے کارآزمودہ رفیق کام آئے اور خود شانہ کے نیچے کاری زخم کھایا۔ ناچار

Marfat.com

اور ناکام وہاں سے الٹا پھرا اور کشتی سوار دریائے گنگا کے رستے گڈھ مکتیسر میں پہنچا کہ پٹیالی جا کر اہل وعیال میں رہے اور علاج کرے۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے۔ کہ وہ منعم خاں کے پاس چلا تھا کہ وہ حضور کا قدیمی بڈھا خدمت گزار اور میرا یار ہے۔ اس کے ذریعے سے خطا معاف کراؤں گا۔ صادق محمد خاں پھرتی کر کے جا پہنچا اور قصبہ بار ہہ پر جا پکڑا۔ جو کچھ متن میں ہے۔ یہ ملا صاحب ان کے نمک حلال دوست کی تحریر ہے۔ ابوالفضل اکبر نامے میں لکھتے ہیں۔ کہ حسین خاں ملک لوٹتے پھرتے تھے۔ بادشاہ سن کر دوبارہ ناراض ہوئے۔ اور ایک سردار کو سادات بار ہہ اور سادات امروہہ کی جمعیت سے روانہ کیا۔ وہ کچھ خواب مستی سے ہوش میں آیا۔ کچھ زخم سے دل شکستہ ہو رہا تھا۔ بہر حال ہدایت کے رستے پر آیا۔ جو اوباش ساتھ تھے۔ وہ فوج بادشاہی کی خبر سنتے ہی بھاگ گئے۔ خان نے ارادہ کیا کہ بنگالہ میں جا کر منعم خاں خان خاناں اپنے قدیمی دوست سے ملے۔ اور اس کی معرفت درگاہ میں توبہ کرے۔ گڑھ مکتیسر کے گھاٹ سے سوار ہو کر چلا تھا۔ کہ بارا کے مقام پر گرفتار ہوا۔

صادق محمد خاں:

صادق محمد خاں ایک امیر تھا کہ فتح ہند سے بلکہ جنگ قندھار سے نزاکت مزاج اور تعصب مذہب کے سبب حسین خان کا اس کے ساتھ بگاڑ تھا۔ بموجب بادشاہ کے حکم کے اس کے ہاں الکر اتارا اور شیخ مہنا طبیب بھی فتح پور سے علاج کے لئے آیا۔ دیکھ کر حضور میں عرض کی زخم خطرناک ہے۔ حکیم عبدالملک کو بھیجا۔ مجھ سے ان سے پہلا سابقہ تھا۔ ساتھ ہی رخصت لیکر میں آیا۔ ملاقات کی۔ ایام گرما کی حسرت اور قدیمی محبتیں۔ اور ان دنوں کی باتیں یاد آئیں۔ آنکھوں کے سامنے آگئیں۔ آنسو بھر آئے اور دیر تک باتیں کچھ کچھ کہتے رہے۔

ہر جا من داو جملہ بہم باز رسیدیم ازبیم بد اندیش لب خویش گزیدیم
بے واسطہ گوش ولب ازراہ دل وچشم بسیار سخن بود کہ گفتیم وشنیدیم

اتنے میں بادشاہی جراح پٹی بدلنے آئے۔ بالشت بھر سلائی چلی گئی زور سے کریدتے تھے۔ کہ دیکھیں زخم کہاں تک ہے۔ وہ مردانہ نیش کو نوش کی طرح پئے جاتا تھا۔ تیوری پر بل نہ لاتا تھا۔ بے تکلف مسکراتا تھا اور باتیں کئے جاتا تھا۔

رویم شگفتہ ازسخن تلخ مردم است زہر است درد ہان ولبم در تبسم است

حسین خاں کی وفات:

افسوس کہ دیدار قیامتی اور رخصت واپسیں تھیں۔ جب ہم فتح پور پہنچے تو تین چار دن بعد سنا کہ

Marfat.com

اول اسہال ہوا اور پھر انتقال ہو گیا۔

جس سخی نے عالم عالم خزانے مستحقوں کو بخش دیئے اس کے پاس کچھ نہ تھا کہ دفن وکفن میں لگائیں۔ خواجہ محمد یحییٰ نقشبندی کوئی بزرگ اس زمانے میں بڑے پیر مشہور تھے۔ انہوں نے بڑی عزت واحترام سے مسکن غریباں میں پہنچایا۔

درخاک چگونہ خفتہ بتوانم دید آنرا کہ مرا ز خاک برداشتہ بود

وہاں سے پیتالی میں لاکر اس گنج الٰہی کو زیر خاک کیا کہ وہیں اس کے رشتہ دار دفن تھے۔ ملا صاحب نے گنج بخشی سے تاریخ نکالی۔ ۹۸۵ھ۔ فاضل بداؤنی لکھتے ہیں۔ کہ جس دن اس کی وفات کی خبر پہنچی تو میر عدل اس دن بھکر کو روانہ ہوتے تھے۔ میں انہیں رخصت کرنے گیا اور یہ حال بیان کیا۔ زار زار روئے اور کہا کہ کوئی دنیا میں رہے تو اس طرح رہے جیسے حسین خاں۔

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود ز ہرچہ رنگ تعلق پذیر و آزاد است

اتفاق یہ کہ میر مرحوم سے بھی وہی ملاقات یادگار رہی۔ انہوں نے خود بھی کہا کہ سب یار چلے گئے۔ دیکھئے پھر تمہیں ہم دیکھ سکیں یا نہیں۔ عجب بات منہ سے نکلی تھی کہ وہی ہوا۔

تا دریں گلہ گوسفندے ہست نہ نشیند اجل زقصابی

دینداری اور سخاوت:

فاضل مذکور نے اس بہادر افغان کی دینداری، سخاوت اور بہادری کی اتنی تعریفیں لکھی ہیں کہ ان وصفوں کے ساتھ اگر پیغمبر نہیں تو اصحابوں سے کسی طرح کم نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ جن دنوں لاہور میں حاکم مستقل تھے تو ثقہ لوگوں سے بنا گیا کہ دنیا کی نعمتیں موجود تھیں مگر وہ جو کی روٹی کھاتے تھے۔ فقط اس خیال سے کہ آنحضرت نے یہ ہر مزے کے کھانے نہیں کھائے۔ میں کیونکر کھاؤں۔ پلنگ اور نرم بچھونوں پر نہ سوتے تھے۔ کہ حضرت نے اس طرح آرام نہیں فرمایا۔ میں کیونکر ان آراموں سے لطف اٹھاؤں۔ ہزاروں مسجدوں اور مقبروں کی تعمیر اور ترمیم کروائی۔

اکثر علما وسادات ومشائخ اسکی صحبت میں رہتے تھے۔ اس لئے سفر میں چارپائی پر نہ سوتا تھا۔ تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں کی۔ لاکھوں اور کروڑوں کی جاگیر مگر طویلے میں اس کے خاصے کا ایک گھوڑے سے زیادہ نہ تھا۔ کبھی ایسا مستحق آجاتا تھا کہ وہ بھی لے جاتا تھا۔ اکثر سفر خواہ مقام میں پیادہ ہی رہ جاتا ہے۔ نوکر۔ غلام اپنے گھوڑے کس کر لے آتے تھے۔ کسی شاعر نے قصیدہ کہا تھا۔ اس میں

Marfat.com

یہ مصرع بھی تھا۔اور واقعی سچ تھا ع

خان مفلس غلام باساماں

قسم کھائی تھی کہ روپیہ جمع نہ کروں گا۔کہتا تھا جو روپیہ میرے پاس آتا ہے۔جب تک خرچ نہیں کر لیتا پہلو میں تیر سا کھٹکتا ہے۔روپیہ علاقے پر سے آنے نہ پاتا تھا۔وہیں چٹھیاں پہنچ جاتی تھیں اور لوگ لے جاتے تھے۔نذر کیا ہوا تھا۔کہ جو غلام ملک میں آئے پہلے ہی دن آزاد ہے۔شیخ خیر آبادی اس زمانے میں ایک بزرگ کہلاتے تھے۔وہ ایک دن کفایت شعاری کے فوائد اور روپے جمع کرنے کے لئے نصیحت کرنے لگے۔غصے ہو کر جواب دیا۔''پیغمبر صاحب نے کبھی ایسا کیا ہے۔حضرت امید تو یہ تھی کہ اگر ہم پر حرص و ہوا غالب ہو تو آپ نصیحت کریں۔نہ کہ دنیا کے اسباب کو ہماری نگاہوں میں جلوہ دیں۔''

شجاعت بہادری:

فاضل مذکور کہتے ہیں۔کہ وہ قوی ہیکل قد و قامت کی شان و شوکت سے بڑا دیدار و جوان تھا۔میں ہمیشہ میدان جنگ میں اس کے ساتھ نہیں رہا۔مگر کبھی کبھی جو جنگلوں میں لڑائیاں ہوئیں تو موجود تھا۔حقیقت یہ ہے جو بہادری اس میں پائی۔پہلوانوں کے نام افسانوں میں دیکھی جاتی ہیں۔شاید ان میں ہو تو ہو۔جب لڑائی کے ہتھیار سجتا تھا تو دعا کرتا تھا الٰہی یا شہادت یا فتح۔بعض مخصوں نے کہا کہ پہلے فتح کیوں نہیں مانگتے۔جواب دیا کہ عزیزان گزشتہ کے دیکھنے کی تمنا مخدومان موجود کے دیدار سے زیادہ ہے۔سخی ایسا تھا کہ اگر جہان کے خزانے اور روئے زمین کی سلطنت اسے مل جاتی۔پھر بھی وہ پہلے ہی دن قرضدار نظر آتا۔

کبھی ایسا اتفاق ہوتا تھا چالیس چالیس پچاس پچاس ایرانی مجنس ترکی گھوڑے سوداگر لائے ہیں۔فقط اتنا کہہ کر کہ تو دانی و خدا قیمت ہوگئی۔اور ایک ہی جلسے میں سب بانٹ دیئے۔اور جن کو نہیں پہنچے ان سے باخلاق تمام عذر کیا۔میری پہلی ملاقات آگرہ میں ہوئی۔پانسو روپے اور ایک ایرانی گھوڑا کہ اسی وقت لیا تھا مجھے دے دیا۔

شاہ ہر روز مرا دید و بے سخن صد لطف کرد　　　شاہ یزدم دید و مدحش گفتم و ہیچم نداد

کیا کیجئے ع

ہر کہ را ہر چہ ہست میگویند

Marfat.com

واجب الادا قرض:

جب مرا تو ڈیڑھ لاکھ روپے سے زیادہ قرض نکلا۔ چونکہ قرض خواہوں سے نیکی اور نیک معاملگی کرتا رہا تھا۔ سب آئے۔ خوشی خوشی تمسک پھاڑے اور مغفرت کی دعائیں دیکر چلے گئے جس طرح اوروں کے وارثوں سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بیٹوں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

مجھ سے ان کی تعریف کا حق کب ادا ہو سکتا ہے۔ مگر اس لئے کہ نوجوانی کی عمر کی بہار کا موسم ہوتا ہے۔ وہ اس کی خدمت میں گزرا اور اس کے التفات کی بدولت میری حالت نے بہت اچھی پرورش پائی۔ کہ شہرہ زمان اور انگشت نمائے جہانیان ہوا۔ اسی کی تقریب سے یہ توفیق پائی کہ بندگان خدا کو علم و آگاہی کے فوائد پہنچا سکتا ہوں۔ اس لئے اپنے دفتر میں بعض وصف اس کے کہے کہ ہزار میں سے ایک اور بہت میں سے تھوڑے ہیں۔ افسوس ہے اس وقت پر کہ بڑھاپے کی خواری اور نحوست کی سرگردانی کا موسم ہے۔ اسی طرح کے خیالات سے کسی صفحے سیاہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے آپس میں عہد قدیم کو استحکام دیا تھا۔ خدا سے امید ہے کہ میرا اسکا حشر بھی ساتھ ہی ہو۔

وما ذلک علیٰ اللہ بعزیز ۔ اللہ کے نزدیک یہ کچھ بڑی بات نہیں۔

ابوالفضل نے انہیں تین ہزاری کی فہرست میں لکھا ہے۔ ان کا بیٹا یوسف خاں جہانگیر کے دربار میں امیر تھا۔ اس نے مرزا کوکہ کے ساتھ دکن میں بڑی شجاعت دکھائی۔ وہ ۵ جہانگیری میں شاہزادہ پرویز کی مدد پر گیا تھا۔ یوسف خاں کا بیٹا عزت خاں تھا۔ وہ شاہ جہاں کی سلطنت میں حق خدمت ادا کرتا تھا۔

Marfat.com

مہیش داس راجہ بیر بر

ان کا نام اکبر کے ساتھ اس طرح آتا ہے۔ جیسے سکندر کے ساتھ ارسطو کا نام۔ لیکن جب انکی شہرت کو دیکھ کر حالات پر نظر کرو۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال ارسطو سے بہت زیادہ لائے تھے۔ اصل کو دیکھو تو بھاٹ تھے۔ علم وفضل کو خود ہی سمجھ لو کہ بھاٹ کیا اور اس کے علم وفضل کی بساط کیا۔ کتاب تو بالائے طاق رہی۔ آج تک ایسا اشلوک نہیں دیکھا۔ جو گنوان پنڈتوں کی سبھا میں فخر کی آواز سے پڑھا جائے۔ ایک دہرا نہ سنا کہ دوستوں میں دہرایا جائے۔ لیاقت کو دیکھو تو ٹوڈرمل کجا اور یہ کجا۔ مہمات اور فتوحات کو دیکھو تو کسی میدان میں قبضہ کو نہیں چھوا۔ اس پر یہ عالم ہے کہ سارے اکبری نورتن میں ایک دانہ بھی ان کے قدر و قربت سے لگا نہیں کھاتا۔

ابتدائی حالات:

بعض مورخ لکھتے ہیں۔ کہ اصلی نام مہیش داس تھا۔ قوم برہمن۔ اور اکثر کہتے ہیں کہ بھاٹ تھے۔ برہیہ تخلص کرتے تھے۔ ملا صاحب بھاٹ کے ساتھ برہمداس نام لکھتے ہیں۔ کالپی وطن تھا۔ اول رامچند ربھٹ کی سرکار میں نوکر تھے۔ جس طرح اور بھاٹ شہروں میں پھرتے ہیں۔ اس طرح یہ بھی پھرا کرتے تھے۔ اور اسی طرح کے کبت کہا کرتے تھے۔

ابتدائے جلوس میں کہیں اکبر سے مل گئے تھے۔ قسمت کی بات تھی۔ خدا جانے کیا بات بادشاہ کو بھا گئی۔ باتوں ہی باتوں میں کچھ سے کچھ ہو گئے۔

بیشک قربت اور مصاحبت کی حیثیت سے کوئی عالیجاہ امیر اور جلیل القدر سرداران کے رتبہ کو نہیں پہنچتا۔ لیکن تاریخ سلطنت کے سلسلہ میں جو تعلق انہیں ہے۔ وہ نہایت تھوڑا نظر آتا ہے۔

(ذرا دیکھنا۔ ملا صاحب ان کا حال کس طرح لکھتے ہیں) ۹۸۰ھ میں نگر کوٹ حسین قلی خاں کی تلوار پر فتح ہوا۔ شرح اس قصہ کی مجملاً یہ ہے۔ کہ بادشاہ کو لڑکپن سے برہمنوں بھاٹوں اور اقسام طوائف ہود کی طرف میلان خاطر اور التفات خاص تھا۔ اوائل جلوس میں ایک برہمن بھاٹ منگتا

Marfat.com

برہم داس نام کالپی کا رہنے والا کہ ہنوڈ کے گن گانے اس کا پیشہ تھا۔ لیکن بڑا اسرتا اور سیانا تھا اس نے ملازمت میں آ کر تقرب وہم زبانی کی بدولت مزاج میں دخل پیدا کیا۔ اور ترقی کرتے کرتے منصب عالی کو پہنچ کر یہ عالم ہوا۔ ع

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

اول کب رائے (کوئی کبت کہنے والا۔ کبت کہنے والوں کا راجہ۔ گویا ملک الشعرا) راجہ بیر بر خطاب ہوا۔

بیر بر کی وجہ تسمیہ:

بنیاداس مہم کی یہ تھی کہ بادشاہ نے کسی بات پر ناراض ہو کر کانگڑہ کی فتح کا حکم دیا۔ اور راجہ بیر بر بنا کر ملک مذکور ان کے نام کر دیا۔ حسین قلی خاں کو فرمان بھیجا۔ کہ کانگڑہ پر قبضہ کر کے راجہ بیر بر کی جاگیر کر دو۔ مصلحت اس میں یہی ہوگی کہ۔ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے۔ برہمن کا نام درمیان رہے۔ حسین قلی خان نے امرائے پنجاب کو جمع کیا۔ لشکر اور توپخانے فراہم کئے۔ قلعہ کشائی اور پہاڑ کی چڑھائی کے سامان ساتھ لئے۔ راجہ جی کو نشان کا ہاتھی بنا کر آگے رکھا اور روانہ ہوا۔ سپہ سالار جس عرق ریزی سے گھاٹیوں میں اترا۔ اور چڑھائیوں پر چڑھا۔ اس کے بیان میں مورخوں کے قلم لنگڑے ہوتے ہیں۔ غرض کہیں لڑائی۔ کہیں رسائی سے کانگڑہ پر جا پہنچا۔ آزاد۔ ایسی محنت و جانکاہی کے مقاموں میں راجہ جی کیا کرتے ہونگے؟ چلاتے اور غل مچاتے ہونگے۔ مسخراپن کے گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہونگے۔ قلیوں اور مزدوروں کو گالیاں دیتے ہونگے۔ اور ہنسی ہنسی میں کام نکالتے ہوں گے۔ کانگڑہ کا محاصرہ بڑی سختی کے ساتھ ہوا۔ اس فوج میں کیا ہندو کیا مسلمان سب ہی شامل تھے۔ دھاوے کے جوش میں جو سختیاں ہوئیں۔ اس میں راجہ جی بدنام بہت ہوئے۔ چونکہ پنجاب پر ابراہیم مرزا باغی ہو کر چڑھ آیا تھا۔ اس لئے حسین قلی خاں نے صلح کر کے محاصرہ اٹھایا۔ راجہ کانگڑہ نے بھی غنیمت سمجھا۔ اس لئے جو شرطیں پیش کیں۔ خوشی سے منظور کیں۔ چوتھی شرط پر سپہ سالار نے کہا کہ حضور سے یہ ولایت راجہ بیر بر کو مرحمت ہوئی تھی۔ ان کے لئے کچھ خاطر خواہ ہونا چاہئے۔ یہ بھی منظور ہوا اور جو کچھ ہوا۔ اتنا ہوا۔ جس میں ترازو کی تول فقط پانچ من سونا بوزن اکبری رکھا گیا۔ اور ہزاروں روپیہ کے عجائب و نفائس بادشاہ کے لئے۔ بیر بر جی کو اور جھگڑوں سے کیا غرض تھی۔ اپنی دکشنا لے لی اور گھوڑے پر چڑھ کر ہوا ہوئے۔ اکبر گجرات احمد آباد کی طرف مارا مار کوچ کو تیار تھا اسے سلام کیا اور اسپیں دیے لشکر میں شامل ہو گئے۔

Marfat.com

آواخر ۹۹۰ھ میں راجہ بیربر نے ضیافت کے لئے عرض کیا۔ اور بادشاہ منظور فرما کر ان کے گھر گئے۔ وہی چیزیں جو کبھی کبھی عنایت کی تھیں۔ حاضر کیں۔ نقد کو نثار کیا۔ باقی پیشکش کر دیا اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

آزاد۔ صورتحال کچھ اور ہو گی۔ عجب نہیں کہ اہل دربار اور اہل خلوت نے ان پر تقاضے شروع کئے ہوں۔ کہ سب امرا حضور کی ضیافت کرتے ہیں۔ تم کیوں نہیں کرتے ہو۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ امرا لڑائیوں پر جاتے تھے۔ ملک مارتے تھے۔ حکومتیں کرتے تھے۔ دولتیں کماتے تھے۔ انعام و اکرام بھی پاتے تھے۔ وہ بادشاہ کی ضیافتیں کرتے تھے۔ تو شاہانہ جاہ و جلال سے گھر سجاتے تھے جس کی ادنی بات یہ کہ سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ باندھتے تھے۔ مخمل و زربفت و کمخواب راہ میں پا انداز بچھاتے تھے۔ جب قریب پہنچتے تھے۔ تو سونے چاندی کے پھول برساتے تھے۔ دروازے پر پہنچتے تھے۔ تو موتی طبق کے طبق نچھاور کرتے تھے۔ لاکھوں روپے کے تحائف جن میں لعل جواہر، شالیں، مخمل بافتے زربفت، اسلحہ گراں بہا، لونڈیاں حسین، غلام صاحب جمال، ہاتھی گھوڑے کہاں تک تفصیل لکھوں۔ خلاصہ یہ کہ جو کماتے تھے۔ سو لٹاتے تھے۔ راجہ بیربر کے لئے یہ رستے بند تھے۔ انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ جو کچھ انہوں نے دیا تھا۔ وہی ان کے سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر وہ شرمانے والے نہ تھے کچھ نہ کچھ کہا بھی ہو گا۔ وہ تو حاضر جوابی کی پھلجڑی تھے۔ آزاد ہوتے تو اتنا ضرور کہتا۔ کہ عطائے شما بہ لقائے شما۔ ع

ہر چہ ذیشاں میر سید آخر بدیشاں میر سد

بیربر دربار سے لے کر محل تک ہر جگہ ہر وقت رمے ہوئے تھے۔ اور اپنی دانائی اور مزاج شناسی کی حکمت سے ہر بات پر حسب مراد حکم حاصل کرتے تھے۔ اسی واسطے راجہ اور مہاراجہ امراء اور خوانین لاکھوں روپے کے تحفے بھیجتے تھے۔ بادشاہ بھی اکثر راجاؤں کے پاس انہیں سفیر کر کے بھیجتے تھے۔ یہ نہایت زیرک اور دانا تھے۔ کچھ تو قومی قربت سے کچھ منصب سفارت سے۔ کچھ اپنے چٹکلوں اور لطیفوں سے وہاں بھی جا کر گھل مل جاتے تھے۔ اور وہ کام نکال لاتے تھے۔ کہ لشکروں سے نہ نکلتے تھے۔ ۹۸۴ھ میں بادشاہ نے رائے لون کرن کے ساتھ راجا ڈونگر پور کے پاس بھیجا۔ راجہ اپنی بیٹی کو حرام سرائے اکبری میں داخل کیا جاہتا چاہتا تھا۔ مگر بعض باتوں سے رکا ہوا تھا۔ انہوں نے جاتے ہی ایسا منتر مارا۔ کہ سب سوچ بچار بھلا دیئے۔ ہنستے کھیلتے مبارک سلامت کرتے سواری لے آئے۔

۹۹۱ھ میں زین خاں کوکہ کے ساتھ راجہ چندر کے دربار میں گئے۔ بیر بھدر اس کا بیٹا آنے میں اندیشہ کرتا تھا۔ انہوں نے اسے بھی باتوں میں لبھالیا۔ اسی طرح دغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

اسی سنہ میں راجہ بیر بر پر سے بڑی کل بل ٹلی۔اکبر نگر چین کے میدان میں چوگان بازی کر رہے تھے۔راجہ جی کو گھوڑے نے پھینک دیا۔خدا جانے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے۔یا مسخرپن سے دم چرا گئے۔پکارا۔پکارا۔بڑی محبت سے سر سہلایا اور اٹھوا کر گھر بھجوایا۔

اسی سنہ میں ایک دن میدان چوگان بازی میں بادشاہ ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔کہ اور تماشا ہو گیا۔دل چاچر ہاتھی سر شوری اور بدمزاجی میں مشہور تھا۔کہ یکا یک دو پیادوں پر دوڑ پڑا۔وہ بھاگے دل چاچر ان کے پیچھے بھاگا جاتا تھا۔کہ بیر بر سامنے آ گئے۔انہیں چھوڑ کر ان پر جھپٹا۔راجہ جی میں بھاگنے کے اوسان بھی نہ رہے۔بدن کے لدھڑ، عجب عالم ہوا اور انبوہ خلائق میں غل اٹھا۔اکبر گھوڑا مار کر خود بیچ میں آ گئے۔راجہ جی تو گرتے پڑتے، ہانپتے کانپتے بھاگ گئے۔ہاتھی چند قدم بادشاہ کے پیچھے آ کر تھم گیا۔واہ رے اکبر تیرا اقبال۔

سواد اور باجوڑ کا علاقہ:

سواد اور باجوڑ کا علاقہ ایک وسیع ملک پشاور کے مغرب میں ہے۔اس کی خاک ہندوستان کی طرح زرخیز اور بارآور ہے۔اور آب و ہوا کا اعتدال اور موسم کی سردی اس پر اضافہ۔شمال میں سلسلہ ہندوکش۔مغرب میں کوہ سلیمان کا زنجیرہ۔جنوب میں خیبر کی پہاڑیاں ہیں کہ دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی ہیں۔یہ علاقہ بھی ایک حصہ افغانستان کا ہے۔یہاں کے تناور اور دلاور افغان بزدرانی کہلاتے ہیں۔ملک کی حالت نے انہیں سر شور اور سینہ زور بنا کر اپنی قوموں میں ممتاز کیا ہے۔اور ہندوکش کی برفانی چوٹیوں تک چڑھا دیا ہے۔علاقہ مذکور میں تیس تیس چالیس چالیس میل کے میدان یا وادی ہیں۔اور ہر میدان میں سے پہاڑوں کو چیر کر درے نکلتے ہیں۔یہ اور میدانوں اور وادیوں سے ملتے ہیں۔کہ ہوا کی لطافت، زمین کی سبزی، پانی کی روانی میں کشمیر کو جواب دیتی ہیں۔یہ وادیاں یا تو دروں پر ختم ہوتی ہیں۔جن کے گرد اونچے اونچے پہاڑ ہیں یا گھنے گھنے جنگلوں میں جا کر غائب ہو جاتی ہیں۔ایسا ملک حملہ آوروں کیلئے سخت دشوار گزار ہوتا ہے۔مگر وہاں کے لوگوں کے لئے کچھ بات ہی نہیں۔چڑھائی اترائی کے مشتاق ہیں۔رستے جانتے ہیں۔جھٹ ایک وادی سے دوسری وادی میں جا نکلتے ہیں۔کہ جہاں ناواقف آدمی دنوں بلکہ ہفتوں تک پہاڑوں میں ٹکراتا پھرے۔

پیر روشنائی:

اگرچہ وہاں کے افغان سر شوری اور راہزنی کو اپنا جوہر قومی سمجھتے ہیں۔لیکن ایک حکمتی شخص نے پیری کا پردہ تان کر اپنا نام پیر روشنائی رکھا اور حیلہائے مذکورہ سے بہت جاہلوں کو فراہم کر لیا۔کوہستان

Marfat.com

مذکور جس کا ایک ایک قطعہ قدرتی قلعہ ہے۔ان کے لئے پناہ ہو گیا۔وہ کنار اٹک سے لیکر پشاور اور کابل تک رستہ مارتے تھے۔اور لوٹ مار سے آبادیوں کو ویران کرتے تھے۔بادشاہی حاکم فوجیں لے کر دوڑتے تو وہ سینہ زوری سے سرتوڑ مقابلہ کرتے۔اور دبتے تو اپنے پہاڑوں میں گھس جاتے۔ادھر یہ لوگ پھرے۔ادھر سے وہ پھر نکلے اور پیچھا مار کر فتح کو شکست کر دیا۔۹۹۳ھ میں اکبر نے چاہا کہ ان کی سخت گردنوں کو توڑ ڈالے۔اور ملک کا بندوبست کرے۔زین خاں کوکلتاش کو چند امرا کے ساتھ فوجیں دیکر روانہ کیا۔وہ لشکر شاہی اور سامان کوہ کشائی اور رسد کے رستے کر کے ملک میں داخل ہوا۔پہلے باجوڑ پر ہاتھ ڈالا۔

میرے دوستو، یہ کوہستان ایسا بے ڈھنگا ہے۔کہ جن لوگوں نے ادھر کے سفر کئے ہیں۔وہی وہاں کی مشکلوں کو جانتے ہیں۔ناواقفوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔جب پہاڑ میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے زمین تھوڑی چڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔پھر دور سے ابر سا معلوم ہوتا ہے۔کہ ہمارے سامنے سے دائیں سے بائیں تک برابر چھایا ہوا ہے۔اور اٹھتا چلا آتا ہے۔جوں جوں آگے بڑھتے چلے جاؤ۔چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی قطاریں نمودار ہوتی ہیں۔ان کے بیچ میں سے گھس کر آگے بڑھے تو ان سے اونچی اونچی پہاڑیاں شروع ہوئیں۔ایک قطار کو لانگھا، تھوڑی دور چڑھتا ہوا میدان اور پھر وہی قطار آگئی۔یا تو دو پہاڑ بیچ میں سے پھٹے ہوئے ہیں (درہ) ان کے بیچ میں سے نکلنا پڑتا ہے۔یا کسی پہاڑ کی کمر پر سے چڑھتے ہوئے اوپر ہو کر پار اتر گئے۔چڑھائی اور اترائی میں۔اور پہاڑ کی دھاروں پر۔دونوں طرف گہرے گہرے گڑھے نظر آتے ہیں کہ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ذرا پاؤں بہکا اور گیا۔پھر تحت الثریٰ سے ورے ٹھکانا نہیں۔کہیں میدان آیا کہیں کوس دو کوس جس طرح چڑھے تھے۔اسی طرح اترنا پڑا۔کہیں برابر چڑھتے گئے۔رستے میں جابجا دائیں بائیں درے آتے ہیں۔کہیں اور طرف کو رستہ جاتا ہے۔اور ان دروں کے اندر کوسوں تک برابر خلق خدا پڑی بستی ہے۔جن کا کسی کو حال معلوم نہیں۔کہیں دو پہاڑیوں کے بیچ میں کوسوں تک گلی گلی چلے جاتے ہیں۔غرض سرا بالا (چڑھائی) سراشیب (اترائی) کمر کوہ (چڑھائی کے بیچ میں جو پہاڑ کے پہلو بہ پہلو راہ ہو) گریبان کوہ (پہاڑ میں شگاف ہو) تنگی کوہ (دو پہاڑوں کے بیچ میں جو گلی جاتی ہو) تیزی کوہ (پہاڑ کی دھار پر جو رستہ چلتا ہو) دامن کوہ (پہاڑ کے اتار کا میدان) ان الفاظ کے معنے وہاں جا کر کھل سکتے ہیں۔گھر میں بیٹھے تصور کریں تو سمجھ میں نہیں آسکتے۔

یہ تمام پہاڑ بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے درختوں سے چھائے ہوئے ہیں۔دائیں بائیں پانی کے چشمے اوپر سے اترتے ہیں۔زمین پر کہیں مہین مہین اور کہیں نہر ہو کر بہتے ہیں۔کہیں

Marfat.com

پہاڑیوں کے بیچ میں ہو کر بہتے ہیں۔ کہ پل یا کشتی بغیر پار اترنا مشکل ہے۔ اور چونکہ پانی بلندی سے گرتا آتا ہے اور پتھروں میں ٹکراتا ہوا بہتا ہے۔ اس لئے اس زور سے جاتا ہے کہ پایاب گزرنا ممکن نہیں۔ گھوڑا ہمت کرے۔ تو پتھروں پر سے پاؤں پھسلتے ہیں۔ ایسے بے ڈھنگے رستوں میں اور تمام دائیں بائیں دروں میں۔ اور دامان کوہستان میں افغان آباد ہوتے ہیں۔ دنبوں اور اونٹوں کے پشم کے کمل، نمدے، شطرنجیاں اور ٹاٹ بنتے ہیں۔ ان کی چھوٹی چھوٹی تموتیاں کھڑی کر لیتے ہیں۔ دامن کوہ میں کوٹھے کوٹھریاں ڈال لیتے ہیں۔ وہاں کھیتی کرتے ہیں۔ جنگلوں کے شیب، بہی، ناشپاتی اور انگور ان کے قدرتی باغ ہیں۔ وہی کھاتے ہیں اور مزے سے جیتے ہیں۔ جب کوئی بیرونی دشمن حملہ کرتا ہے۔ تو سامنے ہو کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ کر نقارہ بجاتے ہیں۔ جہاں جہاں تک آواز پہنچی۔ ہر شخص کو پہنچنا واجب ہے۔ دو دو تین تین وقت کا کھانا۔ کچھ روٹیاں۔ کچھ آٹے گھر سے باندھے، ہتھیار لگائے اور آن موجود ہوئے۔ جب وہ ٹڈی دل سامنے پہاڑیوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے تو بادشاہی لشکر جو میدان کے لڑنے والے ہیں۔ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ اور جب خیال آتا ہے۔ کہ کتنے اور کیسے پہاڑ ہم طے کر کے یہاں تک آئے ہیں۔ پیچھے تو وہ رہے اور آگے یہ بلا۔ نہ زمین کے نہ آسمان کے۔ اس وقت خدا یاد آتا ہے۔

افغانوں کی بہادری:

جس وقت مقابلہ ہوتا ہے۔ تو افغان نہایت بہادری سے لڑتے ہیں۔ جب دھاوا کرتے ہیں تو توپوں پر آن پڑتے ہیں۔ لیکن بادشاہی لشکروں کے سامنے تھم نہیں سکتے۔ جب دبتے ہیں تو پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ اور دائیں بائیں کے دروں میں گھس جاتے ہیں۔ وہ قومی ہیکل اور طاقت مند ہوتے ہیں۔ دیس کے لوگوں کو فقط اونچی زمین پر چڑھنا ہی ایک مصیبت نظر آتی ہے۔ ان کا یہ عالم ہے کہ سر میں یا دل و جگر میں گولی یا تیر لگ گیا تو گر پڑے۔ بازو ران ہاتھ پاؤں میں لگے تو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ بندر کی طرح درختوں میں گھستے۔ پہاڑوں پر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس عالم میں گولی لگی۔ بہت ہوا تو ہاتھ مارا، ذرا کھجا لیا۔ جیسے بھڑ نے ڈنک مارا۔ بلکہ مچھر نے کاٹا۔

بڑی مشکل جو بادشاہی لشکروں کو پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جتنا آگے بڑھتے ہیں۔ نادان جانتے ہیں کہ میدان سامنے کھلا۔ اور حقیقت میں موت کے منہ میں گھستے جاتے ہیں۔ وہ افغان جو سامنے ہٹ کر آگے بھاگ گئے تھے یا دائیں بائیں دروں میں گھس گئے تھے۔ پہاڑیوں کے نیچے چل کر اوپر چڑھ آتے ہیں۔ اور دروں کے اندر کی مخلوق بھی آن پہنچی ہے۔ اوپر سے گولیاں اور تیر

Marfat.com

برساتے ہیں۔ ورنہ پتھر۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر جہاں فوج سمجھ چکی تھی۔ کہ میدان صاف کرکے آگے بڑھے ہیں۔ ان کا فقط غل مچانا کافی ہوتا ہے۔ اور سامنے کی لڑائی تو کہیں گئی ہی نہیں۔ وہ میدان تو ہر وقت تیار ہے۔ جب تک کمر میں آٹا بندھا ہے۔ لڑ رہے ہیں۔ ہو چکا۔ گھروں کو بھاگ گئے۔ کچھ رہ گئے۔ کچھ اور کھانا باندھ لائے اور کچھ اور نئے آن شامل ہوئے۔ غرض بادشاہی لشکر جتنا آگے بڑھے اور پچھلی مسافت زیادہ ہو۔ اتنا ہی گھر کا رستہ بند ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ بند ہوا تو سمجھ لو کہ خبر بند، رسد بند، گویا سب کام بند۔

زین خان نے لڑائی کی شطرنج بہت اسلوب سے پھیلائی۔ اور بادشاہ کو لکھا کہ لشکر اقبال کے بڑھنے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ افغانوں کے بڈھے بڈھے سردار چادریں گلے میں ڈال کر عفو تقصیر کے لئے حاضر ہو گئے۔ لیکن جو مقامات قابل احتیاط ہیں ان کے لئے اور لشکر مرحمت ہونا چاہئے۔ اس وقت بیر بر کا جہاز عمر کہ مرادوں کی ہوا میں بھرا چلا جاتا تھا۔ دفعتاً گرداب میں ڈوبا، دربار میں امر تجویز طلب یہ تھا کہ کس امیر کو بھیجنا چاہئے۔ جو ایسے کڈھب رستوں میں لشکر کو لے جائے۔ اور پیچیدہ صورتوں کو جو وہاں پیش آئیں۔ سلیقہ کے ساتھ سنبھالے۔ ابوالفضل نے درخواست کی کہ فدوی کو اجازت ہو۔ بیر بر نے کہا۔ غلام۔ بادشاہ نے قرعہ ڈالا۔ موت کے فرشتہ نے بیر بر کا نام سامنے دکھایا۔ اس کے چٹکلوں اور لطیفوں سے بادشاہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور ایک دم بھی جدائی گوارا نہ تھی، لیکن خدا جانے کسی جوتشی نے کہہ دیا یا خود ہی خیال آ گیا کہ یہ مہم بیر بر کے نام سے فتح ہوگی۔ ہر چند جی نہ چاہتا تھا۔ مگر مجبوراً اجازت دی۔ اور حکم دیا کہ خاصہ کا توپخانہ بھی ساتھ چاہئے۔ انداز محبت خیال کرو کہ جب رخصت ہونے لگا۔ تو اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بیر بر جلدی آنا۔ جس دن روانہ ہوا۔ شکار سے پھرتے ہوئے خود اس کے خیموں میں گئے۔ اور بہت سی نشیب و فراز کی باتیں سمجھائیں۔ یہ فوج وافی اور سامان کافی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ڈوک کی منزل میں پہنچے تو سامنے ایک تنگی تھی۔ افغان دونوں طرف پہاڑوں پر چڑھ کھڑے ہوئے۔ بیر بر تو دور سے کھڑے غل مچاتے رہے۔ مگر اور امرا زور دیکر بڑھے۔ پہاڑ کے جنگلی، بے سرو پا وحشی ہوتے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے۔ مگر انہوں نے اس شدت سے اور سختی سے فوج شاہی کا سامنا کیا کہ اگرچہ بہت سے افغان مارے گئے۔ مگر بادشاہی فوج بھی بہت سی بھاری چوٹیں کھا کر ہٹی اور چونکہ دن کم رہ گیا تھا۔ واجب ہوا کہ دشت کو الٹے پھر آئیں۔

بادشاہ بھی سمجھتے تھے۔ کہ مسخرے بھاٹ سے کیا ہونا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد حکیم ابوالفتح کو بھی فوج دے کر روانہ کیا تھا۔ کہ دشت میں پہنچ کر وہاں کی فوج کو لینا۔ اور کوہ ملکند کی گھاٹی سے نکل کر

Marfat.com

زین خاں کے لشکر میں جا ملنا۔ زین خاں اگرچہ ہندوستان کی ہوا میں سرسبز ہوا تھا۔ لیکن سپاہی زادہ تھا۔ اس کے باپ دادا اسی خاک سے اٹھے تھے۔ اور اسی خاک میں تلواریں مارتے اور کھاتے دنیا سے گئے تھے۔ وہ جب ملک باجوڑ میں پہنچا تو جاتے ہی چاروں طرف لڑائی پھیلا دی۔ ایسے دھاوے کیے کہ پہاڑ میں بھونچال ڈال دیا۔ ہزاروں افغان قتل کیے۔ اور قبیلے کے قبیلے گھر لیے۔ بال بچے قید کر لیے۔ اور ایسا تنگ کیا کہ ان کے ملک اور سردار طنابیں گلے میں ڈال ڈال کر آئے کہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

زین خاں کا ولایت کی طرف متوجہ ہونا:

زین خاں اب ولایت سواد کی طرف متوجہ ہوا۔ افغان سامنے کے ٹیلوں اور پہاڑیوں سے ٹڈیوں کی طرح امنڈ کر دوڑے اور گولیاں اور پتھر اولوں کی طرح برسانے شروع کیے۔ ہراول کو بنا پڑا مگر مقدمہ کی فوج نے ہمت کی کہ ڈھالیں منہ پر لیں۔ اور تلواریں سونت لیں۔ غرض جس طرح ہوا تنگی سے نکل گئی۔ انہیں دیکھ کر اوروں کے دلوں میں بھی ہمت کا جوش سرسرایا۔ غرض کہ جس طرح ہوا فوج اوپر چڑھ گئی اور افغان بھگ کر سامنے کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ زین خاں اوپر جا کر پھیلا۔ چکدرہ میں چھاؤنی ڈال کر گرد مورچے تیار کیے۔ اور قلعہ باندھ لیا۔ چونکہ چکدرہ ولایت مذکور کا بیچوں بیچ مقام ہے اور یہاں سے ہر طرف زور پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے سامنے کراکر کا پہاڑ اور بنیر کا علاقہ رہ گیا باقی سب ضلع قبضہ میں آ گیا۔

اسی عرصہ میں راجہ بیر بر اور حکیم بھی آگے پیچھے پہنچے۔ اگرچہ راجہ کی اور زین خاں کی پہلے سے چشمک تھی لیکن جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو حوصلہ سپہ سالاری کو کام میں لایا۔ استقبال کر کے آیا اور رستے ہی میں ان سے آ کر ملا۔ صفائی اور گرم جوشی سی باتیں کیں۔ پھر آگے بڑھ گیا اور لشکر کے عبور اور انتظام راہ میں مصروف رہا۔ وہ دن بھر کھڑا رہا۔ تمام فوجوں اور بھیر اور باربرداریوں کو ان برف پوش پہاڑوں سے اتارا اور آپ وہیں اتر پڑا۔ رات اسی جگہ گزری کہ پٹھان پیچھے نہ آن پڑیں۔ حکیم فوج لے کر پہلے قلعہ چکدرہ پر دوڑ گئے۔ صبح کو قلعہ پر سب شامل ہوئے۔ کوکلتاش نے وہاں جشن کیا۔ ان لوگوں کو اپنا مہمان قرار دیکر بہت خاطر داری کی۔ اور مہمانی کے بڑے بڑے سامان کر کے اپنے خیموں پر بلایا۔ کہ تجویزوں پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اس مقام پر راجہ پھوٹ بہے۔ بہت سی شکایتیں کیں۔ اور کہا کہ بادشاہی توپخانہ ہمارے ساتھ ہے۔ بندگان دولت کو چاہیے تھا کہ اس کے گرد آکر جمع ہوتے اور یہاں صلاح مشورہ کی گفتگو ہوتی۔

Marfat.com

اگر چہ مناسب یہ تھا کہ کوکلتاش کی سپہ سالاری کے لحاظ سے راجہ بیر بر تو پخانہ اس کے حوالے کر دیتے اور سب اس کے پاس جمع ہوتے۔ لیکن پھر بھی زین خاں بے تکلف چلا آیا۔ اور سب سردار بھی اس کے ساتھ چلے آئے۔ البتہ ناگوار گزرا۔ بدترین اتفاق یہ کہ حکیم اور راجہ کی صفائی نہ تھی۔ یہاں حکیم اور راجہ میں گفتگو بڑھ گئی اور راجہ نے گالیوں تک نوبت پہنچا دی۔ کوکلتاش کے حوصلہ کو آفرین ہے کہ بھڑکتی آگ کو دبایا اور صلاحیت وصفائی کے ساتھ صحبت طے ہوگئی۔ لیکن تینوں سرداروں میں اختلاف ہی رہا۔ بلکہ روز بروز عداوت اور نفاق بڑھتا گیا۔ ایک کی بات کو ایک نہ مانتا تھا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ جو میں کہوں سب اسی طرح کریں۔

زین خاں پیدائشی سپاہی:

زین خاں سپاہی زادہ تھا۔ سپاہی کی ہڈی تھا۔ خود بچپن سے لڑائیوں ہی میں جوانی تک پہنچا۔ وہ اس ملک کے حال سے بھی واقف تھا۔ اور جانتا تھا کہ ادھر کے لوگوں سے کیوں کر میدان جیت سکتے ہیں۔ حکیم نہایت دانشمند تھا۔ مگر دربار کا دلاور تھا۔ نہ کہ ایسے کڈھب پہاڑوں اور پہاڑی وحشیوں کا۔ تدبیریں خوب نکالتا تھا مگر دور دور سے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کہنے اور برتنے میں بڑا فرق ہے۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی خیال تھا کہ میں بادشاہ کا مصاحب خاص ہوں وہ تو میری صلاح بغیر کام نہیں کرتے۔ یہ ایسے کیا ہیں۔ بیر بر جس دن سے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ جنگلوں اور پہاڑوں کو دیکھ دیکھ کر گھبراتے تھے۔ ہر وقت بدمزاج رہتے تھے۔ اور اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے۔ حکیم کی ہمراہی اور کوکہ کی کوہ تراشی دیکھیے۔ کہاں پہنچاتی ہے۔ رستے میں جب بھی ملاقات ہو جاتی تو برا بھلا کہتے او رلڑتے۔ آزاد اس کے دو سبب تھے اول تو یہ کہ وہ محلوں کے شیر تھے۔ نہ مرد شمشیر۔ دوسرے بادشاہ کے لاڈلے تھے۔ انہیں یہ دعویٰ تھا کہ ہم اس جگہ پہنچ سکتے ہیں جہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا۔ ہمیں ان کی مزاج میں وہ دخل ہے۔ کو ٹھہری ٹھہرائی صلاح توڑ دیں۔ زین خاں کیا مال ہے اور حکیم کی کیا حقیقت ہے۔ غرض خود پسندیوں نے مہم کو بگاڑ دیا۔

زین خاں کی رائے یہ تھی۔ کہ میری فوج مدت سے لڑ رہی ہے۔ تمہاری فوج میں سے کچھ چکدرہ کی چھاؤنی میں رہے اور اطراف کا بندوبست کرتی رہے۔ کچھ میرے ساتھ شامل ہو کر آگے بڑھے یا تم میں سے جس کا جی چاہے آگے بڑھے۔ راجہ اور حکیم دونوں میں سے ایک بھی اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا حضور کا حکم یہ ہے کہ انہیں لوٹ مار کر برباد کر دو۔ ملک کی تسخیر اور قبضہ منظور نہیں ہے ہم سب ایک لشکر ہو کر مارتے دھاڑتے ادھر سے آئے ہیں۔ دوسری طرف سے نکل کر

Marfat.com

حضور کی خدمت میں جا حاضر ہوں۔زین خاں نے کہا۔کس محنت و مشقت سے یہ ملک ہاتھ آیا ہے حیف رہے گا۔کہ مفت چھوڑ دیں۔اچھا اگر کچھ بھی نہیں کرتے تو یہی کرو کہ جس رستے آئے ہو۔اسی رستے پھر کر چلو کہ انتظام پختہ ہو جائے۔راجہ تو اپنے گھمنڈ میں تھے۔انہوں نے ایک نہ سنی۔اور دوسرے دن اپنے ہی رستہ روانہ ہوئے۔ناچار زین خاں بھی اور سردار لشکر بھی فوج اور سامان ترتیب دیکر پیچھے پیچھے ہو لئے۔اور دن بھر میں پانچ کوس پہاڑ کاٹا۔دوسرے دن کے لئے قرار پایا کہ رستہ سخت ہے۔تنگ تنگ گھاٹیاں اور بڑا پہاڑ سامنے ہے۔اور تیز چڑھائی ہے۔بار برداری، بھیر، بنگاہ سب ہی کا گزرنا ہے۔اس لئے آدھ کوس پر جا کر منزل کریں۔دوسرے دن سویرے سے سوار ہوں۔کہ آرام سے برف پوش پہاڑ کو پایمال کرتے ہوئے سب اتر جائیں۔اور خاطر جمع سے منزل پر اتریں۔یہی سب کی صلاح ٹھہری تھی۔کہ تمام امراء کو چٹھیاں بٹ گئیں۔

نور کے تڑکے دریا لشکر نے جنبش کی۔ہراول کی فوج نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر نشان کا پھریرا دکھایا تھا کہ افغان نمودار ہوئے۔اور دفعتاً اوپر نیچے۔دائیں بائیں سے ہجوم کیا۔خیر پہاڑوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔بادشاہی لشکر نے مقابلہ کیا اور انہیں مارتے ہٹاتے آگے بڑھ گئے۔جب مقام مقررہ پر پہنچے تو ہراول اور اس کے ساتھ جو خیمے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔انہوں نے منزل کر دی۔

قسمت کی گردش:

قسمت کی گردش دیکھو! بیر بر کو کسی نے خبر دی تھی کہ یہاں افغانوں کی طرف سے شبخون کا ڈر ہے۔ چار کوس آگے نکل چلو گے تو پھر کچھ خطر نہیں۔یہ منزل پر نہ اترے آگے بڑھتے چلے گئے۔دل میں سمجھے کہ دن بہتیرا ہے۔چار کوس چلنا کیا مشکل ہے۔اب وہاں پہنچ کر نچنت ہو جائیں گے۔آگے میدان آ جائیگا۔پھر کچھ پرواہ نہیں۔اور امرا آپ ہی آرہینگے۔چلو آگے ہی بڑھ چلو۔لیکن انہوں نے آگرہ او ریکری کا رستہ دیکھا تھا۔وہ پہاڑ کب دیکھے تھے۔اور ان کی منزلیں کہاں کاٹی تھیں۔جو لوگ بادشاہی سواری کے ساتھ ڈولہ، پالکیوں، تام جاموں میں پھرے،انہیں کیا خبر کہ یہ معاملہ کیا ہے۔اور شبخون کا موقع کیا ہے۔اور شبخون ماریں بھی تو پہاڑی کر کیا لینگے۔مگر یہ سمجھنا بھی تو جنگی ہی لوگوں کا کام ہے۔نہ بھاٹوں کا۔وہ سمجھے کہ جو کچھ ہے۔یہی چار کوس کا معاملہ ہے۔آخر تین جنگی لشکر آگے پیچھے چلے۔

آزاد۔میرے دوستو وہ ملک تو دنیا ہی نئی ہے۔کیونکر لکھوں کہ تمہارے تصور میں تصویر کھینچوں۔یہ عالم ہے۔کہ چاروں طرف پہاڑ، درختوں کا بن، گھاٹی ایسی تنگ کہ دو تین آدمی بمشکل چل سکیں۔رستہ ایسا کہ پتھروں کی اتار چڑھاؤ پر ایک لکیری پڑی ہے۔اسی کو سڑک سمجھ لو۔گھوڑوں ہی

Marfat.com

کا دل ہے۔ اور انہیں کے قدم ہیں۔ کہ چلے جاتے ہیں۔ کبھی دائیں پر۔ کبھی بائیں پر۔ کہیں دونوں طرف کھڈ ہیں کہ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ذرا پاؤں ادھر ادھر ہوا۔ لڑکا اور گیا۔ یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ نفسی نفسی پڑی ہوتی ہے ایک بھائی لڑکا جاتا ہے۔ دوسرا بھائی دیکھتا ہے اور آگے ہی قدم اٹھاتا جاتا ہے۔ کیا ذکر جو سنبھالنے کا خیال آئے۔ چلتے چلتے ذرا کھلا آسمان اور کھلا میدان آیا تو سامنے ایک دیوار پہاڑوں کی معلوم ہوئی جس کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ خیال آتا ہے کہ اس سے گزر جائینگے۔ تو مشکل آسان ہو جائیگی۔ دن بھر کی منزل مار کر اوپر پہنچے۔ وہاں جا کر کچھ میدان آیا۔ اور دور دور چوٹیاں دکھائی دیں۔ اتر کر ایک اور گھاٹی میں جا پڑے کہ پھر وہی آسمانی دیواریں موجود۔ وہ پہاڑ چھاتی پر غم کا پہاڑ ہو جاتے ہیں۔ الٰہی کیونکر یہ کوہ غم کٹے۔ دل کہتا ہے کہ بس مر لئے یہیں۔ بعض موقع پر ایک جانب کو ذرا چھوٹے ٹیلے نمودار ہوتے ہیں۔ مسافر کا دل تازہ ہو جاتا ہے۔ کہ بس اب ان میں سے نکل کر میدان میں چلے جائینگے مگر ان سے آگے بڑھ کر ایک میدان آیا۔ کئی کوس بڑھ کر پھر ایک درہ میں گھسنا پڑا۔ چشموں کی چادریں گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ آدھ کوس کوس بھر کے بعد پھر وہی اندھیر۔ مشرق و مغرب تک کا پتہ نہیں یہ کسے معلوم ہو کہ دن چڑھا ہے یا ڈھل رہا ہے۔ اور آبادی کا تو ذکر ہی نہ کرو۔

غرض بیر بر تو اسی بھلاوے میں آگے بڑھ گیا۔ کہ ہمت کر کے نکل جائیں گے۔ تو آج ہی سب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ پیچھے والے آپ ہی چلے آئیں گے۔ مگر یہ آنا دربار یا عیدگاہ سے گھر آنا تو نہ تھا۔ جو لوگ اتر پڑے تھے۔ اور کچھ خیمے لگا چکے تھے۔ انہوں نے جو دیکھا کہ راجہ بیر بر کی سواری چلی۔ اور وہ آگے جاتے ہیں۔ سمجھے کہ ہمیں حکم غلط پہنچا۔ یا رائے پلٹ گئی۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جو ابھی آ کر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ دوڑ پڑے۔ اور جو ڈیرے لگا چکے تھے یا لگاتے تھے، وہ گھبرا گئے کہ ان سب کو سمیٹیں اور بغل میں مار کر بھاگ چلیں۔ آخر خیمے گرا دیئے۔ کچھ لپیٹے اور کچھ باندھے اور پیچھے پیچھے بھاگے۔ ہندوستان کے رہنے والے لوگ پہاڑوں سے اور رات دن کی مار مار۔ ہر وقت کے خوف و خطر سے تنگ ہو رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر جو خاطر جمع سے چلے آتے تھے۔ ان میں بھی گھبراہٹ پیدا ہوئی اور بے تحاشا آگے کو بھاگے۔ افغانوں کے آدمی بھی انہیں میں ملے جلے آتے تھے۔ اور دائیں بائیں پہاڑوں پر لاگے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ہل چل دیکھی۔ لوٹنا شروع کر دیا۔

اگر لشکر شاہی کے لوگ ہوش و حواس درست رکھتے۔ یا بیر بر کو خدا توفیق دیتا کہ وہیں باگ روک کر کھڑا ہو جاتا تو ان لٹیروں کو مار لینا اور ہٹا دینا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ مگر لاڈلے راجہ کو ضرور خیال ہوا ہوگا کہ اتنا بڑا لشکر ہے۔ نکل ہی آئیں گے۔ جو مر جائیں سو مر جائیں۔ تم تو چلو۔ لشکر جو کوسوں کی

Marfat.com

قطار میں دریا کی طرح چڑھاؤ میں چلا آتا تھا۔ایک تلاطم میں پڑ گیا۔افغانوں کا یہ عالم تھا کہ لوٹ مار باندھ اپنا کام کیے جاتے تھے۔رستہ کڈھب، گھاٹیاں تنگ، براحال ہوا، زین خاں بچارہ خوب خوب اڑا۔آگے بڑھ کر اور پیچھے والوں کو سنبھال کر جان لڑائی۔مگر کیا کر سکتا تھا۔مقام بے موقع ؛ بیل خچریں اونٹ لدھے پھندے لوٹ لئے گئے۔آدمی بھی بے شمار ضائع ہوئے اور جوان کے ہاتھ آئے پکڑ کر لے گئے۔غرض لڑتے لڑتے مرتے مارتے چھ کوس آئے۔

دوسرے دن زین خاں نے مقام کیا کہ لوگ ٹوٹے پھوٹے کی مہم پٹی کریں۔اور ٹھہر کر ذرا دم لیں۔آپ راجہ بیربر کے ڈیرے گیا۔اور امراء کو جمع کر کے مشورہ کا جلسہ کیا۔اکثر اہل لشکر ہندوستانی ہی تھے ملک اور ملک کی حالت سے گھبرا گئے تھے۔کثرت رائے یہی ہوئی کہ نکل چلو۔اس نے کہا کہ آگے پہاڑ اور ٹیلے بے ڈھب ہیں۔لشکر والوں کے دل ٹوٹ گئے ہیں۔افغان دلیر ہو کر پہاڑوں پر امنڈ آئے ہیں۔لکڑی چارہ پانی دانہ بہت ملتا ہے۔میری صلاح یہی ہے۔کہ چند روز قیام کریں۔اور اپنی حیثیت درست کر کے باغیوں کو ایسی گوشمالی دیں۔کہ ان کے بگڑے ہوئے دماغ درست ہو جائیں۔اور یہ صلاح نہ ہو تو ان کے بھائی بند عیال مال مویشی بھی ہمارے قبضہ میں ہیں۔وہ پیغام سلام کرینگے۔اور اطاعت کر کے عفو تقصیر چاہیں گے۔قیدی ان کے حوالے کر کے خاطر جمع کے ساتھ یہاں سے چلیں گے۔یہ صلاح بھی پسند نہ ہو تو حضور میں سب عرض حال لکھ کر بھیجیں۔اور کمک منگائیں۔ادھر سے فوج آ کر پہاڑوں کو روک لے۔ہم ادھر سے متوجہ ہوں۔لیکن یہ ہندوستانی دال خور جنہوں نے گھر کی ماما چتریاں کھائیں پہاڑ ان سے کب کٹے۔ایک بات پر بھی صلاح نہ ٹھیری۔مطلب وہی کہ یہاں سے نکل چلو۔اور گھر چل کر توری چھلکے اڑاؤ۔

غرض دوسرے دن کمال اضطراب اور بے سروسامانی میں خیمے ڈیرے اکھیڑ روانہ ہوئے۔بھیر بنگاہ ہمیشہ پیچھے ہوتی ہے۔اور افغانوں کا قاعدہ ہے۔کہ انہی پر گرا کرتے ہیں۔اس لئے زین خاں آپ چنداول ہوا۔منزل سے اٹھتے ہی لڑائی شروع ہوئی۔افغانوں کا یہ عالم کہ سامنے پہاڑوں پر سے امنڈے آتے ہیں۔کھڈوں، گھاٹیوں اور ماپیچوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔دفعتاً نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ہندوستانی چیخیں مارتے ہیں۔اور ایک ایک پر گرے پڑتے ہیں۔جہاں گھاٹی یا درہ آتا۔وہاں قیامت آجاتی۔آدمی اور جانور، زندہ اور مردہ کوئی نہ دیکھتا تھا۔پامال کیے چلے جاتے تھے۔سنبھالنے اور اٹھانے کا تو کیا ذکر۔سردار اور سپاہی کوئی پوچھتا نہ تھا۔زین خاں بچارہ جابجا دوڑتا تھا۔اور سپر کی طرح جان آگے دھرے دیتا تھا۔کہ لوگ آسانی سے گزر جائیں۔

جب شام ہوئی تو افغانوں کی امت بڑھی۔ادھر ان کے دل ٹوٹ گئے۔وہ چاروں طرف سے

Marfat.com

امنڈ کر گرے۔اور تیر اندازی و سنگ باری کرنے لگے۔ بادشاہی لشکر اور بھیر میں ایک کہرام مچ گیا۔ پہاڑ تہ و بالا ہو گیا۔ رستہ ایسا تنگ تھا۔ کہ دو سوار بھی برابر چل نہ سکتے تھے۔ اور اندھیرا ہو گیا۔ افغانوں نے بھی موقع پایا۔ آگے پیچھے اوپر نیچے سے گولی تیر پتھر برسانے شروع کئے۔ ہاتھی، گھوڑے، آدمی، اونٹ، گائے، بیل، ایک پر ایک گرتا تھا۔ قیامت کا نمونہ تھا۔ اس دن بہت آدمی ضائع ہوئے۔ رات ہو گئی۔ زین خاں نے مارے غیرت کے چاہا کہ ایک جگہ اڑ کر راہ اخلاص میں جان قربان کر دے۔ ایک سردار دوڑا آیا۔ اور باگ پکڑ کر اس انبوہ میں سے نکالا۔ گھاٹیوں میں اتنے آدمی، گھوڑے، ہاتھی پڑے تھے کہ رستہ بند ہو گیا تھا۔ ناچار گھوڑا چھوڑ کر پیادہ ہوا۔ اور بے راہ ایک پہاڑی پر چڑھ کر بھاگا۔ ہزار دشواری سے منزل پر جان پہنچائی۔ لوگ بھی گھبراہٹ میں کہیں کے کہیں جا پڑے۔ بعضے سلامت پہنچے۔ بعض قید ہو گئے۔ حکیم ابوالفتح بڑی جان کندن سے منزل پر پہنچے۔ مگر افسوس یہ کہ راجہ بیربر کا پتا نہ لگا۔ اور وہ کیا ہزاروں آدمی جانوں سے گئے۔ جن میں اکثر بادشاہ شناس اور درباری منصب دار تھے۔ اور قیدیوں یک تو گنتی کہاں۔ غرض ایسی شکست فاش ہوئی کہ تمام اکبری سلطنت میں کبھی اس خرابی کے ساتھ فوج نہیں بھاگی۔ چالیس پچاس ہزار میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا۔ زین خاں اور حکیم ابوالفتح نے کمال بدحالی کے ساتھ اٹک میں آ کر دم لیا۔ پٹھانوں کو اتنی لوٹ ہاتھ آئی۔ کہ سات پشت تک بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔ اس خبر کے سنتے ہی خصوصاً راجہ بیربر کے مرنے سے۔ کہ مصاحبان بزم انس اور محرمان انجمن قدس میں سے تھا۔ خاطر قدسی پر اس قدر بار غم ہوا۔ کہ گویا ابتدائے جلوس سے آج تک نہ ہوا تھا۔ دو رات دن معمولی سرور نہ کیا۔ بلکہ کھانا تک نہ کھایا۔ مریم مکانی نے بہت سمجھایا۔ بندگان عقیدت کیش نے نالہ و زاری کی تو طبیعت کو مجبور کر کے کھانے پینے پر متوجہ ہوئے۔ زین خاں اور حکیم وغیرہ سلام سے محروم کیے گئے۔ لاش کی بڑی تلاش رہی۔ مگر افسوس کہ وہ بھی نہ پائی۔

باہمی نفاق:

ملا صاحب اس بات پر بہت خفا ہیں۔ کہ اس کا رنج کیوں کیا۔ لکھتے ہیں اور کن کن شوخیوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔ جو لوگ سلام سے محروم ہوئے تھے۔ ان کی خطا معاف ہو گئی۔ اور چونکہ بیربر جیسے مصاحب کو آپس کے نفاق میں برباد کیا (اور نفاق تو ثابت تھا) اس لئے چند روز نظر سے مردود اور کورنش سے محروم رہے۔ پھر وہی درجہ جو تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ گئے۔ کسی امیر کے مرنے کا ایسا رنج نہیں کیا جیسا بیربر کا کیا (کہتے تھے) افسوس اس کی لاش کو گھاٹی میں سے نکال نہ سکے۔ اسے آگ تو مل جاتی۔ پھر آپ ہی تسلی دیتے تھے۔ خیر وہ ساری قیدوں سے آزاد، پاک اور الگ تھا۔ نیر اعظم کی

Marfat.com

روشنی اس کے پاک کرنے کو کافی ہے۔اور پاک کرنے کی تو اسے حاجت بھی نہ تھی۔

آزاد۔لوگ جانتے تھے۔کہ بیربل آٹھ پہر بادشاہ کے دل کا بہلاوا ہے۔اب جو اس کے مرنے سے ایسا بیتاب و بے قرار دیکھا تو رنگا رنگ کی خبریں لانے لگے۔کوئی جاتری آتا اور کہتا کہ میں جوالا جی سے آتا ہوں۔جوگیوں کے ایک غول میں بیربر چلا جاتا تھا۔کوئی کہتا تھا کہ سنیاسیوں کے ساتھ بیٹھا کتھا بانچ رہا تھا۔بادشاہ کے دل کی بے قراری ہر بات کی تصدیق کرتی تھی۔خود کہتے تھے کہ وہ علائق دنیا سے الگ تھا اور غیرت والا تھا۔تعجب کیا ہے۔شکست کی شرمندگی سے فقیر ہو کر نکل گیا ہو۔درباری احمق ان خیالات کو اور پھیلاتے تھے۔اوران پر حاشیے چڑھاتے تھے۔

بیربر کی تلاش:

لاہور میں روز نئی ہوائی اڑتی تھی۔آخر یہاں تک ہوا کہ بادشاہ نے ایک آدمی کانگڑہ بھیجا کہ بیربر کو ڈھونڈ کر لاؤ۔دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔اس کی زندگی کا ڈھکوسلا اور بادشاہ کا اس پر یقین ایسا مشہور ہوا کہ جابجا چرچا ہو گیا۔یہاں تک کہ کالنجر اس کی جاگیر تھا۔وہاں کے منشیوں کی عرضیاں آئیں کہ یہاں تھا۔ایک برہمن اسے پہلے سے خوب جانتا تھا۔اس نے تیل ملنے میں خط و خال پہچانے اور یہاں ضرور ہے مگر کہیں چھپا ہوا ہے۔حضور نے فوراً کروڑی کے نام فرمان جاری ہوا۔اس احمق نے ایک غریب مسافر کو حماقت یا ظرافت سے بیربر بنا کر رکھا ہوا تھا۔اب جو فرمان پہنچا اور تحقیق کیا تو سمجھا کہ دربار میں سخت ندامت ہوگی۔بلکہ نوکری کا خطر ہے۔اس نے حجام کو تو بھیج دیا۔اور بے گناہ مسافر کو مفت مار ڈالا۔جواب میں عرضی کر دی کہ یہاں تھا تو سہی مگر قضا نے سعادت پابوس سے محروم رکھا۔دربار میں دوبارہ ماتم پرسی ہوئی۔پھر مرنے کی سوگواریاں ہوئیں۔کروڑی اور اور نوکر وہاں کے اس جرم میں طلب ہوئے کہ حضور کو کیوں نہ خبر کی۔قیدر ہے۔شکنجہ سزا میں آئے۔ہزاروں روپیہ جرمانہ بھرے،آخر چھٹ گئے۔وا مرنے کا بھی مسخرا پن رہا۔اور لوگوں کی جانوں کو مفت عذاب میں ڈالا۔

اگر چہ بیربر کا منصب دو ہزاری سے زیادہ نہ تھا۔لیکن عنایت اس قدر تھی۔کہ ہزاروں اور لاکھوں کے جواہر۔برس بلکہ مہینوں میں عطا ہو جاتے۔صاحب السیف والقلم خطاب میں داخل تھا۔مراسلوں اور فرمانوں میں قلم آٹھ آٹھ سطریں سیاہ کر لیتا تھا۔جب ان کا نام صفحہ پر ٹپکتا تھا۔ان کے مرنے کی خبر خود امرائے عالیشان کو لکھ لکھ کر بھیجی۔چنانچہ عبدالرحیم خان خاناں کے نام ایک چھ صفحے کا طولانی فرمان لکھا ہے۔ابوالفضل کے پہلے دفتر میں موجود ہے۔اکبر اسے ایسا محرم راز سمجھتا تھا۔کہ کسی

Marfat.com

طرح کا پردہ نہ تھا۔ انتہا ہے۔ کہ آرام کے وقت حرم سرا کے اندر بھی بلا لیتے تھے۔ اور حق پوچھو تو ان کے چٹکلوں اور چہلوں کا وہی وقت تھا کہ خلوت خاص اور مقام بے تکلف ہوتا تھا۔

بیر براور دین الٰہی:

بیر بر دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل تھے۔ اور مرید با اخلاص تھے۔ اور مراتب چہارگانہ کی منزلوں میں سب سے آگے دوڑے جاتے تھے۔ ملا صاحب ان سے بہت خفا معلوم ہوتے تھے۔ مگر یہ برا کرتے ہیں کہ ملعون، کافر اور سگ بے دین وغیرہ الفاظ سے زبان آلودہ کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بیر بر جی ہنسی میں اسلام اور اسلام والوں کو بھی جو چاہتے تھے سو کہہ جاتے تھے۔ مسلمان امیروں کو یہ بات ناگوار ہوتی ہوگی۔ چنانچہ شہباز خاں کمبوہ چار ہزاری منصب دار جو اکثر مہموں میں سپہ سالار بھی ہوا۔ (شہر اللہ نام تھا لاہوری تھے) اس نے بھی ایک موقع دربار خاص میں انہیں ایسا برا بھلا کہا کہ بادشاہ کی طبیعت بے لطف ہوگئی۔ اور خود بیر بر کے طرفدار ہو گئے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ بیر بر ہی بادشاہ کو عقائد ہنود کی طرف زیادہ تر کھینچتا ہے۔

پچھلے صفحات میں آپ نے پڑھ لیا کہ بادشاہ نے شیطان پورہ آباد کیا تھا۔ لیکن خفیہ دریافت کرتے رہتے تھے اور بڑی احتیاط تھی۔ کہ امرا میں سے کوئی وہاں نہ جائے۔ ایک دفعہ خبر دینے والے نے خبر دی۔ کہ بیر بر جی کا دامن بھی وہاں سے ناپاک ہوا۔ جانتے تھے کہ بادشاہ اس جرم سے بہت ناراض ہوتے ہیں۔ یہ کوڑہ گھاٹم پور اپنی جاگیر میں چلے گئے تھے۔ ان کے خبرداروں نے بھی انہیں خبر دی کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ یہ سن کر بہت گھبرائے۔ اور کہا میں تو اب جوگی ہو کر نکل جاؤں گا۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو دلجوئی اور خاطر داری کے فرمان لکھے اور بلا لیا۔

بیر بر کی وفات:

بیر بر کے مرنے پر اکبر کی اس قدر بے قراری اور یادگاری دیکھ کر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ ایسے عالم فاضل تجربہ کار بہادر سردار دلاور ارکان دربار میں موجود تھے۔ اور اکثر ان میں سے ان کے سامنے ہی مرے تھے۔ یہ کیا سبب کہ بیر بر کے برابر کسی کے مرنے کا رنج نہیں ہوا۔ یہ امر کچھ زیادہ غور طلب نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک امیر اپنے کام اور کرتب کا صاحب کمال تھا۔ اور ہر ایک کام کے لئے خاص خاص موقع ہوتا تھا۔ مثلاً علما و فضلا کا جلسہ ہو۔ علمی تحقیقاتیں ہوں۔ شعر و شاعری ہو۔ وہاں خواہ مخواہ فیضی، ابوالفضل، شاہ فتح اللہ، حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام یاد آوینگے۔ بیر برایسے تھے۔ کہ کچھ جانیں خواہ نہ جانیں سمجھیں یا نہ سمجھیں دخل در معقولات کرنے کو موجود تھے۔ مذاہب تقلیدی تو اعتراضوں

Marfat.com

کے زیرِ مشق بن رہے تھے۔ کتاب اور سند سے کچھ بحث ہی نہ تھی۔ کیا ہندو، کیا مسلمان، زیرِ تحقیقات تھے۔ اس نے اس معاملہ میں وہ رتبہ پیدا کیا تھا کہ وہ اور ابوالفضل وغیرہ دینِ الٰہی اکبر شاہی کے خلیفہ تھے۔ جب منقولات کا یہ حال ہو تو معقولات کا کیا کہنا ہے۔ اس میں تو جس کا چاہیں خاکہ اڑائیں۔ اور جسے چاہیں مسخرا بنائیں۔

ملکی انتظام اور دفتر:

ملکی انتظام اور دفتر کے بندوبست ہوں تو راجہ ٹوڈرمل اور علمائے مذکور یاد آوینگے۔ بیر بر اگرچہ ان کاغذوں کے کیڑے نہ تھے۔ مگر ایک عجیب رقم تھے۔ کچھ تیزی فکر کچھ مسخراپن سے وہاں بھی جو عقل میں آتا تھا کہتے تھے۔ بلکہ زبانی جمع خرچ سے سب میزان مستوفے ملا دیتے تھے۔ اور جب موقع دیکھتے تو مناسب وقت کوئی دہرہ، کوئی کبت، کوئی لطیفہ کا گلدستہ بھی تیار کر کے سرِ مجلس حاضر کرتے تھے۔

مہماتِ ملکی:

مہماتِ ملکی ہوں تو وہاں بھی حاضر۔ بے تلوار جنگ کرتے تھے۔ اور بے توپ توپخانے اڑاتے تھے۔ سواری شکاری کے وقت کبھی کوئی امرا میں سے پھنس جاتا تھا تو ساتھ ہو لیتا تھا۔ ورنہ ان کا کیا کام تھا۔ یہ سپاہی بن کر سیر و شکار کے وقت بھی آگے آگے ہو جاتے۔ اور باتوں کے نون مرچ سے وہیں کباب تیار کر کے کھلاتے۔ لیکن شیر چیتے کی بو پاتے تو ایک ہاتھی کے ہودہ میں چھپ جاتے۔

تفریح کی صحبت ناچ رنگ کے تماشے:

تفریح کی صحبت ناچ رنگ کے تماشے یا اس قسم کی خلوتیں ہوں تو راجہ اندر بھی تھے۔ وہاں ان کے سوا دوسرے کو دخل کب ہو سکتا ہے۔ ان مجلسوں کا سنگار کہو، باتوں کا گرم مصالح کہو، جو سمجھو بجا ہے پھر خیال کرو کہ ہر دم ان کا غم اور ہر لحظہ وہ یاد نہ آتے تو کون یاد آتا۔

بڑا افسوس یہ ہے۔ کہ اکبر نے ان کے لئے کیا کیا کچھ نہ کیا۔ مگر اکبر کے لئے انہوں نے کوئی یادگار نہ چھوڑی۔ سنسکرت کے اشلوک تو درکنار، بھاٹ کا ایک دہرا بھی ایسا نہیں جسے دلوں کی امنگ کسی موقع پر بول اٹھا کرے۔ ہاں اکثر لطیفے ہیں۔ کہ متھرا کے چوبوں اور مندروں کے مہنتوں کی زبان پر ہیں۔ جب مفت کی رسویوں سے پیٹ پھلا کر چت لیٹ جاتے ہیں۔ تو پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ ڈکاریں لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ واہ بیر بر جی واہ کیا اکبر بادشاہ کو غلام بنایا تھا۔ بعضے کہتے ہیں۔ کہ اگلی جون میں بیر بر راجہ تھے۔ اور اکبر ان کے داس تھے اور پھر ایک لطیف کہتے ہیں۔ اور

Marfat.com

کروٹیں لیے لے کر گھڑیوں تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ بڈھے بڈھے نیوں بلکہ پرانے پرانے منشیوں کو بھی یہ لطیفے تاریخ دانی اور علم مجلس کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

میں نے چاہا تھا کہ کچھ تصنیف نہیں ملتی تو خاتمہ احوال میں چند رنگین اور نمکین چٹکلے ہی لکھوں مگر بہت کم لطیفے ایسے ملے۔ جن میں عالمانہ یا شاعرانہ کسی طرح کا لطف ہو۔ پرانی پرانی بیاضیں بڑی تلاش سے پیدا کیں اور جہاں لطائف بیربل کا نام سنا۔ وہیں کوشش کا ہاتھ پہنچایا۔ لیکن جب پڑھنے لگا۔ تو تہذیب نے ورق میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

ایک پہیلی ان کی مدت سے یاد ہے وہی ہی لکھی جاتی ہے۔ باتوں کا صراف اس سے بھی انکی لیاقت اور متانت کا کھوٹا کھرا پرکھے گا۔

مال پوا

گھی میں غرق سواد میں میٹھا بن بیلن وہ بیلا ہے کہیں بیربل سنیں اکبر یہ بھی ایک پہیلا ہے

آزاد سے پوچھو تو سید انشا کے مال پوے اس سے کہیں مزے کے ہیں۔ غزل کے تین شعر یاد ہیں۔

یہ اب حسن پر اپنے گھمنڈ کرتے ہیں کہ اپنے شیش محل ہی میں ڈنڈ کرتے ہیں
کھلا کے مال پوے تر تراتے موہن بھوگ گروجی چیلوں کو اپنے بھنڈ کرتے ہیں
شراب ان کو کہیں مت پلائیو انشا کہ وہ تو مست ہو مجلس کو بھنڈ کرتے ہیں

ان کے ایک بیٹے کا نام ہر مرائے تھا۔ درباداری اور راجاؤں کی ملاقات وغیرہ میں خدمات بادشاہی بجالاتا تھا۔ بڑے بیٹے کا نام لالہ تھا۔ وہ بھی حاضر دربار رہتا تھا۔ ۱۰۱۰ھ میں استعفیٰ دیا۔ اور کہا کہ مہابلی اب بھگوان کی یاد کیا کرونگا۔ بادشاہ نے بہت خوش ہو کر عرضی منظور کی۔ وہ حقیقت میں ترقی نہ ہونے سے ناراض تھا۔ اور بادشاہ نے عیاشی کے سبب سے اس کی ترقی مناسب نہ دیکھی تھی۔ غرض یہاں سے رخصت ہو کر گیا اور الہ آباد میں ولی عہد کی نوکری کر لی۔ ابو الفضل کہتے ہیں۔ کہ تند خوئی اور خودکامی سے فضول حرج ہے۔ اور تمنا و طلب کو بڑھائے جاتا ہے۔ پیش نہیں جاتی۔ حماقت میں جا پڑا اور ادھر کا خیال باندھا۔ وہ بات بھی نہ بن پڑی۔ خدیو عالم نے رخصت فرما کر اس کے مرض کا علاج کیا۔

راجہ بیربر جی کی تصویر دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ ایسا بھدا آدمی اتنا زیرک اور دانا کیونکر تھا۔ جس کی تیزی فہم کی سب مورخ تعریف کرتے ہیں۔

Marfat.com

مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری

ابتدائی حالات:

فرقہ انصار سے تھے۔ اور بزرگ ان کے ملتان سے سلطان پور میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ عربیت اور فقہ وغیرہ علوم وفنون جو کہ علمائے اسلام کے لئے لوازمات سے ہیں۔ ان میں یگانہ تھے۔ مآثر الامرا میں ہے۔ کہ مولانا عبدالقادر سرہندی سے کسب کمال کیا تھا۔ خاص وعام کے دلوں پر ان کی عظمت ابر کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اور ہر بات آیت اور حدیث کا حکم رکھتی تھی۔ اس خیال سے جو بادشاہ وقت ہوتا تھا۔ زیادہ تر ان کا لحاظ رکھتا تھا۔ ہمایوں عموماً علماء کے ساتھ اعزاز واکرام سے پیش آتا تھا۔ مگر ان کی نہایت تعظیم کرتا تھا۔ اس سے مخدوم الملک وشیخ الاسلام خطاب لیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام شیر شاہ نے بنایا تھا۔ اس نیک نیت بادشاہ کے کاروبار سلطنت میں اعتبار واعتماد کے ساتھ ایک خصوصیت خاص رکھتے تھے جب ہمایوں تباہ ہو کر ایران کی طرف گیا۔ تو ان کی بزرگی اور اقتدار کے اثر شیر شاہی سلطنت کو برکتیں پہنچانے لگے۔ راجہ پورن مل رئیسیں اور چندیری کا راجہ انہی کے عہد وپیمان کے اعتبار پر حاضر دربار ہوا۔ اور آتے ہی شیر شاہ کی دولت وصولت کا شکار ہوا۔ اس کے عہد میں بھی باعزاز رہے۔ سلیم شاہ کے عہد میں اس سے بھی زیادہ ترقی کی۔ اور انتہا درجہ کا زور پیدا کیا۔ چنانچہ شیخ علائی کے حال میں بھی کچھ کچھ لکھا گیا۔ انہوں نے ان کے اور ان کے پیر کے قتل میں کوشش کا حق ادا کیا۔ اور انجام کو شیخ علائی مظلوم انہی کے فتوؤں کی اسناد لے کر بہشت میں پہنچے۔

شیخ داؤد جہنی وال:

اسی عہد میں موضع جہنی علاقہ لاہور میں شیخ داؤد جہنی وال ایک بزرگ ومشائخ صاحب معرفت تھے کہ عبادت وریاضت اور زہد وپارسائی نے مریدوں کے انبوہ سے ان کی خانقاہ آباد کی تھی۔ اور دور دور تک خاص وعام ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ ملا صاحب کہتے ہیں قوت ربانی اور نسبت حقانی سے فقر کے سلسلوں کو ایسا رواج دیا تھا کہ جس کا غلغلہ نفخ صور تک خاموش نہ ہوگا۔ جن دنوں ملا عبداللہ

Marfat.com

سلطانپوری نے کہ مخدوم الملک کہلاتے ہیں۔ سعی و کوشش کی کمر اہل اللہ کے استیصال پر باندھی۔ اور اکثروں کے قتل کا باعث ہوئے۔ تو گوالیار سے سلیم شاہ کا فرمان طلب بھیج کر بلوایا۔ وہ ایک دو خادموں کو لے کر جریدہ روانہ ہوئے۔ اور شہر کے باہر مخدوم الملک سے ملاقات ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ۔ شیخ نے پوچھا کہ فقرائے بے تعلق کے طلب کا کیا سبب ہے۔ مخدوم الملک نے کہا کہ میں نے سنا ہے تمہارے مرید ذکر کے وقت یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ سننے میں شبہ ہوا ہوگا۔ یا ودود کہتے ہونگے۔ اس ترقیب سے ایک دن یا ایک شب رہ کر ان سے مواعظ اور نصائح بلند اور معارف اور حقائق ارجمند بیان کئے کہ مخدوم الملک کے دل پر بھی اثر ہوا۔ اور انہیں عزت سے رخصت کر دیا۔

ملا صاحب کا دل بھی ان کی شدتوں سے پکا پھوڑا ہو رہا ہے۔ جہاں ذرا سا رخنہ پاتے ہیں پھوٹ بہتے ہیں۔ چنانچہ زمرہ فقرا میں لکھتے ہیں۔ جب شاہ عارف حسنی احمد آباد گجرات سے پھر کر آئے تو لاہور میں مقام کیا۔ بہت لوگ کمالات پر گرویدہ ہوئے۔ انہوں نے بعض جلسوں میں گجرات کے زمستانی میوے منگا کر لاہور میں لوگوں کو کھلائے۔ پنجاب کے علما جن کے ستون مخدوم الملک تھے۔ انہیں لپٹ گئے۔ گناہ یہ قرار دیا کہ آخر یہ میوے اوزدں کے باغوں کے ہیں۔ اور انہوں نے بے اجازت ان میں تصرف کیا ہے۔ اس لئے ان کا تصرف حرام اور کھانے والوں کا کھانا حرام ہے۔ وہ تنگ ہو کر کشمیر چلے گئے۔ سلیم شاہ اگرچہ مخدوم الملک کا نہایت ادب کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر جو رخصت کرنے کو لب فرش تک آیا تو جوتیاں سیدھی کر کے ان کے سامنے رکھیں۔ مگر یہ سب باتیں اس مطلب برآری کے لئے تھیں کہ جانتا تھا۔ عوام کے دلوں میں ان کی باتوں کا اثر ہے۔ اور بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ سفر پنجاب میں مصاحبوں کے حلقے میں بیٹھا تھا۔ کہ مخدوم تشریف لائے۔ دور سے دیکھ کر بولا۔ ہیچ میدانید کہ ایں کہ مے آید؟ ایک مصاحب نے عرض کی بفرمایند۔ سلیم شاہ نے کہا بابر بادشاہ رانج پسر بود۔ چہار پسر از ہندوستان رفتند یکے ماندہ۔ مصاحب نے پوچھا۔ آں کیست۔ کہاں۔ ایں ملا کہ مے آید۔ سرمست خاں نے کہا تقریب نگاہداشتن ایں چنیں مفتن چیست؟ سلیم شاہ نے کہا۔ چہ تواں کرد۔ بہتر ازو نمے یابم۔ اور جب ملا عبداللہ پہنچے۔ تو ان کو تخت پر بٹھایا۔ ایک تسبیح مروارید۔ کہ اسی وقت پیشکش میں گزری تھی۔ وہ دی کہ ۲۰ ہزار کی تھی۔

سلیم شاہ کے دل پر ہمایوں کی طرفداری کے نقش:

سلیم شاہ کے دل پر مخدوم کے باب میں جو ہمایوں کے طرفداری کے نقش تھے۔ انے نقد

Marfat.com

بدگمانی نہ سمجھنا کیونکہ جب ہمایوں فتح یابی کے نشان گاڑتا ہوا کابل میں آن پہنچا تو لاہور میں بھی خبر مشہور ہوئی۔ حاجی پراچہ ان دنوں میں یہاں ایک سوداگر تھا۔ کابل میں اس کی آمدورفت تھی۔ مخدوم نے احتیاطاً خط نہ لکھا۔ مگر اس کی معرفت ایک جوڑی موزوں کی اور ایک چچی بطور تحفہ بھیجی۔ اس کے یہ معنے تھے۔ کہ میدان صاف ہے۔ موزے چڑھاؤ۔ اور گھوڑے کو چچی کرو۔ آزاد میں سوچتا ہوں کہ اپنے حریفوں کے شان وشکوہ اور شاہانہ اقتدار دیکھ کر شیخ مبارک کیا کہتا ہوگا؟ جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ جب باکمال لوگ نارسائی اور بے قدری کے گڑھوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ اور کم قدر لوگ بخت اور نصیب کے یاوری سے اوج کمال پر ہوتے ہیں۔ تو گرنے والوں کے دلوں پر سخت چوٹیں لگتی ہیں۔ اس حالت میں کبھی تو وہ اپنے کمال علمی کو دولت بے زوال اور غیروں کے اتفاقی اقبال کو دودھ کا ابال کہہ کر جی خوش کر لیتے ہیں۔ کبھی گوشہ نشینی کے ملک بے خطر کی تعریفیں کر کے دل بہلا لیتے ہیں۔ کبھی بادشاہوں کی خدمت کو بند غلامی کہہ کر اپنی آزاد حالت کو بادشاہت سے بھی اونچا مرتبہ دے دیتے ہیں۔ بے شک افراط علم اور کمال کا نشہ انسان کے خیالات کو بلند۔ اور طبیعت میں آزادی اور بے پروائی پیدا کرتا ہے۔ اور جاہ وجلال کے فخروں کو بہت ناچیز کر کے دکھاتا ہے۔ مگر دنیا برا مقام ہے۔ اور اہل دنیا برے لوگ ہیں۔ یہ ظاہر پرست حکومت کے بندے اور دولت کی امت ہیں۔ اور مشکل یہ ہے۔ کہ انہی لوگوں میں گزارہ کرنا ہے۔ ان کے طمطراق ظاہری پر شیخ مبارک کا علو حوصلہ نہیں دبتا ہوگا۔ لیکن جو ذلتیں اور مصیبتیں اور جان کے خطر پیش آتے تھے۔ ان میں خدا ہی دکھائی دیتا ہوگا۔ آزادی کی خیالی باتوں سے موجود مصیبتوں کے زخم۔ اور محسوس تکلیفوں کے داغ راحت وآرام کے پھول نہیں بن جاتے۔

ہمایوں کے عہد میں عزت وقار:

جب ہمایوں نے پھر آکر ہندوستان پر قبضہ کیا۔ تو مخدوم صاحب ہی خاص الخاص تھے۔ اور مختار کل لیکن اکبر کے آغاز سلطنت میں مخدوم صاحب پر عجب نحوست آئی۔ جب اکبر نے ہیموں پر فوج کشی کی تو سکندر خاں افغان اپنی قومی جمعیت کے ساتھ پہاڑوں میں دبکا بیٹھا تھا۔ یہ خبر سن کر نکلا۔ اور ملک میں پھیل کر علاقہ سے روپیہ تحصیل کرنے لگا۔ حاجی محمد خاں سیستانی حاکم لاہور تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ سکندر انہی کے اشارہ پر باہر نکلا ہے۔ مخدوم صاحب کی پرزری اور مالداری بھی مشہور تھی۔ حاجی نے روپیہ نچوڑنے کیلئے موقع پایا۔ انہیں کئی شخصوں کے ساتھ پکڑ کر شکنجے میں کس دیا۔ بلکہ مخدوم صاحب کو آدھا زمین میں گاڑ دیا۔ اور جو گنج قارون انہوں نے سالہا سال میں دفینہ کیا تھا۔ دم میں کھینچ لیا۔ خان خاناں نام کو تو ترک سپاہی تھا۔ مگر تدبیر سلطنت کا ارسطو تھا۔ اس نے سنا تو بہت خفا

Marfat.com

ہوا۔ اور جب فتح کے بعد بادشاہ کے ساتھ پھر لاہور میں آیا۔ تو حاجی کے وکیل کو مخدوم صاحب کے گھر بھیجا کہ عذر تقصیر بجالائے۔ اور انہیں لاکھ بیگھ کی جاگیر علاقہ مان کوٹ میں دی۔ چند روز میں پہلے سے بھی زیادہ اختیارات کر دیئے۔ کیونکہ بادشاہ لڑکا ناتجربہ کار تھا اور ایسے اشخاص کی تالیف قلوب مصلحت وقت تھی۔ بڑے بڑے معاملے سلطنت کے ان کی معرفت سرانجام پاتے تھے۔

آدم خاں گکھڑ:

آدم خاں گکھڑ پنڈی اور جہلم کے علاقے کا اولوالعزم سردار تھا۔ وہ انہی کی معرفت حضور میں آیا۔ اور خان خاناں کی تدابیر سلطنت کا عقل کل تھا۔ اس نے ں سے بھائی بندی کا صیغہ پڑھا۔ اور پگڑی بدل بھائی ہوئے۔ جب خان خاناں کی اور اکبر کی ی اور انجام کو خان خاناں نے حضور میں جرع کا پیغام بھیجا اور اس کے لینے کو یہ اور منعم خاں گئے۔ خان زمان کی عفو تقصیرات میں انہی کی شفاعت کام کرتی تھی مگر جب اکبر کو خود سلطنت کے سنبھالنے کی ہوس ہوئی۔ تو اس نے آئین مملکت کا اندازہ بدلا۔ اور دلداری اور ملنساری پر ملک داری کی بنیاد رکھی۔ اس کے خیالات انہیں ناگوار معلوم ہونے لگے۔ اور اس میں بھی شک نہیں۔ کہ انہوں نے بڈھے بڈھے بادشاہوں کو ہاتھوں میں کھلایا ہوا تھا۔ جب نوجوان لڑکے کو تخت پر دیکھا ہوگا۔ تو یہ بھی بڑھتے بڑھتے حد اعتدال سے بڑھ گئے ہونگے۔ اس عرصے میں فیضی اور ابوالفضل پر خدا کا فضل ہوا۔ پہلے بڑا بھائی ملک الشعرا ہو گیا۔ پھر چھوٹے نے میر منشی ہو کر مصاحبت کا خاص رتبہ پایا۔ شیخ مبارک پر جو جو مصیبتیں مخدوم کے ہاتھوں سے گزری تھیں۔ بیٹوں کو بھولی نہ تھیں۔ انہوں نے ان کے تدارک کے فکر کر کے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور اکبر کے خیالات بھی بدلنے شروع ہوئے۔

اکبر کی ہر شب جمعہ کو علماء، فضلاء، سادات و مشائخ سے ملاقات:

فاضل بداؤنی لکھتے ہیں۔ کہ اکبر ہر شب جمعہ کو علما و فضلا و سادات و مشائخ کو بلاتا تھا۔ اور خود بھی جلسے میں شامل ہو کر علوم و فنون کے تذکرے سنا کرتا تھا۔ وغیرہ ❶ وغیرہ۔ اسی جگہ لکھتے ہیں۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری کو بے عزت کرنے کے لئے بلاتے تھے۔ اور حاجی ابراہیم و شیخ ابوالفضل کو نیا آیا تھا۔ اور اب نئے مذہب کا مجتہد بلکہ مرشد برحق اور داعی مطلق تھا۔ اس کے ساتھ چند اور نوعلموں کو مباحثے پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس کی ہر بات میں شک و شبہے پیدا کرتے تھے۔ اس میں بعض امرائے مقرب بھی بادشاہ کے اشارے سے کاوش اور کاہش میں تراوش کرنے لگے۔

❶ دیکھو فاضل بداؤنی کا حال۔

Marfat.com

کبھی کبھی ٹپکتے تھے تو عجیب و غریب نقلیں مخدوم سے روایت کرتے تھے۔اور بڑھاپے میں یہ آیت اس پر ٹھیک صادق آئی۔و منکم من یردالی ارذل العمر (یعنی تم میں سے ذلیل عمر کی طرف دھکیلے جائیں گے) چنانچہ ایک شب خان جہاں نے عرض کی کہ مخدوم الملک نے فتویٰ دیا ہے۔کہ ان دنوں حج کو جانا فرض نہیں بلکہ گناہ ہے۔بادشاہ نے سبب پوچھا۔بیان کیا کہ خشکی سے جائیں تو رافضیوں کے ملک سے گزرنا پڑتا ہے۔تری کی راہ جائیں تو فرنگیوں سے معاملہ پڑتا ہے۔وہ بھی ذلت ہے۔جہاز کے عہدنامے پر حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصویریں کھنچی ہوئی ہیں۔اور یہ بت پرستی ہے پس دنوں طرح ناجائز ہے۔

ایک حیلہ شرعی نکالا ہوا تھا۔یعنے ہر سال کے اخیر پر تمام روپیہ بی بی کو ہبہ کر دیتا تھا۔اور سال کے اندر پھر واپس لے لیتا تھا کہ زکوٰۃ سے بچ جائیں۔اور اس کے علاوہ اکثر حیلے معلوم ہوئے کہ بنی اسرائیل کے حیلے بھی ان کے آگے شرمندہ ہیں۔غرض اس طرح کی رذالت، خباثت، جہالت، مکاری و دنیاداری و ستمگاری کی باتیں کہ شہروں کے مشائخ و فقرا سے خصوصاً ائمہ و اہل استحقاق سے بے حد و حساب کی تھیں۔ایک ایک ظاہر ہوئی۔اور یوم تبلی السرائر کا راز دلوں پر کھل گیا۔

دربار کے لوگ بہت سی باتیں کہ اس کی ذلت اور اہانت اور مذمت پر مشتمل تھیں۔بیان کرتے تھے۔اور جب پوچھا کہ بر شاحج فرض شدہ؟ تو جواب دیا کہ نے

ملا صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ابوالفضل بادشاہ کے اشارے سے بموجب مصرع مشہور ع

کہ یک عنایت قاضی بہ از ہزار گواہ

صدر اور قاضی اور حکیم الملک اور مخدوم الملک کے ساتھ دلیرانہ لپٹتا تھا۔اور اعتقادیات میں مباحثے کرتا تھا۔بلکہ ان کی بے عزتی میں ذرا بھی کسر نہ رکھتا تھا۔اور بادشاہ کو اچھا معلوم ہوتا تھا۔سترے بہترے بڈھوں نے آصف خاں میر بخشی کی معرفت خفیہ پیغام بھیجا۔کہ کیوں خواہ مخواہ ہم سے الجھتے ہو۔(چہ لہا مادرے افتی۔واہ ملا صاحب!) اس نے کہا ہم ایک شخص کے نوکر ہیں۔بنگیوں کے نوکر نہیں۔

یہ اشارہ اس مشہور لطیفے کی طرف تھا۔کہ کوئی بادشاہ کھانا کھا رہا تھا۔بینگن بہت مزا دیئے۔فرمایا کہ وزیر بینگن بہت خوب ترکاری ہے۔وزیر نے لطف و لذت اور طب و حکمت بلکہ نقل حدیث سے بھی اس کی تعریفیں کیں۔پھر ایک موقع پر بادشاہ نے کہا کہ وزیر بینگن تو بری ترکاری ہے۔وزیر نے پہلے سے زیادہ ہجو کر دی۔بادشاہ نے کہا کہ اس دن تو تم نے اس قدر تعریف کر دی۔اور آج ایسی ہجو کرتے ہو۔کیا بات ہے۔اس نے عرض کی کہ خانہ زاد حضور کا نوکر ہے۔بینگنوں کا نوکر نہیں۔فدوی تو حضور کے کلام کی تائید کرے گا۔

Marfat.com

مخدوم صاحب اور شیخ صدر:

پھر ایک جگہ ملا صاحب فرماتے ہیں۔ بڑی خرابی یہ ہوئی کہ مخدوم اور شیخ صدر کی بگڑ گئی۔ مخدوم الملک نے ایک رسالہ لکھا کہ شیخ عبدالنبی نے خضر خاں شروانی کو پیغمبر صاحب کے برا کہنے کی تہمت لگا کر اور میر حبش کو رفض کے الزام میں ناحق مار ڈالا۔ اور اس کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں کہ باپ نے عاق کیا ہوا ہے۔ اور اسے بواسیر خونی بھی ہے۔ شیخ موصوف نے انہیں بے علمی اور گمراہی کے الزام لگانے شروع کیے۔ ملانوں کے دو گروہ دورویہ سبطی اور قبطی ہو گئے۔ نئے نئے مسئلوں میں جھگڑنے لگے۔ انجام اس لڑائی کا یہ ہوا کہ دونوں گر پڑے۔ یعنی بادشاہ دونوں سے بے اعتقاد ہو گیا۔ بلکہ سنی شیعہ حنفی تو بالائے طاق رہے۔ اصل اصول میں خلل پڑ گئے۔ اور ان کی بداعتقادی میں اصل اعتقاد کچھ کا کچھ ہو گیا۔ تقلیدی مذہب کو بے عقل سمجھ کر تحقیق شروع ہوئی۔ زمانے کا رنگ بدل گیا۔ یا تو یہ شیخ مبارک سے بلکہ ہر شخص سے بات بات پر سند طلب کرتے تھے۔ اور اس پر رد و قدح کرتے تھے۔ یا اب ان سے دلیلیں طلب ہوتی تھیں۔ اور کچھ کہتے تھے تو اس میں ہزار رخنے نکلتے تھے۔

مخدوم الملک کے دماغ میں ابھی تک پرانی ہوا بھری ہوئی تھی۔ انہیں بجائے خود یہ دعویٰ تھے کہ جسے ہم بادشاہ اسلام کہیں گے۔ وہی تخت اسلام پر قائم رہ سکے گا۔ جو بادشاہ ہم سے پھر جائیگا۔ اس سے خدائی پھر جائیگی۔ اس عرصے میں دربار شاہی کے عالموں نے محضر تیار کر لیا۔ کہ بادشاہ عادل مجتہد وقت اور امام عصر ہے۔ اور مسائل اختلافی میں وہ اپنی صوابدید پر ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دے سکتا ہے [1]۔ غرض تو انہیں دونوں سے تھی۔ مگر برائے نام سب علما طلب ہوئے۔ کہن سال بزرگوں نے جبراً قہراً مہریں کر دیں۔ مگر بہت برا معلوم ہوا۔ مخدوم نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان ملک کفر ہو گیا۔ یہاں رہنا جائز نہیں۔ اور خود مسجد میں رہنا اختیار کیا۔ اور اکبر کو کبھی کہتے کہ شیعہ ہو گیا ہے۔ کبھی ہندو، کبھی نصاریٰ وغیرہ وغیرہ۔

دونوں صاحبوں کی مکہ معظمہ روانگی:

یہاں زمانے کا مزاج آب و ہوا کے ساتھ بدل چکا تھا۔ ان کے نسخے نے کچھ اثر نہ کیا۔ اور بادشاہ نے کہا کیا مسجد میرے ملک میں نہیں؟ یہ کیا لچر باتیں ہیں۔ آخر ۹۸۷ھ میں جس طرح ہوا دونوں صاحبوں کو مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ بے حکم وہاں سے نہ آئیں۔ احمک بہ مکتب نمیرود و لے برندش۔ مآثر الامرا میں ہے۔ کہ شیخ ابن حجر مکی ان دنوں زندہ تھے۔ چونکہ مذہب کی سنگینی

[1] دیکھو اکبر کا حال۔

Marfat.com

میں دونوں صاحبوں کے خیالات ہم وزن تھے۔ اس لئے بڑی یک دلی اور محبت سے ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ وہیں رہتے تھے۔ یہ مسافر تھے۔ اس لئے قافلہ میں آئے اور انہیں لے گئے۔ باوجودیکہ موسم نہ تھا۔ مگر لطف رسائی اور زور آشنائی سے کعبے کا دروازہ کھلوا کر مخدوم صاحب کو زیارت کروائی۔

شیعوں کا قتل عام:

جناب مخدوم اور شیخ ممدوح بلحاظ اعتقادات کے ایک سے ایک بھاری ہیں۔ فرق اتنا ہے۔ کہ مخدوم صاحب کی تصنیفات نے شہرت واعتبار کا درجہ نہیں پایا۔ اور اسی سبب سے نایاب ہیں۔ شیخ ابن حجر مکی کی کتابیں مستند اور مشہور ہیں۔ ہاں تقریب بادشاہی اور دربار کی رسائی سے مخالفان مذہب کی سزا و ایذا کے لئے جو اختیارات اور موقعے مخدوم صاحب نے پائے وہ کسی کو کب نصیب ہوئے ہیں۔ مخدوم صاحب نے شیعوں کو قتل۔ قید اور خاک ناکامی سے ہمیشہ دبائے رکھا۔ مگر ان کی تردید میں کوئی خاص تصنیف نہیں لکھی۔ شیخ صاحب کی صواعق محرقہ اب بھی بجلی کی طرح دور دور سے چمک کر سنی بھائیوں کی آنکھوں کو روشنی دکھاتی ہے۔ مگر شیعہ بھائی بھی رد وقدح کے لئے سنگ چقماق لئے تیار ہیں۔ چنانچہ قاضی نوراللہ نے نسخہ صوارم مہرقہ اس کا جواب لکھا۔ افسوس لڑنا اور جھگڑنا اور باہم تفرقے ڈالنا جہلا کا کام ہے۔ علماء کو چاہئے تھا کہ ان کی حرارت جہالت کو بتاشیر علم کی ٹھنڈائی سے بجھاتے۔ قسمت کی گردش دیکھو کہ وہی لوگ دیا سلائیوں کے بکس کاغذوں میں لپیٹ کر رکھ گئے۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

افغانوں کا ہمایوں اور اکبر کے عہد میں عزت و وقار:

مآثر الامرا میں ہے۔ کہ افغانوں کا تمام زمانہ اور ہمایوں اور اکبر کی نصف سلطنت میں مخدوم صاحب معزز معتبر اور ہوشیاری، متانت رائے، تجربات امور اور جمع اموال سے شہرت رکھتے تھے۔ وہاں پہنچ کر ہندوستان کے مزے یاد آتے تھے۔ اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ مگر یہ کہ محفلوں اور مجلسوں میں بیٹھ کر اکبر کو کافر بناتے تھے۔ جو حکومتوں کے مزے یہاں اڑائے تھے۔ ایسے نہ تھے۔ کہ آسانی سے بھول جاتے، تڑپتے تھے اور مجبور وہیں پڑے تھے۔ آخر اس بوجھ کو نہ مکے کی زمین اٹھا سکی۔ نہ مدینے کی۔ جہاں کے پتھر تھے وہیں پھینکے گئے۔ شعر

بہ طواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی
بہ زمین چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد　　کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدہ ریائی

ملا صاحب اگرچہ مخدوم صاحب اور شیخ صدر دونوں سے خفا تھے۔ مگر بادشاہ پر ان سے بہت زیادہ

Marfat.com

خفا تھے۔ اس مقام تک انہیں کیا خبر تھی۔ کہ دونوں بزرگوں کا انجام کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں۔ بادشاہ نے ۹۸۶ھ میں خواجہ محمد یحیٰ کو کہ حضرت خواجہ احرار اقدس اللہ روحہ کے پوتوں میں تھے۔ میر حاج قرار دیکر ۴ لاکھ روپے حوالہ کئے۔ اور شوال کے مہینے میں اجمیر سے روانہ کیا۔ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کو جنہوں نے آپس میں لڑ جھگڑ کر اگلوں اور پچھلوں سے بھی بے اعتقاد کر دیا تھا۔ اور دین حق سے پھرنے کا سبب یہی تھے۔ اس قافلے کے ساتھ مکے کو خارج کر دیا کہ **اذا تعارضا تساقطا**۔ (دو ٹکرائیں گے تو دونوں گرینگے) چنانچہ دوسرے برس مقصد کو پہنچے۔ اور انجام کار کہ اسی کا اعتبار ہے۔ عارضی آلائش سے پاک ہوگئے۔ اور ایمان بچا لے گئے۔ ہم نے اپنا کام آخر کیا۔ تاریخ ہوئی کہ **ھو عزیز قوم ولوا**۔ (اس قوم کا معزز ہے جو گمراہ ہوگئی) مآثر الامرا میں ہے۔ کہ باوجود اس حالت اور رستے کی رفاقت کے شیخ و صدر کیا راہ میں کیا مقامات متبرکہ میں صاف نہ ہوئے۔ مخالفت قائم رہی۔

ظاہری سبب یہ ہوا کہ محمد حکیم مرزا حاکم کابل سوتیلا بھائی اکبر کا باغی ہو کر پنجاب پر آیا۔ ادھر خان زمان نے ملک مشرقی میں بغاوت کی۔ قاعدہ ہے۔ کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی بڑی ہو کر جلد دور پہنچ جاتی ہے۔ یہ خبر مکے تک بھی پہنچی۔ مکے تک خبر پہنچنے میں یہاں انتظام ہو گیا۔ مگر دونوں صاحبوں نے خبر سنتے ہی موقع غنیمت سمجھا۔ سوچے کہ اکبر پر بے دینی کا الزام لگا کر اور فتوؤں کے کارتوسوں سے زور دیکر حکیم مرزا کو قائم مقام کر دیں۔ تو پھر سلطنت ہاتھ میں ہے۔ گلبدن بیگم، سلیمہ سلطان بیگم اکبر کی پھوپھیاں وغیرہ بیگمات بھی حج سے پھر کر آتی تھیں۔ انہیں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور گجرات دکن میں پہنچ کر ٹھہرے۔ کہ حال معلوم کریں۔ یہاں حکیم مرزا کا معاملہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔ اکبری اختیاروں کو دیکھ کر بہت ڈرے۔ بیگمات سے سفارش کروائی۔ اکبر کے کان میں ان کے کلمات طیبات اول سے آخر تک حرف بحرف پہنچ رہے تھے۔ مہمات ملکی اور مصالح سلطنت میں عورتوں کی سفارش کا کیا حاکم۔ حاکموں کو حکم پہنچے کہ نظر بند رکھیں۔ اور با آہستگی مسلسل کر کے روانہ کر دیں۔ مخدوم صاحب کیفیت حال سن کر بے حال ہوگئے۔ اور ابھی روانہ دربار نہ ہوئے تھے کہ ملک عدم کی روانگی کے لئے اجل کا حکم پہنچا۔ ۹۹۰ھ میں بمقام احمد آباد دنیا سے انتقال کیا۔ مآثر الامرا میں ہے۔ کہ بادشاہ کے حکم سے کسی نے زہر دے دیا۔ اگر یہ سچ ہے تو ہاتھوں کا کیا اپنے سامنے آ گیا جس فساد مملکت کا خطر دکھا کر انہوں نے شیخ علائی کو مارا تھا۔ اسی مصلحت ملکی میں مارے گئے۔ جنازہ احمد آباد سے جالندھر میں آیا۔ اور خاک سے روپوش ہوا۔

ان کے املاک اور مکانات لاہور میں تھے۔ اور گھر میں بڑی بڑی قبریں تھیں۔ جن کے لمبے لمبے طول و عرض بزرگان مرحوم کی مقدار بزرگی ظاہر کرتے تھے۔ ان پر سبز غلاف پڑے رہتے تھے۔

Marfat.com

اور دن ہی سے چراغ جل جاتے تھے۔ ہر وقت تازے پھول پڑے رہتے تھے۔ یہاں پھول پتے لگانے والوں نے پتے لگائے اور کہا کہ حضور یہ مزاد کھاوے کے بہانے ہیں۔ حقیقت میں دفینے اور خزانے ہیں۔ کہ خلق خدا کے گلے کاٹ کاٹ کر جمع کئے ہیں (ملا صاحب فرماتے ہیں) قاضی علی فتح پور سے لاہور میں آیا۔ اور اتنے خزینے اور دفینے نکلے۔ کہ وہم کی کنجی بھی ان کے قفلوں کو نہ کھول سکے۔ اس کے گورخانے میں سے چند صندوق نکلے۔ کہ ان میں سونے کی اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ مردوں کے بہانے سے دفن کئے تھے۔ شکنجے میں کسے گئے۔ تین کروڑ روپے دام نقد نکلے۔ اور جو مال لوگوں کے پاس گئے یارہ گئے وہ عالم الغیب کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ ساری اینٹیں کتابوں سمیت کہ انہیں بھی اینٹیں ہی سمجھنا چاہئے۔ سب اکبری خزانے میں داخل ہو گئیں۔ بیٹے اس کے چند روز قید شکنجے میں رہے۔ اور آخر بلی کی ٹکیا کو محتاج ہو گئے۔

علم و فضل میں کمال:

فاضل بداؤنی نے جو مضامین مذکورہ بالا کے بعد ان کے علم وفضل کی تعریف کی ہے اس میں لکھا ہے کہ تنزیہ الانبیا اور شمائل نبوی ان کی عالمانہ تصنیفات ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ ملائے موصوف ترویج شریعت میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اور متعصب سنی تھے۔ بہت سے بے دین اور رافضی ان کی سعی سے اس ٹھکانے لگے۔ کہ جو ان کے لئے تیار ہوا تھا۔ (یعنی جہنم)

فاضل موصوف نے ان سے اپنی ملاقات کا حال جو لکھا ہے بعینہ ترجمہ اس کا لکھتا ہوں۔ جس سال اکبر نے گجرات فتح کی تھی۔ مخدوم الملک وکالت کی خدمت پر تھے۔ اور عین جاہ وجلال میں تھے۔ میں پنجاب سے پھرتا ہوا وہاں پہنچا۔ ابوالفضل اور میں ابھی نوکر نہ ہوئے تھے۔ حاجی سلطان تھانیسری اور ہم سب ملکر گئے۔ کہ شیخ کی باتیں سنیں۔ آپ فتح پور سیکری کے دیوان خاص میں بیٹھے تھے۔ روضۃ الاحباب کا تیسرا دفتر سامنے دھرا تھا اور کہہ رہے تھے مقتدایان ولایت چہ خرابی ہا دردین کردہ اند۔ اور یہ شعر اس میں سے پڑھا۔ شعر

ہمیں بس بود حق نمائی او کہ کردند شک در خدائی او

اور کہا کہ او از رفض ہم گذرانیدہ کار را بجائے دیگر رسانیدہ کہ حلول باشد۔ قرارداده ام کو ایں جلد را بحضور شیعہ بسوزم۔ میں گوشہ ہائے گمنام سے نکل کر آیا تھا۔ مخدوم موصوف کے حالات و اختیارات کی خبر نہ تھی۔ پہلی ہی ملاقات تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تو اس شعر کا ترجمہ ہے جو امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔

Marfat.com

لو ان المرتضیٰ ابدی محلة　　لصار الناس طراسجداله
کفی فی فضل مولینا علی　　وقوع الشک فیه انه الله

مخدوم نے میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا کہ یہ کس سے منقول ہے۔ میں نے کہا شرح دیوان امیر سے۔ فرمایا۔ شارح دیوان کہ قاضی میر حسین میبذی ہے۔ وہ بھی متہم بہ رفض ہے۔ میں نے کہا کہ خیر یہ اور بحث نکلی۔ شیخ ابوالفضل اور حاجی سلطان بار بار منہ پر ہاتھ رکھ رکھ کر اشارے سے مجھے منع کرتے تھے۔ پھر بھی میں نے اتنا کہا کہ بعض معتبر لوگوں سے سنا ہے۔ کہ تیسرا دفتر میر جمال الدین کا نہیں۔ ان کے بیٹے سید میرک شاہ کا ہے یا کسی اور کا ہے۔ اسی واسطے اس کی عبارت پہلے دو دفتروں سے نہیں ملتی۔ کہ نہایت شاعرانہ ہے۔ محدثانہ نہیں۔ جواب دیا کہ بابائے من در دفتر دوم نیز چیز ہا یافتہ کہ دلالت صریح بر بدعت وفساد اعتقاد دارد۔ وبراں حواشی نوشتہ ام وغیرہ وغیرہ۔ شیخ ابوالفضل برابر بیٹھے تھے۔ میرے ہاتھ کو زور سے ملتے تھے۔ کہ چپکے رہو۔ آخر مخدوم نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ ان کی کچھ تعریف تو کرو۔ لوگوں نے مجملاً حال بیان کیا۔ بارے صحبت خیر وعافیت سے ختم ہوئی۔ وہاں سے نکل کر یاروں نے کہا کہ شکر کرو آج بڑی بلا ٹلی۔ کہ وہ تمہارے حال سے معترض نہ ہوئے۔ نہیں تو کون تھا کہ بچا سکے۔ وہ ابوالفضل کو ابتدا میں دیکھ دیکھ کر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے۔ چہ خلل ہا کہ دردیں ازیں نخیزد۔ غرض کہ مخدوم موصوف ۹۹۰ھ میں فوت ہوئے اور شیخ مبارک نے اپنی آنکھوں سے ایسے سخت دشمن کی تباہی دیکھ لی۔ اور بڑی بات یہ ہوئی کہ اپنے لڑکوں کے ہاتھ سے دیکھی۔ خدا کی شان ہے اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو زمانہ مساعدت کرتا ہے۔ اور جاہ وجلال اور اقبال کے عالم میں وہ کسی چیز پر جبر کرتے ہیں۔ انجام کو اسی کے ہاتھوں یا اس کی اولاد کے ہاتھوں اس سے بدتر حالت ان پر گزر جاتی ہے۔ خدا ہم کو اختیار کے وقت عاقبت بینی کی عینک عطا کرے۔

اہم تصانیف اور اولاد:

بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ کشف الغمہ۔ عصمت الانبیا۔ منہاج الدین سیر نبوی میں ان کی تصنیفات سے تھیں۔ مآثر الامرا میں منہاج الدین اور حاشیہ شرح ملا لکھا ہے۔

ان کا بیٹا حاجی عبدالکریم باپ کے بعد لاہور میں آیا۔ اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا۔ آخر ۱۰۴۵ھ میں وہ بھی باپ کے پاس پہنچا۔ خاک کا قالب لاہور میں نویں کوٹ کے پاس دفن ہوا۔ کہ وہیں زیب النساء کا باغ تعمیر ہوا۔ شیخ یحییٰ، اللہ نور، عبدالحق، اعلیٰ حضور بھی ان کے بیٹے تھے۔ شیخ بابا یونی افسوس کر کے کہتے ہیں۔ کہ شیخ یحییٰ باپ کے بعد حرکات مکروہ کا نمونہ ہوا۔

Marfat.com

شیخ عبدالنبی صدر

ابتدائی حالات: ۔

شیخ عبدالنبی ولد شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس۔ اصل وطن اندری۔ علاقہ گنگواور خاندان مشائخ میں نامور تھا۔ ابتدا میں دل عبادت وریاضت کی طرف بہت مائل تھا۔ ایک پہر کامل حبس دم کے ساتھ ذکر میں مصروف رہتے تھے۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے۔ وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ اول سلسلہ چشتیہ میں تھے۔ آباؤ اجداد کی محفل حال وقال میں غنا اور سماع بھی تھا۔ انہوں نے وہاں سے آکر ناجائز سمجھا۔ اور محدثین کا طریقہ اختیار کیا۔ تقویٰ، پرہیز گاری، طہارت، پاکیزگی اور عبادت ظاہری میں مشغول رہتے تھے۔ اور درس وتدریس وعظ ونصیحت میں بشدت سرگرم تھے۔ اکبر کو اپنی سلطنت میں تقریباً ۱۸ برس تک مسائل اسلام کی پابندی اور علمائے اسلام کی عظمت کا بڑا خیال رہا۔ ۹۷۲ھ میں مظفر خاں وزیر کل تھا۔ اسی کی سفارش سے انہیں صدر الصدور کر دیا۔

فاضل بداؤنی کہتے ہیں۔ کہ عالم عالم اوقاف وانعامات اور وظائف با استحقاق بخشے۔ اور اس قدر کہ اگر تمام بادشاہان ہند کی بخششوں کو ایک پلے میں رکھیں۔ اور اس عہد کے انعام کو ایک پلہ میں۔ تو بھی یہ جھکتا رہے گا۔ یہاں تک کہ بتدریج رفتہ رفتہ پلی اصلی پر آن ٹھہرا۔ اور قصیہ بالعکس ہو گیا۔

تعظیم واحترام کی حالت:

یہ زمانہ وہ تھا کہ مخدوم الملک کا ستارہ غروب پر تھا۔ اور شیخ صدر طلوع پر تھے۔ تعظیم واحترام کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کبھی علم حدیث کے سننے کو بادشاہ خود ان کے گھر جاتے تھے۔ ایک دفعہ جوتے ان کے سامنے اٹھا کر رکھے۔ شاہزادہ سلیم کو حجرہ تعلیم میں داخل کیا کہ مولانا جامی کی چہل حدیث کا سبق لیا کرے۔ شیخ کی ترغیب اور برکات صحبت سے خود بھی احکام شرعی کی پابندی میں حد سے گزر گئی تھی۔

آپ آذان دیتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اور مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔

عالم شباب میں جشن سالگرہ کی تقریب پر لباس زعفرانی پہن کر محلسرا سے باہر آئے۔ شیخ

Marfat.com

موصوف نے منع کیا۔ اور شدت تاکید کو اس جوش وخروش سے ظاہر کیا۔ کہ عصا کا سرا بادشاہ کے جامہ کو لگا۔ مگرانہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ حرم سرا میں چلے آئے اور ماں سے شکایت کی۔ ماں نے کہا۔ لوتم اجانے دو یہ کچھ رنج کا مقام نہیں باعث نجات ہے۔ کتابوں میں لکھا جائیگا۔ کہ ایک پیر مفلوک نے ایسے بادشاہ عالی جاہ کو عصا مارا اور وہ فقط شرع کے ادب سے صبر کر کے برداشت کر گیا ❶۔

سلاطین سلف کے عہد میں مسجدوں کے امام بادشاہ کی طرف سے ہوا کرتے تھے۔ اور وہ سب صاحب خاندان عالم فاضل متقی و پرہیزگار ہوتے تھے۔ سلطنت سے ان کے لئے جاگیریں مقرر ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہیں دنوں میں حکم ہوا کہ تمام ممالک محروسہ کے امام جب تک اپنی مدد معاش اور جاگیروں کے فرمان پر صدر الصدور کی تصدیق اور دستخط نہ حاصل کر لیں۔ تب تک کروڑی اور تحصیلدار اس کی آمدنی انہیں مجرا نہ دیں۔ یہ بااستحقاق لوگ انتہائے ممالک مشرقی سے لے کر سرحد سندھ تک سب صدر کے حضور میں پہنچے۔ جس کا کوئی قوی حامی امراء میں سے ہو گیا یا مقربان شاہی میں سے کسی کی سفارش ہاتھ آ گئی۔ اس کا کام بن گیا۔ جن کو یہ وسیلہ میسر نہ ہوا۔ وہ شیخ عبدالرشید اور شیخ کے وکیلوں سے لیکر فراشوں، دربانوں، سائیسوں اور حلال خوروں تک کو بھی بھاری رشوتیں دیتے تھے۔ اور جو ایسا کرتے تھے۔ وہ گرداب سے ناؤ نکال لے جاتے تھے۔ جن بدنصیبوں کو یہ موقع ہاتھ نہ آتا تھا وہ لکڑیاں کھاتے تھے۔ اور پامال ہوتے تھے۔ بہت سے نامراد اس بھیڑ اور انبوہ میں لوؤں کے مارے مر مر گئے۔ بادشاہ کو بھی خبر پہنچی۔ مگر اقبال زور پر تھا۔ صدر عالی کے قدر کی تعظیم اور علوشان سے منہ پر نہ لا سکے۔

شیخ جب مسند جاہ وجلال پر بیٹھتے تھے۔ تو دربار کے بڑے بڑے عالیشان امرا اہل علم اور اہل صلاح کو ساتھ لے کر شیخ کے دیوان خانہ میں شفاعت اور سفارش کے طور پر لاتے تھے۔ شیخ بدمزاجی سے پیش آتے تھے۔ اور کسی کی تعظیم بھی کم کرتے تھے۔ بڑے مبالغوں سے اور بڑی عجز وزاری سے ہدایہ اور عالمانہ کتابوں کے پڑھانے والوں کو سو بیگھ یا کچھ کم زمین زیادہ ملتی تھی۔ اس سے زیادہ ہوتی تو سالہا سال کی مقبوضہ زمین بھی کاٹ لیتے تھے۔ اور عوام گمنام، ذلیل وخوار یہاں تک کہ ہندوؤں کو بھی اپنی مرضی سے دیتے تھے۔ اس طرح علم وعلماء کی قیمت روز بروز گھٹتی گئی۔

عین دیوان میں دوپہر کے بعد جب کرسی غرور پر بیٹھ کر وضو کرتے تھے۔ تو آب مستعمل کی چھینٹیں تمام سر اور منہ پر اور امرائے کبار اور مقربان بلند رتبہ کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ اور وہ کچھ پروانہ کرتے تھے۔ غرض کے بندے خلق خدا کی کارسازی کے لئے برداشت کرتے تھے۔ اور خوشامد

❶ مآثر الامراء میں ہے کہ کپڑوں پر زعفران کے چھینٹے دیئے ہوئے تھے۔

Marfat.com

اور لگاوٹ سے جس طرح شیخ چاہتے تھے سلوک بھی کرتے تھے لیکن۔ لیکن پھر جب وقت آیا۔ تو جو کچھ نگلا تھا۔ سب اگلوالیا۔ کسی بادشاہ کے زمانہ میں کسی صدر کو یہ تسلط اور تصرف اور استقلال حاصل نہیں ہوا۔ اور بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد خاندان مغلیہ میں دین کے زور اور مذہبی اختیارات کے ساتھ صدر کا عہدہ ہی عذر میں آ گیا۔ پھر صدر الصدور ہوا نہ وہ اختیارات ہوئے۔

فیضی اور ابوالفضل کی دربار تک رسائی:

چند ہی روز گزرے تھے۔ کہ آفتاب ڈھلنے لگا۔ فیضی ابوالفضل بھی دربار میں آن پہنچے تھے۔ ۹۷۵ھ میں یہ حکایتیں شکایتوں کی سروں میں بادشاہ کے کان تک پہنچیں۔ ان کا اثر کچھ زیادہ نہ ہوا۔ مگر یہ حکم ہوا کہ جن کی معافی پانسو بیگھ سے زیادہ ہو۔ وہ خود حضور میں فرمان لے کر حاضر ہوں۔ اور اس میں بہت سی کارسازیاں کھلیں۔ چند روز کے بعد ہر صوبہ ایک ایک امیر کے سپرد ہو گیا۔ چنانچہ پنجاب مخدوم الملک کے حصے میں آیا۔ یہیں سے دونوں کے دلوں میں غبار پیدا ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں خاک اڑنے لگی۔ بادشاہ کی مرضی پا کر شیخ ابوالفضل سر دربار مسایل میں مناظرے اور مباحثے کرنے لگے۔ ایک دن دسترخوان پر بادشاہ امرا کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ شیخ صدر نے مزعفر کے قاب میں ہاتھ ڈالا۔ شیخ ابوالفضل نے اسے زعفران کا چھینٹا دے کر کہا کہ اگر زعفران بخش یا حرام ہے تو اس کا کھانا کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔؟ مسئلہ شرعی ہے۔ کہ تین دن تک حرام کا اثر باقی رہتا ہے۔ اگر حلال ہے۔ تو وہ اعتراض اور احتساب کیا تھا ہر صحبت میں اس قسم کے مسائل پر نوک جھوک ہو جاتی تھی۔

تعداد نکاح کا مسئلہ:

ایک دن جلسہ امراء میں اکبر نے کہا کہ تعداد نکاح کی کہاں تک جائز ہے۔ جوانی میں تو کچھ اس باب کا خیال نہ تھا جتنے ہو گئے۔ ہو گئے۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ ہر شخص کچھ کچھ عرض کرتا تھا۔ اکبر نے کہا کہ ایک دن شیخ صدر کہتے تھے۔ کہ بعض کے نزدیک نو (۹) تک بیبیاں جائز ہیں۔ بعض اشخاص بولے کہ ہاں ابن ابی لیلیٰ کی یہی رائے ہے۔ کیونکہ ظاہر آیت کے لفظ یہی ہیں۔ فانکحوا ما طاب لکم مثنیٰ و ثلاث و رباع ۔ یعنے نو اور جنہوں نے دو دو تین تین چار چار کے معنوں کا خیال کیا وہ ۱۸ بھی کہتے ہیں۔ مگر ان روایتوں کو ترجیح نہیں۔ اسی وقت شیخ سے پچھوا بھیجا۔ انہوں نے وہی جواب دیا کہ میں نے اختلاف علماء کا بیان کیا تھا فتوے نہیں دیا تھا۔ یہ بات بادشاہ کو بری لگی۔ اور کہا اگر یہ بات ہے تو شیخ نے ہم سے نفاق برتا۔ جب کچھ اور کہا اور اب کچھ اور کہتے ہیں۔ اور اس بات کو دل میں رکھا۔

Marfat.com

علمائے دربار میں نئے نئے مسئلوں پر جھگڑے:

جب یہ باتیں ہونے لگیں۔ اور بادشاہ کا مزاج لوگوں نے پھرا دیکھا تو زمانے کے لوگ جو وقت کے منتظر بیٹھے تھے۔ بات بات میں گل کترنے لگے۔ یا تو یہ عالم تھا کہ محدثی کا نقارہ بجتا تھا۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے حدیث کا فیض لے کر آئے ہیں۔ اور امامت ان کا حق کہ امام اعظم کی اولاد ہیں۔ یا اب یہ حال ہوا کہ مرزا عزیز کوکہ نے کہا۔ حدیث الحزم سوء الظن ۔کو بچہ بچہ جانتا ہے۔ حائے مہملہ اور زائے معجمہ سے ہے۔ شیخ نے شہزادہ کو خائے معجمہ اور رائے مہملہ سے پڑھا دیا ہے۔ جس کو علم حدیث پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اس کا یہ حال ہے۔ آپ نے اس کا رتبہ اس حد تک پہنچا دیا۔ اب اسے ابوالفضل اور فیضی کا اقبال سمجھو۔ خواہ مخدوم اور صدر کا ادبار کہو۔ بڑی قباحت یہ ہوئی۔ کہ دونوں کی آپس میں بگڑ گئی۔ اور جن جن مسئلوں اور فتووں میں افراط و تفریط ہوئی تھی۔ ان میں ایک دوسرے کا پردہ فاش کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ میر حبش کا قتل رفض کے جرم میں اور خضر خاں شیروانی کا قتل اس جرم میں کہ پیغمبر صاحب کی جناب میں بے ادبی کی۔ تہمت بے اصل تھا۔ اسی عرصے میں میر مقیم اصفہانی اور میر یعقوب حسین خاں حاکم کشمیر کی طرف سے تحائف پیشکش لے کر آئے۔ یہاں یہ چرچا ہوا کہ کشمیر میں جو سنی شیعہ کے فساد میں ایک شیعہ قتل ہوا تھا۔ اور اس کے عوض میں سنی مفتی مواخذہ میں آ کر قید اور قتل ہوئے۔ اس کا باعث میر مقیم تھا۔ شیخ صدر نے اس جرم کے انتقام میں میر مقیم اور میر یعقوب دونوں کو قتل کیا کہ شیعہ تھے۔ اب لوگوں نے کہا کہ یہ بھی خون ناحق ہوئے۔ ان مقدموں کے علاوہ بھی دونوں جلیل القدر عالم نئے نئے مسئلوں پر جھگڑے پیدا کرتے تھے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بادشاہ دونوں سے بے اعتقاد ہو گیا۔ فیضی ابوالفضل کو اس قسم کے موقع غنیمت ہوتے ہونگے۔ وہ ضرور شیعوں کو زور دیتے ہوں گے۔ اور بادشاہ کو برسر رحم لاتے ہوں گے۔ اور انہی باتوں سے رفض کی تہمت میں آ کر مفت کا داغ کھاتے رہیں گے۔

متھرا کے قاضی کا شیخ صدر کے پاس استغاثہ:

(ملا صاحب کہتے ہیں) رہی سہی بات یہاں سے بگڑی کہ انہی دنوں میں متھرا کے قاضی نے شیخ صدر کے پاس استغاثہ کیا کہ مسجد کے مصالح پر ایک سرشور اور مالدار برہمن نے قبضہ کر کے شوالہ بنا لیا۔ اور جب روکا تو اس نے پیغمبر صاحب کی شان میں بے ادبی کی اور مسلمانوں کی بھی بہت اہانت کی۔ شیخ نے طلبی کا حکم بھیجا وہ نہ آیا۔ نوبت اکبر تک پہنچی۔ چنانچہ بیربل اور ابوالفضل جا کر اپنی رسائی اور اعتبار کے ذمے پر لے آئے۔ ابوالفضل نے جو جو لوگوں سے سنا تھا عرض کیا اور کہا کہ بے ادبی

Marfat.com

بے شک اس سے ہوئی۔ علماء کے دو فریق ہو گئے بعض نے قتل پر بعض نے جرمانہ اور تشہیر کا فتویٰ دیا۔ اور باتوں کا طول کلام دور تک پہنچا۔ شیخ صدر بادشاہ سے قتل کی اجازت مانگتے تھے۔ مگر وہ صاف حکم نہ دیتے تھے۔ اتنا کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ احکام شرعی تمہارے متعلق ہیں۔ ہم سے کیا پوچھتے۔ برہمن مدت تک قید رہا۔ محلوں میں رانیوں نے بھی سفارشیں کیں۔ مگر شیخ صدر کا بھی کچھ نہ کچھ خیال تھا۔ آخر جب شیخ نے بہت تکرار سے پوچھا تو کہا کہ بات وہی ہے۔ کہ جو میں کہہ چکا ہوں جو مناسب جانو وہ کرو۔ شیخ نے گھر پہنچتے ہی قتل کا حکم دے دیا۔

شیخ صدر کے خلاف برہمنوں کا اظہار ناراضگی:

جب یہ خبر اکبر کو پہنچی تو بہت خفا ہوا۔ اندر سے رانیوں نے اور باہر سے راجا مصاحبوں نے کہنا شروع کیا۔ کہ ان ملانوں کو حضور نے اتنا سر پر چڑھایا ہے۔ کہ اب آپ کی خوشی کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اور اپنی حکومت وجلال دکھانے کے لئے لوگوں کو بے حکم قتل کر ڈالتے ہیں۔ ایسی ایسی باتوں سے اس قدر کان بھرے کہ بادشاہ کو تاب نہ رہی۔ اور جو مادہ مدت سے غلیظ ہو رہا تھا، یکبارگی پھوٹ بہا، رات کو انوپ تلاؤ کے دربار میں آ کر پھر اس مقدمہ کا حال بیان کیا۔ فتنہ انگیز[1] اکسانے والوں سے اور نو خیز مفتیوں سے مسئلہ کی تحقیق کرتے تھے۔ ایک کہتا تھا۔ بھلا ردوقدح کے جواب وسوال کس نے کئے ہونگے۔ دوسرا کہتا تھا۔ شیخ سے تعجب ہے۔ وہ تو اپنے تئیں امام اعظم کی اولاد کہتے ہیں۔ اور ان کا فتویٰ ہے۔ کہ کفار مطیع اسلام پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد شکنی اور ابراء ذمہ نہیں ہوتا۔ فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔ شیخ نے اپنے جد کی مخالفت کیوں فرمائی۔

فاضل بدایونی لکھتے ہیں۔ یکبارگی دور سے مجھ پر نظر پڑی میری طرف متوجہ ہو کر اور نام لے کر آگے بلایا۔ اور کہا کہ آگے آؤ۔ میں سامنے گیا۔ پوچھا کہ تو نے بھی سنا ہے۔ کہ اگر ۹۹ روایتیں مقتضی قتل ہوں۔ اور ایک روایت موجب رہائی ہو تو مفتی کو چاہئے۔ کہ روایت اخیر کو ترجیح دے۔ میں نے عرض کی۔ حقیقت میں جو حضرت نے فرمایا۔ اسی طرح ہے۔ اور مسئلہ ہے۔ ان الحدود العقوبات تندر بالشبہات۔ اس کے معنی فارسی میں ادا کئے۔ افسوس کے ساتھ پوچھا۔ شیخ کو اس مسئلہ کی خبر نہ تھی؟ کہ اس برہمن بیچارے کو مار ڈالا یہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے کہا البتہ شیخ عالم ہے۔ باوجود اس روایت کے جو دیدہ و دانستہ قتل کا حکم دیا۔ ظاہر یہی ہے کہ کوئی مصلحت ہو گی۔ فرمایا وہ مصلحت کیا ہے۔ میں نے کہا یہی کہ فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اور عوام میں جرات کا مادہ نہ رہے۔ ساتھ

[1] ان سے فیضی اور فضل مراد ہونگے۔

Marfat.com

شفائے قاضی عیاض کی روایت نظر میں تھی وہ بیان کی بعض خبیثوں نے کہا کہ قاضی عیاض تو مالکی ہے اس کی بات حنفی ملکوں میں سند نہیں ہے۔ بادشاہ نے مجھ سے کہا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اگرچہ مالکی ہے لیکن اگر مفتی محقق سیاست پر نظر کر کے اس کے فتوے پر عمل کرے تو شرعاً جائز ہے۔ اس باب میں بہت قیل وقال ہوئی۔ بادشاہ کو لوگ دیکھتے تھے۔ کہ شیر کی طرح موچھیں کھڑی تھیں۔ اور پیچھے سے مجھے منع کر رہے تھے۔ کہ نہ بولو۔ یکبار بگڑ کر فرمایا۔ کیا نامعقول باتیں کرتے ہو۔ فوراً تسلیم بجالا کر پیچھے ہٹا اپنی ذیل میں آن کھڑا ہوا۔ اور اس دن سے مجلس مباحثہ اور ایسی جرات سے کنارہ کر کے گوشہ اختیار کیا۔ کبھی کبھی دور سے کورنش کر لیتا تھا۔

شیخ عبدالنبی کی تنزلی:

شیخ عبدالنبی کا کام روز بروز تنزل پانے لگا۔ اور آہستہ آہستہ کدورت بڑھتی گئی۔ دل پھرتا گیا۔ اوروں کو ترجیح ہونے لگی۔ اور نئے پرانے اختیار ہاتھ سے نکلنے لگے۔ دربار میں بالکل جانا چھوڑ دیا۔ شیخ مبارک بھی تاک میں لگے ہی رہتے تھے۔ انہی دنوں میں کسی مبارکباد کے لئے آگرہ سے فتح پور میں پہنچے۔ ملازمت کے وقت بادشاہ نے یہ سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ خود مجتہد اور اپنے زمانہ کے امام ہیں۔ شرعی اور ملکی احکام کے اجرا میں ان کی ضرورت کیا ہے۔ کہ سوا شہرت بے اصل کے علم سے کچھ بہرہ نہیں رکھتے۔ بادشاہ نے کہا۔ جب تم ہمارے استاد ہو۔ اور سبق تم سے پڑھا ہو تو ان ملانوں کی منت سے مخلصی کیوں نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ۔ اسی بنیاد پر محضر اجتہاد تیار ہوا۔ کہ جس کی تفصیل شیخ مبارک کے حال میں نقل کی گئی ہے۔

شیخ عبدالنبی کی مکہ روانگی:

شیخ صدر اپنی مسجد میں بیٹھے۔ اور بادشاہ اور اہل دربار کو بے دینی اور بدمذہبی سے بدنام کرنے لگے۔ مخدوم الملک سے ان کی بگڑی ہوئی تھی۔ برا وقت دیکھا تو دونوں ہمدرد مل گئے۔ ہر شخص سے کہتے تھے کہ جبراً مہریں کروائیں۔ ورنہ یہ امامت کیا ہے اور عدالت کیا ہے۔ آخر مخدوم الملک کے ساتھ ہی انہیں بھی حج کو روانہ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ وہیں عبادت الٰہی میں مصروف رہیں۔ بے حکم نہ آئیں۔ بیگمات نے سفارش اور شفاعت کی مگر قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ روز نئی شکایتیں پہنچتی تھیں۔ اور ان سے بغاوت کے خطر پیدا ہوتے تھے شیخ نے آخر حق رفاقت ادا کیا کہ ٹھکانے لگا دیا۔

یہ سمجھ عشق کے دریا کے تلاطم کا سلوک
کہ کنارے تو تجھے گور کے پہنچانا ہے

لیکن اب بھی ظاہری عزت کو قائم رکھا۔ چنانچہ ایک فرمان شرفائے مکہ کے نام لکھا۔ اور اکثر

Marfat.com

تحائف ہندوستان کے اور بہت ساز رنقد روانہ کیا کہ شرفائے موصوف اشخاص خاص کو دیں۔ یہ وہاں پہنچے تو نئی دنیا نظر آئی۔ ان کے فضل وکرامت کو مکہ اور مدینہ میں کیا وزن ہوسکتا تھا۔ ان کے علم وفضل کو علمائے عرب کب خاطر میں لاتے تھے۔ اور خاطر میں کیا لاتے مسائل علمی تو بالائے طاق بڈھے بیچاروں کے منہ سے ان کے سامنے پوری بات بھی نہ نکلتی تھی۔ ساتھ اس کے جب ہندوستان کے جاہ وجلال اور حکومتوں کے مزے یاد آتے ہونگے۔ تو چھاتی پر سانپ لوٹ جاتے ہوں گے۔ اور کچھ بس نہ چلتا تھا۔ اکبر اور اس کے خیر خواہوں کو اس طرح بدنام کرتے تھے۔ کہ ادھر روم ادھر بخارا تک آواز پہنچتی تھی۔

۹۸۹ھ میں پھر بادشاہ نے اہل حج کا قافلہ روانہ کیا۔ بادشاہی میر حاج ساتھ گیا۔ شرفائے مکہ کے نام لکھا اور اس میں یہ بھی درج کیا۔ کہ ہم نے شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک کے ہاتھ زر نقد اور اکثر تحائف ہندوستان کے روانہ کئے تھے۔ ہر فرقہ اور مقام کے لوگوں کے لئے رقمیں تھیں۔ کہ بموجب فہرست کے دے دینا وہاں بحصہ رسدی ہر شخص کو تقسیم ہو۔ اور فہرست سے الگ بھی کچھ روپیہ دیا تھا۔ کہ بعض بعض اشخاص کو خفیہ طور پر دینا۔ اور اس میں کسی اور کا حق نہیں۔ یہ خاص انہیں اشخاص کا حصہ ہے۔ اور یہ رقم فہرست میں نہ لکھی تھی۔ شیخ صدر کو یہ بھی حکم تھا کہ جو عجیب ونفیس چیزیں ادھر کے ملکوں میں ملیں وہ لے لینا۔ اور اس مد کے لئے جو رقم دی گئی تھی۔ اگر کافی نہ ہو۔ تو جو رقم خفیہ دینے کو دی ہے۔ اس میں سے روپیہ لے لینا۔ پس یہ لکھئے کہ آپ کو انہوں نے کتنا روپیہ پہنچایا۔ یہ بھی سنا گیا ہے۔ کہ بعض بدعمل شریروں نے فضائل مآب کمالات اکتساب شیخ معین الدین ہاشمی شیرازی کے باب میں حسد وعداوت سے تہمت لگائی ہے۔ اور اس کی ایذا واہانت کے درپے ہوئے ہیں۔ اور مشہور کیا ہے۔ کہ فاضل موصوف نے ہمارے نام پر کوئی رسالہ لکھا ہے اس میں بعض باتیں ملت برحق اور شریعت پاک کے مخالف درج کی ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسہم۔ اس کی تصنیفات سے کوئی شے۔ کہ خلاف معقول ومنقول ہو۔ ہرگز ہرگز سماعت اشرف تک نہیں پہنچی۔ اور جب سے فاضل مذکور دربار میں پہنچا۔ کوئی امر تقویٰ وپرہیزگاری اور اطاعت شرع مصطفوی کے سوا نہیں دیکھا گیا ان شریروں بدکاروں حاسدوں شیطانوں کو تنبیہ کرو۔ اور سزا دو اور فاضل مذکور کو ان فتنہ پردازوں اور مفسدوں کے ظلم سے چھڑاؤ۔ اور تعجب ان لوگوں سے ہے۔ کہ ایسے طوفان شیطان جنہیں بے عقل بچے بھی یقین نہ کریں۔ وہ سن کر کس طرح مان گئے۔ اور شیخ معین الدین جیسے شخص کو درپے آزاد ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو مقامات متبرکہ سے نکال کر پھر نہ آنے دو۔

قسمت کی گردش دیکھو کہ انہیں بھی مخدوم الملک کے ساتھ ہندوستان کو پھرنا مصلحت معلوم ہوا ب

گر آب کے پھرے جیتے وہ کعبے کے سفر سے تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے

Marfat.com

اے حضرات! خانہ خدا میں پہنچ لئے۔ جب ایک دفعہ ہندوستان کا منہ کالا کر چکے تو پھرنا کیا تھا۔ مرزا بیدل نے کیا خوب کہا ہے۔

رفتن ونا آمدن باید ز آب آموختن خانہ ویرانی بہ عالم از حباب آموختن

مگر روئے طمع سیاہ قسمت کا لکھا پورا ہونا تھا۔ وہ کھینچ کر لایا۔ اور خانہ خدا سے اس طرح بھاگے جیسے قیدی کالے پانی سے بھاگتا ہے۔ سبب وہی تھا۔ کہ چند مہینے پہلے یہاں ممالک مشرقی میں امراء نے بغاوتیں کی تھیں۔ انہیں کے سلسلے میں محمد حکیم مرزا کابل سے چڑھ کر پنجاب پر آیا۔ اور لاہور کے میدان میں آن پڑا۔ یہ خبریں بھی وہاں پہنچیں۔ بڑھاپا تھا مگر بجھے ہوئے ذوق وشوق کے کوئلے پھر چمک اٹھے۔ یہ بھی اور مخدوم بھی سمجھے کہ حکیم مرزا ہمایوں کا بیٹا ہے۔ کچھ وہ ہمت کرے گا کچھ ہم دینداری کے زور لگائیں گے۔ اکبر کو بے دین کر کے اکھاڑ پھینکیں گے۔ نوجوان لڑکا بادشاہ ہوگا۔ یہ پرانی جڑیں بھی پھر ہری ہو جائیں گی۔ اس کی شاہی ہوگی۔ ہماری خدائی ہوگی۔

دنیا فراخ است اے پسر تو گوشہ ما گوشہ ہم چوں ملخ از کشت شہ تو خوشہ ما خوشہ

یہاں دربار میں انتظام کی چلتی ہوئی کلیں تیار ہو گئی تھیں۔ انہیں مہینے بلکہ برس لگے یہاں دنوں کے اندر سب بندوبست ہو گئے۔ ان غریبوں کو ہندوستان کی مٹی کھینچ کر لائی تھی۔ افسوس کہ اخیر وقت میں خراب ہوئے۔ اس وقت کمبایت اتاری کا بندر تھا۔ احمد آباد گجرات میں آئے۔ تو معلوم ہوا کہ سبحان اللہ وہاں سے لے کر ہندوستان پنجاب کابل تک ایک میدان ہے۔ اور سونے چاندی کا دریا ہے کہ لہراتا ہے۔ یا باغ ہے۔ کہ لہلاتا ہے۔ مخدوم تو وہیں جاں بحق ہوئے۔

شب فراق میں آخر تڑپ کے مر گئے ہم بھلا ہوا کہ نہ دیکھی سحر جدائی کی

شیخ صدر کی فتح پور دربار میں حاضری:

شیخ صدر فتح پور کے دربار میں آ کر حاضر ہوئے۔ یہاں عالم ہی اور تھا۔ پیر کہن سال نے جب دیکھا تو عقل حیران اور منہ کھلا رہ گیا۔ کہ الٰہی یہ وہی ہندوستان ہے۔ یہ وہی دربار ہے۔ جس میں شاہان دین دار کے جلوس تھے۔ اب دوستون جو ایوان سلطنت کو اٹھائے کھڑے ہیں۔ وہی فضل وفیضی ہیں۔ مبارک کے بیٹے۔ جو گوشہ مسجد میں بیٹھا طالب علموں کو پڑھاتا تھا۔ سو بھی پکار کر نہیں۔ چپکے چپکے۔ اے پروردگار تیری شان۔ اے پروردگار تیری قدرت۔ ع

کبھی کے دن ہیں بڑے اور کبھی کی رات بڑی

یہاں بھی پہنچانے والوں نے خبریں پہنچا دی تھیں۔ اکبر کی بے دینی اور بداعتقادی کے باب

Marfat.com

میں جو جو باتیں ان کی برکت سے مکہ اور مدینہ میں مشہور ہوئی تھیں۔ حرف بحرف بلکہ حاشیہ چڑھ کر آئی تھیں۔ اکبر آگ بگولا ہو رہا تھا۔ جب گفتگو ہوئی۔ تو ادھر کہن سال کی پرانی عادتیں۔ خدا جانے کیا کہہ دیا۔ یہاں اب خدائی کے دعوے۔ شعر

الٰہی دیکھئے صحبت برار ہو کیونکر　　زباں دراز ہوں میں اور بدزباں صیاد

خود بادشاہ نے انہیں کچھ سخت الفاظ کہے (الٰہی تیری امان) یہ وہی شیخ صدر ہیں۔ جن کے گھر میں خود حصول سعادت کے لئے جاتے تھے۔ جس ہاتھ سے جوتی ان کے سامنے رکھی۔ آج وہی ہاتھ تھا۔ کہ اس عالم کہن سال کے منہ پر زور کا مکا ہو کر پڑا۔ اس وقت اس بیچارے نے اتنا کہا کہ بکارد چرا نے زنی۔

شیخ صاحب کا احتساب:

جب مکہ کو بھیجا تھا تو اہل قافلہ کے خرچ اور وہاں کے علماء و شرفا کے لئے ۷۰ ہزار روپیہ بھی دیا تھا۔ ٹوڈرمل کو حکم ہوا کہ حساب سمجھ لو۔ اور تحقیقات کے لئے شیخ ابوالفضل کے سپرد کر دیا۔ دفتر خانہ کی کچہری میں جس طرح اور کروڑی قید تھے۔ اسی طرح یہ بھی قید تھے۔ اور وقت پر حاضر ہوتے تھے۔ شان الٰہی! جن مکانوں میں وہ خود دربار کرتے تھے۔ اور امرا اور علما حاضر ہوتے تھے۔ کوئی پوچھتا نہ تھا۔ آج وہاں خود جواب دہی میں گرفتار تھے۔

قید اور قتل:

غرض مدت تک یہی حال تھا۔ اور شیخ ابوالفضل کی حوالات میں تھے ایک دن سنا۔ کہ رات کو گلا گھونٹ کر مروا ڈالا ❶۔ اور یہ بھی بادشاہ کا اشارہ لے کر کیا تھا۔ دوسرے دن عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور مناروں کے میدان میں لاش پڑی تھی۔ ملا صاحب کس قدر خفا تھے۔ اس مرحوم کا دم نکل گیا اور ان کا غصہ نہ نکل چکا۔ ترحم اور مغفرت تو درکنار فرماتے ہیں۔

شبے اوراخفہ کردند و بحق واصل شد۔ درروز دیگر درمیان منارہا تا نماز دیگر افتادہ بود۔ ان فی ذالک لعبرۃ لا ولی الابصار۔ وشیخ کلنی تاریخ یافتند۔

گرچہ الشیخ کالنبی گفتند　　کالنبی نیست شیخ ما کلنی ست

یہ شعر اکثر اشخاص ان کی شان میں پڑھا کرتے تھے (کنب۔ بھنگ) اور (بحق واصل شد) کے لفظ کو دیکھو اس میں کیا کام کر گئے۔ چاہو یہ سمجھ لو کہ ذات حق کے ساتھ وصل ہو گئے۔ چاہو یہ کہو کہ امر حق کو پہنچ گئے۔

---

❶ معتمد خاں نے اقبال نامہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ ابوالفضل نے بادشاہ کے اشارہ سے مروا ڈالا۔

Marfat.com

شیخ مبارک اللہ عرف شیخ مبارک

ابتدائی حالات:

زمانے میں دستور ہے۔ کہ بیٹے کا پتا باپ کے نام سے روشن ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ بڑا مبارک باپ ہے جو خود کمال سے صاحب برکت ہو۔ اور بیٹوں کی ناموری اس کے نام کو زیادہ تر روشن کرے۔ یعنی کہا جائے کہ یہ وہی شیخ مبارک ہے۔ جو فیضی اور ابوالفضل کا باپ تھا۔ وہ علوم عقلی میں حکیم الٰہی اور علوم نقلی میں صاحب اجتہاد تھے۔ اور شیخ اس کا خاندانی لقب تھا۔ وہ نام کا مبارک تھا مگر مقدر ایسا منحوس لایا تھا کہ اہل حسد کی عداوت سے دو ثلث اپنی زندگی کے یعنی ۶۴ برس اس مصیبت میں کاٹے کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ حریف ہمیشہ فوجیں باندھ باندھ کر اس پر حملے کرتے رہے۔ اور وہ ہمت کا پورا۔ تسبیح ہاتھ میں۔ عصا آگے رکھے بیٹھا تھا سبق پڑھاتا تھا یا کتاب دیکھتا تھا اور کہتا تھا۔ دیکھیں تمہارے حملے ہارتے ہیں۔ کہ ہمارا تحمل۔ باوجود فضائل و کمالات کے جب اس کی مصیبت دیکھی جاتی ہے اور بعد اس کے بیٹوں کی قابلیت و اقبال کے ساتھ اس جاہ و جلال پر نظر کی جاتی ہے۔ تو ایک داستان قابل عبرت معلوم ہوتی ہے۔

شیخ مبارک کے مخالفین:

مختلف نوشتوں اور کتابوں سے ان کے جزوی جزوی حالات معلوم ہوئے۔ میں بھی جہاں تک ممکن ہوگا چھوٹے سے چھوٹا نکتہ نہ چھوڑوں گا۔ اور اہل نظر کو دکھاؤں گا۔ کہ ان باکمالوں کی کوئی بات ایسی نہیں جو غور کے قابل نہ ہو۔ چاہا تھا کہ اس مقام پر ان کے نسب نامہ کو قلم انداز کروں۔ مگر ان جبوں اور دستاروں میں بھی ایسے پیچیدہ راز نظر آتے ہیں۔ جنہیں کھولے بغیر آگے نہیں چلا جاتا۔ قارئین عنقریب معلوم کرینگے۔ کہ ان کے کمال نے زمانے کو کس قدر ان کی مخالفت پر مسلح کیا تھا۔ زیادہ تر دشمن ان کے ہم پیشہ بھائی یعنی علما و فضلا تھے۔ خافی خاں لکھتے ہیں۔ کہ لوگوں کو ان کے نسبت میں کچھ طعن تھا۔ چنانچہ بیٹوں کے ایک خط کے جواب میں شیخ مبارک نے دشمنوں کی تہمت ... ہے۔ اور انہیں تسلی دی ہے۔ بیٹوں کا خط نہیں ہاتھ آیا۔

Marfat.com

خط شیخ مبارک بنام ابوالفضل و فیضی

بابائے من۔ از فضلائے ایں عہد کہ ہمہ جو فروش و گندم نما اند و دیں را بدنیا فروختہ تہمت آں بر ما بستہ اند۔ از گفتہ حرف آنہا نباید رنجید۔ واز انکہ از طرف نجابت ما گفتگو دارند۔ دل پر تشویش نباید نمود۔ درایائے کہ والد من تفویض ودیعت حیات نمود۔ من بحد تمیز نہ رسیدہ بودم۔ والدہ من مرا در سایہ عواطف یکے از سادات ذوئے الاحترام درکمال عسرت پرورش مے داد۔ اودر تربیت من از طرف درس علمی و دیگر تادیب کمال سعی بکار مے برد از آنکہ پدرم مرا حسب فرمودہ بزرگے موسوم بہ مبارک ساختہ بود۔ روزے یکے از ہمسایہ ہائے حسد پیشہ آں سید والا نژاد کہ غم خواری و تیمارداری ما بیکساں میمنو د مادرم را بکلمات درشت رنجانیدہ مرا بعدم نجابت مطعون نمود۔ والدہ ام گریہ کناں نزد آں سید والا مقام کہ از نسبت و حسب پدرم اطلاع داشت۔ رفتہ نالش تعدی او نمود۔ و آں سید او را زجر و توبیخ تمام نمود۔ الحال الحمدللہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ مادشا از فضل بے پایان خویش و در سایہ لطف و کرم بادشاہ عادل باذل فخر زمین و زمن بدیں رتبہ و پایہ رسانده کہ فضلائے عصر از راہ ہم چشمی حسدے دارند و رشک مے برند۔ الیٰ آخرہ۔

اس خط کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ انہیں لونڈی بچہ یا غلام بچہ کہتے ہونگے۔ کیونکہ مبارک اکثر غلاموں کا نام ہوتا ہے۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ کے خاتمے میں اپنا نسب نامہ اس طوالت سے لکھا ہے۔ کہ میں حیران تھا۔ اس طول کا سبب کیا ہوگا۔ جب یہ رقعہ نظر سے گزرا تو سمجھا کہ وہ دل کا بخار بے اس تفصیل کے نہیں نکل سکتا تھا۔

خلاصہ تحریر ابوالفضل آئین اکبری کے خاتمے میں

حسب و نسب:

اگرچہ خاندان کی نسب سرائی کرنی ایسی ہے۔ جیسے کوئی کمال و درجہ کا مفلس بزرگوں کی ہڈیاں لیکر سوداگری کرے۔ یا نادانی کی جنس کو بازار میں ڈالے۔ اپنے عیب کو نہ دیکھے اور غیروں کے ہنر پر آپ فخر کرے دل نہ چاہتا تھا کہ کچھ لکھوں اور بے حاصل افسانہ سناؤں۔ دنیا میں اس سلسلے کا پابند کسی منزل کو نہیں پہنچتا۔ اور صورت کے چشمے سے معنی کا باغ ہرا نہیں ہوتا۔

چو نادانان نہ در بند پدر باش — پدر بگزار و فرزند ہنر باش

چو دود از روشنی بنود نشاں مند — چہ حاصل زانکہ آتش راست فرزند

زمانے کے محاورے میں نسب، تخمہ، نژاد، ذات وغیرہ اسی کو کہتے ہیں۔ اور اسے بلند اور پست

Marfat.com

درجوں میں پابند کرتے ہیں۔ ہشیار دل آگاہ جانتا ہے۔ کہ ان درجوں کے معنے یہ ہیں۔ کہ باپ دادا کا سلسلہ جو برابر چلا آتا ہے۔ گویا اس لڑی کے دانوں میں سے ایک کو لے لیا۔ اور جوان میں ظاہری امارت یا حقیقت شناسی میں بڑا ہوا اور کسی نام یا لقب یا سکونت کے سبب سے مشہور ہو گیا۔ اس کو باپ دادا کہہ کر فخر کرنے لگے۔ عام لوگ سب کو آدم صفی اللہ کی اولاد کہتے ہیں۔ سمجھ والے لوگ ان قصہ خوانوں کی باتوں پر دل لگا کر اور خیال نہیں کرتے۔ اور فاصلے کی دوری دیکھ کر بیچ کی فصلوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ جو بیدار دل سعادت کو چن لیتے ہیں۔ وہ ان کہانیوں کو خواب راحت کا سامان کیوں سمجھیں۔ اور ان کمالوں پر تکیہ کر کے تلاش حقیقت سے کیوں باز رہیں۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　　کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

قسمت کا لکھا کہ مجھے ایسے ہی صورت پرستوں اور رسم کے بندوں میں ڈال دیا۔ اور ایسے گروہ میں ملا دیا جو کہ خاندان کے فخر کو کمال سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ناچار کچھ وہ بھی لکھ دیتا ہوں اور ویسے لوگوں کے لئے بھی دستر خوان لگا دیتا ہوں۔ بزرگان کرام کا شمار ایک لمبی کہانی ہے۔ مگر زندگی کے دم بڑے قیمتی ہیں۔ ان نالائق باتوں کے عوض میں انہیں کیونکر بیچوں۔ خیر یہی سمجھ لو کہ کچھ ان میں سے علوم رسمی میں۔ کچھ لباس امیری میں۔ کچھ دنیا داری میں۔ کچھ خلوت اور گوشہ نشینی میں زندگی بسر کر گئے۔ مدت تک یمن کی زمین ان بیدار دلوں کا وطن تھا۔ شیخ موسیٰ پانچویں پشت میں میرے دادا تھے۔ انہیں ابتدائے حال میں خلق سے وحشت ہوئی۔ گھر اور گھرانے کو چھوڑ کر غربت اختیار کی۔ علم و عمل کو رفاقت میں لیا اور معمورہ جہاں کو عبرت کے قدموں سے طے کیا۔ نویں صدی میں علاقہ سندھ قصبہ ریل میں پہنچ کر گوشہ نشین ہوئے۔ اور خدا پرستان حقیقت کیش سے دوستی کا پیوند کر کے خانہ داری اختیار کی۔ (ریل ایک دلچسپ آبادی علاقہ سیوستان میں ہے) شیخ موسیٰ اگرچہ جنگل سے شہر میں آئے۔ مگر دنیا کے تعلقوں میں پابند نہ ہوئے۔ آگاہی کا سجادہ تھا اور بے بدل زندگی کو نقش بوقلموں کی اصلاح میں صرف کرتے تھے۔ بیٹے پوتے ہوئے۔ وہ بھی انہیں کے عمل درآمد کو آئین سمجھتے تھے۔ دسویں صدی کے شروع میں شیخ خضر کو آرزو ہوئی کہ ہند کے اولیا کو بھی دیکھیں۔ اور دریائے عرب کی سیر کر کے اپنے بزرگوں کی نسب سے ملاقات کریں۔ بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ ہند میں آئے ناگور[1] میں پہنچے۔ ان سے صورت و معنی کا فیض پایا۔ اور انہی بزرگوں کے ایما سے مسافرت کے ارادہ کو سکونت سے بدل کر لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ پہلے کئی بچے مر گئے تھے۔

[1] ناگور اجمیر کے شمال و مغرب میں ہے) (یہاں کئی بزرگوں کا نام لکھ کر کہتے ہیں۔

Marfat.com

شیخ مبارک کے ابتدائی ایام:

۹۱۱ھ میں شیخ مبارک نے ملک معنی سے آکر عالم وجود میں ہستی کی چادر کندھے پر ڈالی۔ اس لئے مبارک اللہ نام رکھا۔ کہ اللہ مبارک کرے۔ چار برس کی عمر تھی کہ بزرگوں کی قوت تاثیر سے عقل و آگاہی کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی۔ ۹ برس کی عمر میں سرمایہ کمال بہم پہنچایا۔ ۱۴ برس کی عمر میں علوم رسمی حاصل کر لئے۔ اور ہر ایک علم میں ایک ایک متن یاد کر لیا۔ اگرچہ عنایت ایزدی ان کی قافلہ سالار تھی۔ بہت بزرگوں کی خدمت میں آمدورفت رکھتے تھے۔ مگر شیخ عطن کے پاس زیادہ تر رہتے تھے۔ اور ان کی تعلیم سے دل کی پیاس اور زیادہ ہوتی تھی۔

شیخ عطن ترک نژاد تھے۔ ۱۲۰ برس کی عمر پائی۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں ناگور کو وطن اختیار کیا۔ اور شیخ سالار ناگوری سے خدا شناسی کی آنکھیں روشن کیں۔ ایران توران اور دور دور کے ملکوں سے عقل و آگاہی کا سرمایہ لائے تھے۔

ناگور میں قحط:

اس عرصہ میں شیخ خضر کو پھر سندھ کا خیال ہوا۔ کہ چند رشتہ دار وہاں ہیں انہیں جا کر لے آئیں۔ لیکن یہ سفر انہیں آخرت کا سفر ہوا۔ یہاں ناگور میں بڑا قحط پڑا اور ساتھ ہی وبا آئی۔ کہ آدمی آدمی کو نہ پہچانتا تھا۔ لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس آفت میں شیخ مبارک اور ان کی والدہ رہ گئی۔ باقی سب مر گئے۔ شیخ مبارک کے دل میں تحصیل علم اور جہاں گردی کا شوق جوش مار رہا تھا۔ مگر والدہ اجازت نہ دیتی تھی۔ اور خودسری طبیعت میں نہ تھی۔ وہیں اصلاح طبیعت میں مصروف رہے۔ اور تحصیل علوم اور کسب فنون نہایت کاوش اور کاہش سے کرتے رہے۔ فن تاریخ اور عام احوالات سے ایسی آگاہی حاصل کی۔ جس کی بدولت عالم میں مشہور ہو گئے۔ چند روز کے بعد خواجہ عبداللہ احرار کی خدمت میں پہنچے۔ کہ وہ ان دنوں نوشدار وے حقیقت کی جستجو میں سیاہی کرتے ہندوستان میں آ نکلے تھے۔ ان سے تلاش الٰہی کا رستہ معلوم کیا۔ اور بہت سے فیض معنوی حاصل کئے۔

خواجہ احرار:

خواجہ احرار نے ۱۲۰ برس کی عمر پائی۔ بڑی بڑی سیاحیاں کیں اور ۴۰ برس ختا و ختن کے ملکوں میں بسر کئے۔ وہ شیخ مبارک پر نہایت شفقت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تصنیفات و ملفوظات میں جہاں درد یشے پر سید و درد یشے گفت آتا ہے۔ اس سے شیخ مبارک ہی مراد ہیں۔ خواجہ احرار ۲۰ فروری

Marfat.com

۴۹۰ھ کو سمرقند میں فوت ہوئے۔ ان کا نام حضرت اہل اللہ میں خواجہ خواجگان مشہور ہے۔

والدہ کا انتقال اور درس و تدریس کا سلسلہ:

اس عرصے میں والدہ کا انتقال ہو گیا۔ دل کی وحشت دوبالا ہوئی دریائے اسود کا رخ کیا۔ ارادہ تھا کہ کرہ زمین کا دورہ کریں۔ اور فرقہ فرقہ اشخاص سے ملاقات کر کے فیض کمال حاصل کریں۔ احمد آباد گجرات میں پہنچے۔ وہ شہر اپنی شہرت کے بموجب اہل کمال کی جمعیت سے آراستہ تھا۔ اور ہر طرح کی تکمیل کا سامان موجود تھا۔ یہ بھی مشہور تھا۔ کہ سید احمد گیسو دراز کی درگاہ سے فیض برکت کے چشمے بہتے ہیں۔ اور وہ ان کے ہم وطن بھی تھے۔ غرض یہاں سفر کی خورجین کندھے سے ڈال دی۔ علما وفضلا سے ملاقات ہوئی۔ تحصیل میں تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔ چاروں اماموں کی کتابیں اصولاً وفروعاً حاصل کیں۔ اور ایسی کوششیں کیں۔ کہ ہر ایک میں اجتہاد کا مرتبہ پیدا ہو گیا۔ اگرچہ اپنے بزرگوں کی پیروی کر کے حنفی طریقہ رکھا۔ مگر عمل میں ہمیشہ انتہائے درجہ کا احتیاط کرتے رہے۔ بڑا خیال اس بات کا تھا۔ کہ جو کچھ نفس سرکش کو مشکل معلوم ہو وہی ہو۔ اسی عرصے میں علم ظاہری سے علم معنوی کی طرف گزر ہوا۔ بہت سی کتابیں تصوف اور علم اشراق کی دیکھیں۔ بہتیری تصنیفیں منطق اور الٰہیات کی پڑھیں۔ خصوصاً حقائق شیخ محی الدین عربی اور شیخ ابن فارض۔ اور شیخ صدر الدین قونوی اور بہت سے اہل حال اور اہل قال کی تصنیفات نظر سے گزریں۔ نئے نئے نکتے حل ہوئے۔ اور عجب عجب پردے دل پر سے الٹے۔

خطیب ابوالفضل گازرونی کی ملازمت:

پروردگار کی بڑی نعمتوں سے ایک نعمت یہ ملی کہ خطیب ابوالفضل گازرونی کی ملازمت حاصل ہوئی۔ انہوں نے قدر دانی اور آدم شناسی کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور بیٹا کر لیا۔ بہت سا معقولات کا سرمایہ دیا۔ اور ہزاروں باریکیاں، تجرید، شفا، اشارات، تذکرہ اور مجسطی کی کھولیں۔ اس صحبت میں حکمت کے بستاں سرانے اور ہی طراوت دکھائی۔ اور بینش وبصیرت کا چشمہ رواں ہو گیا۔ خطیب دانشمند کو شاہان گجرات کی کشش وکوشش نے شیراز سے کھینچا تھا۔ چنانچہ انہی کی برکت نے اس ملک میں علم وحکمت کا خزانہ کھولا۔ اور دانش ودانائی کو نئی روشنی دی۔ انہوں نے انبوہ در انبوہ زمانے کے دانشوروں کو دیکھا تھا۔ اور ان سے بہت کچھ پایا تھا۔ مگر علوم حقیقی وفنون عقلی میں مولانا جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔

Marfat.com

عالموں کی صحبت:

شیخ مبارک نے وہاں اور عالموں اور خدا رسیدہ بزرگوں کی خدمت سے بھی سعادتوں کے خزانے بھرے۔ اور تصوف کے کئی سلسلوں کی سند لی۔ شیخ عمر ٹھٹوی کی خدمت سے بڑا نور حاصل کیا۔ اور سلسلہ کبرویہ کا چراغ روشن ہوا۔ شیخ یوسف مجذوب ایک مست آگاہ دل ولی کامل تھے۔ ان کی خدمت میں جانے لگے۔ اور خیال اس بات پر جما کہ علمی معلومات کو دل سے دھو کر علوم حقیقی کا خیال باندھیں اور دریائے شور کا سفر کریں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ دریا کے سفر کا دروازہ تمہارے لئے بند ہوا ہے۔ آگرہ میں جا کر بیٹھو۔ اور وہاں مقصد نہ حاصل ہو تو ایران و توران کا سفر کرو۔ جہاں حکم ہو وہاں بیٹھ جاؤ اور اپنی حالت پر علوم رسمی کی چادر کا پردہ کرلو (کہ تنگ ظرفوں کے دل حقائق معنوی کی برداشت نہیں رکھتے)

آگرہ میں آمد:

٦ محرم ٩٥٠ھ کو آگرہ میں آکر اترے کہ قسمت کی چڑھائی کی پہلی منزل تھی۔ شیخ علاء الدین مجذوب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شہر اقبال میں بیٹھو اور سفر کا خاتمہ کرو۔ ایسی بشارتیں دیں۔ کہ وہاں سے قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ شہر کے مقابل دریائے جمنا کے اس پار کنارہ پر چار باغ ❶ کی بستی تھی۔ وہاں میر رفیع الدین صفوی چشتی ❷ انجوی کے ہمسائے میں اُترے اور ایک قریشی گھرانے میں علم و عمل سے آراستہ تھا شادی کی۔ سید موصوف محلہ کے رئیس تھے۔ ان کے رہنے کو غنیمت سمجھے۔ آشنائی ہوئی تھی دوستی ہوگئی۔ گرمجوشی اور شگفتگی سے ربط ہوگیا۔ وہ صاحب دولت اور صاحب دستگاہ تھے۔ انہوں نے اپنے رنگ میں ملانا چاہا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور توکل کے آستانہ کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ اندر حق شناسی کے شغل تھے۔ باہر درس و تدریس۔

جب ٩٥٤ھ میں سید موصوف کا انتقال ہوگیا۔ تو شیخ مبارک نے پھر گوشہ عزلت سنبھالا۔ بڑا شغل کوشش کا یہی تھا کہ باطن کو دھوتے رہتے تھے۔ اور ظاہر کو پاک رکھتے تھے۔ روئے نیاز کارساز حقیقی کی طرف کیا۔ اور علوم و فنون کے درس میں دل بہلانے لگے۔ اوروں کی گفتگوؤں کو اپنے حال کا پردہ کرلیا۔ خواہش کی زبان کاٹ ڈالی۔ معتقدوں میں سے کوئی با احتیاط آدمی اخلاص سے نذر لاتا تو

---

❶ پہلے اسے چار باغ کہتے تھے۔ پھر ہشت بہشت ہوا۔ بابر نے نئی بنیاد ڈال کر نور افشاں کھلوایا۔ اب رام باغ کہلاتا ہے۔

❷ انجو شیراز میں واقع ہے۔

Marfat.com

ضرورت کے قابل لے لیتے۔ باقی لوگوں سے معذرت کر کے پھیر دیتے اور ہمت کے ہاتھ اس سے آلودہ نہ کرتے۔ ۱۹۵۴ھ ۴۳ برس کی عمر میں فیضی اور ۹۵۸ھ ۴۷ برس کی عمر میں ابوالفضل یہیں پیدا ہوئے۔

شیخ مبارک کی پرہیز گاری:

چند روز میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک اسی چشمے پر آنے لگے۔ اور داناؤں اور دانشوروں کا گھاٹ ہو گیا۔ بعضے حسد کے مارے سازشیں کرنے لگے۔ بعضے محبت سے ملے اور رفیق خلوت ہو گئے۔ شیخ مبارک کو نہ اس کا رنج تھا نہ اس کی خوشی تھی۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ نے اور بعض اور لوگوں نے چاہا۔ کہ یہ خزانہ شاہی سے کچھ لیں اور جاگیر مقرر ہو جائے۔ ہمت بلند تھی، نظر نہ جھکی۔ اس سے ترقی کا رتبہ اور بڑھا۔ پرہیز گاری اور احتیاط کا یہ عالم کہ بازار میں کہیں گانا ہوتا تو قدم اٹھا کر جلد نکل جاتے۔ چلتے تو دامن اور پائجامہ اونچا کر کے چلتے تھے۔ کہ نجس نہ ہو جائے۔ کوئی محفل میں نیچا پاجامہ پہن کر آتا تو جتنا زیادہ ہوتا پھڑوا ڈالتے۔ لال کپڑا پہنے دیکھتے تو اتروا ڈالتے۔ ظاہر پرست اور بوالہوس جلتے اور گھبراتے۔ انہیں مباحثوں کے جھگڑے اور دکانداری کی بھیڑ بھاڑ بڑھانی منظور نہ تھی۔ ہاں حق کے اظہار اور بدکاروں کی ملامت میں ذرا تخفیف نہ کرتے تھے۔ جو بدکتے انہیں پرچاتے نہ تھے۔

شیخ مبارک کے مخالفین:

چند عالم اس عہد کے خصوصاً جو کہ فضیلت اور پارسائی کے دعوؤں سے سلطنت میں دخیل تھے۔ وہ شیخ مبارک سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری ہمایوں، شیر شاہ، سلیم شاہ کے درباروں میں شریعت کے مالک بنے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالنبی مشائخ واجب التعظیم میں سے تھے۔ ان کے کلاموں کی لوگوں کے دلوں میں تاثیر تھی۔ کیونکہ درباری زور کے ساتھ اپنے درس و تدریس، مسجدوں کی امامت، خانقاہوں کی نشست اور مجلسوں کے وعظوں سے دلوں کو دبوچا ہوا تھا۔ چاہتے تو احکام سلطنت پر مخالفت شرع کا فتویٰ لگا کر خاص و عام میں ولولہ ڈال دیتے تھے۔ ان کی معرفت اکثر مقاصد بادشاہی رعایا سے آسان نکل آتے تھے۔ ان مصلحتوں پر نظر کر کے بادشاہ وقت بھی ان کی خاطر داری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فیصلہ مقدمات سے بڑھ کر احکام سلطنت تک انہی کے فتوؤں پر منحصر تھے۔ جب یہ لوگ بادشاہوں کی محفل سے اٹھتے تھے۔ تو بڑے بڑے ارکان سلطنت اور اکبر خود بادشاہ لب فرش تک پہنچانے آتے تھے۔ بعض موقع پر خود بادشاہ ان کے سامنے جوتیاں

Marfat.com

سیدھی کر کے رکھ دیتے تھے۔

شیخ مبارک کیا معلومات کتابی۔ کیا تحریر و تقریر ہیں۔ ان لوگوں کے بس کا نہ تھا۔ ایسے عالم کہ خیالات کو بھی سمجھ لو کہ کیسے ہونگے۔ وہ ضرور ان بزرگوں کو خاطر میں نہ لاتا ہوگا۔ مولوی ملانے دستر خوانوں کی مکھیاں ہوتے ہیں۔ عام علما بیان مسائل اور فتادوں میں ملائے مخدوم اور شیخ صدر کا منہ دیکھتے ہونگے۔ شیخ مبارک پروا بھی نہ کرتا ہوگا۔ اور سچ بھی ہے۔ جس کا علم و عمل ہر وقت حق پرستوں کا دائرہ گرد رکھتا ہو۔ اور خود دنیا کی دولت اور جاہ و منصب کی ہوس نہ رکھتا ہو اسے کیا ضرورت ہے کہ جس گردن کو خدا نے سیدھا پیدا کیا۔ اسے اوروں کے سامنے جھکائے۔ اور وہ رائے جسے قدرت سے آزادی کی سند ملی ہے اسے دنیا کے لالچ کے لئے نااہلوں کے ہاتھ بیچ ڈالے۔

علمی عروج:

جب کسی غریب ملا یا مشائخ پر مخدوم یا صدر کوئی سخت گرفت کرتے تو وہ بیچارا شیخ کے پاس آتا تھا۔ شیخ کی شوخ طبیعت کو یہ شوق تھا۔ مسجد ہی میں بیٹھے بیٹھے ایک نکتہ ایسا بتا دیتے تھے۔ کہ جب وہ جا کر جواب پیش کرتا تھا۔ تو حریف کبھی فقہ کی بغل جھانکتے تھے۔ کبھی حدیث کا پہلو ٹٹولتے تھے۔ مگر جواب نہ پاتے تھے۔ ایسی ایسی باتوں سے رقیب ہمیشہ اس کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ اور رنگا رنگ کی تہمتوں سے طوفان اٹھاتے تھے۔ چنانچہ ابتدا میں مہدویت کی تہمت لگائی۔ اصلیت اس کی فقط اتنی تھی کہ شیر شاہ کے عہد میں شیخ علائی مہدوی ایک فاضل تھا۔ وہ جس طرح علم و فضل میں صاحب کمال تھا۔ اسی طرح پرہیز گاری میں حد سے گزرا ہوا تھا۔ اور حد طبع نے اس کی سحر بیانی کو آتش زبانی کے درجے تک پہنچا دیا تھا۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شیخ مبارک اس کے معتقد یا مرید تھے۔ لیکن خواہ اس سبب سے کہ طبیعت بھی ہم جنس طبیعت کی عاشق ہوتی ہے۔ اور ہم جنس طبیعتوں میں مقناطیسی کشش ہے۔ خواہ اس سبب سے کہ مخدوم الملک ان کے قدیمی رقیب اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ غرض تیز طبع پرہیز گاروں میں محبت اور صحبت کا سلسلہ ضرور تھا۔ اور شیخ مبارک اکثر جلسوں اور معرکوں پر اس کی رفاقت میں شامل ہوتے تھے۔ جو باتیں اسکی حق ہوتی تھی بے خطر تصدیق کرتے تھے۔ با اقتدار دشمنوں کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ بلکہ جب اپنے جلسوں میں بیٹھتے تو حریفوں پر لطیفوں کے پھول پھینکتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ شیخ علائی بیچارے مارے گئے۔ اور شیخ مبارک مفت بدنام ہو گئے۔

عہد ہمایوں میں عروج:

پہلے ہمایوں اور پھر شیر شاہ و سلیم شاہ کے وقت میں افغانی دور تھا۔ اس میں آئے دن کے

Marfat.com

تغیرات ملک کا حال بھی پریشان تھا۔ اور علمائے مذکور کا زور بھی زیادہ تھا۔ اس لئے شیخ مبارک عقل ودانش کا چراغ گوشہ میں بیٹھ کر روشن کرتے تھے۔ اور حقیقت کے نکتے چپکے چپکے کہتے تھے۔ جب ہمایوں پھر آیا۔ تو شیخ نے بے خطر ہو کر مدرسے کو رونق دی۔ اس کے ساتھ ایران وترکستان کے دانا ودانش پسند لوگ آئے ان سے علوم کا زیادہ چرچا پھیلا۔ ان کا مدرسہ بھی چمکا۔ اسی عرصے میں زمانے کی نظر لگی۔ ہمایوں مر گیا۔ ہیموں نے بغاوت کی۔ علمی صحبتوں کی رونق جاتی رہی۔ بہت لوگ گھروں میں بیٹھ گئے۔ کچھ شہر چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ شیخ کو اس قدر شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ کہ ہیمو نے بھی بعض صلاح مشوروں میں ان سے پیغام سلام کئے۔ بلکہ شیخ کی سفارش پر اکثر اشخاص کی جان بخشی اور مخلصی بھی کر دی۔ مگر یہ اس سے پرچے نہیں۔ ساتھ ہی قحط پڑا کہ تباہی عام خلقت پر عموماً اور خاص لوگوں کے لئے خصوصاً ارزاں ہو گئی۔ گھر اور گھرانے فنا ہو گئے۔ ویرانی کا یہ عالم ہوا۔ کہ شہر میں گنتی کے گھروں کے سوا کچھ نہ رہا۔ شیخ کے گھر میں ان دنوں زن ومرد ۴۰ آدمی تھے لیکن اس بے پروائی سے گزران کرتے تھے۔ کہ کوئی کہتا تھا۔ کیمیا گر ہیں۔ کوئی جانتا تھا جادوگر ہیں۔ بعضے دن فقط سیر بھر اناج آتا تھا۔ اسے مٹی کی ہانڈی میں ابالتے تھے۔ وہب آب جوش بانٹ کھاتے تھے۔ اور ایسے آسودہ نظر آتے تھے۔ گویا اس گھر میں روزی کا کچھ خیال ہی نہیں۔ عبادت کے سوا ذکر نہ تھا۔ اور شغل کتاب کے سوا فکر نہ تھا۔ اس وقت فیضی آٹھویں برس میں اور ابوالفضل پانچویں برس میں تھے۔ وہ اس عالم میں ایسے خوش رہتے تھے۔ کہ لوگ دنیا کی نعمتیں کھا کر نہ خوش ہوتے ہوں گے۔ اور باپ ان سے زیادہ۔ کیونکہ وہ ہر طرح ان کی خوبیوں کا سرچشمہ تھا۔

اکبری عہد اور شیخ مبارک:

جب اکبری دور شروع ہوا۔ عالم میں امن ہوا۔ شیخ کا مدرسہ پھر گرم ہوا۔ اور علوم عقلی ونقلی کی درس وتدریس ایسی چمکی کہ شیخ کے نام پر علم وکمال کے طلب گار ملک ملک سے آنے لگے۔ درباری عالموں کو آتش حسد نے پھر بھڑکایا۔ پرانے علم فروشوں کو اپنی فکر پڑی۔ اور نوجوان بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے۔

دنیا جہاں احتیاجوں کا مینہ برستا ہے۔ بہت بری جگہ ہے۔ جس وقت کہ شیخ عبدالنبی صدر اہل حاجت کے لئے درگاہ تھا۔ اور ائمہ مساجد اور علماء ومشائخ کو جاگیروں کے اسنادان سے ملتے تھے۔ شیخ مبارک دنیا کے صدموں سے لڑتے لڑتے تھک گیا۔ اس پر عیال کا انبوہ ساتھ

توڑا کمر شاخ کو کثرت نے ثمر کی دنیا میں گرانبار یئے اولاد غضب ہے

Marfat.com

گزارہ کا رستہ ڈھونڈنے لگا کہ کسی طرح دن بسر کرے۔ وہ بھی سمجھا ہوگا۔ کہ ان عالم نماز ہد فروشوں میں میرا سرمایہ کس سے کم ہے۔ جو میں اپنا حصہ نہ مانگوں کہ میرا حق ہے۔ چنانچہ علم کے لحاظ سے دور نزدیک سمجھ کر شیخ صدر کے پاس گیا۔ پھر بھی اپنی آزادی کا پہلو بچایا۔ فیضی کو ساتھ لیتا گیا۔ اور عریضہ میں لکھا کہ سہ بیگھ زمین مدد معاش کے طور پر اس کے نام ہو جائے۔ شیخ صدر خدائی اختیاروں کے صدر نشین تھے وہاں فقط عرضی داخل دفتر نہ ہوئی۔ بلکہ بڑی بے نیازی اور کراہت کے ساتھ جواب ملا کہ یہ رافضی مہدوی ہے۔ نکال دو۔ عذاب کے فرشتے دوڑے اور فوراً اٹھا دیا۔ اللہ اللہ پیر کہن سال۔ کوہ کمال۔ دریائے دانش، دل پر کیا گزری ہوگی۔ آسمان کی طرف دیکھ کر رہ گیا ہوگا۔ اور آنے پر پچھتایا ہوگا۔ مگر زمانے نے کہا ہوگا، نہ گھبرانا ہمارا مزاج خود ان مجنونوں کی برداشت نہیں رکھتا۔ یہ پرانے برج تمہارے نوجوانوں کی گھڑ دوڑ میں ڈھائے جائیں گے اور جلد ڈھائے جائیں گے۔

چند اہل بدعت تشیع:

علمائے مذکور نے ایک موقع پر چند اہل بدعت تشیع اور بد مذہبی کے جرم میں پکڑے۔ بعض کو قید کیا بعض کو جان سے مار ڈالا۔ ابوالفضل کہتے ہیں بعض بدگو ہر میرے والد کو شیعہ سمجھ کر برا کہنے لگے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ کسی مذہب کے اصول و فروع کو جاننا اور شے اور ماننا اور شے ہے۔ خاص مقدمہ یہ ہوا کہ ایک سید عراق (ایران) کا رہنے والا یگانہ زمانہ تھا۔ وہ ایک مسجد میں امام تھا۔ اور علم کے ساتھ عمل کا پابند تھا۔ علمائے وقت اس سے بھی کھٹکتے تھے۔ مگر اکبر کی توجہ ہر بات پر تھی۔ اس لئے کچھ صدمہ نہ پہنچا سکتے تھے۔ ایک دن دربار میں مسئلہ پیش کیا۔ کہ میر کی پیش نمازی درست نہیں۔ یہ عراقی ہیں۔ اور حنفی مذہب کی ایک روایت ہے کہ اہل عراق کی گواہی معتبر نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جس کی گواہی معتبر نہیں۔ اس کی امامت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ امامت کے جانے سے سید کا گزارہ مشکل ہو گیا۔ وہ شیخ سے اتحاد برادرانہ رکھتا تھا۔ ان سے درد دل بیان کیا۔ انہوں نے بہت سی ہوش افزا تقریریں سنا کر اس کی خطر جمع کی۔ اور رد جواب پر دلیری دے کر سمجھایا کہ یہ لوگ روایت کے معنے نہیں سمجھتے۔ جو سند لائے ہیں۔ اس میں عراق سے عراق عجم مراد نہیں ہے۔ عراق عرب مراد ہے۔ امام صاحب (امام ابوحنیفہ) کے وقت میں عراق عجم کا یہ حال کہاں تھا۔ جواب ہے۔ کتابوں میں فلاں فلاں مقام پر اس کی توضیح ہے۔ اور یہ سمجھئے کہ کسی مقام کے آدمی ہوں۔ سب یکساں نہیں ہیں۔ ایک اشرف اشراف ہیں۔ وہ حکما و علما و سادات ہیں۔ دوسرے اشراف۔ ان سے امرا اور زمیندار وغیرہ مراد ہیں۔ تیسرے

Marfat.com

اوساط ان سے اہل حرفہ اور اہل بازار مراد ہیں۔ چوتھے ادنیٰ اور پواج کہ وہ ان سے بھی نیچے ہیں۔ مقدمات میں ہر ایک کے لئے سزا کے بھی چار درجے رکھے ہیں۔ نیکی بدی کا موقع ہو تو اس آئین کی رعایت کیوں نہ ہو اور بات درست ہے۔ اگر ہر مجرم کو برابر ہی گوشمالی دیں تو شاہ راہ عدالت سے انحراف ہو۔ یہ سن کر سید خوش ہو گئے اور تحریر حضور میں گزرانی۔ دشمن دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مگر سمجھ گئے۔ کہ اس آگ کی دیا سلائی کہاں سے آئی۔ اس قسم کی تائیدیں اور امدادیں کئی دفعہ کھلم کھلا بھی ہوئیں (شیخ فضل لکھتے ہیں) مسئلہ مذکور جاہلوں میں شورش کا سرمایہ ہو گیا۔ سبحان اللہ گروہا گروہ خلائق کا اتفاق ہے۔ کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں ایک نہ ایک بات کی کسر نہ ہو۔ اور ایسا بھی کوئی مذہب نہیں کہ سرتاپا باطل ہی ہو۔ اس صورت میں اگر ایک ماہر شخص اپنے مذہب کے برخلاف کسی غیر مذہب کے مسئلہ کو اچھا کہے تو اس کی باریکی پر غور نہیں کرتے۔ دشمنی پر تیار ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ شیخ مبارک کو مہدویت کے ساتھ تشیع کی بھی تہمت لگ گئی۔

(ملا صاحب لکھتے ہیں) میں جس زمانہ میں شیخ مبارک سے پڑھتا تھا۔ تو ایک فتویٰ شیخ کا لکھا ہوا لیکر میاں حاتم سنبھلی کے پاس گیا۔ وہ بھی اس زمانہ میں فاضل مسلم الثبوت تھے۔ اور فقرہ میں امام اعظم ثانی کہلاتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ کہ شیخ کی مولویت کیسی ہے۔ میں نے ان کی ملائی اور پارسائی اور فقر و مجاہدات و ریاضیات اور امر معروف اور نہی منکر کا حال جو کچھ جانتا تھا بیان کیا شیخ اس زمانہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ پابند تھے۔ میاں صاحب نے کہا کہ درست ہے۔ میں نے بھی بہت تعریف سنی ہے۔ مگر کہتے ہیں کہ مہدویہ طریقہ رکھتے ہیں؟ یہ بات کس طرح ہے؟ میں نے کہا کہ میر سید محمد کی ولایت اور بزرگی تو مانتے ہیں۔ مگر مہدویت نہیں مانتے۔ میاں نے فرمایا کہ میر کے کمالات میں کسے کلام ہے۔

وہاں میر سید محمد میر عدل بھی بیٹھے تھے۔ میری گفتگو سن کر وہ بھی متوجہ ہوئے۔ اور پوچھا کہ انہیں لوگ مہدوی کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ نیکیوں کی تاکید اور برائیوں سے بشدت منع کرتے ہیں۔ پھر پوچھا میاں عبدالحی خراسانی (کہ چندروز صدر بھی کہلاتے تھے) ایک دن خان خاناں کے سامنے شیخ کی مذمت کر رہے تھے۔ تم جانتے ہو اس کا کیا سبب ہوگا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ ایک دن شیخ مبارک نے انہیں رقعہ لکھا تھا۔ اس میں بہت باتیں نصیحت کی تھیں۔ ازانجملہ یہ بھی کہا تھا۔ کہ تم مسجد میں نماز جماعت میں کیوں شامل نہیں ہوتے۔ میاں عبدالحی نے برا مانا۔ اور جماعت کی تاکید سے یہ نتیجہ نکالا کہ مجھے رافضی کہا ہے میر عدل موصوف بولے۔ یہ استدلال تو ایسا ہے۔ کہ کوئی کسی کو کہے تم نماز جماعت نہیں پڑھتے۔ اور جو نماز جماعت نہ پڑھے وہ رافضی ہے۔ تو تم بھی رافضی ہو۔ اور

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس شخص کا کبرے مسلم نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مقدمہ کہ شیخ امر معروف کرتا ہے۔ اور جو امر معروف کرتا ہے۔ وہ مہدوی ہے۔ یہ بھی نامسلم ہے غرض معلوم ہوتا ہے۔ ان کے باب میں اس قسم کے چرچے خاص وعام میں رہتے تھے۔

اہل تجربہ جانتے ہیں۔ کہ دنیا کے لوگ جب حریف پر غلبہ دشوار دیکھتے ہیں۔ تو اپنے مددگاروں اور طرفداروں کی جمعیت بڑھانے کے لئے مخالفت مذہب کا الزام اس کے گلے باندھ دیتے ہیں۔ کیونکہ عوام الناس اس نام سے بہت جلد جوش میں آجاتے ہیں۔ اور اس بہانہ سے حریف کے خراب کرنے کو مفت کا لشکر ہاتھ آجاتا ہے۔ پس عجب نہیں۔ کہ جب علمائے مذکور نے شیخ مبارک کے فضل وکمال کو اپنے بس کا نہ دیکھا تو رنگ رنگ کے پہلوؤں سے بدنام کیا۔ سلیم شاہ کے عہد میں مہدویوں کی طرف سے بغاوت کا خطر تھا۔ اس وقت مہدویت کی علت لگائی۔ اکبر کے اوائل عہد میں ترکان بخارا کا ہجوم تھا۔ وہ ایرانی مذہب کے سخت دشمن تھے۔ اس کے وقت میں رافضی کہہ کر بدنام کر دیا۔ کہ وار پورا پڑے۔ اور اس میں بھی شک نہیں۔ کہ شیخ مبارک صاحب اجتہاد تھا۔ اور مزاج کا آزاد تھا۔ جس مسئلہ میں اس کی رائے شیعوں کی طرف مائل ہوتی ہوگی۔ صاف بول اٹھتا ہوگا۔

تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ۔ ہمایوں کے عہد میں بہت ایرانی ہندوستان میں آ گئے تھے۔ مگر تقیہ کے پردہ میں رہتے تھے۔ مذہب ظاہر نہ کرتے تھے۔ اور اکثر ان میں صاحب اقتدار بھی ہوگئے تھے۔ یہ بھی طبعی امر ہے۔ کہ جب ہمارے دشمن کا کوئی حریف با اقبال پیدا ہوتا ہے۔ تو اسے اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ فائدہ دبے فائدہ اس سے ملکر دل خوش ہوتا ہے۔ اور زبان خود بخود اس کی ہمداستانی پر حرکت کرتی ہے۔ ملائے مخدوم اور شیخ صدر کے جو سلوک شیعوں سے تھے۔ وہ ان کے حال میں معلوم ہونگے۔ شیخ مبارک ضرور شیعوں سے ملتا ہوگا۔ اور گفتگوؤں میں ان کا ہمداستان ہوتا ہوگا۔ ع

شیخ تیری ضد سے چھوڑوں دین وایمان تو سہی

خیر یہ کچھ ایسی ملامت کی بھی بات نہیں۔ آخر وہ انسان تھا۔ فرشتہ تو نہ تھا۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب انسان اپنے مقابل میں دشمنوں کو نہایت قوی دیکھتا ہے۔ اور ان کی عداوت کے تدارک اپنی طاقت سے باہر پاتا ہے۔ تو ایسے با اقتدار لوگوں سے رشتے ملاتا ہے۔ جو دشمنوں سے پھٹے ہوئے ہوں۔ اور برے وقت میں اس کے کام آئیں۔ اس کے حریفوں کو دیکھو، کیسے زبردست اختیارات رکھتے تھے۔ اور انہیں کس بے دردی سے اس بیچارے کے حق میں خرچ کرتے تھے۔ جو عالم سنت جماعت تھے۔ ان سے اس غریب کو اصلاً توقع نہ تھی۔ عزت اور ننگ وناموس کسے عزیز نہیں۔ جان

Marfat.com

عزیز کسے پیاری نہیں۔ وہ اگر غیروں سے نہ ملتا تو کیا کرتا۔ اوران کی اوٹ میں جان نہ بچاتا تو کہاں جاتا۔ میں نے ابوالفضل وفیضی کے حال میں شیعہ وسنی کے معاملہ پر صلح وصلاحیت کے چند خیال لکھے ہیں۔ کہ شاید دونوں تلواروں کی تیزیاں کچھ گلاوٹ پر آئیں۔ لیکن عجیب منحوس ساعت تھی۔ جس وقت شیعہ وسنی کا فساد پڑا تھا۔ ۱۳سو برس گزرے۔ اور طرفین نے ہزاروں صدمے اٹھائے۔ اوراہل صلاحیت نے بھی بہتیرے ہی زور لگائے مگر دونوں میں سے ایک بھی رستہ پر نہ آیا۔

(خلاصہ تحریر ابوالفضل) اہل حسد ہر وقت جوش میں ابلتے پھرتے۔ اور فساد کے چھتوں پر فتنہ کی بھڑیں اڈی رہتی تھیں۔ لیکن جب اکبری سلطنت کے نور پھیلنے لگے۔ تو ۹۶۷ھ میں شیخ مبارک کے مدرسہ پر دانش وداد کا علم بلند ہوا۔ بزرگان روزگار نے شاگردی میں قدم جمائے۔ رجوع خلائق کے ہنگامے گرم ہوئے۔ اہل حسد گھبرائے۔ کہ اگر نمونہ ان اوصاف کا شاہ جوہر طلب تک پہنچا اور دلنشین ہوگیا۔ تو ہمارے پرانے اعتباروں کی کب آبرو رہے گی۔ اور انجام اس کا کس رسوائی تک پہنچے گا۔ چنانچہ شیخ اپنے بڑھاپے اور علم وفضل کے سرور میں اور بیٹے جوش علم وجوانی کے نشے میں بے خبر بیٹھے تھے۔ کہ دشمنوں نے ایک سازش کی۔ اور اس کے سبب سے شیخ کو ایسی خطرناک مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ کہ دل امان امان کرتا ہے۔ شیخ ابوالفضل نے کچھ تفصیل خود اکبرنامہ کے خاتمہ میں لکھی ہے۔ جس عبارت میں اس جادو بیان نے افسونگری کی ہے اس کا خلاصہ میں لانا محال ہے۔ خیر جہاں تک قلم میں طاقت ہے۔ کوشش تو کرتا ہوں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

علمائے حسد پیشہ:

علمائے حسد پیشہ بادشاہی دربار میں مکروفریب کی جنس کو سوگداری میں لگا کر فتنہ اور فساد اٹھاتے تھے۔ مگر نیک اشخاص موجود تھے۔ نیکی کے پانی سے آگ بجھا دیتے تھے۔ اکبر کے ابتدائی زمانہ میں راستی پیشہ سچے ملنسار الگ ہو گئے تھے۔ شیطانوں اور فتنہ پردازوں نے قابو پائے۔ مقربان درگاہ کا سرگروہ عداوت پر کمر باندھ کر تیار ہوا (مخدوم مراد ہے یا صدر) پدر بزرگوار ایک دوست آلہی کے گھر گئے تھے اور میں ساتھ تھا۔ کہ وہ مغرور تکبر فروش وہاں آیا۔ اور مسئلے بگھارنے لگا۔ مجھے جوانی کے نشہ میں عقل کی مستی چڑھی ہوئی تھی۔ آنکھ کھول کر مدرسہ ہی دیکھا تھا۔ بازار معاملات کی طرف قدم بھی نہ اٹھایا تھا۔ اس کی بے ہودہ بکواس پر قدرت نے میری زبان کھولی۔ میں نے بات کی نوبت وہاں تک پہنچائی۔ کہ وہ شرما کر اٹھ گیا۔ اور دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اسی وقت سے احمقانہ انتقام کی فکر میں پڑا۔ جو فتنہ گر ہار کر بیٹھ رہے۔ انہیں جا کر پھر بھڑکا دیا۔

Marfat.com

والد کی دانش نگاہ:

والد بزرگوار ان کی دغابازیوں سے بےخبر اور میں علم کے نشوں میں چور۔ دنیا پرست بے دینوں نے عقلمند دغولیوں کی طرح حق گزاری اور دین آرائی کے رنگ میں جلسے جمائے۔ چند لالچیوں کے دلوں پر شبخون مار کر اکثروں کو گوشہ نیستی میں بھیج دیا۔ اور بندوبست کرنے لگے۔ ایک دور خا، مکار، دوغلا دغاباز پیدا کیا کہ روباہ بازی سے والد کی دانش نگاہ میں نیک بن کر گھسا ہوا تھا۔ اور اندر سے ادھر یک دل دو قالب تھا۔ دشمنوں نے اسے ایک پٹی پڑھا کر اور بے ہوشی کا منتر سکھا کر آدھی رات کو بھیجا۔ وہ شعبدہ باز نیرنگ ساز اندھیری رات میں منہ بسورتا آنکھوں میں آنسو، بڑے بھائی (فیضی) کے حجرہ میں پہنچا۔ اور طلسمات کے ڈھکوسلے سنا کر بھائی بیچارے کو گھبرا دیا۔ اسے دغا وفریب کی کیا خبر، بہکاوے میں نہ آتا تو کیا کرتا۔ کہا یہ کہ بزرگان زمانہ مدت سے آپ کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اور کھوٹے ناشکروں کو شرم آتی نہیں۔ آج انہوں نے قابو پا کر بلوہ کیا ہے۔ کچھ علماء مدعی کھڑے ہوئے ہیں۔ چند عمامہ بند گواہ ہوئے ہیں۔ اور جو طوفان باندھے ہیں۔ ان کے لئے حیلے حوالے تیار کئے ہیں۔ سب جانتے ہیں۔ کہ ان شخصوں کو بارگاہ مقدس میں کیسا درجہ اعتبار ہے۔ اپنی گرم بازاری کے لئے کیسے کیسے سرفرازوں کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اور کیا کیا ستم کئے ہیں۔ میرا ایک دوست ان کی رازگاہ میں ہے۔ اس نے اس آدھی رات میں آ کر مجھے خبر دی۔ میں بے قرار ہو کر ادھر دوڑا۔ ایسا نہ ہو کہ تدارک کا وقت ہاتھ سے جاتا رہے۔ صلاح یہ ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ شیخ کو ابھی کہیں لے جا کر چھپا دو۔ جب تک دوست جمع ہو کر حقیقت حال بادشاہ تک نہ پہنچائیں۔ سب چھپے رہیں۔ بھائی سیدھا سادہ نیک ذات اسے وہم زیادہ ہوا۔ بے اوسان شیخ کی خلوت گاہ میں آیا اور حال بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ دشمن تو غالب ہو رہے ہیں۔ مگر خدا موجود ہے۔ بادشاہ عادل سر پر ہے۔ عقلائے ہفت کشور موجود ہے۔ اگر چند بے دیانت اور بے دینوں کو حسد کی بدمستی نے بےچین کیا ہے۔ تو اصلیت بھی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ دریافت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا۔ اور یہ بھی سمجھ لو۔ اگر تقدیر الٰہی میں ہمارا آزار نہیں لکھا تو سارے دشمن امنڈ آئیں۔ بال بیکا نہ کر سکیں گے۔ اور دغا کا ایک داؤں نہ چلے گا۔ ہاں خدا کی مرضی یہی ہے۔ تو خیر۔ ہم نے بھی اس خاک تودہ سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ ہنستے کھیلتے نقد زندگی حوالے کر دیتے ہیں۔

قسمت کی گردش:

قسمت کی گردش نے عقل لے لی تھی۔ غم وغصہ سپرد کر دیا تھا۔ فیضی حقیقت طرازی کو افسانہ

Marfat.com

سرائی اور خوشی کے ابھار کو سوگواری سمجھے۔ چھری پر ہاتھ ڈال کر کہا کہ دنیا کے معاملے اور ہیں اور تصوف کی داستان اور شے ہے۔ اگر آپ نہیں چلتے تو میں اپنا کام تمام کرتا ہوں۔ پھر آپ جانیئے۔ میں تو روز بد نہ دیکھوں۔ یہ سن کر باپ کی محبت اٹھ کھڑی ہوئی۔ پیر نورانی کے جگانے سے میں بھی جاگا۔ مجبوراً اسی اندھیری رات میں تینوں پیادہ پا نکلے۔ نہ کوئی راہبر، نہ پاؤں میں طاقت، پدر بزرگوار چپ نیرّ نئے زمانہ کا تماشا دیکھیں۔ میں اور بھائی جانتے تھے۔ کہ زمانہ کے کاروبار اور دنیا کے معاملوں میں ہم سے سوا نادان کون ہوگا۔ گفتگو شروع ہوئی۔ کہ جائیں تو جائیں کہاں۔ جس کا وہ نام لیتے میں نہ مانتا۔ جسے میں کہتا وہ اعتراض کرتے۔ عقل حیران کہ کیا کیجیئے۔ (ابوالفضل اس عالم میں کہتے ہیں)۔

دشمناں دست کیں بر آوردند | دوستے مہرباں نے یابیم
یک جہاں آدمی ہے یابیم | مردے درمیاں نے یابیم
ہم بدشمن دروں گریزم از انکہ | یاری از دوستاں نے یابیم

میں ابھی نوجوان ناتجربہ کار صبح ولادت کا منہ نہار، خاکی بازار کا دوالیہ، معاملات دنیا کے خواب وخیال سے خبر تک نہیں۔ بڑے بھائی ایک شخص کو صاحب حقیقت سمجھے ہوئے تھے۔ وہیں پہنچے۔ آسودہ دلوں کو دیکھ کر اس کا دل ٹھکانے نہ رہا۔ گھر سے نکل کر پچھتایا، ہکا بکا رہ گیا مگر مجبور۔ دم لینے کو جگہ بتائی اس ویرانہ میں گئے۔ تو اس کے دل سے سوا پریشانی، عجب حالت گزری۔ اور غضب غم واندوہ چھایا۔ بڑے بھائی پھر بھی مجھ ہی پر جھنجھلانے لگے۔ کہ زیادہ عقل نے زیادہ خراب کیا۔ باوجود کمی تجربہ کے تم ٹھیک سوچے تھے۔ اب کیا علاج اور فکر کا رستہ کیا ہے۔ اور کہاں ہو کہ ذرا بیٹھ کر آرام کا سانس تو لیں۔ میں نے کہا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اپنے کھنڈلے کو پھر چلو۔ گفتگو آن پڑے تو مجھے وکیل کر دو۔ یہ جو ارباب زمانہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی چادریں اتارلوں گا۔ اور بند کام کھل جائیگا۔ والد نے کہا آفرین ہے۔ میں بھی اسی کے ساتھ ہوں۔ بھائی پھر بگڑے اور کہا۔ تجھے ان معاملوں کی خبر نہیں۔ ان لوگوں کی مکاری اور چھل بٹوں کو تو کیا جانے۔ اب گھر کو چھوڑ و اور رستہ کی بات کہو۔ اگرچہ میں نے تجربہ کے جنگل نہیں پائے تھے۔ اور نفع نقصان کا مزہ نہ اٹھایا۔ مگر خدا نے دل میں ڈالی۔ میں نے کہا۔ دل گواہی دیتا ہے کہ اگر کوئی آسمانی بلا نہ آن پڑے۔ تو فلاں شخص رفاقت کرے۔ ہاں کوئی سخت موقع آن پڑے۔ تو تھمنا بھی مشکل ہے۔ رات کا وقت اور وقت تنگ، دل پریشان، خیر ادھر ہی قدم اٹھائے۔ پاؤں میں آبلے۔ دل اور رہزن کے میدان..... چلے جاتے تھے مگر توبہ کرتے جاتے کہ کیا وقت ہے۔ توکل کی رسی مٹھی سے نکلی ہوئی، مایوسی کی راہ سامنے، ایک عالم

Marfat.com

اپنا تلاشی، قدم بھی مشکل سے اٹھتا تھا اور سانس سخت جانی ہی سے آتا تھا۔ عجب حالت تھی۔ رات ہے تو خطرناک، کل ہے تو روز قیامت، بدذاتوں کا سامنا۔ غرض صبح ہوتے ہی اس کے دروازے پر پہنچے۔ وہ گرم جوشی سے ملا۔ اچھے خلوت خانہ میں اترا۔ غمہائے گونا گوں ذرا الگ ہوئے۔ دو دن نچنت گزرے۔ اور کچھ خاطر جمع سے بیٹھے۔ مگر بیٹھنا کہاں؟ خبر آئی کہ آخر حسد کے جلوتروں نے شرم کا پردہ پھاڑ کر دل کے پھپھولے پھوڑے۔ پکے دغولیوں کی چال چلے ہیں۔ جس رات ہم گھر سے نکلے صبح کو عرض و معروض کر کے بادشاہ کو بھی بدمزہ کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ ملکی اور مالی کام تے بے تمہاری صلاح کے چلتے نہیں۔ یہ تو خاص دین و آئین کی بات ہے۔ اس کا سرانجام تمہارا کام ہے۔ محکمہ عدالت میں بلاؤ۔ جو شریعت فتویٰ دے اور بزرگان زمانہ قرار دیں وہ کرو انہوں نے جھٹ بادشاہی چوبداروں کو ہلکار کر بھیج دیا۔ کہ پکڑ لاؤ۔ حال انہیں ہی معلوم تھا ڈھونڈ بھال میں بہت عرق ریزی کی۔ کچھ بدذات شیطان ساتھ کر دیئے تھے۔ گھر میں نہ پایا تو جھوٹ بات کو سچ بنا کر گھر کو گھیر لیا۔ پہرے بٹھا دیئے۔ اور شیخ ابوالخیر (چھوٹے بھائی) ناسمجھ لڑکے کو گھر میں پایا اسی کو پکڑ کر لے گئے۔ ہماری روپوشی کے افسانے کو بڑی آب و تاب سے عرض کیا۔ اور اسے اپنی باتوں کی تائید سمجھے۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ بادشاہ نے سن کر خود فرمایا کہ شیخ کی عادت ہے سیر کو نکل جاتا ہے۔ اب بھی کہیں گیا ہوگا۔ ایک درویش گوشہ نشین، ریاضت کیش، دانش اندیش پر اتنی سخت گیری کیوں؟ اور بے فائدہ الجھنا کس لئے؟ اس بچہ کو ناحق لے آئے۔ اور گھر پر پہرے کیوں بٹھا دیئے؟ اسی وقت بھائی کو چھوڑ دیا اور پہرے بھی اٹھ آئے۔ گھر پر امن و امان کی ہوا چلی۔ ابھی نحوست رستہ میں تھی اور وہم غالب تھا۔ روز الٹی سلٹی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ پھر چھپنا ہی مصلحت سمجھے۔

مصائب و مشکلات کا دور:

اب کمینے بدذات شرمائے۔ مگر سوچے کہ اس وقت یہ آوارہ و سرگرداں پھر رہے ہیں۔ ان کا کام تمام کر دینا چاہئے۔ دو تین سینہ سیاہ بھیجو کہ جہاں پائیں فیصلہ کر دیں۔ انہیں ڈر یہ ہوا تھا کہ مبادا بادشاہ کے الفاظ سن کر حضور میں آموجود ہوں۔ اور دین و داد کے دربار کو عقل کے اجالے سے روشن کر دیں۔ اس لئے بادشاہ کے جواب کو چھپایا۔ دہشت اور وحشت کی ہوائیاں اڑا کر بھولے بھالے دوست اور زمانہ ساز یاروں کو ڈرا دیا۔ رنگ برنگ کے بانے باندھے۔ ان کا یہ عالم ہوا کہ اندیشہ ہائے دور دراز میں ڈانواڈول ہو کر امداد خیالی سے بھی بھاگنے لگے۔ ایک ہفتہ گزرا تو صاحب خانہ نے گھبرا کر آنکھیں پھیریں اور اس کے نوکروں نے بھی فرش مروت کو الٹ دیا۔ وہموں کے

Marfat.com

سلوٹوں میں ہماری عقل بھی دب گئی۔ خیال یہ ہوا کہ دربار والی خبر جو سنی تھی۔ شاید جھوٹ ہو۔ اور بادشاہ خود متلاشی ہوں۔ وقت برا ہے زمانہ پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مبادا یہ گھر والا ہی پکڑوا دے۔ عجب غم واندوہ دل پر چھایا اور بڑا اندیشہ ہوا۔ میں نے کہا اتنا تو میں جانتا ہوں۔ کہ دربار والی خبر ضرور صحیح ہے۔ نہیں تو بھائی کو کیوں چھوڑا۔ اور پہرے گھر سے کیوں اٹھے۔ امن وامان کے زمانہ میں ہزاروں ہوائیاں اڑاتے تھے۔ اور اچھے اچھے اشراف کمر باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اب تو دنیا میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ گھر والا اگر ڈر اتھا تو عجب کیا ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اسے ہمارا پکڑوانا ہوتا تو ظاہر داری کو نہ بدلتا۔ اور اس میں دیر کیوں کرتا۔ ہاں یہ ہے کہ بہت سے شیطانوں نے اسے بولا دیا ہے۔ اور نوکروں کو گھبرا دیا ہے۔ کہ ہم تلخی و بدخوئی دیکھ کر نکل جائیں۔ اور اس کا پیچھا چھوڑ دیں۔

ہوش وحواس ٹھکانے کر کے پھر صلاح سوچنے لگے۔ روز مصیبت کو دیکھا تو کل کی رات سے بھی سوا اندھیرا تھا۔ برا وقت سامنے آیا۔ پہلے جان پہچان نکالنے اور حال کی رائے لگانے پر مجھے سب نے آفرین کی۔ اور آئندہ کیلئے ستون مشورت قرار دیا۔ خوردسالی سے قطع نظر کر کے عہد کیا کہ اب اس کے خلاف رائے نہ کریں گے۔ شام ہوئی تو اس ویرانے سے نکلے، دل ہزار پارہ، دماغ شوریدہ، سینہ زخم اندوز، خاطر گرانبار اندوہ رفیق خیال میں نہیں، پاؤں میں زور نہیں، پناہ کا ٹھکانا نہیں، زمانہ میں امن وامان نہیں۔ ایک قصبہ نظر آیا۔ اس بھوت نگر اندھیر پورے میں بجلی سی چمکی اور چہرہ نشاط کا رنگ نکھرا (ایک شاگرد کا گھر معلوم ہوا) دل خوش ہو گئے۔ وہاں جا کر ذرا آرام کا سانس لیا۔ ہر چند گھر اس کے دل سے سوا تنگ اور دن پہلی رات سے بھی اندھیرا تھا۔ مگر ذرا دم لیا۔ اور بے ٹھکانے سرگردانی سے ٹھکانے ہوئے۔ گوشہ میں فکر دوڑنے لگے۔ اور عقلیں سوچ میں لمبے لمبے قدم مارنے لگیں۔

جب آرام کی جگہ اور اطمینان کا منہ کسی طرف نظر نہ آیا۔ تو میں نے جواب کی عبارت اسی طرح سجائی کہ یہ اچھے اچھے دوست اور پرانے پرانے شاگرد۔ خوش اعتقاد مریدوں کا حال چند ہی روز میں روشن ہو گیا۔ اب صلاح وقت ہے کہ یہ شہر وبال خانہ عقل اور گزندگاہ کمال ہے۔ یہاں سے نکل چلیں۔ ان دوستوں اور بے استقلال آشناؤں سے جلد کنارے ہوں۔ خوب دیکھ لیا۔ ان کی وفاداری کا قدم ہوا پر ہے اور پائداری کی بنیاد موج دریا پر۔ اور شہر کو چلو، کہیں خلوت کا گوشہ ملے۔ کوئی انجان خوش سعادت اپنی پناہ میں لے۔ وہاں سے بادشاہ کا حال معلوم ہو۔ مہر وقہر کا اندازہ ٹٹولیں۔ گنجائش ہو تو نیک اندیش انصاف طرازوں سے پیام سلام ہوں۔ زمانہ کا رنگ و بو دیکھیں۔ وقت مدد کرے اور بخت یاری دے تو اچھا نہیں تو میدان عالم تنگ نہیں پیدا ہوا۔ پرندہ تک کے لئے گھونسلا اور شاخ

Marfat.com

ہے۔ اسی منحوس شہر پر قیامت کے قبالے نہیں لکھے۔ ایک اور امیر دربار سے اپنے علاقہ کو رخصت ہوا ہے۔ اور آبادی کے پاس اترا ہے۔ اسی کے روزنامہ احوال میں کچھ نور کی سطریں نظر آتی ہیں۔ سب سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اس کی پناہ میں چلو۔ مقام بھی بے نشان ہے۔ شاید ذرا آرام ملے۔ اگرچہ دنیا داروں کی آشنائی کا بھروسہ نہیں۔ مگر اتنا تو ہے کہ ان فتنہ پردازوں سے اس کا لگاؤ نہیں۔

ترک دلاوروں کی ہمنوائی:

بڑے بھائی بھیس بدل کر اس کے پاس پہنچے۔ وہ سن کر بہت خوش ہوا اور ہمارے آنے کو غنیمت سمجھا۔ خوف و خطر کا زور تھا۔ اس لئے بھائی کئی ترک دلاوروں کو ساتھ لیتے آئے۔ کہ بدذات ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ رستہ میں کوئی آفت پیش نہ آئے۔ اندھیری رات مایوسی کی چادر اوڑھے پڑی تھی کہ وہ دل آگاہ پھر کر آیا۔ اور آرام کی خوشخبری اور آسودگی کا پیام لایا۔ اسی وقت بھیس بدل کر روانہ ہوئے۔ اور رستے سے الگ الگ اس کے ڈیرہ میں داخل ہوئے۔ اس نے نہایت اطمینان اور عجب خوشی ظاہر کی۔ آسائش نے مژدہ سعادت سنایا۔ دن آرام سے گزرا۔ زمانہ کے فتنہ و فساد سے خاطر جمع بیٹھے تھے۔ کہ یکا یک جو پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے بھی سخت تر بلا آسمان سے برس پڑی۔ یعنی امیر مذکور کیلئے دربار سے پھر طلب آئی۔ لوگوں نے جس شراب سے پہلے احمق کو بدحواس کیا تھا اس بھولے بھالے کو بھی بولا دیا۔ اس نے آشنائی کا ورق ایسا دفعتاً الٹ دیا کہ رات ہی کو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک اور دوست کے گھر آئے۔ اس نے تو پیر نورانی کے آنے کو ورود مبارک سمجھا مگر ہمسایہ میں ایک بدذات فتنہ پرداز تھا۔ اس لئے بہت گھبرایا اور حیرت نے باؤلا بنا دیا۔ جب لوگ سو گئے تو یہاں سے بھی نکلے۔ اور بے ٹھکانے نکلے ہر چند فکر دوڑانے اور دل ٹھکانے کر کے ذہن لڑائے۔ کوئی جگہ سمجھ میں نہ آئی۔ ناچار دل ڈانواں ڈول خاطر غم آلود۔ اسی امیر کے ڈیروں میں پھر آئے۔ عجب تر یہ کہ وہاں کے لوگوں کو ہمارے نکلنے کی خبر بھی نہ تھی۔ خیر بے آس بے سہارے تھوڑی دیر حواس جمع کر کے بیٹھے۔ بڑے بھائی کی رائے ہوئی۔ کہ عقل کی رہنمائی نہ تھی، وہم کی سرگردانی تھی۔ جو یہاں سے نکلے تھے۔ ہر چند میں نے کہا۔ کہ اس کی حالت کا رنگ بدلنا اور نوکروں کا آنکھ پھیرنا صاف دلیل ہے۔ مگر اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا۔ امیر مذکور کی بدمزگی بڑھتی جاتی تھی۔ مگر کچھ ہو بھی نہ سکتا تھا۔ جب اس اوچھے تنگ ظرف دیوانہ مزاج نے دیکھا کہ یہ قباحت کو نہیں سمجھتے۔ اور خیمہ سے نہیں نکلتے۔ تو روز روشن، نہ بات کی نہ صلاح کوچ کر گیا۔ پیسہ کے بندے (نوکر چاکر اس کے) خیمہ اکھاڑ روانہ ہوئے۔ ہم تینوں میدان خاک پر بیٹھے رہ گئے۔ عجب حالت ہوئی۔ نہ جانے کو راہ نہ

Marfat.com

ٹھہرنے کو جگہ۔ پاس اسپ فروشی کا بازار لگا تھا۔ نہ کوئی پردہ نہ کچھ اوٹ، چار طرف یا دوتو رخے آشنا اور دشمنان صد رنگ تھے۔ یا ناواقف کرخت پیشانی یا بدعہد بے وفا دوڑے پھرتے تھے۔ ہم دشت بے پناہ میں خاک بیچارگی پر بیٹھے، حال بدحال، صورت پراگندہ، زمانہ ڈراؤنا، غم واندوہ کے لمبے لمبے کوچوں میں خیالات ڈانواں ڈول پھرنے لگے۔

گردشِ ایام کا زمانہ:

اب اٹھنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ ناچار چلے۔ بداندیشوں کی بھیڑ میں بیچوں بیچ سے ہو کر نکلے۔ حفاظت الٰہی نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اسی پر توکل کیا۔ اس خطرگاہ سے باہر آئے۔ اب ہمراہی و مسازی کی عمارت کو دریا برد کیا۔ بیگانوں کی ملامت اور آشناؤں کی صاحب سلامت کو سلام کر کے ایک باغیچہ میں پہنچے۔ یہ چھوٹی سی جگہ بڑی پناہ کا گھر معلوم ہوا۔ گئے ہوش ٹھکانے آئے اور عجب قوت حاصل ہوئی۔ مگر معلوم ہوا ادھر بھوتوں کا گزر ہے (جاسوس) اور انہوں نے پھرتے پھرتے تھک کر یہیں کہیں دم لیا ہے۔ الٰہی پناہ، دل پارہ پارہ، حالت پریشاں وہاں سے بھی نکلے۔ غرض جہاں جاتے تھے۔ بلائے ناگہانی ہی نظر آتی تھی۔ دم لیتے تھے اور بھاگ نکلتے۔ گھبراہٹ کی دوڑا دوڑ اور اندھوں کی بھاگا بھاگ تھی۔ اس عالم میں ایک باغبان ملا۔ اس نے پہچان لیا۔ ہم گھبرا گئے اور ایک سناٹے کا عالم ہو گیا۔ قریب تھا کہ دم نکل جائے۔ مگر اس سعادت مند نے بڑی تسلی دی۔ اپنے گھر لایا۔ بیٹھ کر غمخواری کی۔ اگرچہ بھائی کا اب بھی ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ مگر میرا دل خوش ہوتا تھا اور خوشی بڑھتی جاتی تھی۔

اس کی خوشامد سے دوستی کے ورق پڑھ رہا تھا اور پیر نورانی کے خیالات خدا سے لو لگائے سجادہ معرفت پر ٹہل رہے تھے۔ اور نیرنگئے تقدیر کا تماشا دیکھتے تھے۔ کچھ رات گئے پھر باغ والا آیا اور شکایت کرنے لگا کہ مجھ جیسے مخلص معتقد کے ہوتے اس شورس گاہ میں آپ کہاں رہے؟ اور مجھ سے کنارہ کیوں کیا؟ فی الحقیقت یہ بیچارا جتنا نیک تھا۔ میرے قیاس میں اتنا نہ تلا تھا۔ ذرا دل شگفتہ ہوا میں نے کہا دیکھتے ہو طوفان آیا ہوا ہے۔ یہی خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو دوستوں کو ہمارے سبب سے دشمنوں کا آزار پہنچے۔ وہ بھی ذرا خوش ہوا اور کہا اگر میرا کھنڈلا پسند نہیں تو اور جگہ نکالتا ہوں۔ نچنت ہو کر وہاں بیٹھو۔ ہم نے منظور کیا۔ وہاں جا اترے اور جیسا جی چاہتا تھا ویسی ہی خلوت پائی۔ گھر والوں کو بھی خاطر جمع ہوئی۔ کہ جیتے تو ہیں۔ ایک مہینے سے زیادہ اس آرام خانہ میں رہے یہاں سے آشنایان با انصاف اور دوستان با اخلاص کو خط لکھے۔ ہر شخص کو خبر ہوئی اور تدبیریں کرنے لگے۔ ادھر

Marfat.com

بھائی نے ہمت کی کمر باندھی۔ پہلے آگرہ اور وہاں سے فتح پور پہنچے کہ اردوئے معلیٰ میں جو دوست تدبیروں میں دلسوزی کر رہے ہیں انہیں اور گرمائیں۔

اکبر کی دربار میں ایک شخص کی تقریر:

ایک دن صبح کا وقت تھا کہ محبت کا پتلا دور اندیش بھائی ہزاروں غم واندوہ کو رفاقت میں لئے پہنچا زمانہ سنگدل کا پیام لایا کہ بزرگان دربار میں سے ایک شخص نے شیاطین کی افسانہ سازی کا حال سن کر مارے غصہ کے نیاز مندی اور آداب کے نقاب منہ سے الٹ دیئے تند اور سخت تقریر سے عرض کیا کہ حضور! کیا آخری دور تمام ہوتا ہے؟ قیامت آگئی؟ حضور کی بدشاہی میں بدکار بددماغوں کو فراغتیں ہیں، اور نیک مردوں کو سرگردانی، یہ کیا قانون چل رہا ہے۔ اور کیسی خدا کی ناشکری کی ہے۔ بادشاہ نے نیک نیتی پر رحم کر کے فرمایا۔ کس کا ذکر کرتے ہو؟ اور کس شخص سے تمہاری مراد ہے؟ خواب دیکھا ہے یا دماغ عقل پریشان ہو رہا ہے۔ جب اس نے نام لیا تو حضرت اس کی کج فہمی پر بگڑے۔ اور کہا کہ اکابران زمانہ نے اس کی دل آزاری اور جان کھونے پر کمر باندھ کر فتوی تیار کئے ہیں۔ مجھے ایک دم چین نہیں دیتے اور میں جانتا ہوں کہ آج شیخ وہاں موجود ہے (صاف ہمارے مقام کا نام لے دیا) مگر جان کر انجان بنتا ہوں۔ کسی کو کچھ کسی کو کچھ کہہ کر ٹال دیتا ہوں۔ تجھے خبر نہیں۔ یوں ہی ابلا پڑتا ہے اور حد سے بڑھا جاتا ہے۔ صبح آدمی بھیج کر شیخ کو حاضر کرو اور علما کا ہنگامہ جمع ہو۔ بڑے بھائی نے یہ شورش سنتے ہی راتوں رات یلغار کر کے اپنے تئیں ہمارے پاس پہنچایا۔

آگرہ کو روانگی:

ہم نے پھر وہی بھیس بدلا۔ کسی کو خبر نہ کی اور (آگرہ) کو چل کھڑے ہوئے۔ مگر ایسی پریشانی ہوئی کہ تمام ایام نحوست میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ کھل گیا تھا۔ کہ لوگ کہاں تک ساتھ ہیں۔ اور دادگر شہریار سے کیا کیا کہا ہے۔ اور غیب دان کو کتنی خبر ہے۔ لیکن پریشانی نے سخت بولا دیا کہ خدا جانے وقت پر اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ پہلے موت کے منہ سے بھاگے جاتے۔ اب موت کے منہ میں چلنے لگے۔ اندھیری راست آوارگی کا رستہ۔ چپ چاپ سناٹے کے عالم میں چلے جاتے تھے۔ کہ آفتاب نے دنیا کو نورستان کیا اب یہ عالم کہ بدگو ہر اندھیر چیوں کا ہجوم، شہر کا رستہ، بدذات جاسوسوں کا ہنگامہ، یار دیاور کوئی نہیں۔ اترنے کو جگہ نہیں، زبان فصیح لڑکھڑائی جاتی ہے۔ زبان شگفتہ ترسل بیچارہ کیا لکھ سکے۔ گھبرائے بولائے ایک ویران کھنڈر میں گھس گئے۔ شہر کے شور وشر اور دشمنوں کی نظر سے ذرا آسودہ ہوئے۔ بادشاہ عالم کی نوازش کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ سب کی رائے ہوئی کہ

Marfat.com

گھوڑوں کا سامان کریں۔ اور یہاں سے فتح پور سیکری کو چلیں۔ وہاں فلانے شخص سے قدیمی صداقت کا سلسلہ ہے۔ انہیں کے گھر جا بیٹھیں۔ شاید کہ یہ غوغا تھم جائے۔ اور بادشاہ عنایت فرمائیں۔ پھر دیکھ لیں گے۔

غرض معقول لوگوں کی طرح سامان کر کے رات کو روانہ ہوئے۔ وہ حاسدوں کے خیالات سے بھی اندھیرے اور بکواسیوں کے افسانہ سے کہیں لمبے تھے۔ چلے جاتے تھے۔ راہبر کی بیوقوفی اور کج روی میں بھٹکتے بھٹکتے صبح ہوتی تھی۔ کہ اس اندھیر خانہ میں پہنچے۔ وہ نادان جگہ سے تو نہ پھسلا مگر ایسے ڈراؤنے ڈھکوسلے سنائے۔ کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ مہربانی کے رنگ میں کہا کہ اب وقت گزر گیا اور بادشاہ کا مزاج تم سے برہم ہو گیا۔ پہلے آجاتے تو کچھ صدمہ نہ پہنچتا۔ مشکل کام آسانی سے بن جاتا۔ پاس ہی ایک گاؤں ہے جب تک بادشاہ نوازش پر مائل ہوں۔ وہاں چند روز بسر کرو۔ گاڑی پر بٹھایا اور روانہ کر دیا۔

مصیبت در مصیبت:

مصیبت در مصیبت پیش آئی۔ وہاں پہنچے تو جس زمیندار کی امید پر بھیجا تھا وہ گھر میں نہ تھا۔ اس اجاڑ نگری میں جا اترے۔ مگر بیجا۔ وہاں کے داروغہ کو کوئی کاغذ پڑھوانا تھا۔ اس نے پیشانی سے دانائی کے آثار معلوم کر کے بلا بھیجا۔ وقت تنگ تھا۔ ہم نے انکار کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا کہ یہ گاؤں تو ایک سنگ دل بدمغز کا ہے۔ انہوں نے بیوقوفی کی کہ یہاں بھیجا۔ ہزار بے قراری اور غم واندوہ کے ساتھ جانوں کو وہاں سے نکالا۔ ایک انجان سا راہبر ساتھ تھا۔ بھولتے بھٹکتے آگرہ کے پاس ایک گاؤں میں آکر اترے کہ وہاں ایک گھر میں آشنائی کی بو آتی تھی۔ اس دن کے راہ رستے لپیٹ سپیٹ کر تمیں کوس راہ چلے۔ وہ بھلا مانس بڑی مروتوں سے پیش آیا۔ مگر معلوم ہوا کہ ایک جھگڑالو جعلساز کی زمین وہاں ہے۔ اور کبھی کبھی ادھر بھی آن نکلتا ہے۔ آدھی رات تھی کہ اندوہناک دلوں کو لے کر یہاں سے بھی بھاگے۔ صبح ہوتے ہی شہر میں پہنچے۔ ایک دوست کے گھر میں امن کا گوشہ پایا۔ نامرادی کا خاکدان، فراموشی کی خوابگاہ، نااہلی کا بھوت نگر، کم ظرفی کا کنج پورہ تھا۔ ذرا آرام سے دم لیا۔ دم بھر نہ گزرا تھا کہ اس بے مروت خدا آزار، خود مطلب نے یہ سری چھوڑی۔ کہ ہمسایہ میں ایک فتنہ کار بدروزگار رہتا ہے نئی بلا نظر آئی۔ اور عجب مصیبت نے شکل دکھائی۔ پاؤں دوڑا دوڑ سے۔ سیر راتوں کے سفر سے، کان گھڑیالوں سے، آنکھیں بے خوابی سے فرسودہ ہو گئی تھیں۔ عجیب درد وغم دل پر چھایا۔ اور رنج کا پہاڑ چھاتی پر آن پڑا۔ سب کے فکر سوچ بچار میں لگ گئے۔ صاحب خانہ

Marfat.com

ادھر ادھر جگہ ڈھونڈتا پھرے دو دن عجب کشاکش میں بسر ہوئے۔ ہر سانس یہی کہتا تھا کہ دم آخر ہوں۔

تنگ دستی میں دریا دلی:

پیر نورانی کو ایک سعادت مند کا خیال آیا۔اور صاحب خانہ نے بڑی جستجو سے اس کا گھر نکالا۔ اتنی بات بھی ہزاروں سلامتی کے شادیانے تھے۔اسی وقت اس کی خلوت گاہ میں پہنچے۔اس کی شگفتہ روی اور کشادہ پیشانی سے دل خوش ہو گیا۔امیدوں کے گلبن پر کامیابی کی نسیم لہرانے لگی۔اور چہرہ حال پر اور ہی شگفتگی آئی۔اگرچہ مرید نہ تھا۔مگر سعادت کے ذخیرے بھرے ہوئے تھے۔گمنامی میں نیک نامی سے جیتا تھا۔کم مائیگی میں امیری سے رہتا تھا۔تنگ دستی میں دریا دلی کرتا تھا۔بڑھاپے میں جوانی کا چہرہ چمکاتا تھا۔اس کے ہاں خلوت گاہ پسندیدہ ہاتھ آئی۔تدبیریں ہونے لگیں۔اور پھر خطوط بازی شروع ہوئی۔اس آرام آباد میں دو مہینے ٹھہرے۔بارے مقصود کا دروازہ کھلا۔خیر اندیش حق طلب مدد کو اٹھ کھڑے ہوئے۔اور کاروان اقبال مندیاوری کرنے کو بیٹھ گئے۔اول تو میل ملاپ کی میٹھی میٹھی باتوں سے فتنہ ساز، حیلہ پرداز اور کھوٹے بداعمالیوں کو پرچایا۔اور پتھروں کو موم کیا۔پھر شیخ کے کمالات اور نیکیاں اور خوبیاں ایک خوبصورتی کے ساتھ حضور تک پہنچائیں۔اورنگ نشین اقبال نے دور بینی اور قدر شناسی کی رو سے جواب دیئے کہ محبت سے لبریز تھے۔بزرگی اور مردی کے رستہ سے بلا بھیجا۔میرا تو ان دنوں تعلق دنیا کی طرف سر جھکتا ہی نہ تھا۔پیر نورانی بڑے بھائی کو ساتھ لے کر دربار ہمایوں میں گئے۔رنگارنگ کی نوازشوں سے رتبے بڑھے۔یہ دیکھتے ہی ناشکروں میں سناٹا ہوا۔بھڑوں کا چھتا چپ چاپ ہو گیا۔اور عالم کا تلاطم تھم گیا۔درس کا ہنگامہ گرم ہوا۔خلوت گاہ تقدس کی آئین بندی ہوئی۔نیک مردوں کے قانون زمانہ نے جاری کیے (ابوالفضل اس عالم میں کہتے ہیں)

اے شب نہ کنی آں ہمہ پرخاش کہ دوش   راز دل من چناں مکن فاش کہ دوش
ہاں اے شب وصل آں چناں باش کہ دوش   دیدی چہ دراز بود دوشینہ شبم

حضرت دہلی کے شوق طواف نے پیر نورانی کا دامن کھینچا۔مجھے چند شاگردوں کے ساتھ لے گئے۔جب سے آگرہ میں آکر بیٹھے تھے۔اس گوشہ نورانی میں عالم معنی پر اس قدر خیال جما تھا۔کہ عالم صورت پر نگاہ کی نوبت نہ آتی تھی۔یکبارگی عالم سفلی کے مطالعہ نے دل کا گریبان پکڑا۔اور ہمت کا دامن پھیلایا کہ رشتہ خاکی کے علاوہ میرے ساتھ پیوند معنی تھا۔مجھے کہا کرتے تھے۔کہ خاندان کی

Marfat.com

ابوالآبائی تیرے نام رہی۔ مجھ سے راز کی گٹھڑی کھولی کہ آج مجھے جانماز پر نیند آ گئی۔ کچھ جاگتا تھا کچھ سوتا تھا۔ انوار سحری میں خواجہ قطب الدین اور شیخ نظام الدین اولیاء خواب میں آئے۔ بہت سے بزرگ جمع ہوئے۔ وہاں بزم مصالحت آراستہ ہوئی۔ اب عذر خواہی کے لئے ان کے مزاروں پر جانا مناسب ہے۔ کہ چند روز اس سرزمین میں ان کے طور پر مصروف رہیں۔ والد مرحوم اپنے بزرگوں کے طریقہ کے بموجب مسائل ظاہری کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ طنبور و ترانہ اصلا نہ سنتے تھے۔ حال قال جو صوفیوں میں عام ہے، پسند نہ کرتے تھے۔ اس رنگ کے لوگوں کو مطعون کرتے تھے۔ خود بہت پرہیز کرتے تھے۔ اور سخت ممانعت فرماتے تھے۔ اور دوستوں کو روکتے تھے۔ ان بزرگوں نے اس رات اس پیرایز د پرست کا دل لبھالیا۔ (یہ بھی سب کچھ سننے لگے) بہت سے بزرگ اس گلزار زمین (دلی) میں پڑے سوتے تھے ان کی خاک پر گزرا ہوا۔ دل پرنور کے طبقے کھل گئے اور فیض پہنچے۔ اگر اس سرگزشت کی تفصیل لکھوں تو دنیا کے لوگ کہانی سمجھیں گے۔ اور بدگمانی سے گنہگار کرینگے۔ یہاں تک کہ مجھے بھی زاویہ تجرد سے بارگاہ تعلق میں لے گئے۔ دولت کا دروازہ کھولا۔ اعزاز کا مرتبہ بلند ہوا۔ اور حرص کے متوالے حسد کے لوٹے مارے لوگ دیکھ کر بولا گئے۔ میرے دل کو درد اور ان کے حال پر رحم آیا۔ اور خدا سے عہد کیا کہ ان اندھوں کی زیاں کاریوں کا خیال دل سے بھلا دوں۔ بلکہ اس کے عوض میں نیکی کے سوا کچھ خیال نہ کروں۔ توفیق الہٰی کی مدد سے اس خیال میں غالب رہا۔ مجھے عجیب خوشی اور سب کو اور ہی طاقت حاصل ہوئی۔ ان کی بلند پروازیاں تو دیکھ لیں۔ اب ملا صاحب کی بھی دو دو باتیں سن لو۔ کہ اتنے اونچے سے کس طرح نیچے پھینکتے ہیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

شیخ مبارک مہدی و اہل بدعت شیعہ ہونے کا الزام:

جن دنوں میر حبش وغیرہ اہل بدعت (شیعہ) گرفتار اور قتل ہوئے۔ ان دنوں شیخ عبدالنبی صدر اور مخدوم الملک وغیرہ تمام علمانے متفق اللفظ والمعنے ہو کر عرض کی۔ کہ شیخ مبارک مہدوی بھی ہے اور اہل بدعت (شیعہ) بھی ہے۔ گمراہ ہے اور گمراہ کرتا ہے۔ غرض برائے نام اجازت لے کر درپے ہوئے۔ کہ بالکل رفع دفع کر کے کام تمام کر دیں۔ محتسب کو بھیجا کہ شیخ کو گرفتار کر کے حاضر کرے۔ شیخ بچوں سمیت روپوش ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس لئے اس کی مسجد کا ممبر ہی توڑ ڈالا۔ شیخ سلیم چشتی ان دنوں جاہ و جلال کے اوج پر تھے۔ شیخ مبارک نے اول ان سے التجا کر کے شفاعت چاہی شیخ نے بعض خلفا کے ہاتھ کچھ خرچ اور پیغام بھیجا کہ یہاں سے تمہارا نکل جانا مصلحت ہے۔ گجرات چلے

Marfat.com

جاؤ۔ انہوں نے ناامید ہو کر مرزا عزیز کوکہ سے توسل نکالا۔ اس نے ان کی ملائی اور درویشی کی تعریف کی۔ لڑکوں کی فضیلت کا حال بھی عرض کیا اور کہا کہ مرد متوکل ہے۔ کوئی زمین حضور کے انعام کی نہیں کھاتا۔ ایسے فقیر کو کیا ستانا؟ غرض مخلصی ہوگئی۔ گھر آئے اور ویران مسجد کو آباد کیا۔

شیخ مبارک کا نصیبہ نحوست سے نکاح کئے بیٹھا تھا۔ ۶۳ برس کی عمر میں مبارکی آئی اور انہیں دیکھ کر مسکرائی یعنے ۹۷۴ھ میں شاعری کی سفارش سے فیضی دربار میں پہنچے۔ ۹۸۱ھ میں ابوالفضل جا کر میر منشی ہوگئے۔ اور جس عمر میں لوگ سترے بہترے کہلاتے ہیں۔ پیر نورانی جوانی کا سینہ ابھار کر اپنی مسجد میں چہل قدمی کرنے لگے۔

فیضی کی اکبری دربار تک رسائی:

اب اقبال وادبار کی کشتی دیکھو۔ کہ جوان عقلوں نے حریفوں کی بوڑھی تدبیروں کو کیونکر پچھاڑا۔ ادھر تو ابوالفضل اور فیضی کی لیاقتیں انہیں ہاتھوں ہاتھ آگے بڑھا رہی تھیں۔ اور مصلحت انہیں وہ رستے دکھاتی تھی۔ کہ اکبر بلکہ زمانہ کے دل پر ان کی دانائی کے نقش بیٹھ رہے تھے۔ ادھر شیخ الاسلام (مخدوم الملک) اور شیخ صدر سے ایسی باتیں ہونے لگیں جن سے خود بخود ہوا بگڑ گئی۔ اکبر کی قدر دانی اور جوہر شناسی سے دربار میں بہت عالم ہندوستان ایران وتوران کے آکر جمع ہوگئے۔ چار ایوان کا عبادتخانہ علم کا اکھاڑا تھا۔ راتوں کو علمی جلسے ہوا کرتے۔ اکبر خود آکر شامل ہوتا۔ علمی مسائل پیش ہوتے تھے۔ اور دلائل کی کسوٹی پر کسے جاتے تھے۔ جو جو ایذائیں ان بزرگوں کے ہاتھوں باپ نے عمر بھر سہی تھیں اور انہوں نے بچپن میں دیکھی تھیں۔ وہ بھولی نہ تھیں۔ اس لئے ہمیشہ گھات میں لگے رہتے تھے۔ اور حریفوں کی شکست کے لئے ہر مسئلہ میں دلائل فلسفی اور خیالات عقلی سے خلط بحث کر دیتے تھے۔ بوڑھوں کی بوڑھی عقل اور بوڑھی تہذیب کو جوانوں کی جوان عقل اور جوان تہذیب دبائے لیتی تھی۔ اور بے اقبالی بڈھوں کا ہاتھ پکڑے ایسے رستوں پر لئے آجاتی تھی۔ جس سے خود گر کر پڑتے تھے۔

اسے شیخ مبارک کی دور اندیشی کہو، خواہ علو ہمت سمجھو، یہ بڑی دانائی کی۔ کہ باوجود بیٹوں کے علو اقتدار اور کمال جاہ وجلال کے آپ دربار کی کوئی خدمت نہ لی۔ مگر عقل کے پتلے تھے۔ کبھی کبھی صلاح مشورے کے لئے، کبھی کبھی مسئلہ کی تحقیقت کیلئے۔ اور اکبر کو خود بھی علمی مباحثوں کے سننے کا شوق تھا۔ غرض کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا کرتے تھے۔ کہ اکبر جہاں ہوتا وہیں شیخ مبارک کو بلایا کرتا تھا۔ پیر نورانی نہایت شگفتہ بیان اور خوش صحبت تھا۔ اس کی رنگین طبیعت دربار میں بھی خوشبو اور خوش

Marfat.com

رنگ پھول برسایا کرتی تھی۔ بادشاہ بھی اس کی باتیں سن کر خوش ہوتا تھا۔ شیخ کسی فتح عظیم یا شادی یا عیدوغیرہ کی مبارکباد پرضرور آتے تھے۔ اور تہنیت کی رسم ادا کر کے رخصت ہوتے تھے۔

شیخ مبارک کا دربار میں آنا:

جب ۹۸۱ھ میں اکبر گجرات فتح کر آئے تو بموجب رسم قدیم کے تمام عمائد اور روساء اور مشائخ وعلماء مبارکباد کو حاضر ہوئے۔ شیخ مبارک بھی آئے۔ اور ظرافت زبان کی قینچی سے یہ پھول کترے۔ سب لوگ حضور کو مبارکباد دینے آئے ہیں۔ مگر عالم غیب سے میرے دل پر یہ مضمون ٹپکا رہے ہیں۔ کہ حضور چاہئے ہمیں مبارکباد دیں۔ کیونکہ خداوند عالم نے ہمیں دوبارہ سعادت عظمٰی عطا فرمائی یعنے حضور کا جوہر مقدس۔ حضور نے ایک ملک مارا تو حقیقت کیا ہے۔ اگرچہ بڑھاپے کا ناز تھا۔ مگر یہ انداز اکبر کو بہت پسند آیا۔ اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ اور اکثر اس نکتہ کو یاد کیا کرتے تھے۔

نقیب خاں خلوت کی صحبت میں تاریخی اور علمی کتابیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اکثر حیواۃ الحیوان بھی پڑھی جاتی تھی، اس کی عبارت عربی تھی۔ معنے سمجھانے پڑتے تھے۔ اس لئے ابوالفضل کو حکم دیا اور شیخ مبارک نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ کہ اب بھی موجود ہے۔

اکبر کو علمی تحقیقاتوں کا شوق:

اکبر کو علمی تحقیقاتوں کا شوق تھا۔ اور اس کے لئے زبان عربی کا جاننا ضروری ہے۔ اسلئے خیال ہوا کہ عربی زبان حاصل کرے۔ لڑکوں نے کہا ہوگا کہ ہمارے شیخ کو جو پڑھانے کا ڈھب ہے۔ وہ ان مسجدی ملانوں میں سے کسی کو نصیب نہیں۔ باتوں باتوں میں کتابیں دل میں اتار دیتے ہیں۔ شیخ مبارک بلائے گئے۔ فیضی انہیں ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔ اور صرف ہوائی شروع کی۔ اس صحبت میں فیضی نے یہ بھی عرض کی۔ کہ شیخ ما تکلف اصلا ندارد ❶۔ اکبر نے کہا۔ آرے تکلفات راہمہ برشما گذاشتہ اند چندروز کے بعد ہجوم تعلقات سے وہ شوق جاتا رہا۔ اور شیخ کا آنا وہی اتفاقی تقریبوں پر رہ گیا۔ کبھی کبھی آتے اور حکمت، فلسفہ، تاریخ نقل، حکایات غرض اپنی شگفتہ بیانی سے بادشاہ کو خوش کر جاتے۔

---

❶ اس سے یہ مطلب ہوگا کہ جو آداب و تعظیم کے الفاظ اور قواعد دربار میں مقرر ہو گئے تھے۔ اگر شیخ بجا نہ لائے تو بادشاہ کو ناگوار نہ گزرے۔ اور شیخ جس طرح اپنے جلسہ احباب میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اسی طرح بادشاہ کے سامنے بھی باتیں کرتے ہیں۔

Marfat.com

علم موسیقی میں مہارت:

شیخ کو علم موسیقی میں مہارت تھی۔ ایک دفعہ بادشاہ سے اس امر میں گفتگو ہوئی۔ بادشاہ نے کہا کہ اس فن کا جو سامان ہم نے بہم پہنچایا ہے۔ تمہیں دکھائیں گے۔ چنانچہ شیخ منجو۔ اور تانسین وغیرہ چند کلاونتوں کو بلا بھیجا کہ شیخ کے گھر جا کر اپنا کمال دکھائیں۔ شیخ نے سب کو سنا۔ اور تانسین سے کہا۔ شنیدم تو ہم چیزے میتوانی گفت۔ آخر سب کو سن کر کہا۔ کہ جانوروں کی طرح کچھ بھائیں بھائیں کرتا ہے۔ اس کے حریفوں کا چلتا حربہ یہی تھا۔ کہ شریعت کے زور آور فتوؤں کی فوج سے سب کو دبا لیا کرتے تھے۔ اور جسے چاہتے تھے کافر بنا کر رسوا و خوار کرتے تھے۔ بادشاہ وقت کو بغاوت عام کے خطر پیدا کر کے ڈرایا کرتے تھے۔ احکام اسلام کو ہر مسلمان آنکھوں پر لیتا ہے۔ لیکن بعض موقع پر یہ زور ناگوار بھی ہوتا ہے۔ خصوصاً بادشاہ اور اس کی ملکی مصلحتیں۔ کہ ان کے نازک موقع کسی پابندی کو سہار نہیں سکتے۔

اکبر دل میں دق ہوتا تھا۔ مگر جس طرح ہوتا انہیں سے گزارہ کرتا تھا۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ جن دنوں شیخ صدر نے ایک متھرا کے برہمن کو شوالہ اور مسجد کے مقدمہ میں قتل کیا۔ انہی دنوں میں شیخ مبارک بھی کسی مبارکبادی کی تقریب سے حضور میں آئے۔ ان سے بھی اکبر نے بعض بعض مسئلے بیان کیے۔ اور اہل اجتہاد کے سبب سے جو جو دقتیں پیش آتی تھیں۔ وہ بھی بیان کیں۔ شیخ مبارک نے کہا۔ کہ بادشاہ عادل خود مجتہد ہے مسئلہ اختلافی میں بہ مناسبت وقت جو حضور مصلحت دیکھیں۔ حکم فرمائیں۔ ان لوگوں نے شہرت بے اصل سے ہوا باندھ رکھی ہے۔ اندر کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو ان سے پوچھنے کی حاجت کیا ہے۔ اکبر نے کہا کہ ہرگاہ شما استاد ما باشید و سبق پیش شما خوانده باشیم۔ چرا مارا از منت ایں ملایاں خلاص نمے سازید۔ آخر سب جزئیات و کلیات پر نظر کر کے تجویز ٹھہری کہ ایک تحریر آیتوں اور روایتوں کی اسناد سے لکھی جائے۔ جس کا خلاصہ یہ کہ امام عادل کو جائز ہے کہ اختلافی مسئلہ میں اپنی رائے کے بموجب وہ جانب اختیار کرے جو اس کے نزدیک مناسب وقت ہو۔ اور علما و مجتہدین کی رائے پر اس کی رائے کو ترجیح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مسودہ اس کا خود شیخ مبارک نے کیا۔ اگرچہ اصل مطلب انہیں چند اشخاص سے تھا۔ جو احکام اور مہمات سلطنت میں سنگ راہ ہوا کرتے تھے۔ مگر علما و فضلا۔ قاضی القضات۔ مفتی اور بڑے بڑے عالم جن کے فتوؤں کو مہمات خلائق میں بڑی بڑی تاثیریں تھیں۔ سب بلائے گئے۔ کہ اس پر مہریں کر دیں۔ زمانہ کے انقلاب کو دیکھو۔ آج شیخ مبارک صدر محفل میں بیٹھے تھے۔ حریف ان کے طلب ہوئے تھے۔ عوام الناس کی صف میں آ کر

Marfat.com

بیٹھ گئے۔ اور جبراً قہراً مہریں کر کے چلے گئے۔ محضر مذکور کی بعینہ نقل یہ ہے۔

نقل محضر

مقصود از تشیید ایں مبانی وتمہید ایں معانی آنکہ۔ چوں ہندوستان صنت عن الحدثان بمیامن معدلت سلطانی وتربیت جہاں بانی مرکز امن وامان ودائرہ عدل واحسان شدہ، طوائف انام از خواص وعام خصوصاً علمائے عرفاں شعار وفضلائے دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات وسالکان مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب وعجم روبدیں دیار نہادہ توطن اختیار نمودند۔ جمہور علمائے فحول کہ جامع فروغ واصول وحاوئ معقول ومنقول اند۔ وبدین ودیانت وصیانت انتصاف دارند۔ بعد از تدبیر وافی وتامل کافی در غوامض معانی آیہ کریمہ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ واحادیث صحیح ان احب الناس الی اللّٰہ یوم القیامۃ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی۔ وغیر ذلک من الشواھد العقلیہ والدلائل النقلیہ۔ قرارداده حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است وحضرت سلطان الاسلام کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی خلد اللّٰہ ملکہ ابداً۔ اعدل واعلم واعقل باللہ اند۔ بنابریں اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن صائب وفکر ثاقب خود یک جانب راز اختلافات بجہت تسہیل معیشت بنی آدم ومصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بہ آں جانب حکم فرمایند۔ متفق علیہ میشود واتباع آں برعموم برایا وکافہ رعایا لازم ومتحتم است وایضاً اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے راز احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد وسبب ترفیہ عالمیان بودہ باشد۔ عمل برآں نمودن بر ہمہ کس لازم ومتحتم است ومخالف آں موجب سخط اخروی وخسران دینی ودینوی ست وایں مسطور صدق وفور حسبتاً للہ واظہار الاجرائے حقوق السلام بمحضر علمائے دین وفقہائے مہدیین تحریر یافت وکان ذالک فی شہر رجب ۹۸۷ھ سبع وثمانین وتسعمائۃ۔

فاضل بداؤنی نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اگرچہ عالمان مذکور میں سے یہ صورت کسی کو گوارہ نہ تھی۔ مگر دربار میں بلائے گئے۔ اور بری طرح لائے گئے۔ جبراً قہراً دستخط کرنے پڑے۔ عوام الناس میں لاکر بٹھا دیا۔ کسی نے تعظیم بھی نہ دی۔ اور شیخ مبارک نے کہ اعلم علمائے زمان تھا خوشی خوشی دستخط کر کے اتنا زیادہ لکھا۔ کہ ایں امریست کہ من بجان ودل خواہاں واز سالہائے باز منتظر آں بودم۔ پھر شیخ

Marfat.com

صدر اور ملائے مخدوم کا جو حال ہوا۔ ان کے حالات میں معلوم ہوگا۔ دیکھو اور خدا سے پناہ مانگو۔

زمانہ کے علمائے کبار میں سے:

ملا صاحب علما کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ شیخ مبارک زمانہ کے علمائے کبار میں سے ہیں۔ اور صلاح و تقوے میں ابنائے زمان اور خلائق دوران سے ممتاز۔ اس کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں ریاضت اور بہت مجاہدہ کیا۔ امر معروف اور نہی منکر میں اس قدر کوشش تھی کہ اگر اس کی مجلس وعظ میں کوئی سونے کی انگوٹھی یا اطلس یا لال موزے یا سرخ زرد کپڑے پہن کر آتا تو اسی وقت اتروا دیتا تھا۔ ازار ذرا ایڑیوں کے نیچے ہوتی تو اتنی پھڑوا ڈالتا۔ راہ چلتے کہیں گانے کی آواز آتی تو بڑھ کر نکل جاتا۔ آخر حال میں ایسا گانے کا عاشق ہوا۔ کہ ایک دم بغیر آواز یا گیت یا راگ یا ساز کے آرام نہ تھا۔ غرض مختلف رستوں کا چلنے والا تھا اور انواع و اقسام کے رنگ بدلتا تھا۔ افغانوں کے عہد میں شیخ علائی کی صحبت میں تھا۔ اوائل عہد اکبری میں نقشبندیہ کا زور تھا تو اس سلسلہ سے لڑی ملا دی تھی۔ چند روز مشائخ ہمدانیہ میں شامل ہوگیا۔ اخیر دنوں میں دربار پر ایرانی چھا گئے تھے تو ان کے رنگ میں باتیں کرتا تھا۔ اسی طرح اور سمجھ لو گویا تکلموا الناس علی قدر عقو لھم۔ پر اُس کا عمل تھا بہر حال ہمیشہ علوم دینیہ کا درس رکھتا شعر، معما اور فنون اور تمام فضائل پر حاوی تھا۔ برخلاف علمائے ہند کے خاص علم تصوف کو خوب کہتا تھا اور سمجھتا تھا۔ شاطبی علم قرات میں نوک زبان پر تھی۔ اور اس طرح اس کا سبق پڑھاتا تھا کہ جو حق ہے۔ قرآن مجید دس قراتوں سے یاد کیا تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں کبھی نہ گیا۔ باوجود ان سب باتوں کے نہایت خوش صحبت تھا۔

حکایات اور واقعات دلچسپ:

نقل و حکایات اور واقعات دلچسپ کے بیان سے صحبت اور درس کو گلزار کر دیتا تھا۔ کہ احباب کا اس کے جلسہ کو اور شاگردوں کا سبق چھوڑنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہوگیا تھا۔ اور درس و تدریس بھی چھوڑ دی تھی۔ مگر علم الٰہیات کی تصنیف چلی جاتی تھی۔ اس عالم میں ایک تفسیر شروع کی۔ وہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں اس قدر مبسوط اور مفصل ہوئی۔ کہ جسے امام فخر الدین رازی کی تفسیر کا ہم پلہ سمجھنا چاہئے۔ اور مطالب و مضامین بھی انواع و اقسام کی تحقیقوں کے ساتھ درج تھے۔ منبع نفائس العلوم اس کا نام رکھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے دیباچہ میں ایسے ایسے مطلب لکھے ہیں۔ کہ ان سے دعوے مجددی اور نئی صدی کی بو آتی ہے۔ اور جو تجدید تھی وہ تو معلوم ہی ہے۔

Marfat.com

(یعنی دین الٰہی اکبر شاہی) جن دنوں میں تفسیر مذکور تمام کی ہے۔ ابن فارض کا قصیدہ تائیہ کہ سات سو شعر کا ہے۔ اور قصیدہ بردہ اور قصیدہ کعب ابن زہیر اور بزرگوں کے قصائد وظائف کے طور پر حفظ پڑھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۷ ذی القعدہ ۱۰۰۱ھ کو اس جہان سے گزر گیا۔ اس کا معاملہ خدا کے حوالے۔ باوجود اس کے کوئی ملا اس جامعیت کے ساتھ آج تک نظر نہیں آیا۔ مگر حیف ہے کہ حب دنیا اور جاہ وحشمت کی نحوست سے فقر کے لباس میں دین اسلام کے ساتھ کہیں ملاپ نہ رکھا۔ آگرہ میں آغاز جوانی میں میں نے بھی کئی برس اس کی ملازمت میں سبق پڑھے تھے۔ الحق صاحب حق عظیم ہے۔ مگر بعض امور دنیاداری اور بے دینی کے سبب سے اور اس لئے کہ مال وجاہ اور زمانہ سازی اور مکروفریب اور تغیر مذہب وملت میں ڈوب گیا۔ جو سابقہ تھا اصلا نہ رہا۔ قل انا او ایا کم لعلی ھدیہ اوفی ضلال مبین۔ کہہ دے کہ تم اور ہم راہ پر ہیں یا گمراہ ہیں (کون جانتا ہے) عوام الناس کی بات ہے۔ کہ ایک بیٹا باپ پر لعنت کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ قدم آگے بڑھایا وغیرہ وغیرہ آگے جو ملا صاحب نے لکھ دیا ہے۔ میں لکھنا جائز نہیں سمجھتا۔ ملا صاحب کی سینہ زوریاں دیکھو۔ بھلا بیٹا ماں یا باپ سے کہہ سکتا ہے۔ کہ جاؤ ہمارا تمہارا سابقہ نہ رہا؟ اور اس کے کہنے سے ماں باپ کے حقوق سارے اڑ جائیں گے؟ کبھی نہیں۔ جب یہ نہیں تو استاد کے حق کیونکر مٹ سکتے ہیں۔ اچھا جو معلومات، قابلیت، اور فہم وادرک کی استعداد اس کی تعلیم سے حاصل ہوئی ہے۔ سب کی ایک پوٹلی باندھ کر اس کے حوالہ کردو، اور آپ جیسے اول روز گھر سے اس کے پاس آئے تھے۔ ویسے ہی کورے رہ جاؤ۔ پھر ہم بھی کہہ دینگے۔ کہ آپ کا تعلق اس سے کچھ نہ رہا۔ اور جب یہ نہیں ہوسکتا تو تمہارے دو حرف کہہ دینے سے کب چھٹکارا ہوسکتا ہے۔

شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں نے کیا خطا کی۔ برسوں لکھایا پڑھایا۔ ایسا عالم بنایا کہ علمائے وقت سے کلہ بکلہ گفتگوئیں کر کے سب کی گردنیں دبانے لگے۔ اس عالم میں بھی جب کوئی مصیبت آئی تو فوراً سینہ سپر ہو کر مدد کو حاضر ہو گئے۔ اس پر ان کا یہ حال ہے۔ کہ جہاں نام یاد آجاتا ہے۔ ایک نہ ایک الزام لگا جاتے ہیں۔ اپنی تاریخ میں علمائے عصر کی شکایت کرتے کرتے کہتے ہیں۔ شیخ مبارک نے خلوت بادشاہی میں بیربر سے کہا۔ کہ جس طرح تمہارے ہاں کتابوں میں تحریفیں ہیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں بھی ہیں۔ قابل اعتبار نہیں رہیں۔ اگر حق پوچھو تو اس بیچارے نے کیا جھوٹ کہا۔ مگر اس کی قسمت۔ اوروں کی باتیں اس سے ہزار من سنگین وزنی ہوتی ہیں۔ انہیں ان کی حماقت یا ظرافت میں ڈال کر ٹال دیتے ہیں۔ ان کے منہ سے بات نکلی اور کفر۔

Marfat.com

ابوالفضل خود لکھتے ہیں۔ رایات ❶ اقبال (لشکر اکبری) لاہور میں آئے ہوئے تھے اور مصالح ملکی کے سبب سے ٹھہرنا پڑا تھا۔ اس پیر حقیقت (والد ماجد) کی جدائی سے دل بے قرار تھا۔ سال جلوس ۳۲/ ۹۹۵ھ تھے۔ میں نے التجا کی کہ یہیں تشریف لائیے۔ صورت و معنی کے واقف حال (والد موصوف) نے عرض قبول کی۔ ۶ رجب کو تشریف لائے۔ یہاں گوشہ وحدت میں خوشی کو افزائش دیتے تھے۔ اب سب کام چھوڑ دیئے تھے۔ حال کا روزنامچہ لکھ کر نفس ابوالبدائع کی زینت میں وقت گزارتے تھے۔ علوم ظاہری پر توجہ کم ہوتی تھی۔ ذات وصفات پروردگار میں گفتگو فرماتے تھے۔ اور عبرت کا سرمایہ لیتے تھے۔ دریائے آزادی کے کنارہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ اور بے نیازی کا دامن پکڑے تھے۔ کہ مزاج قدسی، اعتدال بدنی سے متغیر ہوا۔ ایسی بیماری اکثر ہوتی تھی۔ دفعتاً سفر واپسیں کی آگاہی ہوئی۔ مجھ بے حواس کو بلایا اور ہوش افزا باتیں زبان سے نکلیں۔ رخصت کے لوازمات ظاہر ہونے لگے۔ ہمیشہ پردہ میں باتیں ہوتی تھیں۔ میرے دل کا (جس پر اسرار قدرت کے صاحب حوصلہ ہونے کا بھروسہ تھا) یہ عالم ہوا کہ خون جگر کے گھونٹ گلے سے اترنے لگے۔ بڑی بے قراری سے کچھ اپنے تئیں سنبھالا۔ اور اسی پیشوائے ملک تقدس نے زور معنوی لگایا جب تھما۔ سات دن بعد کمال آگاہی اور عین حضوری میں ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ تھی۔ کہ ریاض قدس کو ٹہلتے چلے گئے۔ ملک شناسائی کا سورج چھپ گیا۔ عقل ایزد شناس کی آنکھ جاتی رہی۔ دانائی کی کمر خم ہوگئی۔ دانش کا وقت اخیر ہوگیا۔ مشتری نے چادر سر سے پھینک دی عطارد نے قلم توڑ ڈالا ۔

رفت آنکہ فیلسوف جہاں بود بردلش درہائے آسمان معانی کشادہ بود

بے او یتیم و مردہ دل اند قربائے او کہ آدم قبیلہ و عیسیٰ دودہ بود

شیخ مبارک کی وفات:

ملا صاحب نے شیخ کامل تاریخ کہی۔ شیخ فیضی نے فخر الکمل اور اسی شہر لاہور میں امانت رکھا۔

لطیفہ:۔ ملائے موصوف اس واقعہ کی کیفیت ادا فرماتے ہیں۔ اسی سال ۱۷ ذی قعدہ کو شیخ مبارک دانا دنیا سے گزر گئے۔ بیٹوں نے ماتم میں سر وابرو کو منڈا کر ڈاڑھی مونچھ سے جا ملایا۔ اس چار ضرب کی تاریخ شریعت جدید ہوئی۔

شیخ ابوالفضل خود اکبرنامہ کے ۱۰۰۲ھ میں لکھتے ہیں۔ بادشاہ لاہور میں آئے ہوئے تھے۔ اس

---

❶ دیکھو آئین اکبری کا خاتمہ، اکبرنامہ میں لکھتے ہیں۔ کہ گردن میں ایک پھوڑا نکلا تھا۔ ۱۱ دن میں کام تمام ہوگیا۔

Marfat.com

نگارنامہ کا مینا کار (بندہ ابوالفضل) فضل آباد میں گیا۔ پدر گرامی اور مادر بزرگوار کی خوابگاہ پر گیا۔ فرمایا ہوا تھا۔ اس لئے دونوں برگزیدگان الٰہی کے نقش آگرہ کو روانہ کئے۔ وہاں اپنے پرانے ٹھکانے میں آرام کیا۔

شیخ مبارک کی اولاد:

شیخ مرحوم نے آٹھ بیٹے چھوڑے۔ ابوالفضل نے اکبرنامہ کے خاتمہ میں خدا کی ۳۲ عنایتیں اپنے حال پر لکھی ہیں۔ ان میں سے چوبیسویں یہ کہ بھائی دانش آموز، سعادت گزیں، رضا جو۔ نیکو کار عطا کئے دیکھنا ایک ایک کو کس کس سانچے میں ڈالتے ہیں۔

(۱) شیخ ابوالفیض فیضی:

بڑے بھائی کا حال کیا لکھوں۔ باوجود ایسے کمالات ظاہری و باطنی کے میری خوشی بغیر بڑھ کر قدم نہ اٹھاتا تھا۔ اپنے تئیں میری رضا کا وقف کر کے تسلیم میں ثابت قدم رہتا تھا۔ اپنی تصانیف میں مجھے وہ کچھ کہا ہے۔ جس کا شکر یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ ایک قصیدہ فخریہ میں فرمایا ہے۔

جائیکہ از بلندی و پستی سخن رود — از آسماں بلند تر۔ از خاک کمترام

با ایں چنیں پدر کہ نوشتم مکارمش — در فضل مفتخر ز گرامی برادرم

برہان علم کو فضل ابوالفضل کز دمش — دارد زمانہ مغز معانی معطرم

صد سالہ رہ میان من وادست در کمال — در عمر گرازد و سہ سالے فزوں ترم

در چشم باغباں نشو وقدر او بلند — گر از درخت گل گذرد شاخ عرعرم

اس کی (فیضی بھائی کی) ولادت ۹۵۴ھ میں ہوئی تھی۔ تعریف کس زبان سے لکھوں۔ اس کتاب میں کچھ لکھ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ آتشکدہ کو آب بیان سے بجھایا ہے۔ سیلاب کا بند توڑا ہے۔ اور بے صبری کا مرد میدان بنا ہوں۔ اس کی تصنیفات گویائی اور بینائی کے ترازو اور مرغان نغمہ سرا کا مرغزار ہیں۔ وہی اس کی تعریف کریں گے۔ اور کمال کی خبر دینگے خصائل و عادات کی یاد دلائیں گے۔

(۲) شیخ ابوالفضل:

شیخ ابوالفضل نے اپنی تصویر کو جس رنگ میں نکالا ہے۔ ان کے ہی حال میں دکھاؤں گا۔ اس محراب میں نہ سجے گی۔

Marfat.com

(۳) شیخ ابوالبرکات:

شیخ ابوالبرکات، اس کی ولادت ۷ اشوال ۹۶۰ھ میں ہوئی۔ علم و آگاہی کا اعلیٰ ذخیرہ نہیں جمع کیا۔ پھر بھی بڑا حصہ پایا۔ معاملہ دانی، شمشیر آرائی، کارشناسی میں پیش قدم گنا جاتا ہے۔ نیک ذاتی، درویش پرستی اور خیر عام میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

(۴) شیخ ابوالخیر:

شیخ ابوالخیر، ۲ جمادی الاول ۹۶۷ھ کو پیدا ہوا۔ اخلاق کی بزرگیاں اور اشرافوں کی خوبیاں اس کی خوئے ستودہ ہے۔ زمانہ کے مزاج کو خوب پہچانتا ہے۔ اور زبان کو اس طرح قابو میں رکھتا ہے جس طرح اور اعضا کو (کم سخن ہے) شیخ ابوالفضل کے رقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں سب بھائیوں میں ان سے تعلق خاص تھا۔ ان کی سرکار کے کاغذات اسی بھائی کے حوالے تھے۔ کتب خانہ بھی اس کے سپرد تھا۔ اکثر احباب کے خطوط میں فرمائشوں اور ضروری کاموں کا شیخ ابوالخیر پر حوالہ دیتے ہیں۔

(۵) شیخ ابوالمکارم:

شیخ ابوالمکارم، پیر کی رات ۲۳ شوال ۹۷۶ھ کو پیدا ہوا۔ ذرا جنون میں آجاتا تھا۔ پدر بزرگوار زور باطن سے پکڑ کر درستی کے رستہ پر لاتے تھے۔ معقول و منقول اسی دانائے رموز نفس و آفاق کے سامنے ادا کیے۔ حکمائے سلف کے پرانے تذکرے کچھ کچھ میر فتح اللہ شیرازی کی شاگردی میں پڑھے۔ دل میں رستہ ہے۔ امید ہے۔ کہ ساحل مقصود پر کامیاب ہوگا۔

(۶) شیخ ابوتراب:

شیخ ابوتراب، ۲۳ ذی الحجہ ۹۸۸ھ کو پیدا ہوا۔ اس کی ماں اور ہے۔ مگر سعادت کی خورجین بھر کر لایا ہے۔ اور کسب کمالات میں مشغول ہے۔

(۷) شیخ ابوحامد:

شیخ ابوحامد، ۲ ربیع الآخر ۱۰۰۲ھ پیر کو پیدا ہوا۔

(۸) شیخ ابوراشد:

شیخ ابوراشد، پیر غرہ جمادی الاولے کو اسی سنہ میں پیدا ہوا۔ یہ دونوں لونڈی کے پیٹ سے تھے۔

Marfat.com

لیکن اصالت کے آثار پیشانی پر چمکتے ہیں۔ پیر نورانی نے ان کے آخر کی خبر دی تھی۔ نام بھی رکھ دیئے تھے۔ ان کے ظہور سے پہلے اسباب سفر باندھا۔ خدا سے امید ہے کہ ان کے انفاس گرامی کی برکت سے دولت خوش نصیبی کے ساتھ ہمنشین ہو۔ کہ رنگ رنگ کی نیکیاں جمع ہوں۔ بڑے بھائی (فیضی) نے تو ہستی کا اسباب باندھا اور عالم کو غم میں ڈالا۔ امید ہے کہ اور پھلے پھولے نونہالوں کو خوشی، کامرانی اور سعادت دو جہانی کے ساتھ خدا عمر دراز کرے اور صورت و معنی، دینی اور دنیاوی نیکیوں سے سربلندی دے۔

شیخ مبارک کی بیٹیاں:

مختلف تاریخوں سے جو جا بجا پتے لگے ہیں۔ تو چار بیٹیاں بھی شمار میں آئی ہیں۔

ان میں سے ایک عفیفہ کے حال میں ملا صاحب ۹۹۸ھ میں فرماتے ہیں۔ ان دنوں میں خداوند خاں دکنی رافضی کہ شیخ ابوالفضل کی بہن حسب الحکم اس کے نکاح میں آئی تھی ولایت گجرات میں قصبہ کری جاگیر پا کر وہیں دوزخ کے ٹھکانے پہنچا۔ دوسری کی شادی میر حسام الدین سے ہوئی۔ یہ غازی خاں بدخشی کے بیٹے تھے۔ باپ کے بعد ہزاری منصب نصیب ہوا۔ اور دکن بھیجے گئے۔ خان خاناں کا دربار دریائے قدرت تھا۔ دنیا موتی رولتی تھی۔ ان سے تو دو پشت کی آشنائی تھی۔ یہ بھی غوطے لگانے لگے۔ مگر عین شباب میں محبت الٰہی کا جذبہ ہوا۔ خان خاناں سے کہا کہ ترک دنیا کا ارادہ دل پر چھا گیا ہے۔ درخواست کروں گا تو منظور نہ ہوگی۔ میں دیوانہ ہو جاتا ہوں۔ آپ حضور میں لکھ کر مجھے دلی بھیج دیجئے کہ جو عمر باقی ہے۔ سلطان المشائخ کے مزار پر بیٹھ کر گزار دوں۔ خان خاناں نے منتیں کر کے روکا کہ یہ دیوانگی ہزار فرزانگی سے افضل ہے۔ مگر ملتوی رکھنی چاہئے۔ نہ مانا۔ دوسرے دن کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے۔ کیچڑ مٹی بدن کو ملی اور کوچہ و بازار میں پھرنے لگے۔ بادشاہ کو عرضی ہوئی۔ وہاں سے دلی کی رخصت حاصل ہو گئی۔ ۳۰ برس کمال زہد اور پرہیز گاری سے وہیں گزار دیئے۔ علم سے بہرہ کامل رکھتے تھے۔ مگر سب کو آب فراموشی سے دھو کر تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ شاہ باقی باللہ جن کا وطن سمرقند اور ولادت کابل میں ہوئی تھی۔ اور مزار اب بھی قدم شریف کے رستہ کو آباد کرتا ہے۔ اس وقت زندہ تھے۔ چنانچہ ان سے ہدایت حاصل کی۔ ۱۰۴۳ھ میں انتقال ہوا۔ پاک دامن بی بی نے شوہر کے اشارہ سے تمام زر و زیور فقرا و مساکین کو بانٹ کر آلائش دنیا سے دامن پاک کیا تھا۔ جب تک جیتی رہی۔ ۱۲ ہزار روپے سال خانقاہ کے خرچ کے لئے بھیجتی رہی۔

Marfat.com

تیسری راجہ علی خاں حاکم خاندیس کے بیٹے سے بیاہی۔ اس کا بیٹا صفدر خان ۴۵ جلوس میں ہزاری منصب دار ہوا۔ چوتھی۔ لاڈلی بیگم۔ اس کی شادی اعتقاد الدولہ اسلام خاں شیخ علاء الدین چشتی سے ہوئی تھی۔ کہ شیخ سلیم چشتی کے پوتے تھے۔ اور حسن اخلاق اور خصائل مرضیہ کے سبب سے خاندان کی برکت تھے۔ جہانگیر تخت نشین ہوا تو انہیں اسلام خاں خطاب پنج ہزاری منصب اور بہار کا صوبہ عنایت ہوا کہ کوکلتاش کا رشتہ ملا ہوا تھا۔ ۳ جلوس میں بنگالہ بھی مرحمت ہوا۔ باوجودیکہ اکبر کے عہد میں ملک مذکور پر لاکھوں آدمیوں کے خون بہے تھے۔ پھر بھی پٹھانوں کی کھرچن کناروں میں لگی پڑی تھی۔ ان میں عثمان خاں قتلو لوہانی کا بیٹا تھا۔ کہ اب تک اس کی جڑ نہ اکھڑی تھی۔ شیخ نے خونریز لڑائیوں سے اس کا استیصال کیا۔ چنانچہ ۶ جلوس میں شش ہزاری منصب سے اعزاز پایا۔ اور ۱۰۲۲ھ میں دنیا سے کوچ کر کے فتح پور سیکری میں کہ بزرگوں کا مدفن تھا۔ خوب آرام کیا۔

ان کی سخاوت و دریا دلی کے حالات دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے۔ اپنے دسترخوان خاص کے علاوہ ایک ہزار طبق طعام اور اس کے لوازمات ملازموں کے لئے ہوتے تھے۔ گراں بہا زیور اور قیمتی کپڑوں کے خوان نوکر لئے کھڑے رہتے۔ جس کی قسمت ہوتی تھی انعام دیتے تھے۔ جھروکہ درشن، دیوان عام، دیوان خاص وغیرہ مکانات دربار کہ لوازم سلاطین ہیں۔ انہوں نے بھی آراستہ کئے تھے۔ ہاتھی بھی اسی طرح لڑاتے تھے۔ باوجودیکہ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔ کسی قسم کا نشہ یا امر ممنوع عمل میں نہ لاتے تھے۔ لیکن کل بنگالہ کی کنچنیاں نوکر تھیں۔ اسی ہزار روپیہ مہینہ جس کا ۹ لاکھ ۶۰ ہزار روپیہ سال ہوا فقط ان کی تنخواہ کی رقم تھی۔ باوجود اس کے اپنے لباس میں ذرا تکلف نہ کرتے تھے۔ دستار کے نیچے موٹے کپڑے کی ٹوپی اور قبا کے نیچے ویسا ہی کرتا پہنے رہتے تھے۔ دسترخوان پر ان کے سامنے پہلے مکئی اور باجرے کی روٹی، ساگ کی بھجیا اور سٹھی چاولوں کا خشکہ آتا تھا۔ لیکن ہمت و سخاوت میں حاتم کو مات کرتے تھے۔ جب بنگالہ میں تھے تو ۱۲۰۰ ہاتھی اپنے منصب داروں اور ملازموں کو دیئے ہوئے تھے۔ ۲۰ ہزار سوار و پیادے فرقہ شیخ زادہ سے نوکر تھے۔ اکرام خاں ہوشنگ بیٹا لاڈلی بیگم سے تھا۔ یہ دکن میں تعینات تھا۔ پھر اسیر کا تعلقہ مل گیا۔ شیر خان نور کی بیٹی اس سے بیاہی تھی۔ مزاج موافق نہ آیا۔ اس کے بھائی بہن کو لے گئے۔ حقیقت میں بدمزاج اور ظالم طبع تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں کسی سبب سے معزول ہو کر دو ہزاری ہزار کے منصب سے گرا۔ نقدی مقرر ہو گئی۔ فتح پور سیکری میں دادا کی قبر کے متولی ہو کر بیٹھ گئے۔

آگرہ میں اکبر کے روضہ سے کوس بھر مشرق کو ایک مقبرہ ہے۔ کہ لاڈلی کا روضہ کہلاتا ہے۔ وہاں کے کہن سال لوگ کہتے ہیں۔ کہ پہلے اس کے گرد بڑا احاطہ اور عالیشان دروازہ تھا۔ اندر کئی

Marfat.com

قبریں تھیں مگر کتابہ کسی پر نہ تھا۔ ایک پر تعویذ سنگ مرمر کا تھا۔ گرد فتح پور کے سنگ سرخ کی دیوار تھی۔ بیل صاحب مفتاح التاریخ میں کہتے ہیں۔ کہ شیخ مبارک، فیضی اور ابوالفضل یہیں دفن ہیں۔ لیکن ابو الفضل نے خود آئین اکبری میں لکھا ہے۔ کہ بابر بادشاہ نے جو جمنا کے اس پار چار باغ یادگار آباد کیا ہے۔ اس شگرف نامہ کا نقاش وہیں پیدا ہوا ہے۔ والد اور بڑا بھائی وہاں سوتے ہیں۔ شیخ علاء الدین مجذوب اور میر رفیع الدین صفوی اور بہت سے کارآگاہ بھی وہیں آرام کرتے ہیں۔ خیر مردہ بدست زندہ ہے وہاں سے اٹھ کر یہاں رکھ دیا ہوگا۔ اب پتہ نہیں لگتا۔ کہ بوسیدہ ہڈیاں کب منتقل ہوئیں اور کس نے کیں۔ ہاں عالیشان دروازہ کا کتابہ با آواز بلند پکارتا ہے۔ کہ شیخ مبارک یہاں ہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وبدثقتی

ھذہ الروضۃ للعالم الربانی والعارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک قدس سرہ قدوقف بنیانہ بحر العلوم شیخ ابو الفضل سلم اللّٰہ تعالیٰ فی ظل دولۃ الملک العادل یطلبہ المجدو لاقبال والکرم جلال الدین والدنیا اکبر بادشاہ غازی خلد اللّٰہ تعالیٰ ظلال سلطنتہ با ھتمام حضرت ابی البرکات فی سنتہ اربع والف

لطیفہ:۔ سبحان اللہ یا پیر نورانی ۹۰ برس کی عمر۔ وہ وہ اوصاف کمالات۔ آنکھوں سے معذور۔ ماشاء اللہ اتنے بیٹے بیٹیاں۔ اوران کے بھی بیٹے بیٹیاں۔ اس پر تمہاری ہمت۔ چلتے چلتے کرامات چھوڑ گئے۔ اورایک نہیں دو دو۔

Marfat.com

ابوالفیض فیضی فیاضی

ابتدائی حالات:

۹۵۴ھ میں جبکہ ہندوستان کی سلطنت سلیم شاہ کی سلامتی میں متفکر تھی۔ شیخ مبارک شہر آگرہ میں چار باغ کے پاس رہتے تھے۔ کہ نہال امید میں پہلا پھول کھلا۔ اقبال پکارا کہ مراد کا پھل لائے گا۔ کامیاب ہوگا۔ اور کامیابی پھیلائے گا۔ ابوالفیض اس کا نام ہے۔ معصوم بچہ باپ کی نحوست کے سایہ میں پلا۔ وہ افلاس کی خشک سالی اٹھاتا۔ عداوت اعدا کے کانٹے کھاتا جوانی کی بہار کو پہنچا۔ لیکن ایک لحاظ سے ان دنوں کو بھی اقبال کے دن سمجھو کہ عمر کے ساتھ اس کی فضیلت اور کمالات بھی جوان ہوتے گئے۔ اس کی مصیبتوں کی داستان اس کے باپ کے حال میں سن چکے۔ اور اکثر دلچسپ حالات ابوالفضل کے بیان میں دیکھو گے۔ اس نے علم وفضل کا سرمایہ باپ سے پایا۔ اور علوم عقلی ونقلی جو ایشیا میں مروج تھے ان میں مہارت حاصل کی۔ مگر فن شعر میں جو کمال دکھایا وہی ثابت کرتا ہے۔ کہ فیضی کا دل ودماغ فیضان قدرت سے شاداب تھا۔ اور ملک الشعرا اپنی شاعری ساتھ لے کر آیا تھا۔ باپ اگرچہ شاعر نہ تھا لیکن ہمہ دان فاضل تھا۔ بیٹے کے کلام کو دیکھتا تھا۔ اسے نکتہ نکتہ سے آگاہ کرتا تھا۔ زبان کو فصاحت کی چاٹ لگاتا تھا۔ اور اس سے رموز سخن کے سرچشمے کھولتا تھا۔ فن طب کو حاصل کیا۔ مگر اس سے فائدہ فقط اتنا لیا کہ بندگان خدا کو معالجہ سے فیض پہنچاتا تھا۔ اور کچھ اجرت نہ لیتا تھا۔ جب ہاتھ میں زیادہ رسائی ہوئی تو وہ دوا بھی اپنے پاس سے دینے لگا۔ جب خدا نے دستگاہ بڑھائی اور فرصت نے تنگی کی تو رفاہ کی نظر سے ایک شفاخانہ بنوا دیا۔

ان باپ بیٹوں کے حال قادر مطلق کی قدرت نمائی کا ایک عمدہ نمونہ ہیں۔ جبکہ دشمنوں کا اخیر حملہ ان پر طوفان نوح کی طرح گزر گیا۔ اور وہ صحیح وسلامت نکلے۔ تو خدا کا شکر بجالائے۔ اس میں اکبر کی نیک اندیش نیت کا حال بھی معلوم ہوا۔ اور زمانہ کا رنگ دربار کی حالت کے ساتھ بدلتا نظر آیا۔ بڈھا فاضل اپنے لٹے گھر اور گری ہوئی مسجد میں آکر بیٹھا۔ ٹوٹے پھوٹے ممبر پر چراغ رکھ کر درس وتدریس کا دروازہ کھول دیا۔ اور تعلیم ہدایت کے جلسے پھر گرم کیے۔ وہ دیکھتا تھا کہ بادشاہ فضل وکمال

Marfat.com

کا طالب ہے۔ اور اہل دانش اور با تدبیر لوگوں کو ڈھونڈتا ہے۔ جو اشخاص اس سلسلہ میں نامزد ہوتے ہیں دربار میں پہنچ کر معزز مقام پاتے ہیں۔ اس کا کمال اپنے بازوئے پرواز کو دیکھتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ مگر آفرین ہے غیور ہمت اور بے نیاز دل کو۔ کہ امراء کے دروازوں کی طرف نہ جھکتا تھا۔

چتوڑ کی مہم پر لشکر کے ساتھ روانگی:

شیخ فیضی جس کا آئے دن کے صدموں نے قافیہ تنگ کر رکھا تھا۔ اب اس کی طبیعت بھی ذرا کھلنے لگی تھی۔ شاخ طبع سے جو پھول جھڑتے تھے ان کی مہک میدان عالم میں پھیل کر دربار تک پہنچنے لگی۔ ۹۷۴ھ میں بادشاہی لشکر نے چتوڑ پر علم اٹھائے تھے۔ جو کسی تقریب سے دربار میں اس کا ذکر ہوا۔ کمال کے جوہری کو جواہر کے شوق نے ایسا بے قرار کیا کہ فوراً طلب فرمایا۔ دشمن بھی لگے ہی ہوئے تھے۔ انہوں نے اس حسن طلبی کو طلبی عتاب کے پیرایہ میں ظاہر کیا۔ اور حاکم آگرہ کے نام لکھا کہ فوراً گھر سے بلاؤ اور سواروں کے ساتھ روانہ کرو۔ کچھ رات گئی تھی۔ کہ چند ترکوں نے آکر گھر پر غل مچایا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ہم بادشاہ کے شوق کا گلدستہ لینے آئے ہیں۔ یا مجرم کو پکڑنے کو آئے ہیں۔ دشمنوں نے بہادران شاہی کو بہکا دیا تھا کہ شیخ بیٹے کو چھپائے رکھے گا۔ اور حیلے حوالے کرے گا۔ ڈراوے اور دھمکاوے کے بغیر نہ دے گا۔ اتفاقاً فیضی باغ میں سیر کو گئے تھے۔ اور اہل حسد کا سارا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ ڈر کر بھاگ جاوے۔ کچھ نہ ہو تو شیخ اور اس کے عیال تھوڑی دیر پریشانی وسرگردانی میں تو رہیں۔ شیخ کو خبر ہوئی اس نے بے تکلف کہہ دیا کہ گھر میں نہیں سپاہی ازبک بے عقل۔ نہ خود کسی کی سمجھیں نہ کوئی ان کی سمجھے۔

اس پر بادشاہی حکم اور شیطانوں نے دل میں وسوسہ ڈالا ہوا قریب تھا کہ خناسوں کا داس پیچ کا روپ بدل کر فتنہ برپا کردے کہ اتنے میں فیضی بھی آن پہنچے۔ بے حیا بے شرم شرمندہ ہو گئے۔ آمدنی کے رستے بند تھے۔ سفر کا سامان کہاں ابارے شاگردوں اور اہل ارادت کی سعی سے یہ مشکل بھی آسان ہوگئی۔ اور رات ہی کو فیضی روانہ ہوئے۔ گھر اور گھرانے کے لوگ غم میں ڈوب گئے۔ کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ کئی دن کے بعد خبر پہنچی۔ کہ خسرو آفاق نے غریب نوازی فرمائی ہے۔ کچھ خطر کا مقام نہیں ہے۔ فیضی بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے۔ تو حضور جس بارگاہ میں تھے اس کے گرد جالی کا کٹہرا تھا انہیں باہر کھڑا کیا۔ یہ سمجھے کہ اس طرح کلام کا مزہ نہ آئیگا۔ اسی وقت قطعہ پڑھا۔ قطعہ۔

بادشاہا درون پنجرہ ام — از سر لطف خود مراجاوہ
زانکہ من طوطئ شکر خایم — جائے طوطی درون پنجرہ بہ

Marfat.com

اکبراس حاضر کلامی سے بہت خوش ہوااور پاس آنے کی اجازت دی۔ جو قصیدہ اول دربارہ میں پڑھااس کا مطلع یہ ہے۔

سحر نوید رساں قاصد سلیمانی　رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

تین کم دوسو شعر ہیں۔ اور ہر شعر سے کمال شاعری کے ساتھ فضیلت اور فلسفہ حکمت کے فوارے جاری ہیں۔ اور چونکہ رستے میں کہا ہے اور موقع وقت سامنے ہے۔ اس لئے اکثر مناسب حال مضمون نہایت خوبصورتی سے ادا ہوئے ہیں۔ چنانچہ بادشاہی سواروں کے پہنچنے پر جو گھر میں گھبراہٹ پڑی اور اپنی طبیعت کو جو اضطراب ہوا ہے۔ اس وقت کی پریشانی اور بے قراری کی حالتیں عجیب عجیب رنگ سے دکھائی ہیں۔ اور جہاں موقع پایا ہے۔ دشمنوں کے منہ میں بھی تھوڑی خاک بھر دی ہے۔

ازاں زماں چہ نویسم کہ بود بے آرام　سفینہ دلم از موج خیز طوفانی
گہے چو وہم سراسیمہ کز کدام دلیل　برم گمنون وشکوک از علوم ایقانی
چرا بود متخالف رسوم اسلامی　چرا بود متشابہ حروف فرقانی
زباں کشیدہ بدار القضائے عجب وریا　شہود کذب زدعوے گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام درجہاں انیست　ہزار خندہ کفرست برمسلمانی

بلند خیال شاعر شگفتہ مزاج عالم:

وہ بلند خیال شاعر کہ ایک شگفتہ مزاج عالم تھا اپنی شگفتہ بیانی اور دانش خداداد اور فراخ دانی کی بدولت نہایت کم عرصہ میں درجہ مصاحبت تک پہنچ گیا۔ اور چند ہی روز میں ایسا ہو گیا کہ مقام ہو یا سفر کسی عالم میں بادشاہ کو اس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اس نے اعلیٰ درجہ کا اعتبار پیدا کیا۔ ابوالفضل بھی دربار میں بلائے گئے۔ اور یہ عالم ہوا کہ مہمات سلطنت میں کوئی بات بغیر ان کی صلاح کے نہ ہوتی تھی۔ فیضی نے کوئی ملکی و مالی خدمت نہیں لی۔ اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ادھر ہاتھ ڈالتا تو پہلے شاعری سے ہاتھ اٹھاتا۔ لیکن ملک و مال کے جزوی جزوی معاملے اس کی صلاح پر منحصر تھے۔

ایک پرانی کتاب میرے ہاتھ آئی اس کے دیباچہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک ہندوستان کے بادشاہی دفتروں کے کاغذ ہندو ملازم ہندی اصول کے بموجب رکھتے تھے۔ ولایتی ہوتے تھے تو اپنے طور پر لکھتے تھے۔ اور اس سے دفاتر شاہی میں عجب غلط ملط ہو رہا تھا۔ اکبر کے حکم سے ٹوڈرمل، فیضی، میر فتح اللہ شیرازی، نظام الدین بخشی، حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام مل کر بیٹھے اور کاغذات دفتر کے

Marfat.com

لئے قواعد وضوابط باندھے اس کے ضمن میں حساب کے قواعد بھی لکھے گئے۔ کہ سب محاسب ایک طور پر عمل درآمد کریں اور تحریروں میں اختلاف نہ ہو۔

شہزادوں کی اُستادی:

جو شہزادہ پڑھنے کے قابل ہوتا تھا۔ اکبر اس کی استادی سے فیضی کو اعزاز دیتا تھا۔ کہ تعلیم وتربیت کرو۔ چنانچہ سلیم، مراد، دانیال سب اسی کے شاگرد تھے۔ اور اس سے بھی اس امر کا بڑا فخر تھا۔ اپنی ہر تحریر میں دو باتوں کا شکر درگاہ الٰہی میں بجالاتا ہے۔ اول یہ کہ درگاہ شہنشاہی میں قربت ہوئی۔ دوسرے شہزادوں کی استادی سے اعزاز پایا۔ مگر بار بار ہزار عجز وانکسار سے کہتا ہے۔ کہ ان کے دل روشن پر سب کچھ روشن ہے۔ مجھے آتا کیا ہے جو انہیں سکھاؤں میں ان سے آپ آداب اقبال کا سبق لیتا ہوں۔

حریفوں کا مقابلہ کرنا:

نظر غور سے دیکھو ان کے اور ان کے حریفوں کی معرکہ آرائی کے انداز اور آئین جنگ بالکل ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ حریف کہتے تھے۔ کہ سلطنت شریعت کے تابع ہے۔ ہم صاحب شریعت ہیں۔ اس واسطے صاحب سلطنت کو واجب ہے۔ کہ جو کچھ کرے ہمارے اجازت بغیر نہ کرے۔ اور جب تک ہمارا فتویٰ ہاتھ میں نہ ہو تب تک سلطنت کو ایک قدم بڑھانا یا ہٹانا جائز نہیں۔ اس کے مقابل میں ان کا دستور العمل یہ تھا کہ صاحب سلطنت خدا کا نائب ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے عین مصلحت ہے۔ اور جو مصلحت ملکی ہے وہی شریعت ہے۔ ہم کو ہر حال میں اس کا اتباع اور اطاعت واجب ہے۔ جو وہ سمجھتا ہے ہم نہیں سمجھتے۔ جو وہ حکم کرے اس کا بجالانا ہمارا فخر ہے۔ نہ کہ اس کا حکم ہمارے فتوے کا محتاج ہو۔

آزاد۔ آج کل کے روشن دماغ کہتے ہیں۔ کہ دونوں بھائی حد سے زیادہ خوشامدی تھے۔ درست ہے ان لوگوں کے سامنے بجلی چمکتی ہے۔ مگر پیچھے بالکل اندھیرا ہے۔ انہیں کیا خبر ہے۔ کہ موقع وقت کیا ہے۔ اور ان کا میدان کیسے پرانے پرزور اور جنگ آزمودہ دشمنوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہی آئین جنگ اور یہی توپ وتفنگ تھے جنہوں نے ایسے حریفوں پر فتح یاب کیا۔ ایک امن امان کی حکومت ہے۔ جیسے محفل تصویر اس میں بیٹھ کر جو چاہیں باتیں بنائیں۔ نئی سلطنت کا بنانا اور اپنے حسب مطلب بنانا اور پرانی جڑوں کو زمین کی تہہ میں سے نکالنا انہیں لوگوں کا کام تھا جو کر گئے۔ خوشامد کیا آسان بات ہے۔ پہلے کوئی کرنی تو سیکھے۔ ۹۹۰ھ میں آگرہ، کالپی، کالنجر کی تحقیقات معافی

Marfat.com

کیلئے صدر الصدور کی مسند پر بیٹھے۔

ملک الشعراء کا خطاب:

سلاطین چغتائیہ میں ملک الشعرا کا خطاب سب سے اول غزالی شہیدی کو ملا ہے۔ اس کے بعد شیخ فیضی کو ملا۔ یہ خطاب بھی اس نے اپنی درخواست سے نہ لیا تھا۔ اس کو اعلیٰ درجہ کی قربت اور اقتدار حاصل تھا۔ مگر اس نے کسی منصب یا حکومت کی ہوس نہ کی۔ ملک سخن کی حکمرانی خدا سے لایا تھا۔ اسی پر قانع رہا۔ اور یہ کچھ تھوڑی نعمت تو نہیں تھی۔ اکبر نامہ میں شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے۔ کہ ۹۹۶ھ میں یہ خطاب ہوا اتفاق یہ کہ دو تین ہی دن پہلے شگفتگی طبع نے ایک قصیدہ کے اشعار میں رنگ دکھایا۔

آں روز کہ فیض عام کردند ما را ملک الکلام کردند

ما را بہ تمام درربودند تا کار سخن تمام کردند

از بہر صعود فکرت ما آرایش ہفت بام کردند

اکبر اس کو اور اس کے مرصع کلام کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی بات بات کو خلعت اور دربار کا سنگار جانتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ دونوں بھائی ہر خدمت کو ایسی سنجیدگی اور خوبصورتی سے بجا لاتے ہیں۔ کہ جو اس کیلئے مناسب ہے۔ اس سے بھی بہتر درجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہر کام کو جانفسانی اور دل عرق ریزی سے بجالاتے ہیں۔ اس واسطے انہیں اپنی ذات سے وابستہ سمجھتا تھا۔ اور بہت خاطر داری اور دلداری سے کام لیتا تھا۔ فیضی کو کچھ فرمائش کی تھی۔ یہ حضور میں کھڑے لکھ رہے تھے۔ اکبر چپ تھا اور ان کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا۔ بیر بر بھی بڑے منہ چڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ بات کی۔ اکبر نے آنکھ سے منع کیا اور کہا۔ "حرف مزید شیخ جیو چیزے مینویسد۔" اس فقرے سے اور وقت اخیر کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بادشاہ انہیں شیخ جیو (شیخ جی) کہا کرتا تھا۔

اکبر کو آرزو تھی کہ کل ہندوستان میرے زیر قلم ہو۔ اور سلاطین دکن ہمیشہ آزاد رہنا چاہتے تھے۔ اور اکثر آزاد رہتے تھے۔ چغتائیہ کے انداز حکومت بھی کچھ اور تھے۔ اہل دکن کو پسند نہ تھے۔ اور وہ اس طرح کی اطاعت کو بڑی بے عزتی سمجھتے تھے کہ سکہ خطبہ، بحالی برطرفی، تبدیلی عطیہ، ضبطی وغیرہ میں کسی حکم کے تابع ہوں۔ ان کی صورتحال ایسی تھی۔ کہ ان باتوں کو اکبر کھلم کھلا کہہ بھی نہ سکتا تھا۔ چنانچہ کبھی نامہ و پیام بھیجتا تھا۔ کبھی انہیں آپس میں لڑوا دیتا تھا۔ کبھی حدود دکن پر کسی امیر کو بھیج کر خود ہی لڑائی ڈال دیتا تھا۔ انہی میں برہان الملک فرمانروائے احمد نگر تھا کہ اپنے ملک سے تباہ ہو کر دربار

Marfat.com

اکبری میں حاضر ہوا۔ چند روز یہاں رہا۔ انہوں نے روپے اور سامان سے مدد کی۔ اور راجی علی خان حاکم خاندیس کو بھی فرمان سفارشی لکھا۔ چنانچہ اس کی یاوری سے اپنے ملک پر قابض ہوا۔ مگر جب حکومت حاصل ہوئی تو جو انہیں امیدیں تھیں وہ پوری نہ ہوئیں۔ اب ارادہ ہوا کہ فوج کشی کریں۔ لیکن یہ بھی ان کا آئین تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا۔ دوستی اور محبت کے نام سے کام نکالتے تھے۔ چونکہ وہاں کے حاکم شاہانہ زور رکھتے تھے اور سکہ خطبہ بھی اپنے نام کا رکھتے تھے۔ اس لئے ۹۹۹ھ۔ ۱۵۹۱ھ میں ایک ایک امیر دانا کو ہر ایک کے پاس بھیجا۔ راج علی خاں حاکم خاندیس کی سفارت شیخ کے سپرد ہوئی۔ برہان الملک کی فہمائش امین الدین کے نام ہوئی۔ شیخ ابوالفضل کی تجویز سے یہ قرار پایا کہ راجی علی خاں کے کام سے فارغ ہو کر شیخ فیضی اور امین الدین برہان الملک کے پاس جائیں۔ اور حقیقت میں راجی علی خاں ملک دکن کی کنجی تھا۔ اور امارت موروثی، عمر کی درازی، عقل و تدبیر، دولت وافر، جمعیت سپاہ نے اس کی کوشش کو ملک مذکور میں بڑی تاثیر دی تھی۔ میں نے فیضی کی وہ عرضداشتیں دیکھیں جو اس نے وہاں پہنچ کر اکبر کو لکھی تھیں ان سے رسوم زمانہ کے قانون اور اکبری دربار کے بہت سے آئین و آداب روشن ہوتے ہیں۔ اور ان آداب و آئین کا باندھنے والا کون تھا یہی آئین بند تھے کہ ارسطو و اسکندر کو آئینہ گری سکھاتے تھے۔ عرائض مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس خدمت سے جو اعتبار اور اعزاز کا عالی منصب تھا ہرگز خوش نہ تھا۔ وہ اپنے آقا کی حضوری کا عاشق تھا۔ چنانچہ حرف حرف سے افسوس جدائی اور اشتیاق مجرائی ٹپکتا ہے۔

عرضی ایک رپورٹ ہے۔ جو اصل مقام اور رستہ کے جزوی جزوی حالات سے اطلاع دیتی ہے۔ میں یہاں صرف اس صورتحال کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ کہ کس طرح راجی علی خاں کو فرمان شہنشاہی دیا۔ اور خلعت پہنایا اور خان مذکور کس طرح پیش آیا۔ فیضی لکھتے ہیں۔

راجی علی خان کو فرمان شہنشاہی ملنے کا حال:

فدوی نے خیمے اور سراپردے اس شان سے ترتیب دیئے تھے جیسے بندگان درگاہ عالم پناہ کیلئے شایاں ہوتے ہیں۔ سراپردوں کے دو درجے کئے تھے۔ دوسرے درجے میں تخت عالی سجایا تھا۔ تمام زربفت لپیٹ دیا تھا۔ اوپر مخمل زرباف کا شامیانہ تانا تھا۔ تخت پر شمشیر بادشاہی، خلعت خاصہ اور فرمان عالی رکھا تھا امرائے موجودہ تخت کے گرد باآداب شائستہ ترتیب سے کھڑے تھے۔ انعامی گھوڑے بھی آئین مناسب کے ساتھ سامنے تھے۔ راجی علی خاں اپنے ارا کین اور وکلائے حکام دکن کو ساتھ لئے ان آداب و قواعد کے ساتھ آیا جو کہ بندگی اور دولت خواہی کے لئے لازم ہیں۔ دور سے

Marfat.com

پیادہ ہوا۔ جو سراپردہ پہلے درجہ میں تھا۔ اس میں بڑے ادب سے داخل ہوا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو لئے آگے بڑھا۔ دوسرے سراپردہ میں پہنچا۔ دور سے تخت عالی دکھائی دیا تسلیم بجالایا اور ننگے پاؤں ہوا تھوڑی دور چلا تھا کہ کہا گیا۔ یہاں ٹھہر جاؤ۔ اور تین تسلیمیں بجالاؤ۔ نہایت آداب سے تین تسلیمیں ادا کیں اور وہیں ٹھہرا رہا۔ تب بندہ نے فرمان معلیٰ کو دونوں ہاتھوں پر لے کر اسے ذرا آگے بلایا اور کہا کہ بندگان عالی حضرت ظل الٰہی نے کمال عنایت اور بندہ نوازی سے تمہیں دو فرمان بھیجے ہیں۔ ایک یہ ہے۔ اس نے فرمان کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔ ادب سے سر پر رکھا اور پھر تین تسلیمیں ادا کیں۔ بعد ازاں میں نے کہا کہ دوسرا فرمان میں ہوں۔ پھر تسلیم بجالایا۔ تب میں نے کہا کہ حضور نے خلعت خاصہ عنایت فرمایا ہے۔ تسلیم بجالایا اور پہنا۔ اسی طرح تلوار کیلئے تسلیم کی۔ جب حضور کے حرف عنایت کا نام آتا تھا۔ تسلیمیں بجالاتا تھا۔ پھر اس نے کہا برسوں ہوئے آرزو ہے کہ بیٹھ کر تم سے باتیں کروں۔ یہ فقرہ اس نے کمال شوق سے کہا تھا۔ اس لئے میں نے کہا بیٹھئے۔ ادب سے میرے سامنے بیٹھ گیا۔ بندہ نے مناسب وقت حکمت آمیز حقیقت آئین مطالب بیان کئے۔ کہ جو اس کے قیام سعادت کی رہنمائی کریں۔ ان سب کا خلاصہ اوصاف الطاف اور جاہ وجلال بندگان حضور کے تھے۔ اس نے عرض کی کہ حضرت کا بندہ دولتخواہ ہوں۔ انہیں کا بنایا ہوا ہوں۔ انہی کا نظر یافتہ ہوں۔ حضرت کی خوشی چاہتا ہوں اور عنایت کا امیدوار ہوں۔ میں نے کہا حضرت کی عنایت تم پر بہت ہے۔ تمہیں اپنوں کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور بندہ خاص سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ دلیل اس کی کیا ہوگی۔ کہ مجھ جیسے غلام خاص کو تمہارے پاس بھیجا متواتر تسلیمیں بجالایا۔ اور خوش ہوا۔ اس عرصہ میں دو دفعہ اٹھنے کو اشارہ کیا گیا۔ اس نے کہا۔ اس صحبت سے سیری نہیں ہوتی جی چاہتا ہے شام تک بیٹھا رہوں۔ چار پانچ گھڑی بیٹھا۔ خاتمہ مجلس پر شان اور خوشبو حاضر ہوئی۔ مجھ سے کہا تم اپنے ہاتھ سے دو۔ میں نے کئی بیڑے اپنے ہاتھ سے دیئے بڑی تعظیموں سے لئے۔

پھر کہا گیا کہ بندگان حضرت کے دوام دولت کے لئے فاتحہ پڑھو۔ نہایت ادب سے فاتحہ پڑھی۔ پھر کمال تواضع سے لب فرش کے پاس تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ بادشاہی گھوڑے حاضر تھے۔ باگ ڈور کو چوم کر کندھے پر رکھ لیا اور تسلیم کی۔ شاہزادہ عالیشان کے گھوڑوں کی باگ ڈوروں کو بھی کندھے پر رکھ کر تسلیم کی۔ شاہزادہ عالیشان شاہ مراد کا گھوڑا سامنے لائے۔ تو اس کی باگ ڈور گلے میں لپیٹ کر تسلیمیں کیں اور رخصت ہوا۔ بندہ کے آدمی گن رہے تھے کل پچیس تسلیمیں کیں۔ بہت کشادہ پیشانی تھا۔ اور خوش تھا پہلی تسلیم پر مجھ سے کہا فرمایئے تو حضرت کے لئے ہزار سجدے کروں۔ میں نے اپنی جان حضرت پر فدا کر دی ہے۔ فدوی نے کہا تمہارے اخلاص و ارادت کیلئے تو یہی شایاں

Marfat.com

ہے۔ مگر سجدہ کے لئے حضرت کا حکم نہیں۔ خاصان درگاہ اپنے جوش اخلاص کے مارے سجدہ میں سر جھکا دیتے ہیں۔ تو حضرت منع فرماتے ہیں۔ کہ یہ درگاہ خدا ہی کے واسطے کیلئے ہے۔

ایک برس ۸ مہینے ۱۴ دن میں دونوں سفارتوں کا سرانجام کر کے ۱۰۰۱ھ میں حضور میں حاضر ہوئے۔ تعجب یہ کہ برہان الملک پر ان کا جادو نہ چلا۔ بلکہ جو پیشکش بھیجے وہ بھی مناسب حال نہ تھے۔ راجہ علی خان تجربہ کار بڈھے تھے انہوں نے اعلیٰ درجہ کے تحائف ونفائس عریضہ کے ساتھ بھیجے۔ اور بہت سے عجز وانکسار کے مضمون ادا کئے۔ یہاں تک کہ شاہانہ چیزوں کے ساتھ بیٹی بھی سلیم کے لئے بھیج دیئے۔ یہاں آ کر پھر وہی مصاحبت وہی گرمجوشیاں وہی درباداریاں۔ شاعری پھول برساتی تھی۔ غور تصنیف کان سے جواہر نکالتی تھی۔ مگر اس سفر سے آ کر زندگی کا طور کچھ اور ہو گیا تھا۔ اکبر خاموش رہتے تھے۔ اسی عالم میں بادشاہ کی تحریک سے خمسہ پر پھر ہاتھ ڈالا۔ تفسیر وغیرہ کتابیں بھی اخیر ہی میں نکالیں۔ انہیں دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ کیا کرتے تھے؟ آٹھ پہر کے دن رات کے تو یہ کام نہیں۔

۱۰۰۴ھ کے اخیر میں طبیعت بے لطف ہوئی۔ ضیق النفس (دمہ) تنگ کرنے لگا۔ ۴ مہینے پہلے دق ہو کر یہ رباعی زبان سے نکلی۔ رباعی

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد　　مرغ دلم از قفس بدآہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے درو میگنجید　　تانیم برآورم تنگی کرد

اخیر میں سب سے دل اٹھالیا۔ اور مرض بھی کئی جمع ہو گئے تھے۔ دو دن بالکل چپ رہے۔ شاہ دانش نواز خود خبر کو آئے۔ پکارا تو آنکھ کھولی۔ آداب بجالائے مگر کچھ کہہ نہ سکے۔ دیکھ کر رہ گئے۔ ہائے افسوس اس موقع پر حکم بادشاہی کا زور کیا چل سکتا تھا۔ انہوں نے بھی رنج کھایا اور آنسو پی کر چلے گئے۔ بادشاہ اسی دن شکار کو سوار ہوئے۔ آخرت کے مسافر نے بھائی سے کہا۔ تم حضور سے چار دن کی رخصت لے لو چوتھے دن خود روانہ ہو گئے۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ تھی جو فضل وکمال کے گھر سے نالہ ماتم کا شعور اٹھا۔ شعر وسخن نے نوحہ خوانی کی کہ لفظوں کا صراف اور معنی کا مرصع کار مر گیا۔ بیماری کی حالت میں یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ　　بہ نشود پائے یکے مور لنگ

مرنے کا وقت ایسا نازک ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص کا دل پگھل جاتا ہے، مگر حق تو یہ ہے۔ کہ ملا صاحب بڑے بہادر ہیں۔ دیکھو اس کے مرنے کی حالت کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔ میں با احتیاط ترجمہ کرتا ہوں۔ محاورہ میں فرق رہ جائے تو اہل ذوق معاف فرمائیں۔ ۱۰ صفر کو ملک الشعرا فیضی اس

Marfat.com

عالم سے گزر گیا۔ چھ مہینے تک ایسے مرضوں کی شدت اٹھائی۔ کہ ضد ایک دوسرے کے تھے۔ ضیف النفس، استسقا اور ہاتھ پاؤں کا ورم۔ خونی قے نے طول کھینچا۔ مسلمانوں کے جلانے کو کتوں سے کھلا ملا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جانکندن کی سختی میں بھی کتے کی آواز نکلتی تھی۔ ایجاد شرائع۔ اور دین اسلام کے انکار میں بڑا تعصب رکھتا تھا۔ اس لئے اس وقت بھی دین کے مقدمہ میں ایک متقی پرہیز گار صاحب علم نے لا یعنی بے ہودہ کفر کی باتیں کہتا تھا۔ کہ اس کے عادات میں داخل تھیں (شاید اس سے اپنی ذات بابرکات مراد ہے) پہلے بھی ان باتوں پر اصرار رکھتا تھا۔ اس وقت بھی کہتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنے ٹھکانے پہنچا۔

تاریخ وے فلسفی وشیعی وطبعی دہری:

تاریخ وے فلسفی وشیعی وطبعی دہری۔ ایک اور ہوئی قاعدہ الحاد شکست (کئی تاریخیں اور ایسی ہی ناموزون کہیں ہیں۔ کہاں تک لکھوں پھر لکھتے ہیں۔ "آدھی رات تھی اور وہ حالت نزع میں تھا کہ بادشاہ خود آئے۔ بے ہوش تھا محبت سے اس کا سر پکڑ کر اٹھایا اور کئی دفعہ پکار پکار کر کہا۔ شیخ جیو۔ ہم حکیم علی کو ساتھ لائے ہیں۔ تم بولتے کیوں نہیں۔ بے ہوش تھا۔ صدا۔ ندا کچھ نہ تھی۔ دوبارہ پوچھا تو پگڑی زمین پر دے ماری۔ آخر شیخ ابوالفضل کو تسلی دیکر چلے گئے ساتھ ہی خبر پہنچی کہ اس نے اپنے تئیں حوالہ کر دیا (مر گیا) اتنا کہہ کر بھی ملا صاحب کا دل خالی نہ ہوا۔ خاتمہ کتاب میں شعرا کی ذیل میں پھر لکھتے ہیں۔ فنون جزئیہ میں مثلاً شعر معا عروض قافیہ تاریخ لغت طب خط انشا میں اپنا عدیل زمانے میں نہ رکھتا تھا۔ اوائل میں تخلص مشہور سے شعر کہے۔ آخر میں چھوٹے بھائی کے خطاب کی مناسبت میں کہ اس کو علامی لکھتے ہیں شان بڑھانے کو فیاضی اختیار کیا۔ مگر مبارک نہ ہوا۔ ایک دو مہینے میں رخت زندگی باندھ کر گھوڑ کے گھر حسرت ہمراہ لے گیا۔ سفاہت اور سفلہ پن کا موجد۔ غرور گھمنڈ اور کینہ کا مخترع۔ نفاق خباثت ریا۔ حب جاہ نمود اور شیخی کا مجموعہ تھا۔ اہل اسلام کے عناد و عداوت کی وادی میں اور اصل اصول دین کے طعن میں صحابہ کرام اور تابعین کی مذمت میں اور اگلے پچھلے متقدین متاخرین مشائخ کے باب میں کہ مر گئے اور زندہ ہیں بے اختیار اور بے دھڑک بے ادبی کرتا تھا۔ سارے علماء۔ صلحا وفضلا کے باب میں خفیہ اور ظاہرات اور دن یہی حال تھا۔ کل یہود ونصاریٰ ہنود اور مجوس اس سے ہزار درجہ بہتر۔ چہ جائے نظاریہ اور صباحیہ۔ تمام حرام چیزوں کو دین محمدی کی ضد سے مباح جانتا تھا اور فرائض کو حرام۔ جو بدنامی ہنود دریاؤں کے پانی سے نہ دھوئی جائیگی۔ اس کے دھونے کو تفسیر بے نقط عین حالت مستی اور جنابت میں لکھا کرتا تھا۔ کتے ادھر ادھر سے پامال

Marfat.com

کرتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی انکار اور گھمنڈ کے ساتھ اصلی قرارگاہ کو بھاگ گیا۔ اور ایسی حالت سے گیا کہ خدا دکھائے نہ سنائے۔

بادشاہ کا عیادت کرنا:

جس وقت بادشاہ عیادت کو گئے تو کتے کی آواز سنی ان کے سامنے بھونکا۔ اور یہ بات خود سردربار بیان فرمائی۔ منہ سوج گیا تھا اور ہونٹ سیاہ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے شیخ ابو الفضل سے پوچھا کہ اتنی سیاہی ہونٹوں پر کیسی ہے۔ شیخ نے مسی ملی ہے۔ اس نے کہا خون کا اثر ہے۔ قے کرتے کرتے سیاہ ہو گئے ہیں۔ بے شک جو مذمت اور طعن حضرت خاتم المرسلین کی شان میں کرتا تھا اس کے مقابل میں یہ باتیں پھر بھی بہت کم تھیں۔ رنگ رنگ کی تاریخیں مذمت آمیز لوگوں نے نکالی ہیں۔ "ملا صاحب یہاں چھ تاریخیں موذی الفاظ میں لکھ کر پھر اس کی روح کو ایذا دیتے ہیں۔ ہاں صاحب جو اس کے اور اس کے باپ بھائی کے حقوق آپ پر ہیں وہ ادا نہیں ہوئے۔ کچھ اور دھواں دل میں باقی ہو وہ بھی نکال لیجئے۔ جب وہ بیچارہ جیتا تھا اس وقت بھی تمہارے بگڑنے پر نہ بگڑا بلکہ مصیبت میں کام وہی آتا تھا۔ اب مر گیا ہے۔ جو چاہو سو کہہ لو۔

یہ کیا کہا مجھے او بدزباں بہت اچھا　　　　سنا لے اور بھی دو گالیاں بہت اچھا

پھر ملا صاحب لکھتے ہیں۔ ٹھیک چالیس برس تک شعر کہتا رہا مگر سب بے ٹھیک۔ استخوان بندی خاصی مگر بے مغز اور سراپا بے مزہ۔ وادی شطحیات وفخریات وکفریات میں مشہور سلیقہ رکھتا تھا۔ لیکن ذوق حقیقت ومعرفت اور چاشنی روحانی وعرفانی اور قبول خاطر خدا نہ کرے۔ باوجود یکہ دیوان اور مثنوی میں ۲۰ ہزار سے زیادہ شعر ہیں۔ مگر اس کی بجھی ہوئی طبیعت کی طرح ایک بیت میں بھی شعلہ نہیں۔ مطرودی اور مردودی کے سبب سے کسی نے اس کے کلام کی ہوس نہ کی برخلاف اور ادنیٰ شاعروں کے۔

شعرے کہ بود زنکتہ سادہ　　　　ماند ہمہ عمر یک سوادہ

اور عجب تر یہ ہے کہ ان چھوٹے موٹے ڈھکوسلوں کی نقل کرنے میں بڑی بڑی رقمیں تنخواہوں میں خرچ کیں۔ اور لکھوا لکھوا کر دوست آشناؤں کو دور و نزدیک بھیجے۔ کسی نے بھی دوبارہ نہ دیکھا

شعر تو مگر ز حرمت ستر آموخت　　　　کز گوشہ خانہ میل بیروں نکند

یہاں شیخ فیضی کی وہ عرضی نقل کرتے ہیں۔ جو انہوں نے دکن سے ان کی سفارش میں بادشاہ کو لکھی ہے اور بعد اس کے پھر لکھتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس کی طرف سے وہ محبت اور اخلاص اور راس

Marfat.com

کے مقابلہ میں اس قدر مذمت اور درشتی۔ یہ کیا مروت ووفا کا آئین ہے؟ خصوصاً مرنے کے بعد اس طرح کہنا عہد شکنوں میں داخل ہوتا ہے۔ اور لا تنکروا موتنکم الا بالخیر۔ سے غافل ہوتا ہے۔ یہ کیا زیبا ہے؟ ہم کہیں گے یہ درست مگر کیا کیجئے کہ حق دین اور اس کے عہد کی حفاظت سب حقوں سے بالاتر ہے۔ الحب للہ و البغض للہ ۔ قاعدہ مقررہ ہے مجھے چالیس برس کامل اس کی مصاحبت میں گزرے۔ مگر وضعیں اس کی جو بدلتی گئیں اور مزاج میں فساد آتا گیا اور حالتوں میں خلل پڑتا گیا ان کے سبب سے رفتہ رفتہ (خصوصاً مرض موت میں) سب تعلق چلا جاتا رہا۔ اس اس کا حق کچھ نہ رہا اور صحبت بگڑ گئی۔ وہ ہم سے گئے۔ ہم ان سے گئے۔ باوجود ان سب باتوں کے ہم خدا کی درگاہ میں چلنے والے ہیں جہاں سب کا انصاف ہو جائے گا۔ الا خلاء یومئذ بعضھم بعض عدو الا المتقین ۔ (ملا صاحب فرماتے ہیں) مال متروکہ میں سے چار ہزار چھ سو جلدیں نفس صحیح کی ہوئی تھیں۔ جنہیں بہ طریق مبالغہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اکثر بخط مصنف یا عہد تصنیف کی تھیں۔ سب سرکار بادشاہی میں داخل ہو گئیں۔ فہرست پیش ہوئی تو تین قسموں میں تقسیم کیں۔ اعلیٰ نظم، طب، نجوم، موسیقی، اوسط حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ، ادنیٰ تفسیر، حدیث، فقہ اور باقی شرعیات۔

ان میں ایک سو ایک جلدیں نلدمن کی تھیں باقی کس شمار میں ہیں۔ مرنے سے چند روز پہلے بعض آشناؤں کے بہت کہنے سے چند بیتیں نعت اور معراج میں لکھ کر درج کر دی تھیں۔

آزاد۔ ملا صاحب جو چاہیں فرمائیں۔ اب دونوں عالم آخرت میں ہیں۔ آپس میں سمجھ لیں گے۔ تم اپنی فکر کرو۔ وہاں تمہارے اعمال سے سوال ہوگا۔ یہ نہ پوچھیں گے۔ کہ اکبر کے فلاں امیر نے کیا کیا لکھا اس کا عقیدہ کیا تھا اور تم اس کو کیسا جانتے تھے۔ اور جہانگیر کے فلاں نوکر کا کیا کیا معاملہ تھا اور تم اسے کیا جانتے ہو۔

اے ظفر ہم کو اگر خوف و خطر ہے تو یہی ۔ کیا کہینگے جو وہ پوچھے گا کیا کیا تم نے

اتنا تو پھر بھی کہوں گا کہ نلدمن ہر کتب فروش کی دکان میں ملتی ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ پونے دو سو شعر کی نعت مع کیفیت معراج اس نزاکت اور لطافت اور بلند پروازی کے ساتھ لکھی ہے۔ کہ انشاء پردازی اس کے قلم کو سجدہ کرتی ہے۔ نعت کا مطلع ہی دیکھو جواب ہو سکتا ہے؟۔

آں مرکز دور منتکیا بعدول گرداب پسین و موج اول

تصنیفات:

اب میں شیخ فیضی کی تصنیفات کی تفصیل اور ہر کتاب کی کیفیت حال لکھتا ہوں۔

Marfat.com

تباشیر الصبح:

دیوان خود مرتب کیا۔ اور دیباچہ لکھ کر لگایا تباشیر الصبح نام رکھا۔ جب ترتیب دیا تو ایک دوست کو اس کی خوشخبری لکھ کر دل خوش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۰ برس سے زیادہ کی کمائی ہے۔ نو ہزار بیت کلام ہے۔ غزلیں سلیس اور شستہ فارسی زبان میں ہیں۔ استعاروں کے پیچوں سے بہت بچتے ہیں۔ اور لطف زباں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ جس پر انہیں قدرت کامل حاصل ہے۔ باوجود اس کے اہل زبان کے حرف بحرف تابع ہیں۔ طبیعت جوش میں آتی ہے۔ مگر زبان حد اعتدال سے نہیں بڑھ جاتی اور اپنی طرف سے ایک نقطہ کا تصرف بھی نہیں کرتی۔ میں ضرور کہتا کہ سعدی کا انداز ہے۔ مگر وہ حسن و عشق میں زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ حکمت اور نفس ناطقہ کی حقیقت اور حودی میں، خداشناسی اور شکوہ معانی اور فخریہ و بلند پروازی کی ہوا میں اڑتے ہیں۔ کفر والحاد کے دعووں میں بڑے زور دکھاتے ہیں۔ حسن و عشق میں نظم ایشیا کے استاد ہیں۔ ان کا نام فقط عادت کے سبب سے زبان پر آ جاتا ہے۔ وہ فاضل کامل ہے۔ اور زبن عربی کے ماہر۔ کہیں کہیں ایک ایک مصرعہ یا آدھا مصرعہ عربی کا لگا جاتے ہیں تو عجب مزہ دیتا ہے۔

قصائد میں متقدمین کے قدم بقدم چلے ہیں۔ اور جو کچھ کہا ہے۔ نہایت برجستہ کہا ہے۔ غزلیں معہ قصائد بیس ہزار شمار میں آئی ہیں۔ اکبر کو جوان کا کلام پسند تھا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ اول تو عام فہم ہوتا تھا صاف سمجھ میں آتا تھا۔ دوسرے اپنے آقا کی طبیعت کو سمجھ گئے تھے۔ اور حالات موجودہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ وقت کو خوب پہچانتے تھے۔ اور طبیعت حاضر لائے تھے۔ حسب حال خوب لکھتے تھے۔ اور عین برمحل کہتے تھے۔ مطلب کو نہایت خوبصورتی اور برجستگی سے ادا کرتے تھے۔ دل لگتی اور من بھاتی بات ہوتی تھی۔ اکبر سن کر خوش ہو جاتا تھا۔ اور سارا دربار اچھل پڑتا تھا۔

احمد آباد گجرات وغیرہ کی مہمیں:

اکبر احمد آباد گجرات وغیرہ کی مہمیں فتح کر کے پھرا تو تمام فوج پیچھے پیچھے۔ سب وہیں کی وردی۔ وہیں کے ہتھیار سجے۔ اکبر خود سپہ سالاروں کی طرح ساتھ، وہی لباس وہی اسلحہ تھی دکن کا چھوٹا سا برچھا کندھے پر رکھے آگے آگے چلا آتا تھا۔ فتح پور کے قریب پہنچ تو کئی کوس آگے امرا استقبال کو حاضر ہوئے۔ فیضی نے بڑھ کر غزل پڑھی۔ (اکبر ان دنوں فتح پور سیکری میں بہت رہتا تھا) مطلع

نسیم خوش دلی از فتح پور مے آید — کہ بادشاہ من از راہ دور مے آید

Marfat.com

۹۹۷ھ میں جب کشمیر کی مہم سے اطمینان ہوا تو بادشاہ گلگشت کو پہنچے۔ موسم بہار سے دل شگفتہ ہوئے۔ فیضی نے جھٹ قصیدہ لکھا۔ مطلع۔

ہزار قافلہ شوق میکند شب گیر | کہ بار عیش کشاید بخطہ کشمیر

عرفی نے بھی کشمیر میں پہنچ کر بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہے۔ مگر مضامین خیالیہ و بہاریہ میں بلند پروازی اور معنے آفرینی کی ہے۔ ان کا قصیدہ دیکھو تو تمام مضامین حالیہ کی تصویر ہے۔ جب دربار شاہ یا جلسہ احباب میں پڑھا گیا ہوگا۔ لٹالٹا دیا ہوگا۔ سفر کابل میں ڈکہ کی منزل پر اکبر گھوڑے سے گر پڑا۔ انہوں نے اس قطعہ سے آنسو پونچھے۔

دوش از آسماں ضمیرم را | گرہ غصہ برجبیں افتاد
حالتے رفت کز تصور آں | لرزہ در چرخ ہفتمیں اُفتاد
ہم بروے زحل غبار نشست | ہم درابروے زہرہ چین اُفتاد
خاکم اندر دہن مگر کز رخش | شاہ والا جلال الدیں اُفتاد
آسماں بانگ زدکہ غصور مخور | نور خورشید برزمیں اُفتاد
چہ زیاں نور راز افتادن | نور را جوہر ایں چنیں اُفتاد
بلکہ روشن کند جہاں یک سر | برزمین نور چوں قریں اُفتاد
گفتم احسنت نکتہء گفتی | کہ دلت نکتہ آفریں اُفتاد
برخوردیا رب از فروغ نظر | ہر کہ رادیدہ دوربیں اُفتاد
عالم افروز باد آں جوہر | کہ بہ خورشید دلنشیں اُفتاد

میر قریش ایلچی توران:

میر قریش ایلچی توران آنے والا تھا۔ تجویز ہوئی کہ ۳۱ کا جلوس جشن قریب ہے۔ اس میں اس کی ملازمت ہو۔ دیوان خانہ اٹک کی آئین بندی ہوئی۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا۔ کشمیر فتح ہوا تھا۔ راجہ مان سنگھ بھی کوہستان سرحدی میں فرقہ روشنائی کی مہم مار کر آئے تھے۔ ہزاروں افغان قتل اور ہزاروں قید کر کے لائے تھے۔ فوج کی حاضری اور ران کی حضوری بڑے شان وشکوہ سے دکھائی۔ شیخ فیضی نے قصیدہ پڑھا۔

فرخندہ باد یارب برملکت ستانی | ازمبدء خلافت آغاز قرن ثانی

Marfat.com

انشائے فیضی:

انشائے فیضی جس کا حال ابھی بیان کرونگا۔ اس میں اکثر عرضداشتوں کی ذیل میں لکھتا ہے۔ آج صبح کا عالم دیکھ کر حضور پرنور کا خیال آیا۔ اور یہ غزل ہوئی۔ کہیں لکھتا ہے باغ میں گیا تھا۔ فوارے چھپٹ رہے تھے۔ حضور کی وہ تقریر یاد آئی اور یہ شعر آبدار ٹپکا وغیرہ وغیرہ۔

خمسہ:۔ ۹۹۳ھ میں حضور کا حکم ہوا کہ خمسہ نظامی پر سب نے طبیعتیں آزمائی ہیں۔ تم بھی فکر کی رسائی دکھاؤ۔ قرار پایا کہ:۔

مخزن اسرار پر	مرکز دوار	۳ ہزار بیت کی لکھو۔ موجود ہے
خسرو شیریں پر	سلیمان وبلقیس	۴ ہزار بیت ہوں۔ اس کے متفرق اشعار ملتے ہیں
لیلیٰ مجنوں پر	نل دمن	کہ ہندوستان کے پرانے فسانوں میں سے ہے ۴ ہزار بیت میں ہو۔ ہر جگہ ملتی ہے۔
ہفت پیکر پر	ہفت کشور	۵ ہزار بیت میں ہو۔ اس کا نام ونشان نہیں۔
سکندر نامہ پر	اکبرنامہ	اتنے ہی شعر میں ہو۔ متفرق اشعار ہیں۔

پہلی کتاب اسی دن شروع ہوئی۔ چند حروف بسم اللہ کی رموز میں ہوئے۔ اور اس طرح نیرنگی نفس۔ کیفیت سخن، قلم، آرائش، دل، علم، نظر، تمیز، غرض جو کچھ کہا تھا بادشاہ نے سنا اور فرمایا یہ مرۃ القلوب ہے۔ باقی کتابوں کے بھی مختلف مقامات لکھے۔ مگر سلطنت کے کاروبار تھے۔ مہمات ملکی ومالی کے ہجوم تھے۔ اس لئے تین نسخے ناتمام رہے۔ ۱۰۰۲ھ میں اسے لاہور کے مقام میں ایک دن بادشاہ نے بلا کر پھر خمسہ کی تکمیل کیلئے تاکید فرمائی اور کہا کہ پہلے نل دمن تمام کردو۔ چنانچہ چار مہینے میں کتاب مذکور لکھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں اور دلکش ترکیبیں۔ ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں۔ جس دن حضور میں لے گیا۔ شگون کیلئے ۱۵ اشرفیاں بھی اس پر رکھیں۔ دعا یہ زبان پر، چہرہ رنگ کامیابی سے شگفتہ، دل خوشی سے باغ باغ، نذر گزرانی۔ فی الحقیقت جس کے قلم سے یہ تاج مرصع ہو کر اکبری دربار میں آئے۔ اور اکبر جیسے بادشاہ کے سامنے تعمیل فرمائش کے رتبے میں پیش ہو۔ صبح مراد کی بہار اسی کے لہلہاتے دل میں دیکھنی چاہئے۔ میں نے انشا میں کئی رقعے دیکھے ہیں۔ دوستو عجیب خوشی کے خیالات میں ختم کی خبریں دی ہیں۔

Marfat.com

نل دمن کی داستان:

بکرماجیت کے زمانہ میں کالیداس نامی صاحب کمال شاعر گزرا ہے۔ اس نے تو کتابیں بطور افسانہ اس نزاکت ولطافت سے نظم کی ہیں۔ کہ جواب نہیں رکھتیں۔ ان میں سے ایک نل دمن کی داستان ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ فیضی ہی جیسا صاحب کمال ہو جو ایسے طلسم کی تصویر فارسی میں اتارے۔ یہ کتاب ہندوستان اور ہندوستان کے شاعروں کے لئے فخر کا سرمایہ ہے۔ افسانہ مذکور کی خوش نصیبی ہے۔ کہ فارسی کا شاعر بھی ملا تو ایسا ہی ملا۔ اہل زبان پڑھتے ہیں تو وجد کرتے ہیں۔ حق پوچھو تو مثنوی مذکور کی لطافت ونزاکت کا بڑا سبب یہ ہے۔ کہ سنسکرت زبان میں جو معنی آفرینی کے لطف تھے۔ فیضی انہیں خوب سمجھتا تھا۔ ساتھ اس کے فارسی پر پوری قدرت رکھتا تھا۔ وہ اس کے خیالات ادھر لایا اور اس طرح لایا کہ نزاکت اور لطافت اصل سے بڑھ گئی۔ اور فارسی میں ایک نئی بات نظر آئی اس لئے سب کو بھائی۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ''ان دنوں ملک الشعرا کو حکم فرمایا کہ پنج گنج لکھو۔ کم وبیش پانچ مہینے نل دمن لکھی۔ کہ عاشق ومعشوق تھے۔ اور یہ قصہ اہل ہند میں مشہور ہے۔ چار ہزار دوسو شعر سے کچھ زیادہ ہیں۔ نسخہ مذکور معہ چند اشرفیوں کے نذر گزرانا۔ نہایت پسند آیا۔ حکم ہوا کہ خوشنویس لکھے۔ اور مصور تصویریں کھینچے۔ اور نقیب خان جورات کو کتابیں سناتے ہیں۔ ان میں یہ بھی داخل ہو۔ مطلع کتاب یہ ہے۔

اے در تگ وپوے تو زآغاز   عنقائے نظر بلند پرواز

اور حق یہ ہے۔ کہ ایسی مثنوی اس تین سو برس میں خسرو شیریں کے بعد ہند میں شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔

آزاد۔ نعمت کے جرم کی کیفیت ابھی سن چکے۔ لطف یہ ہے کہ باوجود بیان مذکور کے شعرا کے سلسلہ میں آپ نے نشائی مہرکن کا حال لکھا ہے۔ پھر دینداری اور خوش اعتقادی وحسن اخلاق کے اوصاف کے ساتھ اس کے اشعار سے فیضی کی مٹی خراب کی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ فیضی کو جس قصیدہ پر بڑا ناز ہے وہ یہ ہے۔

شکر خدا کہ عشق بتانست رہبرم   در ملت برہمن ودر دین آذرم

نشائی نے اس پر لکھا ہے۔

شکر خدا کہ پیرو دین پیغمبرم   حب رسول وآل رسول است رہبرم

Marfat.com

نشائی نے تل دمن پر بھی کچھ اشعار لکھے تھے۔ باوجودیکہ حضرت کتاب مذکور کو خود پسند کا خلعت پہنا چکے تھے مگر اس پر بھی رہ نہ سکے۔ نشائی نے جو خاکہ اڑایا تھا۔ آپ نے اس میں سے پینتالیس شعر لکھ ہی دیئے۔ مثنوی۔

چند زنی لاف کہ در ساحری | سامریم سا مریم سامری
ہر نفسم معجزہ عیسویست | شعلہ نور شجر موسویست
در سخنم نادرۂ روزگار | اہل سخن را منم آموزگار
ہر نفسم پردہ جادو شکیب | ہر سخنم سحر ملائک فریب
خسرو ملک ہمہ دانی منم | عالم اقلیم معانی منم
جوہر ہر سلک سخندانیم | صیر فی نقد سخن رانیم
ایں منم امروز دریں داوری | شعلہء آتش بزباں آوری
دعویٰ ایجاد معانی مکن | شمع نہء چرب زبانی مکن
شعلہ سرشتاز گہرہائے پاک | لاف مزن نیست چودر کیسہ خاک
طبع تو ہر چند درہوش زد | یک سخن تازہ نشد گوش زد
آنچہ تو گفتی دگراں گفتہ اند | در کہ تو سفتی دگراں تفتہ اند
خانہ کہ از نظم بیاراستی | آب وگلش ازدگراں خواستی
سقفِ منقش کہ دریں خانہ است | رنگ وے از خانہ بیگانہ است
طبع تو دار دروش باغباں | ساختہ باغے زنہال کساں
سبزہ آں باغ زراغ دگر | ہر گل رعناش زباغ دگر
غنچہ آں گرچہ رواں پروراست | لیک زخون جگر دیگر است
بید کہ بے میوہ سرے برکشید | ہر کس ازاں دانہ مشجر کشید
تازگیء آں نہ زبار ان تست | ازخوئے پیشانیء یاران تست
چند پئے نقد کساں سوختن | چشم بمال دگراں دوختن
جمع مکن نقد سخن پروراں | کیسہ مکن پرزرزردیگراں
شربت بیگانہ فراموش کن | آب زسرچشمہ خودنوش کن
گرخضری آبحیات تو کو | درشکری شاخ نبات تو کو
نخل صفت سربفلک میری | میوہ بجز ختہ نمے آوری

Marfat.com

سرد کہ برچرخ بساید سرش | چاشنئے میوہ نباشد برش
برسخن خویش تفاخر چراست | برمن دل خستہ تمسخر چراست
من اگر ازشرم نگویم سخن | حمل بہ بیدانشئے من مکن
نے چو رطب سینہ پرازختہ ام | ہچو صدف پردرو لب بستہ ام
من اگر ازبند کشایم زباں | لب بکشایند زباں آوراں
طعنہ چوابلیس با آدم مزن | حالت من درنگرودم مزن
سامریم من کہ بزور فسوں | بجہے ازسحر برآرم بروں
غلغہ در زہرہ وماہ افگنم | نسخہ ہاروں بچاہ افگنم
ایں منم آں ساحر جادو مزاج | کزسخنم یافتہ جادو رواج
من کہ بجادو سخنی شہرہ ام | ہم فلک وہم مہ وہم زہرہ ام
سامریاں درگرہ موئے من | بابلیاں درچہ جادوئے من
دولت ایں کار بکام من است | سکہ ایں ملک بنام من است
از سخنم طرز سخن یادگیر | عارمکن دامن استاد گیر
ہر کہ باستاد ارادت برد | دردو جہاں گنج سعادت برد
یک سخن ازنظم تونبود درست | مضحکہ اہل سخن نظم تست
گرچہ بروئے تونگوید کسے | عیب تو پیش تو نجوید کسے
لیک عقیب توملامت گراں | برتورسانند گراں تا گراں
شعر گرا گریباں آورند | عیب تو یک یک زبان آورند
شعر ترا پیش تو تحسیں کنند | درپس تو لعنت ونفریں کنند
نے تو بکس یارونہ کس باتو یار | عیب تو برتونشود آشکار
وہ کہ یکے یارنداری دریغ | مونس وغم خوار نداری دریغ
تابتو عیب تو نماید کہ چیست | وانچہ بحسیب تو کشاید کہ چیست

مرکز ادوار:

مرکز ادوار ۱۰۰۴ھ میں شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں۔ کہ ان کے کلام کی تلاش وترتیب کے حالت میں ایک بیاض نظر آئی کہ بہت شوریدہ لکھی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ عالم بیماری میں اکثر زیر قلم رہتی

Marfat.com

تھی۔ اشعار کو دیکھا تو مراۃ القلوب (مرکز ادوار) کے وزن میں تھے۔ پڑھی نہ جاتی تھی۔ ان کے ہمنشینوں اور ہم زبانوں سے کہا۔ وہ مل کر بیٹھے اور ناامید ہو کر اٹھے۔ آخر میں متوجہ ہوا نور آگاہی اور دانش الٰہی سے پڑھ کر مطلب مطلب۔ اور مضمون مضمون کے شعر الگ الگ لکھے۔ اور ترتیب دیگر داستان داستان نئی سرخی کے نیچے لکھی۔ جس پریشاں نظم ونثر سے سخن آشنا مصاحبوں کا فکر ناامید ہو گیا تھا وہ مرتب ہو کر تیار ہو گئی۔ جب میں نے اپنے بھتیجے ❶ کو زندگی جاوید کا مژدہ سنایا۔ مجھ پر شادمانی اور اس پر حیرانی چھا گئی۔ باقی تین کتابوں کے بھی کچھ اشعار اور بعض داستانیں لکھی تھیں۔ چنانچہ کچھ کچھ ان میں سے اکبر نامہ میں درج ہیں۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ فارسی کا کل کلام نظم ونثر پچاس ہزار بیت اندازہ میں آیا ہے۔ ترتیب کے وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ پچاس ہزار اشعار اہل زمانے کی طبیعتوں سے بلند دیکھ کر خود دریا برد کر دیے تھے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ ۱۰۰۶ھ میں اس کی ترتیب تمام ہوئی۔

کتاب للیاوتی:

لیلاوتی، حساب کی کتاب سنسکرت میں تھی۔ اس کے منہ سے ہندوستان کا ابٹنا دھو کر فارس کا گلگونہ ملا۔ دیباچہ کی ابتدا دیکھنا کس انداز سے اٹھے ہیں۔ رباعی

اول ز ثنائے بادشاہی گویم　　ونگہ ز ستایش آلٰہی گویم
ایں عقدہ معنی بقلم بکشایم　　ویں نکتہ سربستہ کماہی گویم

رسم است کہ چوں بدرگاہ بادشاہی مشرف شوند۔ نخست از مقربان بارگاہ توسل جویند۔ ایں جایگانہ صمدیت ومقرب بارگاہ احدیت حضرت بادشاہ حقیقت آگاہ است خلد اللہ ملکہ وابقاہ۔

خواہی کہ چو من راہ ہدے شناسی　　نشناختہ راہ راہ کجا شناسی
ایں سجدہ ناقبول سود ت ندہد　　اکبر شناس تا خدا شناسی

مہابھارت کا فارسی ترجمہ:

مہابھارت کا ترجمہ بادشاہ نے دیا کہ نثر درست کرو اور مناسب مقام پر نظم سے آرائش دو۔ دو پرب (فن) درست کیے تھے کہ اس سے زیادہ ضروری کام عنایت ہو گئے اور آرائش ناتمام رہی۔

❶ شاعر کے اشعار اس کے فرزند معنوی ہوتے ہیں۔ اسی رشتہ سے انہیں اپنا بھتیجا کہا ہے اور جب پریشان اشعار کو مرتب کر کے کتاب بنا دیا تو اسے زندگی جاوید حاصل ہو گئی۔

Marfat.com

بھاگوت اور اتھرون بید کا فارسی ترجمہ:

بھاگوت اور اتھرون بید کو بھی کہتے ہیں۔ کہ فارسی میں ترجمہ کیا مگر کتاب سے ثابت نہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ فیضی عالم نوجوانی میں بنارس پہنچا اور کسی بڑے گنوان پنڈت کی خدمت میں ہندو بن کر رہا۔ جب تحصیل کر چکا۔ تو رخصت کے وقت راز کھولا اور عفو تقصیر چاہی۔ اس نے افسوس کیا۔ مگر اسکی ذہانت اور قابلیت سے بڑا خوش تھا۔ اس لئے عہد لے لیا کہ گاتیری کا منتر اور چاروں وید بھاشا یا فارسی میں نہ کرنا۔ اس کہانی کا بھی کتاب سے سراغ نہیں ملتا۔

اساتذہ سلف کی کتابوں سے جو عمدہ مقام پسند آیا۔ اسے لکھتے گئے تھے۔ وہ ایک عجیب گلدستہ نظم ونثر کا شیشہ عطر مجموعہ کا تھا۔ شیخ ابوالفضل نے اس پر دیباچہ لکھا تھا (دیکھو حال ابوالفضل)

انشائے فیضی:

۱۰۳۵ھ میں نورالدین محمد عبداللہ خلف حکیم عین الملک نے ترتیب دی ہے۔ اور لطیفہ فیاضی اس کا نام رکھا ہے۔ باب اول میں عرضداشتیں ہیں۔ کہ اکثر سفارت دکن سے حضور بادشاہ میں عرض کی ہیں۔ یہ عرضیاں بڑی غور طلب رپورٹیں ہیں۔ کہ رموز سلطنت پر مشتمل ہیں۔ ان کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہمیں بڑے بڑے نکتے سکھاتی ہیں۔ اول عجز وانکسار کے انداز، اور مجھے اس میں جتانے کے قابل یہ امر ہے۔ کہ جب ہم ایشیا میں ہیں۔ اور ہمارے آقا کمال شوق سے آداب وتعظیم کے خریدار ہیں تو ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے میں کیا عذر ہے۔ آقا کی خوشی بڑی گراں بہا شے ہے۔ جب قیمت میں فقط چند لفظ یا فقرے خرچ کر کے ملے اور ہم نہ لے سکیں تو ہم سے زیادہ کم عقل اور کم نصیب کون ہوگا۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ ایک فقط ایک خاکساری کا مضمون ہے۔ جسے وہ نشا پرداز معنی آفرین کس کس طرح رنگ بدل کر پیش کرتا ہے۔ اور مستعمل اور فرسودہ جنس کو کیسا خوش رنگ بنا بنا کر سامنے لاتا ہے۔ خدمت حضور سے جدائی کا رنج بھی بہت ہے۔ اسے کس کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی کہ ایسی با اعتبار اور با اعزاز خدمت میری طبع کو کہ عاشق حضور ہے وبال معلوم ہوتی ہے۔ بعد اس کے اصل مطالب۔ پہلی عرضی میں اول رستہ کی حالت اپنی مملکت میں جس جس شہر سے گزرا ہے وہاں کی روداد۔ حاکم کی کیفیت کارروائی، اگر ضروری ہے تو ماتحتوں کی بھی خدمت گزاری۔ ملک دکن میں پہنچے تو سرزمین کی کیفیت، ملک کی حالت، ہر مقام میں پیداوار، پھول پھل کیا کیا ہیں۔ اور کیسے ہیں۔ اہل صنعت کے صنائع، علماء، حکماء، شعراء وغیرہ اہل کمال کے حالات ان کی شاگردی کا سلسلہ کہ کن استادوں تک پہنچتا ہے۔ ہر ایک کی لیاقت، اخلاق، اطوار ہر ایک پر اپنی

Marfat.com

رائے کہ کون پرانی لکیر کا فقیر ہے۔ کون نئی روشنی دیتا ہے۔ اثر پذیر ہے۔ اور کون ان میں سے حضوری دربار کے قابل ہے۔

بعض لنگر گاہیں وہاں سے قریب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جاتے ہی سب طرف اپنے آدمی پھیلا دیئے تھے۔ چنانچہ ہر عرضی میں لکھتے ہیں۔ کہ میرا آدمی خبر لایا، فلاں تاریخ فرنگ کا جہاز اترا۔ فلاں فلاں اشخاص روم کے ہیں۔ وہاں کے حالات یہ یہ معلوم ہوئے، فلاں جہاز آیا۔ بندر عباس سے فلاں فلاں اشخاص سوار ہوئے۔ ایران کے فلاں فلاں اشخاص ہیں۔ وہاں کے یہ یہ حالات ہیں۔ عبداللہ خاں ازبک سے ہرات پر لڑائی ہوئی۔ یہ تفصیل ہے۔ اور یہ انجام ہوا۔ آئندہ یہ ارادہ ہے۔ شاہ عباس نے تحائف تیار کئے ہیں۔ فلاں شخص کو ایلچی قرار دیکر حضور میں بھیجے گا۔ وہاں فلاں فلاں اشخاص عالم اور صاحب فضل وکمال ہیں۔

عرائض مذکورہ سے اکبر کی طبیعت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کن کن باتوں سے خوش ہوتا تھا۔ اور باوجود سامان شہنشاہی کے ان اہل علم اور اہل دانش کے ساتھ کس درجہ بے تکلف تھا۔ اور یہ کیسی لطافت سے اسے خوش کرتے تھے۔ اور کس درجہ کی ظرافت لطافت ہوتی ہے جو اس کے دل کو شگفتہ کرتی تھی۔ ان لطیفوں میں تم کو ایک نکتہ معلوم ہوگا۔ جو کہ مصلحت ملکی اور قانون حکمت سے آگاہ کریگا۔ وہ کیا؟ کمبخت اور منحوس جھگڑا تشیع اور تسنن کا۔ تم دیکھ چکے کہ علما وامرائے دربار تمام بخاری وسمرقندی تھے اور کیسے زوروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ مگر دیکھو گے اور سمجھو گے کہ انہوں نے اس معاملے کو کیسا خفیف کر دیا تھا کہ دل لگی کا مصالح ہوگیا تھا۔ یہ عرضیاں بہت طولانی ہیں۔ میں ان میں سے ایک عرضی کی نقل لکھوں گا۔ مگر اس میں سے بھی بعض مطالب کی عبارتیں چھوڑتی پڑیں گی۔ کہ طبیعتوں کے ذوق بجھ نہ جائیں ان سے یہاں کچھ تعلق نہیں ہے۔

فائدہ:

ان رقعوں میں جہاں شیخ ابوالفضل کا ذکر آیا ہے تو انہیں نواب علامی، نواب اخوی، نواب اخوی علامی، کہیں اخوی شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں۔

تفسیر سواطع الالہام:

۱۰۰۲ھ میں یہ تفسیر لکھی کہ علم وفضل کے ساتھ زور طبع اور حدت فکر کا زمانہ ہے۔ ۷۵ جزو کی کتاب تمام بے نقط قریب ایکوار بیت کے دیباچہ ہے۔ اس میں اپنا، باپ کا، بھائیوں کا اور تحصیل علم کا حال ہے۔ بادشاہ کی تعریف اور قصیدہ لکھا ہے۔ ۹۹ فقرے کا خاتمہ ہے۔ کہ ادائے مطلب بھی

Marfat.com

ہے اور ہر فقرہ تاریخ اختتام ہے۔ فضلائے عصر نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ شیخ یعقوب کشمیری صیرفی تخلص نے زبان عربی میں لکھی۔ میاں امان اللہ سرہندی نے آغاز تصنیف کی تاریخ کہی۔ لارطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ نظر ثانی کرنے لگے تو خود اس کی تاریخ کہی احرار الثانی کہی۔ میر حیدر معمائی ایک فاضل کاشان سے آئے تھے۔ انہوں نے سورہ اخلاص میں سے تاریخ نکالی۔ مگر بے بسم اللہ۔ ملک الشعراء نے انہیں دس ہزار روپے انعام دیئے۔ ملا صاحب نے بھی دو تاریخیں اور ایک تقریظ لکھی۔ مگر منتخب التواریخ میں جو بے نقط سنائی ہیں۔ تم دیکھ ہی چکے۔ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ تفسیر مذکور میں مولانا جمال ثلہ ❶ نے بہت اصلاح کی ہے اور درست کردی ہے۔ خیر یہ جو چاہیں فرمائیں۔ فیضی کو اس نعمت الٰہی کی بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے انشا میں کئی خط احباب علما کے نام ہیں۔ لکھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا۔ ان فقروں سے خوشی برستی ہے۔ ایک خط میں لکھتا ہے۔ دسویں ❷ تاریخ ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ کو میری تفسیر ختم ہوئی۔ لوگ تقریظیں ❸ اور تاریخیں کہہ رہے ہیں۔ سید محمد شامی ایک بزرگ احمد نگر میں ہیں۔ انہوں نے بھی لکھی ہے۔ تم نے خود دیکھی ہوگی۔ مولانا ملک قمی نے اس کے باب میں رباعیاں کہی ہیں تم نے سنا ہوگا۔ مولانا ظہوری نے قصیدہ کہا ہے دیکھا ہوگا۔ یہاں بھی لوگوں نے خوب خوب چیزیں لکھی ہیں۔ اس میں خمسہ کے انتظام کی خوشخبری سناتا ہے۔ بعض خطوط میں موارد الکلم کی خبریں بھی دیتا ہے۔

موارد الکلم:

نصائح و مواعظ کی باتیں ہیں۔ کہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں لکھی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ تفسیر مذکور لکھ کر طبیعت میں زور، زبان میں قدرت، کلام میں روانی اور لفظوں کی بہتات پیدا ہوگئی تھی کہ جس پہلو سے چاہتا تھا مطلب ادا کر دیتا تھا۔ اس لئے وہی آیات و احادیث و کلام حکما کے مضامین ہیں جن کو بے نقط الفاظ میں ادا کیا ہے۔ موارد الکلم سلک درر الحکم تاریخی نام ہے۔

ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ابتدا میں ایک رسالہ غیر منقوط بادشاہ ظل اللہ کے نام لکھا تھا۔ ملاحظہ کو بھیجتا ہوں۔ مگر بازیچہ اطفال عرب کا ہے۔ کارنامہ صنادید ادب نہیں۔ آزاد۔ یہ رسالہ اب نہیں ملتا۔ شیخ حسن کالپی وال کے نام بہت خط ہیں۔ ایک میں لکھتے ہیں۔ جب آؤ تو مقصد الشعرا ضرور

❶ لاہور میں ایک محلہ تھا۔ مولانا جمال الدین ان دنوں یہاں ایک فاضل کامل تھے۔ اسی محلہ میں رہتے تھے۔

❷ مولانا کمال الدین خطاط شیرازی کے نام انشاء مذکور میں ایک خط ہے۔

❸ فیضی تقریظ کی جگہ اپنی تحریر میں تو قیع لکھتے ہیں۔

Marfat.com

لیتے آنا کہ تذکرہ کا اختتام اس پر منحصر ہے۔اوراور کتابوں میں بھی جو ہو سکے۔انتخاب فرمائیے گا۔جی چاہتا ہے کہ ان کے دیباچہ میں آپ کا نام بھی لکھوں۔آزاد۔تذکرہ مذکور بھی نہیں ملتا۔خدا جانے تمام بھی ہوا تھا یا نہیں۔

ان کی تصنیفات کی تعداد بعض کتابوں میں ۱۰۱ لکھی ہے۔مگر مجھے اس شمار میں کلام ہے۔

مذہب:

فیضی اورابوالفضل کے مذہب کا معاملہ ان کے باپ کی طرح گومگو رہا۔ملائے بدایونی نے جو لکھا تم نے دیکھ لیا۔کوئی دہریہ کہتا ہے۔کوئی آفتاب پرست بتاتا ہے۔میں کہتا ہوں کہ اس کی تصنیفات کو دیکھو مگر اول سے آخر تک دیکھو۔وہ بلند آواز سے پکار رہی ہیں۔کہ موحد کامل تھے۔تب اس بدنامی نے کیونکر اشتہار پایا؟ ہاں ذرا غور سے خیال کرو۔کہ اکبر کے آغاز سلطنت اور اس سے پہلے ہمایوں اور شیر شاہ تک کے عہد میں مخدوم اور ان کے خادموں کے اختیارات کیسے بڑھے ہوئے تھے۔تم نے دیکھ لیا کہ ان کی خود بینی اور خود پسندی اور روکھی سوکھی دینداری کے زور دوسرے کو دنیا میں دیکھ نہ سکتے تھے۔ان کا یہ دعویٰ بھی تم نے دیکھ لیا کہ علم فقط علم دین ہے جو ہم ہی جانتے ہیں۔اور جو ہم جانتے ہیں اور جو ہم کہتے ہیں وہی درست ہے۔اور جو اس میں قیل و قال کرے وہ کافر۔فیضی اور ابو الفضل نے آپ دیکھ لیا تھا اور باپ سے اچھی طرح سن لیا تھا۔کہ ان بے دلیل دعویداروں کے ہاتھ سے کس آفت وعذاب میں عمر بسر ہوئی۔تم یہ بھی جانتے ہو کہ مخدوم وصدر نے قسمت کے زور سے ملک گیر بادشاہوں کے زمانے پائے تھے۔اور شمشیر زنی اور فوج کشی کے عہد دیکھے تھے۔اب وہ زمانہ آیا کہ اکبر کو ملک گیری کم اور ملکداری کی زیادہ ضرورت پڑ رہی تھی۔

انہیں یہ بھی یاد تھا کہ جب ہمایوں ایران میں تھا تو شاہ طہماسپ نے ہمدردی کی خلوتوں میں اسے پوچھا کہ سلطنت کی اس طرح خانہ بربادی کا کیا سبب ہوا؟ اس نے کہا بھائیوں کی نااتفاقی۔شاہ نے کہا رعایا نے رفاقت نہ کی؟ ہمایوں نے کہا کہ وہ غیر قوم اور غیر مذہب ہیں۔شاہ نے کہا اب کے دفعہ وہاں جاؤ تو ان سے موافقت کر کے ایسی اپنایت پیدا کرو کہ مخالفت کا نام درمیان میں نہ رہے۔

اکبر یہ بھی جانتا تھا کہ مخدوم وغیرہ علما ہر دیگ کے چمچے ہیں۔ہمایوں کے عہد میں اس کے خاص الخاص تھے۔شیر شاہ ہوا اسی کے ہو گئے۔سلیم شاہ ہوا اسی کے ہو گئے۔اور لطف یہ کہ وہ سب بھی جانتے تھے۔بلکہ خاص خلوتوں میں بیٹھ کر کہتے تھے۔کہ اسے مخدوم نہ سمجھو بابر کا پانچواں بیٹا ہند میں بیٹھا ہے۔پھر بھی اس کی عظمت اور نذر و نیاز میں فرق نہ لاتے تھے۔اکبر یہ بھی سمجھتا تھا کہ ان عالموں نے بادشاہ

Marfat.com

اور امرائے بادشاہ کو ملک گیریوں کیلئے قربانی سمجھا ہے۔ ملک رانی اور حکمرانی کے مزے احکام شریعت کی آڑ میں ان کا شکار ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ بے ان کے فتویٰ کے بادشاہ کو ایک پتہ ہلانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ بیگناہوں کو قتل کروا دیتے تھے۔ خاندانوں کو تباہ کروا دیتے تھے۔ وہ منہ مڑ دیکھتا تھا اور دم نہ مار سکتا تھا۔ اکبر یہ بھی سمجھتا تھا کہ بابر میرے دادا کو فقط ہم وطن امرا کی نمک حرامی نے خاندانی سلطنت سے محروم کیا اور جو ادھر کے ترک ساتھ ہیں۔ خاص نمک حرامی کا مصالح ہیں۔ عین وقت پر دغا دینے والے ہیں۔ اکبر یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ بہت ایرانی یا شیعہ میرے باپ کے ساتھ تھے اور میرے ساتھ ہیں۔ وہ جاں نثاری کے میدان میں اپنی جانوں کو جان نہیں سمجھتے۔ باوجود اس کے انہیں دب کر اور اپنے مذہب کو چھپا کر رہنا پڑتا ہے۔ امرائے ترک انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ سب علما حسد کے پتلے ہیں۔ آپس میں بھی ایک دوسرے کا روادار نہیں۔ روشن دماغ بادشاہ یہ سب حال دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ کیا کرے اور کس طرح پرانے زوروں کو توڑے۔ اس نے ۹۸۲ھ میں ایک عالیشان مکان چار ایوان تیار کیا۔ اور عبادت خانہ قرار پایا۔ علما کا جلسہ ہوتا تھا۔ خود بھی شامل ہوتا تھا۔ ان سے تحقیق مسائل کرتا تھا۔ آپس میں مباحثے کرواتا تھا ان کے جھگڑوں پر کان لگاتا تھا کہ شاید اختلافوں میں کوئی اتفاق مفید مطلب نکل آئے۔ فارغ التحصیل جوانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لیتا تھا۔ اور ان جلسوں میں شامل کرتا تھا۔ کہ اس زمانے کی آب و ہوا نے انہیں پالا ہے۔ جوان دماغ ہیں۔ جوان عقلیں ہیں۔ شاید مزاج زمانہ کے موافق رائے لائے ہوں اور مصلحت زمانہ کے بموجب تجویزیں سوچتے ہوں۔

ملا بدایونی اور ابوالفضل کا دربار میں داخلہ:

دربار کی یہ کیفیت تھی۔ اور زمانہ کا وہ حال تھا کہ شیخ فیضی پہنچے۔ پھر ملائے بدایونی اور ساتھ ہی ابوالفضل بھی داخل دربار ہوئے۔ ان سب کی لیاقتیں ایک ہی تعلیم کا دودھ پی کر جوان ہوئی تھیں۔ تازے تازے علم، طبیعتوں میں جوانی کے زور، ذہن تیز، فکر بلند، بادشاہ خود حمایت پر۔ اور سب جوان قریب العمر۔ ملا صاحب کا حال دیکھو کہ سب سے پہلے نمبر پر ان کی بہادری نے فتح پائی۔ بڈھے بڈھے عالموں سے زبان بہ زبان اور کلہ بکلہ مقابلے ہونے لگے۔ اور پرانی فضیلتیں جوانوں کی تقریروں سے اس طرح گرنی شروع ہوئیں۔ جیسے درخت سے پکے پھل گرتے ہیں۔ بیخبر لوگ شیخ مبارک۔ فیضی و ابوالفضل کو مخدوم صدر کے گرانے کا الزام دیتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان کا کچھ قصور نہ تھا۔ اب زمانے کا مزاج پرانے بوجھوں کا متحمل نہ رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں سے نہ گرتے تو خود

Marfat.com

مجبور کر تے۔

دہریہ اور بدمذہبی کے الزام:

ان باپ بیٹوں کو جو دہریہ اور بد مذہبی کے الزام دیتے ہیں۔ یہ بھی تامل کا مقام ہے۔ مجتہد کا کام کیا ہے؟ اصل مسئلہ کی صورتحال۔ مصلحت مقام اور مناسب وقت کا دیکھنا۔ دیکھو! شریعت کے اکثر احکام ایسے ملکوں کے لئے قرار دیئے گئے ہیں۔ جہاں جمعیت کثیر اہل اسلام کی تھی اور غیر مذہب کے لوگ جزو ضعیف، صحرا نشین، بے سروپا، خیال کرو وہی احکام ایسے ملکوں میں کیونکر جاری کر سکتے ہیں جہاں جمعیت قلیل اہل اسلام کی ہو اور گزارہ کرنا ان لوگوں کے ساتھ ہو کہ جمعیت کثیر اور جمغفیر صاحب ملک اور صاحب شمشیر غیر قوم اور غیر مذاہب کے لوگ ہوں۔ اور ملک بھی انہی لوگوں کا ہو۔ اچھا جاری کرتے ہو کرو۔ بہت خوب سب کے سب شہید ہو جاؤ۔ مگر سمجھ لو کہ یہ شہید کیسے شہید ہونگے۔

بھلا مقتضائے وقت کے بموجب احکام نہ ہوتے تو قرآن میں آیتیں منسوخ کیوں ہوتیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو خدا کیوں فرماتا۔ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ اکبر آخر ملک گیر اور ملک دار تجربہ کار بادشاہ تھا وہ اپنے ملک کی مصلحت کو خوب سمجھتا تھا۔ اسی واسطے جب ان کے کسی فتوے کو خلاف مصلحت دیکھتا تھا۔ تو روکتا تھا۔ اور شریعت کی دلیل سے ان کا جواب چاہتا تھا۔ علمائے مذکور پہلے عربی فقرے اور علمی الفاظ بول کر اسے دبا لیتے تھے۔ اب اگر وہ بے اصول یا خلاف مصلحت گفتگو کرتے تھے تو ابوالفضل و فیضی آیت یا حدیث سے کبھی علمائے سلف کے فتوے سے۔ کبھی قیاس سے کبھی دلیل عقلی سے انہیں توڑ دیتے تھے۔ اور چونکہ بادشاہ کی رائے ان کی تائید پر ہوتی تھی علماء دیکھتے رہ جاتے تھے۔

ملائے بدایونی تو کسی کا لحاظ کرنے والے نہیں۔ جس کی بات بیجا سمجھتے ہیں۔ مونچھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں۔ قاضی طوالیسی کے فتووں سے خفا ہو کر ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ ابوالفضل کی وہ بات ٹھیک ہے کہ اگر امام اعظم درزمان ما بودے مذہبے دیگر مے نوشت۔ حریفوں کا اور بس نہ چلتا تھا۔ ان پر اور ان کے باپ پر قدیم سے زبانیں کھلی ہوئی تھیں۔ اب بھی رسوا کرتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو بد مذہب بنا دیا۔ ملا صاحب بھی رشک منصبی سے لبریز بیٹھے تھے۔

اگرچہ مخدوم اور شیخ صدر دونوں سے بیزار تھے۔ مگر ان کے معاملوں میں بھی یہی حریفوں کے ساتھ ہمداستان ہو جاتے تھے۔ یہ بات تو بدیہی ہے۔ کہ باپ اور دونوں بیٹے علوم عقلی اور نقلی میں

Marfat.com

اعلیٰ درجہ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ شیخ مبارک کی مہر فتووں پر لی جاتی تھی۔ لڑکوں کی جوانی نے ابھی یہ رتبہ انہیں نہ دیا ہو لیکن اگر کسی مسئلہ میں یہ علمائے وقت سے اختلاف کریں تو ایک مجتہد کی رائے کا دوسری رائے سے اختلاف ہے جو ہمیشہ سے عام چلا آتا ہے۔ اور اس وقت بھی عام تھا۔ مجتہد اگر اپنے استنباط میں خطا کرے تو بھی مستحق ایک ثواب کا ہے۔ نہ یہ کہ اس کی تکفیر کی جائے۔

تفسیر سواطع الالہام اور موارد الکلام:

البتہ ان کی تصنیفات کو بھی دیکھنا ضرور ہے شاید ان سے کچھ عقائد کا حال کھلے۔ شیخ مبارک کی کوئی تصنیف اس وقت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ لیکن یہ تو ثابت ہے کہ اسے سب مانتے ہیں۔ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام اور موارد الکلام موجود ہے۔ کہیں اہل فن کے اصول سے بال بھر بھی نہیں سرکا۔ تمام آیات واحادیث اور بزرگوں کے کلمات وطیبات کے مضامین ہیں۔ زبانی باتوں میں ملا صاحب جو چاہیں کہیں مگر نفس مطالب میں جب۔ نہ اب۔ کوئی دم نہیں مار سکتا تھا اور نہ ظاہر ہے۔ کہ وہ بے دینی و بدنفسی پر آجاتے تو جو چاہتے لکھ جاتے انہیں ڈر کس کا تھا۔

ابوالفضل کا کلام سبحان اللہ مطالب معرفت وحکمت میں اعلیٰ درجہ رفعت پر واقع ہوا ہے۔ دل میں کچھ ہوتا ہے جبھی زبان سے نکلتا ہے۔ ہانڈی میں جو ہوتا ہے وہی ڈوئی میں آتا ہے۔ یہ خیالات ان پر اس طرح کیونکر چھائے رہے تھے؟ ان کی عبارتوں کا یہ عالم ہے۔ کہ ایک ایک نقطہ معرفت اور حکمت کا دریا بغل میں لئے بیٹھا ہے۔ اور یہ نہیں ہوتا جب تک کہ دل اور جان۔ حال و مقال سب اسی کے خیال پر وقف نہ کرے۔ اگر ان تحریروں کو فقط خیالات شاعرانہ اور عبارت آرائی اور انشا پردازی کہیں تو بھی ان کی جان پر ظلم ہے۔ بھلا شعر و سخن کے سامان میں انہیں انہی خیالات کے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ عالم خیال کے بادشاہ۔ ملک سخن کے خدا تھے۔ جن مضامین میں چاہتے اپنے مطالب کو رنگ دیتے۔ اور خلق و عالم سے واہ واہ لے لیتے۔

بڑا الزام ان پر یہ ہے۔ کہ اکبر کو خالص مسلمان نہ رہنے دیا۔ صلح کل اور ملنساری کے رنگ سے رنگ دیا آپ دہریہ تھے اسے بھی دہریہ کر دیا۔ میرے دوستو تین سو برس کی بات ہے کیا خبر ہے۔ انہوں نے اسے رنگ دیا یا مطیع فرمان نوکر اپنے آقا کے مصالح ملکی میں رنگے گئے۔ اگر انہوں ہی نے رنگا تو اس عقل رنگ آمیز کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ جو حریف کہ فتاوے شریعت کے بہانوں سے ہر وقت قتل کے درپے رہتے تھے۔ ان سے جان بھی بچائی۔ اور فتح بھی پائی۔

وہ کہتے تھے کہ دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں۔ خدا کا خود کیا مذہب ہے؟ ظاہر ہے کہ دنیا کے

Marfat.com

لحاظ سے ایک مذہب نہیں ہے۔ ورنہ وہ کل عالم کی پرورش کیوں کرتا؟ اپنے فیض کو عام کیوں رکھتا۔ اور سب کو ترقی کیوں دیتا۔ ایک مذہب جو حق ہے وہی رکھتا، باقی سب فنا۔ جب یہ بات نہیں ہے۔ اور وہ رب العالمین ہے تو بادشاہ اس کا سایہ ہے۔ اس کا مذہب بھی وہی ہونا چاہئے۔ اسے واجب ہے کہ جو درگاہ الٰہی سے ملا ہے اسے سنبھالے۔ سب مذہبوں کی پرورش اور حفاظت وحمایت اور رعایت برابر کرے۔ اس طرح کہ گویا وہی اس کا مذہب ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اکبر اس بات کو خوب سمجھا ہوا تھا۔ اور یہ لوگ سلطنت کے ہاتھ تھے۔ سلطنت کی زبان تھے۔ سلطنت کے دل وجان تھے۔ ان کا مذہب کوئی کیونکر قرار دے سکے۔ علمائے وقت کی دست درازی جو اپنے مخالف مذہبوں کو فنا اور برباد کیے دیتی تھی۔ اگر یہ اس کے روکنے میں ساعی ہوئے تو کیا برا کیا۔

در حیرتم کہ دشمنی کفر ودیں چرا است   از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است

رسم عام ہے کہ اکثر تحریروں کے عنوان پر کوئی نام پروردگار کا لکھتے ہیں۔ بیشک وہاں فقط اللہ اکبر لکھا جاتا تھا۔ مگر تم ہی خیال کرو۔ فیضی وابوالفضل جو ارسطو وافلاطون کے دماغ کو استخوان بے مغز سمجھیں ممکن ہے کہ اکبر کو خدا سمجھے ہونگے۔ خوش طبع رنگین خیال شاعر تھے۔ جہاں اور ہزاروں لطیفے تھے یہ بھی ایک لطیفہ تھا۔ یاروں کے جلسوں میں بیٹھتے ہونگے تو آپ قہقہے اڑاتے ہوں گے۔

جنگی یا ملکی خدمتیں:

تشیع کا الزام بھی انہیں لگاتے ہیں۔ لیکن جن باتوں سے لوگوں نے انہیں شیعہ سمجھا وہ غور طلب ہیں۔ شیخ مبارک کے حال میں تم سن چکے اس کے دامن پر یہ داغ لگایا گیا تھا۔ بیرم خاں کے حال میں تم پڑھ چکے کہ ہمایوں سے بھی بخارائی اور ماوراء النہری سردار اس مذہب کی بابت شکایت کرتے تھے۔ اکبر نے باپ کی آنکھیں دیکھی تھیں اور ساری داستانیں سنی تھیں۔ خود دیکھ رہا تھا کہ شیعہ اہل علم یا اہل قلم ہیں۔ تو اعلیٰ درجہ کمال پر ہیں۔ جنگی یا ملکی خدمتیں سپرد ہوتی ہیں تو جانیں توڑ کر عرق ریزی کرتے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں۔ چاروں طرف حریف تاک لگائے کھڑے ہیں۔ فیضی وفضل جب دربار میں آئے ہونگے تو اور بھی شیعہ دربار میں موجود تھے۔ اس حالت میں کچھ اس سبب سے کہ انہوں نے خود علمائے اہل سنت کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے امرائے دربار سے اور آئندہ کے خطروں میں یہ اور شیعہ شریک تھے انہوں نے انہیں غنیمت سمجھا ہوگا۔ انہوں نے انہیں۔ اس کے علاوہ یہ کتاب کے کیڑے اور علم وفن کے پتلے اور حکیم ہمام، حکیم ابوالفتح، میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ وغیرہ علوم وفنون کے دریا کی مچھلیاں تھیں۔ جنس کو جنس نے برط دیا ہوگا۔ ہر امر میں

Marfat.com

ایک دوسرے کی تائید کرتے ہونگے۔

خلق و مروت کی پاسداری:

ابوالفضل کے خطوط اس کے انشاؤں میں دیکھو۔فیضی کے خطوط اس کے رقعات میں پڑھو۔جو تحریریں ان کے نام ہیں۔دل کی محبتیں کن کن الفاظ اور عبارتوں میں ٹپکتی ہیں۔حکیم ابوالفتح اور میر فتح اللہ شیرازی مر گئے تو فیضی نے ان کے مرثیے کہے۔اور وہ کہے کہ سبحان اللہ وصل علیٰ۔ابوالفضل نے اکبرنامے یا مراسلات میں جہاں ان کے مرنے کا ذکر لکھا۔عبارت کی سطریں انبوہ ماتم نظر آتا ہے۔کسی جلسہ میں شیعہ سنی کا مباحثہ ہوتا تھا تو ظاہر ہے کہ شیعہ اس زمانہ میں دب دب کر بولتے ہونگے۔یہ دونوں بھائی شیعوں کی تقریر کو قوت دیتے تھے۔اسے خواہ خلق و مروت کی پاسداری کہو۔خواہ مسافر پروری کہو۔خواہ دل کا میلان سمجھ کر شیعہ کہو۔اور بڑی بات تو وہی ہے۔کہ اکبر کو خود اس بات کا خیال تھا کہ یہ فرقہ کم ہے۔اور کمزور ہے۔ایسا نہ ہو کہ زور آوروں کے ہاتھ سے کوئی سخت نقصان اٹھائے۔اور حق یہ ہے۔کہ شیخ مبارک کا حال دیکھو وہ خود اس تہمت میں گرفتار تھے۔اکبر کی ابتدائی سلطنت میں کئی شیعہ قتل ہوئے اور فتوؤں کے ساتھ قتل ہوئے۔ان کے عہد میں جو قتل ہوئے ان کی تجویز میں یہ بادشاہ کی رائے کی تائید کرتے رہے اس میں خواہ کوئی شیعہ سمجھے خواہ سنی کہے۔خواہ دہریہ کہے خواہ لا مذہب سمجھے۔مرزا جان جاناں مظہر کا ایک شعر جد مرحوم کی زبانی سنا ہوا ہے۔دیوان میں نہیں دیکھا کیا مزے سے حسن اعتقاد ظاہر کرتے ہیں۔

ہوں تو سنی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام   خواہ ایرانی کہو خواہ تورانی مجھے

سنی اور شیعہ کا اختلاف:

مذہب کے معاملے میں ایک میرا خیال ہے۔خدا جانے احباب کو پسند آئے یا نہ آئے۔ذرا خیال کر کے دیکھو۔اسلام ایک،خدا ایک،پیغمبر ایک،سنی اور شیعہ کا اختلاف ایک منصب خلافت پر ہے۔جس کے واقعہ کو آج کچھ کم ۱۳سو برس گزر چکے ہیں۔وہ ایک حق تھا کہ سنی بھائی کہتے ہیں جنہوں نے لیا حق لیا شیعہ بھائی کہتے ہیں۔کہ نہیں حق اوروں کا تھا ان کا نہ تھا۔اگر پوچھیں کہ انہوں نے اپنا حق آپ کیوں نہ لیا؟ جواب یہیں دینگے کہ صبر کیا اور سکوت کیا۔تم لینے والوں سے لیکر اس وقت دلوا سکتے ہو؟ نہیں لینے والے موجود ہیں؟ نہیں۔طرفین میں سے کوئی ہے؟ نہیں۔اچھا جب یہ صورت ہے تو آج ۱۳سو برس کے بعد اس معاملہ کو اس قدر طول دینا کہ قوم میں ایک فساد عظیم کھڑا ہو جائے چار آدمی بیٹھے ہوں تو صحبت کا مزہ جاتا رہے۔کام چلتے ہوں تو بند ہو جائیں۔دوستیاں ہوں تو دشمنی

Marfat.com

ہو جائیں۔ دنیا جو مزرعۃ الآخرۃ ہے۔ اس کا وقت کارہائے مفید سے بٹ کر جھگڑے میں جا الجھے۔ قوم کی اتحادی قوت ٹوٹ کر چند در چند نقصان گلے پڑ جائیں۔ یہ کیا ضرور ہے۔ بہت خوب تم ہی حق پر صحیح۔ لیکن انہوں نے سکوت اور صبر کیا۔ پس اگر ان کے ہو تو تم بھی صبر اور سکوت ہی کرو۔ زبانی بد گوئی اور بدکلامی کرنی اور بھٹیاریوں کی طرح لڑنا کیا عقل ہے؟ اور کیا انسانیت ہے؟ کیا تہذیب ہے؟ اور کیا حسن خلق ہے؟

۱۳ سو برس کے معاملے کی بات:

۱۳ سو برس کے معاملے کی بات ایک بھائی کے سامنے اس طرح کہہ دینی جس سے اس کا دل آزردہ بلکہ جل کر خاک ہو جائے۔ اس میں خوبی کیا ہے میرے دوستو! اول ایک ذرا سی بات تھی۔ خدا جانے کن کن لوگوں کے جوش طبع اور کن کن سببوں سے تلواریں درمیان آ کر لاکھوں خون بہہ گئے۔ خیر اب وہ خون خشک ہو گئے۔ زمانہ کی گردش نے پہاڑوں خاک اور جنگلوں مٹی ان پر ڈال دی۔ ان جھگڑوں کی ہڈیاں اکھیڑ کر تفرقہ کو تازہ کرنا اور اپنایت میں فرق ڈالنا کیا ضرور ہے۔ اور دیکھو اس تفرقہ کو تم زبانی باتیں نہ سمجھو۔ یہ وہ نازک معاملہ ہے کہ جن کے حق کیلئے تم آج جھگڑے کھڑے کرتے ہو۔ وہ خود سکوت کر گئے۔ تقدیری بات ہے۔ اسلام کے اقبال کو ایک صدمہ پہنچنا تھا۔ سو نصیب ہوا۔ فرقہ کا تفرقہ ہو گیا۔ ایک کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ پورزور تھا آدھا آدھا ہو گیا۔ اور دیکھو تم ۱۳ سو برس کے حق کیلئے آج جھگڑتے ہو؟ نہیں سمجھتے کہ ان جھگڑوں کے تازہ کرنے میں تمہاری تھوڑی جمعیت اور مسکین فرقہ میں ہزاروں حقداروں کے حق برباد ہوتے ہیں۔ بنے ہوئے کام بگڑتے ہیں۔ روزگار جاتے ہیں۔ روٹیوں سے محتاج ہو جاتے ہیں۔ آئندہ نسلیں لیاقت اور علم وفضل سے محروم رہی جاتی ہیں۔ میرے شیعہ بھائی اس کا جواب ضرور دینگے۔ کہ جوش محبت میں مخالفوں کے لئے حرف بدزبان سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط اتنی بات کا سمجھنا کافی ہے۔ کہ عجب جوش محبت ہے۔ جو دو لفظوں میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور عجب دل ہے جو مصلحت کو نہیں سمجھتا۔ ہمارے مقتداؤں نے جو بات نہ کی۔ ہم کریں۔ اور قوم میں فساد کا منارہ قائم کریں۔ یہ کیا اطاعت اور پیروی ہے۔

محبت تم جانتے ہو کیا شے ہے۔ ایک اتفاقی پسند ہے۔ تمہیں ایک شے بھلی لگتی ہے۔ دوسرے کو بھلی نہیں لگتی۔ اسی طرح بالعکس۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو چیز تمہیں بھاتی ہے وہی سب کو بھائے؟ یہ بات کیونکر چل سکے گی۔ ابوالفضل ہی نے ایک جگہ کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے۔ کہ جو شخص تمہارے

Marfat.com

خلاف رشتہ پر چلتا ہے یا حق پر ہے یا ناحق پر۔ اگر حق پر ہے تو احسان مند ہو کر پیروی کرو۔ ناحق پر ہے تو یا بے خبر ہے یا جان بوجھ کر چلتا ہے۔ بے خبر ہے تو اندھا ہے۔ واجب الرحم ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو۔ جان بوجھ کر چلتا ہے تو ڈرو اور خدا سے پناہ مانگو۔ غصہ کیا اور جھگڑنا کیسا۔

میرے باکمال دوستو۔ میں نے خود دیکھا اور اکثر دیکھا کہ بے لیاقت شیطان جب حریف کی لیاقت اپنی طاقت سے باہر دیکھتے ہیں۔ تو اپنا جتھا بڑھانے کو مذہب کا جھگڑا بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں فقط دشمنی ہی نہیں بڑھتی۔ بلکہ کیسا ہی بالیاقت حریف ہو اس کی جمعیت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ان شیطانوں کی جمعیت بڑھ جاتی ہے۔ دنیا میں ایسے نافہم بے خبر بہت ہیں۔ کہ بات تو نہیں سمجھتے۔ مذہب کا نام آیا اور آپے سے باہر ہو گئے۔ بھلا دنیا کے معاملات میں مذہب کا کیا کام؟

ایک ہی منزل مقصود کے مسافر:

ہم سب ایک ہی منزل مقصود کے مسافر ہیں۔ اتفاقاً گزرگاہ دنیا میں یکجا ہو گئے ہیں۔ رستہ کا ساتھ ہے۔ بنا بنایا کارواں چلا جاتا ہے۔ اتفاق اور ملنساری کے ساتھ چلو گے ہل جل کر چلو گے۔ ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاتے چلو گے۔ ہمدردی سے کام بناتے چلو گے تو ہنستے کھیلتے رستہ کٹ جائیگا۔ اگر ایسا نہ کرو گے اور ان جھگڑالوؤں کے جھگڑے تم بھی پیدا کرو گے۔ تو نقصان اٹھاؤ گے۔ آپ بھی تکلیف پاؤ گے۔ ساتھیوں کو بھی تکلیف دو گے۔ جو مزہ کی زندگی خدا نے دی ہے بدمزہ ہو جائے گی۔

پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک:

مذہب کے معاملے میں انگریزوں نے خوب قاعدہ رکھا ہے۔ ان میں بھی دو فرقہ ہیں۔ اور ان میں سخت مخالفت ہے۔ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک۔ دو دوست بلکہ دو بھائی۔ بلکہ کبھی میاں بیوی کے مذہب بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ وہ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ ایک میز پر کھانا کھاتے ہیں۔ ہنسنا بولنا رہنا سہنا سب ایک جگہ۔ مذہب کا ذکر بھی نہیں۔ اتوار کو اپنی کتابیں اٹھائیں ایک ہی بگھی میں سوار ہوئے۔ باتیں چیتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک کا گرجا رستہ میں آیا وہاں اتر پڑا۔ دوسرا بگھی میں بیٹھا اپنے گرجا کو چلا گیا۔ گرجا ہو چکا وہ بگھی میں سوار ہو کر آیا۔ رفیق کے گرجا پر آیا۔ اسے سوار کر لیا گھر پہنچے اس نے اپنی کتاب اپنی میز پر رکھ دی۔ اس نے اپنی میز پر۔ پھر وہی ہنسنا بولنا۔ کاروبار۔ اس کا ذکر بھی نہیں کہ تم کہاں گئے تھے۔ اور وہاں کیوں نہ گئے تھے جہاں ہم گئے تھے۔

آزاد! کہا تھا اور کہاں آن پڑا کجا ابوالفضل کا حال کجا سنی شیعہ کا جھگڑا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ملا صاحب کی برکت نے آخر تجھے بھی لپیٹ لیا۔

Marfat.com

اصل بات یہ ہے۔ کہ ابوالفضل اور ملا صاحب ساتھ دربار میں آئے۔ دونوں کو برابر خدمتیں اور عہدے ملے۔ یہ بسیتی کے عہدے کو خاطر میں نہ لائے۔ سپاہیانہ عہدہ کو اپنے علم وفضل کے لئے ہتک سمجھا اس لئے اختیار نہ کیا اس نے شکرانہ بندگانہ کے ساتھ منظور کیا۔ بادشاہ کو انکار نا گوار معلوم ہوا۔ ملا صاحب نے پروانہ کی۔ مباحثوں کی فتح یابی اور اپنے ترجمے کے کاغذوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ شیخ بیچارہ اپنی بے وسیلہ حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ اور بچپن بلکہ دو پشت سے جو مکر وہات سہنے کی مشق ہو رہی تھی اسے یہاں بھی کام میں لایا۔ انجام یہ ہوا کہ وہ کہیں کا کہیں نکل گیا۔ ملا صاحب دیکھتے رہ گئے۔ وہ دونوں بھائی خدمت گزاری کی برکت سے مصاحب خاص ہو کر سلطنت کی زبان ہو گئے۔ یہ مسجدوں میں تکفیر کرتے پھرے۔ گھر میں بیٹھ کر بڑھیوں کی طرح کوستے کاٹتے رہے۔

بس اصلی سبب ان تحریروں کا وہی رنج ہم سبقی اور وہی رشک ہم مکتبی تھا۔ کہ سیاہی بن کر سفید کاغذ پر ٹپکتا تھا۔ اور بے اختیار گرتا تھا۔ ایک کتاب کے پڑھنے والے۔ ایک سبق کے یاد کرنے والے۔ تم وزارت کی مسند پاؤ۔ مشیر شہنشاہ بن جاؤ اور ہم وہی ملا نے کے ملانے۔

اراکین سلطنت سے مصلحت اور مشورہ:

ذرا تصور کر کے دیکھو مثلاً ملا صاحب ان کے ہاں گئے۔ اور وہ راجہ مان سنگھ، دیوان ٹوڈرمل وغیرہ اراکین سلطنت سے مصلحت اور مشورہ میں مصروف ہیں۔ ان کی دعا بھی قبول نہ ہوتی ہو گی۔ ان کا دربار لگا ہوتا ہو گا ان کی وہاں تک رسائی بھی مشکل ہوتی ہو گی۔ وہ جس وقت حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام، میر فتح اللہ شیرازی سے بیٹھے باتیں کرتے ہونگے۔ وہ تمام رکن دربار انہیں مسندوں پر جگہ بھی نہ ملتی ہو گی۔ اگر ان کے ساتھ یہ مباحثہ علمی میں دخل دیتے ہونگے۔ تو ان کا کام وقعت و وقار نہ پاتا ہو گا۔ یہ زور دیتے ہونگے تو آخر ان کے گھر کے شاگرد تھے۔ دونوں بھائی اسی طرح ہنس کر ٹال دیتے ہونگے۔ جس طرح ایک عالی رتبہ خلیفہ اپنے مدرسہ کے طالب علم کو باتوں باتوں میں اڑا دیتا ہے۔ یہی باتیں دیا سلائی بن کر ان کے سینہ کو سلگاتی۔ اور ہر وقت غصہ کے چراغ میں بتی اکساتی ہونگی۔ جس کے دھوئیں سے کتاب کے کاغذ سیاہ ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ انہوں نے فیضی کو اکثر جگہ تم ظریف کے القاب سے یاد کیا ہے۔

میرے دوستوان کی بہنوں اور بھائیوں کی شادیاں امرا اور سلاطین کے خدان میں ہونے لگیں انتہا یہ کہ خود بادشاہ بھی ان کے گھر پر چلا آتا تھا۔ ملا صاحب کو یہ بات کہاں نصیب تھی۔

Marfat.com

اخلاق وعادات

شگفتہ مزاج، خوش طبع، خندہ جبیں:

فیضی کی تصنیفات سے اور اس کے ان حالات سے جو اور مصنفوں اور مورخوں نے لکھے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شگفتہ مزاج، خوش طبع، خندہ جبیں شخص ہوگا ہمیشہ ہنستا بولتا رہتا ہو۔ شوخی اور ظرافت اس کے کلام پر پھول برساتی ہوں گی۔ اور فکروتردد، غم وغصہ کو کم پاس آنے دیتی ہونگی۔ یہ بات ابو الفضل کی وضع سے کچھ فرق رکھتی ہے۔ ان پر متانت اور وقار چھائے ہوئے ہیں۔ تم غور سے خیال کرو۔ ان کے اشعار کیسے شگفتہ ہیں۔ خطوط اور رقعوں کو دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بے تکلف بیٹھے ہنستے ہیں۔ اور لکھتے جاتے ہیں۔ ان میں جابجا لطیفے اور چٹکلے چھوڑے جاتے ہیں۔ ملا صاحب نے بھی کئی جگہ لکھا ہے۔ کہ ایک جلسے میں فلاں شخص سے اور مجھ سے فلاں مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ اس نے یہ کہا میں نے یہ کہا شیخ فیضی بھی موجود تھا۔ ستم ظریفی اس کی عادت ہی ہے۔ یہ بھی اسی کے ساتھ ہمداستان تھا۔ آزاد۔ سچ ہے۔ میں نے بھی اکثر جلسوں کے حال میں خیال کیا۔ کہ بیشک شیخ فیضی ہنسی ہنسی میں سب کچھ کہہ جاتے تھے۔ اور سخت بات کو ہنسی میں ٹال دیتے تھے۔

ملا صاحب اس وصف پر بھی جابجا خاک ڈالتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ستم ظریفی اس کی روشن قدیمی تھی۔ گرمیٔ مجلس اور ہمزبانی کے لئے دوستوں کے اجتماع کا دل وجان سے طلب گار تھا۔ مگر سر کچلے ہوئے اور دل بجھے ہوئے رکھتا تھا۔ مصرعہ

یار ما ایں دارد وآں نیز ہم

سخی اور مہمان نواز:

شیخ فیضی سخی اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا دیوان خانہ علماء، شعرا اور اہل کمال کے لئے ہوٹل تھا۔ اپنے بیگانے دوست دشمن سب کے لئے دروازہ کھلا اور دسترخوان بچھا ملتا تھا۔ جو اہل کمال آتے تھے، یہ انہیں اپنے گھر میں اتارتے۔ خود بھی بہت سلوک کرتے تھے۔ حضور میں پیش کرتے تھے۔ خدمتیں دلوادیتے تھے یا جو قسمت کا ہوتا تھا انعام واکرام مل جاتا تھا۔ عرفی بھی جب آئے تھے تو پہلے انہی کے گھر میں مہمان رہے تھے۔ عہد مذکور کی کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن اخلاق، لطف طبع، شگفتگی مزاج ہر وقت فضل وکمال کے گلدستوں سے ان کا دیوان خانہ سجائے رکھتی تھی۔ ساتھ اس کے آسائش و آرام کے سامان بھی ایسے آراستہ کئے تھے۔ کہ گھڑی بھر کی جگہ خواہ مخواہ پہر بھر بیٹھنے کو دل

Marfat.com

چاہیے۔ ملا یعقوب صیرفی کشمیری (جنہوں نے ان کی تفسیر بے نقط پر عربی میں تفریظ لکھی ہے) جب کشمیر چلے گئے۔ تو وہاں سے ملا صاحب کو کئی خط لکھے ہیں۔ ایک خط میں بہت سے مضامین شوقیہ لکھے ہیں۔ اور یہاں کی صحبتوں کو یاد کر کے کہتے ہیں۔ نواب فیاضی کے خسخانہ دوپہر کی گرمی میں سیتل پاٹی کے فرش پر کہ ہوائے کشمیر سے بھی سرد ہے۔ جب بیٹھو اور برفاب پیو اور ان کے نکات شریفہ اور مقالات لطیفہ سنو تو امید ہے کہ مجھ اسیر محنت وحرمان کو بھی یاد کرو۔

اے بزم وصل حاضر غائباں رادست گیر — زانکہ دست حاضراں از غائباں کوتاہ نیست

اب آزاد اپنے طول کلام کو مختصر کرتا ہے۔ اور ان کے کلام کا کچھ کچھ نمونہ دکھاتا ہے۔

غزل

بادہ درجوش است درنداں منتظر — ساقیا خدماصفا دع ماکدر
درخرابات مغاں بگذر کہ ہست — ہر صراحی چشمہ۔ ہر ساقی خضر
بندہ ساقی شوم کزیک قدح — منکران عشق را سازد مقر
اے رفیق از من مشو غافل کہ ہست — عشق درفرہاد۔ مجنوں منحصر
گردلم بشکست خوشحالم کہ دوست — مطمئن شد عند قلت منکر
عشق نتوانست پوشیدن زغیر — شد ازاں مجنوں بعالم مشتہر
جام۔ میخواہی بگو فیضی مدام — ہمچو حافظ ایہا لساقی ادر

ایضاً

ساقی جاں خیز کہ شد صبح عید — صبحک اللہ بصبح جدید
رقص کناں کعبہ بہ پہلوئے من — از چہ کنم بہیدہ منزل بعید
جان من وسلسلہ زلف تو — علقت الروح بحبل الورید
چشم تو بس کردہ زخونریز خلق — غمزہ بفریاد کہ ہل من مزید
گر تو نداری سرقربان من — میکنم از دست تو خودرا شہید
بردم تیغ تو قضا کردہ نقش — انت حدید لک باس شدید
فیضی آزاد اسیر تو شد — اسعدک اللہ بعید سعید

Marfat.com

دیباچہ مرکزادوار

زمزمہ سنج نفس آتشیں — نغمہ سرائے دل آتش نشیں
عربدہ آموز نگہہائے مست — حوصلہ بخش جگر دل بدست
جوش صراحب طرز دلباں — آب صبوحی قدح غبغباں
بادہ چکاں لب آتش رخاں — آب دہ خندہ گل پاسخاں
مہرہ کش تختہ مینائے صبح — پنجہ کشائے ید بیضائے صبح
بتکدہ آرائے بتان بہار — تاب دہ مغکدہ لالہ زار
نکتہ نگار ولب نطق از بیاں — چشمہ شگاف رگ خشک از زباں
ذرہ دریں دشت سرافراز او — ریگ رواں قافلہ راز او
نہ کرہ را بسر کرسی نہاد — ہر چہ دریں دائرہ پرسی نہاد
معرفت از خاک درش نا امید — عجز بسر چشمہء اوروسفید
رفت زاوصاف گریباں زدست — رد کشاں نیز ازونیم مست
دیدہ رد سنج دوجہاں پر شعاع — عقل تہیدست ودکاں پر متاع
نطق یکے والہء گفتار او — درک یکے مفلس بازار او
علم دریں قافلہ بیگانہ ایست — عقل دریں سلسلہ دیوانہ ایست
جان سخن درکف کنہش قتیل — چوں قلم دررہ خرش سبیل
جلوۂ خورشید سخن روزکور — صفہ افلاک وقلم پائے مور
نکتہ گراں مہمل ودانش خراب — قافلہء مستقی ودریا سراب
راہ بہ تیغ اندرو بیخواب گیر — دست ہمہ آتش وکشت آبگیر
غیر نہ خانہ وباغیاردر — جام نہ وبادہ بسر شاردر
قافلہ ہاہست نشاں برنشاں — بادیہ دربادیہ محمل کشاں
قافلہ شدبہ چراغ دلیل — قافلہء یافت بوجداں سبیل
رنگ نہ پر کردۂ روز بہی — ہر دو دریں راہ بدست تہی
قافلہ رازفت بمشرق نشاں — تو سوئے مغرب شدہ محمل کشاں
شوق بجز بادچہ سنجد بکیل — فرق بجز خاک چہ نیرو زمیل

Marfat.com

شوق تو مستقی ومعنی شراب | موجہ سیماب وفروغ سراب
بحر سخن تشنہء تحمید تو | ریگ رواں سجہء توحید تو
دست وگریباں بخودم چوں کنم | سرزگریباں کہ بیروں کنم
چاک زدم پردہٗ سامان خویش | بو کہ زنم دست بدامان خویش
من کہ چوے جوش سحر میزنم | موجہ بجیحون نظر میزنم
موج سخن جوہر تیغ من است | بردل دریا گہرم روشن ست
بادہٗ من پختہ تراز روزگار | ساغر من شستہ تراز نوبہار
صیحہء صبحم زنشاط دماغ | شعلہ فگن برسرمرغان باغ
اینکہ بدروم بہ سخن راہ یافت | بال وپرازمدح شہنشاہ یافت
جوہرکل گوہر دیہیم او | دور فلک برخط اقلیم او
ساغر اوہمت دانا پسند | بادہٗ اوپر توہ عقل بلند
نشہء اوجوہر بینش زدائے | نکتہ او جرعہ دانش فزائے
سر الٰہی دل ربانیش | خطبہ شاہی خط پیشانیش
دست دہ لجہ بے ساحلاں | نرخ نہ گوہر دریا دلاں
نامہ کہ مانند شہاں برسرش | آمدہ طغرائے ہوا لاکبرش
نقد خردگوہر تمکین او | نظم جہاں نسخہ آئین او
خسرو خنداں دل فرخندہ چہر | خندہ اوعقدہ کشائے سپہر
خلق سبکدل زگرانبارریش | فتنہ گراں خواب زبیداریش
شیر دل وشیرکش وشیر گیر | دادگرد زودرس ودیر گیر
شاہد اومعنی دانش نگار | ساقی او ہمت دریا نثار
ہست دو منشور جہانبانیش | جوہر تیغ وخط پیشانیش
اے دو جہاں عقل مسلم ترا | دور شہنشاہے عالم ترا
درازل ازمدح توبشنید طرف | دہ قلم و نہ ورق وافت حرف
باہمہ نورسحرستان تو | تب نتواں یافت بدوران تو
عمر ابدبے تو بدورشراب | عالم پیراز تو بعہد شباب
باز دل تنگ بہم برزدم | آبلہء چند بہ نشتر زدم

Marfat.com

آنچہ بروں جست زمد ہوشیم — روح قدس گفت بسر گوشیم
انجمن شوق ضمیر منست — قفص ملائک زصفیر منست
چرغ بسے گشت کہ تابد شبے — از پس نہ قرن چومن کوکبے
زیں دم روشن کہ زدہ صبح گاہ — آئینہ بستند براکلیل ماہ
حرف من از صبح دلاویز تر — کلک من از مرغ سحر خیز تر
ایں چمن تازہ کہ پروردہ ام — شام وسحر خون جگر خوردہ ام
آدم ایک ز شبستان غیب — میکدہ دروست وگلستاں بجیب
زیں دم کبرا کہ زدم سینہ تاب — عطسہ گرہ شد بدماغ شراب
حکمتے از پردہ بساز آورم — مغز فلاطوں بگداز آورم
چشمہ وبکا دم نفس تازہ را — تا دل دریا برم آوازہ را
برسرساحل بکنم پائے سخت — تا جگر بحر کشم لخت لخت
گرد ہدم دست نوائے بلند — در گلوئے صاعقہ پیچم کمند
نورزخورشید برات آورم — ازدم خضر آبحیات آورم
مکہ بکف راہنمو ناں دہم — نکتہ رہ آورد یوناں دہم
صدر گل مہتاب بلکم درست — صدورنایاب بسکم درست
راہ سخن رابہ سخن بستہ ام — ایں چہ طلسم ست کہ من بستہ ام
خامہ من جلوہ کناں بود بہ مشت — برزخ اندیشہ کند خار پشت
رشحہ کلکم ز نشاط نعیم — مجمرہ آویخت زجعد نسیم
از کف ایں بادہ کہ آمد بجوش — آبلہ زدبرلب دریا خروش
فخر معالی بفلک کوشیم — فرق معانی بزمیں بوسیم
بردرہمت بہ تہی مایگاں — گنج بہ بخشم زسخن شایگاں
من خم دریا دل گرداب جوش — بادہ من لنگر طوفان ہوش

دربیان ہنگام صبح خیزی ازمبداء فیاض فیض بردل ریختن

صبح کہ نقد دو جہاں ریختند — خلوتے از انجمن انگیختند
خلوت از انجمن آفتاب — شاہد او صبح سفیدہ نقاب

Marfat.com

سوختہ یک شمع ہزاراں چراغ　　خلوتے اداختہ نطع فراغ
شاہد خلوت گل کثرت بدست　　آمدہ وبررخ امکاں نشست
صبح ازل شعشعہء روئے او　　شاہ ابد سایہ گیسوئے او
پردہ زرخسارہ براندختہ　　آئینہ را برقع روساختہ
زلف تقید بسر دوش او　　حال تعین بہ بناگوش او
یک روش جلوہ کراں تاکراں　　یک نگہ وغمزہ جہاں در جہاں
ہم مژہ اندر مژہ ہنگامہ خیز　　ہم نگہ اندر نگہ افسانہ ریز
خار چمن ساختہ ازرنگ وبو　　ہفت قدح کرد پرازنہ سبو
غمزہ نظر گاہ صنم دوستاں　　بتکدہ دربتکدہ ہندوستاں
روبرو شاہد برقع شگاف　　کف بکف آئینہ مینا غلاف
چشمے وصد میکدہ مستی درو　　بازی وصد بتکدہ ہستی درو
مرحلہ در مرحلہ نظارہ زار　　قافلہ درقافلہ آئینہ بار
برق رخش آئینہ بگداختہ　　آئینہ در آئینہ پرداختہ
شیشہ حلی بستہ زدست نگار　　نغمہ گلو شستہ بخون بہار
شعلہ بہ پیچیدہ بگلبانگ نے　　شیشہ برقص آمدہ بربوے مے
رفتہ وآیندہ یک حال در　　عالم تفصیل باجمال در
خستہ نگاہاں مژہ انگیختند　　چوں مژہا برسرہم ریختند
من بچنیں محفل ناکاستہ　　بادل خود خلوتے آراستہ
خلوتے انگیختہ در انجمن　　دل بمن ومن بدل اندر سخن
نعرہ زناں سر بعبادت زدم　　تا در معنی باشارت زدم
وحدتی از وحدت کثرت بری　　بیخودی محو تماشا گری
نعل دریں بادیہ واثواں زدم　　برقدم صبح شبیخوں زدم

سبب نحافت تن وبانتہا رسیدن عمر

اے شدہ خورشید سر بام خویش　　چند زنی پابسر انجام خویش
شبنم گلبرگ تو وقف سراب　　تو شدہ نیلو فرایں آفتاب

Marfat.com

آئینہ بگذار دریں زنگبار | از نفس خویش مشو سنگسار
کفہ مبرائے کہ سنگیت نیست | جامہ میبرائے کہ رنگیت نیست
خانہ میندائے بگردوجود | برورق آبکش ایں نقش بود
گرچہ دم سحر بیان من ست | حیرت من پند زبان من ست

درمقصود بکف آمدن باوجود کشائش دنیا

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید | زورق اندیشہ بہ ساحل رسید
گام بخت از قدم جست وجوست | منزل اول زرہ آرزوست
گرم رواں چوں نشوم آہ زن | رہ ہمہ یک گام ودوصد راہزن
رہ بہ باندازہ پائے من است | گر روم ازدست سزائے منست
خضر دریں بادیہ گم کرد راہ | نوح فرورفت دریں موج گاہ
نیست مراچوں برہ دل قدم | رفتہ ام ایں راہ بپائے قلم
وہ چہ کنم با قلم راہ گرائے | بادیہ آتش چوبینہ پائے
نادر طفلے بہ بقا نام زد | عمر طبیعش ز ازل تا ابد
جوش صنم خانہ بالاست ایں | غلغل ناقوس مسیحا ست ایں
بردرایں کعبہ روحانیاں | برنہد اکلیل چونصرانیاں
کاخ تخت ازرصد کبریا | ریختہ از بیختہ کیمیا
کہ وہ بہ یکدست سطرلاب دل | دست دگر عقدہ بہ پرویں گسل
ازپے ہنگامہ کشیدم زجیب | بعتے از پردہ نشینان غیب
غمزہ زناں چوں شودا برونما | گوہر انصاف برد رونما
از رخ ایں شاہد شیدائیں | تاچہ بہ بینند تماشائیں
بشکنم ایں کلک حقیقت سرائے | حرف جگرریش وزباں سینہ جائے
فیضی ازیں فیض دلت تازہ باد | مغز زجوش تو پرآوازہ باد

مثنوی سلیمان وبلقیس

الٰہی پردۂ تقدیس بکشائے | سلیمانِ مرا بلقیس بہ نمائے
دریں بُت خانہ ناقوس جویاں | زبانے دہ مراقدوس گویاں

Marfat.com

حصار قدس راکنگہ بلند است بہر کنگر چہ سرہا در کمند است
ہمہ ذرات در تقدیس و تہلیل مرالب پر ز افسونِ عزازیل
چہ سازم با بُتاں پیوند دارم پری در شہر و دل در بند دارم
بلائے ہست من کیں جاں من نیست کہ دیو نفس در فرمان من نیست
بتانِ ہند تسلیم گستند بہر مویم دو صد زنار بستند
دریں مشہد بغفلت ہر کہ تن داد نگین دل بدست اہرمن داد
دلِ من باتبان آزری چند سلیمان گرفتارے پری چند
چنانم از بلندی وردہ آواز کہ آید بُد بُد شوقم بہ پرواز
نشینم چار گر خلع بدن را زودش جاں گزارم بارتن را
وزیں منزل نکوبیہائے واال سبکرو خانہ گیرم راہ باال
یکے الحاں ، واودی کنم ساز سلیماں را دہم زاں عالم آواز
بہ بندم ارغنون عشق را تار کشاکش نیست ممکن تانگویم
اگر گویم تہی شد لجہ، ژرف زمن باور کہ خواہد کہ دایں حرف
بخواہم گنج را از دل بروں داد کہ خواہم آسماں رابند بکشاد
زدیگ آرزو سرپوش برداشت کفِ چند از دلِ پُر جوش برداشت
زشور طبع سحری تازہ انگیخت زنوکِ خامہ بر کاغذ شکر ریخت
مگر ہندوستان فردوس گشتست کہ چوب خشکِ او شکر سرشتست
وگر رفتم کہ بگذارم مقابل شگافِ خامہ را با روزنِ دل
کہ آں نورے کہ جاں را رہبر آمد ازاں روزن بایں روزن در آمد
اگرچہ رفت ازیں دیوان بیداد سلیمانِ سخن راتخت برباد
بمن آمد یکے تدبیر کردن بافسوں دیو را زنجیر کردن
بہ تخت معنی از سرمایہ بستن زگنج خود برو پیرایہ بستن
بیا فیضی کہ دادِ دل ستانیم سلیماں را بہ تخت خود نشانیم

مناجات کردن بجناب باری عزاسمہ بکمال عجز وزاری

بنام آنکہ دل راتقد جاں داد سخن راز زندگی، جاوداں داد

Marfat.com

بجان ما ازومنت پذیریم
کہ گر صدرہ اجل آید نمیریم

زمین را آں کرامت داد جودش
کہ افتد نہ سپہراندر سجودش

رسد بند سپہر آفرینش
صفائح ساز اسطرلاب بنیش

حلاوت بیز معجون معانی
ملاحت ریز ذوق نکتہ دانی

ورق سوز کتاب کج حروفاں
رقم شوے خیال فلیسوفاں

بہار انگیز باغِ زندگانی
طراوت بخش ریحانِ جوانی

فسوں آموز چشمِ عشوہ سازاں
جنوں آمیز سیر عشقبازاں

جواہر سائے کحل چشم خونی
نمک افشان ناسورِ درونی

دعا گرداں دشنام از زبانہا
ہلاہل راطبہ زد ساز جانہا

زلال چشمہ ساز چشم پاکاں
نشاطِ سینہء اندوہناکاں

درآتش افگن دراعہء شید
در آب انداز آب ودانہء صبد

بذوقش سو بسو اطلس بدوشاں
بشوقین موبمو پشمینہ پوشاں

سخن سنج از ترازوے دل ما
سخن زد حرز بازوے دل ما

جہاں نم قطرۂ نیساں جودش
عدم گنجینہء نقد و جوش

دراں نطعے کہ گسترده جلالش
ازاں گنجینہ در صفِ نعالش

قضا درکار گاہش پیشکارے
قدر از قدرتش صنعت نگارے

ز عالم نسخہء برداشت مجمل
بنام آدمی کردش مسجل

زصدنقش عجب کزآب وگل ساخت
مزاج آدمیت معتدل ساخت

زباں در کوے قدسش بینوائے
سخن باشہر علمش روستائے

خموشی ہیچ و قیل و قال ہیچ است
کہ کشف ایں جاچواستدلال ہیچ است

ازو مشائیاں را درقدم خار
وزو اشراقیاں راسربدیوار

کجا آمد زمیں اندیشہء ذات
من و اندیشہ اش ہیہات ہیہات

توجرات بیں کہ ہمت میزند جوش
بگیرد قطرۂ دریا در آغوش

خرد در جستجویش اشتلم کرد
برفت و خویش را درراہ گم کرد

حدیث آنجا کہ ازیزداں شناسیت
سپاس اندیشے مانا سپاسیت

دریں بستاں زباں تابد درو کرد
خموشی را بحیرت پیشرو کرد

Marfat.com

اگر فیضی دلِ مرتاض داری　سرے نامیدۂ فیاض داری
سخن راچند باشی محمل آرائے　بدست آویز عجزایں جابنہ پائے
زمن تاذرہ باشدآں قدرفرق　کہ متیرسم زیک شبنم شوم غرق
ازاں منبع کہ دریائے فتوحست　مرانم قطرۂ طوفاں نوح است
من آں متم کہ بجزوشم بیک جام　نہ زاں دریا کشاں آتش آشام
گذشتند آں ہمہ مردان آزرم　کہ طوفاں خشک کروندازدم گرم
کشیدہ صد ہزاراں چشمہ وجوے　ولیکن ہمچناں لب العطش گوے
دریں درگہ نہان و آشکارا　بریناں بادہر خواہش گوارا
بسے پرواز دیدم دیدۂ سیر　تفاوت ہاست درمستان ایں دیر
یکے از صد قدح ناگشتہ سرمست　یکے بنی بہ بوے رفتہ از دست
زفیض ابر احسانش چہ گویم　کہ گنجا نید دریا در سبویم
چوشد فیض اوّل درچارہ سازی　تن خود را زنم کہ دم نمازی
نیم آخرازاں آلودہ صوفاں　جگر بےآب ولب پرموج طوفاں
معاذ اللہ ازاں مشتے تہیدست　بگفتار بلند و ہمت پست
رفیق کاروان کعبہ جویاں　بتان حرص رالبیک گویاں
صد شکر کہ ایں نگار خانہ　بگرفت نگار جاودانہ
بُت خانۂ ہندرا دراست ایں　ناموس ہزار پیکراست ایں
ہر نکتۂ بہ شعلہ ایست ہمدوش　ہر نقطۂ باخگرے ہم آغوش
بس رنگ برنو بہار بستم　کیں غنچہ زخوں نگار بستم
گشتم بہ خیالے نکتہ پیوند　از مغز معانی استخوان بند
پیچیدہ بہ نہ فلک سخن ہیں　جاں نو و قالب کہن ہیں
بانگ قلمم دریں شب تار　بس معنئ خفتۂ کرو بیداد
درباب فسون ایں فسانہ　آغشتہ بخوں صد ترانہ
ہم کردہ جنون مست ہشیار　ہم ساختہ عشق خفتہ بیدار
حرفش زخراش دل نشانی　معنے زگداز ترجمانی
از ہر چہ گذشت روبرو تاب　دیں نادرہ سرگذشت درباب

Marfat.com

گل خندۂ آتشیں بہار است / آبستن گل شرارہ بار است
رنگیں چمنے بشعلہ شستہ / جز مہر گیا د رو نرستہ
رخشندہ معانی از عبارہ / زاں ساں کہ در آسماں ستارہ
ایں گل بہ بوستان شمار است / ازمن بہ بہار یادگار است
یک صاعقہ از سحاب عشق است / یک شعشۂ آفتاب عشق است
آنم کہ بسحر کارئے ژرف / از شعلہ تراش کردہ ام برف
افشاندہ ہزار دُر نایاب / در دامن موج و جیب گرداب
اسراف معانیم نظر کن / زیں گنج بہ مفلساں خبر کن
ایں دودۂ شمع آفتاب است / سیارۂ آسماں نقاب است
گل کردہ بہار بے خزانم / افروخت چراغ بے دخانم
دادم بہ شب خیال سرگم / زانور صد و معانی انجم
ہر صبح کہ از سخن شدم مست / در دامن آسماں زدم دست
خورشید گوست اندریں کار / من بودم و صبح ہر دو بیدار
روبہ نفس بساط روباں / کلکم زفشاط پائے کوباں
میر یخت زخردہ کارئے ژرف / از صبح ستارہ و زمن حرف
ہر صبح دمے زبیقراری / برباد صباز دم عماری
گرمی ز دمے سحر گرفتم / وز آتش فکر در گرفتم
ہر صبح ز فیض بادشاہی / من بودم و باد صُبحگاہی
دروازۂ صبح بر رحم باز / کلکم زشگاف پرتو انداز
دست سخنم ز دل طلے بند / پائے قلم از جگر حنا بند
گل کرد زمن بہار معنی / بستم بہ سخن طراز معنی
در فکر باتشیں نظارہ / چوں شعلہ بر آتشم سوارہ
زیں پردۂ نوکہ دوربستم / بر صبح تراز نور بستم
ہر صبح کہ ساز راہ کردم / در آتش خود شناہ کردم
ہر چند نظر بلند دست است / ایں جا چو قدم نہاد پست است
زنبیساں بفنون نکتہ ورزی / بنشست سخن بہ تنگ ورزی

Marfat.com

ہر نکتہ کہ خانہ بابستش — آورد دلم ز دور دستش
دارم ز قلم بغیب راہے — کوہے بہ نہفتہ زیر کاہے
نسخیست بہ خون دل طرازش — لب زیر حقیقت از مجازش
برکوہش اگر کنند آہنگ — خوں بابہ بجوشد از دل سنگ
دربار دیہ گرکند ازیں ساز — در ریگ رواں بر قصد آواز
برگردم ازیں نوا در آفاق — ناقوس کلیسہائے عشاق
پیچیدم ازیں دم سبک سیر — زنا برہمناں نہ دیر
فکرے کہ بود معانی انگیز — بحریست ز آبِ خود گہر ریز
بحرے کہ رسید سر باوجش — گرد ابِ فلک بزیرِ موجش
آتش بہ دلم شراب دارد — خاک از نفسم گلاب دارد
مستانہ چو سر دہم فغاں را — آتشکدہ دم کنم مغاں را
ایں خط کہ دہم بنور مایہ — از کلکِ من ست نیم مایہ
بر معنی از و چو آب در جوے — ہر نکتہ در و چو ناب در جوے
ہر نقش از و گلیست بربار — ہر برگ از و لبے بگفتار
آں گل کہ درو ہزار باغ است — آبش زرطوبت دماغ ست
مستانہ گلے زخویش رستم — افسردم وردے باغ شستم
دارم زکشاکش درونی — ہر موبد بنوائے ارغنونی
ایں بادہ کہ جوشد از ایاغم — خون ست چکیدہ از دماغم
صد سحر فسوں بہ تار بستم — کیں نقش بروئے کار بستم
بر طاق نظر کشیدم ایں دیر — گو جلوۂ دیدۂ سبک سیر
ایں گل کہ بہارے مگر گست — ہر برگ گلے ہزار برگ ست
ایں در کہ تواندش بہاداد — کاقبال دو کون رونما داد
چوں جلوۂ دہم بتے چنیں را — فغفور کشد چراغ چیں را
دارم بہ طرب دلے ہم آواز — چوں حجرۂ ارغنون بصد ناز
چوں پنبہ نہد سحر بگوشم — گوید زنہ آسماں سروشم
کاے نکتہ سرائے بزم شاہی — کلک تو نوائے صبحگاہی

Marfat.com

بر خیز کہ صبح بے نقاب ست　بیدار نشیں چہ وقت خواب ست
سر چشمہء فیض جوش در جوش　تو تشنہ جگر بہ خواب مدہوش
داری ز دل و زباں ترازو　برسنج گہر بزور بازو
عمر یست بزیرِ بار رنجم　تا گو ہر بحر و کاں نسنجم
ایں موجہ کہ جہ اش فراز است　یک جزو مداز مجید راز است
شاہنشاہا خرد پژوہا　دریا گہرا فلک شکوہا
بزمے ست جہاں بعیش پیوست　دور تو شراب و آسماں مست
من مطرب پردہ ہاے خونی　کلکم بنواے ارغنونی
زیں بزم کہ عشرت تو ساقیت　گر من بروم ترانہ باقی ست
سازند سبوکشاں فسانہ　مطرب نہ بزم بر ترانہ
امروز بایں نواے چوں شہد　من باربدم تو خسرو عہد
زیں خامہ کہ کردم فلک ساے　پیش تو ستادہ ام بیک پاے
ترکیب طلسم خوانیم ہیں　دیں خدمت جاودانیم ہیں
زیں پردہ کہ گنج آسماں یافت　تخت تو تراز جاوداں یافت
ایں نامہ کہ عشق برزباں بُرد　طغراے ترا بآسماں برد
من بادۂ مست کار ہوشم　عیبم نبود اگر بجوشم
باایں تف آتش درونی　صد جوش زنم بگرم خونی
از قافلہ ات منم دراے　معذورم اگر کنی صداے
ایزد بد ہادوست کارم　گر دادۂ ایزدی شمارم
صد بُلبل مست نغمہ گر خواست　کز ہند گل عراق برخاست
پیراستہ ام معانی بکر　در گنجہء طبع و دہلے فکر
زیں پیش کہ سکہ ام سخن بود　فیضیء رقم نگین من بود
اکنوں کہ شدم بعیش مرتاض　فیاضیم از محیط فیاض
چو سلطان انجم زخاور زمیں　برسم عرب گشت محمل نشیں
کف انداز شد بختےء آسماں　زمستی بر آورد کف ازدہاں
کشید نداز خط صحش بہار　کہ پیوند خود نگسلد از قطار

Marfat.com

شہنشہ برادرنگ شاہنشہی بسر تاجِ اقبال ظلّ الٰہی
سلاطین مسند نشیں جابجا زروے ادب ایستادہ بپا
بہ یکسو وزیران دانش پذیر بتدبیر بر عقل کل نکتہ گیر
بیکسو فقیہان عالی مقام حکایت کناں از حلال و حرام
بیکسو حکیمان فطرت اساس سطر لاب و انان اختر شناس
بہ یکسو دبیران معجز رقم دقائق شناسان لوح و قلم
بیک سو ہزبران میدان کیں کہ ازہم در انند گاوِز مین
بیک سو ندیمان شیریں سخن چو طوطی شکر ریز و شکر شکن
ہمہ ملک و ملت ازو بانسق برونش بخلق دروتش بحق
کہ ناگہ یکے قاصد تیز گام رسانید از خان اعظم پیام
کہ گجرا تیانند پر مکروریو بصورت چو مردم بمعنی چودیو
زیک چند باہم بر آمیختہ بسر فتنہء نوبر انگیختہ
شہنشاہ را ایں سخن کار کرد برام آوری عزم یلغار کرد
نخیں طلب کرد جمازہ را در آفاق افگند آوازہ را
ہمہ ساربانان کمر بستہ چست بولیس قرن کردہ نسبت درست
کشید ندچوں کہکشاں تنگ را بہ بستند چوں مہردمہ زنگ را
شتر چوں فرشتہ سرشتہ زنور بہ اندک زماں رفتہ بسیار دور
قد خود بہ تعظیم کردہ دوتا کمر بستہ از بہر خدمت دوجا
بہ تعظیم برسینہ بنہادہ دست زراہ ادب بادو زانو نشت

اندر بیاں تعریف شتر گوید وسوار شدن اکبر شاہ بر شتر

خدیو عجم شاہ عالی تبار چو شاہ عرب بر شتر شد سوار
شتر زیں سواری سرافراز شد شتر باں بعز حدی سازشد
بسوے زمامش چوشہ دست برد زمام ارادت بدستش سپرد
بروں تاخت از آگرہ گرم حرب چہ خورشید کز شرق تاز دبغرب
شتر مرکب انبیا ست سواری بر ونسبت مصطفٰے است

Marfat.com

شہنشہ سوارِ جمازہ کرد
رہ و رسم پیغمبری تازہ کرد

چو گلزار روئے زمیں ساختند
گل و خار باہم قریں ساختند

ز بلبل تماشائے آن سروہوش
شتر نیز چوں ابر شد در خروش

نماند ند ہر دوز خود ہوشیار
یکے مست گل شد یکے مست خار

شتر ہر زماں شورے انگیختہ
چو دیوانہ کف از دہاں ریختہ

بزرگان کہ عمرے ستر راندہ اند
شتر را بسیرت ملک خواندہ اند

صفاتِ شتر گر بگیرم بہ پیش
دفاتر شود صد شتر بار بیش

چو درویش پوشیدہ برتن گلیم
ریاضت کن و بردبار وسلیم

زکف دادہ سر رشتہء اختیار
زباغ جہاں گشتہ قانع بخار

قوی ہیکلے از قدم تابفرق
بہ بدن چو ابرو برفتن چو برق

گماں کردن و تیز روتر چو تیر
چو تیر و کماں در سفر ناگزیر

شتر را ہمیں سرفرازی پسند
کزو مقدم شاہ شد سر بلند

بر اشتر چو آمد شہِ کامیاب
چو از کوہ طالع شود آفتاب

بیان رفتن اکبر شاہ در احمد آباد

چو شاہِ ولایت شتر پیش راند
بسرعت تراز فکرت خویش راند

شتاباں برہ ناقہء شاہ بود
شتا بندہ چوں ناقۃ اللہ بود

بگردش شتر ہارواں یک بیک
چو برگرد کعبہ گروہِ ملک

شترہا بر آورد شور و شغب
فضائے عجم گشت پر از عرب

ہمہ کوہ کوہان و صحر انورد
ہم از کوہ و صحرا ابر آوردہ گرد

عرق ریختہ زاشتراں چوں سطر
چو باران رحمت کہ ریزد زابر

جرس زیر گردن شتر ہائے شاہ
تو گوئی کہ در برج قوس است ماہ

چو اہل عرب از یمین و یسار
زاشتر سواراں ہزاراں ہزار

یلاں برشتر ترکش اندر کمر
شتر چوں شتر مرغ در زیر پر

کتل کردہ اسپان تازی ہمہ
پری وار درعین بازی ہمہ

تازیاں چوں چکاندہ براہ
چو باراں کہ ریزد ذرا بر سیاہ

Marfat.com

دراں زردہائے ہلالی رکاب　　شدہ گرم چوں زردۂ آفتاب
زاسپان ابلق ہمہ منتخب　　شتا بندہ چوں ابلق روز و شب
ہمہ از لفرہا تیر سیماب دار　　چو سیماب نگرفتہ یکبار قرار
کبودش ز ابلق بہ انگیز تر　　زخنگ کبودش فلک تیز تر
شہنشہ شتاباں براہ سفر　　چو عمر گرامی شتا بندہ تر

بیان رسیدن اکبر شاہ در احمد آباد

بیک ہفتہ در احمد آباد رفت　　تو گوئی شہنشاہ کہ چوں باد رفت
رساند نداربابِ معنی بعرض　　کہ شاہ ولی رابود طے ارض
براربابِ کشف و کرامت جلیست　　کہ شہ راجق رتبہء آدیست
در انجا یلان نبرد آزمائے　　بماند ند از ماندگی جابجائے
یلاں چوں شتر ہا دواند ندپر　　شترگشت چوں عنکبوتی شتر
زخیل سپاہے کہ ہمراہ بُود　　ہمیں شست کس بلکہ پنجاہ بود
ہمہ شیر مردان روز مصاف　　ہمہ نیزہ بازان جوشن شگاف
ہمہ جنگ جویان بیداد کوش　　ہمہ سنگ جانان پولاد پوش
ہمہ یکہ تازان چابک سوار　　کہ خود رازدے ہر یکے بر ہزار
ہمہ پاکبازاں مُبراز عیب　　رسید ندناگہ چو مردانِ غیب

جنگ بیان اکبر شاہ باسپاہ گجراتیاں

مخالف پےء جنگ آمادہ بود　　میاں رابکیں بستہ استادہ بود
سپاہش فزوں تر زمورو ملخ　　بمیدان آں ہر یکے شوخ و شخ
شہنشاہ رخش ظفر تیز کرد　　کمند جہاں گردِ مہمیز کرد
یلاں باد پایاں بر انگیختند　　بہم باد و آتش برآمیختند
دلیران گجراتیاں سبز رنگ　　سراسر در آئینہ ملکِ زنگ
ہز بران شمشیر کیں برفراشت　　بصحر ہمہ سبزہ والا کاشت
زگجراتیاں و مغل ہر کہ خفت　　زمیں زیر لعل و زمرد نہفت
فتادند گجراتیاں و مغل　　زمیں گشت سرسبز و بشگفت گل

Marfat.com

مغل بسکہ پر کالہ پر کالہ شد ۔۔۔ ہمہ دشت و صحرا پراز لالہ شد
زنگجراتیاں ریخت خوں بابجنگ ۔۔۔ چوگلگوں مے از شیشہ ءسبز رنگ
دراں عرصہ از بسکہ پیکار شد ۔۔۔ زمیں پر زشنگرف و زنگار شد
نہنگان دریائے کیں در خروش ۔۔۔ چو دریا زنا اب ولف و جود بجوش
پے جنگ پوشیدہ جوشن ہمہ ۔۔۔ نہاں ہمچو آتش در آہن ہمہ
بجوش دلیراں پُر از تف و تاب ۔۔۔ بر آوردہ سر چوں نہنگاں در آب
سناں ریختہ خصم چوں از ستیز ۔۔۔ قلم وار گردید شنگرف ریز
بہر سود درخشندہ زریں علم ۔۔۔ شب قبہ را شمع راہ عدم
سنان دلیراں دراں قلب گاہ ۔۔۔ چو بالائے خوباں بدل کردہ راہ
خدنگ دلیران ناوک فگن ۔۔۔ بہ پرواز چوں مرغ روح از بدن
زلیس رفتہ پیکاں بہ تہادروں ۔۔۔ روان شد زہر قطرہ دریائے خوں
خدنگ دلیراں گذشت از سپر ۔۔۔ چو از چرغ گردند تیر نظر

نقل عرضداشت فیضی بنام اکبر جو خاندیس سے لکھی

ذرہ ہیچ تراز ہیچ فیضی اولاً روئے ارادت بجانب آں قبلہ مراد کہ ظاہر و باطنش نظر گاہ خداوندیست آوردہ ادائے سجدات اخلاص مینماید۔ بوضوے روحانی کہ دل را بچشمہ سار صدق وصفا برونست واز غبار ریو دریا شستن نہ بآئین سالوسان صومعہ ظلمت کہ چند قطرہ آب را بردست دروئے ریزند ودل را بہزار کدورت وتیرگے نفسانی بیامیزند وایں را پاکی نام نہند۔ ثانیاً دعائے دوام عمر و دولت واز دیار عمر دل زندہ وباطن بیدار قصد میکند کہ زندگے حقیقی ہمانست وپاکان الہیٰ باں زندہ اند وفنارا بگرد سراپردہ عزتش راہ نیست واز دولت ہم دولت دوام آگاہی مراد میدارد۔ الحمدللہ کہ ہر دو عمر وزندگانی دہر دو دولت وکامرانی بہ آنحضرت حاصل است۔ اگرچہ امثال ایں دعاہا از مثل ایں نامراداں از ادب دور مینماید زیرا کہ برگزیدہ کہ تن وجان اشرفش پرورش یافتہ نظر خدائی است وآسمان وستارہ را کہ بکار سازی او میگردانند ونقد ہیچ مقصودے نیست کہ در دامن دولت او نہ بستہ اند۔ دہمگی بار عالم وعالمیاں بر دوش ہمت او نہادند بدعائے مشتے خاک تہیدست چہ احتیاج وارد اما بندہ بیچارہ چکند کہ منصب بندگی دعاست دانایان ہر ملت سر برزمین نیازی نہند وپروردگار ازیں سجدہا بے نیاز است اگر بندہا عمر جاودانی بیابند وتمامی عمر در یک سجدہ بگذرانند حق بجود او بجانیاوردہ باشند وبندہ در قصیدہ

Marfat.com

توحید گفتہ۔

سر بہ زمین درت بردن و برداشتن نے بطریقت درست نے بہ حقیقت روا

و در غزلے میگوید۔

در سجدہ کہ سر نہ زتن میشود جدا در ملت وفا گنہش نام کردہ اند

یارب بسیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد بتخانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

زہے شرمندگئے بندہ کہ نام سجدہ بدرگاہ او مے برم اما امیدمیدارم کہ یک سجدہ بے سرہم در راہ آنحضرت بجا آورم۔ الحاصل بعد از جہان جہان نیاز دعا عالم عالم مدح وثنا عرضہ داشت مینماید۔

وقتے کہ بے سعادتی گریبان گیر بندہ شدہ از درگاہ عالی محروم ساخت ایام برسات بود در راہ بار از بسکہ فراواں شد وگل ولائے بے نہایت بود آہستہ آہستہ ایں راہ طے شدہ بواسطہ نفس راست کردن چاردوا و اصلاح شکست و ریخت در شہر ہائے بزرگ دو دو سہ روز توقف درکار بود۔ دیگر از کاروبار حکام وگیرودار عمال ممالک محروسہ کہ در اثنائے راہ بودند مبصرانہ و بے غرضانہ ملاحظہ کردہ نظارہ کناں گزشت۔ بعضے را مجمل عرضداشت مینماید۔

بلوچے کہ بفوجداری مقرر شدہ نزدیک بہ تنگئے کوہ درمیان لدھیانہ وسرہند چسپیدہ است در دامنے کہ از کوہ فرود مے آیند دزدی وخوں کردہ چیزے مے برند۔ باوہم حق نذرے میدہند۔ در آں حدود راہرواں را بسویش میکشند۔ حافظ رخنہ باوجود آں ہمہ پیری بہادست و پائے میزند و در حد او امینتے ہست بذات خود امانت و دیانت دارد باغہا بغایت دلکشا ساختہ میوہ باغہائے اونان وجغرات ست۔

یکروز ہمراہ بندہ پیادہ بسیار گشت وگفت پیادہ مے گردم تا بدانند کہ ہنوز پیر وخرف نشدہ ام و در خدمت تقصیر نمیکنم۔ اہل سرہند از و آسودہ در عایا خوش وقت اند و دعائے بندگان حضرت میکنند۔

یعقوب بدخشی کروری تھانیسر خدمت فوجداری وعملداری تھانیسر و پرگنات ہر دو بواجبی میتواند کردہ متعہد ایمنئے راہ میتواند شد۔ جرات وتردد بواقعی از دست او مے آید۔

قاسم کروئے پانی پت نویسندہ قدیمی سربراہ است از راستی و دیانت از ممتازاں تواند بود۔ شائستہ آن ست کہ بدرگاہ آسماں جاہ بودہ بخدمت کلی سرفراز باشد۔ رعایائے آنجا گفتہ کہ حکم عالی بردہ عشر شدہ امیدوارم کے عمل براں نماید۔ بموجب وعدہ کہ بایشاں کردہ بود عرضداشت مینماید۔

حکیم عین الملک نقش دہلی دارد و در خدمت روضہ مقدسہ ومقامات پیران دہلی وخدمت فقرا و حسن سلوک بمردم تقصیر نمیکند۔ وگوجران راہزن حاضر میباشند ومتعہد بندہ اند کہ وزدی نشود پسرش عبداللہ جوان رشید است ہموارہ در خدمت بادشاہی کے باشد۔ استاد یوسف مردود عہدار دہلی ست

Marfat.com

ریش را اور طنبور سفید کردہ بود اکنوں بش از ریش و دستش از ناخن سفید تر شدہ نیک محمد چوبانی مرد کار آمدنی است و مستعد و بزود خدمت است نمک را حلالی میخور و شایستہ توجہ عالی است۔

چوں بدار السلطنت فتح پور رسید اول بآستاں بوسی دولتخانہ سرفراز شدہ برائے سلامتی حضرت دعا کرد از حقیقت شہر چہ نویسد عمارت گلیں ہمہ داخل زمیں شدہ دیوار ہائے سنگین ایسادہ بآتشخانہا دخانہار بعضے از دور و بعضے از نزدیک نظارہ کردہ عبرت گرفت۔ خصوصاً از خانہ میر فتح اللہ شیرازی کہ بآبستن نہصد سال مادر ایام اور از ادہ بود۔ دید بہ الٰہی بود کہ بحضرت کرامت فرمودہ بودند بآتشخانہائے حکیم ابو الفتح نیز رسد او ہم یگانہ آفاق بود از یں تعریف چہ بالاتر اکنوں وجود برادر گرامیش غنیمت است شایستہ مجلس اشرف است۔ سکنہ مواضع فتح پور و پرگنات آں حدود مثل شیخ ابراہیم مردے میطلبند۔ شیخ بایزید و پیر شیخ احمد در قبیلہ خود براستی و درستی ذات و اکثر صفات انسانی نظیر ندارد و لائق ایں خدمت است۔ نیک و بد آنچہ ود میداند و دبہ اندک کس کار بسیار میتواند کرد۔ از ینکہ دیگرے بیاید باو تفاوت بسیار است و خویشان او ہم انتظام میابند و موجب معموری شہر است و مستعد تر است دو دروز در فتح پور با بہائے سینہ خراش جاہ در ماندہ بود۔

آنگاہ بدار الخلافہ آگرہ کہ صد ہزار مصر و بغداد فدائے آب و ہوائے او باد رسید۔ دید بغایت معمور و مرفہ۔ از لطافت قلعہ عالی کہ حصن حصین دولت و اقبال است چہ شرح دہد کہ حیرت افزائے جہاں نورداں تواند بود و از دریائے جون کہ بلب ادب پائے قلعہ بوسیدہ میگذرد چہ نویسد کہ آبروئے ہفت اقلیم است۔

بادوئے از آب نگارندہ تر آب دے از باد گوارندہ تر

از در و دیوار شہر شوق مے بارود در ہا چشم انتظار کشادہ و دیوار ہا بہ تعظیم مقام عالی ایستادہ۔ امید کہ مجدداً بفر قدوم حضرت کامیاب گرود۔ اطوار شاہ قلی خاں و سلوک او بغایت پسندیدہ است۔ شہر را برفاہیت نگاہ میدارد مہتر خاں بندہ با اخلاص بادشاہی ست وجود او دریں شہر لازم است۔ از احوال فقرا و مساکین شہر خبر میگیرد ایں دو کس از ترود نظام الدین احمد بسیارے گفتند کہ متمردان مواس را کہ مالگزاری نمے کردند قلعہائے مضبوط و جاہائے قلب داشتہ تنبیہ کرد۔ الحق از اصیلاں خانہ زاد کہ در پایہ سریر والا تربیت یافتہ اند بغایت رشید است اسی سال است کہ بخدمات اقدام مینماید و روز بروز کار او در بیش است و در اخلاص و دیانت و کاروانی و بیملاحظگی از مردم ممتاز است لائق آں شدہ کہ ہموارہ بر درگاہ عالی بودہ بر امور مالی و ملکی مطلع باشد و در نظر دیانت او خانخاناں و مرد احدی برابر است۔

چوں بدھلپور رسید سرائے دید از سنگ بغایت رفیع کہ صادق خاں ساختہ و متصل آں حمام

Marfat.com

گرمے میباشد وباغے دلکشا مشتمل بر عمارات دلکش۔ پسرش رشید انجا بود۔ آں معمورہ را خوب نگاہ داشتہ و بر سر راہ بسیارے از بندہائے خدا فیض مے برند و آسائش مے یابند۔

سیر قلعہ گوالیار نیز کردہ شد میر مرتضیٰ و نذر خاں پسر خاوند خاں کہ جوہر رشد از و پیدا ست پیش از بندہ یک روز رسیدہ بودند و یکے از احدیاں از اودھ کو چانیدہ آوردہ بود و بجاگیر جدید میر دجمعیتے داشتند میر مرتضیٰ مرد کار آمدنی ست و تجربہ کار ست۔

در قلعہ نرور کشند اس میباشد و در امنیت راہ آنچہ از دست او مے آید بجاے آرد انا کار راز اندازہ اوست میر مصطفیٰ با متمردان نواحی سر بسر ہست۔

تعریف ولایت مالوہ بہ کدام قلم نگارد آبہائے رواں دید کہ در ہر قدمے ازاں بایستے گذشت از سو چشمہائے دلکشا چوں دلہائے پاکاں میجوشید ازیں رباعی کہ گفتہ بود بیاد آمد۔ رباعی

زاہد بشگفت و گل تو پژمردہ ہنوز شد باد رواں تو پائے افسردہ ہنوز

از تابش آفتاب در سینۂ سنگ صد چشمہ بجوشید تو افسردہ ہنوز

زمینش ہمہ صالح زراعت بعضے ازاں قبیل کہ نیشکر بے آنکہ آب دہند میشود و سیراب بحدے کہ در پنج گزی آب بر مے آید ہزار شکر کہ بطنطنہ مخدوم عالی و موکب اقبال شاہزادہ عالمیاں نزدیک رسیدہ کہ روح بناتی در قالب ایں گل زمین کہ گلشن مراد و گلزار عزتست درآید حق سبحانہ تعالیٰ قدوم ایشاں را برکل ایں ممالک کہ بر سمت قطب جنوبی واقع شدہ مبارک گرداند و ایشاں را در نور آفتاب دولت آنحضرت چوں قطب ثابت و پایدار دارد۔

● سرونج شہریست کہ حکم بندر دارد و بلند خاں خواجہ سرا اور ویرانی اور تقصیر نے کند و خانہائے کہ خویشان شہابخان و مصبداراں و سائر مردم بتدریج ساختہ بودند چو بہائے او را کندہ فروختہ و در و دیوار ہم شکستہ۔ اگر چہ از پیری دست و پایش میلرزد و عنقریب است کہ دیوار گلبن بدنش از ہم ریزد آمادش ہمچناں سنگین است۔

در سجادلپور خواجہ امین خویش وزیر خاں بر عایا سلوک خوب کردہ و تقاوی دادہ و پرگنہ معمور ساختہ و ہمہ چیز خود میرسد کارخانہائے پارچہ بافی ترتیب دادہ کہ چیرہ و فوطہ برائے حضرت مے بافند دکان کاردانی وا کردہ از دست او خیلے خدمت و سربراہی مے آید اگر خدمت سرونج بعہدہ او باشد شہر معمور میشود قابل توجہ و تعمیر است۔

● رائق و فائق اجین بلکہ تمامی مالوہ محب علی است از دست او کارے مے آید ابراہیم قلی پسر اسمٰعیل خاں با جمعیت در اجین بود قاضی بابا مردے خوب ست۔ باغچہ نیشکر ے دارد کہ قابل تعریف است در

Marfat.com

ہیچ جا باین لطافت نیشکر خوب نمے شود۔

مندو دیدہ شد ویرانہ است عبرت افزا زبدا پایاب بود شتران وکارواں با اسباب گزشتہ۔ اسماعیل قلی خان نظر آقا یوزباشی را در حد جاگیر خود نگاہداشتہ سابق نوکر خان خاناں بود مردیست لایق خدمات بادشاہی وقابل ترقیات است دریں راہ قاصدان راجی علی خان ہمیشہ با مکتوبات ے آمدند چوں بجاگیراو درآمد مردم مردم خوب منزل بمنزل میرسیدند ورسوم وآداب کہ میباشد بجاے آوردند کیفیت ملاقات او آں بود کہ معروض داشت۔ آوازہ فرقدم موکب جہاں نورد حضرت شاہزادہ عالمیاں گوش ہوش اہل دربار را بار کردہ است۔ راجی علی خان ہمیشہ میگوید سعادت ایں دیار است کہ شاہزادہ عالمیاں سایہ دولت واقبال براں کے گسترند ایں سایہ برسر من مستدام باد۔ حقیقت خدمت گاری وخیر خواہی من بر حضرت ایشاں روز بروز ظاہر خواہد شد ونتائج خدمات قدیم وجدید من بظہور خواہد پیوست وموجب سرفرازمن بردرگاہ عالم پناہ خواہد شد حالا درساختگی پیشکش است کہ با عرضہ داشت مبارک قدوم شاہزادہ عالمیان دریں دو سہ روز روانہ ساز دو جہیز لائق جدہتہ دو صبیہ برساختگی میکند کہ بندہ ہمراہ گرفتہ روانہ درگاہ معلیٰ شود یکے را کہ از دست برائے شاہزادہ بزرگ ادام اللہ اقبالہ آنجا بیارد۔ ویکے را کہ دختر پسر است بحضرت شاہزادہ عالمیان مدظلہ العالی زر مالوہ حسب الحکم رساند اگر بندگان حضرت نیز ازروئے التفات درفرمانے کہ بحضرت شاہزادہ اصدار فرمایند اشارت بہ قبول ایں معنی فرمایند بندہ نوازیست مبادا حضرت شاہزادہ فرمایند کہ بما حکم نرسیدہ ودر فرمان جہاں مطالع قید نہ شدہ ملاحظہ دارد کہ بایں تقریب کہ از اختراعات واہمہ است توقفے واقع شود واجب بود معروض داشت۔

دوروز از رسیدن برہان پور گزشتہ بود کہ فرمان عالمیان مشتمل برحکم رفتن بندہ پیش برہان نظام الملک شرف ورود یافت۔ نمیداند کہ بندہ چہ بیطالعی دارد کہ از درگاہ معلی روز بروز دور تر میشود روزگار انتقام ایام دوام ملازمت کہ درسی سال حاصل بود دریں چند روز میخواہد بکشد بغیر از صبر چارہ نیست امیدوار است کہ اگر مہلتے نصیب باشد عنقریب مراجعت نمودہ بآستاں بوس عالی کہ متضمن سعادت جاودانی است کامیاب گردد دریں راہ ہر جا درویشے شکستہ ومجذوبے شنید تنہا وپنہاں ملازمت کردہ ہرگاہ التماس دعا برائے حضرت نمود اکثرے ہمیں گفتہ اند کہ آنحضرت را چہ احتیاج بدعائے ماست کار آں حضرت خدا ساختہ بایں وجہ او محتاجیم وفی الواقع امروز کدام آرزوست کہ آنحضرت را بوجہ کمال حاصل نباشد سایہ عدالت آں حضرت برمفارق عالم وعالمیاں ابدی باد۔

برہان پور وحوالئے او اندک جائے ست بغایت تنگ اکثرئے بوستان ہر جا قطع زمینے بودہ

Marfat.com

مزروع شدہ از میوہ انجیر خوب میشود و خربزہ فرنگی ہم بشاخ درخت بست بست وسی سی خوشہ جنبانست کم نیست واقسام کیلہ کہ میتواں خورد فراوانست۔ خربزہ ہندوستانی ہم ہفتہ باشد کہ رسیدہ وہوائے اسپنجادردے ماہ الہٰی بوطورے گرم است کہ روز بجامہ یکلتہی میباشد وشبہا بقبا اندک احتیاج میشود۔ آبہا خیلے تغیر کردہ از نزدیک شدن ایام نوروز وتصور دور بودن از درگاہ عالی باطن را بے آرام مے یابد، اما ازانجا کہ پرتو عنایت آں حضرت بردوران ونزدیکان چوں نور آفتاب عالم تاب یکساں مے تابد۔ فی الجملہ خودرا تسلی میدہد وتبقدیرات ایزدی ورضائے شاہنشاہی خوش وقت ست حق تعالیٰ آں حضرت را علی الدوام برحاضر وغائب وقریب وبعید وفقیر وغنی سایہ گستر دارد۔

یارب سرخیل کامیاباں باشی ... فرماں دہ آسماں خیاباں باشی
تاسایہ وآفتاب باشند بہم ... درسایہ آفتاب تاباں باشی

(۲) عرضداشت:

مشتے خاک سرگرداں فیضی بجمیع ذرات وجود ہزاراں ہزار تسلیم وسجود بتقدیم رسانیدہ بمسامع والائے عاکفان عالی حضرت شاہنشاہی ظل الٰہی۔

شاہ جہاں پرور اقلیم بخش ... تخت فرازندہ وہیم وتخش
طلعت او آئینہ ذات حق ... فکرت او حجت اثبات حق
قوت کونین بازوئے او ... گنج دو عالم بتراز روئے او
اوچو جم وجام نظر برکفش ... اوچو سلیماں خرد آصفش
ہرچہ نہ از فکر بہ نزدش فسوں ... ہرچہ نہ از عقل بہ نزدش جنوں
شیر شکارے کہ بہ بخت جواں ... کردہ شکارے دل بے آہواں
شیردل وشیرکش وشیر گیر ... تیز رو وزود رس ودیر گی
ازورق۔ عیب سبق یافتہ ... رتبہ ہمنامی حق یافتہ

رباعی

شاہے کہ لوائے رفعتش دور زدند ... درانجمنش ترانہ سور زدند
آں شب کہ فروغ او جہاں را بگرفت ... انجم بہ نظارہ عطسہ نور زدند

Marfat.com

رباعی

شاہے کہ وجود کمال است کمال | اندیشہ بوصف او محال است محال
ہر چند کہ اسم او جلال است جلال | ذاتش ہمہ مظہر جمال ست جمال

ذرہ وار خاک کردہ معروض میدارد۔ ابتدائے عرض حال از تجلیات صبح صادق کہ زمان عشرت صبوحی کشاں خلوت خانہ نوروز ہنگام جوش وخروش زمزمہ سازان جلوہ گاہ حضور است مینماید۔ سحر باچوں ازخواب (کہ در محرومی غشی کہ بحالت بحراں عارض شود ومرگ ناگہانی برابر میواند) سراسیمہ برمیخیزد بہ سفیدہ سحری کہ بہزاراں نور جلوہ گری میکند چشم حیرت مے کشاید بہ تصور آنکہ ایں آں سفیدہ صبح دولت وبیاض سعادت است کہ آں حضرت در انتظار ظہور آں بادیدہ ودل بیدار بدولت مے نشیند بعد ازاں کہ خطوط شعاعے نیز عالمتاب از مشرق بمشرق مے پیوندد واز ہر خط مثل نور بدیدہ مے کشد وپیغام سرور بہ دل مے رساند کہ ایں ہماں سررشتہ نور است کہ باں حضرت رابطہ صوری ومعنوی دارد چوں طلوع آں نور اعظم وتیر اکبر تمام وکمال میشود دیدہ راباں نور الانوار آب ودل راباں روح الاروح تاب میدہد ودوام بقاو سجدہ لقائے آں حضرت رابہزاراں دعاونیاز میخواہد وایں ذرہ راست درباب صبح صادق۔

دریاب کہ صبح عیش روز نمو دست | خورشید در نور بدل بکشو داست
بنگر بہ سفیدہ دم کہ پیشانی چرخ | در سجدہ خورشید غبار آلو داست

رباعی

بنگر بہ سفیدہ تازہ نہ گلشن از و | گلچیناں راشگوفہ در دامن از و
نے نے گردے ز لشکر خورشید است | گردے کہ شود چشم جہاں روشن از و

رباعی

ہر صبح دل فیض طلب مے یابد | دریوزہ نور از دل شب مے یابد
اے ذرہ چرا بے سرو پامے گردی | در حضرت خورشید ادب مے یابد

رباعی

شد صبح جہاں روشنی از سر گذشت | زیندہ سپہر زیب دیگر بگرفت
خورشید کراں تا بکراں نور افگند | سرتا سر عالم ہمہ در زر بگرفت

Marfat.com

دیگر از احوال روز وشب چہ نویسد کہ با دیوار ہا ہمراز و با در ہا ہم آواز ہست وشادمانی منحصر دراں میداند کہ خطبہائے خدمت ابوی واخوی از پایہ سریر خلافت میرسد مشتمل بر صحت مزاج اقدس کہ چوں طبیعت بہار باعتدال سرشتہ اند وحرف سعادت جاودانی برلوحہ پیشانی بکلک ازلی نوشتہ وآنکہ در دارالسلطنت بر تخت عز وجلال کہ مرکز دولت واقبال است نشہ انتظام عالم وعالمیان بہ قوانین عقل کامل واسالیب عدل شامل میفرمایند ومژدہ فتح ونوید نصرت از اطراف واکناف ممالک محروسہ میرسد۔ ازیں بشارت ہائے ربانی سجدہائے شکر پروردگار بتقدیم میرساند وایں نیم نفس باقی ماندہ راہ بہ ہمیں مژدہ ہائے دلاویز وابستہ میداند وچوں حالات ایں حدود موبموئے بر ضمیر انور کہ آئینہ گیتی نمائے عقل کل میاند روشن است۔ برہماں اکتفامی نماید برہان نظام الملک از خاک برداشتہائے آنحضرت وپروردہ نعمت آں دولت خانہ خود را میداند۔ چہار ماہ کامل ہست کہ بر سر جاگیر عادل خاں رفتہ از احمد نگر بمسافت ہفتاد وپنج کردہے نشستہ وبر کنار آب نہلورڑہ کہ آبیست بزرگ وسر حدیست میاں جاگیر ہردو قلعہ گلبن ساختہ وعادل خاں ہنوز در قلعہ بیجاپور نشستہ ولشکر خود را با شاہزادہ ہزار سوار فرستادہ ہرروز جمعے از طرفین برآمدہ جنگ میکنند واز جانبین جماعتے کشتہ میشود ودریں ایام باقرار کہ عمومی برہان نظام الملک میشود در بیجاپور بفلاکت مے بودہ عادل خاں اورا برداشتہ وپیش رولشکر خود کردہ گفتہ کہ تو ہم بحکومت میرسی وازیں معنی فے الجملہ راہ یافتہ وراجی علی خان دوکس اعتمادی خودرا پیش نمودہ احتمال دارد کہ دریں ماہ گرگ آشتی فراریابد تا ہنوز اثرے پیدا نیست وقتے کہ از احمد نگر میرفت مبالغہ عظیم کردہ شد وبیطاقتیہا نمودہ شد بعجز تمام گفت کہ پیشکش تیار میشود با آنکہ نیمہ راہ رفتہ بود دومرتبہ پیش اورسید وچندانکہ در حوصلہ گنجد نصیحت ہائے روشن (کہ درجات دانش وقانون معاملہ پسند نماید) رہنمونی کردہ شد گفت ہنوز پیشکش تیار نشدہ بے اختیار در شہر پرشورش کہ از فتنہ سازاں واوباشاں لبالب است تکیہ بر اقبال آں حضرت کردہ توقف نمود ہمیشہ خط مینویسد کہ شمار امعاملہ باآں درگاہ است ملاحظہ نمائید کہ مبادا ایں ہمہ اہمال ومکث بر خاطر اشرف گراں آید جواب میدہد کہ دریں روزے رسیدہ با پیشکش ہائے لائق شار ابدرگاہ عالم پناہ رواں کے سازم چوں تربیت کردہ ونظر یافتہ حضرت است امیدوار است کہ ہمیشہ بر شاہزادہ شعادت سلوک نماید وسلوک او مقبول درگاہ حضرت شود تا عاقبت او بخیر باشد ہمہ چیز برآں حضرت ظاہر است وہمہ دقائق احوال نیز بر ضمیر اقدس پرتو خواہد انداخت۔ احمد نگر را احمد بنا کردہ کہ پدر نظام الملک بحریست کہ جد ایں برہان است باایں طریق برہان بن احمد واحمد قلعہ ساختہ از شہر چار پنج تیر پرتاب دور است وحاکم آنجا مے نشیند واطراف قلعہ میدان ست وشہر طولانی آباد شدہ وحصارے ندارد واز احمد نگر دو کروہی چشمہ ایست کہ آب را بطریق کاریز بہ شہر آوردہ وتقسیم کردہ در بعضے

Marfat.com

خانہاے بزرگاں جدول پوشیدہ ازاں آب رسیدہ وحوض کہاست کہ پرمیشود وباقی مردم بہ تمام وکمال شورابہاے چاہ میخورند ومولانا عبدالرحمٰن جامی از بوالعجیب ہاے عالم گفتہ اند۔

مسلزم ممات بود زہر وقیتی است سرمایہ حیات بود آب دکم بہاست

دریام جنوں مرتفعے بیروں شہر صلابت خاں بنامش باغے ساختہ فرح بخش نام سرو بسیار دارد وعمارتے است درمیان حوض بندہ آں راندیدہ وہواے ایں حدود چنداںنے گرم نیست درعین سرطان کہ تیرماہ الٰہی ست شبہا احتیاج بلحاف میشود از میوہ ہاے خربزہ خود اصلانیست۔ چیزے درشت ہیزہ میشود کہ مردم ایں جامیگفتند خربزہ است بندہ باور نکردہ از میوہ ہا انجیر ایں جا بدنیست وانگور فخرے ودیگر اقسام ہم میشود اما فراواں نہ انناس از اطراف بسیارے آرند۔

امرت پھل وکیلہ فراوان است انبہ ایں جا بدنیست گل سرخ بغایت کم باوجود کمی کم بوہم چنبہ ودیگر گلہاے ہندوستان بسیار است درخت صندل درباغہاشاں مید ہند درخت فلفل بسیار ست چند درخت انبہ ایں جاست کہ دردلو وحوت برمید ہد واز محترفہ زرگراں خوب وپارچہ بافاں بے بدل اند۔ از ہمہ چیز دکن پارچہ ست کہ متواں گفت کاغذ وپارچہ خوب دردوجاے سازندوے بافند یکے درپٹن ودیگر دردولت آباد۔ بیش ازیں چند سال درباراین جاقتل عام شد ویک کس از مردم ولایت زندہ نماندہ وتا سہ روزے کشتند مردم خوب از فضلا وتجار وغیرآں کہ دریں مدت جمع شدہ بوند بہ قتل رسید ند وخانہاے آنہارا بغاوت بردند وبیکار دیگر بعد از آمدن برہان الملک تاراج عظیم برسرغریباں شد وہر کہ برسر اسباب خودے ایستادے کشتند وزخمی میکردند برادران شیخ منور ایں جاغارت زدہ وزخمی ہستند واز شرم بخانہ خودنے تواند رفت وشیخ منور ایں جا امیدوار عنایت است وسوداگران افغان لاہوری تاراج زدہ بسیارے گردند وبعضے مردم وملازماں عصمت قباب سلیمہ سلطان بیگم نیز غارت یافتہ ہستند اسبابے کہ بدست ایں طور اوباشاں افتادہ باشد چگونہ باز بدست ے آید بے فائدہ ے گردند وسرگداند۔

دیگر ابراہیم عادل خاں حاکم بیجاپور بیست ودوسالہ است وبرادرزادہ علی عادل خاں خالی از جوہر سعادت نیست ارادت غائبانہ بحضرت دارد چوں دلاور حبشی تربیت کردہ او تسلن دارد وایں دلاور رابدکردہ اند حالا پیش نظام الملک ہست ومحمد قلی قطب الملک تشیع دارد۔

معمورہ ساختہ وعمارت پرداختہ بھاگ نگرنام بنام بھاگ متی کہ فاحشہ کہنہ ومعشوقہ قدیم اوست حالا ولایت دکن ازانچہ درجاگیر ایں دوسہ کس مقرر است وچہ ازانچہ راجہا اند وسلوک انہا بایک دیگر مبصر اند۔ باوجود چندیں موانع ملاحظہ کردہ شد اگر دے چند دیگر مہلت باشد بحضور اشرف بہ تفصیل

Marfat.com

عرضداشت خواہد نمود وایں ولایت را داخل ممالک محروسہ مے شمارد و یک مرتبہ طنطنہ قدوم اشرف وآوازہ موکب عالی ایں حدود رسید۔ ایں غزل بہ طریق حسب حال روئے نمود۔ چوں از دل اخلاص منزل برخاستہ امید بہ وقوع انجامد۔ غزل

نسیم صبح مشک افشاں زرگرد راہ مے آید — مگر از موکب اقبال اکبر شاہ مے آید
شبستان سعادت راز نقل دے لبالب کن — کہ شنہ بو درستان وشمع درخرگاہ مے آید
مغنی حجلہائے ارغنوں راقفل بردر نہ — کہ در گوشہ صدائے کوس اکبر شاہ مے آید
بہ مہد سایہ دولت جہاں گو بادشاہی کن — کہ بال افشاں ہمائے چتر ظل اللہ مے آید
اگر غم در غم شادی نمیرد جائے آں دارد — نشاط دوستاں بر دشمناں جانکاہ مے آید
منجم برسعادتہائے روزافزوں کواکب را — بشارت دہ کہ براوج ثریا ماہ مے آید
بہ ہمت فتح عالم کن کہ درمیداں سرپاراں — زصد لشکر بیاید آنچہ از یک آہ مے آید
دعارامے برم تا آسماں بردست وایں باشد — کہ از دست دعا گویان دولتخواہ مے آید
دم صبح سعادت میدہد غافل مشو فیضی — کہ فیض صبح گاہی بر دل آگاہ مے آید
خموشی را بلند آوازہ کن ایں جا کہ از حیرت — عبارت نیک میخیز ونفس کوتاہ مے آید

حضرتا برہمزدگی ضمیر وآشفتگی دماغ نہ آنچناں سراسیمہ دارد کہ سروسامان سخن آرائے وبرگ ونوائے اندیشہ بپائے ماندہ باشد دلیل معنی ست کہ از لسان الغیب وارد شدہ۔

کے شعر تر انگیزد خاطر کہ حزیں باشد — یک نکتہ ازیں معنی گفتیم وہمیں باشد

گاہ گاہے دردولی وحسب حالی بے اختیار بیروں مے تراود گاہ ہمہ حسب حالت گاہ در یک بیت دو بیت درج میابد باقی بطفیل گفتہ مے میشود چنانچہ روشن غزل است کہ ہر بیتے از حالتے خبر میدہد آنکہ تمام غزل بیک وتیرہ واقع میشود نادر مے افتد یک مرتبہ عرضہ داشت بدرگاہ مے فرستاد وایں غزل در حسب حال آں روئے نمود۔

فرستادہ ام گل بدست گیا ہے — زبہر کلہ گوشہ کج کلا ہے
نفس ریزہ بستہ بربال شوقے — جگر پارہ مانند بربرگ آہے
گرو دادہ دل درکف تیرہ شامے — گرہ کردم دم بادم صبح گاہے
مژہ بند برموکب شہر یارے — نظر باز برجلوہ شاہ راہے
بایں نیم آہے کہ تالب بجنبد — تسلی دہ آرزو گاہے گاہے
ہزاراں غم آورد روبا کہ گویم — کہ برنیم جاں کس نداند سپاہے

Marfat.com

چرا میزند شعلہ سرتا بہ پایم | اگر موبمویم ندارد گنا ہے
زخوں ناب مژگاں چہ بیروں ترادم | چہ گلہا کہ سہ روز ست گیا ہے
چہ پرسی کہ درخاک وخوں کیست فیضی | بیفتاد صیدے زفتراک شا ہے

یک مرتبہ بعضے ہمراہاں بطریق خالی شدن شہروگریزا گریزی مردم داخل فتنہ وفساد بے دلی کردند وبندہ نصیحت گرانہابودم ومیگفتم کہ یاراں مرابہ فتراک اقبال ابدقرین بندیدوایں راحصار الٰہی بہ شماریدوغم مخوریددریں باب ایں غزل روئے نمود۔

غزل

باز یاران طریقت سفرے درپیش است | رہ نوردان بلا را خطرے درپیش است
پانہ نہادہ دریں بادیہء قافلہ سوز | ہر کہ دیدیم زاندیشہ سرے درپیش است
کس نئے گویدم از منزل اول خبرے | صد بیاباں بگذشت ودگرے درپیش است
ہمرہاں ایں ہمہ نومید نباشیدازمن | کہ دعاے سحرم را اثرے درپیش است
مانہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگذاریم | شکہ کن قافلہ را رہبرے درپیش است
عاقبت ناصیہء ماشود آئینہ بخت | کوکبِ طالع مارا نظرے درپیش است
اے صبا بر سرآفاق گل مژدہ بریز | کہ شب تیرہ مارا سحرے درپیش است
فیضی از قافلہ کعب رواں نیست بروں | ایں قدر ہست کہ از ماقدرے درپیش است

آخر الامر بعضے ہمراہان تاب ہمراہی نیاوردہ وکوتہ اندیشی نمودہ رفتند بہ تقریب آنہا گفتہ شد حسب حال است کہ نوشتہ میشود۔

زہم رہاں بہ کہ نالم کہ کوتہی کردند | بمیر قافلہء عشق بے رہی کردند
ہزار بادیہ زیں نامور فغاں آباد | کہ محمل دلم از بارِ خود تہی کردند
گذاشتن چومنے رانہ مروت بود | براہ عقل نرفتند وابلہی کردند
بگرد نالہ شبگیز بختیاں گردم | کہ در سماع نشستند وخرگہی کردند
بیار ساقی ازاں شمع راہ گمرہاں | بدہ بکورئے آنانکہ گمراہی کردند
نویدِ بخت بہ فیضی رساں کہ اہل طلب | جمازہ گرم بیاد شہنشہی کردند

دیگر درایام طراوت بہار ولطافت اروی بہشت کہ نسیم آں ازدل دودمے انگیخت۔ وہوائے آں برجگر آتش مے بیخت دو بیت گفتہ شدہ بوددرمیان ایں غزل است کہ درزمین غزل میرشاہی واقعہ شدہ است۔

Marfat.com

ما سادہ لوح دیر و خطِ سر نوشت ما عکس است از کتابہء طاقِ کنشت ما
در راہ ما دلیر تگاپو مکن کہ ہست بالعر سا لکانِ مرا سرشت ما
اے کبک مست قہقہہ بر باغِ ما مپر گل غنچہ میکند دم اردی بہشت ما
معلوم شد کہ حاصل مازین بہار چیست روزے کہ برق فتنہ وزوگرد کشت ما
تعظیم حالِ درد کشاں داشت در نظر پیر مغاں کہ بر سر خم ماند خشت ما
فیضی بہ بیں بہ ناصبہء ماکہ عشق کرد محو سجودیت رقم سر نوشتِ ما

و در ہمیں ایام یکبار فوارہ میجوشید ایں غزل حسب حال روئے نمود۔

میکشد شعلہ سرے از دل صد پارہ ما جوش آتش بود امروز بفوارہ ما
ہرکسے روز ازل تختہ تعلیم گرفت عشق مشاطگی آموخت زنظارہ ما
ہیچ دانی دل ماخورد چرا بشکستند آسماں آئینہا ساخت زسیارہ ما
رونق عہد بہ بیید کہ بر بستر خوں فتنہ ے بارد ازآئین ستمگارہ ما
خون پاکاں بود امروز دریں شہر جرعہ مژدہ فشاں برلب خونخوارہ ما
دیدہ اویکذار جگر انباشتہ باد ہر کہ گوید خبرے ازدل آوارہ ما
فیضی از نقد جہاں گرچہ تہی دستانیم کیمیا سازبرد زنگ زرخسارہ ما

تربت میر حسن دہلوی در دولت آباد است غالباً ہمراہ سلطان علاء الدین آمدہ ایں جا عمر مستعار را باآخر رسانید بخاطر رسید کہ دیوان او کشودہ یک غزل تبرکاً وتیمناً تتبع نمودہ شود اتفاقاً ایں غزل آمد۔

بازنوائے بلبلاں عشق تو یاد میدہد ہرکہ بہ عشق خوش عمر بباد میدہد

شکستہ بستہ گفتہ شد از اتفاقات حسنہ آنکہ نام حضرت شاہزادہ عالمیاں فاقبہ بود و بنام ایشاں حزین ساختہ فرستادہ وایں معنی راتفال بر فتح ونصرت نمود بعرض اشرف نیز میر ساند۔

صبح کہ ترک مست زمن شیشہ کشاد میدہد عقل بخاک میدہد صبر بباد میدہد
ہم مژہ اش ستیزہ را وشنہ بدست میدہد ہم نگہش زمانہ را عربدہ باد میدہد
آہ کہ بر دماغ دل میزندم نسیم خوں جرعہ بساغرے کہ آں ترک نژاد میدہد
جلوہ کاروان مانیست بنافہ وجرس شوق توراہ ے بردورتو راد میدہد
بیکسم وشکستہ دل تشنہ ابرد ہمہ گر بخورند خون من کیست کہ داد میدہد
فیضی نامراد من ازغم دہر غم مخور زانکہ مراد اہل دل شاہ مراد میدہد
تاج ستان وتاج بخش باد کہ در سپہ کشی باغ غبار موکبش تاج قباد میدہد

Marfat.com

الحاصل درہر آنے ودرہا شانے آں حضرت ملحوظ ومشہود ند ومناقب ومعالی آں حضرت ہموارہ درنظر ست وحالات وکمالات درپیش دیدہ جلوہ گر درنظم ونثر حضرت وایں حالت دریں غزل درج نمودہ شد۔

ہر نظم گوہریں کہ بیاد تو گفتہ ام دل رخنہ کردہ وجگر خویش سفتہ ام
ازدیدہ صد نگاہ فراہم نمودہ ام تا گردصد نظارہ ز راہ تورفتہ ام
بیداری ستارہ گواہ است کزفراق شب بگذراندم کہ برآتش نخفتہ ام
بربستہ ام شگاف دل از پارہ جگر تا بنگری کہ درد تو دردل نہفتہ ام
دارم ہزار پارہ دلے وہ چہ حسرت است کاندر خزاں ہجر تو گلگل شگفتہ ام
چوں جلوہ تو دردل ودردیدہ من است تا خود حدیث گفتہ وازخود شفقتہ ام
فیضی گماں مبر کہ غم دل بگفتہ ماند اسرار عشق آنچہ تواں گفت گفتہ ام

دیگر امثال شش جہاز از ہرمز دریائے شدہ بود خواجہ معتائی جہری کہ عمدہ تجار است بارفقائے دولت اسپ عراقی داشتہ تاسہ جہاز بکوہ رفت وقاعدہ فرنگیان است کہ چہار اسپ رابکوہ مے برندواسپاں راآنچہ خواہش مے کنند مے گیرند وباقی رامیگزارند وسہ جہاز درااردی بہشت ماہ الٰہی دربند چیول کہ داخل جاگیر نظام الملک است رسیدہ ایں مردم گفتہ اند کہ بست وچہار روز دردریا بودیم بعضے سوداگراں وبعضے قزلباشاں راکہ ازصرصر حوادث وفتن عراق وفارس فرار نمودہ بعزیمت آستاں بوس آں حضرت بامن ممالک محروسہ رسیدہ اند کلانتر لہنہا حسن قلی افشارست جوان بہادرست درزمان طہماسپ حکومت بعضے ازنواحے اصفہاں کردہ ودیگر حسین بیگ لشکر نویس است کہ درایام حکومت یعقوب خان نتوانست انجا قرار بہ بودن داد۔ وایں دوکس باکوچ خود آمدند ودرچیول فکرز اوراہ میکنند بہ بندہ حطہا فرستادہ استمانے طلب داشتہ بودند بندہ یک جواب بہر دونوشتہ بود خط لہنہا بجنس ونقل خط خودارسال داشتہ بنظر اقدس خواہد گذشت۔ دیگر ازاہل جہاز حمزہ حسن بیگ است کہ خویش خان خاناں است عزیمت ستہ وارد دیگر حاجی ابراہیم رکابدار سابق شاہ طہماسپ بود عنایت بیگ اورا مے شناسد وغلامے زرگر ہم میاند چندے ازاہل جہاز تا احمد نگر رسیدہ انداحوال عراق وفارس وروم وآں حدود بطورے کہ معلوم شد خلاصہ آں بعرض میرساند۔ شاہ عباس بہ بست سالگی رسیدہ وعین شعلہ جوانی اوست زانچہ طالع دوبرادر اوکہ ابوطالب میرزا وطہماسپ میرزا نام دارند مصحوب عرضہ داشت ارسال داشتہ منجمان درگاہ احوال واحکام ازآغاز وانجام عرض خواہند نمود شاہ عباس بہ تفنگ اندازی وچوگان بازی ونیزہ بازی وشکار شغفے تمام دارد وبباز شاہین مائل ست پارسال

Marfat.com

دو مرتبہ در نیزہ بازی از اسپ افتاد یک مرتبہ در اصفہان و یک مرتبہ در شیراز و در ہر مرتبہ بزانوے او آسیب عظیم رسیدہ امابخیر گزشت آثار شجاعت وجلاوت وغیرت از پیشانی احوال وے درخشد باوجود مستی جوانی وشاہی کہ ہوش ربائے اکثر جواناں است جوہر رشد وعقل از وے تابد ہنوز بہ نفس خود بہ مہمات سلطنت پرداختہ وکاروبار ملک ومال بہ عملہ وفعلہ گذاشتہ۔ فرہاد خاں وکیل مطلق العنان ومصاحب دائمی وست۔ وحاتم بیگ اردبادی کہ از درایت وکفایت بہرہ تمام دارد وزیر حکومت است۔ نزدیک رسیدہ کہ شاہ ہم از خواب گراں غفلت بیدار شود واز مستی ایں بادہ ریا ہشیار گردد۔ و ازیں کہ اکثر ولایت خراسان از بے پروائی و پریشاں رائی از دست رفتہ بغایت متاثر است ودر استخلاص آں اہتمام دارد پارسال میخواست کہ بر سر خراساں لشکری چوں قریب ہری رسید طاعونہ پیدا شد بعضے را در تہ بغل وبعضے را در بیخ ران کہ مفرع اعضائے رئیسہ اند تبرہ مقدار نخود یا زیادہ یا کم برے آید واز ہم میگذشتند۔ شاہ ہم تب کرد وفتح عزیمت نمود وبجانب قزویں شتافتہ وفرہاد خاں با بعضے امرائے خراساں وبعضے شہر را گرفتہ در حوالے مشہد رسید وچندیں ہزار از بک را دراں میاں کشت۔ پسر عبداللہ خاں از براہ یلغار کردہ و بر سر او رفت داد بموجب قرارداد کہ بشاہ کردہ بود گرشتہ بہ قزویں آمد مردم کارواں میگفتند کہ پسر عبداللہ خاں با پنج شش ہزار کس کہ دریں یلغار رسیدہ بودند اگر فرہاد خاں مے ایستاد کار از پیش بردہ بود شاہ را پارسال منجماں منع میکردند کہ بہ خراسان متوجہ نشود وبہ امسال مے گفتند کہ لشکر بہ کشد فتح از جانب شاہ خواہد بود و بہ ہمیں مضمون خطے از خان احمد گیلانی کہ از عالم نجوم بہرہ دست نیز رسیدہ و دیگر دولتیار کرد درمیان تبریز وقزویں یابست ہزار کس نامردی کرد یک مرتبہ شاہ بجہتہ دفع او حسین خاں حاکم قم را یا پانزدہ ہزار کس فرستادہ بود حسین خاں شکست یافتہ بود احتمال داشت۔ کہ چوں بخراساں متوجہ شود دولت یار بر سر قزویں بیاید شاہ در دہم رمضان سال گزشتہ خود برسر [illegible] ار رفت بعضے برادران دولتیار ایں معنی را فہمیدہ خود شمشیر در گردن کردہ پیش شاہ آمد شاہ او را در صن[illegible]ن کردہ در قزوین آورد وسوخت مردم مے گفتند کہ دفع او کم از دفع از بک نبود شاہ درہماں ایام تورچہ [illegible]بزیں خان احمد گیلانی فرستادہ بود و برسر پرخاش شدہ بود کہ مارا ایں ہمہ حوادث روئے از شما در و ہیچ اثر یک جہتی ظاہر نشد خان احمد ضعیف نالی کردہ پیری وناتوانی را درمیان آورد۔ اظہار کمال خلوص وارادت نمودہ وگفتہ کہ ولایت وناموس من ہمہ تعلق بشاہ دارد ووصیت خود را بہ فرزند شاہ کہ صفی نام دارد و در مشہد متولد شدہ دشش سالہ است نامزد ساختہ عریضہ نوشت شاہ ایں معنی قبول نمودہ از قزوین حاتم بیگ را با جمعے از علما گیلاں فرستاد ودر شب برات گزشتہ عقد غائبانہ کردہ اند ورفتن وآمدن ایں مردم بہ چہل روز کشید خان احمد آرزو ابریشم وقماش کاراشت ودیگر تحفہا قریب بدہ ہزار تو ماں فرستادہ بودند با[illegible]

Marfat.com

خوب پیش آمد بعد ازاں شاہ از قزوین بہ اصفہان متوجہ شد درراہ خطے رسید کہ دریزد جماعتہ از یک قریب بصد و پنجاہ کس بہ بہانہ سوداگری آمدہ اند و بہ سپاہی ے مانند بحاکم یزد نوشت کہ آنہارا تا رسیدن من بہ حکمت نگاہ دارد چوں شاہ وریزد آمد آنہارا پرسید وخواست کہ آزار رساند گفتہ اند کہ سوداگر انیم اگر شما سوداگراں را آزار میرسانید سوداگران ولایت شاہم آنجا بسیار اند شاہ آنہارا گذاشت واز یزد باصفہاں آمد وقورچیاں را باہتمام تمام بولایتہا فرستاد ومقرر ساخت کہ در میں نوروز حوالے طہراں کہ ہمہ لشکر از اطراف جمع باشد وقرارداد کہ امراو قورچیاں کوچ خود راہ ہمراہ بروند تا برسر ناموس خود بودہ خیال برگشتن بخود راہ ندہند وانتظار خیر باد کار سلطان کہ بدرگاہ عالم پناہ آمدہ بسیار مے بردو توقع داشت کہ فکر لشکر ازایں جانب بہ طرف خراساں تعین شود ظاہر آنست کہ اگر امرائے اطراف ولایت تمرد ومخالفت نہ نمودہ باشند بعد از نوروز برخراساں لشکر کشیدہ باشد ومنجمان عراق مے گفتند کہ شاہ رادریں سال خطرے عظیم وقاطعے دردرجہ طالع اورسیدہ تاچوں بگذرد شاہ رارگ غیرت درجنبش است وداعیہ تردودارد تا تقدیر چیست شاہ لشکرے کہ از ممالک خود طلبیدہ بایں تفصیل است۔

ذوالفقار خاں برادر خاں حاکم اردبیل ودامغان دہ ہزار کس۔ حسین خاں قجر باجماعہ قجر دوازدہ ہزار کس۔ شاہ قلی سلطان شاملو حاکم ہمدان چہار ہزار کس۔ چراغ سلطان حاکم رے چہار ہزار کس۔ فرخ خان برادر مرتضٰی خاں ترکمان پنج ہزار کس۔ محمد قلی سلطان پسر مرتضٰی خاں دو ہزار کس۔ بنیاد خاں حاکم شیراز توابع دہ ہزار کس۔ حاکم یزد مع توابع پنجہزار کس۔ امیر حمزہ خاں وسیاوش خاں معہ پیادہ وسوار چہار ہزار کس۔ ملک سلطان محمد ہشت ہزار کس۔ ملک سلطان شاملو ہزار کس۔ احمد سلطان ذوالفقار ہزار کس۔ فرخ حسین خاں شاملو پنج ہزار کس۔ پسر علی خاں ہزار کس۔ یادگار علی سلطان حاکم خوارزم دشمناں سوار و پیادہ دو ہزار کس۔ پیادہ وسوار اصفہان دہ ہزار کس۔ جماعہ پیادہ از جمیع شہر ہا یازدہ ہزار کس۔ تفصیل لشکر قورچی خاصہ وغیرہ بست ہزار کس۔ نورباشی وغیرہ سوار یازدہ ہزار کس۔ پیادہ ہشت ہزار کس۔ تفصیل لشکر غلامان شاہ دیو جمشید حاکم قزوین دو ہزار کس۔ دیو حسین سہ ہزار کس۔ دیو ابدال دو ہزار کس۔ ایں لشکر از صد ہزار کس زیادہ است مردم گفتند اکثر خواہند آمد کہ ہنگامہ ہتمام است تا امروز دریں صحبت شدہ باشد۔

دیگر یکے از عراق مبارک نام درنواحے شہر شوشتر خروج کردہ ومکرا بہ لشکر روم جنگ کردہ ہمہ محل پریشاں ظفر یافتہ وخود را از محبان شاہ میگیر دودم یک جہتی میزند وتحفہ گرامی مے فرستد۔ دو سال شدہ در بصرہ وبغداد از رہگذر او بتریست۔ یکے از مخالفان او آمدہ ملازم شاہ شد۔ بادشاہ اوراداخل قورچیاں

ساختہ روزے بہ شاہ گفت کہ مبارک بشما فیلسوفی مے کند اگر باور ندار داو اسپے دارد کہ بہ نہصد تومان خریدہ وامروز چشم زمانہ مثل او نگاہ ورے ندیدہ باشد از وطلب دارند اگر فرستاد ہر چہ او مے گوید راست است۔ در ساعت شاہ باو خطے مے نویسد کہ ما بر جناح سفر یم وشنیدہ ایم کہ چنیں اسپے دارید خاطر مائل باں شدہ است بفرستید اگر میسر شود از سواران کار آمدنی نیز آنچہ در وقت گنجد فرستید کہ دریں یساق باما باشند چوں ایں خط بمبارک میر سید در ہماں روز ہماں وقت ہماں مرکب باسی صد اسپ دیگر باپسر خود معہ شش ہزار سوار روانہ مے سازد وایں ہا پیش شاہ رسید ند دیگر دہ ہزار عرب از اعراب عامری در نواحے خراساں جمع شدند واز برائے دین ومذہب قرار بہ جنگ ازبک دادند انتظار شدہ مے کشیدند۔

دیگر از وقائع پارسال آنکہ شاہ عباس دو برادر خورد خودرا کہ ابو طالب مرزا وطہماسپ مرزا نام داشتند میل کشیدہ واسماعیل مرزا او پسر حمزہ مرزا میل کشیدہ چوں بسیار خورد سال بود میل بافتن تاب نتوانست آورد بہ ہماں عذاب جاں بحق تسلیم کردہ شاہ عباس دو پسر وارد یکے مرزا صفی کہ بعرض رسید دیگر مرزا حیدر کہ پارسال ولادت یافتہ وسلطان محمد پدرش نبینائے مطلق شدہ ہمراہ شاہ عباس مے باشد وبرائے او خیمہ علیحدہ میزنند اندک چیزے باو مقرر شدہ بفسق وفجور مشغول ست ہزالی وخندہ اور قاضی وخواندگی بر مزاج او غالب است۔

دیگر پیرانہ سال در اردوپیل وبائے عظیم شدہ۔ چنانچہ بسیارے از مردم شہر را گذاشتہ بہ اطراف رفتہ بودند وایں جا کہ ماندہ بودند تمام وکمال مردہ بودند وسوداگر بسیار خانہ بخانہ مردم افتادہ بود ودر خانہائے جمعے بکلی برآوردہ بودند چوں بشاہ ایں خبر رسید قورچی تعین نماید کہ ضبط اموال وتحقیق مردم مہلک نماید۔

دیگر از احوال پیرانہ سال آنکہ بکتاش خاں کہ حاکم کرماں ویزد بود جمعیتے داشت وبشاہ عباس سرکشی میکرد یعقوب خاں ذوالقدر کہ حاکم شیراز بود بفرمودہ شاہ عباس بر سریزد رفت وبکتاش را کشت اسباب فراواں بدست او افتاد ودماغ آں تنگ حوصلہ خللے پیدا کردہ وباد تجبر دی وسودائے کوتہ اندیشی بسراو پیچیدہ چنانچہ بر مردم خود مے گفت کہ من از شاہ طہماسپ حاصل شدہ ام وبہ بادشاہی بر سر دور شیراز بنیاد خودسری وسرکشی مے کرد ونزدیک بقعہ شیخ سعدی قلعہ ساخت وشاہ عباس از اصفہان مکرر او را طلبیدہ واموالے کہ بدست او افتادہ بود طلب داشت نہ خود رافت نہ از اموال چیزے کہ بکار آید فرستاد شاہ از اصفہان باد وازدہ ہزار کس یلغار کردہ بہ شیراز رسید واو در قلعہ اصطخر شیراز با چہار صد کس متحصن شدہ شاہ چہار ماہ نشست جماعتے کثیر را برد در قلعہ تعین نمودہ در مجلس خود مے گفت کہ با اعتمادے تر از یعقوب نوکرے نداریم دو دشمناں او را ترسانیدند واو متوہم شدہ پیش مانمے تواند رسید۔

Marfat.com

ایں خبر مکرر باور سیدہ شاہ ہم معتمداں را فرستادو بہ افسون وافسانہ اورراازقلعہ کشیدہ شاہ از تقصیرات
اودر گذشت با آنکہ روزے خان بیگ کہ ملازم یعقوب خاں بود بہ شاہ گفت کہ یعقوب خاں قصد
شادارد و جمعے رابریں کار موافق ساختہ شاہ قبول ایں معنی نمودتا روزے بہ شکار برآمدند با جمعے از افراد
خاں بیگ باز درعین شکار بہ شاہ گفت کہ یعقوب خاں درزیر جامہ زرہ پوشیدہ وبرسر عذراست شاہ بہ
تقریبے دست بردوشش مے رساند مےیابد کہ زرہ پوشیدہ است۔ بہ بہانہ دردتر سرک شکار کردہ بہ
شہرے آید روز دیگر دردیوان خانہ مے نشیند و مے گوید کہ یعقوب خاں راحاضر ساختند و جمعے از
نوکران اوراکہ ہر یکے بے لقبے وخطابے بدنام کردہ بود آوردند اتفاقاً پیش ازیں چند روز ریسماں
بازاں ریسمانہا کشیدہ بودند کہ ریسماں بازی کنند یعقوب خاں رابجائے خود میگوید کہ بخشید اورا بہ تمسخر
انجا مے نشاندو شاہ خود عصائے گرفتہ پیش او مے ایستد ومیگوید کہ شاہی بہ یعقوب خاں میرسیاںشاں شاہ
باشند ومانوکراں آنگاہ شاہ ایستادہ بہ آواز بلند میگوید کہ شاہ یعقوب خاں چنیں حکم میفرمایند کہ فلاں نوکر
ماراوررسیماں بہ کشند ہمچناں اورا مے کشیدند تا آنکہ ہلاک مے شد وہمچنیں ہر یکے را بہ طرزے خاص
کشتند آخر نوبت بہ یعقوب خاں میرسد اورآویختہ درشکنجہ کردندو بہ سیاست تمام لقمہ سگاں ساختند
وحکومت فارس بہ بنیاد خاں ذوالقدر دادہ خود باصفہاں آمد وقریب دو ماہ آنجا بودہ بقزوین رسید وتتمہ
احوال سابقہ معروض شد۔

دیگر از اخبار روم آنست کہ سلطان مراد دراستنبول است صریح قدیم کہ داشتہ درایں ایام طغیاں
کردہ چنانکہ بعضے اوقات ازصباحے تعشی مے کرد تا آخر روز گاہ بہ نیم روز تا نیم شب۔ سوار نے تواند شد
درسواری بسیار میگردو تا سہ فرسخے ایں طرف بریز درتصرف رومیہ است وکوتل شمال سرحد شہ وقراحسن
استاد جلورا پارسال بہ استنبول فرستادہ سرحد مشخص کردند۔ وحاکم تبریز خواجہ سرائیست جعفر نام بہ تدبیر
وشجاعت درگنجہ سرداں وقراباغ قلعہا ساختہ واستحکام نمودہ۔ رومیہ بہ ہمسائگی قزلباشاں راضی تر انداز
ہمسائگی ازبک غالباً سلطان مراد بہ عبداللہ خاں نوشتہ بود کہ باعث تاخیر واہمال چیست۔ ازاں طرف
شمابیایند وازیں طرف مامے آئیم۔ تا قزوین سرحد جانبین بودہ باشد۔ عبداللہ خاں نوشتہ خراساں خود
بقزوین منتہی میشود ونزدیک است کہ گرفتہ شود مے آئیم داعیہ حج وشوق ملاقات درج کردہ بود ورپیہ را
ایں حروف دورازکار ناخوش آمدہ رنجیدہ درکنگاش آں بودند کہ بہ شاہ عباس کمک بہ ہند پسر مرزا حمزہ
پیش رومیہ است۔ اگرچہ رومیہ اوراطلبیدہ اند کہ باوصیت خواہم کردامامحالست کہ خلاف قانون کنند و
ودرطلبیہ نش حیلہ چند خیال کردہ اند۔
بلہ سرآمد دانشمندان عراق وفارس میر تقی الدین محمد است کہ مشہور بہ تقیانسابہ است وبہ

Marfat.com

دانشمندی اوامروز درولایت کسے نیست از شاگردان میر فتح است وقتیکہ میر فتح اللہ ومولانا مرزا جان
درشیراز کوس دانشمندی میزدند او نیز یکے از مدرسان مشہور شیراز بود بندہ مدتست کہ صیت کمالات اوے
شنوداز میر فتح اللہ مکرر تعریف اوشنیدہ وکسے راکہ ایں چنیں شاگردے ماندہ باشد دلیل کمال او بر
عالمیاں ہمیں بس۔

ملا محمد رضائے ہمدانی از شیراز میرسد واز دماغ سوختہائے مدرسہ است وجوہر فضیلت واہلیت
ازو ظاہر میگوید میر تقی الدین محمد آرزوئے آستاں بوس حضرت بسیار داشتہ زادراہ بہم نرسید وفرصتے
بدست نیفتادہ وگرنہ دریں قافلہ مے آید اگر فرمان عالیشان بانعامے بہ طلب او برود سرفرازی اوست
یادگار میر فتح اللہ وفرزند معنوی ایشیانست بموجب آنکہ گفتہ اند

اے بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

امید است کہ بدرگاہ معلی رسیدہ از مجلس عالی کہ محل تدریس علوم کونی والہی ومقام اکتساب
کمالات انفسی وآفاقی است مستفیض گردد۔

ودیگر قاضی زادہ ہمدانست کہ ابراہیم نام دارد وبہ پایہ دانشمندی شفا درس مے گوید وبر شرح
اشارات حاشیہ نوشتہ وترقیات عظیمش روئے دادہ ودر اردوئے شاہ است وایں محمد رضا کہ آمدہ
قرابتے بہ او دارد۔

ودیگر شیخ بہاء الدین اصفہانی است ودر بعلبک متولد شدہ ہفت سالہ ہمراہ پدر بہ ہرات آمدہ
وپیش پدر خود وملا عبداللہ یزدی تحصیل نمودہ در جمیع علوم تبحرے دارد وممتاز است در اصفہاں مے باشد۔

دیگر از مستعدان صاحب فطرت عالی ومشرب والا کہ لائق مجلس عالی تواند بود چلپی بیگ است
درشیراز وقزویں تحصیل کردہ ودریں دوازدہ سال وار ترقیات عظیم رونمودہ دارد وہمہ جا میگویند وحالا
درشیراز است اگر ذرہ توجہ عالی بجانب او ہم شود بجائے خود است۔

دیگر در احمد نگر دو شاعر خاکی نہاد صافی مشرب اند ودر شعر مرتبہ عالی دارند یکے ملک قمی کہ بکس
کمتر اختلاط میکند وہمیشہ مژہ ترے دارد از دست ایں رباعی ویک بیت۔ رباعی

ہر جا کہ بمردمے رسی مردم شو ۔۔۔ در ہر کہ غبارے نگری قلزم شو
آمیزش حسن وعشق سرازلیست ۔۔۔ من در تو گم وتو نیز در من گم شو

بیت

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں گشت از نظر ۔۔۔ یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد

Marfat.com

دیگر ملائے ظہوری کہ بغایت رنگین کلام است و مکارم اخلاق تمام۔ عزیمت آستاں بوس دارد از دست ایں رباعی وذو بیت

گر نام اثر برد دعا از ما نیست | حاجت کہ گہے شود روا از ما نیست
صبرے کہ زما نیست جدا از ما نیست | دردے کہ کشد نیک دوا از ما نیست

بیت

کف خونی مگر بریال مرغ نامہ برریزد | بیاباں کرد او غمنامہ پروازے نمے داند

بیت

ایں قدر مہر روانیست کسے را بہ کسے | شوق صد بار فزوں میکشدم ہر نفسے

دیگر از حکایتہائے رنگیں کہ بندہ شنیدہ آنست کہ از یکے را گرفتہ بودند کہ کلاوہ ریسماں بخود داشت چوں پرسیدند گفت والدہ پیرے دارم بہ من دادہ است کہ اگر توانی بخون رافضی۔ رنگین کن کہ چوں بمیرم کفن مرا بہ آں بدوزند۔

مولانا ظہوری نقل کردہ کہ روزے در باغ یکے از شرفائے مکہ معظمہ جمعے بودہ واقسام مردم بر کنار حوض نشستہ مید اشتند بہ تقریبے یکے از ہائی ماوراء النہر گفتہ کہ فردا چہار یار بہ چہار گوشہ حوض کوثر نشستہ آب بمومناں خواہند داد۔ محمود صباح نیشاپوری درآں مجمع بود برخواستہ گفتہ نامعقول مے گویند حوض کوثر مدور است وساقیش حضرت مرتضٰی علی وگر یختہ شیخ عطار فرمود۔

زنادانی دلے پر جہل و پر مکر | گرفتار علی ماندی و بوبکر
گرآں بہتر وایں بہتر تراچہ | چو حلقہ ماندہ بر در تراچہ
چو یک دم زیں تخیل مے نرستی | ندانم تا خدارا کے پرستی

اہل عالم در ہر ولائے یکے از مردم را معبود خود ساختہ واز خدا غافل شدہ توجہ باآں شخصے دارند۔ در ولایت دکن اصل دکنیاں داور الملک رامے پرستند و در عوام مشہور بہ دار الملک است یکے از سپاہیان گجرات بودہ وہمانجا کشتہ شد در بست سی جا قبر بنام او ساختہ اند واز دحام دارند۔

دیگر سید محمود گیسو دراز است وقبر او در گلبر گہ است کہ داخل جاگیر عادل خاں است وسابق در دہلی صومعہ مشیخت داشتہ سالے کہ حضرت صاحبقرانی فساد ہندوستان را شنیدہ متوجہ فتح آں بودند۔ سید مذکور دکن آمدہ۔

ملا عبداللطیف بربری بشوق عربی شگفتہ بودند ودر برہان پورے بودو عرائض راجی علی خان را

Marfat.com

نوشتا میکرد نقل غریب بفقیر گزرانیده کہ یکے از اولاد سید محمود گیسو دراز حضرت اللہ نام دارد پیش ازیں یکسال در برہان پور آمدند آوردند در خانہ خود فرود آیند۔ روز ملاقات بہ ملا عبداللطیف گفت میدانید کہ من کیستم حضرت مریم را بر عرش بردند و حضرت میر سید گیسو دراز را حاضر ساختند و بی بی را با حضرت میراں عقد بستند ما نتیجہ ایشانیم۔ ملا عبداللطیف میگوید کہ من گفتم عجب است کہ بہ فرنگ تشریف نہ بردند گفت آں ولایت برادر اندر ماست معلوم نیست کہ مردم آنجا سلوک لائق بما کنند یا نہ بندہ از خواجہ نظام الدین احمد نام ایں برادر عیسیٰ مکرر شنید غالباً بہ گجرات ہم رفتہ بود۔

دیگر شنیدہ شد کہ تحریر نام حکیمے بود نظام الملک بحری او را از فرنگ طلبیدہ اعتبار کردہ بود کہ روزے ایں حکیم در مجلس او از خواجگی شیخ شیرازی کہ از دانشمندان مشہور است و از شاگردان خواجہ جلال الدین محمود پرسید کہ اگر آں سر دنیا آتش افروزند مانعے نباشد از کوہ و تل آں آتش دیدہ میشود و آنکہ میگویند کہ تحت فلک قمر کرہ آتش ہست چرا دیدہ نمے شود با آنکہ مانعے نیست خواجگی شیخ جواب دادند کہ از جہت بعد مسافت دیدہ نمیشود حکیم فرنگی نظام الملک گفت اگر حکم شود در رقص کنم کہ ایں سخن صدر رقص دارد ہماں ساعت شاہ طاہر رسیدہ پرسید سخن میگذرد تقریر کردند گفت خواجگی شیخ غلط کردہ ہمہ عناصر بسیط اند و مرئی نمے شوند و ایں آتش کہ مرئی مے شود بجہت ترکیب او ست جزائے ارضی۔

دریں دیار نام حکیم مصری بسیار است و کارنامہائے علاج او بے شمار الحق با ایں دانائی و دقیقہ رسی بز تشخیص امراض و تحقیق معالجات و تصرف صریح در مزاج۔ و حدس کامل و تامل تمامی و عقل درست۔ و دیانت تمام و درستی کلام و مہربانی عموم و تجربہ بسیار۔ و میمنت دست و پے یعنی خال۔ و شگفتگی طبع و کشادگی پیشانی و مبارکی روئے امروز طبیبے مثل او نشان نمے دہند و حکیم مشہور آفاق بودند۔ یکے حکیم عماد الدین محمود او مدتیست کہ در مشہد رحلت نمودہ دیگرے حکیم کمال الدین حسین او را خان احمد گیلانی از عراق طلبیدہ بود پیش او قانون مے خواند پیرانہ سال سفر کرد حکیم ابوالفتح کہ شاگرد رشید حکیم عماد الدین محمود بود غریب دریافتے و رسائی در ہمہ چیز داشت طبے یک گوشہ فضائل او بود و نادرہ زماں بود بندہ او دیدہ بودم۔ سہم الغیب در طالع داشت و در ایام مرض زائچہ طالع ہمیشہ حاضر میداشت اتفاقاً در ہماں چند روزہ ما گرفتہ بود در برج طالعش و ایں خطرناک میباشد یک بار در ایام بیماری۔ گنگا دھر گفت از اوضاع کواکب معلوم میشود کہ علاجے کہ مے کنند نہ علاج ایں مرض است۔ بہتر ازیں در علاج فکر نہ کنید اما چوں قضا رسیدہ باشد دوا بر عکس نتیجہ میدہد چنانچہ مولوی معنوی فرمودہ

روغن بادام خشکی مے نمود از قضا سر کنگبیں صفرا فزود

حکیم ہمام استاد دیدہ است و اجازت نامہائے استاداں دارد و بہ بندہ نمودہ بود و از عمل و حدس

Marfat.com

وصداقت علم وفضل او بسیارے گفتند نوشتہ والحق جنیں است وغریب فطرۃ عالی داردونظر حضرت کیمیائے وکمال بخش مستعد انست خوشا صاحب استعدادے کہ آئینہ فطرت او بخاک ایں آستاں انجلا یابدحق سبحانہ آں حضرت رابرائے تکمیل خلائق دیرگاہ دارد مستعدان ہفت اقلیم آرزومند آستاں بوس اند وصیت غریب پروری ودانا نوازی حضرت بہ مغرب ومشرق رسیدہ واقبال آں حضرت مقناطیس ولہاست۔

ایں جادو طبیب اند پیش نظام الملک یکے حکیم کانشی واوچیزے نخواندہ واسے برخودبستہ وبدنیست کہ اینجاست شاید حکیم مصری مے شناختہ باشد ودیگرے حکیم علی گیلانی ست واسطی مائل بادنے سالے شدکہ ازشیراز آمدہ ودیگر جمعے از ہندیاں رمی اندوکسے کہ اوامتیازے داشتہ باشدنیست وایں حکیم علی گیلانی شاگرد حکیم میرفتح اللہ شیرازی است ومدتیست کہ تعریف حکیم فتح اللہ شنیدہ میشود وبقدر حالتے دارد پارسال اوراجانی بیگ ٹھٹہ چہل تو ماں فرستاد از شیراز طلبیدہ بودوالحال در ٹھٹہ است اگر بخان خاناں حکم مے شود کہ بدرگاہ فرستد سرفراز اوست وازانجاراہ شیراز ہم نزدیک است ومردم تردومیکنند اگر تقیانسابہ راحکم طلب شود بندہ نوازی است۔

ازمردم بلادطالب علم کہ فے الجملہ امتیازے داشتہ باشد کسے دردکن نیست ملامحمد قاسم ازطالب علماں زبوں مردیست۔میگویند کہ پیش میرفتح اللہ ومولانا مرزاجان شاگردی کردہ امابوئے از ایشاں ندارد وچند غریب مفلوک گدامشرب ازجبل عامل ونجف وکربلائے ہستند کہ شیعہ اندو باقی دکنیاں قدیم بعضے سنی وبعضے شیعہ اندواکثرے ازحبشی زادہا اعتبار دارندوبزرگ اندوپدران لہنہا کلاں بودند وکسے کہ معتبر باشد خال خال است عرضداشت۔تاباین جارسیدہ بودکہ قاصدان فقیراز جائے کہ نظام الملک است رسیدند آنچہ بتازگی روئے نمودہ آست کہ باقر عموی نظام الملک باپانزدہ ہزار سوار باین ولایت آمدہ یک قصبہ راسوختہ وتاراج کردہ دربست کردہے شہر رسیدہ وتفرقہ غریب درشہر وحوالے راہ یافتہ بعضے میگویند کہ بشہر میرسد وبعضے میگویند کہ پیرا میرسد کہ حاکم آنجا سیف الملک یاازبکے ست وراجی علی خاں ہم برین است وایں ساختگی ست وبعضے میگویند بملازمت شاہزادہ عالمیان مے رود ونظام الملک جمعے کثیر ازدنبال فرستادہ وخودہم درمقام آمدن است کہ بزودی خوددرابشہر رساندودواشدہ کارش بوجوددرتزلزلست۔

ودیگردلاورخاں حبشی دہ دوازدہ سال بیجاپور رابنوعے ضبط کردہ بودکہ ایں عادل خاں بے گفتہ او آب نمیتوانست خوردوبیروں نمے توانست آمدواہل بیجاپور تمام از دست بدبختی او بجاں آمدہ بودند وخلقے رابہ تنگ داشتہ پارسال جمعے کثیر ہجوم کردہ بہ اشارہ عادل خاں میخواستند کہ اورا بگیرند گریختہ ایں

جا آمدہ ہمراہ نظام الملک بود در ینولا عادل خاں از انجا قول وعہد فرستادہ طلبید کہ او امیدوار شدہ رفت درساعت چشم اوراکنند واموال مے طلبید واو پسرے داشت محمد خاں نام کہ عادل خاں آرزو میکرد کہ بطرز جامہائے او برآبش بدوزند وصورت نمے یافت اوراہم چشم مے کنند از دہشت قالبی تہی کرد دریں دوروز وحشتے ست دریں شہر وفتنہ خیزی کہ بہ شرح راست نمے آید۔ ع

نہ پائے رفتن ونے جائے ماندن است مرا

چوں بہ حکیم حضرت آمدہ دروقت پائے بوس رخصت دست حضرت بر پشت بندہ رسیدہ ہماں دست مبارک حضرت را حصار خود دانستہ با تو کلے درست واخلاص کامل ودلے آزاد ونظرے راست برمحکائے ادب نشستہ است وتوجہ باطن رابیا دقدرے خود وخداوند خود پیوستہ ہموارہ سایہ علالت وجلالت آں حضرت برنزدیکاں ودوراں شاہ درجمیع حوادثات زمانی باد۔

آزاد۔ اگرچہ میں نے کتاب مذکور میں سے فقط دو عرضیاں لکھی ہیں۔ مگر اس کے مطالعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) یہ کہ کس قدر صاف اور سلیس لکھتا ہے۔ اور کلام میں شیرینی اور لذت خداداد ہے۔

(۲) اس عہد کے ملازم اپنے بادشاہ کے ساتھ کس آداب وتعظیم کے لباس میں ادائے مطلب کرتے تھے۔ اور تعظیم کے علاوہ دلداری اور دلربائی کا اثر کس قدر رکھتے تھے۔ جس کی ہم ہجو کرنا چاہیں تو فقط اتنا کہنا کافی ہے کہ خوشامد۔ خوشامد! مگر میں کہتا ہوں کہ خوشامد ہی سہی مگر یہ خوشامد بھی قصداً نہ تھی۔ ان کے دل اس قدر احسانوں سے لبریز ہو رہے تھے۔ کہ تمام خیالات خوشامد اور دعائیں ہو کر دل سے چھلکتے تھے۔

(۳) ان خطوں کو پڑھ کر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا ان کا ایک شگفتہ مزاج خوش باش آدمی ہے۔ خط لکھ رہا ہے اور مسکرا رہا ہے۔

(۴) تم خیال کرو تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں جو ملازم کسی خدمت پر جاتے تھے تو روز رخصت سے لیکر منزل مقصود تک جو جو باتیں مفید ومتعلق اپنے آقا کے مشاہدہ میں آتی تھیں سب کا پہنچانا داخل خدمت تھا۔ یہ نہ تھا کہ جس کام پر مامور ہوئے اسی کام کی نیت اور اسی منزل کی سیدھ باندھی اور چلے گئے۔ ایک رسید کی رپورٹ بھیج دی کہ کام اس طرح سرانجام ہوگیا اور بس۔ اور سبب اس کے ظاہر ہیں۔

(۵) اس عرضی میں اور اور عرائض بھی تم دیکھو گے عبداللہ ازبک والئی توران اور شاہ عباس والئی ایران اور تعلقات شاہ روم کے اخبار پر بہت اٹکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکبر کو

Marfat.com

ان کا بڑا خیال ہوگا۔ اور وہ فقط سندھ اور کابل و کشمیر کے قوس میں گردش کر کے ان کے خیالات پر نظر نہ رکھتا تھا بلکہ سمندر کا پھیر کھا کر ان کا پتہ لگاتا تھا۔ دیکھو فیضی کی ایک انشا جو فقط عبارت آرائی کے شوق سے کسی نے جمع کر دی تھی اس سے یہ نکتے کھلے۔ ورنہ اور امرا جو ادھر کی سرحد کے علاقوں پر تھے۔ یہ باتیں ان کی خدمت کا جزو ہونگی۔ افسوس وہ تحریریں ایسی نیست و نابود ہوئیں کہ ہمیں ان تک پہنچنے کی امید بھی نہیں ہو سکتی۔

(۶) تمہیں یاد ہوگا کہ اکبر کا جہازی شوق (جہاز رانی کا) یہاں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسے لنگر گاہوں اور سمندروں کے کناروں پر قبضہ کرنے کا بڑا خیال تھا اور ہر پہلو سے دریائے قوت کو بڑھاتا تھا۔ اور یہ خیال فقط شاہانہ شوق نہ تھا۔ بلکہ نظام سلطنت اور ملکی مصلحت پر تھا۔

(۷) تم نے دیکھا؟ اثنائے راہ کے شہروں کا گزیٹر لکھتا جاتا ہے۔ بعض شہروں کی صورتحال لکھتا ہے۔ ان کے مشہور مقاموں کی تاریخ لکھ دیتا ہے۔ ان کی پیداواریں لکھتا ہے۔ کہاں کیا کیا چیزیں عمدہ بنتی ہیں۔ یہ بھی لکھ دیتا ہے۔ اس میں دل ربائی بھی چلی جاتی ہے۔ کہ کپڑے کے کارخانے میں حضور کیلئے دستار اور ٹپکے بن رہے ہیں مگر وہی باتیں لکھتا ہے جو ابھی بادشاہ تک نہیں پہنچیں۔ ہر شہر کے علماء و فضلا و حکما اور اہل کمال کا حال لکھتا ہے۔ اور ان کی تعریف میں وہ الفاظ خرچ کرتا ہے۔ جن سے ان کے جوہر اصلی کھل جائیں۔ اور معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے ڈھب کے ہیں یا نہیں اور ہیں تو کس درجہ پر ہیں۔ اور کتنی قدر دانی کے قابل ہیں۔ ہر شہر کی مشہور درگاہوں کا حال لکھتا ہے۔ اس میں جہاں جگہ پاتا ہے۔ ظرافت کا گرم مصالحہ بھی چھڑکتا جاتا ہے۔ اور تین سو برس کے بعد آج ہمیں خبر دیتا ہے کہ اکبر کن کن باتوں کا طلب گار تھا۔ اور اس کا عہد کیسا عہد تھا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

(۸) اس کے اشعار اور لطائف و ظرائف کو پڑھ کر اکبر کی طبیعت کا تصور بندھ جاتا ہے کہ وہ کن خیالات کا بادشاہ تھا۔ اور دربار اکبری کے اراکین جب اس کے گرد جمع ہوتے ہونگے تو ایسی ہی باتوں سے اسے خوش کرتے ہوں گے۔

(۹) تم نے شیعہ سنی کے لطیفے بھی دیکھے۔ انہیں پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ غلطی ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں۔ کہ فیضی و فضل شیعہ تھے یا شیعوں کے طرفدار تھے۔ یہ جب اکبر کے گرد بیٹھے ہونگے۔ اور شیعوں اور سنیوں کو جھگڑتے دیکھتے ہونگے۔ تو ہنستے ہونگے۔

Marfat.com

کیونکہ اصل معاملہ کو سمجھے ہوئے تھے۔ جانتے تھے کہ بات ایک ہی ہے۔ تنگ چشم، کم حوصلہ، بخن پرور ضدیوں نے اور بھوکے پلاؤ خوروں نے خواہ مخواہ جھگڑے پیدا کر دیئے ہیں۔

(۱۰) اس کے آبدار کلام سے خصوصاً اس خط سے جو ملا صاحب کی سفارش میں لکھا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو ان کے مخالف رائے تھے۔ بلکہ عنادی مخالفت رکھتے تھے۔ ان سے بھی مخالفت فقط اتنی بات پر ختم ہو جاتی تھی۔ کہ خیر تمہاری رائے یہ ہے، ہماری رائے یہ ہے۔ ان کی مخالفت رائے انہیں عداوت اور کینہ وری اور انتقام کے درجے پر نہ پہنچاتی تھی جبھی ہر صحبت میں خوش بیٹھتے تھے اور خوش ہو کر اٹھتے تھے۔ خدا ہمیں بھی خوش رہنے والی اور خوش رکھنے والی طبیعت روزی کرے۔

Marfat.com

شیخ عبدالقادر بدایونی امام اکبر شاہ

امام اکبر شاہ کہلاتے تھے۔ اور علمائے عصر میں فضیلت کا درجہ رکھتے تھے۔ ترجمہ اور تالیف میں اکبر کی فرمائشوں کو عمدہ طور پر سرانجام کرتے تھے۔ اسی خدمت کی بدولت ان کے جواہر معانی صفائی بیان کے ورقوں میں جگمگائے اور ان کی کثرت تصانیف اپنی عمدگی سے الماری کے درجہ اول پر قابض ہوگئی۔ جو تاریخ کہ ہندوستان کے حالات میں لکھی ہے۔ وہ اکبر کے دربار اور اہل دربار کے حالات سے تاریخی عبرتوں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمات سلطنت اور کاروبار زمانہ کو خوب سمجھتے تھے۔

فاضل مذکور میں بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ہر شخص کے خصائل اور جزوی جزوی عادات اور اطوار کو چنتے ہیں اور اس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ جب پڑھو نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اہل ذوق دیکھیں گے۔ اور جہاں تک ممکن ہوگا میں دکھاتا جاؤں گا۔ کہ وہ امرائے دربار میں جس کے برابر سے نکلتے ہیں ایک چٹکی ضرور لیتے جاتے ہیں۔ امرائے دربار سے ان کا اس قدر بگاڑ نہ ہوتا۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے ملائی کے دائرے سے قدم نکالنا نہ چاہا اور اسی کو دنیا کا فخر اور دین کی دولت سمجھا۔ انہیں کبھی تو بے علم یا کم لیاقت لوگ مراتب عالی پر نظر آئے۔ اور یہ ناگوار گزرا۔ اکثر چھوٹے تھے کہ آنکھوں کے سامنے بڑے ہوئے یا برابر سے آگے بڑھ گئے۔ کبھی باہر سے آئے۔ اور مختلف خدمات کی سنہری مسندوں پر بیٹھ کر صاحب جاہ وجلال ہو گئے۔ اور یہ ملا کے ملا ہی رہے۔ ایسے لوگوں کو ان کی فضیلت علمی ضرور خاطر میں نہ لاتی ہوگی۔ بلکہ چاہتی ہوگی۔ کہ میرا ادب پیش نگاہ رکھیں۔ ادھر دولت اور حکومت کو اتنا دماغ کہاں؟ میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ ایسے موقع پر دونوں طرف سے کوتاہیاں اور قباحتیں ہوتی ہیں۔ اہل علم کو تو ان پر غصہ ہونے کیلئے کوئی سبب درکار ہی نہیں۔ فقط اہل دول کی سواری اپنے جاہ وحشم کے ساتھ برابر سے نکل جانی کافی ہے۔ اگر وہ اپنے کاروبار کے افکار میں غلطاں وپیچاں جاتے ہوں تو بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ اللہ رے تمہارا غرور آنکھ بھی نہیں ملاتے کہ ہم

Marfat.com

سلام ہی کر لیں۔ امارت کے تو مالک بن گئے۔ بھلا کوئی دو سطریں ہم لکھ دیں پڑھ بھی لو گے؟ اور اہل دول میں بھی اکثر کم ظرف ہوتے ہیں۔ کہ جب کسی درجے پر پہنچتے ہیں۔ تو اپنا سلام علما کے ذمہ فرض سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس پر قناعت نہ کر کے چاہتے ہیں کہ ہماری درباداریاں کریں۔ اور چونکہ بادشاہ کی خلوت جلوت میں دخل رکھتے ہیں۔ انہیں ان غریبوں کے کا دربار میں بولنے کے لئے بہت موقع ملتے ہیں۔ چنانچہ کبھی ان کے کاموں میں خلل ڈالتے ہیں۔ کبھی ان کی تصانیف پر جس کی عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے ناک بھوں چڑھا دیتے ہیں۔ اور مصنف کے دل سے کوئی پوچھے تو اس کے دین و دنیا کی کائنات وہی ہے۔ کبھی نالائق کو لاکر ان سے بھڑا دیتے ہیں۔ اور اپنے ہم جنسوں کی سفارشوں کو رفاقت میں لیکر انہیں آگے بڑھا لے جاتے ہیں۔ یہ باتیں رفتہ رفتہ دشمنی کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اور کہیں ان کا مقدمہ پیش پاتے ہیں۔ تو ڈھونڈ ڈھانڈ کر خراب کرتے ہیں۔ غریب اہل علم سے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ ہاں قلم اور کاغذ پر ان کی حکومت ہے۔ یہ بھی جہاں موقع پاتے ہیں۔ اپنے گھسے ہوئے قلم سے وہ زخم دیتے ہیں۔ کہ قیامت تک نہیں بھرتے۔

ان کی تاریخ اپنے مضمون ومقصود کے اعتبار سے اس قابل ہے۔ کہ الماری کے سر پر تاج کی جگہ رکھی جائے سلطنت کے عمومی انقلاب اور جنگی مہمات سے ہر شخص آگاہ ہوسکتا ہے۔ لیکن صاحب سلطنت اور ارکان سلطنت میں سے ہر ایک کے اطوار واسرار اور نہاں وآشکار سے جو وہ آگاہ تھے۔ دوسرا نہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تصنیف کے سلسلے اور فضائل علمی۔ اور علم مجلسی وغیرہ ان کے اوصاف۔ اکبر کی خلوت ودربار میں ہمیشہ پاس جگہ حاصل کرتے تھے اور ان کے معلومات اور حسن صحبت کے لطائف سے امرائے دربار اپنی دوستانہ صحبتوں کو گلزار کرتے تھے۔ علما وفقرا اور مشائخ تو ان کے اپنے ہی تھے۔ لطف یہ ہے کہ انہیں میں رہتے تھے۔ مگر خود ان کی قباحتوں میں آلودہ نہ ہوتے تھے۔ دور کے دیکھنے والوں میں تھے۔ اس لئے انہیں حسن وقبح خوب نظر آتا تھا۔ اور اونچی جگہ پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے ہر جگہ کی خبر اور ہر خبر کی تہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ اکبر اور ابوالفضل وفیضی اور مخدوم وصدر سے خفا بھی تھے۔ اس لئے جو کچھ ہوا صاف صاف لکھ دیا۔ اور اصل بات تو یہ ہے۔ کہ طرز تحریر کا بھی ایک ڈھب ہے۔ یہ خوبی ان کے قلم میں خداداد تھی۔ ان کی تاریخ میں یہ کوتاہی ضرور ہے کہ مہمات اور فتوحات کی تفصیل نہیں۔ اور واقعات کو بھی مسلسل طور پر بیان نہیں کیا۔ لیکن اس خوبی کی تعریف کس قلم سے لکھوں کہ اکبری عہد کی ایک تصویر ہے۔ جزئیات اور اندرونی اسرار ہیں۔ کہ اور تاریخ نویسوں نے مصلحتاً یا بے خبری سے قلم انداز کر دیئے۔ ان کی بدولت ہم نے سارے عہد اکبری کا تماشا دیکھا۔ باوجود ان باتوں کے جو کم نصیبی ان کی ترقی میں سنگ راہ ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ

Marfat.com

زمانے کے مزاج سے اپنا مزاج نہ ملا سکتے تھے۔ جس بات کو خود برا سمجھتے تھے۔ اسے چاہتے تھے کہ سب برا سمجھیں۔ اور اسے عمل میں نہ لائیں۔ جس بات کو اچھا سمجھتے تھے اسے چاہتے تھے کہ اسی طرح ہو جائے۔ قباحت یہ تھی کہ جس طرح طبیعت میں جوش تھا۔ اسی طرح زبان میں زور تھا۔ اس واسطے ایسے موقع پر کسی دربار اور کسی جلسے میں بغیر بولے رہا نہ جاتا۔ اس عادت نے مجھ نا قابل کی طرح ان کے لئے بھی بہت سے دشمن بہم پہنچائے تھے۔

فقہ، اصول فقہ اور حدیث کے عالم:

وہ حقیقت میں مذہبی فاضل تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور حدیث کو خوب حاصل کیا تھا۔ عشق کی حرارت سے دل گداز تھا۔ تصوف سے طبعی تعلق تھا۔ علوم عقلی کو پڑھا تھا۔ مگر اس کا شوق نہ تھا۔ زیادہ تر عادتیں اس لئے بگڑی تھیں کہ ان کی فضیلت نے شیر شاہ اور سلیم شاہ کے زمانے میں پرورش پائی تھی۔ ان بادشاہوں کا خیال قدیمی اصول کے بموجب یہ تھا کہ ہند ہندوؤں کا ملک ہے۔ ہم اہل اسلام ہیں۔ مذہب کے زور سے اتحاد اور اتفاق پیدا کریں۔ جب ان پر غلبہ اور قدرت پائیں گے۔ مصنف مذکور اگر اس عہد میں ہوتا تو خوب رونق پاتا۔ مگر اتفاقاً زمانہ کا ورق الٹ گیا۔ اور آسمان نے اکبر کے اقبال کی قسم کھالی۔ اکبر کے ہاں بھی پندرہ برس تک قال اللہ اور قال الرسول کے چرچے رہے۔ اور اہل علم اور اہل فقر کے گھروں میں رات شب قدر اور روز نوروز ہوتے رہے۔ مگر مسائل علمی کے ہجوم میں کبھی کبھی معقولات بھی دربار میں گھس آتی تھی۔ معقول بادشاہ کو معقولات کی معلومات کا بھی شوق پیدا ہوا۔ ہر ایک زبان، ہر ایک مذہب اور ہر علم کے عالم دربار میں آئے۔ بلکہ قدر دانی سے بلائے گئے۔ پہلے شاعری کی سفارش سے فیضی آئے۔ ان کا دامن پکڑ کر ابو الفضل بھی آن پہنچے۔ بہت سے فاضل ایران و توران کے پہنچے۔ اس ضمن میں یہ بھی ثابت ہوا کہ۔ مذہب کا اختلاف جس نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو گروہ باندھ باندھ کر ایک کو دوسرے کے لہو کا پیاسا کر دیا ہے۔ نہایت خفیف اور اعتباری فرق ہے اور اس اختلاف میں زیادہ کاوش کریں۔ تو بنی آدم یعنی ایک دادا کی اولاد میں تلوار درمیان آ جاتی ہے۔ اور بہشت اور دوزخ کا فرق جا پڑتا ہے۔ اس لئے اکبر کے خیالات بدلنے شروع ہوئے۔ اس نے کہا انسان انس سے نکلا ہے۔ خدا نے اسے مل کر رہنے کو بنایا ہے۔ اس لئے ملنساری اور اتحاد و ارتباط کو اصول سلطنت قرار دینا چاہئے۔

پرانے عالم پرانی باتوں کے خوگرفتہ تھے۔ انہیں یہ باتیں ناگوار ہوئیں۔ اکبر نے انہیں رستہ پر کھینچنا چاہا انہوں نے گردنیں سخت کیں۔ ناچار یا توڑنا یا بیچ سے ہٹانا واجب ہوا۔ ان خیالات کی ابتدا

Marfat.com

تھی جو فاضل مذکور دربار میں پہنچا۔ اس نے اول اول ترقی کے قدم خوب بڑھائے۔ یہ نوجوان عالم اپنے علم کے جوش اور ترقی کی اُمنگ میں تھا۔ بڈھے ملانوں کو ان کی بڈھی تعلیم کو توڑ توڑ کر اکبر کو خوش کیا مگر یہ نہ سمجھا کہ اصول میرے اور بڈھوں کے ایک ہیں۔ اور اب زمانے نے نیا مزاج پکڑا ہے۔ انہیں توڑوں گا تو ساتھ ہی آپ بھی ٹوٹ ہی جاؤں گا۔ غرض کچھ تو اس سبب سے کہ اس نے پرانی تہذیب کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ اور کچھ اس کی طبیعت بھی ایسی واقع ہوئی۔ اس لئے وہ نئے زمانے میں پرانے مسائل کو واجب العمل سمجھتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ مخالفت شروع ہوئی۔ اور چونکہ فقط فضل وفیضی (اس کے خلیفہ اور استاد بھائی) ہی نئے خیالات نہ رکھتے تھے۔ بلکہ زمانہ کا مزاج بدلا ہوا تھا۔ اس لئے اس کے مزاج نے کسی سے موافقت نہ کھائی۔ اسکی تصنیفات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک زمانہ سے لڑائی باندھے بیٹھا ہے۔ مخدوم الملک اور شیخ صدر شریعت کا ٹھیکہ لئے ہوئے تھے۔ مگر وہ انہیں بھی قابل موافقت نہ سمجھتا تھا۔ کیونکہ دیانت اور امانت اور سچے دل سے شریعت کی پابندی چاہتا تھا۔ اور ان بزرگوں کا حال جو کچھ تھا وہ معلوم ہوا اور کچھ اس کے حال میں معلوم ہو جائے گا۔ یہی سبب ہے کہ یہ دونوں بلکہ کوئی مشہور عالم یا نامی عارف نہیں جو اس کے شمشیر قلم سے زخمی نہ ہوا ہو۔

شگفتہ وشاداب طبیعت کے مالک:

تعجب یہ ہے کہ ملا صاحب خودرو کھے سوکھے عالم تھے۔ مگر طبیعت ایسی شگفتہ وشاداب لائے تھے۔ جو انشا پردازی کی جان تھی۔ باوجود علم وفضل اور مشیخت فقر کے گاتے بجاتے تھے۔ بین پر بھی ہاتھ دوڑاتے تھے۔ شطرنج دو دو طرح کھیلتے تھے۔ جس سے عوام کہتے ہیں۔ ہر فن مولیٰ تھے۔ بہر حال وہ اپنی کتاب میں ہر ماجرے اور ہر معاملے کو نہایت خوبصورتی سے ادا کرتا ہے۔ اور اس کی حالت کی ایسی تصویر کھینچتا ہے کہ کوئی نکتہ اس کا باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کی ہر بات چٹکلا اور ہر فقرہ لطیفہ ہے۔ ہزاروں تیر اور خنجر اس کے شگاف قلم میں ہیں۔ اس کی تحریر میں عبارت آرائی کا کام نہیں۔ ہر حال کو بے تکلف لکھتا چلا جاتا ہے۔ اور اس میں جدھر چاہتا ہے سوئی چبھو دیتا ہے۔ جدھر چاہتا ہے نشتر، جدھر چاہتا ہے چھری چاکو۔ چاہتا ہے تو ایک تلوار کا ہاتھ جھاڑ جاتا ہے۔ اور اس خوبصورتی سے کہ دیکھنے والا تو درکنار زخم کھانے والا بھی لوٹ ہی جاتا ہوگا۔ خود اپنے اوپر بھی پھبتیاں اور نقلیں کہتا جاتا ہے۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اصلی حال کے لکھنے میں دوست دشمن کا ذرا لحاظ نہیں کرتا۔ جن لوگوں کو برا کہتا ہے۔ وہ بھی جہاں اپنے ساتھ سلوک کرتے ہیں لکھ دیتا ہے۔ جب کسی بات پر خفا ہوتا ہے۔ تو

Marfat.com

وہیں صلواتیں سنانے لگتا ہے۔

وہ دیباچے میں لکھتے ہیں۔ جب میں حسب الحکم بادشاہی ملا شاہ محمد شاہ آبادی کی تاریخ کشمیر کو درست کر چکا تو ۹۹۹ھ تھے۔ اس وقت اسی رنگ میں ایک تاریخ لکھنے کا خیال آیا۔ مگر آزاد کو کتاب کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ تھوڑی تھوڑی لکھتے گئے ہیں اور رکھتے گئے ہیں۔ اخیر وقت میں سب کو مسلسل کیا ہے۔ اور خاتمے کو پہنچایا ہے۔ کیونکہ ابتدا میں جو اکبر کا حال لکھا ہے۔ اس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی ہے۔ اور اخیر بیان سے ناراضی برستی ہے۔ فقرا اور علما اور شعرا کے حال جو خاتمے میں لگائے ہیں۔ یہ غالباً سب اخیر کے لکھے ہوئے ہیں۔ کہ بہتوں کی خاک ہی اڑائی ہے۔ اور زیادہ تر تصدیق میرے خیال کی اس دردانگیز بیان سے ہوتی ہے۔ جو میں نے ایک اور مقام میں درج کیا ہے۔ ملا صاحب خود فرماتے ہیں۔ کہ خواجہ نظام الدین نے جو ۳۸ برس کا حال اکبر کا لکھا ہے۔ وہاں تک کے حالات مہمات بادشاہی اس سے لئے ہیں۔ باقی دو برس کا حال میں نے خاص اپنی معلومات سے لکھا ہے۔ اب جو نکتے میں نے مجمل لکھے ہیں ان کی تفصیل اور اپنے خیالوں کی تصدیق ملا صاحب کے حالات سے کرتا ہوں۔

فاضل مذکور اگرچہ بداؤنی مشہور ہیں۔ مگر موضع ٹونڈہ ❶ میں پیدا ہوئے کہ بساور کے پاس ہے۔ اسے ٹونڈہ بھیم بھی کہتے ہیں۔ یہ علاقہ بادشاہوں کے عہد میں سرکار آگرہ میں تھا۔ اور صوبہ اجمیر سے بھی متعلق رہا۔ ان کی ننیال بیانہ میں تھی۔ جو آگرہ اور اجمیر کی سڑک کے کنارے پر ہے۔ وہ خود شیر شاہ کے حال میں اس کے عدل اور حسن انتظام کے حالات لکھتے لکھتے کہتے ہیں۔ جس طرح پیغمبر صاحب نے نوشیرواں کے زمانے پر فخر کر کے فرمایا ہے۔ کہ بادشاہ عادل کے زمانے میں میری ولادت ہوئی ہے۔ الحمد للہ میں بھی اس بادشاہ کے عہد میں ۱۷ ربیع الثانی ۹۴۷ھ کو پیدا ہوا (۲۱ اگست ۱۵۴۰ء) ساتھ ہی نہایت شکستہ دلی کے ساتھ لکھتے ہیں۔ باوجود اس کے کہتا ہوں کہ کاش اس گھڑی اور اس دن کو سال و ماہ کے دفتر سے مٹا دیتے تاکہ میں عدم کے خلوت خانے میں عالم خیال اور عالم مثال کے لوگوں کے ساتھ رہتا۔ کوچہ ہستی میں قدم نہ رکھنا پڑتا۔ اور یہ رنگارنگ کی مصیبتیں نہ جھیلنی پڑتیں جو دین دنیا کے ٹوٹے کی نشانیاں ہیں۔ پھر آپ ہی عذر کرتے ہیں۔ استغفر اللہ مجھ شکستہ خیال کی کیا مجال ہے۔ کہ امر الٰہی میں دم مار سکوں۔ ڈرتا ہوں۔ کہیں ایسی دلیر زبانی سے دین کے معاملے میں گستاخی نہ ہو جائے۔ کہ وبال دوام کا ثمرہ دے چنانچہ پیغمبر صاحب کے اور چند بزرگوں کے قول بھی اسی مضمون کے نقل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو خدا کو نہ بھائے اس سے توبہ ہے۔

❶ آگرہ سے اجمیر کو جاتے ہوئے پہلی منزل منڈاکر۔ ۲ فتح پور۔ ۳ خانوہ متصل بجونت۔ ۴ کروہہ۔ ۶ بساور۔ ۶ ٹونڈہ

Marfat.com

گل را چہ مجال است کہ گوید بہ کلال | کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنی

شیر شاہ کے رفاہی کاموں کا ذکر:

انہوں نے شیر شاہ کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ بنگالہ سے رہتاس پنجاب تک ۴ مہینے کا رستہ ہے اور آگرہ سے منڈو تک کہ مالوہ میں ہے۔ سڑک پر دوطرفہ میوہ دار درخت سائے کیلئے لگائے تھے۔ کوس کوس بھر پر ایک سرا، ایک مسجد، ایک کنواں بنوایا تھا۔ ہر جگہ ایک موذن ایک امام تھا۔ غریب مسافروں کے کھانے پکانے اور خدمت کیلئے ایک ہندو ایک مسلمان نوکر تھا۔ لکھتے ہیں کہ اس وقت تک ۵۲ برس گزرے ہیں۔ اب بھی ان کے نشان باقی ہیں۔ انتظام کا یہ عالم تھا کہ ایک بڈھا پھوس اشرفیوں کا طباق ہاتھ پر لئے چلا جائے۔ جہاں چاہے پڑ رہے چور یا لٹیرے کی مجال نہ تھی۔ کہ آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔ اور جس سال مصنف پیدا ہوا تھا۔ اسی سال شیر شاہ نے یہ حکم دیا تھا۔ آزاد۔ قلعہ رہتاس کو اس نے عملداری کی سرحد قرار دیا تھا۔ اور اس کا استحکام کیا تھا۔ کہ گکھڑوں کے زبردست صدموں کے لئے سدراہ رہے۔ قلعہ مذکور جس پہاڑ پر ہے۔ زمانہ قدیم میں کوہ بالناتھ کہلاتا تھا۔ اب ضلع جہلم سے متعلق ہے۔

ابتدائی حالات وحسب نسب:

ملا صاحب نے بساور میں پرورش پائی۔ اور اکثر جگہ بڑی محبت کے ساتھ اسے اپنا وطن کہتے ہیں۔ بزرگوں کا حال کہیں مفصل نظر سے نہیں گزرا۔ خاندان امیر نہ تھا مگر یہ ضرور ہے کہ فاروقی شیخ تھے۔ اور ودھیال ننھیال دونوں صاحب علم اور دیندار گھرانے تھے۔ علمی اور دینی نعمتوں کی قدر پہچانتے تھے۔ ان کے والد ملوک شاہ ابن حامد شاہ بھی...... شرفا میں گنے جاتے تھے۔ اور شیخ پنجو سنبھلی کے شاگرد تھے۔ اور معمولی کتابیں عربی وفارسی کی پڑھی تھیں۔ ان کے نانا مخدوم اشرف تھے۔ سلیم کے عہد میں فرید تارن ایک پنج ہزاری سردار بجواڑہ متصل بیانہ صوبہ آگرہ میں تھا۔ اس کی فوج میں ایک جنگی عہدہ دار تھے۔ غرض فاضل مذکور ۹۵۲ھ سے ۹۶۰ھ تک اپنے والد ملوک شاہ کے دامن میں رہے۔ پانچ برس کی عمر تھی۔ جب سنبھل میں قرآن وغیرہ پڑھتے رہے۔ پھر نانا پیارے نواسے کو اپنے پاس رکھا۔ اور بعض ابتدائی کتابیں اور مقدمات صرف ونحو بھی خود پڑھائے۔ فاضل بدایونی بچپن ہی سے ایک خوش اعتقاد مسلمان تھے۔ اور اہل فقر کی صحبت کو نعمت الٰہی سمجھتے تھے۔ سید محمد مکی ان کے پیر بھی وہیں رہتے تھے۔ وہ علم قرات میں کامل تھے اور ے قراتوں پر قدرت رکھتے تھے۔ ان ہی سے قرات اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا۔ اس وقت ۹۶۰ھ سلیم شاہی دور تھا۔ مگر یہ شاگردی بہت

Marfat.com

مبارک ہوئی۔ کہ ایک دن اسی کی سفارش سے دربار اکبری میں پہنچے۔ اور ۷ اماموں میں داخل ہو کر امام اکبرشاہ کہلائے۔

تیزیٔ طبع:

خود لکھتے ہیں کہ ۱۲ برس کی عمر تھی۔ کہ والد نے سنبھل میں آ کر میاں حاتم سنبھلی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ۹۶۱ھ میں کہ ۱۲ برس کی عمر تھی (اس سے معلوم ہوا کہ ۹۴۹ھ میں پیدا ہوئے تھے) ان کی خانقاہ میں رہ کر قصیدہ بردہ یاد کیا۔ وظیفہ کی اجازت حصال کی۔ اور فقہ حنفی میں تبرکاً کنز کے چند سبق پڑھے۔ اور مرید ہوا اس سلسلے میں کہتے ہیں۔ میاں نے ایک دان والد مرحوم سے کہا کہ ہم تمہارے لڑکے کو اپنے استاد میاں شیخ عزیز اللہ صاحب کی طرف سے بھی کلاہ اور شجرہ دیتے ہیں۔ تا کہ علم ظاہری سے بھی بہرہ ور ہوں۔ شاید اسی کا اثر تھا کہ فن فقہ انہوں نے خوب حاصل کیا۔ اگرچہ تقدیر نے انہیں اور شغلوں میں لگایا۔ مگر وہ عمر بھر اسی کے ذوق شوق میں رہے۔ ملا صاحب کی تیزی طبع کی کیفیت اس بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ کہ عدلی افغان کے حال میں لکھتے ہیں۔ ۹۶۱ھ میں میاں صاحب کی خدمت میں آنے سے پہلے بادشاہی سرداروں نے بدایوں پر باغیوں سے لڑ کر فتح پائی۔ میری ۱۲ برس کی عمر تھی۔ جب میں نے تاریخ کہی تھی۔ چہ بس خوب کردہ اند۔ اس میں ایک زادہ تھا۔ جب میاں کی خدمت میں آیا تو ایک دن باتوں باتوں میں فرمانے لگے۔ کہ ان دنوں میں یہ خبر سن کر فی البدیہہ ہم نے کہہ دیا تھا۔ فتح ہائے آسمانی شد۔ دیکھو تو کتنے ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ایک کم ہوتا ہے۔ فرمایا قدما کے رسم خط کے بموجب ایک ہمزہ اور لگا دو۔ میں نے عرض کی ہاں پھر تو پوری ہے۔

شیخ سعد اللہ نحوی:

شیخ سعد اللہ نحوی کہ فن مذکور میں بے مثل تھے۔ اور اسی سبب سے نحوی ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔ بیانہ میں رہتے تھے۔ جب فاضل مذکور نانا کے پاس آئے تو ان سے کافیہ پڑھا۔ ہیموں نے سر اٹھایا اور لشکر اس کا لوٹتا مارتا بساور پر آیا۔ یہ اس وقت سنبھل میں تھے۔ تمام بساور لٹ کر برباد ہو گیا۔ [illegible] افسوس سے لکھتے ہیں۔ کہ والد کا کتب خانہ بھی لٹ گیا۔ دوسرا ہی برس تھا۔ جو قحط کی مصیبت [illegible] کہتے ہیں کہ بندگان خدا کی بدحالی دیکھی نہ جاتی تھی۔ ہزاروں آدمی بھوکوں سے مرتے تھے۔ [illegible] کھائے جاتا تھا۔

Marfat.com

علم کا شوق:

۹۶۶ھ میں علم کے شوق نے باپ بیٹوں کے دلوں میں حب وطن کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور آگرہ میں پہنچے۔ مولانا مرزا سمرقندی سے شرح شمسیہ اور بعض اور مختصرات پڑھے۔ لکھتے ہیں کہ یہ شرح میر سید محمد ولد میر علی ہمدانی کی ہے اور میر سید علی وہی شخص ہیں جن کی برکت سے خطہ کشمیر میں اسلام پھیلا۔

قاضی ابوالمعالی بخارائی:

قاضی ابوالمعالی بخارائی کو جب عبداللہ خاں ازبک نے جلاوطن کیا تو وہ بھی آگرہ میں آئے۔ ان کے جلاوطن کرنے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ خود لکھتے ہیں۔ کہ جب علم منطق توران میں پہنچا۔ تو دیکھتے ہی لوگ بڑے شوق سے متوجہ ہوئے۔ مگر مصالح ایسا تیز لگا کہ سب فلسفی فیلسوف ہو گئے۔ جب کسی نیک بخت صاحبدل کو دیکھتے تو اسکی ہنسی کرتے اور کہتے۔ گدھا ہے گدھا۔ لوگ منع کرتے تو کہتے کہ ہم دلیل منطقی سے ثابت کر دیتے ہیں۔ دیکھو ظاہر ہے کہ یہ لاحیوان ہے۔ اور حیوان عام ہے۔ انسان خاص ہے۔ جب حیوانیت اس میں نہیں تو انسانیت جو کہ اس سے خاص ہے وہ بھی نہیں۔ پھر گدھا نہیں تو کیا ہے۔ جب ایسی ایسی باتیں حد سے گزر گئیں۔ تو مشائخ صوفیہ نے فتوے لکھ کر عبداللہ خاں کے سامنے پیش کیا۔ اور منطق کا پڑھنا پڑھانا حرام ہو گیا۔ اس میں قاضی ابو المعالی، ملا عصا، ملا مرزا جان اور اکبر شخص بدعقیدہ ہو کر وہاں سے نکالے گئے۔ کہتے ہیں کہ چند سابق شرح وقایہ کے میں نے بھی قاضی ابوالمعالی سے پڑھے اور حق یہ ہے۔ کہ اس علم میں دریائے بے پایاں تھے۔ نقیب خاں بھی اس سبق میں شریک ہوئے۔

آزاد۔ مبارک عہد اور مبارک وقت تھا۔ اکبر کی سلطنت کا طلوع۔ بیرم خاں کا دور۔ شیخ مبارک کی برکتیں۔ علم و کمال کی برکت علم و کمال پھیلانے لگی تھی۔ کہ فاضل بداؤنی حلقہ درس میں داخل ہو کر فیضی ابوالفضل کے اور نقیب خاں کے ہم درس ہوئے۔ شیخ مبارک کے ذکر میں خود فرماتے ہیں۔ جامع اوراق عنفوان شباب میں آگرہ میں چند سال ان کی ملازمت میں سبق پڑھتا رہا۔ الحق ان کا حق عظیم مجھ پر ہے۔ مہر علی بیگ سلدوز ایک جاں نثار خان خاناں، اور نامی سردار اپنے زمانے کا تھا۔ اس نے ان باپ بیٹوں کو اپنے ہاں رکھا۔ ملا صاحب کی شگفتہ مزاجی اور خوش صحبتی نے مہر علی کے دل میں محبت کو ایسی جگہ دی۔ کہ ایک دم جدائی گوارا نہ تھی۔ شیر شاہی سرداروں میں عدلی کا غلام (1) جمال خاں چنار گڑھ کا حاکم تھا۔ اقبال اکبری کے دربار سے اس نے خود التجا کی کہ حضور سے کئی شائستہ

Marfat.com

اور کارواں امیر یہاں آئیں تو قلعہ سپرد کردوں۔ بیرم خاں نے مہر علی بیگ کا جانا تجویز کیا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم بھی چلو۔ یہ خود بھی ملا تھے۔ اور ملا کے بیٹے تھے۔ علم کے شوق نے اجازت نہ دی۔ اس نے ان کے والد اور شیخ مبارک کو مجبور کیا۔ اور یہاں تک کہا کہ یہ نہ چلیں گے۔ تو میں بھی جانے سے انکار کردوں گا۔ غرض پیارے دوست کی تمنا اور دونوں بزرگوں کے کہنے سے رفاقت اختیار کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

عین برسات تھی۔ مگر دونوں بزرگوں کی رضا جوئی مقدم سمجھی۔ باوجود نوسفری کے تحصیل علم میں خلل ڈالا اور سفر کے خوف وخطر اٹھائے۔ قنوج، لکھنوتی، جون پور، بنارس کی سیر کرتا۔ عجائب عالم کو دیکھتا۔ جابجا مشائخ وعلماء کی صحبتوں سے فیض لیتا ہوا چلا۔ چنار میں پہنچے تو جمال خاں نے بڑی ظاہر داریوں سے خاطر داریاں کیں۔ مگر دل میں دغا معلوم ہوئی۔ مہر علی بیگ نے ہمیں وہیں چھوڑا۔ آپ سیر مکانات کے بہانے سوار ہوا۔ اور صاف نکل گیا۔ جمال خاں بدنامی سے گھبرایا۔ ہم نے کہا۔ ''کچھ مضائقہ نہیں۔ کسی نے ان کے دل میں کچھ شبہ ڈالا ہوگا۔ خیر ہم سمجھا کر لے آتے ہیں۔'' غرض اس پیچ سے یہ بھی نکل آئے۔ قلعہ پہاڑ کے اوپر ہے۔ نیچے دریا بڑے زور وشور سے بہتا ہے۔ کشتی ایک جگہ بے قابو ہوگئی۔ مولانا آخر ملا تھے۔ بہت گھبرا کر لکھتے ہیں۔ کشتی بڑے خطرناک گرداب میں جاپڑی۔ اور دامن کوہ میں کہ دیوار قلعہ کے پاس تھی موجوں میں الجھ گئی۔ ہوا بھی ایسی مخالفت چلنے لگی۔ کہ ملاحوں کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ اگر دشت ودریا کا خداوند ناخدائی نہ کرتا۔ تو کشتی امید گرداب بلا میں آکر کوہ اجل سے ٹکرا چکی تھی۔ دریا سے نکل کر جنگل میں آئے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری جو ہندوستان میں بڑے مشائخ سے ہیں۔ معلوم ہوا کہ پہلے اس جنگل میں اور پہاڑ کے دامن میں یاد الٰہی کے ساتھ گزران کیا کرتے تھے۔ ہم اس مقام پر گئے۔ ایک رشتہ داران کا آموجود ہوا۔ اس نے ساتھ لیجا کر غار دکھایا کہ یہاں ۱۲ برس تک بیٹھے رہے اور بناس پتی کھا کر زندگی کی۔

آگرہ میں تھے۔ کہ ۹۶۹ھ میں والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی لاش بساور میں لے گئے۔ اور تاریخ لکھی۔

سر دفتر افاضل دوراں ملوک شاہ	آں بحر علم معدن احسان وکان فضل
چوں بود در زمانہ جہانے زفضل ازاں	تاریخ سال فوت وے آمد جہان فضل

نانا مخدوم اشرف کی وفات:

۹۷۰ھ میں خود سہسوان علاقہ سنبھل میں تھے۔ جو خط پہنچا کہ مخدوم اشرف نانا بھی بساور میں

Marfat.com

مر گئے۔ فاضل جہاں ان کے مرنے کی تاریخ ہوئی۔ لکھتے ہیں کہ میں نے اکثر جزئیات اور علوم غریبہ (منطق و فلسفہ) ان سے پڑھے تھے۔ اور ان کے بڑے بڑے حق میرے اور اہل علم کے ذمہ تھے۔ نہایت رنج ہوا۔ والد کا داغ بھی بھول گیا۔ برس دن کے اندر دو صدمے گزرے۔ بے فکر طبیعت پر عجیب پریشانی گزری۔ دنیا کے فکر جن سے میں کوسوں بھاگتا تھا۔ یک مرتبہ چاروں طرف سے تن تن کر سامنے آئے اور رستہ روک لیا۔ والد مرحوم میری طبیعت کی آزادی اور بے پروائی دیکھ دیکھ کر کہا کرتے تھے۔ کہ یہ سارے ولولے اور شورشیں تمہاری مجھ تک ہیں۔ میں نہ ہوں گا تو دیکھنے والے دیکھیں گے۔ کہ تم کیسے بے قید رہتے ہو۔ اور دنیا اور دنیا کے کاروبار کو کیونکر ٹھوکر مار کر چھوڑ دیتے ہو۔ آخر وہی ہوا کہ اب دنیا ماتم خانہ نظر آتی ہے۔ مجھ سے زیادہ کوئی ماتم زدہ نہیں۔ دو غم ہیں۔ اور دو ماتم ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ ایک سر ہے دو خمار کی طاقت کہاں سے لائے۔ ایک سینہ دو بوجھ کیونکر اٹھائے۔

بٹیالے میں امیر خسرو پیدا ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ حسین خاں کی جاگیر میں تھا۔ لکھتے ہیں ۹۷۳ھ میں یہاں پہنچ کر حسین خاں سے ملے۔ جوانی کے ذوق اور ہمت کے شوق نے دربار شاہی کی طرف دھکیلا۔ مگر اس افغان دیندار کی محبت ایمانی اور خوبیوں کی کشش نے رستے میں روک لیا۔ خود لکھتے ہیں یہ شخص صاحب اخلاق، متواضع، درویش سیرت، سخی، پاکیزہ روزگار، پابند سنت و جماعت، علم پرور، فضل دوست تھا۔ نیکی سے پیش آتا تھا۔ اس کی صحبت سے جدائی اور نوکری کرنے کو جی نہ چاہا۔ دس برس تک انہی گمنام گوشوں میں رہا۔ وہ نیک لوگوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ میں اس کی رفاقت کرتا تھا۔ ملا صاحب نے اس پرہیزگار اور بہادر افغان کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ اور اس قدر لکھی ہیں کہ پیغمبروں تک نہیں تو اصحاب و اولیاء کے اوصاف تک ضرور پہنچا دیا ہے۔ چونکہ اس کے حال میں ان کے اور اکبر کے عہد کے بہت حالات دست و گریبان ہیں۔ اس لئے اس کا حال علیحدہ لکھوں گا۔ کہ دلچسپ باتیں ہیں۔ اس دلاور افغان نے ہمایوں کی مراجعت سے لیکر اکبر کے سال ۲۲ جلوس تک بڑی جانثاری اور وفاداری دکھائی۔ اور ۳ ہزاری تک منصب حاصل کیا۔ غرض دو دیندار متفق الخیال مسلمان ساتھ رہتے تھے۔ اور مزے سے گزران کرتے تھے۔

قیس صحرا میں اکیلا ہے مجھے جانے دو ‌ ‌ ‌ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

حسین خاں کے پاس ۹۷۳ھ سے ۹۸۱ھ تک ۸ برس رہے۔ قال اللہ و قال الرسول سے اپنا اور اس کا دل خوش کرتے تھے۔ بے تکلفی کی صحبتوں میں جی بہلاتے تھے۔ علما و فقرا کی خدمتیں کرتے تھے۔ جاگیر کے کاروبار اور وکالت کو حسن لیاقت اور شیرینی گفتار سے رسائی دیتے تھے۔

Marfat.com

دوسری شادی:

۹۷۵ھ میں رخصت لیکر بدایوں گئے اور ملا صاحب دوبارہ دولہا بنے۔ شادی کی آرائش، سامان بناؤ سنگار سب ڈیڑھ سطر میں ختم کیا ہے۔ مگر عجیب خوبصورتی سے۔ بلکہ عبارت سے جھلکتا ہے کہ بی بی خوبصورت پائی۔ اور انہیں بھی بہت پسند آئی۔ دیکھنا کیا مزے سے کہتے ہیں:۔ اس برس میں راقم تاریخ کی دوسری شادی واقع ہوئی۔ اور بموجب مضمون والاخرۃ خیر لک من الاولیٰ مبارک نکلی۔ تاریخ کہی گئی۔

چوں مرا از عنایت ازلی ۔۔۔ از دواجے بماہ چہرے شد
عقل تاریخ کد خدائی را ۔۔۔ گفت ماہے قرین مہرے شد

آزاد۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلی سے خوش نہ تھے۔ خدا جانے اس کے جیتے جی دوسری شادی کی یا بچاری مرگئی تھی۔ اس کا تو افسوس بھی نہ کیا۔

چند ہی روز میں لڑکا پیدا ہوا۔ یہ حسین خاں کے پاس پہنچے۔ وہ ان دنوں لکھنو میں اپنی جاگیر پر تھے۔ ان کی بدولت چند روز اودھ کی سیر کی۔ وہاں کے علماء و فقراء و اہل اللہ سے ملاقاتیں کر کے بہت سے فیض حاصل کیے۔

حسین خاں جاگیر کی تبدیلی کے سبب سے بادشاہ سے خفا ہو گئے اور کوہستان میں فوج لیکر گئے کہ جہاں کر کے دین خدا کی خدمت کرینگے۔ سونے چاندی کے مندر ہیں۔ انہیں لوٹیں گے۔ اور خود ترویج اسلام کرینگے۔ اس موقع پر رخصت ہو کر بداؤں چلے گئے۔ مگر دو سخت صدمے اٹھائے۔ لکھے ہیں۔ شیخ محمد چھوٹے بھائی کو میں نے جان کے برابر پالا تھا بلکہ جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے بہت سے اخلاق حمیدہ حاصل کیے تھے۔ اخلاق ملکی ملکہ ہو گئے تھے۔ ایک معقول گھرانے میں اس کی شادی کی۔ افسوس کیا خبر تھی کہ اس کار خیر میں ہزار مصیبتوں کی شر ہے۔ تین مہینے شادی پر نہ گزرے تھے۔ کہ اس کو اور نور چشم عبداللطیف کو زمانے کی نظر لگ گئی۔ پلک مارتے۔ ہنستا کھیلتا بچہ گود سے گور میں چلا گیا۔ وہ میری زندگی کا ہرا بھرا پودا تھا۔ اور میں زمانے کا شہریار تھا۔ حیف اپنے ہی شہر میں پردیسی کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ملا صاحب نے اس مصیبت میں بہت شعر کہے ہیں۔ ایک ترکیب بند بھائی کے مرثیے میں لکھا ہے۔ دل پر درد کا ابر چھایا ہوا تھا۔ اس لئے کلام بھی تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلا ہے۔ میں بھی اس کے لطف سے اپنے دوستوں کو محروم نہ رکھوں گا۔ باوجود اس کے نظم مذکور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملا صاحب کی زبان میں نظم کا ڈھب ایسا نہیں جیسا نثر کا۔ اور یہ قاعدے

Marfat.com

کی بات ہے۔

یارب ایں روز چہ روزیست کہ افتاد مرا — دیں چہ جانکاہ بلائیست کہ روداد مرا
ہیچ کس نیست کہ فریاد من او را رسید — نرسد ہیچ کسے لیک بفریاد مرا
ماہ من آخر شب رفت پس پردہ غیب — ہیں کزیں حاملہ غیب چہ غم زاد مرا
مایہ شادی و امید دلم رفت بخاک — بعد ازیں دل بچہ امید شود شاد مرا
گرچہ بنیاد من از صبر قوی بود ولے — سیل غم آمد و انداخت ز بنیاد مرا
آں کسے را کہ کنم یاد بروزے صد بار — وہ کہ یکبار بسالے نہ کند یاد مرا
چرخ بیداد چہ غمہا کہ بہ من داد کنوں — داد خود از کہ ستانم کہ دہد داد مرا
حال دل ہیچ ندانم بکہ گویم چہ کنم — چارہ درد دل خود زکہ جویم چہ کنم

اے فلک وہ کہ دلم خستہ و ویراں کر دی — خاطر جمع مرا باز پریشاں کر دی
گوہرے کاں بکفم بود ز اغیار نہاں — آشکارا ز نظرم بردی و پنہاں کردی
سرو من بردی ازیں باغ بزندان لحد — باغ را بر من ماتم زدہ زنداں کر دی
یوسفم را بہ کف گرگ سپردی و مرا — در غمش معتکف کلبہ احزاں کردی
در گل تیرہ نہادی گل نور ستہء من — روز من با شب تیرہ زچہ یکساں کردی
حاصل آں کس کو ازو بود سر و سامانم — بردی اور راو مرا بے سر و ساماں کر دی
آں برادر کہ دریں شہر غریب آمدہ بود — جاش در دشت بہ پہلوئے غریباں کردی
وقت گل آمد و شد جائے محمد در خاک — جائے آنست کہ از غصہ کنم بر سر خاک

آخر اے دیدہ چہ دیدی کہ زعالم رفتی — دیدہ پوشیدہ ازیں دیدہ پرنم رفتی
چشم تاریک مرا روشنی از روئے تو بود — روشنی رفت ز دل تا تو ز چشمم رفتی
بودہ چشم مرا ہمچو نگیں در خاتم — چوں نگیں عاقبت الامر ز خاتم رفتی
دلت از ہیچ ہمہ شاد نشد در عالم — حیف صد حیف کہ ناشاد ز عالم رفتی
جان پاک تو دریں مرحلہ بس غمگیں بود — رخت بست و ازیں مرحلہ غم رفتی
(1) بر دل از کار جہاں ہیچ نہ بودت بارے — بارے از کار جہاں خوش دل و خورم رفتی
بودم از مہد ترا مونس و ہمدم ہمہ دم — در لحد بہرچہ بے مونس و ہمدم رفتی

Marfat.com

رفتی وحسرت تو ازیں دل حیران نہ رود — غمت از دل نرود تاز غمت جاں نہ رود

کیست آں کس کہ نشان تو بمن گوید باز — خبر جان رواں گشتہ بہ تن گوید باز
قصہ گل کہ فرو ریخت زآسیب خزاں — کیست القصہ کہ با مرغ چمن گوید باز
قاصدے کو کہ غم و درد مرا روئے بروئے — یک بیک پیش تو بر وجہ حسن گوید باز
باتو گوید سخنم را بہ زبانی وانگاہ — بہر تسکیں ز زبان تو سخن گوید باز
تنگ دل۔غنچہ صفت گشتم وکس پیدا نیست — کز تو حرفے بمن اے غنچہ دہن گوید باز
ہست صد پیچ وشکن دردلم از ماتم تو — کہ بتو زیں دل پر پیچ وشکن گوید باز
دوررفتی چو بماند ز دیار تو کسے — کہ ز احوال تو یک شمہ بمن گوید بار

روم وبرسر گور تو قیامے بکنم — تاجو اے شنوم از تو سلامے بکنم
گویم اے گوہر نایاب چہ حالست ترا — باتن خستہ و بے تاب چہ حالست ترا
تو بخواب اجل و بے تو قیامت برخاست — خیز و سربرکن ازیں خواب چہ حالست ترا
از جدائی تو احباب ہبے بدحال اند — اے جدا ماندہ ز احباب چہ حالست ترا
شدہ از دوریت اصحاب بہ نزدیک ہلاک — دور از صحبت اصحاب چہ حالست ترا
بود جائے تو بہ محراب وکنوں مے نگرم — ماندہ خالی ز تو محراب چہ حالست ترا
مے خورم خون جگر بے تو مرا پرس گہے — کہ دریں خوردن خوناب چہ حالست ترا
برگلت صد گل سیراب دمیداز اشکم — زیر گل اے گل سیراب چہ حالست ترا
درچنیں منزل غمناک بہ نزدیک تو کیست — مونس روز وانیس شب تاریک تو کیست

اے صنم از رخوب تو جدا افتادہ — وز فراق تو بصد گونہ بلا افتادہ
تو بصحرائے وَمن ماندہ دریں شہر غریب — اللہ تو کجا من بہ کجا افتادہ
بارگل ہم نکشیدی وندانم ایں بار — برتو صد پشتہ خس وخار چرا افتادہ
قدر وصل تو ندانستم وایں بود جزا — کہ ملاقات تو بار روز جزا افتادہ
کردمے جاں بسروکار تو لیکن چہ کنم — کہ سروکار تو با حکم خدا افتادہ
سال تاریخ تو شد گفت چو سروت افتاد — آں سہی سروچہ ناگاہ زپا افتادہ

Marfat.com

قادری نالہ وفریاد نمے دارد سود | دردعا کوش کہ نوبت بدعا افتادہ
از خدا خواہ کہ کارش ہمہ محمود بود | ہم خدا ازوے دہم اوزتو خوشنود بود

یا رب اند چمن خلد گزارش بادا | قصر فردوس بریں جائے قرارش بادا
درگلستان جناں چوں گزرد جلوہ کناں | حوروغلماں زیمین وزیسارش بادا
درشب تار چوعزم سفر عقبیٰ کرد | نور اسلام چراغ شب تارش بادا
برمزارش چوکسے نیست کہ افروز وشمع | پرتو لطف خدا شمع مزارش بادا
از عروس کہن دہر چوبگرفت کنار | نوعروسان بہشتی بکنارش بادا
ہیچ یارے چونشد ہمدم او بعد از مرگ | دمبدم رحمت حق ہمدم ویارش بادا
مرد ماں قطرہ اشکے کہ فشاند ندبرد | گردوآں قطرہ درناب ونثارش بادا
تابد مسکن اودرزدہ علییں باد | ایں دعا ازمن وازروح امیں آمیں باد

ایک خاندانی شخص کسی عورت پر عاشق ہوکر مرگیا۔اس کے ماجرے کوانہوں نے افسانہ کے طور پر لکھا ہےاورمزے سے لکھا ہے۔اخیر میں طول کلام کا عذر کرتے ہیں۔اور ساتھ ہی کہتے ہیں۔خدا مجھے بھی یہی نعمت نصیب کرے۔ساتھ ہی ایک اورشعبدہ بازی حضرت عشق یاد آگئی اسے بھی ٹال گئے۔مگراس کا لکھنا واجب تھا۔کیونکہ شیخ صدر پراورشیخ محمد غوث کے خاندان پربھی ایک نشتر مارنے کا موقع ملتا تھا۔یہ معاملہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔اورخوبصورتی سے ادا ہوا ہے۔اس لئے میں لکھتا ہوں۔فرماتے ہیں:۔

حکایت:

شیخ زادگان گوالیار میں سے ایک شخص تھے۔کہ شیخ محمد غوث گوالیاری سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔صلاح وصلاحیت کالباس پہنتے تھے۔اورنام کے سرپرتاج شاہی کا تاج رکھتے تھے۔وہ ایک ڈومنی پرعاشق ہوگئے۔کیاڈومنی تھی۔

درمغرب زلف عرض دادہ | صد قافلہ ماہ ومشتری را
درچنبر زلف کردہ پنہاں | دستار سپہر چنبری را
بردامن ہجر ووصل بستہ | بدبختی ونیک اختری را

بادشاہ کوخبر پہنچی۔انہوں نے کنچنی کوپکڑ کر منگایا۔مقبل خاں کودیدی کہ مقربان خاص میں تھا۔

Marfat.com

یاروں کو شیخ زادہ صاحب کے ڈھنگ معلوم تھے۔ باوجودیکہ مقبل خاں نے رنڈی کو محفوظ مکان میں رکھا اور باہر کا دروازہ چن دیا تھا۔ مگروہ ہمت کی کمند ڈال کر پہنچے اور لے ہی اڑے۔ شیخ ضیاء الدین شیخ محمد غوث کے بیٹے کہ اب بھی باپ کی مسند پر ہدایت وارشاد فرماتے ہیں۔ ان کے نام بادشاہی حکم پہنچا۔ انہوں نے بھی نصیحتوں وصیتوں سے سمجھا کر ڈومنی سمیت دربار میں حاضر کیا۔ بادشاہ نے چاہا کہ اس خانہ برانداز سے شیخ زادہ کا گھر بسا دیں۔ مگر شیخ ضیاء الدین اور اور لوگ راضی نہ ہوئے کہ نسل بگڑ جائیگی۔ خاندان خراب ہو جائے گا۔ شیخ زادہ خانہ خراب کو تاب کہاں تھی۔ چھری مار کر مر گیا۔ کفن دفن پر علما میں تکرار ہوئی۔ شیخ ضیاء الدین نے کہا شہید عشق ہے۔ اسی طرح خاک کے سپرد کر دو۔ شیخ عبدالنبی صدر علای قدر اور اور علما اور قاضی ان کے تصدیقچی کہتے تھے کہ ناپاک مرا۔ آسودہ عشق نہیں۔ آلودہ فسق ہے۔ ملا صاحب کا اس طرح فرمانا یا تو اس سے ہے کہ خود عاشق مزاج تھے۔ اور اسی واسطے عاشقوں کے طرفدار تھے۔ یا یہ کہ شیخ صدر پر چوٹ کرنے میں خواہ مخواہ مزہ آتا تھا۔

۹۷۹ھ میں ایک اپنا ماجرا بیان کرتے ہیں۔ جس سے تاریخ نویسی کی روح شاداب ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نگار کو کیونکر واقعیت نگار ہونا چاہئے۔ لکھتے ہیں کہ اس سال میں عجیب خوفناک واقعہ ہوا۔ کانت گولہ حسین خاں کی جاگیر میں تھا۔ میں وہاں آیا۔ صدارت کا عہدہ تھا اور فقرا کی خدمت میرے سپرد تھی۔ شیخ بدیع الدین مدار کا مزار مکن پور علاقہ قنوج میں ہے۔ مجھے زیارت کا شوق ہوا۔ آدمی نے آخر کچا دودھ پیا ہے۔ غفلت اور ظلم وجہل سے اس کی سرشت ہے۔ بیجا جسارت کر بیٹھتا ہے اور خسارت وندامت اٹھاتا ہے۔ اس نے حضرت آدم سے بھی میراث پائی ہے۔ غرض انہیں بلاؤں نے میری عقل کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈالا۔ ہوس کا نام عشق رکھا۔ اور اس کے جال میں پھنسا دیا۔ قسمت کی تحریر پر قلم چل چکا تھا۔ وہ پیش آئی۔ اور ایک سخت بے ادبی عین درگاہ میں واقع ہوئی۔ مگر غیرت اور عنایت الٰہی شامل حال ہوئی۔ کہ اس کی گناہ کی سزا بھی یہیں ہوگئی۔ یعنی طرف ثانی کے چند آدمیوں کو خدا نے تعین کیا کہ تلواریں کھینچ کر چڑھ آئے۔ اور پے درپے نو زخم، سر، ہاتھ اور کندھوں پر لگائے، سب زخم خفیف تھے۔ مگر سر کا گھاؤ گہرا تھا کہ ہڈی کو توڑ کر مغز پر پہنچا اور تہی مغزی کا ثمرہ پایا۔ الٹے ہاتھ کی چھنگلی بھی کٹ گئی۔ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں تو سمجھا کہ کام تمام ہوا۔ مگر ملک آخرت کی سیر کر آیا۔ اور خیر گزر گئی۔ خدا کرے عاقبت بخیر ہو۔

وہاں سے بانگر مو کے قصبے میں آیا۔ ایک بہت اچھا جراح ملا اس نے علاج کیا۔ ہفتے میں زخم بھر آئے۔ اسی مایوسی کی حالت میں خدا سے وعدہ کیا کہ حج کروں گا۔ مگر ابھی تک ۱۰۰۴ھ میں پورا نہیں ہوا۔ خدا موت سے پہلے توفیق دے۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**۔ اے پروردگار تیرے

Marfat.com

آگے کچھ بڑی بات نہیں۔ پھر بانگرمو سے کانت گولہ میں آیا۔ غسل صحت کیا۔ مگر زخموں نے پانی چرایا اور نئے سرے سے بیمار ہو گیا۔ خدا حسین خاں کو بہشت نصیب کرے ایسی پدری اور برادری محبت خرچ کی کہ انسان سے نہیں ہو سکتی۔ موسم کی سردی نے زخموں کو بہت خراب کیا تھا۔ مگر خان موصوف نے اس شفقت و محبت سے تیمارداری کی کہ خدا اسے جزائے خیر دے۔ حلوائے گزر کھلایا اور ہر طرح خبر گیری کی۔ وہاں سے بدایوں آیا۔ یہاں ناسور کو پھر چیرا لگا۔ یہ عالم ہوا گویا موت کا دروازہ کھل گیا۔ ایک دن کچھ جاگتا تھا کچھ سوتا تھا۔ دیکھتا ہوں چند سپاہی مجھے پکڑ کر آسمان پر لے گئے ہیں۔ اور کچھ لوگ ہیں جیسے بادشاہی بساول، عصا اور جریبیں ہاتھوں میں لئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ ایک منشی بیٹھا ہے۔ اور کچھ فردیں دیکھ رہا ہے۔ بولا کہ لیجاؤ یہ آدمی وہ نہیں ہے۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ خیال گیا تو دیکھا کہ درد کو آرام ہے۔ سبحان اللہ عوام سے بچپن میں سنا کرتا تھا۔ تو کہانی سمجھتا تھا۔ اب یقین آ گیا کہ عالم امکان وسیع ہے۔ اور خدا کی قدرت غالب ہے۔

اس سال بداؤں میں بڑی آگ لگی۔ اور اتنے بندے خدا کے جل گئے کہ گنے نہ گئے۔ سب کو چھکڑوں میں بھر کر دریا میں ڈال دیا۔ ہندو مسلمان کچھ معلوم نہ ہوا۔ شعلے نہ تھے موت کی آنچ تھی۔ ہائے جان بڑی پیاری ہے۔ مرد عورت فصیل پر چڑھے۔ اور باہر کود کود پڑے جو بچ گئے وہ جلے بھنے لنگڑے لولے رہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا پانی آگ پر تیل کا کام کرتا تھا۔ شعلے دھر دھر کرتے تھے۔ اور دور تک آواز سنائی دیتی تھی، آگ نہ تھی خدا کا قہر تھا۔ بہتوں کو خاک کر کے پامال کر دیا۔ بہتوں کو گوشمالی دیدی۔ چند روز پہلے ایک مجذوب میاں دوآب کے علاقہ سے آیا تھا میں نے اسے گھر میں اتارا۔ باتیں کرتے کرتے ایک دن کہنے لگے کہ یہاں سے نکل جا۔ میں نے کہا کیوں؟ بولا کہ یہاں خدائی کا تماشا نظر آئیگا۔ خراباتی تھا مجھے یقین نہ آیا۔

تقدیر کا اتفاق:

اسے فقط تقدیر کا اتفاق کہتے ہیں کہ ۹۸۱ھ میں ۱۰ برس کے دوست بلکہ دینی بھائی حسین خاں سے ان کا بگاڑ ہو گیا۔ اور اس کا راز کچھ نہ کھلا کہ بات کیا تھی۔ وہ سیدھا سادھا سپاہی باوجود رتبہ آقائی کے مقام عذر خواہی میں آیا۔ بداؤں میں ان کی ماں کے پاس گیا اور سفارش چاہی مگر ملا صاحب بھی ضد کے پورے تھے ایک نہ مانی۔ کیونکہ انہوں نے دربار شاہی میں جانے کی تجویز مصمم کر لی تھی۔

تماشا یہ کہ اسی سنہ میں اکبر کے دماغ کو علم کے شوق نے روشن کرنا شروع کیا۔ دریا دل بادشاہ محدود العقل علماء کی یادہ گوئیوں سے تنگ ہو کر فہمیدہ اور مصلحت سنج لوگوں کی قدر کرنے لگا۔ رات کو

Marfat.com

چار ایوان کے عبادت خانہ میں جلسہ ہوتا تھا۔ تمام علما و فضلا جمع ہوتے تھے۔ اور ان سے علمی مباحثے سنتا تھا۔ ملا صاحب کی جوانی کی عمر، علم کا جوش، طبیعت کی امنگ، ان کے دل میں بھی ہوس نے موج ماری۔

فیض ہنر ضائع است تا نمایند عود بر آتش نہند مشک بسایند

جمال خاں قورچی:

فیضی ابوالفضل وغیرہ ہمدرس جوان کے ساتھ گوشہ مسجد اور صحن مدرسہ میں بیٹھ کر ذہن لڑاتے تھے۔ ان کی باتوں کے گھوڑے بھی دربار شاہی میں دوڑنے لگے تھے۔ یہ بھی بداؤں سے آگرہ میں آئے۔ آخر ذوالحجہ ۹۸۱ھ تھا کہ جمال خاں قورچی سے ملاقات ہوئی۔ ملا صاحب خود کہتے ہیں۔ وہ اکبر کے مصاحبان خاص میں سے تھا۔ اور باوجودیکہ پانصدی عہدہ دار تھا مگر سیدھا سپاہی اور دیندار خوش اعتقاد مسلمان تھا۔ ساتھ اس کے ظرافت طبع خداداد جوہر تھا۔ مصاحبت کے زور سے جو تصرف بادشاہ کے مزاج میں اسے حاصل تھا۔ وہ کسی امیر کو نصیب نہ تھا۔ سخی تھا اور کھانے کھلانے والا تھا۔ ۹۸۲ھ میں مر گیا۔ دنیا میں نیک نام رہا۔ عقبیٰ میں نیکی ساتھ لے گیا۔

جمال خاں ان کے پیچھے نماز پڑھ کر اور علمی تقریریں سن کر بہت خوش ہوا۔ اکبر کے سامنے لایا اور کہا کہ حضور کیلئے پیش نماز لایا ہوں۔ خود فرماتے ہیں۔ تدبیر کے پاؤں میں تقدیر کی زنجیر پڑی ہے۔ ۹۸۱ھ میں حسین خاں سے ٹوٹ کر بداؤں سے آگرہ میں آیا۔ جمال خاں قورچی اور مرحوم جالینوس حکیم عین الملک کے وسیلے سے ملازمت شاہنشاہی حاصل کی۔ ان دنوں جنس دانش کا بزا رواج تھا۔ پہنچتے ہی اہل نشست میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ جو علما تبحر کے نقارے بجاتے تھے۔ اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بادشاہ نے ان سے لڑا دیا۔ خود بات کو پرکھتے تھے۔ خدا کی عنایت اور قوت طبع اور تیزی فہم اور دل کی دلیری سے (کہ عالم جوانی کا لازمہ ہے) بہتوں کو زیر کیا۔ پہلی ہی ملازمت میں فرمایا۔ کہ یہ بداؤنی فاضل حاجی ابراہیم سرہندی کا سرکوب ہے۔ چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح سے زک پائے میں نے اسے بھی خوب خوب الزام دیئے۔ اور بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ شیخ عبدالنبی صدر عالی قدر پہلے ہی خفا ہوئے تھے کہ ہم سے بالا بالا آن پہنچا۔ اب جو مناظروں میں مقابل دیکھا۔ تو وہی مثل ہوئی کہ ایک تو سانپ نے کاٹا اس پر کھائی افیم۔ خیر آخر رفتہ رفتہ ان کی کلفت بھی الفت سے بدل گئی۔ ملا صاحب اس فتح یابی پر ناحق خوش ہوئے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ یہ فتح اپنی فوج کی شکست ہوئی ہے۔ کیونکہ آہستہ آہستہ بادشاہ کل علما سے بے اعتقاد ہو گیا۔ پھر ان کے

Marfat.com

ساتھ یہ بھی نظروں سے گر گئے۔ ساتھ ہی لکھتے ہیں انہی دنوں میں شیخ ابوالفضل خلف شیخ مبارک جس کی عقل ودانش کا ستارہ چمک رہا تھا۔ ملازمت میں آیا اور انواع واقسام کی عنایتوں سے امتیاز پایا (تھوڑی دور آگے چل کر کہتے ہیں) بادشاہ نے ملایان فرعون صفت کے کان ملنے کے لئے جس کی مجھ سے امید نہ رہی تھی) انہیں خاطر خواہ پایا وغیرہ وغیرہ۔ ان کے اور ابوالفضل کے ان دونوں کے حالات پڑھ کر معلوم ہو جائیگا۔ کہ اکبر کی نظر توجہ ان کی طرف تھی وہ ادھر پھر گئی۔ اسے اس کی قسمت کا زور کہو۔ خواہ اس کی مزاج شناسی سمجھو۔ اور یہی رشک تھا جو ہمیشہ تیزاب بلکہ زہریلے الفاظ بن کر ان کے قلم سے ٹپکتا تھا۔

غرض فاضل مذکور ہر صحبت اور ہر جلسے میں موجود رہتے تھے۔ جو خاص خاص علما کیا سفر کیا مقام میں کہیں جدا نہ ہوتے تھے۔ ان میں یہ بھی شامل ہو گئے۔ پہلے ہی سفر کا حال جو لکھتے ہیں اس کے ترجمہ کو پڑھو اور خیال کرو کہ ایک نوجوان آدمی جب ایک عظیم الشان بادشاہ کی رکاب میں رہ کر شاہانہ شان اور سلطنت کے سامان دیکھتا ہے تو اس کے دل میں کیسے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور دیکھو ابھی تک وہ موقع ہے۔ کہ آقا کا دل شفقت سے اور نئے نمک خوار کا سینہ وفاداری کے جوش سے لبریز ہے۔ چنانچہ انہی دنوں میں اکبر شاہانہ لشکر لیکر منعم خاں کی مدد کو چلا کہ پٹنے پر پٹھانوں سے لڑ رہا تھا۔ فوج کو آگرہ سے خشکی کے راستے روانہ کیا۔ اور آپ مع بیگمات اور شاہزادہ ہائے کامگار اور امر کے دریا کے رستے چلا۔ ابھی تک ملا صاحب مہربان ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ رباعی

شاہنشہ داد گستر دیں پرور　　جمشید جہاں ستاں محمد اکبر
بنشست بردے بحر چوں اسکندر　　ہم بحر بفرمان وے آمد ہم بر

بڑے شاہزادے کو بھی ساتھ لیا تھا۔ کشتیوں کی کثرت سے پانی نظر نہ آتا تھا۔ نئے نئے انداز کی کشتیاں آسمانی بادبان چڑھے ہوئے۔ کسی کا نام نہنگ سر، کوئی شیر سر وغیرہ وغیرہ۔ رنگ برنگ کی بیرقیں لہراتی، دریا کا شور، ہوا کا زور، پانی کے سرائے، بیڑا چلا جاتا تھا۔ ملاح اپنی بولی میں گاتے جاتے تھے۔ عجب عالم تھا۔ قریب تھا کہ پرندے ہوا میں اور مچھلیاں پانی میں رقص کرنے لگیں۔ وہ تماشا دیکھا کہ بیان میں نہیں آتا۔ جہاں چاہتے اتر پڑتے تھے۔ اور شکار کھیلتے تھے۔ جب چاہتے تھے چل کھڑے ہوتے تھے۔ رات کو لنگر ڈال دیتے تھے۔ وہیں علمی بحثیں ہوتی تھیں۔ شعر وشاعری کے چرچے بھی ہوتے تھے۔ فیضی ساتھ تھے۔ ملا صاحب اسی سال میں آئے تھے یہ بھی ساتھ تھے۔

طبقات اکبری وغیرہ کتابوں میں اس سے کچھ زیادہ کر کے لکھتے ہیں۔ کہ جو جو شاہانہ سامان خشکی کے سفر میں ہوتے ہیں سب کشتیوں پر لے چلے۔ کل کارخانے مثلاً توپخانہ، سلاح خانہ، خزانہ،

Marfat.com

نقار خانہ، کرکراق خانہ (توشہ خانہ) فراش خانہ، جبہ خانہ، باورچی خانہ، طویلے وغیرہ سب کشتیوں پر تھے۔ ہاتھیوں کے لئے بڑی بڑی کشتیاں تیار ہوئیں۔ اور ہاتھی وہ ساتھ لئے کہ ڈیل ڈول، مستی اور تندخوئی میں مشہور تھے۔ بال سندر کے ساتھ دو ہتھنیاں ایک کشتی میں، ہمن بال اور دو ہتھنیاں ایک کشتی میں وغیرہ۔ جو آرائشیں خیموں ڈیروں میں ہوتی ہیں۔ وہ سب کشتیوں میں اور ان کی پوششوں میں کی تھیں۔ ان میں الگ الگ کمرے، کمروں کی عمدہ تقسیم، محرابوں اور طاقوں کی تراشیں گھروں کی طرح کئی کئی منزلیں، زینوں کے چڑھاؤ اتار، ہوا کے لئے کھڑکیاں اور روشنی کے لئے تابدان۔ ہر بات میں نئی نئی ایجاد۔ رومی، چینی، فرنگی مخملوں اور باناتوں کے پردے اور فرش ہائے بوقلموں۔ ہندوستانی دستکاریوں کی تفصیل کہاں تک ہو کہ ایک افسانہ عجائب خانہ ہوا جاتا ہے۔ یہ سب سامان دریا میں بساط شطرنج کی طرح بہ ترتیب و انتظام چلتا تھا۔ بیچ میں بادشاہ کی کشتی ہوتی تھی بڑی عالیشان جیسے جہاز۔

سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ:

ملا صاحب کہتے ہیں۔ دوسرے سال شہنشاہ نے مجھ پر عنایت فرمائی اور بڑی محبت سے کہا۔ کہ سنگھاسن بتیسی کی ۳۲ کہانیاں جو راجہ بکرماجیت کے حال میں ہیں۔ سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کر کے طوطی نامہ کے رنگ پر نظم و نثر میں ترتیب دو اور ایک ورق نمونے کے طور پر آج ہی پیش کرو۔ برہمن زباں داں مدد کے لئے آیا۔ چنانچہ اسی دن ایک ورق شروع حکایت سے ترجمہ کر کے گزرانا۔ پسند فرمایا تمام ہوئی تو نامہ خرد افزا تاریخی نام قرار دیا اور پسند و قبول ہو کر کتب خانے میں داخل ہوئی۔ حق پوچھو تو ملا صاحب کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل ہے۔

۹۸۳ھ تک صحبتیں موافق طبع تھیں۔ کیونکہ ان کے کلام کی بنیاد اصول و فروغ مذہب پر تھی۔ اور بادشاہ نے بھی ابھی تک اس دائرے سے قدم نہ بڑھایا تھا۔ یہ بعض علماء سے اس لئے ناراض تھے کہ فقط جو فروشی اور گندم نمائی سے دیندار اور سلطنت میں صاحب اختیار بنے ہوئے تھے۔ وہ مخدوم اور صدر اور ان کی امت کے لوگ تھے۔ اور بعض سے اس لئے خفا تھے۔ کہ زبانی جمع خرچ اور لفاظی اور دھوکے کی دلیلوں سے علم کے دعویدار بنے ہوئے تھے۔ مگر ان کالو ہا سب پر تیز ہوا کہ آتے ہی ہر ایک کو دبا لیا۔ جو ذرا بے اصول بولتا تھا۔ فوراً کان پکڑ لیتے تھے۔ چنانچہ حکیم الملک کے ساتھ جو معرکہ کیا وہ تم نے دیکھا۔

۹۸۳ھ تک کے حالات اور چار ایوان کے معرکوں میں اپنے اور اور عالموں کے لطائف

Marfat.com

وظائف خوشی لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کہ دفعتاً قلم کی رفتار بدلتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ قلم سے حرف اور آنکھوں سے آنسو برابر بہہ رہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

آج ان معرکوں کو ۱۰ برس گزرے ہیں۔ وہ مناظرے اور مباحثے کرنیوالے کیا محقق اور کیا مقلد سو سے زیادہ تھے۔ ایک نہیں نظر آتا۔ سب نے موت کے نقاب میں منہ چھپا لئے۔ خاک ہو گئے اور ان کی خاک بھی اڑ گئی۔

زخیل دردکشاں غیر ماں نماند کسے بیار بادہ کہ ماہم غنیمتیم بے

جب نعمت جاتی ہے تو قدر آتی ہے۔ اب ان ہم صحبتوں کو یاد کرتا ہوں لہو روتا ہوں، آہیں بھرتا ہوں۔ نالے کرتا ہوں، اور مرتا ہوں۔ کاش اس حسرت آباد میں چند روز اور بھی ٹھیرتے۔ وہ جو کچھ تھے غنیمت تھے کہ بات کا رخ انہی کی طرف ہوتا تھا۔ اور بات کا مزا انہیں سے تھا۔ اب کوئی بات کے قابل ہی نہیں رباعی

افسوس کہ یاراں ہمہ از دست شدند دریائے اجل یگاں یگاں پست شدند

بودند تنک شراب در مجلس عمر یک لحظہ زما پیترک مست شدند

عبارت ہائے مذکورہ بالا کے انداز سے اور آئندہ کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سلسلہ عین کامیابی اور لطیف گرمجوشی کے عالم میں لکھا گیا تھا۔ لیکن وہ عبارت نظم و نثر جو ماتم زمانہ سے سیہ پوش ہے پیچھے حاشیے پر لکھی ہوگی۔ اور وہ بھی ۹۱ یا ۹۹۲ھ کے پس و پیش میں ہوگی نہ ۹۹۹ھ میں جیسا کہ انہوں نے دیباچہ کتاب میں تحریر کیا ہے۔

مرزا سلیمان والی بدخشاں:

۹۸۳ھ میں مرزا سلیمان والی بدخشان ادھر بھاگ کر آیا تو اکبر نے بڑے جاہ و جلال سے استقبال کیا مرزا بھی عبادت خانہ (چار ایوان) میں آتا تھا۔ مشائخ و علما سے گفتگوئیں ہوتی تھیں (ملا صاحب فرماتے ہیں) صاحب حال شخص تھا۔ اس سے معرفت کے بلند خیالات سنے گئے۔ کبھی نماز جماعت نہیں چھوڑی۔ ایک دن میں نے عصر کی نماز پڑھ کر فقط دعا پر اکتفا کیا۔ الحمد نہ پڑھی۔ مرزا نے اعتراض کیا کہ حمد کیوں نہیں پڑھی۔ میں نے کہا کہ آں حضرت کے عہد میں نماز کے بعد فاتحہ کا معمول نہ تھا۔ بلکہ بعض رواتیوں میں مکروہ بھی آیا ہے۔ مرزا نے کہا کہ ولایت میں علم نہ تھا یا علما نہ تھے؟ (ملا بھی جھگڑنے کو آندھی تھے) میں نے کہا کہ ہمیں کتاب سے کام ہے نہ کہ تقلید سے۔ بادشاہ نے خود فرمایا کہ آئندہ سے پڑھا کرو۔ میں نے قبول کیا۔ مگر کتاب میں کراہت کی روایت نکال کر دکھا

Marfat.com

دی۔

گجرات کی لوٹ میں اعتماد خاں گجراتی کے کتب خانے کی نفیس نفیس کتابیں خزانہ عامرہ میں جمع تھیں۔ بادشاہ چار ایوان کے جلسوں میں علما کو تقسیم کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ مجھے کئی کتابیں دیں۔ انہیں میں ایک انوارالمشکوٰۃ بھی تھی۔ اس میں ایک فصل بہ نسبت اور نسخوں کے زیادہ تھی۔ اس وقت تک بھی بادشاہ اکثر مسئلوں میں انہیں کو مخاطب کر کے بات کہتے تھے اور ہر بحث میں پوچھتے تھے کہ حقیقت مسئلے کی کیا ہے۔

حضور میں ۷ امام تھے۔ ہفتے کے ۷ دن۔ ایک ایک دن باری باری سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے سال میں ملا صاحب کہتے ہیں۔ کہ خوش آوازی کے سبب سے جیسے طوطی کے پنجرے میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح مجھے ان میں داخل کر کے بدھ کی امامت عنایت ہوئی۔ اہتمام حاضری کا خواجہ دولت ناظر کے سپرد تھا عجب سخت مزاج خوجہ تھا۔ لوگوں کو بڑا دق کرتا تھا۔ الخصی لا ذکروہ۔ انتہیٰ۔ (خواجہ ہیجڑا نہ زن زنان نہ زن مردان)

اسی سال میں بیستی کا منصب دیا کچھ خرچ بھی عنایت کیا اور پہلی ہی دفعہ میں فرمایا کہ بیستی کے منصب کے بموجب گھوڑے داغ کے لئے تیار کرو۔ لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل بھی اسی عرصے میں پہنچے تھے۔ اور ہم دونوں کی وہی مثال ہے۔ جو شیخ شبلی نے اپنے اور جنید کے لئے کہی تھی۔ میں اور یہ دو جلی ٹکیاں ہیں کہ ایک تنور میں سے نکلی ہیں۔ ابوالفضل نے جھٹ قبول کر کے کام شروع کر دیا اور اس عرق ریزی سے خدمت بجالایا کہ آخر دو ہزاری منصب اور وزارت کے درجے کو پہنچ گیا (جس کی ۱۴ ہزار کی آمدنی ہے) میں ناتجربہ کاری اور سادہ لوحی سے اپنے کمل کو بھی نہ سنبھال سکا۔ سادات انجو میں سے ایک شخص نے ایسے ہی موقع پر اپنے اوپر آپ تمسخر کیا تھا۔ وہ میرے حسب حال ہے۔

مرد اخلی سازی وبیتی   میناد مادر بدیں نیتی

مجھے ان دنوں میں یہی خیال تھا کہ قناعت بڑی دولت ہے۔ کچھ جاگیر ہے۔ کچھ بادشاہ انعام اکرام سے مدد کرینگے۔ اسی پر صبر کرونگا۔ علامت اور عافیت کے گوشے میں بیٹھوں گا۔ علم کا شغل اور دل کی آزادی کا شیوہ نامرادی ہے۔ اسے سنبھالے رہوں گا۔

جاہ دنیا مطلب دولت فانی بگذار   جاہ دیں بود دولت اسلام ترا

افسوس کہ وہ بھی میسر نہ ہوئی (یہاں میر سید محمد میر عدل کی نصیحت یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ دیکھو تتمہ) ملا صاحب بہت اچھی اٹھان سے اٹھے۔ مگر افسوس کہ رہ گئے اور بری طرح رہ گئے۔ وہ ترقی پاتے اور خاطر خواہ سے بھی زیادہ پاتے۔ مگر ضدی شخص تھے اور بات کی پرورش ایسی کرتے

Marfat.com

تھے کہ اس پر ہر طرح کا نقصان اٹھاتے تھے۔ اور اسے فخر سمجھتے تھے۔ ابوالفضل کو زمانے کے گھسوں نے خوب سبق پڑھائے تھے۔ وہ سمجھ گیا۔ ملا صاحب کو بیستی کا عہدہ ملا انکار کیا۔ اس نے فوراً منظور کیا۔ اور اطاعت وتسلیم کی۔ اسی کا نیک ثمرہ پایا۔

اس کی تائید ان کی تحریروں سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ۹۸۳ھ میں میں نے رخصت مانگی۔ نہ ملی۔ بادشاہ نے ایک گھوڑا اور کچھ روپیہ دیا۔ ہزار بیگھ زمین دی۔ اور کہا کہ فوجی دفتر سے تمہارا نام نکال دیتے ہیں۔ ان دنوں میں بیستی کے عہدے پر نظر کر کے یہ انعام مجھے بہت معلوم ہوا۔ کہ ہزاری کا ہم پلہ ہے۔ بادشاہی ہم زبانی ہے۔ علم کا سلسلہ ہے۔ خدمت کا بجالانا ہے۔ سپاہی کی تلوار اور بندوق نہیں اٹھانی پڑی۔ یہ سب کچھ درست مگر صدر کی ناموافقت اور زمانہ کی بدمددی سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ اور آئندہ ترقی کا رستہ نہ تھا۔ اتنا ہوا کہ فرمان میں مدد معاش کا لفظ لکھا گیا۔ نہ کہ جگیر (جاگیر میں خدمت بھی بجالانی پڑتی تھی) ہر چند عرض کی کہ اتنی زمین پر ہمیشہ حاضری کیونکر ہو سکے گی۔ فرمایا کہ فوج کے زمرہ میں ترقی مل جائیگی۔ انعام سے بھی امداد ہوا کریگی۔ شیخ عبدالنبی صدر صاف بولے کہ تمہارے ساتھیوں میں کسی کو اتنی مدد معاش نہیں دی۔ اب تک ۲۲ برس ہوئے۔ آگے رستہ بند ہے۔ اور وہ مددیں قدرت الہیٰ کے پردہ میں ہیں۔ ایک دو دفعہ سے زیادہ انعام کی بھی صورت نہ دیکھی۔ وعدے ہی وعدے تھے۔ اور اب تو زمانے کا ورق ہی الٹ گیا۔ البتہ خدمتیں ہیں۔ جن کا کچھ نتیجہ نہیں۔ اور مہم پابندیاں ہیں کہ مفت گلے پڑی ہیں۔ کوئی لطیفہ غیبی ہو تو ان سے چھٹکارا ہو۔

یا وفا۔ یا خبر وصل تو۔ یا مرگ رقیب — بازی چرخ ازیں یک دو سہ کارے بہ کند

رضینا بقضاء اللّٰہ وصبرنا علیٰ بلاء اللّٰہ وشکرنا نعماء اللّٰہ۔

بہ ہمہ حال شکر باید کرد — کہ مبادا ازیں بتر گردد

حیرتی شاعر پر شاہ طہماسپ کی عنایتیں دیکھ کر یہ قطعہ فضولی بغدادی نے کہا تھا وہ میری فضولیوں کے مناسب حال ہے۔

من زخاک عرب وحیرتی از ملک عجم — ہر دو گشتیم باظہار سخن کام طلب

یافتیم از دو کرم پیشہ مراد دل خویش — از زر از شاہ عجم۔ من نظر از شاہ عرب

دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ معلوم ہے۔ کارساز بندہ نواز سے امید ہے کہ عاقبت بخیر ہو۔ اور خاتمہ سعادت ایمان پر ہو۔ ما عندکم ینفد وما عند اللّٰہ باق۔ جو تمہارے پاس ہے ہو چلے گا۔ جو خدا کے پاس ہے وہی رہے گا۔

Marfat.com

امید از کرم اے کارساز ما این است　　　کہ نا امید نہ سازی امیدواراں را

اب اختلافی مسئلے نکلنے لگے۔ جس سے بادشاہ اور شیخ صدر وغیرہ کے دلوں میں اختلاف پڑ کر حالتیں مختلف ہو گئیں۔ (پہلا مسئلہ یہ تھا کہ ایک خاوند کتنے جوروئیں کرسکتا ہے؟ میں نے جو کچھ معلوم تھا عرض کیا) (دیکھو حال شیخ عبدالنبی صدر)

دکن کا ایک برہمن دانا:

اسی سال میں لکھتے ہیں۔ شیخ بھاون کہ ولایت دکن کا ایک برہمن دانا ہے۔ ملازمت میں آیا اور شوق و رغبت کے ساتھ مسلمان ہو کر خاصہ کے چیلوں میں داخل ہوا۔ حکم ہوا کہ اتھر بن بید (چوتھا بید) جس کے اکثر احکام اسلام سے ملتے ہیں بیان کرے۔ اور فقیر فارسی میں ترجمہ کرے۔ اسکی بعض عبارتیں ایسی مشکل تھیں۔ کہ وہ بیان نہ کرسکتا تھا۔ اور مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں نے عرض کی پہلے شیخ فیضی کو پھر حاجی ابراہیم سرہندی کو حکم ہوا۔ مگر جیسا جی چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ اب ان مسودوں کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اس کے احکام میں سے ایک یہ ہے۔ کہ جب تک ایک فقرہ (جس میں برابر بہت سے لام لام آتے ہیں۔ جیسے لا الہ الا اللہ۔) نہ پڑھے تب تک نجات نہ ہوگی۔ اور کئی شرطوں کے ساتھ گائے کا گوشت بھی جائز ہے۔ اور مردے کو یا تو جلائیں۔ نہیں تو دفن کریں وغیرہ۔

۹۸۴ھ میں بادشاہ مقام اجمیر میں تھے۔ کہ مان سنگھ ولد بھگوانداس کو درگاہ حضرت معینہ میں لے گئے۔ خلوت کر کے مدد چاہی۔ خلعت اور گھوڑا اتمام لوازم سپہ سالاری دیکر رانا کیکا کی مہم کو کندہ وکو بھل میر کو روانہ کیا۔ بڑے بڑے بہادر سردار اور پانچ ہزار رقمی سوار بادشاہی خاصہ کمک کو ساتھ گئے اور اس کی اپنی فوج الگ تھی۔ لکھتے ہیں کہ اجمیر سے تین کوس تک برابر امیروں کے سراپردے لگے تھے۔ قاضی خاں اور آصف خاں کے رخصت کرنے کو میں بھی گیا۔ رستے میں غزا کے شوق نے بے اختیار کر دیا۔ پھرتے ہوئے سیدھا شیخ عالی قدر شیخ عبدالنبی صدر شیخ الاسلام کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ حضور سے رخصت لے دیں۔ انہوں نے اقبال تو کیا مگر سید عبدالرسول ایک نا معقول بوالفضول ان کا وکیل تھا اس پر ڈال دیا۔ میں نے دیکھا کہ بات دور جا پڑی۔ نقیب خاں کے ساتھ دینی بھائی چارا تھا۔ اس نے کہا کہ امیر لشکر ہندو نہ ہوتا تو سب سے پہلے میں اس مہم کے لئے رخصت لیتا۔ میں نے اس کی خاطر جمع کی کہ ہم اپنا امیر بندگان حضرت کو جانتے ہیں مان سنگھ وغیرہ سے کیا کام ہے۔ نیت درست چاہئے۔ حضرت شاہنشاہی اونچے چبوتروں پر پاؤں لٹکائے مزار مبارک کی طرف منہ کئے بیٹھے تھے۔ کہ نقیب خاں نے میرے لئے عرض کی۔ اول فرمایا کہ اس کا تو امامت کا

Marfat.com

عہدہ ہے۔ وہ کیونکر جا سکتا ہے؟ اس نے عرض کی کہ غزا کی آرزو ہے۔ مجھے بلا کر پوچھا بہت ہی جی چاہتا ہے؟ عرض کی بہت! فرمایا سبب کیا؟ عرض کی دعا ہے کہ سیاہ ڈاڑھی کو ہوا خواہی میں سرخ کروں

کارتو بخاطر است خواہم کردن   یا سرخ کنم روئے زتو یا گردن

فرمایا کہ انشاء اللہ فتح ہی کی خبر لاؤ گے۔ مراقبے میں سر جھکا کر توجہ سے رخصت کی فاتحہ پڑھی۔ میں نے چبوترے کے نیچے سے پابوس کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ آپ نے اوپر کھینچ لئے۔ جب میں دیوان خانہ سے نکلا تو پھر بلایا۔ ایک لپ بھر کر اشرفیاں دیں اور کہا خدا حافظ۔ گنیں تو ۶۵ تھیں۔ شیخ عبدالنبی صدر کی رخصت کو گیا۔ ان دنوں مہربان ہو کر پہلی کلفت کا الفت سے مبادلہ کیا تھا۔ فرمایا صفوں کا آمنا سامنا ہو تو مجھے بھی دعائے خیر سے یاد کرنا کہ بموجب حدیث صحیح کے قبول دعا کا وقت ہوتا ہے۔ دیکھنا! بھولنا نہیں۔ قبول کر کے میں نے بھی فاتحہ (دعا) چاہی۔ اور گھوڑا کس یاران یک دل کے ساتھ مل روانہ ہوا۔ ع

ہر روز بہ منزلے و ہر شب جائے۔

یہ سفر اول سے آخر تک بڑی مبارکی سے طے ہوا۔

ان کی انشا پردازی نے میدان جنگ کی تصویر نہایت خوبصورتی سے کھینچی ہے۔ مگر اس میں بھی لوگوں کے پہلوؤں میں قلم کی نوکیں چبھوتے جاتے ہیں (دیکھو راجہ مان سنگھ کا حال) جب فتح ہوئی۔ اور رانا بھاگ گیا۔ تو امرا مشوروں کے لئے بیٹھے۔ اور علاقے کا بندوبست شروع کیا۔ رام پرشاد ایک بڑا اونچا اور جنگی ہاتھی رانا کے پاس تھا۔ بادشاہ نے کئی دفعہ مانگا تھا اس نے نہ دیا تھا۔ وہ بھی لوٹ میں آیا۔ امرا کی صلاح ہوئی۔ کہ اسے فتح نامہ کے ساتھ حضور میں بھیجنا مناسب ہے۔ آصف خاں نے میرا نام لیا۔ کہ یہ فقط ثواب کے لئے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بھیج دو۔ مان سنگھ نے کہا۔ ابھی تو بڑے بڑے کام پڑے ہیں۔ یہ میدان معرکہ میں صف جنگ کے آگے امامت کرینگے۔ میں نے کہا یہاں کی امامت کے لئے قضا ہے۔ میرا اب یہ کام ہے۔ کہ میں جاؤں اور بندگان حضرت کی صف کے آگے امامت ادا کروں۔ مان سنگھ اس لطیفے پر بہت خوش ہوئے۔ احتیاطاً تین سو سوار ہاتھی کے ساتھ کئے اور سفارش نامہ لکھ کر رخصت کیا۔ بلکہ موہنے تک تھانے بٹھانے کے بہانے شکار کھیلتے پہنچانے چلے آئے۔ کہ ۲۰ کوس ہے۔ میں ماکھور اور مانڈل گڑھ سے ہوتا ہوا آنبیر کے رستے آیا۔ کہ مان سنگھ کا وطن تھا۔ سای کے پہلو میں اب جے پور آباد ہے۔ رستے میں جابجا لڑائی کی کیفیت اور مان سنگھ کی فتح کا حال سناتا آتا تھا۔ لوگ تعجب کرتے تھے۔ کسی کو یقین نہ آتا تھا۔ آنبیر سے پانچ کوس پر ہاتھی بجن میں پھنس گیا۔ غضب یہ کہ جوں جوں آگے جاتا تھا زیادہ دھنستا جاتا تھا۔ آخر ملانے ہی

Marfat.com

تھے۔ انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت گھبرائے۔ اور یہیں سے سمجھ لو کہ مہمات سلطنت اور اس کے خطرناک بوجھ ایسے لوگوں کی گردن پر پڑیں تو چھاتی بچے یا پھٹے۔ کہاں ابوالفضل اور اس کے کارنامے۔ اکبر لشکر جرار لئے آسیر کے گرد پڑا ہے۔ محاصرہ نے طول کھینچا۔ ایک شب اندھیرا۔ بادل گرجے، مینہ برسے۔ ابوالفضل فوج لے کر زیر دیوار پہنچا اور رستے ڈال کر شمشیر بکف قلعے میں کود پڑا۔ پہلے کوئی اتنا بڑا دل دکھائے جب اس کے باب میں زبان ہلائے باتیں کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

وہاں کے لوگ آئے اور کہا کہ اگلے برس بھی یہاں ایک بادشاہی ہاتھی پھنس گیا تھا۔ اس کا یہی علاج ہے کہ ٹھلیوں مشکوں میں پانی بھر بھر کر ڈالتے ہیں۔ ہاتھی نکل آتا ہے۔ سقے بلائے انہوں نے بہت سا پانی ڈالا۔ جب آہستگی سے آپ ہاتھی نکلا اور گرداب ہلاک سے نجات پائی۔

لکھتے ہیں بڑی مشکل سے ہاتھی نکلا۔ ہم انبیر میں پہنچے۔ وہاں کے لوگ پھولے نہ سماتے تھے۔ ان کے فخر کا سر آسمان سے جالگا۔ کہ ہمارے راجہ کے لڑکے نے ایسا معرکہ مارا۔ خاندانی رقیب کا کلہ توڑا اور ہاتھی چھین لیا۔ ٹونڈہ میں سے گزر ہوا۔ یہاں میں پیدا ہوا تھا۔ بساور میں آیا۔ ع و اول ر ض مس جلدی ترابھا۔ (پہلے اسی زمین کی خاک میرے بدن کو لگی ہے) اس بیان میں ان کی تحریر سے بڑی خوشی اور عجیب محبت ٹپکتی ہے۔ بے شک ایک شریف ملا لڑائی سے جیتا پھرے اور لڑائی جیت کر پھرے۔ اس پر اتنے سارے بادشاہی اور جنگی سپاہی اور اتنا بڑا ہاتھی لے کر اپنے گاؤں میں آئے اور وہاں کا ایک ایک آدمی دیکھنے آئے وہ خوش نہ ہو تو کون ہو؟ اور محبت بھی جتنی ٹپکے تھوڑی ہے۔ جس خاک پر کھیل کر بڑے ہوئے اور جس زمین کی گود میں لوٹ کر پلے اس کی محبت نہ ہو تو کس کی ہو؟

پیر پرشاد:

غرض جوں توں کر فتح پور پہنچے (راجہ بھگوان داس راجہ مان سنگھ کے باپ تھے) ان کے کوکہ کی معرفت فتح نامہ اور ہاتھی حضور میں گزرانا۔ فرمایا اس کا نام کیا ہے؟ غرض کی رام پرشاد۔ فرمایا کہ سب پیر کی پرورش سے ہوا۔ اس کا نام پیر پرشاد ہے۔ پھر فرمایا تمہاری تعریف بھی بہت لکھی ہے۔ سچ کہو کونسی فوج میں تھے۔ اور کیا کیا کام کیا۔ غرض کی کہ بادشاہوں کے حضور میں سچ بھی ڈرتے لرزتے کہا جاتا ہے۔ فدوی جھوٹ کیونکر عرض کر سکتا ہے۔ چنانچہ سب واقعی حالات عرض کئے۔ پوچھا جنگی لباس تھا یا ننگے ہی رہے؟ عرض کی زرہ بکتر تھا۔ فرمایا کہاں سے مل گیا۔ عرض کی سید عبداللہ خاں سے۔ جواب پسند آئے۔ تو وہ گنج میں سے ایک لپ بھر کر انعام فرمائی۔ ۹۶ اشرفیاں تھیں۔ پھر پوچھا

Marfat.com

شیخ عبدالنبی سے مل لئے؟ عرض کی گرد راہ سے دربار میں پہنچا ہوں کیونکر مل سکتا تھا۔ ایک دوشالہ نخودی بڑھیا کا دیا کہ یہ لیتے جاؤ۔ شیخ سے ملو اور کہو کہ اسے اوڑھو ہمارے خاصے کے کارخانے کا ہے۔ تمہاری ہی نیت سے فرمائش کی تھی۔ میں لے گیا اور پیغام پہنچایا۔ شیخ خوش ہوئے۔ پوچھا کہ رخصت کے وقت میں نہ کہہ دیا تھا کہ صفوں کا آمنا سامنا ہو تو دعا سے یاد کرنا۔ میں نے کہا کل مسلمانوں کے حق میں جو دعا ہے۔ وہ پڑھی تھی۔ کہا کہ یہ بھی کافی ہے۔ اللہ اللہ یہ وہی شیخ عبدالنبی ہیں۔ آخر حال میں اس بدحالی کے ساتھ دنیا سے گئے کہ خدا دکھائے نہ سنائے چاہئے کہ سب کو عبرت ہو جائے۔

ہر کہ راپرورد گیتی عاقبت خونش بریخت حال آں فرزند چوں باشد کہ خصمش مادر است

کوکندہ کی مہم:

کوکندہ کی مہم میں لکھتے ہیں کہ مان سنگھ، آصف خاں، غازی خاں بدخشی کو جریدہ بلا بھیجا۔ آصف خاں اور مان سنگھ باہم نفاق رکھتے تھے۔ چند روز سلام سے محروم رہے۔ مگر ملا صاحب، غازی خاں، مہتر خاں علی مراد ازبک، تجری ترک اور ایک دو اور بھی تھے کہ عنایت اور سرفرازی عہدہ سے معزز ہوئے اور یہ مہم ۹۸۵ھ میں طے ہوئی۔

اس وقت تک اس فاضل مصنف میں مخالفت نے فقط استار استہ پایا تھا۔ کہ انتظامی امورات میں یا ملازموں کے کاروبار میں بعض باتیں خلاف طبع معلوم ہوتی تھیں۔ البتہ طبیعت شوخ اور زبان تیز تھی جو لطیفہ کسی پر سوجھتا تھا۔ نوک قلم سے ٹپک پڑتا تھا۔

بیماری کی شدت:

میں اسی سنہ میں رخصت لے کر وطن گیا تھا۔ بیماری کی شدت سے بستر سے ہلنے نہ دیا تھا۔ صحت پا کر روانہ دربار ہوا۔ رستے میں سید عبداللہ خاں بارہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ راہ پرخطر ہے۔ رضوی خاں کے ساتھ پھرتا پھراتا دیپال پور ملک مالوہ میں آ کر حاضر ہوا۔ یہاں ۲۲ سال جلوس کے جشن کی دھوم دھام تھی۔ قرآن، حمائل اور خطبوں کی بیاض کہ جن کی تصنیف میں انواع واقسام صنائع وبدائع خرچ ہوئے تھے۔ حضور میں پیش کی۔ یہ دونوں نایاب چیزیں حافظ محمد امین خطیب قندھاری کی تھیں کہ ۷ اماموں میں سے ایک امام ہے۔ اور خوش خوانی اور خوش الحانی میں آج اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ راہ بساور کی ایک منزل میں اس کا مال چوری ہو گیا تھا۔ اس میں سے عبداللہ خاں نے یہ دونوں چیزیں بہم پہنچا کر رستے میں مجھے دی تھیں۔ بادشاہ خوش ہو گئے۔ حافظ کو بلایا اور خوش طبعی کے طور پر کہا کہ یہ حمائل ہمارے واسطے ایک جگہ سے آئی ہے لو اسے تم رکھو۔ حافظ نے دیکھتے ہی

Marfat.com

پہچان لی۔ جان میں جان آ گئی۔ تسلیمات بے حد اور سجدہ شکر گزاری بجالا کر عرض کی کہ حضور نے اُس دن سید عبداللہ خاں سے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تم پیدا کرو گے۔ وہ چیزیں کہیں جانے نہ پائیں گی۔ پھر مجھ سے حال پوچھا۔ عرض کی بساور کے علاقے مزدور حوض اور کنوئیں کھودتے ہیں دن کو کام کرتے ہیں۔ رات کو رستہ مارتے ہیں۔ انہیں نے مال چرایا تھا۔ ایک ان میں سے پھوٹ گیا۔ اس بیچ میں نکل آیا۔ پھر فرمایا حافظ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ اور اسباب بھی مل جائے گا۔ عرض کی خانہ زاد کو تو حمائل اور اس بیاض سے مطلب تھا۔ کہ بزرگوں کی موروثی یادگار ہے۔ اور مجھے بڑھاپے نے ایسی تصنیفات سے عاجز کر دیا ہے۔ آخر جو فرمایا تھا وہی ہوا کہ باقی اسباب بھی بیلداروں کے پاس سے نکلا۔ اور فتح پور میں سید عبداللہ خاں نے خود آ کر پیش کیا۔

اسی سنہ میں لکھتے ہیں کہ میں وطن سے آیا۔ اور از سرنو امامت کا حکم ہوا۔ خواجہ دولت ناظر تعینات ہے۔ کہ خواہ نخواہ ہفتے میں ایک دفعہ چوکی پر حاضر کرے۔ ٹھیک وہی مثل ہے احمد بہ مکتب نمیرود و لے برندش۔

حسین خاں ٹکریہ کی وفات کا رنج:

اسی سنہ میں ملا صاحب کو بڑا رنج ہوا۔ حسین خاں ٹکریہ مر گئے۔ ان کے ہم دم، ہم عقیدہ، دوست، آقا۔ جو کچھ کہو یہ تھے۔ اگرچہ ۹۸۱ھ میں ان سے بھی کسی گومگو معاملہ پر کھٹک کر الگ ہوئے تھے۔ مگر چونکہ آج کل کے زمانہ اور ارباب زمانہ سے بہت ناراض ہیں۔ اس لئے زیادہ رنج ہوا۔ حسین خاں ایک شیر دل سپاہی اور پکے سنی مسلمان تھے۔ ان کی زندگی بھی اکبری عہد کے ایک حصہ کا رنگ الگ دکھاتی ہے۔ اس لئے ان کا حال الگ لکھ کر داخل تتمہ جات کیا ہے۔

بانس بریلی کا انتظام کرنا:

۹۸۵ھ میں راجہ بھولہ کو بانس بریلی کے علاقے میں دامن کوہ کے انتظام کے لئے بھیجا۔ اس نے وہاں سے ایک رپورٹ کی۔ چند درخواستوں میں سے ایک یہ تھی۔ درگاہ سے جدا ہو کر اس صحرائے بیاباں میں آ گیا ہوں۔ کوئی رفیق و آشنا ساتھ نہیں۔ اگر شیخ عبدالقادر بداؤنی کو بھیج دیا جائے تو وہ اس ملک کے نیک و بد سے خوب واقف ہے۔ لوگ اس کے اعتبار پر رجوع بھی ہو جائیں گے۔ اور دربار میں اسے کوئی ایسی خدمت بھی سپرد نہیں ہے۔ اس کے حال پر مرحمت اور بندہ درگاہ کی سرفرازی کا سبب ہوگا۔ والحکم اعلے۔ خواجہ شاہ منصور نے ایک ایک فقرہ پڑھ کر سنایا۔ اور حرف بہ حرف ہر بات کا جواب جو فرمایا وہ لکھا۔ اس مطلب پر نہیں کی نہ ہاں۔

Marfat.com

موبر آمد بہ کف دموے تو نامد بہ کفم   ایں چنیں بخت کہ من دارم و ایں خو کہ تر است

حج پر روانگی میں رکاوٹ:

اسی برس اجمیر کے مقام سے حسب معمول حاجیوں کا قافلہ روانہ کیا۔ شاہ ابوتراب کو میر حاج بنایا۔ بہت کچھ سامان دیئے۔ اور حکم عام دیا کہ جو چاہے جائے۔ شاہ موصوف اکابر سادات شیراز سے تھے۔ اور سلاطین گجرات ان سے بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔ میں نے شیخ عبدالنبی صدر سے کہا کہ مجھے بھی رخصت لے دو۔ شیخ نے پوچھا کہ ماں جیتی ہے؟ کہا کہ ہاں۔ پوچھا بھائیوں میں سے کوئی ہے؟ کہ اس کی خدمت کرتا رہے۔ میں نے کہا گزارے کا وسیلہ تو میں ہی ہوں۔ کہا کہ ماں کی اجازت لے لو تو اچھا ہے۔ بھلا وہ کب اجازت دیتی تھیں۔ یہ سعادت بھی رہ گئی۔ اب حسرت کے مارے بوٹیاں کاٹتا ہوں۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

نہ کرو لطف تو کارے و وقت کار گزشت   نشد وصال تو روزے، روزگار گزشت

لڑکے کی پیدائش:

ابھی تک ملا صاحب کو یہ اعتقاد باقی تھا کہ بادشاہ ظل اللہ، نائب رسول اللہ ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ میں لشکر کے ساتھ ریواڑی کے ضلع میں تھا۔ وطن سے خبر آئی کہ ایک لونڈی کے پیٹ سے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ مدت کے بعد اور بڑے انتظار کے بعد ہوا تھا۔ خوشی خوشی اشرفی نذر لے گیا۔ اور نام کیلئے عرض کی۔ فرمایا تمہارے باپ اور دادا کا کیا نام ہے۔ عرض کی ملوک شاہ بن حامد شاہ۔ ان دنوں یا ہادی کا وظیفہ ورد تھا۔ فرمایا اس کا نام عبدالہادی رکھو۔ حافظ محمد ابن خطیب نے ہر چند کہا۔ نام رکھنے کے بھروسے نہ رہو۔ حافظوں کو بلاؤ اور لڑکے کی درازی عمر کے لئے قرآن پڑھواؤ۔ میں نے خیال نہ کیا۔ آخر ۶ مہینے کا ہو کر مر گیا۔ خیر خدا میرے لئے اس کا ثواب ذخیرہ رکھے۔ اور اسے قیامت کے دن میرا شفیع کرے۔

اسی منزل سے ۵ مہینے کی رخصت لے کر بساور آیا اور بعض ضرورتوں بلکہ فضولیوں کے سبب سے وعدہ خلافی کر کے سال بھر پڑا رہا۔ ایسی ایسی کم خدمتی اور مخالفتوں نے رفتہ رفتہ نظروں سے گرا دیا۔ اور بالکل توجہ نہ رہی۔ آج تک ۱۸ برس ہوئے۔ ۱۸ ہزار عالم سامنے سے گزار گیا۔ اسی محرومی میں مبتلا رہے۔ نہ رو سے قرار ہے نہ راہ فرار ہے۔ رباعی

بختے نہ کہ با دوست در آویزم من   صبرے نہ کہ از عشق بہ پرہیزم من

دستے نہ کہ با قضا در آویزم من   پائے نہ کہ از میانہ بگریزم من

Marfat.com

بادشاہ ۹۸۶ھ میں پنجاب کا دورہ کر کے دریا کے رستے دہلی پہنچے۔ اور آبی کشتی سے اتر کر کشتی خاکی پر سوار ہوئے۔ سانڈنیوں کی ڈاک بٹھادی اور عین وقت پر اجمیر پہنچ کر عرس میں شامل ہوئے۔ دوسرے ہی دن رخصت ہو کر آگرہ کو پھرے۔ نور کا تڑکا تھا۔ صبح طباشیر بکھیر رہی تھی۔ کہ ٹونڈہ کی منزل میں پہنچے (ملا صاحب لکھتے ہیں) میں بساور سے چل کر استقبال کیلئے پہنچا ہوا تھا۔ حاضر خدمت ہو کر کتاب الاحادیث نذر گزرانی۔ اس میں جہاد کی فضیلت اور تیر اندازی کے ثواب بیان کئے ہیں۔ اور نام بھی تاریخی رکھا ہے۔ کتاب کتب خانہ شاہی میں داخل ہوئی۔ الحمدللہ کہ غیر حاضری اور وعدہ خلافی کا ذکر ہی نہ آیا۔ (۹۷۸ھ سے پہلے کی تصنیف ہوگی) ان کا قلم بھی آزاد کی طرح نچلا نہ رہتا تھا۔ کچھ نہ کچھ کہے جاتے تھے۔ لکھا۔ ڈال رکھا۔ ع

غنیمت جمع کن غارتگرے روزے شود پیدا۔

اب تک حال یہ تھا کہ آقا اپنے ملازم کو ہر وقت محبت کی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ اور قدر دانی اور پرورش کے خیال کر کے خوش ہوتا تھا۔ اور عقیدت مند ملازم ہر بات میں ہوا خواہی، خوش اعتقادی اور جاں نثاری کے خیالات کو وسعت دیکر ہزار طرح کی امیدیں رکھتا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ آ کر رک گئے اور دونوں کے خیالات بدل گئے۔ دربار اور اہل دربار کے حالات تم نے دیکھ لئے۔ عالم بدل گیا تھا۔ اور حریف نئی دنیا کے لوگ تھے۔ اور ملا صاحب کی طبیعت ایسی واقع ہوئی تھی۔ کہ کسی سے میل نہ کھاتی تھی۔ دینداری فقط بہانہ تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ فضل وفیضی ان کے ہم درس وہم سبق جس طرح اعلیٰ مراتب فضل وکمال میں تھے۔ اسی طرح اعلیٰ مراتب جاہ وجلال میں اڑے جاتے تھے۔ اور اکثر اہل علم جو کتابی استعداد میں ملا صاحب کے ہم پلہ بلکہ ان سے کم تھے۔ وہ زمانے کے موافق رفتار کر کے بہت بڑھ گئے تھے۔ اس لئے بھی ان کا جی چھوٹ گیا تھا۔ اور ہمت قاصر ہو گئی تھی۔ حق پوچھو تو یہ اپنی ذات سے اسی کام کے تھے جس میں جوہر شناس بادشاہ نے رکھا اور یہ اسے کرتے رہے اور اسی میں مر گئے۔ اکبر کے حال میں جو جو باتیں میں نے لکھی ہیں اکثر انہی کی کتاب سے لی ہیں۔ اور وہ سب درست ہیں۔ مگر یہ بھی کہتا ہوں کہ ملا صاحب نے انہیں برے اور بدنما موقع پر ترتیب دیکر دکھایا ہے۔ اور مصلحت ملکی کے امورات کو ایسے مقاموں سے سجایا ہے کہ خواہ مخواہ ان سے اکبر اور اکثر علما وامرا خصوصاً فضل وفیضی کے حق میں بے دینی اور بدنیتی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں ضرور ان کے رشک منصبی کو دخل تھا۔ چنانچہ اسی عرصے کے بعد زمانے کی شکایت لکھتے لکھتے کہتے ہیں:۔

Marfat.com

شیخ ابوالفضل سے ملاقات:

مجھے یاد ہے کہ ان معاملات کی ابتدا میں شیخ ابوالفضل سے ایک جلسے میں گفتگو ہوئی۔ فتح پور کے دیوان خاص میں بیٹھے تھے کہنے لگے۔ کہ ہمیں اسلام کے کل مصنفوں سے دو باتوں کا گلہ ہے۔ اول یہ کہ جس طرح پیغمبر ﷺ صاحب کے حالات اور واقعات سال بسال لکھے سا ئی طرح اور پیغمبروں کے حال نہ لکھے۔ میں نے کہا قصص الانبیا تو ہے۔ بولے نہیں وہ تو بہت مجمل ہے۔ تفصیل سے لکھنا چاہیئے تھا۔ میں نے کہا کہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور اہل تاریخ کے نزدیک اتنا ہی ثابت ہوا ہوگا۔ باقی ثبوت کو نہ پہنچا۔ جواب میں کہا کہ یہ جواب نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی ادنیٰ پیشہ ور نہیں جن کا نام تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس وغیرہ میں نہیں لکھا۔ اہل بیت نے کیا گناہ کیا تھا کہ انہیں نہ داخل کیا اور یہ نہایت تعجب کا مقام ہے۔ یہاں بھی جو کچھ وقت نے گنجائش دی کہا گیا۔ مگر کون سنتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ان مشہور مذہبوں میں سے تمہاری رغبت کدھر زیادہ ہے۔ بولے کہ جی چاہتا ہے۔ چند روز لا مذہبی کے صحرا میں سیر کروں۔ میں نے کہا کہ نکاح کی قید اٹھا دو ❶ تو خوب ہو۔

برداشت غل شرع بتائید ایزدی　　از گردن زمانہ علیٰ ذکرہ السلام

ہنسنے لگے۔ چونکہ ان دنوں میں اور مطالب و مقاصد بھی درپیش تھے۔ میں نے گوشہ عزلت میں جان بچائی۔ اور آیت فرار پڑھی کہ نظروں سے گر گیا۔ پہلی آشنائی بیگانگی ہوگئی۔ اور الحمدللہ کہ میں اس حال میں خوش ہوں۔ رباعی

دل در تگ و پو نشد نکو شد کہ نشد　　جز در تو فرو نشد نکو شد کہ نشد
گفتی کہ بر نجم ار نکو شد کارت　　دیدی کہ نکو نشد نکو شد کہ نشد

سمجھ لیا کہ نہ میں رعایت کے قابل نہ یہ خدمت کے قابل اور اس پر سراسر راضی ہوں۔

بیا تا تکلف بہ یکسو نہیم　　نہ از تو قیام و نہ از ما سلام

کبھی کبھی دور پا انداز سے کورنش کر لیتا ہوں اور دیکھ لیتا ہوں ع

کہ صحبت بر نیاید تا موافق نیست مشرب ہا

دیکھیے آگے قسمت میں کیا ہے۔

---

❶ (آزاد۔ ذرا حضرت کی فرمائش کو دیکھو۔ اور ذوق طبع کو خیال کرو۔ کیا ارمان دل میں بھرے ہونگے۔ جو یہ لفظ زبان سے نکلا۔ اور ان کے علو حوصلہ کو دیکھو کہ ان باتوں کو کیا ہنس کر ٹال دیتے ہیں)۔

Marfat.com

دیدم کہ دیدن رخت از دور خوشتر است　　صحبت گزاشتم ز تماشائیاں شدم

ان جزئیات وخصوصیات کی تفصیل اوران معرکوں کی ترتیب سال وار سلک تحریر میں لانی ناممکن ہے۔اس لئے اس طریق پر اکتفا کیا۔اور خدا ہر حال میں اپنے بندہ کا حافظ اور مددگار ہے۔اسی کے بھروسے پر ان معاملات کے لکھنے میں دلیری کی تھی۔ورنہ جو کچھ کیا ہے احتیاط کی منزل سے دور ہے۔اور خدا گواہ ہے وکفے باللہ شہیدا۔کہ اس لکھنے میں درد دین اور ملت مرحومہ اسلام کی دلسوزی کے سوا اور کچھ غرض نہیں ہے۔اور حسد اور تعصب اور عداوت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

۹۸۷ھ میں لکھتے ہیں۔چالیس برس کی عمر میں خدا نے ایک فرزند محی الدین نام عنایت فرمایا۔بساور میں پیدا ہوا۔اللہ علم نافع اور عمل قبول نصیب کرے۔

انہی ایام میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔میں خدمت سے بچ کر الگ ہو گیا تھا۔اور اپنے تئیں نیست ونابود سمجھ لیا تھا۔وطن سے پھر کر آیا۔رمضان کا مہینہ تھا۔اجمیر کے مقام میں قاضی علی نے مجھے بھی پیش کیا۔وہی ہزار بیگھہ مدد معاش کہ وقت عزیز کے برباد کرنے والی ہے۔اس کا نام بھی سنایا۔

بدرگاہ حکام ودرگاہ وبیگہ　　روی تا کنی بیگہ چند حاصل

فرمایا کہ میں جانتا ہوں۔اس کے فرمان میں کچھ شرط بھی لگائی تھی؟ عرض کی۔ہاں۔بشرط خدمت۔پوچھا۔پوچھو کچھ ضعف تھا کہ حاضر نہ ہو سکے۔غازی خاں بدخشی جھٹ بول اٹھے۔ضعف طالع۔ابوالفضل نے بھی زور دیا [1]۔مقربوں میں سے ایک ایک نے امامت سابق کے لئے سفارش کی۔یہاں نماز معزول ہو گئی تھی۔اور امامت بھی تخفیف میں آ گئی۔شہباز خاں بخشی نے عرض کی۔خدمت میں تو یہ ہمیشہ ہی رہتے ہیں۔فرمایا ہم کسی سے زبردستی خدمت نہیں چاہتے۔اگر خدمت نہیں چاہتا تو آدھی زمین رہی۔میں نے فوراً تسلیم کیا (یہ گستاخانہ حرکت) نہایت ناگوار گزری اور منہ پھیر لیا۔قاضی علی نے پھر عرض کی کہ اس کے باب میں کیا حکم ہے۔شیخ عبدالنبی صدر ابھی نکالے نہ گئے تھے۔لشکر ہی میں تھے۔فرمایا ان سے پوچھو۔کہ بغیر خدمت کے کتنی زمین کا استحقاق تھا۔شیخ نے مولانا الہ داد امروہہ کی زبانی کہلا بھیجا کہ عیال دار ہے۔اور سنا جاتا ہے کہ خرچ بھی رکھتا ہے۔حضور اسی طرح فرماتے ہیں تو سات آٹھ سو بیگھہ تو ضرور چاہئے۔مقربان دربار نے یہ عرض بھی مناسب نہ سمجھی اور مجھے حضور خدمت پر مجبور کیا۔ناچار پھر پھنس گیا۔ع

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

[1] آفرین ہے فیضی وابوالفضل کی ہمت ومروت کو کبھی برے وقت میں ان کے لئے کلمہ خیر سے نہ چوکے۔حق یہ ہے کہ جب ایسے تھے۔تب ایسے رتبے کو پہنچے تھے۔

Marfat.com

اور یہ ساری ناراضگی اسی بات پر تھی۔ کہ داغ کی خدمت کے لئے کہا اور بار بار کہا کیوں نہ قبول کرلی اور میں بھی سمجھتا رہا اور یہی کہتا رہا۔

شادم کہ یک سوار ندارم پیادہ ام   فارغ ز قید شاہم واز شاہزادہ ہم

ملا صاحب کا تاریخ گوئی میں انصاف:

یہ بڑی خوبی کی بات ہے۔ کہ ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں۔ لکھتے ہیں۔ مظہر نام ایک لونڈی تھی۔ کہ جس میں ظہور قدرت کا نمونہ تھا۔ میں اس پر عاشق ہو گیا۔ اس کے عشق نے ایسی آزادی اور وارستگی طبیعت میں پیدا کی۔ کہ سال بھر برابر بساور میں پڑا رہا۔ اور عجیب عجیب عالم دل پر گزر گئے۔ ۹۸۹ ھ میں برس دن کی غیر حاضری کے بعد فتح پور میں جا کر ملازمت حاصل کی۔ ان دنوں سفر کابل سے پھر کر آئے تھے۔ شیخ ابوالفضل سے پوچھا اس سفر میں یہ کیونکر رہ گیا تھا۔ عرض کی یہ تو مدد معاشیوں میں ہیں۔ بات ٹل گئی۔ کابل کے پاس بھی صدر جہاں سے کہا تھا۔ کہ جو لوگ اہل سعادت ہیں ساتھ ہیں یا رہ گئے ہیں؟ دونوں کی فہرست پیش کرو۔ خواجہ نظام الدین مرحوم مصنف تاریخ نظامی سے نئی نئی شناسائی ہوئی تھی۔ مگر ایسی ہوئی تھی کہ گویا سینکڑوں برس کی محبت تھی۔ دلسوزی اور الفت طبعی سے (کہ سب پر عام اور مجھ پر خاص تھی) بیمار لکھوا دیا اور سچ لکھوایا تھا۔ کیونکہ خدا کے ساتھ معاملہ آسان ہے۔ بندوں کا ڈر اور اس سے طمع بڑا سخت مرض ہے۔ مدت مفارقت میں خواجہ مذکور نے خط پر خط لکھے۔ کہ دیر بہت ہوئی ہے۔ کم سے کم لاہور، دلی، متھرا جہاں تک ہو سکے استقبال میں کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا کی رسم ہے اور احتیاط شرط ہے۔ اور مجھے اس عالم میں ایک ایک ساعت عمر جاوداں سے بہتر تھی۔ عاقبت اندیشی کجا اور نفع ونقصان کا خیال کجا۔ آخر توکل خدا نے اپنا کام کیا۔

تو با خدائے خود انداز کار و خوش دل باش   کہ رحم اگر نہ کند مدعی خدا بکند

اس عالم میں کبھی خواب میں شعر موزوں ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ رات کو سوتے میں یہ شعر کہا مدتوں پڑھتا رہا اور روتا رہا۔

آئینہ مارو ئے ترا عکس پذیر است   گر تو نہ نمائی گنہ از جانب ما نیست

عزت اور جلال الٰہی کی قسم ہے۔ آج ۱۷ برس ہوئے ہیں۔ اب تک وہ لذت دل سے نہیں جاتی۔ اور جب یاد کرتا ہوں زار زار روتا ہوں۔ کاش جبھی دیوانہ ہو جاتا۔ ننگے سر ننگے پاؤں نکل جاتا۔ اور جنجال سے چھٹ جاتا۔

Marfat.com

خوش آنکہ دید روے تر او سپرد جاں — آگہ نشد کہ ہجر کدام و وصال چیست

ہجرت کے ہزار سال کی تاریخ:

وہ فیض دل کو پہنچا۔ اور وہ کچھ سمجھا کہ عمروں تک لکھوں اور شکر کروں تو عشر عشیر بھی نہ ادا ہو۔

۹۹۰ھ میں حکم دیا کہ ہجرت کے ہزار سال پورے ہو گئے۔ سب جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں۔ اب ایک ایسی تاریخ کی کتاب لکھی جائے جس میں پورا ہزار سال کا حال شاہان اسلام کا درج ہو۔ درحقیقت مطلب یہ تھا کہ اور تاریخوں کی ناسخ ہو۔ اس کا نام تاریخ الفی ہو۔ سنوں میں بجائے ہجرت کے لفظ رحلت لکھیں۔ اول روز وفات سے دس برس دن کا حال ے شخصوں کے سپرد ہوا۔ چنانچہ سال اول نقیب خاں کو دوم شاہ فتح اللہ کو۔ اسی طرح حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی کہ انہی دنوں میں گجرات سے آیا تھا۔ مرزا نظام الدین احمد اور فقیر (فاضل بدایونی) دوسرے ہفتے میں پھر اسی طرح ے آدمی تجویز ہوئے۔ اسی طرح جب ۳۵ برس کا حال مرتب ہوا تو ایک شب میری تحریر میں ساتویں برس کا حال پڑھا جاتا تھا اس میں خلیفہ حقانی شیخ ثانی کے زمانے میں بعض روایتیں تھیں جس میں شیعوں اور سنیوں کا اختلاف ہے۔ نماز کے پانچ وقتوں کے تقرر کا ذکر تھا۔ اور شہر نصیبین کی فتح کے ذکر میں تھا۔ کہ بڑے بڑے مرغوں کے برابر چیونٹے وہاں سے نکلے۔ بادشاہ نے اس مقام پر بیحد مناقشہ اور مواخذہ کیا۔ آصف خاں ثالث یعنی مرزا جعفر نے بہت بدمددی کی۔ البتہ شیخ ابوالفضل اور غازی خاں بدخشی ٹھیک ٹھیک توجیہیں کرتے تھے۔ مجھ سے پوچھا کہ یہ باتیں کیونکر لکھیں؟ میں نے کہا جو کتابوں میں دیکھا تھا سو لکھا ہے۔ اختراع نہیں کیا۔ اس وقت روضۃ الاحباب اور تاریخ کی کتابیں خزانے سے منگا کر نقیب خاں کو دیں کہ تحقیق کرو۔ اس نے جو کچھ تھا وہ کہہ دیا۔ خدا کی عنایت کہ ان بیجا گرفتوں سے مخلصی ہوئی۔ چھتیسویں سال سے ملا احمد ٹھٹوی کو حکم ہوا کہ تم تمام کرو۔ یہ حکم حکیم ابوالفتح کی سفارش سے ہوا۔ ملا احمد متعصب شیعہ تھا۔ جو چاہا سو لکھا۔ اس نے چنگیز خاں کے زمانے تک دو جلدیں تمام کیں۔ ایک رات مخالفت مذہب کے جوش سے مرزا فولاد برلاس اس کے گھر آیا اور کہا کہ حضور نے یاد کیا ہے۔ وہ گھر سے نکل کر ساتھ ہوا۔ رستے میں مار ڈالا۔ اور خود بھی سزا کو پہنچا[1]۔ پھر

---

[1] دل چاہتا تھا کہ جیسے ملا صاحب پاک نویس مورخ ہیں۔ ویسا ہی ان کا آئینہ بھی داغ تعصب سے پاک نظر آئے مگر افسوس انہوں نے ملا احمد مظلوم کے باب میں جو فحش و فضیحت کی نجاست اچھالی ہے لاحول ولا قوۃ۔ قلم تحریر مارے شرم کے سر نہیں اٹھاتا اور مجھے قانون تہذیب اجازت نہیں دیتا کہ دامن ورق کو اس کی نقل سے نجس کروں۔ میں شیعہ بھائیوں کی بدزبانی پر خون جگر کھاتا تھا۔ اس سنی بھائی نے دل جلا کر خاک کر دیا۔

Marfat.com

۹۹۰ھ تک آصف خاں نے لکھا۔۱۰۰۲ھ میں پھر مجھے حکم ہوا کہ اس تاریخ کو سرے سے مقابلہ کرو اور سنوں کے پس و پیش کو درست کرو۔ اول۔ دوم جلد کو درست کیا۔اور جلد سوم کو آصف خاں پر چھوڑا۔ شیخ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں۔کہ اس کا دیباچہ میں نے لکھا ہے۔

مہابھارت کا ترجمہ:

اسی برس کے وقائع میں سے مہابھارت کا ترجمہ ہے۔ یہ ہندوؤں کی بڑی نامی کتابوں میں سے ہے رنگ رنگ کے قصے، نصیحتیں، مصلحتیں، اخلاق، آداب معاش، معرفت، اعتقاد، بیان مذاہب، طریق عبادات اور اس کے ذیل میں کوروں پانڈوں کی لڑائی کہ ہندوستان کے فرمانروا تھے۔ جسے ۴ ہزار برس سے زیادہ ہوئے۔اور بعضے کہتے ہیں کہ ۸ ہزار برس سے زیادہ ہوئے۔ ظاہرا حضرت آدم سے بھی پہلے ہی ہونگے۔ ہند کے لوگ اس کے پڑھنے اور لکھنے کو عبادت عظیم جانتے ہیں۔اور مسلمانوں سے چھپاتے ہیں (اکبر پر چوٹ کر کے کہتے ہیں) اس حکم کا سبب یہ تھا۔کہ انہیں دنوں میں شاہنامہ باتصویر لکھوایا تھا۔اور امیر حمزہ کا قصہ بھی ۱۷ جلدوں میں باتصویر مرتب ہو کر ۱۵ برس کے عرصے میں تیار ہوا تھا۔قصہ ابومسلم اور جامع الحکایات وغیرہ کو بھی مکرر سنا اور لکھوایا۔خیال آیا کہ یہ سب شاعری اور شاعروں کی تراشیں ہیں۔مگر کسی مبارک وقت میں لکھی گئی تھیں۔اور ستارہ موافق تھا۔اس لئے خوب شہرت پائی ہے۔ پس ہندی کتابیں کہ دانایان عابد و مرتاض نے لکھی ہیں۔اور سب صحیح اور قطعاً درست ہیں۔اور ان لوگوں کے دین کا اور ان لوگوں کے دین کا اور عقائد اور عبادت کا مدار اس پر ہے۔ہم انہیں اپنے نام سے فارسی میں کیوں نہ ترجمہ کریں کہ عجیب ہیں اور نئی باتیں ہیں۔اور دین اور دنیا کی سعادت ہے۔اور دولت وحشمت بے زوال کا باعث ہے۔اور کثرت اموال و اولاد کا سبب ہے۔ چنانچہ اس کے خطبے میں یہی لکھا۔غرض اس کام کے لئے خود پابندی اختیار کی اور پنڈتوں کو جمع کیا۔کہ اصل کتابوں کا ترجمہ بتایا کریں۔ چند شب آپ اس کے معنی نقیب خاں کو سمجھاتے رہے۔وہ فارسی میں لکھتا گیا۔تیسری رات فقیر (ملا صاحب) کو بلا کر فرمایا کہ نقیب خاں کے ساتھ شامل ہو کر لکھا کرو۔ تین چار مہینے تک ۱۸ میں سے دو پرب (فن) میں نے لکھے۔اس پر سناتے وقت کیا کیا اعتراض نہ سنے۔حرام خور اور شلغم خورہ کیا تھا؟ وہ یہی اشارے تھے۔گویا میرا حصہ ان کتابوں میں یہ تھا۔سچ ہے قسمت کا لکھا ضرور ہوتا ہے۔پھر تھوڑا ملا شیری اور نقیب خاں نے لکھا۔اور تھوڑا حاجی سلطان تھانیسری نے تنہا تمام کیا۔پھر شیخ فیضی کو حکم ہوا کہ نظم و نثر لکھو۔ وہ بھی دو (پرب) فن سے آگے نہ بڑھے۔ پھر حاجی مذکور نے دوبارہ لکھی۔ اور جو جو

Marfat.com

فروگذاشتیں پہلی دفعہ رہ گئی تھیں انہیں طابق النعل بالنعل درست کیا۔ ۱۰۰ جز کچھ بیچ لکھے ہوئے تھے۔ اور ترجمہ کی مطابقت میں نقطہ مگس کی بھی تاکید تھی کہ رہ نہ جائے۔ آخر حاجی بھی ایک سبب سے بھکر کو نکالا گیا۔ اب اپنے وطن میں ہے۔ اکثر ترجمہ بتانے والے کوروں اور پانڈوں کے پاس پہنچے۔ جو باقی ہیں انہیں خدا نجات دے اور توبہ نصیب کرے۔ اس کا نام رزمنامہ رکھا۔ اور دوبارہ باتصویر لکھوا کر امرا کو حکم ہوا کہ مبارک سمجھ کر نقل کروائیں۔ شیخ ابوالفضل نے دو جز کا خطبہ بھی لکھ کر لگایا۔

ف:۔ بختاور خاں نے مراۃ العالم میں لکھا ہے۔ کہ ملا صاحب کو خدمت مذکور کے صلہ میں ۱۵۰ اشرفی اور دس ہزار تنکہ سیاہ انعام ہوئے۔

رامائن کا ترجمہ:

۹۹۲ھ میں لکھتے ہیں۔ فقیر کو حکم دیا کہ رامائن کا ترجمہ کرو۔ یہ مہابھارت سے بھی پہلے کی کتاب ہے۔ ۲۵ ہزار اشلوک ہیں۔ ہر اشلوک ۶۵ حرف کا ہے۔ ایک افسانہ ہے کہ رام چندر اودھ کا راجہ تھا۔ اس کو رام بھی کہتے ہیں۔ اور قدرت الٰہی کا ظہور سمجھ کر پوجا کرتے ہیں۔ مجمل حال اس کا یہ ہے۔ کہ اس کی رانی سیتا کو ایک دہ سرا دیو عاشق ہو کر لے گیا۔ وہ جزیرہ لنکا کا مالک تھا۔ رامچند راپنے بھائی لچھمن کے ساتھ اس جزیرہ میں پہنچا۔ بیشمار لشکر بندروں اور ریچھوں کا جمع کیا۔ کہ محاسب وہم کو اس کے شمار کی خبر نہیں۔ چار کوس کا پل سمندر کا باندھا۔ بعض بندروں کو تو کہتے ہیں۔ کود پھاند کر اچھل گئے۔ بعضے اپنے پاؤں سے پل اترے۔ ایسی بعید العقل باتیں بہت ہیں۔ کہ عقل نہ ہاں کہتی ہے نہ ناں۔ بہر تقدیر رامچندر بندر سوار پل سے اترا۔ ایک ہفتہ گھمسان کی لڑائی لڑے۔ راون کو بیٹوں پوتوں سمیت مارا۔ ہزار برس کا خاندان برباد کیا۔ اور لنکا اس کے بھائی کو دیکر پھرا۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ کہ رامچند ر ۱۰ ہزار برس تمام ہندوستان کی حکومت کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچا۔ اس فرقہ کا خیال ہے۔ کہ عالم قدیم ہے کوئی زمانہ نوع بشر سے خالی نہیں۔ اور اس واقعہ کو لاکھ در لاکھ برس گزر گئے۔ اور آدم خیر البشر کو (جسے سات ہزار برس ہوئے) مانتے ہی نہیں۔ یہ واقعات یا تو سچ نہیں فقط کہانی ہیں اور خیال محض۔ جیسے شاہنامہ۔ امیر حمزہ کا قصہ۔ یا اس زمانے کا ہوگا کہ جنات اور حیوانات کی سلطنت روئے زمین پر تھی۔ ان دنوں کے واقعات عجیبہ میں سے یہ ہے۔ کہ دیوان خانہ فتح پور میں ایک حلال خور کو لائے۔ اور کہتے تھے کہ عورت تھی مردہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک پنڈت رامائن کے مترجموں میں سے دیکھ آیا۔ کہتا تھا ایک عورت ہے۔ شرم کے مارے گھونگٹ نکالے ہوئے ہے بولتی نہیں۔ حکما اس امر کی تائید میں دلیلیں پیش کرتے تھے۔ کہ ایسے معاملے بہت پیش آئے ہیں۔

Marfat.com

۹۹۳ھ شروع ہوا نوروز کے جاہ وجلال کا عالم کیا لکھا جائے۔ آئین بندی تو آئین میں داخل ہو گئی تھی۔ امرا کے ہاں ضیافتوں میں گئے اور نذرانہ بھی لئے۔ زیادہ یہ ہوا کہ نذریں اور پیشکش سب سے لئے۔ فاضل بداؤنی لکھتے ہیں۔ ذرہ بے مقدار کسی شمار میں نہیں۔ ہاں ہزار بیگھہ زمین کے سبب سے نام کا ہزاری ہے۔ حضرت یوسف والی بڑھیا کی مثل یاد کر کے ۴۰ روپے لے گیا اور قبول کا درجہ پایا۔ ع

خدمت پسند نیست دگر خدمتے بیار

اب فاضل مذکور دربار کی صورت حال سے بہت تنگ تھے۔ موقع وہ تھا کہ عبدالرحیم خان خاناں کی بہار اقبال نوروز منا رہی تھی۔ خود ۹۹۳ھ میں لکھتے ہیں۔ کہ انہیں دنوں میں مرزا نظام الدین احمد نے گجرات سے مجھے لکھا کہ خان خاناں نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت وعدہ کیا ہے۔ کہ ملا الہ داد امروہہ کو اور تم کو حضور سے عرض کر کے لیتا آؤں گا۔ جب خان خاناں پہنچیں تو بموجب آداب مقررہ کے تم جا کر ان سے ملاقات کرو اور حضور سے اجازت لیکر ساتھ چلے آؤ اور اس ولایت کی بھی سیر کرو کہ عجب عالم ہے۔ پھر جیسی صلاح ہو گی کیا جائے گا۔ فتح پور کے دیوان خانہ میں مکتب خانہ ہے۔ یہیں مترجم بیٹھتے ہیں۔ جب خان خاناں یہاں آئے تو میں جا کر ملا۔ مگر وہ جھٹ پٹ رخصت ہو کر پھر گجرات کو روانہ ہو گیا۔ اور جو ارادہ میں نے نجات کا سرمایہ سمجھا تھا۔ وہ اندر ہی اندر رہ گیا۔ اسے بھی مدت گزر گئی۔ سچ ہے۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ جو ہم چاہتے ہیں نہیں ہوتا۔ خدا چاہتا ہے سو ہوتا ہے۔

افسوس اب وہ وقت آیا کہ ان کے دوست آشنا دنیا سے چلنے شروع ہو گئے۔ لکھتے ہیں کہ بادشاہ کابل کو جاتے تھے۔ سیالکوٹ کی منزل میں ملا الہ داد امروہہ نے سینے پر داغ کھایا۔ اس کی حرارت جگر تک پہنچی حکیم حسن کا مسہل ہوا۔ اور دو دن میں واصل حق ہوئے۔ ع

مرگ نوش است شربتے بادا

خوب یار تھا اللہ رحمت کرے۔

اے دل ترا کہ گفت بدنیا قرار گیر — ایں جان نازنین را اندر حصار گیر

بنگر کہ تا تو آمدہ چند کس برفت — آخر یکے ز رفتن شاں اعتبار گیر

۹۹۷ھ میں لکھتے ہیں۔ رامائن کا ترجمہ کر کے رات کے جلسے میں پیش کی۔ خاتمہ اس شعر پر تھا۔

ماقصہ نوشتیم بہ سلطاں کہ رساند — جاں سوختہ کردیم بہ جاناں کہ رساند

بہت پسند آیا پوچھا کے جز ہوئے؟ غرض کی مسودہ ۷۰ جز کے قریب تھا۔ صاف ہو کر ۱۲۰

Marfat.com

ہوئے۔ فرمایا کہ جیسا مصنفوں کا دستور ہے۔ ایک دیباچہ بھی لکھ دو۔ مگر اب طبیعت میں امنگ نہیں رہی اور لکھتا تو بے نعت لکھتا اس لئے ٹال گیا۔ اس نامہ سیاہ سے کہ میرے نامہ عمر کی طرح تباہ ہے خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ کفر کی نقل کفر نہیں۔ صاحب فرمان کے حکم سے لکھی ہے۔ اور بہ کراہت لکھی۔ ڈرتا ہوں کہ اس کا پھل پھٹکار نہ ملے۔ اور توبہ کہ توبہ یاس نہیں۔ درگاہ تواب وہاب میں قبول ہو۔

لکھتے ہیں۔ کہ انہی دنوں میں ایک دن مترجموں کی خدمتوں پر نظر کر کے حکیم ابوالفتح سے فرمایا کہ بالفعل یہ شال پوشاک خاص اسے دیدو۔ گھوڑا اور خرچ بھی عنایت ہوگا۔ اور شاہ فتح اللہ عضد الدولہ سے فرمایا کہ علاقہ بساور در وبست تمہاری جاگیر میں کیا۔ جو جاگیر اس میں سے اماموں کو دی ہوئی ہے۔ وہ بھی تمہیں معاف۔ پھر میرا نام لیکر کہا کہ یہ جوان بداؤنی ہے۔ ہم نے اسکی مدد معاش سوچ سمجھ کر بساور سے بداؤں میں کر دی۔ جب میرا فرمان تیار ہوا تو برس دن کی رخصت لے کر بساور پہنچا۔ وہاں سے بداؤں آیا۔ ارادہ تھا کہ گجرات احمد آباد چل کر مرزا نظام الدین احمد سے ملوں۔ کیونکہ ۹۹۳ھ میں اس نے بلا بھیجا تھا۔ تعلقات میں پھنس کر رہ گیا۔

نیم ملول کہ کارم نکو نشد بد شد　　　شود شود نشود گو مشو چہ خواہد شد

ملا محمد شاہ آبادی:

علاقہ کشمیر میں شاہ آباد ایک قصبہ ہے۔ ملا محمد شاہ آبادی فاضل جامع معقول و منقول تھے۔ انہوں نے حسب الحکم کشمیر کی تاریخ لکھی تھی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔ ۹۹۹ھ میں فرمایش کی کہ اسے خلاصہ اور سلیس فارسی میں لکھو۔ دو مہینے میں تیار کر کے گزرانی اور اخیر میں لکھا۔

درعرض یک دو ماہ بتقریب حکم شاہ　　　ایں نامہ شد چو خط پری پیکراں سیاہ

پسند ہو کر کتب خانہ میں داخل ہوئی۔ سلسلے میں پڑی جاتی تھی۔ آزاد۔ افسوس کہ اصل اور اصلاحی دونوں تاریخیں اب نہیں ملتی، ہاں ابوالفضل نے آئین اکبری میں شاہ محمد کی کتاب کا اشارہ کیا ہے کہ راج ترنگی سے ترجمہ ہوئی تھی۔ اور وہ سنسکرت میں ہے۔

معجم البلدان کا فارسی ترجمہ:

ایک دن حکیم ہمام نے معجم البلدان کہ ۲۰۰ جز کی ضخامت ہوگی۔ بڑی تعریف سے پیش کی اور کہا کہ یہ عربی ہے۔ فارسی میں ترجمہ ہو جائے تو بہت خوب ہے۔ اس میں بہت حکایات عجیب و فوائد غریب ہیں۔ ملا احمد ٹھٹھہ، قاسم بیگ، شیخ منور وغیرہ دس بارہ شخص ایرانی اور ہندی جمع کر کے جز تقسیم کر دیئے مترجموں کے آرام کے لئے فتح پور میں پرانے دیوان خانہ میں کتب خانہ تھا۔ ملا صاحب کے

Marfat.com

حصے میں دس جز آئے۔ایک مہینے میں تیار کر دیئے۔سب سے پہلے گزرانے۔اوراس حسن خدمت کو رخصت کا وسیلہ کیا کہ قبول ہوئی۔

اگرچہ ان کی قابلیت اور کارگزاری ہمیشہ اکبر کی جوہرشناسی کو مرحمت کے رستے پر کھینچ لاتی تھی۔ مگر دونوں کے خیالات کا اختلاف بیچ میں خاک اڑا کر کام خراب کر دیتا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ بڑے تامل سے ۵ ماہ کی اجازت ہوئی۔ رخصت کے وقت خواجہ نظام الدین نے عرض کی کہ انکی ماں مرگئی۔عیال کی تسکین وتسلی کیلئے جانا ضرور ہے۔رخصت دی مگر ناراضگی کے ساتھ۔سلام کے وقت صدر جہاں نے مکرر کہا۔سجدہ بکن ۔وہ مجھ سے ادا نہ ہوا۔فرمایا جانے دو۔ بلکہ رنجیدگی کے سبب سے کچھ دیا بھی نہیں۔

غرض خواجہ نظام الدین شمس آباد اپنی جاگیر پر جاتے تھے۔میں بھی ساتھ تھا۔وطن میں جا کر ایک کتاب لکھی۔کہ نجات الرشید اس کا تاریخی نام ہے۔اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔خواجہ موصوف نے مجھے ایک فہرست گناہان صغیرہ وکبیرہ کی دی اور کہا کہ یہ بہت مجمل ہے۔ یہ تفصیل اور بادلیل نہیں۔تم اسے اس طرح لکھ دو کہ نہ بہت طولانی ہو نہ ایسی مختصر وغیرہ وغیرہ۔میں نے اسکی تعمیل واجب سمجھی وغیرہ وغیرہ۔

مہدوی فرقہ کا حال:

آزاد۔یہ مصنفوں کے معمولی بہانے ہیں۔درحقیقت کتاب مذکور میں ان مسائل کی تفصیل ہے۔جوان دنوں میں علمائے دیندار یا اکبری دربار میں اختلافی شمار ہوتے تھے۔اس میں مہدوی فرقہ کا حال بھی مفصل ہے۔ی ا (شیخ علائی اور فرقہ مہدوی کا حال جو کچھ ہم پہنچا دیکھو تتمہ) اسے اس خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے کہ ناواقف انہیں بھی مہدویت پر مائل سمجھتے ہیں مگر بات یہ ہے۔کہ میر سید محمد جونپوری جنہوں نے اصل میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔ان کے داماد شیخ ابوالفضل گجراتی سے ملا صاحب کو رابطہ اور کمال اعتقاد تھا۔اور بعض ذکر وشغل بھی ان سے حاصل کئے تھے۔علاوہ برآں فرقہ مذکور کے بانی یا مجتہد کمال شدت کے ساتھ مسائل شرعی کے پابند تھے۔اور یہ ایسے لوگوں کے عاشق تھے۔شاید اس لئے انکی باتوں کو ہر جگہ اچھی طرح بیان کیا ہے۔

اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔۹۹۹ھ میں گھر میں بیمار ہو گیا اور بدایوں پہنچا۔اہل وعیال کو بھی وہیں لایا۔معالجہ کرتا رہا۔مرزا پھر لاہور چلے آئے۔میں گھر رہا۔نامہ خرد افزا (سنگھاسن بتیسی) کتاب خانے میں سے کھوئی گئی تھی۔سلیمہ سلطان بیگم نے برابر حضور میں تقاضا کرنا شروع کیا۔اس

Marfat.com

کیلئے مجھے کئی دفعہ یاد کیا۔ ہر چند دوستوں کے قاصد بھی بداؤں پہنچے۔ مگر ایسے ہی سبب ہوئے کہ آنا نہ ہوا۔ حکم دیا کہ مدد معاش بند کردو۔ اور آدمی بھیجو کہ گرفتار کرلائیں۔ مرزائے مذکور کو خدا غریق رحمت کرے۔ غائبانہ یار فروشیاں کیں۔ شیخ ابوالفضل نے مکرر عرض کی کہ کوئی ایسا ہی امر مانع ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ تو رکنے والا نہیں۔

لکھتے ہیں۔ کہ جب برابر حکم پہنچنے شروع ہوئے۔ تو بداؤں سے روانہ ہوا۔ حضور کشمیر کے سفر میں تھے بھنبر کی منزل میں حاضر ہوا۔ حکیم ہمام نے عرض کی کہ کورنش کی آرزو رکھتا ہے۔ فرمایا کہ وعدے سے کتنے دن بعد آیا ہے۔ عرض کی۔ پانچ مہینے۔ پوچھا کس تقریب سے۔ عرض کی بیماری کے سبب سے۔ اکابر بداؤں کا محضر اور حکیم عین الملک کی عرضی بھی اسی مضمون کی دلی سے لایا ہے۔ سب کچھ پڑھ کر سنایا۔ فرمایا۔ بیماری پانچ مہینے نہیں ہوتی، اور کورنش کی اجازت نہ دی۔ شاہزادہ دانیال کا لشکر رہتاس پر پڑا تھا۔ میں شرمندہ، افسردہ، دل مردہ، غمگین وہاں آن پڑا۔ ان دنوں شیخ فیضی دکن کی سفارت پر تھے۔ جب ان کی مصیبت کی خبر سنی تو ایک عریضہ سفارش میں لکھا۔ انشائے فیضی میں درج ہے۔

عالم پناہا در ینولا دو خویش ملا عبدالقادر از بداؤں مضطرب حال گریاں و بریاں رسیدہ وانمودند کہ ملا عبدالقادر چند گاہ بیمار بود واز موعدے کہ بدرگاہ داشتہ متخلف شدہ داورا کسان بادشاہی بہ شدت تمام بردہ اند تا عاقبتش کجا انجامد گفتند کہ امتداد بیماری او بعرض اشرف نرسیدہ۔ شکستہ نواز املا عبدالقادر اہلیت تمام دارد وعلوم رسمی آنچہ ملایان ہندوستان میخوانند خواندہ۔ پیش وقت ابوی کسب فضیلت کردہ وقریب بہ سی وہفت سال مے شود کہ بندہ اورا مے دانم و بافضیلت علمی طبع نظم وسلیقہ انشائے عربی وفارسی وچیزے از نجوم ہندی وحساب۔ یادداشت در ہمہ وادی ووقوف در نغمہ ولایت وہندی۔ وخبرے از شطرنج کبیر وصغیر دارد ومشق بین بقدرے کردہ۔ باوجود بہرہ مند بودن ازیں ہمہ فضائل بہ بے طمعی وقناعت وکم تردد نمودن۔ وراستی ودرستی وادب ونامرادی وشکستگی وگزشتگی وبے تعینی وترک اکثر رسوم تقلید ودرستی اخلاص وعقیدت بدرگاہ بادشاہی موصوف ست وقتے کہ لشکر برسر کوبھلمیر تعین مے شد او التماس نمودہ بامید جاں سپاری رفت وآنجا ترددے کرد وزخمی ہم شد وبعرض رسیدہ انعام یافت۔ اول مرتبہ اور اجلال خاں قورچی بدرگاہ آوردہ بعرض رسانیدہ بود کہ من امامے برائے حضرت پیدا کردہ ام کہ حضرت راخوش خواہد آمد۔ ومیر فتح اللہ اند کے از احوال او بعرض اقدس رسانیدہ بود وخدمت اخوی برحال او مطلع اند۔ اما مشہور است ع

جوئے طالع زخروارے ہنر بہ

Marfat.com

چوں درگاہ استانست۔ دریں وقت کہ بے طاقتی زور آوردہ۔ بندہ خود را حاضر پایہ سریر والا وانستہ احوال او بعرض رسایند۔ اگر دریں وقت بعرض نمیر سانید نوعے از ناراستی و بے حقیقتی بود۔ حق سبحانہ بندہ ہائے درگاہ را در سایہ فلک پایہ حضرت بادشاہ بر راہ راستی وحق گزاری وحقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت را بر کل عالم و عالمیان سایہ گستر وشکستہ پرور وعطا پوش وخطا پوش بہ ہزاران ہزار دولت واقبال وعظمت وجلال دیرگاہ داراد۔ بعزت پاکان درگاہ الٰہی دردشندلان سحر خیز صبح گاہی۔ آمین۔ آمین۔

یہ عریضہ اگرچہ بروقت نہ پہنچ سکا۔ اس وقت ڈاک نہ تھی۔ تار نہ تھا۔ مگر جب لاہور میں آ کر حضور میں پڑھا گیا تو سفارش کا انداز بہت پسند آیا۔ شیخ ابوالفضل کو حکم دیا کہ اکبرنامہ میں نمونے کے طور پر داخل کردو اور فاضل مذکور نے بھی اپنی لیاقت کا سرٹیفکیٹ سمجھا۔ یہی سبب ہے کہ اپنی تاریخ میں بجنسہ نقل کردیا۔

غرض فاضل مذکور شاہزادہ کے لشکر میں آ کر پڑے۔ لکھتے ہیں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ حصن حصین کا ختم اور قصیدہ بردہ کا وظیفہ شروع کیا۔ اللہ بیکسوں اور بے قراروں کی خوب سنتا ہے۔ الحمدللہ دعا قبول ہوئی۔ پانچ مہینے بعد لشکر شاہی کشمیر سے پھرا اور لاہور میں آ کر خدا نے پھر بادشاہ کو مہربان کیا۔

جامع رشیدی کا ترجمہ:

جامع رشیدی تاریخ کی ایک بڑی موٹی کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ مطلوب تھا۔ یاران مشفق وموافق مرزا نظام الدین احمد وغیرہ نے مجلس خلوت میں غائبانہ میرا ذکر کیا۔ بارے ملازمت کا حکم ہوا۔ میں حاضر ہوا۔ ایک اشرفی نذر گزرانی۔ بڑی التفات سے پیش آئے۔ سب ندامت شرمساری بعد دشواری آسانی سے خدا نے رفع کردی۔ الحمدللہ علے ذالک۔ جامع رشیدی کے انتخاب کے لئے حکم ہوا۔ کہ علامی شیخ ابوالفضل کی صلاح سے کرو۔ اس میں شجرہ خلفائے عباسیہ، مصریہ، بنی امیہ کا تھا کہ آں حضرت پر ختم ہوتا ہے۔ اور وہاں سے حضرت آدم تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح تمام انبیائے اولعزم کے شجرے عربی سے فارسی میں لکھ کر حضور میں گزرانے اور خزانہ عامرہ میں داخل ہوئے۔

اسی سنہ میں لکھتے ہیں۔ کہ تاریخ الفی کے تین دفتروں میں سے دو تو ملا احمد رافضی علیہ ما علیہ نے اور تیسرا آصف خاں نے لکھا ہے۔ ملا مصطفیٰ کاتب لاہوری کہ یار اہل ہے اور احدیوں میں ملازم ہے۔ اب مجھے حکم ہوا تھا کہ اسے ساتھ لے کر پہلے دفتر کا مقابلہ اور تصحیح کرو۔ چنانچہ اسے بھی تمام کیا۔

Marfat.com

شرف آفتاب کا جشن تھا۔ یہی نذرانہ گزرانا اور تحسین کا درجہ پایا۔ فرمایا کہ اس نے بہت متعصبانہ لکھا ہے دفتر دوم کو بھی صحیح کرو۔ ایک برس اس میں بھی صرف کیا۔ مگر اپنے تعصب کی تہمت سے ڈر کر سلسلہ سال کو مسلسل کیا۔ مطالب سے معترض نہیں ہوا اور اصل کو ذرا نہیں بدلا کہ ایسا نہ ہو اور جھگڑا اٹھ کھڑا ہو۔ گویا مرض کو طبیعت پر چھوڑ دیا ہے۔ کہ آپ دفع کرے گی۔

لطیفہ:

ایک شخص کو دیکھا کہ گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھا رہا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ گٹھلیاں کیوں نہیں پھینکتے۔ کہا کہ میرے تول میں یوں ہی چڑھی ہیں۔ یہی میرا حال ہے کہ قسمت میں یوں ہی لکھا ہے۔

اسی سال میں خواجہ ابراہیم کا انتقال ہوا۔ یہ میرے دوستان خاص میں سے تھے۔ خواجہ ابراہیم حسین ہی ان کی تاریخ ہوئی۔ اللہ رحمت کرے۔

اسی سال میں خداوند عالم نے توفیق دی۔ کہ ایک قرآن مجید لکھ کر تمام کیا اور لوح جدول وغیرہ درست کر کے پیر و مرشد شیخ داؤد جھنی وال کی قبر پر رکھا۔ امید ہے کہ اور کتابیں جو میرے نامہ اعمال کی طرح سیاہ ہیں۔ یہ ان کا کفارہ اور مونس ایام حیات اور شفیع بعد ممات ہوگا۔ اللہ رحم کرے تو کچھ بڑی بات نہیں۔

۱۰۰۲ھ میں مصیبتوں کے کوڑے اور عبرتوں کے تازیانے ایسے لگے کہ جن لہو ولعب اور گناہوں میں اب تک مبتلا تھا ان سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور خدا نے میری بداعمالی سے مجھے آگاہ کیا۔ ع

اہ گر من چنیں جانم آہ

نیک فالی کے طور پر استقامت اسکی تاریخ کہی۔ ملک الشعرا فیضی نے عربی میں قطعہ لکھا۔ آخر کا شعر یہ ہے۔

لقد تاب شیخ عن الحوبة   وتاریخه. سابق التوبه۔

مرزا نظام الدین خدمات بادشاہی میں:

مرزا نظام الدین خدمات بادشاہی میں قلیج خاں جیسے کہنہ عمل سردار کے ساتھ لاگ ڈانٹ رکھتا تھا۔ بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اور نہایت چستی و چالاکی سے مہمات سلطنت کو سرانجام کرتا تھا۔ حسن کفایت اور تدبیر اور اخلاص اور دیانت و عرقریزی کے سبب سے بادشاہ بہت مرحمت اور اعتماد فرمانے لگے تھے۔ چنانچہ قلیج خاں اور اور امرا کو مزاج میں دخل رکھتے تھے۔ اور درگاہ سے جدا نہ ہو سکتے

Marfat.com

تھے۔ادھر ادھر بھیج دیا۔اور اس کے لئے ابتدائی رعایت خیال کیا تھا۔عنایت گوناگوں کے ارادے تھے چاہتے تھے کہ اس کا جوہر عالی جو قابل نشو ونما ہے۔صحرائے ظہور میں نکالیں۔یکا یک عین ترقی اور اوج کاروبار میں چشم زخم عظیم پہنچی۔کہ اپنے بیگانے کسی کو امید نہ تھی۔تپ محرقہ سے ۴۵ برس کی عمر میں عالم بے وفا سے گزر گیا۔اور نام نیک کے سوا کچھ ساتھ نہ لے گیا۔اس کے حسن اخلاق دیکھ کر بہت سے احباب کو امیدیں تھیں۔خصوصاً مجھ حقیر کو کہ یگانگی دینی اور اخلاص دلی رکھتا تھا۔جو اغراض دنیا سے پاک ہے۔آنکھوں سے اشک حسرت بہائے۔سنگ ناامیدی سینے پر مارا۔انجام کو صبر وشکیبائی کے سوا چارہ نہ دیکھا۔کہ اہل صفا کی خصلت اور پرہیزگاروں کی عبادت ہے اور اس واقعہ کو سخت ترین مصائب جان کر عبرت کلی سمجھا۔اب کسی سے رفاقت ومحبت نہ کروں گا۔گوشہ گمنامی اختیار کیا۔

مجلس وعظ رفتنت ہوس است   مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است

ملا صاحب کی وفات:

دریائے راوی پر پہنچے تھے۔کہ کشتی حیات کنارے لگ گئی۔یہ واقعہ ۲۲ صفر ۱۰۰۳ھ میں ہوا۔جنازہ لشکر سے لاہور لائے۔اور اسی کے باغ میں دفن کیا۔خاص و عام میں کم اشخاص ہونگے۔جو اس کے جنازے پر نہ روئے ہونگے۔اور اس کے اخلاق کریم کو یاد کر کے بے قرار نہ ہوئے ہونگے۔ملا صاحب کی نظم دیکھو۔فرماتے ہیں۔

بر ہیچ آدمی اجل ابقائے کند   سلطان قہر ہیچ محابائے کند
عام است حکیم میر اجل بر جہانیاں   ایں حکم برمن وتو بہ تنہائے کند

یہ قطعہ تاریخ میں ہوا۔

رفت مرزا نظام دیں احمد   سوئے عقبیٰ وچست وزیبا رفت
جوہر اوزبسکہ عالی بود   در جوار ملک تعالیٰ رفت
قادری یافت سال تاریخش   گوہرے بے بہاز دنیا رفت

طبقات اکبری:

انہوں نے بھی ہندوستان کی تاریخ لکھی تھی۔جس میں اکبر کا ۳۸ برس کا حال بہ تفصیل ہے۔اور طبقات اکبری نام ہے۔ملا صاحب نے نظامی ۱۰۰۱ھ سے اس کی تاریخ لکھی اور تاریخ نظامی نام رکھا۔صاف صاف حالات بے مبالغہ وعبارت آرائی لکھے ہیں۔جن سے معاملات ومہمات کی

Marfat.com

اصلیت واضح ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ کسی سے خوش ہیں نہ خفا ہیں۔ جو جسکی بات ہے۔ جوں کی توں درج کر دی ہے۔

اسی سال میں لکھتے ہیں۔ کہ چالیسواں سال جلوس کا شروع ہوا۔ جشن کے موقع پر تحویل سے دو دن پہلے دیوان خاص میں۔ جھروکے پر بیٹھے تھے۔ مجھے بلایا۔ میں اوپر گیا، آگے بلایا اور شیخ ابوالفضل سے کہا۔ ہم تو شیخ عبدالقادر کو جوان فانی۔ صوفی مشرب سمجھے ہوئے تھے۔ وہ تو ایسا فقیہ متعصب نکلا۔ جس کے تعصب کی رگ گردن کو کوئی تلوار کاٹ ہی نہیں سکتی۔ شیخ نے پوچھا۔ حضور کس کتاب میں؟ کیا لکھا؟ کہ حضور ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا اسی رزم نامہ میں (مہابھارت)۔ ہم نے رات کو نقیب خاں کو گواہ کر دیا۔ اس نے کہا تقصیر کی۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ فدوی فقط مترجم تھا۔ جو دانایان ہندی نے بیان کیا بے تفاوت ترجمہ کر دیا۔ اگر اپنی طرف سے لکھا تو تقصیر کی اور بہت برا کیا۔ شیخ نے یہی مطلب عرض کر دیا۔ چپکے ہو رہے۔

اس اعتراض کا سبب یہ تھا۔ کہ میں نے ایک حکایت رزم نامہ میں لکھی تھی۔ مضمون یہ کہ ہندوؤں میں سے ایک پنڈت نزع کے وقت لوگوں سے کہتا تھا۔ آدمی کو چاہئے کہ جہل اور غفلت کی حد سے قدم بڑھا کر سب سے پہلے صانع بیچون کو پہچانے اور عقل کا رستہ چلے اور فقط علم بے عمل پر نہ رہے کہ اس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ نیک طریقہ اختیار کرے اور جتنا ہو سکے گناہوں سے باز رہے۔ یقین جانے کہ ہر کام کی پرسش ہوگی۔ یہیں میں نے یہ مصرع بھی لکھ دیا تھا۔ ع

ہر عمل اجرے وہر کردہ جزائے دارد

اسی کو کہا کہ منکر نکیر، حشر نشر، حساب، میزان وغیرہ سب کو درست لکھ دیا ہے۔ اور آپ جو تناسخ کے سوا کسی چیز کے قائل نہیں۔ اسے اس کی مخالفت قرار دیا۔ اور مجھے تعصب اور فقاہت کے ساتھ مہتم کیا۔

تا کے ملازمت مژہ اشکبار من یکبار ہم نصیحت چشم سیاہ خویش

آخر میں نے مقربان درگاہ کو سمجھایا کہ ہندو جزا، سزا اور اچھے برے کاموں کے قائل ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو لکھنے والا جو عمر بھر اس کے اعمال لکھتا رہا ہے۔ قابض ارواح فرشتہ کے پاس لے جاتا ہے۔ اس کا نام بادشاہ عدل ہے۔ وہ بھلائیوں برائیوں کا مقابلہ کر کے کمی بیشی نکالتا ہے۔ پھر مرنے والے سے پوچھتے ہیں۔ کہ پہلے بہشت میں چل کر آرام کی نعمتیں لوگے یا دوزخ میں چل کر عذاب سہو گے۔ جب دونوں درجے طے ہو چکتے ہیں تو حکم ہوتا ہے۔ کہ پھر دنیا میں جاؤ۔ وہ ایک قالب مناسب حال اختیار کر کے زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اسی طرح دورے کرتا رہتا

Marfat.com

ہے۔ اخیر کو نجات مطلق پاتا ہے۔ اور آواگون سے چھوٹ جاتا ہے۔ غرض یہ معرکہ بھی خیریت سے گزر گیا۔

شرف آفتاب کے دن صدر جہاں سے کہا کہ روضہ منورہ خواجہ اجمیر پر کوئی متولی نہیں ہے۔ فاضل بداؤنی کو کر دیں تو کیسا ہے؟ کہا۔ بہت خوب ہے۔ دو تین مہینے تک دربار کی خدمت میں بہت دوڑتا پھرا۔ کہ ان سرگردانیوں سے چھوٹ جاؤں۔ کئی دفعہ عرضیاں بھی لکھیں۔ جواب ہی پر موقوف رہا۔ میرا دل یہی چاہتا تھا۔ کہ رخصت لوں اور فرشتہ غیب کہتا تھا۔

گردست در کارے زنی زنجیر در دستت زنم درخم مے غرقت کنم گر نام ہشیاری بری

عید کی شب کو صدر جہاں نے عرض کی کہ اس کی رخصت کے باب میں کیا حکم ہے۔ فرمایا یہاں سے بہت کام ہیں۔ کبھی کبھی خدمت نکل آتی ہے۔ کوئی اور آدمی ڈھونڈ لو۔ ارادہ الٰہی اس امر پر نہ آیا خدا جانے اس دربدری اور سگ مگسی میں کیا مصلحت ہے۔

از در خویش مرا بر در غیرے ببری باز گوئی کہ چرا بر در غیرے گزری

سالہا در طلب روے نکو در بدرم روئے بنماؤ خلاصم کن ازیں دربدری

انہیں دنوں میں میرے سامنے ایک دن شیخ ابوالفضل سے کہا۔ کہ اگرچہ فاضل بداؤنی اجمیر کی خدمت بھی خوب کر سکتا ہے۔ مگر ہم ترجمہ کے لئے انہیں اکثر چیزیں دیتے ہیں۔ یہ خوب لکھتا ہے۔ اور ہماری خاطر خواہ لکھتا ہے۔ جدا کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ شیخ نے بھی اور اور امرا نے بھی تصدیق کی۔ اسی دن حکم دیا کہ باقی افسانہ ہندی کہ سلطان زین العابدین بادشاہ کشمیر کے حکم سے تھوڑا سر ترجمہ ہوا ہے اور بہت سا باقی ہے۔ اور بحر الاسماء اس کا نام رکھا ہوا ہے۔ اسے ترجمہ کر کے پورا کردو۔ چنانچہ اخیر جلد کہ ساٹھ جزو ہیں ۵ مہینے میں تمام کردی۔ انہی دنوں میں ایک شب خوابگاہ خاصہ میں پایہ تخت کے پاس بلایا۔ صبح تک مقدمات مختلفہ میں باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا کہ بحر الاسماء کی پہلی جلد جو سلطان زین العابدین نے ترجمہ کرائی تھی اس کی فارسی قدیم غیر متعارف ہے۔ اسے بھی مانوس عبارت میں لکھو۔ اور جو کتابیں تم نے لکھی ہیں۔ ان کے مسودے تم آپ رکھو۔ میں نے زمین بوس کر کے دل و جان سے قبول کیا اور کام شروع کیا (مبارک ہوز میں بوس کی قسم ٹوٹی) بادشاہ نے بہت عنایت کی۔ ۱۰ ہزار تنگہ مرادی دیئے۔ اور گھوڑا انعام فرمایا۔ انشاء اللہ یہ کتاب جلد اور خوبصورتی کے ساتھ دو تین مہینے میں تیار ہو جائے گی۔ اور وطن کی رخصت جس پر جان دے رہا ہوں وہ بھی حاصل کرلوں گا۔ اللہ بڑا قادر ہے اور قبولیت اسے سزاوار ہے۔

افسوس اب وہ زمانہ آیا کہ ان کے رفیقوں کے خیمے ڈیرے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ افسوس کر

Marfat.com

رہے ہیں۔۱۰۰۳ھ کے اخیر میں رو رو کر کہتے ہیں۔ دو دلی دوست اور چلے گئے۔ شیخ یعقوب کشمیری صیرفی تخلص درگاہ سے رخصت لے کر وطن گئے تھے۔ مر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یاران ہمہ رفتند و در کعبہ گرفتند　　ماست قدم بر در خمار بماندیم
از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے　　لا دین و لا دنیا۔ بیکار بماندیم

۲۷ ذوالحجہ کو حکیم عین الملک کہ راجی علی خاں کے پاس ایلچی بن کر گئے تھے۔ وہاں سے رخصت ہو کر ہنڈیہ میں آئے (یہ ان کی جاگیر تھی) یہیں سے سفر آخرت اختیار کیا (ان کی اور جلال خاں قورچی کی وساطت سے ملا صاحب حضور میں پہنچے تھے) سبحان اللہ یار دوست ایک ایک کو دیکھتا ہوں کہ صحبت سے بیزار ہو کر سبکسار منزل آخرت کو دوڑ گئے۔ اور دوڑے جاتے ہیں۔ ہم اسی سیہ دلی اور پریشانی میں انجام کار سے غافل ہو کر بے ہودگی میں عمر برباد کر رہے ہیں۔ قطعہ

اے دل چو آگہی کہ فنا در پے بقاست　　ازیں آرزوئے دور و دراز از پے چراست
با روزگار عہد تو بستی۔ نہ روزگار　　پس ایں نفیر چیست کہ ایام بیوفاست

محرم ۱۰۰۴ھ میں حکیم حسن گیلانی نے بھی قضا کی۔ نہایت درویش نہاد، مہربان، صاحب اخلاص شخص تھا۔ رباعی

بے خار اگر گلے میسر بودے　　ہر دم بہ جہاں لذت دیگر بودے
زیں کہنہ سرائے زندگانی مارا　　خوش بودے۔ اگر نہ مرگ بردر بودے

انہی دنوں میں چند اشخاص اخلاص چہارگانہ کیساتھ مریدوں میں داخل ہوئے۔ ڈاڑھیوں کو بھی صفائی بتائی۔ ان میں کوئی تو ایسے عالم تھے۔ کہ اپنے تیئں فاضل اجل سمجھتے تھے۔ کوئی خرقہ پوش خاندانی مشائخ تھے۔ کہ کہتے تھے ہم حضرت غوث الثقلین کے فرزند ہیں۔ اور ہمارے شیخ طریقت نے فرمایا ہے۔ کہ بادشاہ ہند کو لغزش ہوئی ہے۔ تم جا کر بچاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔ ملا صاحب ان کا خوب خاکم اڑاتے ہیں۔ اور ان کی منڈی ڈاڑھیوں میں خاک ڈال کر کہتے ہیں کہ موتراش چند تاریخ ہوئی۔

شیخ فیضی اور حکیم ہمام کی وفات:

اسی سنہ میں ۱۰ صفر کو شیخ فیضی نے بھی انتقال کیا۔ ان کے مرنے کا حال بہت خرابی کے ساتھ لکھ کر کہتے ہیں۔ کہ چند ہی روز میں حکیم ہمام بھی دنیا سے گئے۔ دوسرے ہی دن کملائے صدر بھی۔ دونوں کے گھروں پر اسی وقت بادشاہی پہرے بیٹھ گئے۔ اور مال خانے مقفل ہو گئے۔ ان کے

Marfat.com

مردے کفن کے چیتھڑے کو محتاج تھے۔ یہاں تاریخ کو ختم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ حال تھے ان بعض اجزا کے جن جزوں سے زمانہ مرکب تھا۔ کہ صفر ۱۰۰۴ھ مطابق سال چہلم جلوس بہ سبیل اجمال مجھ شکستہ دل کے قلم شکستہ رقم سے مرقوم ہوا۔ اور بغیر خلاف کے بے تکلف عبارت کی لڑی میں پرو دیا۔ باوجودیکہ تفصیل کے لحاظ سے دریائے عمّاں میں سے ایک بلبلا ہے۔ اور ابر و باراں سے ایک قطرہ ہے۔ مگر جو کچھ لکھا ہے سمجھ کر اور رقم خلل سے بچا کر لکھا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

مراد ما نصیحت بود گفتیم　　　حوالت با خدا کردیم و رفتیم

چونکہ تاریخ نظامی کے مصنف نے امرائے عہد کے حال بھی لکھے ہیں۔ جن میں سے اکثر نا مرحوم چلے گئے۔ میں نے ان فضولیوں کے ذکر سے زبان قلم کو آلودہ نہیں کیا۔

من وفائے نہ دیدہ ام ز کساں　　　گر تو دیدی دعائے ما برساں

خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں۔ روز جمعہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۰۰۴ھ میں طول کلام کو کوتاہی دیکر اتنے پر بس کرتا ہوں۔ تاریخ عمل تجربہ سے نکالی۔

شکر للہ کہ بہ اتمام رسید　　　منتخب از کرم ربانی

سال تاریخ ز دل جستم گفت　　　انتخابے کہ ندارد ثانی

ملّا صاحب کی وفات:

افسوس یہ ہے۔ کہ اسی سال میں کتاب تمام کی اور اسی سال کے اخیر میں خود تمام ہو گئے۔ ۵۷ برس کی عمر تھی۔ وطن بہت پیارا تھا۔ وہیں مرے وہیں پیوند خاک ہو گئے۔

آخر گل اپنی خاک در میکدہ ہوئی　　　پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ایسے صاحب کمال اور کمال آفریں لوگوں کا مرنا نہایت افسوس کا مقام ہے۔ انہوں نے اپنے معاصروں کا غم کس کس خوبصورتی سے کیا۔ کوئی نہ تھا کہ ان کی خوبی کے لائق ان کا افسوس کرتا۔ ان کے مرنے پر افسوس کرنا کمال کی لاوارثی پر افسوس کرنا ہے۔

خوشگو نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔ کہ باغ انبہ واقع عطاپور نواح بدایوں میں دفن ہوئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت یہ نام اور مقام ہونگے۔ اب شہر سے دور ایک کھیت میں تین چار قبریں۔ ان پر تین چار درخت آم کے ہیں۔ اور یہ ملا کا باغ کہلاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہی میں ملا صاحب کی قبر بھی ہے۔ غالباً خوشگو کے بعد یہ مقام بھی ملا کا باغ بھی کہلایا ہوگا۔ عطاپور اور باغ انبہ کا آج کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ البتہ جس محلے میں ان کے گھر تھے۔ اب بھی لوگوں میں زبان زد ہے۔ اور پتنگی

Marfat.com

بُیدہ کہلاتا ہے۔ سید بازہ میں ہے۔ مگر ٹیلہ یا گھر کا اثر آثار کچھ نہیں۔ وہاں کے لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اولاد کا سلسلہ ایک بیٹی پر ختم ہو گیا تھا۔ اور اس کی نسل خیر آباد علاقہ اودھ میں باقی ہے۔

اکبر کے عہد میں اس کتاب نے رواج نہ پایا۔ ملا صاحب نے بڑی احتیاط سے مخفی رکھی تھی۔ جہانگیر کے زمانے میں چرچا ہوا۔ بادشاہ نے بھی دیکھی۔ حکم دیا کہ اس نے میرے باپ کو بدنام کیا ہے۔ اس کے بیٹے کو قید کرو۔ اور گھر کو لوٹ لو۔ چنانچہ جو وارث تھے گرفتار آئے انہوں نے کہا کہ ہم تو اس وقت خرد سال تھے۔ ہمیں خبر نہیں۔ ان سے مچلکے لئے کہ ہمارے پاس سے نکلے تو جو چاہو سزا دو۔ کتب فروشوں سے مچلکے لئے۔ کہ یہ تاریخ نہ خریدیں نہ بیچیں۔ خافی خاں نے شاہجہاں سے محمد شاہ تک زمانہ دیکھا ہے۔ وہ حال مذکور لکھ کر کہتا ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود اس تشدد کے خاص دارالخلافہ میں کتب فروشوں کی دکانوں پر سب سے زیادہ بداؤنی ہی نظر آتی ہے۔ بادشاہ کی اس خفگی کی شہرت عام ہو گئی تھی۔ سالئے قاسم فرشتہ، شیخ نور الحق دہلوی (ولد شیخ عبدالحق محدث دہلوی) اور مولف تاریخ زید تین مورخ جہانگیری عہد میں تاریخ لکھ رہے تھے۔ کسی نے اس ذکر سے قلم کو آشنا نہیں کیا۔

Marfat.com

شیخ ابوالفضل

۶ محرم ۹۵۸ھ اسلام شاہ کا عہد تھا۔ کہ شیخ مبارک کے گھر میں مبارک سلامت کا چرچا ہوا۔ ادب نے آنکھ دکھائی کہ خاموش! دیکھو! ادب و دانش کا پتلا پردہ شکم سے نکل کر ماں کی گود میں آن لیٹا۔ باپ نے اپنے استاد کے نام پر بیٹے کا نام ابوالفضل رکھا۔ مگر وہ فضل و کمال میں اس سے کئی آسمان اوپر چڑھ گیا۔ اور جاہ و جلال کا تو کیا کہنا ہے۔ شیخ مبارک کا حال بھی پڑھ ہی چکے ہو۔ یاد کرلو کہ کیسی تکلیف اور مصیبت میں پرورش پائی ہوگی۔ طالب علمی کا سارا زمانہ، افلاس کی نحوست، دل کی پریشانی اور دشمنوں کی ایذائیں سہہ کر گزرا۔ مگر وہ لاعلاج صدمے اس کیلئے روز نیا سبق اور تعلیم کی ضمق تھے۔ جب اس طرح صبر اور برداشت کرتے ہیں اور اس سلامت روی سے راستہ چلتے ہیں۔ تب اکبر جیسے شہنشاہ کی وزارت تک پہنچتے ہیں۔ اس نے مبارک باپ کے دامن میں پل کر جوانی کا رنگ نکالا۔ اور اسی کے چراغ سے چراغ جلا کر قندیل عقل کو روشن کیا۔ اس زمانہ میں مخدوم اور صدر وغیرہ علما بادشاہی بلکہ خدائی اختیار رکھتے تھے۔ جوں جوں ان کے جابرانہ احکام اور سینہ زور فتوے جاری ہوتے تھے۔ اس کی تحصیل کا ذوق اور مطالعہ کا عرق ریز شوق زیادہ ہوتا تھا۔ اقبال جوش و خروش کر رہا تھا اور حال استقلال کو کھینچتا تھا۔ کہ حریفوں کی فنا میں کیوں دیر کر رہا ہے۔

ابوالفضل نے اکبر نامہ کا دفتر سوم لکھ کر خاتمہ میں اپنی ابتدائی تعلیم کا حال کچھ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سی باتیں فضول ہونگی۔ لیکن ایسے لوگوں کی ہر بات قابل سننے کے ہے۔ اس واقعہ نویس کے ہاتھوں کو بوسہ دیجئے۔ کہ اس نے جس طرح ہر شخص کے حالات کھلم کھلا لکھے۔ اسی طرح اپنے سفید و سیاہ کو بھی صاف ہی دکھایا۔ انسان آخر انسان ہے۔ اس پر مختلف اوقات میں مختلف حالتیں گزرتی ہیں۔ البتہ نیک طبع لوگ اس سے بھی نیکی کا سبق لیتے ہیں۔ دیو طبع انسان صورت پھسلتے ہیں اور دلدل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

ابتدائی حالات:

برس سوا برس کی عمر میں خدا نے کرم کیا۔ کہ صاف باتیں کرنے لگا۔ پانچ برس کا تھا کہ قدرت نے استعداد کی کھڑکی کھول دی۔ ایسی باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔ جو اوروں کو نصیب نہیں ہوتیں۔ پندرہ برس کی عمر میں پدر بزرگوار کے خزائن عقل کا خزانچی اور جواہر معانی کا پہرہ دار ہو گیا۔ اور خزانہ پر پاؤں جما کر بیٹھ گیا۔

تعلیمی مطالب سے سدا دل مرجھاتا تھا۔ اور زمانہ کی رسموں سے طبیعت کوسوں بھاگتی تھی۔ اکثر تو کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ والد اپنے ڈھب سے عقل و دانش کے منتر پھونکتے تھے۔ ہر فن میں ایک رسالہ لکھ کر یاد کرواتے تھے۔ اگرچہ ہوش بڑھتا تھا۔ مگر مکتب علم کا کوئی مطلب دل کو نہ لگتا تھا۔ کبھی تو ذرا بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اور کبھی شبہے رستہ روکتے تھے۔ اور زبان یاوری نہ کرتی تھی۔ کہیں رکاوٹ ہکلا کر دیتا تھا۔ تقریر کا بھی پہلوان تھا۔ مگر بیان نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں کے سامنے آنسو نکل پڑتے تھے۔ اور اپنے تئیں آپ ملامت کرتا تھا (اسی دفتر میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں) جو اہل علم کہلاتے ہیں۔ انہیں بے انصاف پایا۔ اس لئے تنہائی اور غربت کو جی چاہتا تھا۔ دن کو مدرسہ میں عقل کا نور پھیلاتا۔ رات کو ویرانوں میں جاتا۔ کوچہ نامرادی کے دیوانوں کو ڈھونڈتا اور ان مفلس خزانچیوں سے ہمت کی گدائی کرتا۔

اس عرصہ میں ایک طلب علم سے محبت ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک خیال ادھر لگا رہا۔ چند روز نہ گزرے تھے۔ کہ اسکی ہم زبانی اور ہم نشینی کے لئے دل مدرسہ کی طرف کھنچنے لگا۔ اچاٹ دل اور اکھڑی ہوئی طبیعت ادھر جھک پڑی قدرت کا طلسمات دیکھو کہ مجھ کو اڑا دیا۔ اور کو لے آئے۔ (گویا میں۔ میں نہ رہا بالکل بدل گیا۔ رباعی

در دیر شدم ماحضرے آوردند	یعنی زشراب ساغرے آوردند
کیفیت او مرا از خود بے خود کرد	بردند مرا و دیگرے آوردند

حکمت کی حقیقتوں نے چاندی کھلا دی۔ جو کتاب دیکھی بھی نہ تھی پڑھنے سے زیادہ روشن ہو گئی۔ اگرچہ خاص عطائے الٰہی تھی۔ نعمت نے عرش مقدس سے نزول کیا تھا۔ لیکن پدر بزرگوار نے بڑی مدد کی۔ اور تعلیم کا تار ٹوٹنے نہ دیا تھا۔ کشائش طبع کا بڑا سبب وہی بات ہوئی۔ دس برس تک آپ کہتا رہا۔ اوروں کو سناتا رہا۔ دن رات کی بھی خبر نہ ہوئی۔ معلوم نہ تھا کہ بھوکا ہوں یا پیٹ بھرا ہے۔ خلوت میں ہوں کہ صحبت میں۔ خوشی ہے یا غم ہے۔ نسبت الٰہی اور رابطہ علمی کے سوا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔

Marfat.com

نفسانی دوست حیران ہوتے تھے۔ کیونکہ دو دو تین تین دن غذا نہ پہنچتی تھی۔ وہ عقل کا بھوکا تھا۔ کچھ پروانہ ہوتی تھی۔ ان کا اعتقاد بڑھتا تھا کہ ولی ہو گئے۔ میں جواب دیتا تھا کہ تمہیں عادت کے سبب سے تعجب آتا ہے۔ ورنہ دیکھو کہ بیمار کی طبیعت مرض کے مقابلہ میں ہوتی ہے تو کیونکر کھانے سے بے پرواہوتی ہے۔ اس پر کسی کو تعجب نہیں آتا۔ اسی طرح دل اندر سے کسی کام میں لگ جائے اور سب کچھ بھلادے تو تعجب کیا ہے۔

بہت کتابیں کہتے سنتے حفظ ہو گئیں۔ علوم کے عالی عالی مطالب کہ پرانے ورقوں میں پڑے پڑے گھس پس گئے تھے۔ صفحہ دل پر روشن ہونے لگے۔ ابھی دل لگی نے وہ پردہ بھی نہ کھولا تھا۔ اور بچپن کے پستی سے عقل کی بلندی پر بھی نہ چڑھا تھا۔ اسی وقت سے متقدمین پر اعتراض سوجھتے تھے۔ لڑکپن پر نظر کر کے لوگ مانتے نہ تھے میرا دل جھنجھلاتا تھا۔ تجربہ نہ تھا۔ طبیعت میں جوش آتا مگر پی جاتا تھا۔ ابتدائی طالب علمی میں جو اعتراض کہ میں ملا سعد الدین اور میر سید شریف پر کیا کرتا تھا۔ بعضے دوست لکھتے جاتے تھے۔ یکبارگی مطول پر خواجہ ابوالقاسم کا حاشیہ آیا۔ اس میں وہ اعتراض موجود پائے۔ سب حیران رہ گئے۔ انکار سے باز آئے۔ اور اور نظر سے دیکھنے لگے۔ اب روشندان کا روزن مل گیا اور معرفت کا دروازہ کھلا۔

ابتدا میں جب میں نے پڑھانا شروع کیا۔ تو حاشیہ اصفہانی کا ایک نسخہ ملا۔ کہ آدھے سے زیادہ صفحات دیمک کھا گئی تھی۔ لوگ مایوس۔ کہ نکما ہے۔ میں نے اول گلے سڑے کنارے کتر کر پیوند لگائے۔ صبح نور ظہور کے وقت بیٹھتا۔ عبارت کی ابتدا انتہا دیکھتا، ذرا سوچتا اور ہر جگہ مطلب کھل جاتا۔ اسی کے بموجب مسودہ کر کے عبارت جماتا اور اسے صاف کر دیتا۔ انہیں دنوں میں وہ پوری کتاب بھی مل گئی۔ مقابلہ کیا تو ۳۲ جگہ مترادف لفظوں کا فرق تھا۔ اور تین چار جگہ قریب قریب۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ محبت کی دل لگی جتنی زیادہ ہوتی تھی اتنی ہی روشنی دل کو زیادہ روشن کرتی تھی۔ بیس برس کی عمر میں آزادی کی خوشخبری پہنچی۔ اس سے بھی دل بھر گیا۔ اب پہلا جنون شروع ہوا۔ علوم و فنون آراستگی پر۔ جوانی کی امنگ کا زور شور، دعوؤں کا دامن پھیلا ہوا۔ دانش و بینش کا آئینہ جہاں نما ہاتھ میں تھا۔ نئے جنون کا غل کان میں پہنچنے لگا۔ اور ہر کام سے رکنے کے لئے زور کرنے لگا ان دنوں میں شہنشاہ روشن دل نے مجھے یاد فرما کر چھپا و د کے گوشہ سے گھسیٹا وغیرہ وغیرہ۔

آزاد۔ ابوالفضل نے باپ کے ساتھ دشمنوں کے ہاتھ سے بڑے بڑے صدمے اٹھائے۔ اخیر کا حملہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ اسکی پتہ تفصیل۔ شیخ مبارک کے حال میں لکھی گئی ہے۔ ملا کی دوڑ مسجد۔ شیخ مذکور تو قسمت کے دکھ بھر کر پھر مسجد میں آن بیٹھے۔ اس پیر نورانی کو درباروں سرکاروں کا

Marfat.com

کبھی شوق نہیں ہوا تھا۔ مگر ہونہار جوانوں کو اقبال نہ بیٹھنے نہ دیا۔ ان کے دلوں میں اظہار کمال کا جوش ہوا۔ اور سچ بھی ہے۔ چاند سورج اپنی روشنی کیونکر سمیٹ لیں۔ لعل و یاقوت آب و تاب کو کس طرح پی جائیں۔ چنانچہ ۹۷۴ھ میں شیخ فیضی باریاب حضور ہوئے۔ ۹۸۱ھ ۲۰ برس کی عمر تھی کہ ابوالفضل پر بھی خدا کا فضل ہوا۔ اور دیکھو کہ انہوں نے اس عالم میں اس نعمت کو کس سلیقہ کے ساتھ سنبھالا۔

ابوالفضل دربار اکبری میں آتے ہیں

انتظام سلطنت اور قانون انتظام:

اکبری سلطنت پھیلتی جاتی تھی اور سلطنت انتظام اور قانون انتظام کی محتاج تھی۔ خصوصاً اس سبب سے کہ طالب انتظام قدیمی قانون انتظام کو بدلنا اور وسعت دینا چاہتا تھا۔ اور ملک کو فقط تلوار سے پھیلانا مصلحت نہ دیکھتا تھا۔ بلکہ اہل ملک کے ساتھ مل کر توقیت دینا چاہتا تھا۔ جو قوم اور مذہب اور رسم و رواج کل باتوں میں مخالف تھے۔ اس کے علاوہ ترک جو خود اپنی قوم تھی۔ وہ تنگ خیال، متعصب اور اس کام کے لئے نا قابل تھے اور ان کی بدنیتی جو باپ دادا کے ساتھ دیکھی تھی۔ اس سے اس کا دل بے اختیار اور بیزار تھا۔ دربار پر مذہبی علما اور پرانے خیالوں کے امرا چھائے ہوئے تھے۔ نئی بات تو درکنار۔ کوئی مناسب وقت تبدیلی ہوتی۔ تو ذرا سی بات پر چمک اٹھتے تھے۔ اور اس میں بے اختیاری اور بے عزتی سمجھتے تھے۔ ملک پرور بادشاہ نے اسی واسطے ایک مکان عالیشان بنا کر چار ایوان نام رکھا۔ اور علما اور اہل طریقت اور امرا وغیرہ کے گروہ قرار دیکر رات کو جلسہ مقرر کیا۔ کہ شاید مصلحت وقت اور امر مناسب پر اتفاق رائے پیدا ہو۔ ان لوگوں میں مباحثوں اور مناظروں سے اور آپس کے رشک و حسد سے خود آپس میں جھگڑے پڑنے لگے۔ کسی مسئلہ کا حال ہی نہ کھلتا تھا۔ کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ وہ ہر چند ایک ایک کو ٹٹولتا تھا۔ اور تقریروں اور تجویزوں کی چقماق کو ٹکراتا تھا۔ مگر اصلیت کا پتنگا نہ چمکتا تھا۔ دق ہوتا تھا اور رہجاتا تھا۔ اس عرصہ میں ملا صاحب پہنچے۔ انہوں نے جوانی کے جوش، ناموری اور ترقی کے شوق میں اکثروں کو توڑا۔ اور ایسے آثار دکھلائے جس سے معلوم ہوا کہ نئے دماغوں میں نئے خیال پیدا ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ اس نوجوان کے خیالات کا چرچا بھی پھیل رہا تھا۔ اور جس چشمہ سے ملا صاحب نے سیرابی پائی تھی۔ وہ اسی کی مچھلی تھا۔ بڑا بھائی خود دربار میں موجود تھا۔ اقبال نے اسے دربار کی طرف جذب مقناطیس کے زور سے کھینچا۔ اگر چہ اس میدان میں اس کے موروثی خونخواروں کا ہجوم تھا۔ مگر یہ بھی موت سے کشتیاں لڑتا۔ قسمت کی نحوستوں

Marfat.com

کو ریلتا دھکیلتا، دربار میں جا ہی پہنچا۔ خدا جانے فیضی نے کسی موقع پر عرض کی یا کسی سے کہلوایا۔ غرض چراغ سے چراغ روشن ہوا۔ چنانچہ خود اکبرنامہ میں لکھا ہے۔ اور اپنے ابتدائی خیالات کا نئے رنگ سے نقشہ کھینچا ہے۔

۹۸۱ھ انیسواں سال جلوس تھا۔ کہ اس نگارنامہ کے نقشبند ابوالفضل مبارک نے درگاہ مقدس میں سر جھکا کر رتبہ کو بلند کیا۔ عالم خلوت کے پیٹ سے نکل کر پاس برس میں رسمی تمیز حاصل ہوئی۔ صورت دمعنی کے باپ نے تربیت کی نظر سے دیکھا۔ ۱۵ برس کی عمر میں فنون حکمی اور علوم نقلی سے آگاہ ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے دانش کا دروازہ کھول دیا۔ اور دربار حکمت میں بار ملی۔ مگر بخت کی بے یاری سے خود بینی اور خود آرائی میں تھا۔ چند روز رونق اور بھیڑ بھاڑ پیدا کرنے میں کوشش رہی۔ طالبان دانش کے ہجوم نے غور کا سرمایہ بہت بڑھایا۔ اور اس فرقہ کو بے تمیز اور بے انصاف پایا۔ اس لئے خیال ہوا کہ تنہائی اختیار کیجئے اور غریب الوطن ہو کر رہیئے۔ دانایان ظاہر بیں کا اختلاف اور تقلیدی صورت پرستوں کا رواج تھا۔ میں حیرت کے کوچہ میں حیران کھڑا دیکھتا تھا۔ چپ رہ نہ سکتا تھا۔ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ پدر بزرگوار کی نصیحتیں صحرائے جنون میں نہ جانے دیتی تھیں۔ مگر پریشانی خاطر کا پورا علاج بھی نہ ہوتا تھا۔ کبھی خطہ خطا کے داناؤں کی طرف دل کھینچتا۔ کبھی کوہ لبنان کے مرتاضوں کی طرف جھکتا۔ کبھی تبت کے لامہ لوگوں کے لئے تڑپتا۔ کبھی دل کہتا کہ پادریان پرتگال کی رفاقت کا دم بھروں۔ کبھی یہ کہ موبدان فارس اور ژند و استا کے رموز دانوں میں بیٹھ کر آتش اضطراب کو بجھاؤں۔ کیونکہ سیانوں اور دیوانوں دونوں سے جی بیزار ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

- اس سحر بیان نے کئی جگہ اپنا حال لکھا ہے۔ مگر جہاں ذکر آ گیا ہے۔ نئے ہی رنگ سے طلسمات باندھا ہے۔ آزاد اس سے زیادہ متحیر ہے۔ نہ سب کو لکھ سکتا ہے۔ نہ چھوڑ سکتا ہے۔

شیخ موصوف کی تحریروں کا خلاصہ:

شیخ موصوف کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ نصیبے نے یاوری کی اور حضور بادشاہی میں علم و فضل کا مذکور ہوا۔ ادھر سے طلب ہوئی۔ مگر میرا دل نہ چاہتا تھا۔ برادران گرامی اور دوستان خیر اندیش ہم زبان ہو گئے کہ بادشاہ صورت و معنی کا دربار ہے۔ ضرور ضرور حاضر ہونا چاہئے۔ یہاں دل کا جنون تعلق کی زنجیریں توڑے ڈالتا تھا۔ خدائے مجازی (والد بزرگوار) نے پردہ کھول کر سمجھایا کہ اورنگ نشین اقبال (اکبر) کے کمالات حقیقی کو کوئی نہیں جانتا۔ کہ وہ دین و دنیا کا مجمع البحرین اور صورت و معنی کا مشرق انوار ہے۔ جو عقدے دل میں پڑے ہیں وہیں جا کر کھلیں گے۔ ان کی خوشی کو اپنی

Marfat.com

مرضی پر مقدم سمجھا۔ دنیا کی دولت سے گنجینہ دار معنی کا (میرا) ہاتھ خالی تھا۔ آیت الکرسی کی تفسیر لکھی۔ بادشاہ آگرہ میں آئے ہوئے تھے۔ کورنش کی سعادت حاصل کی۔ اوراق مذکور نے تہیدستی کا عذر ادا کیا۔ وہ حسن قبول سے منظور ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اکسیر ملازمت سے دل کی سوزش کو تسکین ہوگئی۔ اور ذات قدسی کی محبت نے دل کو دبوچ لیا۔ بنگالہ کی مہم درپیش تھی۔ اشغال سلطنت کے سبب سے گمنام گوشہ نشین کے حال پر توجہ نہ ہوئی وہ چلے گئے۔ میں رہ گیا۔

سورہ فتح کی تفسیر:

وہاں سے بھی بھائی کے خطوں میں لکھا آتا تھا۔ کہ بادشاہ تجھے یاد کیا کرتے ہیں۔ میں نے سورہ فتح ا کی تفسیر لکھنی شروع کر دی۔ جب پٹنہ فتح کر کے پھرے اور اجمیر گئے۔ تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی یاد فرمایا۔ اقبال کے نشان فتح پور میں آئے تو والد بزرگوار سے رخصت لے کر گیا۔ بھائی کے پاس اترا دوسرے دن مسجد جامع میں کہ شاہنشاہی عمارت ہے جا کر حاضر ہوا۔ جب بادشاہ آئے۔ تو میں نے دور سے کورنش کر کے نور سمیٹا۔ شہریار جوہر شناس نے خود نظر دوربین سے دیکھ کر بلایا۔ زمانہ اور اہل زمانہ کے حال کچھ کچھ معلوم تھے۔ اور پلہ بھی دور کا تھا۔ جانا کہ شاید کسی ہمنام کو بلایا ہو۔ جب معلوم ہوا کہ میری ہی قسمت نے یاوری کی ہے تو دوڑا۔ اور آستان جلال پر پیشانی رکھ دی۔ اس دین اور دنیا کے مجمع نے کچھ دیر تک مجھ سے باتیں کیں۔ سورہ فتح کی تفسیر میں نے مرتب کر لی تھی۔ نذر گزرانی۔ بزم اقدس کے خواصوں سے میرے وہ وہ حال بیان کئے۔ کہ مجھے بھی معلوم نہ تھے۔ اس پر بھی دو برس تک میری طبیعت اچاٹ تھی۔ اور دل کا جنون تنہائی کی طرف کھینچتا تھا۔ مگر جان کی گردن میں کئی کمندیں پڑ گئیں۔ مرحمت پر مرحمت بڑھتی جاتی تھی۔ ناچیز سے ایک چیز کر دیا۔ اور مدارج تربیت پایہ بپایہ بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس مقصود کی کنجی ہاتھ آ گئی۔

دربار میں عزت وقار:

غرض ابوالفضل حاضر دربار ہوئے تو مزاج شناسی اور ادب خدمت اور اطاعت فرمان اور علم ولیاقت اور ظرافت بامتانت سے اس طرح اکبر کا دل ہاتھ میں لیا۔ کہ ہر وقت روئے سخن انہیں دونوں

---

1 اس پیر کہن سال اور اس کے جوانوں کے انداز دیکھو کہ کوئی نکتہ لطافت اور نزاکت سے خالی نہ تھا پہلی دفعہ جو پائے تخت میں ملازمت ہوئی تو آیت الکرسی کی تفسیر نذر گزرانی تھی۔ اس میں یہ نکتہ رکھا تھا کہ آیت الکرسی حفظ بلیات کیلئے پڑھا کرتے ہیں۔ حضور مہم پر چلے ہیں۔ حفظ الٰہی شامل حال رہے۔ فتح پور میں سورہ فتح کی تفسیر نذر دی۔ اس میں یہ لطیفہ تھا۔ کہ فتح مبارک ہو۔ اور یہ فتوحات شرقی کا دیباچہ ہے۔

Marfat.com

بھائیوں کی طرف ہوتا تھا۔ مخدوم وصدر کے گھر میں ماتم پڑ گئے۔ اور حق بجانب تھا۔ کیونکہ وہ شیخ مبارک کے فضل وکمال کو اگر دبا سکتے تھے تو حکومت دربار کے زور سے۔ اب یہ میدان بھی ہاتھ سے گیا اور چند ہی روز میں اس کے نوجوان لڑکے مقدمات دربار اور مہمات سلطنت میں شامل ہونے لگے۔

ملا صاحب کا انداز بیان بھی ایک لذت رکھتا ہے۔ ذرا دیکھئے اس معاملہ کو کیا مزے سے بیان کرتے ہیں۔ اجمیر سے پھر کر ۹۸۲ھ میں بمقام فتح پور تھے۔ کہ خانقاہ کے پاس بادشاہ نے عبادتخانہ مرتب کیا کہ ۴ ایوان پر مشتمل تھا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ کسی اور تقریب میں لکھی جائے گی۔ انہی دنوں شیخ ابوالفضل شیخ مبارک ناگوری کا سپوت بیٹا جسے علامی لکھتے ہیں۔ اور جس نے جہان میں عقل ودانش کا غلغلہ ڈال دیا ہے۔ اور صباحیوں کے عقیدوں کا چراغ روشن کیا ہے۔ کہ خود صبح روشن میں چراغ جالات تھا۔ اور بموجب قول عرب کے کہ من تخالف تصرف۔ جس نے مخالفت کی اسی کا تصرف ہوگیا اس نے تمام مذہبوں کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ اور اس کام پر کس کر کمر باندھی ہے۔ غرض درگاہ میں آ کر ملازمت بادشاہی کو اپنی طبیعت میں داخل کر لیا۔ تفسیر آیت الکرسی نذر گزرانی اور تفسیر اکبری تاریخ ہوئی۔ اور اس میں بہت سے دقائق اور نکات قرانی درج تھے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ باپ کی تصنیف تھی۔ بادشاہ نے ملایان فرعون صفت کے کان ملنے کے لئے (جس کی مجھ سے مراد ہے) اس کو خاطر خواہ پایا۔

پھر شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں پر جو دھواں دھار مصیبتیں مخدوم اور صدر کے ہاتھوں گزری تھیں ان سے چند سطریں سیاہ کر کے ملا صاحب لکھتے ہیں۔ پھر ان کا دور دورا ہو گیا۔ اور شیخ ابوالفضل نے بادشاہ کی حمایت اور زور خدمت اور زمانہ سازی اور بے دیانتی، اور مزاج شناسی، اور بے انتہا خوشامد سے جس گروہ نے چغلیاں کھائیں۔ اور ناروا کوششیں کی تھیں۔ انہیں بری طرح رسوا کیا۔ ان پرانے گنبدوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ بلکہ تمام بندگان خدا، مشائخ وعلماء، عابد وصلحا، یتیم وضعفا سب کے وظیفے اور مدد معاش کاٹ لینے کا باعث وہی ہوا پہلے زبان حال ومقال سے کہا کرتا تھا۔ رباعی

یارب بجہانیاں دلیلے بفرست فرعون صفت چو پشہ پیلے بفرست
فرعون وشاں دست برآوردستند موسے وعصا ورود نیلے بفرست

جب اس طریقے پر فساد اٹھنے لگے۔ تو اکثر یہ رباعی اس کی زبان پر تھی۔ رباعی

آتش بدودست خویش درخرمن خویش چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من ودست من ودامن خویش

Marfat.com

بحث کے وقت اگر کسی مجتہد کا کلام سند میں پیش کرتے۔تو کہتا کہ فلانے حلوائی، فلانے موچی، فلانے چرم گر کے قول پر ہم سے حجت کرتے ہو۔بات تو یہ ہے۔کہ تمام مشائخ وعلماء کا انکار اسے مبارک ہوا۔آزاد۔یہ رشک ان پر ملا صاحب ہی کو نہیں ہوا۔کہ ہم سبق اور ہم عمر تھے۔بڑے بڑے بڈھے اور صاحب کمال ارکان دربار تڑپتے تھے۔اور رہ جاتے تھے۔

اگر ہم حاکم کی مزاج شناسی کا سبق پڑھنا چاہیں۔تو بھی ایک نکتہ کافی ہے۔کہ ابوالفضل اور ملا صاحب موصوف آگے پیچھے دربار میں پہنچے تھے۔بادشاہ کی نظر کسی پر کم نہ تھی۔ملائے موصوف کو بیستی کا منصب عطا کیا۔اور خرچ کو روپیہ بھی دیا۔کہ گھوڑے پیش کر کے داغ کرادو۔انہوں نے قبول نہ کیا۔ابوالفضل بھی ایک ملائے مسجد نشین کے بیٹے تھے۔اور مسجد سے نکل کر دربار میں پہنچے تھے۔انہوں نے فوراً تعمیل کی۔اور جو خدمت ہوئی بجالائے۔وہ کیا سے کیا ہو گیا۔یہ بیچارے ملا کے ملا ہی رہے۔(ذرا دیکھو ملا صاحب کس مزے سے اس مصیبت کا رونا روتے ہیں)۔

انشا پردازی کا بادشاہ:

ابوالفضل انشا پردازی کا بادشاہ تھا۔اور اکبر نے بھی پرکھ لیا تھا کہ اس کا دماغ بہ نسبت ہاتھوں کے بہت خوب لڑے گا۔بلکہ ہاتھ میں قلم تلوار سے زیادہ کاٹ کرے گا۔اس لئے دار الانشا کی خدمت اسے سپرد کی۔اور مہمات سلطنت کی تاریخ بھی اس کے اہتمام میں تھی۔اس کے علاوہ ہر حکم کو بڑی احتیاط اور عرق ریزی سے سرانجام کرتا تھا۔چنانچہ رفتہ رفتہ بادل کے دل میں بڑا اعتبار اور اعتماد پیدا کیا۔اور ہر طرح کے صلاح ومشورے میں اس کی رائے ضروری ہوگئی۔یہاں تک کہ پیٹ میں درد ہوتا۔تو حکیم بھی انکی صلاح سے مشخص ہوتا تھا۔پھنسی پر مرہم لگتا تھا۔تو ان کی تجویز نسخہ میں شامل ہوتی تھی۔ابوالفضل نے اب ملائی کے کوچہ سے گھوڑا دوڑا کر امرائے منصبداران کے میدان میں جھنڈا گاڑا۔

۹۹۳ھ کے جشن میں لکھتے ہیں۔کہ فلاں فلاں امرائے منصب دار کو اس اس خدمت کے صلہ میں یہ یہ منصب عطا ہوئے۔راقم شگرفنامہ کے لئے کسی خدمت نے سفارش نہ کی۔حضور سے ہزاری منصب عطا ہو گیا۔امید ہے کہ۔عمدہ خدمتیں سعادت کے چہرہ کو روشن کریں۔

۹۹۷ھ میں بادشاہ کے ساتھ لاہور میں تھے۔ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔نہایت رنج ہوا۔قلق کی کیفیت اس سے معلوم کرلو۔کہ بے قرار ہوتے تھے۔اور بار بار یہ شعر پڑھتے تھے۔کہ عرفی نے اپنے موقع پر کہا تھا۔شعر

Marfat.com

خوں کہ از مہر تو شد شیر و بہ طفلی خوردم بازآں خود شد واز دیدہ بروں مے آید

خود لکھتے ہیں۔ آج اقبال نامہ کا مصور (میں) ذرا بے ہوش ہو گیا۔ اور غمہائے گونا گوں میں ڈوب گیا۔ خبر پہنچی کہ بانوے خاندان، خاتون دودمان، عصمت کی ماں مہر اندوز جہان ناپائدار سے عالم علوی کو چلی گئی۔

چوں مادر من بزیر خاک است گر خاک بسر کنم چہ باک است

دانم کہ بدیں شغب فزائی زانجا کہ تو رفتہ نیائی

لیکن چہ کنم کہ نا شکیبم خود را بہ بہانہ مے فریبم

شہریار غمگین نواز نے آکر سایہ عاطفت ڈالا۔ اور زبانِ گوہر بار پر یہ لفظ گزرے۔ اگر سب اہل جہان پائداری کا نقش رکھتے۔ اور ایک کے سوا کوئی راہ نیستی میں نہ جاتا۔ تو بھی اس کے دوستوں کو رضا و تسلیم کے سوا چارہ نہ تھا۔ جب اس کارواں سرا میں کوئی دیر تک ٹھیرے گا۔ تو خیال کرو۔ کہ بے صبری کی ملامت کا کیا اندازہ کر سکیں۔ اس گفتار دلاویز سے دل ہوش میں آ گیا۔ اور جو مناسب وقت تھا۔ اس میں مصروف ہو گیا۔

۹۹۹ھ میں خود لکھتے ہیں۔ آج فرزند عبدالرحمٰن کے گھر میں روشن ستارہ نے روشنی بڑھائی۔ نشاط گونا گوں کا ہنگامہ ہوا۔ گیتی خداوند (اکبر) نے پشوتن نام رکھا۔ امید ہے کہ فرخی وفیروزی بڑھائے۔ اور شائستگی عمر دراز سے پیوند پائے۔

اسی سنہ میں لکھتے ہیں۔ کہ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کے خردسال بیٹے خسرو کی بسم اللہ کا دربار ہوا۔ اول بادشاہ وحدت بخش درگاہ الٰہی میں عجز و انکسار بجالائے۔ اور کہا کہو الف۔ پھر انہیں حکم دیا۔ کہ روز تھوڑی دیر بیٹھ کر پڑھا دیا کرو۔ انہوں نے چند روز کے بعد چھوٹے بھائی شیخ ابوالخیر کے سپرد کر دیا۔

۱۰۰۰ھ میں لکھتے ہیں۔ کہ اقبال نامہ کے نقش طراز کو دو ہزاری منصب عطا ہوا۔ امید ہے کہ خدمت گزاری اپنی زبان سے اس کا شکریہ ادا کرے۔ اور حضور کی جوہر شناسی نزدیک و دور آشکار ہو۔

۱۰۰۵ھ (۱۵۹۵ء) میں فیضی کی تصنیفات کو دیکھا۔ کہ اجزائے پریشان تھے۔ بڑے بھائی کے جگر کے ٹکڑے اس بدحالی میں دیکھے نہ گئے۔ ان کی ترتیب پر متوجہ ہوئے۔ ۱۰۰۶ھ (۹۶۔۱۵۹۷ء) میں ان کی ترتیب سے فارغ ہوا۔ دو برس اس کام میں صرف ہوئے۔ اس عرصہ میں دو ہزار پانصدی کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ چنانچہ آئین اکبری میں جو منصبداری کی فہرست لکھی ہے۔ اس میں اپنا عہدہ بھی لکھا ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید کی تفسیر و ارنقلیں:

ابوالفضل بڑے سرتے اور سیانے تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے۔ کہ اکبر کے سوا تمام دربار میں ایک بھی ان کا دل سے خیر خواہ نہیں ہے۔ مگر ایک چال چوکے اور بہت چوکے۔ شیخ مبارک نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی۔ انہوں نے اسکی نقلیں تیار کیں۔ اور ایران توران اور ملک روم وغیرہ میں بھیجیں۔ حاسد ہر وقت تاک لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ انہوں نے خدا جانے کس پیرایہ میں اس مضمون کو اکبر کے سامنے ظاہر کیا۔ کہ اسے ناگوار گزرا۔ چغل خوروں کی باتیں کس نے سنی ہیں۔ کیا کیا موتی پردئے ہونگے۔ شاید یہ کہا ہو۔ کہ حضور کے سامنے یہ اہل دین کو مقلد کہتا ہے۔ اور تقلید کی قباحتیں۔ اور دینیات کی خرابیاں ظاہر کرتا ہے اور دل سے اعتقاد مفسرانہ رکھتا ہے۔ یا یہ کہا ہو۔ کہ حضور سے کہتا ہے۔ میں آپ کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ بلکہ حضور کو صاحب شریعت اور صاحب ملت اعتقاد کرتا ہے۔ اور باطن میں شاید یہ کہا ہو کہ تفسیر مذکور کے خطبے میں حضور کا نام نہ داخل کیا۔ شاید سلاطین مذکورہ کے دربا میں رستہ نکالنا ہو۔ غرض جو کچھ کہا اس نے بادشاہ کے دل میں برا اثر پیدا کیا۔ ایک تاریخ میں لکھا ہے کہ جہانگیر نے یہ ماجرا باپ کے گوش گزار کیا تھا۔ ابوالفضل بڑے اداشناس تھے۔ اس بات کا بڑا رنج ظاہر کیا۔ جیسے کوئی ماتم زدہ سوگ لے کر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح گھر میں بیٹھ رہے۔ دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ ملنا جلنا ترک کر اپنے بیگانے کی آمد و رفت بند کر دی۔ بادشاہ کو اس حال کی خبر ہوئی۔ اس لئے علو حوصلہ سے کام لیا۔ اور کہلا بھیجا کہ آ کر اپنی خدمتیں سنبھالو۔ اسی اثناء میں بہت پیغام سلام ہوئے۔ آخر خود لکھتے ہیں۔ کہ میں آگاہ دلی کے رستہ پر بیٹھا اور سمجھا۔ کہ بادشاہ دور بین کو کم فہمی کی تہمت کیا لگاتا ہے نافہمی تو تیری ہے۔ ایسی باتیں دشمنوں کی آرزوئیں پوری کرتی ہیں۔ یہ کیا خیال آ گیا کہ الٹا چلنے لگا؟ اور بے وقت داد بیداد کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض پھر جو بادشاہ نے بلایا تو پہلے نقش مٹا کر درگاہ والا میں گئے۔ اور عواطف گوناگوں نے غموں سے سبکدوش کر دیا۔

شہزادے کی بلا اجازت دربار میں حاضری:

۱۰۰۵ھ میں لکھتے ہیں۔ کشمیر کو جاتے ہوئے رجوڑی میں مقام ہوا۔ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) بے اجازت حاضر درگاہ ہوا۔ رستہ میں کچھ بے انتظامی ہوگئی تھی (ایسا اکثر ہوتا تھا) چند روز کورنش سے محروم رکھ کر عتاب کی ادب گاہ میں رکھا (کہ پیچھے ہٹ کر ڈیرہ کرو) اس دادگری کی تحقیق میں انہیں بھی شامل کیا۔ اور شاہزادہ کی اظہار شرمساری سے خطا معاف ہوئی۔

Marfat.com

اکبر کا ارسطو:

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ اکبر کا مصاحب، مشورہ کار، صاحب اعتبار، میر منشی، وقائع نگار، وضع قوانین صاحب دیوان بلکہ اس کی زبان۔ نہیں نہیں۔ اس کی عقل کی کنجی یا یہ کہو کہ سکندر کے سامنے ارسطو تھا۔ اور زبان سے لوگ کچھ ہی کہیں۔ اگر پوچھیں۔ کہ وہ ان رتبوں کی لیاقت رکھتا تھا یا نہیں۔ تو غیب سے آواز آئے گی۔ کہ اس کا رتبہ ان سے بہت بلند تھا۔ اس کے احکام کی طرز بیان۔ اور امرا کے کاروبار پر اصلاحیں اور ان کی جانفشانی میں ہمیشہ کوتاہیاں جتانا بھی غضب تھیں۔ کہنے والے ضرور کہتے ہونگے۔ اور بے خراب بھی سمجھتے ہونگے۔ کہ اکبر کے پاس بیٹھ کر باتوں کے طوطے مینا بناتے تھے۔ عین معرکوں کے نازک وقتوں پر کام کا سرانجام دینا کچھ اور بات ہے۔ اگر خود جنگ کے میدانوں میں ہوتے تو شیخ صاحب کو معلوم ہوتا۔ کہ قدم قدم پر کیا کیا مشکلیں پیش آتی تھیں۔ یہ سب سچ۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جب یہ پہاڑ خود اس کے سر پر آن پڑا۔ تو اسے انتہائے مردانگی اور نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالا دیکھنے والے حیران تھے۔ کہ ایک ملائے مسجد نشین کا بیٹا بادشاہت کے بوجھ اٹھائے چلا جاتا ہے۔ اور کس خوبصورتی سے جاتا ہے۔ میں مختصر طور پر اس کی کاروائی کے چند نمونے دکھاتا ہوں۔

دکن کے معاملات میں خرابی:

- ۱۰۰۶ھ میں اس کی ترقی کے اندازوں نے چال بدلی۔ دکن کے معاملے بہت پیچیدہ ہو گئے۔ اس مہم کو اکبر نے شاہزادہ مراد کے نام پر بامراد کیا تھا۔ اور بہت سے تجربہ کار سپہ سالار اور نامور سردار فوجیں دیکر ساتھ کئے تھے۔ شاہزادہ آخر نوجوان لڑکا تھا۔ ایسے کہنہ عمل سپہ سالاروں کا دبانا اس کا کام نہ تھا ایک کی صلاح پر کام کرتا تھا۔ دو برخلاف ہو کر بجائے مدد کے اس کی محنت کو برباد کرتے تھے۔ سب سے زیادہ مصیبت یہ تھی۔ کہ شاہزادہ کو شراب کی لت پڑ گئی تھی۔ اس نے بالکل بدحال کر دیا تھا۔ اس لئے زیادہ تر کاروبار ابتر ہو گئے تھے۔ جب یہ خبریں متواتر دربار میں پہنچیں۔ تو اکبر بہت متردد ہوا۔ اور سوا اس کے چارہ نہ ہوا کہ ابوالفضل کو جس کی جدائی کسی طرح گوارہ نہ تھی۔ دربار سے جدا کرے۔

اکبر اقبال کا لشکر لئے پانچ برس سے پنجاب میں پھرتا تھا۔ اور لاہور میں چھاؤنی چھائی تھی۔ نتیجے اس کے بھی اچھے حاصل ہو گئے تھے۔ کیونکہ کشمیر فتح ہو گیا۔ یوسف زئی وغیرہ علاقہ سرحد کی مہمیں حسب دل خواہ سرانجام ہو گئیں۔ عبداللہ خان ازبک کے رخنے بند ہوتے رہے۔ اور وہ ملک گیر

Marfat.com

بادشاہ ۱۰۰۵ھ میں ناخلف بیٹے کی بداعمالی سے راہی ملک بقا ہوا۔ اس کے ملک کا انتظام برہم ہو گیا۔ اس وقت اکبر کو ملک موروثی پر قبضہ کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع نہ تھا۔ لیکن برہان الملک کی تباہی مملکت کے سبب سے دکن کا دستر خوان بھی سامنے تیار تھا۔ اور مدت سے امرا اور افواج کی آمد ورفت جاری تھی۔ مراد کی کیفیت احوال سے اسے معلوم ہو گیا۔ کہ دکن کی سپاہ سپہ سالار سے خالی ہوا چاہتی ہے۔ دونوں بیٹوں کو بلایا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ سلیم کو فوج دیکر ترکستان کی مہم پر بھیجے۔ وہ شرابی کبابی لڑکا بدمست ہو رہا تھا۔ دانیال کی خبر لگی۔ کہ وہ الہ آباد سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ اور اس کا ارادہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ناچار خود لاہور سے نکلا کہ اسی کو ساتھ لیتا ہوا احمد نگر کو جائے۔ اور دکن سے فارغ ہو کر توران کی مہم کا بندوبست کرے۔

نیک نیتی اور عقل و تدبیر:

اکبر کو ابوالفضل کی نیک، نیتی اور عقل و تدبیر پر ایسا اعتبار تھا۔ کہ اس کے کہے کو اپنا کہا سمجھتا تھا۔ اور جس معاملہ میں یہ کسی سے اقرار کرتا تھا۔ اسے اکبر اپنی زبان کا اقرار سمجھتا تھا۔ ان باتوں کی تصدیق اس عبارت سے ہوتی ہے۔ جو اس نے شاہزادہ دانیال کو اپنی عرضداشت میں لکھی ہے۔ قبلہ ابوالفضل!

ہشتم مرداد الٰہی حضرت ظل اللٰہی در شب شرف آفتاب در غسلخانہ بزبان مبارک خود فرمودند کہ ابوالفضل من مطالعہ کردہ چنیں یافتہ ام کہ بہ مہم دکن یا توروی یا من۔ والا ہیچ صورت انجام کار صورت پذیر نیست ونخواہد شد۔ ہرگاہ توروی یقین است۔ کہ شاہزادہ از گفتن تو بیروں نخواہد بود۔ تا تو باشی بدیگرے مصلحت نخواہد کرد۔ وسخن ہر کوتاہ حوصلہ کم اندیش بے شعور ہیولا نخواہد گوش کرد۔ مناسب دولت آنست کہ بتاریخ غرہ ماہ پیشخانہ بکشی۔ در ہشتم ماہ راہی شوی۔ بندہ بعرض اقدس رسانید کہ گوسفند بکار قربانی مے آید یا بکار بریانی دیگر چہ چیز است۔ خوب است ہرگاہ کہ قبلہ چنیں میفر مایند مرا دریں چہ عذر است۔

غرض ۱۰۰۷ھ میں شیخ کو سلطان مراد کے لانے کا حکم ہوا۔ اور فرمایا کہ اگر مہم دکن کے امرا اس ملک کے رکھنے کا ذمہ لیں تو شاہزادہ کے ساتھ چلے آؤ۔ ورنہ شہزادہ کو ساتھ کر دو۔ خود وہیں رہو۔ آپس میں اتفاق رکھو۔ اور مرزا شاہرخ کے ماتحت رہنے کی سب کو ہدایت کرو مرزا کو بھی علم ونقارہ دیکر مالوہ کو رخصت کیا کہ اس کی جاگیر تھی۔ وہاں سے سپاہ کا سامان کرے۔ اور جب دکن میں بلائیں جھٹ جا پہنچے۔ شیخ برہان پور کے پاس پہنچے۔ بہادر خاں فرمانروائے خاندیس آسیر کے قلعہ سے اتر کر چار

Marfat.com

کوس لینے آیا۔ کمال آداب سے فرمان وخلعت لے کر سجود عجز بجالایا۔ انہیں ٹھیرانا چاہا مگر یہ نہ رکے۔ اور سوار ہوکر برہان پور جا اترے۔ بہادر خاں وہیں پہنچا۔ انہوں نے بہت سی تلخ نما شیریں اثر باتیں کہہ کر مصلحت کا رشتہ دکھایا۔ کہ فوج کشی میں شامل ہو۔ اس نے آسان سی بات کے لئے مشکل حیلے حوالے پیش کئے۔ البتہ کبیر خاں اپنے بیٹے کو دو ہزار فوج دے کر روانہ کر دیا۔ انہیں گھر لیجانا چاہا کہ ضیافت کرے۔ انہوں نے کہا تم ساتھ چلتے تو ہم بھی چلتے۔ اس نے بہت سے تحائف پیش کئے۔ ابو الفضل کو باتیں بتانی کون سکھائے۔ ایسے طوطے مینا اڑائے کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ آسیر کو چلا گیا۔ اور یہ آگے بڑھ گئے۔ جو ناز و نیاز کا زور اس پر دکھاتے بجا تھا۔ کہ اس کے چچا خداوند خاں سے ان کی بہن بیاہی ہوئی تھی۔ اور راجی علی خان اس کا باپ دربار اکبری میں پورا نیاز و اخلاص رکھتا تھا۔ چنانچہ سہیل خاں دکنی کی مہم میں خان خاناں کی رفاقت میں موجود تھا اور کمال مردانگی کے ساتھ سر میدان مارا گیا۔

خود ابولفضل لکھتے ہیں۔ کہ بہت سے امرا کو میرے لئے اس خدمت کا نامزد ہونا گوارا نہ تھا۔ انہوں نے متفق ہوکر ایسا پیچ مارا کہ انکی دمبازیوں سے پرانے پرانے رفیق مجھ سے الگ ہو گئے۔ ناچار ہوکر نئی سپاہ کا بندوبست کیا۔ نصیبہ مددگار تھا۔ بہت لشکر جمع ہوگیا۔ بدخواہوں نے ملامت کی جالی لگا کر مجھ سے کہا۔ کیا کرتے ہو۔ اس میں خطا ہے۔ میں دست بردار نہ ہوا۔ وہ شورش کی امید میں آنکھیں کھولے ہی رہے۔ کہ میں شاہزادہ کی چھاؤنی سے ۳۰ کوس پر جا پہنچا۔ یہاں قاصدان تیز رفتار مرزا یوسف خاں وغیرہ شاہزادہ کے لشکر سے خطوط لیکر پہنچے۔ کہ عجب بیماری نے گھیر لیا ہے۔ جلد یہاں پہنچو۔ شاید حکما کے ادل بدل سے کچھ فائدہ ہو۔ اور اعلیٰ ادنیٰ تباہی سے بچ جائیں۔ اگر بزرگان درگاہ کی طرف سے دل کملایا ہوا تھا اور ہمراہی بھی روکتے تھے۔ مگر میں سب کو شیطانوں کے وسوسے سمجھا۔ اور پھرتی کو تیز کیا۔ سارا فکر یہی تھا۔ کہ زندگی ولی نعمت کے کام میں کھپا دوں۔ اور زبانی اقبال مندی کو کارگزاری سے دکھادوں۔ دیول گاؤں سے اور تیز ہو گیا۔ شام ہوتے جا پہنچا اور وہ دیکھا کہ کوئی نہ دیکھے۔ کام علاج سے گزر چکا تھا۔ گرداگرد۔ انبوہ در انبوہ آدمی آوارہ، سرداروں کو یہ خیال کہ شہزادہ کو شاہ پور لے کر پھر چلو۔ میں نے کہا اس عالم میں چھوٹے بڑے شکستہ دل ہو رہے ہیں۔ عجب بلوہ ہو رہا ہے۔ غنیم پاس، ملک بیگانہ، پھر چلنا گویا آفت کا شکار ہے۔ گفتگو میں اس گلدستہ (شاہزادے) کی پریشانی زیادہ بڑھ گئی۔ حالت بدحال ہوگی اور شاہزادہ جاں بحق ہوا۔

کچھ لوگ بدنیتی سے کچھ اسباب سنبھالنے میں۔ بعضے بال بچوں کی حفاظت میں الگ ہو گئے۔ مدد الٰہی سے اس شورش میں دل نہ ہارا جو کچھ کرنا چاہئے تھا اس کے سرانجام میں لگ گیا۔ جنازہ کو

Marfat.com

عورات سمیت شاہپور بھیج دیا۔ اور اس مسافر کو وہیں خاک میں امانت رکھا۔ بعض اشخاص پرانی چھاؤنی سے نکل کر فتنہ انگیزی کرنے لگے۔ جتنی فہمائش ہوئی اتنی نخوت زیادہ ہوئی۔ اس عرصہ میں میری سپاہ جو پیچھے رہ گئی تھی آن پہنچی۔ یہ تین ہزار سے زیادہ تھی۔ اب میری بات کی اور بھی چمک ہوئی۔ جو ٹیڑے چلتے تھے اور صلح سے لڑتے تھے۔ وہ ماننے کی بات پر کان دھرنے لگے۔ مگر چھوٹے سے بڑے تک کو یہی خیال تھا کہ پھر چیں۔ منعم خاں کے مرنے کی۔ بنگالہ کے بغاوت کی۔ شہاب الدین احمد خاں کے گجرات سے نکل آنے کی۔ اور اس ملک کے فتنہ وفساد کی باتیں الگ الگ رنگ سے سنائیں۔ میری رجوع خاص درگاہ الٰہی میں تھی۔ اقبال بادشاہی کے نور سے آنکھ روشن تھی۔ اس لئے جو جہان کو پسند تھی مجھے بری لگتی تھی۔ بہت سے بدنیت جدا ہو گئے۔ میں نے کارساز حقیقی کی طرف دل کا رخ کیا اور آگے ہی بڑھنے کا خیال رہا۔ فتح دکن کے لئے نشان بڑھایا۔ اس بڑھنے سے دلوں میں اور ہی زور آ گئے۔ سرحد کے لوگوں کو شکر گزار ہی کر رکھا تھا۔ انہیں اور اس ملک کے اکثر نگاہبانوں کو فہمائش کے خطوط لکھے۔ تنگدستوں کی ہاتھ سے رد کے۔ شاہزادہ کے خزانہ میں سے جو کچھ حضور میں بھیجنے کے قابل نہ تھا اور جو اپنے ساتھ تھا اور جو قرض مل سکا۔ سب نچھاور کیا۔ تھوڑے عرصہ میں جو لوگ چلے گئے تھے۔ پھر آئے اور کاروبار کا ہنگامہ گرم ہو گیا۔ شاہزادے کے کل علاقہ کا انتظام اچھی طرح ہو گیا۔ البتہ ناسک کا رستہ خراب اور عرصہ دور کا۔ خبر دیر میں پہنچی تھی وہ رہ گیا۔ کیونکہ جب شاہزادے کے مرنے کی خبر پہنچی۔ تو وہی کار پرداز ملک کا تھا۔ ناامیدی نے فوج کو تتر بتر کر دیا۔ جو لوگ میں نے بھیجے انہوں نے کم ہمتی کی۔ جو ملک نکل گیا تھا۔ وہ تو نہ آ سکا البتہ اور اکثر مضافات علاقہ میں زیادہ ہو گئے۔ (اکبر کے اقبال نے آ کر اس واقعہ کی پیش گوئی کر دی ہوگی۔ جو اس نے پہلے سے شیخ کو بھیج دیا اگر یہ نہ جا پہنچتا اور شاہزادہ مرجاتا تو تمام فوج تباہ ہو جاتی۔ ملکوں میں رسوائی ہوتی اور ایسی مشکلیں پیش آتیں کہ برسوں میں بھی ملک نہ سنبھلتا) درگاہ والا کے دمسازوں نے میرے عرائض نہ سنائے اور ایسی سرگزشت کو (شاہزادہ کا مرنا) بدخیالی سے چھپایا۔ بادشاہ کو حال معلوم ہو جاتا تو فوج اور خزانہ فوراً روانہ کر دیا۔ میں تو درگاہ الٰہی میں عرض کر رکھا تھا اور گیتی خداوند (اکبر) کی توجہ روز افزوں تھی۔ سپاہ کا سرانجام ایسا ہوا کہ اہل زمانہ کا خیال سنبھال بھی نہ سکے۔ دور و نزدیک کے لوگ حیران رہ گئے۔ خدا کی قدرت امکان کی طاقت سے باہر ہے مجھ ناتوان سے کیا ہو سکتا ہے۔ بیت

نہ من ماندہ ام خیرہ در کار او | کہ گفت آفرینے سزاوار او

تلتم کے قلعہ پر قبضہ:

دربار کے طعن وتعریف کرنے والوں کو خاموشی اور پچھتاوے نے دبوچ یا۔ بداندیش طوفان

Marfat.com

باندھتے تھے کہ بادشاہ نے آپ شیخ کو دربار سے دور پھینکا ہے۔ کارساز حقیقی نے اسی کو میری بلند نامی کا سرمایہ کردیا۔ اور ان کو ندامت خانہ جاوید میں بٹھادیا۔ غرض انتظام مہمات میں مصروف ہوا۔ سندر داس کو فوج دیکر تلتم کے قلعہ پر بھیجا۔ اس نے کار آگہی سے بعض ملک نشینوں کو بلایا۔ انہیں میں سے ایک جاکر قلعدار کو ساتھ لے آیا۔ تھوڑی رگڑ جھگڑ میں قلعہ ہاتھ آ گیا۔

سوئید بیگ اور ادب خانہ:

سوئید بیگ اور میرا بیٹا ادب خانہ زندان میں تھے۔ چند روز بعد اسے بھی مہم دکن پر نامزد کر کے دولت آباد کو بھیجا۔ قلعہ نشینوں نے لکھا۔ کہ اگر عہد و پیمان سے یہ خاطر جمع ہو جائے کہ ہمارے مال و اسباب سے تعرض نہ ہوگا۔ تو کنجیاں دیتے ہیں۔ اس کا سرانجام ہوگیا۔ کچھ حبشی اور دکنی مفسد ادھر کے علاقہ میں تھے۔ عبدالرحمٰن فرزند کو پندرہ سو سوار اپنے اور اتنی ہی بادشاہی فوج ساتھ کر کے انکی سرکوبی کو روانہ کیا۔ جب شاہزادے کے مرنے سے شورش گرم ہوئی تھی۔ میں نے مرزا شاہرخ کو بہت بلایا۔ لوگ ایسے ہنگاموں پر ہزاروں ہوائیاں اڑاتے ہیں۔ چنانچہ وہ خدا جانے کیا کیا خیال کر کے رہ گئے۔ مجھے مرزا سے یہ امید تھی کہ فرمان نہ پہنچا۔ تو بھی وقت پڑے پر بے قرار ہو کر اپنے تئیں پہنچاتے مگر وہ کہنے والوں کے کہنے میں آ گئے۔ جب فرمان عتاب آمیز برابر پہنچے۔ اور آخر بادشاہ نے حسین سزاول کو بھیجا تو کام ناکام روانہ ہوئے۔ خیر اب لشکر فیروزی میں آ کر شامل ہو گئے۔ میں استقبال کر کے ڈیروں میں لے آیا۔ ایسے مردانہ پارسا گوہر کے آنے سے دل کھل گیا۔ شیر خواجہ کہنہ عمل سردار سلطان مراد کی ہمراہی میں ایک فوج کا افسر ہو کر گیا تھا اور سرحد میں پرگنہ بیر کی حفاظت کر رہا تھا۔ برسات کا موسم آیا۔ خبر لگی کہ دکھنیوں نے فوجیں جمع کرنی شروع کی ہیں۔ اور عنبر و فرہاد ۵ ہزار سوار حبشی و دکنی اور ۶۰ مست ہاتھی لیکر آنیوالے ہیں۔ شیر خواجہ کے پاس فقط ۳ ہزار فوج تھی۔ خود پیشقدمی کر کے اور شہر سے کئی کوس آگے بڑھ کے غنیم پر جا پڑا۔ لیکن کمی فوج کے سبب لڑتا بھڑتا ہٹا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ شیر خواجہ زخمی ہوا تھا۔ مگر اس کے شکست دینے کی خبر اڑ گئی اس نے ادھر بھی خط بھیجا ہوا تھا۔ میں نے اور فوج روانہ کر دی تھی۔ جب یہ خبر پہنچی۔ تو مصلحت کی انجمن جمائی۔ کسی کی صلاح نہ تھی۔ مینہ موسلا دھار برس رہا تھا۔ اسی عالم میں میں جریدہ روانہ ہوا۔ لشکر کے کاروبار مرزا شاہرخ کے سپرد کر گیا۔ شیخ عبدالرحمٰن (اپنے بیٹے) کو دولت آباد سے بلایا۔ کہ آپ کنارہ گنگ پر جاؤ اور سپاہ سمیٹو کہیں آپ کہیں بیٹا جا بجا چوکیاں جماتے پھرتے تھے۔ کہ آگے کا کام چلتا رہے اور پیچھے سے خاطر جمع رہے۔ سرداران شاہی میں سے کوئی ہمت والا نظر نہ آتا تھا۔ مرزا یوسف خاں ۲۰ کوس پر

Marfat.com

تھے۔میں جریدہ ادھر روانہ ہوا۔اور رات کو پہنچ کر اسے بھی مدد پر آمادہ کیا۔ادھر ادھر کی فوجوں کو سمیٹ کر ساتھ لیا۔اور لشکر کی حیثیت درست کر کے آگے بڑھا۔گنگ گوداوری چڑھاؤ پر تھا۔قسمت سے دفعتاً اتر گیا۔اور فوج پایاب گزر گئی۔جو غنیم کی فوج دریا کے کنارہ پڑی تھی۔وہ ہراول کی جھپٹ میں اڑ گئی۔دوسرے دن لشکر قلعہ بیر کے گرد سے بھی اٹھ گیا۔درگاہ الٰہی میں شکرانے بجا لایا۔اور شادیانوں کے جلسے کیے دریائے گنگ کے کنارہ چھاؤنی ڈالی اور اس ملک میں رعب بیٹھ گیا۔اکبر نے جب دیکھا کہ امرائے موجودہ سے مہم دکن نہیں سنبھلتی۔تو شاہزادہ دانیال کو فوج دیکر روانہ کیا۔اور خانخاناں کو اتالیق کا منصب دیا۔

(ابوالفضل لکھتے ہیں) اسی دن بڑے شاہزادے (سلیم یعنی جہانگیر) کو صوبہ اجمیر دیکر رانا کی مہم سپرد کی۔شہریار کو اس سے بڑی محبت ہے۔اور ہر دم محبت کا درجہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔مگر وہ بادہ خوار ہمنشیں ہے نیک و بد کی خبر نہیں۔چندروز سلام کی اجازت نہ دی۔بارے مریم مکانی کی سفارش سے کورنش کی دولت پائی۔اور پھر عہد کیا۔کہ رستے سے چلوں گا اور خدمت کروں گا۔بادشاہ آپ مالوہ میں آکر شکار کھیلنے لگے کہ سب طرف زور رہے۔خان خاناں کو دانیال کی رفاقت کیلئے روانہ کیا۔اور حکم دیا کہ جب خان خاناں وہاں پہنچے ابوالفضل روانہ درگاہ ہو۔میں نے بڑی خوشیاں کیں۔اور اسی عرصہ میں قلعہ تبادلہ فتح کیا۔

اکبر کو خبر پہنچی تھی۔کہ بڑا شاہزادہ رستے میں دیر کرتا ہے۔میر عبدالحئی میر عدل کو نصائح سے گرانبار کر کے بھیجا۔میں احمد نگر کو روانہ ہوا۔چاند بی بی برہان الملک کی بہن اب اس کے پوتے (بہادر) کو دادا کا جانشین کر کے مقابلہ کو تیار ہوئی۔کچھ فوج نے اس کی بندگی اختیار کی۔آہنگ خاں بہت سے فتنہ انگیز حبشیوں کیلئے بچہ کو بادشاہ مانتا تھا۔مگر چاند بی بی کی جان کی فکر میں تھا۔وہ بیگم امرائے بادشاہی کو خوشامد کے پیام بھیجتی تھی۔اور دکھنیوں کو بھی دوستی کی داستانیں سناتی تھی۔مجھ سے بھی وہی رستہ شروع کیا۔میں نے جواب دیا کہ اگر پیش بینی اور روشن اختری سے درگاہ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ تو اس سے بہتر کیا ہے۔جو عہد و پیمان ہیں۔میں نے اپنے ذمہ لئے۔ورنہ باتوں سے کیا فائدہ اور آئندہ کو رستہ بند۔اس نے ہوا خواہ سمجھ کر دوستی کے پیوند کو مضبوط کیا۔بچی قسموں کے ساتھ اپنے ہاتھ کا لکھا عہد نامہ بھیجا۔کہ جب تم آہنگ خاں کو زیر کر لو گے۔تو قلعہ کی کنجیاں سپرد کر دوں گی۔مگر اتنا ہے کہ دولت آباد میری جاگیر میں رہے۔اور یہ بھی اجازت ہو کہ چندروز وہاں جا کر رہوں۔جب چاہوں حاضر درگاہ ہوں۔بہادر کو روانہ دربار کر دوں گی۔افسوس میرے ہمراہیوں کے دل نہ دینے سے کام میں دیر ہو گئی۔شاہ گڑھ میں لشکر دیر تک پڑا رہا اور شاہزادے کی آمد آمد بجھ گئی۔

Marfat.com

آبھنگ خاں کی بداندیشی بھڑک اٹھی۔شمشیر الملک کو (کہ حکومت برار اس کے خاندان میں تھی) قید خانہ سے نکال کر فوج لے اور دولت آباد سے ہوتا ہوا برار کو چلا۔کہ وہاں فوج بادشاہی کا مال واسباب اور اہل وعیال ہیں یہ لوگ گھبرائیں گے اور لشکر میں تفرقہ پڑ جائیگا۔ مجھے تو پہلے سے خبر تھی۔مرزا یوسف خاں وغیرہ کو فوج دیکر ادھر بھیج چکا تھا۔مگر یہ بے پروائی کی خواب شیریں میں رہے۔وہ ولایت برار میں داخل ہوا۔اور کھلبلی مچادی۔ بہت پاسبانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔اکثر محبت کے مارے اہل وعیال کی غمخواری کو اٹھ دوڑے میں نے ادھر فوج بھیجی۔ اور خود احمد نگر کو روانہ ہوا۔کہ باہر کے بدگوہروں کی گردن دباؤں۔اور چاند بی بی کی بات کا کھوٹا کھرا دیکھوں۔ایک منزل چلے تھے۔کہ مخالفوں نے سب طرف سے سمٹ کر احمد نگر کا رخ کیا کہ اسے بچائیں۔مگر اقبال کشمیری نے خبر اڑادی کہ شمشیر الملک مر گیا۔یوسف خاں بھی چونک کر دوڑے۔کئی سرداروں کو آگے بڑھادیا۔انہوں نے دم نہ لیا مارا مارا چلے گئے۔رات کو ایک جگہ جالیا۔عجب ہل چل مچی۔اسی حال میں شمشیر الملک مارا گیا۔اور فتح کا شادیانہ بجا۔

آبھنگ خاں کی خوشامد اور عاجزی:

مہم کامیابی کے رستہ پر تھی۔ اور ان کا لشکر دریائے گنگ کے کنارہ منگے پٹن پر تھا۔ جو شاہزادے کے احکام متواتر پہنچے کہ تمہاری عرقریزی نزدیک و دور کے دلوں پر نقش ہوگئی۔ہم چاہتے ہیں۔کہ ہمارے سامنے احمد نگر فتح ہو۔تم ارادہ سے باز رہو۔اب ہمیں راہ نوردی میں دیر نہ ہوگی۔

- یہاں لشکر میں ایک نئی شورش اٹھی۔شاہزادہ جب برہان پور پہنچا تو بہادر خان قلعہ آسیر سے نہ اترا۔ شاہزادے نے چاہا کہ اس بدماغ کی گردن مسل ڈالے۔مرزا یوسف خان احمد نگر کی فوج کشی میں تھا اور آگے بڑھا چاہتا تھا اسے بلالیا۔ یہ دیکھ کر اوروں نے بھی ادھر کا رخ کیا۔ بہتیرے سردار بے اجازت بھی اٹھ چلے۔ غنیم جو دل میں تھرا رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر شیر ہوگیا۔کئی دفعہ شبخون مارا۔ بہادروں نے خوب دل لڑائے۔اور اچھی دھکا پیل کی۔حفاظت الہٰی اور متواتر فتحوں سے غنیم تتر بتر ہو گئے۔اور آبھنگ خاں نے خوشامد اور عاجزی شروع کی۔

چالش گیہاں خدایو بکشایش احمد نگر

اکبر کو دانیال اور بہادر خاں کے معاملہ کی خبریں پہنچیں۔(ابوالفضل نے بھی لکھا ہوگا۔کہ شاہزادہ لڑکپن کرتا ہے۔احمد نگر کا بنتا ہوا کام بگڑ جائیگا۔آسیر کا کام تو جب حضور چاہیں گے بنا بنایا

Marfat.com

موجود ہے) شاہزادے کے نام فرمان جاری ہوا۔ کہ احمد نگر پر چڑھے چلے جاؤ۔ بہادر خاں کا حاضر نہ ہونا سرتابی سے نہیں ہے۔ اس کے معاملہ کو ہم سمجھ لیں گے۔ شاہزادہ روانہ ہوا۔ اور بادشاہ آگے بڑھے۔ بہادر خاں نے کبیر خاں اپنے بیٹے کو چند خواصوں کے ساتھ حضور میں بھیج کر عمدہ پیشکش گزرانی۔ لیکن باوجود آمد و رفت امرا اور متواتر فہمائشوں کے حاضر نہ ہوا۔ ناچار لشکرکشی کا حکم ہوا۔ اور ابوالفضل کو فرمان پہنچا۔ کہ انتظام شاہ مرزا شاہ رخ کے سپرد کر کے برہانپور میں چلے آؤ۔ اگر بہادر خاں نصیحت کو سمجھ کر ہمراہی کرے۔ تو گناہ سابقہ کے عفو کا مژدہ سنا کر ساتھ لے آؤ۔ ورنہ جلد حاضر حضور ہو کر مشورت کرنی ہے۔

یہ برہانپور کے قریب پہنچے تو بہادر خاں آ کر ملا۔ ان کی نصیحتیں سن کر ہمراہی کے رستہ پر آیا۔ مگر گھر جا کر پھر پلٹ گیا۔ اور بے ہودہ سا جواب دیدیا۔ یہ حسب فرمان آگے بڑھے۔ یہاں جشن نوروزی کی دھوم دھام ہو رہی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ پریاں ناچ رہی تھیں۔ نغمہ پرواز جادوگری کر رہے تھے۔ تاروں بھرا آسمان چاندنی رات کی بہار تھی۔ پھولوں بھرا چمن دونوں کے مقابلے ہو رہے تھے۔ مبارک ساعت میں درگاہ پر آ کر پیشانی رکھ دی۔ اکبر کے دل کی محبت اس سے قیاس کرنی چاہئے کہ اس وقت یہ شعر پڑھا ؎

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے   تا باتو حکایت کنم از ہر بابے

شیخ شکریہ میں بڑی دیر تک اسی طرح جھکے رہے۔ خان اعظم شیخ فرید بخشی بیگی اور ان کو حکم ہوا کہ جا گیر آسیر کو گھیر و اور مورچے لگا دو۔ جلد ہی تعمیل ہوگئی۔ شیخ فرید والی فوج اپنی کمی اور غنیم کی زیادتی سے دوربینی کر کے تین کوس پر تھم گئے۔ مگر کچھ بلند نظر (غالباً خان اعظم مراد ہیں) اشخاص نے رنج دیا اور حضور مکدر ہو گئے۔ جب شیخ حضور میں آئے اور حقیقت سنائی تو کدورت رفع ہوگئی۔ ابوالفضل کو اسی دن ۴ ہزار منصب اور صوبہ خاندیس کا انتظام سپرد ہوا۔ انہوں نے جا بجا آدمی بٹھائے۔ ایک طرف بھائی شیخ ابوالبرکات کو بہت سے داناؤں کے ساتھ بھیجا۔ دوسری طرف شیخ عبدالرحمٰن اپنے فرزند کو۔ بندگان آلہی کی ہمت سے تھوڑی فرصت میں سرکشوں کی گردنیں خوب مسلیں۔ اکثروں نے فرمانبرداری کے عیش کمائے۔ سپاہ نے اطاعت کی۔ زمینداروں کی خاطر جمع ہوگئی۔ اور اپنے کھیت سنبھالے۔

بادشاہ کی عنایات و اعتبار:

ابوالفضل نے بادشاہ عنایت و اعتبار اور اپنی لیاقت اور حسن تدبیر سے ایسی رسائی پیدا کی تھی۔

Marfat.com

کہ اسکی تدبیروں وتحریروں کی کمندوں نے علاقہ کے حاکموں کو کھینچ کر دربار میں حاضر کر دیا۔ بھائی اور بیٹا خاندیس کے ملک میں جانفشانی کر رہے تھے۔ بادشاہ نے شیخ کو چار ہزاری منصب سے سربلند کیا۔ صفدر خاں کہ راجی علی خاں کا پوتا اور شیخ کا بھانجا تھا۔ وہ حسب الطلب آگرہ سے حاضر حضور ہوا۔ اور ہزاری منصب عنایت ہوا۔ کہ خاندانی سردار زادہ ہے۔ اس کی فہمائش کی ملک میں اچھی تاثیر ہوگی۔ (ابوالفضل کے انجام کو جہانگیر سے بڑا علاقہ ہے۔ اکبر نامہ کے مطالعہ سے دلوں کے حال جابجا کھلتے ہیں۔ اس مقام پر میں فقط اس واقعہ کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ جو مہم مذکور میں پیش آیا۔ کہ شیخ خود لکھتے ہیں) اس سال کے واقعات سلطنت میں سے بڑے شاہزادے کی ناہنجاری ہے۔ اس نو نہال دولت کو رانائے اودے پور کی گوشمالی کیلئے بھیجا تھا۔ اس نے آرام طلبی اور بادہ خواری اور بد صحبتی کے ساتھ کچھ مدت اجمیر میں گزاری۔ پھر اودے پور کو اٹھ دوڑا۔ ادھر سے رانا نے آ کر ہل چل مچادی اور آباد مقام لوٹ لئے۔ مادھو سنگھ کو فوج دیکر ادھر بھیجا۔ رانا [illegible] پہاڑوں میں گھس گیا۔ اور پھرتی ہوئی فوج پر شبخوں لایا۔ بادشاہی سردار اڑے مگر کیا ہوسکتا تھا ناکام پھرے۔ یہ خدمت شائستگی سے سرانجام ہوتی نظر نہ آئی۔ مصاحبوں کے کہنے میں آ کر پنجاب کا ارادہ کیا کہ وہاں جا کر دل کے ارمان نکالے۔ دفعتاً افغاناں بنگالہ کی شورش کا شور اٹھا۔ راجہ مان سنگھ نے ادھر کا رستہ دکھایا۔ مہم کو نا تمام چھوڑ کر اٹھ دوڑا۔ آگرہ سے چار کوس اوپر چڑھ کر جمنا اترا۔ مریم مکانی کے سلام کو بھی نہ گیا۔ وہ ان حرکتوں سے آزردہ ہوئیں۔ پھر بھی محبت کے مارے آپ پیچھے گئیں۔ کہ شاید سعادت کی راہ پر آجائے ان کے آنے کی خبر سن کر شکارگاہ سے کشتی پر بیٹھا۔ اور جھٹ دریا کے رستے آگے بڑھ گیا۔ وہ مایوس ہو کر چلی آئیں۔ اس نے الہ آباد پہنچ کر لوگوں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ بہار کا خزانہ ۳۰ لاکھ سے سوا تھا وہ لیا اور بادشاہ بن بیٹھا۔ بادشاہ کو محبت بے حد تھی۔ کہنے والوں نے اصل سے بھی زیادہ باتیں بنائیں۔ اور لکھنے والوں نے عرضیاں بھیج کر سمجھائیں۔ باپ کو ایک بات کا یقین نہ آیا۔ فرمان بھیج کر اس سے حال دریافت کیا تو بندگی کا ایک افسانہ طولانی سنا دیا کہ میں بے گناہ ہوں اور آستان بوسی کو حاضر ہوتا ہوں۔

اس عرصہ میں ابوالفضل کی کارگزاریاں جاری تھیں۔ بہادر خاں کو اور اس کے سرداروں کو خطوط لکھتے تھے اور اس کے اثر کہیں کم اور کہیں پورے ظاہر ہوتے تھے۔ ایک موقعے پر اپنے پیارے شہریار کے حال میں لکھتے ہیں۔

لعل باغ میں آ کر آرام لیا۔ اس گلشن کو چمن پیرائی راقم کے سپرد تھی۔ میں دیر تک عجز و نیاز سے شکرانے کرتا رہا۔ سعادتوں کے دروازے کھلے۔ بیت

Marfat.com

ترا گھر میرا منزل گاہ ہوا یسے کہاں طالع　　خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

فتح آسیر

آسیر ایک پہاڑ کے اوپر عمدہ اور مستحکم قلعہ ہے۔ مضبوطی اور بلندی میں بے مثل۔ کمر گاہ کوہ میں شمال کو قلعہ مالی ہے۔ جو اس نادر قلع ہمیں جائے۔ اس میں ہو کر جائے۔ اس قلعہ کے شمال میں چھوٹی مالی ہے اس کی تھوڑی سی تعمیری دیوار ہے۔ باقی پہاڑ کی دھار دیوار ہو گئی ہے۔ جنوب کو اونچا پہاڑ ہے۔ کردہ نام۔ اس کے پاس کی پہاڑی ساپن کہلاتی ہے۔ سرکشوں نے ہر جگہ کو توپوں اور سپاہیوں سے مضبوط کر رکھا تھا۔ کوتہ اندیش جانتے تھے کہ ٹوٹ نہ سکے گا۔ غلہ گراں، منڈیاں دور، قحط سے سب بیدل ہو رہے تھے۔ اور قلعہ والوں کی زر فشانی نے آس پاس کے بہت سے لوگوں کو پھسلا لیا تھا۔

بادشاہی سردار اپنے اپنے مورچوں سے حملے کرتے تھے۔ مگر غنیم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے ایک پہاڑ کی گھاٹی سے ایسا چور رستہ معلوم کیا۔ جہاں سے دفعتاً مالی کی دیوار کے نیچے جا کھڑے ہوں۔ بادشاہ سے عرض کر کے اجازت لی۔ اور جو امرا محاصرہ میں جانفشانی کر رہے تھے۔ سب سے مل کر قرار پایا۔ کہ فلاں وقت میں حملہ کروں گا۔ جب نقارہ اور کرنا کی آواز بلند ہو۔ تم بھی سب نقارہ بجاتے نکل پڑو۔ کام ناکام سب نے مانا۔ مگر اکثروں نے اس بات کو کہانی سمجھا۔

قلعہ مالی پر قبضہ:

ایک رات کہ اندھیری بھی بہت تھی۔ اور مینہ برس رہا تھا۔ آپ خاصگی سپاہ کی ٹولیاں باندھ کر پایہ بپایہ ساپن پہاڑی پر چڑھا تارہا۔ پچھلی رات تھی کہ پہلے فوج نے اسی چور راستہ سے ہو کر مالی کا دروازہ جا توڑا۔ بہت سے دلاور قلعہ میں گھس گئے اور نقارے اور کرنا بجانے شروع کر دیئے۔ میں یہ سنتے ہی خود دوڑا۔ پو پھٹتی تھی کہ سب جا پہنچے۔ دوسری طرف سے دیوار پر طنابیں ڈال رسب سے پہلے آپ قلعہ میں کود پڑا۔ پھر اور بہادر چیونٹیوں کی قطار ہو کر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر میں غنیم کا ورق الٹ گیا۔ اس نے قلعہ آسیر کی راہ لیا۔ اور مالی قبضہ میں آ گیا۔ اس ناکامی کے سبب سے بہادر خاں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ادھر سے خبر آئی کہ دانیال اور خانخاناں نے احمد نگر فتح کیا۔ سب سے زیادہ یہ کہ قلعہ میں بیماری پھیل گئی۔ اور غلوں کے ذخیرے ایسے سڑ گئے کہ انسان تو در کنار حیوان تک منہ نہ ڈالتے

(1) آسا آہیر کا بنایا ہوا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں بڑا صاحب ہمت اور فتح یاب جوانمرد تھا۔ بیشمار خزانے اس کی بنیاد، استواری میں دبا کر دنیا سے اٹھ گیا)

Marfat.com

تھے۔ رعیت اور سردار سب کے جی چھوٹ گئے۔ اور کچھ عرصہ تک قیل وقال ہوتی رہی۔ آخر گھبرا کر قلعہ آسیر بھی حوالہ کر دیا۔

غیرت مردانہ سلطان:

غیرت مردانہ سلطان بہادر گجراتی کے غلاموں میں سے ایک پراتم بڈھا تھا کہ سلطان کی تباہی کے بعد (ہمایوں کے آغاز سلطنت میں) یہاں آن بیٹھا تھا۔ قلعہ کی کنجیاں اسی کے سپرد تھیں۔ اب اندھا ہو گیا تھا۔ جوان جوان بیٹے تھے۔ پاسبانی کے برج ایک ایک کے حوالے تھے۔ اس نے سپردگی قلعہ کی خبر سنتے ہی جان خدا کے سپرد کی۔ اس کے بیٹوں کی ہمت دیکھو کہ سن کر بولے۔ اب اس دولت کو اقبال نے جواب دیا۔ زندگی بے حیائی ہے۔ یہ کہہ کر افیم کھالی۔ ناسک والوں نے پناہ مانگی تھی مگر امرا کی بے پروائیوں سے زور پکڑتے پکڑتے بگڑ گئے۔ اور مقدمہ ایک مہم ہو گیا۔ خان خاناں کو احمد نگر اور انہیں عمدہ خلعت اور خاصے کا گھوڑا۔ اور علم ونقارہ سے سربلند کر کے ادھر روانہ کیا۔

جہانگیر کی بغاوت:

ادھر تو اقبال اکبری ملک گیری اور کشور کشائی میں طلسم کاری کر رہا تھا۔ ادھر خیر اندیشوں کی عرضیاں اور مریم مکانی کا مراسلہ آیا۔ کہ جہانگیر کھلم کھلا باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے سب کام اسی طرح چھوڑے۔ اور امرا کو خدمتیں سپرد کر کے ادھر روانہ ہوا۔

ناسک کی مہم:

ناسک کی مہم شروع ہو گئی تھی۔ جو انہیں فرمان پہنچا۔ کہ احمد نگر کی طرف جا کر خان خاناں کے ساتھ خدمت بجالاؤ۔ یہ حیران رہ گئے۔ کہ یہاں بہت سے دلاوروں کو سمیٹا تھا۔ ناسک کا قلعہ اور سرکشوں کی گردن ٹوٹا چاہتی تھی۔ خدا جانے جو حیلہ پرواز خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں (یعنی خان خاناں کے طرفداروں) نے بادشاہ کی رائے پھیر دی یا اصلیت حال معلوم نہ ہوئی۔ خان خاناں کی طرفداری حد سے گزر گئی۔ کہ مجھے یہاں سے بلا لیا۔ عبدالرحمٰن کو مہم سپرد کر کے تعمیل حکم بجالایا۔ یہاں پہنچے تو خان خاناں انہیں کبھی صلاح ومشورے میں رکھتے تھے۔ کبھی کسی کی سرکوبی کو۔ کبھی کسی کی سرکوبی کو کبھی کسی دکھنی سردار کی فہمائش کو بھیجتے تھے۔ یہ دل میں تنگ تھے۔ مگر ان کی طبیعت میں یہ بات داخل تھی کہ احکام بادشاہی کو اس طرح بجالاتے تھے۔ گویا ان کی اصل رائے یہی ہے۔ ان کا دل تحمل کا پہاڑ تھا۔ اور حوصلہ دریائے ذخار۔ یہاں بھی حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھ کر وقت کے منتظر تھے۔

Marfat.com

آزاد۔ زال دنیا عجیب چیز اور عجیب طرح کی علامہ دہر ہے۔ مرد دیندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے۔ دیکھو جن دو دوستوں کے مراسلے۔ عاشق و معشوق کے قبالے نظر آتے تھے۔ جب اس بڑھیا پر دونوں کا معاملہ آن پڑا تو ایسے بگڑے کہ سب بھول گئے۔

یہ بھی اور ان کا بیٹا بھی باوجود بلانے کے اکبری دولت میں ترکتازتر کانہ وحیلہ ہائے مردانہ سے وہ کام کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کی عقل حیران تھی۔

اکبرنامہ کے ۳۶ جلوس کے آخر میں ایک مقام کی عبارت اہل نظر کو آگاہ کرتی ہے۔ کہ وہ با لیاقت کارآگاہ کسی خدمت میں ہو۔ مگر اس کا رعب داب کس مقدار پر تھا۔

مجھ راقم شگرفنامہ کو ناسک پر بھیجا رستہ میں شاہزادہ کی ملازمت حاصل کی۔ انہوں نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ ہمارے حضور میں آ جاؤ۔ میں نے بھی قبول کیا۔ وہی راجو کی مہم تھی۔ جس کا وبال میرے سر پر رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ حضور کے فرمانے سے انکار نہیں کرتا۔ لیکن آپ کام پر توجہ نہیں فرماتے۔ ایسا امر عظیم چند لالچی تنگ چشموں پر چھوڑ دیا ہے۔ بے پروائی اور ناتواں بنی کے ہنگامہ میں کیونکر کام ہو سکے؟ بارے کچھ سمجھے۔ کارسازی کا آپ ذمہ لیا اور گھوڑا اور خلعت دیکر ادھر روانہ کیا۔ پہلی منزل میں اپنے قدم مبارک سے اعزاز بڑھایا (یعنی میرے خیمہ میں آئے) خاص کمر کا، جمدھر اور نامور ہاتھی بھی عنایت فرمایا۔

معتمد خاں نے اقبال نامہ میں لکھا ہے کہ ۔۱۰۰۹ھ۔ ۱۶۱۰ء میں ۲۰ ہاتھی معہ ہتھنال اور ۱۰ عمدہ گھوڑے انعام ہوئے۔ ۱۰۱۰ھ میں ایک خاصہ کا گھوڑا۔ اس کے ساتھ ایک گھوڑا عبدالرحمٰن کو عنایت کیا۔ اور ۴۰ گھوڑے پھر بھیجے۔ ایک شیخ ابوالخیر کو عنایت فرمایا کہ شیخ کو بھیج دو۔ اسی سنہ میں ۵۰ ہزار روپیہ شیخ کو انعام ملا۔ اور ایسے ایسے انعاموں کی انتہا نہ تھی۔ ہمیشہ ہی ملتے رہتے تھے۔ اسی سال میں شیخ کو پنج ہزاری منصب مرحمت ہوا غرض تخمیناً تین برس دکن میں اس طرح بسر ہوئے۔ کہ ایک ہاتھ میں شمشیر و علم تھا۔ اور ایک ہاتھ میں کاغذ و قلم تھا۔ رمضان ۱۰۱۰ھ میں وہیں اکبرنامہ کی جلد سوم تمام کی ہوگی۔ اور اس کا خاتمہ تصنیفات کا خاتمہ تھا۔

اس ارسطو نے یہ بات اپنے سکندر کے دل پر نقش کر دی تھی۔ کہ فدوی حضور کی ذات قدسی سے غرض رکھتا ہے اور یہ امر واقعی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا اور سچ کہتا تھا۔ کہ آپ کی خیر طلبی اور ہوا خواہی اور جاں نثاری میرا دین و آئین ہے۔ جس کی بات ہوگی بے رو رعایت عرض کر دونگا۔ امرا بلکہ شاہزادوں تک سے بھی غرض نہیں اور چونکہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ اس لئے اکبر کے دل پر یہ نقش پورا بیٹھا تھا۔ شاہزادے خصوصاً سلیم اسے اپنا چغل خور سمجھ کر ناراض رہتے تھے۔ اکبر نے مہم دکن سے پھر کر سلیم

Marfat.com

(جہانگیر) کے ساتھ ظاہری صورتحال کو درست کر لیا تھا۔ ۱۰۱۰ھ۔۱۶۰۲ء میں سلیم نے پھر سلامت روی کا رستہ چھوڑا اور ایسا بگڑا کہ اکبر گھبرایا یہ بھی خیال تھا کہ ہونہار شاہزادہ کو ولی عہد سلطنت خیال کر کے امرا ضرور سازش رکھتے ہونگے۔ مان سنگھ کی بہن اس سے بیاہی ہوئی تھی جس کے شکم سے خسرو شاہزادہ پیدا ہوا تھا۔ خان اعظم کی بیٹی خسرو سے بیاہی ہوئی تھی۔ غرض بادشاہ نے ابوالفضل کو لکھا کہ مہم کے کاروبار عبدالرحمٰن فرزند کے سپرد کرو۔ اور آپ جریدہ ادھر روانہ ہوا۔ ابوالفضل نے اس کے جواب میں نہایت اطمینان اور تشفی کے مضامین سے عرضی بھیجی اور لکھا کہ فضل الٰہی اور اقبال اکبرشاہی کارسازی کریگا۔ تردد کا مقام نہیں۔ اور فدوی حاضر خدمت ہوا۔

چنانچہ احمد نگر میں عبدالرحمٰن کو مہم کے کاروبار سمجھا کر لشکر اور سامان وہیں چھوڑا۔ آپ جریدہ فقط ان آدمیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ کہ جن کے بغیر گزارہ نہ تھا۔ سلیم شیخ سے بہت خفا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر یہ حضور میں آپہنچا تو باپ کی آزردگی اور بھی زیادہ ہو جائیگی۔ اور ادھر ادھر کے راجاؤں اور سرداروں سے ساز باز کر کے ایسی تدبیریں کریگا۔ کہ میرا کام برہم ہو جائیگا۔ جب سنا کہ جریدہ دکن سے چلا ہے تو راجہ مدھکر کا بیٹا راجہ نرسنگھ دیو کہ انڈچہ کا بندیلہ سردار تھا ان دنوں میں رہزنی کر کے دن کاٹتا تھا۔ اور اس بغاوت میں شاہزادہ کے ساتھ تھا۔ اسے سلیم نے خفیہ لکھا کہ کسی طرح رستہ میں شیخ کا کام تمام کر دے۔ اگر خدا نے تخت نصیب کیا۔ تو خاطر خواہ رستہ اور انعام سے سرفراز کرونگا۔ اس نے دربار شاہی میں بہت بے عزتی اٹھائی تھی۔ اس لئے نہایت خوشی سے اس خدمت کو قبول کیا اور دوڑا دوڑا اپنے علاقے میں جا پہنچا۔

جب شیخ اجین میں پہنچا۔ تو خبر اڑ رہی تھی۔ کہ راجہ اس اس طرح ادھر آیا ہوا ہے۔ رفیقان جاں نثار نے شیخ سے کہا کہ ہماری جمعیت تھوڑی ہے۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو مقابلہ مشکل ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس رستہ کو چھوڑ کر چاندہ کی گھاٹی سے چلیں۔ قضا آ چکی تھی شیخ نے بے پروائی سے کہا کہ بکتے ہیں۔ چور کا کیا حوصلہ ہے۔ جو بندگان بادشاہی کا رستہ روکے۔

ربیع الاول کی پہلی ۱۰۱۱ھ جمعہ کا دن صبح کا وقت تھا۔ شیخ منزل سے اٹھا۔ دو تین آدمی ساتھ باگ ڈالے۔ جنگل کا لطف اٹھاتا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتا باتیں کرتا آگے چلا جاتا تھا۔ سرائے برا سے آدھ کوس رہا تھا۔ اور قصبہ انتری ۳ کوس۔ سوار نے دوڑ کر عرض کی کہ وہ گرد و غبار اٹھا ہے اور رخ اس طرف معلوم ہوتا ہے۔ شیخ نے باگ روکی اور غور سے دیکھا۔ گدائی خاں افغان قدیمی جانثار برابر تھا۔ اس نے عرض کی ٹھیرنے کا وقت نہیں۔ دشمن بڑے زور میں آتا معلوم ہوتا ہے۔ ادھر بہت جمعیت کم ہے۔ اس وقت صلاح یہی ہے۔ کہ تم آہستہ آہستہ چلے جاؤ۔ میں ان چند بھائیوں اور

Marfat.com

ہمراہیوں سے جانفشانی کر کے روکتا ہوں۔ ہمارے مارتے مرتے تک فرصت بہت ہے۔ یہاں سے قصبہ انتری دو تین کوس ہے بخوبی پہنچ جاؤ گے۔ پھر کچھ خطر نہیں۔ رائے رایان اور راجہ راج سنگھ دو تین ہزار آدمیوں سے وہاں اترے ہوئے ہیں۔ شیخ نے کہا گدائی خاں تجھ جیسے شخص سے تعجب ہے۔ کہ ایسے وقت پر یہ صلاح دیتا ہے۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے مجھ فقیر زادے کو گوشہ مسجد سے صدر مسند پر بٹھایا۔ میں آج ان کی شناخت کو خاک میں ملا دوں اور اس چور کے آگے سے بھاگ جاؤں کس منہ سے؟ اور کس عزت سے ہم چشموں میں بیٹھ سکوں گا؟ اگر زندگی ہو چکی ہے۔ اور قسمت میں مرنا ہی لکھا ہے تو کیا ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر نہایت دلاوری اور بیباکی سے گھوڑا اٹھایا۔ گدائی خاں پھر گھوڑا مار کر آگے آیا۔ اور کہا کہ سپاہیوں کو ایسے معرکے بہت پڑتے ہیں۔ اڑنے کا وقت نہیں ہے۔ انتری میں جانا اور ان لوگوں کو ساتھ لے کر پھر ان پر آنا۔ اور اپنا انتقام لینا تو سپاہیانہ پیچ ہے۔ قضا آ چکی تھی کسی عنوان راضی نہ ہوا یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ غنیم آن پہنچا۔ اور ہاتھ ہلانے کی فرصت نہ تھی۔ شیخ بڑی بہادری سے تلوار پکڑ کر دیتا چند افغان ساتھ تھے۔ جانیں نثار کر کے سرخرو ہوئے۔ شیخ نے کئی زخم کھائے۔ مگر ایک برچھے کا زخم ایسا لگا کہ گھوڑے سے گر پڑا۔ جب لڑائی کا فیصلہ ہوا تو لاش کی تلاش ہوئی دیکھا کہ وہ دلاور جو کبھی اکبری تخت کا پایہ پکڑ کر عرض و معروض کرتا تھا۔ اور کبھی سمند فکر پر چڑھ کر عالم خیال کو تسخیر کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے خاک بیکسی پر بیجان پڑا ہے۔ زخموں سے خون بہتا ہے۔ اور ادھر ادھر لاشے پڑے ہیں۔ اسی وقت سر کاٹ لیا اور شاہزادے کے پاس بھجوا دیا۔ شاہزادے نے پاخانہ میں ڈلوا دیا کہ دنوں وہیں پڑا رہا۔ قسمت میں یوں ہی لکھا تھا۔ ورنہ شہزادے کی خفگی کیسی ہی سخت ہو کہہ دیتا کہ خبردار شیخ کا بال بیکا نہ ہو۔ اور شرط یہ ہے کہ زندہ ہمارے سامنے حاضر کرو۔ مگر شرابی، کبابی ناتجربہ کار لڑکے کو اتنے خوش و حواس کہاں تھے جو سمجھتا کہ جیتے پر ہر وقت اختیار رہتا ہے۔ مر ہی گیا تو کیا ہو سکتا ہے۔

امرائے اکبری کے دلوں کا حال اس نکتہ سے کھلتا ہے۔ کہ کوکلتاش خاں نے تاریخ لکھی۔

مصریع

تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید

مگر اس نے خود خواب میں اس سے کہا کہ میری تاریخ تو بندہ ابوالفضل کے اعداد سے نکلتی ہے افسوس یہ ہے۔ کہ ملائے بدایونی اس وقت نہ رہے تھے۔ اگر ہوتے تو خوشیاں مناتے۔ اور خدا جانے کیا گل پھول لگا کر مضامین قلمبند کرتے۔

جہانگیر جس طرح ہر بات بے پروائی سے ہو کر گزرتا تھا۔ اسے بے پروائی سے اپنی توزک میں

Marfat.com

لکھ بھی لیتا تھا۔ چنانچہ جہاں تخت نشین ہو کر امرا کو منصب دیئے ہیں وہاں کہتا ہے۔ بندیلی راجپوتوں میں سے راجہ نرسنگھ پر میری نظر عنایت ہے۔ وہ شجاعت نیکذاتی۔ سادہ لوحی میں اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیاز تمام رکھتا ہے۔ ۳ ہزار منصب پر سرفراز ہوا۔ ترقی اور رعایت کا سبب یہ ہوا۔ کہ اخیر کے دنوں میں میرے والد نے شیخ ابوالفضل کو دکن سے بلایا۔ وہ ہندوستان کے شیخ زادوں سے زیادتی فضل ودانائی میں امتیاز تمام رکھتا تھا اور ظاہر حال کو زیور اخلاص سے سجا کر میرے والد کے ہاتھ بھاری قیمت کو بیچا ہوا تھا۔ اس کا دل مجھ سے صاف نہ تھا۔ ہمیشہ ظاہر و باطن چغلیاں کھاتا رہتا تھا۔ ان دنوں میں (کہ فتنہ انگیزوں کے فسادوں سے والد بزرگوار مجھ سے ذرا آزردہ تھے) یقین تھا کہ اگر دولت ملازمت حاصل کرے تو اس غبار کو زیادہ اڑائے گا۔ اور میری دولت مواصلت کو روکے گا۔ اور ایسا کر دیگا کہ مجھے ناچار سعادت خدمت سے محروم رہنا پڑے۔ نرسنگھ دیو کا ملک شیخ کے سر راہ تھا۔ اور ان دنوں وہ بھی سرکشوں میں تھا۔ میں نے بار بار پیغام بھیجے کہ اگر اس فتنہ انگیز کو روک کر نیست و نابود کر دے۔ تو رعایت کلی پائے گا۔ چنانچہ توفیق اسکی رفیق ہوئی۔ جب شیخ اس کے نواح ولایت میں گزرتا تھا۔ وہ آن پڑا۔ تھوڑی سی ہمت میں اس کے ہمراہیوں کو تتر بتر کر ڈالا۔ سر الہ آباد میں میرے پاس بھیج دیا۔ اگرچہ اس بات سے عرش آشیانی کی خاطر مبارک بہت آزردہ ہوئی۔ مگر کم سے کم اتنا ہوا کہ میں نچنت اور بے خطر ہو کر آستاں بوسی کو گیا۔ اور رفتہ رفتہ کدورتیں صفائی سے بدل گئیں۔

ہندوستان کے مورخ آخر انہیں بادشاہوں کی رعایا تھے۔ بے رعایت حال لکھتے۔ تو بیچارے رہتے کہاں؟

محمد قاسم فرشتہ کے بقول:

ملا محمد قاسم فرشتہ اپنی معتبر تاریخ میں اس واقعہ کی بابت فقط اتنا لکھتے ہیں۔ کہ اس سنہ میں دکن سے شیخ ابوالفضل حاضر حضور ہوتے تھے رستہ میں رہزنوں نے مار ڈالا فقط۔ اور یہ لکھنا ان کا بیجا نہ تھا۔ دیکھ لو کہ فقط حقیقت نویسی کے جرم میں ملا عبدالقادر کے گھر اور ان کے بیٹے پر جہانگیر کے ہاتھوں کیا آفت گزری۔ اور خود زندہ ہوتے تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔

ڈچ سیاح ڈیلیٹ کے بقول:

ڈیلیٹ نام ایک ڈچ سیاح نے اس واقعہ کا حال لکھا ہے۔ اسے اپنی تحریر میں کسی کا خطر نہ تھا۔ اس لئے عجب نہیں کہ جو کچھ لکھا سچ ہی لکھا ہوگا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ سلیم الہ آباد میں آیا اور سلطنت کا دعویٰ کیا۔ خطبہ اپنے نام کا پڑھوایا۔ روپے اشرفی پر اپنا سکہ لگایا۔ بلکہ زر نذور کو مہاجنوں اور اہل معاملہ کے

Marfat.com

لین دین میں ڈلوا کر آگرہ تک پہنچایا۔ کہ باپ دیکھے اور جلے۔ باپ نے یہ سب حال شیخ کو لکھا اس نے جواب میں لکھا۔ کہ حضور خاطر جمع رکھیں۔ جس قدر جلد کہ ممکن ہے میں حاضر ہوا۔ اور شہزادہ کو مناسب خواہ نامناسب حالت سے حضور میں حاضر ہونا پڑے گا۔

غرض شیخ نے کاروبار کی درستی کر کے کئی دن بعد دانیال سے اجازت لی۔ دو تین سو آدمی ساتھ لے کر روانہ ہوا اور حکم دیا۔ کہ اسباب پیچھے آئے۔ سلیم کو سب خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اور جانتا تھا کہ شیخ نے دل میں میری طرف سے کیا ہے۔ ڈرا کہ اب باپ اور بھی ناراض ہوگا۔ اس لئے جس طرح ہو شیخ کو روکنا چاہئے۔ راجہ صوبہ اجین میں رہتا تھا اسے لکھا کہ نرواور گوالیار کے آس پاس گھات میں لگا رہے۔ رجہاں موقع پائے اس کا سر کاٹ کر بھیج دے۔ اس پر بہت سے انعام واکرام اور پنج ہزاری منصب کا وعدہ کیا۔ راجہ نے خوشی سے منظور کر لیا۔ ہزار سوار ۳ ہزار پیادے لیکر تین چار کوس پر آن لگا اور جاسوسی کے لئے قراول ادھر ادھر پھیلا دیئے۔ کہ خبر دیتے رہیں۔ شیخ کو اس گھات کی بالکل خبر نہ تھی جب کالے باغ میں پہنچا۔ اور نروا کا رخ کیا تو راجہ کو خبر لگی۔ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ یکا یک آکر ٹوٹ پڑا۔ اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور شیخ اور اس کے رفیق بڑی بہادری سے لڑے مگر دشمنوں کی تعداد بہت تھی۔ اس لئے سب کے سب کٹ کر کھیت رہے۔ شیخ کی لاش دیکھی تو ۱۲ زخم آئے تھے۔ اور ایک درخت کے نیچے پڑا تھا۔ وہاں سے اٹھا کر سر کاٹا اور شہزادے کے پاس بھیج دیا وہ بہت خوش ہوا۔ فقط۔

خود پسند اور خود رائے آدمی:

آزاد۔ شیخ کو اس معاملہ میں تمام آل تیمور کے مورخ الزام دیتے ہیں۔ کہ وہ خود پسند اور خود رائے آدمی تھا۔ اپنی عقل کے سامنے کسی کو سمجھتا ہی نہ تھا۔ یہاں بھی خود رائی کی اور اس کا نتیجہ پایا۔ لیکن درحقیقت یہ مقدمہ غور طلب ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اسے اپنے جوہر کمالات اور عقل ودانش سے آگاہی تھی۔ اور اکبر کے دربار میں جو جانفشاں محنتیں اور جاں نثار خدمتیں کی تھیں ان پر بھروسہ تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال ہوگا۔ کہ مجھ جیسے شخص کیلئے شہزادہ نے یہ حکم نہ دیا ہوگا۔ کہ جان سے مار ڈالے بلکہ یہ بھی خیال ہوگا کہ اگر اس شرابی کبابی لڑکے نے کہہ بھی دیا ہوگا تو جو سردار ہوگا وہ مجھے جان سے مارنے کا قصد نہیں کریگا۔ بہت ہوگا تو باندھ کر اس کے سامنے حاضر کر دیگا۔ امرا بغاوت کرتے ہیں۔ فوجوں کی فوجیں کاٹ کر ڈال دیتے ہیں۔ ملک لوٹ کر تباہ کر دیتے ہیں۔ پھر بھی تیموری درباروں میں ان کی خطائیں اس طرح معاف ہو جاتی ہیں۔ کہ ملک ومنصب بحال رہ کر پہلے

Marfat.com

سے سوا عالی رتبے پاتے ہیں اور یہاں تو کچھ بات بھی نہیں۔ اتنا ہی ہے کہ شاہزادے کو میری طرف سے باپ کے سامنے چغلیاں کھانے کا خیال ہے۔ پس اتنی بات کے لئے میدان سے بھاگنا اور بھگوڑا کہلانا کیا ضرور ہے۔ نامردی اور بزدلی کا داغ کیوں اٹھاؤں اور یہیں ڈٹ جاؤں۔ انجام یہی ہوگا کہ پکڑ کر شہزادے کے سامنے لے جائیں گے۔ یہ سکندر و افلاطوں کے غصہ کے بھوت بن جائیں تو پری بنا کر شیشہ میں اتار لوں۔ وہ تو مورکھ شاہزادہ ہے دو منتر ایسے پھونکوں گا۔ کہ اٹھ کر ساتھ ہو جائے۔ اور ہاتھ باندھ کر باپ کے پاؤں میں جا رہے۔ مگر وہی بات کہ تقدیر الہٰی۔ وہ کچھ سمجھا تھا اور معاملہ کچھ نکلا۔ اور تم بھی ذرا غور کر کے دیکھو۔ کہ وہ بندیلہ بھی دھاڑ مار لٹیرا ہی تھا جو اس طرح پیش آیا۔ کوئی راجہ ہوتا اور راج نیت کی ریت کا برتنے والا ہوتا تو اس وحشیانہ طور سے شیخ کا کام تمام نہ کرتا۔ نہ بات نہ چیت۔ نہ لڑائی کا آگا نہ پیچھا۔ کچھ معلوم ہی نہ ہوا۔ سینکڑوں بھیڑیئے تھے۔ کہ چند بکریوں پر آن پڑے۔ اور دم کے دم میں چیر پھاڑ کر بھاگ گئے۔

آلِ تیمور میں دستورِ قدیم:

اب ادھر کی سنو کہ جب مرنے کی خبر دربار میں پہنچی تو سناٹے کا عالم ہو گیا۔ سب حیران رہ گئے سوچتے تھے کہ بادشاہ سے کہیں کیا؟ کیونکہ اکبر جانتا تھا۔ کہ وہی میرا ایک ذاتی خیر اندیش ہے۔ اور ان میں کوئی امیر دل سے اس کا خیر خواہ نہیں۔ خدا جانے کیا خیال گزرے اور کدھر بجلی گر پڑے۔ آلِ تیمور میں دستورِ قدیم تھا۔ کہ جب کوئی شاہزادہ مرتا تھا تو اسکی خبر بادشاہ کے سامنے صاف بے دھڑک نہیں کہہ دیتے تھے۔ اس کا وکیل سیاہ رومال سے ہاتھ باندھ کر سامنے آتا تھا۔ اور خاموش کھڑا رہتا تھا۔ معنی یہی ہوتے تھے۔ کہ اس کے آقا نے انتقال کیا۔

اکبر اسے اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اس لئے وکیل سر جھکائے رومال سے ہاتھ باندھے آہستہ آہستہ ڈرتا ہوا تخت کے گوشہ کی طرف آیا۔ اکبر دیکھ کر متحیر ہو گیا۔ اور کہا خیر باشد کیا ہوا۔ جب اس نے بیان کیا۔ تو اس قدر غمناک اور بے قرار ہوا کہ کسی بیٹے کے لئے یہ حال نہ ہوا تھا۔ کئی دن تک دربار نہ کیا۔ اور کسی امیر سے بات نہ کی۔ افسوس کرتا تھا اور روتا تھا۔ بار بار چھاتی پر ہاتھ مارتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ہائے شیخو جی بادشاہت لینی تھی تو مجھے مارنا تھا شیخ کو کیا مارنا تھا۔ اس کا بے سر لاشہ آیا تو یہ شعر پڑھا۔ شعر

شیخ ما از شوق بیحد چوں سوئے ما آمدہ ۔۔۔ ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ

۵۲ برس چند مہینے کا سن۔ مرنے کے دن نہ تھے۔ مگر موت نہ دن دیکھتی ہے نہ رات۔ جب آ

Marfat.com

جائے وہ ہی اس کا وقت۔
ابوالفضل کی قبراب بھی انتری میں موجود ہے۔ جو گوالیار سے پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور مہارانہ سیندھیا کا علاقہ ہے۔ اس پر ایک غریبانہ وضع کی عمارت ہے۔ ابوالفضل نے اپنے باپ اور ماں کی ہڈیاں لاہور سے آگرہ پہنچائی تھیں۔ کہ انکی وصیت پوری ہو۔ مگر اسکی لاوارث لاش کا اٹھانے والا کوئی نہ ہوا۔ کہ جہاں گرا وہاں ہی خاک کا پیوند ہوا۔ اس کے دل کی روشنی اور نیک نیتی کی برکت ہے۔ کہ آج تک انتری کے لوگ ہر جمعرات کو وہاں ہزاروں چراغ جلاتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

جگنو اڑ اڑ کر چلے جاتے ہیں صحرا کی طرف — گور مجنوں پہ کہیں آج چراغاں ہوگا
ہاتھ چومیں گے میرے گبر و مسلماں دونو — ایک میں دست صنم ایک میں قرآں ہوگا

اکبر بیٹے کو تو کیا کہتے۔ رائے رایان کو فوج دیکر بھیجا۔ کہ نرسنگھ دیو کو اس کی بداعمالی کی سزا دو۔ عبدالرحمٰن کو فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ تم اس کے ساتھ شامل خدمت ہو اور باپ کی کینہ خواہی اور انتقام سے اپنی حلال زادگی اہل عالم پر آشکار کرو۔ یہ دونوں مدت تک جنگلوں اور پہاڑوں میں اس کے پیچھے مارے مارے پھرے وہ کہیں نہ ٹھیرا۔ لڑتا رہا بھاگتا رہا۔ شیخ نے سچ کہا تھا کہ راہزن ہے وہ کس طرح جم کر لڑتا۔ آخر دونوں تھک کر چلے آئے۔

افسوس کے قلم اور سیہ بختی کی سیاہی سے لکھنے کے قابل یہ بات ہے۔ کہ جو فضل و کمال تھا وہ فضل اور فیضی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔ اتنے بھائی اور۔ اور عبدالرحمٰن اکلوتا بیٹا تھا۔ سب خالی رہ گئے۔

ابوالفضل کے مذہب کا بیان:

دربار اکبری کی سیر کرنے والوں کو شیخ مبارک کے مذہب کا حال معلوم ہے۔ ابوالفضل اس کا رشید بیٹا تھا۔ سمجھ لو کہ اس کے خیالات بھی باپ کے خیالات کی نسل پاک تھے۔ البتہ زمانہ کی آب وہوا سے ذرا رنگ بدل گیا تھا۔ اگرچہ ان نقطوں کو شیخ مبارک، فیضی، ملا صاحب وغیرہ کے بیان میں دائرہ کی گردش سے پھیلا چکا ہوں۔ مگر حق یہ ہے کہ مجھے بھی ان کے بار بار کہنے میں مزا آتا ہے۔ اس لئے ایک دفعہ پھر دل کا ارمان نکالتا ہوں شاید کہ باتوں باتوں میں روئے حقیقت سے پردہ اٹھ جائے۔ میرے دوستو تمہیں معلوم ہے اور پھر معلوم کرو۔ کہ شیخ مبارک ایک فاضل ہمہ داں تھا۔ اور دماغ ایسا روشن لے کر آیا تھا۔ کہ چراغ علم کے لئے قندیل فروزاں تھا۔ وہ ہر علم کی کتابیں کامل استادوں سے

Marfat.com

پڑھتا تھا اور پڑھاتا تھا۔ اور نظر اس کی تمام علوم عقلی و نقلی پر برابر چھائی ہوئی تھی۔ باوجود اس کے جو کچھ دل کو حاصل ہوگیا تھا۔ وہ کتابوں کے الفاظ وعبارت میں محدود نہ تھا۔ اور بات وہی تھی جو اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

اسی عہد میں کئی عالم تھے۔ کہ کتابی علوم میں پورے تھے یا ادھورے مگر نصیبوں کے پورے تھے جس کی بدولت شاہان وقت کے دربار میں پہنچ کر شاہی بلکہ خدائی اختیار دکھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ گھی میں تر اور انگلیاں رزق کی کنجیاں دیکھ کر بہت سے علمائے مسند نشین اور مشائخ اور ائمہ مساجد گرد بیٹھے ان کا کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ شیخ مبارک دربار شاہی کا ہوسناک نہ تھا۔ اس کا دل خدا نے ایسا بنایا کہ جب اپنی مسجد کے چبوترہ پر بیٹھتا۔ اور چند طالب علم کتاب کھولے ہوتے۔ تو ایسا لہکتا اور چہکتا تھا کہ وہ لطف باغ میں نہ گل کو حاصل ہے نہ بلبل کو۔ اور بات یہ ہے کہ شاہوں کے دربار اور امرا کی سرکار کی طرف اس کے شوق کا قدم اٹھتا ہی نہ تھا۔ البتہ جب کسی غریب پر علمائے مذکور اختیار جابرانہ اور فتوؤں کے زور سے ظلم کرتے اور وہ التجا لاتا۔ تو اسے آیتوں اور روایتوں سے سپر تیار کر دیتا تھا۔ جس سے اس کی جان بچ جاتی تھی۔ اور اس بات میں وہ کسی کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ ان لوگوں کو بھی خبر ہو جاتی تھی۔ اور اپنے جلسوں میں اس کے چرچے خطرناک الفاظ سے کرتے تھے۔ کبھی رافضی بناتے۔ کبھی مہدوی ٹھیراتے۔ اور اس جرم کی سزا اس زمانہ میں قتل ہی تھی۔ لیکن اس کی فضیلت اور حقیقت کا بھروسا اسے زور دیتا تھا۔ وہ سن کر ہنس دیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ یہ ہیں کون؟ اور ہیں کیا؟ اور سمجھتے کیا ہیں؟ کبھی گفتگو کا موقع آن پڑا تو سمجھا دینگے۔

شیخ مبارک کی اس رسم وراہ نے اسے اکثر خطر میں ڈالا۔ اور سخت تکلیفوں میں مبتلا کیا لیکن اسے کچھ بھی پرواہ نہ ہوئی۔ اور ان کے خلافوں کو ہنسی کھیل سمجھ کر نباہتا رہا۔ ایشیا کے مذاہب مروجہ خصوص فرقہ ہائے اسلام کی کتابوں پر اس کی معلومات چاندنی کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ دشمنوں کی ایذا اور آزار عام دیکھ کر کتب متفرقہ کو اور نظر سے دیکھنے لگا۔ جب کوئی مسئلہ اس طرح کا آتا۔ فوراً کتابی حوالوں سے حریفوں کی حرفت کو بند کرتا یا اختلافی مسئلہ دکھا کر ایسا شبہ پیدا کر دیتا۔ کہ دق ہو کر رہ جاتے۔ لیکن جو کچھ کہتا تھا سوچ سمجھ کر اور حق کو جانچ کر سند اور اصلیت کی بنیاد پر کہتا تھا۔ کیونکہ رقیبوں کے فتوؤں میں شاہانہ زور ہوتا تھا۔ اگر یہ حق پر نہ ہوتا تو جان پر حرف تھا۔

ہمایوں، شیر شاہ، سلیم شاہ کی بادشاہی میں ان لوگوں کی خدائی رہی۔ اور اکبری دور میں چند سال سلطنت انکی زبان پر چلتی رہی۔ نوجوان بادشاہ کو خیال ہوا کہ دائرہ سلطنت کو تمام ہندوستان پر پھیلائے۔ اور چونکہ یہاں مختلف قوم اور مختلف مذہب کے لوگ ہیں۔ اس لئے واجب ہوا کہ اپنایت

Marfat.com

اور محبت کے ساتھ قدم بڑھائے۔ اس نے اس کوشش میں کامیابی بھی پائی۔ مگر علمائے مذکور اس راہ میں چلنا کفر سمجھتے تھے۔ ملک پرور کو واجب ہوا کہ اس کے لئے اسی ڈھب کے کارگزار بہم پہنچائے فیضی و فضل ہمہ داں عالم تھے۔ اور ہمہ رنگ طبیعت رکھتے تھے۔ انہوں نے آقا کے حکم اور خدمت کے لوازمات کو اس کی مرضی سے بھی بڑھ کر سرانجام دیا۔ کار سلطنت کا دستور العمل اس امر کو قرار دیا کہ خدا رب العالمین اور خلائق کا آسودہ و آباد کرنیوالا ہے۔ ہندوستان، گبر و ترسا اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ بادشاہ سایہ خدا ہے۔ اسے بھی یہی بات مدنظر رکھنی واجب ہے۔ اس چھوٹے سے نکتے میں کئی مطلب نکل آئے۔ سلطنت کی بنیاد محکم ہوگئی۔ بادشاہ کی قربت حاصل ہوگئی۔ جن حریفوں سے جان کا خطر تھا۔ خود بخود ٹوٹ گئے۔ البتہ وہ اور ان کی امت جو سلطنت اور دولت کو فقط اسلام ہی کا حق سمجھے ہوئے تھے ان کے کاروبار پہلی اوج موج پر نہ رہے۔ انہوں نے انہیں بدنام کر دیا اور حق بات وہی ہے۔ کہ بادشاہ کی فرمائش کو اس کی مرضی سے بھی کئی درجے بڑھا کر بجالاتے تھے۔ بادشاہ کی خوشی دیکھی تو عمامہ بڑھا کر کھڑکی دار پگڑی باندھ لی۔ عبا اتار کر جامہ پہن لیا وغیرہ وغیرہ۔ ایک ہندو کو شیخ صدر نے فتوے شریعت کے زور سے مروا ڈالا۔ انہوں نے گفتگو کے معرکہ میں شیخ صدر کی رفاقت نہ کی۔ بادشاہ کی تقریر کی تائید کرتے رہے۔ اسی ذیل میں ملا صاحب چوٹ کرتے ہیں۔ ملک فرنگ کے ریاضت کیش داناؤں کو پادری کہتے ہیں۔ اور مجتہد کامل کو کہ مصلحت وقت کے بموجب تغیر احکام بھی کرسکتا ہے۔ اور بادشاہ بھی اس کے حکم سے عدول نہیں کر سکتا۔ پاپا کہتے ہیں۔ وہ لوگ انجیل لائے۔ تثلیث کی دلیلیں پیش کیں اور نصرانیت کی حقیقت ثابت کر کے مذہب عیسوی کو رواج دیا۔ بادشاہ نے شاہزادہ مراد کو فرمایا اور انہوں نے شگون برکت کے طور پر چند سبق پڑھے۔ ابوالفضل ترجمہ کے لئے مقرر ہوئے۔ بسم اللہ کی جگہ یہ مصرعہ تھا۔ ع

اے نامی تو ژژو کرستو   فیضی نے کہا   سبحانک لاشریک یاہو

پھر ایک جگہ داغ دیتے ہیں۔ تو سارے علاقہ گجرات تے آتش پرست آئے۔ انہوں نے دین زروشت کی حقیقت ظاہر کی۔ اور آگ کی تعظیم کو عبادت عظیم بیان کر کے اپنی طرف کھینچا۔ کیانیوں کی راہ وروش اور ان کے مذہب کی اصلاحیں بتائیں۔ حکم ہوا کہ شیخ ابوالفضل اس کا اہتمام ہو۔ اور جس طرح ملک عجم کے آتشکدے ہر دم روشن رہتے ہیں۔ یہاں بھی ہر وقت، کیا دن، کیا رات، روشن رکھو۔ کہ آیات الٰہی میں سے ایک آیت اور اس کے نوروں میں سے ایک نور ہے۔

خیر ان باتوں کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ سلطنت کے معاملات کچھ اور ہیں اور ملکی مصلحت کا مذہب جدا ہے ان میں اکبر پر بھی اعتراض نہیں کرسکتے یہ تو اس کے نوکر تھے۔ جو آقا کا حکم ہوتا تھا بجالانا

Marfat.com

واجب تھا۔ یہاں تک کہ مقدمہ سہل ہے۔ ہاں مشکل یہ ہے۔ کہ جب شیخ مبارک مر گئے۔ تو شیخ ابو الفضل نے معہ بھائیوں کے بھدرا کیا۔ اصل فقط اتنی تھی کہ بادشاہ ہر مذہب کے ساتھ محبت و رغبت ظاہر کرتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ تھا۔ اس لئے ان سے زیادہ تھے۔

چنانچہ جب انکہ مر گئی اور مریم مکانی کا انتقال ہوا تو دونوں دفعہ اکبر نے خود بھدرا کیا اور دلیل یہ تھی۔ کہ عہد قدیم میں سلاطین ترک بھی ایسے موقع پر بھدرا کیا کرتے تھے۔ بادشاہ کی خوشی اس میں دیکھی انہوں نے بھی بھدرا کیا۔ یہ سب باتیں بادشاہ کی دلجوئی اور اس کی مصلحت ملکی کیلئے تھیں ورنہ فیضی و فضل جو اپنی تیزی فکر اور زور زبان سے دلائل افلاطوں اور براہین ارسطو کو روئی کی طرح دھنکتے تھے وہ اور دین الٰہی اکبر شاہی پر اعتقاد لائیں گے یا جزئیات مذکورہ ان کا عقیدہ ہو جائے گا۔ توبہ توبہ۔

سب کچھ کرتے ہونگے۔ اور پھر اپنے جلسوں میں آکر کہتے ہوں گے کہ آج کیا احمق بنایا ہے۔ دیکھا ایک مسخرہ بھی نہ سمجھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جیسے ان کے زبردست حریف تھے۔ اور لا علاج موقعے ان پر پڑتے تھے۔ وہ ایسی تجویزوں کے بغیر ٹوٹ بھی نہ سکتے تھے۔ یاد کرو کہ مخدوم الملک وغیرہ کا پیام اور ابوالفضل کا جواب کہ ہم بادشاہ کے نوکر ہیں بینگنوں کے نوکر نہیں۔

انشائے ابوالفضل کو دیکھنا کہ خان خاناں نے جو ایک مراسلہ شیخ ابوالفضل کو لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی پوچھا تھا کہ تمہاری صلاح ہو تو ایرج کو دربار میں بھیج دوں۔ کہ دین و آئین سے باخبر ہو۔ یہاں میرے ساتھ لشکر میں ہے۔ اور جنگلوں میں سرگرداں پھرتا ہے۔ شیخ نے اس کے جواب میں خط لکھا ہے۔ اور نکتہ مذکورہ کے باب میں یہ فقرہ لکھا ہے۔ دربار میں ایرج کا بھیجنا کیا ضرور ہے۔ تمہیں اس میں اصلاح عقیدہ کا خیال ہے۔ یہ امید بے حاصل ہے۔ اب تم خیال کرو کہ دربار کی طرف سے اس کے اصلی خیالات کیا تھے۔ جو یہ فقرہ قلم سے ٹپکا ہے۔

اس کی تصنیفات کو دیکھو۔ جہاں ذرا سا موقع پاتا ہے۔ کس خلوص عقیدت سے مضامین عبودیت اور حق بندگی ادا کرتا ہے۔ اور انہیں فلسفہ الٰہی کے مسائل میں تضمین کرتا ہے۔ کہ افلاطون بھی ہوتا تو اس کے ہاتھ چوم لیتا۔ ابوالفضل کے دفتر دوم وسوم کو دیکھئے۔ اسکی تعریف شیخ شبلی کریں یا جنید بغدادی۔ آزاد کیا کہے۔

کیونکہ سودا میں کروں وصف بنا گوش اس کا نہیں ہے آب گہر سے یہ زباں پاک ہنوز

شاہ ابوالمعالی لاہوری نے اپنے ایک رسالہ میں لکھ دیا ہے۔ کہ میں شیخ ابوالفضل کو اچھا نہ جانتا تھا۔ ایک شب دیکھا کہ اسی کو لا کر بٹھایا ہے۔ اور وہ آنحضرت ﷺ کا جبہ پہنے ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ اس کی بخشش کا وسیلہ ایک مناجات ہوئی ہے۔ جس کا پہلا فقرہ ہے۔ الٰہی نیکاں را بوسیلہ

Marfat.com

نیکی سرفرازی بخش و بداں را بمقتضائے کرم دلنوازی کن۔

ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ رات کو فقرا کی خدمت میں جاتا تھا۔ اشرفیاں نذر دیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ ابوالفضل کی سلامتی ایمان کی دعا کرو۔ اور یہ لفظ اس کا تکیہ کلام تھا۔ کہ آہ کیا کروں۔ بار بار کہتا تھا اور ٹھنڈی سانس بھرتا تھا۔

اکبر نے کشمیر میں ایک عالیشان عمارت بنائی تھی۔ کہ ہندوستان مسلمان جس کا دل رجوع ہو وہاں آکر بیٹھے۔ اور معبود حقیقی کی یاد میں مصروف رہے۔ اس پر عبارت مفصلہ ذیل نقش کی تھی۔ کہ ابو الفضل نے ترتیب دی تھی۔ ذرا اس کے الفاظ کو دیکھو۔ کس صدق دل سے ٹپکتے ہیں۔

الٰہی بہر خانہ کہ مے نگرم جویائے تو اند۔ و بہر زباں کہ مے شنوم گویائے تو۔ شعر

کفر و اسلام در رہت پویاں　　وحدہ لاشریک، لہ گویاں

اگر مسجد ست بیادتو نعرہ قدوس میزنند و اگر کلیسا ست بشوق تو ناقوس مے جنبانند۔ رباعی

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ　　خلقے بتو مشغول و تو غائب زمیانہ

گو معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد　　یعنی کہ سرائے طلبم خانہ بخانہ

اگر خاصان ترا بکفر و اسلام کارے نیست ایں ہر دو را در پردہ اسلام تو بارے نہ۔

کفر کافر را و دیں دیندار را　　ذرہ درد دل عطار را

ایں خانہ بہ نیت ائتلاف قلوب موحدان ہندوستان وخصوصاً معبود پرستان عرصہ کشمیر تعمیر یافتہ۔

بفرمان خدیو تخت و افسر　　چراغ آفرینش شاہ اکبر

نظام اعتدال ہفت معدن　　کمال امتزاج چار عنصر

خانہ خرابے کہ نظر صدق نینداختہ ایں خانہ را خراب سازد باید کہ نخست معبد خود را بید از دچہ اگر نظر بہ دل است باہمہ ساختنی ست و اگر چشم بر آب و گل است ہمہ برانداختنی۔ مثنوی

خداوند چو دادکار دادی　　مدار کار بر نیت نہادی

توئی بر کارگاہ نیت آگاہ　　بہ پیش شاہ داری نیت شاہ

بلوک مین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ عمارت عالمگیر کے عہد میں منہدم ہوئی۔

ملا صاحب کی تاریخ کو دیکھ کر افسوس آتا ہے۔ کہ جس کے باپ سے فیض تعلیم پایا۔ اسی کے مذہب و اعتقاد پر ٹوکرے بھر بھر خاک ڈالی۔ بات یہ ہے کہ جب ایک مطلوب پر دو طالبوں کے شوق ٹکراتے ہیں تو ایسے ہی شرارے اڑتے ہیں۔ دربار میں دو نو جوان آگے پیچھے پہنچے۔ شاگرد کے خیالات چند روز بھی استاد اور خلیفہ کے ساتھ درست نہ رہے۔ یہ ضرور تھا کہ ابوالفضل نے بادشاہ کے

Marfat.com

مزاج اور مناسبت وقت اور اپنی مصلحت حال کی نظر سے اکثر باتیں ایسی کیں۔ کہ ملا صاحب کا فتویٰ اس کے برخلاف ہوگیا لیکن حق یہی ہے۔ کہ ان کی روز افزوں ترقی، دمبدم کی قربت ملا صاحب سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس لئے بگڑتے تھے اور تڑپتے تھے اور جس رستے سے جگہ پاتے تھے بخارات نکالتے تھے۔ پھر بھی لیاقت کی خوبی دیکھو کہ علم وفضل اور تصنیفات میں کچھ سقم نہیں نکال سکے۔ مگر روئے حسد سیاہ تفسیر اکبری پیش کرنیکا حال اپنی کتاب میں لکھا تو بھی شوشہ لگا دیا۔ کہ لوگ کہتے ہیں اس کے باپ کی تصنیف ہے۔ اچھا یہی ہے تو اس کے باپ کا مال ہے۔ آپ کے باپ کا تو نہیں۔ اس کا باپ تو ایسا تھا۔ تمہارا تو باپ بھی ایسا نہ تھا اور اگر حقیقت میں ابوالفضل ہی کی تصنیف تھی۔ تو اس سے زیادہ فخر کیا ہوگا۔ کہ ۲۰ برس کی عمر میں ایک نوجوان ایسی تفسیر لکھے۔ جسے لعما اور اہل نظر شیخ مبارک جیسے شخص کا کلام سمجھیں۔ ابوالفضل نے سنا ہوگا۔ تو کئی چمچے خون دل میں بڑھ گیا ہوگا۔ ان باپ بیٹوں کے باب میں ملائے موصوف کا عجیب حال ہے۔ کسی کی بات ہو۔ کسی کا ذکر ہو۔ جہاں موقع پاتے ہیں۔ ان بیچاروں میں سے کسی نہ کسی کے ایک نشتر مار دیتے ہیں۔ چنانچہ زمرہ علماء میں شیخ حسن موصلی کا حال لکھتے ہیں۔ کہ شاہ فتح اللہ کا شاگرد رشید ہے۔ اور خلاصہ احوال یہ ہے کہ فنون ریاضی اور طبعی اور اقسام حکمت میں ماہر ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ فتح کابل کے موقع پر حضور میں پہنچا تھا۔ بڑے شاہزادے کی تعلیم پر معمور ہوا۔ شیخ ابوالفضل نے بھی یہ علوم اس سے خفیہ پڑھے۔ اور دقائق اور باریکیاں حاصل کیں پھر بھی اس کی تعظیم نہ کرتا تھا۔ آپ فرش پر بیٹھتا اور استاد زمین پر۔ آزاد۔ خیال کرو کہ کجا شیخ حسن، کجا اس کا کمال فضیلت، کہیں کا ذکر کہیں کا فکر۔ ابوالفضل غریب کو ایک ٹھوکر مار گئے۔ فیضی بیچارے کو بھی ایسے ہی نشتر مارتے جاتے ہیں۔ کہیں ایک ہی تیر میں دونوں کو چھید جاتے ہیں۔ دیکھو فیضی کے حال میں۔

شیخ کی انشا پردازی:

شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ یہ نعمت خداداد ہے۔ کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے۔ کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں۔ اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں۔ یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے۔ کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں۔ اس کی سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور آ کر قلم لگائے تو

Marfat.com

ہاتھ قلم ہو جائیں۔ وہ انشا پردازی کا خدا ہے۔ اپنے لطف خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے۔ الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے۔ اور جتنا لکھتا جاتا ہے۔ عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو۔ میں اس کی تصنیف کے ایک ایک نسخہ کی کیفیت لکھوں گا۔ اور جہاں تک میری ناتمام لیاقت اور نارسا قلم پہنچے گا۔ وہاں تک ان کا حال آئینہ کر دوں گا۔

یہ الفاظ جو اس کے کمال کے باب میں لکھتا ہوں نہ سمجھنا کے آج کے رواج بے کمالی کی نسبت سے لکھتا ہوں۔ انہیں اس وقت کہ ہفت اقلیم کے اہل کمال جمع تھے۔ اور پایۂ تخت ہندوستان میں ولایتوں کے علما اور ارباب کمال کا جمگھٹا تھا۔ جب بھی تمام انبوہ کو چیر کر اور سب کو کہنیاں مار کر آگے نکل گیا۔ اس کے دست و قلم میں زور تھا۔ کہ ملکوں کے اہل کمال کھڑے دیکھا کرتے تھے۔ اور یہ آگے بڑھتا تھا اور نکل جاتا تھا۔ ورنہ کون کسی کو بڑھنے دیتا ہے۔ وہ مر گیا ہے۔ اور آج تک اس کی تحریر سب سے آگے اور سب سے اونچی نظر آتی ہے۔

امین احمد رازی نے اسی عہد میں تذکرہ ہفت اقلیم لکھا ہے۔ اس ایرانی کے انصاف پر بھی ہزار آفرین ہے۔ کہ ہندوستانی شیخ کے باب میں اس طرح حق کو ظاہر کیا۔ "بے شائبہ تکلف و سخنوری و بے غائلہ تصنیف و مدح گستری۔ امروز در عقل و فہم نظیر و عدیل ندارد۔ باآنکہ ہموارہ در خدمت شاہنشاہی چوں عرض بجوہر قائم است۔ اگر ساعتے فرصتے مے یابد۔ اوقات را بہ تحصیل سخنان فضل و تحقیق مطالب حکما مصروف میدارد و در انشا ید بیضا دارد۔ چہ نوادر حکایات بعبارت تازہ در سلک تحریر مے کشید۔ واز تکلفات منشیانہ و تصنیفات مترسلانہ اجتناب واجب میداند و شاہد ایں معنی اکبر نامہ است و ہمچنیں بشعر خواندن رغبت بسیار دارد و بہ نذرا کت و وقت نظم نیک مے رسد و حیانا بنا بر آزمودن طبع جواہر نظمے از کان اندیشہ بیروں مے آرد"۔

تصنیفات:

اکبر نامہ دفتر اول میں سلسلہ تیموریہ کا حال ہے مگر مختصر۔ بابر کا کچھ زیادہ۔ ہمایوں کا اس سے زیادہ (عام ترتیب میں یہ جلد اول ہے) پھر اکبر کا ۱۷ برس کا حال۔ اسے قرن اول قرار دیا ہے کیونکہ ۱۳ برس کی عمر میں تخت نشینی کے ۱۷ برس کا حال یہ کل ۳۰ برس ہوئے۔ (عام ترتیب میں اس پر جلد دویم ختم ہوتی ہے)

دیباچہ میں کچھ عذر بھی لکھتے ہیں۔ جیسا کہ باکمال مصنفوں کا انکسار ہوتا ہے۔ یہ منصفانہ تحریر

Marfat.com

قابل تعریف ہے۔ کہ میں ہندی ہوں فارسی میں لکھنا میرا کام نہیں تھا۔ بڑے بھائی کے بھروسے پر یہ کام شروع کیا اور افسوس یہ کہ تھوڑا ہی لکھا گیا تھا جوان کا انتقال ہوا۔ دس برس کا حال انکی نظر سے اس طرح گزرا ہے کہ انہیں اس پر بھروسہ نہ تھا۔ میری خاطر جمع نہ تھی۔

دفتر دوم ۱۸ جلوس یعنی قرن ثانی سے شروع کیا ہے۔ اور ۴۶ جلوس ۱۱۱۰ھ پر ختم کیا۔ (عام ترتیب میں جلد سوم ہے۔ باقی آخر عہد اکبر کا حال عنایت اللہ محب نے لکھ کر تاریخ اکبری پوری کی۔ مگر مروج نہیں۔ اسے الفنسٹین صاحب محمد صالح کی طرف منسوب کرتے ہیں)

جلد اول:

جس میں ہمایوں کا حال ختم کیا ہے۔ اس کی عبارت سلیس منشیانہ محاورہ متانت سے دست وگریبان ہے۔

جلد دوم:

اکبر کی ۱۷ سال کی سلطنت کا حال ہے۔ اس میں مضامین کا جوش وخروش، لفظوں کی شان وشکوہ، عبارت زور شور پر ہے۔ اور بہار کے رنگ اڑتے ہیں۔ اس کا انداز عالم آرائے عباسی اور انشائے طاہر وحید سے ملتا ہے۔

جلد سوم میں رنگ بدلنا شروع ہوا ہے۔ عبارت بہت متین سنجیدہ اور مختصر ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دہ سالہ اخیر کو دیکھیں تو آئین اکبری کے قریب قریب جا پہنچتی ہے لیکن جس جس رنگ میں ہے اسے پڑھ کر دل کہتا ہے کہ یہی خوب ہے۔ ہر جشن جلوس پر بلکہ بعض بعض معرکوں کی ابتدا میں ایک ایک تمہید چند سطر یا آدھے صفحے کی۔ کہیں بار یہ رنگ میں۔ کہیں حکیمانہ انداز میں ہے۔ اس میں دو دو شعر بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ تضمین ہیں جن میں اکثر رنگینی کم، متانت زیادہ، نمونہ کے طور پر چند جلوسوں کے دیباچے لکھتا ہوں۔

آغاز سال ہژدہم الٰہی از جلوس مقدس شاہنشاہی:

دریں ہنگام سعادت پیرائے شعہ رایات سلطان بہار صیقلگر مرات طبائع شد چمن راپرندسوری وپرنیاں سمن آئین بستند۔ شمال وصبا خس وخاشاک خزاں از گلستان روزگار رفتند۔ اعتدال ہوا چوں عدالت شاہنشاہی نیرنگ ساز بدائع نگار۔ وتازگیہائے شگرف ونادرہ کاریہائے نو شگفت افزائے جہانیاں شد۔

Marfat.com

خواست پریدن چمن از چابکی　　خواست چکیدن سمن از نازکی
قافلہ زن یاسمن وگل بہم　　قافیہ گو قمری و بلبل بہم

پس از سپری شدن ہشت ساعت وہفت دقیقہ شب چہار شنبہ ششم ذیقعدہ ہفصد دہشتاد قمری نیر اعظم۔ فروغ افروز عالم۔ پرتو محاذات بہ برج حمل انداخت وعالم عنصری فروغ ملک روحانی گرفت۔

آغاز سال بست ودوم الہٰی از جلوس اقدس شاہنشاہی:

شہریار معدلت دوست درحواشئے دیپالپور عبادت نشا تجرد تعلق رادر نقاب شکار بقدیم رسانیدہ صورت رابہ معنی مزاج یکتائی مے بخشد وظاہر راپایہ باطن میدہد۔ گلبانگ اعتدال ربیعی چہرہ افروز انبساط آمد۔ نشاط را بارگاہ فراخ زدند وہنگامہ بخشش رونق دیگر پذیرفت۔ شب دوشنبہ بستم ذوالحجہ بعد از ہفت ساعت ودوازدہ دقیقہ۔ فروغ افزائے نورستان ایزدی پرتو خرمی بحمل انداخت۔ مناظر صورت را رنگ آمیزی مطالع انوار حقیقت در گرفت۔ آسماں جواہر نیستانی بار معانی زمین فرو ریخت۔ وادبہ نثار قدوم نور رسیدگان ملک تقدس ہزاراں نقش دلفریب بیروں فرستاد۔ گیتی خدیو مراسم سپاس گزاری راہ آئین تازہ پیش گرفت وبخشایش را روز بہجت پدید آمد۔

جہاں از نقش قدرت شد چو صورتخانہ مانی　　چمن از نور حکمت شد چو فکر بوعلی سینا
زمیں از خرمی گوئی کشادہ آسماں اتی　　کشادہ آسماں گوئی شگفتہ بوساں اتی

آغاز سال بست وششم الہٰی از جلوس شاہنشاہی

علم دولت ہنوز بصحر ابر خاست　　فیض روح القدس از عالم برنا برخاست
چہ ہوا ئیست کہ خلدش بہ تحیر بہ نشست　　چہ زمینے است کہ چرخش بتولا برخاست

شب پنجشنبہ پنجم صفر نہصد ونود ہلالی بعد از سپری شدن شش ساعت وبست ودو دقیقہ نور پرواز جہان صورت ومعنی دیار خدائے عالم پنہاں وپیدا بہ برج حمل نظر خرمی انداخت وعنصری عالم راچوں روحانی ملک نور آئیں گردانید۔ جشن شادمانی آرایش تازہ یافت۔ صلائے عیش بلند آوازہ شد۔ ازانچہ درسر آغاز ایں سال خجستہ تابش ظہور داد۔ نہضت رایات ہمایوں است بصوب دریائے سندھ۔

آغاز سال بست ونہم از مبدائے جلوس:

دریں سرآغاز روز افزوں وتازہ کاری دولت ابد پیوند رسیدن نو خواستگان دریں بقا جہاں را

Marfat.com

شادمانی دیگر بخشید۔ و بے برگان افرینش را تازہ آبے برروے کار آمد۔ نظم

شگفتہا ہمیں کردی کہ بہمن برگ ریز آمد　　بیا برخیز گلشن بیں کہ بہمن درگریز آمد

ز رعد آسماں بشنو تو آواز دہل یعنی　　عروسی دارد ایں بستاں کہ بستاں برجہیز آمد

نقشبنداں کار آگاہ سلطنت در نیر نگئے آرایش دولت خانہ والا نگہی بکار بردند۔ وبگزیں روشے اساس ازیں برنہادند۔ بست و پنجم اسفند ارمزدر بستاں سرائے۔ کہ چہار کروہے فتح پور بفرمایش حضرت مریم مکانی سرسبز و شاداب است۔ بزم عشرت پیراستند و برخے پردگیاں دراں روحانی منزلگاہ باریافتند اشارہ یہ ہے کہ اس سال سلیم کی شادی ہے۔

جس طرح ملا صاحب وقت پر رک نہیں سکتے اس وقت آزاد بھی رہ نہیں سکتا۔ انکی روح سے چند ساعت کے لئے معافی مانگتا ہے۔ اور اہل انصاف کو دکھاتا ہے۔ کہ ہر شخص کے کمال میں بلکہ بات بات میں بال کی کھال اتارتے تھے۔ اور بیشک صراف سخن تھے۔ لفظ لفظ کو خوب پرکھتے تھے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ رات دن ابوالفضل وفیضی سے شیروشکر رہتے تھے۔ اور ان کلاموں کو ان کی زبانوں سے سنتے تھے۔ اور اُنکی کلام کو بھی دیکھتے تھے۔ باوجود اس کے اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ اکبر نامہ کے عہد تحریر میں مجھ سے ایک رکن سلطنت نے کہا کہ بادشاہ نے شہر نگرچیں آباد کیا ہے۔ اکبر نامہ کے انداز میں تم بھی اسکی تعمیر کی صورتحال لکھو۔ آپ نے اس پر ایک آدھے صفحہ کی عبارت لکھی ہو گی۔ اسے بھی اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ یہ ضرور ہے۔ کہ اپنا بیٹا سب کو خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ملا صاحب اور سب برابر بھی تو نہیں۔ اندھیرے اجالے میں فرق نہ معلوم ہوا؟ بیشک اکبر نامہ کا انداز یہ ہے۔ مضامین کا ہجوم، عبارس کا جوش وخروش، لفظوں کی دھوم دھام، کلمات مترادف کی بہتات۔ ہر واقعہ کے ساتھ اس کی دلیل و برہان کے کئی کئی کاف بیانیہ جملے معترضے۔ فقرہ پر فقرہ چڑھتا چلا آتا ہے۔ گویا کمان کیانی ہے۔ کہ کھینچتی ہی چلی جاتی ہے۔ انہوں نے اس کی نقل کی ہے۔ خیر وہ تو کب ہوسکتی ہے۔ بیٹھے منہ چڑاتے ہو۔ اور اخیر کے شعر پر تو رو ہی دیجئے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ وہ بھی شعر لکھتا ہے۔ مگر سبحان اللہ جیسے انگوٹھی پر یاقوت جڑ دیا۔ بھلا اس عبارت کو کتاب میں نقل کر کے اپنے تئیں رسوا کرنا کیا ضرور تھا۔ (ملا صاحب کی عبارت) دریں سال تعمیر شہر نگرچیں واقع شد وسطرے چند کہ یکے از اعیان دولت دروقت تالیف اکبر نامہ بفقیر فرمودہ بود کہ دریں باب نویسد۔ آں را بجنس ایراد مے نماید۔ چوں مہندس کارخانہ ابداع۔ اندیشہ بلند شہریار کامگار را کہ معمار معمورہ گیتی خصوصاً بنائے مقصورہ ہنداست۔ از آغاز فطرت اختراع آئین ایجاد فرمودہ تا بمقتضائے بیت۔

جہاندار داند جہاں داشتن　　یکے را بدیدن دگر کاشتن

Marfat.com

ہر سہ منزلے و ہر گل زمینے را کہ ہوائے آں معتدل و فضائے آں فسیح۔ آبش گوارا۔ و سوادش مسطح باشد تعمیر بخشیدہ محل نزول اجلال مواکب اقبال سازو چہ اختیار راماکن متنزہ و مساکن طیبہ۔ و منزل مروحہ۔ و میاہ عذب۔ بہر ابقائے نعمت صحت بدنی۔ واحتمائے اعتدال مزاج انسانی کہ وسیلہ معرفت وطاعت یزدانی ہماں تواند بود۔ از جملہ ستہ ضروریہ است۔ خصوصاً وقتے کہ بعضے از مصالح ملکی نیز مشل سیر وشکار وغیرہ باآں منضم گردد۔ بنا بریں دواعی دریں سال خجستہ فال بعد از معودت از سفر مالوہ کہ اولیائے دولت منصور واعدائے ملک مقہور شدہ بودند پشدید ہمت والا نہمت واقتضائے رائے جہاں آرا چناں افتاد کہ کگرولی را کہ بیک فرسنگے آگرہ واقع شدہ و باعتبار لطافت آب ونظامت ہوا بر خیلے امکنہ رجحانے ومزیتے تمام داشتہ۔ معسکر حشم ہمایوں و مخیم دولت ابد پیوند گردانیدہ واز مضایق مداخل ومعارج شہر قدسی ماثر را فراغتے حاصل گشتہ اوقات فرخندہ سمات را گاہ ہے بچوگاں بازی۔ وگاہے بدوانیدن سگاں تازی و پرانیدن جانوران گوناگون مصروف سازند۔ و بنائے آن معمورہ بلند اساس راشگون استحکام مبانئ قصر سلطنت بزوال وتفاول از دیاد جاہ وجلال گرفتہ۔ فرمان نافذ براں گونہ عز اصدار یافت۔ کہ باریافتگان قرب ومنظوران نظر عاطفت ہر کدام از برائے خود دراں مکان مرفہ عمارت عالی ومنازل رفیع بنیاد نہند ودراندک مدت سواد آں بقعہ لطیف از پرتو توجہ حضرت ظل الٰہی۔ خال رخ نوعروس عالم شد ونگر چیں کہ عبارتست از امن آباد نام یافت۔ بیت

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر مے خواست   آمد از غیب پس پردہ اقبال پدید

ملا صاحب نے گول مول فقرے میں لکھا ہے۔ نہیں کھلتا کہ فرمائش کرنے والا کون تھا۔ غالباً آصف خاں یا قلیچ خاں ہوں۔ امرا میں سے انہیں کے جلسوں میں آپ اکثر شامل رہا کرتے تھے۔ اور یہ بھی عجب نہیں۔ کہ ابوالفضل ہی نے فرمایش کردی ہو۔ وہ بھی ثقہ ظریف تھے۔ کہا ہوگا کہ باتیں تو بہت بناتے ہیں۔ کچھ کر کے بھی تو دکھائیں۔ گھڑی دو گھڑی دل لگی رہے گی۔ ع

ہاں خلیفہ ہم بھی دیکھیں پہلوانی آپ کی

باوجودان سب باتوں کے جو شخص اس دریائے فصاحت کو اول سے آخر تک پڑھے گا۔ اور پھر کنارہ پر کھڑے ہو کر دیکھے گا تو معلوم کرے گا۔ کہ اس کے سرچشمہ پر پانی کا لطف اور لذت کچھ اور ہے۔ ۲۰ کوس پر کچھ اور ہے۔ بیچ میں کچھ اور ہے۔ اور پھر کچھ اور۔ یہ اتفاقات وقت کا مقتضا ہے۔ نئی ایجادوں میں ایسی تبدیلیاں ضرور ہوتی ہیں۔ یہ کوتاہی اس کی قابل ترمیم ہے۔ وہ جہاز سخن کا ناخدا ضرور اس بات کو سمجھا ہوگا۔ اور عجب نہیں۔ کہ اگر عمر وفا کرتی تو اول سے شروع کر کے اخیر تک ایک رفتار کر دکھاتا۔

Marfat.com

دفتر سوم آئین اکبری ۱۰۰۶ھ میں تمام کی۔ اس کی تعریف حد بیان سے باہر۔ کیونکہ ہر ایک کارخانہ کا۔ اور ہر ایک معاملہ کا حال۔ اس کے جمع وخرچ کا حال۔ ہر ایک کام کے ضوابط وقانون لکھے ہیں۔ سلطنت کے صوبہ صوبہ کا حال۔ ان کے حدود اربعہ، انکی مساحت۔ اس طرح کہ اول مختصر ہر جگہ کے تاریخی حال۔ پھر وہاں کی آمدنی اور خرچ، پیداوار قدرتی وصنعتی وغیرہ وغیرہ۔ وہاں کے مشہور مقام، مشہور دریا، نہریں یا نالے۔ اوران کے سرچشمے، اور یہ کہ کہاں سے نکلے اور کہاں کہاں گزرتے ہیں۔ اور کیا فائدے دیتے ہیں اور کہاں کہاں خطر ہیں۔ اور کب کب ان سے نقصان پہنچے۔ وغیرہ وغیرہ۔ فوج اور انتظام فوج۔ امرا کی فہرست اوران کے مدارج۔ اقسام ملازمان، اسامی اہل دربار واہل خدمت، فہرست اہل دانش، علماواہل کمال، اہل موسیقی، اہل صنعت، فقرائے صاحبدل، عام اہل یاضت تفصیل مزاروں اور مندروں کی۔ اوران کے حالات، بیان ان اشیاء کا جو ہندوستان کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ عقائد اہل ہند، علوم ہند ہند اور بہت سے حقائق ودقائق ان کی کتابوں سے حاصل کیے تھے۔

یہ باتیں آج کل کے اہل نظروں کی آنکھوں میں نہ جچیں گی کہ سرکاری رپورٹیں دیکھتے ہیں۔ اب ادنیٰ ادنیٰ ضلع کے ڈپٹی کمشنر یا مہتمان بندوبست اسے کئی درجہ زیادہ تحقیقیں اپنے ضلع کی سالانہ رپورٹوں میں لکھ دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ زیادہ نظر وسیع رکھتے ہیں۔ اور پس وپیش پر برابر نگاہ دوڑاتے ہیں۔ اور زمانہ کی کارگزاری کو وقت بوقت دیکھتے چلے آتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ اس وقت اس سلسلہ کا سوچنا، اور نظام باندھنا اور اس کا پھیلانا اور پھر سرانجام کو پہنچانا ایک کام رکھتا تھا۔ جو کرتا ہے وہی جانتا ہے۔ کہ لفظ لفظ پر کتنا لہو ٹپکانا پڑتا ہے۔ اب تو رستہ نکل آیا۔ دریا پایاب ہے۔ جس کا جی چاہے اتر جائے۔

مطالب مندرجہ کی تحقیقوں پر نظر کیجیے تو عقل حیران ہوتی ہے۔ کہ کہاں سے یہ ذخیرہ پیدا کیا اور کس خاک میں سے ذرے چن چن کر یہ سونے کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔ ایک ادنیٰ نکتہ دیکھ کر سمجھ لو کہ سات اقلیم کی معمولی تقسیم کر کے آپ بھی نئی تحقیقاتیں لکھی ہیں۔ ان میں کہتا ہے۔ کہ اہل فرنگ کے سیاحوں نے آج کل ایک نیا جزیرہ دیکھا ہے۔ جس کا نام چھوٹی دنیا (نیگی دنیا) رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے امریکہ مراد ہے۔ جو انہیں دنوں کولمبس نے دیکھی تھی۔ مگر افسوس اس کتاب کی کم نصیبی پر کہ ملا صاحب نے کس خواری سے خاک اڑائی۔

آئین اکبری کی عبارت کے باب میں کچھ کہے بغیر آگے بڑھوں تو دربار انصاف میں مجرم پراز پاؤں۔ اس لئے کم سے کم اتنا کہنا واجب ہے۔ کہ اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے مقلوبی ترکیبیں،

Marfat.com

نئی تراشیں، اس پر دل پذیر و دلکش دو دو تین تین لفظوں کے جملے سنجیدہ و برگزیدہ صفحوں کا عطر اور ورقوں کی روح ہیں۔ فضول اور زاید لفظ ممکن نہیں کہ آنے پائے۔ تشبیہ اور استعارہ کا نام نہیں۔ اضافت پر اضافت آجائے تو قلم کا سر کٹ جائے۔ پاک صاف سلیس اور اس پر نہایت برجستہ اور متین ہے۔ تکلف عبارت آرائی، مبالغے اور بلند پروازیوں کا نام نہیں۔

یہ انداز ابوالفضل نے اس وقت اختیار کیا ہوگا۔ جبکہ آتش پرستوں کا مجمع خاندیس کے علاقہ سے ژند و پہلوی کی کتابیں لے کر آیا ہوگا۔ بیشک اس نے اس امر کا التزام نہیں رکھا۔ کہ عربی لفظ اصلاً عبارت میں نہ آنے پائے۔ لیکن انداز عبارت وساتیر اور اردیراف وغیرہ پارس کی کتب قدیمہ سے لیا ہے۔ اور یہ اصلاح اس کی بالکل درست اور قرین مصلحت تھی۔ کیونکہ اگر فارسی خالص کی قید لگاتا تو کتاب مشکل ہو کر فرہنگ کی محتاج ہو جاتی، جس طرح اب ہر شخص پڑھتا ہے۔ اور مزے لیتا ہے۔ پھر یہ بات کب ہو سکتی تھی۔ غرض کہ جو کچھ اس نے لکھا خوب ہی لکھا ہے۔ وہ اپنی طرز کا آپ ہی بانی تھا۔ اور اپنے ساتھ ہی لے گیا پھر کس کو مجال نہ ہوئی کہ اس انداز میں قلم کو ہاتھ لگا سکے اللہ اللہ آئین اکبری کا خاتمہ لکھتے لکھتے ایک مقام پر زور میں بھر کر کیا مزے سے لکھتا ہے اور سچ کہتا ہے

صد داستان بوالعجب آمد بروے کار — حیراں شوند اگر دو سہ حرفے رقم زنند

نکتہ چینی:

جن لوگوں کے دماغوں میں نئی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے۔ وہ اس کی تصنیفات کو پڑھ کر یہ لکھتے ہیں۔ کہ ابوالفضل ایشیائی انشا پردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف تھا۔ اس نے اکبر نامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے۔ اس نے خوش بیانی اور یاوہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں دکھائی ہیں۔ اور عیب اس طرح چھپائے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مداح دونوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اور دونوں کی ذات و صفات پر بٹا لگتا ہے۔ البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا۔ دنیا کے کاموں کے لئے جیسی عقل کی ضرورت ہے۔ وہ اس میں ضرور تھی۔ آزاد کہتا ہے۔ کہ جو کچھ الفاظ و عبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے۔ لیکن وہ مجبور تھا۔ کیونکہ فارسی کا ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا۔ اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے۔ اور خرابیوں کو سنبھالا ہے۔ باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہیں۔ اور رموز سخن کے تاڑنے والے ہیں۔ اور کلام کے انداز اور اداؤں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا۔ کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ اصل حقیقت کو لکھ دیا ہے۔ اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھ دیا ہے۔

Marfat.com

یہ اسی کا کام تھا۔ یہ بھی اسی کا کام تھا کہ سب کچھ کہہ دیا۔ اور جن سے نہ کہنا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھے۔ اور اب تک بھی نہیں سمجھتے۔ خوشامد کی بات کو ہم نہیں مانتے۔ ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں۔ کونسا مورخ ہے۔ کہ خوشامد شاہ اور حمایت قوم سے پاک ہو۔ وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا۔ اسی کے انصاف سے اس کے خاندان کی عزت وآبرو بچی۔ اسی کی حفاظت سے سگی جانیں بچیں۔ اسی کی بدولت اس کے فضل وکمال نے قدر وقیمت پائی۔ اسی کی قدردانی سے رکن سلطنت ہو گیا۔ اسی کی پرورش سے تصنیفات ہوئیں۔ اور انہوں نے بلکہ خود اس نے صد ہا سال کی عمر پائی خوشامد کیا چیز ہے؟ اس کا تو دل عبادت کرتا ہوگا۔ اور جان لوٹ لوٹ کر خاک راہ ہوئی جاتی ہوگی۔ اس نے بہت ادب ظاہر کیا۔ شکر یہ ادا کیا۔ لوگوں نے خوشامد نام رکھا۔ اور خوشامد کی تو تعجب کیا؟ اور گناہ کیا کیا؟ آج کے لوگ اسکی جگہ پر ہوتے تو اس سے ہزار درجہ زیادہ بکواسیں کرتے اور ایسا نہ کر سکتے۔ مگر انکی وہ قسمت کہاں۔ ہاں ہاں ایک بات ہے۔ اس نے ہندوستان میں بیٹھ کر ایشیائی علوم اور زبان عربی وفارسی میں یہ کمال پیدا کیا کہ اکبر کا وزیر ہو گیا۔ تم اب انگریزی میں ایسا کمال پیدا کرو کہ سب کو پیچھے ہٹاؤ اور بادشاہ وقت کے دربار پر چھا جاؤ۔ پھر دیکھیں تم کتنے مصنف ہو اور کیا لکھتے ہو۔ میرے دوست دیکھو وہ سلطنت کا ایک جزو تھا۔ آج ارکان سلطنت نظام ملکی کے لئے ہزار طرف سے حکمت عملی اور مصلحتیں کھیلتے ہیں۔ اگر ہر بات میں سچ، واقعیت اور اصلیت پر چلیں اور لکھیں تو ابھی سلطنت درہم وبرہم ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو حرف پڑھنے آگئے ہیں۔ زبان چلنے لگی ہے۔ دوسرے کی بات کو سمجھتے نہیں۔ جو منہ میں آتا ہے کہے جاتے ہیں۔

خطاب سلاطین تیموری:

ابوالفضل کے بعد علامہ کا خطاب سلاطین تیموری میں سعد اللہ خان چنیوٹی کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ وزیر شاہجہان کا تھا۔ ملا عبدالحمید لاہوری نے شاہجہاں نامہ میں ایلچی ایران کے حال میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے ایک مراسلہ لکھا گیا۔ کہ سعد اللہ خاں نے لکھا تھا۔ وہیں اصل مراسلہ بھی نقل کر دیا ہے۔ کیا کہوں ابوالفضل کی نقل تو کی ہے۔ ایک تمہید بھی اول میں ویسی ہی اٹھائی ہے۔ الفاظ کی دھوم دھام بھی دکھائی ہے۔ فقرہ پر فقرے بھی مترادف شوا کئے ہیں۔ مگر یہ عالم ہے جیسے کوئی نو رفتار لڑکا چلتا ہے۔ دو قدم چلے گر پڑے۔ اٹھے چار قدم چلے بیٹھ گئے۔ اور یہ بات بھی اس صورت میں حاصل ہوئی۔ کہ صاحب کمال جلدیں کی جلدیں لکھ کر رستہ بتاتا گیا تھا۔ بھلا وہ بات کجا۔ اسے دیکھو کہ رواروچلا جاتا ہے۔ نہ فکر کی پرواز تھکتی ہے۔ نہ قلم کی نوک گھستی ہے۔

Marfat.com

ملا عبدالحمید کا حال:

اب ملا عبدالحمید کا حال سنو سلطنت چغتائیہ میں شاہجہاں کی سلطنت سیف و قلم کے سامانوں سے اعلیٰ درجہ کی با نام و نشان سلطنت تھی۔ علما و فضلا کے علاوہ ہر علم و فن کے باکمال اس کے دربار میں موجود تھے۔ بادشاہ کو منظور ہوا کہ عہد سلطنت کا کارنامہ لکھا جائے۔ جستجو ہوئی کہ آج کل اعلیٰ درجہ کا انشا پرداز کون ہے؟ کئی شخصوں کے لئے امیروں نے تقریب کی۔ کوئی پسند نہ آیا۔ ملا عبدالحمید لاہوری اس سند سے پیش ہوئے کہ شیخ کے شاگرد ہیں۔ ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کچھ حال بھی نمونہ کے طور پر لکھ کر عرض کیا۔ حضور میں منظور ہوا۔ اور خدمت تحریر حوالہ ہوئی۔ ظاہر ہے۔ کہ ابو الفضل کا شاگرد بڈھا فرتوت شاہجہاں کے زمانہ میں ہوگا تو کیا ہوگا۔ تھوڑا سا حال لکھ کر وہ ستر بہترے ہو گئے باقی کتاب اور لوگوں نے لکھی۔ خیر کوئی لکھے یہاں لکھنے کے قابل یہ بات ہے۔ کہ شاگرد ہونا اور شے ہے اور استاد کی بات حاصل ہو جانی اور شے ہے۔ شاجہاں نامہ کی عبارت آرائی، بہار افشانی، گلریزی، رنگینی مسلم، مترادف فقروں کے جوڑے لگے ہوئے ہیں۔ مقفے فقروں کے کھٹکے برابر چلے جاتے ہیں۔ مینا بازار لگا دیا۔ رسائل طغرا سجا دیئے۔ مگر اسے اکبر نامہ کی عبارت سے کیا نسبت ہے۔

ملا عبدالحمید نازک خیال بہار بند انشا پرداز اچھے تھے۔ رنگین رنگین لفظ چن کر لاتے تھے۔ اور بہار یہ فقروں میں معمولی طور پر سجاتے تھے۔ اور مطلب ادا کر دیتے تھے۔ اس اخلاق معانی کا کیا کہنا ہے۔ اس کے خانہ باغ میں گل و سنبل کو لائیں تو رنگ اڑ جائیں، طوطی و بلبل آئیں تو پر جل جائیں۔ وہاں تو فلسفہ و حکمت کی انشا پردازی ہے۔ بیان و مطلب کے لئے آسمان طبع سے مضمون نہیں تارے اتارتا تھا۔ اور فلسفی نظر سے جانچ کر اپنی قادر الکام زبان کے سپرد کرتا تھا۔ وہ جن لفظوں میں چاہتی تھی ادا کر دیتی تھی۔ اور ایسا کہتی تھی کہ آج تک جو سنتا ہے سر دھنتا ہے۔ ہم فقروں کو بار بار پڑھتے ہیں۔ اور مزے لیتے ہیں۔ ان کی عمدہ تراشیں، انوکھی ترکیبیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ فقط لفظوں کے پس و پیش سے مطالب کا زمین سے آسمان پر پہنچا دینا اسی کا کام ہے۔ صورت ماجرا ایسی بنیاد سے بیان کرتا ہے۔ کہ دل تسلیم کرتا جاتا ہے کہ یہ واقعہ جو ہوا۔ زمانہ کی حالت حکم کرتی تھی۔ کہ اسی طرح واقع ہو اور اسی کے بموجب نتیجہ نکلے۔ کیونکہ بنیاد اس کی وہ تھی۔ اور وہ تھی وغیرہ وغیرہ۔

مکاتبات علامی:

یعنی انشائے ابوالفضل کہ مدرسوں اور مکتبوں میں عام و تام ہے۔ اس کے تین دفتر ہیں۔ انہیں

Marfat.com

اس کے بھانجے نے ترتیب دیا ہے۔ کہ نسبت فرزندی رکھتا تھا۔

اول دفتر میں مراسلے ہیں۔ جو بادشاہ کی طرف سے سلاطین ایران و توران کے لئے لکھے تھے اور فرمان لکھے ہیں۔ کہ امرائے دولت کے لئے جاری ہوئے تھے۔ الفاظ کے شکوہ، معانی کا انبوہ، فقروں کی چستی، مضامین کی بلندی، کلام کی صفائی زبان کا زور دریا کا شور ہے۔ کہ طوفان کی طرح چلا آتا ہے۔ سلطنت کے مطالب، ملکی مقاصد، ان کے فلسفی دلائل، آئندہ نتائج کی ساری دلیلیں گویا ایک عالم ہے۔ کہ بادشاہ طبع کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ کہ مطالب اور الفاظ کو جس پہلو سے جس جگہ چاہتا ہے باندھ لیتا ہے۔ وہی عبداللہ خاں اوزبک کا قول زبان پر آتا ہے کہ اکبر کی تلوار تو نہیں دیکھی۔ مگر ابوالفضل کا قلم ڈرائے دیتا ہے۔

دفتر دوم میں اپنے خطوط اور مراسلے ہیں۔ کہ امرا اور احباب واقربا وغیرہ کے نام لکھے ہیں ان کے مطالب اور قسم کے ہیں۔ اس لئے بعض مراسلے جو خان خاناں یا کوکلتاش خاں وغیرہ کے نام ہیں وہ دفتر اول کی ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔ باقی دفتر سوم کے خیالات میں مسلسل ہیں۔ پہلے دونوں دفتروں کے باب میں اتنی بات کہنی ضرور ہے کہ سب پڑھتے ہیں اور پڑھانے والے پڑھاتے ہیں۔ بلکہ علما وفضلا شرحیں وحاشئے لکھتے ہیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہیں۔ مزہ اس کا جبھی آئیگا کہ پڑھنے پڑھانے سے پہلے ادھر بابر، ہمایوں اکبر کی تاریخ، ادھر سلاطین صفویہ کی تاریخ ایران اور عبداللہ خاں کی تاریخ توران دیکھی ہو۔ راجگان ہند کے سلسلوں اور ان کی رسم ورواج سے آگاہی ہو۔ دربار اور اہل دربار کے حالات سے اور ان کے آپس کے جزوی جزوی معاملات سے بخوبی واقف ہو۔ یہ نہ ہو تو پڑھنے والا ساری کتاب پڑھ لے گا۔ ایک اندھا ہے۔ کہ تمام عجائب خانہ میں پھر آیا۔ اور کچھ خبر بھی نہیں۔

دفتر سوم میں اپنی بعض کتابوں کے دیباچے۔ بعض مصنفین سلف کی کتابوں میں سے کسی کتاب کو دیکھا ہے۔ اسے دیکھ کر جو خیال گزرے ہیں۔ انہیں کی تصویر ایک نثر کے رنگ میں کھینچ دی ہے۔ اس زمانہ میں کوئی ریویو کا نام بھی ایشیا میں نہ جانتا تھا۔ اس کے نکتہ یاب فکر کو دیکھو کہ تین سو برس پہلے ادھر گیا اکثر جگہ نفس ناطقہ کے مراتب عالی، طبیعت کی وارستگی، دل کی آزادی جس میں دین ودنیا سے بیزاری۔ باوجود اس کے خیالات کی بلند پروازی کا ایک عالم آباد ہے۔ بے خبر کہتے ہیں کہ دونوں بھائی دہریئے تھے۔ بد مذہب تھے۔ وہاں آکر دیکھیں سبحان اللہ یہ جنید بغدادی بول رہے ہیں۔ شیخ شبلی اور حقیقت میں خدا جانے کیا ہیں۔ اس دفتر کے شائق کو چاہئے کہ فلسفہ وحکمت کے ساتھ تصوف اور حکمت اشراق سے بھی بہرہ کافی حاصل ہو۔ تب لطف اٹھائے گا۔ ورنہ کھانا کھائے جاؤ نوالے چباؤ جاؤ۔ پیٹ بھر جائے گا۔ مزہ پوچھو تو کچھ نہیں۔

Marfat.com

اس میں بعض سفید بیاضوں پر دیباچے لکھے ہیں۔ کہ کسی میں چیدہ اور برگزیدہ اپنی پسند کے اشعار شعرائے باکمال کے لکھتے ہیں۔ کسی میں بعض کتابوں کی کوئی عبارت یا تاریخی رویات پسند آتی تھی وہ لکھ لیتے تھے۔ کسی میں کچھ موتی نظم یا نثر ہو کر اپنی طبیعت سے ٹپکتے تھے۔ وہ بھی ٹانک لیا کرتے تھے۔ کسی میں حساب کتاب کی یادداشت لکھتے تھے۔ افسوس وہ جواہر کے ٹکڑے اب کہاں ملتے ہیں۔ کتابوں پر خاتمے لکھے ہیں۔ یا ان پر اپنی رائے لکھی ہے ان کے اخیر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ فلاں تاریخ فلاں مقام میں لکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کیفیت ہمیں آج ان کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اسے اسی وقت معلوم ہوتی تھی۔ اکثر تحریریں لاہور میں بعض کشمیر میں، بعض خاندیس میں لکھی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ انہیں پڑھ کر ہمیں ضرور یہ خیال آتا ہے۔ کہ لاہور میں اس وقت کیا عالم ہوگا۔ اور وہ خود کس طرح یہاں بیٹھا ہوگا جب یہ لکھ رہا ہوگا۔ کشمیر اور اس کے اطراف میں دو دفعہ میرا گزر ہوا۔ کئی مقاموں پر دونو بھائی یاد آئے اور دل پر عجب عالم گزرا۔ (امیر حیدر بگرامی سوانح اکبری میں لکھتے ہیں کہ مکاتبات ابوالفضل کے چار دفتر تھے۔ چوتھا خدا جانے کیا ہوا)

کلیلہ دومنہ کا فارسی ترجمہ:

عیار دانش، کتاب کلیلہ ودمنہ ہے۔ اصل سنسکرت میں تھی۔ یہاں سے نوشیروان نے منگائی۔ وہاں مدت تک اسی عہد رودکی نے نظم کی۔ بعد اس کے کئی قالب بدل کر ملا حسین واعظ کی زبان سے فارسی متعارف کے کپڑے پہنے۔ اور پھر اپنے اصلی وطن یعنی ہندوستان میں آئی۔ اکبر نے جو اسے دیکھا تو خیال آیا۔ کہ جب اصل سنسکرت ہمارے پاس موجود ہے۔ تو اسی کے مطابق کیوں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کتاب مذکور پند ونصائح کے لحاظ سے خاص وعام کیلئے کارآمد ہے۔ یہ ایسی عبارت میں ہونی چاہئے جسے سب سمجھ سکیں۔ انوار سہیلی لغات واستعارات کے اینچ پیچ میں آکر مشکل ہوگئی ہے۔ شیخ کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھ کر ترجمہ کرو۔ چنانچہ چند روز میں تمام کر کے ۹۹۶ھ میں خاتمہ لکھ دیا۔ مگر خاتمہ بھی وہ لکھا ہے۔ کہ معنی آفرینی کی روح شاد ہوتی ہے۔

ملا صاحب اس پر بھی اپنی کتاب میں ایک وار کر گئے۔ اکبر کے احکام جدیدہ کی شکایت کرتے کرتے فرماتے ہیں۔ کہ اسلام کی ہر بات سے نفرت ہے۔ علوم سے بھی بیزاری ہے۔ زبان بھی پسند نہیں حروف بھی نامرغوب ہیں۔ ملا حسین واعظ نے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ انوار سہیلی کیا خوب لکھا تھا۔ اب ابوالفضل کو حکم ہوا کہ اسے عام صاف ننگی فارسی میں لکھو۔ جس میں استعارہ وتشبیہ بھی نہ ہو۔ عربی الفاظ بھی نہ ہوں۔

Marfat.com

بالفرض ملا صاحب کی رائے اکبر کے باب میں بالکل واقعی ہو۔ لیکن اسی مقدمہ خاص کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ابوالفضل پر ہر جگہ طعن بیجا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شیخ کا اور اس کے بزرگوں کا جو کچھ سرمایہ فخر وکمال تھا یہی عربی کے علوم اور عربی زبان تھی۔ اسے ان چیزوں سے نفرت و بیزاری ہونی ممکن نہیں۔ ہاں اپنے بادشاہ کا فرماں بردار نوکر تھا۔ اپنی مصلحت کو سمجھتا تھا۔ آقا اور نوکر کے مراتب کو خوب پہچانتا تھا۔ اگر وہ اس کے حکموں کی صدق دل سے تعمیل نہ کرتا تو کیا کرتا نمک حرام ہوتا؟ اور خدا کو کیا جواب دیتا؟ اور اکبر کے اس حکم سے بیزاری کا نتیجہ کیونکر نکال سکتے ہیں؟ اگر ایک دشواری کو آسانی کی منزل پر پہنچا دیا تو اس میں کفر کیا ہوگا۔ ملا صاحب کے ہاتھ میں قلم ہے۔ یہ بھی اپنے ملک تصنیف کے اکبر بادشاہ ہیں۔ جو جی چاہے لکھ جائیں۔

رقعات ابوالفضل:

یہ اس انداز کے خطوط ہیں۔ جو انگریزی ملازموں میں نج کی (پرائیویٹ) تحریریں کہلاتی ہیں۔ ایک ایک فقرہ قابل دیکھنے کے ہے۔ ان سے اس کے طبعی حالات، دلی خیالات اور گھر کے معاملات معلوم ہوتے ہیں۔ پھر بھی مزہ جبھی آئیگا کہ اس عہد کے تاریخی حالات اور اہل زمانہ کے جزوی جزوی امورات سے خوب واقف ہو۔ سبحان اللہ جن شیخ ابوالفضل کے لئے ابھی لکھ چکا ہوں کہ کبھی شیخ شبلی ہیں، اور کبھی جنید بغدادی۔ انہی نے خان خاناں کے باب میں جو جو کچھ لکھا ہے۔ میں اسے پڑھ کر شرماتا ہوں اور خان خاناں بھی وہ کہ جب پہلے دفتر میں اسے اکبر کی طرف سے فرمان لکھتے ہیں۔ تو محبت کا یہ عالم ہے کہ دل و جان اور دم و ہوش فدا ہوئے جاتے ہیں۔ دوسرے دفتر میں اپنی طرف سے خط لکھتے ہیں۔ تو محبت کا یہ عالم ہے کہ۔ دل و جان اور دم و ہوش فدا ہوئے جاتے ہیں۔ بیرم خاں تو کیا؟ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ماں کے پیار بھرے سینہ سے دودھ بہا ہے۔ باوجود اس کے جبکہ خاندیس میں خان خاناں شاہزادہ دانیال کے ساتھ ملک گیری کر رہا ہے بعض اطراف میں یہ خود لشکر لئے پھرتے ہیں۔ کبھی دونوں پاس پاس آجاتے ہیں۔ کبھی دور جا پڑتے ہیں۔ اور کام دونوں کے باہم دست و گریباں ہیں۔ وہاں سے بعض عرضداشتوں میں اکبر کو اور اکبر کی ماں اور اکبر کے بیٹے، اور شاہزادہ سلیم یعنی جہانگیر کو عرضیاں لکھی ہیں۔ ان میں خان خاناں کی بابت وہ کچھ لکھتے ہیں۔ اور ایسے ایسے خیالات میں اول مضمونوں کو ادا کرتے ہیں کہ عقل حیران ہو کر کہتی ہے۔ یا حضرت جنید آپ اور یہ خیالات یا حضرت بایزید آپ اور یہ مقالات۔ میں ان میں سے بعض عرائض کی نقلیں اخیر میں ضرور لکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

کشکول:

فقیر کی کشتی گدائی کو کہتے ہیں۔ کہ ہر شخص نے دیکھی ہوگی۔ جو کچھ پاتا ہے، پلاؤ خواہ چنے کے دانے، آٹا ہو کہ روٹی، دال کہ بوٹی، ہر طرح کا ٹکڑا، گھی میں تر ہو کہ سوکھا۔ کچھ ساتھ ہو کہ روکھا، باسی، تازہ، میٹھا، سلونا، ترکاری، میوہ، غرض سب کچھ اس میں ہوتا ہے۔ صاحب شوق اور طالب استعداد جو کتابوں کی سیر کرتا ہے۔ وہ ایک سادی کتاب پاس رکھتا ہے۔ جو مطلب پسند آتا ہے۔ کسی علم کا ہو، کسی فن کا ہو، نثر یا نظم اس میں لکھتا جاتا ہے۔ اسے کشکول کہتے ہیں۔ اکثر علما کے کشکول مشہور ہیں۔ اور ان سے طالب شائق کو سرمایہ معلومات کا حاصل ہوتا ہے۔ دلّی میں میں نے ایک نسخہ ابوالفضل کے کشکول کا دیکھا تھا۔ شیخ ابوالخیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

جامع اللغات:

ایک مختصر کتاب لغت میں ہے۔ عالم طالب علمی میں الفاظ جمع کئے ہونگے۔ اسے ابوالفضل جیسے محقق کی طرف منسوب کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

رزمنامہ:

(ترجمہ مہابھارتا) پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہوا ہے۔

ان کی تصنیفات کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عاشقانہ اور رنگین مضامین زمین طبع میں بہت کم سرسبز ہوتے تھے۔ بہاریہ مضامین اور گل و بلبل اور حسن و جمال کے اشعار کہیں تو اتفاقاً خاص سبب سے لانے پڑتے تو مجبوراً لاتے تھے۔ طبیعت کی اصلی پیداواری جو کچھ تھی وہ نفس ناطقہ کے خیالات، حکمت، معرفت، فلسفہ، پند، نصیحت، دنیا کی بے حقیقتی اور اہل دنیا کی ہوسوں کی تحقیر ہوتی تھی۔ ان تحریروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ جو کچھ لکھتے تھے۔ قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ اور طبیعت کی آمد سے کہتے تھے۔ انہیں اپنی تحریر میں جانکاہی اور عرق ریزی پر زور نہ ڈالنا پڑتا تھا۔ ان کے پاس دو جوہر خداداد تھے۔ اول مضامین و مطلب کی بہتاب، دوسری قدرت کلام اور الفاظ کی مساعدت۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو کلام میں ایسی صفائی اور روانی نہ ہوتی۔

نظم میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اسکی طبیعت قدرتی شاعری سے محروم تھی۔ میں نے غور کر کے دیکھا ہے۔ جہاں کچھ لکھا ہے اور جتنا لکھا ہے۔ ایسا لکھا ہے کہ کانٹے کی تول۔ یہ ضرور ہے کہ ضرورت کا بندہ اور وقت کا پابند تھا بے ضرورت کوئی کام ہو اس کے قانون میں جائز نہ تھا۔

Marfat.com

جہاں مناسب وموزوں دیکھتا تھا۔ نثر کے میدان کو نظم کے گلدستوں سے سجاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ طبیعت حاضر تھی۔ اور عین موقع پر مدد دیتی تھی۔ جو مضمون چاہتا تھا نہایت سنجیدہ اور برجستہ الفاظ اور چست ترکیب کے ساتھ موزوں کرتا تھا۔ مگر وہی کہ جتنی ضرورت ہو۔ بلکہ سنجیدگی اور برجستگی بڑے بھائی کے کلام کو حاصل نہ تھی۔ اکثر مثنوی کے ڈھنگ میں چند شعر لکھتا ہے۔ اور نظامی کے مخزن اسرار اور سکندر نامہ سے ملا دیتا ہے۔ قصیدہ کے انداز میں انوری سے پہلو مارتا ہے اور آگے نکل جاتا ہے۔

شکل وشمائل:

- اکبرنامہ کے خاتمہ میں شیخ نے خدا کی چند نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں نمبر ۵ و ۶ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ہاتھ پاؤں ڈیل ڈول میں معتدل تھے۔ اعضا میں تناسب اور اعتدال تھا۔ اکثر تندرست رہتے تھے۔ مگر رنگ کے کالے تھے۔ عرائض مندرجہ کے اخیر میں تم دیکھو گے کئی جگہ خان خاناں کی شکایت میں لکھتے ہیں۔ کہ حضور وہ جتنا رنگ کا گورا ہے اتنا ہی دل کا سیاہ ہے۔ میں اگرچہ رنگ کا کالا ہوں۔ مگر دل کا سیاہ نہیں۔ اہل نظر نے ان کی تصنیفات کو اکثر پڑھا ہوگا۔ اور خیال کیا ہوگا تو ضرور کھل گیا ہوگا۔ کہ وہ ایک متین کم سخن متحمل شخص ہونگے۔ چہرے سے ہر وقت معلوم ہوتا ہوگا کہ کچھ سوچ رہے ہیں۔ ہر کام میں ہر بات میں چلنے پھرنے میں آہستگی ہوگی۔ چنانچہ یہی باتیں اس وقت کی تاریخوں کے متفرق مقاموں سے تراوش کرتی ہیں۔
- ماثر الامراء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کبھی حرف ناشائستہ ان کے منہ سے نہ نکلتا تھا۔ فحش یا گالی سے زبان آلودہ نہ کرتے تھے۔ غیر تو درکنار اپنے نوکر تک پر بھی خفا نہ ہوتے تھے۔ غیر حاضری کی تنخواہ ان کی سرکار میں مجرا نہ لیتے تھے۔ جس کو وہ نوکر رکھتے تھے۔ پھر موقوف نہ کرتے تھے۔ نکما نالائق ہوتا تو اس کی خدمتوں کو ادل بدل کرتے رہتے۔ جب تک رکھ سکتے رہنے ہی دیتے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر موقوف ہوکر نکلے گا۔ تو نالائق سمجھ کر کوئی نوکر نہ رکھے گا۔

جب آفتاب حمل میں آتا اور نیا سال شروع ہوتا۔ تو گھر اور تمام کارخانوں کو دیکھتے۔ حساب کتاب کا فیصلہ کرتے۔ گوشواروں کی فہرست لکھوا کر دفتر میں رکھ لیتے اور کتابوں کو جلوا دیتے۔ سب پوشاک نوکروں کو بانٹ دیتے تھے۔ مگر پائجامہ سامنے جلوا دیتے تھے۔ (خدا جانے اس میں کیا مصلحت تھی) شیخ کی تین بیبیاں تھیں۔ (۱) ہندوستانی۔ غالباً یہی گھر والی ہوگی جس کے ساتھ ماں باپ نے شادی کر کے بیٹے کا گھر آباد کیا ہوگا۔ (۲) کشمیرن۔ عجب نہیں کہ پنجاب اور کشمیر کے سفروں

Marfat.com

میں خود تفریح طبع کا سامان بہم پہنچایا ہو۔ اگرچہ اس متین فاضل اور منصفانہ خیالات کے آدمی سے یہ بات بعید ہے۔ مگر انسان ہے ایک وقت دل شگفتہ بھی ہوتا ہے۔ (۳) ایرانی۔ اگر میری رائے غلط نہ ہو تو یہ بی بی فقط زبان کی درستی اور خاص خاص محاورات رواں کرنے کی غرض سے کی ہوگی۔ فارسی کی انشا پردازی اس کا کام تھا۔ زبان کا جویا تھا۔ ہزاروں محاورے ایسے ہوتے تھے۔ کہ اپنے مقام پر خود بخود ہی ادا ہو جاتے ہیں۔ نہ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے۔ نہ بتانے والا بتا سکتا ہے صاحب زبان سیاق تحریر میں بول جاتا ہے۔ اور طالب زبان وہیں گرہ میں باندھ لیتا ہے پس خانہ داری کی جزئیات اور گھر کے کاروبار کی ادنیٰ ادنیٰ بات فرہنگ و مصطلحات سے کل حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں بھائیوں کی صحبت میں ہمیشہ ایرانی موجود رہتے تھے۔ اور تمام خدمت گار اور کسب وکار کے لوگ ایرانی ہی تھے۔ مگر گھریلو باتیں تو گھر ہی میں ہوتی ہیں۔ اصلی محاورات اس ترکیب کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔

دستر خوان:

کھانے کا حال سن کر تعجب آتا ہے۔ اجناس کا وزن ۲۲ سیر ہوتا تھا۔ کہ مختلف رنگوں سے پک کر دستر خوان پر لگتی تھیں۔ عبدالرحمٰن پاس بیٹھتا تھا۔ اور خانساماں کی طرح دیکھتا رہتا تھا۔ خانساماں بھی سامنے حاضر رہتا تھا۔ دونوں خیال رکھتے تھے کہ کس رکابی میں سے دو تین یا کئی نوالے کھائے۔ جس کھانے میں سے ایک ہی دفعہ کھایا اور چھوڑ دیا وہ دوسرے وقت دستر خوان پر نہ آتا تھا۔ کسی کھانے میں آب و نمک کا فرق ہوتا تو آپ فقط اشارہ کرتا، یعنی چکھو، وہ چکھ کر خانساماں کو دیتا منہ سے کچھ نہ کہتا۔ خانساماں اس کا تدارک کرتا۔ جب دکن کی مہم پر تھا۔ دستر خوان وسیع اور کھانے ایسے پر تکلف اور عمدہ ہوتے تھے۔ کہ آج کل کے لوگوں کو یقین نہ آئے۔ ایک بڑے خیمہ میں دستر خوان چنا جاتا تھا۔ ہزار عمدہ قابیں کھانے کی مع اس کے لوازمات کے ہوتی تھیں۔ اور سب امرا میں بٹ جاتی تھیں۔ پاس ہی اور بڑا خیمہ ہوتا تھا۔ اس میں کم درجہ کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور کھانے کھاتے تھے۔ باورچی خانہ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ اور کھچڑی کی دیگیں تو ہر وقت چڑھی ہی رہتی تھیں۔ جو بھوکا آتا تھا رزق پاتا تھا۔ اور کھاتا تھا۔

چھبیسواں شکرانہ ادا کرتے ہیں۔ کہ ۱۲ شعبان پیر کی رات ۹۷۹ھ میں لڑکا ہوا۔ مبارک دادا نے پوتے کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ خود فرماتے ہیں اگرچہ ہندی نژاد ہے۔ مگر مشرب یونانی رکھتا ہے۔ حضور نے اسے کوکہ یعنی اپنے دو بھائیوں میں شامل کیا ہے۔ (اکبر نے ہی اس کی شادی سعادت یار

Marfat.com

خاں کوکہ کی بیٹی کے ساتھ کی تھی)۔

ستائیسواں شکرانہ ہے کہ ۳ ذی قعد ۹۹۹ھ جمعہ کو عبدالرحمٰن کے ہاں لڑکا ہوا۔ گیتی خداوند نے پشوتن نام رکھا۔

عبدالرحمٰن

عبدالرحمٰن نے جو باپ کے ساتھ دکن میں جانبازیاں کیں کچھ کچھ بیان ہوئیں۔ وہ حقیقت میں بڑا بہادر تھا۔ جن معرکوں میں جنگ آزمودہ سپاہی جھجک جاتے تھے۔ وہ جھپٹ کر جاتا تھا۔ اور دلاوری اور دانائی کے زور سے ان معاملوں کو فیصلہ کر دیتا تھا۔ اسے زمانہ کے اہل تاریخ تیز روئے ترکش لکھتے ہیں تلنگانہ وغیرہ کی مہمیں مار کر اس نے باپ کے ساتھ دکن میں بڑا نام پیدا کیا۔ اکبر کے سرداروں میں شیر خواجہ کہنہ عمل سپاہی تھا۔ کہیں اس کے ساتھ اور کہیں آگے بڑھ کر خوب خوب تلواریں ماریں۔ اور ملک عنبر دکن کے بہادر سردار کو دھاوے مار مار کر اور میدان جما جما کر شکستیں دیں۔

جہانگیر کی یہ بات قابل تعریف ہے۔ کہ اس نے باپ کے غصہ کو بیٹے کے حق میں بالکل بھلا دیا۔ دو ہزار منصب عطا کیا۔ اور افضل خاں خطاب دیا۔ ۳ جلوس میں اسلام خاں اس کے ماموں کی جگہ بہار کا صوبہ دار کیا۔ بلکہ گورکھپور بھی جاگیر دیا۔ جب یہ بہار کا حاکم تھا۔ تو صدر مقام پٹنہ تھا۔ ایک جعلساز فقیر قطب الدین نام ادھر آیا۔ اور لوگوں کو بہکایا کہ میں جہانگیر کا بیٹا خسرو ہوں۔ قسمت نے یاوری نہ کی مہم بگڑ گئی۔ اب اس حال میں پھرتا ہوں۔ کچھ واقعہ طلب لوگ لالچ سے کچھ رحم کھا کر اس کے ساتھ ہو گئے اس نے فوراً پٹنہ پر دھاوا کیا۔ وہاں شیخ بنارسی اور مرزا غیاث عبدالرحمٰن کی طرف سے حاکم تھے۔ انہوں نے ایسی بزدلی کی کہ جعلی خسرو قابض ہو گیا۔ اور کل اسباب وخزانہ سب ہاتھ آیا۔ رحمٰن کی سنتے ہی شیر کی طرح آیا۔ جعلی خسرو مورچے باندھ کر سامنے ہوا۔ دریائے پن پن پر لڑائی ہوئی۔ مگر پہلے ہی حملے میں جعلی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اور وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گیا۔ رحمٰن بھی پیچھے ہی پیچھے پہنچے۔ اور پکڑ کر مار ڈالا دونوں بزدل سرداروں کو دربار میں بھیج دیا۔ جہانگیر سزا کے معاملے میں بڑے دھیمے تھے۔ انہوں نے ان کے سر منڈوائے۔ عورتوں کے کپڑے پہنائے اور الٹے گدھوں پر بٹھا کر شہر میں پھرایا۔ چند ہی روز بعد رحمٰن بیمار ہوئے۔ جب دربار میں گئے بڑی عزت ہوئی۔ افسوس کہ ۸ جلوس جہانگیری میں باپ کے ۱۱ برس بعد مر گئے۔ پشوتن ایک بیٹا چھوڑا۔ پشوتن نے جہانگیر کے عہد میں ۷ سو پیادہ۔ ۳ سو سوار کی افسری تک ترقی کی۔ شاہجہان کے عہد میں پانصدی کا منصب

Marfat.com

لیا۔ اور ۱۵ جلوس تک خدمتیں بجالاتا رہا۔

میں نے وہاں وعدہ کیا تھا کہ خان خاناں وغیرہ کے باب میں جوانہوں نے پھول کترے ہیں آخر میں ان کے ترجمہ سے ناظرین کا دل شگفتہ کرونگا۔ چنانچہ ایک عرضی مہم دکن سے بادشاہ کولکھی ہے۔ اس میں القاب وآداب طولانی کے بعد حالات مختلفہ کے ذیل میں بعض امورات انتظامی خان خاناں کے متعلق لکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں قسم ہے عزت الہی کی۔ اوراس کی گواہی کافی ہے کہ جوکچھ لکھا ہے۔ جوکہا ہے وہی ہے۔ اس میں ذرا بھی اور کچھ شبہ نہیں ہے۔ واللہ واللہ ثم باللہ الطالب الغالب الحی الذی لایموت۔ کہ کئی دفعہ کئی بار اس کے آدمیوں کو میرے پاس پکڑ کر لائے۔ اوراس کے نوشتے اقبال بادشاہی کے برخلاف پکڑے اور بجنسہ شاہزادہ والا گوہر کو دکھائے۔ تمام ارکان دولت انگشت بدنداں ہو گئے۔ ہاتھ ملے اور رہ گئے۔ بیچارگی سے خاموش ہیں۔ عجز وانکسار کے سوا کوئی رستہ نہیں دیکھتے۔ چپ بیٹھے ہیں۔ مگر بڑے چھوٹے، امیر غریب سب سمجھتے ہیں کہ مہم دکن کو اسی نے الجھاوے میں ڈالا ہے۔ اوراسی کے سبب سے رکی ہوئی ہے۔

قبلہ من۔ فدوی نے کئی دفعہ عریضہ میں عرض کیا ہے۔ مگر جواب شافی نہیں پاتا۔ عجب بات ہے۔ کہ فدوی کی عرض بھی غرض سمجھی جاتی ہے۔ ابوالفضل اس درگاہ کا پلا ہوا ہے۔ اور خاک سے اٹھایا ہوا ہے۔ خدانہ کرے کہ غرض آلودہ کہے۔ اوراس میں کوشش کرے۔ جس میں اس خاندانی کی بدنامی ہو۔ صاحب من ہم ہندوستان کے آدمی یکرو ہیں۔ خدانے ہماری سرشت میں دوروئی پیدا ہی نہیں کی۔ الحمدللہ کہ ہم نمک کو حلال کر کے کھاتے ہیں۔ اور لوگوں کی طرح سفید رو اور سیاہ دل نہیں۔ اگرچہ ظاہرا میں رنگت کا کالا ہوں۔ باطن سفید رو ہے جیسے آئینے کے ظاہر میں اس کی سیاہ رنگی سے وہم پڑتا ہے مگر خوب ملاحظہ فرمائیں۔ پاکیزہ دروں اور صاف دل ہوں۔ کھوٹ کپٹ کچھ نہیں۔ شعر

نیم مرکز فروغ غیر دارد خانہ نورانی　　　چو خورشیدم کہ نور خانہ از شمع زباں دارم

ایک اور تحریر میں فرماتے ہیں۔ قبلہ من۔ اگرچہ شاہزادہ کامگار کے اوضاع وعادات کی طرف سے ذرا خاطر جمع ہوئی ہے۔ لیکن عبدالرحیم بیرم کے فن وفریب کو کیا کیجئے اور کیا کہئے کہ لکھنے میں بیان عاجز اور کہنے میں زبان قاصر ہے۔ اگر تمام عمر اس کے ذوفنیوں کو لکھتے جائیے۔ پھر دیکھئے تو عشر عشیر بھی نہیں لکھا۔ ایک ذات بے بدل ہے۔ کہ نظیر اور شبیہ نہیں رکھتی۔ مکر ودغا میں یگانہ، اور بے بدل زمانہ ہے۔ کیونکہ اسے ہر باطن میں گزر ہے۔ اور ہر طرح کی ظاہر کی خبر ہے۔ ابھی دل میں بات نہیں گزرتی کہ اسے آگاہی ہو جاتی ہے۔ انسان اپنے کام کا ارادہ نہیں کرتا کہ اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ مجھ سرگردان بادیہ حیرت کو اس تفکر نے گھیرا ہے کہ کیسی چالاکی ہے۔ کیسی طراری ومکاری

Marfat.com

ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے کرامت فرمائی ہے۔ لیکن یہ بات ذرا دل میں کھٹکتی ہے۔ کہ ظاہرا مشیت حق میں سہو اور خطا ہوئی جب یہ زمانہ کا نادرہ کار اور بوالعجائب روزگار موجود ہے۔ تو عزاریل بیچارے کو کہ اس کے اطفال دبستان میں داخل ہونے کے قابل ہی نہیں۔ لعنت کے لئے کیوں اختیار کیا؟ ع

در ہر بن موے اوزبانے دگراست

کوئی نمک کھائے اور اس بدسرشتی اور بدطینتی سے سلسلہ تیموریہ کی دشمنی دل میں رکھتا ہو۔ تو اس کا کام کیونکر چلے گا؟ کیونکر انجام بخیر ہوگا؟ کیونکر نیکی کا منہ دیکھے گا۔ قبلہ من۔ تمام دن تمام رات عنبر مقہور کے جاسوس اور مخبر موجود رہتے ہیں۔ اور بے خطر اور بے کھٹکے ان سے شیر وشکر رہتا ہے۔ شاہزادہ والا گوہر کا ملاحظہ اور رعایت ادب کچھ بھی نہیں ہے۔ اتنی بھی پروا نہیں کہ شاید کوئی درگاہ عالی میں لکھ بھیجے۔ اور حضور کو ملال ہو۔ یہ بے حیائی اور بے پروائی ہے۔ دعا گو شرطیہ لکھتا ہے۔ کہ اگر وہ اس ملک میں نہ ہو تو ایک سال میں دکن کی مہم پاک وصاف کر دیتا ہے۔ لیکن کیا کرے اور کیا کر سکتا ہے۔ اس کا نقش ایسا جم گیا ہے کہ حضور کو بھی اور شاہزادہ عالمیان کو بھی اعتقاد ہو گیا ہے۔ کہ دکن کی مہم اس بغیر فتح نہ ہوگی۔ اور جب وہ نہ ہوگا کچھ نہ ہوگا۔ لانسلم۔ لانسلم۔ لانسلم۔ کوئی نہ مانے۔ میں نہ مانوں گا۔ تم بھی نہ مانو کہ ایسا ہوگا۔ بلکہ قضیہ بالعکس ہے۔ کیونکہ جب وہ اس ملک میں نہ ہوگا مہم کا کام بن جائیگا۔ اور تھوڑے عرصہ میں۔ ذرا سی دیر میں دکن ہاتھ آ جائیگا۔ اور دکنی آ کر سلام کرینگے۔ مانع الخیر وہی ہے۔ حقا حقا ثم حقا۔ بعزۃ اللہ تعالیٰ وکفے باللہ شہیدا۔ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اور لکھا ہے یہی ہے۔ اصلاً وقطعاً اس میں شبہ نہیں۔ واللہ باللہ تاللہ الغالب الطالب الذی لا یموت۔ کہ کئی بار اس کے آدمیوں کو گرفتار کر کے دعا گو کے پاس لائے۔ اور اس کے نوشتے کہ بالکل اقبال و دولت بادشاہی کے مخالف ہیں بجنسہ شاہزادہ والا گوہر کو دکھائے۔ تمام ارکان دولت دانتوں میں انگلیاں دیکر رہ گئے اور ہاتھ ملتے تھے۔ سب بیچارگی اور ناچاری سے چپ لگائے ہیں۔ اور عجز وانکسار میں اپنا بھلا دیکھتے ہیں اور خاموشی کو نباہے جاتے ہیں۔ اعلیٰ ادنیٰ چھوٹے بڑے سب سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ مہم دکن کو وہی الجھاوے میں ڈالتا ہے۔ اور اسی کی کرتوتوں سے مہم بند ہے۔ شعر

ہر کہ زبانش دگر و دل دگر	تیغ بباید زدنش بر جگر

(ایک اور عرضی میں) قبلہ ابوالفضل۔ میں تو لکھتے لکھتے تھک گیا۔ حضور کے دلنشین نہیں ہوتا۔ انتہا یہ ہے کہ حضور اسے معزول نہ فرمادیں۔ اتنا ہی لکھیں کہ فلاں شخص کی بے مصلحت کچھ کام نہ کرو۔ اور ہمارے کہے سے پھرو گے تو آزردگی اور رنج ہوگا۔

شاید اسے پڑھ کر اس کے دل میں اثر ہو۔ بعض باتوں میں ذرا ہمیں بھی شریک کر لیا کرے۔

Marfat.com

جہانگیر کو ایک عرضی دکن سے لکھی ہے۔ ذرا دیکھو نوجوان لڑکوں کو شیخ صاحب کن باتوں سے اور کیسے الفاظ و عبارت سے پھسلاتے ہیں۔ بڑے لمبے آداب القاب کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ دنیا شش جہت میں محصور ہے۔ میں بھی شش جہت میں اپنی عرض کو منحصر کرتا ہوں۔ جہت اول یہ ہے۔ اور دویم یہ ہے۔ تیسری جہت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ کہ شاہزادہ دانیال دن رات شراب میں غرق ہے۔ کوئی تدبیر راہ اصلاح پر نہیں لاسکتی۔ کئی دفعہ حضرت اعلیٰ کی خدمت اقدس میں عرضداشت لکھ چکا ہوں۔ بہتر ہے کہ تم خود بدولت و سعادت اجازت لیکر ادھر تشریف لے آؤ۔ دانیال کو گجرات بھجوا دو۔ تمہارے آنے سے تمام دکنیوں کو عبرت ہو جائیگی۔ اور عنقریب دکن فتح ہو جائے گا۔ عنبر سیاہ رو خود آ کر حاضر ہو جائے گا چاہئے تھا کہ آپ اس باب میں صاف و صریح لکھ کر مجھے بھیجتے۔ لیکن اصلاً و قطعاً متوجہ نہ ہوئے اور اس امر میں کوشش نہ فرمائی۔ اور کبھی اس دعا گو کو جواب شافی سے سرفراز نہ فرمایا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا باعث کیا ہوگا۔ اور بندہ سے کونسی خطا ہوئی ہوگی۔ کہ جس سے خاطر شریف پر ملال ہوا ہوگا۔ خدا گواہ ہے کہ جو بندہ کی طرف سے دشمنوں نے آپ سے کہا ہے۔ واللہ جھوٹ باللہ جھوٹ۔ ثم باللہ جھوٹ ہے۔ خدا نہ کرے کہ بندہ سے آنحضرت (آپ) کے باب میں حرف ناشائستہ سرزد ہو۔ ساری بات یہ ہے کہ بندہ کی بدنصیبی اس درجہ پر پہنچی ہے۔ کہ باوجود دولت خواہی و خاکساری کے غرض کور و سیاہ لوگ آپ سے نامناسب باتیں کہتے ہیں۔ اس میں میری کیا خطا۔ مگر خدا سے امیدوار ہے کہ جو کسی کی بدی کے درپے ہوگا۔ اچھی طرح سے اس کی جزا پائے گا۔ اللہ کے ہزار ناموں سے ایک نام حق ہے۔ جب وہی ناحق کا سزاوار ہوگا۔ تو حق کون کریگا۔ دوسرے یہ کہ گنجائش کیا ہے؟ جو میں حضرت اعلیٰ سے تمہاری برائی کہوں۔ کیا مجھے اتنا بھی شعور نہیں۔ کہ بادشاہی کے سنبھالنے کی لیاقت کسے ہے؟ خاندان تیموریہ کا ننگ و ناموس کون رکھتا ہے۔ اندھا بھی ہو تو اپنی قباحت سمجھ سکتا ہے۔ اور چشم دل سے دیکھ سکتا ہے چہ جائیکہ صاحب نظر۔ میں کور نہیں، کج فہم ہوں تو ہوں۔ مگر اتنا تو شاید سمجھوں کہ تم میں اور اور شاہزادوں میں کیا فرق ہے۔ ع

زکعبہ تا سر کویش ہزار فرسنگ است

آزاد۔ خدا جانے شیخ صاحب نے کیا کچھ موتی پروئے ہونگے۔ میں نے مہم دکن کے ضمن میں چند سطریں اکبرنامہ کی ترجمہ کر دی ہیں۔ ان سے ان کے اصلی خیالات معلوم ہو چکے۔ مگر باوجود اس کے خیال کرو کہ کس خوبصورتی سے اپنی خیر خواہی کے نقش نوجوان لڑکے کے دل پر بٹھائے ہیں۔ چوتھی جہت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ کہ بندہ نے کئی دفعہ بدالرحیم بیرم کی نالائقی کے باب میں حضور اعلیٰ کو لکھا کہ قبلۂ من اس سے آگاہ دل رہیں۔ اور اس کی ظاہری چاپلوسی پر فریفتہ نہ ہوں۔ ع

Marfat.com

در ہر بن موے اور زبانے دگر است

عیاری اور مکاری میں بے نظیر آفاق ہے۔ خدا نے ویسا پیدا ہی نہیں کیا۔ وہ خدا کی حد آفرینش سے بہت بڑھ کر ہے۔ دورنگی اور وہ زبانی ختم ہے۔ اور نمک حرامی اس پر منحصر ہے۔ خدا گواہ ہے۔ ملائک بھی اس عرضی پر شہد جافیہ لکھتے ہیں۔ کہ دودان تیموریہ کا دشمن ہے۔ اور یہ شیوہ اس کی میراث ہے۔ حضور پر روشن ہے۔ کہ بیرم نمک حرام نے اس سلسلہ عالی کے برباد کرنے میں کمی نہیں کی۔ کیا کیا کام کیے۔ کیا کیا چالیں چلا۔ خدا خاندان والا کا مددگار تھا۔ اس کے مکرو حیلے نہ چلے۔ کچھ نہ کر سکا خوار ہو گیا۔ کون برہنہ گنواروں کے ہاتھ پڑا۔ انہوں نے اسے بھی کون برہنہ کر کے نچایا کہ من سگ ملکم۔ من سگ ملکم کہہ کر ناچا۔ آخر حق مرکز پر آٹھہرا۔ اور کیوں نہ ٹھیرے جہاں اکبر جیسا بادشاہ ۔۔ل غازی ہو۔ وہاں وہ ذاتی کنگلا ہند کی بادشاہت کیونکر لے سکتا جہاں ایسا شہباز شاخسار ملک پر حی وقائم ہو۔ ایک بندر چار دانگ ہندوستان کی حکومت کیونکر لے سکتا تھا۔ جہاں تیموری نیستان کا نرہ شیر دڑ وکتا ہو۔ گیدڑ کی کیا طاقت ہے کہ اس کا جانشین ہو۔

قصہ کوتاہ سخن مختصر۔ مہم دکن میں اس سے ایسے معاملے نہیں دیکھے۔ ایسی باتیں نہیں سنیں کہ کہنے سے یقین بھی آجائے اور لکھنے میں مطلب بھی ادا ہو جائے۔ حضور یقین فرمائیں۔ کہ جب تک وہ اس ملک میں ہے ہرگز فتح نہ ہو گی۔ ہم ناحق ٹھنڈا لوہا پیٹ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آزاد دیکھنا باوجود اس متانت اور ثقاہت کے۔ نوجوانوں کی دلجوئی کرنے کو کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خیر دنیا میں مطلب نکالنا چاہو تو سب ہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اور درباروں کے معاملے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

- اکبر کے بیٹے کو ایک عرضی لکھی ہے۔ اس میں مختلف مطالب لکھتے لکھتے کہتے ہیں شاہزادہ والا گوہر کی کیا فریاد کروں۔ اور شکایت کیا لکھوں۔ اگر میں جانتا کہ یہاں ایسی ایسی خرابیاں دامن گیر ہونگی۔ تو ہرگز ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ مگر مہندس قضا نے ہی مقدر میں لکھا تو چارہ کیا؟ بندہ میں کیا طاقت ہے۔ کہ مشیت حق کو بدل سکے۔ میں تو زمانہ کی نیرنگیوں اور فلک کی کجرفتاریوں سے حیران تھا۔ مگر جب اس عبدالرحیم کو دیکھا تو سب بھول گیا۔ بھرے زخم ہرے ہو گئے۔ پرانے ناسور پھر بہہ نکلے۔ داغوں سے لہو ٹپک پڑا۔ میں کیا کہوں کہ اس نادر الاعضاء بوالعجوبہ روزگار کا شکوہ کروں۔ اس کے ہاتھ سے زمانہ کے دل پر داغ پڑے ہوئے ہیں۔ اور فلاک اس کے ظلم سے سینہ چاک ہیں۔ ع

باہر کہ بنگرم بہ ہمیں داغ مبتلا است

جادوگر کہوں۔ مگر اس کا سرمایہ اس سے بہت ہے۔ سامری ہوتا تو اس کے ہاتھ سے چیخ اٹھتا اس کا ایک گوسالہ تھا جس سے جادوگری کرتا تھا۔ اس کے ہزار گوسالے ہیں۔ کہ خلق عالم اس کے

Marfat.com

ہاتھ سے فریاد کر رہی ہے۔ سارے بادشاہی لشکر کو گوسالہ بنا رکھا ہے۔ اور جادو کاریاں کر رہا ہے۔ دکن کے لوگوں کو ایسا پھسلایا ہے کہ پیغمبری کا دعویٰ کرے۔ تو ابھی بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اسے اپنا آفرید گار مانتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا مکاری ہے اور کیا عیاری ہے۔ کہ خدا نے اسے نصیب کی ہے۔ شاہزادہ عالمیاں رات دن اس کے ہاتھ سے نالاں ہیں۔ اور فریاد وفغاں کرتے ہیں۔ مگر اس پر نظر پڑی اور گونگے ہو گئے۔ تن بدن میں ذرا جنبش نہیں ہوتی۔ اپنے تئیں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ کئی دفعہ اس کی بے باکیاں اور نادرستیاں دیکھ لی ہیں۔ اور صریح کارہائے ناشائستہ اس سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کے خطوط جو عنبر برگشتہ روزگار کو لکھتے تھے۔ وہ کاغذ ہاتھوں لے کر شاہزادے کو دکھائے۔ اور نقل درگاہ والا میں بھیج دی۔ کچھ نہ ہوا اور اس کا کچھ بھی نہ کر سکے۔ میں نامراد کس حساب اور کس شمار میں ہوں۔ اور کس جمع خرچ میں داخل ہوں۔ کہ اس کے اعمال ناشائستہ کا عوض لوں۔ بے چارہ دشت غربت میں سرگرداں اپنے حال میں حیران مجھے حضرت ظل الٰہی سے یہ امید نہ تھی کہ میرے لئے اپنی خدمت سے جدائی تجویز کرینگے۔ اور ایسی عجب بلا سے ٹکراوینگے۔ حیرت در حیرت ہے۔ کہ یہ کیا تجویز تھی جو فرمائی۔ حق علیم ہے۔ خلق اللہ کو یہ وہم تھا کہ اگر قطب شمالی حرکت کر کے جنوب میں چلا جائے۔ اور جنوبی جنبش کر کے شمال میں جا گھسے۔ تو ہو سکتا ہے۔ ابوالفضل شاید ہی برکات سعادت قرین سے دور ہو۔ خیر مجھے کیا طاقت تھی کہ ان کے فرمانے میں دخل دوں۔ سرو چشم کہہ کر قبول کیا اور ان کے حکم سے مہم دکن پر چلا آیا مگر کونسی محنتیں تھیں کہ نہ پہنچیں۔ اور کونسی سختیاں تھیں کہ نہیں اٹھائیں۔ قبلہ من۔ غموں کا لشکر ٹوٹ پڑا ہے۔ بیکس نہتا، زہ زرہ نہ چلتا۔ میدان مصیبت میں کھڑا ہوں۔ نہ بھاگنے کی طاقت ہے نہ لڑنے کا حوصلہ۔ ہاں حضور کی ہمت عالی اگر رکاب امداد میں قدم رکھے۔ اور نیک دلی حقیقی کو کام فرمائے تو اس کمترین کی مخلصی ہو جائے۔ آخری عمر حضرت کی قدم بوسی میں گزارے کہ ابوالفضل کی سعادت دو جہان اس میں مندرج ہے۔ کوئی نیک ساعت اور مبارک گھڑی دیکھ کر حضور کو سمجھائے۔ اور اللہ مجھے بلوائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دانیال کو ایک طولانی عرضی میں اپنے قاعدے کے بموجب مطالب مختلفہ تحریر کئے ہیں اس میں لکھتے ہیں عبدالرحیم بدکردار عنبر روسیاہ برگشتہ روزگار کے ساتھ یک دل و یک زبان ہو کر فیلسوفی کر رہا ہے خدائے عزوجل حق ہے۔ ناحق کو اس کی درگاہ میں رواج نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کا کام تنزل میں رہے گا۔ اور اس خاندان سے شرمندہ ہوگا۔ آقائے ابوالفضل۔ جہاں تک ہو سکے اسے اپنے رازوں سے آگاہ نہ کیجئے گا۔

مریم مکانی کو لکھتے ہیں کہ ۲۵ برس سے یہ کہنہ لنگ مہم اسی طرح چلی جاتی ہے۔ ختم نہیں ہوئی۔

Marfat.com

اور حضور سمجھتے ہیں کہ دولت تیموری کا سارا رعب وداب اس مہم پر منحصر ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ مہم بگڑے۔ یہ مہم بگڑی تو بات ہی بگڑ جائیگی۔ حضور سمجھائیں کہ حضرت اعلیٰ اللہ توجہ فرماویں۔ اور پھر وہی عبدالرحیم بیرم کا رونا روتے ہیں۔

اسی تحریر میں یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ ملک دکن عجب ملک ہے۔ خوشحالی کو خدا نے یہاں پیدا ہی نہیں کیا اکثر جگہ لکھتے ہیں۔ کہ کابل وقندھار وپنجاب اور ملک ہیں۔ وہاں کے اور معاملے تھے۔ یہاں انداز کچھ اور ہے۔ جو باتیں وہاں کر جاتے ہیں وہ یہاں پیش ہی نہیں جاتیں۔

یہ بات بھی ہر عرض میں لکھتے ہیں۔ کہ حضور اعلیٰ نے کئی بار فدوی کو لکھا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی جگہ بھیجا ہے۔ اور جہاں ہمیں آپ جانا تھا۔ وہاں تمہیں بھیجا۔ تمہیں سفید وسیاہ کا اختیار ہے۔ جسے چاہو نکال دو مختار ہو۔ یہ کیا ہے۔ کہ بار بار عبدالرحیم بیرم کے باب میں لکھتا ہوں اور نہیں سنتے۔

تاریخوں سے بھی معلوم ہوا اور بزرگوں سے بھی سنا کہ یہ دونوں بھائی پہلو سبز تھے۔ اہل کمال علماء، شرفاء، مشائخ اور اہل طریقت جو آتے تھے۔ ان سے بمروت پیش آتے تھے۔ مہمانی کے حق ادا کرتے تھے۔ دربار شاہی میں لیجاتے تھے۔ اور اپنے پاس سے بھی سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ ایک خط کی عبارت کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ جو شیخ نے اپنے والد شیخ مبارک کو لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے دلی کے بعض اہل طریقت کی جاگیر کیلئے سفارش لکھی تھی۔ اس فقرے کے جواب میں کشمیر سے لکھتے ہیں۔

اس حقائق آگاہ سے (آپ سے) مخفی نہ ہوگا کہ حضرت دہلی کے اعزہ کے لئے مکرر عرض اقدس تک پہنچایا کہ ایک جماعت مستحقان بااستحقاق اور خیر خواہان بے کینہ ونفاق سے اس متبرک گوشہ میں رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ حضور کی دولت وحشمت وعمر کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ حکم ہوا کہ جو کچھ تو عرض کریگا۔ مقبول درگاہ ہوگا۔ حسب الحکم ۱۰ ہزار بیگہ زمین افتادہ اور مزروعہ ان کے نام پر بہ تفصیل لکھ کر نظر اقدس سے گزاری مقبول ہوئی۔ ساتھ اس کے حکم ہوا کہ ہزار بیگہ پر سو روپیہ بیلوں اور تخم ریزی کے لئے عنایت ہوں۔ آپ یہ خوشخبری بھی وہاں کے مخادیم کی خدمت میں پہنچادیں۔ کہ ان کی خاطر جمع ہو انشاء اللہ فرمان واجب الاذعان روپیہ سمیت پہنچا سمجھیں اور ان سے فرمائے گا کہ کمترین کی یہ خدمتیں مجرا ہوں۔ جس قدر ممکن ہوگا اور وقت گنجائش دے گا اپنی طرف سے بھی خدمت کرے گا۔ اعزہ کے باب میں کسی صورت سے اپنے تئیں معاف نہ رکھے گا۔ خدا نہ کرے کہ ابوالفضل مہمات اہل فضل میں غفلت اور کاہلی کرے۔ کیونکہ اسے اپنے حق میں سعادت دارین اور دولت کونین سمجھتا ہے اور اپنا شرف جانتا ہے۔ نیک آدمی وہی ہے۔ جس سے ان لوگوں کی خدمتیں سر

Marfat.com

انجام پا رہی ہیں نہ سمجھیں کہ ابوالفضل دنیا کے میل میں آلودہ ہو گیا ہے۔اپنے یار و دیار کی ضرورتوں کو بھول گیا ہے۔نعوذ باللہ من ذالک جب تک زندہ ہوں۔ان لوگوں کا خاکروب ہوں۔اور اس گروہ پرشکوہ کا خاک راہ۔ان کی خدمت مجھ پر لازم بلکہ فرض ہے۔ع

دریاے تو ریزم آنچہ دردست من است

بلکہ جان میں کلام ہے۔جان کیا چیز ہے۔جسے کوئی اس گروہ سے عزیز رکھے۔قصہ مختصر کہ جو خدمت اس معتقد کے لائق ہو ایک اشارہ فرمادیں۔کہ سرانجام کردونگا اور اسے اپنی جان پر احسان کر کے سمجھوں گا۔

مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی:

مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر کے معاملے تمہیں معلوم ہی ہیں۔مخدوم نے غروب اقبال کے عالم میں جونپور کے بعض بزرگوں کیلئے سفارش لکھی۔انہوں نے اس کے جواب میں خط لکھا۔ آفرین ہے اس حوصلہ کو وہ مخدوم الملک جو کسی وقت بھی ان سے نہیں چوکے۔اور کتے کا دانت بھی پایا تو ان غریب مسجد نشینوں کے پاؤں میں چھوادیا۔اس کے حق میں کیسی برکت وعظمت کے الفاظ خرچ کئے ہیں۔اور کس طرح اعزاز واحترام سے جواب لکھا ہے۔مگر اسے کیا کریں۔کہ وقت بے وقت ہے۔یہ آسمان پر ہیں، وہ زمین پر۔ان کی تحریر کو دیکھتا ہوں تو حرف حرف پڑا ہنس رہا ہے۔مخدوم نے پڑھا ہوگا تو آنسو نکل پڑے ہونگے۔

اول تو القاب وآداب میں دو صفحے سے زیادہ سفیدی سیاہ کی ہے۔مثلاً صاحب العزۃ والعلا جامع الصدق والصفا۔صاف اشارہ ہے کہ دل میں کیا ہے۔اور قلم سے ہمیں کیا لکھ رہے ہو۔مگر یہ خدا لکھواتا ہے اور آپ کو لکھنا پڑتا ہے۔حامی الشرع والملتہ والدین ماحی الکفر والبدعتہ والبغی فی العالمین۔مطلب اس کا یہی ہے کہ ایک وقت تھا۔کہ کفر کے مٹانے کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے تھے۔اور بدعتی۔باغی، کا فرہم تھے۔آج خدا کی شان دیکھو کہ تم کہاں ہو اور ہم کہاں ہیں۔انیس السلاطین جلیس الخواقین۔اسے پڑھ کر مخدوم نے ضرور ٹھنڈا سانس بھرا ہوگا اور کہا ہوگا۔کہ ہاں میاں جب بھی تھے۔تو سب ہی کچھ تھا۔اب جو ہو سو تم ہو۔ایک نشتر اس میں یہ بھی ہے کہ جناب اصحاب فقر اور صاحب شریعت کو سلاطین اور خوانین سے کیا تعلق۔ عالی حضرت معالی منقبت قدوسی منزلت خادم الفقرا ناصر الغربا۔واہ ہم غریبوں فقیروں کے ساتھ کیا کیا سلوک کئے ہیں۔امخدوم الملک عزشانہ وعم احسانہ۔دیکھو

Marfat.com

خدائی تک تو پہنچا دیا ہے۔اور بندہ سے آپ کیا چاہتے ہیں۔معمولی تمہیدوں اور تعریفوں کے بعد فرماتے ہیں۔قبلہ ابوالفضل التفات نامہ جو اس مخلص صمیمی کیلئے نامزد فرمایا ہے۔اس میں ارشاد ہے۔ کہ جونپور کے رہنے والے اور گوشہ نشینوں کے حال سے خبردار نہیں اور اس سعادت سے بہرہ نہیں رکھتے۔سبحان اللہ میں کہ تمام عمر اس گروہ کی خدمت میں گزاری پھر بھی یہی چاہتا ہوں۔کہ ہمیشہ ان عزیزوں کی خدمت میں رہوں۔اور مقدور کے بموجب جو مجھ سے ہو سکے ان کے باب میں بھلا ہی کروں۔

حضور (آپ) میرے حق میں فرماتے ہیں میں کیا علاج کر سکتا ہوں۔کہ میری قسمت نحس کی بدمددی سے آپ کے دل میں یقین ہو گیا۔خدائے مصحف کی قسم ہے۔جب سے حضرت ظل الٰہی کی خدمت میں ذرا راہ بندگی بہم پہنچائی ہے۔اور روشناسی حاصل ہوئی ہے۔لحاظہ بلکہ لحہ بھی عزیزوں کی یاد سے غافل نہیں بیٹھتا۔اوران کی مہموں کے سرانجام میں کسی طرح بھی اپنے تئیں معاف نہیں رکھتا۔ ۴ ہزار بیگہ قابل عزیزان ملتان کے لئے۔کل قریب لاکھ بیگہ عزیزان ومجاوران کیلئے التماس کر کے لی ہے۔علیٰ ہذا القیاس ہر شہر کے فقرا آئے۔اور اپنے حالات ظاہر کیے۔حضرت اعلیٰ سے عرض کر کے ہر ایک کے حالات کے موافق مدد معاش اور کچھ کچھ نقد لے کر نذر کیا۔خدا علیم ہے کہ اگر ساری خدمتیں بیان کرے تو دفتر ہوتا ہے۔آپ کے خادموں کیلئے دردسر سمجھ کر تفصیل نہ لکھی مخدومان جونپور اپنے غرور سے کہ حضور (آپ) پر روشن ہے مجھ مخلص کے پاس نہ آئیں اور کمال خود بینی کے سبب مجھ نامراد کی طرف متوجہ نہ ہوں تو اس میں میرا کیا گناہ ہے۔پھر بھی جب آپ اس طرح لکھتے ہیں۔تو اپنی جان پر احسان کر کے اور اپنی سعادت جان کر وہاں کے عزیزوں کے نام فرمان درست کر کے بھیجتا ہے یقین تصور فرماویں۔اور پہنچا ہو سمجھیں اتنی تکلیف دیتا ہوں۔کہ آپ ناموں کی تفصیل لکھ بھیجیں۔ اور ہر ایک کی کیفیت بھی ظاہر فرمائیں کہ ہر ایک کی مہمسازی کی جائے۔خدا تعالیٰ اس برگزیدہ انفاس وآفاق کو مسند مدرسی پر با تمکیں رکھے (بیٹھے لڑکے پڑھایا کرو مگر واہ حضرت شیخ آپ کا حوصلہ آپ ہی کے واسطے ہے)۔

شیخ صدر کے نام بھی ایک خط لکھا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں وہ حج کو گئے تھے۔ انہی دنوں میں بعض ضرورتوں کے سبب سے انہیں خط لکھا تھا۔اس کے جواب میں آپ نے بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ ایک خط لکھا۔اول القاب میں ڈیڑھ صفحہ کاغذ پر نمک پیستا ہے۔کہ غریب بڈھے کے زخموں پر چھڑکیں۔پھر فرماتے ہیں۔امید گاہا ان دنوں میں خبر فرحت اثر سنی ہے۔کہ آنحضرت (آپ) نے طواف حرم با حرمت کیلئے عزم جزم فرمایا ہے۔مبارک ہے اور خوب ہے خدا سب دستوں

Marfat.com

کواس سعادت سے مشرف کرے۔اور مطلب اصلی اور مقصد حقیقی کو پہنچائے۔اور آپ کی برکت سے اس آرزومند خلاص کو بھی اس حریم عزت قرین اور حرم حرمت آئین میں معزز و مشرف کرے۔

یہ بات کئی دفعہ حضرت پیر دستگیر مرشد حقیقت تدبیر ظل الہیٰ شاہنشاہی کی خدمت اشرف قدس ہمایوں میں عرض کی اور رخصت کیلئے التماس کیا لیکن قبول نہ ہوا کیا کروں ان کی خوشی قضائے الہیٰ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔جو کام ان کے بغیر ہوگا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔اور کشائش نہ دیگا۔خصوصاً مجھ بینوا عاجز طبع کو کہ جان سے اس مرشد حقیقی کو دست ارادہ دیا ہوا ہے۔اور دل کے ظاہر و باطن کو اسی دستگیر روشن ضمیر کے سپرد کیا ہے۔میرا ارادہ ان کے ارادے پر موقوف ہے۔میرا قصد ان کے حکم سے وابستہ ہے۔کیونکر دلیری کر سکتا۔ان کے فرمائے بغیر کب کوئی کام کر سکتا ہوں۔کیونکہ ہر صبح و شام ان کے دیدار شریف کا دیکھنا مجھے حج اکبر بلکہ اس سے بھی افضل تر ہے۔انکی گلی کا طواف سعادت جاودانی ہے۔اور منہ دیکھنا میوہ زندگانی۔غرض مجبوراب کے سال بھی سفر ملتوی رہ گیا۔اور دوسرے سال پر جا پڑا۔ع

تا درمیانہ خواستہ کردگار چیست

اگر رضا قضائے آسمانی کے موافق پائے گا۔تو طواف کعبہ معظم پر متوجہ ہوگا۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش است — تو بدیں آرزو مرا برساں

اس عزم و نیت میں خدا یار و یاور ہے۔

اس خط کو دیکھ کر شیخ صدر کے دل پر کیا گزری ہوگی۔یہ اسی شیخ مبارک کا بیٹا ہے۔کون شیخ مبارک؟ جس کے فضل و کمال کو برسوں تک شیخ صدر اور مخدوم اپنے خدائی زوروں سے دباتے رہے۔اور تین بادشاہوں کے عہد تک اسے کافر اور بدعتی بنا کر کبھی جلاوطنی کے زیر سزا رکھا۔یہ وہی شخص ہے جس کے بھائی فیضی کو مبارک باپ سمیت اس نے دربار سے نکلوا دیا تھا۔

خدا کی قدرت دیکھو آج اس کے بیٹے بادشاہ وقت کے وزیر ہیں۔اور ایسے صاحب تدبیر کہ انہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔اور وہ اجتہاد جس کے زور سے یہ حضرات دین و دنیا کے مالک اور پیغمبر کے نائب بنے بیٹھے تھے۔اس کا محضر علماء و مشائخ کی مہر دستخط سے اس نوجوان بادشاہ کے نام لکھوا دیا جو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا۔اور ان نوجوانوں کے خیالات وہ ہیں کہ اگر ان دونوں صاحبوں کی حکومت ہو تو قتل سے کم کوئی سزا ہی نہیں۔آج انہی شیخ صدر کو کیسے کھلے دل سے اور کیا پھیل پھیل کر لکھتے ہیں۔کہ حضرت ظل الہیٰ شاہنشاہی پیر دستگیر، مرشد حقیقت تدبیر کی بے ... کیونکر جاؤں۔اور مجھے تو اس کا دیدار حج اکبر ہے۔

Marfat.com

حق یہ ہے۔ کہ مخدوم اور صدر کے زور حد سے گزر گئے تھے۔ زمانے کا قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی زور بہت بڑھ جاتا ہے تو خود اسے توڑتا ہے۔ اور ایسے سخت صدمے سے توڑتا ہے۔ جس کی چوٹ کو کوئی پہاڑ نہیں سہار سکتا۔ اور ان بزرگوں کے تو کام وہ تھے۔ کہ اگر زمانہ نہ توڑتا خود ٹوٹ جاتے۔ خیر اختیار کے وقت خدا ہمیں اعتدال کی عینک عنایت کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماں نے اسے کوئی خط لکھا ہے۔ اور مطالب متفرقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ غربا اور اہل حاجت کی خبر گیری ضرور کیا کرو۔ اس کے جواب میں ذرا دیکھو۔ اپنے علمی اور فلسفی خیالات کو کس لاڈ کی باتوں میں ادا کرتے ہیں۔ اول تو کہیں بادشاہ کی عنایتوں اور نعمتوں کے شکریے ہیں۔ کہیں اپنے محاسن اخلاق اور نیک نیتی کے دعوے ہیں۔ اسی میں یہ کہ بادشاہ کی عنایتوں کو بھی خلق خدا کی ضروریات اور آسائش کے کام میں لاتا ہوں۔ اسی میں لکھتے لکھتے کہتے ہیں۔ کہ قبلہ ابوالفضل! اہل شریعت کہتے ہیں۔ کہ جس شخص نے بے نماز کی دستگیری کی اس کے لئے فرشتے دوزخ میں کوٹھڑی بنائیں گے۔ اور جس نے اہل عبادت اور نماز گزار کی دستگیری کی اس کے لئے بہشت میں ایوان بنائیں گے۔ آمنا، صدقنا، جو اس پر ایمان نہ لائے کافر ہے۔ لیکن ابوالفضل کی عاجز شریعت کا فتویٰ یہ ہے۔ کہ خیرات عام چاہئے۔ نمازیوں کو بھی دے۔ اور بے نمازوں کو بھی۔ کیونکہ اگر بہشت میں گیا تو ایوان تیار ہے، وہاں عیش کریگا اور اگر دوزخ میں گیا تو بے نمازوں کو کچھ دیا نہیں تو ظاہر ہے۔ کہ وہاں اس لئے گھر نہ ہوگا۔ اور لوگوں کے گھروں میں گھستا پھرے گا۔ اس لئے ایک پرانا جھونپڑا وہاں بھی ضرور ہے۔ دور اندیشی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس راہ میں اپنے محبوں کو توفیق علی التحقیق عنایت کرے اور پھر ابوالفضل بے نوا کو مطالب اصلی اور مقاصد حقیقی تک پہنچائے۔ اپنے احسان سے اور اپنے کمال کرم سے۔ کعبہ ابوالفضل عزیز بھائی شیخ ابو الکارم کی شادی کے لئے مجھے لکھتے ہو کہ آنا چاہئے۔ ع

چوں نیایم بسر و دیدہ خود ے آیم

کیوں نہ آؤں گا، سر سے آؤں گا۔ آنکھوں سے آؤں گا۔ کئی دن سے ایک ایسا موقع ہے۔ کہ حضرت ظل الٰہی (بادشاہ) اس ذرہ حقیر پر اس طرح نور التفات ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے رہتے ہیں۔ ایسا کہ کوئی مخلوق۔ کوئی آفریدہ بیچ میں محرم اسرار نہیں ہے۔ ع

میان عاشق و معشوق رمزیست

آنا دو تین دن پر ملتوی ہے۔ انشاءاللہ بعد رمضان مبارک قدم بوسی کا شرف حاصل کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ خدایا رو یاور باد۔ آزاد۔ اخیر والا فقرہ اکثر خطوں کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔ سچ ہے۔ ان بیکس بے وسیلہ بھائیوں کا وسیلہ یار و یاور جو تھا۔ خدا ہی تھا۔

Marfat.com

موتمن الدولہ عمدۃ الملک راجہ ٹوڈرمل

ابتدائی حالات:

تعجب ہے۔ کہ اکبر بادشاہ کا وزیر۔ کل کشور ہند کا دیوان اور کسی مصنف نے اس کے خاندان یا وطن کا حال نہ لکھا۔ خلاصۃ التواریخ میں بھی دیکھ لیا۔ باوجودیکہ ہندو مورخ ہے۔ اور ٹوڈرمل کا بھی بڑا ثنا خواں ہے۔ مگر اس نے بھی کچھ نہ کھولا۔ البتہ پنجاب کے پرانے پرانے پنڈتوں اور خاندانی بھاٹوں سے دریافت کیا۔ تو اتنا معلوم ہوا کہ ذات کا کھتری اور گوت کا ٹنن تھا۔ پنجاب کے لوگ اس کی ہم وطنی سے فخر کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ لاہوری تھا اور بعض کہتے ہیں۔ کہ چونیاں ضلع لاہور کا تھا۔ اور وہاں اس کے بڑے بڑے عالیشان مکانات موجود ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی نے بھی اس کے وطن کی تحقیقات کی۔ مگر یہ قرار دیا کہ موضع لاہر پور علاقہ اودھ کا رہنے والا تھا۔

وزیر باتدبیر:

بیوہ ماں نے اس ہونہار لڑکے کو بڑی تنگدستی اور افلاس کی حالت میں پالا تھا۔ اس کے صدق دل کی دعائیں جو ٹھنڈے سانس کے ساتھ رات کو درگاہ الہیٰ میں پہنچتی تھیں۔ ایسا کام کر گئیں۔ کہ شاہنشاہ ہندوستان کے دربار میں ۲۲ صوبہ کا دیوان کل اور وزیر باتدبیر ہو گیا۔ اول عام نیشوں کی طرح کم علم نوکری پیشہ آدمی تھا۔ اور مظفر خاں کے پاس کام کرتا تھا۔ پھر بادشاہی متصدیوں میں داخل ہو گیا۔ اس کی طبیعت میں غور، قواعد کی پابندی اور کام کی صفائی بہت تھی اور ابتدا سے تھی مطالعہ کتاب اور ہر بات کے حاصل کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ علم ولیاقت اور ساتھ اس کے رجوع کاروبار میں بھی ترقی کرنے لگا۔ کام کا قاعدہ ہے کہ جو اسے سنبھالتا ہے۔ چاروں طرف سے سمٹتا ہے اور اسی طرف ڈھلکتا ہے۔ چونکہ وہ ہر کام کو سلیقہ اور شوق سے سرانجام کرتا تھا۔ اس لئے بہت سی خدمتیں اور اکثر کارخانے اس کی قلم سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی معلومات امورات دفتر اور حالات معاملات میں ایسی ہو گئی تھی کہ امرا اور دربار کا ردار ہر بات کا پتہ اس سے معلوم کرنے لگے۔ اس نے کاغذات دفتر

Marfat.com

اور مسلہائے مقدمات اور کھنڈے ہوئے کاموں کو بھی اصول و قواعد کے سلسلہ میں بندش دی۔ رفتہ رفتہ بے واسطہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر کاغذات پیش کرنے لگا۔ اور ہر کام میں اسی کا نام زبان پر آنے لگا۔ ان سببوں سے سفر میں بھی بادشاہ کو اس کا ساتھ لینا واجب ہوا۔

مذہبی پابندی:

ٹوڈرمل دھرم کرم اور پوجا پاٹ کی پابندی سے پورا ہندو تھا۔ مگر وقت کو خوب دیکھتا تھا۔ اور ضروریات وفضولیات میں نظر دقیق سے امتیاز کرتا تھا۔ ایسے موقع پر اس نے دھوتی پھینک کر برزد پہن لیا۔ اور جامعہ اتار چغے پر کمر کس لی۔ موزے چڑھا لیئے۔ ترکوں میں گھوڑا دوڑائے پھرنے لگا۔ پادشاہی لشکر کوسوں میں اترا کرتا تھا۔ ایک آدمی کو دیکھنا چاہتے۔ دن بھر بلکہ کئی دن لگ جاتے تھے۔ اس نے پیادہ، سوار، توپخانہ، بھیر، رسد، بازار لشکر کے اتارنے کے لئے بھی پہلے اصولوں میں اصلاحیں نکالیں اور ہر ایک کو مناسب مقام پر جمایا۔ اکبر بھی آدمیت کا جوہری اور خدمت کا صراف تھا۔ جب اس کی سپاہیانہ کمربستگی۔ اور ترکانہ پھرتی دیکھی تو سمجھ گیا۔ کہ متصدی گری کے علاوہ سپاہگری وسرداری کا جوہر بھی رکھتا ہے۔

پابندی آئین تعمیل احکام اور محاسبات:

ٹوڈرمل پابندی آئین تعمیل احکام اور محاسبات عمل درآمد میں کسی کی بال بھر بھی رعایت نہ کرتا تھا۔ اور لوگ اس سبب سے اسے سخت مزاجی کا الزام لگاتے تھے۔ ۹۷۲ھ میں اس نے وصف مذکور کو اس طرح استعمال کیا۔ کہ اس کا نتیجہ سخت مضرت کے رنگ میں نمودار ہوا۔ جب بادشاہ نے خان زمان کی مہم میں منعم خان وغیرہ امرا کو کڑہ مانک پور بھیجا۔ تو میر معز الملک کو بہادر خاں وغیرہ کے مقابلہ پر قنوج کی طرف روانہ کیا۔ پھر ٹوڈرمل کو کہا کہ تم بھی جاؤ۔ اور میر کے ساتھ شامل ہو کر سرشور نمک خواروں کو سمجھاؤ۔ راہ پر آجائیں تو بہتر ہے۔ ورنہ اپنی سزا کو پہنچیں۔ جب یہ وہاں پہنچے۔ تو پیغام سلام شروع ہوئے۔ بہادر خاں بھی لڑنا نہ چاہتا تھا۔ مگر میر کا مزاج آگ تھا۔ راجہ بارود پہنچے۔ خلاصہ یہ کہ لڑ مرے [1] اور مفت ذلت اٹھائی۔ مگر راجہ کو آفرین ہے۔ کہ میدان سے نہ ٹلا۔ پیارے راجہ! گھر کے ملازموں سے حساب وکتاب میں اپنے قواعد وضوابط کو جس طرح چاہو برت لو۔ لیکن سلطنتوں کی مہمات میں بگڑی بات کا بنانا کچھ اور آئین چاہتا ہے۔ وہاں کے اصول قوانین، درگزر کے کاغذ دل پر چشم پوشی کے حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ جن کی تحریر سے آزاد کے دست وقلم کوتاہی کرتے ہیں۔

[1] دیکھو میر معز الملک کا حال۔

Marfat.com

چتوڑ، رن تھنبور، سورت کی فتحوں میں راجہ کی عرق ریز کوششوں نے مورخوں سے اقرار نامے لے لئے کہ قلعہ گیری کی تدبیروں اور اس کے سامان ولوازمات میں جو راجہ کی عقل رسا کام کرتی ہے۔ وہ اسی کا کام ہے۔ دوسرے کو نصیب نہیں۔

۹۸۰ھ میں اسے حکم ہوا کہ گجرات جاؤ۔ اور وہاں کے آئین مال اور جمع وخرچ کے دفتر کا بندوبست کرو۔ اور چند روز میں کاغذات مرتب کر کے لائے۔ یہ خدمت حضور میں مجرا ہوئی۔

بہار کی مہم میں شمولیت:

۹۸۱ھ میں جبکہ منعم خاں بہار کی مہم پر سپہ سالاری کر رہے تھے۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ امرائے لشکر آرام طلبی یا آپس کی لاگ یا غنیم کی رعایت سے جان توڑ کر خدمت بجا نہیں لاتے۔ راجہ ٹوڈرمل اب ایسے با اعتبار، مزاجدان اور محرم رازہ ہو گئے تھے کہ انہیں چند امرائے نامی کے ساتھ فوجیں دے کر کمک کے واسطے روانہ کیا، تا کہ لشکر کا انتظام کریں۔ اور سست یا فتنہ گر لوگ انہیں جاسوس خدمت سمجھ کر اس طرح کام دیں۔ گویا حاضر حضور ہیں۔ غرض شہباز خاں کمبو وغیرہ امرائے نامی کو ساتھ کیا۔ اور لشکر کے انتظام اور نگرانی کے لئے بھی چند ہدایتیں کیں۔ یہ بڑی پھرتی سے گئے۔ اور خان خاناں کے لشکر میں شامل ہوئے۔ دشمن مقابلہ پر تھا۔ میدان جنگ کی ترتیب ہوئی۔ راجہ نے تمام لشکر کی موجودات لی۔ ذرہ دیکھو! لیاقت اور کارگزاری کیا چیز ہے۔ بڈھے بڈھے بہادر، چغتائی ترک، ہمایوں بلکہ بابر کے معرکے دیکھنے والے۔ اکثر دلاور سپہ سالار کہ تلواریں مار کر اس درجہ تک پہنچے۔ وہ اپنے اپنے عہدے لے کر کھڑے ہوئے۔ اور قلم کا مارنے والا متصدی گم نام کھتری ان کی موجودات لینے لگا۔ ہاں۔ کیوں نہیں؟ جب وہ اس منصب کے لائق تھا تو اپنا مرتبہ کیوں نہ لے۔ اور اکبر جیسا منصف بادشاہ کیوں نہ دے۔

جب پٹنہ فتح ہوا تو اس مہم میں بھی اس کی خدمتوں نے اس قدر مردانہ سفارشیں کیں۔ کہ علم اور نقارہ دلوایا۔ منعم خاں کی رفاقت سے جدا نہ ہونے دیا۔ اور بنگالہ کی مہم کے واسطے جو امرا انتخاب ہوئے۔ ان میں پھر اس کا نام لکھا گیا۔ کہ وہ اس مہم کی روح رواں ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہر معرکہ پر مستعد اور کمر بستہ پہنچا اور پیش قدمی سے پہنچا۔ مگر ٹانڈہ کی مہم میں ایسی ہمت کی کہ فتح ناموں اور تاریخوں میں منعم خاں کے ساتھ اس کا نام لکھا گیا۔

جنید کرارانی کی بغاوت:

جنید کرارانی کی بغاوت کو اس نے بڑی بہادری سے دبایا۔ ایک دفعہ غنیم بے غیرتی کی خاک سر

Marfat.com

پر ڈال کر بھاگا۔ دوبارہ پھر آیا۔ اس سے سخت دھوکا کھایا۔ بعض موقع پر کوئی سردار منعم خاں سے بگڑ گیا اور کار بادشاہی میں ابتری پڑنے لگی۔ تو ٹوڈرمل نے بڑی دانائی اور ہمت واستقلال سے اس کی اصلاح کی اور چست ودرست بندوبست کیا۔

عیسیٰ خاں نیازی فوج لے کر آیا۔ اور قباخاں گنگ کے مورچہ پر سخت آن بنی۔ اس وقت اور امرا بھی پہنچے۔ مگر آفرین ہے۔ ٹوڈرمل خوب پہنچا اور برمحل پہنچا۔

جبکہ داؤد خاں افغان نے گوجر خاں سے موافقت کر کے عیال کو رہتاس میں چھوڑا۔ اور آپ فوج لے کر آیا تو راجہ فوراً مقابلہ کو تیار ہوا۔ امرائے شاہی روز روز کی فوج کشی اور بدہوائی بنگالہ سے بیزار ہو رہے تھے۔ راجہ نے دیکھا کہ میری بیم وامید کے منتر اثر نہیں کرتے۔ منعم خاں کو لکھا۔ وہ بھی تذبذب تھے۔ کہ اتنے میں فرمان اکبری نہایت تاکید کے ساتھ پہنچا۔ اسے پڑھ کر خان خاناں بھی سوار ہوئے اور دو لشکر جرار لے کر غنیم کے مقابل ہوئے۔ طرفین کی فوجیں میدان میں آراستہ ہوئیں۔ لشکر بادشاہی کے قلب میں منعم خاں کے سر پر سپہ سالاری کا نشان لہرا رہا تھا۔ گوجر خاں حریف کا ہراول اس زور وشور سے حملہ کر کے آیا کہ بادشاہی فوج کے ہراول کو قلب میں دھکیلتا چلا گیا۔ منعم خاں تیس کوس تک برابر بھاگا گیا۔ آفرین ہے۔ ٹوڈرمل کو کہ داہنا بازو لشکر کا تھا۔ وہ نہ فقط جما رہا۔ بلکہ سرداران فوج کے دل بڑھاتا رہا اور کہتا رہا کہ گھبراؤ نہیں۔ اب دیکھو فتح کی ہوا چلتی ہے۔ حریف نے خان عالم کے ساتھ خان خاناں کے مرنے کی خبر اڑا دی۔ یہ فوج کو اپنی جگہ لئے کھڑا تھا۔ ہم اکبری اقبال کی سپہ سالاری پر لڑتے ہیں وہ سلامت رہے۔ دیکھو اب انہیں فنا کئے دیتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ اور جس وقت موقع پایا۔ دائیں سے یہ اور بائیں سے شاہم خاں جلائر اس زور وشور کے ساتھ جا کر گرا۔ کہ غنیم کے لشکر کو تہ وبالا کر دیا۔ اتنے میں گوجر خاں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ اس وقت افغان بدحواس ہو کر بھاگے۔ اور لشکر شاہی فتح یاب ہوا۔

۹۸۳ھ میں داؤد کا ایسا تنگ حال ہوا۔ کہ صلح کی التجا کی۔ لشکر بادشاہی لڑائی کے طول اور ملک کی بدہوائی کے سبب سے خود بہ تنگ ہو رہا تھا۔ داؤد کی طرف سے بڈھے بڈھے افغان خان خاناں اور امرائے لشکر کے خیموں میں پہنچے۔ اور پیغام سلام سنائے۔ خان خاناں کا آئین سپہ داری ہمیشہ صلح پر تھا۔ وہ راضی ہو گیا۔ امراء پہلے ہی جانوں سے تنگ جینے سے بیزار ہو رہے تھے۔ ان کی مراد بر آئی۔ سب نے اتفاق رائے کیا۔ ایک ٹوڈرمل کہ ہمیشہ آرام وآسائش کو آقا کے کام اور نام پر قربان کرتا تھا راضی نہ ہوا۔ اور کہا کہ دشمن کی جڑ اکھڑ چکی ہے۔ اور تھوڑی سی ہمت میں سب افغان فنا ہو جائیں گے۔ اس کی التجاؤں اور اپنے آراموں پر نظر نہ کرو۔ دھاوے کئے جاؤ اور پیچھا نہ چھوڑو۔

Marfat.com

خان خاناں اور امرائے لشکر نے اسے بہت سمجھایا۔ مگر وہ اپنی رائے سے نہ ہٹا۔ اگر چہ صلح ہوئی ❶ اور اس کا دربار بڑے شکوہ و شان اور بادشاہی سامان کے ساتھ آراستہ ہوا۔ تمام لشکر نے عید منائی۔ مگر وہ بات کا پورا دربار تک بھی نہ آیا۔ خان خاناں نے ہزار جتن کیے کس کی سنتا تھا۔ صلح نامہ پر مہر تک نہ کی۔

بنگال سے ہاتھیوں کا تحفہ:

جب اطراف بنگالہ کی طرف سے اطمینان ہوا۔ تو بادشاہ نے اسے بلا بھیجا۔ جانثار کہ مزاج شناس تھا۔ حاضر ہوا۔ عمدہ نفائس اس ملک کے اور عجائب دیار فرنگ کے جو کہ دریائی تجارتوں سے وہاں پہنچتے ہیں۔ حضور میں لا کر پیش کیے۔ وہ جانتا تھا کہ میرے بادشاہ کو ہاتھی بہت پیارے ہیں۔ ۵۴ ہاتھی چن کر لایا۔ کہ نہایت عمدہ اور تمام بنگالہ میں نامی تھے۔ اس نے حضور میں تمام حقیقت ملک کی اور سرگزشت معرکوں کی بہ تفصیل بیان کی۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ اور عالی منصب دیوانی عطا فرمایا۔ اور چند روز میں تمام ملکی اور مالی خدمتیں اس کے رائے روشن کے حوالہ کر کے وزارت کل اور وکالت مستقل کی مسند پر جگہ دی۔ اسی سنہ میں منعم خان مر گئے۔ فساد تو وہاں جاری ہی تھا۔ داؤد پھر باغی ہو گیا تھا۔ اور افغان اپنی اصالت دکھانے لگے۔ تمام بنگالہ میں بغاوت پھیل گئی۔ امرائے اکبری کا یہ عالم تھا کہ لوٹ کے مار مار کر قارون ہو گئے تھے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جتنی دولت زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی ہی جان عزیز ہوتی جاتی ہے۔ توپ تلوار کے منہ پر جانے کو کس کا جی نہ چاہتا تھا۔ بادشاہ نے خانجہاں کو ممالک مذکور کا انتظام سپرد کیا۔ اور ٹوڈرمل کو ساتھ کیا۔ جب بہار میں پہنچا۔ چاروں طرف تدبیروں اور تحریروں کے ہراول دوڑا دیے۔ بخاری اور ماوراءالنہری امرا گھروں کے پھرنے کو تیار تھے۔ اسے دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کیونکہ زبردست اور کاردان افسر کے نیچے کام دینا کچھ آسان نہیں۔ بعضوں نے خرابی آب و ہوا کا عذر کیا۔ بعضوں نے کہا یہ قزلباش ہے۔ ہم اس کے ماتحت نہیں رہ سکتے۔ خاندانی تجربہ کار کو اس علم میں دستگاہ تھی۔ اس نے خاموشی اختیار کی۔ اور سخاوت اور علو حوصلہ کے ساتھ فراخ دلی دکھاتا رہا۔ اسمٰعیل قلی خاں اس کا بھائی پیش دستی کی تلوار ہاتھ میں اور پیش قدمی کی فوجیں رکاب میں لے کر چاروں طرف ترکتاز کرنے لگا۔ ٹوڈرمل کی لیاقت اور کاردانی دیکھو اور ساتھ ہی یہ دیکھو کہ اپنے آقا کا کیسا صدق دل سے خیر خواہ تھا۔ اس نے کہیں دوستانہ فہمائش سے۔ کہیں ڈراوے سے۔ کہیں لالچ سے۔ غرض اپنی حکمت عملی سے سب کو پرچالیا کہ لشکر بنے کا بنا رہے۔ اور کام جاری ہو گیا۔ وہ دونوں باوفا مل جل کر بڑے حوصلے، صاف سینے اور کھلے دل سے کام کرتے تھے۔ سپاہی کے دل

❶ دربار صلح کا تماشا دیکھنے کے قابل ہے۔ (دیکھو حال منعم خاں خانخاناں)

Marfat.com

اور سپاہ کی قوت بڑھاتے تھے۔ پھر کسی بدنیت کی یادہ گوئی کیا چل سکتی تھی۔ لیکن جابجا لڑائیاں صف آرائی کے ساتھ ہوتی تھیں کامیابی پر ختم ہوتی تھیں۔ راجہ کبھی دائیں پر ہوتا تھا۔ کبھی بائیں پر اور اس دلاوری سے عین موقع پر اور بڑھ کر کام دیتا تھا۔ کہ سارے لشکر کو سنبھال لیتا تھا۔ غرض بنگالہ کا بگڑا ہوا کام پھر بنالیا۔

پٹھانوں کے ساتھ معرکہ آرائی:

معرکہ کا میدان اخیر حملہ داؤد کا تھا کہ شیر شاہی اور سلیم شاہی عہد کی کھرچن اور پرانے پٹھانوں کو سمیٹ کر نکلا اور عین برسات کے موسم میں گھٹا کی طرح پہاڑ سے اٹھا۔ یہ چڑھائی اس دھوم دھام سے کی تھی۔ کہ اکبر نے خود آگرہ سے سواری کا سامان کیا۔ یہاں جنگ سلطانی کا کھیت بڑا تھا۔ دونوں لشکر قلعہ باندھ کر سامنے ہوئے۔ خانجہاں قلب میں اور ٹوڈرمل بائیں پر تھا۔ اور بہادر بھی دونوں طرف کے اس ہمت سے لڑے کہ دلوں کے ارمان نکل گئے۔ فتح وشکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اکبر اور اکبر کے امرا کی نیت کام کر گئی۔ داؤد گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ وہ حسرت ناک حالت میں بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے خاتمہ سے لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قوم افغان کی بنگالہ اور بہار سے جڑ اکھڑ گئی۔ ٹوڈرمل نے دربار میں حاضر ہو کر ۳۰۴ ہاتھی نذر گزرانے کہ اکبر کے لئے یہی اس ملک کا بڑا تحفہ تھا۔ مہم کے فتح نامے خانجہاں اور راجہ ٹوڈرمل کے نام سے گلگوں ہوئے۔

وزیر خاں کی بے تدبیری:

اسی عرصہ میں معلوم ہوا۔ کہ وزیر خاں کی بے تدبیری سے گجرات اور سرحد دکن کا حال تباہ ہے۔ حکم ہوا کہ معتمد الدولہ راجہ ٹوڈرمل جلد پہنچے۔ اس نے اول سلطان پور ملک ندربار کے علاقہ میں دورہ کیا اور دفتر کو دیکھا۔ وہاں سے بندر سورت میں آیا۔ ادھر سے بھڑوچ، بڑودہ، چانپانیر ہوتا ہوا گجرات سے ہو کر پٹن کے دفتر مالیات کو دیکھنے کو گیا تھا۔ کہ مرزا کامران کی بیٹی جو ابراہیم مرزا کی بی بی تھی۔ اپنے بیٹے کو لے کر آئی اور گجرات کے علاقہ میں فساد برپا کیا۔ اس کے ساتھ اور باغی اٹھ کھڑے ہوئے اور ملک میں غدر ہو گیا۔ وزیر خاں نے سامان جنگ، اور قلعہ وفصیل کے ٹوٹنے پھوٹنے کا بندوبست کیا۔ اور بسم اللہ کے گنبد میں بند ہو کر بیٹھ رہا، ساتھ ہی قاصد دوڑائے۔ کہ بھاگا بھاگ ٹوڈرمل کو خبر کریں۔ گوشت تو پھس ہو گیا۔ دال کو آفرین ہے کہ خوب ابال دکھایا۔ وہ جس ہاتھ میں قلم پکڑے لکھ رہا تھا۔ اسی میں تلوار پکڑ کر چلا۔ گجرات میں آیا۔ وزیر خاں کو مرد بنا کر شہر سے باہر نکالا۔ مفسد بڑودہ پر قابض تھے۔ باگیں اٹھائے پہنچے۔ چار کوس بڑودہ رہا تھا۔ جو باغیوں کے قدم اٹھ گئے۔

Marfat.com

اور سب بھاگ نکلے۔ یہ آگے تھے۔ اور وہ پیچھے۔ کنبایت سے جونا گڑھ ہوتے ہوئے دولقہ کے تنگ میدان میں جا کر رکے اور ناچار ہو کر مقابلہ کیا۔

دونوں فوجیں جم گئیں۔ اور وزیر خاں قلب میں قائم ہوئے۔ چاروں پرے چاروں طرف آراستہ۔ جن میں راجہ بائیں پر۔ غنیم نے صلاح کی تھی۔ کہ صفیں باندھتے ہی زور وشور سے لڑائی ڈال دو۔ کچھ سامنے ہو اور باقی دفعتاً بھاگ نکلو۔ اکبری بہادر ضرور تعاقب کرینگے۔ راجہ ہی آگے ہوگا۔ موقع پا کر دفعتاً پلٹ پڑو۔ پھر دونوں کو گھیر کر وزیر خاں اور راجہ کو مارلو۔ کہ کام تمام ہے۔ اور حقیقت میں انہیں بڑا خیال راجہ ہی کا تھا۔ غرض جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو مرزا مریل چال سے وزیر خاں پر آئے [1] اور مہر علی کولابی کہ اصل بانی فساد تھا۔ راجہ پر آیا۔ راجہ سدِ سکندر تھا۔ وہ اس سے ٹکر کھا کر پیچھے ہٹا۔ بادشاہی لشکر کا داہنا ہاتھ بھاگا۔ اور قلب نے بھی بے ہمتی کی۔ ہاں وزیر خاں بہت سے بہادروں کے ساتھ خوب ڈٹا اور قریب تھا۔ کہ ننگ وناموس پر جان قربان کردے۔ کہ راجہ نے دیکھا۔ اور اس سینے کے جوش سے جس میں ہزار دل کا جوش بھرا تھا۔ گھوڑے اٹھائے۔ غنیم کی فوج کو الٹتا پلٹتا پہنچا۔ اور اس زور سے آکر گرا کہ حریف کے بندوبست کا سب تانا بانا ٹوٹ گیا۔

کامران کے بیٹے نے کام کیا تھا! عورتوں کو مردانہ کپڑے پہنا کر گھوڑوں پر پڑھایا تھا۔ خوب تیراندازی اور نیزہ بازی کرتی تھیں۔ غرض بہت سی کشت وخون کے بعد غنیم بھاگ گئے۔ اور غنیمت بہت سی چھوڑ گئے۔ باغی بھی بہت گرفتار ہوگئے۔ ٹوڈرمل نے لوٹ کے اسباب اور ہاتھی اور قیدیوں کو جوں کا توں وہی لباس اور وہی تیر وکمان ہاتھ میں دے کر روانہ دربار کر دیا۔ کہ زنانی مردانگی کا نمونہ بھی حضور دیکھ لیں۔ دھارا اس کے رشید بیٹے نے انہیں دربار میں لاکر پیش کیا۔

بنگالہ میں دوبارہ بغاوت:

۹۸۷ھ میں بنگالہ سے پھر زور وشور کا غبار اٹھا۔ اس دفعہ آندھی کا رنگ اور تھا۔ یعنے خود امرائے شاہی میں بگاڑ تھا۔ سپاہ اور سرداران سپاہ سپہ سالار سے باغی ہوگئے تھے۔ اور تعجب یہ کہ سب کے سب ترک اور مغل تھے۔ اکبر نے ٹوڈرمل کو روانہ کیا۔ اور دیکھو! جو اکثر سردار اس کے ماتحت دیئے۔ وہ بھی راجگان ہندوستان ہی تھے۔ کیونکہ جانتا تھا۔ سب بھائی بند ہیں۔ مل جائیں گے۔ لیکن ٹوڈرمل کے لئے یہ نہایت نازک موقع تھا۔ کیونکہ مقابل میں اگرچہ باغی تھے۔ لیکن خاندان چغتائی کے قدیمی نمک خوار تھے۔ اپنی ہی تلواروں سے اپنے ہاتھ پاؤں کٹتے تھے۔ اس پر مشکل یہ کہ وہ مسلمان اور یہ ہندو۔ مگر لیاقت والے نے مہم کو بڑے تحمل اور سوچ سمجھ کے ساتھ انجام دیا۔ تدبیر اور شمشیر کے عمدہ

Marfat.com

جوہر دکھائے۔ اور بڑی جانبازی اور جانکاہی سے خدمتیں بجالایا۔ جن کو کھینچ سکا۔ ان کو حکمت عملی سے کھینچا۔ جو بالکل نمک حرام تھے وہ تلوار یا اپنے اعمال کے حوالے ہوئے۔ جابجا بھاگتے پھرتے تھے۔ نمک حلال جانثاران کے پیچھے پیچھے تھے۔ لیکن کیا ادھر کیا ادھر۔ خلق خدا اور بندگان بادشاہی تباہ ہوتے تھے۔

اس مہم میں بعض منافق بداندیشوں نے سازش کی تھی۔ کہ لشکر کی موجودات کے وقت راجہ کا کام تمام کر دیں۔ بلوہ کا خون ہوگا۔ کون جانے گا؟ اور کون پہچانے گا؟ راجہ بڑے سیانے تھے۔ ایسے ڈھب سے لگے ہوگئے۔ کہ اپنی جان بچ گئی۔ اور بداندیشوں کا پردہ رہ گیا۔

اس مہم میں اس نے منگیتر کے گرد فصیل اور دمدمہ وغیرہ بنا کر جنگی اور عالیشان قلعہ کھڑا کر دیا۔

۹۷۹ھ میں سب جھگڑے چکا کر پھر دربار میں آیا۔ اور اپنے عہدہ وزارت کی مستقل مسند پر بیٹھا۔ دیوان کل ہوگیا۔ اور ۲۲ صوبہ ہندوستان پر اس کا قلم دوڑنے لگا۔

بادشاہ کا جشن ضیافت:

۹۹۰ھ میں اس نے بادشاہ کا جشن ضیافت اپنے گھر میں سرانجام دیا۔ اکبر بادشاہ بندہ نواز وفاداروں کا کارساز تھا۔ اس کے گھر گیا۔ ٹوڈر مل کی عزت ایک سے ہزار ہوگئی۔ اور ہزاروں وفاداروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

۹۹۳ھ میں اسے ۴ ہزاری منصب عطا ہوا۔

اسی سنہ میں کوہستانی یوسف زئی وسواد وغیرہ کی مہم ہوگئی۔ بیربر مارے گئے [1]۔ بادشاہ کو نہایت رنج ہوا۔ دوسرے دن انہیں روانہ کیا۔ مان سنگھ جمرود کے مقام میں تھے۔ اور تاریکیوں کے ہجوم میں تلوار سے روشنی کر رہے تھے۔ حکم پہنچا۔ کہ راجہ سے جا کر ملو۔ اور اس کی صلاح سے کام کرو۔ راجہ نے کوہ لنگر کے پاس سواد کے پہلو میں چھاؤنی ڈال دی۔ اور فوجوں کو پھیلا دیا۔ راہزنوں کی حقیقت کیا ہے۔ مارے گئے۔ باندھے گئے، بھاگ گئے۔ یہ سرکشوں کی گردنیں توڑ کر سربلند اور سرفراز واپس آئے۔ باقی سرحد کا معاملہ کنور مان سنگھ کے ذمہ رہا۔

۹۹۶ھ میں قلیچ خاں نے گجرات سے آ کر عجائب وغریب پیشکش حضور میں گزرانے۔ حکم ہوا کہ ٹوڈر مل کے ساتھ دیوان خانہ میں مہمات ملکی ومالی سرانجام دیا کرو۔ (ملا صاحب لکھتے ہیں) ٹوڈر مل ستر ابہترا بدحواس ہوگیا ہے۔ کوئی حریف رات کو آن لگا۔ تلوار ماری تھی۔ پوست مال گزر گئی۔ شیخ

---

[1] دیکھو بیربر کا حال۔

Marfat.com

ابوالفضل اس ماجرے کی حقیقت خوب لکھتے ہیں۔امرائے نیک طینت پر گمان تھا۔کہ عداوت مذہب سے کسی نے یہ حرکت کی ہوگی۔تحقیقات سے معلوم ہوا کہ راجہ نے کسی کھتری بچہ کو بداعمالی کی سزادی تھی اس کی آنکھوں پر غصہ نے اندھیری چڑھائی۔چاندنی رات تھی۔وہ سیہ دل گھات لگائے بیٹھا تھا۔جب راجہ آیا۔موقع پایا کام کر گیا۔آخر وہ بھی اور اس کے شریک بھی معلوم ہو گئے۔ایک ایک نے سزا پائی۔

بادشاہ کی کشمیر روانگی:

۹۹۷ھ میں بادشاہ کشمیر کو چلے۔آئین تھا کہ یورپ کے موقع پر دو امیر جلیل القدر دارالسلطنت میں رہا کرتے تھے۔لاہور کا انتظام راجہ بھگوان داس کے سپرد ہوا۔اور راجہ ٹوڈرمل کو بھی یہیں چھوڑا۔اول تو سو مرضوں کا ایک مرض ان کا بڑھاپا۔اس پر کچھ بیمار بھی ہوئے۔بادشاہ کو عرضی لکھی۔جس کا خلاصہ یہ تھا۔بیماری نے بڑھاپے سے سازش کر کے زندگی پر حملہ کیا ہے۔اور غالب آگئی ہے۔موت کا زمانہ قریب نظر آتا ہے۔اجازت ہو۔تو سب سے ہاتھ اٹھا کر گنگا جی کے کنارے جا بیٹھوں۔اور خدا کی یاد میں آخری سانس نکال دوں۔

بادشاہ نے اول ان کی خوشی کے لئے فرمان اجازت بھیج دیا تھا۔کہ وہاں افسردہ طبیعت شگفتگی پر آجائیگی۔مگر دوسرا فرمان پھر پہنچا کہ کوئی خدا پرستی عاجز بندوں کی غم خواری کو نہیں پہنچتی۔بہت بہتر ہے کہ اس ارادہ سے رک جاؤ۔اور اخیر دم تک انہیں کے کام میں رہو۔اور اسے آخرت کا سفر خرچ سمجھو۔پہلے فرمان کی اجازت پر تن بیمار اور جان تندرست کو لے کر ہردوار چلے تھے۔لاہور کے پاس اپنے ہی بنوائے ہوئے تالاب پر ڈیرا تھا۔جو دوسرا فرمان پہنچا۔کہ چلے آؤ۔

(شیخ ابوالفضل اس حال کی تحریر میں کیا خوب سرٹیفکیٹ دیتے ہیں) وہ نافرمانی بادشاہی کو نافرمانی الٰہی سمجھا۔اس لئے جب فرمان وہاں پہنچا فرمانبرداری کی۔اور گیارہویں دن یہاں کے پالے ہوئے جسم کو یہیں رخصت کر گیا۔راستی،درستی،مردانگی،معاملہ شناسی اور ہندوستان کی سربراہی میں یگانہ روزگار تھا۔اگر تعصب کی غلامی،تقلید کی دوستی،دل کی کینہ وری اور بات کی پچ نہ کرتا تو بزرگان معنوی میں سے ہوتا۔اس موت سے کارسازی بے غرض کو چشم زخم پہنچی اور معاملات کی حق گزاری کے بازار میں وہ گرمی نہ رہی۔مانا کہ بادیانت آدمی (جو ہم آشیانہ عنقا) ہے ہاتھ آجائے۔لیکن یہ اعتبار کہاں سے لائے۔

ٹوڈرمل کی عمر کا حال کسی نے نہیں کھولا۔ملا صاحب نے جو حالت بیان کی ہے۔اس سے یہ

Marfat.com

معلوم ہو گیا کہ عمر سے بھی برکت پائی تھی۔ حضرت تو سب پر ہی خفا رہتے ہیں۔ ابھی شاہ فتح اللہ اور حکیم ابوالفتح پر غصے ہوئے تھے۔ یہ بیچارہ تو ہندو تھا۔ اس پر جتنا جھنجھلائیں تھوڑا ہے۔ فرماتے ہیں۔ راجہ ٹوڈرمل اور راجہ بھگوان داس امیر الامرا کہ لاہور میں رہتے تھے۔ جہنم اور دوزخ کے ٹھکانوں کو بھاگے۔ اور تہ درتہ کے درجنوں میں جا کر سانپ بچھوؤں کے واسطے سامان حیات ہوئے۔ سقر ھما اللہ۔ ایک مصرع سے دونوں کی تاریخ روشن کی ہے۔ ع

بگفتا ٹوڈرو بھگوان مردند۔

اس سے بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ فرماتے ہیں۔

ٹوڈرمل آنکہ ظلمش بگرفتہ بود عالم | چوں رفت سوے دوزخ خلقے شدند خرم
تاریخ رفتنش را از پیر عقل جستم | خوش گفت پیر دانا وے رفت در جہنم

اکبر کو جتنا اس کی عقل و تدبیر پر اعتبار تھا۔ اس سے زیادہ دیانت اور امانت نمک حلالی وفا شعاری پر بھروسا تھا۔ جب وہ پٹنہ کی مہم پر جاں نثاری کر رہا تھا۔ تو دفتر کا کام رائے رام داس کے سپرد ہوا۔ کہ وہ بھی کاردانی، سلامت نفس اور نیک نیتی کے ساتھ عمدہ اہلکار تھا۔ اسے دیوانی کا خلعت بھی ہوا مگر حکم ہوا۔ کہ طلب تنخواہ کے کاغذ راجہ کے محرر و منشی اپنے ہی پاس رکھیں۔

اس کے سبب سے اس کے رشتہ داروں کی کارگزاری بھی درجہ اعتبار کو پہنچتی تھی۔ چنانچہ بنگ بہار کی مہم میں نواڑوں اور کشتیوں کا انتظام پر مانند کے سپرد ہوا۔ کہ راجہ کے خویشوں میں سے تھا۔ یہ بات باآواز بلند تعریف کے قابل ہے۔ کہ باوجود ایسی لیاقت جانفشانی، اور جانثاری کے خود اپنے تئیں بلند کرنا نہ چاہتا تھا۔ دیکھو کئی لڑائیوں میں اسے خود سپہ سالاری کا موقع پیش آیا مگر وہ کبھی قلب میں کہ سپہ سالار کی جگہ ہے۔ قائم نہ ہوا۔ اس کے کاروبار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آقا کے حکم پر محو ہو کر بلکہ اپنے حال اور خیال سے بے خبر ہو کر کام کا سرانجام کرتا تھا۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ ہر مہم میں کیسا بروقت پہنچتا تھا اور ہر معرکہ میں جان توڑ کر فتح کو قوت دیتا تھا۔ بنگالہ کی مہم میں ہمیشہ سردار سے سپاہی تک بے دل ہو کر بھاگنے کو تیار ہوتے تھے۔ وہ کہیں دلداری سے اور کہیں غم خواری سے۔ کہیں بیم و امید سے مقدمہ مطلب منقوش خاطر کر کے سب کو روکے رکھتا تھا۔

حسین قلی خاں خان جہاں کی سپہ سالاری پر جب ترک سوار بگڑے۔ تو مہم بھی بگڑ گئی تھی۔ غیر کا بڑھنا اور اپنا پیچھے ہٹنا کسے پسند آتا ہے۔ کیا اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ میں سپہ سالار کہلاؤں۔ لیکن آقا کی خوشی پر نظر رکھی۔ اور ایسا کچھ کیا کہ سب سردار خانجہاں کی اطاعت پر راضی ہو گئے۔

Marfat.com

علمی لیاقت:

اس کی علمی لیاقت کا اندازہ صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے دفتر کی تحریروں کو بخوبی لکھ پڑھ لیتا تھا۔ مگر طبیعت ایسی قواعد بند اور اصول تراش لایا تھا۔ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ مالیات کے کام کو ایسا جانچتا تھا اور اس کے نتیجوں کو ایسا پہچانتا تھا۔ کہ جو اس کا حق ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا ہے، اور دوبارہ لکھتا ہوں۔ کہ اس سے پہلے حساب کا دفتر بالکل برہم تھا۔ جہاں ہندو نوکر تھے۔ وہاں ہندی کاغذوں میں کام چلتا، جہاں ولایتی تھے وہ فارسی میں کاغذ رکھتے تھے۔ ٹوڈرمل، فیضی، میر فتح اللہ شیرازی، حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام، نظام الدین بخشی وغیرہ نے بیٹھ کر قواعد باندھے۔ اور سب دفتروں میں انہیں کے بموجب کام جاری ہوا۔ خواجہ شاہ منصور اور مظفر خاں نے دفتر کے انتظام میں بڑے بڑے کام کیے۔ مگر اس نے سب پر پانی پھیر دیا۔ اور شہرت کے میدان میں ان سے آگے نکل گیا۔ بہت سے نقشے اور فردوں کے نمونے آئین اکبری میں درج ہیں۔ اسی کی اصطلاحیں اور الفاظ ہیں۔ کہ آج تک مالگذاری اور حساب کے کاغذات میں چلے آتے ہیں۔

فارسی زبان کی ترویج:

سکندر لودھی کے زمانہ تک دھرم دان ہندو فارسی یا عربی نہ پڑھتے تھے۔ اس کا نام ملکش بدھیا رکھا تھا۔ راجہ نے تجویز کیا تھا کہ کل قلمرو ہندوستان میں یک قلم دفتر فارسی ہو جائیں۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ جو ہندو اہل قلم، اہل تجارت اور صاحب زراعت ہوں انہیں ضرور فارسی پڑھنی چاہیے اس سے ہندوؤں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اور چند روز مشکلیں بھی پیش آئیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی اسی نے خاص و عام میں پھیلایا کہ بادشاہ وقت کی زبان رزق کی کنجی اور دربار بادشاہی کی دلیل ہے۔ ادھر بادشاہ بھی اکبر بادشاہ تھا۔ جس نے محبت کا جال پھینک کر دلوں کو مچھلیوں کی طرح پھانس لیا تھا۔ یہ بات بہت جلد سب کی سمجھ میں آ گئی۔ چند سال کے عرصے میں بہت سے ہندو، فارسی خواں فارسی داں ہو گئے۔ اور دفتروں میں اہل ولایت کے پہلو دبا کر بیٹھنے لگے۔ اس کی حکمت عملی کو دیکھو۔ تو فارسی عربی الفاظ کو اسی وقت سے ہندوؤں کی زبان میں بلکہ گھروں میں رستہ مل گیا۔ اور یہیں سے اردو کی بنیاد ریختہ سے استوار ہوئی۔

۹۹۰ھ میں سونے سے تانبے تک کل سکوں میں اصلاحیں ہوئیں۔ راجہ کی تجویز اس اصلاح کا جزو اعظم ہے۔

Marfat.com

تجویز وتدبیر میں مصلحت:

اس میں بڑا وصف یہ تھا۔ کہ تجویز وتدبیر میں مصلحت کے کسی پہلو کو جانے نہ دیتا تھا۔ اول اول دیوان عالی دماغ شاہ منصور تمام دفاتر سلطنت کو اپنے قلم کی نوک سے دبائے ہوئے تھے۔ دیوان مستوفی وزیر۔ جو کچھ سمجھو وہی تھے۔ ساتھ اس کے کاغذات حساب کے کیڑے تھے۔ اور کفایت شعاری کے تالاب میں بگلا۔ مگر سپاہی اور ملازم کا جونک کی طرح لہو پی جاتے تھے۔ ۹۹۸ھ میں انہوں نے نئی کاردانی خرچ کی۔ اور فوج کی تنخواہ کے چند آئین باندھے۔ راجہ نے ایک مفصل عرضداشت لکھی۔ اس میں حساب کتاب دفتر کے قواعد لکھے تھے۔ اور مصلحت وقت کے نشیب وفراز دکھا کر سپاہی کی رعایت کو مقدم رکھا تھا۔ اکبر خود فرقہ پرستی کے مائی باپ تھے۔ چنانچہ خواجہ سے یہ کام لے لیا۔ اور ان کی خدمت شاہ قلی محرم کو اور وزارت وزیر خاں کو مل گئی۔ ایسی ہی خیر خواہیاں تھیں۔ جن سے شاہ کا وہ حال (1) ہوا اور یہی مصلحت کے پہلو تھے۔ جن کی رعایتوں سے ان کے کلام کو سپاہ کے دلوں میں وہ راہ تھی کہ بنگالہ کے معرکوں میں کامیابی حاصل کی۔

اس نے حساب میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کے گر یاد کر کے بنئے اور مہاجن دکانوں پر اور دیسی محاسب گھر اور دفتر کے کاروبار میں طلسمات کرتے ہیں۔ اور مدرسوں کے ریاضی داں منہ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔

کشمیر اور لاہور کے کہن سال لوگوں میں کتاب خازن اسرار اس کے نام سے مشہور ہے۔ مگر کمیاب ہے۔ میں نے بڑی کوشش سے کشمیر میں جا کر پائی۔ لیکن دیباچہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ کہ ۱۰۰۵ھ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ خود ۹۹۷ھ میں مر گیا۔ شاید اس کی یادداشت کی کتاب پر کسی نے دیباچہ لگا دیا۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں دھرم، گیان، اشنان، پوجا پاٹ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے میں کاروبار دنیاوی، دونوں میں چھوٹے چھوٹے بہت باب ہیں۔ ہر چیز کا تھوڑا تھوڑا بیان ہے۔ مگر سب کچھ ہے۔ چنانچہ دوسرے حصہ میں علم الاخلاق۔ تدبیر المنزل کے علاوہ اختیار ساعات، موسیقی، سرودہ، شگون آواز طیور، پرواز طیور وغیرہ تک بھی لکھے ہیں۔ کتاب مذکور سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کا پکا اور خیالات کا پورا تھا۔ ہمیشہ گیان دھیان میں رہتا تھا۔ اور پوجا پاٹ مذہبی لوازمات حرف بحرف ادا کرتا تھا۔ اور چونکہ اس زمانہ میں بے قیدی وآزادی کی فصل بہار پر تھی۔ اس لئے ان خصائل کے ساتھ انگشت نما تھا۔ کہاں ہیں۔ وہ لوگ؟ جو کہتے

(1) دیکھو شاہ کا حال۔

Marfat.com

وفادار جبھی ہوتا ہے۔ جب اس کے خیالات اور حالات بلکہ مذہب اور اعتقاد بھی آقا کے ساتھ ایک ہو جائیں۔ وہ آئیں۔ اور ٹوڈرمل کے حالات سے سبق پڑھیں کہ سچے مذہب والے وہی لوگ ہیں۔ جو اپنے آقا کی خدمت صدق و یقین سے بجالائیں۔ بلکہ جتنا صدق و یقین مذہب میں زیادہ ہوگا۔ اتنی ہی وفاداری اور جاں نثاری زیادہ صدق و یقین کے ساتھ ہوگی۔ اچھا اس کی نیت کا پھل بھی دیکھ لو۔ اکبری دربار میں کونسا امیر ذی رتبہ تھا۔ جن سے وہ ایک قدم پیچھے یا فیض انعام میں نیچے رہا۔

جزویات مذہبی اور اس کے رسوم و قیود کی پابندی بعض موقع پر انہیں تنگ کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ بادشاہ اجمیر سے پنجاب کو آتے تھے۔ سفر کا عالم۔ ایک دن کوچ کی گھبراہٹ میں ٹھاکروں کا آسن کہیں رہ گیا۔ یا وزیر سلطنت کا تھیلہ سمجھ کر کسی نے چرا لیا۔ راجہ کا قاعدہ تھا۔ کہ جب تک پوجا نہ کر لیتے تھے۔ کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اور کھانا بھی نہ کھاتے تھے۔ کئی وقت کا فاقہ ہو گیا۔ اکبری لشکر میں ڈیرے ڈیرے چرچا ہو گیا۔ کہ راجہ کے ٹھاکر چوری ہو گئے۔ وہاں عالم مسخرے، فاضل شہدے، بیربر جیسے کئی پنڈت اور بدھیاوان موجود تھے۔ خدا جانے کیا کیا لطیفے چھانٹے ہونگے۔

بادشاہ نے بلا کر کہا کہ ٹھاکر چوری گئے۔ ان داتا تمہارا ایشور ہے۔ وہ تو نہیں چوری گیا؟ اشنان کر کے اسے یاد کرو اور کھانا کھاؤ۔ خودکشی کسی مذہب میں ثواب نہیں۔ راجہ نے بھی اپنے خیال سے رجوع کی۔ آزاد کہنے والے کچھ ہی کہیں۔ لیکن میں اس کے استقلال پر ہزار تعریفوں کے پھول چڑھاؤں گا۔ بیربر کی طرح دربار کی ہوا میں آ کر اپنا دین تو نہیں گنوایا۔ البتہ دین الٰہی اکبر شاہی کے خلیفہ نہ ہوئے۔ خیر وہ خلافت انہی کو مبارک ہو۔

شیخ ابوالفضل نے جو فقرے اس کی عادات اور اخلاق کے بارے میں لکھے ہیں۔ ان کے باب میں آزاد کو کچھ لکھنا واجب ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اگر تعصب کی پرستاری، تقلید کی محبت اور کینہ کشی نہ ہوتی۔ اور اپنی بات پر مغرور ہو کر نہ اڑتا۔ تو بزرگان معنوں میں سے ہوتا۔

عوام الناس ضرور کہیں گے کہ شیخ لامذہب تھے۔ جس کو پابند مذہب اور بزرگوں کی لکیر پر چلتا دیکھتے تھے۔ اس کی خاک اڑاتے تھے۔ آزاد کہتا ہے کہ یہ سب درست ہے۔ لیکن ابوالفضل بھی آخر ایک شخص تھے۔ اسی جگہ نہیں۔ کئی جگہ راجہ کے حق میں ایسے ہی فقرے تراشے ہیں۔ کچھ نہ کچھ ضرور ان قباحتوں کے ضرر لوگوں کو پہنچے ہونگے جب راجہ بنگالہ کی مہم سر کر کے آئے۔ ۵۴ ہاتھی اور نفائس گراں بہاں پیش کش گزرانے۔ وہاں بھی لکھتے ہیں۔ بادشاہ نے مقدمات مالی و ملکی اس کے فہم درست پر حوالہ کر کے دیوان کل ہندوستان کا مقرر فرمایا۔ وہ راستی اور کم طمعی میں عمدہ خدمت گزار تھا۔ بے لالچ ... کرتا تھا۔ کاش کینہ کش اور انتقامی نہ ہوتا کہ طبیعت کے کھیت میں ذرا ملائمت پھوٹ نکلتی۔ یہ

Marfat.com

بھی سہی، تعصب مذہبی چہرہ پر رنگ نہ پھیرتا تو اتنا قابل ملامت نہ ہوتا۔ باوجود اس کے عام اہل زمانہ کو دیکھ کر کہنا چاہئے۔ کہ سیر دلی اور بے طمعی کے ساتھ۔ عرق ریز کاردان۔ قدردان، خدمت گزار تھا۔ اور کم نظیر نہیں۔ بے نظیر تھا۔ دیکھئے کیا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ اب اس ۵ فقرہ کی عبارت کو پھر پڑھو اور غور سے دیکھو۔

پہلا اور دوسرا فقرہ اس کی قوم کے لئے فخر کی سند ہے۔ تیسرے فقرہ پر بھی خفا نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ آخر انسان تھا۔ اور ایسے عالیشان رتبہ پر کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے معاملات اس سے ٹکر کھاتے تھے۔ اور بار بار ٹکر کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی بے نکلتا ہوگا۔ تو یہ دوسرے موقع پر کسر نکالتا ہوگا اور چونکہ ضابطہ دفتر اور کفایت بادشاہی پر بنیاد عمل تھی۔ اس لئے حضور میں بھی اس کی بات سرسبز ہوتی ہوگی۔ میرے دوستو! دنیا نازک مقام ہے۔ اگر دشمن سے بچاؤ نہ رکھتا تو زندگی کیونکر ہوتی۔ اور گزارہ کہاں کرتا۔ چوتھے فقرہ پر بھی چڑھنا نہ چاہئے۔ کیونکہ وہ دیوان تھا۔ امرائے عالیشان سے غریب سپاہی تک اور صاحبان ملک سے لے کر ادنیٰ معافی دار تک سب کا حساب کتاب اسے کرنا پڑتا تھا۔ وہ واجب الطلب میں کسی کی رعایت کرنیوالا نہ تھا۔ اور باخبر اہلکار تھا۔ دنیا میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک اپنی کفایت اور اپنا فائدہ چاہتے ہیں۔ اور ایک ایک رقم مندرجہ دفتر پر ضرور گرفت کرتا ہوگا۔ لوگ حجتیں کرتے ہونگے۔ حساب کا معاملہ تھا۔ کسی کی پیش بھی نہ جاتی ہوگی۔ سفارشیں بھی آتی ہونگی۔ وہ سنتا نہ ہوگا۔ دربار تک بھی نوبتیں پہنچتی ہونگی۔ اور راجہ کاٹ ہی لیتا ہوگا۔ اکبر رحیم و کریم بادشاہ تھا۔ مگر آئین سلطنت اور ضوابط دفتر کو توڑنا بھی نہ چاہتا تھا۔ اس لئے کہیں کہیں وہ بھی دق ہوتا ہوگا۔ سب ناراض ہوتے ہونگے یہی بنیاد ہے ان اشعار کی جو ملا صاحب نے لکھے۔ اور انہی باتوں سے جل کر موزوں طبعوں نے اس کا سجع کہا تھا۔

آنکہ شد کار ہند از وتحلل — راجہ راجہاست ٹوڈرمل

باوجود ان سب باتوں کے جو کچھ کرتا تھا۔ اپنے آقا کی خیر خواہی سمجھ کر کرتا تھا۔ اور خزانہ شاہی میں داخل کرتا تھا۔ اگر خود بیچ میں کتر لیتا۔ تو گنہگار اور وہ کترتا تو لوگ کب چھوڑتے۔ اسی بیچارے کو کتر ڈالتے یہی سبب ہے۔ کہ اس کی راستی اور درستی کو ہر شخص برابر مانتا ہے۔

البتہ ایک بات کا مجھے بھی افسوس ہے۔ بعض مورخ لکھتے ہیں۔ کہ شاہ منصور کے قتل کی جو سازشیں ہوئی تھیں۔ ان میں کرم اللہ (شہباز خاں کمبو کے بھائی) نے بھی کچھ خطوط پیش کئے۔ وہ بھی جعلی تھے۔ اور یہ راجہ کی کارسازی تھی۔ اس وقت کوئی نہ سمجھا۔ پیچھے راز کھلا۔ خیر راجہ کی اور ان کی کاغذی بحثیں تھیں۔ دونوں اہلکار تھے۔ خدا جانے طرفین سے کیا کیا وار چلے ہونگے۔ اس وقت ان کا

Marfat.com

نہ چلا۔ ان کا چل گیا۔

بٹالوی صاحب خلاصہ التواریخ سے تعجب ہے۔ کہ ملک پنجاب میں بیٹھ کر کتاب لکھی۔ اور شاجہاں اور عالمگیر کا زمانہ پایا۔ انہوں نے بھی ٹوڈرمل کی اصل نسل اور عمر اور سنہ ولادت کی توضیح نہیں لکھی۔ البتہ اس کے اوصاف میں ایک بڑا ورق تحریر کیا۔ جو تقریباً راستی اور اصلیت کے الفاظ سے مرصع ہے۔ اس میں کہتے ہیں۔ رازدان سلطنت تھا۔ دقائق سیاق اور حقائق حساب میں بے نظیر تھا۔ محاسبوں کے کاروبار میں باریکیاں نکالتا تھا۔ ضوابط و قوانین وزارت۔ آئین سلطنت، ملک کی معموری، رعیت کی آبادی، دفتر دیوان کے دستور العمل، حقوق بادشاہی کے اصول، افزونی خزانہ، رستوں کی امنیت، مواجب سپاہ، شرح دامی پرگنات، تنخواہ جاگیر، مناصب امرا کے قواعد۔ سب کچھ اس کی یادگار ہیں۔ اور سب جگہ انہیں وقاعد وضوابط پر عمل درآمد ہے۔

تنخواہ اور جاگیروں میں امراء کے قواعد وضوابط:

(۱) جمع دہ بدہی پرگنہ وار اس نے باندھی۔ (۲) طنابی جریب خشکی اور تری میں گھٹ بڑھ جاتی ہے اور ۵۵ گز تھی۔ اس نے ۶۰ گز کی جریب بانس یا نرسل کی قرار دی۔ اور لوہے کی کڑیاں بیچ میں ڈالیں کہ کبھی فرق نہ پڑے ❶۔ (۳) اس کی تجویز سے ۹۸۲ھ میں کل ممالک محروسہ بارہ صوبوں میں منقسم ہوئے۔ اور دہ سالہ بندوبست ہو گیا۔ چند گاؤں کا پرگنہ۔ چند پرگنوں کی سرکار، چند سرکار کا ایک صوبہ قرار دیا۔ (۴) روپیہ کے چالیس دام ❷ ٹھیرائے۔ پرگنہ کی شرح دامی دفتر میں مندرج ہوئی۔ (۵) کروردام پر ایک عامل مقرر کر کے کروری نام رکھا۔ (۶) امرا کے ماتحت نوکر ہوتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے لئے داغ کا آئین مقرر کیا۔ کہ ایک جگہ کا گھوڑا دو دو تین تین جگہ دکھا دیتے تھے۔ عین وقت پر کمی سے بڑا ہرج پڑتا تھا۔ اس میں کبھی تو سواروں کی دغابازی ہوتی تھی۔ کبھی امرا خود بھی دغا دیتے تھے کہ جب موجودات ہوتی تو فوراً سوار سپاہی نوکر رکھ لئے۔ اور لفافہ چڑھا کر موجودات دلوائی۔ ادھر سے رخصت ہوئے۔ ادھر جا کر موقوف (۷) بندہائے بادشاہی کی سات ٹولیاں باندھیں۔ ہفتہ کے سات دن کے بموجب ہر ٹولی میں سے باری باری آدمی لئے جاتے تھے۔ اور چوکی میں حاضر ہوتے تھے۔ (۸) روز کے واسطے ایک ایک آدمی چوکی نویس مقرر ہوا۔ کہ ہر اہل

❶ ایک بیگھہ مربع = ۳۶۰۰ گز شاجہانی۔

❷ دام میں نے دیکھا ہے۔ وزن میں ایک تولہ، مرصع جیسا دلی کا پیسا۔ ایک طرف اکبر کا نام معمولی طور پر۔ دوسری طرف دام نہایت خوش قلم خط شکست میں۔

Marfat.com

خدمت کی حاضری بھی لے اور جو عرض معروض حکم احکام ہوں۔ جاری کرے اور جا بجا پہنچائے۔ (۹) ہفتہ کے لئے سات واقعہ نویس مقرر ہوئے۔ کہ تمام دن کا حال ڈیوڑھی پر بیٹھے لکھا کریں۔ (۱۰) امرا وخوانین کے علاوہ چار ہزار یکہ سوار خاص رکاب شاہی کے لئے قرار دیئے۔ انہیں کو احدی کہتے تھے۔ کہ یکہ کا ترجمہ ہے۔ ان کا داروغہ بھی الگ ہوا۔ (۱۱) کئی ہزار غلام، کیا لڑائیوں کے گرفتار، غلامی سے آزاد ہوئے۔ اور چیلہ ان کا خطاب ہوا۔ کیونکہ خدا کے بندے آزاد ہیں۔ انہیں غلام یا بندہ کہنا روا نہیں۔ غرض سینکڑوں جزئیات۔ آئین وقواعد کے ایسے باندھے کہ بعد امرا اور وزراء نے کوششیں کیں اور کرتے ہیں۔ آگے نہیں نکل سکتے۔ اس کے بعد منصب وکالت مرزا عبدالرحیم خان خاناں کو مرحمت ہوا۔ اس نے بھی منصب مذکور اور امورات وزارت کو باحسن وجوہ رونق دی۔ کہ مورد تحسین ہوا۔ (۱۲) ہندوستان میں خرید وفروخت۔ دیہات کی جمع بندی۔ تحصیل مال، نوکروں کی تنخواہوں کا حساب کیا راجاؤں کیا بادشاہوں میں تنگوں پر تھا۔ مگر پیسے دیا کرتے تھے۔ چاندی پر ضرب لگتی تھی۔ تو چاندی کے تنگے کہلاتے تھے اور ایلچیوں اور ڈوموں کو انعام میں دیا کرتے تھے عام رواج نہ تھا۔ چاندی کے مول بازار میں بک جاتے تھے۔ ٹوڈرمل نے منصبداروں او ملازموں کی تنخواہ میں انہی کو جاری کیا۔ آئین باندھا۔ کہ تنگہ کی جگہ دیہات سے روپیہ وصول ہوا کرے۔ اس کا ۱۱ ماشہ کا وزن رکھا۔ روپیہ کے ۴۰ دام قرار دیئے۔ اس کا آئین یہ کہ تانبے پر ٹکسال کا خرچ لگائیں۔ تو روپیہ کے پورے ۴۰ دام پڑتے ہیں۔ وہی نوکروں کو تنخواہ میں ملتے تھے۔ اسی کے بموجب جمع کل دیہات قصبات پرگنات کی دفتر میں لکھی جاتی تھی۔ اس کا نام عمل نقد جمعبندی رکھا۔ محصول کا آئین یہ باندھا۔ کہ غلہ زمین بارانی میں، نصف کاشتکار، نصف بادشاہ کا۔ بارانی میں ہر قطعہ پر ۴/۔ اخراجات اور اس کی خرید وفروخت کی لاگت لگا کر غلہ میں ۳/۱ بادشاہی نیشکر وغیرہ کہ جنس اعلیٰ کہلاتے ہیں۔ اور پانی اور نگہبانی اور کٹائی وغیرہ کی محنت غلہ سے زیادہ کھاتی ہے۔ ۴/۱، ۵/۱، ۷/۱ حسب مراتب حق بادشاہی، باقی حق کاشتکار، اگر محصول لیں۔ تو ہر جنس میں بیگھہ مربع پر زر نقدی لیں۔ اس کا دستور العمل بھی جنس وار لکھا ہوا ہے۔

یہ بات بھی قابل تحریر ہے۔ کہ قواعد مذکورہ کے بہت سے جزئیات، خواجہ شاہ منصور، مظفر خاں اور میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ کے نکالے ہوئے تھے۔ اور بیشک انہوں نے کاغذات کی چھان بین اور انتظام دفتر میں بڑی عرق ریزی کی ہے۔ مگر اتفاق تقدیری ہے۔ کہ ان کا کوئی نام بھی نہیں جانتا جس عمدہ انتظام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں ٹوڈرمل کا نام پکارا جاتا ہے۔

طالع شہرت رسوائی مجنوں پیش است ورنہ طشت من واو ہر روز یک بام افتاد

Marfat.com

باوجود ان سب باتوں کے یہ نکتہ اکبر کی کتاب اوصاف میں سنہری حرفوں سے لکھنا چاہئے۔ کہ امرانے راجہ کے اختیارات اور ترقیات متواتر دیکھ کر بعض امورات میں شکایت کی اور یہ بھی کہا کہ حضور نے ایک ہندو کو مسلمانوں پر اس قدر اختیار اور اقتدار دیدیا ہے۔ ایسا مناسب نہیں۔ سینہ صاف اور بے تکلف بادشاہ نے کہا۔ ہر کدام شمار در سرکار خود ہندوئے دارد۔ اگر ماہم ہندوئے داشتہ باشیم چرا از وبد باید بود۔ تم سب کی سرکاروں میں کوئی نہ کوئی منشی ہندو ہے۔ ہم نے ایک ہندو رکھا تو تم کیوں برا مانتے ہو۔

Marfat.com

راجہ مان سنگھ ❶

ابتدائی حالات:

اس عالی خاندان راجہ کی تصویر دربار اکبری کے مرقع میں سونے کے پانی سے کھینچنی چاہیے۔ کیونکہ سب سے پہلے اس کے باپ دادا کی مبارک رفاقت اکبر کی ہمدم اور رفیق حال ہوئی۔ جس سے ہندوستان میں تیموری خاندان کی بنیاد نے قیام پکڑا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے۔ کہ انہوں نے اپنی رفاقت اور ھمدردی سے اکبر کو اپنایت اور محبت کرنی سکھا دی۔ اور خلق و عالم کو دکھا دیا۔ کہ راجپوتوں میں جو خیال چلا آتا ہے۔ کہ سر جائے بات نہ جائے۔ اس کی مورت دیکھنی چاہو تو انہیں دیکھ لو۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان بات کے پوروں نے اس ترک بادشاہ کی رفاقت میں اپنی جان کو جان نہ سمجھا۔ اور اپنے اور اس کے ننگ و ناموس کو ایک کر دیا۔ ان کی ملنساری اور وفاداری نے اکبر کے دل پر نقش کر دیا۔ کہ ملک ہند ایسی اجزائے شرافت سے مرکب ہے۔ کہ اگر ان کے ساتھ غیر قوم بھی محبت اور ہمدردی کرے تو یہ ایسا کچھ کرتے ہیں۔ کہ اپنی قوم کی تو کیا حقیقت ہے۔ حقیقی بھائی کو بھول جاتے ہیں۔ یہ کچھواہہ کے خاندان عظیم الشان میں نامی گرامی اور صدہا سال سے خاندانی راجہ چلے آتے تھے۔ ان کے ساتھ تمام قوم کچھواہہ اکبر کی جاں نثاری پر کمر بستہ ہو گئی۔ اور ان کی بدولت راجپوت کے اکثر خاندان آ کر شامل ہو گئے۔ لیکن اکبر کی دلربائی اور دلداری کا جادو بھی ان پر ایسا کارگر ہوا کہ آج تک سب چغتائی خاندان کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔

۹۶۴ھ پہلے سال جلوس میں دربار اکبری سے مجنوں خاں قاقشال نارنول پر حاکم ہو کر گیا۔ حاجی خاں کہ شیر شاہ کا غلام تھا۔ وہ مجنوں خاں پر چڑھ آیا۔ راجہ بھاڑا مل راجہ آنبیر کہ اس وقت کچھواہہ خاندان کا چراغ روشن کرنے والا تھا۔ حاجی خاں کیساتھ تھا۔ مجنوں خاں کی عقل و ہوش جاتی رہی۔ گھر گئے اور حالت تنگ ہوئی۔ خاندانی راجہ مرد کہن سال۔ مروت وانسانیت کے جواہر سے خزانہ دار تھا۔ ہر بات کے نشیب و فراز انجام و آغاز کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے صلح کا بندوبست کر کے مجنوں خاں کو

❶ بھاری مل، پورن مل، روپسی، آسکرن، جگ مل پانچ بھائی تھے۔ جگ مل کا بیٹا مہان سنگہ تھا۔

Marfat.com

محاصرہ سے نکلوایا۔ اور عزت وحرمت کے ساتھ دربار شاہی کو روانہ کر دیا۔ یہی راجہ بھاڑا مل ہیں۔ جو راجہ بھگوان داس کے باپ اور مان سنگھ کے دادا تھے۔

مجنوں خاں جب دربار میں پہنچا۔ تو راجہ کی مروت، محبت، اخلاص، عالی ہمتی اور اس کے عالی خاندان کے حالات اکبر کے سامنے بیان کئے۔ دربار سے ایک امیر فرمان طلب لیکر گیا۔ راجہ سامان معقول کے ساتھ حاضر دربار ہوا۔ یہ وہی مبارک موقع تھا۔ کہ اکبر ہیموں کی مہم مار کر دلی آیا ہوا تھا چنانچہ راجہ کی بڑی عزت اور خاطر داری کی۔

جس دن راجہ اور فرزند اور اس کے ہمراہی بھائی بندوں کو خلعت اور انعام واکرام مل رہے تھے اور وہ رخصت ہوتے تھے۔ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہو کر باہر نکلے تھے۔ اور ان کا تماشا دیکھتے تھے۔ ہاتھی مست تھا۔ اور جوش مستی میں جھوم جھوم کر کبھی ادھر کبھی ادھر جاتا تھا۔ لوگ ڈر ڈر کر بھاگتے تھے۔ ایک دفعہ ان راجپوتوں کی طرف بھی جھکا۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ٹلے۔ اسی طرح کھڑے رہے۔ بادشاہ کو ان کی دلاوری بہت پسند آئی۔ راجہ بھاڑا مل کی طرف متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے۔ ترا نہال خواہم کرد عنقریب مے بینی کہ اعزاز و اختیارت زیاد بر زیاد میشود۔ اسی دن سے راجپوتوں کی خصوصاً راجہ بھاڑا مل اور اس کے متعلقوں اور متوسلوں کی قدردانی کرنے لگے۔ اور ان کی بہادری اور دلاوری روز بروز دل پر نقش ہوتی گئی۔ اکبر نے مرزا شرف الدین حسین کو میوات کا حاکم کر کے بھیجا تھا۔ اس نے ادھر ادھر پھیلنا شروع کیا تھا اور آنبیر کو لینا چاہا۔ راجہ بھاڑا مل کا ایک فتنہ پرداز بھائی شرکت ریاست کے باعث مرزا سے آن ملا۔ اور ساتھ ہو کر لشکر لے گیا۔ چونکہ گھر کی پھوٹ تھی اسی واسطے مرزا غالب آیا۔ اور راجہ کے چند بھائی بند گروڈ لے کر پھرا۔

۹۶۸ھ میں بادشاہ زیارت اجمیر کو چلے۔ رستہ میں ایک امیر نے عرض کی۔ کہ راجہ بھاڑا مل جو دہلی میں حاضر دربار ہوا تھا۔ اس پر مرزا نے بڑی زیادتی کی ہے۔ بیچارہ پہاڑوں میں گھس کر گزارہ کر رہا ہے۔ وہ عالی ہمت با مروت خاندانی راجہ ہے۔ اگر حضور کی توجہ شامل حال ہوگی۔ تو خدمات عظیم بجالائے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ تم خود جا کر لے جاؤ۔ چنانچہ وہ لینے گیا۔ راجہ خود نہ آیا۔ عرضی کے ساتھ نذرانہ بھیجا اور اس کا بھائی امیر مذکور کے ساتھ آیا۔ اکبر نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ وہ خود آئے۔ راجہ بھاڑا مل نے بڑے بیٹے بھگوان داس کو اہل وعیال کے پاس چھوڑا۔ اور سانگانیر کے مقام پر خود حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑی محبت اور دلداری سے اس کی تشفی کی۔ اور دربار کے امرائے خاص میں داخل کیا۔ راجہ کے دل میں بھی ایسا محبت اور وفا کا جوش پیدا ہوا۔ کہ رفتہ رفتہ اپنے یگانوں میں اور اس میں کچھ فرق نہ رہا۔ چند روز کے بعد راجہ بھگوان داس اور مان سنگھ بھی آ گئے۔ اکبر نے ان دونوں کو

Marfat.com

ساتھ لیا۔اور راجہ بھاڑا مل کو رخصت کیا۔مگر دل مل گئے تھے۔ چلتے ہوئے کہہ دیا کہ جلد چلے آنا۔اور سامان کر کے آنا، کہ پھر جانے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

مذہب کی دیوار اور قانون قومی کا قلعہ:

مذہب کی دیوار اور قانون قومی کا قلعہ اپنی مضبوطی اور استواری میں سد سکندری سے کم نہیں مگر آئین سلطنت (جسے ہندوستان میں راج نیت کہتے ہیں) اس کا قانون سب پر غالب ہے۔جب اس کی مصلحت کا دریا چڑھاؤ پر آتا ہے۔تو سب کو بہالے جاتا ہے۔اکبر کو شاہ طہماسپ کا قول یاد تھا۔ (دیکھو صفحہ ۶۰ و ۶۱) اس نے اس خاندان کی نیک نیت اور اخلاص و محبت دیکھ کر سوچا۔کہ ان کے ساتھ قرابت ہو جائے تو بہت خوب ہو۔اور یہ امر ممکن بھی نظر آیا، چنانچہ بڑے موقع کے ساتھ یہ سلسلہ ہلایا۔اور اس میں کامیاب ہوا۔یعنی ۹۶۹ھ میں راجہ بھاڑا مل کی بیٹی مان سنگھ کی پھوپھی بیگمات اکبری میں داخل ہو کر محل کا سنگار ہوگئی۔

باوجودیکہ رانا کے ساتھ ان کا خاندانی تعلق تھا۔مگر جب ۹۷۴ھ میں چتوڑ پر مہم ہوئی۔تو راجہ بھگوان داس اکبر کے ساتھ تھے۔اور ہر مورچے پر سپر کی طرح کبھی آگے تھے کبھی پیچھے۔(دیکھو تتمہ)

۹۷۹ھ میں جب اکبر گجرات پر خود فوج لے کر گیا۔تو راجہ مان سنگھ بھی باپ کی رفاقت میں ہمراہ تھا۔نوجوانی کا عالم، دل میں امنگ، دلاوری کا جوش، راجپوتی خون کہتا ہوگا۔کہ چنگیزی ترک جن کے دل فتح یابی نے بڑھائے ہیں۔اس وقت باگ سے باگ ملائے ہیں۔ان سے قدم آگے بڑھا رہے۔اور انہیں بھی دکھلا دو۔کہ راجپوتی تلوار کا کاٹ کیا رنگ دکھاتا ہے۔کیا راہ میں کیا میدان جنگ میں جدھر ذرہ اکبر کا اشارہ پاتا تھا۔فوج کا دستہ لیتا تھا۔اور اس طرح جا پڑتا تھا۔جیسے شیر و پلنگ شکار پر جاتے ہیں۔

اس عرصہ میں خان اعظم احمد آباد میں گھر گئے۔اور چغتائی شہزادے افواج دکن کو ساتھ لیکر اس کے گرد چھا گئے۔اکبر نے آگرہ سے کوچ کیا۔اور مہینے کی راہ سات دن میں طے کر کے احمد آباد پر جا پہنچا راجہ بھگوان داس اور کنور مان سنگھ اس مہم میں ساتھ تھے۔اور بادشاہ کے گرد اس طرح سے جاں نثاری کرتے پھرتے تھے۔جیسے شمع کے گرد پروانے۔

چغتائی مورخوں نے یہ معاملہ درج تاریخ نہیں کیا مگر ٹاڈ صاحب تاریخ راجستان میں لکھتے ہیں۔اور حقیقت میں دیکھنے کے قابل ہے۔

راجہ مان سنگھ شعلہ پور کی مہم مار کر آتا تھا۔اودے پور کی سرحد سے گزرا۔سنا کہ رانا پرتاب کوملمیر

Marfat.com

میں ہے۔ وکیل بھیجا اور لکھا کہ آپ سے ملنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ رانا نے اودے ساگر تک استقبال کر کے جھیل کے کنارہ ضیافت کا سامان کیا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو رانا آپ نہ آیا۔ بیٹے نے آ کر کہا۔ ''رانا جی کے سر میں درد ہے۔ وہ نہ آئیں گے۔ آپ کھانے پر بیٹھیں اور اچھی طرح کھائیں۔'' راجہ مان سنگھ نے کہلا بھیجا کہ جو مرض ہے عجب نہیں کہ وہی ہے۔ جو میں سمجھا ہوں۔ مگر یہ تو لاعلاج مرض ہے۔ اور جب وہ ہی مہمانوں کے آگے تھال نہ رکھیں گے تو کون رکھے گا۔

رانا نے کہلا بھیجا۔ مجھے اس کا بڑا رنج ہے۔ مگر کیا کروں۔ جس شخص نے بہن ترک سے بیاہ دی تو اس کے ساتھ کھانا بھی کھایا ہی ہوگا۔ راجہ مان سنگھ اپنی حماقت پر پچھتایا۔ کہ یہاں کیوں آیا اور وہ صدمہ گزرا کہ دل ہی جانتا تھا۔ چاول کے چند دانے سے کران دیوی کو چڑھائے۔ وہی اپنی پگڑی میں رکھ لئے۔ اور چلتے ہوئے کہا۔ تیری عزت بچانے کو ہم نے اپنی عزت کھوئی۔ اور بہنیں بیٹیاں ترک کو دیں۔ تمہاری یہی مرضی ہے کہ خوف میں رہیں تو ہمیشہ رہو اختیار ہے۔ اس لئے کہ اس ملک میں تمہارا گزر نہ ہوگا۔

گھوڑے پر چڑھا اور رانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا (اس وقت وہ بھی آ موجود ہوا تھا) رانا جی اگر تمہاری شیخی نہ جھاڑ دوں تو میرا نام مان نہیں۔ پرتاب بولا۔ ''ہم سے ہمیشہ ملتے رہنا۔'' کسی بے لحاظ نے برابر سے یہ بھی کہا۔ جی اپنے پھپا (اکبر) کو بھی ساتھ لانا۔ جس زمین پر یہ ضیافت ہوئی تھی۔ اسے کھدوایا۔ گنگا جل سے دھلوا کر پاک کیا۔ سردار نہائے، پوشاک بدلی۔ گویا سب اس کے آنے سے ناپاک ہو گئے تھے۔ اس بات کی ذرہ ذرہ خبر اکبر کو پہنچی۔ بہت غصہ آیا۔ اسے بڑا خیال یہ تھا۔ کہ ایسا نہ ہو راجپوت کی ذات غیرت کھا کر پھر بگڑ جائے۔ اور جس تعصب کی آگ کو میں نے سو سو پانی سے دھیما کیا ہے۔ وہ پھر سلگ اٹھے۔

عالی ہمت بادشاہ کے دل میں یہ خیال کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ آخر چند روز بعد رانا پر فوج کشی ہوئی۔ سلیم (جہانگیر) کے نام سپہ سالاری ہوئی۔ مان سنگھ اور مہابت خاں ساتھ ہوئے۔ کہ شاہزادہ ان کی صلاح پر چلے۔ بادشاہی لشکر رانا کے ملک میں داخل ہوا اور چھوٹے موٹے مقابلوں کو ٹھوکریں مارتا آگے بڑھا۔ رانا ایک ایسے کذھب مقام میں لشکر لے کر اڑا جسے پہاڑوں کے سلسلوں اور گھاٹیوں کے پیچوں نے خوب مضبوط کیا تھا۔ کوملمیر سے رکناتھ تک (شمال سے جنوب تک) ۸۰ میل طول۔ میر پور سے ستولا تک (مشرق مغرب میں) اسی قدر عرض۔ اس مسافت میں پہاڑ جنگل گھاٹیوں اور ندیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ دارالسلطنت کو شمال جنوب۔ مغرب جدھر سے جاؤ رستہ ایسا تنگ ہے کہ گویا گھاٹی ہی ہے۔ ہر طرف عمودی پہاڑ چلے جاتے ہیں۔ چوڑان اتنی کہ دو گاڑیاں

Marfat.com

بھی برابر نہیں چل سکتیں۔ گھاٹی میں سے نکلو تو قدرتی دیواریں کھڑی ہیں۔ (انہیں کول کہتے ہیں) بعض جگہ میدان بھی ایسے ایسے آ جاتے ہیں۔ کہ بڑا لشکر چھاؤنی ڈال دے۔ چنانچہ ہلدی گھاٹ کا میدان ایسا ہی ہے۔ وہ پہاڑ کی گردن پر واقع ہے۔ اس لئے بے ڈھب مقام ہے۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے راجپوتوں کی فوجیں جمع ہوئی تھیں۔ ٹیلوں کے اوپر اور اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھیل جو اصلی کیڑے ان پتھروں کے ہیں۔ تیر کمان لئے تاک میں بیٹھے تھے۔ کہ جب موقع آئے بھاری بھاری پتھر حریف پر لڑھکائیں۔

ہلدی گھاٹ کا معرکہ:

درہ کے دہانہ پر رانا میواڑ کے سورما سپاہیوں کو لئے ڈٹا تھا۔ غرض کہ یہاں ایک گھمسان کا کشت وخون ہوا۔ کئی راجہ اور ٹھاکر جانوں سے ہاتھ اٹھا کر آن گرے اور اپنے بہادر رانا کے قدموں پر خون کے نالے بہائے۔ گرم میدان میں رانا قرمزی جھنڈا لئے تیار تھا۔ کہ کسی طرح راجہ مان سنگھ نظر آئے اور اس سے دو دو ہاتھ ہوں۔ یہ ارمان تو نہ نکلا۔ لیکن جہاں سلیم (جہانگیر) ہاتھی پر کھڑا لشکر کو لڑا رہا تھا۔ وہاں جا پہنچا اور ایسا بے جگر ہو کر گیا۔ کہ سلیم اس کے برچھے کا شکار ہو جاتا اگر ہودہ کے فولادی تختے اس کی جان کی سپر نہ بن جاتے۔ پرتاب جس گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کا نام چیتک تھا۔ وفادار گھوڑے نے آقا کی بڑی رفاقت کی۔ اس لڑائی کے مرقعے جو تاریخ میواڑ میں شامل ہیں۔ ان میں گھوڑے کا ایک پاؤں سلیم کے ہاتھی پر رکھا ہوا ہے۔ اور سوار اپنے حریف پر نیزہ مارتا ہے۔ فیلبان کے پاس بچاؤ کا سامان کچھ نہ تھا وہ مارا گیا۔ مست ہاتھی بے مہاوت رک نہ سکا۔ اور ایسا بھاگا کہ سلیم کی جان بچ گئی۔ یہاں بڑا بھاری رن پڑا۔ مغل نمک حلال اپنے شاہزادہ کے بچانے میں اور میواڑ کے سورما اپنے سیناپتی کی مدد میں ایسے جان توڑ کر لڑے۔ کہ ہلدی گھاٹ کے پتھر شنگرف ہو گئے۔ پرتاب نے سات زخم کھائے۔ دشمن اس پر باز اور جروں کی طرح گرتے تھے۔ مگر وہ راج کے چتر کو نہ چھوڑتا تھا۔ تین دفعہ دشمنوں کے انبوہ میں سے نکلا۔ اور قریب تھا کہ دب مرے۔ جھالا کا سردار دوڑا اور اس بلا سے رانا کو نکال کر لے گیا۔ راج کا چتر ایک ہاتھ میں اور جھنڈا دوسرے میں لے کر ایک اچھے مقام کی طرف بھاگا۔ اگرچہ خود مع اپنے جاں نثاروں کے مارا گیا۔ مگر رانا نکل آیا۔ جب سے اس کی اولاد میواڑ کے بادشاہی نشان اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔ اور درباروں میں رانا کی داہنی طرف جگہ پاتی ہے۔ راجہ خطاب ہوا ہے۔ اور ان کا نقارہ دروازہ قلعہ تک بجتا ہے۔ یہ رتبہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ یہ بہادری ایسے شدمنوں کے سامنے کیا پیش جاتی جن کے ساتھ بے شمار توپیں اور رہکلے آگ

Marfat.com

برساتے تھے اور اونٹوں کے رسالے آندھی کی طرح دوڑتے تھے۔ فوج پر شکست پڑی۔ بائیس ہزار راجپوت میں سے فقط آٹھ ہزار جیتے بچے۔ اگرچہ فوج پر شکست پڑی مگر اس وقت بچ کر نکل جانا ہی بڑی فتح تھی۔ رانا پرتاب اپنے چتک گھوڑے پر سوار بھاگا۔ اور دو مغلوں نے اس پر گھوڑے ڈالے۔ وہ اس کے پیچھے گھوڑے لگائے آتے تھے۔ کہ رستہ میں ایک ندی آئی (پہاڑ میں سے نکلی تھی) اگر چتک ذرا جھجکتا۔ تو پھنس ہی گیا تھا۔ وہ بھی گھائل ہو رہا تھا۔ مگر وہ ہرن کی طرح چاروں پتلیاں جھاڑ کر پانی پر سے اڑ گیا۔ شام ہو گئی تھی۔ ان کے نعل پتھروں سے ٹکرا کر پتنگے اڑاتے تھے۔ اس نے سمجھا کہ دشمن آن پہنچے۔ اتنے میں کسی نے اس کی بولی میں پیچھے سے پکارا۔ او نیلے گھوڑے کے سوار۔ پرتاب نے پھر کر دیکھا تو سکٹ اس کا بھائی ہے۔ یہ کسی گھر کے معاملہ میں بھائی سے خفا ہو کر نکل گیا تھا۔ اکبر کی نوکری کر لی تھی۔ اور اس لڑائی میں موجود تھا۔ جب دیکھا کہ میرا بھائی۔ میری قوم کا نام روشن کرنیوالا۔ میرے باپ دادا کا نام روشن کرنیوالا۔ اس حالت کے ساتھ جان لے کر بھاگا ہے۔ اور دو مغل اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ تو سب غصہ جاتا رہا، خون نے جوش مارا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔ موقع پا کر دونوں مغلوں کو فنا کیا اور بھائی سے جا ملا۔ کس مدت کے بچھڑے بھائی کس طرح ملے۔ گھوڑے سے اتر کر خوب گلے ملے۔ یہاں چتک بیٹھ گیا۔ سکٹ نے اسے گھوڑا دیا۔ اس کا نام انگارد تھا۔ جب رانا نے اس کا اسباب اتار کر دوسرے گھوڑے پر رکھا تو افسوس کہ چتک کا دم نکل گیا۔ یہاں اس کی یادگار میں ایک عمارت بنوائی ہے۔ اودے پور کی آبادی میں آدھے گھر ہو نگے۔ جن کی دیواروں پر یہ تصویریں کھنچی ہیں۔ سکٹ نے رانا بھائی سے چلتے ہوئے ہنس کر کہا۔ بھائی جی جب کوئی جان بچا کر بھاگتا ہے تو دل کا کیا حال ہوتا ہے؟ پھر اس کی خاطر جمع کی کہ جب موقع پاؤں گا۔ پھر آؤں گا۔

سکٹ وہاں سے ایک مغل کے گھوڑے پر چڑھا اور سلیم کے لشکر میں آیا۔ لوگوں نے کہا کہ پرتاب نے اپنے دونوں پیچھا کرنے والوں کو مارا۔ ان کی حمایت میں میرا گھوڑا بھی مارا گیا۔ ناچار میں ان میں سے ایک کے گھوڑے پر آیا ہوں۔ لشکر میں کسی کو یقین نہ آیا۔ آخر سلیم نے بلا کر عہد کیا کہ سچ کہہ دو گے تو میں معاف کر دوں گا۔ سیدھے سپاہی نے اصل حال کہہ دیا۔ سلیم اپنے عہد پر قائم رہا۔ مگر کہا کہ اب تم اپنے بھائی کے پاس جا کر نظر دو اور وہیں رہو۔ چنانچہ وہ اپنے ملک میں چلا گیا۔

رانا کیکا ملک میواڑ میں راج کرتا تھا۔ اور ہندوستان کے مشہور راجاؤں میں سے تھا۔ جب اکبر نے چتوڑ مار لیا تو رانا نے کوہستان ہندواڑہ میں قلعہ کوکنڈہ تعمیر کیا۔ اس میں بیٹھا۔ ملک کنھل میر پر حکومت کرتا تھا۔ مقام مذکور اراولی پہاڑوں میں جانب شمال اودے پور سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

Marfat.com

ہندوستان کے اکبر راجہ اکبر کی اطاعت یا سلامت روی کے سلسلہ میں آ گئے تھے۔ مگر رانا اپنی اکڑ نکڑ پر قائم تھا۔ چنانچہ ۹۸۳ھ میں اکبر معہ لشکر اجمیر گیا۔ جب درگاہ ایک منزل پر رہی تو پیادہ ہوا۔ زیارت کر کے نذر نیاز چڑھائی۔ ایک دن درگاہ میں مان سنگھ کو بھی ساتھ لے گیا۔ دیر تک دعائیں اور التجائیں کیں۔ وہیں بیٹھے۔ اور امرا...... بھی حاضر تھے۔ صلاح مشورے ہو کر فوج کشی قرار پائی۔ مان سنگھ کو خطاب فرزندی کے ساتھ سپہ سالاری عنایت ہوئی۔ پانچ ہزار سوار رقمی کہ کچھ خاصہ کے اور کچھ ماتحت امرا تھے۔ مدد کو دیئے۔ کئی امیر جنگی تجربہ کار معہ ان کی فوجہائے جرار کے ساتھ روانہ کئے۔ اور ریاست رانا کی طرف متوجہ کیا۔ دریائے لشکر طوفان کی طرح حدود اودے پور میں داخل ہوا۔ کنور نے مانڈل گڑھ پر ٹھیر کر لشکر کا انتظام کیا۔ اور ہلدیو کی گھاٹی سے نکل کر کوکندہ پر جا پہنچا۔ کہ وہیں رانا رہتا تھا۔

راجپوتوں سے مقابلہ:

رانا اپنے دار الخلافہ سے نکلا۔ اور سور ما راجپوت جو قومی حمایت کے نام پر پہاڑوں میں بیٹھے تھے۔ تلواریں کھینچ کر ساتھ نکلے۔ مان سنگھ ابھی نوجوان کنور تھا۔ مگر اس نے اکبر کی رکاب میں رہ کر اس شطرنج کے نقشے بہت کھیلے تھے۔ خود چند امرائے کہنہ عمل کے ساتھ قلب میں قائم ہوا۔ کئی پرے باندھ کر قلعہ لشکر کو سد سکندری بنایا۔ اور عمدہ عمدہ بہادر چن کر ہر فوج کے لئے کمک تیار رکھی۔

ملا صاحب بہ نیت جہاد اس لڑائی میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے لفظوں کے آب و رنگ سے میدان جنگ کا ایسا نقشہ اتارا ہے کہ مورخوں کے قلم ٹوٹ گئے۔ آزاد اس موقع پر اس کا فوٹو گراف لے کر دربار اکبری میں سجاتا ہے۔ رانا تقریباً تین ہزار سوار کے ساتھ بادل کی طرح پہاڑ سے اٹھا۔ دو فوج ہو کر آیا۔ ایک فوج نے ہراول شاہی سے ٹکر کھائی۔ پہاڑی زمین تھی۔ گڑھے جھاڑی پہاڑوں کے اینچ پیچ بہت تھے۔ ہراول اور کمک ہراول غث پٹ ہو گئے۔ بھگوڑی لڑائی لڑنی پڑی۔ بادشاہی لشکر کے راجپوت بائیں طرف سے اس طرح بھاگے کہ جیسے بکریاں۔ ہراول کو لانگھ پھلانگ کر دائیں کی طرف فوج میں گھس آئے۔ ہاں سادات بارہ اور بعضے غیرت والے بہادروں نے وہ کام کئے کہ شاید ہی رستم سے ہوں۔ طرفین سے بہت آدمی کام آئے جس فوج میں رانا تھا اس نے گھاٹی سے نکلتے ہی قاضی خاں بدخشی کو لیا کہ دہانہ روک کر کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں اٹھا کر الٹتے پلٹتے قلب میں پھینک دیا۔ سیکری وال شیخ زادے تو اکٹھے ہی بھاگے۔ شیخ ابراہیم شیخ منصور شیخ ابراہیم خلف سلیم کے داماد ان کے سردار تھے۔ بھاگنے میں ایک تیر ان کے چوتڑوں پر بیٹھا۔ مدت تک دکھ بھرا۔ قاضی خاں باوجود ملائی کے بہادری سے لڑے۔ ہاتھ پر ایک تلوار کھائی کہ انگوٹھا کٹ گیا۔ مگر ٹھہرے کی جگہ

Marfat.com

نہ تھی۔ قاضی صاحب جواز فرار کی حدیثیں تلاوت کرتے ہوئے ہٹ کر قلب میں آ گئے۔ الفرار مملا یطاق من سنن المرسلین۔

(آزاد علما کے قربان جائیے۔ زبان سے کہتے ہیں۔ کہ جو جہاد سے بھاگے اس کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوتی۔ خود بھاگتے ہیں۔ تو پیغمبروں کو بھی بھگا کر آگے رکھ لیتے ہیں) اور جو پہلے حملے میں بھاگے تھے۔ انہوں نے تو پانچ چھ کوس تک دم ہی نہ لیا۔ ایک دریا بیچ میں تھا۔ اس سے بھی پار ہو گئے۔ لڑائی تراز دھو رہی تھی۔ جو ایک سردار گھوڑا اڑاتا نقارہ بجاتا آیا۔ کہ بندگان بادشاہی یلغار کر کے آن پہنچے۔ لشکر بادشاہی سے شور قیامت کا غل تھا اور اس منتر نے بڑا اثر کیا۔ بھاگتے ہوئے تھم گئے۔ بھاگے ہوئے پلٹ پڑے۔ اور غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔

راجہ رامساہ گوالیاری:

راجہ رامساہ گوالیاری رانا کے آگے آگے بھاگا آتا تھا۔ اس نے مان سنگھ کے راجپوتوں کی جان پر عجب کار پردازی کی۔ کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ وہ تھے۔ کہ ہراول کے بائیں سے بھاگ کر آئے تھے۔ مگر ایسے بدحواس آئے کہ آصف خاں کو بھی بھگوڑا کر دیا ہوتا۔ دائیں طرف پر سادات بارہ تھے۔ ان میں پناہ لی۔ اگر سادات بارہ ثابت قدمی سے نہ اڑتے۔ اور ہراول کی طرح نوک دم بھاگتے۔ تو رسوائی میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ رانا نے ہاتھیوں کو بادشاہی ہاتھیوں سے آن ٹکرایا۔ ان میں دومست دیوزاد ٹکر ماہو گئے حسین خاں بادشاہی فیلبان مان سنگھ کے آگے بیٹھا تھا۔ وہ گرا۔ مان سنگھ آپ مہاوت کی جگہ جا بیٹھا۔ اور اس استقلال سے ڈٹا کہ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ الحمد للہ کہ قلب قائم رہا۔ ادھر سے جو رامساہ بھاگا تھا۔ اس نے اپنے اور تین بیٹوں کے خون سے داغ بدنامی کو دھو دیا۔

فیلبان نے غنیم کی طرف سے رام پرشاد ہاتھی کو بڑھایا۔ یہ بڑا قوی ہیکل اور جنگی ہاتھی تھا۔ بہت سے جوانوں کو پامال کر کے صفوں کو چاک درچاک کر دیا۔ کمال خاں فوجدار شاہی نے ادھر سے گجراج ہاتھی کو سامنے کیا۔ دیر تک آپس میں ریلے دھکیلتے رہے۔ بادشاہی ہاتھی دب نکلا تھا۔ اقبال اکبری نے رام پرشاد کے مہاوت کو قضا کی گولی ماری۔ کہ اس دھکم دھکا میں زمین پر آ پڑا۔ بادشاہی فیلبان واہ رے تیری پھرتی۔ کود کر رانا کے ہاتھی پر جا بیٹھا۔ اور وہ کام کیا کہ کسی سے نہ ہو سکے۔ اتنے میں یکہ سوار جو مان سنگھ کی اردلی میں تھے۔ رانا کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ مان سنگھ کی سپہ سالاری اس دن معلوم ہو گئی۔ ملا شیریں نے سچ کہا ہے۔ ع

کہ ہندو میزند شمشیر اسلام

Marfat.com

رانا کے ساتھ مان سنگھ کا مقابلہ:

رانا کے ساتھ مان سنگھ کا مقابلہ ہوا اور اوپر تلے کئی وار ہوئے۔ آخر رانا نہ ٹھہر سکا۔ مان سنگھ کے ہاتھ سے زخم کھایا۔ سب کو وہیں چھوڑا اور بھاگا۔ اس کی فوج میں بھی کھلبلی پڑ گئی۔ اور اس کے سردار بھاگ بھاگ کر اس کی طرف ہٹنے لگے۔ آخر سب پہاڑوں میں گھس گئے۔ گرمی کا موسم آگ برسا رہا تھا لو چل رہی تھی۔ زمین آسمان تنور کی طرح بھڑک رہے تھے۔ بھیجے سر میں پانی ہو گئے۔ صبح سے دوپہر تک لڑتے رہے۔ پانسو آدمی کا کھیت پڑا۔ ۱۲۰ مسلمان باقی ہنود۔ زخمی غازی تین سو سے زیادہ۔ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ رانا بھاگنے والا نہیں۔ یہیں کسی پہاڑی کے پیچھے چھپ رہا ہے۔ پھر لٹے گا اس لئے تعاقب نہ کیا۔ خیموں میں پھر آئے۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہوئے۔

دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔ میدان میں ہوتے ہوتے ہر شخص کی کارگزاری کو دیکھتے ہوئے درہ سے گزر کر کوکنڈہ میں آئے۔ رانا نے چند معتبر جاں نثار محلوں پر تعینات کئے۔ کچھ وہ کچھ مندروں میں سے پانڈے نکلے۔ کل بیس آدمی ہونگے۔ اپنی جانیں دے کر نام کو سرخرو لے گئے۔ ہندوؤں کی قدیمی رسم تھی۔ جب شہر خالی کرتے تھے۔ ننگ و ناموس کے لئے ضرور جانیں دیتے تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ رانا کے شبخون کا بھی خیال تھا۔ کیونکہ شہر کے گرد پتھر چن کر ہاتھوں ہاتھ ایسی دیوار اور خندق بنالی تھی۔ جس سے سوار گھوڑا نہ اڑا سکیں۔ مان سنگھ نے سرداروں کو جمع کر کے مقتولوں کی فہرستیں مرتب کیں۔ اور جن کے گھوڑے مارے گئے تھے۔ ان کی تفصیل طلب ہوئی۔ سید محمود خاں بارہ نے کہا۔ کہ ہمارا تو نہ کوئی آدمی ضائع ہوا۔ نہ گھوڑا مرا۔ خالی اسم نویسی سے کیا حاصل۔ غلہ کی فکر کرو۔

یہ کوہستان بہت کم زراعت ہے۔ غلہ تھڑ گیا اور رسد پہنچتی نہ تھی۔ لشکر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ پھر کمیٹی ہوئی۔ ایسے موقع پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک ایک امیر کو ایک سردار فرض کر کے قرار پایا۔ کہ باری باری سے غلہ کی تلاش میں نکلا کرے۔ پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ جہاں جہاں ذخیرہ یا آبادی کی خبر پاتے وہاں جاتے۔ اناج سمیٹتے تھے اور آدمیوں کو باندھ لاتے تھے۔ جانوروں کے گوشت سے گزارہ کرتے تھے۔ آم ایسی بہتات سے تھے۔ کہ حد بیان سے باہر ہے۔ لشکر کے کنگلوں نے کھانے کی جگہ بھی وہی کھائے اور بیمار ہو کر تمام لشکر میں کثافت پھیلا دی۔ آم بھی ایک ایک سوا سوا سیر کا ہوتا تھا گٹھی چھوٹی۔ مگر مزہ چاہو تو کھٹاس مٹھاس کچھ نہیں۔

بادشاہ کے بھی دل کو لگی ہوئی تھی۔ ایک سردار کو ڈاک بٹھا کر بھیجا۔ کہ لڑائی کا حال دیکھ کر آئے۔

Marfat.com

یہاں فتح ہوگئی تھی۔ وہ آیا۔ حال احوال معلوم کر کے دوسرے دن رخصت ہوا۔ خدمتیں سب قبول ہوئیں۔ باوجود اس کے چغل خوروں نے کہہ دیا کہ فتح کے بعد کوتاہی ہوئی۔ ورنہ رانا گرفتار ہو جاتا۔ بادشاہ کو بھی خیال ہوا۔ مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوگیا کہ شیطان طوفان ہے۔

مرزا حکیم کی بغاوت:

۹۸۹ھ میں اس نے وہ دلاوری دکھائی۔ کہ ہندی لوہے نے ولایتی کے جوہر مٹا دیئے۔ ملک بنگال میں اکبری امرا نے بغاوت کی۔ یہ نمک حرام تمام نئے پرانے ترک اور بعض کابلی افغان تھے۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ بادشاہ کی مخالفت کے لئے جب تک کوئی بادشاہی ہڈی ہمارے ہاتھ میں نہ ہوگی ہم باغی ہی کہلائیں گے۔ اس لئے مرزا حکیم کو عرضیاں لکھیں۔ اور اس کے امرا کو خطوط اور زبانی پیغام بھیجے۔ خلاصہ یہ کہ آپ بھی ہمایوں بادشاہ کے لخت جگر ہیں۔ اور برابر کا حق رکھتے ہیں۔ اگر ہمت شاہانہ کو حرکت دے کر ادھر سے آئیں۔ تو غلامان قدیم ادھر سے جاں نثاری کے واسطے حاضر ہیں۔ اس کے پاس بھی ہمایوں کے خدمت گزار بلکہ بابری عہد کی کھرچن باقی تھی۔ اول اس کا ہوا خواہ شادمان کوکہ تھا جس کا باپ سلیمان بیگ اندجانی اور دادا القمان بیگ تھا۔ کہ کسی زمانہ میں بابر بادشاہ کا منظورِ نظر تھا۔ ان خام طمع لوگوں نے خیال مذکور کو اور بھی چمکا کر نوجوان شہزادہ کے سامنے جلوہ دیا۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور پنجاب کا رخ کیا۔ ایک سردار کو فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ وہ پشاور سے بڑھ کر دریائے اٹک اتر آیا۔ یوسف خاں (مرزا عزیز کا بڑا بھائی) وہاں کا جاگیردار تھا۔ اس بے توفیق نے بے پروائی کے ساتھ ایک سردار کو روانہ کیا۔ وہ ایسا آیا کہ فوج بھی ساتھ لایا۔ اس حالت میں غنیم کو کیا روک سکے۔ اکبری اقبال کا طلسم دیکھو۔ کہ یہ ایک دن ادھر سے شکار کو نکلا۔ غنیم ادھر کے جنگل میدان دیکھتا تھا۔ رستہ میں ٹکر ہوئی اور تلوار چلی۔ غنیم زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ اور پشاور آ کر مر گیا۔ اکبر نے یوسف خاں کو بلالیا اور مان سنگھ کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

دیکھئے خاندانی خدمت گزاروں سے جی بیزار نہ ہو تو کیا ہو اور غیروں سے کام نہ لے تو کیا کرے۔ جب بادشاہ کے بھائی بندوں میں کوئی بغاوت کرتا تھا۔ تو امیر دونوں طرف دیکھتے رہتے تھے۔ ایک گھر کے آدمی کچھ ادھر ہوتے تھے۔ کچھ ادھر پیغام سلام برابر جاری رہتے تھے۔ جس کی فتح ہوئی۔ دوسری طرف والے بھی ادھر جا ملے۔ شرمندہ صورت بنا کر سلام کیا۔ کہ حضور اسی خاندان کے خانہ زاد میں ہمایوں بابر بلکہ تمام نسل تیموری میں جو گھر بگڑا۔ اسی طرح بگڑا۔ اکبر کو شاہ طہماسپ کی نصیحت یاد تھی۔ اس نے جب سلطنت کو سنبھالا تو راجپوتوں کو زور دیا۔ اور خصوصاً ایسے موقع پر ان سے

Marfat.com

اور ایرانیوں سے اور سادات بارہ سے کام لیتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی بخاریوں یا افغانوں سے میل کھانے والے نہ تھے۔ ایرانی جاں نثاری اور وفاداری کے ساتھ لیاقت کے پتلے تھے۔ اور سادات کی تو ذات مالک شمشیر ہے۔ غرض مان سنگھ نے سیالکوٹ اپنی جاگیر میں آکر مقام کیا۔ اور فوج کا سامان درست کرنے لگا۔ ایک پھرتیلا سردار فوج دے کر آگے بھیجا کہ قلعہ اٹک کا بندوبست رکھے۔ راجہ بھگوان داس نے لاہور کو مضبوط کیا۔ ادھر مرزا حکیم نے جب سنا کہ سردار مردار ہوا۔ تو شادمان اپنے کوکہ کو عمدہ سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ اس کی ماں نے مرزا کو جھولا ہلا ہلا کر پالا تھا۔ وہ مرزا کے ساتھ کھیل کر بڑا ہوا تھا۔ اور حقیقت میں دلاور جوان تھا۔ افغانستان میں اس کی تلوار نے جوہر دکھائے تھے۔ اور سرداری کا نام روشن کیا تھا۔ آیا اور جھٹ قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ مان سنگھ بھی پنڈی میں پہنچ لئے تھے۔ جو یہ خبر پہنچی۔ راجپوتی خون سینے میں ابل پڑا۔ اور جب تک اٹک سامنے نظر نہ آیا۔ کہیں نہ اٹکا۔ شادمان خواب غفلت میں تھا۔ نقارہ کی آواز سن کر جاگا۔ اور محاصرہ اٹھا کر بڑے حوصلے کے ساتھ سامنے ہوا۔ کنور مان اور شادمان نے جگرداری اور سرداری کے ارمان نکال دیئے۔ سورج سنگھ مان سنگھ کے بھائی نے ایسے حملہ ہائے مردانہ کئے۔ کہ اسی کے ہاتھ شادمان خاں زخم کھا کر خاک ہلاک پر گرا۔

جب مرزا نے سنا کہ شادمان دنیا سے ناشاد گیا تو سخت غمناک ہوا۔ اور خود لشکر لیکر چلا۔ مگر اکبر کے حکم برابر پہنچ رہے تھے۔ کہ نہ گھبرانا اور خبردار مرزا کو نہ روکنا، آنے دینا اور جب تک ہم نہ آئیں۔ حملہ نہ کر بیٹھنا۔

نکتہ اکبر جانتا تھا۔ کہ یہ کوتاہ اندیش لڑکا ان بہادروں کے سامنے تھم نہ سکے گا۔ شکست ضرور کھائے گا۔ اور جب بھاگا تو ایسا نہ ہو۔ کہ دل ٹوٹ جائے اور ترکستان چلا جائے۔ عبداللہ خاں اسے غنیمت سمجھے گا اور ادھر سے فوج لے کر آیا۔ تو پھر معاملہ کچھ اور ہو جائے گا۔ غرض یہ ہٹتے گئے اور وہ بڑھتا بڑھتا لاہور تک آیا۔ راوی کے کنارے باغ مہدی قاسم خاں میں آن اترا۔ راجہ بھگوان داس اور کنور مان سنگھ۔ سید حامد بارہ اور چند امرائے اور بار شہر کے ساتھ دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ اکبر کے پیام پہنچ رہے تھے۔ کہ خبردار حملہ نہ کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ میں بھی لشکر لے کر جا پہنچوں۔ امرا چاروں طرف پھیل جائیں۔ اور اسے گھیر کر پکڑلیں کہ آئندہ کا قصہ ہی پاک ہو جائے۔ شیر شہر میں بند تڑپتے تھے اور رہ جاتے تھے۔ کہ حکم کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ پھر بھی شہر اور اطراف شہر کا انتظام استحکام کے ساتھ کرلیا تھا۔ اپنے اپنے مورچوں کو سنبھالے بیٹھے تھے۔ اور مرزا کے حملوں کا جواب دندان شکن دیتے تھے۔ خبر لگی۔ کہ لاہور کے ملا نے بلانا چاہتے ہیں۔ اور قاضی اور مفتی کاغذ کے چوہے دوڑا رہے ہیں۔ چنانچہ ان کا بڑی روک تھام سے بندوبست کیا۔ اکبر نے یہ خبر دلی میں

Marfat.com

سنی۔ ہمت کے گھوڑے پر سوار ہوا اور باگ اٹھائی۔

مرزا حکیم کا فرار ہونا:

مرزا حکیم کو خیال تھا۔ کہ بادشاہ بنگالہ کی مہم میں مصروف ہے۔ ملک خالی پڑا ہے۔ باغ مذور میں ۲۰ دن خوشی کی بہاریں منائیں۔ جب سنا کہ ادھر نمک حراموں۔ کے کام بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ اور اکبر سرہند میں آن پہنچا۔ تو محاصرہ چھوڑا اور باغ مہدی قاسم خاں سے ایک کوس اوپر چڑھ کر پار ہوا۔ اور جلال پور علاقہ گجرات سے دریائے چناب اترا۔ بھیرہ کے قریب جہلم اترا اور مقام مذکور کو لوٹا۔ وہاں سے بھی بھاگا۔ مقام گھیپ کے پاس دریائے سندھ اتر کر کابل کو بھاگا۔ گھاٹیوں پر گھبراہٹ میں بہت سے آدمی بہہ گئے۔ ساتھ ہی سرہند کے مقام سے اکبر کا حکم پہنچا۔ کہ تعاقب نہ کرنا۔ دربار میں مصاحبوں سے بار بار کہتا تھا۔ بھائی کہاں پیدا ہے۔ گھبرا کر بھاگا ہے۔ اٹک دریا اترنا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ رستہ میں کوئی صدمہ پہنچے۔

کنور مان سنگھ بموجب حکم کے معمولی راہ سے پشاور پر جا پڑے۔ اکبر نے لشکر شاہانہ ترتیب دیکر شاہزادہ مراد کو روانہ کیا کہ کابل تک پہنچے۔ اور مرزا کا پورا پورا بندوبست کردے۔ بادشاہی امیر اور کہنہ عمل سپہ دار ساتھ گئے۔ مگر ان میں وہی چلتی تلوار فوج ہراول کا افسر قرار پایا۔ یہ لشکر چلا اور خود بادشاہ اقبال کا لشکر لے کر ان کی پشت و پناہ ہوا۔

ہندوستان آزاد کا وطن ہے۔ مگر حق سے نہ گزرے گا۔ خاک ہند کو انسان کے بے ہمت، بے حوصلہ، کاہچور، مفت خور، آرام طلب بنانے میں کیمیائی تاثیر ہے۔ امرائے دربار اگرچہ ایرانی تورانی افغان کی ہڈی تھے۔ مگر جب اکبر اٹک کے پاس پہنچا۔ تو امرا کو مدت تک ہندوستان میں رہنے سے وہ ملک ایک نئی دنیا نظر آنے لگا۔ سرزمین کی حالت نئی، چاروں طرف پہاڑ، ہر قدم پر جان کا خطرہ۔ انسان نئے جنگل کے جانور نئے، لباس نئے، بات نئی، آواز نئی، آگے منزل سے منزل کٹھن۔ انہوں نے یہ بھی سنا ہوا تھا۔ کہ وہاں خونی برف پڑتی ہے۔ تو انگلیاں بلکہ ہاتھ پاؤں تک جھڑ جاتے ہیں۔ لشکر کے لوگ اکبر ہندی بلکہ ہندو تھے۔ جنہیں اٹک پار ہونا بھی روا نہ تھا۔ اس کے علاوہ کیا ولایتی کیا ہندی اب تو سب کے گھر یہیں تھے۔ کچھ ہندوستان کے مزے یاد آئے۔ کچھ بال بچے۔ سب چاہتے تھے کہ معاملہ کو زبانی باتوں میں لپیٹ کر صلح کریں۔ اور پھر چلیں۔ اکبر کو عرض و معروض سے راہ پر لانا چاہا۔ اور اس کی رائے یہ تھی۔ کہ مرزا حکیم نے کئی دفعہ تنگ کیا ہے۔ اب کی دفعہ بھی اسی طرح حلہ تو کل یہی فساد پھر اٹھے گا۔ یہ بھی سمجھا ہو گا کہ فوج کے دل پر کسی کا ایسا خطر بیٹھنا اچھا نہیں۔

Marfat.com

وہ اس بات کو ضرور ٹٹولتا ہوگا۔ کہ اس مہم سے ان کا پہلو بچانا خیالات مذکورہ کے سبب سے ہے۔ یا مرزا حکیم کی محبت نے ان کے دل گداز کیے ہیں۔ شیخ ابوالفضل کو حکم دیا کہ جلسہ مشورت بٹھاؤ۔ اور ہر شخص کی تقریر تحریر کر کے عرض کرو۔ شیخ نے ہر ایک کا بیان اور اس کے دلائل کا خلاصہ لکھ کر عرض کیا۔ لیکن بادشاہ کی رائے پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اکبر کا مرزا حکیم کو مراسلہ:

مان سنگھ جو شہزادہ کو لئے آگے بڑھا تھا اسے اور آگے بڑھا دیا۔ اور خود لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ برسات نے اٹک کا پل باندھنے نہ دیا۔ خود بادشاہ اور تمام لشکر کشتیوں پر اتر گئے۔ بھاری سامان اٹک کے کنارے چھوڑے۔ اور آپ جریدہ فوج لے کر چلے۔ ساتھ ہی بھائی کے لئے بھی دلجوئی اور فہمائش کے پیغام چلے جاتے تھے۔ بلکہ دیر بھی اسی غرض سے تھی۔ کہ ایسا نہ ہو۔ لشکر بادشاہی کے دوڑا دوڑ اپہنچنے سے صلح وصلاح کا موقع نہ رہے اور نوجوان بھائی کی جان مفت ہاتھ سے جائے۔ چنانچہ دریائے اٹک اتر کر ایک فرمان مرزا حکیم کے نام پر بھیجا۔ خلاصہ مضمون یہ تھا۔ کہ وسعت آباد ہندوستان میں سلاطین صاحب تاج ونگین تھے۔ سب اولیائے دولت کے قبضہ میں آ گیا اور سرداران روزگار نے سر جھکا دیئے۔ تمہارے خاندان کے امرا ان بادشاہوں کی جگہ بیٹھے حکومت کر رہے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو اس دولت سے بھائی بے نصیب کیوں ہو۔ بزرگان سلف نے چھوٹے بھائی کو بمنزلہ فرزند شمار کیا ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ بیٹا اور بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ بھائی نہیں ہو سکتا۔ اب تمہاری عقل ودانش کے لئے یہ لائق ہے۔ کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر ملاقات سے خوش کرو۔ اور اس سے زیادہ دیدار سے محروم نہ رکھو۔

مرزا کی طرف سے کچھ پیام زبانی اور ندامت نامہ عفو تقصیر کے مضمون سے آیا۔ وہ بے بنیاد اور بے قاعدہ تھا۔ مگر اکبر نے یہاں سے ایک امیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ عفو تقصیر منحصر ہے اس پر کہ جو کچھ ہوا اس پر ندامت ظاہر کرو۔ آئندہ کے لئے عہد کو قسم کی زنجیروں سے مضبوط کرو اور جس ہمشیرہ کو خواجہ حسن سے منسوب کیا ہے۔ اسے ادھر روانہ کر دو۔ مرزا نے کہا کہ سب صدق دل سے منظور ہے۔ مگر ہمشیرہ کے بھیجنے پر خواجہ حسن راضی نہیں ہوتا۔ اور وہ اسے بدخشاں لے گیا۔ میں بہر حال اپنے کئے سے پشیمان ہوں ؎

کردہ ام توبہ وز کردہ پشیمان شدہ ام　　کافرم باز نہ گوئی کہ مسلمان شدہ ام

مرزا کے عریضہ اور پیام سے امرا کو عفو تقصیر کے چرچے کا زیادہ موقع ملا۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ قلیچ

Marfat.com

خاں اور یوسف خاں کوکہ وغیرہ امرائے جلیل القدر کے پاس سازش کے خط آئے ہیں۔ ہر چند انہوں نے لانے والوں کو قتل تک کی سزائیں دیں۔ لیکن اکبر نے پھر بھی مشورت کا جلسہ کیا اور ابوالفضل سیکرٹری ہوئے۔ اس کمیٹی کے ۲۰ ممبر تھے۔ سب کی رائے کا خلاصہ یہی تھا۔ کہ جب مرزا اپنے اعمال سے ندامت ظاہر کرتا ہے۔ اور عفو تقصیر بادشاہ کے کرم کا آئین ہے۔ جرم بخشی کریں۔ ملک بخشی کریں اور یہیں سے پھر چلیں۔ شیخ اگرچہ نوجوان نودس برس کے نوکر تھے۔ نہ عمر نے ڈاڑھی کو طولانی۔ نہ اس کے طول کو سفید کیا تھا نہ کئی پشت کی خدمت گزاری تھی۔ مگر مصلحت وقت ان کا اصول تھا۔ اس لئے خوب دل کھول کر تقریر کی۔ اور کہا کہ بادشاہی لشکر اس قدر سامان سے اتنی دور تک پہنچا۔ بادشاہ خود سر لشکر ہو کر اس میں موجود۔ اور چند منزل پر منزل مقصود۔ خالی باتوں پر۔ بے بنیاد تحریر پر۔ گمنام آدمی کی وکالت پر پھر چلنا۔ کیا مقتضائے عقل ہے اور پیچھے پھر کر تو دیکھو۔ پنجاب کا ملک ہے۔ برسات سر پر ہے۔ دریا چڑھ گئے ہیں۔ اس عالم میں یہ خدائی کا سامان ساتھ، جنگی اسباب ہمراہ، الٹا پھرنا آگے بڑھنے سے زیادہ دشوار ہے۔ نقصان اٹھا کر پھرنا اور فائدہ کو چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں۔ نتیجہ پاس آ گیا ہے۔ اسے حاصل کر لو۔ گوشمالی خاطر خواہ کے بعد بخشائش نمایاں کا بھی مضائقہ نہیں۔ امرائے دولت اس لچھے دار تقریر سے خفا ہو گئے۔ بہت گفتگو ہوئی۔ آخر شیخ نے کہا۔ بہت خوب ہر شخص اپنی رائے حضور میں عرض کر دے کمترین سے جب تک نہ پوچھیں گے۔ نہ بولے گا۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

بہر حال جلسہ کی روئداد لکھی گئی۔ دوسرے دن شیخ کو تو بخار ہو گیا۔ کاغذ حضور میں پیش ہوا بادشاہ نے پوچھا کہ شیخ کہاں ہے۔ اور اس کی رائے کیا ہے۔ ایک شخص نے چرب زبانی سے کہا بیمار ہے مگر رائے ہمارے ساتھ ہے۔ بادشاہ بہت دق ہوئے۔ کہا کہ ہمارے سامنے تو وہ رائے تھی۔ جلسہ میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ شیخ جو دوسرے دن حضور میں گئے۔ تو دیکھتے ہیں۔ بادشاہ کے تیور بگڑے لکھتے ہیں کہ میں سمجھ گیا۔ کہ دغابازوں نے پیچ مارا۔ جان سے بیزار ہو گیا۔ آخر تقریر کو تحریک ہوئی اور بات کی تحقیق ہوئی۔ جب دل کو قرار دیا۔ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ کبل کی سردی اور سفر کی تکلیف لوگوں کو ڈراتی ہے۔ آرام کو دیکھتے ہیں۔ مصلحت کو نہیں دیکھتے۔ اچھا امرا یہیں رہیں۔ ہم اہل خدمت کے ساتھ جریدہ یلغار کر کے جائیں گے۔ یہ کب مجال تھی کہ اکبر بادشاہ جائے۔ اور کوئی رہ جائے۔ کوچ پر کوچ چلنا شروع کیا۔ کیونکہ اب تک جو آہستہ آہستہ آتے تھے۔ اس میں بڑا لحاظ یہی تھا۔ کہ پیغام سلام میں مرزا راہ پر آ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ مایوس ہو کر گھبرائے۔ اور دفعتاً ترکستان کو نکل جائے۔ نظام الدین بخشی کو بھیجا کہ یلغار کر کے جلال آباد جا کر لشکر شاہزادہ میں بیٹھ کر امراسے مشورت کر کے کیفیت

Marfat.com

حال لکھو۔ وہ گئے اور بہت جلد واپس آئے اور یہ پیغام لائے کہ اگرچہ مرزا زبان سے کہتے ہیں۔ کہ ہم بہت ہیں بہت ہیں۔ مگر حالت یہی کہتی ہے کہ فتح حضرت کے قدموں میں ہے۔

غرض پشاور میں بوجھ بھار کے اسباب ڈال دیئے۔ سلیم کو راجہ بھگوان داس کی حفاظت میں لشکر کے ساتھ چھوڑا۔ تجمل شاہانہ سے ہاتھ اٹھایا۔ اور ہلکے ہو کر یلغار کے گھوڑوں کی باگیں لیں۔ بے ہمت کچھ رہ گئے۔ کچھ رستے سے پھر گئے۔

مرزا حکیم کی کہانی:

اب مرزا حکیم کی کہانی سنو۔ فتنہ انگیز اسے یہی کہے جاتے تھے۔ کہ اکبر ادھر نہیں آئیگا۔ اور آئیگا تو اس قدر پچھتانہ کرے گا۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ بے پل اٹک سے پار ہوئے اور دریائے لشکر کے چڑھاؤ موج در موج چلے آتے ہیں۔ تو شہر کی کنجیاں بزرگان شہر کو دے دیں۔ عیال و اطفال کو بدخشاں روانہ کر دیا۔ آپ دولت و مال کے صندوق اور اسباب ضروری لے کر باہر نکل گیا۔ ایک ارادہ یہ تھا۔ کہ فقیر ہو کر ترکستان کو چلا جائے۔ مصاحب صلاح دیتے تھے۔ کہ نکش کے رستے سے جا کر ہندوستان میں فساد برپا کرے۔ یا افغانستان کے پہاڑوں میں سر پھوڑتا پھرے اور جیسا ادھر کا معمول ہے لوٹ مار کرتا رہے۔

اس شش و پنج میں تھا۔ جو خبریں پہنچیں۔ کہ بادشاہ کے امرائے لشکر میں کوئی ادھر آنے کو راضی نہیں۔ فتنہ گروں کو دیا سلائی ہاتھ آئی۔ انہوں نے پھر آگ سلگائی۔ صورت حال بیان کی۔ اور کہا کہ لشکر شاہی میں ہر قوم کے لوگ ہیں۔ ایرانی، تورانی، خراسانی، افغانی، کوئی آپ پر تلوار نہ کھینچے گا۔ جب مقابلہ ہوگا سب آن ملیں گے۔ ہندو اور ہند کی تلوار شمشیر ولایتی کے آگے چل نہیں سکتی اور ان کے دل یہاں کی سردی اور برف کے نام سے تھراتے ہیں۔ صلاح یہی ہے کہ ہمت مردانہ کر کے ایک معرکہ کریں۔ اگر میدان ہاتھ آ گیا۔ تو سبحان اللہ۔ کچھ نہ ہوا تو جو رستے موجود ہیں انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔

کچھ ان لوگوں نے اکسایا۔ کچھ بابری خون میں دھواں اٹھا۔ نو جوان لڑکے کی رائے بدل گئی۔ اور کہا کہ بے مرے مارے ملک نہ دونگا۔ سرداروں کو روانہ کیا، کہ حشری لشکر سمیٹتے چلے جاؤ۔ اور جہاں موقع ملے لشکر بادشاہی پر ہاتھ مارتے جاؤ۔ افغانستان کے ملک میں اس طرح سے جمعیت بہم پہنچانا اور پہاڑوں کے پیچھے سے شکار مارتے جانا کچھ بڑی بات نہیں۔ وہ آگے رہے۔ پیچھے مرزا نے بھی ہمت کے نشان پر پھریرا چڑھایا۔ بادشاہی لشکر کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے جہاں پایا۔ پہاڑوں

Marfat.com

کے پیچھے سے نکل نکل کر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ مگر رہزنوں کی طرح۔ البتہ فریدوں خاں نے مان سنگھ کے لشکر کا پیچھا مارا۔ خزانہ بادشاہی کو لوٹ لے گیا۔ اور سرداروں کو پکڑ لیا۔ ڈاک چوکی کا افسر دورہ کے طور پر بادشاہ کے لشکر سے مان سنگھ کے لشکر تک آتا جاتا تھا۔ وہ اس وقت پہنچا تھا۔ کہ بھیر لٹ رہی تھی۔ انہی قدموں بھاگا۔

وقت وہ ہے۔ کہ کنور نوجوان شاہزادہ مراد کو لئے خورد کابل پر (کابل سے سات کوس ادھر) جا پہنچا۔ اور بادشاہ جلال آباد سے بڑھ کر جانب سرخاب پر (مان سنگھ سے پندرہ کوس ادھر) میں اور مرزا کی بدحالی اور اپنی لشکر کی خوش اقبالی کی خبریں برابر چلی آتی ہیں۔ کہ دفعتاً خبر بند ہوئی۔ پھر ڈاک چوکی ہرکارے جو برابر خبریں لا رہے تھے۔ حاجی محمد احدی افسر ڈاک نے آکر عرض کی۔ کہ فوج بادشاہی کو شکست ہوئی۔ اور افغانوں نے رستہ بند کر دیا ہے۔ اکبر کو سخت تردد ہوا۔ اتنے میں ڈاک چوکی کے افسر نے نہایت اضطرار کے ساتھ آکر خبر دی لیکن فقط اس قدر کہ لڑائی ہوئی۔ اور لشکر بادشاہی نے شکست کھائی۔ فوراً جلسہ مشورت بیٹھا۔ اول اس نقطہ پر بحث ہوئی کہ خبر کیوں بند ہے۔ اس میں تقریروں نے طول کھینچا۔ اکبر نے کہا۔ اگر شکست ہوتی تو اتنا لشکر کثیر تھا۔ اور فقط پندرہ کوس کا فاصلہ اب تک سینکڑوں لوٹے مارے آجاتے۔ ایک آدمی کا آنا اور پھر خبر کا بند ہو جانا چہ معنی دارد۔ یہ خبر غلط ہے۔ دوسرا نقطہ یہ کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ بعض نے یہ کہا۔ کہ الٹے قدموں پھرنا چاہئے۔ جو لشکر شاہی پیچھے آتا ہے۔ اسے ساتھ لے کر پورے سامان سے آئیں اور قرار واقعی تدارک کریں۔ اس پر اعتراض ہوا۔ کہ اگر بادشاہ نے ایک قدم پیچھے ہٹایا تو لاہور تک ٹھیرنے کو جگہ نہ ملے گی۔ بالکل ہوا بگڑ جائیگی۔ مرزا کا دل ایک سے ہزار ہو جائے گا۔ اپنے لشکر کے جی چھوٹ جائیں گے۔ افغانوں کے کتے بلیاں شیر ہو کر تمہارے سپاہیوں کو پھاڑ کھائیں گے۔ ملک افغانی ہے۔ دیکھو ہماری طاقت کے تین ٹکڑے ہوگئے۔ ایک فوج اٹک کے کنارے پڑی ہے۔ دوسری پشاور میں۔ تیسری خورد کابل میں پہنچ لی۔ تین جگہ لڑائی آپڑی۔ ایک رائے یہ بھی تھی کہ یہیں توقف کرنا چاہئے۔ اور جو لشکر پیچھے آتا ہے۔ اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ اس صلاح میں یہ قباحت نکلی کہ اس وقت توقف بھی ہٹنے سے کم نہیں۔ اگر بادشاہ چند سرداروں کے ساتھ بیچ میں گھر گئے۔ تو بھی مشکل ہے۔ ابوالفضل وغیرہ مزاج شناس بول اٹھے کہ توکل بخدا بڑھے چلو۔ اگرچہ رکاب میں جاں نثار کم ہیں۔ مگر وزن میں زیادہ ہیں۔ کیونکہ جنگ آزمودہ جانباز ہیں۔ اور صدق دل سے وفادار ہیں۔ اگر مرزا حکیم نے لشکر کو روکا بھی ہوگا۔ تو دمامہ دولت کا آوازہ سنتے ہی کھنڈ کر ہٹ جائیگا۔ یہی رائے درست ٹھیری۔ اور آگے کی طرف روانہ ہوئے۔

Marfat.com

خبر کے بند ہونے کا سبب فقط اتنی بات تھی۔ کہ مرزا کا ماموں فریدوں فساد کا فتیلہ لئے پہاڑ کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔ اس نے اپنے بازوؤں میں یہ طاقت نہ دیکھی۔ کہ ان شیروں کے ساتھ سینہ بہ سینہ ہو کر لڑے۔ اس لئے فوج کے پیچھے سے آ کر چنداول پر گرا۔ بھیر کی بساط کیا بھاگنے لگے۔ جنگی دلاور پلٹ کر آئے۔ کہ افغان لوٹ کے لئے بھاگنے کو فتح سے سوا کامیابی سمجھتے تھے۔ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ بادشاہ نے کئی لاکھ کا خزانہ بھیجا تھا۔ جو قلیج خاں کی تفویض میں تھا۔ اور وہ بھی دنبالہ فوج میں تھا۔ اس بھاگا بھاگ میں حریفوں کا ہاتھ اس پر پڑ گیا۔ خزانے کی اونٹ بھی گھسیٹ لے گئے۔ اسی عالم میں افسر ڈاک چوکی جا پہنچا تھا۔ بھیر کو بھاگتا دیکھ کر ہٹا اور بادشاہ کو خبر پہنچائی غرض دلاور بادشاہ امرائے رکابی کے ساتھ باگیں اٹھائے چلا جاتا تھا۔ ہر قدم پر ہمت گھوڑے کو پیچھی اور حوصلہ ایڑ لگاتا تھا۔ سرخاب اور جگدلک کے بیچ میں تھے۔ جو فتح کی خوشخبری پہنچی۔ وہیں گھوڑے سے اتر کر زمین پر سر رکھ دیا۔ اور دیر تک شکر الٰہی کے مزے لیتا رہا۔

اب میدان جنگ کی کیفیت سننے کے قابل ہے۔ اگرچہ خزانہ بادشاہی کے لوٹنے سے مرزا کو غرور بڑھ گیا تھا۔ لیکن دل گھٹا جاتا تھا۔ دن کی لڑائی سے جی چراتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ شبخون مارے۔ مان سنگھ فوج لئے تیار تھا اور خدا سے چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح حریف میدان میں آئے۔ اور وہ کم ہمت بے دل سپاہ پیادہ جمع کئے جاتا تھا۔ سازش اور آمیزش کی غرض سے امرائے لشکر کے نام خطوں کے چوہے دوڑاتا تھا۔ کہ بادشاہ ان سے بدگمان ہو۔ سپہ سالار شاہی شہزادہ مراد کو لئے خورد کابل پر پڑا تھا۔ مرزا سامنے پہاڑ پر تھا۔ ایک شب بہت زیادہ شورش معلوم ہوئی۔ رات کو سامنے نہایت کثرت سے آگیں جلتی نظر آئیں۔ سپاہ ہند دیکھ کر حیران رہ گئی۔ شب برات کی رات تھی، یا دیوالی کا ہنگامہ۔ انہوں نے اپنے بندوبست ایسے پختہ کئے۔ کہ حریف شبخون مارے تو پچھتا کر پیچھے ہٹے۔ روشنی صبح نے جنگ کے پیام پہنچائے۔ مرزا ایک گھاٹی سے فوج لے کر نکلا۔ اور لڑائی کا میدان گرم ہوا۔ نوجوان سپہ سالار ایک پہاڑی پر کھڑا افسوس کر رہا تھا کہ ہائے میدان نہیں۔ ہراول نے بڑھ کر ٹکر ماری۔ بڑا کشت وخون ہوا۔ مرزا بھی خوب جان توڑ کر لڑا۔ وہ بھی سمجھا ہوا تھا۔ کہ اگر ہندوستانی دال خوروں کے سامنے سے بھاگا۔ تو کالا منہ لے کر کہاں جاؤں گا۔ ادھر مان سنگھ کو بھی راجپوت کے نام کی لاج تھی۔ خوب بڑھ بڑھ کر تلواریں ماریں۔ اور ایسے جوش دکھائے کہ آخر دل نے گوشت کو دبا لیا۔ اور مرزا میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس معرکہ میں ہراول کی ہمت نے ایسا کام کیا۔ کہ اور لشکر کو حوصلہ نکالنے کا ارمان رہ گیا۔

Marfat.com

فریدوں خاں فوج لے کر نمودار ہونا:

دوسرے دن صبح کا وقت تھا۔ کہ فریدوں خاں مرزا کا ماموں پھر فوج لے کر نمودار ہوا۔ مان سنگھ ہی فوج کی مہرہ پر تھی۔ تلواریں میان سے نکلیں۔ اور تیر کمانوں سے چلے۔ بندوقوں نے آگ اگلی۔ اور توپیں دل میں ارمان لئے کھڑی تھیں۔ کہ پہاڑی سرزمین تھی۔ غرض جا بجا لڑائی پڑ گئی۔ کابلی بہادر شیر تھے مگر یہ بھی منہ کا نوالہ تو نہ تھے کہ نگل جاتے۔ ریل پیل ہو رہی تھی۔ کہیں یہ چڑھ جاتے تھے۔ کہیں وہ بڑھ آتے تھے۔ مان سنگھ ایک پہاڑی پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جدھر بڑھنے کا موقع دیکھتا تھا ادھر فوج کو آگے بڑھاتا تھا۔ جدھر جگہ نہیں پاتا تھا۔ ہٹاتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ زمین کی ناہمواری انتظام جمنے نہ دیتی تھی۔ دفعتاً غنیم زور دے کر آیا۔ ہراول کی فوج سینہ سپر ہو کر سامنے ہوئی۔ مگر لڑائی دست وگریبان تھی۔ بعضوں نے جان دے کر نیک نامی حاصل کی۔ بعض نے ہٹنا مصلحت سمجھا۔ سپہ سالار تاڑ گیا کہ میری سپہ کا رنگ بدلا۔ تڑپ اٹھا۔ بھائی کو پہلو سے جدا کیا۔ سورما سردار تلوار لئے راجپوت آس پاس جمے ہوئے تھے۔ انہیں بھی حکم دیا۔ اور موقع دیکھ دیکھ کر فوج فوج کمک بھیجنی شروع کر دی گجنالیں بھری تیار تھیں۔ ہاتھیوں کو ریلا اور توپوں کو مہتاب دکھائی کہ جنگل گونج اٹھا۔ اور پہاڑ دھواں دھار ہو گئے۔ بادشاہی ہاتھی حلقہ خاصہ کے تھے۔ شیروں کے شکار پر لگے ہوئے تھے۔ بادلوں کی طرح پہاڑیوں پر اڑنے لگے۔ یہ آفت دیکھ کر افغانوں کے بڑھے ہوئے دل پیچھے ہٹے۔ تھوڑی دیر میں قدم اکھڑ گئے۔ نشانچی نے نشان پھینکا۔ اور سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مرزا نے چاہا تھا کہ اگر فوج نے جان عزیز کی ہے۔ تو میں اپنی جان کو ننگ و نام پر قربان کر دوں۔ مگر چند جاں نثاروں نے آ کر گھیر لیا۔ مرزا نے جھنجلا کر انہیں ہٹایا اور حملہ پر مستعد ہوا۔ محمد علی اسپ باگ پکڑ کر گھوڑے سے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ پہلے مجھے مارلو۔ پھر اختیار ہے۔ خلاصہ یہ کہ مرزا بھی بھاگ گئے۔

راجپوتوں کی دلاوری:

سورما راجپوتوں نے بڑا ساکھا کیا۔ اور دلاوروں نے خوب خوب کارنامے دکھائے۔ بھاگتوں کے پیچھے گھوڑے اٹھائے تلواریں کھینچ لیں۔ اور دور تک مارتے اور للکارتے چلے گئے۔ پھر بھی جو تعاقب کا حق تھا۔ اس کا ارمان نہ نکلا اور خیال یہ بھی تھا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ مرزا کسی ٹیلے کے پیچھے سے چکر مار کر فوج کا پیچھا مارے۔ بعضے بہادر گھوڑے مارتے ایسے گئے۔ کہ کئی کوس آگے بڑھ کر ایک ٹیلے پر مرزا کو جا لیا۔ اور اس نے جان کو بچا لینا فتح عظیم سمجھا۔ سپہ سالار فتح کے دمامے بجاتا کابل میں داخل ہوا اکبر بھی پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔ اور اس دن بت خاک پر ڈیرہ تھا۔ کہ مان سنگھ سرداروں کو ساتھ

Marfat.com

لئے پہنچے۔ سرخروئی کے ساتھ فتح کی مبارک باد ادا کی۔ بادشاہ نے کابل میں پہنچ کر ملک پھر مرزا حکیم کو عنایت کیا اور پشاور اور سرحدی ملک کا انتظام اور اختیارات کنور مان سنگھ کے سپرد کر آئے (اور کنار اٹک پر قلعہ تعمیر کیا) اس قابلیت کی تعریف نہ زبان سے ہوسکتی ہے۔ نہ قلم سے کہ ایک نوجوان ہندو راجہ نے افغانوں میں بہت اچھی رسائی پیدا کی۔ اور سرحدی افغانوں کا بھی ایسا بندوبست کیا۔ کہ سرشوری کی گردنیں ڈھیلی ہوگئیں۔

خاندان کچھواہہ سے ولی عہد سلطنت کا تعلق:

۹۹۳ھ میں حال واستقبال کی مصلحتوں پر نظر کر کے صلاحیں ہوئیں کہ خاندان کچھواہہ سے ولی عہد سلطنت کا تعلق زیادہ کیا جائے۔ راجہ مان سنگھ کی بہن سے شادی ٹھہری۔ اس شادی کی دھوم دھام اور آرائشوں کی تفصیل کہیں لکھی نہیں۔ اور ہوتی بھی تو کتاب ہی بنتی۔ ملا صاحب نے مجمل طور پر لکھا ہے۔ کہ سلیم کی عمر سولہ برس کی تھی۔ بادشاہ معہ امرائے دربار آپ بیاہنے چڑھے۔ مجلس عقد میں قاضی مفتی اور شرفائے اسلام حاضر ہوئے۔ نکاح پڑھا گیا۔ دو کروڑ تنگے کا مہر باندھا۔ پھیرے بھی ہوئے۔ ہون وغیرہ ہنود کی رسمیں بھی ہوئیں۔ دلہن کے گھر سے دولہا کے گھر تک نالکی پر برابر اشرفیاں نچھاور کرتے لائے۔ لڑکی کے باپ (راجہ بھگوان داس) نے کئی طویلے گھوڑے، سو ہاتھی، ختنی، حبشی، چرکس، ہندی، صد ہا لونڈی غلام دیئے۔ دلہن کا گہنا کیا کہنا۔ باسن تک مرصع اور سونے چاندی کے تھے لباس ہائے رنگا رنگ کے صد ہا صندوق بھرے ہوئے۔ فرش ہائے بوقلموں بے حد وشمار جہیز میں دیئے۔ امرا کو بھی ہر ایک کے مناسب حال خلعت اور گھوڑے، عراقی، ترکی، تازی، سنہری، رپہلی زین اور ساز دیراق سے آراستہ تیار کیئے۔ ابوالفضل لکھتے ہیں۔

دین و دنیا را مبارک باد کیں فرخندہ عقد — از برائے انتظام دین و دنیا بستہ اند
در نگارستان دولت نور چشم شاہ را — حجلہ چوں پردہ ہائے دیدہ رنگیں بستہ اند

برادر صورت و معنی شیخ ابوالفیض فیضی نے قطعہ تاریخ کہا۔

زہے عقد در پاش سلطاں سلیم — کہ پرتو دہد سال امید را
زپروردن آفتاب و دل — قرانے شدہ ماہ و ناہید را

مرزا حکیم کی موت:

کابل سے خبریں آرہی تھیں۔ کہ محمد حکیم مرزا کو بادہ خواری برباد کر رہی ہے۔ ۹۹۴ھ میں اس نے کام تمام کر دیا۔ اکبر نے کنور مان سنگھ کو زیر دیوار لگا رکھا تھا۔ حکم پہنچا کہ فوراً فوج لے کر کابل میں جا

Marfat.com

بیٹھو۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا۔ کہ فریدوں خاں اس کا ماموں اور اکثر مصاحت وملازمت جو مرزا کے پاس تھے۔ وہی اس کے خیالات کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اب وہ کچھ اس خطر سے کہ خدا جانے دربار میں ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو۔ اور بعض اپنے فساد جنگی کے سبب سے اس بات پر آمادہ ہوئے کہ مرزا کے بچوں کو ساتھ لے کر ترکستان میں عبداللہ خاں ازبک کے پاس چلے جائیں۔ اکبر نے دو خاندانی خدمت گزاروں کو روانہ کیا۔ فرمان بھیج کر سب کو دلاسے دیئے۔ اور پیچھے پیچھے آپ پنجاب کو روانہ ہوا۔ اور مان سنگھ کابل کو جس کے اٹک پار ہوتے ہی غول کے غول افغان سلام کو حاضر ہونے لگے۔ اس نے کابل پہنچ کر وہ ملک داری کی لیاقت دکھائی۔ جو کہ اسے بزرگوں کی صدہا سالہ فرمانروائی سے میراث میں پہنچی تھی۔ اس کی رسائی اور لطف واخلاق نے اہل کابل کے دلوں کو تسخیر کرلیا۔ اور دو برس پہلے جو مروتیں کی تھیں انہوں نے تائید کی۔ مرزا نے مرنے سے پہلے اپنی معافی تقصیرات کی عرضی حضور میں بھیجی تھی۔ اور دونوں بچوں کو اور بخت النسا بہن کو اور اس کے بیٹے مرزا والی کو روانگی دربار کے ارادہ سے جلال آباد بھیج دیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے مرزا کا یتیم افراسیاب گیارہ برس کا اور کیقباد چار برس کا اور اس کا بھانجا والی بھی خورد سال تھا۔ فریدوں خاں وغیرہ فتنہ انگیز اپنے خیالات فاسد میں گمراہ ہو رہے تھے۔ مان سنگھ سب کو رسائی سے راہ راست پر لایا اور حکمت عملی کی قید میں مسلسل کر لیا۔ جگت سنگھ فرزند کو وہاں چھوڑا اور آپ سب کو لیکر روانہ ہوا۔ راولپنڈی کے مقام میں اکبر کے پایہ تخت کو بوسہ دیا اور سب کی ملازمت کروائی۔ بادشاہ بہت دلداری سے پیش آیا۔ پچپن چھیاسٹھ ہزار روپے انعام دیئے۔ وظیفے اور جاگیریں مناسب حال عنایت کر کے محبت کی تخم ریزی کی۔ دریادل اکبر نے یوسف زئی وغیرہ سرحدی علاقہ کنور کو دے دیا اور کابل میں راجہ بھگوان داس کو بٹھایا۔ وہاں راجہ کو قدیمی بلکہ خاندانی مرض نے دیوانہ کر دیا۔ کنور نے فوراً جا کر راجہ کی جگہ لی اور راج کرنے لگا۔ کنور نے اس حکومت میں کام یہ کیا کہ کوہستان یوسف زئی کے علاقے میں آفرید وغیرہ خیلہائے افغانی جو فساد کی آگ جلا رہے تھے انہیں ملک سے نکال دیا۔ اکبر اس عرصہ میں اٹک کے کنارے کنارے پھرتا تھا۔ کبھی شکار کھیلتا تھا۔ کبھی قلعہ اٹک کے کارخانہ میں توپ ریزی کا تماشا دیکھتا تھا۔ اور اس میں عمدہ عمدہ ایجاد کرتا تھا۔ یہ کھیل تماشے بھی مصلحت سے خالی نہ گئے۔ یوسف زئی کے سرداروں کا انتظام جم گیا۔ کابل کا بندوبست ہو گیا۔ کوتہ اندیش افغان سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ ملک کا مالک آپ موجود ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی۔ کہ عبداللہ خاں اوزبک جو سمجھ رہا تھا۔ کہ کابل کا شکار اب میں نے مارا۔ وہ ان کامیابیوں اور سرحدی کارروائیوں سے ڈرا۔ کہ مبادا اپنے ملک موروثی پر آئے۔ اس نے تحفہ ہائے شاہانہ کے ساتھ ایلچی بھیج کر عہد نامہ کیا۔

Marfat.com

خسرو کی پیدائش:

۹۹۵ھ میں مان سنگھ کی بہن کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ خسرو نام رکھا۔ آزاد زمانہ کی سیہ کاری اور فتنہ سازی کو دیکھ کر عقل حیران ہے۔ اسی شہر لاہور میں وہ بچہ ہوا تھا۔ یہیں چھٹی کی شادیاں اور مبارک بادیاں ہوئی تھیں۔ وہی بچہ جوان ہو کر باپ سے باغی ہوا۔ اور اسی لاہور میں گرفتار ہو کر آیا۔ تورہ چنگیزی کے بموجب تلوار گلے میں لٹکتی ہے۔ سر جھکائے تھر تھر کانپتا ہے اور دربار میں باپ کے سامنے کھڑا ہے۔ آج نہ وہ ہے نہ وہ۔ سب افسانہ ہو گیا۔

کھیل ہے پتلیوں کا بزم جہاں کا عالم　　　رات بھر کا یہ تماشا ہے سحر کچھ بھی نہیں

جب اکبر کی حسن تدبیر اور عقل خداداد کا ذکر آئے۔ تو مان سنگھ کے حسن لیاقت کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اس کی نوجوان عمر اور کابل جیسا ملک۔ جہاں سرشور ملانوں اور وحشی مسلمانوں کی خدائی۔ اور مان سنگھ ان پر فرمانروائی کرے۔ وہ برس دن سے زیادہ رہا۔ اور زور شور سے حکومت کرتا رہا۔ فقط راجپوت سردار اور راجپوت فوج اس کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ ہزاروں ترک افغانی ہندوستانی اس کے ساتھ تھے۔ برفانی پہاڑ پر کیا گرمی کیا جاڑے شیر کی طرح دوڑتا پھرتا تھا۔ اور جہاں خرابی پڑتی اس کی اصلاح کرتا تھا۔

حرم سرا اور محلوں کا انتظام:

۹۹۵ھ میں راجہ بھگوان داس کو حرم سرا اور محلوں کا انتظام سپرد ہوا۔ اور یہ خدمت انہیں اکثر سپرد رہتی تھی۔ سفر میں حرم سرا کی سواریوں کا انتظام۔ مریم مکانی کی سواری کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ افغانستان سے شکایتیں پہنچیں۔ کہ راجپوت اہل ملک پر زیادتیاں کرتے ہیں۔ اس لئے کنور مان سنگھ کو بہار کا حاکم کر کے بھیج دیا۔ بنگالہ میں افغانوں کی کھرچن کمینہ سرشور باقی تھی۔ مغلوں کی بغاوت کے زمانہ میں وہ بھی نکلے نہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے قتو جاٹ کو اپنا سردار بنایا اور ملک اڑیسہ اور دریائے دامودر کے کنارے تمام شہروں پر قبضہ کر لیا۔ کنور مان سنگھ نے وہاں جا کر بندوبست شروع کئے۔ کئی برس پہلے بعض امرائے نمک حرام نے ملک بنگالہ میں علماء و مشائخ کے فتوے ہاتھ میں لے کر بادشاہ پر بے دینی کا اشتہار دیا تھا۔ اور تلواریں کھینچ کر جا بجا بغاوت کے نشان کھڑے کر دیئے تھے۔ ان کی گردنیں جنگی خونریزیوں سے توڑی گئی تھیں۔ مگر بعض ان میں سے اب بھی زمینداروں کے سایہ میں سر چھپائے بیٹھے تھے۔ اور جب موقع پاتے تھے۔ فساد کرتے تھے۔ ان کے رستے بند کئے۔ راجہ پورن مل کندھوریہ عظیم الشان قلعہ بنا کر سمجھے تھے کہ ہم لنکا کے کوٹ میں بیٹھے ہیں۔ انہیں تلوار کے

Marfat.com

گھاٹ پر اتار کر سیدھا کیا۔ لوٹ مار میں خزانے اور مال خانے بہت کچھ ہاتھ آئے۔ اپنے بھائی کے لئے اس کی بیٹی لی۔ صلح کے وقت تحفہ تحائف میں۔ رخصت کے وقت جہیز میں سب کچھ پایا۔ سنگرام کو لوہے کی چوٹ سے دبایا۔ اندچردہ پر چڑھ گیا۔ اس سے اطاعت کے ساتھ تحائف گراں بہا لئے۔ نفائس وعجائب کے ساتھ ۵۴ ہاتھی دربار میں بھیجے۔

ٹوڈرمل کی وفات:

۹۹۷ھ میں اکبر کا دل گلگشت کشمیر کی ہوا میں لہلہایا۔ راجہ بھگوان داس کو لاہور کا انتظام سپرد کر کے روانہ ہوئے۔ یہاں راجہ ٹوڈرمل سرگباش ہوئے۔ راجہ بھگوان داس انہیں اول منزل پہنچانے گئے۔ آتے ہی پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ لٹا دیا۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ پانچویں دن دنیا سے سفر کیا۔ شیخ ابوالفضل ان کے باب میں رائے لکھتے ہیں۔ راستی اور وقار سے بہرہ پایا تھا۔ بادشاہ کشمیر سے پھر کر کابل کو چلے تھے۔ رستے میں خبر پہنچی۔ بہت افسوس کیا۔ کنور مان سنگھ کو فرمان راجگی کا خطاب، خلعت خاصہ اسپ بازیں زریں اور پنج ہزاری منصب سے سربلند کیا۔

بہار کے بندوبست سے مان سنگھ کی خاطر جمع ہوئی۔ مگر اکبری سپہ سالار سے کب بیٹھا جاتا تھا۔ ۹۹۷ھ میں اڑیسہ کی طرف گھوڑے اٹھائے۔ ملک مذکور سرحد بنگالہ کے پار واقع ہے۔ اول پرتاب دیو وہاں کا راجہ تھا۔ نرسنگھ دیو اس کے ناخلف بیٹے نے باپ کو زہر سے مارا۔ اور جلد مارا گیا سلیمان کرارانی دانش و دین کا پتلا اس وقت بنگالہ میں فرماں روائی کرتا تھا۔

اس نے ملک مذکور کو مفت مار لیا۔ چند روز کے بعد زمانہ نے اس کا ورق بھی الٹا۔

قتلو خاں سے جنگ:

اوڑیسہ قتلو خاں وغیرہ افغانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس وقت مان سنگھ نے نشان فتح پر پھریرا چڑھایا۔ برسات دل بادل کے لشکر میں بجلی کی بیرق چمکا رہی تھی۔ مینہ برس رہے تھے۔ دریا چڑھے تھے۔ ادھر سے قتلو آیا۔ اور ۲۵ کوس کے فاصلے پر ڈیرے ڈال کر میدان جنگ مانگا۔ مان سنگھ نے بڑے بیٹے کو مقابلے پر بھیجا۔ وہ باپ کا رشید فرزند تھا۔ مگر ابھی نوجوانی کا مصالح تیز تھا۔ ایسا گرم گیا کہ انتظام کا سررشتہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور فتح نے شکست کی صورت بدلی۔ سپہ سالار نے خود آگے بڑھ کر بگڑے کام کو سنبھالا۔ سرداروں کی دلجوئی کی۔ اور پھر فوج کو سمیٹ کر سامنے کیا۔ غیبی مدد یہ ہوئی۔ کہ قتلو خاں مر گیا۔ افغانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ بہت سردار ٹوٹ کر آن ملے جو باقی رہے وہ اس اقرار پر صلح کے خواہاں ہوئے۔ کہ اکبری خطبہ پڑھا جائیگا۔ خراج وتحائف سالانہ پیشکش کیا کرینگے۔

Marfat.com

جب حکم ہوگا۔ادائے خدمت کو حاضر ہونگے۔سپہ سالار نے بھی صبح ہی میں مصلحت دیکھی۔۱۵۰ ہاتھی اور تحائف گراں دولت لے کر ارسال دربار کئے۔

جب تک عیسیٰ (قتلو کا وکیل) زندہ رہا۔عہد و پیمان کا سلسلہ درست رہا۔چند سال کے بعد نئے نوجوان افغانوں کی ہمت نے زور کیا۔انہوں نے اول جگن ناتھ کا علاقہ مارا۔پھر بادشاہی ملک پر ہاتھ ڈالنے لگے۔مان سنگھ خدا سے چاہتا تھا۔کہ عہد شکنی کے لئے کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔فوراً فوج جرار لے کر چلا۔آپ دریا کے رستے بڑھا۔سرداروں کو جارکھنڈ کی راہ سے بڑھایا۔انہوں نے دشمن کے علاقہ میں ہو کر فتح و فیروزی کے نشان لہرا دیئے۔افغان ہر چند صلح کی جھنڈیاں ہلاتے رہے۔مگر اب یہ کب سنتا تھا۔لڑائی کا میدان مانگا۔ناچار انہوں نے بھی ہاتھ پاؤں سنبھالے۔بڈھے اور جوان بڑے بڑے پٹھان جمع ہوئے۔ہمسایہ کے راجاؤں نے بھی رفاقت کی اور شاہانہ لڑائی آن پڑی۔بہادروں نے ہمت کے کارنامے دکھائے۔بڑے رن پڑے۔ملک مذکور قدرت کا فیل خانہ ہے۔ہاتھی میدان جنگ میں مینڈھوں کی طرح لڑتے اور دوڑتے پھرتے تھے۔اور اکبری بہادر انہیں تیز دوز کر کے خاک تودہ بناتے تھے۔آخر سور ما سپہ سالار نے فتح پائی۔اور ملک کو بڑھاتے بڑھاتے دریائے شور تک پہنچا دیا۔شہر شہر میں اکبری خطبہ پڑھا گیا۔جگن ناتھ جی نے بھی اکبر بادشاہ پر دیا کی۔کہ اپنا مندر ملک سمیت دے دیا۔مان سنگھ پھانی وغیرہ (مشرقی حصہ سندر بن) میں پھیلتا جاتا تھا۔مناسب معلوم ہوا۔کہ ادھر ایک شہر حاکم نشین آباد کیا جائے۔جہاں سے ہر طرف مدد پہنچ سکے۔دریائی حملہ سے محفوظ ہو۔اور غلیمان بدنیت کی چھاتی پر پتھر رہے۔صلاحوں اور تلاشوں کے بعد آک محل کے مقام پر صلاح ٹھہری۔مبارک ساعت دیکھ کر بنیاد کا پتھر رکھا اور اکبر نگر نام رہا (یہی راج محل مشہور ہے) اس گل زمین کو شیر شاہ نے اپنی گلگشت اور تفریح کیلئے نامور کیا تھا۔اب تک بھی کوئی مسافر ادھر جا نکلتا ہے۔تو بکاولی اور بدر منیر کی خیالی داستانیں مٹی تصویروں کی طرح صفحہ خاک پر نظر آتی ہیں۔اسی مقام پر قلعہ عظیم الشان تعمیر کر کے سلیم نگر نام رکھا۔قلعہ شیر پور۔مورچہ اکبر نگر بلند عمارتوں سجے ہوئے گھروں۔چلتے بازاروں سے چند روز میں طلسمات کا عالم دکھانے لگا۔اور مان سنگھ کے دمامہ دولت کی آواز برہم پتر کے کنارے کنارے تمام مشرقی علاقہ بنگال میں گونجنے لگی۔

راجہ کے کارنامے اور اس کی ہمتوں کے ہنگامے:

راجہ کے کارنامے اور اس کی ہمتوں کے ہنگامے قلم تحریر کو سر اونچا نہیں کرنے دیتے۔مگر اکبری خوبیاں بھی ایسے عالی درجہ پر ہیں۔جنہیں لکھے بغیر رہا نہیں جاتا۔ملک اڑیسہ میں راجہ رام چند ایک

Marfat.com

فرماں روا تھا۔ وہ مان سنگھ کے دربار میں آپ نہ آیا بیٹے کو بھیج دیا۔ راجہ نے کہا۔ کہ بیٹے کا آنا صحیح نہیں۔ راجہ کو خود آنا چاہئے۔ راجہ قتلو کی مہم میں ان کی مدد بھی کر چکا تھا۔ مگر آنے کی جرأت نہ کرتا تھا کہ ملکی معاملے ہیں۔ خدا جانے۔ وہاں جا کر کیا ہو۔ مان سنگھ نے سب خدمتوں کو بالائے طاق رکھا اور بیٹے کو فوج دے کر بھیج دیا۔ اس نوجوان نے جاتے ہی لوٹ مار کر کے اس کے علاقہ کی خاک اڑا دی۔ کئی قلعے فتح کئے۔ راجہ قلعہ بند اور محاصرہ کا دائرہ تنگ ہوا۔ بادشاہ کو خبر پہنچی۔ مان سنگھ کے نام فرمان بھیجا۔ کہ اگر راجہ رام چند اس وقت نہیں آیا۔ تو پھر آجائیگا ایسا ہرگز نہ چاہئے۔ ملک و دولت کی ترقی ان باتوں سے نہیں ہوتی۔ جلد محاصرہ اٹھا لو۔ کہ آئین حق شناسی کے خلاف ہے۔ مان سنگھ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بیٹے کو واپس بلا لیا۔ ۱۰۰۱ھ میں بنگالہ اور اوڑیسہ کے ملک کو پاک صاف کر کے حسب الطلب حاضر دربار ہوا۔ نامی راجہ اور سردار اس ملک کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ ان کی بھی ملازمت کروائی اور دولت کے ماتھے پر نور کا تلک لگایا۔ بنگالہ کی صفائی کا تمغا مورخوں نے اس کے نام پر لکھا ہے۔

راجہ بہار کا اکبر کی اطاعت کرنا:

۱۰۰۲ھ کے جشن سالانہ میں اکبر نے خسرو جہانگیر کے بیٹے کو باوجود خردسالی کے پنج ہزاری منصب پر نامزد کر کے اڑیسہ اس کی جاگیر میں دیا۔ اور بعض سرداران راجپوت کے حقوق اس میں شامل کئے راجہ مان سنگھ کو اتالیقی کا اعزاز بخشا۔ اور اس کی سرکار کا انتظام بھی راجہ ہی کے سپرد کیا۔ راجہ کو ملک بنگالہ دے کر ادھر روانہ کر دیا۔ اور اسی ملک پر اس کی تنخواہ مجرا کر دی۔ نوجوان جگت سنگھ اب ایسا ہو گیا تھا کہ بذات خود بادشاہی خدمتوں کا سرانجام کر سکے۔

۱۰۰۲ھ میں کوچ بہار کے راجہ نے سور ماسپہ سالار کے دربار میں اکبری اطاعت کا سجدہ ادا کیا۔ ملک مذکور کا طول ۱۰۰ کوس۔ عرض چالیس اور سوکے بیچ میں پھیلتا سمٹتا چلا جاتا ہے۔ چار لاکھ سوار دو لاکھ پیادے۔ سات سو ہاتھی۔ ہزار جنگی کشتیاں جاں نثاری کو حاضر رہتی تھیں۔ اگرچہ اس کے بیٹے جگت سنگھ کو ۱۰۰۵ھ میں کوہستان پنجاب کا انتظام سپرد ہوا۔ مگر مان سنگھ پر یہ سال نہایت منحوس تھا۔ ہمت سنگھ اس کے بیٹے نے امتلا سے اسہال اور اسہال سے بدحال ہو کر انتقال کیا ہچکی لگ گئی تھی۔ اسی میں جان نکل گئی۔ شیخ ابوالفضل کہتے ہیں۔ جوانمرد تھا۔ انتظام اور سربراہی کی لیاقت سرشت میں تھی۔ موقع وقت پر چوکتا نہ تھا۔ اس کے مرنے سے تمام قوم کچھواہہ میں کہرام مچ گیا۔ بادشاہ کی دلداری نے زخموں پر مرہم رکھا۔ سب کی تسلی ہو گئی۔

Marfat.com

عیسٰی خان کی بغاوت:

اسی سنہ میں عیسٰی خاں افغان نے بغاوت کی۔ مان سنگھ نے درجن سنگھ اپنے بیٹے کو فوج دے کر بھیجا۔ سرداروں میں ایک نمک حرام غنیم سے ملا ہوا تھا اور خبر پہنچا رہا تھا۔ دشمن ایک جگہ پر بے خبر آن پڑا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ درجن سنگھ مارا گیا۔ اور بہت جانیں ضائع ہوئیں۔ تمام مال خانے لٹ گئے۔ پھر عیسٰی خاں اپنے کیے پر پچھتایا۔ جو کچھ مال لیا تھا۔ ہزاروں ندامت اور عذر و معذرت کے ساتھ واپس کیا۔ انتہا ہے کہ بہن بھی دیدی۔ ہائے اور تو سب کچھ آ گیا۔ درجن سنگھ کہاں سے آئے۔

نحوست کی سیاہ چادر:

۱۰۰۷ھ میں مان سنگھ کا اقبال پھر نحوست کی سیاہ چادر اوڑھ کر نکلا۔ صورت یہ ہوئی۔ کہ اکبر کو جس طرح سمرقند و بخارا کے لینے کی آرزو تھی۔ اسی طرح رانائے میواڑ سے اطاعت لینے کا ارمان تھا۔ چنانچہ عبداللہ خاں ازبک والی توران کے مرنے سے بڑے بڑے ارادوں کے منصوبے باندھے اور شطرنج پر مہرے پھیلائے۔ ارادہ یہ تھا کہ ادھر کے منصوبے جیت کر خاطر جمع سے ملک موروثی پر چلے۔ شہزادہ دانیال، عبدالرحیم خان خاناں، شیخ ابوالفضل کو دکن پر بھیجا تھا۔ اور پیچھے پیچھے آپ تھا۔ جہانگیر کو مہم رانا پر روانہ کیا۔ مان سنگھ کو پرانے پرانے امیروں کے ساتھ سپہ سالار کر کے ہمراہ کیا۔ اور بنگالہ اس کی جاگیر جگت سنگھ اس کے ولی عہد کو عنایت کی۔ نوجوان کنور خوشی خوشی روانہ ہوا۔ آگرہ میں جا کر سامان میں مصروف تھا کہ دفعتاً مر گیا۔ (جگت سنگھ) قوم کچھواہہ کے گھر گھر میں ماتم پڑ گیا۔ اکبر کو بھی بہت رنج ہوا۔ مہاں سنگھ اس کے بیٹے کو باپ کی جگہ دی۔ اور روانگی کا فرمان روانہ کیا۔

سرشور افغانوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ طوفان ہو کر اٹھے۔ مہاں سنگھ جرأت کر کے آگے بڑھا مگر نوجوانی کی دوڑ تھی ٹھوکر کھائی۔ باغیوں نے مقام بھدراک پر لشکر بادشاہی کو شکست دی۔ اور پانی کی طرح پھیل کر بڑا حصہ بنگالہ کا دبا لیا۔ ادھر سلیم (جہانگیر) اپنی عیش کا بندہ تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ اودیپور کے پہاڑوں میں جائے اور پتھروں سے ٹکراتا پھرے۔ اس کی مراد بر آئی۔ رانا کی مہم ملتوی کر دیا اور بنگالہ کی طرف کوچ کیا۔ باپ ادھر اسیر کا محاصرہ کیے پڑا ہے۔ اور قلعہ والے جان سے تنگ ہیں۔ خان خاناں احمد نگر فتح کیا چاہتا ہے۔ تمام دکن میں اقبال اکبری نے زلزلہ ڈال دیا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ تحائف و پیشکش کے ساتھ بیٹی کو روانہ کرتا ہے۔ کہ دانیال محلوں میں شادی رچے مور کھ شہزادے نے باپ کی ایک مصلحت کا خیال نہ کیا۔ مان سنگھ کو بنگالہ روانہ کر دیا۔ آپ آگرہ پہنچا۔ قلعہ میں جا کر دادی کو سلام بھی نہ کیا۔ اس نے چاہا کہ خود جا کر ملے تو اوپر سے او پر کشتی میں بیٹھ کر الہ

Marfat.com

آباد کو روانہ ہو گیا۔ اور وہاں جا کر عیش کی بہاریں لوٹنے لگا۔ اکبر کو یہ بات پسند نہ آئی۔ بلکہ خیال ہوا کہ رانا کی طرف سے ہٹنا اور بنگالہ کی طرف جانا۔ مان سنگھ کی ترغیب سے ہوا ہے۔ زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شہزادہ کی طرف سے بغاوت کے آثار نظر آئے۔ اور امرائے نمک حلال کی عرضیاں آنی شروع ہوئیں۔ یہ وہم اگر اور امرا کی طرف ہوتا۔ تو کچھ بات نہ تھی۔ کیونکہ جب بادشاہ بڈھا ہوتا ہے۔ تو اہل دربار کی امیدیں ہمیشہ ولی عہد کی طرف سجدہ کرتی ہیں۔ لیکن مان سنگھ کا تعلق خاص جو شہزادہ کے ساتھ تھا۔ اس نے ان وہموں کی بدنما تصویریں دکھائیں۔ اور (جھوٹ یا سچ) راجہ کے نام پر جو حرف آیا۔ اس کا اسے بہت رنج ہوا۔

خیر یہ تو گھر کی باتیں ہیں۔ راجہ بغاوت بنگالہ کی خبر سنتے ہی شیر کی طرح جھپٹا۔ جب وہاں پہنچا۔ تو پرنیہ، کھگر وال، بکرم پور وغیرہ مکانات مختلفہ میں غنیموں نے خودسری کے نشان کھڑے کئے ہوئے تھے۔ اس نے جا بجا فوجیں روانہ کیں اور جہاں ضرورت دیکھی۔ وہاں خود یلغار کر کے پہنچا۔ اکبری اقبال کی برکت اور راجہ مان سنگھ کی ہمت اور نیک نیت نے ایک عرصہ کے بعد بغاوت کی آگ بجھائی۔ اور ڈھاکہ میں آ کر خاطر جمع سے حکمرانی کرنے لگے۔

بادشاہوں کے دل کا حال تو کسے معلوم ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوا۔ کہ اکبر اس کی طرف سے صاف ہو گیا۔ اس بغاوت کے معرکوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ باغیان بنگالہ کے ساتھ فرنگ کے سپاہی بھی شامل تھے۔ اور ان کی رفاقت میں جانیں دیتے تھے۔ غالباً ڈچ یا پرتگال کے لوگ تھے۔

توران کی فتح کا شوق:

۱۰۰۲ھ میں ہندوستان کی صفائی اور توران کے بادشاہوں کی کشاکشی نے اکبر کے شوق کو پھر توران پر متوجہ کیا۔ سپہ سالار خان خاناں وغیرہ سرداروں کو مشورہ کے واسطے بلایا۔ مان سنگھ کو بھی فرمان طلب گیا اور لکھا گیا۔ کہ بعض مہمات ضروری میں مشورہ درپیش ہے۔ چونکہ وہ فدوی خاص بندہائے قدیم سے ہے۔ اور آق سقال ❶ با اخلاص اس دولت کا ہے۔ مناسب ہے۔ کہ وہ بھی متوجہ درگاہ ہو۔ اسی سنہ میں اسے پرگنہ جوند مرحمت ہوا۔ اور حکم ہوا کہ قلعہ رہتاس کی مرمت کرے۔ بھاؤ سنگھ اس کے بیٹے کو ہزاری ذات پانسو سوار کا منصب عنایت ہوا۔

❶ آق سقال۔ ترکی میں ریش سفید کو کہتے ہیں۔ اور مراد اس سے مرد بزرگ و محترم ہے۔ اب ترکستان کے عرف کا نام ہیں۔ چودھری یا میر محلہ آق سقال کہلاتا ہے۔ چنانچہ گاؤں یا شہر کے محلہ میں ایک ایک آق سقال ہوتا ہے۔ پیشہ والوں کے ہر فرقہ کا آق سقال بھی الگ ہوتا ہے۔

Marfat.com

۱۰۱۳ھ میں خسرو اس کے بھانجے کو دہ ہزاری منصب ملا (جہانگیر کا بڑا بیٹا تھا) مان سنگھ اتالیق ہو کر ہفت ہزاری چھ ہزار سوار کے منصب پر سر بلند ہوئے۔ اور بھاؤ سنگھ پوتا ہزاری منصب اور تین سو سوار پر معزز ہوا۔ اب تک کوئی امیر پنج ہزاری منصب سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ یہ اعزاز اول اس نیک نیت راجہ کی وفاداری اور جاں نثاری نے لیا اور اکبر کی قدردانی نے اسے دیا۔

مان سنگھ کا ستارہ سعد اکبر:

جب تک اکبر رہا۔ مان سنگھ کا ستارہ سعد اکبر (مشتری یعنی برہسپت) رہا۔ جب وہ مرض الموت کے بستر پر لیٹا۔ اسی وقت سے اس کا ستارہ بھی ڈھلنا شروع ہوا۔ اول خسرو کے خیال سے خود اکبر کو واجب تھا کہ اسے آگرہ سے سرکا دے (دیکھو اکبر کا حال) چنانچہ حکم ہوا۔ کہ اپنی جاگیر پر جاؤ۔ مطیع الفرمان نے کل آرزوؤں کو اپنے پیارے آقا کی خوشی کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ باوجودیکہ بیس ہزار لشکر جرار اس کی ذات کا نوکر تھا۔ اور تمام قوم کچھواہہ کا سرگروہ تھا۔ وہ بگڑ بیٹھتا تو تمام قوم تلوار پکڑ کر کھڑی ہو جاتی۔ مگر فوراً بنگالہ کو روانہ ہوا اور خسرو کو ساتھ لیا۔ جب نیا بادشاہ تخت پر بیٹھا۔ پرانے امرا سب حاضر دربار ہوئے۔ نوجوان بادشاہ مست الست تھا۔ مگر یہ بات اس کی بھی قابل تعریف ہے کہ پہلی باتوں کو بالکل بھول گیا۔ خود لکھتا ہے کہ اس نے بعض باتیں ایسی کی تھیں کہ اپنے حق میں اس کی عنایت کی امید نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی خلعت چارقب، شمشیر مرصع، اسپ خاصہ بازین زریں دے کر اکرام واعزاز بڑھایا۔ اور بنگالہ کا صوبہ دوبارہ اپنی طرف سے مرحمت کیا۔ مگر طالع کی گردش کو کون سیدھا کر سکے۔ چند مہینے گزرے تھے کہ خسرو باغی ہو گیا۔ آفرین ہے جہانگیر کے حوصلو کو کہ مان سنگھ کے کاروبار میں کوئی تغیر کا اثر ظاہر نہ کیا۔ مان سنگھ کو بھی آفرین کہنی چاہئے۔ کیونکہ بھانجے کا بھلا تو ضرور چاہتا ہو گا۔ مگر اس موقع پر کوئی ایسی بات بھی نہیں کی۔ جس سے بے وفائی کا الزام لگا سکیں۔

مست الست بادشاہ جلوس کے ایک برس آٹھ مہینے کے بعد خود لکھتا ہے۔ مگر درد آلود عبارت ہے معلوم ہوتا ہے کہ دردناک دل سے نکلتی ہے۔ راجہ مان سنگھ نے قلعہ رہتاس سے آکر ملازمت کی کہ ملک پٹنہ میں واقع ہے۔ چھ سات فرمان گئے۔ جب آیا ہے۔ وہ بھی خان اعظم کی طرح منافقوں اور اس سلطنت ❶ کے (پرانے پاپیوں میں سے) ہے۔ جو انہوں نے مجھ سے کیا اور مجھ سے ان کے ساتھ ہوا۔ خدائے رازداں جانتا ہے کہ کوئی کسی سے اس طرح نہیں گزارہ کر سکتا۔ راجہ نے سو ہاتھی نر و مادہ پیشکش گزرانے۔ ایک میں بھی اتنی بات نہ تھی۔ کہ فیلان خاصہ میں داخل ہو سکے۔ یہ میرے

❶ ادہم مثل خان اعظم از کہنہ گرگاں ایں دولت است۔

Marfat.com

باپ کے بنائے ہوئے نوجوانوں میں سے ہے۔ اس کی خطائیں اس کے منہ پر نہ لایا۔ اور عنایت بادشاہانہ سے سرفراز کیا۔ پونے دو مہینے کے بعد پھر لکھتا ہے۔ ایک گھوڑا میرے سارے گھوڑوں کا سردار تھا عنایت کی نظر سے راجہ مان سنگھ کو مرحمت کیا۔ کئی اور گھوڑوں اور تحائف لائق کے ساتھ شاہ عباس نے منوچہر خاں کی ایلچی گری میں حضرت عرش آشیانی (اکبر) کو بھیجا تھا۔

منوچہر شاہ کا غلام معتبر:

منوچہر شاہ کا غلام معتبر ہے۔ جب یہ گھوڑا میں نے عنایت کیا۔ تو مان سنگھ مارے خوشی کے اس طرح لوٹا جاتا تھا کہ اگر میں کوئی سلطنت اسے دے دیتا۔ تو معلوم نہیں کہ اتنا خوش ہوتا۔ یہ گھوڑا جب آیا تھا تو تین چار برس کا تھا۔ ہندوستان میں آ کر بڑا ہوا اور یہیں ساری خوبیاں نکالیں۔ تمام بندہائے درگاہ مغل اور راجپوت نے بالاتفاق عرض کی کہ ایسا گھوڑا کبھی ایران سے ہندوستان میں نہیں آیا۔ جب والد بزرگوار نے خاندیس اور صوبہ دکن بھائی دانیال کو مرحمت کیا۔ اور آگرہ کو پھرنے لگے۔ تو محبت کی نظر سے اسے کہا کہ جو چیز تجھے بہت پسند ہو مجھ سے مانگ۔ اس نے موقع پا کر یہ گھوڑا مانگا۔ اس سبب سے اسے دیا تھا۔ آزاد بھلا ۲۰ برس کے بڈھے گھوڑے پر خوش کیا ہونا تھا؟ یہ کہو کہ وقت کو دیکھتے تھے۔ آدمی کو پہچانتے تھے۔ اور تھے مسخرے۔ کیا یہ کیا خان خاناں۔ مست کو دیوانہ بناتے تھے۔ بڈھے ہوئے تو ہو جائیں۔ طبیعت کی شوخی تو نہیں جا سکتی۔ اکبر کے عہد میں دانش و داد، ہمت و حوصلہ، جرات و جاں نثاری کا زمانہ تھا۔ اسے ان باتوں سے خوش کرتے تھے اور اسے دیکھا کہ اس ڈھب کا نہیں۔ اسے اس ڈھب سے تسخیر کر لیا۔

خانجہاں وغیرہ امرائے بادشاہی دکن میں کارنامے دکھا رہے تھے۔ ہمت اور لیاقت کو میدان میں جولانی کرنے کا ضرور شوق ہوا ہوگا۔ اور جاں نثاری کی عادت نے اس مصلحت کو جوش دیا ہوگا۔ لیکن خسرو کے سبب سے اس کا معاملہ ذرا نازک تھا۔ اس لئے وطن گیا۔ اپنے پرانے اہلکاروں سے صلاح کر کے جہانگیر سے عرض کی اور لشکر لے کر دکن پہنچا۔ دو برس تک وہاں رہا۔ اور ۱۰۲۳ھ میں وہیں سے ملک بقا کو کوچ کر گیا۔ بیٹوں میں سے ایک بھاؤ سنگھ جیتا تھا۔ جہانگیر نے اس موقع پر خود لکھا ہے۔ والد بزرگوار کے عہد ہائے دولت میں سے میں نے اکثر بندہائے درگاہ کو درجہ بدرجہ خدمت دکن پر بھیجا تھا۔ وہ بھی ان دنوں میں اس خدمت پر تھا۔ مر گیا۔ تو مرزا بھاؤ سنگھ اس کا خلف رشید تھا۔ میں نے بلا بھیجا۔ شاہزادگی میں میری خدمت زیادہ سے زیادہ کرتا تھا۔ ہندوؤں کی ریت بموجب مہاں سنگھ پسر جگت سنگھ کو ریاست پہنچتی تھی۔ کہ سب بھائیوں میں بڑا تھا۔ اور وہ راجہ کے جیتے جی مر

Marfat.com

گیا۔ میں نے اس بات کی رعایت نہ کی۔ بھاؤ سنگھ کو مرزا راجا کا خطاب دیکر چار ہزاری ذات تین سو سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔ آنبیر کا علاقہ مرحمت کیا۔ کہ اس کے باپ دادا کا وطن ہے۔ اور اس نظر سے کہ مہاں سنگھ بھی راضی رہے اس کی دلداری کے لئے پہلے منصب پر پانصدی بڑھا کر گڈھ کا ملک اسے انعام میں دیا۔

اس کے حالات کو پڑھ کر بے خبر لوگ جھٹ بول اٹھیں گے۔ کہ اس نے جہانگیر کے عہد میں کچھ ترقی نہ کی۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ اس کا معاملہ کیسا پیچیدہ تھا۔ بلکہ اس کی عقل سلیم اور سلامت روی کی چال ہزار تعریف کے قابل ہے۔ کہ مہمات کے ہنگامے ہو رہے تھے۔ کسی آفت کی جھپٹ میں نہ آگیا اور اپنی باعزت حالت کا عزت کے ساتھ خاتمہ کر گیا۔ خان خاناں اور مرزا عزیز کوکہ ابتدا سے میدان ترقی میں اس کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے تھے۔ ان کے حالات کو اس سے مقابلہ کر کے دیکھو۔ جہانگیری عہد میں انہوں نے کیسے سخت صدمے اٹھائے۔ اسی کی بااصول رفتار تھی۔ جس نے اسے امن وعافیت کے رستہ سے منزل آخر تک صحیح سلامت پہنچا دیا۔ جو اعزاز و اکرام کی دستار اکبر نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر باندھی تھی۔ اس کو دونوں ہاتھ سے پکڑے امن وامان سے نکل گیا۔

عالی ہمتی اور دریا دلی:

اس نے ملک گیری اور ملک داری کے تمام اوصاف سے پورا پورا حصہ پایا تھا۔ جدھر لشکر لے کر گیا کامیاب ہوا۔ کابل میں آج تک بچہ بچہ اس کا نام جانتا ہے۔ اور اس کی بابت کہاوتیں زبانوں پر ہیں۔ مشرق میں اکبری حکومت کا نقارہ دریائے شور کے کنارے تک جا بجایا۔ اور بنگالہ میں اپنی نیکی سے ایسے گلزار لگائے ہیں۔ جو آج تک سرسبز ہیں۔ اس کی عالی ہمتی اور دریا دلی کے چشمے زبانوں پر جاری ہیں اور زمانوں تک رہیں گے۔ اس کی بھاٹ کی سرکار میں سو ہاتھی فیلخانے میں جھومتے تھے۔ بیس ہزار لشکر جرار اس کی ذات کا نوکر تھا۔ جن میں معتبر سردار ٹھاکر اور امرائے عالیشان کی سواریاں امیرانہ جلوس سے نکلتی تھیں۔ تمام سپاہی بیش قرار تنخواہوں اور سامانوں سے آسودہ تھے۔ ہرفن کے صاحب کمال اس کے شاہانہ دربار میں حاضر رہتے تھے۔ اور عزت اور خوشحالی کے عالم میں رہتے تھے۔

خوش اخلاق، ملنسار، شگفتہ مزاج:

باوجود اس کے خوش اخلاق، ملنسار، شگفتہ مزاج تھا۔ اور جلسہ میں تقریر کو انکسار و تواضع سے رنگ دیتا تھا۔ جب وہ مہم دکن پر گیا۔ تو خان جہان لودھی سپہ سالار تھا۔ پندرہ پنج ہزاری صاحب علم

Marfat.com

ونقارہ موجود تھے۔ جن میں خان خاناں، خود راجہ مان سنگھ، آصف خاں، شریف خاں امیر الامرا وغیرہ شامل تھے۔ اور چار ہزاری سے پانصدی تک ایک ایک ہزار منصبدار فوجیں لئے کمر بستہ موجود۔ بالا گھاٹ کے مقام پر لشکر شاہی کو سخت تکلیف پیش آئی۔ ملک میں قحط پڑ گیا اور رستوں کی خرابی سے رسد بند ہونے لگی۔ امرا روز جمع ہو کر جلسہ مشورہ جماتے تھے۔ کوئی نقشہ نہ جمتا تھا۔ ایک دن مان سنگھ نے سر دیوان اٹھ کر کہا۔ کہ اگر میں مسلمان ہوتا۔ تو ایک وقت تم صاحبوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتا۔ اب کہ ڈاڑھی سفید ہوگئی ہے۔ کچھ کہنا مناسب نہیں۔ ایک پان ہے۔ آپ صاحب قبول فرمائیں۔ سب سے پہلے خانجہان نے دلداری کا ہاتھ سینہ پر رکھا۔ اور مان کا پان سمجھ کر سب نے قبول کیا۔ چنانچہ پنج ہزاری سے لیکر صدی کے منصبدار تک سب حیثیت نقد اور جنس، لوازم ضیافت برابر ہر شخص کی سرکار میں پہنچ جاتا تھا۔ ہر تھیلے اور خریطہ پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا۔ تین چار مہینے تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ایک دن ناغہ نہیں ہوا۔ بنجاروں نے رسد کا تانتا لگا دیا۔ بازار لشکر میں ہر شے کے انبار پڑے تھے۔ اور جو آنبیر میں نرخ تھا۔ وہی یہاں نرخ تھا۔ ایک وقت کا کھانا بھی سب کو ملتا تھا۔ کنور اس کی رانی بڑی عقلمند اور منتظم بی بی تھی۔ گھر میں بیٹھی تھی۔ اور سب کاروبار کے انتظام برابر کرتی تھی۔ یہاں تک کہ کوچ و مقام کے موقع پر مسلمانوں کو حمام و مسجد کی وضع کے خیمے بھی تیار ملتے تھے۔

خوش اخلاق راجہ ہمیشہ شگفتہ مزاج اور خوش رہتا تھا۔ لطیفہ۔ دربار میں کوئی سید صاحب ایک برہمن سے الجھ پڑے۔ اور اخیر میں کہا کہ جو راجہ صاحب کہہ دیں۔ وہ صحیح۔ راجہ نے کہا کہ مجھے علم نہیں جو ایسے معاملے میں گفتگو کر سکوں۔ مگر ایک بات دیکھتا ہوں کہ ہندوؤں میں کیسا ہی گنوان پنڈت یا گیانی دھیانی فقیر، جب مر گیا تو جل گیا، خاک اڑ گئی، رات کو وہاں جاؤ تو آسیب کا خطرہ ہے۔ اسلام میں جس شہر بلکہ گاؤں میں گزرو کئی بزرگ پڑے سوتے ہیں۔ چراغ جلتے ہیں۔ پھول مہک رہے ہیں۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ لوگ ان کی ذات سے فیض پاتے ہیں۔

لطیفہ۔ ایک دن یہ اور خان خاناں شطرنج یا چوپڑ کھیل رہے تھے۔ شرط یہ ہوئی۔ کہ جو ہارے وہ جیتنے والے کی فرمائش کے بموجب ایک جانور کی بولی بولے۔ خان خاناں کی بازی دبنی شروع ہوئی۔ مان سنگھ نے ہنسنا شروع کیا۔ اور کہا کہ بلی کی بولی بلواؤں گا۔ خان خاناں ہمت کیے گئے۔ آخر چار پانچ چالوں کے بعد مایوس ہو گئے مگر بڑے چالیے تھے۔ گھبرا کر اٹھنا چاہا۔ اور کہا اے ہا۔ از خاطرم رفتہ بود۔ خوب شد کہ حالا ہم بیاد آمد۔ مان سنگھ نے کہا۔ کجا کجا۔ انہوں نے کہا جہانبانی چیزے فرمودہ بودند۔ حالا یاد م آمد۔ بدم گفتہ بودند تر انجا مش کنم اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ راجہ نے کہا۔ نمیشود۔ خان خاناں نے کہا۔ حالا نمے آیم۔ راجہ نے دامن پکڑ لیا۔ اور کہا خوب است۔ صدائے پشک بکنید و

Marfat.com

بروید۔انہوں نے کہا شادامنم بگزارید۔ مے آیم مے آیم وہ بھی ہنس پڑے۔ یہ بھی ہنس پڑے۔واہ کیابات ہے، اپنی بات کہی اور حریف کی بات بھی پوری کردی۔

لطیفہ، وہ ہمیشہ فقرا اور خاکساروں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔اور اس میں ہندو مسلمان کا امتیاز نہ کرتا تھا۔ بنگالہ کے سفر میں ایک مقام پر شاہ دولت کے اوصاف وکمالات سنے۔خدمت میں حاضر ہوا۔وہ بھی اس کی پاکیزہ اور سنجیدہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے۔اور کہا مان سنگھ مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔اس نے کہا کر کہاختم اللّٰہ علی قلوبھم۔خدا کی مہر ہے۔بندہ کیونکر اٹھائے کہ گستاخی ہے۔

جہانگیر کے عہد میں تنزلی:

مان سنگھ کے حال میں یہ افسوس حقیقت میں نہیں بھولتا کہ اس کی سپہ سالاری اور ملک گیری کی لیاقت جہانگیر کے عہد میں مرجھا کر رہ گئی۔شرابی کبابی بادشاہ نے کچھ پروا نہ کی۔ بلکہ اس کی طرف سے کھٹکتا رہا۔قدردان وہی مرنے والا تھا۔جس نے اس کے جوہر قابل کو لڑکپن سے پال کر اعلیٰ درجہ کمال پر پہنچایا تھا۔وہ جیتا تو خدا جانے اس کی تلوار سے ملک موروثی کے پہاڑوں کو ٹکراتا یا دریائے شور میں فرنگ کے زور کو توڑتا۔اکبر خان خاناں کو مرزا خاں اور خان اعظم کو مرزا عزیز اور اسے مرزا راجہ کہتا تھا۔گھر کی ریت رسوم اور کل کاروبار میں اس کے ساتھ بیٹوں کی طرح برتاؤ ہوتا تھا۔خصوصاً حرم سرا کے کاروبار اور سفر کے موقع پر کل اہتمام راجہ بھگوان داس کے سپرد مریم مکانی تک کی سواری ہوتی تو راجہ موصوف ساتھ ہوتے تھے۔اس سے زیادہ اور کیا اعتبار ہوسکتا ہے۔عجب پاک زمانہ تھا۔اور عجب پاک دل تھے۔دیکھو نتیجے بھی کیسے پاکیزہ نکلتے تھے۔

مان سنگھ کی تاریخ زندگی:

مان سنگھ کی تاریخ زندگی میں اس بیان پر پھول برسانے چاہئیں۔کہ اس نے اور اس کے کل خاندان نے اپنی ساری باتوں کو اکبر کی خوشی پر قربان کردیا۔مگر مذہب کے معاملے میں بات کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔جن باتوں میں دین الٰہی اکبر شاہی کا زیادہ زور ہوا۔اور ابوالفضل اس کے خلیفہ ہوئے۔بیربل برہمن کہلاتے تھے۔انہوں نے سلسلہ مریدی میں چوتھا نمبر حاصل کیا۔لیکن مان سنگھ سنجیدگی اور عقل کے نقطہ سے بال بھر نہیں ہٹا۔چنانچہ ایک شب بعض مہمات سلطنت۔کے باب میں جلسہ مشورت تھا۔ان کو حاجی پور پٹنہ جاگیر عنایت ہوا۔بعد اس کے خلوت خاص تھی۔خان خاناں بھی موجود تھے۔اکبر مان سنگھ کو ٹٹو لنے لگے۔کہ دیکھوں یہ بھی مریدوں میں آتا ہے یا نہیں۔تقریر کا سلسلہ

Marfat.com

اس طرح چھیڑا کہ جب تک• وہ دو چار باتیں نہیں ہوتیں۔ تب تک اخلاص کامل نہیں ہوتا۔ سپاہی راجپوت نے صاف اور بے تکلف جواب دیا۔ کہ حضور اگر مریدی سے مراد جاں نثاری ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں۔ کہ جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔ امتحان کی حاجت نہیں۔ اگر کچھ اور ہے۔ اور حضور کی مراد مذہب سے ہے۔ تو ہندو ہوں۔ فرمایئے مسلمان ہو جاؤں۔ اور رستہ جانتا نہیں۔ کونسا ہے کہ اختیار کروں۔ اکبر بھی ٹال گئے۔

آزاد۔ حق یہی ہے کہ جو شخص مذہب میں پورا ہوگا۔ وہی وفا و اخلاص میں پورا ہوگا۔ اور وفا و اخلاص کا استقلال ہر مذہب کی اصل ہے۔ کونسا مذہب دنیا میں ہے جس نے وفا اور اخلاص کو برا سمجھا ہوگا۔ جو اچھی باتیں ہیں۔ سب مذہبوں میں اچھی ہیں۔ اور ان کی تاکید ہے۔ اہل مذہب عمل میں قصور کریں۔ تو مذہب کا قصور نہیں۔ بد مذہبوں کا قصور ہے۔

یہ چٹکلا لکھنے کے قابل ہے۔ کہ راجہ کی ۱۵۰۰ سو رانیاں تھیں۔ اور ہر ایک سے ایک ایک دو دو بچے تھے۔ ہاں! بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ کونپلیں ٹہنی سے نکلتی گئیں اور جلتی گئیں۔ چند جانیں تھیں کہ جوانی کو پہنچیں۔ اور افسوس کہ وہ اس کے سامنے گئیں۔ بھاؤ سنگھ کو جیتا چھوڑ گیا۔ وہ شراب کی بھینٹ ہوئے۔ جب راجہ سرگباش ہوئے۔ تو ساٹھ رانیوں نے ستی ہو کر ان کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کیا۔

تحقیق:

جب قطعہ زمین پر تاج گنج کا روضہ ہے۔ یہ راجہ مان سنگھ کی تھی۔ میں نے آگرہ میں جا کر دریافت کیا۔ اب بھی کچھ بیگھے زمین اس قرب و جوار میں راجہ جے پور کے نام لکھی چلی آتی ہے۔ مہاراجہ سوائی فرمانفرمائے جے پور کے اہلکار اسے اعزاز کے ساتھ اپنا حق سمجھتے ہیں۔

نکتہ رسی:

ایک فقیر نے بیگھہ بھر زمین کے لئے دربار اکبری میں سوال کیا۔ وہاں سینکڑوں ہزاروں بیگھہ کی حقیقت نہ تھی۔ عطا ہوگئی۔ سند اس کی سب امرا کے دفتروں میں سے دستخط ہوتی چلی آئی۔ مان سنگھ کے سامنے جب کاغذ آیا تو اس نے زعفران زار کشمیر کو مستثنیٰ کر دیا۔ فقیر نے جب دیکھا تو سند پھینک کر چلا گیا۔ کہ اب کیا کرنی ہے۔ اگر بیگھہ بھر زمین لینی ہوتی تو جہاں چاہتا بیٹھ جاتا۔ خدائی میدان کھلا پڑا ہے۔ بعض اہل تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ٹوڈرمل کی جزرسی تھی۔

Marfat.com

ہندو مسلم اتحاد کی مثال:

آزاد۔میرے دوستو!اس زمانہ کے ہندو اور مسلمانوں کے لئے اگر کوئی عہد ہے جس کی تقلید ملک کی بہتری اور خلق خدا کی آسودگی اور مختلف بلکہ متضاد مذہبوں میں محبت و یگانگت پیدا کرنے کیلئے ضرور ہے۔تو وہ عہد اکبری ہے۔اور اس بے نظیر مبارک عہد کے پیشرو اور مرد میدان مسلمانوں میں اکبر اور ہندوؤں میں راجہ مان سنگھ ہیں۔کہاں ہیں وہ تنگ دل تیرہ خیال جنہوں نے اس زمانہ میں بڑی حب الوطنی یہ بات قرار دی ہے کہ دونوں مذہبوں کو لڑایا کریں۔اور بغض و کینہ کی آگ دلوں میں سلگایا کریں۔اس زمانہ کی انجمنوں اور سبھاؤں اور ان کی بے اثر تقریروں سے خاک حاصل نہیں ہوتا۔جو بات دل سے نہیں نکلتی۔وہ دل میں اثر نہیں کرتی۔تم دور اکبری کے ان پاکیزہ نفسوں کے حالات پر غور کرو۔اور ان کو اپنا پیشرو بناؤ۔اکبر اور مان سنگھ وہ شخص ہیں۔کہ اگر ان کے بت بنوا کر ہر قومی جلسے کو ان سے زینت دی جائے۔تو دونوں فریق میں اتحاد بڑھانے کی اچھی تدبیر ہے۔بڑے غور کی یہ بات ہے۔کہ مان سنگھ نے یہ اتحاد اپنے دھرم کو پورے طور پر برقرار رکھ کر قائم کیا۔یہ ہی خوبی ہے جو راجہ مان سنگھ کی بے انتہا عزت اور عظمت ہمارے دلوں میں بٹھاتی ہے۔آزاد وہ کیا دینداری ہے جو دوسری قوم کی دل آزاری ہو۔مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب میں ہزاروں امور ہیں۔جن کو دونوں فریق نیکی سمجھتے ہیں۔پس دیندار بننے کیلئے ایسی ہی نیکیوں پر عمل کرنا چاہئے۔راجہ مان سنگھ ا اخلاقی تاریخ میں تمہارا نام سنہری حروف میں قیامت تک روشن رہے گا۔اخلاق اور بے تعصبی تمہارے مبارک نام پر ہمیشہ پھول اور موتی برسائے گی۔تمہارا سر ایسے پھولوں کے ہاروں سے سجا ہے۔جن کی مہک قیامت تک دماغ عالم کو معطر رکھے گی۔

Marfat.com

مرزا عبدالرحیم خان خاناں

ابتدائی حالات:

۹۶۴ھ میں بیرم خاں کا بڑھاپا اقبال کی جوانی میں لہلہا رہا تھا۔ ہیمو کی مہم ماری تھی۔ اکبر شکار کھیلتے لاہور کو چلے آتے تھے۔ جو نغمہ بلبل کے سروں میں کسی نے آواز دی کہ بڑھاپے کے باغ میں رنگین پھول مبارک ہو۔ فتح کی خوشی میں یہ خوشخبری نیک شگون معلوم ہوئی۔ اس لئے بادشاہ نے جشن کیا۔ وزیر نے خزانے لٹائے۔ اور اپنے بیگانوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ بیرم خاں کو تو عالم جانتا ہے۔ ماں کا خاندان بھی معلوم کر لو کہ جمال خاں میواتی کی بیٹی حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی۔ بڑی ❶ بہن بادشاہ کے محل میں تھی۔ چھوٹی وزیر کے حرم سرا میں۔ خالو بادشاہ نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔ مبارک مولود کی ولادت خاص اسی شہر لاہور میں ہوئی۔

یہ پھول قریب تین سال کے ناز و نعمت کی ہوا میں اقبال کے شبنم سے شاداب تھا۔ دفعتاً خزاں کی نحوست ایسی بگولا بن کر لپٹی کہ اس کے گلبن کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اور گھاس پھوس کی طرح مدت تک رواں دواں کرتی رہی۔ کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کا ٹھکانا بھی کہیں لگے گا یا نہیں۔ ہم کاغذوں کے دیکھنے والے ترس کھاتے ہیں۔ وائے بر حال اس کے رشتہ داروں اور ہوا خواہ نمک خواروں کے۔ جب اس کی اور اپنی حالت کو یاد کرتے ہونگے۔ تو چھاتی پر سانپ لوٹ جاتے ہونگے۔ کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ ایسے ہی اونچے سے گرتے ہیں۔ جب اس قدر اونچے پہنچتے ہیں۔ کہ دیکھنے والے تعجب کر کے کہتے ہیں۔ یہ تارا کہاں سے نکل آیا۔

بیرم خاں کی قدر و منزلت میں کمی:

خدا اتر نوالہ دے، خواہ سوکھا ٹکڑا۔ باپ کا ہاتھ بچوں کے رزق کا چمچہ بلکہ ان کی قسمت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ جب بیرم خاں کے اقبال نے منہ پھیرا۔ اور اکبر رقیبوں کی باتوں میں آ کر دہلی میں آن بیٹھا بیرم خاں آگرہ میں رہ گئے۔ یہیں سے نحوست کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ حال یہ تھا کہ رفیق ساتھ چھوڑ

❶ اکبرنامہ میں یہی ہے۔ تعجب ہے ماثر سے کہ کہتا ہے بڑی ہمایوں کے عقد میں تھی۔

Marfat.com

چھوڑ کر دہلی چلے جاتے ہیں۔ عرضیاں جاتی ہیں۔ تو الٹے جواب آتے ہیں۔ عرض معروض کے لئے وکیل پہنچتا ہے تو قید۔ دربار کے طور بے طور۔ خبر آتی ہے تو وحشت ناک۔ بچہ معصوم ان رازوں کو نہ سمجھتا ہوگا۔ مگر اتنا تو ضرور دیکھتا ہوگا۔ کہ باپ کی مجلس میں رونق نہیں۔ وہ امرا اور درباریوں کی بھیڑ بھاڑ کیا ہوگئی۔ باپ کس فکر میں ہے۔ کہ میری طرف دیکھتا ہی نہیں۔

بیرم خاں بیچارہ کیا کرے۔ کبھی بنگالہ کا ارادہ کرتا ہے۔ کبھی گجرات کا کہ حج کو چلا جائے۔ ادھر رستہ نہیں پاتا۔ راجپوتانہ کا رخ کرتا ہے۔ چند روز ادھر ادھر پھرتا ہے۔ آخر پنجاب کو آتا ہے۔ کچا ساتھ اپنے حال کو سنبھالے۔ چند روز ادھر ادھر پھرتا ہے۔ آخر پنجاب کو آتا ہے۔ کچا ساتھ اپنے حال کو سنبھالے۔ کہ عیال واطفال کو۔ آخر حرم سرا اور جواہر خانہ توشہ خانہ وغیرہ بہت سے لوازمات واسباب کو بھٹنڈے میں چھوڑا۔ اور آپ پنجاب میں آیا۔ بھٹنڈہ کا حاکم اپنا نمک پروردہ۔ خاک سے اٹھایا ہوا۔ ہاتھوں کا پالا ہوا۔ چھوٹے سے بڑا کر کے حکومت تک پہنچایا ہوا۔ اس نے مال عیال کو ضبط کر کے روانہ دربار کر دیا۔ دہلی میں آ کر سب قید۔ اسباب خزانہ میں داخل وہ تین چار برس کا بچہ روز کی پریشانی اور بے سروسامانی اور گھر والوں کی سرگردانی۔ روز نئے شہر نئے جنگل دیکھ کر حیران ہوتا ہوگا کہ یہ کیا عالم ہے اور ہم کہاں ہیں۔ میری ہوا خوری کی سواریوں اور سب کی دلداریوں میں کیوں فرق آ گیا۔ جو لوگ ہاتھوں کی جگہ آنکھوں پر لیتے تھے۔ وہ کیا ہو گئے۔

بیرم خاں کی وفات کے بعد لوٹ مار:

اور اس حالت کی تصویر سے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ باپ دربار سے رخصت ہو کر حج کو چلا گیا۔ گجرات پٹن پر ڈیرے ہیں۔ ابھی سورج جھلکتا ہے۔ شام قریب ہے۔ خیال یہ کہ اب خان خاناں آتا ہے۔ خبر آئی کہ وہ تو مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی فوج میں تلاطم مچ گیا۔ پل کے پل میں گھر بار افغانوں نے لوٹ لیا۔ کوئی گٹھڑی لئے جاتا ہے۔ کوئی صندوقچہ۔ کسی نے مسند گھسیٹ لی۔ کوئی بچھونا لے چلا۔ اس بے کس مردے کے کپڑے تک اتار لئے۔ لاش بے جان کو کفن کون دے۔ کہ اپنی ہی جان کا ہوش نہیں۔ وہ تین برس کی جان کیا کرتا ہوگا۔ سہم کر رہ جاتا ہوگا۔ ماں کی گود میں دبک جاتا ہوگا۔ ڈرتا ہوگا انا کے پاس چھپ جاتا ہوگا۔ افسوس وہ بیچاریاں کہاں چھپالیں۔ کہ آپ ہی چھپنے کو جگہ نہیں۔ الٰہی تیری پناہ۔ عجب وقت ہوگا۔ شام غریباں اسی شام کو کہتے ہیں۔ رات قیامت کی رات گزری ہوگی۔ دن ہوا تو روز محشر۔ محمد امین دیوانہ اور زنبور وغیرہ لشکروں کے لڑانے والے تھے۔ اس وقت کچھ نہ بن آتی تھی۔ پھر بھی ہزار رحمت ہے۔ کہ لٹے قافلہ کو سمیٹتا ہے۔ اور احمد آباد کو اڑے

Marfat.com

جاتے ہیں۔ موقع پاتے ہیں۔ تو پلٹ کر ایک ہاتھ مار جاتے ہیں۔

اس وقت ان پا شکستہ عورتوں کو جن میں سلیمہ سلطان بیگم اور یہ تین برس کا بچہ بھی شامل ہے۔ لے نکلنا غنیمت ہے۔ لٹیرے اب بھی دست بردار نہیں ہوئے۔ پیچھے پیچھے لوٹتے مارتے چلے آتے ہیں۔ معصوم بچہ سہا ہوا ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ اور رہ جاتا ہے۔ کون دلا سہ دے۔ اور دے تو ہوتا کیا ہے۔ الٰہی وہ وقت تو دشمن ہی کو نصیب کیجو۔

مصیبت زدوں کا احمد آباد میں قیام:

ان مصیبت زدوں نے لڑتے مرتے احمد آباد میں جا کر دم لیا۔ کئی دن میں گئے ہوئے حواس ٹھکانے آئے۔ صلاح ہوئی کہ دربار کے سوا پناہ نہیں ہے۔ پھر چلنا چاہئے۔ چنانچہ چار مہینے کے بعد ضروری سامان بہم پہنچا کر روانہ ہوئے۔ یہاں بھی خبر پہنچ گئی تھی۔ چغتائی دریا دلی اور اکبری عفو کرم کے دریا میں لہر آئی۔ ان کے لئے فرمان بھیجا۔ خان خاناں کے مرنے کا رنج والم اور ان کی تباہی کا افسوس تھا۔ ساتھ ہی بڑے دلاسے اور دلداری کے ساتھ لکھا تھا کہ عبدالرحیم کو تسلی دو۔ اور بڑی خبرداری و ہوشیاری سے لے کر دربار میں حاضر ہو۔ یہ اطمینان کا تعویذ انہیں جالور میں ملا۔ بڑا سہارا ہو گیا۔ ہمت بندھ گئی۔ اور حضور میں پہنچے۔

اس لئے قافلے کے واسطے وہ وقت عجب مایوسی اور حیرانی کا عالم ہوگا۔ جبکہ بابا زنبور سب تباہی زدوں کو لیکر آگرہ میں پہنچے ہونگے۔ عورتوں کو محل میں اتارا ہوگا۔ اس یتیم بچے کو جس کا باپ ایک دن دربار کا مالک تھا۔ بادشاہ کے سامنے لا کر چھوڑ دیا ہوگا۔ اندر شکستہ پا عورتوں کے دل دھکڑ دھکڑ۔ باہر اس کے قدیمی نمک خوار دعائیں کرتے ہونگے۔ کہ الٰہی باپ کی خدمتوں کو پیش نظر لائیو۔ آخری وقت کی باتوں کو دل سے بھلائیو۔ اس معصوم کے اور ہمارے حال پر مہربان رہیں۔ الٰہی سارا دربار دشمنوں ہی سے بھرا ہے۔ اس بن باپ کے بچہ کا کوئی نہیں۔ ہماری زندگی اور آئندہ کی بہبودی کا سہارا کون ہے۔ اگر ہے تو اسی بچہ کی جان ہے۔ تو ہی اسے پروان اور تو ہی اس بیل کو منڈھے چڑھائے گا۔

اکبر کی عبدالرحیم پر شفقت:

چغتائی سلسلہ میں ان چند بادشاہوں کا حال خطا بخشی کے معاملے میں قابل تعریف ہے۔ دشمن بھی سامنے آتا تھا۔ تو آنکھ جھک جاتی تھی۔ بلکہ اس کی جگہ خود شرمندہ ہو جاتے تھے۔ خطا کا ذکر نہ تھا۔ بھلا یہ تو بچہ معصوم تھا وہ بھی بیرم خاں کا بیٹا۔ جس وقت سامنے لائے۔ اکبر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ گود میں اٹھا لیا۔ اس کے نوکروں کیلئے وظیفے اور تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں اور کہا کہ اس کے

Marfat.com

سامنے کوئی خان بابا کا ذکر نہ کیا کرو۔ بچہ ہے دل کڑھے گا۔ بابا زنبور نے روکر کہا کہ حضور یہ بار بار پوچھتے ہیں۔ کہ راتوں کو چونک اٹھتے ہیں کہ کہاں گئے۔ اب تک کیوں نہیں آئے۔ اکبر نے کہا کہ دیا کرو کہ حج کو گئے ہیں۔ خانہ خدا میں پہنچ گئے۔ بچہ ہے۔ باتوں میں بہلالیا کرو۔ دیکھو اسے ہر طرح سے خوش رکھو۔ اسے یہ نہ معلوم ہو کہ خان بابا سر پر نہیں۔ بابا زنبور! یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اسے ہمارے پیش نظر رکھا کرو۔

۹۶۹ھ میں یہ واجب الرحم بچہ دربار اکبری میں پہنچا تھا۔ اس کے باپ کے جانی دشمن اب ارکان دولت تھے۔ وہ یا ان کے خوشامدی ہر وقت حضور میں حاضر رہتے تھے۔ اکثر ایسے تذکرے کرتے تھے۔ جن سے بیرم خاں کی باتیں اکبر کو یاد آجائیں۔ اور اس کی طرف سے کھٹک جائے۔ اکثر ان میں سے کھلم کھلا سمجھاتے تھے۔ لیکن اکبر کی نیک نیتی اور اس لڑکے کا اقبال تھا۔ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ بلکہ غیروں کے دل میں ان باتوں سے رحم پیدا ہوا تھا۔ اکبر اسے مرزا خاں کہا کرتا تھا۔ کہ ابتدائی ذکر میں اسے اہل تاریخ اکثر مرزا خاں ہی لکھتے ہیں۔

ہونہار لڑکا اکبری سایہ:

ہونہار لڑکا اکبری سایہ میں پرورش پانے لگا۔ اور بڑا ہو کر ایسا نکلا۔ کہ مورخ اس کی لیاقت علمی کی گواہی دیتے ہیں۔ بلکہ علمیت سے زیادہ تیزی فکر اور قوت حافظہ کی تعریف لکھتے ہیں۔ علوم وفنون کی کیفیت اور اثنائے تحصیل اور حد تحصیل کی شرح کسی نے نہیں کھولی، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے ابتدائے عمر کو اور امیر زادوں کی طرح کھیل کود میں برباد نہیں کیا۔ کیونکہ جب وہ بڑا ہوا تو علما کا قدر دان تھا۔ اہل تصنیف اور شعرا کو عزیز رکھتا تھا۔ خود بھی شاعر تھا۔ زبان عربی سے واقف تھا۔ اور بے تکلف بولتا تھا۔ زبان ترکی اور فارسی جو اس کے باپ دادا کی میراث تھی اسے جانے نہ دیا۔ حاضر جواب، لطیفہ گو، بذلہ سنج، بلبل ہزار داستان تھا۔ سنسکرت میں بھی اچھی لیاقت حاصل کی تھی۔ فن جنگ میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتا تھا۔

اس کے باپ کے چند وفادار جاں نثار ساتھ تھے۔ جو محبت کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اور اپنی قسمتوں کو اس ہونہار با اقبال کے ہاتھ بیچے بیٹھے تھے۔ اس امید پر کہ اس کے ہاں مینہ برسے گا تو ہمارے گھر میں بھی پرنالے گرینگے۔ حرا سرا میں کچھ شریف زادیاں اور پرستاریں تھیں جو وفاداری کے ساتھ بیکسی اور بے بسی کی چادروں میں لپٹی بیٹھی تھیں۔ حسرت وارمان امید و ناامیدی ان کے خیالوں میں ایک طلسمات بناتی تھی۔ ایک بگاڑتی تھی۔ بادشاہی دربار خدائی عجائب خانہ تھا۔

Marfat.com

امیر اور سردار کہ وہاں سے جواہر کی پتلیاں بن کر نکلتے تھے۔ اس کے رفیق دیکھتے تھے اور رہ جاتے تھے۔ دل میں کہتے تھے کہ ایک دن اس کا باپ جس کو چاہتا تھا۔ اسے جواہرات اور موتیوں میں چھپا دیتا تھا۔ کاش بیٹا ویسے انعاموں میں ہی شامل ہو جائے۔ اس میں سب قدرت ہے۔ وہ چاہے تو پھر وہی تماشا دکھائے۔ دن، رات، صبح، شام، آدھی رات آسمان کی طرف ہاتھ تھے۔ اور خدا کی طرف دھیان تھے۔ دل آمین آمین کہہ رہے تھے۔

مرزا خاں کا حسن:

مرزا خاں نہایت حسین تھا۔ باہر نکلتا تھا۔ تو رستے کے لوگ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ ناواقف خواہ مخواہ پوچھتے تھے۔ کہ یہ کون خانزادہ ہے۔ مصور اس کی تصویریں اتارتے تھے۔ امیر اپنے مکانوں اور دیوانخانوں کو سجاتے تھے۔ بادشاہ بھی اپنے دربار اور مجلس کا سنگار سمجھتے تھے۔ بیرم خاں کے خوان کرم کے سینکڑوں نہ تھے۔ ہزاروں کھانے والے تھے۔ کوئی وفا کا بندہ، کوئی زمانے کا مارا، کوئی عالم، کوئی شاعر، کوئی اہل کمال جو اسے دیکھتا اور نام سنتا۔ آتا اور دعائیں دیتا۔ بیٹھتا اور اس کا مختصر دیوانخانہ متوسط حالت دیکھ کر باپ کے جاہ و جلال اور نیکیاں یاد کرتا اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ ان لوگوں کی ایک ایک بات اس کے اور اس کے رفیقوں کیلئے مرثیوں کا کام کرتی تھی۔ اور خون کو آنسو کر کے بہاتی تھی۔

جب بادشاہ کے ساتھ دہلی، آگرہ، لاہور وغیرہ میں اس کا گزر ہوتا۔ بڑھے بڑھے دستکاروں کے تحفے۔ مصوروں کی تصویریں۔ مالیوں کی ڈالیوں سے اس کے حرم سرا میں دو کیفیتیں پیدا ہوتی تھیں۔ کبھی مایوسی اور تاسف کہ ہائے کیا لیں۔ جبکہ لانے والے کو ان کے لائق نہ دے سکیں۔ کبھی ان کا لانا ایک مبارک شگون کا رنگ دکھاتا تھا۔ خیال آتا تھا کہ اس تحفے کی آب و تاب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارا بھی رنگ پلٹے گا۔ اور دلوں کی افسردگی پر شادابی شبنم چھڑکے گی۔

مرزا خاں کی شادی:

اکبر خوب جانتا تھا کہ ماہم والے امرا اور دربار کے کون کون سے سردار ہیں۔ جو اس سے اور اس کے باپ سے ذاتی عناد رکھتے ہیں۔ اس واسطے ماہ بانو بیگم خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی بہن سے مرزا خاں کی شادی کر دی۔ تاکہ اس کی حمایت کے لئے بھی دربار میں تاثیر پھیلے۔

ایک مبارک شگون:

۹۷۳ھ میں اس کے میدان خوش نصیبی میں ایک مبارک شگون کا جلوہ نظر آیا۔ اکبر خان زماں

Marfat.com

کی مہم پر تھا۔اس نے عفو تقصیر کے لئے التجا کی۔اور پنجاب سے خبر پہنچی تھی۔کہ محمد حکیم مرزا کابل سے فوج لے کر آیا ہے۔لاہور تک پہنچ گیا ہے۔اکبر نے خان زمان کی خطا معاف کر کے ملک اس کا برقرار رکھا اور آپ پنجاب کے بندوبست کے لئے چلا۔مرزا خاں کو خلعت و منصب عطا کر کے منعم خاں خطاب دیا (حالانکہ منعم خان زندہ موجود) اور چند امرا صاحب تدبیر کے ساتھ آگرہ کو رخصت کیا کہ دار السلطنت کے انتظام اور حفاظت میں سرگرم رہیں۔

آزاد۔اس میں دو پہلو تھے۔اول یہ کہ سننے والے صورت نہیں دیکھتے۔جو کہیں کہ بڈھا منعم خاں نو برس کا کیونکر ہو گیا۔کہ کہن سال کاردار گھر پر موجود ہے۔خان خاناں کا لفظ بھی خوب ہے۔باپ اور بیٹے میں کچھ دور کا فرق نہیں۔مصالح سلطنت کے لفظوں کو دیکھو۔یہی پیچ ہیں۔جنھیں آج کل کے لوگ ملکی پولسی کہتے ہیں۔اگر نیکی کی غرض اور نیک نیتی کی بنیاد پر ہو۔تو مصلحت ملک اور دروغ مصلحت آمیز ہے۔ہاں خود غرضی اور آزار خلائق نظر ہو۔تو دغا اور فریب ہے۔

اس کے ستارہ طلوع یا جوہر مردانگی کی چمک تیرھویں صدی میں ہر خاص و عام کو نظر آئی جبکہ ۹۸۰ھ میں خان اعظم مرزا عزیز کوکہ احمد آباد گجرات میں محصور ہوا۔اور اکبر دو مہینے کی منزلیں سات دن میں طے کر کے گجرات پر جا کھڑا ہوا۔بڑے بڑے کہنہ عمل سردار رہ گئے۔۱۳برس کے لڑکے کی کیا بساط ہوئی تھی۔وہ قدم بقدم بادشاہ کے ہمرکاب تھا۔اس کے دل کا جوش اور بہادری کی امنگ دیکھ کر اکبر نے اسے قل (قلب لشکر) میں قائم کیا جو عمدہ سپہ سالاروں کی جگہ ہے۔

بادشاہ کی منظورِ نظری:

اب وہ اس قابل ہوا۔کہ ہر وقت دربار میں رہنے لگا اور کاروبار حضور کا سرانجام کرنے لگا۔اکثر کاموں کیلئے بادشاہ کی زبان پر اسی کا نام آنے لگا۔اور اسی کی جیب بھی ہاتھ ڈالنے کے قابل رہنے لگی۔آزاد۔نوجوانو ناتجربہ کار و سنتے ہو۔یہی موقع اس کے لئے نازک وقت تھا۔یاد رہے امیر زادے شریف زادے جو بدراہ ہوتے ہیں۔ان کی خرابی کا پہلا مقام یہی ہے۔ہاں اس کی خوش اقبالی کہو یا باپ کی نیک نیتی کہ یہی موقع اس کے لئے آغاز ترقی کا نقطہ ہوا۔میں نے بزرگوں سے سنا۔اور خود دیکھا کہ باپ کا کیا بیٹے کے آگے آتا ہے۔اور اس کی نیت کا پھل اسے ضرور ملتا ہے۔

چنانچہ جو روپیہ مرزا خاں کے پاس آتا تھا۔یہ اس سے دستر خوان کو وسعت دیتا تھا۔اپنی شان سواری اور رونق درباری کو بڑھاتا تھا۔اہل علم و اہل کمال آتے تھے۔بیرم خانی انعام تو نہ دے سکتا تھا۔لیکن

Marfat.com

جو دیتا تھا۔ اس خوبصورتی سے دیتا تھا۔ کہ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کا دیا دلوں پر بڑی بڑی بخششوں کا اثر پیدا کرتا تھا۔ اس بیان میں اس کے نمک خواروں اور وفاداروں کی تعریف کو نہ بھولنا چاہئے۔ کہ اس کے سلیقہ اور لیاقت کے امتحان کا وقت یہ تھا۔ جس کے وہ برسوں کے منتظر تھے۔ بیشک وہ امتحان میں پورے اترے۔ انہیں کی دانش و دانائی تھی۔ کہ ہر کام میں تھوڑی سی چیز میں بڑا پھیلاؤ دکھاتے تھے۔ روپیہ خرچتے تھے۔ اور اشرفیوں کے رنگ نظر آتے تھے۔ اور یہی باتیں اس زمانہ میں امرا کے واسطے دربار میں ترقی مناصب کے لئے سفارش کیا کرتی تھیں۔ ایشیائی حکومتوں کا قدیمی آئین تھا۔ کہ جس شخص کا سامان امیرانہ اور دسترخوان وسیع دیکھتے تھے۔ اسی کو زیادہ تر جلد ترقی دیتے تھے۔

احمد آباد کی حکومت ملنا:

۹۸۳ھ میں اکبر نے احمد آباد کی حکومت مرزا کوکہ کو دینی چاہی۔ وہ ضدی امیرزادہ اڑ گیا۔ اور بگڑ بیٹھا۔ کہ مجھے ہرگز منظور نہیں۔ مقام مذکور سرحد کا موقع تھا۔ اور ہمیشہ بغاوتوں اور فسادوں کی گھڑ دوڑ سے پامال رہتا تھا۔ اکبر نے خدمت مذکور اس نوجوان کو عنایت کی۔ اور اس نے کمال شکریہ کے ساتھ قبول کی۔ اس وقت اس کی عمر انیس بیس برس کی ہوگی۔ بادشاہ نے حسب تفصیل ذیل چار امیر تجربہ کار کہ دولت اکبری کے نمک پروردہ قدیم تھے۔ اس کے ساتھ کئے اور سمجھا دیا کہ عنفوان شباب ہے اور اول خدمت ہے۔ جو کام کرنا وزیر خاں کی صلاح سے کرنا۔ یہ اس خاندان کے بندہ ہائے قدیمی سے ہے۔ میر علاالدولہ قزوینی کو آمینی۔ پیاکداس کو کہ حساب دانی میں فرد تھا۔ دیوانی، سید مظفر بارہا کو بخشی گری فوج پر معزز کیا۔

۹۸۶ھ میں شہباز خاں کہ ملمیر علاقہ رانا پر فوج لے کر چڑھا۔ مرزا خان بموجب اسکی درخواست کے مدد کو پہنچے۔ چنانچہ قلعہ مذکور اور قلعہ کوکندہ اور اودے پور افواج شاہی کے قبضہ میں آئے۔ رانا ایسا پہاڑوں میں بھاگ گیا کہ شہباز خاں باز کی طرح اڑا۔ دو اسپہ سواروں کیلئے جریدہ اس کے پیچھے پیچھے پھیرا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ البتہ دو دو اسپہ سالار اس کا حاضر دربار ہو کر گرفتار ہوا اور خطا معاف ہوئی۔

خان خاناں کبھی اپنے علاقہ میں کبھی دربار میں کبھی متفرق خدمتیں بجالاتا تھا۔ اور جوہر قابلیت دکھاتا تھا۔ ۹۸۸ھ میں اس کی سیر چشمی اور خدا ترسی اور اعتبار اور علو حوصلہ پر نظر کر کے عرض بیگی کی خدمت سپرد کی۔ کہ حاجت مندوں کی عرض معروض حضور میں اور حضور کے احکام انہیں پہنچائے۔

Marfat.com

اجمیر میں فساد:

اسی سنہ میں صوبہ اجمیر کے علاقے میں فساد ہوا۔ رستم خاں صوبہ دار اجمیر مارا گیا۔ اس میں راجگان کچھواہہ کی سرشوری بھی شامل تھی کہ راجہ مان سنگھ کے بھائی بند تھے۔ اکبر کو ہر پہلو کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ رنتھنبور خان خاناں کی جاگیر میں دے کر حکم دیا کہ فتنہ کو فرو کرے۔ اور مفسدوں کو فساد کی سزا دے۔

شہزادہ سلیم کا اتالیق:

۹۹۰ھ میں جبکہ شاہزادہ سلیم (یعنی جہانگیر) کی عمر بارہ تیرہ برس کی ہوگی اور خان خاناں ۲۸ برس کا ہوگا۔ اسے شہزادہ کا اتالیق مقرر کیا۔

آزاد۔ اکبر ریاستوں میں سنتا ہوں کہ راجہ خورد سال ہے۔ فلاں شخص کو سرکار نے ٹیوٹر (اتالیق) مقرر کر کے بھیجا ہے۔ اس مقام پر ضرور چند منٹ ٹھہرنا چاہئے۔ اور اس زمانہ کے اتالیق اور آج کے ٹیوٹر صاحب کو مقابلہ کر کے دیکھ لینا چاہئے کہ عہد سلف کے سلاطین اتالیق میں کیا کیا صفتیں دیکھ لیتے تھے۔ سرکار جو باتیں آج دیکھتی ہے۔ وہ تو سب ہی دیکھ رہے ہیں۔ وہ لوگ اول یہ دیکھتے تھے کہ اتالیق خود رئیس ہو اور خاندان شرافت و ریاست سے ہو۔ رئیس کا لفظ ہی آج تک سب کی زبان پر ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں اس عہد میں تفصیل اسکی بہت شرح طلب ہے۔ ہمارے شاہان وقت تو اس سے اتنا ہی مطلب رکھتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے مہم جبش یا کابل پر جا کر کبھی کسی سڑک یا عمارت کا ٹھیکہ لیکر کبھی نہر کی نوکری کر کے بہت سارو پیہ کما لیا ہو وہ اپنے گھر بیٹھا ہے بگی پر چڑھ کر ہوا کھاتا ہے۔ جب شاہزادہ عالم ولایت سے آتے ہیں۔ یا کوئی لاٹ صاحب جاتے ہیں۔ یا صاحب کمشنر ایک گنج بناتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ چندہ دیتا ہے۔ یہ سرکار میں رئیس ہے۔ اور اسے دربار میں کرسی ملنے کا بھی حکم ہے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایک موری ایسی نکالی۔ کہ جس میں تمام شہر کی کثافت نکل جائے۔ اس نے اس میں پہلے سے بھی زیادہ چندہ دیا۔ بس یہ بڑا صاحب ہمت رئیس ہے۔ اسے خان بہادر یا رائے بہادر کا خطاب بھی ملنا چاہئے۔ اور میونسپل ممبر بھی ہو۔ اور آنریری مجسٹریٹ بھی۔ اگر کوئی تحصیلدار یا سرشتہ دار جاتا ہے کہ خداوند اس میں اہل خاندان اور اہل ریاست کی دل شکنی ہوگی۔ صاحب کہتے ہیں۔ دل یہ ہمت والا لوگ ہے۔ یہ رئیس ہے۔ اگر وہ رئیس ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمت دکھائیں۔ ہم اسے ستارہ ہند بنائیں گے۔ تب وہ دیکھیں گے۔ نئے رئیس کا یہ عالم ہے۔ کہ جب گھر سے نکلتے ہیں تو چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہ ہمیں کون کون سلام کرتا ہے۔

Marfat.com

اور سب کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً جن لوگوں کو خاندانی سمجھتے ہیں۔ انہیں زیادہ تر دباتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہماری ریاست جبھی ثابت ہو گی۔ جب یہ جھک کر سلام کرینگے۔ اب مجسٹریٹی شہر کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے۔ سب کو جھکنا واجب پڑا۔ نہ جھکیں تو رہیں کہاں۔ مگر ان کی شیخیوں اور نمودوں اور بار بار کے دباؤ دکھانے سے فقط خاندانی ہی تنگ نہیں بلکہ اہل محلہ تنگ ہیں۔ جنہوں نے اصل خاندانیوں کے بزرگوں کو دیکھا ہے۔ وہ انہیں یاد کر کے روتے ہیں۔ اور جو بھول گئے تھے۔ ان کے دلوں میں محبت کے مٹے ہوئے حرف روشن ہو جاتے ہیں۔ اہل نظر نے ایسے رئیسوں کا انگریزی رئیس اور انگریزی اشراف نام رکھا ہوا ہے۔

آج کل رئیس کا لفظ کبھی کبھی اپنے جلسوں میں بھی ہمارے کانوں تک پہنچتا ہے۔ یہ کیفیت بھی سننے کے قابل ہے۔ مثلاً دو بزرگ سفید پوش ایک جلسہ میں آئے۔ ایک میر صاحب۔ ایک مرزا صاحب آئے تشریف رکھئے۔ میر صاحب اہل جلسہ سے کہتے ہیں۔ جناب آپ نے ہمارے مرزا صاحب سے ملاقات کی؟ حضرت مجھے تعارف نہیں۔ جناب آپ دہلی کے رئیس ہیں۔ مرزا صاحب ایک طرف دیکھ کر کہتے ہیں۔ قبلہ ہمارے میر صاحب سے آپ کی ملاقات اب تک نہیں ہوئی؟ جناب بندہ تو محروم ہے۔ آپ لکھنو کے رئیس ہیں۔ اب لکھنو میں جا کر پوچھئے۔ میر صاحب کہاں رہتے ہیں۔ کچھ ہوں تو پتہ لگے۔ ماں ٹینی باپ کلنگ بچہ دیکھو رنگ برنگ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ مرزا صاحب کو دہلی میں ڈھونڈئے تو باپ دہنیا۔ ماں پدینا۔ بیٹا مرزا انیٹا۔ نئی روشنی اصلیت کا اندھیر جو چاہے بن جائے۔

اب وہ بھی سن لو کہ بزرگان سلف رئیس کسے کہتے ہیں۔ اور شاہان سلف رئیسوں پر کیوں جان دیتے تھے۔ (۱) میرے دوستو تمہارے بزرگ رئیس اسے کہتے تھے۔ کہ شریف نجیب الطرفین ہو۔ یہ داغ دامن پر نہ ہو۔ کہ ماں لونڈی تھی یا دادا نے ڈومنی گھر میں ڈالی تھی۔ یاد رکھنا ہزار دولت مند صاحب دستگاہ ہو۔ دوغلے آدمی کا وقار لوگوں کی نظروں میں نہیں ہوتا۔ ذرا سی بات دیکھتے ہیں۔ صاف کہہ بیٹھے ہیں۔ میاں کیا ہے۔ آخر ڈومنی بچہ ہی ہے نہ۔ ایک کہتا ہے۔ میاں نواب زادہ ہے تو کیا ہے۔ لونڈی کی بھی تو رگ ہے۔ اثر آوے ہی آوے۔

پرستارزادہ نیاید بکار　　اگرچہ بود زادہ شہریار

(۲) رئیس کے لئے یہ بھی واجب تھا کہ وہ بھی اور اس کے بزرگ بھی صاحب دولت ہوں۔ ان کا ہاتھ سخاوت کا پیمانہ ہو۔ اور لوگوں کا ہاتھ ان کے دست فیض کے نیچے رہا ہو۔ اگر غریب کا بیٹا تھا۔ اب صاحب دولت ہو گیا۔ تو اسے کوئی خاطر میں نہ لائیگا۔ وہ کسی موقع پر شادی و مہمانی میں

Marfat.com

کھلانے کھانے میں لینے دینے میں بلکہ ایک مکان کے بنانے میں اگر مصلحتاً بھی کفایت شعاری کریگا۔ تو کہنے والے ضرور کہہ دینگے۔ صاحب یہ کیا جانے کبھی باپ دادا نے کیا ہوتا تو جانتا۔ کبھی کچھ دیکھا ہوتا تو جانتا۔

ہر کہنہ گدائے کہ تونگر باشد   صد سال از و بوئے گدائی نہ رود

(۳) اس کے لئے یہ بھی واجب تھا۔ کہ آپ سخی ہو۔ کھانے کھلانے والا ہو۔ فیض رساں اور لوگوں سے نیکی کرنے والا ہو۔ اگر بخیل ہے۔ اور باوجود اختیار کے لوگوں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچتا تو اسے بھی کوئی خاطر میں نہ لائیگا۔ صاف کہہ دینگے ع

بے فیض اگر حاتم ثانی ہے تو کیا ہے

دولت ہے تو اپنے گھر میں لئے بیٹھا رہے ہمیں کیا۔

سیراب نہ ہوں جس سے کوئی تشنہ مقصود   اے ذوق جو وہ آب بقا بھی ہے تو کیا ہے

(۴) اس کے لئے یہ بھی واجب تھا۔ کہ نیک اطوار خوش اعمال ہو۔ بدچلن آدمی ہزار دولت والا ہو۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہی ہوتا ہے۔ اس کی دولت آنکھوں میں نہیں جچتی۔ اس پر بھروسا نہیں کرتے۔

اچھا ان باتوں سے غرض کیا تھی۔ کہ شاہان سلف اور اہل شرف ان اوصاف کو ڈھونڈتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جو شخص ان اوصاف کے ساتھ امیر ہوگا۔ اور اس کے باپ دادا بھی امیر ہونگے۔ اس کے کلام اور اس کے کام کو تمام لوگوں کی نگاہوں اور دلوں میں بھی وقعت اور وقار ہوگا۔ سب اس کا لحاظ کرینگے۔ اور اس کے کہنے سے عدول کرنے کو ان کے دل گوارا نہ کرینگے۔ ایسے ایک شخص کو اپنا کر لینا گویا ایک انبوہ کثیر پر قبضہ کر لینا ہے۔ وہ جہاں جا کھڑا ہوگا۔ جماعت کثیر آ کھڑی ہوگی۔ وقت پر جو کام سلطنت کے اس سے نکلیں گے۔ کمینے دولت مند سے نہ نکلیں گے۔ کمینے کا ساتھ کون دیتا ہے۔ اور جب یہ بات نہیں۔ تو بادشاہ اسے لے کر کیا کرے۔

(۵) اس کے لئے یہ بھی واجب تھا کہ فضیلت علمی کے لحاظ سے عالم فاضل نہ ہو مگر ملک کی زبانہائے علمی سے واقف ہو۔ اگر ایشیائی ملکوں میں ہے۔ تو زبان عربی و فارسی کی معمولی کتابیں پڑھا ہو۔ علوم و فنون مشہورہ کی ہر ایک شاخ سے باخبر ہو۔ خود کمالات کا شائق ہو۔ اور ان کے ذکر و اذکار سے لطف اٹھاتا ہو۔ کیونکہ بے علم اور بے لطف آدمی جس کا دل و دماغ اس نور سے روشن نہ ہوگا۔ وہ شاگرد کے دماغ کو کیا روشن کریگا۔ جس کو ملک کا بادشاہ ہونا ہے۔ اور کشور اور اہل کشور کے دماغوں کو اس سے روشن کرنا ہے۔ اگر اتالیق کا دل علوم کے تذکروں سے لطف اٹھاتا ہوگا۔ اور علم کی بات سن کر

Marfat.com

دل چٹخارا بھرتا ہوگا۔ تو شاگرد کے دل میں بھی اس کی تاثیر دوڑا سکے گا۔ اور ہمیشہ اس کے دلچسپ چرچے رکھے گا۔ خود مزا نہ ہوگا تو روکھی سوکھی خالی عبارتوں کی بک بک سے شاگرد کے دل کو کیا مائل کر لے گا اور وہ مائل ہی کب ہوگا۔ علمی مطالب اس کے سامنے ایسے ڈھب سے پیش کرے۔ کہ جس طرح مزے کی چیز کھا کر یا خوشبو سونگھ کر یا خوش رنگ پھول دیکھ کر مزا آتا ہے۔ اسی طرح علمی مسائل سنکر مزا آئے۔ اور تم خوب سمجھ لو۔ جب تک علم کا مزا نہیں۔ تب تک کچھ آنا ممکن ہی نہیں جسے یہ نہیں اسے علم کی قدر کیا ہوگی۔ اور اہل علم کی قدر کیا ہوگی۔ اور وہ اپنے ملک میں علم و کمال کب پھیلا سکے گا۔ اہل کمال اس کے دربار میں کیا جمع ہوسکیں گے۔ اور یہ نہیں تو سلطنت نہیں۔

اس زمانہ میں مذہبی اور علمی زبان عربی تھی۔ نیم علمی زبان یعنی درباری۔ دفتری اور مراسلات کی زبان فارسی تھی۔ ترکی کی بڑی عزت تھی۔ اور نہایت کارآمد تھی۔ جیسے آج انگریزی۔ کیونکہ بادشاہ وقت کی زبان تھی۔ تمام امرا...... جو ماوراء النہری تھے۔ ان کی بھی اور اہل فوج کی ترکی زبان تھی ایرانی بھی ترکی بولتے تھے۔ اور سمجھتے تو سب تھے۔ اکبر خود بہت خوب ترکی بولتا تھا۔ خان خاناں اگرچہ یہاں پیدا ہوا اور یہیں پلا تھا۔ مگر ترکمان کی ہڈی تھا اور باپ کے نمک حلال وفاداروں کی گودوں میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے ترکی خوب بولتا تھا۔

یہ بھی سن لو کہ تمہارے بزرگ انسان کو کسی زبان کا زبان دان اسی وقت سمجھتے تھے۔ کہ جب وہ اہل زبان کے ساتھ تحریر تقریر رہنے سہنے بیٹھنے اٹھنے میں فقط کارروائی نہ کر سکے۔ بلکہ اس فصاحت اور مہارت کے ساتھ گزران کرے۔ جس طرح خود صاحب زبان بولتے ہیں۔ یہ نہیں کہ نواب بہادر عربی جانتے ہیں۔ مزاجکم طیب؟ الحمد للہ. کیف حالکم؟ وانت طیب؟۔ چند لٹے سید ھے یاد کر لئے آئیں بائیں شائیں بتایا۔ اور زباں داں ہو گئے۔ صاحب آپ کے زبانیں جانتے ہیں۔ دل ۳۵۔ بات کرو تو ایک فقرہ صحیح نہیں بول سکتے لکھواؤ تو ایک سطر ٹھیک نہیں لکھ سکتے۔ ایک صاحب نے ملتان کی زبان میں گفتگو کی کتاب بنائی۔ دو ہزار روپیہ انعام پائے۔ خود گفتگو سنو تو دم بخود۔ ایک صاحب نے بلوچی زبان کی ایک کتاب بنائی۔ بات کرو تو دیدم و لے نہ گویم۔ اس زمانے کے لوگ اسے زباں دانی نہ سمجھتے تھے۔

میرے دوست اتالیق کی علمیت کے ساتھ اتنا اور یاد رکھو۔ کہ وہ فقط پڑھا ہی نہ ہو۔ پڑھا بھی ہو۔ اور گنا بھی ہو۔ تم جانتے ہو! پڑھنا کیا ہے؟ اور گنا کیا ہے؟ پڑھنا تو یہی ہے۔ کتابوں کی پٹھوں میں جو کاغذ سفید ہیں اور ان پر کچھ سیاہ لکھا وہ پڑھ لیا۔ گنا میں تمہیں کیا بتاؤں؟ وہ تو ایک ایسی شے ہے۔ کہ اس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ ع

Marfat.com

ملا شدن چہ آسانی آدم شدن چہ مشکل

اچھا۔ میں گنے لوگوں کے کچھ پتے دیتا ہوں۔ انہیں سمجھ لو۔ گنے کو تم آپ پہچان لو گے۔ دیکھ لو اب گنے لوگ بھی ہیں۔ جنہیں تم دیکھتے ہو۔ کہ کتابیں ورق کے ورق پڑھے جاتے ہیں۔ ایک بچارے کو چھینک آئی۔ کہہ دیا کافر، کھانا کھا کر ڈکار لی کہہ دیا کافر۔ لا حول و لاقوۃ۔ ایمان کیا ہوا کچا سوت ہوا۔ کہ ٹھیس لگی ٹوٹ گیا۔ ایسا نالیق ہو۔ تو ایک ہفتہ میں سارا ملک صاف ہے۔ استاد رہے شاگرد رہے۔ باقی اللہ اللہ۔

امرائے سلف علوم کے ذیل میں:

شاہان گزشتہ اور امرائے سلف علوم کے ذیل میں علم اخلاق، تاریخ دانی، ہیئت، نجوم، رمل، شاعری، انشا پردازی، خوشنویسی، مصوری وغیرہ وغیرہ فنون کے اجزا کامل سمجھ کر بڑی کوشش سے حاصل کرتے تھے۔ اور جو لوگ ان باتوں میں کمال رکھتے تھے۔ ان کی عزت وتوقیر کرتے تھے۔ خود بھی ان باتوں میں کمال یا اچھی مداخلت پیدا کرتے تھے۔ تاکہ بھلے برے کو پرکھ سکیں۔ شہسواری، تیر اندازی، نیزہ بازی، شمشیر زنی وغیرہ وغیرہ فنون سپاہ گری میں اعلیٰ درجہ کی مشق پیدا کرتے تھے۔ صید افگنی کو ذریعہ مشق رکھا تھا۔ مگر یہ ہنر اکبری کے وقت تک کارآمد رہے۔ کیونکہ وہی تھا۔ جو یلغار کر کے فوج لیجاتا تھا۔ اور دفعتاً دشمن کی چھاتی پر جا کھڑا ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں خود کھڑے ہو کر فوج کو لڑاتا تھا۔ اور آپ تلوار پکڑ کر حملہ کرتا تھا۔ گھوڑا دریا میں ڈالتا تھا اور اتر جاتا تھا۔ پھر کوئی بادشاہ اس طرح نہیں لڑا۔ آرام طلب ہو گئے۔ خوشامدی کہتے ہیں۔ حضور آپ کا اقبال مارے گا۔ حضور بیٹھے خوش ہو رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ شکار اور فنون مذکورہ جب تک اس غرض سے ہیں۔ تب تک ہنر یا کمال جو کہو درست ہے نہ ہو تو وہی عالمگیر کا قول۔ شکار کار بیکارانست۔

علم مجلس کہ جزئیات مذکورہ کی معلومات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس کا جزو اعظم فصاحت کلام اور حسن تدبیر ہے۔ اور وہ ایک خداداد امر ہے جسے خدا دے۔ ایک عالم فاضل آدمی ایک مطلب کو بیان کرتا ہے۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہا۔ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی کسی دربار یا جلسہ میں اس طرح بات کہتا ہے۔ کہ بے علم نوکروں تک کے کان بھی ادھر ہی لگ جاتے ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ وقت اور موقع کلام کو پہچانے۔ آنکھوں کے رستہ دل میں اتر جائے۔ ہر ایک کی طبیعت کا انداز پائے۔ اس کے بموجب اپنے مطالب کو لباس تقریر پہنائے۔ اور رنگ بیان چڑھائے غلام ہوں ان صاحب کمال سحر بیانوں کا کہ ایک بھرے جلسہ میں تقریر کر رہے ہیں۔ مختلف

Marfat.com

الرائے مختلف خیال مختلف مذہب کے لوگ بیٹھے ہیں۔ مگر ان کی تقدیر کا ایک نقطہ بھی کسی دل پر ناگوار ہو کر نہیں کھٹکتا۔ ایک خونچے والے کا لڑکا یا ایک جلاہے کا بیٹا مسجد میں رہ کر عالم فاضل ہو گیا یا کالج میں پڑھ کر بی اے، ایم اے ہو گیا تو ہوا کرے۔ مقاصد مذکورہ بالا اور علم مجلس اور آداب محفل کی اس غریب کو کیا خبر۔ وہ آپ ہی نہیں جانتا۔ شاگرد کو کیا سکھاوے۔ درباروں سرکاروں کی ڈیوڑھیوں تک اس کے باپ دادا کو جانا نصیب نہیں ہوا۔ وہ بچارا وہاں کی باتیں کیا جانے۔ اور کہیں لکھا دیکھ کر یا سن سنا کر معلوم بھی کر لیا۔ تو کیا ہوتا ہے۔ یہ کہاں اور وہ لوگ کہاں۔ جو اسی دریا کی مچھلی تھے۔ بزرگوں کے ساتھ تیر کر بڑے ہوئے تھے۔ ان کا دل کھلا ہوا تھا۔ ان کو وقت پر قواعد و آداب کے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے موقع پر خود بخود اعضا میں وہی حرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ اب بھی نئے روشن ضمیر تو تعلیم یافتہ کہیں جا پہنچتے ہیں تو سلام کرنا بھی نہیں آتا۔ میرے دوستو! ان کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ چلتے ہیں۔ قدم ٹھکانے نہیں پڑتا اور نظر باز بھی وہیں کنارے کھڑے ہیں۔ بات بات کو پرکھ رہے ہیں کہ یہاں چوکا، وہاں بھولا، یہ ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا۔ پھر صاف کہہ دیتے ہیں۔ کہ مولوی صاحب خواہ بابو صاحب ٹکسال باہر ہیں۔ خیر اب نہ وہ دربار نہ وہ سرکار۔ جہاں ٹوٹا پھوٹا کارخانہ ہے۔ اس کا رنگ بدلتا جاتا ہے۔ خوب ہوا خدا نے سب کا پردہ رکھ لیا۔

ہونہار نوجوان:

دیکھنے کے قابل یہ امر ہے۔ کہ ہونہار نوجوان نے اپنے علوم و فنون، اوصاف کمالات، آداب واخلاق، عادات و اطوار، متانت و سخاوت سے ایسے ہی عمدہ نقش بادشاہ کے دل پر بٹھائے ہونگے کہ بڑے بڑے کہن سال کارگزار امیر موجود تھے۔ ان کے ہوتے ولی عہد کی اتالیقی کیلئے اس پر صاد کیا۔ غرض جب منصب جلیل اسے عطا ہوا۔ تو اس نے بہ ادائے شکرانہ جشن شاہانہ کا سامان کیا۔ اور رونق افروزی کیلئے بادشاہ کی خدمت میں التجا کی۔ بادشاہ تشریف لے گئے۔ مینہ کو برسنا۔ دریا کو بہاؤ اور بیرم خاں کے بیٹے کو دریا دلی کون سکھائے۔ قلعہ سے لے کر اپنے گھر تک سونے چاندی کے پھول لٹائے۔ گھر قریب رہا۔ تو موتی برسائے۔ پانداز میں مخمل و زربفت بچھائے۔ گھر میں سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ بنایا۔ اس پر بادشاہ کو بٹھا کر نذر دی۔ وہاں سے اٹھا کر دوسری بارگاہ میں لے گیا۔ چبوترہ لٹوا دیا۔ جواہر اور موتی نثار کئے۔ امرا نے لوٹے۔ پیشکش میں جواہرات ملبوسات اسلحہ کو کہ خزائن سلطانی میں رکھنے کے قابل تھے۔ عمدہ ہاتھی اصیل گھوڑے کہ بادشاہی کارخانوں کی زینت تھے۔ پیشکش گزرانے۔ اور امرائے دربار کو بھی حسب مراتب عجائب غرائب تحفوں سے خوش کیا۔ اور خوش ہوا۔ مگر

Marfat.com

اصل خوشی کی کیفیت ان بڈھے رفیقوں سے پوچھنی چاہیئے۔ جو آج کی امید پر زندگی کا دامن پکڑے چلے آتے تھے۔ تلخ چائے کی پیالیاں اور پھیکے شربت پیتے تھے۔ اور دعائیں کر کے جیتے تھے۔ لیکن ان کہن سال بڑھیوں کی خوشی کسی عبارت میں ادا نہیں ہوسکتی۔ جنہیں نہ دن کو آرام تھا۔ نہ رات کو نیند تھی۔ جب گھر میں اکبری دربار لگا ہوگا۔ تو ان کا کیا حال ہوگا۔ شکر کے سجدے میں پڑی ہونگی۔ اور خوشی کے آنسو جاری ہو نگے۔ اور حق پوچھو۔ تو اس سے زیادہ خوشی کی جگہ کیا ہوگی۔ سوکھی نہر میں پانی آیا۔ برباد چمن آباد ہوا۔ ویران کھیت ہرا ہوا۔ جس گھر میں دھندلے چراغ جلتے تھے۔ سورج نکل آیا۔

مرزا خاں کی جوہر لیاقت کا چشمہ جو مدت سے بند پڑا تھا۔ ۹۹۱ھ میں فوارہ ہوکر اچھلا۔ صورت حال یہ ہوئی۔ کہ اکبر کا جی یہ چاہتا تھا۔ کہ قلمرو ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک میرا سکہ چلے۔ فتح گجرات کے بعد اعتماد خاں ایک پرانا سردار سلطان محمود گجراتی کا نمک خوار اس سے الگ ہو کر اکبری امرا میں داخل ہوگیا تھا۔ وہ ہمیشہ بادشاہ کے خیالات کو ادھر متوجہ کرتا تھا۔ ان دنوں میں موقع دیکھ کر بعض امرا کو اپنے ساتھ ہمداستان کیا۔ اور بہت سی صورتیں بیان کیں جس میں ملک مذکور کی آمدنی بڑھے۔ اخراجات میں کفایت ہو۔ اور سرحد آگے کو سرکے۔ ۹۹۱ھ میں اس نے موقع دیکھ کر پھر عرض معروض کی۔ اور بعض امرا کو اپنے ساتھ ہمداستان کیا۔ اکبر نے اسے ملک مذکور کا واقف حال دیکھ کر مناسب سمجھا۔ کہ شہاب الدین احمد خاں کو گجرات سے بلالے۔ اور اسے صوبہ کر کے بھیجے۔

گجرات پر اکبر کی یلغار:

وہاں کی حقیقت سنو۔ کہ معاملہ پیچ در پیچ ہورہا تھا۔ یاد کرو گجرات پر اکبر کی یلغار ابراہیم حسین مرزا وغیرہ تیموری شاہزادوں کی جڑ اکھیڑ چکی تھی۔ مگر گلے سڑے رگ و ریشے زمین میں باقی تھے۔ بہت سے بلخی بدخشی ہزاروں ماوراء النہری ترک ان کے نام لیوا جیتے تھے۔ جب اکبری انتظامیوں کا استقلال دیکھا تو تلواریں جنگلوں میں چھپا کر بیٹھ گئے۔ جو سردار ادھر سے جاتا۔ ہیر پھیر دیکر اس کے وابستوں کے ساتھ نوکری کر لیتے تھے۔ مگر فکر کے چوہے دوڑاتے تھے۔ اور دل میں دعائیں مانگتے تھے۔ ع

حدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

شہاب الدین احمد خاں جب پہنچا تھا۔ تو اسے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ مفسد حاکم سابق (وزیر خاں) کے انتظام کو بھی بگاڑنا چاہتے تھے۔ اور ابھی اسی تاک میں ہیں۔ یہ سردار پرانا سپاہی تھا۔

Marfat.com

سرگروہوں کو دریافت کیا۔ اور فوج، تھانے، تحصیل میں بھر ہر ایک کو کام میں لگا دیا۔ غرض اس حکمت عملی سے ان کے جتھے اور زور کو توڑ لیا تھا۔ جب بادشاہ کو خبر پہنچی ۔ تو حکم بھیجا۔ کہ ان لوگوں کو ہرگز جمنے نہ دو۔ اور اپنے معتمد اور وفادار آدمیوں سے کام لو۔

بڈھے سردار نے اس انتظام کا موقع نہ پایا۔ وقت ٹالتا رہا۔ بلکہ ان کے منصب اور علاقے بڑھا کر دلاسے سے کام لیتا رہا۔ اعتماد خاں پہنچا تو اکبری ارادوں اور نئے انتظاموں کے سر ان کے کان میں پہنچ لئے تھے۔ فتنہ گروں نے ارادہ کیا کہ شہاب الدین احمد خاں کا کام تمام کیجئے۔ اعتماد خاں تازہ وارد ہوگا۔ مظفر گجراتی سلطان محمود کا بیٹا جو گمنامی کے ویرانوں میں بیٹھا ہے۔ اسے بادشاہ بنائیں گے۔

انہیں میں سے ایک مفسد نے آکر ادھر بھی خبر دی۔ شہاب کا رنگ اڑ گیا۔ مگر حکم بادشاہی سے وہ بھی دل شکستہ ہو رہا تھا۔ اس لئے نہ تحقیقات کی نہ بندوبست کیا۔ ان لوگوں کو کہلا بھیجا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ ان کی عین مراد تھی جھٹ نکلے۔ اور اپنے پرانے پرگنوں میں پہنچ کر اور مفسدوں کو جمع کرنے لگے۔ ساتھ ہی مظفر کو چٹھیاں دوڑائیں۔ بعض مفسد شہاب میں پانی کی طرح مل گئے اور بڈھے سے قسمیں لیں۔ کہ دربار کو جائے تو ہمیں ساتھ لیتا جائے۔ اندر اندر اوروں کو بہکاتے تھے اور رقیبوں کو یہاں کی خبریں پہنچاتے تھے۔ سرگروہ ان کا میر عابد تھا۔

فلک کا قاعدہ:

فلک کا قاعدہ ہے۔ کہ زمانہ میں جن لوگوں کو بڑھاتا ہے۔ اور جن باتوں کو ان کے بڑھنے کا سامان کرتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایسا موقع لاتا ہے کہ انہیں گھٹاتا ہے۔ اور جن باتوں کو اس وقت بڑھانے کی سیڑھی بنایا تھا۔ انہی باتوں کو نمونہ بے دانشی کر کے گھٹاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو اس وقت وہ پامال کر کے چڑھے بڑھے تھے۔ انہی کو یا ان کے بچوں کو ان سے آگے بڑھاتا ہے۔ تمہیں یاد ہے۔ وہ وقت کہ بیرم خاں جیسے کوہ دانش کو ایک بڑھیا انا اور انہی انا والوں کے ہاتھ سے کس طرح توڑا وہ سب اسی سال میں فنا ہو گئے۔ یہی ایک رقم باقی رہی تھی۔ کہ شہاب خاں سے شہاب الدین احمد خاں ہو کر پنج ہزار منصب تک پہنچ لئے۔ اور اکثر مہموں کی سپہ سالاری کر چکے۔ اب تماشے دیکھو۔ اسی بیرم خاں کے بیٹے کے سامنے شہاب کو کس طرح پانی پانی کرتا ہے۔

آزاد تو پرانی لکیروں کا فقیر ہے۔ بڈھوں کی باتیں یاد کرتا ہے۔ اور وجد کرتا ہے۔ کہا کرتے تھے جا میاں جیسا کرے اپنی اولاد کے آگے پائے۔ خیر اب بیرم خاں کی نیک نیتی کہو خواہ مرزا خاں کا

Marfat.com

زور اقبال۔شہاب کی دانائی اسے لڑکوں کے سامنے بیوقوف بناتی ہے۔

اعتماد خاں اور خواجہ نظام الدین ❶ جو دربار سے گئے تھے۔پٹن میں پہنچے۔شہاب کا وکیل آیا ہوا تھا۔انہوں نے اپنا وکیل ساتھ کیا۔دربار سے اسپ وخلعت اور فرمان رخصت جو لے کر گئے تھے بھیجا۔شہاب خاں استقبال کو کوئی کوس آگے گئے۔فرمان کو سر پر رکھا۔اٹھے بیٹھے۔آداب بجالائے۔پڑھا اور اسی وقت کنجیاں سپرد کر دیں۔اپنے تھانے جو اطراف کے قلعوں پر بٹھائے تھے اٹھوا منگائے۔نئے اور پرانے تقریباً ۸۰ قلعے تھے کہ اکثر خود تعمیر اور اکثر مرمت کر کے درست کیے تھے۔فساد تو یہیں سے شروع ہوا۔کہ تھانوں کے اٹھتے ہی کولی اور کراس ادھر کی وحشی قومیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔اور اکثر قلعوں کو ویران کر کے تمام ملک میں لوٹ مچادی۔

شہاب پروان کے قلعہ سے نکل کر عثمان پور (ایک محلہ کنار شہر پر ہے) اس میں آگئے۔اعتماد خاں شاہ ابو تراب، خواجہ نظام الدین احمد خوشی خوشی قلعے میں داخل ہوئے۔میر عابد نمک حرام کہ شہاب کے پاس ملازم تھا۔پانسو کی جمعیت لے کر الگ جا پڑا۔اعتماد خاں کو پیغام بھیجا کہ ہم بے سامان ہیں۔شہاب کے ساتھ نہیں جا سکتے۔جو انہوں نے جاگیر ❷ دی تھی۔وہ بحال رکھے تو خدمت کو حاضر ہیں۔ورنہ خلق خدا ملک خدا ہم رخصت۔اعتماد خان کے کان کھڑے ہوئے۔مگر نہ سمجھا نہ سمجھا۔کہلا بھیجا۔کہ بے حکم وہ جاگیریں تنخواہ نہیں ہو سکتیں۔ہاں اپنی طرف سے رعایت کروں گا۔انہیں تو بہانہ چاہئے تھا۔صاف اپنے یاروں میں جا ملے۔ہنگامہ اور بھی گرم ہوا۔

اعتماد خاں اور شہاب خاں کے درمیاں چپقلش:

اعتماد خاں کو جو فوج دربار سے ملی تھی۔وہ ابھی نہ آئی تھی۔سوچا کہ شہاب کو ان فتنہ انگیزوں سے لڑا کر رنگ جمائے۔شاہ اور خواجہ کے ہاتھ پیغام بھیجا۔کہ تمہارے نوکروں نے فساد کیا ہے۔تم ابھی جانے میں توقف کرو۔اور ان کا بندوبست کرو۔حضور میں اس کا جواب تمہیں لکھنا ہوگا۔اس نے کہا۔کہ یہ مفسد تو اس دن کی دعائیں کر رہے تھے۔اور میرے قتل کے درپے تھے۔کام اصلاح سے گزر چکا ہے۔مجھ سے کیا ہو سکتا ہے۔تم جانو اور یہ مگر اس طرح ملک داری کے کام نہیں چلتے۔ان لوگوں کو جاگیر دیکر پرچاؤ۔اور یہ نہیں تو ابھی مفسدوں کی جمعیت تھوڑی ہے۔بلوا عام نہیں ہوا۔ملکی اور جنگی

❶ مصنف طبقات اکبری۔دیکھو تتمہ۔

❷ اس عہد میں علاقے جاگیر کے طور پر مل جایا کرتے تھے۔کہ سردار اپنے اخراجات اور اپنی فوج کی تنخواہ وہاں سے وصول کر لیا کرتے تھے۔

Marfat.com

لوگ ہیں۔ کوئی سردار معتبر بھی ابھی ان میں نہیں پہنچا۔ اپنے اور میرے آدمی بھیجو کہ دفعتاً جا پڑیں۔ اور تتر بتر کر دیں۔ اعتماد خاں نے کہا۔ کہ تم شہر میں آجاؤ پھر جو صلاح ہوگی۔ سو ہوگا۔ یہ بھی شہاب الدین احمد خاں تھے بچہ نہ تھے۔ ماہم کے دودھ کی دھاریں دیکھی تھیں۔ کہا کہ فقیں نے خود قرض سے سامان سفر کیا ہے۔ فوج بدحال ہے۔ بدقت شہر سے نکلا ہوں۔ پھر کر آنا دقت پر وقت ہے۔ غرض حیلے حوالے بتا دیئے۔ اعتماد خاں نے کہا۔ کہ تم شہر میں چلے جاؤ۔ خزانہ سے مدد خرچ میں دوں گا۔ کئی دن مہم کی اونچ نیچ۔ جواب سوال اور رقم کی مقدار مشخص کرنے میں گزر گئے۔

شہاب تاڑ گئے۔ کہ یہ دکنی سردار پرانا سپاہی ہے۔ باتوں باتوں میں کام نکالتا ہے۔ چاہتا ہے کہ جب تک اس کی فوج آئے۔ مجھے اور میرے آدمیوں کو یہاں روک کر اپنی جمعیت اور حیثیت بنائے رکھے۔ جب وہ آگئے۔ تو مجھے سر بصحرا چھوڑ دیگا۔ اس کی نیت نیک ہوتی۔ تو پہلے ہی دن روپیہ کا سرانجام کرتا اور میرے لشکر کا سامان درست کر کے مہم کو سنبھال لیتا۔ غرض شہاب میدان احمد آباد سے کوچ کر کے کڑی میں جا پڑے۔ کہ بیس کوس ہے۔ مفسد ماتر میں پڑے تھے۔ فوراً کاٹھیواڑہ پر پہنچے۔ سلطان محمود گجراتی کا بیٹا مظفر کاٹھیواڑہ میں آکر اپنے سسرال میں چھپا بیٹھا تھا۔ اسے سب رویداد سنا کر باغ سبز دکھایا۔ اس کے باپ دادا کا ملک تھا۔ اسے اس سے زیادہ موقع کیا چاہئے تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ دیس کے چند مفسد سرگرد ہوں کو بھی ساتھ لیا۔ ۵۰۰ سو کے قریب کاٹھی لٹیرے ساتھ ہو گئے۔ اور اس طرح آئے۔ کہ دولقہ میں آکر دم لیا۔ سوچ میں تھے کہ شہاب جو دربار کو چلا ہے اس پر شبخون ماریں۔ یا اور کسی آباد شہر کو جا لوٹیں۔ اعتماد خاں بڈھا سپاہی اور اس ملک کا سردار تھا۔ مگر اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا۔ اس نے جب سنا کہ مظفر دولقہ میں آن پہنچا۔ تو ہوش اڑ گئے۔ بیٹے اور دو تین سرداروں کو احمد آباد میں چھوڑا اور کہا کہ میں خود جا کر شہاب کو لاتا ہوں۔ ہر چند اہل صلاح نے کہا کہ غنیم ۱۲ کوس پر پڑا ہے۔ اٹھارہ کوس جانا اور شہر کو اس طرح پر چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ بڈھے نے نہ سنا۔ اور خواجہ نظام الدین کو لے کر روانہ ہوا۔ اس کے نکلتے ہی بدمعاشوں نے ادھر خبر پہنچائی۔ غنیم جو کہ خود حیران تھا۔ کہ کدھر جائے جھٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سیدھا احمد آباد پر آیا۔ قدم قدم پر سینکڑوں لٹیرے ساتھ ہوتے گئے۔ سرگنج شہر سے تین کوس ہے۔ جب وہ یہاں پہنچا تو چند مجاوروں نے سلاطین باطن کے درباروں سے اٹھ کر ایک پھولوں کا چھتہ سجایا اور لے کر سامنے ہوئے۔ وہ نیک شگون نیک فال ❶ کے ساتھ گولی کی چوٹ شہر میں داخل ہوا پہلوان علی سیستانی کوتوال تھا۔ آتے ہی اسے پچھاڑ کر قربانی کیا۔ شہر میں قیامت مچ گئی۔ بادشاہی سرداروں میں کیا دم تھا۔ جان کو لے کر

❶ شہر میں رہ گر دروازہ سے داخل ہوا تھا۔ اس زمانے میں کسی دروازے کا نام نہ تھا۔

Marfat.com

بھاگنا فتح سمجھے۔ شہر لاوارث رہ گیا۔ اہل فساد نے لوٹ مار شروع کر دی، گھر اور بازار زرو جواہر اور مال و دولت سے بھرے ہوئے تھے پل کی پل میں لٹ کر صاف ہو گئے۔

ادھر اعتماد خاں نے شہاب کے پاس جا کر اس عہد کا رنگ جمایا۔ کہ دو لاکھ روپیہ نقد مجھ سے لو اور جو پرگنے جاگیر میں تھے۔ وہ جاگیر میں رکھو اور احمد آباد کو چلو۔ وہ قسمت کا مارا راضی ہو گیا۔ اور دونوں بڈھے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔

من و مربی من ہر دو آنچناں معذور — کہ ہر دو را دو مربی خوب مے باید

لڑمرنے کی قسمیں کھانا:

شہاب کو اپنے نوکروں کا حال معلوم تھا۔ رات کو قرآن بیچ میں رکھے۔ قول و قسم لے ایمانوں کو مضبوط کیا۔ اور روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دور آگے بڑھے تھے کہ شہر کے بھگوڑے ملے۔ جو خاک وہاں اڑا کر آئے تھے۔ چہروں پر نمودار تھی۔ سنتے ہی دونوں بڈھوں کے رنگ ہوا ہو گئے۔ آگے پیچھے کے سردار اکٹھے ہوئے۔ خواجہ نظام الدین نے کہا کہ گھوڑے اٹھاؤ شہر پر جا پڑو۔ اور دم نہ لو۔ اگر غنیم نکل کر سامنے ہو۔ تو لڑمرو۔ یا قسمت یا نصیب قلعہ بند ہو کر بیٹھا تو محاصرہ ڈال دو۔ اعتماد خاں کی بھی فوج آتی ہے۔ جیسا ہو گا۔ دیکھا جائیگا۔ مگر شہاب تو گھر کو پھرا تھا۔ دل اچاٹ تھا۔ لشکر کے اہل و عیال ساتھ تھے۔ غلطی یہ تھی کہ ادھر مڑا تو بھی ان کے کچے ساتھ کو کری میں نہ چھوڑا۔ غرض مارا مارا شہر کے پاس پہنچے۔ اور اہل لشکر عثمان پور پر آ کر ڈیرے ڈالنے لگے کہ بال بچوں کو بٹھائیں۔ اس وقت بھی نظام الدین احمد وغیرہ ہمت والوں نے کہا۔ کہ باگیں اٹھائے شہر میں دھنس جاؤ آسان کام کو دشوار نہ کرو۔ بڈھوں نے نہ مانا۔

غنیم کو ان کے آنے کی خبر لگ چکی تھی۔ خاطر جمع سے سامان جنگ کر کے باہر نکلا۔ اور دریا کے کنارے فوج کا قلعہ باندھ کر سد سکندر ہو گیا۔ فوج اہل و عیال اسباب و مال سنبھال رہی تھی کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ شہاب آٹھ سو سپاہی کو لے کر ایک بلندی پر جمع۔ اور فوج کو آگے بڑھایا۔ فوج نے حق نمک ادا کیا۔ مگر سرداروں نے نمک حرامی کی۔ جو نمک حلال تھے وہ حلال ہو گئے۔ شہاب کی نوبت آ گئی۔ ہمراہی بھاگے ان کا گھوڑا گولی سے چھدا۔ فقط بھائی بند گرد رہ گئے۔ دشمن کا ہجوم دیکھ کر ایک جان نثار کی باگ پکڑ کر کھینچی۔ انہوں نے بھی غنیمت سمجھا اور بھاگے۔ اپنے ہی نوکروں میں سے ایک نمک حرام نے پشت پر تلوار ماری۔ الحمدللہ کہ ہاتھ اوچھا پڑا۔ ایسے بھاگے کہ پٹن (نہر والہ) پچاس کوس ہے۔ ایک دن میں پہنچ کر وہاں دم لیا۔

Marfat.com

کاٹھی اور کولی اور جنگلی لٹیرے:

کاٹھی اور کولی اور جنگلی لٹیرے لوٹ کے واسطے غنیم کے ساتھ ہوئے تھے۔ ٹڈیوں کی طرح اُمڈ پڑے۔ اور تمام لشکر کو چاٹ کر ایک دم میں صاف کر دیا۔ نقد جنس ہاتھی گھوڑے اتنے لئے کہ محاسب کے حساب سے باہر ہے۔ سپاہ کے عیال کی خرابی خود خیال کر لو کہ بچاروں پر کیا گزری ہوگی۔

ظفریاب مظفر فتح کے گھوڑے پر سوار موچھوں کو تاؤ دیتے شہر کو پھرے۔ شہاب کے نمک حرام سرخرو ہو کر اب ان کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے سامان سلطانی موجود دیکھ کر دربار قائم کر دیا۔ اور سب کو بادشاہی خطاب عنایت کئے۔ جامع مسجد میں خطبہ پڑھا گیا۔ اور پرانے سردار جو نحوست کے گوشوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ انہیں بلا بھیجا۔ سب سنتے ہی دوڑ پڑے۔ غرض جنگلوں کے لٹیرے مفلس محتاج، ملک کے پرانے سپاہی، بخاری و ماوراالنہری کہ تیموری شہزادوں کی کھرچن تھے۔ دو ہفتہ کے اندر اندر چودہ ہزار فوج کی جمعیت گرد جمع ہو گی۔ مگر مظفر کو باوجود اس فتح کے قطب الدین خاں کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ سرداروں کو یہاں چھوڑا اور آپ بڑودہ کی طرف فوج لے کر چلا کہ وہ وہیں تھا۔ ادھر دربار سے اعتماد خاں کی فوج بھی آن پہنچی۔ شہاب وغیرہ پٹن میں پٹے کٹے پڑے تھے۔ اب اور کیا ہو سکتا تھا۔ اسی کو مضبوط کر کے یہیں بیٹھ گئے۔

شہاب اور اعتماد قطب الدین خاں:

شہاب اور اعتماد قطب الدین خاں کو برابر لکھ رہے تھے۔ کہ تم ادھر سے آؤ۔ ہم ادھر سے چلتے ہیں۔ بغاوت ہے اس کا دبالینا کچھ بڑی بات نہیں۔ وہ پنج ہزار سردار۔ پرانا سپہ سالار کہ دونوں بڈھے بھی اسے یگانہ روزگار سمجھتے تھے۔ دور سے بیٹھا بیٹھا ٹال رہا تھا۔ جب دربار سے فرمان عتاب پہنچا۔ تو قطب جگہ سے ہلا۔ اور اب سپاہ کو تنخواہ دے کر دلداری کرنے لگا جب کہ وقت گزر چکا تھا۔ چھاؤنی سے بڑودہ تک پہنچا تھا کہ مظفر نے آن لیا۔ لڑائی ہوئی نیم جان کی طرح ہاتھ پاؤں مار کر قلعہ بڑودہ کے کھنڈر میں دبک گیا۔ فوج اور سردار مظفر کے ساتھ ہو گئے اور دولت واموال کا تو کیا پوچھنا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ یہ وہی مظفر ہے کہ تیس روپیہ مہینہ پر آگرہ میں پڑا تھا۔ یہاں سے ایک ناک اور دو کان لے کر بھاگا۔ آج تیس ہزار لشکر لئے باپ کے ملک کا مالک ہے۔

اب ادھر کی سنو۔ کہ مظفر تو ادھر آ گیا۔ شیر خاں فولادی اس کے سردار نے کہا مجھے بھی تو اپنا لوہا دکھانا چاہئے۔ وہ فوج لے کر پٹن کو چلا کہ امرائے شاہی کو جوہر دکھائے۔ آپ پٹن پر آیا۔ اور کچھ فوج کڑی پر بھیجی۔ خواجہ نے دل کڑا کر کے بادشاہی فوج کو نکالا۔ اور جو فوج کڑی پر چڑھی آتی تھی فوراً

Marfat.com

اسے جا مارا۔ اب شیر خاں کے مقابلہ کا موقع آیا۔ بڈھے سرداروں پر ایسی نامردی چھائی تھی۔ کہ گھبرا کر بولے بہتر ہے۔ کہ پٹن سے جالور کو ہٹ چلیں۔ خواجہ نظام الدین باوجود یکہ نوجوان سپاہی تھا۔ اس نے مردوا بنا کر روکا۔ اور آپ فوج لے کر مقابلہ پر ہوا۔ سامنے ہوتے ہی لڑائی دست و گریبان ہو گئی۔ دو ہی ہزار فوج تھی۔ مگر سب پرانے پرانے سپاہی تھے۔ پانچ ہزار کے مقابلہ پر بڑھ کر میانہ پہنچا۔ نوجوان سپاہی زادہ نے بڑا ساکھا کیا۔ کشت و خون عظیم ہوا۔ کھیت کا ٹکر ڈال دیا اور لڑائی ماری۔ شیر خاں نوک دم گجرات کو بھاگا۔ بادشاہی فوج کو لوٹ اچھی ہاتھ آئی۔ ذرا آنسو پچھ گئے۔ گٹھڑیاں باندھ باندھ کر دوڑے کہ پٹن میں رکھ آئیں۔ خواجہ ہر چند کہتا ہے۔ کہ اب موقع ہے۔ اور گجرات خالی ہے۔ باگیں اٹھائے چلے چلو۔ کسی نے نہ سنا بچارہ ۱۲ دن وہیں پڑا رہا۔ اتنے میں سنا کہ مظفر نے بڑودہ مار لیا۔

وہاں کی بھی سنئے۔ کہ قلعہ بڑودہ جو قطب الدین کی عقل سے بھی بودا تھا۔ مظفر نے گھیر لیا اور توپیں مارنی شروع کر دیں۔ آج کی پرانی دیواریں مظفر کے عہد اور قلب کی ہمت سے سوا بے بنیاد تھیں۔ فرش زمین ہو گئیں۔ مگر قطب کا قلعہ عمر اس سے بھی گیا گزرا تھا۔ اس بڈھے بے وقوف نے زین الدین اپنے معتبر کو قول و قرار کے لئے بھیجا۔ باوجودیکہ ایلچی کو کہیں زوال نہیں۔ مظفر نے اسے دیکھتے ہی ہزار سالہ مردوں میں ملا دیا۔ قطب کا ستارا ایسا چکر میں آیا تھا کہ اب بھی نہ سمجھا۔ پیغام سلام میں عہد و پیمان ہوا کہ میں مکہ چلا جاؤں گا۔ مجھے عیال و مال سمیت یہاں سے نکل جانے دو۔ اتنا بڑا سردار اس بدحالی اور بے ہمتی سے غنیم کے دربار میں حاضر ہو بعجز تمام جھک جھک کر تسلیمات بجا لایا۔

قضا شخصیت پنج انگشت دارد   چو خواہد کز کیے کارے برآرد
دو بر چشمش نہد دیگر دو بر گوش   یکے برلب نہد گوید کہ خاموش

پشتوں کا خدمت گزار:

آخر پنج ہزاری سردار بادشاہی تھا۔ پشتوں کا خدمت گزار تھا۔ شہزادوں کا اتالیق رہ چکا تھا۔ مظفر نے ملاقات کے وقت بڑی تعظیم کی۔ اٹھا اور استقبال کر کے مسند تکیہ پر جگہ دی۔ باتوں سے آنسو پونچھے۔ مگر ہاتھوں سے خون بہایا۔ کہ دامن خاک کے نیچے اپنے دفائن قارونی کا پیوند ہو گیا۔ ۱۴ لاکھ روپیہ اس کے ساتھ تھا۔ وہ لے لیا۔ خزانچی اس کی حکومت گاہ پر گیا۔ دس کروڑ سے زیادہ گڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی نکال لائے۔ نقد و جنس، مال و دولت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ چار

Marfat.com

ہزار و پنج ہزاری بڑے بڑے سپہ سالار امرا مثلاً قلیچ خان اور شریف خاں اپنا بھائی جاگیردار مالوہ۔ خاص نورنگ خاں بیٹا سلطان پور ندر پار میں اور پاس پاس کے اضلاع میں بیٹھے تھے۔ دور سے تماشا دیکھا کئے۔

ہم بحر غم میں بہ گئے اور دوست آشنا　　سب دیکھتے رہے لب ساحل کھڑے ہوئے

ترک، افغان، گجراتی:

مظفر کے ساتھ ترک، افغان، گجراتی ہزاروں کا لشکر ہو گیا۔ اور ایک تھے تو دس بلکہ دس ہزار ہو گئے۔ مگر علاقہ در علاقہ بھونچال پڑ گیا۔ خواجہ نظام الدین یہ سن کر پٹن کو پھرے۔ دربار میں آگے پیچھے خبر پہنچی اور جو پہنچی ایسی ہی پہنچی۔ سب چپ۔ بادشاہ کو بڑا رنج۔ دو دفعہ جس ملک کو آپ یلغار کر کے مارا۔ وہ اس رسوائی کے ساتھ ہاتھ سے گیا۔

ایرانی دلاور اور سورما راجپوت:

اکبر بادشاہ تھا۔ اور صاحب اقبال تھا کچھ پروانہ کی۔ امرائے دربار میں سے سادات بارہہ اکثر ایرانی دلاور اور سورما راجپوت۔ راجہ اور ٹھاکر اس مہم کے لئے نامزد کر کے لشکر جرار آراستہ کیا۔ اس پر نوجوان مرزا خاں کو جس کا اقبال بھی جوانی پر تھا سپہ سالار کیا۔ کار آزمودہ کہنہ عمل سردار فوجیں دے کر ساتھ کئے۔ قلیچ خاں کو فرمان جاری ہو گیا۔ کہ مالوہ پہنچو۔ اور وہاں سے امرا کو لے کر مہم میں شامل ہو۔ اضلاع دکن میں جو سردار تھے۔ انہیں بھی زور و شور سے احکام پہنچے کہ جلد میدان جنگ پر حاضر ہوں۔ مرزا خاں اپنے رفقا کو لے کر مارا مارا چلا۔ کوہ و بیابان، دریا اور میدان کو لپیٹتا سپیٹتا جالور کے رستے پٹن کو چلا جاتا تھا۔ مگر جو خبر پہنچی تھی۔ پریشان پہنچی تھی۔ اس لئے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا تھا۔ قطب الدین خاں کی خبر تنی۔ مگر فوج پر راز نہ کھولا۔ آزاد۔ خیال تو ضرور آیا ہوگا کہ یہ وہی پٹن ہے۔ جہاں سے باپ نے ملک فنا کی منزل کو ایک قدم میں طے کیا تھا۔ حرم سرا پر کیا گزری ہوگی۔ میرا اس وقت کیا حال ہوگا۔ اور یہ رستہ احمد آباد تک کس مصیبت سے کٹا ہوگا۔ یہاں سب عید کے چاند کی طرح اسی کی طرف دیکھ رہے تھے بعض سردار سرد ہی تک آگے آئے۔ اور سارے حالات سنائے۔ بڑی بڑی مبارکبادیں ہوئیں وہ فقط دن بھر ٹھہرا۔ اور برق و باد کی طرح اڑ کر پٹن پر ڈیرے ڈال دیئے۔ امرا اور فوجیں استقبال کر کے لائے۔ مبارکبادیں ہوئیں۔ شادیانے بجے۔ انکی اور شہاب الدین احمد خاں کی موروثی محبتیں تھیں۔ مگر اس وقت سب بھول گئے۔ معلوم ہوا کہ مظفر نے ظفریاب ہو کر اور ہی دماغ پیدا کئے ہیں۔ پیچھے کا بندوبست محکم کئے بیٹھا ہے۔ اور خیمہ آگے ڈال کر لڑائی کو تیار ہے۔

Marfat.com

نوجوان سپہ سالار نے سرداروں کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ بعض کی صلاح ہوئی کہ اقبال اکبری پر تکیہ کر کے باگیں اٹھاؤ۔ تلواریں کھینچو اور شہر میں جا پڑو۔ بعض کی رائے ہوئی۔ کہ قلیچ خاں مالوہ سے لشکر لے کر آتا ہے۔ اور حضور سے فرمان بھی آچکا ہے۔ کہ جب تک وہ نہ آئے۔ جنگ نہ کر بیٹھنا اس کا انتظار واجب ہے۔ یہ گفتگو بھی ہوئی۔ کہ موقع نازک ہے۔ یہ وقت وہ ہے کہ حضور خود یلغار کر کے آئیں تو سب کی سپاہگری کا پردہ رہتا ہے۔ ورنہ خدا جانے کیا انجام ہو۔ دولت خاں ایک بڈھا سردار تھا۔ اور وہ مرزا خاں کا سپہ سالار کہلاتا تھا۔ اس نے کہا کہ حضور کا بلانا بہت نازیبا ہے۔ اور قلیچ خان کا انتظار تمہارے لئے مصلحت نہیں۔ وہ پرانا سپہ سالار ہے۔ اس کے سامنے فتح ہوئی۔ تو تمہارے رفیق حصہ سے بھی محروم رہ جائیں گے۔ اگر چاہتے ہو۔ کہ فتح کا ڈنکا تمہارے نام پر بجے۔ تو یا قسمت یا نصیب۔ لڑ مرو اور یہ بھی سمجھ لو۔ کہ بیرم خاں کے بیٹے ہو جب تک آپ تلوار نہ مارو گے۔ خان خاناں نہ ہو گے۔ اکیلے ہی فتح کرنی چاہئے۔ اور گمنامی کے جینے سے ناموری کا مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ پرانے پرانے سپہ سالار ساتھ ہیں۔ سپاہ تیار ہے۔ سامان حاضر ہے۔ اور چاہئے کیا ہے۔

ایک جھوٹی ہوائی:

مرزا خاں بھی ایک چلتے پرزے دربار اکبری کے تھے۔ ایک جھوٹ موٹ کی ہوائی اڑائی۔ کہ دربار سے فرمان آتا ہے۔ اکبری آئین سے اس کا استقبال ہوا۔ اور جلسہ عام میں پڑھا گیا۔ مضمون یہ کہ ہم فلاں تاریخ یہاں سے سوار ہوئے۔ خود یلغار کر کے آتے ہیں۔ جب تک نہ پہنچیں۔ لڑائی شروع نہ ہو۔ فرمان پڑھ کر مبارکباد کے شادیانے بجائے۔ اور تمام لشکر نے خوشیاں منائیں۔ دو دن تک توقف رہا۔ مگر دونوں طرف بہادر بڑھ بڑھ کر جوہر دکھاتے تھے۔ یہ دروغ مصلحت آمیز اگرچہ زبانی باتیں تھیں۔ مگر کم ہمتوں کی کمر بندھ گئی اور ہمت والوں کے اور عالم ہو گئے۔ ادھر دشمنوں کے جی چھوٹ گئے۔

لڑائی کی تیاریاں:

مرزا خاں کے ڈیرے احمد آباد سے تین کوس سرکھیج پر تھے۔ اور مظفر شاہ بھیکن کے مزار پر تھا یعنی دو کوس پر۔ وہ فوج مالوہ کی آمد آمد سن کر چاہتا تھا کہ پہلے ہی لڑ مرے۔ شبخون مارا مگر ناکام رہا۔ مرزا خاں نے پھر جلسہ کیا۔ اور صلاح یہی ٹھہری کہ جس طرح ہو لڑنا چاہئے چنانچہ رات کو چھٹیاں تقسیم ہو گئیں۔ ہر سردار پچھلے پہرہ سے اپنی اپنی فوج لے کر تیار ہو گیا۔ اعتماد خاں کو پٹن کی حفاظت پر چھوڑا تھا۔ عثمان پور کے دہانہ پر میدان جنگ ہوا۔ اس وقت اسکی فوج دس ہزار تھی۔ اور مظفر کی

Marfat.com

چالیس ہزار۔ دونوں لشکر صفیں باندھ کر سامنے ہوئے۔ مرزا خاں نے دائیں، بائیں، پس وپیش سے لشکر کی تقسیم کی۔ وہ بچپن سے اکبر کی رکاب کے ساتھ لگا پھرتا تھا۔ ایسا میدان اس کے لئے کچھ نئی جگہ نہ تھی۔ ہاتھیوں کی صف سامنے باندھی۔ خواجہ نظام الدین کو دو سرداروں کے ساتھ فوج دیکر الگ کیا کہ سرگیچ کو داہنے پر چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ جب لڑائی ترازو ہو۔ تو غنیم کا پیچھا آن مارو۔

غرض کہ لڑائی شروع ہوئی اور مظفر نے پیش دستی کے قدم آگے بڑھائے۔ ادھر سے لڑائی کو ٹالتے تھے۔ حریف سر پر آیا تو قدم بڑھائے۔ فوج ہراول نے باگیں بڑے حوصلے اٹھائیں مگر بیچ میں کڑے اتار چڑھاؤ بہت تھے۔ آگے کی فوج جو ہراول کے پیچھے تھی۔ ایسی تیزی کے ساتھ پہنچی کہ جو ترتیب باندھی تھی۔ وہ ٹوٹ گئی۔ اور لشکر میں گھبراہٹ پڑی۔ ہراول کے سردار تلواریں پکڑ کر خود آگے بڑھ گئے تھے۔ کئی پرانے نامور مارے گئے۔ اور فوج الٹ پلٹ ہو کر جدھر جس کا منہ اٹھا ادھر ہی جا پڑا۔ جا بجا میدان جنگ گرم ہوا۔ نیا سپہ سالار تین سو جوان اس کے گرد۔ سو ہاتھی کی صف سامنے لئے کھڑا تھا اور نیرنگئے تقدیر کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ دل میں کہتا تھا۔ کہ بیرم خاں کا بیٹا! جائیگا تو کہاں۔ مگر دیکھیے خدا اب کیا کرتا ہے۔ ایسے وقت میں حکم کیا چل سکے۔ کدھر سے روکے اور کدھر کو بڑھائے۔ یا قسمت یا نصیب۔ مظفر بھی پانچ چھ ہزار کا پرا جمائے سامنے کھڑا تھا۔ مرزا خاں نے دیکھا۔ کہ غنیم کے غلبہ کے آثار ہونے لگے ایک جانثار نے دوڑ کر اس کی باگ پر ہاتھ ڈالا۔ کہ گھسیٹ کر نکال لیجائے۔ یہ بے ہمتی کا ارادہ دیکھ کر مرزا خاں سے نہ رہا گیا۔ بے اختیار ہو کر گھوڑا اٹھایا۔ اور فیلبانوں کو بھی للکار کر کرنا میں آواز دی۔ اس کا گھوڑا اٹھانا تھا۔ کہ اقبال اکبری طلسمات دکھانے لگا۔ آواز کرنا سے دلوں میں جوش پیدا ہوئے۔ اور جا بجا لشکر غنیم کو دھکیل کر آگے بڑھے۔ تقدیر کی مدد یہ کہ ادھر سے انہوں نے حملہ کیا۔ ادھر خواجہ نظام الدین بھی ساتھ ہی مظفر کی پشت پر آن گرے غل ہوا کہ اکبر یلغار کر کے آیا۔ کوئی سمجھا۔ کہ قلیچ خاں مالوہ کی فوج لے کر آن پہنچا۔ مظفر ایسا گھبرایا۔ کہ یکبار حواس جاتے رہے۔ بھاگا اور ہمراہی اس کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ غنیم کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں۔ ہزاروں کا کھیت ہوا۔ شمار کون کر سکتا تھا۔ شام قریب تھی۔ پیچھا کرنا مناسب نہ ہوا وہ معمور آباد کے رستے دریائے مہندری کے ریگستانوں میں نکل گیا۔ اور تیس ہزار فوج کی بھیڑ بھاڑ گھڑیوں میں پریشان ہو گئی۔ غنیمت بیشمار کہ مفت ماری تھی۔ جن ہاتھوں کی تھی۔ انہیں ہاتھوں دے گیا۔ مرزا خاں نے مفصل عرضی کی۔ بادشاہ سجدات شکر درگاہ الٰہی میں بجالائے۔ کہ ایک تو خدا نے ایسے موقع پر فتح دی۔ دوسرے اپنے پالے ہوئے نوجوان کے ہاتھوں۔ وہ بھی اپنے خان بابا کا بیٹا۔

مرزا خاں نے منت مانی تھی کہ خدا فتح دیگا تو سارا نقد وجنس، مال متاع، خیمہ وخرگاہ، اونٹ

Marfat.com

گھوڑے، ہاتھی، غریب سپاہیوں کو اور اہل لشکر کو بانٹ دونگا کہ انہی کی بدولت خدا نے یہ دولت دی ہے۔ چنانچہ اس نیک نیت نے ایسا ہی کیا۔

خاتمہ سخاوت:

ایک سپاہی ایسے وقت آیا کہ کاغذوں پر دستخط کر رہا تھا۔ اس وقت کچھ نہ رہا تھا فقط قلمدان سامنے تھا۔ وہی اٹھا کر دیدیا کہ لے بھائی یہ تیری قسمت۔ خدا جانے چاندی کا تھا، سونے کا تھا، سادہ تھا یا مرصع۔ ملا صاحب پھر بھی خفا ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ایفائے وعدہ کے لئے چند ملازموں کو فرمایا۔ کہ انکی قیمت لگادو۔ روپیہ بانٹ دینگے۔ مقومین ❶ نا امین حیلہ گراں بے دین تھے۔ چوتھائی پانچواں بلکہ دسواں بھی مول نہ لگایا اور کچھ کچھ تو آپ ہی ہضم کر گئے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اس کے بعض چپڑ قناتیوں نے مثلاً دولت خاں لودھی۔ ملا محمودی وغیرہ نے اس سے عرض کی۔ کہ ہم آپ کے نوکر ہوئے ہیں۔ کچھ گناہ تو نہیں کیا ہے کہ بادشاہی نوکروں کے نیچے ایسے دبے رہیں۔ اور وہ ہم سے اونچے۔ تلواروں کے سامنے یہ کچھ ہم سے آگے نہیں نکل جاتے پھر تسلیم اور آئین و آداب کورنش جو آپ کے سامنے بجالاتے ہیں۔ وہ کیوں نہ ادا کریں۔ یہ واہیات اور دلفریب باتیں مرزا خاں کو پسند آئیں (لیکن آخر بیرم خان کا بیٹا تھا) خلعت گھوڑے سامان انعام بہت کچھ ان کے دینے کو تیار کیا۔ خود نوشہ خانہ میں جا کر بیٹھا اور خواجہ نظام الدین (اب ان کی دانش و دانائی کی ہوا بندھ گئی تھی) کو بلا کر مشورتاً یہ راز کہا۔ ایک زمانہ میں خواجہ کی بہن بیرم خان کے نکاح میں تھی۔ اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں یہ تمہارے نوکروں کی بدنفسی ہے۔ تمہارا خیال نہیں۔ مگر یہ کہو کہ حضور سنیں گے تو کیا کہیں گے اور فرض کیا کہ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ لیکن شہاب الدین احمد خاں کا پنج ہزاری منصب۔ عمر میں بڈھا۔ تم سے بڑا۔ وہ تمہارے سامنے تسلیم بجالائے اعتماد خاں ایک وہ وقت تھا کہ اپنی ذات سے بیس ہزار لشکر کا مالک تھا۔ پرانا امیر اس کی طرف سے تمہارے لئے تسلیم۔ اس میں لطافت کیا تھی؟ پائندہ خاں مغل پراتم ترک۔ وہ تو تعجب نہیں کہ انکار بھی کر جائے۔ اور باقی تو خیر کسی حساب میں نہیں۔ بارے مرزا بھی سمجھ گئے۔ اور اس ارادہ سے باز رہے۔

دنیا عجب مقام ہے۔ آخر لڑکا ہی تھا۔ تقدیر نے حد سے بڑھ کر یاوری کی۔ لاکھوں آدمیوں کی تعریفیں۔ چاروں طرف سے واہ وا۔ اور بات بھی واہ واہی کی تھی۔ دماغ بلند ہو گیا۔

تھا تو یہ خاک مگر کان میں کچھ غفلت نے ایسی پھونکی کہ ہوا میں یہ بشر آ ہی گیا

---

❶ قیمت لگانے والے۔

Marfat.com

خان خاناں کی فتح کا نشان:

صبح کو ابھی آفتاب نے نشان نہ کھولا تھا۔ کہ خان خاناں کی فتح کا نشان اڑاتا اس احمد آباد میں داخل ہوا۔ شہر میں امان امان کی منادی کر دی۔ تیرہ برس کی عمر میں اکبر کے ساتھ یلغار کر کے آیا تھا۔ شہر میں امان امان کی منادی کر دی۔ رعیت کو تسلی اور دلاسا دیا۔ بازار کھلوائے۔ شہر اور نواح شہر کا بندوبست کیا۔ تیسرے دن قلیچ خان وغیرہ امرائے مالوہ بھی فوجیں لے کر آن پہنچے۔ ملکر صلاحیں ہوئیں۔ اور شہر کا بندوبست کر کے تازہ دم فوجوں کے ساتھ مظفر کے پیچھے روانہ ہوئے۔ ہر چند انہوں نے کہا کہ اب سپہ سالار گجرات میں رہے۔ مگر کار طلبی اور خدمت گزاری کا خوش جوش پر تھا۔ مرزا خاں بھی پیچھے روانہ ہوا۔

مظفر کمبایت میں پہنچا۔ اور لوگوں کو پرچانا شروع کیا۔ قدیمی صاحبزادہ سمجھ کر لوگ بھی سمٹنے لگے۔ سوداگروں نے بھی روپیہ سے مدد کی۔ دو ہزار کے قریب فوج جمع ہوگئی۔ مرزا خاں بھی برق کی طرح پیچھے پیچھے دس کوس پر تھا۔ جو مظفر کو خبر پہنچی۔ وہ وہاں سے نکل کر بڑودہ میں آ گیا۔ مرزا خاں نے قلیچ خاں وغیرہ چند سرداروں کو فوج دیکر آگے بڑھایا۔ یہ پرانے سپاہی تھے۔ راہ کی خرابیاں سامنے دیکھ کر آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہاں سے بھی نکلا۔ فوج بادشاہی پیچھے تھی۔ امر ملک میں بھی جہاں مفسد دیکھتے۔ دائیں بائیں کی خبر لیتے تھے۔ نادوت پر آئے۔ تو مظفر وہاں سے اٹھ کر پہاڑ میں گھس گیا۔ کہ یہاں جم کر ایک میدان اور بھی قسمت آزمائے۔ اس وقت اسکی فوج تیس ہزار اور خان خاناں کی آٹھ نو ہزار تھی۔

رستم اور اسفندیار کے فتح ناموں سے کم نہیں:

یہ فتح نامہ بھی رستم اور اسفندیار کے فتح ناموں سے کم نہیں۔ مرزا خاں نے لشکر کی تقسیم کر کے فوج کے پرے جمالے۔ ہراول اور دائیں بائیں کو بڑھایا۔ پہلے ہی خواجہ نظام الدین کو آگے بھیجا۔ کہ پہاڑ کی لڑائی ہے۔ دیکھو رستہ کا کیا حال ہے؟ اور فوج دشمن کا کیا انداز ہے؟ اسی طرح لڑائی ڈالو۔ یہ دامن کوہ میں پہنچے تھے کہ اس کے پیادوں سے مقابلہ ہو گیا۔ مگر انہوں نے ایسا ریلا کہ سامنے جو بڑا پہاڑ تھا۔ اس میں گھس گئے۔ یہ بھی دبائے چلے گئے۔ وہاں دیکھا دیکھا دشمن کا لشکر لبی قطار میں رستہ روکے کھڑا ہے۔ تیر تفنگ کے پٹے پر تھے۔ مگر فوراً دست و گریبان ہو گئے۔ اور وہ دھواں دھار معرکہ ہوا کہ نظر کام نہ کرتی تھی۔ خواجہ نے کرامات یہ کی کہ سواروں کو پیادہ کر کے بڑھایا۔ اور جھٹ پہلو کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی قلیچ خاں کو آدمی بھیجے۔ وہ بائیں ہاتھ سے چلا آتا تھا کہ

Marfat.com

غنیم سے ٹکر کھائی۔ مگر غنیم نے زور دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اور دباتا ہوا چلا۔ اس دھکا پیل میں خواجہ کے سامنے رستہ کھل گیا۔ جس پیادہ فوج کو ابھی پہلو کی پہاڑی پر چڑھایا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر پہاڑ پر چڑھ گئی۔ حریف جو قلیچ خان پر گئے تھے۔ انہیں دیکھ ادھر پلٹے۔ اور دست بدست لڑائی ہو کر عجیب کشت وخون ہوا۔ قلیچ خان بستی میں جا پڑے تھے۔ اوٹ کو غنیمت سمجھے اور وقت کا انتظار کرتے تھے۔

تیز نظر سپہ سالار:

تیز نظر سپہ سالار عقل کی دوربین لگائے دیکھ رہا تھا۔ اور جہاں موقع دیکھتا تھا۔ ویسی ہی مدد وہاں پہنچاتا تھا۔ فوراً فیلی توپ خانہ پہنچایا کہ جس پہاڑی پر قبضہ کیا ہے۔ اس پر چڑھ جاؤ ساتھ ہی اور فوج بھیجی۔ اس نے دشمن کا بایاں پہلو آن مارا۔ کئی جگہ لڑائی پڑ گئی اور وہ گھسان پڑا کہ پہلی لڑائی کو بھی گرد کر دیا۔ بھنالوں کی گولی ایسے موقع سے چلی کہ خاص قلب میں پہنچی۔ جہاں مظفر کھڑا تھا۔ اس کا دل ٹوٹ گیا شکست کی بدنامی کو غنیمت سمجھا۔ اور نامظفر ہو کر بھاگ گیا۔ سپاہ کا بہت نقصان ہوا۔ بیشمار مال واسباب چھوڑا۔ مرزا خاں نے امرا کو جن جن اطراف پر مناسب دیکھا روانہ کیا۔ اور آپ احمد آباد میں آ کر ملک ورعیت کے انتظام میں مصروف ہوا۔

دربار میں جب عرضداشت اس کی پڑھی گئی۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ فرمان بھیج کر سب کے دل بڑھائے۔ مرزا خاں کو خطاب خان خانی۔ خلعت با اسپ و کمر خنجر مرصع، تمن توغ، منصب پنج ہزاری کہ انتہائے معراج امرا کی ہے۔ عنایت ہوا۔ اور اوروں کے منصب میں بھی دس بیس اور اٹھارہ تیس کی نسبت سے جیسے مناسب دیکھے بڑھائے۔ یہ لطیفہ غیبی ۹۹۱ھ میں واقع ہوا۔

خطوط اور مراسلات کا ایک پرانا مجموعہ:

بہت سے خطوط اور مراسلات کا ایک پرانا مجموعہ میرے ہاتھ آیا ہے۔ اسی فتح کے موقع پر خان خاناں نے ایرج اپنے بیٹے کے نام ایک خط [1] لکھا تھا۔ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ بہت سے اصلی حالات معرکہ جنگ کے اس سے کھلتے ہیں۔ رفیقان منافق کی وفا یا بے وفائی آئینہ نظر آتی ہے۔ اس کے الفاظ سے ٹپکتا ہے۔ کہ دل درد بے کسی سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ اور امید و یاس جو ساعت بساعت اس پر نقش بناتے اور مٹاتے ہیں سب نظر آتے ہیں۔ یہ رنگ ایسے ایسے قلم سے پھیرا ہے۔ کہ بادشاہ کے ہاتھ میں بھی جا پڑے۔ تو بہت سے مطالب دل پر نقش کرے۔ اور ضرور بیٹے کو لکھا ہو گا۔ کہ بطور خود حضور میں لئے چلے جانا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادر الکلام کامل انشا پرداز

---

[1] یہ خط تتمے میں دیکھو۔

Marfat.com

تھا۔اور اپنے مطلب کو پوری تاثیر کے ساتھ ادا کرتا تھا۔اقبال کی کامیابی۔عہدے کی ترقی غرض اس وقت مرزا خاں کی عمر کم وبیش بیس برس کی ہوگی۔کہ وہ دولت خدا نے دی جو باپ کو بھی اخیر عمر میں جا کر نصیب ہوئی تھی۔

حکومت وفرمانروائی دولت ونعمت سامان امیری کا مزہ بھی جوانی ہی میں ہے۔کہ وہ بھی بڑی دولت ہے۔اقبال مند لوگ ہیں۔جنہیں ساری دولتیں خدا نے ساتھ دے دیں۔امیری اور امیری کے لوازمات، اچھے لباس، اچھی سواری، اچھے مکانات جوان ہی کے لئے زیبا ہیں۔جوانی ہو تو اچھا کھانا بھی مزہ دیتا ہے۔اور انگ لگتا ہے، بڈھے بچارہ کیلئے ہو بھی تو مزا نہیں۔بڈھا اچھا لباس پہنتا ہے۔ہتھیار سج کر گھوڑے پر چڑھتا ہے۔کمر جھکی ہے۔شانے ڈھلکے ہوئے ہیں۔لوگ دیکھ کر ہنس دیتے ہیں۔بلکہ اپنے تئیں دیکھ کر آپ شرم آتی ہے۔ہائے ع

جوانی کجائی کہ یادت بخیر

لطیفہ:۔شیر شاہ کو ترقی کی منزلیں طے کرنے میں اتنا عرصہ لگا کہ تاج شاہی سر تک آتے آتے خود بڑھاپا آ گیا۔بادشاہ ہوا تو سر سفید، ڈاڑھی بگلا، منہ پر جھریاں، آنکھیں عینک کی محتاج، جب لباس پہنتا اور زیور بادشاہی سجتا تو آئینہ سامنے دھرا ہوتا تھا۔کہتا تھا۔عید تو ہوئی مگر شام ہوتے ہوئے۔

لطیفہ:۔دلی کو خدا مغفرت کرے۔ہر بادشاہ کو یہی شوق رہا ہے۔کہ اس شہر میں شان وشکوہ کا جلوس دکھاؤں۔شیر شاہ بادشاہ ہوا۔تو اس نے بھی وہاں آ کر جشن کیا۔شام کے وقت مصاحبوں کے ساتھ جریدہ سوار ہوا۔اور بازار میں نکلا۔کہ سب کو دیکھے اور اپنے تئیں دکھائے۔دو بڑھیاں اشراف زادی فلک کی ماری دن بھر چرغہ کاتا کرتی تھیں۔شام کو جا کر سوت بیچ لایا کرتی تھیں اس وقت وہ بھی برقع اوڑھ کر نکلی تھیں۔سواری کی آمد آمد سن کر کنارے کھڑی ہوگئیں کہ نئے بادشاہ کو دیکھیں۔شیر شاہ گھوڑے پر سوار باگ ڈھیلی چھوڑے آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے۔ایک نے دوسری سے کہا بوا! تم نے دیکھا۔دوسری بولی۔ہاں بوا دیکھا۔پہلی بولی کہ دلھن کو دولھا ملا۔مگر بوڑھا ملا۔شیر شاہ بھی پاس پہنچ چکا تھا۔اس نے سن لیا۔جھٹ سینہ ابھارا۔اور باگ کھینچ کر گھوڑے کو گدگدایا۔خدا جانے عربی تھا یا کاٹھیاوار۔اچھلنے کودنے لگا۔دوسری بڑھیا بولی۔اے بوا۔وہ تو بڈھا بھی ہے۔اور مسخرا بھی ہے۔

اتفاق:

اس عالم میں کہ بادشاہ کو بہت خبر ہائے پریشان پہنچتی تھیں۔ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے۔

Marfat.com

میر فتح اللہ شیرازی سے سوال کیا۔ کہ لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔ انہوں نے اصطرلاب لگا کر طالع وقت نکالا۔ ستاروں کے مقام اور حرکات آسمانی کو دیکھ کر حکم لگا دیا۔ کہ دو جگہ میدان کارزار ہوگا۔ اور دونوں جگہ فتح حضور کی ہوگی۔ اتفاق ہے۔ کہ ایسا ہی ہوا۔

مرزا خاں کے کارنامے:

کسی مورخ نے یہ کیفیت نہیں دکھائی۔ کہ جب مرزا خاں کے کارنامے وہاں کوہ خانخانی کے سامان تیار کر رہے تھے۔ اس وقت دربار اکبری میں کیا عالم ہو رہا تھا۔ البتہ ابوالفضل نے ایک خط مبارکباد میں خان خاناں کو لکھا ہے۔ وہی بشرے والا رقعہ ہے جو آج تک اپنی بلندی مضامین اور دشواری عبارت اور فصاحت و بلاغت کے زور شور سے اہل کمال میں شہرہ آفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چند روز جو گجرات سے خبر نہ پہنچی۔ تو دنیا کے لوگ ہزاروں ہوائیاں اڑا رہے تھے۔ اس کے اور اس کے باپ کے دشمن کمین گاہوں سے نکلے تھے۔ خوش ہوتے تھے اور دوستوں سے چھیڑ چھیڑ کر حال پوچھتے تھے۔ اکبر پر بھی طعنہ کرتے تھے۔ کہ دکن کا ملک اور ملک بھی بگڑا ہوا۔ ایسے نازک موقع میں کو دو بڈھے سپہ سالار مات کھا چکے۔ ایک نوجوان ناتجربہ کار کو بھیجنا چہ معنی دارد۔ بھلا یہ سپہ سالار ہے؟ تو مجلس آرائی کی سنگار ہے۔ اسے معرکہ جنگ سے کیا تعلق۔ بیرم خانی ہوا خواہ بھی دم بخود تھے۔ اور اکبر بھی چپ تھا۔ چنانچہ الہ آباد سے قلعہ کی بنیاد رکھ کر جلد پھرا کہ آگرہ سے سوار ہو کر پھر یلغار کرے۔ اور خود جا کر لڑائی کو سنبھالے۔ کوڑا گھاٹم پور میں پہنچا تھا جو فتح کی خبر پائی۔ نہایت خوش ہوا اور شکر کے سجدے بجا لایا۔ دو رخے دوغلوں نے فوراً گفتار کی رفتار بدلی۔ جھک جھک کر کہنے لگے۔ حضور ہی کی جوہر شناس آنکھ تھی۔ کہ جوہر قابلیت کو تاڑ لیا۔ پرانے پرانے جان نثار موجود تھے۔ مگر حضور نے اسی کو بھیجا۔

غرض اسی وقت حکم ہو گیا۔ کہ نقار خانہ سے تہنیت کی نوبت بجے۔ خط مذکور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بنجارہ کے چودھریوں اور مہاجنوں کی معرفت بہت جلد خبر پہنچا کرتی تھی۔ پہلے کشنا چودھری نے خبر دی پھر امرائے لشکر کے بھی عرائض پہنچے۔ اکبر نے بڑی آفرین کی۔ بڑی تحسین کی۔ اور کہا کہ اس کے باپ کا خان خانی خطاب اسے دیدو۔ خوشی کی مقدار اس سے سمجھ لو کہ خط مذکور میں شیخ صاحب لکھتے ہیں۔ جس وقت نقارہ خانہ سے نوبت کا غل ہوا۔ دوست اور دشمن خوشحالی میں برابر ہو رہے تھے۔ اور بات تو یہ ہے کہ خطاب و منصب کچھ بھی نہ ملتا۔ تو بھی درحقیقت تم سے وہ بن آئی ہے۔ کہ اہل زمانہ اور دشمنوں کے دل داغ داغ ہو جائیں۔ ایسا عالی خطاب جس کی پنج ہزاری

Marfat.com

امیر آرزوئیں کرتے تھے۔ پہلے ہی مل جانا خیال روزگار میں بھی نہ آتا تھا۔ چہ جائے کہ منصب بھی مل گیا۔

ابوالفضل اور حکیم ہمام کو خط:

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو فتحوں کے بعد مرزا خاں نے ابوالفضل کو اور ساتھ ہی حکیم ہمام کو خط لکھا تھا۔ اس خط میں غالباً دل کی پریشانی ظاہر کی تھی۔ کہ امرا رفاقت سے جی چراتے ہیں۔ اور ابوالفضل کو خط کے آخر میں قسمیں دے کر لکھا تھا۔ کہ حضور سے عرض کرو۔ کہ مجھے بلالیں۔ جواب میں شیخ لکھتے ہیں۔ کہ میں نے غور کر کے دیکھا۔ کسی طرح مناسب نہ معلوم ہوا۔ پھر دوستوں کی صلاحیں ہوئیں۔ رائے اسی پر متفق ہوئی۔ کہ مضر نہیں ہے۔ کہ وہ امید ہے تو فائدہ ہی کی ہے خیر افراط شوق پر ڈھال کر عرض کیا۔ اکبر نے نہایت حیران ہو کر کہا۔ کہ ہیں اس وقت میں آنا کیسا حکیم نے اپنی لسانی اور سخنوری کی معجون تیار کر کے باتیں بنائیں۔ پھر بھی شیخ لکھتا ہے۔ میرے نزدیک جس طرح ان باتوں سے حضور کا تعجب رفع نہیں ہوا۔ اسی طرح کچھ ضرر بھی نہیں ہوا۔

خط کا جواب:

خان خاناں نے بعد اس کے جو عرضداشت لکھی۔ تو بہت سی معروضات کے ذیل میں ٹوڈرمل کے لئے بھی درخواست کی تھی۔ اور یہ بھی عرض کی تھی کہ حضور خود اس ملک پر سایہ اقبال ڈالیں۔ اکبر نے بھی ارادہ کیا تھا۔ کہ ماہ آئندہ میں نوروز ہے۔ جشن کر کے روانہ ہوں۔ مگر خزانہ کو روانگی اور درخواستوں کے سرانجام کا حکم دے دیا۔ اور تعمیل بھی ہو گئی۔ خود نہیں گئے۔

خط مذکور میں ابوالفضل نے لکھا ہے۔ کہ تمہارے خط سے بڑا اضطراب پایا جاتا ہے۔ اور اس مضمون پر بزرگانہ اور دوستانہ بہت سے فقرے لکھے ہیں۔ شیخ نے ٹوڈرمل کے بلانے کو بھی اچھا نہیں سمجھا ہے۔ اور یہ بات شیخ کی درست تھی۔ لیکن نوجوان سپہ سالار پر جب مہم عظیم کا پہاڑ اور ذمہ داری کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ اور ملک کو دیکھا کہ اس سرے سے اس سرے تک آگ لگی ہوئی ہے۔ رفیقوں کو دیکھے۔ تو گرگان کہن ہیں۔ اور بادشاہ نے ماتحت کر دیئے ہیں۔ اور ایسا موقع آن پڑا ہے۔ کہ آنکھ سامنے نہیں کر سکتے۔ وہ ناچار مجلس مصلحت میں آتے تھے۔ لیکن گم سم بیٹھتے تھے۔ صلاح پوچھو۔ تو بات بات پر الگ ہوتے تھے۔ کہتے تھے تو یہ کہ ہم تو ماتحت ہیں۔ آپ خدمت فرمائیں۔ بسر و چشم حاضر ہیں۔ اور اپنے رفقا کی خلوتوں میں بیٹھ کر خدا جانے کیا کیا کہتے تھے۔ نوجوان کو وہ خبریں پہنچتی تھیں۔ اس حالت میں ابوالفضل جیسے مستقل شخص کے سوا کون تھا جو نہ گھبرائے۔ جن لوگوں کو انسان دلی

Marfat.com

دوست سمجھتا ہے۔ان کے سامنے دل کھول کر بخار نکالتا ہے۔اور صاف صاف جو حال ہوتا ہے کہتا ہے۔ بیشک اس نوجوان نے دل کی جو حالت تھی۔لکھ دی ہوگی۔اور یہی وجہ ٹوڈرمل کے بلانے کی ہوگی۔ کیونکہ راجہ خان خاناں کا دوست صادق ہو یا نہ ہو۔لیکن ایک کارگزار تجربہ کار اہل کار تھا۔ اور خالص نیت سے سلطنت کا خیر خواہ تھا۔ایسا نہ تھا کہ کسی کی دشمنی کے لئے بادشاہ کے کام کو خراب کر دے۔اور بڑی بات یہ تھی۔کہ اکبر کو اس پر پورا اعتبار تھا۔

بادشاہ کے خود تشریف لانے کی جو التجا کی تھی۔ بیشک نوجوان کا دل چاہتا ہوگا۔کہ جس نے مجھے پالا۔جس نے مجھے تعلیم و تربیت کیا۔اس کی آنکھوں کے سامنے جاں فشانیاں دکھاؤں۔کہ میں کیا کرتا ہوں۔اور یہ پرانے پاپی کیا کرتے ہیں۔اور شاید یہ بھی ہو کہ یہ میرے رفقا و ملازم حق نمک پر جانیں قربان کر رہے ہیں۔انہیں حسب دلخواہ انعام و اکرام دلواؤں۔

خان خاناں کا اور شیخ کا معاملہ:

(اس وقت خان خاناں کا اور شیخ کا معاملہ کیونکر تھا) یہی تصور کرو۔کہ ایک دربار کے دو ہم عمر ملازم ہیں۔خان خاناں گویا ایک نوجوان، خوش اخلاق، خوش صحبت، پہلو سبز، سخن فہم، امیر زادہ ہے۔ خواہ دربار ہو۔خواہ جلسہ علمی ہو، خواہ سواری، شکاری۔ ہر ایک جگہ پر خلوت و جلوت میں بلکہ محلوں میں بھی پہنچتا ہے۔دل لگی کے کھیل تماشے ہوں۔تو مصاحب موافق ہے ابوالفضل ایک عالم انشا پرداز۔ خوش اخلاق، خوش صحبت ہے کہ دربار و خلوت اور بعض صحبتوں میں حاضر رہتا ہے۔خان خاناں کو اس کے کمال اور دانائی اور خوبی تقریر و تحریر نے اپنا عاشق کر رکھا ہے۔اور ابوالفضل اس کے اخلاق اور خوش صحبتی کے سبب سے اور اس محبت سے کہ یہ نوجوان میری کلام اور کمال کا قدر دان ہے۔اور اس مصلحت سے کہ بادشاہ کے پاس کا ہر دم حاضر باش ہے اسے غنیمت سمجھتا ہے۔اور بڑی بات یہ ہے کہ جانتا ہے۔جس امر میں ترقی کر سکتا ہوں۔وہ اس کی راہ ترقی سے بالکل الگ ہے۔نوجوان امیر زادہ سے کچھ خطر کا اندیشہ نہیں۔اور یہ بھی تعجب نہیں۔کہ جب شیخ کے پرانے دشمن دربار پر ابر کی طرح چھائے ہونگے۔اس وقت یہ نوجوان دربار میں شیخ کی ہوا باندھتا ہوگا۔اور خلوت میں بادشاہ کے دل پر اس کی طرف سے نیک خیالوں کے نقش بٹھاتا ہوگا۔

امراء کا ایک دوسرے کے گھر جمع ہونا:

ابوالفضل، فیضی، خان خاناں حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام، میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ ضرور مختلف اوقات میں ایک دوسرے کے گھر پر جمع ہوتے ہونگے۔فیضی اور ابوالفضل کا ایک مذہب تھا۔اور جو

Marfat.com

کچھ تھا سو معلوم ہے۔ باقی سب دل کے شیعہ۔ نام کے سنت جماعت مگر درحقیقت ایسے تھے۔ گویا سب مذہب انہیں کے تھے۔ اس لئے آپس میں سب رفیق اور معاون رہتے ہونگے۔ ہاں جو ایک پہلو مذہب رکھتے ہونگے۔ وہ ان سے ضرور کھٹک رکھتے ہوں گے۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ جوانوں کی جوانوں سے ملت ہوتی ہے۔ بڈھوں کی بڈھوں سے، جوانوں کی شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی کہ جوش اصلی ہے۔ بڈھے بچارے کہاں سے لائیں۔ خوش طبعی کرینگے۔ تو بڈھے بھی ہونگے مسخرے بھی ہونگے۔

صحبت پیر و جواں راست نیاید ہرگز　　تیر یک لحظہ بہ پہلوے کماں نیشیند

استغفر اللہ کدھر تھا اور کدھر آن پڑا۔ مگر باتوں کے مصالح بغیر تاریخی حالات کا بھی مزہ نہیں آتا۔

مظفر خاں کی تیسری مرتبہ بغاوت:

۹۹۲ھ میں مظفر نے تیسری دفعہ سر اٹھایا۔ خان خاناں نے امرا کو فوجیں دیکر کئی طرف سے بھیجا۔ اور آپ جان نثاروں کو لے کر الگ پہنچا۔ مظفر نے اپنی حالت میں مقابلہ کی طاقت نہ پائی۔ اس لئے بھاگا۔ راجگان ملک اور زمینداران اطراف کے پاس وکیل دوڑاتا تھا۔ اور جابجا بھاگا پھرتا تھا۔ لوٹ پر گزارہ کرتا تھا۔ تمام علاقے تباہ کر دیئے۔ بھلا اس طرح کہیں سلطنتیں قائم ہوتی ہیں۔

خان خاناں کو ایک موقع پر جام نے خبر دی۔ کہ اس وقت مظفر فلاں مقام پر ہے۔ مستعد سپاہی اور چالاک گھوڑے ہوں۔ تو ابھی گرفتار ہو جاتا ہے۔ خان خاناں خود سوار ہو کر دوڑا۔ وہ پھر بھی ہاتھ نہ آیا۔ معلوم ہوا کہ جام دونوں طرف کارسازی کر رہا تھا۔ ان ترکتازوں میں اتنا فائدہ ہوا کہ جو لوگ مظفر کی رفاقت کر رہے تھے۔ وہ اپنی خوشامدوں کی سفارش لے کر رجوع ہو گئے۔ امین خاں غوری فرمانروائے جوناگڑھ نے اپنے بیٹے کو تحفے تحائف دیکر خان خاناں کی خدمت میں بھیجا۔

مظفر نے دیکھا کہ بہادر سپہ سالار تمام امراسمیت ادھر ہے۔ جام کے پاس اسباب ضروری رکھا اور بیٹے کو اس کے دامن میں چھپایا۔ آپ احمد آباد پر گھوڑے اٹھائے۔ تھانہ نتی پر خان خاناں کے معتبر وفادار موجود تھے۔ وہاں سخت مقابلہ ہوا۔ اور مظفر چھاتی پر دھکا کھا کر الٹا پھرا۔ خان خاناں کو جب سازش کا حال معلوم ہوا۔ تو بڑے خفا ہوئے۔ اور کہا کہ جام کو پھوڑ کر ٹھیکرا کر دونگا۔ فوج لیکر پہنچا۔ کہ دفعتاً نواگراؤں سے چار کوس پر جا کر جھنڈا گاڑ دیا (یہ جام کا دارالحکومت تھا) جام چکر میں آئے۔ کمال عجز و انکسار کے ساتھ عرضی لکھی۔ شرزہ ہاتھی اور عجائب و نفائس گراں بہا ساتھ لے کر بیٹے

Marfat.com

کو بھیجا۔ صلح جوئی، امن و امان، تسلی و دلاسا اکبری آئین تھا۔ خان خاناں اکبر کے شاگرد رشید تھے۔ پھر آنا مصلحت سمجھے۔

راجی علی خاں:

اکبر نے حکیم عین الملک وغیرہ امرائے با تدبیر کو سرحد دکن پر جاگیریں دیکر لگا رکھا تھا۔ انکی کار سازیوں میں ایک نتیجہ یہ حاصل ہوا تھا کہ راجی علی خاں حاکم برہان پور دربار اکبری کی طرف رجوع ہو گیا تھا۔ اور اس نظر سے کہ رشتہ اتحاد مضبوط ہو خداوند جہاں اس کے بھائی سے ابوالفضل کی بہن کی شادی کر دی تھی۔ راجی علی خاں ایک کہن سال تجربہ کار، نام کو برہان پور اور خاندیس کا حاکم تھا۔ مگر تمام خاندیس اور دکن میں اس کی تاثیر اثر برقی کی طرح دوڑی ہوئی تھی اور امور سلطنت کے ماہر اسے ملک دکن کی کنجی کہا کرتے تھے۔

حکام دکن اور خاندیس:

۹۹۳ھ میں خان خاناں احمد آباد میں بیٹھے اکبری سکہ بٹھا رہے تھے۔ کہ حکام دکن اور خاندیس آپس میں بگڑے۔ راجی علی خاں نے ایلچی بھیجا اور عرض کی دوربین سے دکھایا کہ ملک دکن کا رشتہ کھلا ہوا ہے۔ یہ اس آرزو پر مرادیں مانے بیٹھے تھے۔ انہوں نے امرا کو جمع کر کے جلسہ مشورت قائم کیا۔ خان خاناں کو حکم پہنچا۔ وہ بھی یلغار کر کے احمد آباد سے فتح پور میں پہنچے۔ اور یہی صلاح ٹھہری کہ ملک مذکور کا تسخیر کر لینا قرین مصلحت ہے۔ خان خاناں پھر احمد آباد کو رخصت ہو گئے اور خان اعظم مہم دکن کے سپہ سالار ہو کر روانہ ہوئے۔

خان خاناں سے میدان خالی پا کر مظفر نے پھر احمد آباد کا ارادہ کیا۔ جام نے اس کی عقل گنوائی۔ اور یہ سمجھایا۔ کہ پہلے جونا گڑھ کو لو پھر احمد آباد کو سمجھ لینا۔ وہ اس کے سرور میں مست ہو کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اور پھر سنبھل کر بیٹھا۔ امرائے بادشاہی کو خبر لگی۔ یہ سنتے ہی دوڑے۔ وہ الٹے ہی پاؤں بھاگا۔ اسی عرصہ میں خان خاناں بھی آن پہنچے۔ وہ تو نکل گیا تھا۔ اطراف و نواحی کے علاقے جو بچے ہوئے تھے۔ وہ بندوبست میں آگئے۔

خان اعظم کی آمد اور لڑائیوں کا آغاز:

خان اعظم معہ امرائے شاہی کے ادھر گئے۔ اور لڑائیاں جاری ہوئیں۔ احمد آباد گجرات سر راہ تھا۔ اور دکن کی سرحد پر تھا۔ اس مہم میں بھی اکبر نے خان خاناں کو شامل کیا تھا۔ چنانچہ انشائے ابو

Marfat.com

الفضل میں جو فرمان خان خاناں کے نام ہے۔ اگرچہ برائے نام بیربر کے مرنے کا حال ہے۔ مگر اسی ضمن میں لکھا ہے۔ کہ تمہاری عرضداشت پہنچی۔ ملک کے حالات جو لکھے ہیں۔ اس سے خاطر جمع ہوئی۔ تسخیر دکن کی تجویز میں جو جو باتیں تم نے لکھی ہیں۔ پسندیدہ معلوم ہوئیں۔ تمہاری وفور دانش اور کمال شجاعت سے امید ہے۔ کہ عنقریب اسی طرح ظہور میں آئے گا جیسا کہ تم نے لکھا ہے۔ اور ملک بہت آسانی سے تسخیر ہو جائیگا۔ مگر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے دل کھول کر خان اعظم کی مدد نہیں کی اور حق پوچھو تو خان اعظم بھی ایسے شخص نہ تھے۔ کہ کوئی سینہ صاف آدمی ان کی مدد کر سکے۔

بدخشاں پر فوج کشی:

اکبر کی دو آنکھیں نہ تھیں۔ ہزار آنکھیں تھیں۔ جن میں سے ایک کی نظر ملک موروثی پر تھی۔ چند روز کے بعد ادھر تو حکیم مرزا سوتیلا بھائی جس کے پاس ہمایوں کے وقت سے کابل کی حکومت تھی۔ وہ مر گیا۔ ادھر سنا کہ عبداللہ خان ازبک حاکم ماوراءالنہر نے دریائے جیحوں اتر کر بدخشان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور مرزا سلیمان کو نکال دیا۔ اس لئے بدخشان پر لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوا۔

یہ وہی موقع ہے کہ خان اعظم مہم دکن کو برباد کر کے خود سرگردان ان کے پاس پہنچے۔ خان خاناں نے لوازم ضیافت سرانجام کر کے رخصت کیا۔ اور خود فوج آراستہ لے کر روانہ ہوا۔ جب بڑودہ سے ہوتے ہوئے بھڑوچ میں پہنچے تو خان اعظم کے خط آئے۔ کہ اب تو برسات آ گئی۔ اس سال لڑائی موقوف۔ آئندہ سال میں ہم تم مل کر چلیں گے۔ اور خان خاناں احمد آباد کو پھر آئے اور یہی وجہ ہے۔ کہ میر فتح اللہ شیرازی بھی وہاں موجود ہیں۔ اس معاملہ کو پانچ مہینے گزرے تھے کہ:۔

ان کے پرچہ نویس قیامت تھے۔ انہیں بھی خبر پہنچی۔ نوجوان صاحب ہمت کے دل میں امنگ آئی ہوگی۔ کہ جن پہاڑوں پر میرے باپ نے شاہ جنت نشان (ہمایوں) کی خدمت میں جاں نثاریاں کی ہیں۔ رات کو رات، دن کو دن نہیں سمجھا۔ وہیں چل کر میں بھی تلواریں ماروں۔ دکن سے عرضداشت لکھی۔ کہ حضور نے مہم بدخشان کا ارادہ مصمم فرما لیا ہے۔ مجھے بھی شوق پابوس بے قرار کرتا ہے اور جی چاہتا ہے۔ کہ ان پہاڑوں میں فدوی بھی رکاب پکڑے ساتھ جاتا ہو۔

۹۹۵ھ میں یہ اور میر فتح اللہ شیرازی طلب ہوئے۔ انہوں نے اونٹوں اور گھوڑوں کی ڈاک بٹھائی اور یلغار کر کے آئے۔ بادشاہ نے ملک خاندیس کے احوال سنے۔ فتوحات دکن کے باب میں مشورے ہوئے۔ اور کابل و بدخشان کی مہم میں گفتگوئیں ہوئیں۔ بدخشان کی مہم ملتوی رہی۔

Marfat.com

مظفر خاں کی گاہے بگاہے بغاوتیں:

مظفر نے بھی ہمت نہیں ہاری۔ کبھی کمبائت، کبھی نادوت، کبھی سورت، کبھی پوربی، اتھنیر۔ کچھ وغیرہ اضلاع میں سے کہیں نہ کہیں سر نکالتا تھا۔ ایک جگہ شکست کھاتا تھا۔ پھر ادھر ادھر سے حشری اور جنگلی لٹیرے سمیٹ کر دوسری جگہ آن موجود ہوتا تھا۔ کہیں خان خاناں۔ کہیں اس کے ماتحت امرا اسے ریلتے دھکیلتے پھرتے تھے۔ اور ملک کے انتظام میں مصروف تھے۔ ان میں قلیچ خان پرانا امیر تھا۔ اور بنوں میں خواجہ نظام الدین نے ایسے جوہر جانفشانی کے دکھائے۔ کہ دیکھنے والوں کو بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔

۹۹۷ھ میں خان اعظم کو احمد آباد گجرات عنایت ہوئی۔ اور خان خاناں معہ امرائے فتح یاب بلائے گئے۔ باپ کے مراتب میں سے وکیل مطلق کا منصب برسوں ہوئے تھے کہ گھر سے نکل چکا تھا۔ ٹوڈرمل کے مرنے پر ۹۹۸ھ میں پھر قبضہ میں آیا۔ احمد آباد گجرات کے عوض جونپور عنایت ہوا۔

واقعات بابری کا ترجمہ:

خان خاناں مہمات ملکی کے ساتھ علمی خیال سے خالی نہ رہتا تھا۔ اسی سنہ میں حسب الحکم واقعات بابری کا ترجمہ کر کے پیش کیا۔ پسند اور مقبول ہوا۔

۹۹۹ھ۔ ۱۵۹۱ء میں بادشاہ نے ملتان اور بھکر کو خان خاناں کی جاگیر کیا۔ اور امرائے بادشاہی اور لشکر دے کر کوئی لکھتا ہے قندھار کی مہم پر اور کوئی لکھتا ہے ٹھٹھہ کی مہم پر بھیجا۔ اکبر نامہ کی عبارت سے بو آئی۔ جس سے طبیعت میں تلاش پیدا ہوئی۔ ادھر ادھر دیکھا کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر میرے بچپن کے دوست مدد کو آئے یعنی ابوالفضل کے رقعے جو اس نے خان خاناں کے نام لکھے تھے اور میں نے دبستان طفلی میں بیٹھ کر یاد کیے تھے۔ انہوں نے یہ راز کھولا۔ قندھار کو اس وقت ایران تو اپنا حق سمجھتا تھا۔ کہ ہمایوں وعدہ کر آئے تھے۔ عبداللہ خاں کہتے تھے کہ قندھار کے ساتھ ایران کو بھی گھول کر پی جائیں۔ اکبر نے اس وقت دیکھا کہ شہزادگان صفوی جو سلطنت ایران کی طرف سے حاکم ہیں۔ وہ شاہ سے آزردہ ہیں۔ اور آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اور رعایا ادھر رجوع ہے۔ دونوں بادشاہ اپنی اپنی مہمات میں مصروف ہیں۔ صلاحیں تو بہت مدت سے ہو رہی تھیں۔ اب تجویز ہوئی۔ کہ بیرم خاں نے مدت تک وہاں حکومت کی ہے۔ خان خاناں ملتان کے رستے فوج لیکر جائیں۔ انہوں نے کچھ تو اس سبب سے کہ وہاں کے معاملات جیسے اب دیکھتے ہو۔ اس وقت اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور خطرناک تھے۔ دوسرے ہندوستانی لوگ برفانی ملکوں کے سفر سے بہت ڈرتے تھے۔ اور یہاں کی

Marfat.com

فوج میں زیادہ تر ہندوستانی ہوتے ہیں۔ تیسرے اس سبب سے کہ وہاں کی مہموں میں روپیہ کا بڑا خرچ ہے اور خان خاناں کے ہاتھ روپیہ کے دشمن تھے۔ ع

چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

غرض کچھ اپنی رائے کچھ رفیقوں کی صلاح سے عرض کی۔ کہ پہلے ٹھٹھہ کا ملک میری جاگیر میں شامل کر دیا جائے پھر قندھار پر فوج لے کر جاؤں۔ اس کی رائے بھی مصلحت سے خالی نہ تھی۔ وہ دور بیں اور باخبر شخص تھا۔ ہزاروں تجربہ کار واقف حال افغانی خراسانی ایرانی تورانی اس کے دسترخوان پر کھانے کھا رہے تھے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ گجرات کے جنگل میں جا کر نقارے بجاتے پھرے۔ یہ بات اور ہے۔ قندھار شہید کا چھتا ہے۔ ایران توران ہر ایک کا اس پر دانت ہے۔ دو شیروں کے منہ سے شکار چھینا اور سامنے بیٹھ کر کھانا کچھ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

ٹھٹھہ کی فتح کا خیال:

معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہی مرضی یہی تھی۔ کہ سیدھے قندھار پر پہنچو۔ انہوں نے اور ان کے رفیقوں نے صلاح کو اس طرف پھیرا کہ ٹھٹھہ رستہ میں سے صاف کر کے قبضہ کرنا چاہئے۔ ابوالفضل کی بھی یہی رائے تھی۔ کہ ٹھٹھہ کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ کہ تمہارے فراق میں مجھے یہ یہ غم ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ تسخیر قندھار کو چھوڑ کر ٹھٹھہ کا رخ کیا۔

ان خطوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۹۹۹ھ کے اخیر میں فوج روانہ ہوئی۔ مگر اندر اندر خدا جانے کب سے تیاریاں ہوتی تھیں۔ کیونکہ ۹۹۸ھ کے خط میں شیخ خان خاناں کو لکھتا ہے۔ ہزار ہزار شکر کہ فتح و فیروزی کی ہوائیں چلنے لگیں۔ امید ہے کہ عنقریب یہ ولایت فتح ہو جائے۔ دیکھنا عزم قندھار اور فتح ٹھٹھہ کو اور زمانہ پر ڈالنا کہ وقت و موقع گزر جاتا ہے۔ بڑی بات یہی ہے۔ کہ چاہو تو جو لوگ اردو میں بیکار ہیں انہیں مانگ لو اور یہ خدمت لیکر ٹھٹھہ کو جاگیر میں قبول کرو۔ مجھے ہزار سالہ تجربہ کار سمجھ کر اگر یہ بات مان لوگے تو ممکن ہے کہ یہ کام ہو جائے گا۔ یہ خط اس وقت کا ہے۔ جب کہ خان خاناں کو جونپور کا علاقہ ملا ہوا تھا۔ اور قندھار کے لئے اندر اندر گفتگوئیں ہو رہی تھیں۔ اور سلطنت کے معاملے میں خدا جانے حکم احکام حساب کتاب کے کیا کیا الجھاوے ہونگے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ پیارے میری تلخ گوئیوں میں ہمیشہ خوش رہ کر غم کو ذرا دل میں راہ نہ دو۔ اگر بعض حسب الحکمی فرمانوں میں (کہ وہ بھی ایک ظاہری بات کے سوا اور کچھ نہیں) چند حرف سخت یا غم آور لکھوں تو گلشن خاطر کو عین بہار میں خزاں نہ کرو اور بدگمان نہ ہو۔ پرگنہ کے خالصہ کرنے میں اور معاملہ بقایا میں اور جو

Marfat.com

کچھ اس کے عوض جونپور سے لیا ہے ان سب باتوں کو طول نہ دینا چاہئے۔ یہ طرز اور لوگوں کی ہے۔ تم اور رستے کے لوگ ہو۔

از جان و دل گوید کسے پیش چناں جانانہ　　　از سیم و زر گوید کسے پیش چناں اسکندر

یعنی تمہارا اور بادشاہ کا اور معاملہ ہے۔ شکر ہے۔ کہ تمہاری عبارتیں مفصل گوش گزار نہیں ہوئیں۔ پھر بھی وقت وکلمہ مناسب میں ادا ہو گئیں۔ درگاہ الٰہی میں گریہ وزاری رات دن خلوت کی حالت میں لازم سمجھو۔ بہت خوشی حرام، شکستہ دلوں کے آگے گدائی، بے دلوں کی دل داری بہت کرتے رہو وغیرہ وغیرہ دیکھو موقع وقت ہے۔ ایک جگہ خان خاناں نے اپنے خط میں شاید لکھا ہے۔ کہ فلاں فلاں کتاب تو جلسہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اور کیا کہتے ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ شاہنامہ اور تیمور نامہ وغیرہ کتابیں تو اس لئے لکھی تھیں۔ کہ بنائے گفتار اس انداز پر آئے۔ اصلاح نفس مطلوب ہے تو اس کے لئے اخلاق ناصری، جلالی، حدیقہ، مہلکات ومنجیات، کیمیائے سعادت وغیرہ وغیرہ ہیں۔

حکیم ہمام کا خط موصول ہونا:

خط مذکور میں لکھتے ہیں۔ شکر خدا کہ برادر گرامی حکیم ہمام کے آدمی کے ہاتھ جو خط بھیجا تھا۔ وہ پہنچا پہلے تو اس کے پہنچنے سے پھر دیکھنے سے پھر سمجھنے سے دل پھول سا کھل گیا۔ خصوصاً اس بات سے کہ ترکمان لوگ قندھار سے استقبال کو آئے ہیں۔ تمہارا مصمم ارادہ جو ایران کی طرف ہے سو طرح خوشی کا سرمایہ ہوا وغیرہ وغیرہ۔ میرے پیارے اس فوج کشی میں جو کہ پیش آئی ہے۔ اعزاز اور نام بلند روپیہ سے خریدا جاتا ہے۔ دس کے پندرہ اور دس کے بیس قرض لو اور خریداری میں بڑی کوشش کرو۔ روپیہ ناموری کا پچھ لگو ہے۔ اور اقبال کی طرح خواہ مخواہ دروازہ کی کنڈی ہو جاتا ہے۔ جیسے کسان کی کھیت میں گھاس اور سبزہ خودرو وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور خط کی تمہید بھی اٹھائی ہے۔ کہ سفر کا ارادہ۔ بادشاہی رخصت۔ فتح قندھار وٹھٹھہ وغیرہ کی طرح مبارک ہو۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔ جو احکام بادشاہی تھے۔ ان کا فرمان مرتب کر کے (تمہارے نام) بھیج دیا ہے۔ تم نے لکھا تھا کہ ایران وتوران کو حضور سے مراسلات جاری ہوں۔ بے تکلف کہتا ہوں کہ بعینہ وہی مضمون ہیں۔ جو میں نے سوچے تھے۔ عبارت اور لفظ ہی کا فرق ہو گا۔

ایک اور خط میں لکھا ہے۔ میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ قندھار کی فتح (جو فتح ایران کا دیباچہ ہے)

Marfat.com

جب تک نہ سن لوں گا۔ نہ حکایت اشتیاق لکھوں گا نہ شکایت فراق۔ اب ساری ہمت اس کام کی برآمد میں صرف کرتا ہوں۔ جو بزرگ جہاں (اکبر) خیر اندیش زمان (خود) کی پیش نہاد خاطر ہے۔ اور سب دوستداروں کی مراد ہے۔ چند حرف لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ خرد دوربین تمہاری ساعت تک پہنچائے تم سوداگر زرطلب یا پرانے سپاہی دن کاٹنے والے نہیں۔ جو سمجھوں کہ مہم ٹھٹھہ کو قندھار پر ترجیح دو گے اور کلام کو طول دوں۔ ڈر تو ہمراہیوں کا ہے۔ کہ کوتہ اندیش عزت بیچ کر روپیہ کے خریدار ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب مزاج کے دل پر اشتعال کو ادھر ڈال دیں۔ قندھار اور قندھاریوں کا حال معتبر خبروں سے نیا معلوم ہوا ہوگا۔ لکھوں کیا؟ حاصل مطلب یہ ہے۔ کہ قندھار کو ہر وقت آسان نہیں لے سکتے۔ برخلاف ٹھٹھہ کے۔ درمیان کے زمیندار بلوچ افغانوں کو دلاسے کی زبان بخشش کے ہاتھ سے اپنا کر کے لشکر فیروزی میں لگالو۔ اور وقت فرصت کو غنیمت سمجھو، توکل الہیٰ کے مضبوط بھروسے پر تکیہ کر کے چستی وچالاکی سے قندھار کا رخ کرو۔ کمکی لوگوں کی راہ بہت نہ دیکھو۔ اگرچہ لوگ بہت آن ملیں گے۔ مگر رستہ یہ ہے۔ کہ دادودہش میں کوشش نہ کرو کہ جاہ وعزت اسی میں ہے۔ ہشیاری اور بردباری کو دائیں بائیں کا مصاحب رکھو۔ مجلس میں چرچا ظفر نامہ، شاہنامہ، چنگیز نامہ کا چاہئے۔ اخلاق ناصری، مکتوبات شیخ شرف منیری اور حدیقہ کی سہی نہیں۔ وہ ملک فقر کی گفتگو ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر لکھتے ہیں۔ بے شک مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ نے ہمایوں کے ساتھ عالم تباہی میں بڑی بے وفائی کی تھی۔ اور اکبر کے دل میں یہ کھٹک تھی۔ پھر بھی اکبر کی اور ساتھ اس کے ابوالفضل اور امرائے دربار کی رائے یہی تھی۔ کہ شاہان ایران وتوران اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قندھار کے لئے ایسا موقع پھر نہ ہاتھ آئیگا۔ ٹھٹھہ کو جب چاہیں لے سکتے ہیں۔

قندھار فقط نام کا میٹھا:

انہوں نے پھر کہا کہ قندھار فقط نام کا میٹھا ہے۔ ملک بھوکا ہے۔ حاصل خاک نہیں بلکہ خرچ ہیں۔ کہ جن کا کچھ حساب نہیں۔ اور میرے پاس اس وقت کچھ نہیں۔ میں بھوکا، سپاہ بھوکی، خالی کیسہ لیکر جاؤں گا۔ تو کرونگا کیا؟ جب ملتان سے بھکر اور ٹھٹھہ تک تمام ملک سندھ میں اکبری نقارہ بجے گا۔ سمندر کا کنارہ اکبری تصرف میں ہوگا تو قندھار خود بخود ہاتھ آجائیگا۔

بہر حال قندھار کو روانہ ہوئے۔ مگر غزنی اور ہنکش پاس کا رستہ چھوڑ کر ملتان اور بھکر ہو کر چلے۔ ملتان انکی جاگیر تھی۔ کچھ روپیہ کی تحصیل۔ کچھ فوج کی فراہمی۔ کچھ آگے کے بندوبستوں میں اور دیر لگی۔ انجام کو یہی ٹھیری کہ ٹھٹھہ کا فیصلہ کردو۔ مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ کی اتنی خطا ضرور تھی۔ کہ ہمایوں سے

Marfat.com

عالمی تباہی میں اچھی طرح پیش نہ آیا تھا۔ اور اکبر کے دربار میں بھی تحفے تحائف بھیجتا رہا۔ خود حاضر نہ ہوا۔ اس لئے اس پر اعتبار نہ تھا۔ چنانچہ نشان لیکر ادھر کی ہوا میں لہرایا۔ فیضی نے تاریخ کہی۔ قصد تتہ۔ ملتان سے نکلتے ہی بلوچوں کے سرداروں نے حاضر ہوکر عہد و پیمان تازہ کئے۔

سندھ کی تسخیر:

مرزا جانی کے ایلچی حاضر ہوئے۔ کہ حضور کا لشکر قندھار پر جاتا ہے۔ مناسب ہے۔ کہ میں بھی اس مہم میں ساتھ ہوں۔ مگر ملک میں مفسدوں نے سر اٹھایا ہوا ہے۔ فوج خدمت گزاری کو بھیجتا ہوں۔ انہوں نے ایلچی کو الگ اتارا۔ اور فوج کی رفتار تیز کی۔ خبر لگی کہ قلعہ سیوان میں آگ لگ گئی ہے۔ اور مدتوں کا جمع کیا ہوا غلہ جل کر خاک سیاہ ہو گیا ہے۔ مبارک شگون سمجھ کر اور بھی قدم بڑھائے۔ فوج نے دریا کے رستے قلعہ سیوان کے نیچے سے نکل کر لکی کو مار لیا۔ کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ اور کنجی سندھ کی ہاتھ آ گئی۔ لکی ملک سندھ کے لئے ایسا ہے۔ جیسا کہ بنگالہ کیلئے گڈھی۔ اور کشمیر کیلئے بارہ مولہ۔ سپہ سالار نے قلعہ سیوان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت یہ حاکم نشین قلعہ تھا۔ بنانیوالے نے ایک پہاڑی پر بنایا تھا۔ چالیس گز خندق سات گز کی مضبوط فصیل۔ گویا لوہے کی دیوار تھی۔ آٹھ کوس لمبا، چھ کوس چوڑا، تین ساخیں دریا کی وہاں ملتی ہیں۔ رعایا کچھ جزیرہ میں اور کچھ کشتیوں میں رہتی تھی۔ ایک سردار چند کشتیاں لے کر دفعتاً جا پڑا بڑی لوٹ ہاتھ آئی۔ اور رعیت نے اطاعت کی۔

مرزا جانی کا فوج لے کر پہنچنا:

مرزا جانی سنتے ہی فوج لے کر آیا۔ نصیر پور کے گھاٹ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ اسکی طرف بڑا دریا تھا۔ باقی طرفوں میں نہریں نالے۔ اور ان کے کیچڑ جھلے قدرتی بچاؤ تھے۔ وہ قلعہ بنا کر بیچ میں اترا۔ (ریتے کا ملک ہے وہاں قلعہ بنا لینا کچھ مشکل نہیں) اور توپخانہ اور جنگی کشتیوں سے استحکام دیا۔ خان خاناں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اکبر نے جیسلمیر اور امرکوٹ کے رستے اور فوج بھیجی تھی۔ وہ بھی آن پہنچی۔ سپہ سالار نے ایک سردار کو اپنی جگہ چھوڑا۔ کہ قلعہ والوں کو روکے رہے۔ اور رسد کیلئے رستہ جاری رہے۔ دشمن نے چھ کوس پر جا کر چھاؤنی کی۔ گرد دیوار و خندق تیار کر خاطر جمع سے بیٹھ گیا۔ غنیم کی طرف سے خسرو چرکس اس کا غلام سپہ سالار تھا۔ وہ جنگی کشتیاں تیار کر کے چلا۔ کل کشتیاں ان کی دو سو تھیں۔ اور سو کشتی جنگی۔ خبر اڑی کہ فرنگیوں نے بندر ہرمز سے اس کی مدد کو فوج بھیجی ہے۔ یہ بھی ادھر سے بڑھے۔ حریف کشتیاں چڑھاؤ پر لاتا تھا۔ مگر بہاؤ سے بھی تیز آتا تھا۔

Marfat.com

شام قریب تھی لڑائی دوسرے دن پر ملتوی رہی۔خبر لگی کہ مرزا جانی بھی خشکی سے آتا ہے۔کئی سردار اسی وقت فوج لے کر سوار ہوئے۔اور اندھیری رات میں ہوا کی طرح پانی پر سے گزر کر پار جا پہنچے۔ اور یہاں دریا میں صبح ہوتے ہی توپ چلنی شروع ہوئی۔مگر عجیب وغریب لڑائی تھی۔دشمن نے چاہا۔ کہ چڑھ آئے۔پانی کم تھا۔اور سامنے سے پانی کا توڑ۔اس لئے نہ بڑھ سکا۔جو بہادر رات کو پار اترے تھے۔توپ کی آواز سنتے ہی سیل کی طرح دریا کی طرف دوڑ پڑے۔کناروں پر آ کر چھا گئے۔ اور پانی پر آگ برسانے لگے۔خان خاناں کے پاس جنگی کشتیاں کل پچیس تھیں۔ان کو چھوڑ دیا۔ ادھر سے بہاؤ پر جانا تھا۔وہ موج کی طرح چلیں اور دم میں تیر کے پلے پر جا پہنچیں۔آگ کی برسات نے ایک چھینٹا گولیوں کا مارا۔اور پل کے پل میں برچھی اور جمدھر پر نوبت آگئی۔بہادروں کا یہ عالم تھا۔کہ کھولتے پانی کی طرح ابلے پڑتے تھے۔کود کود کر دشمن کی کشتیوں میں جا پڑے۔ کشتیاں اور غراب مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں۔ایک امیر کشتی کو دوڑا کر خسرو خان پر پہنچا اور زخمی کیا۔پکڑ ہی لیا تھا۔مگر ایک توپ پھٹ گئی۔اور کشتی ڈوب گئی۔پروانہ حریف کا نامی سردار آگ کی جگہ پانی میں فنا ہوا۔غنیم کے پاس فوج زیادہ،سامان پورا۔مگر شکست پڑی۔چار کشتیاں سپاہ اور اسباب جنگ سے بھری ہوئی قید ہوئیں۔انہیں میں قیطور حرموز تھا۔حاکم حرموز اپنا ایک معتبر ٹھٹھہ میں رکھتا تھا۔ادھر کے تاجروں کے سب کاروبار میں امین (ایجنٹ) کہلاتا تھا۔جانی بیگ اسے ساتھ لے آیا تھا۔اور اپنے بہت سے آدمیوں کو فرنگی فوج کی وردی پہنا دی تھی۔

اگر اس وقت گھوڑا اٹھائے مرزا جانی پر جا پڑے۔تو ابھی مہم تمام تھی۔مگر بے ہمتوں کی صلاح نے روک لیا کہ دشمن ڈوبتا ڈوبتا سنبھل گیا۔

بادشاہی فوج کی کثرت:

بادشاہی فوج بہت تھی۔خشکی میں امرا فوجیں لئے پھرتے تھے۔اور جا بجا معرکے کرتے تھے چنانچہ اکثر مقام قبضہ میں آئے۔اور رعایا نے اطاعت کی۔امرکوٹ کا راجہ اطاعت کر کے مدد کو تیار ہوا۔اور اس کے سبب سے ادھر کا رستہ صاف ہو گیا۔ایک مقام کی رعایا ی نے کنوؤں میں زہر ڈال دیا۔ملک ریگستان پانی نایاب جو فوج بادشاہی اس رستہ گئی تھی۔عجب مصیبت میں گرفتار ہوئی۔نگاہیں خدا کی طرف تھیں۔کہ اقبال اکبری نے یاوری کی۔بے موسم بادل آیا۔اور مینہ برس گیا۔تالاب بھر گئے۔خدا نے اپنے بندوں کی جانیں بچالیں۔

مرزا جانی گھبرا گیا۔مگر فوج کی بہتات اور لڑائی کے سامان پر خاطر جمع تھی۔جگہ کی مضبوطی دل کو

Marfat.com

قوی کرتی تھی۔ برسات کا بھی بھروسا تھا۔ وہ سمجھا ہوا تھا۔ کہ نہریں نالے دریا سے زیادہ چڑھ جائیں گے بادشاہی لشکر آپ گھبرا کر اٹھ جائیگا۔ نہ جائے گا تو گھر جائے گا۔ ادھر بادشاہی فوج کو غلہ کی کمی نے بہت تنگ کیا۔ سپہ سالار کبھی چھاؤنی کے مقام بدلتا تھا۔ کبھی لشکر کو ادھر ادھر بانٹتا تھا۔ ساتھ ہی دربار کو عرضی کی۔ اکبر کا خیال دریائے مہمات کی مچھلی تھا۔ امرکوٹ کے رستہ سے ادھر سے بہت کشتیوں میں غلہ اور جنگی سامان توپ تفنگ تلوار اور لاکھ روپیہ نقد فوراً روانہ ہوا۔

چون بیچوں بیچ ولایت:

چون بیچوں بیچ ولایت کا ہے۔ خان خاناں خود یہاں چھاؤنی ڈال کر بیٹھا۔ امرا کو مختلف مقاموں پر روانہ کیا۔ اور ایک لشکر قلعہ سیوان پر دریا کے رستے بھیجا۔ مرزا جانی کو خیال تھا۔ کہ بادشاہی لشکر دریا کی لڑائی میں کمزور ہے۔ اس پر خود فوج لے کر چلا کہ رستہ میں ہاتھ مارے۔ سپہ سالار بے خبر نہ تھا۔ دولت خان ❶، خواجہ مقیم، اور دھار اپسر ٹوڈرمل وغیرہ کو فوجوں کے ساتھ کمک کے لئے بھیجا۔ پہلی فوج گھبرا رہی تھی کہ یہ دو دن میں چالیس کوس رستہ لپیٹ کر جا پہنچے۔ اور یہی معرکہ تھا جس میں خود مرزا جانی سے لشکر بادشاہی کا مقابلہ ہوا۔ امرا نے مشورت کا جلسہ کیا۔ پہلے صلاح ہوئی۔ کہ خان خاناں سے اور فوج منگاؤ۔ مگر دشمن کی فوج کا اندازہ کر کے غلبہ رائے کا اسی پر ہوا۔ کہ لڑ مرنا بہتر ہے۔ یہ دشمن سے چھ کوس پر پڑے تھے۔ چار کوس بڑھ کر استقبال کیا۔ اور بڑے استقلال اور سوچ سمجھ کے ساتھ لڑائی ڈالی۔ فتح کی خوش خبری ہوا پر آئی۔ کہ پہلے ادھر سے ادھر کو چل رہی تھی۔ لڑائی شروع ہوتے ہی رخ بدل گئی۔ امرا نے فوج کے چار پرے کر کے قلعہ باندھا۔ اور لڑائی شروع کی۔ غنیم کے ہراول اور دائیں کی فوج بڑے زور و شور سے لڑی۔ امرائے شاہی نے جو کہ ان کے مقابل تھے۔ خوب مقابلہ کیا۔ نامی سرداروں نے زخم اٹھائے مگر اپنے سامنے کی فوجوں کو اٹھا کر کہیں کا کہیں پھینک دیا۔ بائیں کی فوج نے بھی اپنے سامنے کی فوج کو لپیٹ کر الٹ دیا۔ غنیم کی فوج ہراول میں خسرو چرکس تھا۔ نے اس ہراول کو دبا کر ایسا ریلا کہ بائیں کو بھی تہ و بالا کر دیا۔ بادشاہی ہراول شمشیر عرب تھا۔ خوب ڈٹا، اور زخمی ہو کر گرا۔ رفیق میدان سے نکال لے گئے۔ ہوا بھی مدد کو آئی۔ گرد اور آندھی کا یہ عالم ہوا۔ کہ دشمن کی آنکھ نہ کھولنے دیتی تھی۔ دایاں کہیں جا پڑا۔ بایاں کہیں۔

دولت خاں نے فوج شاہی کے قلب سے نکل کر خوب خوب ہاتھ مارے۔ اس کا رفیق بہادر خاں حیران کھڑا تھا اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ کہ دونوں فوجوں کے انتظام درہم برہم ہیں۔

❶ دولت خاں لودھی سپہ سالار خان خاناں ۱۰۰۸ھ میں احمد نگر کی فتح کے بعد درد قولنج سے مر گیا۔

Marfat.com

دیکھیے کیا ہوتا ہے۔اس ریل دھکیل میں دو تین سردار اس کے پاس پہنچے۔ساتھ ہی خبر لگی کہ مرزا جانی چار پانچ سو سواروں سے الگ کھڑا ہے۔انہوں نے خدا پر توکل کر کے باگیں اٹھائیں۔اکبر کا اقبال دیکھو کہ کل سو آدمی تھے۔انہی سے اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ایک میدان بھی نہ لڑا۔نوک دم بھاگ گیا۔اس وقت دشمن کے ایک ہاتھی نے دوستوں کی خوب مدد کی۔مستی میں آ کر ہتھیائی کرنے لگے۔ اور اپنی ہی فوج کو برباد کر دیا۔

دھارا رائے ٹوڈرمل کا بیٹا اس معرکہ میں خوب بڑھ بڑھ کر لڑا وہ ہراول میں تھا۔افسوس کہ پیشانی پر نیزہ کا زخم کھا کر گھوڑے گرا۔خوشا نصیب کہ سرخرو دنیا سے گیا۔پھر بھی کم بخت باپ کے حال پر افسوس کرنا چاہیے۔کہ جوان بیٹے کا داغ بڑھاپے میں دیکھا۔میدان میں فتح کی روشنی ہو گئی تھی۔ اتنے میں امرا کو خبر لگی۔کہ دشمن کی فوج بادشاہی لشکر کے ڈیروں کو لوٹ رہی ہے۔یہ پہلے سے گئے تھے۔لڑائی کے وقت پیچھا مارینگے۔خود پیچھے پہنچے۔سنتے ہی سرداروں نے گھوڑے اڑائے۔اور باز کی طرح شکار پر گئے۔بھگوڑوں نے جان کو غنیمت سمجھا۔جو مال لیا تھا۔پھینک کر بھاگ گئے۔ان کے تین سو۔خان خاناں کے سو آدمی ضائع ہوئے۔مرزا کئی جگہ پلٹ کر ٹھیرا مگر خدائی اقبال سے کون لڑے۔اس لڑائی کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔چھاؤنی کہیں میدان جنگ کہیں۔سپہ سالار خود کہیں،سب کو تائید آسمانی کا یقین ہو گیا۔پانچ ہزار کو بارہ سو نے بھگا دیا۔

یہاں تو یہ معرکہ ہوا۔ادھر جس قلعہ کو مرزا جانی نے برے وقت کی پناہ سمجھا تھا۔خان خاناں اس پر جا پہنچا۔اور حملہ ہائے مردانہ سے مسمار کر دیا۔مرزا جانی میدان جنگ سے بھاگ کر ادھر گیا تھا کہ گھر میں بیٹھ کر کچھ تدبیر کرے۔رستہ میں سنا۔کہ قلعہ میدان ہو گیا۔اور وہاں خان خاناں کی خیمہ گاہ ہے۔بہت حیران ہوا۔خوروتامل کے بعد ہالہ کنڈی سے چار کوس سیوان سے چالیس کوس دریائے سندھ کے کنارہ پر جا کر دم لیا۔اور ایک قلعہ بنا کر بیٹھ گیا۔بڑی گہری خندق گرد کھودی۔خان خاناں بھی پیچھے پیچھے پہنچا۔اور محاصرہ کر لیا۔

لڑائی دن رات جاری تھی۔توپ وتفنگ جواب سوال کرتے تھے۔کہ ملک میں وبا پڑی۔اور اتفاق یہ کہ جو مرتا تھا سندھی مرتا تھا۔فقرائے گوشہ نشین نے خواب دیکھے کہ جب تک اکبری سکہ وخطبہ جاری نہ ہوگا۔یہ بلا دفع نہ ہوگی۔وبا ناشکری کی سزا ہے۔سرکشی سے توبہ کرو تو دفع ہو۔یہ خواب جلد مشہور ہوئے۔اور بندگان شاہی اور بھی قوی دل ہو کر مستعد ہو گئے۔ریگستان کا ملک ہے۔خاک تودے بناتے تھے۔اور انکی اوٹ میں مورچے بڑھاتے جاتے تھے۔رفتہ رفتہ قلعہ کے پاس جا پہنچے۔ محاصرہ ایسا تنگ ہوا کہ اہل قلعہ تنگ ہو کر زبان بزبان صلح کی کہانیاں سنانے لگے۔بادشاہی لشکر بھی

Marfat.com

خوراک سے تنگ ہو گیا تھا منظور کیا۔ عہد یہ ہوا کہ سیوستان کا علاقہ قلعہ سیوان سمیت اور بیس جنگی کشتیاں نذر کرے۔ مرزا ایرج یعنی سپہ سالار کے بیٹے کو اپنی بیٹی دے۔ اور برسات بعد حاضر دربار ہو۔ خان خاناں نے جنگی مورچے اٹھائے۔ اور لڑائی کے میدان میں شادی کے شامیانے تن گئے۔ مرزا نے برسات بسر کرنے کو قلعہ خالی کر دیا۔

لطیفہ:۔ خان خاناں کے دربار میں جو شعرالطائف وظرائف کے چمن کھلایا کرتے تھے۔ ان میں ملا شکیبی شاعر تھے۔ انہوں نے اس لڑائی کی سرگزشت مثنوی میں ادا کی اور حقیقت میں طلسم کاری دکھائی۔ خان خاناں ایک شعر پر بہت خوش ہوا۔ اور اسی وقت ہزار اشرفی دی۔

ہمائے کہ بر عرش کردے خرام گرفتی و آزاد کردی زدام

لطف یہ ہے۔ کہ جس وقت اس نے خان خاناں کے دربار میں سنائی۔ مرزا جانی بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی ہزار ہی اشرفی دی اور کہا۔ رحمت خدا کہ مرا ہما گفتی اگر شغال میگفتی زبانت کہ میگرفت۔

بادشاہ نے اس مہم میں لاکھ روپیہ ایک دفعہ پچاس ہزار ایک دفعہ پھر لاکھ روپیہ لاکھ من غلہ پھر سو بڑی توپیں اور توپچی دریا کے رستہ بھیجے۔ اور امرا بھی اپنی اپنی فوجیں لیکر پہنچے۔ ۱۰۰۱ھ کے جشن نوروزی میں بمقام لاہور خان خاناں اسے لے کر حاضر ہوئے۔ ملازمت کے لئے دربار خاص ہوا۔ بادشاہ مسند پر تھے۔ وہ کورنش اور آداب زمیں بوس بجالایا۔ تین ہزاری منصب اور ٹھٹھہ کا ملک عنایت ہوا۔ اور اس قدر عنایتیں فرمائیں کہ اسے امید بھی نہ تھی۔ ہمارے مورخوں کو اس بات کا خیال نہیں ہوا کہ انسان کے کاروبار سے اس کے دلی ارادوں کے سراغ نکالتے۔ میں کسی جگہ لکھ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں۔ اکبر کو دریائی قوت بڑھانے کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ اس موقع پر تمام علاقہ اس کا اسی کو دے دیا مگر بندرگاہ خالصہ ہو گئے۔ آزاد کی تائید کلام کے لئے اکبر کا مراسلہ جو کہ عبداللہ ازبک کے نام لکھا ہے۔ دفتر اول ابوالفضل میں موجود ہے۔

۱۰۰۳ھ میں خان خاناں کو پھر دکن کا سفر پیش آیا۔ مگر اس سفر میں اس نے کچھ کدورت اور نحوست بھی اٹھائی۔ بنیاد مہم کی یہ ہوئی۔ کہ اکبر کو ملک دکن کا خیال اور خان اعظم کی ناکامی کا حال بھولا نہ تھا۔ جو سفارتیں ادھر کے حاکموں کے پاس گئی تھیں۔ وہ بھی ناکام رہی تھیں۔ فیضی بھی برہان الملک کے دربار سے کامیاب نہ آیا تھا۔ کہ برہان الملک فرمانروائے احمد نگر مر گیا۔ ملک تو مدت سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تیرہ چودہ برس کا لڑکا تخت نشین ہوا ہے۔ اور تختہ حیات اس کا بھی کنارہ عدم پر لگا چاہتا ہے۔

Marfat.com

مراد کی دکن کی مہم پر روانگی:

اکبر نے مراد کو (روم کی چوٹ پر) سلطان مراد بنا کر لشکر عظیم کے ساتھ دکن پر روانہ کیا۔ آپ پنجاب میں آ کر مقام کیا۔ کہ سرحد شمالی کا انتظام مضبوط رہے۔ مراد نے گجرات میں پہنچ کر چھاؤنی ڈالی اور مہم کا سامان کرنے لگا۔ کہ اکبری اقبال نے اپنی عملداری جاری کی۔ امرائے عادل شاہ فوج لے کر آئے کہ ملک نظام کا انتظام کریں۔ ابراہیم لشکر لے کر اس کے مقابلہ کو گیا۔ احمد نگر سے چالیس کوس پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور ابراہیم نے گلے پر تیر کھا کر میدان میں جان دی۔ سبحان اللہ۔ کل بھائی کو اندھا کر کے ہوش کی آنکھوں میں سرمہ دیا تھا۔ آج خود دنیا سے آنکھیں بند کر لیں۔ ملک میں طوائف الملوکی ہو کر عجب ہل چل پڑ گئی۔ میاں منجو نے مراد کو عرضی بھیجی۔ کہ یہ ملک لاوارث ہو گیا مملکت برباد ہو رہی ہے۔ حضور تشریف لائیں۔ تو خانہ زاد خدمت کو حاضر ہیں۔

احمد نگر پر یلغار:

اکبر کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو خان خاناں کو روانگی کا حکم بھیجا۔ اور شہزادہ کو لکھا۔ کہ تیار رہو مگر حملہ میں تامل کرو جس وقت خان خاناں پہنچے۔ اس وقت گھوڑے اٹھاؤ۔ اور احمد نگر میں جا پڑو۔ شہزادہ کو جب اول خطاب و اختیارات ملے تھے۔ تو صورتحال سے لوگ سمجھے تھے۔ کہ تیز ہے۔ اور عالی ہمت ہے۔ خوب بادشاہت کریگا۔ مگر وہ تیزی فقط کوتاہ اندیشی اور خود پسندی اور سفلہ مزاجی نکلی۔ صادق محمد خاں وغیرہ اس کے سرداروں کو مزاج میں بہت دخل تھا۔ وہ سمجھے کہ جب خان خاناں آ گیا تو ہم بالائے طاق اور اس کی روشنی سے شاہزادہ کا چراغ بھی مدھم ہو جائے گا۔ پہلے تو انہوں نے بھی پھونکی ہو گی۔ کہ اس کے آنے سے حضور کے اختیارات میں فرق آ گیا۔ اور اب جو فتح ہو گی اس کے نام سے ہو گی۔ خان خاناں کے جاسوس بھی موکلوں اور جناتوں کی طرح جا بجا پھیلے رہتے تھے۔ اور جا بجا کی خبریں پہنچاتے تھے۔ رستہ میں خبر پائی کہ برہان الملک مر گیا اور عادل شاہ نے احمد نگر پر حملہ کیا۔ ساتھ خبر سنی کہ امرائے احمد نگر نے شاہزادہ مراد کو عرضی لکھ کر بلا لیا ہے۔ اور وہ احمد آباد سے روانہ ہوا چاہتا ہے۔ یہ خوشی خوشی چلا۔ مگر تقدیر کو خوشی منظور نہ تھی۔ اول تو خان خاناں کا جانا کسی سردار سپاہی کا جانا نہ تھا۔ اسے تیاری سپاہ وغیرہ میں ضرور دیر لگی ہو گی۔ دوسرے مالوہ کے رستہ سفر کیا۔ تیسرے بھیلہ اس کی جاگیر رستہ میں آیا۔ وہاں خواہ مخواہ ٹھہرنا پڑا ہو گا۔ راستہ میں راجاؤں اور فرماں رواؤں سے ملاقاتیں بھی ہوتی ہونگی۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی ملاقاتیں فائدہ سے خالی نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ...نا پور کے پاس پہنچا۔ تو راجی علی خاں حاکم خاندیس سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے اپنی

Marfat.com

حکمت عملی اور حسن تقریر اور گرم جوشیوں کے جادو سے اسے رفاقت پر آمادہ کیا۔ لیکن ان جادوؤں کا اثر کچھ نہ کچھ وقت چاہتا ہے۔ اتنے میں شہزادہ کا فرمان آیا کہ مہم خراب ہوتی ہے۔ جلد حاضر ہو۔ اور ہرکاروں نے خبر پہنچائی۔ کہ شہزادہ نے لشکر کو آگے بڑھایا ہے۔ انہوں نے لکھا۔ کہ راجی علی خاں آنے کو حاضر ہے۔ اور فدوی چلا آیا۔ تو اس مصلحت میں خلل آ جائے گا۔ شہزادہ کے دل میں کدورت تو ہوتی ہی جاتی تھی۔ اب بہت بڑھ گئی۔

خان خاناں کو بھی اس کے دربار کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اس عرضی نے جو وہاں رنگ دیا۔ اس کا حال سن کر اپنا لشکر فیل خانہ توپخانہ وغیرہ وغیرہ اور اکثر امرا کو پیچھے چھوڑا۔ آپ راجی علی خاں کو ساتھ لے کر دوڑے۔ شہزادے نے سن کر بیس ہزار لشکر رکاب میں لیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ انہوں نے مارا مار احمد نگر سے تیس کوس پر جالیا۔ لگانے والوں نے ایسی نہیں لگائی تھی جو بجھ بھی سکے۔ پہلے دن تو سلام ہی نصیب نہ ہوا۔ خان خاناں حیران کہ ہزار کارسازیوں سے میں ایسے شخص کو ساتھ لایا۔ جس کی رفاقت فتح واقبال کی فوج ہے۔ یہ حسن خدمت کا انعام ملا۔ دوسرے دن ملازمت ہوئی تو شہزادہ تیوری چڑھائے منہ بنائے۔ یہ بھی خان خاناں تھے۔ رخصت ہو کر اپنے خیموں میں آئے مگر بہت رنج۔ اور فکر یہ کہ یہ عقل وتدبیر کا پتلا جو میرے ساتھ آیا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر کیا کہتا ہوگا اور جو جو کچھ میں نے سمجھایا تھا۔ اسے کیا سمجھا ہوگا۔ امرا اور لشکر جو پیچھے تھا۔ وہ آئے۔ مصلحت وقت یہ تھی کہ ان کے آنے کی شان وشوکت دکھاتے۔ انہیں خدمتیں سپرد ہوتیں۔ دل بڑھاتے جاتے۔ یہاں دل داری کے بدلے دل شکنی اور دل آزاری۔

ہر دم آزردگی غیر سبب راچہ علاج ما گذشتیم ز لطف تو غضب راچہ علاج

وہ بھی آخر خان خاناں تھا۔ اٹھ کر اپنے لشکر میں چلا آیا۔ اس وقت سب کی آنکھیں کھلیں امیروں کو دوڑایا۔ نامے لکھے۔ غرض جس طرح ہوا صفائی ہو گئی مگر اس سے یہ قاعدہ معلوم ہو گیا کہ ایک بالیاقت اور باسامان شخص جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہ ماتحت ہو کر کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ کام بھی خراب ہوتا ہے۔ اور وہ خود بھی خراب ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے خان خاناں کا یہ حال کروایا۔ وہ اور امیروں کو کیا خاطر میں لاتے تھے۔ اوروں کو بھی بے عزت کرواتے تھے۔ اس لئے لشکر میں ناراضیاں عام ہو رہی تھیں۔ راجی علی خاں کو بھی خان خاناں کا مہمان سمجھ کر دربار میں ایک آدھ چکمہ دے دیا۔ غرض مہم کا رنگ بگڑنا شروع ہوا۔

Marfat.com

چاند بی بی:
اب ادھر کی سنو۔ کہ چاند بی بی برہان الملک کی حقیقی بہن حسین نظام شاہ کی بیٹی۔ علی عادل شاہ کی بی بی علاوہ عظمت خاندانی اور عفت ذاتی کے اپنی عقل و تدبیر اور سخاوت و شجاعت، قدر دانی، کمال پروری کے جواہرات سے جڑاؤ پتلی تھی۔ اس واسطے نادرۃ الزمانی کہلاتی تھی اور وہی ملک کی وارث رہ گئی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ ملک چلا۔ اور خاندان کا نام مٹتا ہے۔ تو چہرہ کی نقاب سے ہمت کی کمر باندھ کر کھڑی ہوگئی۔ اور امرا کو بلا کر تسلی اور دلاسے کے ساتھ سمجھایا۔ وہ بھی اکبری لشکر کو دریا کی طرح لہراتا دیکھ کر اپنے اور ملک کے انجام کو سوچے۔ جو عرضیاں شہزادہ کو اور اس کے خان خاناں کو بھیجی تھیں۔ ان پر بہت پچھتائے۔ سب نے مل کر مشورت کی۔ صلاح ٹھہری کہ چاند بی بی قلعہ احمد نگر میں سلطنت کی وارث بن کر تخت پر بیٹھے۔ ہم حق نمک ادا کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ احمد نگر کو بچائیں۔

اس شاہ مزاج بیگم نے جنگ کے سامان، غلوں کے ذخیرے جمع کرنے شروع کیے۔ دربار کے امیروں اور اطراف کے زمینداروں کی دلداری اور دلجوئی میں مصروف ہوئی۔ احمد نگر کو مضبوطی اور مورچہ بندی کر کے سد سکندر بنالیا۔ بہادر شاہ بن ابراہیم شاہ کو برائے نام وارث ملک قرار دیکر تخت پر بٹھایا۔ ایک سردار کو بیجاپور بھیج کر ابراہیم عادل شاہ سے صلح کر لی۔ جمعیت و لشکر کو لیکر اپنی جگہ قائم ہو گئی۔ اور اس استقلال و انتظام سے مقابلہ کیا کہ مردوں کے ہوش اڑ گئے۔ اور خاص و عام میں چاند بی بی سلطان کا نام ہوگیا۔

یہاں یہ بندوبست تھے۔ کہ شاہزادہ مراد امرائے کبار کے ساتھ پہنچا۔ اور فوج جرار کو لئے شمال احمد نگر سے اس طرح گرا جیسے پہاڑ سے سیل دریا بار گری۔ یہ فوج میدان نماز گاہ میں ٹھہری اور ایک دستہ دلاوروں کا۔ چبوترہ کے میدان کی طرف بڑھا۔ چاند بی بی نے قلعہ کے مورچوں سے بھی گولے مارے۔ اس لئے فوج شاہی آگے نہ بڑھ سکی۔ شام بھی قریب تھی۔ شاہزادہ اور تمام امیر باغ ہشت بہشت میں کہ برہان نظام شاہ نے سرسبز و سرفراز کیا تھا۔ اتر پڑے۔ دوسرے دن شہر کی حفاظت اور اہل شہر کی دلداری میں مصروف ہوئے۔ گلی کوچوں میں امان امان کی منادی کر دی۔ اور ایسا کچھ کیا کہ گھر گھر میں آمین آمین اور سوداگر۔ مہاجن سب کی خاطر جمع ہوگئی۔ دوسرے دن شاہزادہ مرزا شاہ رخ، خان خاناں، شہباز خاں کمبو، محمد صادق خاں، سید مرتضٰی سبزواری، راجی علی خاں حاکم برہان پور، راجہ جگن ناتھ، مان سنگھ کا چچا وغیرہ امرا جمع ہوئے۔ کمیٹی کر کے محاصرہ کا انتظام کیا اور مورچے تقسیم ہو

Marfat.com

گئے۔

قلعہ گیری اور شہرداری:

قلعہ گیری اور شہرداری کا کام نہایت اسلوب سے چل رہا تھا۔ کہ شہباز خاں کو شجاعت کا جوش آیا۔ شہزادے اور سپہ سالار کو خبر بھی نہ کی۔ جمعیت کثیر لے کر گشت کے بہانہ نکلا۔ اور لشکر کو اشارہ کیا کہ امیر فقیر جو سامنے آئے لوٹ لو۔ دم کے دم میں کیا گھر کیا بازار تمام احمد نگر اور برہان آباد لٹ کر ستیا ناس ہو گیا۔ اور چونکہ اپنے مذہب میں نہایت تعصب رکھتا تھا۔ ایک مقام بارہ امام کا لنگر کہلاتا تھا۔ اور اس کے آس پاس تمام شیعہ آباد تھے۔ سب کو قتل اور غارت کر کے دشت کربلا کا نقشہ کھینچ دیا۔ شہزادہ اور خان خاناں سن کر حیران ہو گئے۔ اسے بلا کر سخت ملامت کی۔ غارتگروں نے قتل، قید، قصاص سے سزائیں پائیں۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ غارت زدوں کے پاس کپڑا تک نہ تھا۔ رات کے پردہ میں جلاوطن ہو کر نکل گئے۔

اس موقع پر میاں منجھو تو احمد شاہ کو بادشاہ بنائے۔ عادل شاہ کے سر پر بیٹھے تھے۔ (۲) اخلاص حبشی موتی شام گمنام کو لئے دولت آباد کے علاقہ میں پڑے تھے۔ (۳) آہنگ خاں حبشی ستر برس کے بڈھے شاہ علی ابن برہان شاہ اول کے سر پر چتر لگائے کھڑے تھے۔ سب سے پہلے اخلاص خاں نے ہمت کی۔ دولت آباد کی طرف سے دس ہزار لشکر جمع کر کے احمد نگر کی طرف چلا۔ جب لشکر اکبر شاہی میں یہ خبر پہنچی تو سپہ سالار نے پانچ چھ ہزار دلاور انتخاب کئے دولت خاں لودھی کو ان کی سپاہ کا گزر سرہند تھا۔ اس پر سپہ سالار کر کے روانہ کیا۔ نہر گنگ کے کنارہ پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور کشت و خون عظیم کے بعد اخلاص خاں بھاگے۔ لشکر بادشاہی نے لوٹ مار سے دل کا ارمان نکالا۔ وہیں پٹن کی طرف گھوڑے اٹھائے۔ شہر مذکور آبادی سے گلزار ہو رہا تھا۔ مگر اس طرح لٹا کہ کسی کے پاس پانی پینے کو پیالہ تک نہ رہا۔ ان باتوں نے اہل دکن کو ان لوگوں سے بیزار کر دیا اور جو ہوا موافق ہوئی تھی۔ بگڑ گئی۔

میاں منجھو اگرچہ زور زر اور قوت لشکر رکھتا تھا۔ مگر اس کی چالاکی غضب کی تھی۔ اس لئے چاند سلطان بیگم نے آہنگ خاں حبشی کو لکھا۔ کہ جس قدر ہو سکے دکنی دلاوروں کی سپاہ فراہم کر کے حفاظت قلعہ کے لئے حاضر ہو۔ وہ سات ہزار سوار لے کر احمد نگر کو چلا۔ شاہ علی اور مرتضیٰ اس کے بیٹے کو ساتھ لیا۔ چھ کوس پر آ کر ٹھہرا۔ اور جاسوس کو بھیج کر حال دریافت کیا۔ کہ محاصرہ کا کیا طور ہے۔ اور کس پہلو پر زور زیادہ ہے۔ کس پہلو پر کم۔ اس نے دیکھ بھال کر خبر پہنچائی۔ کہ قلعہ کی شرقی جانب خالی ہے۔

Marfat.com

ابھی تک کسی کو ادھر کا خیال نہیں آیا۔ آہنگ خاں تیار ہوا۔

قدرت کا تماشا:

ادھر قدرت کا تماشا دیکھو کہ اسی دن شاہزادہ نے گشت کر کے یہ مقام دیکھا اور خان خاناں کو حکم دیا تھا کہ ادھر بندوبست تم بذات خود کرو۔ اور وہ بھی اسی وقت ہشت بہشت سے اٹھ کر یہاں آن اترا۔ اور جو مکانات پائے ان پر قبضہ کر لیا۔ آہنگ خاں نے تین ہزار سوار انتخابی اور ہزار پیادہ تو پچی ساتھ لئے اور اندھیری رات میں کالی چادر اوڑھ کر قلعہ کی طرف چلا۔ دونوں حریف ایک دوسرے سے بے خبر۔ خبر ہوئی تو اسی وقت کہ چھری کٹاری کے سوا بال بھر فرق نہ رہا۔ خان خاناں فوراً دوسو دلیروں کو لے کر عمارت عبادت خانہ کے کوٹھے پر چڑھ گیا اور تیز اندازی و تفنگ بازی شروع کر دی۔ ان کا میر شمشیر وہی دولت خاں لودھی سنتے ہی چار سو سواروں کو لے کر دوڑا۔ یہ اس کے ہم ذات اور ہم جان افغان تھے۔ جان توڑ کر اڑ گئے۔ پیر خاں دولت خاں کا بیٹا چھ سو بہادروں کو لے کر کمک کو پہنچا۔ اور اندھیرے ہی میں بزن بزن ہونے لگی۔ آہنگ خاں نے دیکھا کہ اس حالت کے ساتھ لڑنے میں سوا مرنے کے کچھ فائدہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ خان خاناں کی تمام فوج مقابلہ میں مصروف ہے۔ خیمہ و خواب گاہ کی جانب خالی ہے۔ چار سو دکنی دلیر اور شاہ علی کے بیٹے کو لے کر گھوڑے مارے اور بھاگا بھاگ قلعہ میں گھس ہی گیا۔ شاہ علی ستر برس کا بڈھا تھا۔ اس کی ہمت نہ پڑی۔ دم کو غنیمت سمجھا۔ اور باقی فوج کو لے کر جس رستہ پر آیا تھا اسی رستے بھاگا۔ دولت خاں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ مارا مار دوڑا دوڑ نو سو آدمی کاٹ کر الٹا پھرا۔

بادشاہی لشکر گود پڑا تھا۔ مورچے امرا میں تقسیم تھے۔ شب زور مارتے تھے۔ اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ شہزادہ کی سرکار میں فتنہ انگیز کوتہ اندیش جمع ہو گئے تھے۔ میدان میں دھاوا نہ مارتے تھے۔ ہاں دربار میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر خوب پیچ مارتے تھے۔ شہزادہ کی تدبیر میں اتنا زور نہ تھا کہ ان کی شرارتوں کو دبا سکے۔ اور آپ وہ کرے جو کہ مناسب ہو۔ یہ بات غنیم سے لے کر اس کی رعایا تک سب جان گئے تھے۔

سرنگوں میں گرم پانی چھوڑنا:

بنجارے رستے میں لٹتے تھے۔ رسد کی تنگی تھی۔ اندر سے گولے برستے تھے۔ مورچے خراب، دمدمہ ویران ہوتے تھے۔ رات کو شبخون مارتے تھے۔ نامی سردار مارے جاتے تھے۔ قلعہ کی اینٹ نہ ہلتی تھی۔ میدان میں بھی معرکے ہوتے تھے۔ کئی دفعہ غنیم نے شکست کھائی۔ پیچھا کرتے تو زیادہ

Marfat.com

کامیاب ہوتے۔ مگر اور سب کھڑے تماشا دیکھا کیے۔ ایک شب خان خاناں کے مورچے پر شبخون آیا۔ فوج ہشیار تھی۔ بڑی سختی سے مقابلہ کیا۔ دلاوری کی سپاہگری سرخرو ہوئی۔ حریف صبح ہوتے خاک اڑا کر قلعہ میں بھاگ گئے۔ اگر اور امرا تعاقب کرتے۔ حضور انور تازہ دم لشکر کو لے کر پہنچتے تو ساتھ ہی اندر گھس جاتے۔ نفاق وحسد کا منہ سیاہ کہ سب منہ دیکھا کیے۔ ہزار طرح کی کوشش اور لاکھ جانکاہی سے مورچے بڑھاتے بڑھاتے تین سرنگیں برجوں کے نیچے جا پہنچیں۔ روپیہ بھی بے حد خرچ ہوا۔ مگر اس شیر بی بی نے اپنی ہمت اور جاسوسوں کی تلاش سے پتے لگا کر دو سرنگوں کے سرے نکال لئے۔ دھاوے سے ایک دن پہلے زمین کھود کر بارودت کے تھیلے کھینچ لئے۔ طرہ اس پر یہ کہ مشکیں اور ٹھلیاں بھر بھر کرا تنا پانی ڈلوایا کہ آگ کی جگہ پانی ابلنے لگا۔ قلعہ والے تیسری نقب کی فکر میں تھے۔ کہ ادھر سے شہزادہ اور خان خاناں فوجیں لیکر سوار ہوئے۔ اور بہادر دھاوے کے لئے تیار کھڑے۔ حکم ہوا کہ فلیتوں کو آگ دکھاؤ۔ واہ واصادق محمد خاں فساد کی دیا سلائی۔ اور انہی کی سرنگ پانی پانی پائی۔

جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور ان کے فانی کے گھر کا تھا وہ تنور

سرنگوں کی تباہی:

دوسری کو آگ دی وہ بھی فش۔ تیسری اڑی کہ یہی سب سے بڑی بھی تھی۔ پچاس گز دیوار گری۔ عجب قیامت نمودار ہوئی۔ دنیا دھواں دھار ہوگئی۔ الہی تیری امان۔ پتھر اور آدمی کبوتروں کی طرح ہوا میں اڑے جاتے تھے۔ اور قلابازیاں کھاتے زمین پر آتے تھے۔ کہیں کے کہیں کوسوں پر جا پڑے۔ امرا میں سے کسی نے دھاوا نہ کیا۔ حیران کھڑے تھے کہ اور سرنگیں کیوں نہیں اڑتیں۔ آگے نہ بڑھتے تھے کہ مبادا چتوڑ والی آفت یہاں بھی نازل ہو۔ اور بات وہی تھی۔ کہ اپنی اپنی جگہ جی چرا گئے۔ ایک دوسرے کا منہ دیکھتا تھا۔ آپس کی پھوٹ سے بڑا وار خالی کھویا۔ قلعہ والوں کی خاطر جمع تھی۔ کہ امرائے شاہی تنگ دل نہیں ہیں۔ آہنگ خاں وغیرہ بڑے بڑے نامی گرامی امیروں نے جب یہ حال دیکھا تو سب پیچھے ہٹے اور صلاح ٹھہرائی کہ قلعہ خالی کر نکل چلیں مگر آفرین ہے۔ چاند بی بی کی ہمت مردانہ کو۔ اس شیر دل عورت نے اتنی ہی فرصت کو غنیمت سمجھا۔ برقع سر پر ڈالا۔ تلوار کمر سے لگائی۔ دوسری تلوار سونت کر ہاتھ میں لے بجلی کی طرح برج پر آئی۔ تختے، کڑیاں، بانس، ٹوکرے گارے کے بھرے تیار تھے۔ بڑے بڑے تھیلے اور سارے مصالح لئے اتنے وقت کی منتظر بیٹھی تھی۔ گری ہوئی دیوار پر آپ کھڑی ہوئی۔ میٹھی زبان، زر کا زور کچھ لالچ کچھ دھمکاوے سے۔ غرض ایسا

Marfat.com

کچھ کیا کہ عورت اور مرد سب آ کر لپٹ گئے پل کے پل میں فصیل کو برابر اٹھالیا۔ اور اس پر چھوٹی چھوٹی توپیں چڑھادیں۔ جب بادشاہی لشکر ریلا دے کر جاتا ادھر سے گولے جیسے اولے برستے۔ اکبری فوج موج کی طرح ٹکر کھا کر الٹی پھرتی تھی۔ ہزاروں آدمی کام آئے۔ اور کام کچھ نہ ہوا۔ شام کو ناکام ڈیروں کو پھر آئے۔

چاند بی بی کی ہمت مردانہ:

جب رات نے اپنی سیاہ چادر تانی۔ شاہزادہ مراد لشکر اور مصاحبوں سمیت نامراد اپنے ڈیروں پر چلے آئے۔ چاند بی بی چمک کر نکلی۔ بہت سے راج اور معمار جلد کار ہزاروں مزدور اور بیلدار تیار تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھی۔ مشعلیں روشن تھیں۔ چونے گچ کے ساتھ چنائی شروع کر دی، روپے اور اشرفیاں مٹھیاں بھر کر دیتی جاتی تھی۔ راج مزدوروں کا بھی یہ عالم تھا۔ کہ پتھر اور اینٹ بالائے طاق، ملبہ، لکڑ بلکہ مردوں کی لاشیں تک جو ہاتھ میں آتا تھا برابر چنتے جاتے تھے۔ بادشاہی لشکر صبح کو اٹھا۔ اور مورچوں پر نظر ڈالی۔ دیکھیں تو پچاس گز فصیل جس کا تین گز عرض تھا۔ راتوں رات سد سکندر۔ اس کے علاوہ جو جو تدبیریں اس ہمت والی بی بی نے کیں اگر تفصیل لکھوں تو دربار اکبری میں چاندنی کھل جائے۔ کہتے ہیں اخیر کو جب غلہ ہو چکا اور رسد بند ہو گئی۔ اور کہیں سے کمک نہ پہنچی تو اس نے لشکر بادشاہی پر چاندی سونے کے گولے ڈھال ڈھال کر مارنے شروع کر دیئے۔

سہیل خاں حبشی کی آمد:

اس عرصے میں خان خاناں کو خبر لگی۔ کہ سہیل خاں حبشی عادل شاہ کا نائب ستر ہزار فوج جرار لیکر آتا ہے۔ ساتھ ہی معلوم ہوا کہ رسد اور بنجارہ کا رستہ بھی بند ہو گیا۔ آس پاس کے میدانوں میں لکڑی بلکہ گھاس کا تنکا تک نہ رہا۔ گرد کے زمیندار سب پھر گئے۔ لشکر کے جانور بھوکوں مرنے لگے۔ ادھر سے چاند بی بی نے صلح کا پیغام بھیجا۔ کہ برہان الملک کے پوتے کو حضور میں حاضر کرتی ہوں۔ احمد نگر اس کی جاگیر ہو جائے۔ ملک برار کی کنجیاں، عمدہ ہاتھی جواہر گرانبہا۔ نفائس و عجائب شاہانہ پیشکش کرتی ہوں۔ آپ محاصرہ اٹھالیں۔ باخبر اہل کاروں نے عرض کی کہ قلعہ میں ذخیرہ نہیں رہا اور غنیم نے ہمت ہار دی ہے۔ کام آسان ہو گیا۔ صلح کی کچھ حاجت نہیں مگر روے طمع سیاہ۔ کچھ رشوتوں نے پیچ مارا۔ کچھ حماقتوں نے آنکھوں میں خاک ڈالی۔ صلح پر راضی ہو گئے۔ باہر سے یہ خبر لگی تھی۔ کہ بیجاپور سے عادل شاہی لشکر جمعیت کر کے چاند بی بی کی مدد کو آتا ہے۔ چار ناچار سب اصلح خیر کا عقد پڑھ کر رخصت ہوئے اور محاصرہ اٹھالیا۔

Marfat.com

شاہزادہ نے جب عادل شاہ کی فوج کی آمد سنی۔ دفعتاً دفعیہ کو چلا۔ چند منزل پر سنا کہ خبر ہوائی تھی۔ یہ ادھر سے برار کو مڑے۔ مگر بے لیاقت سردار محاصرہ سے ایسے بے طور اٹھے تھے۔ کہ غنیم پیچھے پیچھے نقارے بجاتا آیا اور جہاں قابو پایا۔ اسباب اور مال لوٹتا آیا۔ لشکر بد حال تھا۔ بے سامانی اور رسد کی کمی حد سے گزر گئی تھی۔ امرا میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ کوئی روک نہ سکا۔ سپہ سالار آزمودہ کار اور منتظم روزگار تھا۔ چاہتا تو سارے کاروبار باتوں باتوں میں درست کر لیتا۔ مگر شیطانوں نے شہزادے کے کان میں یہ پھوکی تھی کہ خان خاناں چاہتا ہے کہ فتح میرے نام ہو۔ غلام حضور کے جاں نثار ہیں۔ کہ حضور کا نام روشن ہو۔ مورکھ شاہزادہ نہ سمجھا کہ ان نالائقوں سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ خان خاناں خاموش، جو حکم ہوتا تھا سو کرتا تھا۔ اور ان کی عقل و تدبیر کے تماشے دیکھتا تھا۔ کبھی ہنستا تھا، کبھی جلتا تھا۔ پھر بھی جہاں تک ممکن تھا۔ مہم کو سنبھالے جاتا تھا۔ کہ آقا کا کام نہ بگڑے۔ ملک دکن کی کنجی اسی کمر میں تھی (راجی علی خاں) وہ عجب جوڑ توڑ کے مضمون نکالتا تھا۔ خان مذکور کی بیٹی کو شاہزادہ مراد سے منسوب کر کے اکبر کا سمدھی بنا دیا۔ اب وہ خواہ مخواہ لشکر میں شامل تھا۔ کئی ہزار فوج اس کے ساتھ۔ داماد کو چھوڑ کر خسر کہا جا سکتا ہے۔

اسی عرصہ میں برابر پر قبضہ ہو گیا۔ بادشاہی لشکر نے وہاں مقام کیا۔ شاہزادہ نے شاہ پور آباد کر کے اپنا پایہ تخت بنایا۔ علاقے امرا کی جاگیر میں تقسیم کئے۔ اونٹ، گھوڑے اطراف میں بھیج دیئے۔ مگر مشکل یہ تھی۔ کہ خود پسند اور خود رائے غضب کا تھا۔ باپ کے رکن دولت جاں نثاروں کو ناحق ناراض کرتا تھا۔ چنانچہ شہباز خاں کمبو ایسا تنگ ہوا کہ بے اجازت اٹھ کر اپنے علاقے کو چلا گیا۔ وہ کہتا تھا کہ صلح کرنی صلاح وقت نہیں۔ میں دھاوا کرتا ہوں۔ احمد نگر کی لوٹ میری فوج کو معاف ہو شاہزادہ نے نہ مانا۔

باوجود ان باتوں کے شاہزادہ نے اطراف ملک پر قبضہ کے ہاتھ پھیلائے۔ چنانچہ پاتری وغیرہ علاقے لے لئے۔ سہیل خاں عادل شاہ کی طرف سے امرائے احمد نگر کے جھگڑے چکانے آیا تھا۔ وہ پھرا ہوا جاتا تھا۔ اس نے جب یہ خبریں سنیں تو بہت برہم ہوا۔ اس کے علاوہ چاند سلطان نے بھی عادل شاہ کو جو رشتہ میں چھوٹا دیور ہوتا تھا لکھا اس پر فرمان روایان دکن نے اتفاق کر کے لشکر جمع کئے۔ اور سب متفق ہو کر ساٹھ ہزار جمعیت کے ساتھ فوج بادشاہی پر آئے۔

خان خاناں کا اقبال مدت سے خوب ناز میں پڑا سوتا تھا۔ اس نے انگڑائی لے کر کروٹ لی۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر اس نے شہزادہ اور صادق محمد خاں کو شاہ پور میں چھوڑا۔ اب شاہ رخ مرزا اور راجی علی خاں کو لے کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بڑھا۔ اس معرکہ کی فتح خان خاناں کا وہ کارنامہ ہے۔ کہ افق

Marfat.com

مشرق پر شعاع آفتاب سے لکھا جائے۔ نہر گنگ کے کنارے سون پت کے پاس مقام کیا۔ اور یہاں چند روز ٹھہر کر ملک کا حال معلوم کیا۔ لوگوں سے واقفیت پیدا کی۔ ایک دن فوجیں آراستہ کر کے مقام اشتی پر فوجوں کی تقسیم کی۔ دریا میں پانی بہت کم تھا۔ پایاب اتر گیا۔ باتھری سے بارہ کوس ماندیر کے مقام پر میدان جنگ قرار پایا۔

سہیل خاں کا فوج لے کر میدان جنگ میں آنا:

۱۷ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ۔ ۱۵۹۷ء۔ تھی کہ سہیل خاں عادل شاہ کا سپہ سالار تمام فوجوں کو لیکر میدان میں آیا۔ دائیں پر امرائے نظام شاہی، بائیں پر قطب شاہی۔ آپ بڑے غروروں کی فوج لے کر نشان اڑاتا آیا۔ اور قلب میں قائم ہوا۔ لشکر کا شمار ہزاروں سے بڑھا ہوا تھا۔ وہ سارا ٹڈی دل بڑے گھمنڈ اور دھوم دھام سے جرأت کے قدم مارتا آگے بڑھا۔ چغتائی سپہ سالار بھی بڑے آن بان سے آیا۔ چاروں طرف پرے جما کر قلعہ باندھا۔ جن میں راجی علی خاں اور راجہ رام چندر راجپوت دائیں پر تھے۔ خود مرزا شاہ رخ اور مرزا علی بیگ اکبر شاہی کو لئے قلب میں کھڑا تھا۔

پہر دن چڑھا تھا۔ کہ توپ کی آواز میں لڑائی کا پیغام پہنچا۔ سہیل خاں کو اس معرکے میں بڑا گھمنڈ اپنے توپخانہ پر تھا۔ فی الحقیقت ہندوستان میں اول توپخانہ آیا تو دکن میں آیا وہ ملک کئی بندرگاہوں سے ملا ہوا تھا۔ جو سامان اس کا وہاں تھا اور کہیں نہیں تھا۔ اس کا آتش خانہ جیسا عمدہ تھا۔ ویسا ہی بہتات کے ساتھ تھا۔ پہلے ہی ہراول نے ہراول سے ٹکر کھائی۔ راجی علی خاں اور راجہ رام چندر نے توپ خالی کرنے کی فرصت ہی نہ دی۔ اور جا ہی پڑے پھر بھی ہراول کی فوجیں غالب و مغلوب ہو کر کئی دفعہ بڑھیں اور ہٹیں۔ مگر بہادران مذکور نے اٹھا کر پھینک دیا۔ دکھنی پیچھے ہٹے۔ مگر حکمت عملی کے ساتھ۔ لشکر بادشاہی کو کھینچ کر ایک دشوار گزار مقام میں لے گئے۔ پھر جو پلٹے تو دست راست سے آئے۔ اور ادھر ادھر نکل کر چاروں طرف پھیل گئے۔ لڑائی کا دریا میدان میں موجیں مار رہا تھا۔ اور فوجیں ٹکرا کر بھنور کی طرح چکر مارتی تھیں۔ سردار حملے کرتے تھے۔ مگر اس دریا کا کنارہ نظر نہ آتا تھا۔

دن ڈھل گیا۔ اور لڑائی بدستور جاری۔ دفعتاً ایک لطیفہ غیبی نمودار ہوا۔ اسے تائید الٰہی کہو یا خان خاناں کی نیک نیتی کا پھل سمجھو۔ تدبیر کو اصلا دخل نہیں۔ علی بیگ رومی توپخانہ غنیم کا افسر تھا خود بخود ادھر سے پہلو بچا کر نکلا۔ گھوڑا مار کر خان خاناں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اور کہا آپ کیا کر رہے ہیں۔ حریف نے تمام توپخانہ ٹھیک آپ کے مقابل میں چنا ہوا ہے۔ اور اب مہتاب دکھایا چاہتا ہے۔ جلد

Marfat.com

دائیں کو ہٹیے۔ خان خاناں کو اس کے قیافہ سے معلوم ہوا کہ جھوٹا نہیں۔ مقام اور انداز کا پورا حال پوچھا۔ اور بڑے بندوبست کے ساتھ فوج کو پہلو میں سرکایا۔ ساتھ ہی دو سوار راجی علی خاں کے پاس بھیجے کہ حال یہ ہے۔ تم بھی جگہ بدلو۔ خدا کی قدرت اس کی سمجھ الٹی پڑی۔ فوراً جگہ سے سرکا اور جہاں سے خان خاناں ہٹا تھا۔ وہاں آن کھڑا ہوا۔ قضا کا گول انداز ساعت کا منتظر تھا۔ اس کا ادھر آنا تھا۔ کہ موت نے مہتاب دکھائی۔ عالم اندھیر ہو گیا۔ دیر تک تو کچھ دکھائی ہی نہ دیا۔ حریف نے سپہ سالار کو سامنے سمجھ کر آگ دیتے ہی حملہ کر دیا۔ یہاں راجی علی خاں اپنی فوج کو لئے کھڑا تھا۔ عجب گھمسان کا رن پڑا۔ اور افسوس کہ وہ ملک دکن کی کنجی اسی میدان کی خاک میں کھوئی گئی کچھ شک نہیں۔ کہ اس نے اور راجہ رام چندر نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے ڈٹ کر جان دی۔ اور تین ہزار دلاوران کے ساتھ کھیت رہے۔

اب دو گھڑی سے زیادہ دن نہیں رہا۔ سہیل خان نے دیکھا کہ سامنے میدان صاف ہے۔ خیال یہ کہ خان خاناں کو اڑا دیا۔ اور فوج کو بھگا دیا۔ وہ حملہ کر کے آگے بڑھا شام قریب تھی۔ جہاں صبح کو بادشاہی لشکر میدان جما کر کھڑا ہوا تھا وہاں آن پڑا۔

ادھر خان خاناں کو خبر نہیں۔ کہ راجی علی خاں کا کیا حال ہے۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ آگ کا بادل سامنے سے ہٹا۔ گھوڑوں کی باگیں لیں۔ اور اپنے سامنے کی فوج پر جا پڑا۔ اس نے اپنے حریف کو تباہ کر دیا۔ سہیل خاں کی فوج نے سجے ہوئے خیمے خالی پائے۔ اونٹ اور خچر قطار در قطار اور بیل ٹٹو لدے ہوئے تیار۔ ان میں خان خاناں کے خاصہ اور کارخانوں کے صندوق سرخ و سبز باناتیں منڈھے ہوئے تھے۔ فوج دکن کے سپاہی اسی نواح کے رہنے والے تھے۔ جو باندھ سکے وہ باندھا۔ چھاؤنی کو چھوڑا۔ اور ان باربرداریوں کو آگے ڈال، خاطر جمع سے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ خود اپنی فوج کے بے وفاؤں نے بھی مروت کے سر میں خاک ڈالی۔ یہ گھر کے بھیدی تھے۔ خزانوں اور بیش بہا کارخانوں پر گر پڑے۔ اور طمع کے تھیلے خوب دل کھول کر بھرے۔

سہیل خاں کی فوج کا قتل اور پسپائی:

اگرچہ سہیل خاں کی فوج قتل ہوئی تھی اور بھاگی بھی تھی۔ مگر اس کا دل شیر تھا۔ کہ سپہ سالار کو اڑا دیا ہے۔ جب شام ہوئی۔ تو سمجھا کہ اس وقت ٹھنڈے ہوئے لشکر کو سمیٹنا مشکل ہے۔ پاس ہی ایک گولی کے ٹپے پر نالہ بہتا تھا۔ وہیں تھم گیا۔ تھوڑی سی فوج ساتھ تھی۔ اسے لیکر اتر پڑا۔ کہ جس طرح ہو۔ رات کاٹ لے۔ خان خاناں نے بھی اپنے سامنے سے دشمن کو بھگا دیا تھا۔ وہ وہاں جا پہنچا۔

Marfat.com

جہاں سہیل خاں کا آتش خانہ پڑا تھا۔ اندھیرے میں یہ بھی وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی فوج بھی بھاگ گئی تھی۔ اور اکثر سپاہی تو ایسے بھاگے تھے۔ کہ شاہ پور تک دم نہ لیا۔ بہت لٹیرے وہیں جنگل میں دریا کے کنارے غاروں اور کڑاڑوں میں بیٹھ رہے تھے۔ کہ صبح کو حریف کی آنکھ بچا کر نکل جائیں گے۔ خان خاناں نے یہاں سے سرکنا مناسب نہ سمجھا۔ توپوں کے تخت اور میگزین کے چھکڑے آگے ڈال کر مورچے بنا لئے اور توکل بخدا وہیں ٹھیر گیا۔ وہی وفا کے بندے جو جان کو بات پر قربان کیا کرتے ہیں۔ اس کے گرد تھے۔ کوئی سوار نہ تھا۔ کوئی گھوڑے کی باگ پکڑے زین پر بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں آسمان کی طرف تھیں کہ دیکھئے صبح۔ صبح مراد بر ہوتی ہے۔ یا صبح قتل۔ لطف یہ کہ غنیم پہلو میں کھڑا ہے۔ ایک کی ایک کو خبر نہیں۔

اقبال اکبری کی طلسم کاری:

اب اقبال اکبری کی طلسم کاری دیکھو۔ کہ سہیل خاں کے غلام ہوا خواہ کوئی چراغ کوئی مشعل جلا کر اس کے سامنے لائے۔ خان خاناں اور اس کے رفیقوں کو روشنی نظر آئی۔ آدمی بھیجے کہ معلوم کریں۔ حال کیا ہے۔ وہاں دیکھیں تو سہیل خاں چمک رہے ہیں۔ کئی توپیں اور زنبورک دکنی توپخانہ کے بھرے کھڑے تھے۔ جھٹ انہیں سیدھا کر کے نشانہ باندھا اور داغ دیا۔ گولے بھی ٹھیک موقع پر گرے۔ اور معلوم ہوا کہ حریف کے غول میں ولولہ پڑا۔ کیونکہ وہ گھبرا کر جگہ سے ہٹے۔ سہیل خاں حیران ہوا۔ کہ یہ غیبی گولے کدھر سے آئے۔ آدمی بھیج کر آس پاس کے رفیقوں کو بلایا۔ ادھر خان خاناں نے فتح کے نقارے پر چوٹ دے کر حکم دیا کہ کرنا میں شادیانہ فتح بجاؤ۔ رات کا وقت جنگل میں آواز گونج کر پھیلی۔ بادشاہی سپاہی جو کھنڈے بکھرے تھے۔ انہوں نے اپنے لشکر کی کرنا پہچانی۔ اور سب نکل کر فتح کی آواز پر آئے۔ وہ پہنچے تو پھر مبارکباد کی کرنا پھونکی۔ اور جب کوئی سردار فوج لے کر پہنچتا تھا۔ اللہ اللہ کا نعرہ کرنا میں ادا کرتے تھے۔ رات بھر میں ۱۱ دفعہ کرنا بجی۔ سہیل خان بھی آدمی دوڑا رہا تھا۔ اور اپنی جمعیت کو درست کرتا تھا۔ لیکن اسکی فوج کا یہ عالم تھا کہ جوں جوں اکبری کرنا کی آواز سنتے تھے۔ ہوش اڑے جاتے تھے۔ سہیل خاں کے نقیب بھی بولتے اور بولاتے پھرتے تھے۔ مگر سپاہیوں کے دل ہارے جاتے تھے۔ گڑھوں اور گوشوں میں چھپتے تھے۔ اور درختوں پر چڑھتے تھے کہ جان کس طرح بچائیں۔ صبح ہوتے خان خاناں کے سپاہی دریا پر پانی لینے گئے۔ خبر لائے کہ سہیل خاں بارہ ہزار فوج سے جما کھڑا ہے۔ اس وقت ادھر چار ہزار سے زیادہ جمعیت نہ تھی۔ مگر اکبری اقبال کے سپہ سالار نے کہا۔ کہ اندھیرے کو غنیمت سمجھو۔ اس کے پردہ میں بات بن جائیگی۔

Marfat.com

تھوڑی فوج ہے۔ دن نے پردہ کھول دیا تو مشکل ہو جائے گی۔ دھند لکے کا وقت تھا۔ صبح ہوا چاہتی تھی۔ اتنے میں سہیل خاں چمکا اور فوج کو ہوائے جنگ میں جنبش دی۔ توپیں سیدھی کیں اور ہاتھیوں کو سامنے کر کے ریلا دیا۔ ادھر سے اکبری سپہ دار نے دھاوے کا حکم دیا۔ فوج دن بھر رات بھر کی بھوکی پیاسی۔ سرداران کی عقل حیران۔ دولت خاں ان کا ہراول تھا۔ گھوڑا مار کر آیا اور کہا کہ اس حالت کے ساتھ فوج کثیر پر جانا جان کا گنوانا ہے۔ مگر میں اس پر بھی حاضر ہوں۔ چھ سو سوار ساتھ ہیں۔ غنیم کی کمر میں گھس جاؤں گا۔ خان خاناں ❶ نے کہا۔ دلی کا نام برباد کرتے ہو۔ اس نے کہا (ہائے دلی خان خاناں کو بھی تو بہت پیاری تھی کہا کرتا تھا کہ مروں گا تو دلی ہی میں مروں گا) اگر اس وقت دشمن کو دے مارا تو سو دلیاں خود کھڑی کر دینگے۔ مر گئے تو خدا کے حوالے۔ دولت خاں نے چاہا کہ گھوڑے اٹھائے۔ سید قاسم بارہہ بھی اپنے سید بھائیوں کو لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے آواز دی۔ بھائی ہم تم تو ہندوستانی ہیں۔ مرنے کے سوا دوسری بات نہیں۔ نواب کا ارادہ تو معلوم کر لو۔ دولت خاں پھر پلٹے اور خان خاناں سے کہا۔ سامنے ❷ یہ انبوہ ہے اور فتح آسمانی ہے۔ یہ تو بتا دیجئے۔ کہ اگر شکست ہوئی تو آپ کو کہاں ڈھونڈ ملیں۔ خان خاناں نے کہا۔ سب لاشوں کے نیچے۔ یہ کہہ کر لودھی پٹھان نے سادات بارہہ کے ساتھ باگیں لیں۔ میدان سے کٹ کر پہلے گھونگٹ کھایا۔ اور چکر دیکر ایک مرتبہ غنیم کی کمرگاہ پر گرا۔ ان میں ہل چل پڑ گئی۔ اور یہ ٹھیک وہی وقت تھا۔ کہ خان خاناں سامنے سے حملہ کر کے پہنچا تھا اور لڑائی دست و گریبان ہو رہی تھی۔ سہیل خاں کا لشکر بھی آٹھ پہر کا ہارا۔ بھوک پیاس کا مارا تھا۔ ایسا بھاگا جس کی ہرگز امید نہ تھی۔ پھر بھی بڑا کشت و خون ہوا۔ سہیل خاں کئی زخم کھا کر گرا۔ قدیمی وفادار پروانوں کی طرح آن گرے۔ اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا۔ اور دونوں بازو پکڑ کر معرکہ سے نکال لے گئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ خان خانی لشکر میں بے لاگ فتح کے نقارے بجنے لگے۔

بہادروں نے میدان جنگ کو دیکھا۔ تھرا اٹھا۔

صحن فلک زدیدہ قربانیاں پر است — با آنکہ درکمان قضا یک خدنگ بود

لوگوں نے مشہور کر دیا۔ کہ راجی علی خاں میدان سے بھاگ کر الگ ہو گیا۔ بعضوں نے ہوائی اڑائی تھی۔ کہ غنیم سے جاملا۔ دیکھا تو بڈھا شیر ناموری کے میدان میں سرخرو پڑا سوتا ہے۔ ۳۵ سردار

---

❶ خان خاناں نے کہا۔ نام دہلی برباد میدہی۔ دولت خاں نے کہا۔ اگر حریف را بر داشتیم صد دہلی ایجاد کنیم۔ واگر مردیم کار باز خدا است۔

❷ چنیں انبوہے درپیش است و فتح آسمانی۔ اگر شکست رو دہد۔ جائے نشان دہید کہ شمارا دریابیم۔ خان خاناں نے کہا۔ ورزیر لاشہا۔

Marfat.com

نامدار اور پانچ سو غلام وفادار گرد کٹے پڑے ہیں۔اس کی لاش بڑی شان شوکت سے اٹھا کر لائے اور بدزبانوں کے منہ کالے ہو گئے۔خان خاناں کو فتح کی بڑی خوشی ہوئی۔مگر اس حادثہ نے سب مزا کرکرا کر دیا۔فتح کے شکرانہ میں نقد و جنس ۷۵ لاکھ روپیہ کا مال ساتھ تھا۔سب سپاہ کو بانٹ دیا۔فقط ضروری اسباب کے دو اونٹ رکھ لئے۔کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔

خانِ خاناں کے اقبال کا کارنامہ:

یہ معرکہ خان خاناں کے اقبال کا وہ کارنامہ تھا۔جس کے دمامہ سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔ بادشاہ کو عرضی پہنچی۔وہ بھی عبداللہ اوزبک کے مرنے کی خبر سن کر پنجاب سے پھرے تھے۔اس خوشخبری سے نہایت خوش ہوئے۔خلعت گراں بہا اور تحسین و آفرین کا فرمان بھیجا۔جہاں جہاں دشمن تھے۔سناٹے میں آ کر دم بخود رہ گئے۔یہ فتح کے نشان اڑاتے۔شادیانے بجاتے شاہ پور میں آئے۔شہزادہ کو مجرا کیا۔اور تلوار کھول کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گئے۔صادق محمد وغیرہ شہزادہ کے مصاحب مختار مخالفت کی دیا سلائی سلگائے جاتے تھے۔ادھر خان خاناں عرضیاں کر رہا تھا۔ادھر شاہزادہ۔ شاہزادہ نے باپ کو یہاں تک لکھا کہ حضور ابوالفضل اور سید یوسف خاں مشہدی کو بھیج دیں۔خان خاناں کو بلالیں۔خان خاناں بھی اسی کے لاڈلے تھے انہوں نے لکھا کہ حضور شہزادہ کو بلالیں۔خانہ زاد اکیلا فتح کا ذمہ لیتا ہے۔یہ بات بادشاہ کو ناگوار گزری۔شیخ نے اکبر نامہ میں کیا مطلب کا عطر نکالا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں۔حضور کو معلوم ہوا کہ شاہزادہ اکھڑے ہوئے دل کا جوڑنا آسان سمجھتا ہے۔اور جس طرح چاہئے اس طرح نہیں رہتا۔اور خان خاناں نے دیکھا کہ میری بات نہیں چلتی۔اس لئے وہ اپنی جاگیر کو روانہ ہو گیا۔راجہ سالباہن کو حکم ہوا۔کہ تم شاہزادہ کو لے کر آؤ۔کہ نصائح مناسب سے رہنمائی کر کے پھر بھیجیں۔اور روپیہ خواص کو خان خاناں کے پاس بھیجا۔کہ جس مقام پر ملو وہیں سے دھتکار کر الٹا پھیر دو اور کہو۔کہ جب تک شہزادہ دربار سے رخصت ہو کر وہاں پہنچے۔ملک و سپاہ کا انتظام کرو۔

شہزادہ کی شراب خوری و بدحالی:

اگرچہ شہزادہ شراب خوری اور اس کی بدحالیوں کے سبب سے آنے قابل نہ تھا۔مگر حضوری دربار کا ارادہ کیا۔اس کے مزاج دانوں نے خیر خواہی خرچ کر کے کہا۔کہ اس وقت ملک سے حضور کا جانا مناسب نہیں۔شہزادہ رک گیا۔ادھر خان خاناں نے کہا کہ جب تک شہزادہ وہاں ہے۔میں نہ جاؤں گا۔بادشاہ کو یہ باتیں پسند نہ آئیں۔اور دل کو ناگوار گزریں۔غرض ۱۰۰۶ ھ۔۱۵۹۸ء۔خان

Marfat.com

خاناں اپنے علاقہ پر گئے۔ وہاں سے دربار میں آئے۔ کئی دن تک عتاب وخطاب میں رہے۔ وہ بھی دو پشت کے مزاج دان تھے۔ اور جادو بیان۔ جب عرض معروض کے موقعے پائے۔ شہزادہ کی بد صحبتی وبادہ خواری و بے خبری اور مصاحبوں کی بدذاتیوں کے سب حالات سنائے۔ غبار کدورت کو دھویا۔ چند روز میں جیسے تھے۔ ویسے ہی ہو گئے۔ شیخ ❶ اور سید دکن کو بھیجے گئے۔ شہزادہ کی نوبت حد سے گزر چکی تھی۔ شیخ کے پہنچنے تک بھی نہ ٹھہر سکا۔ یہ رستہ ہی میں تھے کہ وہ ملک عدم کو روانہ ہو گیا۔ افسوس ہے اس نوجوانی دیوانی پر کہ بادہ کشی کی ہوا میں اپنی جان برباد کی۔ یعنی مراد تیں برس کی عمر ۱۰۰۷ھ۔ ۱۵۹۹ء۔ میں نامراد ناشاد دنیا سے گیا۔

۱۰۰۶ھ میں شاہ عباس نے یہ حال دیکھ کر بلاد خراسان پر مہم کی اور فتح یاب ہوا۔ انہی دنوں میں تحائف گراں بہا کے ساتھ ایلچی دربار اکبری میں بھیجا۔

اسی سال خان خاناں نے حیدر قلی نوجوان بیٹے کا داغ اٹھایا۔ اسے بہت چاہتا تھا۔ اور پیار سے حیدری کہا کرتا تھا۔ اسے بھی شراب کی شرار نے کباب کیا۔ نشہ میں مست پڑا تھا۔ آگ لگ گئی۔ مستی کا مارا اٹھ بھی نہ سکا اور جل کر مر گیا۔

اسی برس بادشاہ لاہور سے آگرہ جاتے تھے۔ سب امرا ساتھ تھے۔ ماہ بانو بیگم خان اعظم کی بہن خان خاناں کی بیگم مدت سے بیمار تھیں۔ انبالہ کے مقام میں ایسی طبیعت بگڑی۔ کہ وہیں چھوڑنا مناسب معلوم ہوا۔ بادشاہ ادھر سے روانہ ہوئے۔ بیگم نے ملک عدم کو کوچ کیا۔ اکبر بادشاہ کی کوکی۔ مرزا عزیز کوکہ کی بہن، خان خاناں کی بیگم۔ دو امیر دربار سے آئے۔ اور رسوم سوگواری کو ادا کیا۔

شہزادہ دانیال کی مہم پر روانگی:

اکبر بلکہ تمام سلاطین چغتائی ملک موروثی کہ سمرقند و بخارا کے نام پر جان دیتے تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں عبداللہ اوزبک کے مرنے سے ترکستان میں ہل چل مچ رہی تھی۔ روز بادشاہ ہوتے تھے۔ روز مارے جاتے تھے۔ دکن میں جولڑائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ شیخ اور سید کی تدبیر اور شمشیر انہیں سمیٹ نہ سکتی تھی۔ اکبر نے امرا کو جمع کر کے صلاح کی کہ پہلے دکن کا فیصلہ کرنا چاہئے یا اسے ملتوی کر کے ادھر چلنا مناسب ہے۔ اس بات کا بھی رنج تھا۔ کہ وہاں جوان بیٹا جان سے گیا۔ پھر بھی ملک فتح نہ ہوا۔ صلاح ٹھہری کہ پہلے گھر کی طرف سے خاطر جمع کرنی چاہئے۔ چنانچہ ۱۰۰۷ھ میں شاہزادہ دانیال کو لشکر عظیم اور سامان وافر کے ساتھ پھر روانہ کیا۔ اور خان خاناں کو اس کے ساتھ کیا۔ مراد کی نامرادی

---

❶ شیخ ابوالفضل۔ سید یوسف مشہدی۔

Marfat.com

نے نصیحت کر دی تھی۔اب کی روانگی بندوبست سے ہوئی۔جانا بیگم خان خاناں کی بیٹی کے ساتھ شہزادہ کی شادی کر دی۔روز امراجمع ہوتے تھے۔خلوتوں میں گفتگوئیں ہوتی تھیں۔سپہ سالار کو سب مافی الضمیر سمجھائے۔جب روانہ ہوا۔تو پہلی منزل میں خود اس کے خیمہ گاہ میں گئے اس نے بھی وہ پیشکش پیش کیے۔کہ عجائب خانوں میں رکھنے کے قابل تھے۔گھوڑے تو بہتیرے تھے۔مگر ایک گھوڑا تھا۔کہ ہاتھی سے کشتی لڑتا تھا۔سامنے سے مقابلہ کرتا تھا،پچھلے پاؤں سے ہٹ کر حملہ کرتا تھا۔اور دونوں پاؤں پر کھڑا ہو کر ہاتھ ہاتھی کی مستک پر رکھ دیتا تھا۔لوگ تماشے دیکھتے تھے۔اور حیران ہوتے تھے۔

غرض خان خاناں شہزادہ کو لئے ملک دکن میں داخل ہوئے۔واہ ہم سمجھتے تھے۔کہ مدت کے بچھڑے دوست پردیس میں مل کر خوش ہونگے۔مگر تم دیکھو گے۔کہ نقش الٹا پڑا۔آئینے سیاہ ہو گئے اور محبت کے لہو سفید ہو گئے۔دونوں شطرنج باز کامل تھے۔دغا کی چالیں چلتے تھے۔خان خاناں شہزادہ کی آڑ میں چلتا تھا۔اس لئے اس کی بات خوب چلتی تھی۔ابھی میدان معرکہ تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے۔جو نشانہ مارا۔شیخ اکبر نامہ میں لکھتے ہیں۔اور معلوم ہوتا ہے کہ قلم سے درد مجبوری برہا ہے۔''میں نے احمد نگر کے کام کا سب بندوبست کر لیا تھا۔شہزادہ کا فرمان پہنچا۔کہ جب تک ہم نہ آئیں۔قدم آگے نہ بڑھاؤ۔سوا تعمیل کے اور کیا کر سکتا ہے۔''

خان خاناں کا احمد نگر کا محاصرہ:

خان خاناں کی لیاقت ذاتی میں کسے کلام ہے۔انہوں نے اپنے کام اور نام کے الگ بندوبست باندھے۔ادھر تو شیخ کو روک دیا۔کہ احمد نگر پر حملہ نہ کرنا ہم آتے ہیں۔ادھر رستہ میں آسیر پر اٹک رہے کہ صاف کر کے احمد نگر کو لیں گے۔یہ بھی شیخ پر چوٹ تھی۔کیونکہ آسیر شیخ کا سمدھیانہ تھا۔شیخ نے بھی فطرت کا منصوبہ مارا۔اوپر اوپر اکبر کو لکھا کہ شاہزادہ لڑکپن کرتا ہے۔آسیر کا معاملہ صاف ہے۔جس وقت حضور چاہیں گے اور جس طور چاہیں گے۔اسی طرح ہو جائیگا۔احمد نگر کی مہم بگڑتی جاتی ہے۔اکبر بادشاہ تدبیر کا بادشاہ تھا اس نے شہزادہ کو لکھا کہ جلد احمد نگر کو روانہ ہو۔کہ موقع وقت ہاتھ سے جاتا ہے اور خود پہنچ کر اس پر محاصرہ ڈال دو۔ابوالفضل کو وہاں سے اپنے پاس بلا لیا۔

خان خاناں نے احمد نگر پر محاصرہ ڈالا۔روز مورچے بناتے تھے۔دمدمے بناتے تھے۔سرنگیں کھدواتے تھے۔دکنی بہادر اندر سے قلعہ داری کرتے تھے۔اور باہر بھی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔بنجاروں پر گرتے بھیر اور لشکر پر چھاپے مارتے تھے۔چاند بی بی سامان کی فراہمی امرائے لشکر کی

Marfat.com

دلداری برج وفصیل کی مضبوطی میں بال بھر کمی نہ کرتی تھی۔ پھر بھی اکبری اقبال اور شاہنشاہی سامان کہاں ایک احمد نگر کا صوبہ اس کے علاوہ قلعہ میں سرداروں کی بدنیتی اور نفاق بھی قائم تھا۔ بیگم نے یہ حال اپنے وزیر سے کہا۔ کہ قلعہ بچتا نظر نہیں آتا۔ بہتر ہے کہ ننگ و ناموس کو بچائیں۔ اور قلعہ حوالہ کر دیں۔ چیتہ خاں نے اور سرداروں کو بیگم کے اس ارادہ سے آگاہ کیا۔ اور بہکایا۔ کہ بیگم امرائے اکبری سے سازش رکھتی ہے۔ دکنی سنتے ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔ اور اس پاک دامن بی بی کو شہید کیا۔ امرائے اکبری نے سرنگیں اڑا کر دھاوا کیا۔ تیس گز دیوار اڑا دی۔ اور برج بابلی سے قلعہ میں داخل ہوئے۔ چیتہ خاں اور ہزاروں دکنی دلاور موت کا شکار ہوئے۔ چیتہ خاں اور تمام سپاہی قتل کیے گئے۔ جس لڑکے کو نظام الملک بہادر شاہ بنایا تھا۔ وہ گرفتار ہوا۔ خان خاناں اسے لے کر حاضر ہوئے۔ اور مقام برہان پور میں پیش کیا۔ ۴۵ جلوس میں چار مہینے بیس دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہوا۔ فتح کے کارنامہ پر سب نے لکھا کہ جو کچھ کیا خان خاناں نے کیا۔ اور بیشک سچ کہا۔

بادشاہ نے آسیر فتح کیا۔ اور آگرہ کی طرف مراجعت کی۔ لطیفہ۔ ملک شاہزادہ کے نام پر نامزد کیا۔ اور دانیال کی مناسبت سے خاندیس کا نام داندیس رکھا۔ خان خاناں نے پھر پیچ مارا۔ شیخ کی لیاقت و کاروانی کی بہت تعریفیں لکھوائیں۔ اور انہیں بادشاہ سے مانگ لیا۔ اب صورتحال نہایت نازک، شاہزادہ صاحب ملک، خان خاناں خسر الدولہ اور سپہ سالار۔ شیخ ان کے ماتحت۔ خان خاناں کو اختیار ہے۔ جہاں چاہیں بھیجیں۔ جب بلا بھیجیں چلے آئیں۔ کسی اور کو بھیج دیں۔ شیخ لشکر میں بیٹھیں۔ مڑ مڑ منہ دیکھا کریں اور جلا کریں۔ مہمات کے معاملات میں مشورے ہوتے تھے۔ تو شیخ کی رائے کبھی پسند آتی تھی۔ کبھی رد ہو جاتی تھی۔ شیخ دق ہوتے تھے۔ اور جس قلم سے خان خاناں پر دم و ہوش قربان ہوا کرتے تھے۔ اسی قلم سے اس کے حق میں بادشاہ کو وہ وہ باتیں لکھتے تھے۔ کہ ہم شیطان کو بھی نہیں لکھ سکتے۔ مگر سبحان اللہ اس کی شوخی طبع نے اس میں بھی ایسے ایسے کانٹے چبھوئے ہیں۔ کہ ہزاروں پھول اس پر قربان ہوں۔

ابوالفضل اور خان خاناں کی دشمنی:

زمانہ عجب نیرنگ ساز ہے۔ دیکھو جو دوست عاشقی و معشوقی کے دعوے رکھتے تھے۔ انہیں کیسا لڑا دیا۔ اب یہ عالم تھا۔ کہ ایک دوسرے پر دغا کے وار کرتا اور فخر کرتا تھا۔ ان کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ کیسے چلتے تھے۔ ابوالفضل بے شک کوہ دانش اور دریائے تدابیر تھے۔ اور خان خاناں ان کے آگے طفل مکتب۔ مگر آفت کے ٹکڑے تھے۔ ان کے نوجوانی کے نکتے اور چھوٹی چالیں۔ ایسی ہوتی

Marfat.com

تھیں کہ شیخ کی عقل متین سوچتی رہ جاتی تھی۔

تمہارا ذہن ضرور اس بات کا سبب ڈھونڈے گا۔ کہ پہلے وہ گرمجوش محبتیں اور اب یہ عزاوتیں یا بایں شوراشوری۔ یا بہ ایں بے نمکی۔

جل کے شاید کچھ کسی نے جلنوائی ڈالدی　　وصل کی شب تم نے کیوں مجھ سے لڑائی ڈال دی

میرے دوستو بات یہ ہے۔ کہ پہلے دونوں کی ترقی کے رستے دو تھے۔ ایک امارت اور سپہ سالاری کے درجوں میں چڑھنا چاہتا تھا۔ مصاحبت اور حاضر باشی اس کی ابتدائی سیڑھیاں تھیں۔ دوسرا علم و فضل۔ تصنیف و تالیف، نظم و نثر، مشورت اور مصاحبت کے مراتب کو عزت اور خدمت سمجھنے والا تھا۔ امارت اور اختیارات کو اس کے لوازمات سمجھو۔ بہر صورت ایک دوسرے کے کام کے لئے مددگار و معاون تھے۔ کیونکہ ایک کی ترقی دوسرے کے لئے ہارج نہ تھی۔ اب دونوں ایک مطلب کے طلب گار ہو گئے۔ جو دوستی تھی وہ رقابت ہو گئی۔

یہ تو تین سو برس کی باتیں ہیں۔ جن کے لئے ہم اندھیرے میں قیاس کے تیر پھینکتے ہیں۔ مگر اس وقت خون ہوتا ہے۔ جب اپنے زمانہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ دو شخص برسوں کے رفیق بچپن کے دوست۔ ایک مدرسہ کے تعلیم یافتہ۔ الگ الگ میدانوں میں چل رہے تھے۔ تو قوت بازو، دردخواہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر راہ ترقی پر لے چلتے تھے۔ اتفاقاً دونوں کے گھوڑے ایک گھڑ دوڑ کے میدان میں آن پڑے۔ پہلا فوراً دوسرے کے گرانے کو کمر بستہ ہو گیا۔

انفاقات ہیں زمانے کے۔　　میرے اس کے بگاڑ پر مت جا

اکبر کے لئے یہ مشکل موقع تھا۔ دونوں جاں نثار۔ دونوں آنکھیں اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ دعویٰ۔ آفرین ہے۔ اس بادشاہ کو کہ دونوں کو، دونوں ہاتھوں میں کھلاتا رہا اور اپنا کام لیتا رہا۔ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کو گرنے نہ دیا۔

شیخ نے جو اپنی عرضیوں میں دل کے دھوئیں نکالے ہیں۔ وہ فقرے نہیں ہین۔ جلے ہوئے کبابوں کو چٹنی میں ڈبو کر بھیج دیا ہے۔ ان سے اس تمسخر کا اندازہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتنا ظرافت کا لون مرچ اور تمسخر کا گرم مصالح چھڑکتے تھے جو اکبر کو بھاتا تھا۔ اور اس کے چٹخاروں میں ان کا کام نکل آتا تھا۔ میں نے شیخ کی بعض عرضیاں اس کے خاتمہ احوال میں نقل کی ہیں۔ خان خاناں نے بھی خوب خوب گل پھول کترے ہونگے۔ مگر افسوس کہ وہ میرے ہاتھ نہیں آئے۔

یہ رگڑے جھگڑے اسی طرح چلے جاتے تھے۔ ۱۰۰۹ھ میں خان خاناں کی حسن تدبیر نے ملک میں فتوحات کا نشان جا گاڑا۔ شیخ ۱۰۱۱ھ میں طلب ہوئے۔ اور افسوس ہے کہ راہ

Marfat.com

سے منزل بقا کو پہنچے۔ خان خاناں نے کئی برس کے عرصہ میں دکن کو بہت کچھ تسخیر کر لیا۔ جب بندوبست سے فارغ ہوئے تو ۱۰۱۲ھ میں دربار میں طلب ہوئے۔ اس پر برہان پور احمد نگر برار کا ملک شہزادہ کے نام ہوا۔ اور انہیں اس کی اتالیقی کا منصب ملا۔

۱۰۱۴ھ میں ان پر بڑی نحوست آئی۔ شہزادہ مدت سے بلائے بادہ خواری میں مبتلا تھا بھائی کے مرنے نے بھی مطلق ہشیار نہ کیا۔ باپ کی طرف سے اسے بھی۔ خان خاناں کو بھی برابر تاکیدیں پہنچتی تھیں۔ کوئی کاگر نہ ہوتی تھی۔

ضعف حد سے بڑھ گیا تھا۔ جان پر نوبت آن پہنچی۔ خان خاناں اور خواجہ ابوالحسن کو حکم بھیجا کہ پردہ داری کر کے محافظت کرو۔ اس جانہار کا یہ حال کہ ذرا طبیعت بحال ہوئی۔ اور پھر پی گیا۔ سخت بندش ہوئی تو شکار کا بہانہ کرتا، اور نکل جاتا۔ وہاں بھی شیشہ نہ پہنچ سکتا تھا تو قراول روپے کے لالچ سے کبھی بندوق کی نالی میں کبھی ہرن کبھی بکری کی انتڑی میں بھرتے اور پگڑیوں کے پیچ میں لپیٹ کر لے جاتے تھے۔ بندوق کی شراب جس میں باروت کا دھواں لوہے کا میل بھی کٹ کر مل جاتا۔ زہر کا کام کر گئی۔ اور مختصر یہ کہ تینتیس برس چھ مہینے کی عمر میں خود موت کا شکار ہو گئے۔ اس صدمہ کو قلم کیا لکھ سکے گا۔ خان خاناں کے دل سے پوچھنا چاہئے۔ افسوس جانا ❶ بیگم کا ہے۔ وہ پاک دامن بڑی عقلمند صاحب سلیقہ باتدبیر صاحبزادی تھی۔ حیف کہ عین نوجوانی کی بہار میں رنڈاپے کی سفید چادر اس کے سر پر ڈالی گئی۔ اس عفیفہ نے ایسا رنج کیا۔ کہ کوئی کم کرتا ہے۔

• جہانگیری دور ہوا تو خان خاناں دکن میں تھے۔ ۱۰۱۶ھ میں جہانگیر اپنی توزک میں خود لکھتا ہے خان خاناں بڑی آرزو سے لکھ رہا تھا۔ اور قدم بوسی کی تمنا ظاہر کرتا تھا۔ میں نے اجازت دی۔ بچپن میں میرا اتالیق تھا۔ برہان پور سے آیا۔ جب سامنے حاضر ہوا۔ تو اس قدر شوق اور خوشحالی اس پر چھائی ہوئی تھی کہ اسے خبر نہ تھی۔ کہ سر سے آیا ہے یا پاؤں سے۔ بے قرار ہو کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ میں نے بھی شفقت اور پیار کے ہاتھ سے اس کا سر اٹھا کر مہر و محبت کے ساتھ سینہ سے لگایا اور چہرہ پر بوسہ دیا۔ اس نے دو تسبیحیں موتیوں کی۔ چند قطعے لعل و زمرد کے پیشکش کیے۔ تین لاکھ کے تھے۔ اس کے علاوہ ہر جنس کے متاع بہت سے ملاحظہ میں گزرانے۔ پھر ایک جگہ لکھا ہے۔ شاہ عباس بادشاہ ایران نے جو گھوڑے بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک سمند گھوڑا اسے دیا۔ ایسا خوش ہوا۔ کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں اتنا بلند گھوڑا۔ ان خوبیوں اور خوش اسلوبیوں کے ساتھ آج تک ہندوستان میں نہیں آیا۔ فتوح ہاتھی کہ لڑائی میں لاجواب ہے۔ اور بیس ہاتھی اور اسے عنایت کیے۔ چند روز کے

❶ دیکھو اس کا حال خان خاناں کی اولاد کے حال میں۔

Marfat.com

بعد خلعت کمر شمشیر مرصع، فیل خاصہ عطا ہوا۔ اور دکن کو رخصت ہوئے۔ اور اقرار یہ کر گئے کہ دو برس میں سب ملک سرانجام کر دونگا۔ مگر علاوہ فوج سابق کے بارہ ہزار سوار اور دس لاکھ کا خزانہ اور مرحمت ہو (اسی مقام پر خافی خان لکھتے ہیں) پہلے دیوان تھے اب وزیر الملک خطاب دیا۔ اور پنج ہزاری پنج ہزار کا منصب عنایت کر کے مہم پر رخصت کیا۔ امرائے نامی بیس ہزار سوار کے ساتھ رفاقت میں دیئے۔ اور انعام و اکرام کی تفصیل کیا لکھی جائے۔

خان خاناں کے اقبال کا ستارہ عمر کے ساتھ عزت سے ڈھلتا جاتا تھا۔ وہ دکن کی مہموں میں مصروف تھا۔ کہ ۱۰۱۷ھ میں جہانگیر نے پرویز شاہزادہ کو دو لاکھ کا خزانہ۔ بہت سے جواہر بیش بہا دس ہاتھی، تین سو گھوڑے خاصہ کے عنایت فرمائے۔ سید سیف خاں بارہہ کو اتالیق کر کے لشکر کے ساتھ کیا اور حکم دیا کہ خان خاناں کی مدد کو جاؤ۔ وہاں پھر مراد کا معاملہ ہوا۔ بڈھے سپہ سالار کی بوڑھی عقل۔ نوجوانوں کے دماغوں میں نئی روشنی، طبیعتیں موافق نہ آئیں۔ کام بگڑنے شروع ہوئے عین برسات میں لشکر کشی کر دی۔ برسات بھی اس بہتات کی ہوئی۔ کہ طوفان نوح کا عالم دکھا دیا۔

طوفان نوح بیٹھا گوشہ میں موج مارے
دریائے اشک اپنا جب سر پر اوج مارے

تکلیف، نقصان، خرابیاں، ندامتیں، سب مینہ کے ساتھ ہی برسیں۔ انجام یہ ہوا۔ کہ جس خان خاناں نے آج تک شکست کا داغ نہ اٹھایا تھا۔ اس نے ۶۳ برس کی عمر میں شکست کھائی۔ فوج برباد۔ اپنے نہایت تباہ بڑھاپے کے بوجھ اور ذلت کی بار برداری کو گھسیٹ کر برہان پور میں پہنچایا۔ وہی احمد نگر جسے گولے مار مار کر فتح کیا تھا۔ قبضہ سے نکل گیا۔ تماشا یہ کہ باپ کو لکھا جو کچھ ہوا۔ خان خاناں کی خودسری خودرائی اور نفاق سے ہوا۔ یا ہمیں حضور بلالیں یا انہیں اور خان جہاں نے اقرار لکھ بھیجا۔ کہ فدوی اس مہم میں ذمہ لیتا ہے۔ تیس ہزار سوار مجھے اور ملیں جو ملک بادشاہی غنیم کے تصرف میں ہے۔ اگر دو برس کے اندر نہ لے لوں تو پھر حضور میں منہ نہ دکھاؤں گا۔ آخر ۱۰۱۸ھ میں خان خاناں بلائے گئے۔

۱۰۲۰ھ میں سرکار قنوج اور کالپی وغیرہ خان خاناں اور اس کی اولاد کی جاگیر میں عنایت ہوا۔ ۱۰۲۱ھ میں جب معلوم ہوا کہ دکن میں شہزادہ کا لشکر اور امرا سب سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور روز روز اول ہے۔ تو جہانگیر کو پھر پرانا سپہ سالار یاد آیا۔ اور امرائے دربار نے بھی کہا کہ وہاں کی مہمات کو جو خان خاناں سمجھتا ہے۔ وہ کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کو بھیجنا چاہئے۔ پھر دربار میں حاضر ہوئے۔ شش ہزاری منصب۔ ذات خلعت فاخرہ، کمر شمشیر مرصع، فیل خاصہ۔ اسپ ایرانی عنایت ہوا۔ شاہنواز خاں سہ ہزاری ذات و سوار۔ اور خلعت و اسپ وغیرہ۔ داراب کو پانسو ذات تین سو

Marfat.com

اضافہ یعنی کل دو ہزاری ذات ایک ہزار پانسو سوار اور خلعت و منصب وغیرہ اور اس کے ہمراہیوں کو بھی خلعت و اسپ مرحمت ہوئے۔ اور خواجہ ابوالحسن کے ساتھ رخصت ہوئے۔

۱۰۲۴ھ میں اس کے بیٹے ایسے ہو گئے کہ باپ کو دربار سے ملک ملتا تھا۔ وہ بیٹھا بندوبست کرتا تھا بیٹے ملک گیری کرتے تھے۔ چنانچہ شہنواز خاں بالاپور میں تھا کہ کئی سردار عنبر کی طرف سے اس کے ساتھ آن ملے۔ اس نے مبارک باد کے شادیانے بجوائے۔ بڑی مروت اور حوصلے سے ان کی دلجوئی اور خاطر داری کی۔ اور ہر ایک کے رتبہ کے بموجب نقد جنس گھوڑے ہاتھی دے کر تکلف خرچ کئے۔ لشکر توپخانہ رکاب میں تیار تھا، ان کی صلاح سے عنبر کی طرف فوج لے کر چلا۔ عنبر کے سردار سپاہی دیہات میں تحصیل مال کے لئے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سن کر گاؤں گاؤں سے دوڑے اور ٹڈیوں کی طرح امنڈ پڑے۔ ابھی وہاں تک نہ پہنچا تھا۔ کہ کچھ غنیم ❶ کے سردار لیکر آن ہی پہنچے۔ رستہ میں مقابلہ ہوا۔ وہ بھاگے اور شکستہ حال عنبر کے پاس پہنچے۔

عادل خانی اور قطب الملکی:

عنبر سن کر جل گیا۔ عادل خانی اور قطب الملکی فوجیں لے کر بڑے زور و شور سے آیا۔ یہ بھی آگے بڑھے جب دونوں لشکر لڑائی کے پلہ پر پہنچے تو بیچ میں نالہ تھا۔ ڈیرے ڈال دیئے۔ دوسرے دن پرے باندھ کر میدان داری ہونے لگی۔ غنیم کی جانب میں یاقوت خاں حبشی ان جنگلوں کا شیر تھا۔ پیش قدمی کر کے بڑھا۔ اور میدان جنگ ایسی جگہ ڈالا کہ نالہ کا عرض کم تھا۔ لیکن کناروں پر دلدل دور دور تک تھی۔ اسی واسطے تیراندازوں اور باندازوں کو گھاٹوں پر بٹھا کر رستہ روک لیا پہر دن باقی تھا۔ جو لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے توپیں اور بان اس زور و شور سے چلے۔ کہ زمین آسمان اندھیر ہو گیا۔ عنبر کے غلامان اعتباری ہراول میں تھے۔ گھوڑے اٹھا کر آئے نالہ کے اس کنارے سے اکبری ترک بھی تیر اندازی کر رہے تھے۔ جو ہمت کر کے آگے آتے تھے۔ یہ ان کے گھوڑوں کو چراغ پا کر کے الٹا دیتے تھے۔ بہت سے دلدل میں پھنس جاتے تھے۔ یہ حال دیکھا تو ملک عنبر کی نامور شجاعت نے اسے کولے کی طرح لال کر دیا۔ اور چمک کر لشکر بادشاہی پر آیا۔ داراب اپنے ہراول کو لیکر ہوا کی طرح پانی پر سے گزر گیا۔ ادھر ادھر سے اور فوجیں بڑھیں۔ یہ اس کڑک دمک سے گیا کہ غنیم کی فوج کو الٹتا پلٹتا اس کے قلب میں جا پڑا۔ جہاں عنبر خود کھڑا تھا۔ لڑائی دست و گریبان آن پڑی۔ اور دیر تک کشاکشی کا میدان گرم رہا۔ انجام یہ ہوا۔ کہ تلوار کی آنچ سے عنبر ہو کر اڑ گیا۔ اکبری بہادر تین کوس تک

❶ محل دار خان۔ یاقوت خاں۔ دانش خاں۔ دلاور خاں وغیرہ امرا سردار لشکر تھے۔

Marfat.com

مارا مار چلے گئے۔ جب اندھیرا ہو گیا تو بھگوڑوں کا پیچھا چھوڑا۔ اور ایسا بھاری رن پڑا۔ کہ دیکھنے والے حیران تھے۔

۱۰۲۵ھ میں خورم کو شاہجہاں کر کے رخصت کیا۔ اور شاہی کا خطاب کیا۔ کسی شاہزادے کو تیمور کے عہد سے آج تک عطا نہ ہوا تھا۔ ۱۰۲۶ھ میں خود بھی مالوہ میں جا کر چھاؤنی ڈالی۔ شاہجہان نے برہان پور میں جا کر مقام کیا۔ اور معاملہ فہم و صاحب تدبیر اشخاص کو بھیج کر امرائے اطراف کو موافق کیا۔

ملک موروثی کا خیال:

۱۰۲۶ھ میں جبکہ شاہزادہ شاہجہان کے حسن انتظام سے دکن میں بندوبست قابل اطمینان ہوا۔ تو جہانگیر کو ملک موروثی کا پھر خیال آیا۔ شاہ ایران نے قندھار لے لیا تھا۔ چاہا کہ پہلے اسے لے۔ خاندیس برابر احمد نگر کا علاقہ شاہجہاں کو مرحمت ہوا۔ اس بیٹے کو اطاعت اور سعادت مندی اور نیک مزاجی کے سبب سے باپ بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس نے راجپوتانہ اور دکن میں فتوحات نمایاں کیں۔ خصوصاً رانا کی مہم کو اس کامیابی سے سر کیا تھا۔ کہ جہانگیر نہایت خوش ہوا تھا۔ وہ اسے اقبال مند اور فتح نصیب بھی جانتا تھا۔ غرض کہ شاہجہاں حضور میں طلب ہوئے۔ دربار میں بیٹھنے کی صلاح قرار پائی۔ صندلی (کرسی) کی جگہ دست راست پر تجویز ہوئی۔ خود جھروکوں میں بیٹھے اور لشکر کا ملاحظہ فرمایا۔ جب وہ حضور میں داخل ہوا۔ تو اشتیاق کے مارے آپ جھروکوں کے رستے اتر گئے۔ بیٹے کو گلے لگایا۔ جواہر نچھاور ہوتے ہوئے آئے۔ خان خاناں کے بیٹوں نے دکن میں وہ جانفشانیاں کیں۔ کہ خاندانی سرخروئی شاداب ہو گئی۔ چنانچہ انہی دنوں میں شاہنواز کی بیٹی (خان خاناں کی پوتی) سے شاجہاں کی شادی کر دی۔ خلعت با چارقب زربفت۔ وور دامن من سلک مروارید کمر شمشیر مرصع۔ معہ پرولہ مرصع با کمر خنجر مرصع عنایت فرمایا۔

۱۰۲۷ھ میں جہانگیر توزک میں لکھتے ہیں۔ اتالیق جاں نثار، خان خاناں سپہ سالار نے امراللہ اپنے بیٹے کے ماتحت ایک فوج جرار گوندوانہ بھیجی تھی۔ کہ کان الماس پر قبضہ کر لے۔ اب اس کی عرضی آئی۔ کہ زمیندار مذکور نے کان مذکور نذر حضور کر دی۔ اس کا الماس اصالت و نفاست میں بہت عمدہ اور جواہریوں میں معتبر ہوتا ہے۔ اور سب خوش اندام آبدار خوب ہوتے ہیں۔

اسی سنہ میں لکھتے ہیں۔ کہ اتالیق جاں سپار نے آستان بوسی کا فخر حاصل کیا۔ مدتہائے مدید ہوئیں۔ کہ حضور سے دور تھا۔ لشکر منصور خاندیس اور برہان پور سے گزر رہا تھا۔ تو اس نے ملازمت

Marfat.com

کے لئے التماس کیا تھا۔ حکم ہوا کہ سب طرح سے تمہاری خاطر جمع ہو تو جریدہ آؤ اور چلے جاؤ۔ جس قدر جلد ممکن ہوا۔ حاضر حضور ہو کر قدمبوسی حاصل کی۔ انواع نوازش خسروانہ اور اقسام عواطف شاہانہ سے سر عزت بلند ہوا۔ ہزار مہر ہزار روپیہ نذر کر دایا۔ کئی دن کے بعد پھر لکھتا ہے کہ میں نے ایک سمند گھوڑے کا سمیر نام رکھا تھا۔ وہ میرے خاصہ کے گھوڑوں میں اول درجہ پر تھا۔ خان خاناں کو عنایت کیا (اہل ہند کی اصطلاح میں سمیر سونے کا پہاڑ ہے) میں نے رنگ اور قد آوری کے سبب سے یہ نام رکھا تھا۔ کئی دن کے بعد لکھتے ہیں۔ میں پوستین پہنے تھا۔ خان خاناں کو عنایت کیا۔ پھر کئی دن بعد لکھتے ہیں۔ آج خان خاناں کو خلعت خاصہ، شمشیر کمر مرصع، فیل خاصہ، با تلائر طلائی، معہ مادہ فیل عنایت کر کے پھر صوبہ خاندیس و دکن کی سند مرحمت کی۔ منصب معہ اصل و اضافہ کے ہفت ہزاری ذات و ہفت ہزار سوار مرحمت ہوئے امرا میں یہ رتبہ اب تک کسی کو نہیں حاصل ہوا۔ لشکر خاں دیوان بیوتات سے اس کی صحبت موافق نہ آتی تھی۔ اس کی درخواست کے بموجب حامد خاں کو ساتھ کیا۔ اسے بھی ہزاری ذات کا منصب۔ چار سو سوار اور فیل و خلعت عنایت ہوا۔

آزاد۔ دنیا کے لوگ دولت مندی کی آرزو میں مرے جاتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ دولت کیا شے ہے؟ سب سے بڑی تندرستی دولت ہے۔ اولاد بھی ایک دولت ہے۔ علم و کمال بھی ایک دولت ہے۔ حکومت اور امارت بھی ایک دولت ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں زر و مال بھی ایک دولت ہے۔ ان سب کے ساتھ خاطر جمع اور دل کا چین بھی ایک دولت ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہونگے جنہیں بے درد زمانہ ساری دولتیں دے۔ اور پھر ایک وقت پر دغا نہ کر جائے۔ ظالم ایک داغ ایسا دیتا ہے کہ ساری نعمتیں خاک ہو جاتی ہیں۔ کمبخت خان خاناں کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ کہ ۱۰۲۸ھ میں اس کے جگر پر جوان بیٹے کا داغ دیا۔ دیکھنے والوں کے جگر کانپ گئے۔ اس کے دل کو کوئی دیکھے۔ کہ کیا حال ہوا ہوگا۔ وہی مرزا ایرج جس کی دلداری نے اکبر سے بہادری کا خطاب لیا۔ جس کی جانفشانی نے جہانگیر سے شہنواز خانی کا خطاب پایا۔ جسے سب کہتے تھے۔ کہ یہ دوسرا خان خاناں ہے۔ اس نے عین جوانی اور کامرانی میں شراب کے پیچھے اپنی جان کھوئی۔

اے ذوق اتنا دختر رز کو نہ منہ لگا چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اور دوسرے برس میں ایک اور داغ۔ وہ اگرچہ بخار سے گیا۔ لیکن ادائے خدمت کے جوش میں بے اعتدالی کر کے خدمت کے حق سے ادا ہوا۔ (دیکھو اسکی اولاد کا حال)

Marfat.com

دردناک لطیفہ:

ایک شاعر کے پاس کوئی شخص آیا۔ اور آبدیدہ ہو کر کہا۔ کہ حضرت بیٹا مر گیا تاریخ کہہ دیجئے۔ روشن دماغ شاعر نے اسی وقت سوچ کر کہا۔ داغ جگر۔ دوسرے برس وہی جگر کباب پھر آیا۔ کہ حضرت تاریخ کہہ دیجئے۔ شاعر نے کہا چند روز ہوئے تم تاریخ لکھوا کر لے گئے تھے۔ اس نے کہا حضرت ایک اور تھا وہ بھی مر گیا۔ شاعر نے کہا اچھا۔ داغ دگر جہانگیر نے ان دونوں واقعوں کو اپنی توزک میں لکھا ہے۔ حرف حرف سے درد ٹپکتا ہے۔ (دیکھو تتمہ)

خان خاناں کا ستارہ غروب ہوتا ہے:

افسوس جس خان خاناں نے بہار کامرانی کا پھول رہ کر عمر گزاری تھی۔ بڑھاپے میں وہ وقت آیا۔ کہ زمانے کے حادثے اس پر بگولے باندھ باندھ کر حملے کرنے لگے۔ ۱۰۲۸ھ میں ایرج مرا تھا۔ دوسرے برس رحمٰن داد گیا۔ تیسرے برس تو ادبار نے ایک ایسا نحوست کا شبخون مارا۔ کہ اقبال میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور ایسا بھاگا کہ پھر کر نہ دیکھا۔ میرے دوستو دنیا برا مقام ہے بے مروت زمانہ یہاں انسان کو کبھی ایسے موقع پر لا ڈالتا ہے۔ کہ دو ہی پہلو نظر آتے ہیں۔ دونوں میں خطر اور انجام کی خدا کو خبر۔ عقل کام نہیں کرتی کہ کیا کرے۔ قسمت کے ہاتھ پانسہ ہوتا ہے جس رخ چاہے پلٹ دے۔ سیدھا پڑا تو عقل مند ہیں۔ الٹا پڑا تو بچہ بچہ احمق بناتا ہے۔ اور جو نقصان، ندامت، مصیبت، اور غم واندوہ اس پر گزرتا ہے۔ وہ تو دل ہی جانتا ہے۔ پہلے اتنی بات سن لو کہ جہانگیر کا بیٹا شاہجہاں ایسا رشید اور سعادت مند بیٹا تھا۔ کہ تیغ و قلم کی بدولت اپنے جوہر قابلیت کی داد لیتا تھا۔ باوجود اس کے خوش اقبال جہانگیر بھی اس کے کارناموں پر باغ باغ ہوتا تھا اور اپنی جانشینی کے لائق سمجھتا تھا۔ شاہجہاں خطاب۔ شاہانہ رتبے دیئے تھے۔ عالی منصب اس کے نوکروں کو عطا کئے تھے۔ اکبر بھی جب تک جیتا رہا۔ ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور ایسے الفاظ اس کے حق میں کہتا تھا۔ جس سے بڑی بڑی امیدیں ہوتی تھیں۔ اپنی ذاتی لیاقت اور افواج کے علاوہ خان خاناں جیسا امیر اس کا ددیا سسر تھا۔ آصف خاں وزیر کل بھی اس کا خسر تھا۔

نور جہاں بیگم:

نور جہاں بیگم کا حال معلوم ہے کہ کل سلطنت کی مالک تھیں۔ فقط خطبہ میں بیگم کا نام نہ تھا سکہ پر ضرب۔ فرمانوں پر مہر بھی بیگم کی ہوتی تھی۔ وہ بھی بڑی دور اندیش اور باتدبیر بی بی تھی جب

Marfat.com

دیکھا۔ کہ جہانگیر کی مستی اور مدہوشی سے مرض اس پر ہاتھ ڈالنے لگے ہیں۔ تو ایسی تدبیریں سوچنے لگی۔ جس سے جہانگیر کے بعد بھی حکومت میں فرق نہ آئے۔ اس کی ایک بیٹی شیر افگن خاں پہلے شوہر سے تھی۔ ۱۰۳۰ھ میں شاہزادے شہریار سے شادی کر دی۔ اور اس کی سلطنت کی بنیادیں ڈالنے لگی۔ بنیاد اس کی یہی تھی۔ کہ شاہجہاں کی جڑ اکھیڑ دے۔ شہریار سب سے چھوٹا بیٹا جہانگیر کا تھا۔ مگر طبیعت عیش پسند تھی۔ اس واسطے خیالات پست رکھتا تھا۔ اور ساس کی بادشاہی نے رہا سہا کھودیا تھا۔

۱۰۳۱ھ میں شاہجہاں دربار میں طلب ہوئے کہ مہم قندھار پر جا کر ملک موروثی کو زیر نگیں کریں۔ وہ خان خاناں اور داراب کو لے کر حاضر ہوئے۔ اور مصلحت مشورت ہو کر مہم مذکور ان کے نام پر قرار پائی۔

من درچہ خیال ام و فلک درچہ خیال کاریکہ خدا کند فلک راچہ مجال

آسمان نے اور ہی شطرنج بچھائی۔ بازی یہاں سے شروع ہوئی کہ شاہجہاں نے دھولپور کا علاقہ باپ سے مانگ لیا۔ جہانگیر نے عنایت کیا۔ بیگم نے وہی علاقہ شہریار کے لئے مانگا ہوا تھا۔ اور شریف الملک شہریار کی طرف سے اس پر حاکم تھا۔ شاہجہانی ملازم وہاں قبضہ لینے گئے۔ مختصر یہ ہے۔ کہ طرفین کے امیروں میں تلوار چل گئی۔ اور اس عالم میں شریف الملک کی آنکھ میں تیر لگا کہ کانا ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر شہریار کا سارا لشکر بھر گیا۔ اور ہنگامہ عظیم برپا ہوا۔

شاہجہاں نے افضل خاں اپنے دیوان کو بھیجا۔ نہایت عجز و انکسار سے پیام زبانی دیئے۔ اور عرضی لکھ کر عفو تقصیر کی التجا کی۔ کہ یہ آگ بجھ جائے۔ بیگم تو آگ اور کولا ہو رہی تھیں۔ یہاں آتے ہی افضل خاں قید ہو گیا۔ اور بادشاہ کو بہت سا لگا بجھا کر کہا کہ شاہجہاں کا دماغ بہت بلند ہو گیا ہے۔ اسے قرار واقعی نصیحت دینی چاہیئے۔ مست الست بادشاہ نے اپنے عالم میں خدا جانے کچھ ہوں ہاں کر دی ہوگی۔ فوراً فوج کو تیاری کا حکم پہنچا۔ اور امرا کو حکم گیا کہ شاہجہاں کو گرفتار کر لاؤ۔

ادھر چند روز ہوئے تھے۔ کہ شاہ ایران نے قندھار لے لیا تھا یہ مہم بھی شاہجہاں کے نام ہوئی تھی۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ اگر وہ بہادر اور بالیاقت شاہزادہ اپنے لوازم و سامان کے ساتھ جاتا تو قندھار کے علاوہ سمرقند و بخارا تک تلوار کی چمک پہنچاتا۔ وہ مہم بھی بیگم نے شہریار کے نام لے لی۔ بارہ ہزاری آٹھ ہزار سوار کا منصب دلوایا۔ جہانگیر کو بھی لاہور میں لے آئی۔ اور شہریار یہاں لشکر تیار کرنے لگے۔ شاہجہاں کے دل پر چوٹیں پڑ رہی ہیں۔ مگر چپ۔ بڑے بڑے معتبر اور امیر سردار اس تہمت میں قید ہو گئے کہ اس سے ملے ہوئے ہیں۔ بہت سے جان سے مارے گئے۔ آصف خاں بیگم کا حقیقی بھائی تھا۔ مگر اس لحاظ سے کہ اس کی بیٹی شاہجہاں کی چہیتی بیگم ہے۔ وہ بھی بااعتبار ہو گیا۔

Marfat.com

غرض یہاں تک آگ لگائی۔ کہ آخر شاجہان جیسا سعادت مند فرمانبردار با اقبال بیٹا باپ سے باغی ہوا۔ مگر کچھ شک نہیں۔ کہ مجبور باغی ہوا۔

بیگم جوڑ توڑ کی بادشاہ تھی۔ اسے خبر تھی۔ کہ آصف خاں کی مہابت خاں سے لاگ ہے بادشاہ سے کہا کہ جب تک مہابت خاں سپہ سالار نہ ہوگا۔ مہم کا بندوبست نہ ہوگا۔ ادھر اس نے کابل سے لکھا۔ اگر شاہجہاں سے لڑنا ہے تو پہلے آصف خاں کو نکالیئے۔ جب تک وہ دربار میں ہیں۔ فدوی کچھ نہ کر سکے گا۔ آصف خاں فوراً بنگالہ بھیجے گئے۔ اور مہابت خاں سپہ سالاری کے نشان سے روانہ ہوئے۔ پیچھے پیچھے جہانگیر بھی لاہور سے آگرہ کی طرف چلے۔ امرا کی آپس میں عداوتیں تھیں۔ انہیں اب موقع ہاتھ آیا جس کا جس پر دار چل گیا۔ نکلوایا، قید کروایا، مروا ڈالا، سازش کے جرم کیلئے ثبوت کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی۔

دیکھو پرانا بڈھا جس میں دو پشت کے تجربے بھرے تھے۔ نرا الچی نہ تھا۔ جو ذرا سا فائدہ دیکھ کر پھسل پڑے۔ اس نے ہزاروں نشیب و فراز درباروں کے دیکھے تھے۔ اس نے عقل نے پہلو لڑانے میں کچھ کمی نہ کی ہوگی۔ اس نے ضرور خیال کیا ہوگا کہ بادشاہ کی عقل کچھ تو شراب نے کھوئی۔ رہی سہی بیگم کی محبت میں گئی۔ میں قدیمی نمک خوار سلطنت کا ہوں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے دل نے ضرور کہا ہوگا کہ سلطنت کا مستحق کون، شاہجہان، متوالا باپ، سلطنت کو بیگم کی محبت میں قربان کر کے بیٹے کو برباد کیا چاہتا ہے۔ اور نمک خوار کو اس وقت سلطنت کی حمایت واجب ہے۔ اس کی رائے نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔ شاجہان سے اس وقت بگڑنا جہانگیری طرفداری نہیں۔ بیگم کی طرفداری ہے۔ اور سلطنت موروثی کی بربادی ہے۔

کیا خان خاناں سے ممکن نہ تھا؟ کہ دونوں سے کنارہ کر جاتا۔ کیونکر ممکن تھا۔ جہانگیر نے شاجہاں کی شادی شاہنواز خاں کی بیٹی سے کی تھی۔ اور آصف خاں نور جہاں کے بھائی کی بیٹی بھی شاجہاں کے عقد میں تھی۔ اس سے اصل مطلب یہی تھا۔ کہ ایسے ایسے ارکان دولت ایسے تعلق اس کے ساتھ رکھتے ہونگے۔ تو گھر کے جھگڑے اسے حق سے محروم نہ کرینگے۔ تقدیر کی بات ہے کہ جو دن اس نے اپنے بعد خیال کیا تھا۔ وہ جیتے جی سامنے آیا۔

جب شاہجہاں نے ہمراہی کی فرمائش کی ہوگی۔ تو خان خاناں نے اپنے اور جہانگیر تعلقات کا ضرور خیال کیا ہوگا۔ وہ بیگم سے بھی رسائی رکھتا تھا اور ہم مذہب تھا۔ وہ سمجھا ہوگا۔ کہ باپ بیٹے کی تو کچھ لڑائی ہی نہیں۔ جو کھٹک ہے سوتیلی ماں کی ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ میں صفائی کروا دونگا۔ اور بے شک وہ کر سکتا تھا۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا۔ رنگ بیرنگ دیکھتا گیا۔ اور کسی بات کا موقع

Marfat.com

نہ پایا۔ بیگم نے کام کو ایسا نہ بگاڑا تھا کہ افسون اصلاح کی کچھ بھی گنجائش رہی ہو۔ جس کو شاجہاں نے عرضداشت دیکر دربار میں بھیجا تھا وہ قید ہو گیا۔ یہ بھی دیکھ لیا تھا۔ کہ خان اعظم جس کا اکبر بھی لحاظ کرتا تھا۔ اسے قلعہ گوالیار میں قید رہنا پڑا۔ ایسے نازک موقع پر اسے اپنے لئے کیا بھروسہ تھا۔

خان خاناں کے نمک خوار قدیم اور ملازم با اعتبار محمد معصوم نے جہانگیر کے پاس مخبری کی کہ امرائے دکن سے اسکی سازش ہے۔ اور ملک عنبر کے خطوط جو اس کے نام تھے وہ شیخ عبدالسلام لکھنوی کے پاس ہیں۔ جہانگیر نے مہابت خاں کو حکم دیا۔ اس نے شیخ کو گرفتار کرلیا۔ حال پوچھا تو اس نے بالکل انکار کیا۔ اس غریب کو اتنا مارا کہ مر گیا مگر حرف مطلب نہ ہارا۔ خدا جانے کچھ تھا ہی نہیں یا رازداری کی۔ دونوں طرح اسے آفرین۔

بہر صورت وہ اور داراب دکن سے شاجہاں کے ساتھ آئے۔ جہانگیر کو دیکھو کس درد سے لکھتا ہے۔ جب خان خاناں جیسے امیر نے کہ میری اتالیقی کے منصب عالی سے خصوصیت رکھتا تھا۔ ستر برس کی عمر میں بغاوت اور کافر نعمتی سے منہ کالا کیا۔ تو اوروں سے کیا گلہ۔ گو ایسی ہی زشت بغاوت اور کفران نعمت سے اس کے باپ نے آخر عمر میں میرے پدر بزرگوار سے بھی یہی شیوہ ناپسندیدہ برتا تھا۔ اس نے باپ کی پیروی کر کے اس عمر میں اپنے تئیں ازل سے ابدتک مطعون اور مردود کیا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ با آدمی بزرگ شود

بیگم نے شاہزادہ مراد کو سپاہ جرار دیکر بھائی کے مقابلے پر بھیجا۔ مہابت خاں کو سپہ سالار کیا۔ واہ ری بیگم تیری عقل دور اندیش۔ دونوں بھائیوں میں جو مارا جائے۔ شہر یار کے لئے ایک پہلو صاف ہو سکے۔

غرض جب دونوں لشکر جرار قریب پہنچے۔ تو ایک ایک حصہ دونوں پہاڑوں میں سے الگ ہو کر ٹکرایا۔ بڑا کشت وخون ہوا۔ بڑے بڑے امیر مارے گئے۔ اور بہت سے غیرت والے ننگ و ناموس پر جان دے کر دنیا سے ناکام گئے۔ مگر شکست شاجہان کی فوج کو نصیب ہوئی۔ اور وہ اپنے لشکر کو لے کر کنارے ہٹا۔ کہ دکن کو چلا جائے۔ (اس موقع پر بدگمانی اور نیک نیتی کا مقابلہ ہے کہ) خان خاناں یا تو اپنی نیک نیتی سے صلح کی تدبیر کرتا تھا۔ یا انتہائے درجہ کی چالاکی تھی۔ کہ جہانگیر سے بھی سرخرو رہنا چاہتا تھا۔ مہابت خاں سپہ سالار سے اس نے پیغام سلام کئے عجب مشکل مقام تھا۔ ذرا خیال کرو۔ باپ بیٹوں کا بگاڑ۔ وہ بھی سوتیلی ماں کی غرض پرستی اور متوالے باپ کی مدہوشی سے سرداران لشکر آٹھ پہر ایک جگہ رہنے سہنے والے۔ ایک قاب میں کھانے والے۔ ایک جام میں پینے والے۔ ان میں پیغام کیونکر بند ہو سکے۔ مشکل یہ ہوئی۔ کہ اس معاملہ میں چالاک سپہ سالار نے

Marfat.com

دریائے طبع نے انشا پردازی کی موج ماری۔ اپنے ہاتھ سے خط لکھا۔ اور بادشاہ کی ہوا خواہی کے مضمون لکھ کر اس میں یہ شعر بھی لکھا۔

صد کس بہ نظر نگاہ مے دارندم ورنہ بپریدمے ز بے آرامی

یہ خط کسی نے پکڑ کر شاہجہاں کو دے دیا۔ اس نے انہیں بلا کر خلوت میں دکھایا۔ جواب کیا تھا؟ چپ شرمندہ۔ آخر بیٹوں سمیت دولت خانہ کے پاس نظر بند ہوئے۔ اور اتفاق یہ کہ سوہی منصبداروں کو ان کی حفاظت سپرد ہوئی۔ آسیر پہنچ کر سید مظفر بارہہ کے سپرد کیا کہ قلعہ میں لے جا کر قید کرو۔ لیکن داراب بے گناہ تھے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر دونوں کو رہا کر دیا۔

بادشاہ نے شاہزادہ پرویز کو بھی امرا کے ساتھ فوجیں دے کر بھیجا تھا۔ وہ دریائے نربدا پر جا کر تھم گیا۔ کیونکہ شاہجہاں کے سرداروں نے گھاٹوں کا خوب بندوبست کر رکھا تھا۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ اور یہ کوئی مجرم قیدی نہ تھے۔ عبدالرحیم خان خاناں تھے۔ دیکھنے کو نظر بند تھے۔ مگر صحبت میں بھی شامل ہوتے تھے۔ ہوا خواہی اور خیر اندیشی کی اصلاحیں کرتے تھے۔ جن کا خلاصہ ایسے مطالب تھے۔ جن سے فتنہ و فساد کی راہ بند ہو اور کامیابی کے ساتھ صلح کے رستے نکلیں۔

ادھر سے جب مہابت خاں اور پرویز دریا کے کنارے پہنچے۔ سامنے شاہجہاں کا لشکر نظر آیا۔ دیکھا کہ گھاٹوں کا انتظام بہت چست ہے۔ اور دریا کا چڑھاؤ اسے زور و شور سے مدد دے رہا ہے۔ کشتیاں سب پار کے کنارے پر کھینچ لے گئے۔ اور مورچے توپ و تفنگ سے سد سکندر کئے۔ لشکر کے ڈیرے ڈلوا دیئے۔ اور بندوبست میں مصروف ہوئے۔ مہابت خاں نے ایک جعلسازی اور دوست نمائی کا خط خان خاناں کے نام لکھا۔ اور اس طرح بھیجا کہ شاہجہاں کے ہاتھ میں جا پہنچا۔ خلاصہ خط مہابت خاں عالم جانتا ہے۔ کہ شہزادہ جہاں و جہانیاں کو اطاعت حضور کے سوا اور کچھ منظور نہیں۔ فتنہ پرداز اور دراندازعنقریب اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ میں مجبور ہوں۔ کہ آ نہیں سکتا۔ مگر ملک کی حالت دیکھ کر افسوس آتا ہے۔ کہ اس کی اصلاح اور خلق خدا کے امن و آسائش میں جان سے حاضر ہوں۔ اور اس بات کو اپنا اور کل مسلمانوں کا فرض سمجھتا ہوں۔ اگر تم شہزادہ بلند اقبال کو یہ مطالب منقوش خاطر کر کے ایک دو معتبر معاملہ فہم شخصوں کو بھیج دو۔ تو عین مصلحت ہے کہ باہم گفتگو کر کے ایسی تدبیر نکالیں جس میں یہ آگ بجھ جائے۔ اور خونریزی موقوف ہو۔ باپ بیٹے پھر ایک کے ایک ہو جائیں۔ شہزادہ کی جاگیر کی کچھ ترقی بھی ہو جائے۔ اور نور محل شرمندہ ہو کر ہماری تجویز پر راضی ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور ایسی ایسی چند باتیں قول و قسم اور عہد و پیمان کے ساتھ لکھیں۔ اس پر کلام الٰہی کو درمیان دیا۔ اور خط کو ملفوف کر کے ادھر کی ہوا میں اس طرح اڑایا۔ کہ شاہجہاں کے دامن میں

Marfat.com

جا پڑا۔ وہ خود امن و امان کا عاشق تھا۔ مصاحبوں سے صلاح کی۔ خان خاناں سے بھی گفتگو ہوئی۔ یہ پہلے ہی ان مضامین کے شاعر تھے۔ شہزادہ کو اس کام کے لیے ان سے بہتر رسا اور معاملہ فہم کوئی نظر نہ آتا تھا۔ قرآن سامنے رکھ کر قسمیں لیں۔ داراب کے ساتھ اور عیال کو اپنے پاس رکھا۔ اور انہیں روانہ کیا۔ کہ جا کر دریا کا بہاؤ اور ہوا کا رخ پھیرو۔ دریا کے اس پار ہو۔ اور طرفین کی صلاحیت پر صلح قرار دو۔

شطرنج زمانہ کے پکے چال باز:

خان خاناں شطرنج زمانہ کے پکے چال باز تھے۔ مگر خود بڈھے ہو گئے تھے عقل بڑھیا ہو گئی تھی۔ مہابت خاں جوان ان کی عقل جوان۔ جب یہ لشکر بادشاہی میں پہنچے۔ ان کے اعزاز و احترام میں بڑے مبالغے ہوئے۔ خلوت میں ایسی دلسوزی اور دردخواہی کی باتیں کیں۔ کہ انہوں نے خوشی خوشی کامیابی مقاصد کے پیام اور اطمینان کے مراسلے شاجہان کو لکھنے شروع کیے۔ اس کے امرا کو جب یہ خبر ہوئی۔ تو وہ خوش ہوئے۔ اور غلطی یہ کی کہ گھاٹوں کے انتظام اور کناروں کے بندوبست ڈھیلے کر دیئے۔

مہابت خاں عجیب چلتا پرزہ نکلا۔ اس نے چپکے چپکے راتوں رات فوج پار اتار دی۔ اب خدا جانے اس نے دردخواہی اور نیک نیتی کا ہرا باغ دکھا کر انہیں غفلت کی دارو سے بے ہوشی پلائی یا اپنچ کا دسترخوان بچھا کر باتیں ایسی چکنی چپڑی کیں۔ کہ یہ قرآن کو نگل کر اس سے مل گئے۔ بہرحال شاجہاں کا کام بگڑ گیا۔ وہ دل شکستہ نہایت ناکامی کے عالم میں پیچھے ہٹا۔ اور اس اضطراب کے ساتھ دریائے ٹاپٹی سے پار اترا کہ فوج اور سامان فوج کا بہت نقصان ہوا۔ اکثر امیر ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

داراب اور بعض عیال شاجہاں کے پاس تھے۔ یہ لشکر بادشاہی میں ادھر پڑے تھے۔ اب مہابت خاں سے موافقت کرنے کے سوا چارہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ برہانپور پہنچے۔ مگر یہ انکی طرف سے ہشیار ہی رہتے تھے۔ صلاح ہوئی کہ نظر بند رکھو اور ان کا خیمہ پرویز کے ساتھ طناب بہ طناب رہے۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ جو کچھ کریں حال معلوم ہوتا رہے۔ مہابت خاں برہانپور میں پہنچ کر نہ ٹھیرا۔ دریائے ٹاپٹی اتر کر تھوڑی دور تعاقب کیا۔ اور وہ دکن سے بنگالہ کی طرف روانہ ہوا۔

جانا بیگم کے ہمت و حکمت کے سبق:

جانا بیگم باپ کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے جو ہمت و حکمت کے سبق ان سے پڑھے تھے۔

Marfat.com

حرف بحرف یاد کر رکھے تھے۔ اس نے کہا کہ میں باپ کو نہ چھوڑوں گی۔ جو اس کا حال۔ سو میرا حال۔ وہ بھی دانیال شہزادہ کی بیوہ تھی۔ اس کے بچے ساتھ تھے۔ اسے کون روک سکے۔ آخر باپ کے پاس خیمہ میں رہی۔ فہیم ان کا غلام خاص کے فی الحقیقت فہیم اور کاردان بے نظیر تھا۔ اسے دلاوری نے دودھ پلایا تھا۔ اور شجاعت کے نمک سے پلا تھا۔ جس طرح اس معرکہ میں مارا گیا۔ اس کا رنج خان خاناں ہی کے دل سے پوچھنا چاہئے۔ شاجہاں کو جب یہ خبریں پہنچیں۔ ان کے بال بچوں کو قید کر لیا۔ اور حفاظت راجہ بھیم کے سپرد کی۔ (راجہ بھیم رانا کا بیٹا تھا) ادھر خان خاناں کو یہ حال سن کر بہت رنج ہوا۔ اور راجہ کو پیغام بھیجا کہ میرے عیال کو چھوڑ دو۔ میں لشکر بادشاہی کو ادھر سے کچھ نہ کچھ حکمت عملی کر کے پھیر دیتا ہوں۔ اگر یہی حال ہے تو سمجھ لو کہ کام مشکل ہوگا۔ میں خود آ کر چھوڑا لے جاؤنگا۔ راجہ نے لکھا۔ کہ ابھی تک پانچ چھ ہزار جان نثار رکاب میں موجود ہیں۔ اگر تم چڑھ کر آئے۔ تو پہلے تمہارے بال بچوں کو قتل کرینگے۔ پھر تم پر آن پڑینگے۔ یا تم نہیں یا ہم نہیں۔

شاجہان کے لشکر بادشاہی سے معرکے بھی ہوئے۔ اور بڑے بڑے کشت وخون ہوئے۔ افسوس اپنی فوجیں آپس میں کٹ کر کھیت رہیں۔ اور دلاور سردار اور ہمت والے امیر مفت جانوں سے گئے۔ شاجہاں لڑتے بھڑتے کبھی کنارہ اور کبھی پیچھے ہٹتے اوپر اوپر بنگالہ میں جا نکلے۔ یہاں داراب سے قول وقسم لے کر بنگالہ کی حکومت کی اس کی بی بی بیٹے، بیٹی اور ایک شاہنواز خاں کے بیٹے کو یرغمال میں لے لیا۔ اور آپ بہار کو روانہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد داراب کو بلا بھیجا۔ اس نے لکھا کہ زمینداروں نے مجھے گھیرا ہوا ہے۔ حاضر نہیں ہوسکتا۔ شاجہاں کی فوج برباد ہو چکی تھی۔ وہ دل شکستہ جس رستے آیا تھا۔ اسی رستے دکن کو پھرا۔ خیال ہوا کہ یہ بھی بادشاہ سے مل گیا۔ ان کے جوان بیٹے اور بھتیجے کو مار ڈالا۔ داراب یہاں بے دست و پا ہو گیا تھا۔ بادشاہی لشکر نے آ کر ملک پر قبضہ کر لیا۔ داراب سلطان پرویز کے لشکر میں حاضر ہوا۔ جہانگیر کا حکم پہنچا کہ داراب کا سر کاٹ کر بھیج دو۔ افسوس اس سر کو ایک خوان میں کھانے کی طرح سوا کر بدنصیب باپ کے پاس بھیج دیا۔ اللہ اکبر جس خان خاناں کے سامنے کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ رحمٰن داد کے مرنے کا نام زبان سے نکالے چپ بیٹھا تھا۔ اور آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ مہابت خاں کے یزیدیوں نے بموجب اس کے حکم کے کہا کہ حضور نے یہ تربوز بھیجا ہے۔ باپ خونی جگر نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ درست اشہیدی ہے۔ کہنے والوں نے تاریخی کہی۔

شہید پاک شد داراب مسکیں

افسوس کہ قابل تو یہ بات ہے۔ کہ وہ جانباز دلاور جن کی عمریں اور کئی کئی پشتیں اس سلطنت میں

Marfat.com

جاں نثاری اور وفاداری کی مشق کر رہی تھیں۔ مفت ضائع ہو گئیں۔ اگر شاہجہاں کے ساتھ قندھار پر جاتے تو کارنامے دکھاتے۔ ازبک پر جاتے تو ملک موروثی کو چھڑاتے۔ اور ہندوستان کا نام توران میں روشن کر کے آتے۔ اور حیف کہ اپنے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے فدا ہوئے۔ اور اپنے سر اپنے ہاتھوں سے کٹے۔ اپنی چھری سے اپنے پیٹ چاک ہوئے۔ یہ کیونکر؟ بیگم صاحب کی خودغرضی اور خودپرستی کی بدولت۔ بیشک کہ بیگم کو بھی ایک لعل بے بہا۔ تاج سلطنت کا کہنا زیبا ہے عقل، تدبیر، ہمت، سخاوت، قدردانی فیض رسانی میں ثانی نہ رکھتی تھیں۔ لیکن کیا کیجئے جو بات ہوتی ہے۔ وہی کہی جاتی ہے۔ چند روز کے بعد شاہ اور شاہزادہ دونوں باپ بیٹے جیسے تھے۔ ویسے ہی ہو گئے۔ امرا بچارے شرمندہ حیران کہ کہاں جائیں اور کیا منہ لے کر جائیں۔ مگر اس گھر کے سوا اور گھر کونسا تھا۔

۱۰۳۶ھ میں خان خاناں حضور میں طلب ہوئے۔ مہابت خان نے جب رخصت کیا۔ تو جو جو معاملے درمیان میں آئے تھے۔ ان کا بہت عذر کیا اور سامان سفر اور لوازم ضروری کے سرانجام میں وہ ہمت عالی دکھائی۔ جو خان خاناں کے شان کے لائق تھے۔ مطلب یہ تھا کہ آئندہ کیلئے صفائی ہو جائے۔ اور ان کے دل میں میری طرف سے غبار نہ رہے۔ یہ جب دربار میں آئے تو جہانگیر خود توزک میں لکھتا ہے۔ "ندامت کی پیشانی کو دیر تک زمین پر رکھے رہا۔ سر نہ اٹھایا۔ میں نے کہا۔ جو کچھ وقوع میں آیا تقدیر کی باتیں ہیں۔ نہ تمہارے اختیار کی باتیں ہیں نہ ہمارے۔ اس کے سبب سے ملامت اور خجالت دل پر نہ لاؤ۔ ہم اپنے تئیں تم سے زیادہ شرمندہ پاتے ہیں۔ جو کچھ ظہور میں آیا۔ تقدیر کے اتفاق ہیں۔ ہمارے تمہارے اختیار کی بات نہیں۔"

ارکان دولت کو حکم:

ارکان دولت کو حکم ہوا کہ انہیں لیجا کر اتارو۔ کئی دن کے بعد لاکھ روپیہ انعام دیا۔ کہ اسے اپنی درستی احوال میں صرف کرو۔ چند روز کے بعد صوبہ قنوج عطا ہوا۔ اور خان خاناں کا خطاب جو اس سے چھین کر مہابت خاں کو ملا تھا پھر انہیں مل گیا۔ انہوں نے شکر یہ میں یہ شعر کہہ کر مہر میں کھدوایا۔

مرا لطف جہانگیری بتائیدات یزدانی — دوبارہ زندگی داد و دوبارہ خان خانی

دوسرے ہی برس میں پان پلٹا

زال دنیا نے صلح کی کس دن — یہ لڑاکا سدا سے لڑتی ہے

بادشاہ و بیگم کو قید کرنا:

بیگم کی مہابت خاں سے بگڑی۔ فرمان گیا کہ حاضر ہو۔ اور اپنی جاگیر اور فوج وغیرہ کا حساب

Marfat.com

کتاب سمجھادو۔ بادشاہ لاہور سے گلگشت کشمیر کو چلے جاتے تھے۔ وہ ہندوستان کی طرف سے آیا۔ چھ ہزار تلوار مار راجپوت اس کے ساتھ۔ لاہور ہوتا ہوا حضور میں چلا۔ مگر تیور بگڑے اور غصہ میں بھرا ہوا۔ خان خاناں یہیں موجود تھا۔ زمانہ کی نبض خوب پہچانتے تھے۔ سمجھ گئے کہ آندھی آئی ہے۔ خوب خاک اڑے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ چھ ہزار کی حقیقت کیا ہے۔ جس پر یہ جاہل افغان کودتا ہے (یہ جانثار اس کے ذاتی نوکر تھے) یہ ضرور بگڑ بیٹھے گا۔ مگر آخر کو خود بگڑ جائیگا۔ کیونکہ بنیاد نہیں۔ آخر بازی بیگم کے ہاتھ رہے گی۔ خلاصہ یہ کہ انکی ملاقات کو نہ گئے۔ بلکہ مزاج پرسی کو وکیل بھی نہ بھیجا۔ اس کا بھی سب طرف خیال تھا سمجھ گیا۔ کہ خان خاناں ہیں۔ اور کدورت بھی دکھادی ہے۔ خدا جانے وہاں کے معرکے کا پہلو کس طرف آن پڑے۔ پیچھے سے آگرے تو اور مشکل ہوگی۔ چنانچہ جب کنارہ جہلم پر پہنچ کر بادشاہ کو قید کیا۔ اس وقت آدمی بھیجے۔ کہ خان خاناں کی حفاظت کے ساتھ دلی پہنچادو۔ اطاعت کے سوا چارہ کیا تھا۔ چپ دلی چلے گئے۔ وہاں سے ارادہ کیا کہ اپنی جاگیر کو جائیں۔ وہ پھر بدگمان ہوا اور رستہ سے بلوالیا۔ کہ لاہور میں بیٹھو، وہاں جاکر جو کچھ مہابت خاں نے کیا۔ خواہ نمک حرامی کہو خواہ یہ سمجھو کہ ایک مست مدہوش کے گھر کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال جو حرکت اس نے کی شاید کسی نمک خوار امیر سے ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ بادشاہ اور بیگم دونوں کو الگ الگ قید کرلیا۔ بیگم کی دانائی اور حکمت عملی سے آہستہ آہستہ اس کا طوفان دھیما ہوا۔ آخر یہ کہ بھاگا۔ خان خاناں کا دل اس کے زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ بڑی التجا و تمنا سے عرضی بھیجی۔ کہ اس نمک حرام کے استیصال کی خدمت مجھے مرحمت ہو۔ بیگم نے اس کی جاگیر خان خاناں کی تنخواہ میں مرحمت کی۔ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار، دو اسپہ سہ اسپہ خلعت اور شمشیر مرصع، گھوڑا با زین مرصع، فیل خاصہ اور بارہ لاکھ روپیہ نقد اور گھوڑے۔ اونٹ، بہت سامان عنایت کیا۔ اجمیر کا صوبہ بھی مرحمت کیا۔ امرا فوجیں دیکر ساتھ کیے۔ بہتر برس کا بڈھا اس پر یہ قیامت کے صدمے گزر چکے تھے۔ طاقت نے بے وفائی کی لاہور ہی میں بیمار ہو گئے۔ دہلی میں پہنچ کر ضعف غالب ہوا۔ اواسط ۱۰۳۶ھ میں دنیا سے انتقال کیا۔ اور ہمایوں کے مقبرہ کے پاس دفن ہوئے۔ تاریخ ہوئی۔ خان سپہ سالار کو۔ تمام اہل تاریخ باپ کی طرح اس کا ذکر بھی خوبیوں سے لکھتے ہیں۔ اور محبوبیاں اس پر طرہ ہیں۔

تزکِ جہانگیری کے بقول:

جہانگیر نے اس واقعہ کے موقع پر توزک میں نہایت افسوس کے ساتھ خدمتوں کے بعض کارنامے مختصر اشاروں میں بیان کیے ہیں۔ اور شاہنواز کے جوہر شجاعت کو بھی ظاہر کیا ہے۔ اخیر میں

Marfat.com

لکھتا ہے۔ کہ خان خاناں قابلیت و استعداد میں یکتائے روزگار تھا۔ زبان عربی، ترکی، فارسی، ہندی جانتا تھا۔ اقسام دانش عقلی و نقلی یہاں تک کہ ہندی علوم سے بھی بہرہ وافی رکھتا تھا۔ شجاعت اور شہامت اور سرداری میں نشان بلکہ نشان قدرت الٰہی کا تھا۔ فارسی و ہندی میں خوب شعر کہتا تھا۔ حضرت عرش آشیانی کے حکم سے واقعات بابری کا ترجمہ فارسی میں کیا کبھی کوئی شعر اور کبھی کوئی رباعی اور غزل بھی کہتا تھا۔ اور نمونے کے طور پر چند است۔ آرزومند است کے قافیہ کی غزل اور ایک رباعی بھی لکھی ہے۔

نظام الدین بخشی نے طبقات ناصری کے آخر میں امرائے عہد کے حالات مختصر مختصر درج کیے ہیں۔ اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

اس وقت خان خاناں کی ۳۷ برس کی عمر ہے۔ آج دس برس ہوئے کہ منصب خان خانانی اور سپہ سالاری کو پہنچا ہے۔ عالی خدمتیں اور عظیم فتحیں کی ہیں۔ فہم و دانش اور علم و کمالات اس بزرگ نہاد کے جتنے لکھیں۔ سو میں سے ایک اور بہت میں سے تھوڑے ہیں۔ شفیق عالم، علما و فضلا کی تربیت، فقرا کی محبت اور طبع نظم اس نے میراث پائی ہے۔ فضائل و کمالات انسانی میں آج اس کا نظیر امرائے دربار میں نہیں ہے۔

اکثر باتیں تھیں۔ کہ ان کے خاندان کے لئے خاص تھیں۔ ان میں سے اکثر خود ان کی طبیعت کے عمدہ ایجاد تھے۔ اور بعض بادشاہی خصوصیت کی مہر رکھتے تھے۔ دوسرے کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ مثلاً پرہما کہ اس کی کلغی بادشاہ اور شہزادوں کے سوا کوئی امیر نہ لگا سکتا تھا۔ انھیں کو اور ان کے خاندان کو اجازت تھی۔

خان خاناں کا مذہب

صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنا مذہب سنت و جماعت ظاہر کرتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ شیعہ ہیں۔ تقیہ کرتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ فیض ان کا شیعہ سنی سب کو برابر پہنچتا تھا۔ کسی مذہب کے لئے خاص نہ تھا۔ البتہ بیٹے ایسی تعصب کی باتیں کرتے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ سنت جماعت مذہب رکھتے ہیں۔ خان خاناں علی العموم احکام شریعت کو مانتے تھے اور جہاں تک ممکن تھا۔ ان کی پابندی بھی کرتے تھے۔ لیکن دربار کے دور میں گھر جاتے تو شراب بھی پی لیتے تھے۔ جس مقام پر کہ خان خاناں کو مہم دکن اور قندھار وغیرہ کے لئے خاندیس سے بلایا اور وہ یلغار (ا ا س

Marfat.com

چوکی بٹھا کر) کر کے آیا۔ یہاں خلوتوں میں جلسہ مشورہ ہوئے۔ ایک شب کہ خان خاناں اور مان سنگھ وغیرہ امرائے خاص کو جمع کیا تھا۔ اس کے بیان میں ملا صاحب کیا مزے سے چٹکی لیتے ہیں۔ "اسی جلسہ میں کہ شب عاشوری تھی۔ ساقی نے جام بادشاہ کے سامنے کیا۔ انہوں نے خان خاناں کو دیا، ملا صاحب جو چاہیں فرمائیں۔ مگر یہ تو کہیں کہ زمانہ کیا تھا۔ جن صحبتوں میں صدر الشریعت اور مفتی اسلام، کل ممالک محروسہ ہندوستان کا خود مانگ کر جام لے۔ وہاں خان خاناں بادشاہ کا دیا ہوا جام لے کر نہ پی جائے تو کیا کرے۔ یہ بیچارہ تو ایک ترک بچہ سپاہی زادہ تھا۔

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

اور حق پوچھو تو اکبر بھی زاہدان پارسا سے بے جا بیزار نہ تھا۔ انہوں نے اس کے استیصال سلطنت میں کیا کسر رکھی تھی۔

اخلاق اور طبعی عادات

آشنائی اور آشنا پرستی میں عجوبہ روزگار تھا۔ خوش مزاج، خوش اخلاق اور صحبت میں نہایت گرم جوش۔ اپنے دل ربا اور دلفریب کلام سے یگانہ و بیگانہ کو غلام بنا لیتے تھے۔ باتوں باتوں میں کانوں کے رستے سے دل میں اتر جاتے تھے۔ شیریں کلام، لطیفہ گو، بذلہ سنج اور نہایت طرار و فرار تھے۔ دربار اور عدالت ہائے بادشاہی کی خبروں کا بڑا خیال تھا۔ مگر حق پوچھو تو علے العموم اخبار و واقعات کے عاشق تھے۔ کئی شخص دار الخلافہ میں نوکر تھے۔ کہ دن رات کے حالات برابر ڈاک چوکی میں بھیجتے جاتے تھے۔ عدالت خانے، کچہریاں، چوکی چبوترہ۔ یہاں تک کہ چوک اور کوچہ و بازار میں بھی جو کچھ سنتے تھے لکھ بھیجتے تھے۔ خان خاناں رات کو بیٹھ کر سب کو پڑھتے تھے۔ اور جلا دیتے تھے۔

بادشاہی یا اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی طرح رجوع کرنے میں اپنا عالی مرتبہ کا خیال نہ رکھتے تھے وہ دشمنوں سے بھی بگاڑتے نہ تھے۔ مگر موقع پاتے تو چوکتے بھی نہ تھے۔ ایسا ہاتھ مارتے تھے۔ کہ قلم ہی کر دیتے تھے۔ ان باتوں کے سبب سے لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ ساز آدمی تھے۔ اور یہ مقولہ ان کا اصول تدبیر تھا۔ کہ دشمن (1) کو دوست بن کر مارنا چاہئے اور سبب اس کا یہ ہے۔ کہ وہ ترقی مدارج اور جاہ و دولت کے ہر وقت محتاج تھے۔ مآثر الامراء میں لکھا ہے۔ شجاعت، سخاوت، دانش، تدبیر بندوبست جنگی و ملکی میں افسر تھے۔ مختلف وقتوں میں تیس برس تک دکن میں بسر کیے۔ اور اس

(1) با دشمن در لباس دوستی دشمنی نمودہ آید۔

Marfat.com

طرح کیے کہ سلاطین اور امرائے دکن کو اپنی رسائی کے وسیلے اطاعت واخلاص کے پھندوں میں پھانسے رکھا۔ جو شاہزادہ یا امیر دربار شاہی سے جاتا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ یہ غنیم سے ملے ہوئے ہیں۔ دولت چغتائی کے امرائے عظیم الشان میں سے تھا۔ اس کے نام نامی نے صفحہ شہرت پر نقش دوام پایا ہے۔ مطالب مذکورہ کے بعد مآثر الامرا میں ایک شعر بھی لکھا ہے۔ جو کسی حریف یا حریفوں نے خوشامدی نے کہا تھا ؎

یک وجب قد وصد گرہ در دل مشتکے استخوان وصد مشکل

آزاد۔ ہائے ہائے بے رحم دنیا۔ اور حیف بے درد اہل دنیا۔ گڑھوں کے بسنے والے موریوں کے سڑنے والے بادشاہی محلوں کے رہنے والوں پر باتیں بناتے ہیں۔ انہیں کیا خبر ہے۔ کہ اس شاہ نشان امیر کو کیا کیا نازک موقع اور پیچیدہ معاملے پیش آتے تھے۔ اور وہ سلطنت کی مہموں کو حکمت کے ہاتھوں سے کس طرح سنبھالتا تھا۔ کمینی نجس اور ناپاک دنیا۔ اس کی آبادی شور وشو کا میلا ہے۔ تمام بدنیت، بداندیش، بدکردار، ظاہر کچھ باطن کچھ، دل میں دغا، زبان پر قسمیں، اس پر بے لیاقت آپ کچھ بھی نہیں کرتے۔ بلکہ کچھ کر نہیں سکتے۔ اس پر لیاقت والوں اور کرنے والوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ان کی جانفشاں محنتوں کو مٹا کر بھی صبر نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی اجرت کے خود مستحق بنتے تھے۔ ایسے نا اہلوں کے مقابل میں انسان ویسا ہی نہ بن جائے تو کیونکر بسر کر سکے۔ حکیم یونان نے کیا خوب کہا ہے (انسان کے نیک رہنے کے لئے ضرور ہے۔ کہ اس کے ہم معاملہ بھی نیک ہوں۔ ورنہ اس کی نیکی نہیں نبھ سکتی) بے شک بالکل درست کہا۔ اگر یہ اپنی ذات سے نیک رہے تو بدنیت شیطان اس کے کپڑے بلکہ کھال تک نوچ کر لے جائیں۔ اس لئے واجب ہے کہ بے ایمانوں کے ساتھ ان سے زیادہ بے ایمان بنے۔

خان خاناں نام کو ہفت ہزاری منصب دار تھا۔ مگر ملکوں میں خود اختیار سلطنت کرتا تھا۔ صد ہا ہزار یوں سے اس کے معاملے پڑتے تھے۔ اس طرح کام نہ نکالتا تو ملکداری کیونکر چلتی۔ ایسے نامردوں سے اس طرح جان نہ بچاتا تو کیونکر بچتا۔ انبوہ در انبوہ منافقوں کو اس پیچ سے نہ مارتا تو خود کیونکر جیتا۔ ضرور مارا جاتا۔ کاغذوں پر بیٹھ کر لکھنا اور بات ہے۔ اور مہموں کو سر کرنا اور سلطنتوں کا عمل درآمد کرنا اور بات ہے۔ وہی تھا۔ کہ سب کچھ کر گیا اور نیکی لے گیا۔ اور نام نیک یادگار چھوڑ گیا۔ اس وقت بہتیرے امیر تھے۔ اور آج تک بہتیرے ہوئے۔ کسی کی تاریخ زندگی میں اس کے کارناموں کا پاسنگ تو دکھا دو۔

Marfat.com

استعدادِ علمی اور تصنیفات

استعداد علمی کے باب میں اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ عربی زبان بہت خوب سمجھتا تھا اور بولتا تھا۔ فارسی اور ترکی اس کے گھر کی زبان تھی۔ گو نان دیوہ ہندی ہو مگر سارا گھر اور دربار اکبر اور نوکر چاکر ترک اور ایرانی تھے۔ خود ہمہ گیر طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے اسکی اکثر عرضیاں بادشاہ اور شاہزادوں سے نام اکثر مراسلے احباب امرا کے نام اکثر خط مرزا ایرج وغیرہ بیٹوں کے نام دیکھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فارس کا عمدہ انشا پرداز تھا۔ اس زمانہ کے لوگ اپنے بزرگوں کی ہر بات کی خصوصاً زبان کی بڑی حفاظت کرتے تھے اور بڑی بات یہ تھی کہ بادشاہ وقت ترک تھے۔ جہانگیر اپنے بچپن کے حال میں لکھتا ہے۔ میرے باپ کو بڑا خیال تھا۔ کہ مجھے ترکی زبان آئے۔ اس واسطے پھوپھی کے سپرد کیا تھا۔ اس سے ترکی ہی بولا کرو اور ترکی ہی بلوایا کرو۔

مآثر الامرا میں لکھا ہے۔ کہ خان خاناں عربی فارسی ترکی میں رواں تھا۔ اور اکثر زبانیں جو عالم میں رائج ہیں۔ ان میں گفتگو کرتا تھا۔

(۱) تزکِ بابری ترکی میں تھی۔ اکبر کے حکم سے ترجمہ کر کے ۹۹۷ھ میں نذر گزرانی۔ اور تحسین و آفرین کے بہت پھول سمیٹے۔ اس کی عبارت سلیس اور عام فہم ہے۔ اور بابر کے خیالوں کو نہایت صفائی سے ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ اس عالی دماغ امیر الامراء نے نہ آنکھوں کا تیل نکالا ہو گا نہ چراغ کا دھواں کھایا ہو گا۔ مفت خور ملا نے بہت ساتھ رہتے تھے۔ کسی سے کہہ دیا ہو گا۔ ایک دو از بک ساتھ کر دیئے ہونگے۔ سب مل جل کر سکھتے ہونگے۔ آپ سنا کرتا ہو گا۔ ہدایتیں کرتا جاتا ہو گا۔ جب اس خوبی اور خوش ادائی کے ساتھ یہ نسخہ تیار ہوا۔ مولوی ملانوں سے کیا ہوتا تھا۔

عشق ❶ وجنوں کی راہیں اہل وفا سے پوچھو کیا جانیں شیخ صاحب ملانے آنوٹی ہیں

(۲) اکبر کا عہد گویا نئی روشنی کا زمانہ تھا۔ اس نے علم سنسکرت بھی حاصل کیا۔ جوتش میں اس کی مثنوی ہے۔ ایک مصرع فارسی ایک سنسکرت۔

❶ دشت جنوں کی راہیں وحشت زدوں سے پوچھو۔

Marfat.com

(۳) فارسی میں دیوان نہیں ہے۔ متفرق غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ مگر جو کچھ ہیں خوب ہیں۔ جو خود خوب ہیں۔ ان کی سب باتیں خوب ہیں۔

اولاد

باپ مہموں پر رہتا تھا۔ بچوں نے اکثر اکبر کی حضوری میں پرورش پائی۔ خان خاناں بچوں کو بہت چاہتا تھا۔ چنانچہ اکبر بھی اکثر فرمانوں میں ایرج دارات کا نام کسی نہ کسی طرح لے دیتا تھا۔ ابو الفضل کو اس سے زیادہ لینے پڑتے تھے۔ کہ ان دنوں بڑی محبتیں تھیں۔ ۹۹۸ھ میں اکبر نامہ میں لکھتے ہیں۔ خان خاناں کے بیٹے کی بڑی آرزو تھی۔ تیسرا بیٹا ہوا حضور نے قارن نام رکھا شادی کی دھوم دھام میں جشن کیا۔ اور حضور کو بھی بلایا۔ عرضی قبول ہوئی۔ اور اعزاز کے رتبے بلند ہوئے۔ تحریروں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جتنی بچوں سے محبت رکھتا تھا۔ اتنی ہی تعلیم و تربیت پر توجہ رکھتا تھا۔

مرزا ایرج:

مرزا ایرج سب سے بڑا تھا۔ اس کی تربیت و تعلیم کا حال معلوم نہیں۔ ابوالفضل نے عام اتحاد کی گرم جوشی میں ایک خط خان خاناں کو لکھا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں۔ دربار میں ایرج کا بھیجنا کیا ضرور ہے۔ تمہیں اس میں اصلاح عقیدہ کا خیال ہے۔ یہ امید بے حاصل ہے۔

آزاد۔ جو لوگ شیخ کو بے دین کہتے ہیں۔ اور اکبر کو بے دین کر دینے کا اسے الزام لگاتے ہیں۔ وہ ان لفظوں کو دیکھیں۔ کہ اس کے دل میں دربار کی طرف سے ان معاملات میں کیا خیال تھا۔ جو یہ فقرے قلم سے نکلے ہیں۔

۴۰ جلوس اکبری میں خان خاناں دکن میں تھا۔ تو ایرج بھی اس کے ساتھ تھا۔ عنبر حبشی فوج لیکر تلنگانہ کو مارتا ہوا چپرے پر آیا۔ امرا نے خان خاناں کو متواتر تحریریں بھیج کر کمک مانگی۔ خان خاناں نے ایرج کو بھیجا۔ وہاں بڑے معرکہ کا میدان ہوا۔ نوجوان دلاور نے اس بہادری سے تلواریں ماریں کہ باپ دادا کا نام روشن ہوگیا۔ پرانے پرانے سپاہی آفرین کرتے تھے۔ ماں شمشیر کی سفارش نے اسے دربار سے بہادری کا خطاب دلوایا۔

۱۰۱۲ھ میں جبکہ عادل شاہ نے شاہزادہ دانیال کے ساتھ اپنی بیٹی کی نسبت منظور کی تو چند امرا کے ساتھ معہ پانچ ہزار سپاہ کے برات لے کر گیا۔ وہاں سے دلہن کی پالکی کے ساتھ جہیز کے سامان پیشکش لئے شادی کی شہنائیاں بجاتے آئے۔ قریب پہنچے۔ تو خان خاناں چودہ ہزار سوار سے دمامہ

Marfat.com

دولت بجاتے گئے۔ اور برات لے کر لشکر میں داخل ہوئے۔

شجاعت، ہمت، عالی دماغ:

جہانگیری عہد میں بھی اس نے اور داراب اور بھائیوں نے ایسے ایسے کارنامے کئے۔ کہ باپ کا دل اور دادا کی روح باغ باغ ہوتے تھے۔ خصوصاً ایرج۔ اس کی شجاعت، ہمت، عالی دماغ دیکھ کر سب لکھتے ہیں کہ یہ دوسرا خان خاناں کہاں سے آگیا۔ جہانگیر اپنی توزک میں جابجا اس کی تعریفیں لکھتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ خوش ہو ہو کر لکھتا ہے اور آئندہ کی جانفشانی کی امیدیں رکھتا ہے۔

سلاطین ایشیائی کے اصول وفروغ:

سلاطین ایشیائی کے اصول وفروغ کو جب قوانین حال کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ تو اختلاف بہت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ نکتہ دکھانے کے قابل ہے۔ کہ وہ لوگ اپنے نوکروں کی خوبی، خدمت گزاری اور خوش حالی، دیکھ کر ایسے خوش ہوتے تھے۔ جیسے کوئی زمیندار اپنے زرخیز کھیت کو ہرا بھرا دیکھ رہا ہے۔ یا باغبان اپنے لگائے ہوئے درخت کے سایہ میں بیٹھا ہے یا کوئی مالک ہے۔ کہ اپنے گھوڑوں گایوں، بکریوں کی شیرداری اور نسل داری پر خوش اور نازاں ہوتا ہے۔ یہ نعمت انہیں خوش نصیب جاں نثاروں کو حاصل تھی جس کی ہم لوگوں کو ہرگز امید نہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ ہاں وہ جاں نثار اپنے بادشاہ کے سامنے جانفشانی کر رہے تھے۔ اسے ان سے اور ان کی نسل سے اپنی بلکہ اپنی اولاد کے لئے ہزاروں امیدیں تھیں۔ اور ہم؟ ہمارا بادشاہ بھی حاکم جو چندروز کے بعد تبدیل ہو جائیگا یا ولایت چلا جائے گا۔ پھر وہ کون۔ اور ہم کون۔

شاہنواز خاں خطاب:

۱۰۲۰ھ میں جہانگیر نے اسے شاہنواز خاں خطاب دیا۔ ۱۰۲۱ھ میں تین ہزاری ذات تین ہزاری منصب کا خطاب دیا۔ ۱۰۲۴ھ میں عنبر پر ایسی فتح نمایاں کی کہ خنجر وشمشیر کی زبان سے صدائے آفرین نکلی۔ اور داراب نے جانبازی کے رتبہ کو حسد سے گزار دیا۔ ۱۰۲۶ھ میں بارہ ہزار سوار جرار خوش اسپہ عنایت ہوئے۔ اور اس نے بالا گھاٹ پر گھوڑے اٹھائے۔ اسی سنہ میں ان کی بیٹی کی شاہزادہ شاجہاں سے شادی ہوئی۔

۱۰۲۷ھ میں اسے پنج ہزاری منصب کے ساتھ دو ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ عنایت ہوئے۔

۱۰۲۸ھ میں لکھتا ہے۔ کہ جب وہ اتالیق رخصت ہونے لگا۔ تو میں نے بتاکید تمام کہہ دیا تھا۔

Marfat.com

کہ سنا ہے شاہ نواز خاں شراب کا عاشق ہو گیا ہے۔ بہت پیتا ہے۔ اگر سچ ہے تو بڑا افسوس ہے کہ اس عمر میں جان کھو بیٹھے گا۔ اسے اس کے حال پر نہ چھوڑنا۔ خود اچھی طرح حفاظت نہ کر سکو تو صاف لکھو۔ ہم حضور میں بلا لینگے۔ اور اس کی اصلاح حال پر توجہ کرینگے وہ جب برہان پور میں پہنچا تو بیٹے کو بڑا ضعیف و نحیف پایا۔ علاج کیا وہ کئی دن کے بعد بستر ناتوانی پر گر پڑا۔ طبیبوں نے بہت معالجے اور تدبیریں خرچ کیں۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ عین جوانی اور دولت و اقبال کے عالم میں تینتیس برس کی عمر میں ہزاروں حسرت و ارمان لے کر رحمت اور مغفرت الٰہیٰ میں داخل ہوا۔ یہ ناخوشخبری سن کر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ حق یہ ہے۔ کہ بڑا بہادر خانہ زاد تھا۔ اس سلطنت میں عمدہ خدمتیں کرتا اور کارنامہائے عظیم اس سے یادگار رہتے یہ راہ تو سب کو در پیش ہے اور حکم قضا سے چارہ کسے ہے۔ مگر اس طرح جانا تو ناگوار ہی معلوم ہوتا ہے۔ امید ہے کہ خدا مغفرت کرے۔ راجہ رنگ دیو خدمت گاران نزدیک میں سے ہے۔ اسے میں نے خان خاناں کے پاس پرسے کے لئے بھیجا۔ اور بہت نوازش اور دلجوئی کی اس کا منصب اس کے بھائی بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ داراب کو پنج ہزاری ذات اور سوار کر دیا۔ خلعت، ہاتھی، گھوڑا، شمشیر مرصع دے کر باپ کے پاس بھیج دیا کہ شاہ نواز خاں کی جگہ برار و احمد نگر کا صاحب صوبہ ہے رحمٰن داد۔ دوسرے بھائی کو دو ہزار آٹھ سو سوار۔ منوچہر شاہ نواز کا بیٹا، دو ہزاری ہزار سوار۔ طغرل دوسرا بیٹا ہزاری ذات پانسو سوار۔ حقیقت یہ ہے کہ جوانمرگ امیر زادہ کی جانفشانی اور جاں نثاری نے جہانگیر کے دل پر داغ دیا تھا۔ اپنی توزک میں کئی جگہ اس کی دلاوری کا ذکر کیا ہے۔ اور ہر جگہ لکھتا ہے کہ اگر عمر وفا کرتی تو اس سلطنت میں خوب خدمتیں بجالاتا۔

داراب ۱۰۲۹ھ میں خان خاناں کی عرضی آئی کہ برکی وغیرہ سرداران دکن نے جنگلی قوموں کو ساتھ لے کر ہجوم کیا ہے۔ تھانہ دار اٹھ کر داراب کے پاس چلے آئے ہیں۔ بادشاہ نے دو لاکھ روپیہ بھیجا۔ داراب نے کئی دفعہ امرا کو بھیجا تھا۔ سپاہ کٹوا کر چلے آئے تھے۔ آخر خود گیا۔ مارتا مارتا ان کے گھروں تک جا پہنچا۔ اور سب کو قتل و غارت کر کے پریشان کر دیا۔ اسکی دردناک مصیبت باپ کے حال میں بیان ہو چکی۔ بار بار صبر کے سینہ میں خنجر مارنا کیا ضرور ہے۔

رحمٰن داد:

رحمٰن داد۔ جن پھولوں کو ہم جانتے ہیں۔ معمولی رنگ و بو رکھتے ہیں۔ یہ پھول ہزار رنگ کے اوصاف و کمال سے آراستہ تھا۔ کمبخت باپ اسی کو بہت پیار کرتا تھا۔ اس کی ماں قوم سو ہیہ مقام امر کوٹ کی رہنے والی تھی۔ وہ فخر کیا کرتا تھا۔ کہ بادشاہ میرے ننھیال میں پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ مرا

Marfat.com

ہے کسی کی جرات نہ پڑتی تھی کہ خان خاناں سے جا کر کہہ سکے۔ حضرت شاہ عیسیٰ سندھی کوئی بزرگ تھے۔ انہیں اہل محل نے کہلا بھیجا کہ آپ جا کر کہیئے۔ انہوں نے بھی اتنا کیا کہ لباس ماتمی پہن کر گئے۔ فقط فاتحہ پڑھی کوئی آیت، کوئی حدیث، چند کلمے صبر کے ثواب میں ادا کئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ جہانگیر توزک میں لکھتا ہے۔ ۱۰۲۹ھ میں پھر خان خاناں کو داغ جگر نصیب ہوا۔ کہ رحمن داد بیٹا بالاپور میں مر گیا۔ کئی دن بخار آیا تھا نقاہت باقی تھی۔ ایک دن غنیم فوج کا دستہ باندھ کر نمودار ہوئے۔ بڑا بھائی داراب فوج لے کر سوار ہوا۔ اسے جو خبر ہوئی۔ تو شجاعت کے جوش میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سوار ہو کر گھوڑا دوڑائے بھائی کے پاس پہنچا۔ غنیم کو بھگا دیا۔ فتح کی خوشی میں موج کی طرح لہراتا ہوا پھرا گھر آ کر احتیاط نہ کی۔ کپڑے اتار ڈالے۔ ہوا لگ کر بدن اینٹھنے لگا۔ زبان بند ہوئی۔ دو دن یہ حال رہا۔ تیسرے دن مر گیا۔ خوب بہادر جوان تھا۔ شمشیر زنی اور خدمت کا شوقین تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنا جوہر تلوار میں دکھائے۔ آگ تو سوکھے گیلے کو برابر جلاتی ہے۔ مگر میرے دل کو سخت رنج ہوتا ہے بڈھے باپ پر کیا گزری ہوگی۔ کہ دل شکستہ ہے۔ ابھی شاہنواز خاں کا زخم بھرا ہی نہیں۔ کہ اور زخم نصیب ہوا۔ خدا ایسا ہی صبر اور حوصلہ دے۔

امر اللہ:

امر اللہ ایک بیٹا لونڈی کے پیٹ سے تھا۔ یہ تعلیم اور تربیت سے بے بہرہ رہا۔ یہ بھی جوان ہو گیا۔ اسی کے باب میں جہانگیر نے خوش ہو کر لکھا تھا۔ کہ گونڈانہ علاقہ خاندیس کان الماس پر جا کر قبضہ کیا۔

حیدر قلی:

حیدر قلی۔ باپ اسے پیار سے حیدری کہتا تھا۔ کئی بھائیوں سے پیچھے آیا تھا۔ اور سب سے پہلے گیا۔

گل کچھ تو اس چمن کی ہوا کھا کے گر پڑے   وہ کیا کرے کہ غنچہ بھی کملا کے گر پڑے

۱۰۰۴ھ میں اس کا حال لکھ چکا ہوں۔ وہاں سے دیکھ لو۔ خدا یہ داغ دشمن کو بھی نہ دکھائے۔

جانا بیگم:

دو بیٹیوں کے حال بھی سیاہ نقابیں ڈالے کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ ایک وہی جو دانیال سے منسوب تھی۔ جس کا ذکر ہو لیا۔ افسوس جس جانا بیگم کے سر سے سہاگ کے عطر ٹپکتے تھے۔ بیرحم زمانہ

Marfat.com

نے اس میں بدنصیبی کے ہاتھوں سے رنڈاپے کی خاک ڈالی۔ اس عفیفہ نے ایسا غم کیا کہ کوئی نہیں کرتا۔ دہکتی آگ سے تن کو داغ داغ کیا۔ بڑھیا ہو کر مری۔ مگر جب تک جیتی رہی۔ سفید گزی گاڑھا پہنتی رہی۔ رنگی رومالی تک سر پر نہ ڈالی۔ اس کی کارروائی اور سلیقے مردوں کے لئے دستور العمل ہیں۔

جہانگیر دکن کے دورہ پر کیا۔ کل دربار اور لشکر سمیت بادشاہ کی ضیافت کی۔ اتفاق یہ کہ ان دنوں خزاں نے درختوں کے کپڑے اتار لئے تھے۔ پاک دامن بی بی نے انہیں بھی خلعت اور لباس سے آراستہ کیا۔ دور دور سے مصور اور نقاش جمع کئے۔ کاغذ اور کپڑے کے پھول کتر وائے۔ موم اور لکڑی کے پھل ترشوائے۔ ان پر ایسا رنگ و روغن کیا۔ کہ نقل و اصل میں اصلا فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ جب بادشاہ آئے تو تمام درخت ہرے اور پھلوں سے دامن بھرے کھڑے تھے۔ حیران ہوئے۔ روش پر چلتے تھے۔ ایک پھل پر ہاتھ ڈالا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ کل کارخانہ فقط سبز باغ ہے۔ بہت خوش ہوئے۔

دوسری بیٹی کا نام معلوم نہیں۔ میر جمال الدین انجو فرہنگ جہانگیری کے مصنف امرائے اکبری میں داخل تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک ان میں سے میر امیر الدین تھے۔ کہ سعادت مندی انہیں باپ کی خدمت سے ایک دم جدا نہ ہونے دیتی تھی۔ دختر مذکور ان سے منسوب تھی۔ افسوس اس بیچاری کو بھی عین جوانی میں دنیا سے ناکامی نصیب ہوئی۔

میاں فہیم

ابتدائی حالات:

یہ وہی میاں فہیم ہے۔ جس کے نام سے ہندوستان کے زن و مرد کی زبان پر کہاوت مشہور ہے کہ کمائیں خان خاناں اور لٹائیں۔ میاں فہیم۔ خان خاناں کی بعض عرضیاں اور خطوط میں نے دیکھے وہ بھی میاں فہیم لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میاں ہی کہتے ہونگے۔ میاں ہی مشہور ہو گئے۔ لوگ انہیں خان خاناں کا غلام سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں غلام نہ تھے۔ ایک راجپوت کے بیٹے تھے۔ خدا ترس بامروت جوہر شناس خان خاناں نے اپنے بچوں کی طرح پالا۔ اور بیٹوں کے ساتھ تعلیم و تربیت کیا تھا۔ انہیں ہمت و شجاعت سے دودھ پلوایا تھا۔ اور لیاقت و آداب سے سبق پڑھوایا تھا۔ آقا کی بدولت ان کا نام آسمان شہرت پر ایسا چمکا۔ جیسے چاند کے پہلو میں تارا۔ بیٹے کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ فہیم باوجود اوصاف مذکورہ کے نہایت پرہیزگار، نیک نیت نیکوکار تھا۔ مرنے کے دن تک تہجد اور

Marfat.com

اشراق کی نماز نہیں چھٹتی ۔ فقیر دوست تھا۔ اور سپاہ کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ خان خاناں کی سرکار کے کاروبار اسکی ذات پر منحصر تھے ۔ کھلاتا تھا۔ لٹاتا تھا۔ اپنا دل خوش اور آقا کا نام روشن کرتا تھا۔ وہ مہموں میں تیغ و تیر کی طرح اس کے دم کے ساتھ ہوتا تھا۔ میں نے خان خاناں کی ایک عرضی اکبر کے نام دیکھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ سہیل کی لڑائی میں وہ فوج ہراول میں حملہ آور تھا۔ مگر تند مزاج اور بلند نظر بھی حد سے زیادہ تھا۔ جب جاؤ اس کی ڈیوڑھی پر کوڑا ہی چٹختا سنائی دیتا تھا۔

نقل: ایک دن داراب اور بکر ماجیت شاہجہانی ایک مسند پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے ۔ کہ فہیم بھی آیا۔ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور داراب سے کہا۔ کاش ایرج کے بدلے تو مر جاتا۔ یہ ڈکوت برہمن اور بیرم خان کے پوتے کے برابر بیٹھے! (مآثر)

آخر میں خان خاناں کی طبیعت مکدر ہو گئی ۔ اسے بیجاپور کی فوجداری پر بھیج دیا تھا۔ چند روز بعد حساب کتاب مانگا۔ حافظ نصر اللہ خان خاناں کے دیوان با اختیار نہایت معزز شخص تھے ۔ حساب لینے گئے ۔ کسی رقم پر تکرار ہوئی ۔ سر دربار حافظ صاحب کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور اٹھ کر چلا گیا۔ آفرین ہے خان خاناں کے حوصلہ کو آدھی رات کو آپ گئے اور منا کر لائے ۔ (مآثر)

جب مہابت خان نے خان خاناں کو قید کرنا چاہا۔ تو فہیم کی طرف سے خیال تھا۔ کہ من چلا جوان ہے ایسا نہ ہو کہ زیادہ آگ بھڑک اٹھے ۔ چاہا کہ منصب اور انعام و اکرام کے لالچ دیکر پہلے اسے بلا لے ۔ فہیم نے نہ مانا۔ اور تیز تیز پیغام سلام بھیجے ۔ آخر مہابت خاں نے کہلا بھیجا۔ کہ سپاہگری کا گھمنڈ کب تک پیش جائیگا۔ جان کھو بیٹھو گے ۔ فہیم نے کہا خان خاناں کا غلام ہے ۔ ایسا سستا بھی نہ ہاتھ آئیگا۔

میاں فہیم کی جانثاری:

جب خان خاناں کو مہابت خاں نے بلایا۔ تو فہیم نے اسی وقت کہہ دیا تھا۔ کہ دغا معلوم ہوتی ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ ذلت و خواری تک نوبت پہنچے ۔ مسلح و مستعد ہو کر حضور کی خدمت میں چلنا چاہئے خان خاناں نے کچھ خیال نہ کیا۔ مہابت نے انہیں نظر بند کرتے ہی فہیم کے ڈیرے پر آدمی بھیجے ۔ اس نے اپنے فرزند فیروز خاں سے کہا۔ کہ وقت آن لگا ہے ۔ تھوڑی دیر انہیں روکو۔ کہ وضو تازہ کر کے سلامتی ایمان کا دوگانہ ادا کر لوں ۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر آپ ۔ بیٹا چالیس جانثاروں کے ساتھ تلوار پکڑ کر نکلے ۔ اور جان کو آبرو پر قربان کر دیا۔ خیال کرو کہ خان خاناں کو اس کے مرنے کا کیسا رنج ہوا ہو گا۔ اس کی لاش بھی دلی میں بھجوائی ۔ کہ وہاں کی خاک کو آرامگاہ سمجھتا تھا۔ ہمایوں کے مقبرہ کے

Marfat.com

پاس مقبرہ بنوایا۔ اب تک نیلا گنبد اس کے غم میں رنگ سوگواری دکھا رہا ہے۔ (مآثر)

باغ فتح:

احمد آباد کے پاس جہاں مظفر پر فتح پائی تھی۔ وہاں خان خاناں نے ایک باغ آباد کیا اور اس کا نام باغ فتح رکھا۔ دیکھو ہندوستان میں آکر اتنا رنگ بدلا۔ بیرم خاں کے وقت تک جہاں فتح ہوئی کلہ منار بنتے رہے کہ ایران و توران کی رسم تھی۔ ہندوستان کو آب و ہوا نے باغ سرسبز کیا۔

دکن کے دورہ میں جہانگیر کا گزر گجرات میں ہوا۔ باغ مذکور میں بھی گئے۔ لکھتے ہیں۔ جو باغ خان خاناں نے میدان کارزار پر بنایا۔ دریائے سابرمتی کے کنارہ پر ہے۔ عمارت عالی اور بالا دری موزون و مناسب چبوترہ کے ساتھ دریا کے رخ پر تعمیر کی ہے۔ تمام باغ کے گرد پتھر اور چونے کی مضبوط دیوار کھنچی ہے۔ ۱۲۰ جریب کا رقبہ ہے۔ خوب سیر گاہ ہے۔ دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہونگے۔ مجھے بہت پسند آیا۔ ایسا باغ تمام گجرات میں نہ ہوگا۔ دکن کے لوگ اسے فتح باڑی کہتے ہیں۔

امارت اور دریا دلی کے کارنامے

جود و کرم کے باب میں بے اختیار تھا۔ ہمت اور حوصلہ کے جوش فوارہ کی طرح اچھلے پڑتے تھے اور عطا و انعام کے لئے بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ اس کی امیرانہ طبیعت بلکہ شاہانہ مزاج کی تعریفوں میں شعرا اور مصنفوں کے لب خشک ہیں علما، صلحا، فقرا، مشائخ وغیرہ وغیرہ۔ سب کو ظاہر اور خفیہ ہزاروں روپے اشرفیاں اور دولت و مال دیتا تھا۔ اور شعرا اور اہل کمال کا تو مائی باپ تھا۔ جو آتا ان کی سرکار میں آکر اس طرح اترتا۔ جیسے اپنے گھر میں آگیا اور اتنا کچھ پاتا تھا۔ کہ بادشاہ کے دربار میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ اس کے وقت میں اہل کمال کا وہ مجمع تھا۔ جو سلطان حسین مرزا اور امیر علی شیر کے عہد میں گزرا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ان کے دربار میں یہ لہر بہر دریائی سخاوت کی۔ کجا۔ کئی شاعروں کو اشرفیوں میں تلوا دیا۔ اس کی سخاوتوں کے کارنامے اکثر لطیفوں اور حکایتوں کے رنگ و بو میں محفلوں اور جلسوں پر پھول برساتے ہیں۔ میں بھی اس کے گلدستوں سے دربار اکبری کو سجاؤں گا۔ شعرا نے جتنے قصیدے اس کی تعریف میں کہے ہیں۔ اکبر ہی کی تعریف میں کہے ہوں تو کہے ہوں۔ اور اس نے بھی انہیں لاکھوں انعام دیئے۔ گنوان پنڈت، کوئی کبیشور، بلکہ بھاٹ ہزاروں اشلوک، دہڑے، کبت کہہ کر لاتے تھے۔ اور ہزاروں لے جاتے تھے۔ انعام میں بھی وہ وہ نزاکت و لطافت کے انداز دکھا گیا۔ کہ آئندہ دینے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے ہیں۔

Marfat.com

ملا عبدالباقی نے کل قصائد صحیح البیاض جمع کر کے ایک ضخیم کتاب بنا دی ہے۔ اس میں ہر شاعر کا حال اس کے قصیدہ کے ساتھ لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ کس تقریب میں یہ قصیدہ کہا گیا تھا۔ اور انعام کیا پایا تھا۔ اس سے اکثر جزیات تاریخی حالات کے معلوم ہوتے ہیں۔ مآثر رحیمی اس کا نام ہے۔

لطیفہ۔ خان خاناں کا دستر خوان نہایت وسیع ہوتا تھا۔ کھانے رنگا رنگ کے تکلفات سے رنگین اور اس کے فیض سخاوت کی طرح اہل عالم کے لئے عام تھے۔ جب دستر خوان پر بیٹھتا تھا۔ مکانوں میں درجہ بدرجہ صدہا بندگان خدا بیٹھتے تھے۔ اور لذت سے کامیاب ہوتے تھے۔ اکثر کھانوں کی رکابیوں میں۔ کسی میں کچھ روپے۔ کسی میں اشرفیاں رکھ دیتے تھے۔ جو جس کے نوالہ آئے۔ اسکی قسمت آج تک وہ مثل زبانوں پر ہے۔ خان خاناں جس کے کھانے میں بتانا۔

لطیفہ۔ ایک دفعہ پیش خدمتوں میں کوئی نیا شخص ملازم ہوا تھا۔ دستر خوان آراستہ ہوا نعمت ہائے گوناگوں چنی گئیں۔ جب خان خاناں آ کر بیٹھا۔ سینکڑوں امرا اور صاحب کمال موجود تھے۔ کھانے میں مصروف ہوئے۔ اس وقت وہی پیش خدمت خان خاناں کے سر پر رومال ہلا رہا تھا۔ یکا یک رونے لگا۔ سب حیران ہو گئے۔ خان خاناں نے حال پوچھا۔ عرض کی کہ میرے بزرگ صاحب امارت اور صاحب دستگاہ تھے۔ میرے باپ کو بھی مہمان نوازی کا بہت شوق تھا۔ مجھ پر زمانہ نے یہ وقت ڈالا۔ اس وقت آپ کا دستر خوان دیکھ کر وہ عالم یاد آ گیا۔ خان خاناں نے بھی افسوس کیا۔ ایک مرغ بریاں سامنے رکھا تھا۔ اس پر نظر جا پڑی۔ پوچھا بتاؤ۔ مرغ میں کیا چیز مزے کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا پوست۔ خان خاناں نے کہا سچ کہتا ہے۔ لطف و لذت سے باخبر ہے۔ مرغ کی کھال اتار کر پکاؤ۔ تو کیسا ہی تکلف سے پکاؤ۔ وہ لذت اور نمکینی نہیں رہتی۔ بہت خوش ہوا۔ دستر خوان پر بٹھا لیا۔ دل جوئی کی۔ اور مصاحبوں میں داخل کر دیا۔

دوسرے دن دستر خوان پر بیٹھے۔ تو ایک اور خدمت گار رونے لگا۔ خان خاناں نے اس سے بھی سبب پوچھا۔ اس نے جو سبق کل پڑھا تھا۔ وہی سنا دیا۔ خان خاناں ہنسا۔ اور ایک اور جانور کا نام لیکر پوچھا۔ کہ بتاؤ اس میں کیا چیز مزے کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا پوست۔ سب لعنت ملامت کرنے لگا خان خاناں بہت ہنسا۔ اسے کچھ انعام دیکر کسی اور کارخانے میں بھیج دیا۔ کہ ایسا شخص حضور ے خدمت کے قابل نہیں۔

ایک دن ملازموں کی چٹھیاں دستخط کر رہے تھے۔ کسی پیادہ کی چٹھی پر ہزار دام کی جگہ ہزار روپے لکھ دیئے دیوان نے عرض کی۔ کہا اب جو قلم سے نکل گیا۔ اس کی قسمت۔

Marfat.com

نظیری نیشاپوری کو دولاکھ روپے انعام:

ایک دن نظیری نیشاپوری نے کہا۔ کہ نواب میں نے لاکھ روپیہ کا ڈھیر کبھی نہیں دیکھا کہ کتنا ہوتا ہے۔ انہوں نے خزانچی کو حکم دیا۔ اس نے سامنے انبار لگا دیا۔ نظیری نے کہا۔ شکر خدا آپ کی بدولت آج لاکھ روپے دیکھے۔ خان خاناں نے کہا۔ اللہ جیسے کریم کا اتنی بات پر کیا شکر کرنا۔ روپے اسی کو دے دیئے۔ اور کہا خیر اب شکر الٰہی کرو تو ایک بات بھی ہے۔

جہانگیر بادشاہ ایک دن تیراندازی کر رہا تھا۔ کسی بھاٹ کی یاوہ گوئی پر خفا ہو کر حکم دیا۔ کہ اسے ہاتھی کے پاؤں تلے پامال کریں۔ خان خاناں پاس کھڑا تھا۔ فرقہ مذکور کی حاضر جوابی اس کی زباں درازی سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس نے عرض کی۔ حضور ذرہ ناچیز کے لئے ہاتھی کیا کریگا۔ ایک چوہے چڑے کا پاؤں بھی بہت ہے۔ ہاتھی کا پاؤں خان خاناں کے لئے چاہیئے۔ کہ بڑا آدمی ہے۔ جہانگیر نے ان کی طرف دیکھا کہ اس لفظ نے دل پر کیا اثر کیا۔ پوچھا کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ کچھ نہیں۔ داروغہ سے پوچھا کہ تو بتادے۔ خان خاناں خود بولے کہ حضور کے تصدق سے خدا نے مجھ ناچیز کو ایسا کیا۔ کہ یہ بڑا آدمی سمجھتا ہے۔ میں نے اس وقت شکر خدا کیا اور کہا کہ جب اس کی خطا معاف ہو۔ تو پانچ ہزار روپے دے دینا حضور کی جان و مال کو دعا دے گا۔

چکوا چکوی کی زبانی کبت:

اہل ہند کا خیال ہے۔ کہ سورج ہر شام کو سمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ اور وہ ایک سونے کا پہاڑ ہے انہوں نے یہ بھی فرض کیا ہے۔ کہ چکوا چکوی دن کو ساتھ رہتے ہیں۔ رات کو دربار کے وار پار الگ الگ جا بیٹھتے ہیں۔ اور رات بھر جاگ کر کاٹتے ہیں۔ ایک بھاٹ نے چکوا چکوی کی زبانی کبت کہا۔ جس کا خلاصہ یہ کہ خدا کرے خان خاناں کا سمند فتوحات سمیر پہاڑ تک جا پہنچے۔ وہ بڑا سخی ہے۔ سب بخش دے گا۔ پھر ہمیشہ دن رہے گا اور ہم تم موج کرینگے۔ جب یہ کبت پڑھا گیا۔ تمام اہل دربار نے تعریف کی۔ کہ نیا مضمون ہے۔ خان خاناں نے پوچھا۔ کہ پنڈت جی تمہاری عمر کیا ہے۔ عرض کی کہ ۳۵ برس۔ کل سو برس کی عمر لگائی گئی۔ اور ۵ روپیہ روز کے حساب سے ۶۵ برس کا روپیہ جو کچھ ہوا۔ خزانہ سے دلوا دیا۔

ایک بھوکا برہمن اور خان خاناں:

ایک بھوکا برہمن خان خاناں کے دروازے پر آیا۔ دربان نے روکا۔ اس نے کہہ دیا کہہ دو

Marfat.com

آپ کا ہم زلف ملنے آیا ہے۔ اور اس کی بی بی ساتھ ہے خدمت گار نے عرض کی۔ اسے بلایا، پاس بٹھایا۔ اور رشتہ کا سلسلہ کھولا اس نے کہا کہ چپتا اور سپتا دو بہنیں ہیں پہلی میرے گھر گئی۔ دوسری آپ کے گھر آئی ہے۔ آپ اور میں ہم زلف نہیں۔ تو اور کیا ہیں؟ نواب بہت خوش ہوا۔ خلعت دیا۔ خاصہ کے گھوڑے پر طلائی ساز سجوا کر سوار کیا۔ اور بہن کچھ نقد و جنت دیکر رخصت کیا۔

توپ کے گولہ کے برابر سونا دینا:

ایک دن دربار میں بیٹھا تھا۔ اہالی وموالی۔ اہل عرض۔ اہل مطلب حاضر تھے۔ ایک غریب شکستہ حال آ کر بیٹھا۔ اور جوں جوں جگہ پاتا گیا۔ پاس آتا گیا۔ قریب آیا تو ایک توپ کا گولہ بغل سے نکال کر لڑھکایا۔ کہ خان خاناں کے زانو سے آ کر لگا۔ نوکر اس کی طرف بڑھے۔ اس نے روکا اور حکم دیا کہ گولے کے برابر سونا تول دو۔ مصاحبوں نے پوچھا۔ کہا یہ قول شاعر کو کسوٹی پر لگاتا ہے۔

آہن کہ بپارس آشنا شد   فی الحال بہ صورت طلا شد

ایک دفعہ دربار شاہی سے برہان پور کو رخصت ہوئے۔ پہلی ہی منزل پر ڈیرے تھے۔ قریب شام سراپردہ کے سامنے شامیانہ لگا ہوا۔ فرش بچھا ہوا۔ آپ نکل کر کرسی پر بیٹھے مصاحبوں ملازموں سے دربار آراستہ۔ ایک آزاد سامنے سے گزرا۔ اور پکار کر کہتا چلا۔

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست   ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

منعم خاں بھی ان کا خطاب ہو چکا تھا۔ اور پہلے منعم خاں کفایت شعار تھے۔ انہوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ لاکھ روپے دیدو۔ فقیر دعائیں دیتا چلا گیا۔ دوسری منزل میں اسی وقت پھر باہر نکل کر بیٹھے۔ فقیر پھر سامنے سے نکلا۔ اور وہی شعر پڑھا۔ انہوں نے پھر کہہ دیا کہ لاکھ روپیہ دیدو۔ غرض وہ سات دن برابر اس طرح آتا رہا اور لیتا رہا۔ پھر آپ ہی دل میں سمجھا۔ کہ یہ انعام آج تک کسی سے نہیں پایا۔ امیر ہے۔ خدا جانے کیسی طبیعت حاضر نہ ہو۔ خفا ہو کر کہے کہ سب چھین لو۔ زیادہ طمع اچھی نہیں۔ اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے آٹھویں دن خان خاناں پھر اسی طرح نکل کر بیٹھے۔ معمول سے زیادہ وقت گزرا۔ دربار برخاست نہ کیا۔ شام ہوئی تو کہنے لگے کہ آج وہ ہمارا فقیر نہ آیا۔ خیر برہان پور آگرہ سے ۲۷ منزل ہے ہم نے تو پہلے دن ۲۷ لاکھ روپیہ خزانہ سے منہا کر دیا تھا۔ تنگ حوصلہ تھا۔ خدا جانے دل میں کیا سمجھا۔

خانِ خاناں کی خوبیاں اور محبوبیاں:

خان خاناں نہایت حسین تھا۔ اس کی خوبیاں اور محبوبیاں سن کر ایک عورت کو اشتیاق پیدا ہوا۔

Marfat.com

وہ بھی حسین تھی۔اس نے اپنی تصویر کھچوائی۔اور ایک بڑھیا کے ہاتھ بھیجی۔وہ خلوت میں آ کر خان خاناں سے ملی۔اور مطلب کو اس پیرایہ میں ادا کیا۔کہ ایک بیگم کی یہ تصویر ہے۔انہوں نے پیغام دیا ہے۔کہ آپ کی تعریفیں سن سن کر میرا جی بہت خوش ہوتا ہے۔ارمان یہ ہے۔کہ تمہیں جیسا ایک فرزند میرے ہاں ہو۔تم بادشاہ کی آنکھیں ہو۔زبان ہو۔، دست وبازو ہو یہ بات کچھ مشکل نہیں۔خان خاناں نے سوچ کر کہا مائی۔تم میری طرف سے انہیں کہنا کہ یہ بات تو کچھ مشکل نہیں۔مگر یہ مشکل ہے۔کہ خدا جانے اولاد ہو یا نہ ہو۔اور ہو تو کیا خبر ہے۔بیٹا ہی ہو۔اور وہ زندہ بھی رہے۔پھر خدا جانے ایسی صورت ہو یا نہ ہو۔یہ بھی ہو تو اقبال پر کس کا زور ہے۔خدا چاہے دے خدا چاہے نہ دے۔اگر انہیں مجھ جیسے بیٹے کی آرزو ہے۔تو کہنا کہ تم ماں میں بیٹا۔خدا کا شکر کرو جس نے پلا پلایا بیٹا تمہیں دیا۔ماں کو اس قدر روپیہ مہینہ دیتا ہوں۔وہیں تمہیں بھیجا کروں گا۔

ایک شخص خان خاناں کے پاس آیا۔اور یہ قطعہ لکھ کر دیا۔

اے خان جہان خان خاناں　　دارم صنمے کہ رشک چین است
گرجاں طلبد مضایقہ نیست　　زر میطلبد سخن درین است

پوچھا وہ کیا مانگتے ہیں۔کہا لاکھ روپیہ۔حکم دیا کہ سوا لاکھ دیدو۔

ایک دن خان خاناں کی سواری چلی جاتی تھی۔ایک شکستہ حال غریب نے ایک شیشی میں بوند پانی ڈال کر دکھایا اور اسے جھکایا۔جب پانی گرنے کو ہوا۔تو شیشی کو سیدھا کر دیا۔اس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا۔کہ اشراف خاندانی ہے۔خان خاناں اسے ساتھ لے آئے اور انعام واکرام دیکر رخصت کیا لوگوں نے پوچھا کہا کہ تم نہیں سمجھے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک بوند آبرو رہی ہے۔اور اب یہ بھی گرا چاہتی ہے۔

ایک دن سواری میں کسی نے انہیں ایک ڈھیلا مارا۔سپاہی دوڑ کر پکڑ لائے۔انہوں نے کہا۔ہزار روپیہ دیدو۔سب حیران ہو گئے اور عرض کی کہ جو نالائق قابل دشنام بھی نہ ہو۔اسے انعام دینا آپ ہی کا کام ہے۔انہوں نے کہا لوگ پھلے ہوئے درخت پر پتھر مارتے ہیں۔جو میرا پھل ہے وہ مجھے دینا واجب ہے۔

سپاہی کو ہزار روپے انعام:

ایک دن سواری سے اترتے تھے۔ایک بڑھیا برابر آئی۔ایک توا اس کی بغل میں تھا۔نکال کر ان کے بدن سے ملنے لگی۔نوکر ہاں ہاں کر کے دوڑے۔انہوں نے سب کو روکا اور حکم دیا۔کہ اسی

Marfat.com

کے برابر اسے سونا تول دو۔ مصاحبوں نے سبب پوچھا۔ کہا یہ دیکھتی تھی۔ کہ بزرگ جو کہا کرتے تھے کہ بادشاہ اوران کے امیر پارس ہوتے ہیں۔ یہ بات سچ ہے یا نہیں۔ اوراب بھی ویسے لوگ ہیں۔ یا کوئی نہیں رہا۔

ایک آدمی کونوکری دینا:

خان خاناں دربار چلے۔ ایک سوار سپاہگری کے ہتھیار لگائے سامنے آیا اور سلام کیا۔ انہوں نے حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ نوکری چاہتا ہوں۔ بانکپن یہ کہ پگڑی میں دو میخیں بھی باندھی ہیں۔ پوچھا کہ ان میخوں کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے عرض کی کہ ایک میخ تو اس کے واسطے کہ نوکر رکھے اور تنخواہ نہ دے۔ دوسری اس نوکر کے واسطے کہ تنخواہ لے اور کام چوری کرے۔ خان خاناں نے تنخواہ مقرر کی۔ اور ساتھ لائے۔ وہ بھی دربار میں آیا۔ اس کے بانکپن کے انداز کو سب دیکھنے لگے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ انسان کی بہت سے بہت عمر ہو تو کتنی ہو۔ اس نے کہا کہ عمر طبعی ۱۲۰ برس کی ہوتی ہے۔ انہوں نے خزانچی کو حکم دیا۔ کہ سپاہی کی عمر بھر کی تنخواہ بے باق کردو۔ اور اس سے کہا لیجئے۔ حضرت ایک میخ کا بوجھ تو سر سے اتار دیجئے۔ دوسری کا آپ کو اختیار ہے۔

مصور کو پانچ ہزار روپے انعام:

دربار جاتے تھے۔ مصور نے تصویر لا کر دی۔ ایک صاحب جمال عورت ہے۔ نہا کر اٹھی ہے کرسی پر بیٹھی ہے۔ ایک طرف کو جھکی ہوئی سر کے بال پھٹکار رہی ہے۔ لونڈی پاؤں دھلاتی ہے۔ اور جھانوا کر رہی ہے۔ خان خاناں اسے دیکھتے ہوئے دربار چلے گئے۔ آ کر حکم دیا کہ اس مصور کو بلاؤ اور پانچ ہزار روپیہ دیدو۔ مصور نے عرض کی۔ انعام تو فدوی جبھی لے گا۔ کہ جو بات حضور قابل انعام خیال فرماویں وہ ارشاد فرماویں۔ سب مصاحب متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لبوں کی مسکراہٹ اور چہرہ کا انداز دیکھا۔ سب نے کہا کہ دیکھا نہایت خوب اور زیبا۔ خان خاناں نے کہا۔ پاؤں کی طرف تو دیکھو۔ وہ گدگدیاں ہو رہی ہیں۔ اس نزاکت ولطافت پر ۵ ہزار روپیہ کیا حقیقت ہے۔ ۵ لاکھ بھی تھوڑا ہے۔ مشور نے کہا کہ حضور بس انعام پا لیا۔ اور میں آپ کا غلام ہو لیا۔ تمام امیروں کے پاس لیکر پھرا۔ ایک نے یہ نکتہ نہیں پایا۔ ہم لوگ قدر شناس کے غلام ہیں۔

خان خاناں جب مظفر پر ظفریاب ہو کر آئے۔ تو بادشاہ کے لئے بہت سے عجائب ونفائس خاندیس ودکن اور ممالک فرنگ کے لائے۔ ان میں عجیب تحفہ یہ تھا۔ کہ رائے سنگھ جھالا علاقہ گجرات کے راجہ کو حاضر کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ نوجوانی کے عالم میں برات لیکر بیاہنے گیا تھا۔ جب وہاں سے خوشی

Marfat.com

کے نقارے بجاتا پھرا۔ تو جسا راجہ کچھ کے چچیرے بھائی کے ملک میں سے گزرا۔ محلوں کے پاس برات پہنچی۔ تو پیام آیا کہ نقارے نہ بجاؤ۔ یا دور دور نکل جاؤ۔ اور مرد ہو تو تلوار نکالو، اور لڑو۔ اگرچہ سامان ساتھ نہ تھا۔ مگر رائے سنگھ دولہا کی رائے لڑائی پر جمی۔ اور جہاں تھا وہیں تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ جسا جھٹ فوج لیکر آئے برداشت و خون ہوا۔ اور جلد میدان جنگ سے نیستی خانہ میں داخل ہوئے۔ چھوٹا بھائی راؤ صاحب آیا۔ وہ بھی بڑے بھائی کے پاس پہنچا۔ راجپوتوں میں رسم ہے۔ کہ جب جوش میں آتے ہیں تو تلواریں سونت کر کود پڑتے ہیں۔ کہ شاید گھوڑا بے قابو ہو کر لے بھاگے۔ یا گھوڑا ان تلے دیکھ کر اپنی ہی نیت بگڑے اور جان لے کر نکل جائے۔ اس لڑائی میں طرفین کے بہادر اسی طرح جانوں سے ہاتھ اٹھا کر میدان میں اتر پڑے تھے۔ غرض دولہا اور اس کے رفیق فتح یاب ہو کر موچھوں پر تاؤ دیتے۔ اپنے گھوڑوں پر آئے سپاہ مغلوب کے پیادے جو گھوڑے لئے کھڑے تھے۔ انہیں جوش آیا۔ گھوڑوں کو چھوڑ کر تلواریں لیں اور پھر میدان کارزار گرم ہوا۔ ایسا بھاری رن پڑا۔ کہ دولہا زخمی ہو کر گر پڑا۔ ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔ کسی نے کسی کو نہ پہچانا کہ کس کی لاش کہاں رہی۔ دولہن بہت زخمی ہوا تھا۔ سانس ہی آس باقی تھی۔ رات کو کوئی جوگی ادھر آیا۔ اور اٹھا کر اپنی مڈھ میں لے گیا۔ مرہم پٹی کی۔ خدا نے بچالیا۔ احسان کا بندہ اس کا چیلا ہو گیا۔ انیس برس اس کی خدمت کرتا اور جنگلوں میں پھرتا رہا۔ گھر اور گھرانے سب کو یہی خیال کہ میدان میں کام آیا۔ کئی رانیاں ستی ہو گئیں۔ دلہن رانی دل کے ست اور اس کے خیال میں خدا کو یاد کرتی تھی۔ کیونکہ مرنے کا بھی یقین نہ تھا۔ خان خاناں امیروں سے سوا...... فقیروں اور غریبوں کے یار تھے۔ ان کی سرکار میں فقیر امیر جوگی...... سب برابر تھے۔ اکبر بھی ایسے ہی معاملات کے مشتاق رہتے تھے۔ اس عجیب واردات کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور ابت چیلا پھر رائے سنگھ راجہ بن کر اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے ملک کو رخصت ہوئے۔ جب وہاں گئے۔ تو سب اقربا ملازم جمع ہوئے اور دیکھ کر پہچانا۔ بڑی خوشیاں ہوئیں۔ بہت سے سوا رانی کو شرم بے زبانی سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔ اور اپنے مالک کی یاد میں بیٹھی تھی۔ دیکھو رسم کا ست تو مار چکا تھا۔ محبت کا ست کام کر گیا۔ راجہ نے راج سنبھالا۔ اور خیر خواہان دولت نے شکر الہیٰ کے ساتھ خان خاناں کے شکرانے ادا کیے۔

موزونی طبع:

یہ عالی دماغ امیر ایک صندوقچہ کمالات انسانی کا تھا۔ ایسی ہمہ رنگ اور ہمہ گیر روحیں عالم بالا سے بہت کم عالم خاک میں آتی ہیں۔ جو کہ ہر وصف اور ہر خوبی کے لئے جوہر قابل ہوں۔ اگرچہ اس

Marfat.com

کا دماغ شاعری پر مرنے مٹنے والا نہ تھا۔ مگر پھول اپنا رنگ نہ دکھائے۔ یا خوشبو نہ پھیلائے۔ یہ بھی تو نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل کا کنول کبھی اپنے ذوق وشوق سے کبھی بادشاہ یا دوستوں کی فرمائش کی تقریب سے ہوائے نظم سے کھلتا تھا۔ اسے شاعرانہ دماغ سوزی کی فرصت نہ ہوگی۔ یا ایسا زیادہ شوق نہ ہوگا کہ اپنی نظم سے بیاض یا دیوان مرتب کرتا ایک غزل اور چند متفرق اشعار اور رباعیاں نظر سے گزریں۔ چنانچہ ہفت اقلیم اور تذکرہ پر جوش۔ اور تزک جہانگیری وغیرہ سے لکھتا ہوں۔ دیکھ لو یہ بھی لطافت ونزاکت سے پھولوں کا طرہ ہو رہا ہے۔

غزل

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است ۔۔۔ جز این قدر کہ دلم سخت آرزو مند است

ادائے حق محبت عنایت است ز دوست ۔۔۔ وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خورسند است

نہ زلف دانم ونے دام اینقدر دانم ۔۔۔ ز پائے تا بہ سرم ہر چہ ہست در بند است

بدوستے کہ بجز دوستی نمی دانم ۔۔۔ خدائے داند وآں کو مرا خداوند است

ازیں خوشم بہ سخنہائے عالیہائے رحیم ۔۔۔ کہ اندکے باداہائے دوست مانند است

رباعی

نیم فضول کہ جویم وصال ہچو توئی ۔۔۔ بس است ہچو منے را خیال ہچو توئی

رباعی

پارہ پارہ گشت دل امانے دارو بہم ۔۔۔ زانکہ پیکان تو اش صد بار برہم دوختہ است

رباعی

تمام مہر ومحبت شدم نمیدانم ۔۔۔ کہ دل کدام۔ محبت کدام۔ ویار کدام

رباعی

خواہم ز درت روم مروت نگذاشت ۔۔۔ واں گرمی اختلاط وصحبت نگذاشت

اینہا ہمہ عذر است چہ پنہاں از تو ۔۔۔ قربان سرت روم محبت نگذاشت

ایضاً

در قصہ عاشق مردنا گویا بہ ۔۔۔ اندیشہ عشق وخون دل یکجا بہ

Marfat.com

تا قدر وصال دوست ظاہر گردد ہمچوں شب قدر وصل ناپیدا بہ

ایضاً

درراہ وفا نیازمندی چہ خوش است دل سوختگی و دردمندی چہ خوش است
زلف تو کہ دل شکارے لاغر اوست از دل صیدے از وکمندے چہ خوش است

ایضاً

اے آتش سینہ شعلہ باری بس کن اے اشک نیاز درشاری بس کن
چوں دادہ و نادادہ نہ امروز است داری بس کن وگرنہ داری بس کن

ایضاً

جاسوس دلم بسوے تو بوے تو بس دربان مجاز بان، ہمیں خوے تو بس
آستاد پریشانے من موے تو بس مشاطہ روے من ہمیں روے تو بس

ایضاً

سرمایہ عمر جاودانی غم تو بہتر ز ہزار شادمانی غم تو
گفتی کہ چنیں والہ وشیدات کہ کرد دانی غم تو وگرنہ دانی غم تو

ایضاً

آنم کہ حیات خود بہ سائل دہمے گر سر طلبی بہ تیغ قاتل دہمے
از دست دل آنچناں بہ تنگم امروز گر خاک طلب کند ز من دل دہمے

ایضاً

زنہار رحیم از پئے دل نہ روی بے ہودہ بہ آرزوے دل درگروی
گفتم سخنے دباز ہم مے گویم خواہش کاری ہمیشہ خواہش دروی

Marfat.com

مسیح الدین حکیم ابوالفتح گیلانی

ابتدائی حالات:

مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ مولانا عبدالرزاق گیلانی میں نامور فاضل اور فضائل صورت و معنی سے آراستہ تھے۔ خصوصاً حکمت نظری اور الٰہیات میں بلند نظر رکھتے تھے۔ مدت تک وہاں صدر الصدور رہے۔ ۹۷۴ھ میں شاہ طہماسپ بادشاہ ایران نے گیلان فتح کیا۔ اور خان احمد فرمانروا وہاں کا اپنی نادانی سے قید ہوا۔ صدر الصدور صدق دل سے اپنے آقا کے ہوا خواہ تھے۔ راستی و حق گزاری کے جرم پر قید ہوئے۔ اور شکنجہ تکلیف میں جان دی۔ علم ان کا درس و تدریس میں اور کمال تصنیف و تالیف میں شہرہ آفاق تھا۔ جس طرح اولاد روحانی عالم میں نامور ہوئی۔ ویسے ہی بیٹے بھی ہوئے کہ صورت و معنی میں باپ کے خلف الرشید تھے۔ حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام۔ تیسرے حکیم نورالدین کہ شعر بھی کہتے تھے اور قرار تخلص کرتے تھے۔ یہ تینوں بھائی جودت طبع اور تیزی فہم اور علوم رسمی اور کمالات انسانی میں صاحب کمال تھے۔ چوتھے حکیم لطف اللہ کہ کچھ عرصے کے بعد ہندوستان آئے اور صدی منصب دار ہو گئے مگر چند سال کے بعد مر گئے۔ خاص و عام میں گیلانی مشہور ہیں۔ حقیقت میں لاہجان علاقہ گیلان کے رہنے والے تھے۔ کتب تاریخ میں ان کی ذات کی توضیح نہیں۔ البتہ عرفی نے جو حکیم ابوالفتح اور حکیم ہمام کی تعریف میں قصائد لکھے ہیں ان میں حکیم ابوالفتح کو میرا ابوالفتح لکھا ہے۔

خواجہ حسین ثنائی:

خواجہ حسین ثنائی جب ایران سے ہندوستان آئے اور شعرائے پایہ تخت میں نامور ہوئے تو بیان کرتے تھے کہ میں مشہد میں سلطان ابراہیم مرزا سے ملا کرتا تھا۔ ان تینوں نوجوانوں نے فضل و کمال کا نقارہ بجا رکھا تھا اور مرزا سے بھی ملا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے مرزا سے پوچھا کہ ملا عبدالرزاق کے بیٹوں کو آپ نے کیسا پایا۔ فرمایا کہ حکیم ابوالفتح شایان وزارت ہے۔ حکیم ہمام مصاحب خوب ہے۔ حکیم نورالدین جوان قابل ہے مگر اس کے قیافہ سے خبط کے آثار معلوم ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ آزاد۔ دربار اکبری جوہر انسان کے لئے عجب کسوٹی تھا۔ جب یہاں آئے تو ہر ایک ان میں سے ویسا ہی نکلا۔ جیسا مرزا نے پرکھا تھا۔

اکبر کے نام کی دھوم:

دنیا کے تمام کام نام پر چلتے ہیں۔ ادھر اکبر کا نام ملک ملک میں پہنچا ہوا تھا۔ ادھر ان کا اور ان کے باپ کا نام یہاں پہنچا۔ ۸۳-۹۸۲ھ میں تینوں بھائی یہاں آئے اور آتے ہی دربار میں داخل ہو گئے۔ حکیم ابوالفتح کی طبیعت میں شائستگی اور لیاقت کا اور ہی عالم تھا۔ زمانے کے مزاج سے واقف تھے اور اہل زمانہ کی نبض خوب پہچانتے تھے۔ ملا صاحب ان سے ایک برس پہلے آئے ہوئے تھے۔ دیکھنا کیا خفا ہو کر کہتے ہیں۔ بڑے بھائی نے مصاحبت کے زور سے مزاج بادشاہ میں عجب تصرف کیا اور صریح خوشامدوں سے وادی دین و مذہب میں بھی ہمراہی کر کے آگے آگے چلنے لگا۔ اور اعلیٰ درجہ تقرب حاصل کر لیا۔ کچھ آگے چل کر کمال دل شکستگی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ناگاہ بیر بر حرامزادہ اور شیخ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح نے آگے قدم بڑھا کر دین سے منحرف کر دیا۔ وحی، نبوت، اعجاز، کرامت اور شرائع سے انکار مطلق کر کے کام نکال لے گئے۔ فقیر رفاقت نہ کر سکا۔ ہر ایک کا انجام حال بجائے خود لکھا جائیگا۔ انشاء اللہ۔ بہر حال اتنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہایت جلد ترقی کی اور بہت ترقی کی۔

افغانوں کے فساد:

بنگالہ کو مہم جا رہی تھی۔ ایک تو افغان جا بجا فساد کر رہے تھے۔ طرہ یہ ہوا کہ امرائے ترک میں باہم نفاق ہوا۔ پرانے پرانے امیر اور پشتوں کے خدمتگار نمکحرام ہو کر باغی ہو گئے۔ بادشاہ نے منعم خاں کے مرنے سے چند روز پہلے مظفر خاں سردار کو وہاں بھیجا تھا۔ وہ بڑے زور و شور سے فتوحات حاصل کر رہا تھا اور جا بجا افغانوں کو دباتا پھرتا تھا۔ اس کی عقل پر ادبار نے ایسا پردہ ڈالا کہ دماغ بلند ہو گیا۔ بے سوچے سمجھے ہر ایک پر جبر کرنے لگا۔ اور اس پر سپاہ کو خرچ سے تنگ رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم الخدمت اور نمک خوار اسے چھوڑ چھوڑ کر باغیوں میں جانے لگے۔ بادشاہ نے ۹۸۷ھ میں رائے پتر داس کو دیوان مقرر کیا۔ اور حکیم ابوالفتح کو صدارت اور امینی کی خدمت عنایت کی کہ اعلیٰ رتبے کا با اختیار عہدہ تھا۔ ساتھ ان کے بہت سے امرا کو بھیجا کہ جو دلدہی اور دلداری سے آ جائیں انہیں سنبھالو۔ جو حقیقتاً سرکش ہیں انہیں اعمال کی سزا دو۔

Marfat.com

بابا خاں اور مجنوں خاں قاقشال:

دولت بابری کے قدیم الخدمتوں میں بابا خان اور مجنوں خاں قاقشال وغیرہ کا بڑا بہادر خاندان تھا۔ وہ ابتدا سے مہم بنگالہ میں تلواریں مار رہے تھے۔ اور ان کا بڑا جتھا تھا۔ وہ مظفر خاں کے ہاتھ سے بہت تنگ تھے۔ اب تازہ بہانہ یہ ہوا کہ ان کی فوج میں داغ کا حکم پہنچا یعنی گھوڑے اور سپاہی کی موجودات دو۔ ساتھ ہی ایک مفسد کابل سے بھاگ کر ان کے لشکر میں جا چھپا۔ مظفر خاں کے نام بادشاہی فرمان پہنچا کہ اسے سزائے اعمال کو پہنچائیو۔ اس کی سخت مزاجی کو بہانہ قوی ہاتھ آیا اسے فوراً گرفتار کرا لیا۔ بابا خاں نے روکا۔ مظفر خاں نے اسے برا بھلا کہا اور فرمان دکھا کر مفسد کو سر دربار مروا ڈالا۔ اس بات پر تمام قاقشال خیل بگڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ تیغ زن اور خونریز لوگ تھے اسی وقت سر منڈا اپنے مغولی طاقیہ پھینک سرکشی کا نشان باندھ کر الگ ہو گئے۔

کشتیاں جمع کرنا:

مظفر خاں نے بہت سی کشتیاں جمع کیں۔ رائے پتر داس اور حکیم ابوالفتح کو ۲۴ جلوس میں دربار سے تازہ زور پہنچے تھے۔ ان کے مقابلے پر بھیجا۔ مگر حکیم بزم کے یار تھے نہ رزم کے سپہ دار۔ پتر داس بیچارہ ہندی کا بانچنے والا اس سے کیا ہوتا تھا۔ قاقشالوں نے بھس کی طرح اڑا دیا۔ قاقشال خیل کا بڑا انبوہ تھا۔ مفسدوں کے ساتھ مل گئے تھے اور جمع ہو کر لڑتے مارتے مظفر خاں پر چڑھ آئے۔ اسے بد اقبالی نے ایسا دبایا کہ قلعہ ٹانڈہ کے کھنڈر میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ حکیم اور رائے کئی سردار بڑے دانا تھے۔ سمجھ گئے کہ مظفر کو ظفر کی طرف سے جواب ہے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ باغی دیواروں پر چڑھ کر قلعہ میں گھس آئے۔ مظفر کو قید کر لیا اور آخر کار مار ڈالا۔ مگر حکیم اور رائے مع اور سرداروں کے بھیس بدل کر غریب رعایا میں مل گئے۔ اس ہل چل میں کسی نے خیال نہ کیا۔ فصیل کود کر باہر آئے۔ رستہ کھلا تھا۔ گاؤں بہ گاؤں زمینداروں سے راہبر لیتے۔ کہیں پیادہ کہیں سوار خاک پھانکتے ٹٹو ہانکتے حاجی پور کے قلعے میں جا پہنچے۔ مگر پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے۔ مخملی مسندیں اور ایرانی قالین سب بھول گئے۔ وہاں سے پھرتے کھیلتے ہوئے دربار میں آن حاضر ہوئے۔ باتوں کے نسخے اور تدبیروں کی معجونیں ان کے پاس ہمیشہ موجود رہتی تھیں۔ جزوی وکلی حالات چنانچہ صورتحال کے بموجب عمل میں آئیں۔ اور ان پر اور مرحمت زیادہ ہوئی۔

ائمہ مساجد اور بزرگان مشائخ:

ملا صاحب فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالنبی صدر نے ائمہ مساجد اور بزرگان مشائخ کی عطائے

Marfat.com

جاگیر میں اس قدر سخاوت کی کہ جو معافیاں کئی کئی سلطنتوں میں ہوئی ہونگی۔ وہ کئی برس میں کر دیں۔ علاوہ اس کے کئی باتوں میں بدنام بھی ہوئے۔۹۹۰ھ میں اسی شہر لاہور میں تجویز ہوئی کہ کل ممالک محروسہ کی معافیوں کی تحقیقات ہو۔ کئی کئی صوبوں پر ایک با امانت عالی دماغ شخص مقرر ہوا۔ چنانچہ دہلی، مالوہ، گجرات کی صدارت ان کے نام ہوئی۔۹۹۳ھ میں ہشت صدی کا منصب ملا۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ اگرچہ منصب ہزاری سے کم رہا۔ مگر ہر وقت کی حضوری اور مصاحبت کے سبب سے ان کے وزیر اور وکیل مطلق کی طاقت بڑھتی گئی۔ حکیم نام کے ابوالفتح اور حکیموں کے بادشاہ تھے۔ مگر میدان جنگ میں حصہ لے کر نہ آئے تھے۔ سرحدی افغانوں کی مہم میں ترکی فوج کو ساتھ لے کر گئے۔

وہ اور بہت سے نامی شمشیر زن اور سردار کہ بادشاہی روشناس تھے مارے گئے۔ خیر غنیمت ہے کہ یہ تو جیتے پھر آئے۔ بادشاہ نے جس قدر بیربر کے مرنے کا غم کیا۔ تم نے دیکھ لیا۔ جو امرا زندہ پھر کر آئے وہ مدتوں دربار سے محروم رہے۔ چند روز ان کا مجرا بھی بند رہا۔ مگر فیضی، ابوالفضل، میر فتح اللہ شیرازی، خان خاناں جیسے اشخاص موجود تھے چند روز میں پھر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے۔۹۹۷ھ میں جبکہ بادشاہ کشمیر سے پھرے اور براہ مظفر آباد پکلی اور دمتور سے گزر کر حسن ابدال میں آن اترے۔ حکیم رستے میں درد شکم اور اسہال میں گرفتار ہوئے۔ مآثر الامرا میں ہے کہ ان کے حال پر بادشاہ عنایت بے اندازہ و بے نہایت فرماتے تھے۔ منزلوں میں خود دو تین دفعہ عیادت کو گئے اور دلدہی کی کہ صاحب کمال تھے اور یکتائے وقت تھے۔ اور وفادار اور ہوا خواہ تھے۔ شیخ ابوالفضل لکھتے ہیں کہ شاہ عارف حسینی کے لئے کچھ روپیہ بھیجا کہ تبت کے محتاجوں کو بھیج دو۔ ایک دن ان کے سبب سے مقام کیا کہ حکیم کو ضعف بہت ہے۔ سوار ہو کر چلنے کی طاقت نہیں۔ آخر حکمت پناہ مذکور نے کہ نبض شناس روزگار تھا دنیا سے انتقال کیا۔ اکبر کو بڑا رنج ہوا۔ حسن ابدال کا مقام بھی شادابی اور چشمہ ہائے جاری سے کشمیر کی تصویر ہے۔ وہاں خواجہ شمس الدین خافی نے ایک عمارت اور گنبد خوشنما اور چشمہ جاری کے دہانے پر حوض دلنشیں بنایا تھا۔ بموجب بادشاہ کے حکم کے وہیں لا کر دفن کیا۔ میر فتح اللہ مرحوم کے زخم پر تازہ زخم لگا۔ حکیم ہمام توران کی سفارت پر گیا ہوا تھا۔ اس کے نام فرمان تعزیت بھیجا۔ جو کہ ابو الفضل کے دفتر اول میں موجود ہے۔ اس کا ایک ایک فقرہ ایک ایک مرثیہ دغمنامہ ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے کمالات اور خدمات نے صدق اخلاص کے ساتھ اکبر کے دل میں کہاں جگہ پیدا کی تھی۔

اب ملا صاحب کو دیکھو۔ اس غریب کے جنازے پر کیا پھول برساتے ہیں۔ بادشاہ نے اس برس سیر کابل کا ارادہ کر کے پکلی سے اٹک کو باگ موڑی۔ اور اس مرحلہ میں منزل دمتور میں حکیم ابو

Marfat.com

الفتح نے توسن زندگی کی باگ ملک آخرت کو پھیر دی۔ تاریخ ہوئی۔ خدا ایش سزاد ہا ۹۹۷ھ۔

آزاد۔ اس مصیبت کا عالم دیکھنا چاہو تو اکبر نامہ کی مختصر عبارت کا ترجمہ سن لو۔ "حکیم بہت بیمار تھا۔ مقام کر دیا۔ نکتہ دانی کے باغبان، دقیقہ شناس، دور بین، شبستان ضمائر کے بیدار دل، انجمن نہفتہ دانی کے ہوشیار، زمانہ کے نبض شناس کا وقت پورا ہو گیا۔ جھمیلوں کے میلے سے الگ ہو گیا۔ اخیر سانس تک ہوش قائم تھے۔ کچھ خطر یا پریشانی نہ تھی۔ خاطر قدسی اکبر پر اس حادثہ غم اندوز سے کیا کہوں کہ کیا گزری۔ جب خرد بزرگ پر سوگواری چھائی۔ تو اس قدر دان بزم آگہی کے غم کا کون اندازہ کر سکے۔ اتنا خلوص، اتنی مزاج شناسی، خیر اندیشی عام، فصاحت زبان، حسن جمال، قیافہ کی عالی علامتیں۔ ہر باب میں قدرتی نمکینی، ذاتی گرم وگرمجوشی، عقل و دانش کہیں مدتوں ہی میں اکٹھی ہو۔ حکیم والا کے بموجب خواجہ شمس الدین اور جماعت امرا کو حسن ابدال میں لے گئے اور خواجہ نے جو گنبد اپنے واسطے بنایا تھا اس میں دفن کر دیا۔ دیکھو کس نے بھنایا اور کس طرح سے بنایا۔

نگارندہ اقبال نامہ (یعنی ابوالفضل) سمجھ بیٹھا تھا کہ میں بے صبری سے تنگ گلی سے نکل گیا اور فرحت گاہ خورسندی میں آرام گاہ حالی کر لی اب کوئی رنج مجھ پر اثر نہ کر سکے گا۔ مگر اس غم نے پردہ کھول دیا۔ قریب تھا کہ بے قراری سے تڑپ اٹھے۔ اس نے سعادت جاودانی حاصل کی کہ مانگے کی جان اپنے خداوند کے قدموں میں دی۔ خدا سے امید ہے کہ سب خدا پرست اس کے سامنے ہی جان دیں۔"

ملک الشعراء شیخ فیضی نے عضد الدولہ اور حکیم کے مرثیے میں قصیدہ رشتہ نظم میں پرو دیا۔ ساوجی نے تاریخ بھی فوت کی اسی انداز میں کہی (دیکھو شاہ فتح اللہ شیرازی کا حال)

حکیم ہمام سفارت توران سے واپس آئے تھے۔ باربک آب کی منزل میں آکر سر عجز کو زمین پر رکھ دیا اور فرق خوش نصیبی کو آسمان تک پہنچایا۔ انہیں دیکھ کر بادشاہ کو رنج تازہ ہوا۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتے ہیں کہ فرمایا۔ ترا ایک برادر بود از عالم برفت۔

از حساب دو چشم یکتن کم ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ وز حساب خرد ہزاراں بیش

بادشاہ کی برکت انفاس سے حکیم کا دل بے تاب ٹھکانے ہوا۔ دعا و ثنا بجالایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان لوگوں کی خوبیوں نے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا۔ جب پھر حسن ابدال کی منزل پر پہنچے تو مقام کیا۔ حکیم کو یاد کر کے افسوس کیا۔ اور ان کی قبر پر گئے۔ ہائے استاد مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

مرے مزار پر کس طرح سے نہ برسے نور ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ کہ جان دی ترے روئے عرق فشاں کیلئے

فاتحہ پڑھ کر دعائے مغفرت کی۔ اور ذکر خیر سے یاد کرتے رہے۔ اور اکثر صحبتوں میں ایسا ذکر

Marfat.com

ہوا کرتا تھا۔

ماثر الامرا میں عبارت مذکور کے بعد شیخ لکھتا ہے۔ اہل ضرورت کا کام ایسی دلی کوشش سے کرتے تھے کہ گویا اسی واسطے نوکر ہوئے ہیں۔ اوراس خدمت سے کبھی اپنی جان کو معاف نہ کرتے تھے۔ کریم الصفات تھے۔ اور زمانہ کے محسن تھے۔ کمالات میں یگانے تھے اور شعرائے زمانہ کے ممدوح تھے۔ حکیم صاحب کے علم وفضل اور جواہر کمالات کے باب میں کچھ کہنا فضول ہے۔ ابوالفضل جیسے شخص کو دیکھو کیا کہہ گئے۔ ان کا ایک لفظ صفحوں کا عطر کھینچا ہوا ہے۔ البتہ چند موقع جو میں نے کتابوں میں دیکھے دکھانے چاہتا ہوں کہ ان کی زیرکی، تیزی فہم، رمز شناسی، مصلحت بینی، نکتہ دانی پر اکبر کو کیسا بھروسہ تھا۔ اور کیسا تیز نسخہ خلوص عقیدت کا تھا۔ جس نے چند سالہ حضوری میں پشتوں کے نمک خواروں سے آگے بڑھا دیا۔ ۹۹۸ھ میں ایک بزرگ اہل معرفت کا لباس پہن آگرہ سے جالیسر میں آئے اور معرفت کی دکان کھول دی۔ ہزاروں احمقوں کو گھیر لیا۔ یہاں تک کہ شیخ جمال بختیاری جو بنگالہ میں افغانوں کے پیر تھے۔ وہ بھی پھندے میں پھنس گئے۔ یہ سن کر بادشاہ کو خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ حکیم صاحب اور میرزا خاں (عبدالرحیم خان خاناں) کو بھیجا کہ کھوٹے کھرے کو پرکھو۔ اور ارادہ معلوم کرو۔ کھرے ہوئے تو مسند ہدایت ان کا حق ہے۔ ورنہ خلق خدا کو خراب کرینگے۔ دونوں رئیسوں کے مرشد تھے۔ جا کر صحبتیں گرم کیں۔ اور زبان کی نبض سے دل کا احوال معلوم کیا۔ اندر کچھ بھی نہ تھا۔ حکمت عملی سے سارے حلقہ کو حضور میں لے آئے۔ شیخ جمال نے سجدہ عقیدت سے جمال معنی روشن کر لیا۔ فقیر کی جھولی میں سوادغا کے کچھ نہ تھا۔ حکم ہوا کہ خلوت خانہ ندامت (قید) میں بیٹھے۔

انسانیت کا صراف:

وہ انسانیت کا صراف انہیں خوب تاڑ گیا۔ جب ایسے اشخاص کے حالات کی تحقیق کی ضرورت ہوتی تھی تو ان کی معرفت دریافت کرتا تھا۔ کہ اہل معرفت کے۔ اہل اللہ کے بلکہ اللہ کے پہچاننے والے تھے باتوں باتوں میں بات تو کیا ہے پتال کا پتا نکال لیتے تھے۔ لیکن ایک معاملہ ملا صاحب نے ایسا لکھا ہے جسے پڑھ کر آزاد حیران وسرگردان ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۹۹۷ھ میں بادشاہ کشمیر گئے۔ شاہ عارف حسینی سے ملاقات ہوئی۔ وہ منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ بادشاہ نے کشمیر میں اسی غرض سے شیخ ابوالفضل اور حکیم کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے سلسلہ تقریر میں کہا۔ شاہا کیا مضائقہ ہے اگر نقاب اٹھا دو۔ ہم بھی تمہارا جمال دیکھ لیں۔ نہ مانا اور کہا۔ ہم فقیر لوگ ہیں۔ جانے

Marfat.com

دو۔ بہت نہ ستاؤ۔ حکیم کے مزاج میں شوخی اور بیبا کی زیادہ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ نقاب کھینچ لے۔ شاہ خفا ہوئے اور کہا۔ معاذ اللہ۔ میں مجذوم یا معیوب نہیں، لے دیکھ میرا منہ۔ گریبان چاک کر ڈالا اور نقاب زمین پر پھینک دی۔ حکیم میرا منہ تو تو نے دیکھا مگر نتیجہ انشاء اللہ العزیز انہی دو ہفتے میں دیکھے گا ۱۵ دن گزرے تھے کہ اسی راہ میں اسہال سے حکیم کا انتقال ہوا۔ یاد کرو۔ جس دن حکیم صاحب پیدا ہوئے۔ اسی دن بادشاہ نے کچھ روپیہ شاہ موصوف کو بھیجا۔ اس سے یہی غرض ہوگی کہ ان کا غصہ فرو ہو جائے اور دعائے خیر کریں۔ ابوالفضل اس کوچہ کی خاک تھے۔ اور خاکساروں کی رسم وراہ سے واقف تھے۔ ان کے حالات فقرا کے ساتھ تمام فرامین بادشاہی میں۔ اور جو ہر اسلات وعرائض خود امرا وشاہزادوں کو لکھے تھے ان سے بھی کھلتا ہے۔ جہاں اور باتوں کی تاکید لکھتے ہیں۔ فقرا اور دل شکستوں کی دریوزہ گری پر بہت زور دیتے ہیں۔ دیکھو! بادشاہ کے حکم سے چلے گئے۔ مگر الگ رہے۔

مرزا سلیمان حاکم بدخشاں:

۹۹۵ھ میں مرزا سلیمان حاکم بدخشاں عبداللہ ازبک کے ہاتھ میں ملک چھوڑ کر دوبارہ ادھر آیا اور اکبر نے اس کی پیشوائی اور مہمانداری ایسی دھوم دھام سے دکھائی گویا ہندوستان نے اپنی ساری شان وشکوہ اگل دی۔ شاہزادہ مراد پانچ چھ برس کا تھا۔ ٹوڈرمل، آصف خاں، ابوالفضل، حکیم ابوالفتح وغیرہ امرائے جلیل القدر اس کے ساتھ کر کے کئی منزل آگے پیشوائی کو بھیجا۔ شیخ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح کو حکم ہوا کہ وقت ملاقات کے بہت پاس ہوں۔ اور کمین گاہ جواب میں لگے رہیں۔ دونوں کی طرز دانی، معاملہ فہمی، ادب شناسی نے ایسے ہی دل پر نقش بٹھائے ہونگے جو ایسے نازک موقع پر یہ خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ ابوالفضل ان سے ایک برس پہلے آئے تھے۔ ملا صاحب نے طبیبوں کے سلسلہ میں پھر ان کا حال لکھا ہے۔ اور وہاں جو عنایت کی ہے وہ بھی لطف سے خالی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''بادشاہ کی خدمت میں انتہا درجہ کا تقرب حاصل کیا تھا اور ایسا تصرف مزاج میں پیدا کیا تھا کہ تمام اہل دخل رشک کرتے تھے۔ تیزی فہم، جودت طبع، کمالات انسانی، اور نظم ونثر میں ممتاز کامل تھا۔ اسی طرح بے دینی اور اوصاف ذمیمہ میں بھی ضرب المثل تھا۔ جن دنوں حکیم نیا نیا آیا ان دنوں میں نے سنا ایک دن بیٹھا کہہ رہا تھا۔ خسرو ہے اور وہی بارہ شعر ہیں۔ انوری کو انوری ایک مداح کہا کرتا تھا میر بادنجان اس کا نام رکھا تھا (کہ ایران میں ایک مشہور مسخرہ تھا) خاقانی کو کہا کرتا تھا کہ اگر اس زمانہ میں ہوتا تو خوب ترقی کرتا۔ میرے ہاں آتا میں ایک تھپڑ مارتا طبیعت ذرا کابلی کو چھوڑتی وہاں سے ذرا شیخ ابوالفضل کے ہاں جاتا وہ مارتا اسی طرح اصلاح دیتے۔'' جو شخص ملا صاحب کی تاریخ کو

Marfat.com

پڑھے گا بلکہ دربار اکبری میں بھی کہیں کہیں ان کی باتیں سنے گا سمجھ جائے گا کہ ان کی طبیعت کا یہ حال تھا کہ کسی کو ترقی کرتے دیکھا نہ جانا تھا۔ جسے عزت کے کپڑے پہنے دیکھتے تھے ضرور نوچتے تھے اور اہل علم کے زیادہ کہ ہم پیشہ ہیں۔ ان میں سے اگر شیعہ ہے تو کیا کہنا شکار ہاتھ آیا۔ اسکی کہیں داد فریاد نہیں۔ چند روز پہلے کوئی شخص شیعہ مذہب کو ظاہر ہی نہ کر سکتا تھا۔ ۸۴۔۹۸۳ھ کے بعد انہی چند اشخاص کے آنے سے اتنا حوصلہ پیدا ہوا کہ شیعہ چپکے چپکے اپنے تیئں شیعہ کہنے لگے۔ اور اس کا بھی ملا صاحب کو بڑا داغ تھا۔ اور اگر شیعہ نہیں تو خیر۔ ان کی باتیں چنتے رہتے تھے اور گرہ میں باندھتے جاتے تھے۔ جہاں موقع پاتے تھے وہیں ایک سوئی چبھو دیتے تھے۔ حق سے نہ پھروں گا۔ تاریخ نویسی کے اوصاف میں پورے تھے۔ عبارت مذکورہ میں جو حکیم صاحب کے حق میں کہی ہے۔ ہر چند غصے نے بہت زور کیا۔ مگر اوصاف علمی کے باب میں حق نویسی نے ہرگز نہ مانا جو لکھنا تھا وہی لکھا۔

بے دینی کا نشتر:

بے دینی کا جو نشتر مارا، کچھ بجا، کچھ بے جا۔ تشیع کے سبب سے بے دین کہا تو اسکی شکایت نہیں۔ ہاں اس جرم پر کہ دربار میں جو ہوا چل رہی تھی اس میں کیوں آ گئے۔ اس کے جواب میں انصاف خاموش نہیں رہ سکتا۔ دیکھو جس بادشاہ کے وہ نوکر تھے۔ جس کا وہ نمک کھاتے تھے۔ اس کے ہزاروں معاملے تھے۔ کوئی مصلحت ملکی تھی۔ کوئی خوش دل کی تھی۔ اور یہ لوگ فقط آدمی کے طبیب نہ تھے۔ عالم، نبض شناس اور زمانہ کے طبیب تھے۔ جو انکی راہ دیکھتے تھے۔ اسی راہ پر چلتے تھے نہ چلتے تو کیا کرتے۔ جہاں جاتے وہاں اس سے بدتر حال تھا۔ یہاں علم و کمال کی قدر تو تھی۔ مگر اور جگہ یہ بھی نہ تھا۔ یہاں تھے اور اپنے عالی اختیارات کو بندگان خدا کی کارپردازی اور کارروائی میں اس طرح خرچ کرتے تھے گویا اس کے نوکر ہیں یا اسی واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ مآثر الامرا میں ایک فقرہ ان کے باب میں لکھا ہے۔ گویا انگوٹھی پر نگینہ اور نگینے پر نقش بیٹھا ہے۔ ''درمہم سازی مردم خود را معاف نہ داشتے۔'' جو کماتے تھے کھاتے تھے کھلاتے تھے۔ لٹاتے تھے۔ نیک نامی کے باغ لگاتے تھے۔ ایسے تھے کہ ان کی بے دینی کے سائے میں سینکڑوں دیندار پرورش پاتے تھے۔ عالم فاضل باکمال عزت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ملا صاحب کے مرید ہوتے تو ان کی طرح بیٹھ رہتے اور یہ خوش ہوتے جو ان کا حال ہوا وہی ان کا۔ جو انہوں نے قوم کو فائدہ پہنچایا وہی ان سے پہنچتا۔ ان کی تاریخ بداؤنی میں کل پانچ چھ شخص تھے جن سے آپ خوش رہے۔ ورنہ سب پر لے دے مار دھاڑ ہے۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگ اہل معرفت اور اولیاء اللہ ہو جائیں۔ ایسا ہو تو دنیا کے کاربند ہو جائیں۔ سبحان اللہ

Marfat.com

مولانا روم کو دیکھیں کیا فرماتے ہیں۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند　　میل آن در دلش انداختند

ملا صاحب نے کئی جگہ بڑی بے دماغی سے فرمایا ہے۔ "میں اس واسطے حضور سے الگ ہو گیا۔" آزاد کہتا ہے۔ الگ ہوئے تو کیا ہوا۔ کیسی کیسی کتابوں کے ترجمے کئے۔ کیوں کئے۔ کرنے پڑے۔ اور اخیر کو سجدہ بھی کیا۔ فرق اتنا رہا کہ یہ لکھتے گئے اور گالیاں دیتے گئے۔ وہ ہنستے گئے۔ کھیلتے گئے۔ آقا کا کام حسب دلخواہ کیا۔ عقیدہ اپنا دل کے ساتھ ہے مصاحبت میں وزارت اور وکیل مطلق کی طاقت سے قوم کی کارپردازی کرتے تھے۔ جو بات ناگوار ہوتی اسی طرح تعمیل کرتے۔ گویا ان کا مین مذہب یہی ہے۔ جب گھر میں آتے۔ سب ہم مشرب مل کر ہنسی میں اڑا دیتے تھے۔ مجھے نہیں ثابت ہوا کہ ان کے عقیدے میں کچھ بھی فرق ہوا۔ بات یہ ہے کہ جب وہ ہندوستان میں آئے تو ایک حمام نظر آیا۔ جس میں مشائخ امیر غریب سب ننگے ہیں۔ انہوں نے بھی کپڑے اتار کر پھینک دیئے۔

تم جانتے ہو۔ اہل ایران کو جیسے نور کے چہرے خدا نے دیئے ہیں۔ ویسی ہی ڈاڑھیاں بھی دی ہیں۔ ان میں جو رکھنے والے ہیں وہی ان کی قدردانی بھی کرتے ہیں۔ حکیم صاحب کی ڈاڑھی بھی قابل تصور تھی۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ابتدائے ملازمت میں چوبیس پچیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک دن میں میر ابوالغیث بخاری کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ حکیم نے میری ڈاڑھی مقدار معمولی سے چھوٹی دیکھی۔ کہا۔ تم بھی قصر کرتے ہو (منڈاتے ہو) میں نے کہا حجام کی تقصیر ہے فقیر کی نہیں۔ حکیم نے کہا۔ پھر ایسا نہ کرنا بدنما اور نازیبا ہے۔ چند روز بعد لنڈ منڈ صفاچٹ رندوں لونڈوں سے بھی آگے نکل گیا۔ ایسی بال کی کھال اتارتا تھا کہ نوجوان مردوں کو دیکھ کر رشک آئے۔ ملا صاحب جو چاہیں فرمائیں۔ انہیں آقا کی تعمیل حکم یا مصلحت ملکی یا خوشی کے لئے کوئی کام کرنا اور بات ہے۔ بے دینی اور بات ہے۔ بے دینی جب ہے کہ اسے حلال شرعی سمجھ کر اختیار کرے۔ آزاد گنہگار روسیاہ کو ایسے معاملہ میں بولنا خود ناروا ہے۔ مگر بعض موقع ایسا آجاتا ہے کہ بولے بغیر رہا نہیں جاتا۔ اس زور شور کی دینداری۔ اکبر بادشاہ کے امام، باوجود اس کے ڈاڑھی کا شوق انہی فقروں سے معلوم ہو گیا۔ ستار بجاتے تھے، بین بجاتے تھے، گلے سے بھی گاتے تھے۔ دو دو شطرنج کھیلتے تھے۔ بس آگے نہیں کہا جاتا اور نہ کہنا مناسب ہے۔ خدا ستار العیوب ہے۔ کیا ضرور ہے کہ ناحق کسی کا پردہ فاش کروں اخلاق ذمیمہ کے لفظ پر اشتیاق منتظر تھا۔ کہ دیکھئے۔ کیا کیا شگوفے کھلائیں گے۔ مگر سند اس کی فقط وہی نکلی کہ انوری کو یہ کہتے تھے۔ اور خاقانی کو وہ کہتے تھے۔ ملا صاحب نے خود سینکڑوں کی خاک اڑا دی۔ عالم فاضل پیر

Marfat.com

فقیر غریب امیر کون ہے جو آپ کے قلم سے سلامت نکل گیا۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے مزاج شگفتہ، طبیعتیں شوخ، خیالات بلند، دل بڑھے ہوئے تھے۔ خود صاحب کمال تھے۔ دل ایک دریا ہے۔ ہزاروں طرح کی موجیں مارتا ہے۔ کبھی یہ رنگ بھی آ گیا۔ وہ خود اس فن کو لے کر بیٹھتے تو انوری و خاقانی سے ایک قدم بھی پیچھے نہ رہتے؟ بے شک میدانوں آگے نکل جاتے۔ ان کی انشا پردازی دیکھنی چاہو تو چار باغ دیکھو۔ خیالات شاعرانہ میں فلسفہ وحکمت کے پھول برس رہے ہیں۔ اور یہ گل افشانی جمع خرچ زبانی نہیں۔ فتاحی دیکھو۔ شیخ سینا کی روح کو آب حیات پلایا۔ قیاسیہ دیکھو۔ حکمت اور شریعت کا یہ عالم ہے کہ شربت وشیر کی دونہریں برابر بہی جاتی ہیں۔ ملا صاحب کی تحریریں پڑھتے پڑھتے میری رائے بھی بدلنے لگی تھی۔ مگر ایک واردات میری نظر سے گزری۔ ان کی محبت قومی اور ہمدردی نے تین سو برس کی راہ سے آواز دی اور میں اپنی جگہ تھم گیا۔

واردات:

شہباز خاں کنبوہ مسائل شرعی کے بڑے پابند تھے۔ یہاں تک کہ موقع پر برسر دربار بے لطفی ہو گئی۔ ایک دن شام کے قریب بادشاہ ٹہلتے تھے۔ چند مصاحب امرا ساتھ تھے۔ ان میں خان موصوف بھی تھے۔ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔ خان موصوف الگ ہوئے اور ایک طرف زمین پر اپنی شال بچھا کر نماز پڑھنے لگے۔ ان دنوں بادشاہ دینداروں سے تنگ تھے۔ اتفاق یہ کہ ٹہلتے ہوئے وہ بھی ادھر آ نکلے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ جب شہباز خاں نماز پڑھ کر آئے تو دیکھا کہ حکیم ابوالفتح اور پہلوؤں سے ان کی تعریف کر رہے تھے۔ مطلب اس سے یہی تھا کہ ان کی طرف سے دل میں غبار نہ آئے۔ اگر حکیم صاحب حقیقت میں بے دین یا دشمن اہل دین ہوتے تو شہباز خاں پر چھینٹا مارنے کا پہلو اس سے بہتر کب ہاتھ آتا۔

تصنیفات میں جو کہ نظر سے گزریں فتاحی شرح قانونچہ تخمیناً ۴۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔

قیاسیہ:

برائے نام اخلاق ناصری کی شرح ہے۔ حقیقت میں اس کے ایک ایک مسئلہ کو براہین فلسفہ پر مبنی ہے دلائل نقلی سے ثابت کیا ہے اور آیتوں اور حدیثوں سے مطابقت دی ہے۔ تخمیناً چودہ سو صفحہ کی کتاب ہوگی۔

چار باغ:

اس میں خطوط اور نثریں ہیں۔ اکثر حکیم ہمام اپنے بھائی، شیخ فیضی، شیخ ابوالفضل، خان خاناں،

Marfat.com

میر شمس الدین خاں خافی وغیرہ امرا اور اہل کمال کو لکھتے ہیں۔ نثروں میں اکثر مسائل حکمت پر خیالات ہیں یا بعض کتابوں کی سیر کر کے جو رائے قرار پائی اسے عمدہ عبارت میں ادا کیا ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ اور تصنیفیں بھی تھیں مگر نہیں ملتیں۔ ان کی شوخ طبعی نے بہت سے مقولے تجربوں کے ساتھ ترکیب دے کر ضرب المثل بنا رکھے ہیں چنانچہ انہیں میں سے ہیں۔ (۱) جس پر اعتبار کر لو وہی معتبر (اعتبار کسی کا نہیں)۔ (۲) ہمت کا دکھانا طمع کا دکھانا ہے۔ (۳) بدمزاج بننا چاہو تو بازاری مرد کو نوکر رکھو۔ عرفی نے ان کی تعریف میں کئی قصیدے کہے اور بڑی دھوم دھام سے کہے۔ حکیم صاحب نے بھی انہیں اس طرح رکھا کہ جب تک جیئے اور ان کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوئی۔ اس کے بعد خان خاناں کے پاس گئے۔ اگلے وقتوں میں عام دستور تھا کہ اگر اہل علم اور اہل کمال زمانے کی بے وفائی سے بے دست و پا ہو جاتے تھے اور صاحب دستگاہ انہیں سنبھال لیتے تھے کہ پردہ فاش نہ ہوتا تھا۔ افسوس ہے آج کے زمانے کا کہ اپنا ہی سنبھالنا مشکل ہے۔ کوئی کسی کو کیا سنبھالے۔ حکیم موصوف کی تعریف میں ملا ظہوری نے دکن سے قصیدے لکھ لکھ کر بھیجے اور وہیں صلے پہنچے۔

آزاد۔ عرفی کیا کہیں گے اور ظہوری کیا بھیجیں گے۔ انہیں کی مروتوں کے رس تھے جو ان کی زبانوں سے ٹپکتے تھے۔ میں نے حکیم صاحب کی تحریر سے آنکھیں روشن کی ہیں۔ ایک پرانا نسخہ قاموس دیکھا کہ جہانگیر اور شاہجہاں وغیرہ بادشاہوں کے کتب خانوں میں کرسی نشین ہوتا آیا تھا کتب خانہائے شاہی کی ۴ امہریں اس کے رتبہ عالی کے لئے محضر بناتی تھیں۔ اس کے ابتدائی صفحوں میں ان کے ہاتھ کی ایک عربی عبارت لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ خزانہ فاخر بلکہ دریائے ذاخر مجھے اس شخص نے دیا جسے خدا نے دونوں جہان کا کمال اور دونوں ملکوں کی ریاستیں دیں۔ مرزا خان خاناں۔ کہ نام کے نقطے بدل کر پڑھو تو فارسی میں جان جاناں ہے۔ کتبہ ابوالفتح الکیلانی الاصحابی۔

ان کے بیٹے حکیم فتح اللہ تھے۔ جہانگیر کے عہد میں کابل کے مقام پر خسرو کی سازش کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ کی تحقیقات شروع ہوئیں اور کئی شخصوں پر الزام ثابت ہوا۔ انہیں میں یہ بھی تھے۔ انہیں یہ سزا ملی کہ الٹے گدھے پر سوار کرتے تھے اور منزل بمنزل لئے آتے تھے۔ آخر اندھا کر دیا۔

شاہجہاں نامہ میں ایک جگہ نظر سے گزرا کہ حکیم ابوالفتح کا پوتا ضیاء اللہ نہ صدی منصب پر تھا۔ شاہ فتح اللہ شیرازی اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے غم میں شیخ فیضی کا خون جگر ہے کہ قصیدہ کے رنگ میں کاغذ پر ٹپکا ہے۔

Marfat.com

حکیم ہمام

ابتدائی حالات:

حکیم ابوالفتح سے چھوٹے تھے اور حق یہ ہے کہ علم و فضل اور حسن لیاقت میں ان کے بھائی تھے۔ ساتھ ہی آئے۔ ساتھ ہی ملازمت ہوئی۔ اصل نام ہمایوں تھا۔ اکبری دربار میں یہ نام لینا ترک ادب تھا۔ اس لئے چندروز ہمایوں قلی رہے۔ پھر اکبر ہی نے ہمام نام رکھا۔ انہیں باعتبار خدمتوں اور منصبوں کے اور فتوحات اور مہمات کے وہ ناموری حاصل نہیں ہوئی جو دربار اکبری کے اور ارا کین کو ہوئی۔ مگر جن لوگوں نے قربت حضوری اور وفا اور اعتبار سے دل میں جگہ پیدا کی تھی۔ ان میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ انتظام دفتر اور ضوابط و آئین کے لئے جو جلسہ مشورت ہوتے تھے۔ ان کے بھی رکن ہوتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کمیٹیوں کی روئدادیں آج نہیں جو معلوم ہو کہ ہر شخص کی قوت ایجاد نے ان معرلوں میں کیا کیا کارنامے دلھائے تھے۔ ان کی تقریریں اور اختلاف رائے اور ایک کی رائے دوسرے کی رائے میں اصلاح اور اس میں لطیف ظرائف کی چھلیں قابل دیکھنے کے ہونگی۔ ابو الفتح فیضی، میر فتح اللہ شیرازی اور یہ دونوں بھائی۔ راجہ ٹوڈرمل، نظام الدین بخشی وغیرہ اشخاص مہمات ملک اور معاملات دربار میں ایک جتھے کے لوگ تھے۔ فیضی کی انشا میں حکیم ہمام کے نام بہت خط ہیں جن کے دیکھنے سے اس وقت کے جلسے آنکھوں میں پھر جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زندہ دل اور عجیب شگفتہ مزاج لوگ تھے۔ اگرچہ منصب شش صدی سے زیادہ نہیں بڑھا مگر اعتبار سے زیادہ کیا ہوگا کہ دسترخوان خاصہ ان کے سپرد تھا۔

علم و فضل لیاقت اور قابلیت:

حق پوچھو۔ ایک تو ایک ہی نقطہ پوری کتاب کا حکم رکھتا ہے کہ ملا صاحب نے اس کی خاک اڑادی۔ اور ان کی برائی کا نکتہ نہیں چھوڑا۔ سب کچھ کہہ دیا ہے مگر علم و فضل اور لیاقت اور قابلیت پر حرف نہیں لائے۔ صاف سمجھ لو۔ کہ نہ پایا۔ ورنہ وہ کس سے چوکنے والے تھے۔ مخدوم اور صدر کہن

Marfat.com

سال بڈھے اپنے ہم مذہب تھے۔ان کی علیت کی وہ مٹی خراب کی ہے۔ان لوگوں کو ایسا ہی پایا تھا۔ جب اتنا کہا ہے اور کچھ شک نہیں ۔ یہ لوگ عجوبہ روزگار تھے۔جس طرح اکبر جیسا بادشاہ بااقبال ہونا مشکل ہے۔اسی طرح ایسے لوگ پیدا ہونے مشکل۔

زمانہ کے مزاجدان اور عالم کے نبض شناس

یہ فقط بادشاہ کے نہیں۔زمانہ کے مزاجدان اور عالم کے نبض شناس لوگ تھے۔اہل علم و اہل کمال کی کچھ اس وقت انتہا نہ تھی بے شمار موجود تھے۔آخر کچھ بات تھی کہ بادشاہ انہیں کا نام لے کر ہر وقت پکارتا تھا اور جو بات یا جو اصلاح پوچھتا تھا اس کا نتیجہ ایسا پاتا تھا کہ مزاج زمانہ اور مصلحت وقت کے موافق ہوتا تھا۔اور یہ سکہ نہ فقط شاہ بلکہ شاہزادوں تک کے دلوں پر نقش تھا۔خصوصاً جبکہ اپنے قومی نمک خواروں سے بے وفائیاں دیکھتے تھے اور بابر اور ہمایوں کے ساتھ ان کے معاملے یاد کرتے تھے تو ان کے استاد وفا کے حروف زیادہ روشن نظر آتے تھے۔دل کا حال ایک بات میں کھل جاتا ہے۔ تزک میں دیکھو جہانگیر کس محبت سے لکھتا ہے۔

ملکی خدمتیں:

ان کی ملکی خدمتیں سوا اس کے کچھ نہیں کہ جب عبداللہ خاں اوزبک نے مراسلہ اور ممالک ماوراء النہر کے تحائف دربار اکبری میں بھیجے تھے۔اور امیر قریش لے کر حاضر ہوا۔تو ۹۹۴ھ میں اس نے اس کا جواب اور تحائف گراں بہا مرتب کیے اور حکیم موصوف کو سفارت کی خدمت میں روانہ کیا۔ نامور مذکور میں کہ شیخ ابوالفضل کا لکھا ہوا ہے۔ان کے باب میں یہ الفاظ درج ہیں۔''افاضت و حکمت پناہ زبدہ مقربان ہوا خواہ۔عمدہ محرمان کارآگاہ حکیم ہمام کہ مخلص راست گفتار۔اور مرید درست کردار ہے اور ابتدائے سلطنت سے بساط قرب کا ملازم رہا ہے۔اس کی دوری اب تک کسی صورت سے تجویز نہیں ہوئی۔اب بنیاد محبت اور قواعد مودت کے استحکام کے لئے روانہ کرتے ہیں ہماری ملازمت میں اس کو وہ قرب حاصل ہے کہ مقاصد و مطالب کو بے کسی واسطے کے مقام عرض میں پہنچاتا ہے۔اگر آپ کی مجلس شریف میں بھی اسی اسلوب کی رعایت ہوگی۔تو گویا آپس میں بے واسطہ باتیں ہو جائیں گی۔''

بادشاہ کا اکثر یاد کرنا:

جب تک یہ توران میں تھے۔بادشاہ اکثر یاد کرتے تھے۔حکیم ابوالفتح سے کہا کرتے تھے۔حکیم

Marfat.com

یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا بھائی ہے۔ اس لئے تمہارا دل اس کے لئے ہم سے زیادہ بے چین ہے۔ حکیم ہمام کہاں پیدا ہوتا ہے۔ دسترخوان پر بھی کہا کرتے تھے۔ جب سے حکیم ہمام گیا۔ کھانے کا مزا جاتا رہا۔ (مآثر) یہ ادھر سے آنے والے تھے کہ ادھر حکیم ابوالفتح مر گئے۔ بڑی دلداری اور غمخواری سے فرمان تسلی ان کے نام روانہ کیا۔ اس میں میر فتح اللہ شیرازی کے مرنے کا بھی بہت افسوس کیا ہے۔ اس سفارت سے ۹۹۷ھ میں واپس آئے۔ اکبر اس وقت کابل کے دورے سے ہندوستان کو پھرا چاہتا تھا کہ یہ بھی قریب آن پہنچے۔ اشتیاق نے ایسا بے قرار کیا کہ جو ایلچی وہاں سے ساتھ آیا تھا اسے بھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی رستے میں چھوڑا۔ شوق کے پر لگا کر اڑے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے حضور میں آن پہنچے۔ پیارے آقا کی حضوری اور دوستوں کی ملاقاتیں جو تین برس کے بعد حاصل ہوئی تھیں بڑی خوشی کے ساتھ ہوتیں مگر بھائی کی موت نے سب کو بے مزہ کر دیا۔ یہ ملازمت بادشاہ کی اور گفتگوئیں احباب کی کہ ایک ایک ان میں ملک معنی کا بادشاہ تھا سننے کے قابل ہونگے۔ طالب آملی نے ایک رباعی کہہ کر سنائی۔

مہر دو برادرم کہ دمساز آمد — اوشد بسفر۔ ویں زسفر باز آمد
او رفت بدنبالہ او عمر برفت — ویں آمد و عمر رفتہ ام باز آمد

اکبر نے اسی وقت کہا کہ تیسرے مصرعہ کا دنبالہ بھدا ہے۔ یوں کہو ع

او رفت و زنقش مرا عمر برفت

مرتے کے ساتھ کون مر گیا:

مرتے کے ساتھ کون مر گیا ہے۔ چند روز کے بعد پھر وہی مصاحبت کے جلسے تھے اور یہ تھے۔ ایک دن انہوں نے معجم البلدان حضور میں پیش کی۔ اور کہا کہ اس میں بہت مفید اور دلچسپ مطالب ہیں۔ اگر فارسی میں ترجمہ ہو جائے تو اس کے فوائد عام ہو جائیں۔ چنانچہ عرض قبول ہوئی۔

تاریخ الفی کی تاریخ میں بھی انہوں نے حصہ پایا۔ مقام لاہور ۱۰۰۳ھ کے اخیر میں دنیا سے انتقال کیا اور حسن ابدال میں جا کر بھائی کے پاس سو رہے۔ شیخ کہتے ہیں۔ دو مہینے دق کی بیماری سے دق رہ کر قید ہستی سے چھٹ گئے۔ خوش قیافہ، بادشاہ گوہر، شگفتہ رو، فصیح زبان تھے۔ بندگان خدا کی کارسازی میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ دانش طبعی اور عقلی سے آشنا تھے۔ اور بکاول کی خدمت سے سربلند تھے۔ بادشاہ نے دعائے مغفرت کی۔ اور گوناگوں عنایتوں سے پس ماندوں کے دل بڑھائے۔ اب ملا صاحب کو دیکھو، ان کی ہمدردی انسانیت کا حق کیونکر ادا کرتے ہیں۔ ان کے

Marfat.com

مرنے کے باب میں فرماتے ہیں۔

حکیم حسن اور شیخ فیضی:

حکیم حسن، شیخ فیضی، کمالائے صدر (وہی شاہ فتح اللہ شیرازی والے) حکیم ہمام بہ ترتیب مہینے کے اندر اندر عالم سے نکل گئے۔ اور وہ سارے جمع کیے ہوئے مال ایک دم میں اپنے ٹھکانے پہنچے۔ دریائے قلزم وعمان میں بہے۔ ان کے ہاتھوں میں بادحسرت کے سوا کچھ نہ رہا۔ اور یہ بات تمام اہل قربت زندوں اور مردوں کے لئے عام ہے کہ باوجود خزائن قارونی وشدادی کے کفن سے محروم جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ زمرہ اطبا میں پھر لکھا ہے۔ حکیم ہمام، یہ ابوالفتح کا چھوٹا بھائی تھا۔ مگر اخلاق میں بڑے سے بہتر تھا۔ اگرچہ خیر محض نہ تھا مگر شریر محض بھی نہ تھا۔ آزاد۔ باوجودیکہ یہ لوگ شگفتہ مزاج تھے۔ مگر کسی کتاب میں ان کے اوضاع واطوار کے باب میں کوئی اشارہ خلاف وضع نظر نہیں آیا۔ ملا صاحب مالک ہیں جو چاہیں فرمائیں۔ حکیم ہمام کے دو بیٹے تھے۔ اول حکیم حاذق۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ فتح پور سیکری میں پیدا ہوئے۔ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو لڑکے تھے۔ چونکہ خاندان علم وحکمت سے تھے۔ بزرگوں کی بزرگی نے تحصیل علم پر مائل کیا۔ چند روز میں متعارف علموں میں دستگاہ پیدا کر کے شعر اور انشا پردازی میں شہرت حاصل کی۔ طب میں اس قدر مہارت نہ تھی۔ مگر اس میں بھی نام پیدا کیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں بزرگی واعتبار سے چہرے کو چمکایا۔ شاہجہاں کے عہد میں ہزار پانصدی شش صد سوار کا منصب پایا۔

والئی توران سے دوستی:

جہانگیر کے عہد میں جب شاہ عباس نے قندھار لے لیا۔ تو امام قلی خاں والئے توران نے سلسلہ دوستی کو جنبش دی۔ شاہ عبدالرحیم خواجہ جوئباری کو برسم سفارت بھیجا۔ اور لکھا کہ آپ ولی عہد دولت کو لشکر مناسب کے ساتھ بھیجئے۔ ادھر سے ہم بھی فوج لے کر پہنچیں گے۔ فتح خراسان کے بعد جو ملک آپ کو پسند ہوگا آپ لے لیجئے گا جو چاہئے گا ہمیں دے دیجئے گا۔ ایلچی یہاں پہنچا تھا اور گفتگو ہو رہی تھی کہ جہانگیر جہان سے رخصت ہوئے۔ ابتدائے دولت شاہجہانی میں خواجہ موصوف لاہور سے آ کر بلائے گئے اور چند ہی روز میں کسی بدترین امراض میں مبتلا ہو کر دار دنیا سے رخصت ہوئے۔ ادھر سے مراسلت کا جواب اور ایلچی کا بھیجنا واجب تھا۔ چونکہ اکبر کے عہد میں عبداللہ خاں اوزبک کے دربار میں ان کے والد ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کے تحائف مراسلہ محبت کے ساتھ لے کر گئے ... بی وخوش اسلوبی سے خدمت بجالائے تھے۔ اس لئے حکیم حاذق کو یہ خدمت سپرد

Marfat.com

ہوئی۔ وہاں سے آئے تو ۴ جلوس میں جو ہر فصاحت اور مزاج دانی کی قابلیت دیکھ کر عرض مکرر کی۔ خدمت سپرد ہوئی اور درجہ بدرجہ سہ ہزاری منصب پر اعزاز پایا۔

بدمزاج اور مغرور:

بدمزاج اور مغرور بہت تھے۔ رعونت اور خود بینی نے دماغ کو عجب بلندی پر پہنچایا۔ جب توران سے پھر کر آئے۔ اور کابل میں آکر ٹھہرے تو میر الٰہی ہمدانی کو خوش فکر سخن پرواز تھے ان کی ملاقات کو گئے صحبت موافق نہ ہوئی۔ انہوں نے یہ رباعی کہہ کر حق صحبت ادا کیا۔

دائم ز ادب سنگ و سبو نتواں شد | در دیدہ اختلاص مو نتواں شد
صحبت بحکیم حاذق از حکمت نیست | با لشکر خبط رو برو نتواں شد

ہر چند فن طب:

ہر چند فن طب کی تکمیل نہ کی تھی۔ مگر نام کے اعتبار پر اکثر امرا انہیں کا علاج کیا کرتے تھے چند روز شاہجہاں کی تاریخ دولت لکھتے رہے۔ جب اور سخن دان ادھر متوجہ ہوئے تو انہوں نے قلم اٹھالیا۔
شعر ان کے صاف اور پر حلاوت ہوتے تھے۔ طرز قدیم پر تازہ ایجادوں کا رنگ دیتے تھے۔ اور خوب کہتے تھے۔ مگر اپنے تئیں انوری پر فائق سمجھتے تھے۔ دیوان کو بڑے زرق و برق سے آراستہ کیا تھا۔ جب جلسے میں منگاتے تو ملازم کشتی مرصع میں رکھ کر لاتے تھے۔ سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے جو نہ اٹھتا اس سے ناراض ہوتے تھے۔ کوئی امیر بھی ہوتے تو اس سے بھی ناخوشی ظاہر کرتے تھے۔ سونے کی رحل پر رکھتے تھے اور پڑھ کر سناتے تھے۔ (مآثر)
پھر ترقی معکوس کی۔ چنانچہ اہل دعا کے لشکر میں ملازم ہو گئے اور ۲۰ ہزار وظیفہ پایا۔ ۱۸ جلوس میں کوئی ایسا دعا کا تیر لگا کہ ۲۰ کے ۴۰ ہو گئے۔ اکبر آباد کے گوشہ عزلت میں گزارہ کرتے تھے۔ مرآۃ العالم میں لکھا ہے کہ ۱۰۸۰ھ میں ملک عدم کو نقل مکان کیا۔

شعروشاعری کا شوق:

شعر کا بہت شوق تھا۔ حاذق تخلص کرتے تھے۔ قدما کے قدم بقدم چلتے تھے۔ عمدہ دیوان تیار کیا تھا۔ شاعر شیریں کلام تھے۔ مگر خود پسندی نے بات کو بدمزہ کر دیا تھا۔
مرزا سرخوش اپنے تذکرے میں ان کا حال بیان کرتے ہیں جب اشعار پر آتے ہیں تو فرماتے ہیں ایک شعر بہت مشہور ہے وہی سرقہ ہے ۔

Marfat.com

دلم ہیچ تسلی نمے شود حاذق بہار دیدم وگل دیدم وخزاں دیدم

ساتھ ہی اس کے یہ لکھتے ہیں کہ۔

لطیفہ۔ ملا شیدا ملاقات کو آئے۔ شعر خوانی ہونے لگی۔ حکیم صاحب نے مطلع فرمایا ۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

ملا پرانے مسخرے تھے۔ مسکرا کر بولے۔ ابھی ڈاڑھی نہ نکلی ہوگی جب یہ شعر کہا ہوگا۔ حکیم صاحب بڑے خفا ہوئے اور ملا صاحب کو پکڑ کر حوض میں غوطے دلوائے۔ شعر اسی طرح پڑھا کرتے تھے کہ معانی کی مورت بن جاتے تھے۔

دوم حکیم خوشحال۔ شاہزادہ خرم کے ساتھ پرورش پائی تھی۔ جب وہ شاہجہاں ہوئے تو یہ منصب ہزاری کو پہنچے اور فوج دکن کا بخشی بھی کر دیا تھا۔ مہابت خاں جب وہاں کا صوبہ دار ہوا تو ان کے حالات پر عنایت کرتا تھا۔ پھر حال معلوم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ باپ کے رتبے کو ایک نہ پاسکا۔ کاش اولاد کو کمال بھی میراث میں پہنچا کرتا۔

حکیم نورالدین قراری

سب سے چھوٹے بھائی شاعر دیوانہ مزاج تھے۔ قراری تخلص کرتے تھے۔ ۹۸۳ھ میں بھائیوں کے ساتھ یہ بھی آئے تھے۔ انہیں دربار اکبری میں نہ فضل وکمال کے اعتبار سے آنے کا حق نہ رتبے کے لحاظ سے۔ اس دربار میں اسی طرح چلے آئے۔ ملا صاحب کہتے ہیں کہ شعر خط اور کسب علمی میں انواع فضائل سے آراستہ اور صفت فقر اور انکساری سے متصف تھا۔ صاحب دیوان ہے۔ یہ کہا کرتے تھے کہ حکیم ابوالفتح ہمہ دنیاست وہمام ہمہ آخرت۔ اس واسطے دونوں سے الگ رہتے تھے۔

(ماثر الامرا)

بادشاہ کا اصل مافی الضمیر یہ تھا کہ ہمارے سب نوکر سب کچھ کر سکیں اس نظر سے اوائل حال میں بھائیوں کے ساتھ بھی خدمت عطا کی۔ یہاں تلوار باندھنی بھی نہ آتی تھی۔ ایک دن آپ چوکی سپرد کرتے وقت ہتھیار باندھ کھڑے ہوئے۔ تلوار بے اسلوب باندھی تھی۔ نوجوانوں میں سے کسی نے ہنس کر ٹوکا۔ آپ نے کہا۔ کہ صاحب ہم ملا لوگ ہیں۔ ہمیں سپاہگری سے کیا تعلق۔ ہمیں تو امیر صاحب قران نے پہچانا تھا۔ (امیر تیمور) انہوں نے لڑائی کے موقع پر لشکر جا کر اتارا۔ ہر ایک سردار

Marfat.com

اور ہر ایک زمرہ پیادہ اور سوار کے لئے خود مقام تجویز کرتے پھرتے تھے۔ بازار لشکر کو پیچھے جما کر فرمایا کہ بنجارے کے اونٹ اور خچروں کو ان سے بھی پیچھے رکھو۔ اور بیگمات کے خیمے ان کے پیچھے لگاؤ۔ اتنے میں علمائے بڑے بڑے پگڑ باندھے جبے اور عبائیں پہنے سامنے سے نمودار ہوئے۔ عرض بیگی نے دور سے دیکھتے ہی کہا کہ حضور ارباب العمائم کے لئے کون سا مکان؟ حضرت نے فرمایا بیگمات کے پیچھے اور مسکرا کر گھوڑے کو مہمیز کر گئے۔ لوگوں نے یہ لطیفہ اکبر تک بھی پہنچا دیا۔ چونکہ تربیت مدنظر تھی کہا کہ اسے بنگالہ بھیج دو۔ وہاں چند روز رہا۔ مظفر خاں والی بدعملی میں جہاں حکیم ابوالفتح بھاگے بھاگا بھاگ میں خدا جانے کہاں یہ بھی مارے گئے۔ وہ ایک آزاد طرح شہ مزاج شخص معلوم ہوتے ہیں۔ مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اکثر مقولے مشہور تھے۔ انہی میں سے ہے۔ (۱) اظہار ہمت خود اظہار طمع است۔ (۲) ملازم بازاری نگہداشتن خود را بہ جوگرفتن است۔ (۳) بر ہر کہ اعتماد کنی معتمد است۔ اس کتاب میں ہے کہ فاضل سخن طراز تھے اور شعر خوب کہتے تھے۔

——— ✿✿✿ ———

Marfat.com

شاہ فتح اللہ شیرازی

تعجب ہے کہ ایسا جلیل القدر فاضل اس کا حال نہ علمائے ایران نے اپنے تذکروں میں لکھا نہ علمائے ہندوستان نے۔ بہت تذکرے دیکھے۔ کہیں نہ پایا۔ ناچار جس طرح کتابوں کے ورق ورق بلکہ سطر سطر دیکھ کر اور امرائے اکبری کے حالات چنے اسی طرح ان کے حالات بھی پھول پھول بلکہ پتی پتی چن کر ایک گلدستہ بناتا ہوں۔

ابتدائی حالات:

سید تھے اور وطن شیراز تھا۔ جب تحصیل سے فارغ ہوئے تو شہرہ کمال کا نور صبح صادق کی طرح عالم میں پھیلا۔ کمال الدین شیروانی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی کے شاگرد تھے۔ ملا امین احمد رازی نے ہفت اقلیم میں اتنا زیادہ لکھا ہے۔ ابتدا میں فنائے دنیا کے خیالات دل پر چھائے تھے۔ ضروریات علمی حاصل کر کے اہل عبادت اور گوشہ نشینوں کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ اور اکثر میر شاہ میر مکنہ کی صحبت کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس عرصے میں اہل علم اور صاحبان فضل کی تقریروں پر راغب ہوئے۔ اس لئے درس وتدریس کے حلقے میں داخل ہوئے۔ رفتہ رفتہ خواجہ جمال الدین محمود کے درس میں گئے۔ پہلے ہی دن حاشیہ میر پر پڑھنے بیٹھے۔ پڑھتے جاتے تھے اور خود بھی تقریر کرتے جاتے تھے۔ اس دن ایسے مطلب دقیق اور معانی لطیف ان سے ادا ہوئے کہ حاضرین حیران رہ گئے۔ اس ملک میں دستور ہے کہ جب شاگرد سبق پڑھ چکتا ہے۔ تو اٹھ کر اپنے استاد کی خدمت میں تعظیم وتکریم بجالاتا ہے۔ انہوں نے چاہا کہ کھڑے ہو کر لوازم تعظیم ادا کریں۔ خواجہ صاحب نے سبقت کر کے خود سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ یہ! آج تم نے ہمیں مستفیض کیا۔ چنانچہ چند روز میں منتہی ہو کر خود علم کے پیاسوں کو سیراب کرنے لگے۔ پھر دکن میں آ کر والی بیجاپور کے دربار میں منصب وکالت پایا۔ وہ مر گیا تو دربار اکبری میں آئے اور عضد الدولہ خطاب ملا وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

شیراز سے بلانا:

محمد قاسم فرشتہ فرماتے ہیں۔ کہ علی عادل شاہ بیجاپور نے جب ان کے اوصاف سنے تو ہزار آرزوؤں سے لاکھوں روپے اور خلعت وانعام بھیج کر شیراز سے بلایا۔ بادشاہ مذکور نے امارت کے اعزاز سے رکھا اور خلوت وجلوت میں مصاحبت کے ساتھ رہے۔ ۹۸۸ھ میں ابراہیم عادل شاہ کا دور ہوا۔ اس نے انہی کی سعی اور تدبیر سے تاج وتخت پایا۔ چنانچہ دربار میں اعزاز واحترام کے ساتھ ارکان دولت میں داخل تھے مگر دل سے خوش نہ تھے۔ اور خوش کیا رہتے۔ وہاں کا حال اگر معلوم نہیں تو سہ نثر ظہوری ہی کو دیکھ لو۔ انتہا ہے کہ حمد ہے تو راگ میں۔ نعت ہے تو اسی سہاگ میں کتاب ہے تو نورس۔ شہر ہے تو نورسپور، باغ ہے تو نور بہشت۔ خدا رسول، دین ایمان، ذہن کی جودت، طبیعت کی ایجاد سب اس میں خرچ ہوتے تھے۔

لطیفہ۔ جس طرح ستار تنبورا۔ بین وغیرہ ساز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک ساز ایجاد کیا تھا۔ اس کا نام رکھا تھا۔ موتے خاں۔ اس کی بڑی تعظیم تھی۔ درگاہ کی طرح پجتا تھا۔ ہاتھی پر چڑھ کر عماری میں بیٹھتا تھا۔ ماہی مراتب۔ علم ونقارہ اس کے آگے چلتا تھا۔ غرض کیا دربار کیا محل آٹھ پہر ناچ رنگ گانے بجانے کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ ڈوم ڈھاڑے، گایک نایک، سپر دائی اس کی صحبت میں مصاحب تھے۔ شاہ فتح اللہ شیرازی کجا اور یہ باتیں کجا۔ ہندوستان میں اکبری اقبال کا نشان آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ علما کے جلسے اور علوم کے چرچے ہوتے تھے۔ ایرانی اہل کمال آتے تھے۔ اور اعلیٰ رتبے اعزاز کے حاصل کرتے تھے۔ خبریں سن سن کر ان کے دل میں بھی شوق لہریں مارتا تھا۔ مگر آنہ سکتے تھے۔ کیونکہ ایشیائی حکومتوں میں ایسی باتوں کی روک ٹوک بہت تھی۔ اور کبھی کبھی جان سے بھی ضائع کر دیتے تھے۔ اکبر کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انہیں فرمان بھیجا۔ ادھر خود ابراہیم عادل شاہ کو لکھا۔ راجہ علی خاں حاکم خاندیس سے بھی تحریک ہوئی۔ غرض کہ ۹۹۱ھ میں روانہ دربار ہوئے۔ اب دیکھیے ملا صاحب کے غصے حروف والفاظ کے رنگ میں کیونکر پیچ وتاب کھا کر نکلتے ہیں۔ اور غصہ بجا ہے۔ غیر ملک کا عالم اس طرح بڑھ جائے اور چڑھ جائے اور ہم وہی ملا کے ملا۔ مگر ان کے واقعہ نگاری کو ہزار آفرین ہے۔ کہ میر موصوف کے علم وفضل سے انکار نہ کیا۔ البتہ اس پر خاک خوب ڈالی۔ خیر فرماتے ہیں۔

علم وفضل:

ربیع الاول ۹۹۰ھ میں سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی کہ وادی الٰہیات، ریاضیات، طبیعات

Marfat.com

اور کل اقسام علوم عقلی و نقلی اور طلسمات و نیرنجات و جراثقال میں اپنا نظیر زمانے میں نہیں رکھتا۔ فرمان طلب کے بموجب عادل خاں دکنی کے پاس سے فتح پور میں پہنچا خان خاناں اور حکیم ابوالفتح حسب الحکم استقبال کے لئے گئے۔ اور لا کر ملازمت کروائی۔ صدارت کے منصب پر کہ سیاہ نویسی سے زیادہ بات نہیں ہے۔ (گویا کچھ بڑی بات نہیں) اعزاز پایا تا کہ غریبوں کی زمینیں کاٹنے نہ کہ دیوے۔ اور پرگنہ بساور بے داغ و محلی جاگیر میں ملا سن چکے تھے کہ میر غیاث الدین منصور شیرازی کا بے واسطہ شاگرد ہے۔ وہ نماز اور عبادت کے چنداں مقید نہ تھے۔ اس لئے خیال تھا کہ مذہبی باتوں میں ہمارے ساتھ ہو جائیگا۔ مگر اس نے اپنے مذہب کے میدان میں استقلال دکھایا۔ باوجود حب جاہ اور دنیا داری اور امراپرستی کے تعصب مذہب کے نکتوں سے ایک دقیقہ نہ چھوڑا۔ عین دیوان خانہ خاص میں جہاں کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ علانیہ نماز پڑھ سکے۔ وہ بہ فراغ بال و جمعیت خاطر با جماعت مذہب امامیہ کی نماز پڑھتا تھا۔ چنانچہ یہ بات سن کر زمرہ اصحاب تقلید سے گننے لگے اور اس معاملے سے چشم پوشی کر کے علم و حکمت اور تدبیر اور مصلحت کی رعایت سے پرورش میں ایک دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مظفر خاں کی چھوٹی بیٹی سے اس کی شادی کر کے اپنا ہمزلف بنایا۔ منصب وزارت میں راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ شریک کیا۔ وہ راجہ ساتھ خوب دلیری سے کام کرنے لگا۔ مگر دارومدار کے ساتھ کرتا تھا۔

آزاد۔ ملا صاحب خفا ہوتے ہیں کہ مظفر خاں ادھر شاہ منصور کی طرح راجہ سے کیوں لڑتے جھگڑتے نہ رہے۔ اور یہ اس مدرسے کے مدرس تھے۔ جہاں اپنی رائے اور تجویز اتنا ہی اختیار دیتی ہے۔ کہ سلامت روی اور صلاحیت کے ورق کو ہوا بھی حرکت نہ دے۔ پھر فرماتے ہیں۔ امرا کے لڑکوں کی تعلیم کی پابندی اختیار کی تھی۔ ان کے گھروں پر روز جاتا تھا۔ سب سے پہلے حکیم ابوالفتح کے غلام کو بھی شیخ ابوالفضل کے بیٹے کو اور اور امیرزادوں کو سات آٹھ برس کے بلکہ ان سے بھی چھوٹے چھوٹوں کو میاں جی بن کر پڑھاتا تھا اور لفظ اور خط اور دائرہ ابجد بلکہ اب جد بھی سکھاتا تھا۔

مشت اطفال نو تعلم را　　لوح ادبار در بغل منہید

مرکبے را کہ زاندہ عرب است　　داغ یونانش بر کفل منہید

لاحول ولاقوۃ ایسے مشتبہ الفاظ کے شعر اس موقع پر افسوس۔ افسوس۔

اور کندھے پر بندوق، کیسہ دار و کمر سے باندھ کر قاصدوں کی طرح جنگل میں سواری کے ساتھ دوڑتا تھا۔ غرض جس علم کی شان جا چکی تھی۔ اسے خاک میں ملا دیا۔ اور باوجود ان سب باتوں کے اپنے اعتقاد کے استقلال میں وہ پہلوانی کی۔ کہ کوئی رستم نہ کریگا۔ آنے کی تاریخ ہوئی۔ ع

شاہ فتح اللہ امام اولیا

Marfat.com

ایک شب اس کے سامنے بیربر سے کہہ رہے تھے۔ یہ بات عقل کیونکر مان لے۔ کہ کوئی شخص ایک پلک مارتے باوجود اس گرانی جسم کے بستر سے آسمان پر جائے۔ اور نوے ہزار باتیں گو ملو خدا سے کرے اور بستر ابھی گرم ہو کہ پھر آئے اور لوگ اس دعوے کو مان لیں۔ اسی طرح شق قمر وغیرہ۔ ایک پاؤں اٹھا کر سب کو دکھاتے تھے اور کہتے تھے۔ ممکن نہیں کہ جب تک ایک پاؤں کا سہارا نہ رہے ہم کھڑے رہ سکیں۔ یہ کیا بات ہے؟ وہ اور اور بد بخت گم نام آمنا وصدقنا کے دم بھرتے تھے۔ اور تائید کر کے تقویت دیتے تھے۔ مگر شاہ فتح اللہ باوجودیکہ بادشاہ دم بدم اس کی طرف دیکھتے تھے۔ اور مطلب بھی اسی سے تھا۔ کہ نیا نیا آیا تھا۔ اور اسے پھانسنا منظور تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ چپ سنے جاتا تھا۔ ایک حرف نہ بولتا تھا۔ دربار اکبری کے دیکھنے والے ان کے حال سے اس عقیدت اور خدمت گزاری کا سبق پڑھیں جس سے باوجود نئی ملازمت کے عظمت اور اعتباروں میں سے کسی پرانے نمک خوار سے پیچھے نہ رہے۔

عضد الدولہ میر فتح اللہ امین الملک:

۹۹۳ھ میں عضد الدولہ میر فتح اللہ امین الملک ہو گئے۔ حکم ہوا کہ راجہ ٹوڈرمل مسرف دیوان کل مہمات مالی وملکی ان کی اصلاح وصواب دید سے فیصلے کیا کریں۔ شاہ موصوف کو یہ بھی حکم دیا کہ مظفر خاں کے عہد دیوانی کے بہت سے معاملے ملتوی پڑے ہیں۔ انہیں فیصلہ کر کے آگے کیلئے رستہ صاف کر دو۔ اور جو باتیں قابل اصلاح معلوم ہوں۔ عرض کرو۔ انہوں نے شلہائے مقدمات کو نظر غور سے دیکھا۔ نہ دفتر وہ اہل دفتر کی رعایت کی۔ نہ اہل مقدمہ کا لحاظ کیا۔ دونوں سے بے لگاؤ ہو کر امور اصلاح طلب کی ایک فہرست تیار کی۔ اور آسانی کیلئے اپنی رائے بھی لکھی۔ وہ دفتری جھگڑے، تحصیل مالی، تنخواہ سپاہی اور مقدمات دیوانی کے جنجال ہیں۔ دربار اکبری میں سجانے کے قابل نہیں۔ آزاد انہیں یہاں نہیں لاتا۔ اتنا ضرور ہے کہ نکتہ رسی کی کھال اتاری ہے۔ اور خیر اندیشی کا تیل نکالا ہے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا حرف بحرف منظور ہوا۔ اور کاغذ مذکور اکبرنامے میں داخل ہوا۔

تسخیر دکن کا ارادہ:

اسی سنہ میں تسخیر دکن کا ارادہ ہوا۔ خان اعظم کوکلتاش خاں کو سپہ سالار کیا اور امرائے عظام کو لشکر وافواج کے ساتھ ادھر روانہ کیا۔ شاہ فتح اللہ مدت تک اس ملک میں رہے تھے۔ اور ایک بادشاہ کے مصاحب خاص ہو کر رہے تھے۔ اس لئے صدارت کل ہندوستان کی ان کے نام ہو گئی۔ پانچ ہزار روپے، گھوڑا اور خلعت عطا فرما کر اعزاز بڑھایا اور حکم دیا۔ کہ اس مہم میں جائیں اور امرا میں اس

Marfat.com

طرح ہوں۔ جیسے نولکھے ہار میں بیچ کا آویزہ۔ ملا صاحب لکھتے لکھتے خفا ہو کر کہتے ہیں۔ کمالائے شیرازی اس کے نوکر کو اس کی نیابت پر رکھ لیا کہ آئمہ مساجد جو خال خال مقطوع الاراضی رہ گئے ہیں۔ ان کا کام تمام کر دے۔ اب صدارت کمال کو پہنچی رفتہ رفتہ یہ ہو گیا کہ شاہ فتح اللہ اس اختیار اور جاہ وجلال پر پانچ بیگھہ زمین کے دینے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ بڑی بڑی زمینیں ضبط کرنے میں کفایت سرکار سمجھتا تھا۔ وہ زمینیں بھی ویران ہو کر ویسے ہی دام و دو کا مسکن ہو گئیں۔ نہ ان اماموں کی ہوئیں۔ نہ رعیت کی۔ ان کی مظلمی صدروں کے نامہ عمل میں رہ گئی۔ اور ان کا بھی نشان نہ رہا۔

از صدور عظام باقی نیست | در دل خاک جز عظام صدور

دکن کی داستان طویل:

دکن کی داستان طویل ہے۔ مختصر کیفیت یہ ہے۔ کہ راجی علی خاں خاندیس کا پرانا فرماں روا تھا۔ اور فوج وخزانہ، عقل وتدبیر اور بندوبست ملکی سے ایسا چست ودرست تھا کہ تمام دکن اس کی آواز پر کان لگائے رہتا تھا۔ اور وہ سلاطین وامرا میں دکن کی کنجی کہلاتا تھا۔ شاہ فتح اللہ بھی اس ملک میں رہ کر آئے تھے اور علاوہ علم وفضل کے امور ملکی میں قدرتی مہارت رکھتے تھے۔ اور حکام وامرا سے ہر طرح کی رسائی حاصل تھی۔ اکبر نے خان اعظم کو سپہ سالار کیا۔ بہت سے امرا صاحب طبل وعلم با فوج ولشکر ساتھ کئے۔ میر موصوف کو ہمراہ کیا کہ ہو سکے تو راجی علی خاں کو لے آئیں۔ یا راہ اطاعت پر لائیں۔ اور اس کے علاوہ اور امرائے سرحدی کو بھی موافقت پر مائل کریں۔ لیکن خان اعظم کی بے تدبیری اور سینہ زوری سے مہم بگڑ گئی (دیکھو ان کا حال) شاہ فتح اللہ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ بڑی بات یہ ہوئی۔ کہ ناچاری اور ناکامی کے کارواں میں شامل ہو کر خان خاناں کے پاس چلے آئے۔ احمد آباد گجرات میں بیٹھے اور اطراف وجوانب میں کاغذ کے گھوڑے دوڑانے لگے۔ مطلب یہ تھا۔ کہ جو کام خان اعظم کو ساتھ لے کر کرنا تھا۔ وہ ہم خان خاناں کو لے کر کریں گے۔ اور عجب تھا کہ وہ اس راہ میں منزل کو پہنچے۔

۹۹۳ھ میں اکبر نے توران کو ایلچی بھیج کر ادھر سے خاطر جمع کی اور احتیاطاً لاہور میں ٹھیرا۔ ساتھ ہی کشمیر پر مہم شروع ہو گئی۔ اس وقت اہل مشورہ میں یہ نکتہ تنقیح طلب تھا۔ کہ توران پر مہم کی جائے یا نہیں۔ مگر اصل میں معاملہ قندھار کا تھا کہ اس پر فوج کشی کریں یا نہیں۔ اور کریں تو بھکر اور سندھ کو فتح کر کے آگے بڑھنا چاہئے۔ یا اسے کنارے چھوڑیں اور قندھار پر چڑھ جائیں۔ چنانچہ خان خاناں اور شاہ فتح اللہ کو بلا بھیجا کہ ان کی رائے پر بڑا بھروسہ تھا۔ وہ اونٹ اور گھوڑوں کی ڈاک

Marfat.com

بٹھا کر دوڑے۔اور مہینوں کی منزلیں پندرہ دن میں لپیٹ کر لاہور میں آن داخل ہوئے۔ پھر انہیں دربار سے جدا کیا۔

۹۹۷ھ کے حالات میں ملا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں جو رامائن کا ترجمہ کر رہا تھا ایک دن (بادشاہ نے) اس کا خیال کر کے حکیم ابوالفتح سے فرمایا۔ یہ یہ شال خاصہ اسے دیدو۔ کہہ دو کہ گھوڑا اور خرچ بھی ملے گا۔ شاہ فتح اللہ عضد الدولہ کو حکم ہوا کہ بساور دربست تمہاری جاگیر رہی۔ آئمہ مساجد کی جاگیریں بھی تمہیں عنایت ہوئیں۔ اور میرا نام لے کر فرمایا کہ اس بداؤنی جوان کی مدد معاش ہم نے بساور سے بداؤں کو منتقل کر دی۔ شاہ فتح اللہ نے ہزار روپے کے قریب تھیلی میں پیش کئے (اصل بات یہ تھی کہ) اس کے شقدار (تحصیلدار) نے بطور تغلب کے بیووں اور یتیمان نامراد کے حق میں پرگنہ بساور میں ظلم وتعدی سے بچائے تھے۔ تہمت یہ کہ آئمہ حاضر نہیں۔ شاہ نے (مضمون رنگا رنگ بدل کر) کہا کہ میرے عاملوں نے آئمہ کے حساب میں یہ روپیہ بطور کفالت نکالا ہے۔ فرمایا۔ بشما بخشیدم۔ غرض شاہ نے مجھے فرمان درست کر کے دیدیا۔ اور تین مہینے نہ گزرے تھے کہ شاہ گزر گئے۔

۹۹۷ھ میں بادشاہ کے ہمرکاب کشمیر کو گئے اور جاتے ہی بیمار ہو گئے۔ رفتہ رفتہ بیماری نے طول کھینچا۔ ان کی خلوص وفاداری اور فضائل وکمالات اور اکبر کی محنت ومرحمت کا وزن اکبرنامے کی عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ شیخ لکھتے ہیں۔ کہ بادشاہ خود عیادت کو گئے اور بہت تسلی اور دلداری کی۔ چاہتے تھے کہ ساتھ لے کر چلیں۔ مگر ضعف قوی ہو گیا تھا۔ اس لئے خود کابل کو روانہ ہوئے حکیم علی کی رائے میں خطا معلوم ہوئی۔ اس لئے حکیم حسن کو ان کے پاس چھوڑ آئے۔ اثنائے راہ میں حکیم مصری کو بھیجا کہ معالجے میں رائے شامل کریں۔ افسوس کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ملک بقا کو روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کو بیخ رنج ہوا۔ اور زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ کہ میر ہمارے وکیل تھے۔ طبیب تھے۔ منجم تھے، جو ہمارے دل کو صدمہ ہوا ہم ہی جانتے ہیں۔ اس درد کا وزن کون کر سکتا ہے۔ اگر اہل فرنگ کے ہاتھ میں سیر پڑ جاتے اور وہ قدر ناشناس اس کے عوض میں تمام خزائن بارگاہ سلطنت کے مانگتے تو ہم بڑی آرزو سے سودا کر لیتے کہ بڑا نفع کمایا اور جواہر بے بہا بہت ارزاں خریدا۔ یہ حیران انجمن ہستی (بندہ ابوالفضل) سمجھا ہوا تھا کہ عقلی تعلیمی کا کارواں لٹ کر رستہ بالکل بند ہو گیا ہے۔ اس معنوی بزرگ کو دیکھ کر رائے بدلی تھی۔ اس سرمایہ علم پر راستی، درستی، معاملہ دانی میں گوہر نایاب تھا۔ حکم ہوا کہ سید علی ہمدانی کی خانقاہ سے اٹھا کر کوہ سلیمان کے دامن میں سلا دو۔ کہ دل کشا مقام ہے۔ ان دنوں میں بعض امرا کو امورات سلطنت کے باب میں جو فرمان جاری ہوئے ہیں۔ ان میں بھی شاہ کے

Marfat.com

مرنے کا حال بہت افسوس کے ساتھ لکھوایا ہے۔

ملا صاحب نے جس طرح ان کے مرنے کا حال لکھا ہے۔ میں اسے پڑھ کر سوچتا رہ گیا۔ کہ ایسے صاحب کمال کے مرنے کا افسوس کروں۔ یا ملا صاحب کی بے دردی کا ماتم کروں۔ جس خیال سے انہوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ان دنوں میں علامہ عصر شاہ فتح اللہ شیرازی نے کشمیر میں تپ محرق پیدا کی۔ خود طبیب حاذق تھا۔ علاج یہ کیا کہ ہریسہ کھایا۔ ہر چند حکیم علی منع کرتا تھا، مانتا نہ تھا۔ آخر اجل کا متقاضی گریبان پکڑ کر کھینچتا کھینچتا دار بقا کو لے گیا۔ تخت سلیمان میں کہ شہر کشمیر کے پاس ہی ایک پہاڑ ہے۔ سید عبداللہ خاں چوگان بیگی کی قبر کے پاس دفن ہوا تاریخ ہوئی۔ فرشتہ بود۔ خیر گزر گئی کہ گول مول عبارت میں غصہ نکل گیا۔ ملا احمد اور میر شریف املی کو اور جہاں کوئی ان کے پالے پڑ گیا ہے۔ وہ صلواتیں سنائی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ فحش کے مشاہدے کی گواہی دے گئے ہیں۔ انکی طبیعت کا یہ عالم ہے کہ شیعہ کا نام سنتے ہی غصہ آجاتا ہے۔ شکر یہ بجالاؤ کہ فضائل علمی اور اوصاف وکمالات کو خاک سیاہ نہ کر دیا۔ خیر تھوڑی خاک ڈال دی۔ اس کا تمہیں بھی خیال نہ کرنا چاہئے۔ جو کچھ عنایت ہوئی۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میر علم وفضل میں کیسائے روزگار تھے۔ اس نے ملا صاحب کے علم دوست دل میں محبت کو گرمایا اور شیعہ بھی تھے۔ مگر جہاں جہاں ان کا ذکر آیا ہے اس سے بے تہذیبی یا کسی غیر مذہب کے باب میں بدکلامی نہیں پائی گئی۔ اپنے مذہب کو علم وفضل کی شاہی لئے آہستگی وشائستگی کے ساتھ نکل گئے۔ اس لئے باانصاف مورخ کا قلم بھی بدی کے الفاظ کو لے گیا۔ میرے شیعہ بھائی سلامت روی اور اہلیت کا رستہ ان لوگوں سے سیکھیں۔ لیکن ملا صاحب بھی زبردست ملا ہیں۔ جرم تشیع کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور دینی چاہیے تھی۔ یہی کہہ دیا کہ اتنا بڑا عالم ہو کر بادشاہ کے ساتھ شکار میں دوڑتا پھرتا ہے۔ امرا کے گھر جا کر ان کے لڑکوں کو پڑھاتا ہے۔ شاگردوں کو پڑھاتا ہے تو برا بھلا کہتا جاتا ہے۔ کوئی شاگرد صاحب کمال اس کے دامن سے پل کر نہیں نکلا۔ اچھا حضرت یہ بھی غنیمت ہے۔

دو گالیاں کہ بوسہ۔ خوشی پر ہے آپ کی　　　رکھتے فقیر کام نہیں رد وکد سے ہیں

صرف ساجی نے ان کے رنج کو حکیم ابوالفتح کے غم سے ترکیب دیکر عمدہ مادہ تاریخ کا نکالا ہے ۔

امروز دو علامہ ز عالم رفتند　　　رفتند و موخر و مقدم رفتند

چوں ہر دو موافقت نمودند بہم　　　تاریخ شد کہ ہر دو باہم رفتند

بزرگان باخبر سے معلوم ہوا ہے۔ کہ شاہ مرحوم کاغذات پر جو دستخط کرتے تھے تو فقط فتحی یا فتحی شیرازی لکھا کرتے تھے۔ فتح سے اختصار منظور تھا یا تخلص ہوگا۔ شاید شعر بھی کہتے ہونگے۔ مگر کوئی شعر

Marfat.com

آنکھوں یا کانوں سے نہیں گزرا۔

ذات کا حال:

ذات کا حال فقط اتنا ہی معلوم ہے۔ کہ سید تھے۔ ملا صاحب نے بھی اتنا ہی لکھا کہ۔ ''سادات شیراز سے تھے۔'' نہ معلوم ہوا کہ کس امام کی اولاد میں سے تھے۔ اور کس خاندان سے منسوب تھے۔ اور عمر کیا پائی۔ پہلے شاہ فتح اللہ مشہور تھے۔ اکبر میر فتح اللہ کہنے لگے۔ اس لئے تھوڑے مورخ میر فتح اللہ لکھتے ہیں۔ تعلیم وتربیت کا سلسلہ شیخ ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتے ہیں۔ کہ خواجہ جمال الدین، مولانا کمال الدین شیروانی، مولانا احمد کرد سے بہت علم حاصل کیا مگر عقل وفہم کو ان سے بہت اونچے درجے پر جا رکھا۔ ملا صاحب نے مولانا غیاث الدین کا شاگرد لکھ کر جو کچھ کہا دیکھ ہی لیا۔ اور پھر زمرہ علما میں درج کر کے فرماتے ہیں۔ اعلم علمائے زمان مدتوں حکام واکابر فارس کا پیشوا رہا۔ تمام علوم عقلی ونقلی حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، طلسمات، نیرنجات، جراثقال خوب جانتا تھا۔ اس فن میں وہ رتبہ رکھتا تھا کہ اگر بادشاہ متوجہ ہوتے تو رصد باندھ سکتا تھا (خصوصاً کلوں کے کام میں بہت خوب ذہن لگتا تھا) علوم عربیہ اور حدیث وتفسیر میں بھی نسبت سادات تھی۔ اور خوب خوب تصنیفات کی تھیں۔ مگر ملا مرزا جان ❶ شیرازی کے برابر نہیں جو ماوراء النہر میں مدرس یکتا۔ پرہیزگار یگانہ روزگار ہے۔ میر فتح اللہ اگرچہ مجلسوں میں نہایت خلیق، متواضع، نیک نفس تھا۔ مگر اس ساعت سے خدا کی پناہ ہے۔ کہ جب پڑھا رہا ہو۔ فحش الفاظ رکیک اور ہجو کے سوا شاگردوں کیلئے کوئی بات زبان پر آتی ہی نہ تھی۔ اسی واسطے لوگ اس کے درس میں کم جاتے تھے۔ اور کوئی شاگرد رشید بھی اس کے دامن سے نہ اٹھا چند روز دکن میں رہا۔ عادل خاں وہاں کے حاکم کو میر سے عقیدت تھی۔ ملازمت بادشاہی میں آیا تو عضد الملک خطاب پایا۔ کشمیر میں ۹۹۷ھ میں مر گیا۔

فضیلت وقابلیت:

آپ کی فضیلت وقابلیت کا نمبر ملا صاحب نے یہ لگایا ہے۔ شیخ ابوالفضل نے وہ فقرہ لکھا ہے۔

❶ ملا صاحب کی قدر دانی پر قربان جائے۔ ملا مرزا جان کو آنکھوں سے دیکھا نہیں۔ کانوں سے بات سنی نہیں۔ نمبر لگا دیا۔ انہیں تو شاہ فتح اللہ بیچارے کا گرانا تھا اور نہ لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ مگر وجہ ترجیح کی بے اختیار قلم سے ٹپک گئی۔ وہی پرہیزگاری۔ مگر یہ بھی یاد رہے وہ یہاں آئے نہیں۔ آتے تو ان سے کئی حصے زیادہ ان کا خاکہ اڑاتے۔ میں نے کتابوں میں ان کے حالات بھی پڑھے ہوئے ہیں۔ خدا آزاد کے قلم سے کسی کا پردہ فاش نہ کرے۔

Marfat.com

اور پھر ایک مقام پر اس سے بڑھ کر لکھا۔ اگر علوم عقلی کی پرانی کتابیں نابودی کی رونق پر جائیں تو نئی بنیاد رکھ دیتے۔ اور جو جو کچھ گیا اس کی پروانہ کرتے۔ جو ہر عالی تھا اور عالی ذات تھے۔ یا دہ حکمت رچی بچی ہوئی تھی اور عقل مرجبہ نے حق تلاشی کی آنکھ پر پردہ نہ ڈالا تھا۔ محمد شریف معتمد خاں بھی اقبال نامہ میں لکھتے ہیں۔ علمائے متاخرین میں میر فتح اللہ اور ملا مرزا جان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔ مگر میر کی تیزی فہم اور قوت ادراک ملا پر فایق تھی۔ اگر آج تینوں صاحب موجود ہوتے تو آمنے سامنے بٹھا کر باتیں سنتے اور تماشا دیکھتے۔

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے　　　　ہم اور بلبل بیتاب گفتگو کرتے

مگر ملا صاحب کے سامنے کس کا منہ تھا جو بول سکتا۔ سب طرف سے بند ہوتے تو کافر ہی بنا کر اڑا دیتے یہ بھی فرماتے ہیں کہ۔ ''ہر فن میں شاہ کی اچھی اچھی تصنیفات تھیں۔'' مگر افسوس کہ آج کچھ بھی نہیں ملتا۔ جو ہے وہ سند ہے۔

ایک رسالہ حالات کشمیر و عجائبات کشمیر میں لکھا تھا۔ وہ حسب الحکم اکبر نامہ میں داخل ہوا۔

خلاصۃ المنہج:

ایک مشہور تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ ملا فتح اللہ کی تفسیر کہلاتی ہے۔

منہج الصادقین:

ایک مفصل و مبسوط تفسیر کمیاب بلکہ ہند میں نایاب ہے۔ شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں مجملاً اتنا لکھا ہے کہ ''علوم و فنون میں مفید تصنیفیں لکھی تھیں اور ایک تفسیر بھی مفصل لکھی تھی۔

تاریخ الفی:

تاریخ الفی کی تالیف میں بھی شامل کیے گئے۔ اور سال دوم کی تحریر ان کے سپرد ہوئی۔ (دیکھو ملا صاحب کے حال میں)

زیچ جدید:

تاریخ الٰہی اکبر شاہی کا ایک حصہ ان کی زیر نگرانی لکھا گیا۔ دیکھو آئین اکبری۔

علمی یا دفتری اصلاحیں جو ان کی رائے سے روشن ہوئیں ان میں سے:۔

(۱) سند الٰہی اکبر شاہی کو سال و ماہ اور ایام کی کمی بیشی کا حساب کر کے تاریخ قرار دی۔ یہ تبدیلی ۹۹۲ھ میں واقع ہوئی۔ مگر اس عہد کی کل تصنیفیں اور بادشاہی تحریریں اسی کی بنیاد

Marfat.com

پر ہیں۔ اور اسے مبارک سمجھ کر خاندان چغتائی کے تخت نشین اکثر اس کی پابندی کرتے رہے۔

(۲) اکبر کے زائچہ پر نظر ثانی کی۔ اور یونانی اور ہندی پر اس میں جو اختلاف تھا۔ اس کا سبب نکال کر دونوں میں مطابقت ثابت کی۔

(۳) دفتر مال اور دیوانی میں سب ایجادوں یا اصلاحوں کے پھول لوگوں نے راجہ ٹوڈرمل کی دستار پر سجائے ان میں کچھ پنکھڑیاں ان کا بھی حق ہے۔ ابوالفضل کی عبارت پر خیال کرو۔ جو شخص حکمت یونان کا نظام نیا باندھ سکتا ہے۔ جب دفتر حساب اور معاملات و مقدمات پر متوجہ ہو جائے تو کونسا پیچ ہوگا۔ کہ اس سے رہ جائے گا اور اس میں جو نکتہ وہ عالی طبع نکالے گا کیسا برجستہ ہوگا۔ آئین اکبری کا جزاعظم ہوگا۔

(۴) ان کی ایجادوں کا طلسمات دیکھنا چاہو تو سنہ کے نوروز کا مینا بازار جا کر دیکھو۔ تمام امرائے اپنے اپنے شکوہ شان کی دکانیں سجائی ہیں۔ میر موصوف سامان مذکور کے ساتھ اپنی طبع رسا کی نمائش گاہ ترتیب دیئے بیٹھے ہیں۔

(۱) بادآسیا۔ یعنی ہوا کی چکی چل رہی ہے۔

(۲) آئینہ حیرت۔ نزدیک دور کے عجائب غرائب تماشے دکھارہا ہے۔

(۳) جراثقال۔ کے اوزار چرخیاں، پہیئے برابر چکر لگا رہے ہیں۔

(۴) علم نیرنجات۔ کیمیائی ترکیبوں سے جادو کر رہا ہے۔

(۵) توپ ہے کہ تخت پر چڑھی ہے۔ جنسی (قلعہ شکن) توپ ہے۔ پہاڑ سامنے آجائے تو چوڑیوں کی طرح حلقہ الگ۔ ہاتھوں ہاتھ اٹھا کر چڑھ جاؤ۔

(۶) بندوق ہے کہ ایک فیر میں ۱۲ گولیاں مارتی ہے۔

ملا صاحب ان پر بہت خفا ہیں۔ کہ بادشاہ کی مصاحبت اور خوشامدوں میں علم کی شان کو بٹا لگایا یہ اعتراض بیجا نہیں۔ البتہ مکدر الفاظ اور غلیظ عبارت میں ادا ہوا۔ کیونکہ جس دل سے نکلا تھا۔ وہ بھی مکدر تھا۔ ملا صاحب تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ جو صاحب علم ہو تارک الدنیا، جبہ پہنے، مصلا بچھائے، تسبیح لئے خانقاہ میں خلوت نشین ہو۔ مریدوں میں نکل کر بیٹھے۔ تو مثنوی شریف کا درس کہے اور زار زار روئے۔ کشف کرامات کا دعویٰ نہ ہو۔ یہ لوگ وہ کہ یونان حکمت میں جائیں تو اس طور سے سمجھیں اور سمجھائیں۔ منقولات میں دیکھو تو مفسر، محدث، مجتہد۔ یہ سمجھ گئے تھے کہ قوم ڈوبی جاتی ہے۔ بادشاہ بے علم ہے۔ اور بے قوت ہے۔ ہم اس کے دست و بازو بن کر شامل حال نہ ہونگے تو ملک ڈبو دینگے

Marfat.com

اور نہ فقط دنیا بلکہ دین بھی ڈوب جائے گا۔اس لئے اپنے آرام اور ہر طرح کے ذوق وشوق کو اس کی خدمت اور مصلحت اور حق نمک پر فدا کر دیا تھا۔اور بادشاہ بھی اکبر بادشاہ جیسا قدردان اور چاہنے والا۔

محبت است کہ دل رائے وہد آدام　　وگرنہ کیست کہ آسودگی نے خواہد

طبیعتیں ایسی شگفتہ لائے تھے۔کہ جس رنگ میں جاملیں ویسے ہی ہو جائیں۔جس خیال میں اپنے آقا کو خوش دیکھتے تھے۔اسی کے پتلے بن جاتے تھے۔میرے دوستو! بھلا مچھلی دریا کے بغیر جی سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ایسے عالم تصنیف تالیف اور درس وتدریس بغیر خوش رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لیکن کیا کریں کہ مصلحت وقت سے مجبور تھے۔بحر العلوم مولانا عبد العلی سے کسی نے کہا کہ آپ حج کو کیوں نہیں جاتے۔فرمایا جو فیض ہماری ذات سے یہاں رہنے میں پہنچتے ہیں۔وہ بند ہو جائیں گے۔ اوران کا ثواب حج سے زیادہ ہے۔غرض ۹۹۱ھ میں آئے اور ۹۹۷ھ میں چلے گئے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ہندوستان کی سیر:

۷ برس ہندوستان کی سیر کی اور اپنے کمالات کی بہاریں عالم کو دکھا گئے۔فی الحقیقت مدت خدمت بہت کم تھی۔مگر تاریخی بیان اور خود اکبر کی زبان کے جو الفاظ ہیں۔ان پر خیال کرو معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اور محبت میں جو مصاحب خاص اور عمروں کے جاں نثار تھے۔ان میں ان کا نمبر کسی سے نیچے نہ تھا۔یہ خلاصہ روزگار ابوالفضل،فیضی،حکیم ابوالفتح،حکیم ہمام تھے۔اور بیربر کا تو کیا کہنا ہے۔وہ تو بادشاہ کی دل لگی بلکہ زندگی کا کھلونا تھا۔ٹوڈرمل نے کارگزاری ومزاج شناسی کے اعتبار کے ساتھ دل میں گھر کیا تھا۔عبدالرحیم خان خاناں پہلے انہی چاروں میں پانچویں سوار تھے۔اور مان سنگھ چھٹے پھر مہمات ملکی کے ہیر پھیر میں آ کر دور جا پڑے۔کوکلتاش خاں دودھ کے زور سے ہر مقام پر جگہ لیتے تھے اور اکبر بھی چاہتا تھا۔کہ یہ ویسے ہی ہوں۔مگر ان کی بے دماغی،بلند نظری،خود پسندی اور دعویدار زبان ایسی تھی کہ ان لوگوں میں نہ رہ سکتے تھے۔یہاں تک کہ فتوحات کی ہوا میں اڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔میر فتح اللہ نے اپنی لیاقت اور مزاج دانی اور آداب ونیاز اور خلوص وفاداری سے اول کے چار نمبروں میں جگہ لی۔یہ اشخاص اکبر کی جزو زندگی ہو گئے تھے۔اور ان کا یہ حال تھا کہ باوجود فضل وکمال کے اپنی طبیعت کی خواہش اور ہر طرح کے ذوق وشوق کو اس کی خدمت گزاری اور مصالح ملکی اور دل کی خوشی پر فدا کر بیٹھے تھے۔

Marfat.com

ایک باریک نکتہ اس میں یہ ہے کہ مدت دراز سے چند عالموں نے شریعت کے زور سے سلطنت کی گردن کو دبا رکھا تھا۔ یہ لوگ گویا گھر کے غنیم تھے۔ اور ان کا توڑنا سب سے مہم عظیم۔ ان کا زور فوج ولشکر کے بس کا نہ تھا۔ اگر توڑ سکتے تھے تو اپنے وفاداروں کی تدابیر عقلی اور دلائل علمی کی فوج انہیں توڑ سکتی تھی۔ چنانچہ کچھ قدرتی اتفاقات نے کچھ ان لوگوں کی تدبیروں نے توڑ پھوڑ کر ستیاناس کر دیا۔

سچے اخلاص ونیاز:

یہ لوگ اپنی لیاقت اور خدمت کے سوا کسی کو رفیق نہ پاتے تھے۔ اس لئے جان توڑ کر لپٹ جاتے تھے۔ اور سچے اخلاص ونیاز سے خدمت بجالاتے تھے۔ ان کے وطن کی غربت اور قاضیان دربار کے ساتھ جو مذہب کا اختلاف تھا۔ وہ بادشاہ کے سامنے تائید کرتا تھا۔ کہ غنیموں سے مل کے سازش نہ کرینگے۔ اور یہ خاص ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور ایرانی امرا سے کوئی بے وفائی بھی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ حق پوچھو تو جو خرابی ہوئی۔ ملک موروثی کے نمک خواروں سے ہوئی۔ بیرم خاں اور خان زمان سے جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے۔ لڑنے والوں نے خواہ مخواہ لڑا دیا۔ اہل ایران نے کوئی مرتبہ جاں نثاری کا نہ چھوڑا تھا۔ اس لئے اکبر ان لوگوں کو عزیز رکھتا تھا اور پورا اعتبار تھا۔ بلکہ اس لطف کی محبت ان کے ساتھ رکھتا تھا کہ الفاظ وعبارت اس کی کیفیت ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس پھول کی مہک کا ایک نمونہ دکھاتا ہوں۔ ذرا خیال کرو کہ قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔ تو دل میں کیا کچھ ہوگا۔ اور صحبتوں میں کیا باتیں ہوتی ہونگی۔

شیخ فیضی سفارت دکن کی عرائض میں سے ایک عرضی میں ایران کے حالات لکھتے کہتے ہیں۔

ترجمہ۔ آج کل سرآمد دانشمندان عراق وفارس میر تقی الدین محمد ہے مشہور بہ تقیائے نسایہ۔ ولایت میں آج اس کی عقل ودانش کو کوئی نہیں پہنچتا۔ یہ میر فتح اللہ کے شاگردوں میں سے ہے جب میر فتح اللہ اور مولانا مرزا جان شیراز میں دانشمندی کا نقارہ بجا رہے تھے۔ تو یہ بھی شیراز کے مدرسوں میں سے تھا۔ فدوی مدتوں سے اس کے کمالات کا شہرہ سن رہا ہے۔ اور میر فتح اللہ سے مکرر تعریف سنی ہے۔ جس کا ایسا شاگرد ہوگا اس کے کمال کی دلیل اہل عالم کے لئے کافی ہے۔ ملا محمد رضائے ہمدانی شیرازی یہاں آیا ہے۔ مدرسے کے دماغ سوختوں میں سے ہے۔ فضیلت اور اہلیت کا جوہر ظاہر ہے۔ وہ کہتا تھا۔ میر تقی الدین محمد کو حضور کے آستان بوسی کی آرزو ہے۔ زاد راہ بہم نہ پہنچا اور مدقع

Marfat.com

ہاتھ نہ آیا۔ ورنہ اس قافلے میں آتا۔ عالم پناہا اگر فرمان عالیشان کچھ انعام کے ساتھ بھیجا جائے تو اس کی سرفرازی ہے۔ میر فتح اللہ کی یادگار ہے۔ اور اس کا فرزند معنوی ہے۔ ع

اے گل تبو خورسندم وتو بے کسے داری

سمجھ لو کہ اکبر کے دل میں محبت کا کیا عالم ہوگا۔ جو اس مزاج داں کی تحریر سے یہ رنگ جھلکا ہے۔ طبع فیاضی کی مرثیہ خوانی شاہ فتح اللہ شیرازی کے غم میں ہے۔ ع

دگر ہنگام آں آمد کہ عالم از نظام افتد

فارغی۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میر فتح اللہ کے بھائی تھے۔ اول بیرم خاں کے عہد میں یہاں آئے۔ خاں موصوف نے کہا کہ یہ تخلص شیخ عبدالواحد خوافی کا ہے۔ اور مشہور ہو چکا ہے۔ مجھے ان سے ارتباط اور نہایت اعتقاد تھا۔ تم فائقی تخلص کر لو۔ چند روز ان کی فرمائش کی تعمیل کی۔ ایران میں جا کر پھر فارغی ہو گئے۔ دوبارہ ہندوستان میں آئے اور مر گئے۔ ان کے بیٹے میر تقی علم ہیئت اور نجوم میں شاہ فتح اللہ کے مستند نشین تھے۔ میں نے تھوڑا سا رسالہ بست بابی ان سے پڑھا تھا۔ اعلیٰ درجے کا فہم وذکا اور ہمت حالی رکھتے تھے۔ ان کے بھائی میر شریف تھے۔ فضائل وکمالات کے اوصاف سے موصوف تھے۔ میر تقی کہتے تھے کہ ہمارے کل خاندان میں ایک یہ بھائی سنت وجماعت ہیں۔ یا شاہ فتح اللہ۔ باقی سب شیعہ خالی ہیں۔

آزاد۔ شاہ فتح اللہ کو تم جانتے ہو۔ ان سے زیادہ کوئی کیا شیعہ ہوگا۔ مگر ہنگامہ عالم میں سے کیا بچ کر نکل گئے۔

Marfat.com

تتمہ

آصف خان

خواجہ عبدالمجید کو بعض کتابوں میں یزدی لکھا ہے اور بعض میں ہروی۔ خدا جانے یزد وطن تھا یا ہرات۔ (سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ یہ حضرت زین الدین خوانی کی اولاد میں تھے) امیر تیمور ان سے کمال اعتقاد رکھتے تھے اور فی الحقیقت ان کی دعا سے انہیں بڑے فیض و برکات پہنچے تھے۔ مآثر الامرا میں ہے کہ آصف خاں شیخ ابوبکر کی اولاد میں تھے۔ اور وہ امیر تیمور کے عہد میں ایک فقیر صاحب دل تھے۔ جب ۷۸۲ھ میں امیر تیمور ملک غیاث الدین حاکم ہرات پر فوج لیکر چلے تو نا باد میں مقام کیا۔ شیخ ابوبکر کے پاس آدمی بھیجا اس نے جا کر کہا کہ چرا بہ تیمور ملاقات نمیکنی۔ انہوں نے کہا مرا با او چہ کار۔ امیر خود گیا اور کہا کہ شیخ چرا بملک نصیحت نہ کردی۔ شیخ نے کہا۔ نصیحت کردم۔ نشنید۔ خداتعالٰی شمارا بر وگماشت۔ اکنوں شمارا نصیحت میکنم بعدل۔ اگر نشو ید دیگرے بر شما گمارد۔ تیمور کہا کرتا تھا کہ سلطنت میں بہت فقرا سے صحبتیں ہوئیں ہر شخص کے دل میں میری طرف سے کھٹکا معلوم ہوتا تھا مگر شیخ مذکور میں دیکھتا تھا کہ میرے دل میں انکی طرف سے لحاظ معلوم ہوتا تھا۔ قوم تاجیک تھے مگر میدان جنگ میں ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ ترکوں سے ایک قدم پیچھے نہیں رہے۔ اول ہمایوں کے پاس اہل قلم کے سلسلہ میں تھے پھر اکبر کی خدمت میں آئے۔ جب بادشاہ دلی سے بیرم خاں کی مہم پر چلے تو انہیں آصف خاں خطاب دیکر دہلی کا حاکم کر گئے۔ چند روز میں سہ ہزاری منصب سے سربلند ہوئے۔ فتو، عدلی کا غلام قلعہ چنار گڑھ پر قابض تھا۔ ان کے نام حکم ہوا۔ یہ شیخ محمد غوث گوالیاری کو ساتھ لے کر گئے اور صلح کے ساتھ قلعہ مذکور پر قبضہ کیا۔ دربار سے کڑہ مانک پور بھی عنایت ہوا۔ ۹۷۱ھ میں غازی خاں تنور سے (امرائے عدلی میں سے تھا) کڑہ پر میدان مار کر فتح یاب ہوئے وہ ولایت بھٹہ میں راجہ رام چند کے پاس بھاگ گیا۔ انہوں نے ادھر گھوڑے اٹھائے۔ راجہ مقابلہ پر آیا۔ آصف خاں نے مارتے مارتے قلعہ ماندو میں ڈال کر محاصرہ کر لیا۔ راجگان ہند درا... [illegible]

Marfat.com

ہونے لگے انکی سفارش سے اسکی خطا معاف ہوئی۔

رانی دُرگاوتی:

ملک بھٹہ کے جنوب میں گڈھ کتنکہ کا ملک ہے۔(ملا صاحب کہتے ہیں) گڈھ کتنکہ کا ملک آبادانی وفراوانی سے مالا مال اور (جس میں قوم گونڈ آباد ہے) ۷۰ ہزار آبادگانو سے معمور ہے۔ چوراگڈھ اس کا دارالحکومت ہے۔ پہلے قلعہ ہوشنگ آباد پایہ تخت تھا۔ وہ سلطان ہوشنگ غوری بادشاہ مالوہ نے تعمیر کیا تھا۔ ۹ جلوس میں ۱۰ ہزار لشکر لیکر آصف خاں ہوشنگ آباد پر گیا۔ رانی درگاوتی خردسال بیٹے کے لئے فرمانروائی کر رہی تھی اور شجاعت اور دانائی سے عورتوں میں نظیر نہ رکھتی تھی سلطنت کے سارے کام مردان عالی فطرت کی طرح سرانجام کرتی تھی۔ گھوڑے پر چڑھتی تھی۔ شکار کھیلتی تھی، شیر مارتی تھی میدان جنگ میں کارنامے دکھاتی تھی۔ دربار عام میں بیٹھ کر مہمات سلطنت طے کرتی تھی اور لوازم ملک داری کو تدابیر درست کے ساتھ عمل میں لاتی تھی۔ اس موقع پر ۲۰ ہزار سوار، ۷ سو ہاتھی لیکر لڑنے کو نکلی۔ اور میدان ہمت میں قدم جما کر مردوں کے مقابل ہوئی۔ وہ ہاتھی پر سوار قلب لشکر میں کھڑی تھی۔ فوج کو لڑائی تھی۔ اور آپ تیر مارتی تھی۔ اس نے خود بھی ایک تیر کھایا جو حقیقت میں قضا کا تیر تھا اسے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو زندہ گرفتار ہو جاؤں۔ فیلبان سے کہا کہ اخیر حق نمک یہی ہے کہ خنجر سے میرا کام تمام کر دے تا کہ پردہ ناموس رہ جائے۔ فیل بان نے کہا مجھ سے یہ نمک حرامی نہ ہوگی۔ جوانمرد عورت نے خود خنجر پکڑ کر دریائے خون میں غوطہ مارا اور ملک عدم میں جا کر سر نکالا۔ آصف خاں لشکر کی لوٹ مار سے تھیلے بھر کر شہر ہوشنگ آباد پر گیا۔ بن ماں باپ کا بچہ بھی سپوت نکلا۔ فوج لیکر میدان میں آیا۔ اور تڑپ دکھائے بغیر ہرگز جان نہ دی۔ بہت پرانا راج تھا اس گھر کو پیٹ بھر کر لوٹا۔ ایک سو ایک صندوق فقط اشرفیوں کا۔ رپوں کا شمار نہیں۔ چاندی اور سونے کے بے حساب ظروف واسباب، صد ہا مورتیں طلائی اور جڑاؤ۔ اجناس گراں بہا جنکی فہرست حد تحریر سے باہر تھی، ہزار ہاتھی گنیش مورت خوبصورت، لدو ہاتھیوں کا ذکر نہیں۔ گھوڑے بادرفتار سینکڑوں۔ ان میں سے کچھ کچھ چیزیں برائے نام بادشاہ کو بھیج دیں باقی ہضم۔ یہ دولت و مال سمیٹ کر عبدالمجید جو ابھی آصف خاں ہوئے تھے۔ قارون وشداد بن گئے۔ مگر ساتھ ہی کھٹکا لگا تھا کہ ہائے دربار کے مفت خورے مفت چھنوا دینگے۔ اور قلم قسائی آدھوں آدھ بیچ میں کھا جائینگے۔ دیوان اور اہل دفتر کے مراسلے آتے تھے کہ حاضر دربار ہو کر حساب سمجھاؤ۔ اور یہ پہلو بچاتا تھا۔ خانزماں کی پہلی چڑھائی پر بادشاہ نے بلایا تو حاضر ہو گیا۔

Marfat.com

جب اس نے سنا کہ دوبارہ خان زماں بگڑا ہوا ہے اور امرائے بادشاہی اس سے ٹکر کھا کر بکھر گئے۔ تو وہ بڑے سامان کے ساتھ ہوشنگ آباد سے چلا۔ یہاں مجنون خاں مانک پور میں گھرے ہوئے بیٹھے تھے۔ آصف خاں نے آکر انہیں محاصرہ سے نکالا۔ اپنے خزانے کھول دیئے۔ ان کی سپاہ کی کمر بندھوائی۔ اور مجنون خان کو بھی بہت سا روپیہ دیا۔ انہوں نے اپنے اپنے ہمراہیوں کے پروبال درست کیئے۔ اور دونوں مل کر خان زماں کے سامنے بیٹھ گئے۔ چونکہ اکبر کی آمد آمد تھی۔ اس لئے خان زماں سوچ رہا تھا کہ ان کا فیصلہ کرے یا توقف۔ آصف خاں اس موقع کو غنیمت سمجھتا تھا کہ یہ حدمت اگلی کدورت کو صاف کر دیگی۔ مجنون خان وغیرہ امراکے ساتھ اکبر کو عرضیاں لکھ رہا تھا کہ وہ بھی آن پہنچے۔ آصف خاں اور مجنون خان حاضر حضور ہوئے۔ آصف خاں نے پیشکش نذر گزرانا، خطا معاف ہوئی، نذرانہ قبول ہوا۔ اور سپہ سالار ہو کر خان زماں کے مقابلہ کے لئے رخصت ہوئے۔ وہ نرہن کے گھاٹ پر اس کے مقابل جااترے۔

اب خیال کرو۔ اکبر تو جونپور میں ہیں۔ آصف خاں اور مجنون خاں خانزمان کے سامنے کڑہ مانک پور پر فوجیں لئے پڑے ہیں۔ درباری نمک حراموں نے آصف خاں کو پیغام بھیجا کہ رانی درگا وتی کے خزانوں کا حساب سمجھانا ہوگا۔ کہہ دو ادوستوں کو کیا کھلواؤ گے اور چوراگڈھ کے مال میں سے کیا تحفے دلواؤ گے۔ اسے کھٹکا تو پہلے ہی تھا اب گھبرا گیا۔ لوگوں نے اسے یہ بھی شبہ ڈالا۔ کہ خان زماں کے مقابلہ پر آنا فقط اپنا سر کٹوانا ہے۔ آخر ایک دن سوچ سمجھ کر آدھی رات کے وقت اس نے خیمے ڈیرے اکھیڑے اور میدان سے اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ وزیر خاں اس کا بھائی اور سرداران ہمراہی بھی اٹھ گئے۔ بادشاہ نے سنتے ہی اس کی جگہ تو منعم خاں کو بھیجا کہ مورچہ قائم رہے اور شجاعت خاں کو آصف خاں کے پیچھے دوڑایا۔ شجاعت خاں (وہی تردی بیگ کا بھانجا مقیم بیگ) مانک پور پہنچ کر چاہتے تھے کہ دریا اتریں۔ آصف خاں تھوڑی دور بڑھا تھا جو خبر پائی کہ مقیم بیگ پیچھے آیا ہے۔ جاتے جاتے پلٹ پڑا اور دن بھر اس طرح جان توڑ کر لڑا کہ مقیم بیگ کا شجاعت خانی خطاب خاک میں مل گیا۔ آصف اپنی جمعیت اور سامان سمیت، فتح کا ڈنکا بجاتا چلا گیا۔ صبح کو انہیں خبر ہوئی دریا اتر کر اپنی شجاعت کے روئے سیاہ کو دھویا اور پیچھے پیچھے دوڑے۔ ترک تھے۔ مگر ترکوں کا قول بھول گئے تھے کہ جو حریف کمان بھر نکل گیا۔ وہ نکل گیا۔ خیر جیسے گئے ویسے ہی دربار میں آن حاضر ہو گئے۔

جب اہل دربار کے لالچ نے اسے بھی میدان وفاداری سے دھکیل کر نکال دیا تو وہ جوناگڈھ میں جا بیٹھا۔ اسی عرصہ میں خان زماں کی خطا بادشاہ نے معاف کر دی اور اس کی طرف سے خاطر جمع ہوئی تو مہدی قاسم خاں کو آصف خاں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ حسین خاں کو (کہ اس کے داماد بھی

Marfat.com

تھے)اور چند امرائے نامی کو حکم دیا کہ فوجیں لے کر اس کے ساتھ ہوں۔ آصف کو ہرگز اپنے سلیمان سے لڑنا منظور نہ تھا۔ درگاہ میں عفو تقصیر کی عرضی لکھی۔ مگر یہاں دعا قبول نہ ہوئی۔ ناچار خان زمان کو خط لکھا اور آپ بھی چلا۔ حسرت و حرمان کی فوج کے ساتھ اس ملک سے خیمے اٹھائے جسے اپنے بازو کے زور سے زیر کیا تھا۔ چنانچہ کڑہ مانکپور میں جا پہنچا۔ خان زمان کے زخم دل ابھی ہرے پڑے تھے۔ جب ملا تو نہایت غرور اور بے پروائی سے ملا۔ آصف خاں دل میں پچھتایا کہ ہائے یہاں کیوں آیا۔ ادھر سے جب مہدی خاں پہنچے۔ تو میدان صاف دیکھ کر جونا گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ اور آصف خاں کو خان زماں کے ساتھ دیکھ کر پہلو بچالیا۔ وہیں سے حج کو چلے گئے۔

یہاں خان زماں تو آپ دارالحکومت میں بیٹھے۔ آصف خاں سے کہا کہ پورب میں جا کر پٹھانوں سے لڑو۔ بہادر خاں کو اس کے ساتھ کیا۔ وزیر خاں آصف خاں کے بھائی کو اپنے پاس رکھا گویا دونوں کو نظر بند کر لیا۔ اور نگاہ ان کی دولت پر۔ وہ بھی مطلب تاڑ گئے تھے۔ دونوں بھائیوں نے اندر اندر پرچے دوڑا کر صلاح موافق کی۔ یہ ادھر سے بھاگا وہ ادھر سے۔ کہ دونوں مل کر نا نک پور پر آ جائیں۔ بہادر خاں آصف کے پیچھے دوڑا۔ جونپور اور مانک پور کے بیچ میں ایک سخت لڑائی ہوئی۔ آخر آصف خاں پکڑے گئے۔ بہادر خاں اسے ہاتھی کی عماری میں ڈال کر روانہ ہوئے۔ ادھر وزیر خاں جونپور سے آتا تھا۔ بھائی کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی دوڑا۔ بہادر خاں کے آدمی تھوڑے تھے۔ اور جو کچھ تھے لوٹ میں لگے ہوئے تھے اس لئے حریف کے حملہ کو روک نہ سکا۔ بھاگ نکلا اور لوگوں سے کہا کہ عماری میں آصف کا فیصلہ کر دو۔ وزیر خاں پیشدستی کر کے جا پہنچا۔ اور بھائی کو نکال لے گیا۔ پھر بھی آصف خاں کی دو تین انگلیاں اڑ گئیں اور ناک بھی کٹ گئی۔ بادشاہ پنجاب میں دورہ کرتے تھے۔ انہوں نے آگرہ میں مظفر خاں تربتی کے پاس پیغام سلام دوڑائے۔ پھر وزیر خاں خود آن ملا۔ مظفر خاں نے حضور میں عرضی لکھی اور انجام یہ ہوا کہ پہلے وزیر خاں حاضر حضور ہوا۔ بادشاہ لاہور کے پاس شکار کھیل رہے تھے وہیں ملازمت ہوئی۔ پھر آصف خاں کی خطا بھی معاف ہو گئی۔ خان زمان کی آخری مہم میں اس نے بڑی جانفشانی دکھائی۔ ۹۷۵ھ میں پرگنہ پیاگ کہ حاجی محمد خاں سیستانی کے نام تھا آصف خاں کو مرحمت ہوا۔ اسی سال میں بادشاہ نے رانا پر فوج کشی کی۔ اس نے قلعہ چتوڑ جیل کے حوالے کیا اور آپ پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ آصف خاں نے اس محاصرہ میں بھی فدویت کے جوہر دکھائے۔ جب قلعہ مذکور فتح ہوا تو اسی کی جاگیر میں مرحمت ہوا۔

Marfat.com

برہان نظام شاہ

ابتدائی حالات:

مرتضٰی نظام شاہ، اور برہان نظام شاہ دو بھائی تھے۔ نظام شاہ بموجب باپ کی وصیت کے احمد نگر کے تخت پر بیٹھا۔ چندروز عدل و انصاف اور نظام و انتظام کے ساتھ سلطنت کی۔ عین جوانی میں کچھ ایسا خلل دماغ ہوا کہ باغ میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہا۔ تمام کاروبار ارکان دولت کے حوالہ کر دیئے۔ مہینوں میں کسی امیر کو اپنے بادشاہ کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوتی تھی۔ ایسا ہی ضروری امر ہوتا تو لکھ کر بھیج دیتے۔ وہ اس کا جواب لکھ بھیجتا مگر جو جواب لکھتا نہایت معقول و باصواب لکھتا۔ مہمات سلطنت کے معاملات ماں کے سامنے پیش ہونے لگے۔ وہ نیک نیت بی بی امرا اور رعایا سب کی غور و پرداخت کرتی تھی۔ ۶ برس اسی طرح گزرے۔ بعض بدنیتوں نے بادشاہ کو شبہ ڈالا کہ بیگم آپ کو معزول کر کے برہان الملک آپ کے چھوٹے بھائی کو بادشاہ کرنا چاہتی ہے۔ اس معاملہ نے طول کھینچا۔ مختصر یہ کہ ماں کو بیٹے نے قید کر دیا اور برہان بھی ماں کی زیر نظر نظر بند ہو گیا۔ کئی برس کے بعد نظام کے خلل دماغ اور شوق گوشہ نشینی نے زیادہ زور کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ امرا کی سینہ زوری حد سے گزر گئی۔ اور آپس میں کشاکشی رہنے لگی۔ رفتہ رفتہ بے انتظامی نے اس قدر طول کھینچا کہ ملک نظام کے انتظام میں خلل پڑ گیا۔ شرفا کے ننگ و ناموس برباد ہونے لگے۔ پواج وار اذل حاکم با اختیار ہو گئے۔ بادشاہ کے باب میں بھی رنگ برنگ کی خبریں اڑنے لگیں۔ کبھی سنتے کہ مر گیا ہے۔ امرا مصلحت ملکی کے لئے چھپاتے تھے۔ کبھی سنتے کہ دیوانہ جنونی ہو گیا ہے۔

برہان الملک کا قید سے بھاگنا:

اسی عالم میں ایک موقع پر برہان الملک قید سے نکلا اور بیجاپور بھاگ گیا۔ کچھ مدت ابراہیم عادل شاہ کے پاس بسر کی۔ احمد نظر میں نظام کی غفلت اور امرا با اختیار کے ظلم سے خاص و عام تنگ تھے۔ یہ اپنے رفیقوں کے اشارہ سے آیا۔ رعایا نے بھی غنیمت سمجھا۔ ہزار بارہ سو کی جمعیت ساتھ ہو گئی۔ غلطی یہ کی کہ موقع لوگوں کی دلجوئی اور دلداری کا تھا۔ اس نے مردم آزاری اور سخت گیری شروع

Marfat.com

کر دی۔ امرا اور رعایا اس سے بھی زیادہ اس سے گھبرائے۔ نظام الملک نے ایک امیر کو فوج دے کر لشکر عادل شاہی کے مقابلہ پر بھیجا ہوا تھا۔ جب برہان کے آنے کی خبر پہنچی تو برق کی طرح پلٹا۔ اور برہان ابھی احمد نگر میں نہ آیا تھا کہ نظام آ پہنچا۔ ہاتھی پر سوار ہوا، تمام شہر میں گشت کیا تا کہ موت یا جنون کی خبریں جو مشہور ہوئی ہیں ان کے نقش دلوں سے مٹیں۔ دوسرے دن پھر نکلا۔ کالے چبوترے کے میدان میں کھڑا ہوا اور سب سے کہا۔ اے ارکان دولت تم جانتے ہو۔ مدت ہوئی کہ میں ملک اور ملک رانی سے بیزار ہوں۔ برہان میرا حقیقی بھائی ہے اور حکومت کا شوق رکھتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم سب مجھے دست بردار ہوا اور اسے فرماں روا سمجھو۔ امرا نے کہا جو کچھ حضور فرماتے ہیں درست ہے۔ لیکن یہی مرضی مبارک ہے تو موقع اس کا یہ نہیں ہے۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ اس فتنہ کو فرو کیا جائے۔ نظام الملک سمجھا کہ لوگوں کے دل میری طرف مائل ہیں بے وفائی نہ کرینگے۔ چنانچہ برہان کے مقابلہ کے لئے لشکر اور توپخانہ روانہ کیا۔ اس کمبخت کی تقدیر یاور نہ تھی لوگ پہلے ہی بیزار ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ برہان شکست کھا کر برہان پور کی طرف بھاگ گیا۔ جو لوگ اس کے ساتھ ہوئے۔ نظام سے معافی تقصیر کے قول و قرار لے کر حاضر ہو گئے۔

قسمت نے یاوری نہ کی:

برہان نے چند روز بیجانگر کے پاس گزارے۔ چند روز اطراف دکن میں سرگرداں پھرتا رہا۔ کہیں قسمت نے یاوری نہ کی۔ یہاں نظام کی بدنظمی سے پھر لوگ تنگ ہوئے۔ اور اب کی دفعہ برہان کو لباس فقیری کا پردہ کر کے احمد نگر میں لے آئے۔ قرار پایا تھا کہ کل صبح کو بغاوت کا نشان کھڑا کریں۔ رات کو امرائے با اختیار کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے فوراً باغیوں کا بندوبست کر لیا۔ برہان نے اپنے لباس خاکساری میں بھاگ گیا۔ اسے کوئی نہ پہچان سکا۔ وہ ولایت کوکن کی طرف نکل گیا۔ پھر جی راجہ بگلانہ کے پاس پہنچا وہاں سے مایوس ہو کر ملک ندربار میں آیا۔ قطب الدین خاں کو حکمرانی کرتے تھے۔ ۹۹۱ھ میں ان کی وساطت سے دربار اکبری میں پہنچا۔

میر جمال الدین حسین آنجو کہ:

یہاں دو برس پہلے ایک شخص آیا تھا۔ اور ظاہر کیا تھا کہ میں برہان الملک ہوں۔ میر جمال الدین حسین آنجو کہ سلاطین دکن کے حالات سے جزوی و کلی خبر رکھتے تھے۔ اور برہان الملک کی حقیقی بہن خدیجہ بی بی ان کی بی بی تھیں۔ وہ اسے اپنے گھر لے گئے۔ اس نے بہت سے نشان اور علامتیں بیان کیں۔ بہن نے بھی کچھ پہچانا کچھ نہ پہچانا مگر بڑے تکلف اور تواضع سے اس کی مہمانیاں ہوئیں۔

Marfat.com

بادشاہ نے بھی اعزاز کے ساتھ رکھا۔ اب دفعتاً اصلی برہان الملک آ موجود ہوئے تو جعل ساز ڈر کا مارا بھاگا اور ایک ہفتہ بعد جوگیوں میں سے پکڑا آیا۔ اصلی اور نقلی کا مقابلہ ہوا۔ دغاباز نے بے حیائی کی آنکھیں بہت چمکائیں مگر جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ اس برہان کا دعویٰ بے برہان نکلا۔ آخر اقرار کیا کہ فلاں دکنی کا بیٹا ہوں حکیم الملک اس کا خطاب تھا۔ بی بی خونزہ ہمایوں برہان الملک کی ماں نے مجھے بیٹا کر لیا تھا۔

امرا کی سرکشی و سرداری:

اب وہاں کی سنو کہ نظام الملک کا حال روز بروز ابتر ہوتا جاتا تھا۔ اور امرا کی سرکشی و سرداری آپس میں تلواریں چلا رہی تھی۔ اس کشاکشی کی خبریں سن کر ۹۹۳ھ میں اکبر نے خان اعظم کو سپہ سالار کر کے فوج بھیجی اور برہان کو بھی ساتھ کیا لیکن وہ ناکام پھرا۔ چند روز کے بعد نظام کی بدنظمی اس حد کو پہنچی کہ اس کا بیٹا قید تھا۔ امرا کے ایک فرقہ نے اسے نکال کر تخت نشینی پر آمادہ کیا۔ وہ لڑکا تیرہ چوں برس کی عمر، نمک حراموں نے جو سرشوری کا تیزاب اس پر ڈالا وہ بہت تیز پڑا۔ باپ کہ بیماری کے سبب سے فقط دنوں اور راتوں کا مہمان تھا۔ ناخلف بیٹا اس کے مرنے تک بھی صبر نہ کر سکا۔ حمام میں قید کیا اور حکم دیا کہ سب دروازے اور روشندان بند کر دو۔ آگ جلاؤ اور گرم پانی ڈالو۔ چند ساعت میں اس کی زندگی کا بلبلہ بیٹھ گیا۔ ۲۶ سال کئی مہینے سلطنت کر کے ۹۹۶ھ میں خاتمہ ہوا۔

حسین نظام الملک

یہ لڑکا امرائے کہن سال کے ہاتھ میں کپڑے کی گڑیا تھا۔ جو چاہتے تھے سو کرتے تھے۔ وہ اپنے ہم عمر یاروں کے ساتھ باغوں میں عیش اور بازاروں میں سیر کرتا۔ دو مہینے تین دن میں اس کا بھی فیصلہ کیا۔ شہر اور قلعہ میں قتل عام ہوئے۔ امرا اس طرح مارے گئے جیسے آندھی میں آم گرتے ہیں۔ مرزا محمد تقی نظیری کہ امیر اور شاعر بے نظیر تھے۔ اسی فتنہ شہر آشوب میں نامعلوم مارے گئے۔

اسماعیل نظام الملک

برہان الملک تو اکبر کے دربار میں حاضر تھے۔ ان کے دو بیٹے ابراہم و اسماعیل چچا کے پاس قید تھے۔ جب امرا نے اپنے آقا کا گھر صاف کر دیا تو اسماعیل کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ لیکن فقط نمونہ کے لئے اسے سامنے رکھا تھا حکومت آپ کرتے تھے۔ شہر میں قتل عام کیے۔ خاص و عام کے

Marfat.com

گھر لئے جو جوانسان آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ اور کسی موقع پر ان کے سر ہلانے کا خیال تھا۔ انہیں خاک میں دبا دیا۔ جو صاحب امیر قوت تھے ان کا مذہب مہدوی تھا۔ اسماعیل خود لڑکا تھا۔ انہوں نے مہدوی کرلیا۔ اور مسجدوں میں مہدویہ فرقہ کے خطبے جاری ہو گئے۔ مہدوی مذہب کے لوگوں کے زور شور پہلے ہی دیکھ چکے ہو۔ انہوں نے سب کو دبا لیا۔ غریب مذہب کے لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے یا گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

نصیحتیں وصیتیں:

دربار اکبری کی روئیداد سنو کہ جب برہان الملک ۹۹۱ھ میں آیا تو اول ۳ صدی کا منصب دیکر جاگیر عطا کی اور ترقیاں دیکر ہزاری تک پہنچایا ۹۹۳ھ میں مالوہ میں بھیج دیا۔ اور خان اعظم کو لشکر سلطانی کے ساتھ مہم دکن پر بھیجا۔ اس میں اسے بھی ساتھ کیا کہ بھائی سے اپنا حق حاصل کرے۔ اس وقت طالع یاور نہ تھے ناکام پھرا۔ چند روز کے بعد اکبر نے صادق محمد خاں کو مہم بنگش پر بھیجا۔ برہان الملک کو اس کے ساتھ کیا۔ اور وہیں اسے جاگیر ملی۔ جب ۹۹۸ھ میں خبر آئی کہ اسماعیل، برہان الملک کا بیٹا تخت نشین ہوا ہے۔ اور احمد نگر میں پھر بغاوت ہوئی اور ملک درہم برہم ہو رہا ہے تو بادشاہ نے برہان الملک کو بلایا اور کہا کہ حق تمہارا ہے جاؤ اور قبضہ کرو۔ جو کچھ خزانہ و فوج درکار ہو ساتھ لو۔ اس نے کہا کہ امرائے چغتائی اور فوج حضور کو دیکھ کر اہل دکن گھبرائیں گے۔ اس لئے امراو افواج کا جانا مناسب نہیں۔ میں حکمت عملی سے کام لوں گا۔ یہ رائے اس کی پسند آئی۔ امرائے مالوہ اور علاقے ہائے سرحد دکن کے نام فرمان جاری ہوئے کہ جب ضرورت ہو سامان شائستہ سے فوراً مدد کرو۔ راجہ علی خاں حاکم خاندیس کے نام فرمان گیا۔ کہ برہان مدت سے اس درگاہ کی پناہ میں ہے۔ ایسا انتظام کرو کہ نظام الملک ہو کر اپنے حق کو پہنچ جائے۔ غرض برہان الملک کو بہت سی نصیحتیں وصیتیں اور فرمائشیں فرما کر رخصت کیا۔ نصیحتیں کیا ہونگی؟ یہی کہا ہوگا کہ ہماری خدا ترسی، دریا دلی، شوق آبادانی، لوگوں کے منقوش خاطر کرنا۔ جہاں تک آواز پہنچے۔ اکبری نقارہ کی آواز۔ اور جہاں تک ہاتھ پہنچے اکبری سکہ پہنچانا۔

فرمان مذکور کی تعمیل:

راجہ علی خاں نے صدق دل سے فرمان مذکور کی تعمیل کی۔ فوج لے کر برہان کے ساتھ ہوا اور ادھر ابراہیم عادل شاہ سے بھی مدد کا بندوبست کرلیا۔ اس نے اپنا لشکر سرحد پر بھیج دیا۔ راجہ علی خاں برہان الملک کو ساتھ لے کر گونڈوانہ کے رستے پہلے برار پر گیا۔ اور ملک مذکور بے جنگ قبضہ میں آ

Marfat.com

گیا۔ احمد نگر سے ایک امیر فوج جرار لے کر آیا۔ راجہ علی خاں نے برہان کو پیچھے ہٹایا اور آپ فوج لے کر مقابلہ پر آ گیا لڑائی کا خاتمہ خان کی فتح پر ہوا۔ امرا ایک ایک کر کے برہان کے حضور میں حاضر ہونے لگے۔ آگے میدان صاف تھا۔ یہاں سے برہان کو احمد نگر کی طرف روانہ کیا۔ اور آپ اپنی فتح گاہ میں آ کر فتح یابی کے جشن کیے۔ نذر نیاز، ملازموں کے انعام اکرام میں ہزاروں روپے خرچ کیے۔ یہ معرکہ ۹۹۹ ھ میں ہوا۔

برہان کی قسمت:

برہان کی قسمت نے بڑھاپے میں یاوری کی۔ احمد نگر کا بادشاہ ہوا مگر امرا کی سرشوری سے خاطر جمع نہ تھی۔ علاوہ براں خود بھی نیک نیت نہ تھا۔ اس لئے جو کچھ کرتا تھا۔ ناکامی دیکھتا تھا۔ ابراہیم عادل شاہ سے بگاڑ کر لیا۔ فوج کشی کی۔ اس میں شکست فاحش کھائی۔ لاکھوں کی لوٹ اور ڈیڑھ سو ہاتھی حریف کے حوالہ کیے۔ فوج قتل اور تباہ کروائی۔ اس سے خاص و عام کی نظروں میں بے وقار و بے اعتبار ہو گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ پھر اسماعیل کو تخت پر بٹھائیں۔ اسے خبر ہو گئی اور اہل سازش کو سزائیں دیں انہیں دنوں میں امین الدین اور شیخ فیضی اکبر کی طرف سے فرمان لے کر پہنچے تو اس بے وفا نے دربار اکبری کے سارے سبق بھلا دیے ہیں۔ یہ بھی ناکام پھر آئے۔

اسد خاں اور فرہاد خاں کی سپہ سالاری:

اسد خاں اور فرہاد خاں کی سپہ سالاری سے بندر رنگ پر فوج بھیجی کہ پرتگالیوں کا زور توڑے۔ وہ دونوں امیر وہاں گئے اور غنیم کو تدبیر اور شمشیر کے زور سے زیر کیا۔ سو پرتگالی اور دو سو دو غلے قتل کیے اور باقی جلاوطنی کے بادبان چڑھا رہے تھے کہ یہاں برہان کو بڑھاپے میں جوانی کا شوق ہوا۔ لوگوں کے ننگ و ناموس میں بدنیتی کی آگ لگانے لگا۔ کسی سے سنا کہ فرہاد خاں کی بی بی بڑی حسین ہے۔ اسے محل میں بلایا اور اپنی بدنیتی کی خاک اس کے پاک دامن میں ڈالی۔ اتنی بڑی بات! اور بڑے آدمیوں کی بات! چھپے کہاں! فرہاد خاں کو خبر پہنچی تو جل کر خاک ہو گیا۔ اور سب اہل فوج کے دل بیزار ہو گئے۔ فرہاد دشمن کے ساتھ جا کر شامل ہو گیا۔ دشمن جو زیر ہو چکا تھا زبر ہو گیا۔ بڈھا برہان بلہوسی کی دوائیں کھا کر ایسی پیچ در پیچ بیماریوں میں مبتلا ہوا کہ نہ کسی حکیم کی عقل کام کرتی تھی۔ نہ کوئی نسخہ کارگر ہوتا تھا۔ جب مزاج کسی اعتدال سے گر پڑا تو ابراہیم کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھایا۔ امرا دلوں میں پھوٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسماعیل کو باغی کر کے لڑا دیا۔ برہان الملک نے بمشکل بیماری سے اتنی اجازت لی کہ سنگھاسن پر بیٹھ کر میدان جنگ تک آیا۔ ناخلیف بیٹا باپ کے مقابلہ میں

Marfat.com

کامیاب کیا کرتا، ملک تباہ، نمک پروردہ لشکر ویران، دولت برباد غرض دونوں طرف نقصان ایک ہی گھر میں پڑ رہے تھے۔ ابراہیم عادل شاہ کا بھائی اس سے باغی ہو کر سرحد پر آیا۔ انہوں نے اس کی مدد پر کمر باندھی۔ وہ قضائے الٰہی سے مر گیا۔ ابراہیم عادل شاہ آتش غضب سے بھڑک اٹھا۔ فوج لڑائی کو بھیجی۔ انہوں نے مقابلہ میں اپنے امرا کو فوج دے کر بھیجا یہاں بھی شکست نصیب ہوئی۔ یہی حالات دیکھ کر اکبر نے مراد کو شاہ مراد بنایا تھا اور امرا کو ساتھ کر کے مالوہ و گجرات پر بھیج دیا تھا۔ کہ جس وقت موقع پائے اس طرف لشکر کے نشان لہرائے۔ خلاصہ یہ کہ ۱۰۰۳ھ میں برہان الملک مر گئے نور الدین ظہوری نے ساقی نامہ انہیں کے نام پر لکھا تھا۔

ابراہیم برہان الملک:

ابراہیم کو باپ نے اپنے سامنے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ اس نے اسماعیل بھائی کو اندھا کر کے قید خانہ میں بٹھا دیا۔ امراء اپنے اپنے گروہ باندھ کر باہم چھری کٹاری ہونے لگے۔ ابراہیم عیش و عشرت کی شراب سے نمرود ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر ابراہیم عادل شاہ نے خیال کیا کہ اکبر بادشاہ اس ملک پر مدت سے نظر رکھتا ہے۔ اور امرا اس کی سرحدوں پر فوجیں لئے پڑے ہیں۔ شاہزادہ مراد خود مالوہ میں آن بیٹھا ہے۔ وہ احمد نگر کو نہ چھوڑے گا اور ایسے بادشاہ جلیل القدر سے سرحد مل گئی تو اپنے ملک کے لئے بھی خطر ہے۔ اس لئے یہ دیوار بیچ میں قائم رہے تو ہر طرح بہتر ہے۔ اور یہ زیادہ تر بہتر ہے کہ اس کی حفاظت بھی اپنے طور پر رہے۔ غرض مصالح چند در چند مدنظر رکھے اور امرائے باتدبیر کو فوجیں دیکر بھیجا کہ دولت نظام شاہی کا انتظام کر دو۔ یہاں سے ابراہیم فوج لے کر مقابلہ کو نکلا۔ امرائے ہمراہی جس حالت میں کہ تھے۔ ان سے کیا فتح یابی کی امید ہو سکتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ میدان جنگ میں مارا گیا اور ۴ مہینے کے اندر تخت پر بیٹھ کر زیر خاک چلا گیا اور بہادر نام ایک بیٹا شیر خوار چھوڑا۔

اس وقت دربار احمد نگر میں عجب ہل چل پڑ رہی تھی۔ (۱) چاند بی بی برہان الملک کی بہن نے برہان نظام شاہ کے طفل خردسال کو بہادر شاہ خطاب دیکر تاج سر پر رکھا۔ وہ کہتی تھی کہ بہادر شاہ کے نام بادشاہی ہو۔ (۲) میاں منجو وغیرہ امرا احمد شاہ نام ایک لڑکے کو لائے اور تخت نشین کر کے بیٹھ گئے کہ نظام شاہی خاندان کا پھول ہے۔ بہادر شاہ کو قید کر لیا۔ (۳) اخلاص خاں حبشی نے ایک گمنام لڑکا نوجوان لا کر پیش کیا کہ یہ نظام شاہی خاندان سے ہے۔ موتی شاہ اس کا نام رکھا اور قوی فوج لے کر الگ ہو گیا۔ (۴) آہنگ خاں حبشی ایک بڈھے فرتوت کو لے آئے کہ یہ پیر کہن سال برہان شاہ اول کا بیٹا ہے اور ۷۰ برس کی عمر رکھتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ سلطنت کے لئے زیبا ہے۔ ان فتنوں میں

Marfat.com

سے کبھی کوئی غالب ہو جاتا تھا کبھی مغلوب۔ میاں منجھو وغیرہ امرا جو قلعہ میں احمد شاہ کو لئے بیٹھے تھے وہ محصور ہو گئے۔ انہوں نے گھبرا کر شاہزادہ مراد کو عرضی اور امرائے اکبری کو خطوط لکھے کہ آپ تشریف لائیں اور ملک پر قبضہ فرمائیں۔ ہم اطاعت کو حاضر ہیں۔ لشکر اکبر شاہی کے سپہ سالار مرزا عبدالرحیم خان خاناں تھے۔ شاہزادہ مراد کو لے کر احمد نگر کے گرد آن پڑے۔

چاند بی بی:

برہان الملک کی حقیقی بہن تھی۔ نہایت عفیفہ، پاک دامن، دانشمند، با تدبیر، عالی ہمت، دریا دل، اسی واسطے نادرۃ الزمانی اس کا خطاب تھا۔ علی عادل شاہ بادشاہ بیجاپور سے منسوب تھی۔ علی عادل شاہ، ابراہیم عادل شاہ کا بڑا بھائی تھا۔ وہ مر گیا تو ابراہیم عادل شاہ بادشاہ ہوا۔ بیگم مذکور نے جب دیکھا کہ خاندان برباد ہوا اور خاندانی سلطنت گھر سے جاتی ہے تو امرا کو جمع کیا سب کو فہمایش کی۔ آپس کے نفاق کا انجام دکھایا۔ اور جب لشکر اکبری آیا تو بڑی ہمت اور حوصلہ سے اس کا مقابلہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ کو کہ از روئے قرابت اس کا حقیقی دیور تھا۔ ایک مراسلت روانہ کی۔ اس نے سہیل خاں خواجہ سرا کو کہ نہایت بہادر اور باتدبیر امیر تھا۔ ۲۵ ہزار فوج دے کر روانہ کیا اور اور فرمانروایان دکن نے بھی فوجیں روانہ کرنے کا بندوبست کیا کہ سب کو اپنے اپنے انجام نظر آنے لگے تھے۔ بیگم مذکور نے قلعہ کی حفاظت میں وہ ہمت عالی ظاہر کی کہ امرائے جنگ آزمودہ جو رستمی کے دعوے رکھتے تھے۔ سب کی گردنیں خم ہو گئیں۔ محاسن سلطانی کے اوصاف سے آراستہ دیکھ کر خاص و عام نے سلطان کا تاج اس کے نام پر رکھا۔ وہ چاند بی بی سلطان مشہور ہوئی اور جب اکبری فوج نے احمد نگر فتح کیا تو مر گئی۔ تعجب یہ کہ کسی کو تحقیق نہ ہوا کہ کس طرح مر گئی۔

پیر روشنائی

ملا صاحب ۹۹۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ آج سے ۲۵ برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لئے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا اور افغانوں میں جا کر بہت سے احمقوں کو مرید کر لیا۔ اپنی بے دینی اور بد مذہبی کو رونق دی اور ایک کتاب تصنیف کر کے خیر البیان نام رکھا۔ اس میں اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا۔ وہ تو چند روز میں بسر کے بیل اپنے ٹھکانے پہنچا۔ ایک ۱۴ برس کا لڑکا جلالہ نام چھوڑ گیا۔ ۹۸۹ھ میں جبکہ اکبر کابل سے آتا تھا جلالہ ملازمت میں حاضر ہو کر مرحمت شاہنشاہی سے معزز ہوا۔

Marfat.com

سقاوت ذاتی اور موروثی لڑکے کی پیدائش میں تھی۔ اور خود بھی پیدا کی تھی اس لئے کچھ عرصہ کے بعد بھاگ گیا۔ انہی افغانوں میں جا کر پھر رہزنی شروع کر دی اور جم غفیر کو اپنے ساتھ متفق کر کے ہندوستان اور کابل کا رستہ بند کر دیا۔

اگر بیضہء زاغ ظلمت سرشت | نہی زیر طاؤس باغ بہشت
بہنگام آن بیضہ پروردنش | زانجیر جنت وہی ارزنش
دہی آبش از چشمہ سلسبیل | دراں بیضہ گردم ومد جبرئیل
شود عاقبت بیضہ زاغ۔ زاغ | کشد رنج بیہودہ طاؤس باغ

(ملا صاحب کہتے ہیں) فرقہ روشنائی۔ روستائی۔ (جنگل کی کھائی) کہ حقیقت میں عین تاریکی تھی اور ہم اپنی کتاب میں انہیں فرقہ تاریکی ہی لکھیں گے۔ اس کے تدارک کیلئے بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کر کے صوبہ دار کابل کیا تا کہ ان سرشوروں کو تنبیہ کرے۔ اسماعیل قلی خان، حسین قلی خان جہاں کے بھائی اور رائے سنگھ درباری کو بلوچوں پر بھیجا اور سعید خاں گکھر اور بیر بر اور شیخ فیضی اور فتح اللہ شربتی کو اور امرا کے ساتھ زین خاں کی کمک کے لئے بھیجا کہ لشکر لے کر گیا ہوا تھا۔ پھر حکیم ابوالفتح اور اور جماعت امرا کو روانہ کیا۔ اس لڑائی کا انجام لشکر بادشاہی کی تباہی پر ہوا۔ (دیکھو بیر بر کا حال) بادشاہ کا بڑا رنج ہوا راجہ ٹوڈرمل کو سپاہ کثیر کے ساتھ روانہ کیا۔ راجہ نے بڑی ہوشیاری اور تدبیر کے ساتھ اس مہم کا سرانجام کیا۔ بندوبست کے ساتھ پہاڑوں میں داخل ہوا۔ جا بجا قلعے بنواتا گیا اور ملک مذکور کو تاخت و تاراج کرتا ہوا اس طرح آگے بڑھا کہ غنیموں کو کھیتی کے سنبھالنے کی بھی فرصت نہ دی اور افغان تنگ ہو کر پریشان ہو گئے۔

۹۹۴ھ۔ ۱۵۸۵ء۔ گرمی کے موسم میں راجہ مان سنگھ بھی فوج لے کر چڑھا۔ درہ خیبر کے نواح میں سخت لڑائی ہوئی۔ فرقہ مذکور کے ہزاروں آدمی مارے گئے۔ بہت سے قید ہوئے۔ اسماعیل قلی خاں جہلم سے فوج لے کر پہنچا۔ جلالہ بنگش کی طرف بھاگ گیا۔ عبدالمطلب خاں سید بارہہ اس کے تعاقب میں گیا۔ وہاں جلالہ نے پھر فوج جمع کر لی اور ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ اور جلالہ پھر بھاگ گیا۔ چند روز پہاڑوں میں مارا مارا پھرا۔ بدخشاں سے پھر عبداللہ خان ازبک کے پاس پہنچا۔ مگر یہ کب ممکن تھا کہ وہ اس کی مدد کرے اور اتنے دور دراز فاصلے سے ایسے پہاڑوں میں اکبر جیسے بادشاہ کے مقابلہ پر فوج بھیجے۔ جلالہ توران سے ۱۰۰۱ھ میں ناکام پھرا۔ اور پھر آ کر ملک کے امن میں راہزنی سے خلل انداز ہوا کابل و ہندوستان کا رستہ بند کر دیا۔ بادشاہ نے آصف خاں (مرزا جعفر قزوینی) کو سپہ سالار کر کے فوج روانہ کی۔ وہ بھاگ گیا۔ اس کا بھائی واجد علی اور اہل و عیال اور خویش

Marfat.com

وقارب کہ تقریباً چار سو آدمی تھے گرفتار ہوئے۔ تقریباً بیس برس تک اس کا فساد جاری رہا اور اس عرصہ میں امرائے بادشاہی نے اس کے فرقہ کو کہیں دم نہ لینے دیا۔ زراعت کی بھی مہلت نہ دی۔ کھانے پینے کی قلت اور ضروریات کے نہ ملنے سے افغان تنگ ہو گئے۔ اور جلالہ بھی ڈانواڈول پھرتا رہا۔ باوجود اس کے ۱۰۰۶ھ میں غزنی پر قبضہ کر لیا اور یہی جلالہ کا آخری جاہ و جلال تھا مگر چار دن چاندنی رہی تھی کہ یہاں بھی اندھیرا ہو گیا اور خود بھی کوہستان مذکور میں جو وہابی ہیں۔ انہیں سنت و جماعت ملا خفا ہو کر فرقہ روشنائی کا بقیہ کہتے ہیں۔

تردی بیگ خاں ترکستانی

اس امیر کا حال جابجا حالات دربار میں مسلسل ہے۔ اس مقام پر جو کچھ ماثر الامرا میں لکھا ہے اس کا ترجمہ لکھتا ہوں۔ وہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں امارت کرتا تھا۔ ملک گجرات کی فتح کے بعد چانپانیر کا علاقہ اسے سپرد ہوا جب مرزا عسکری کو گجرات کا ملک ملا اور سلطان بہادر نے اسے شکست دی تو وہ بدنیت بادشاہی کے لالچ سے آگرہ کی طرف آیا۔ سلطان بہادر دریائے مہندائی اتر کر چانپانیر پر آیا۔ باوجودیکہ قلعہ ایسا مستحکم۔ اور غلہ کا ذخیرہ بھرا ہوا۔ سامان جنگ کافی ووافی۔ تردی بیگ ہمت کے سر پر خاک ڈال کر بھاگا اور ہمایوں کے پاس پہنچا۔

عالم خدمت گزاری میں جوہر اخلاص سے بہتر کوئی متاع نہیں ہے۔ وہ باوجود ملازمت قدیمی اور اعتبار بادشاہی کے اس دولت سے تہی دست تھا۔ مصیبت کے وقت جس بات کو حقیقت پرست اور وفادار لوگ باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ بلکہ عام آدمی بھی آئین نمک خواری میں اپنے دامن پر داغ سمجھتے ہیں۔ وہ بے شرمی و بے حیائی سے گوارا کرتا تھا۔ ہمایوں ریگستان سندھ سے جودھ پور کی طرف گیا تھا۔ اور رستہ میں خاص اس کی سواری کا گھوڑا نہ رہا۔ اس سے مانگا۔ اور اس نے نہ دیا۔ آخر ندیم کوکہ نے اپنی بڑھیا ماں کو گھوڑے پر سے اتار کر ایک بار برداری کے اونٹ پر بٹھا دیا اور وہ گھوڑا بادشاہ کو دیا۔

پھر امرکوٹ میں آ کر جب بادشاہ کی ٹوٹی پھوٹی فوج کی شدت۔ بدحالی حد سے گزر گئی تو جو مال بادشاہ کی بدولت جمع کیا تھا باوجودیکہ بادشاہ نے مانگا۔ اس نے نہ دیا۔ آخر ہمایوں نے رائے پرشاد وہاں کے حاکم کی مدد لے کر اس سے اور بعض امیروں سے دبا کر لیا مگر اس قدر کہ اہل ضرورت

Marfat.com

کی کاروائی کو کافی ہوا۔

جب ایران کو چلنے لگے تو یہ اپنے رفقا اور ملازموں سمیت الگ ہو گیا اور مرزا عسکری سے مل گیا۔ مرزا نے ایک ایک کو اپنے رفیقوں کے حوالہ کیا۔ اور مال کے لالچ سے سب کو قندھار لے گیا۔ بہتوں کو شکنجہ میں ڈال کر مارا بہتوں کو قتل کیا۔ تردی بیگ خاں سے مبالغ خطیر وصول کئے۔

جب ہمایوں ایران سے پھرا تو یہ ندامت اور شرمساری کی چادر میں منہ لپیٹ کر حاضر ہوئے۔ پھر اسی رتبہ امارت پر معزز ہوئے۔ ۹۵۵ھ میں الغ بیگ ولد مرزا سلطان کے مرنے سے انہیں زمین دار کا حکم کر دیا۔ ہندوستان کی مہم میں اچھی خدمتیں کیں اور میوات جاگیر پائی۔

۹۶۳ھ میں جب ہمایوں نے عالم فنا سے انتقال کیا تو یہ امیر الامرائی کے مسودے دل میں کر رہے تھے۔ انہوں نے دربار کا انتظام کر کے اکبر کا خطبہ پڑھا اور لوازم واسباب سلطنت اکبر کے پاس روانہ کئے کہ پنجاب میں تھا۔ اس خدمت کے صلہ میں دربار سے پنج ہزاری منصب مرحمت ہوا۔ اس نے امرا کو جو دہلی میں موجود تھے رفاقت میں لیا اور ملک کا بندوبست کرنے لگا۔ حاجی خاں عدلی کا رشید غلام تارنول میں حاکم تھا وہ ادھر ادھر ہاتھ مار رہا تھا۔ تردی بیگ اس پر فوج لے کر پہنچا اور شکست دیکر بھگا دیا۔ بلکہ میوات تک مارتا چلا گیا۔ اور اکثر سرکشوں کی گردنیں رگڑ کر پھر دلی میں آیا۔ اسی عرصہ میں ہیمو بقال آیا (اس معرکہ کا حال الگ لکھا گیا ہے۔ دیکھو اکبر و بیرم خاں کے حالات)

تورہ چنگیزی:

ترکوں کا تورہ (قانون شاہی) تھا کہ جس عورت پر بادشاہ خواہش سے نظر کرے۔ خاوند پر حرام ہو جاتی تھی۔ اس قومی اور ملکی رسم کو اسلام بھی نہ توڑ سکا چنانچہ ابو سعید مرزا اور امیر چوپان کا معاملہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ سلاطین ترک میں بادشاہ سے عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اور حق یہ ہے کہ بادشاہ بھی اکثر نیک ہی ہوتے تھے وہ سب کو بہو بیٹیاں سمجھتے تھے۔ اور جہاں کچھ تعلق واقع ہوتا تھا۔ تو فحش کے طور پر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ نکاح کا لباس پہن کر ہوتا تھا۔ اس کے خاوند کو جاگیر، منصب، زرو مال دیکر راضی کرتے تھے خدا کی خدائی کھلی ہے۔ وہ بھی کہیں اپنا گھر بسا لیتا تھا۔ آج سے ۱۵۔۱۶ برس پہلے تک میں نے خود دیکھا کہ تورہ چنگیزی کا اثر باقی چلا آتا تھا۔ بخارا کے بادشاہان موجودہ نے پیری کی برکت سے میری پائی تھی۔ لوگ ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ جس طرح ہندوستان میں جہاں پناہ اور جناب عالی سے بادشاہ مراد رکھتے ہیں۔ حضرت اور امیر المومنین کہا کرتے تھے اور اس سے بادشاہ مراد لیتے تھے۔ وہ بھی جس عورت پر خواہش ظاہر کرتے تھے اس کا وارث اسے آراستہ کر کے

Marfat.com

حاضر کر دیتا تھا۔ پسند آتی تو حرم سرا میں داخل رہتی۔ ورنہ رخصت ہو جاتی۔ اور جب تک زندہ رہتی ہم چشموں میں فخر کرتی۔ کہ مجھے یہ برکت حاصل ہوئی تھی۔ روس کی عملداری نے رنگ بدل دیا۔ اب کچھ اور ہی عالم ہے ؎

کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا۔

میرے دوستو! خوب سمجھ لو! جس طرح انسان کی طبیعت کے لئے بعض غذائیں موافق۔ اور بعض ناموافق ہیں کہ کبھی بیمار اور کبھی ہلاک کر دیتی ہیں۔ اسی طرح سلطنت کا بھی مزاج ہے۔ اور بہت نازک مزاج ہے۔ ایسی باتیں اس کے لئے موافق نہیں۔ سلطان روم عبدالعزیز خاں مرحوم کا انجام سب کو معلوم ہے۔ اس کا کیا سبب تھا؟ سبب ظاہر ہے دیکھ لو۔ کہ مرنے کے بعد شبستان دولت میں سے ایک ہزار کشتی بیگمات اور اہل حرم کی بھری ہوئی نکل کر گئی تھی ؎

اگر غافل شدی افسوس افسوس اگر دریافتی بر دانشست بوس

چتوڑ کی فتح:

قلعہ چتوڑ۔ رانا ادے پور کے ماتحت تھا۔ ۹۷۵ھ میں اکبر خود قلعہ مذکور پر لشکر لے کر گیا۔ اور قلعہ کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ اگرچہ پہلے بھی دو دفعہ سلاطین اسلام کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ مگر میواڑ کے راجپوت اسے اپنے راج کا مبارک اور مقدس مقام سمجھتے تھے۔ اور غیر کے قبضہ میں نہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ آبادیوں سے الگ ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اور وہ زمین ❶ سے ایک کوس اونچی تھی۔ جن دنوں ابراہیم مرزا وغیرہ نے ملک مالوہ میں بغاوت کی خاک اڑائی ہوئی تھی۔ اکبر نے اس طرح توسن ہمت کی باگ اٹھائی۔ دھولپور کی منزل میں لشکر پڑا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تمام راجہ ہندوستان کے ملازمت میں آئے۔ ایک رانائے میواڑ ہے کہ نہیں آتا۔ پہلے اس کا استیصال کرنا چاہئے۔ مالوہ کو پھر دیکھا جائے گا۔

رانا ادے سنگھ کا بیٹا سکت سنگھ نام باپ سے خفا ہو کر آیا تھا اور رکاب میں حاضر تھا۔ اس سے کہا کہ سکت! دیکھیں تم اس مہم میں کیسی خدمتیں بجا لاتے ہو۔ اس نے زبان سے بہت کچھ اقرار کئے مگر فرصت پا کر لشکر سے بھاگا اور باپ کو جا کر اس حال کی خبر دی۔ قلعہ ۳ کوس لمبا اور آدھا کوس چوڑا تھا۔

❶ مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ کوہ مذکور ایک ایسے میدان سطح میں واقع ہوا ہے جس کے گرد بلندی و پستی کو راہ نہیں۔ کوہ مذکور کا دور نیچے ۶ کوس ہے جس بلندی پر دیوار قلعہ ہے وہ زمین سے تین کوس بلند ہے۔ اور علاوہ تالابوں اور سنگین حوضوں کے کہ برسات سے بھرتے ہیں۔ اوپر ایک چشمہ بھی جاری ہے۔

Marfat.com

قدرتی چشمے اس کے اندر جاری تھے۔ اور میواڑ کا علاقہ جو انجام کو اد پور ہو گیا۔ سامان کھانے پینے او لڑائی کا اس قدر تھا۔ کہ مدتوں میں بھی ختم نہ ہوتا۔ بادشاہی فوجوں نے دائرہ کی طرح قلعہ گھیر لیا۔ محاصرہ تنگ تھا۔ آمد و رفت بند کر دی تھی۔ بہادر ہر روز حملے کرتے تھے۔ زخمی ہوتے تھے مارے جاتے تھے۔ فائدہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ صلاح ہوئی کہ سرنگیں لگاؤ۔ اور برج اڑا کر قلعہ میں گھس جاؤ۔ طرفیں تقسیم ہوئیں۔ اور تجربہ کار اور عرق ریز امیروں کے اہتمام میں کام جاری ہوا۔ سنگتراش، معمار، بیلدار، مزدور ہزاروں لگے ہوئے تھے اور چوہوں کی طرح اندر ہی اندر زمین کے نیچے چلے جاتے تھے۔ سونا چاندی خاک کی طرح اڑتا تھا۔ قلعہ سے توپوں کا آنا دشوار تھا۔ وہیں توپیں تیار ہوئیں۔ ۲۰ سیر کا گولہ کھاتی تھیں۔ یہ باتیں قلعہ والوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ دیکھ کر گھبرائے اور پیغام بھیجا۔ کہ خراج ہر سالہ حضور میں ادا کرینگے۔ خطا معاف ہو۔ ارکان دولت کی صلاح ہوئی مگر اکبر نے کہا۔ کہ رانا اگر حاضر ہو پہلی سرنگ خود بادشاہ نے اپنے اہتمام میں رکھی تھی۔ دوسری راجہ ٹوڈرمل اور قاسم خاں میر بحر کے انتظام میں تھی وغیرہ وغیرہ۔

قلعہ والوں نے بھی دیکھ لیا۔ کہ وقت یہی ہے۔ اگر سرنگیں تمام ہو گئیں تو کام تمام ہے۔ انہوں نے بھی فصیلوں پر آ کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اور توپچیوں نے برجوں سے آگ برسانی شروع کی۔ ادھر امرا تو درکنار بادشاہ خود ایک ایک مورچہ اور دمدمہ پر دوڑے پھرتے تھے۔ ساباط ❶ ایسی چوڑی تھی۔ کہ دس ہزار بفراغت اندر چلے جاتے تھے۔ بلند ایسی کہ فیل سوار نیزہ دار اوٹ میں چلا جائے۔ تو قلعہ والوں کو خبر نہ ہوتی تھی۔ اور جانبازوں کا یہ عالم تھا۔ کہ بھینسوں اور بیلوں کی کھالوں کی اوٹ بنائی تھی۔ ڈھالیں منہ پر لیتے تھے۔ اور کام کئے جاتے تھے۔ مرتے تھے گرتے تھے۔ آدمیوں کے لاشے اینٹ پتھروں کی جگہ چنتے چلے جاتے تھے۔ مگر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ قلعہ والے آگ برسا رہے تھے۔ ہزار گیارہ سو آدمی ہر روز بندوقوں اور توپوں کا لقمہ ہوتے تھے۔ حکم تھا۔ کہ جو ایک ٹوکری مٹی کی ڈالے دامن بھر کر روپیہ دے دو۔ سونا چاندی خاک کی طرح اڑتا تھا۔

ہر چند کہ اہل قلعہ کی آتش بازی نے دلاور حملہ آوروں کے نیست و نابود کرنے میں کسر نہ رکھی

❶ ساباط کی صورت یہ ہے کہ ایک ایسے موقع کا مقام دیکھتے ہیں جہاں قلعہ کا گولہ نہیں پہنچ سکتا۔ وہاں سے کچھ زمین کھودتے ہیں اور دونوں طرف تختوں اور لکڑیوں کی دیواریں اٹھاتے ہوئے قلعہ کی طرف بڑھاتے جاتے ہیں۔ اس کا رخ ایسا دیکھ لیتے ہیں کہ فصیل سے گولی آئے تو ان دیواروں پر منہ توڑ صدمہ نہ پہنچائے۔ آگے بڑھتے جاتے ہیں اور اوپر سے چھت پاٹتے جاتے ہیں اور اس چھتے کو دیوار قلعہ تک پہنچا دیتے ہیں وہاں سے کسی برج کی بنیاد خالی کر کے باروت سے اڑا دیتے ہیں)

Marfat.com

تھی۔ مگر حملہ آوروں کا بھی وہ تانتا بندھا تھا جس کے دونوں سرے ازل و ابد سے ملے ہوئے تھے لڑائی کا میدان کیا تھا۔ میدان رست خیز تھا۔ جہاں اگر سو گرتے تو ہزار اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ توپوں کے ڈھلنے نے رہی سہی امیدوں کو اور بھی ملیامیٹ کر دیا تھا۔

اسی حال میں سرنگیں بھی اور مورچے اور دمدمے بھی برابر بڑھتے چلے جاتے کہ دو سرنگیں پاس پاس قلعہ کی دیوار تک جا پہنچیں۔ برج اور دیوار کی بنیاد خالی کر کے ایک میں ۱۲۰ من اور دوسرے میں ۸۰ من باروت بھری۔ دو فتیلوں کو آگ دکھائی۔ بہادروں کو انتخاب کر کے تیار کھڑا کیا۔ کہ برج کے اڑتے ہی حملہ کریں۔ اور قلعہ میں جا پڑیں۔

پہلے ایک سرنگ اڑی اور سامنے کا برج اڑا۔ قلعہ کے محافظ جو اس پر کھڑے تھے۔ سب اڑ گئے۔ اگرچہ زمین ہل گئی اور ہوا اندھیر ہو گئی۔ اور گڑگڑاہٹ کے صدمہ سے دل سینوں میں ہل گئے۔ مگر بہادر جو کمر بستہ گھات میں کھڑے تھے۔ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ گڑگڑاہٹ میں اور پیش قدمی کے ولولوں میں سردار او رسپاہی کوئی نہ سمجھا۔ کہ ابھی دوسری سرنگ باقی ہے۔ اس وقت غوغائے قیامت کا نمونہ آشکار ہوا۔ کیونکہ باہر کے حملہ آور اور اندر کے محافظوں کو ساتھ ہی لے کر اڑی۔ غل اور شور ہوا کہ شور محشر بھی گرد ہو گیا۔ ہندو مسلمان یکساں دوہائی دیتے تھے۔ آدمی پتھر چیلوں اور کوؤں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آتے تھے۔ ۳۳۔ ۳۴ کوس پر جا گرے۔ ہاتھ مشرق میں گرا، پاؤں مغرب میں۔ ۵۰، ۵۰ کوس سے زیادہ اس صدمے کا اثر پہنچا۔ پانسو نامی اور نمودار جوان جانوں سے گئے۔ کہ بادشاہ شناس بہادر تھے۔ اوروں کا کیا ٹھکانا۔ ہندو اور مسلمان سو سو اور دو دو سو من کے پتھروں کے نیچے دب کر رہ گئے۔

اول دونوں برجوں کو سامنے رکھ کر ایک سرنگ کھودنی شروع کی تھی۔ تھوڑی دور جا کر آگے اس کی دو شاخیں کیں۔ ایک ایک کو ایک ایک برج کی طرف لے گئے۔ اس میں کام کی اور باروت کی کفایت سمجھے تھے اور یہ بھی خیال تھا کہ ایک جگہ سے دونوں کو آگ پہنچ جائیگی۔ اکبر نے جی کہا تھا کہ ایسا نہ ہو ایک برج پہلے اڑے۔ دوسرے میں دیر لگے۔ اس وقت اہل تدبیر نے زبانی باتوں سے اپنی تجویز کی تصویر ایسی خوشنما دکھائی کہ وہی مصلحت اچھی معلوم ہوئی۔ انجام وہ ہوا کہ جو نہ ہونا چاہئے تھا۔

بہرصورت یہ بڑا وار تھا کہ خالی گیا بلکہ اس سے غنیم کا دل بڑھ گیا۔ اور مقابلہ اور دفعیہ پر بڑی ہمت سے کمر بستہ ہو گئے۔ بہادر بھی ہمت نہ ہارتے تھے حملہ ہائے مردانہ کئے جاتے اور مرتے رہتے تھے۔ ساباط پر اور دمدموں کے اوپر کوٹھے ڈال لئے تھے۔ ان میں بیٹھے تھے اور خاطر جمع سے نشانے

Marfat.com

مارتے تھے۔

ایک دن بادشاہ کسی دمدمہ پر دیوار کی آڑ میں کھڑے گولیاں مار رہے تھے۔ جلال خاں قورچی (دل لگی کا مصاحب) پاس کھڑا تھا۔ وہ بھی دیوار کے سوراخ سے منہ لگائے قلعہ کی طرف دیکھ رہا تھا فصیل پر سے کسی نے ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ اس کا سر تو بچ گیا مگر کان اڑ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ اس مورچہ سے ہمیشہ ایسی ہی گولی آتی ہے کوئی بڑا اگل چلا سپاہی یہاں ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ جلال خاں۔ اگر یہ نظر آجائے تو ابھی اس سے تیرا بدلہ لوں مگر کیا کروں کہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی بندوق کی نال سوراخ فصیل میں سے نکلی ہوئی تھی اکبر نے اسی پر تاک کر گولی ماری اور کہا کہ بندوق کی پھڑک سے معلوم ہوتا ہے کہ نشانہ کارگر ہوا ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسماعیل اس مورچہ کا افسر تھا اور حقیقت میں بڑا نشانہ باز تھا کہ مارا گیا۔

ایک دن اطراف وجوانب سے ایسے گولے برسائے کہ دیوار قلعہ میں شگاف ڈال دیا۔ شام سے توپ وتفنگ کی آگ برسانی شروع کردی۔ آدھی رات کو دھاوا ہوا۔ اہل قلعہ نے جب یہ صورت دیکھی تو سوتے اور جاگتے، اٹھ اٹھ کر دوڑے۔ بوریاں تھیلے، ٹوکرے مٹی سے بھر بھر کر ڈالنے شروع کر دیئے۔ مرتے تھے گرتے تھے اور اڈے چلے جاتے تھے کہ دیواریں اٹھا کر رستے بند کریں۔ لکڑیاں، روئی کے ڈھیر کپڑوں کی گٹھڑیاں لا لا کر ڈالتے۔ اور ان پر تیل اور گھی بہاتے تھے کہ جب حملہ ہو تو انہیں آگ دے کر شعلہ کی دیوار کھڑی کردیں۔

محاصرہ ۶ مہینے جاری رہا۔ ایک دن بادشاہ دمدمے پر کھڑے بندوق لگا رہے تھے۔ سنگرام نام بندوق اس کے ہاتھ میں تھی۔ کہ ایک شخص سبز چلتہ پہنے برج قلعہ پر نظر آیا۔ سرداروں کے نشان اس کے آس پاس نظر آتے تھے۔ اپنے سپاہیوں کو لڑائی کے باب میں کہہ سن رہا تھا۔ بادشاہ نے اُسی کو نشانہ میں باندھ کر بندوق ماری۔ دور سے معلوم نہ ہوا مگر راجہ بھگوان داس مان سنگھ کا باپ پاس کھڑا تھا۔ اس سے بادشاہ نے کہا۔ جس وقت بندوق نشانہ پر لگتی ہے۔ تو ہاتھ کو ایک قسم کی لپک دیتی اور دل کو مزا آتا ہے۔ اس وقت مجھے وہی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ضرور اس چلتہ پوش پر نشانہ لگا ہے۔

حسین قلی خان کی عرض:

خان جہاں حسین قلی خاں نے عرض کی۔ کہ خانہ زاد ہر روز اس شخص کو دیکھتا ہے۔ کہ دن بھر میں کئی کی دفعہ ادھر آتا ہے۔ کل نہ آیا۔ تو سمجھیں گے کہ مارا گیا۔ چند قدم چلے تھے۔ جو جیتا رقلی دیوانہ خبر لایا کہ برج مذکور خالی نظر آتا ہے۔ سب وہاں چلے گئے۔ اتنے میں قلعہ کے محلوں سے آگ کے شعلے

Marfat.com

اٹھے۔ راجہ بھگوان داس نے عرض کی۔ فتح مبارک۔ وہ شخص خود جیمل سنگھ سردار قلعہ تھا۔ جو مارا گیا۔ اور رانیوں نے جوہر کیا۔ یہ آگ کے شعلے وہی تھے۔ راجپوتوں کی رسم عام ہے۔ کہ جب مہم کا خاتمہ قریب دیکھتے ہیں۔ تو عود اور صندل کا ڈھیر اور بہت سی لکڑیوں کا انبار اور گھی تیار رکھتے ہیں اہل وعیال پر اپنے معتمد آدمی مقرر کر دیتے ہیں۔ کہ جب شکست کا یقین ہو جائے اور مرد مارے جائیں۔ تو عورتوں کو بیچ میں ڈال کر آگ لگا دیتے ہیں۔ اس خودکشی کو جوہر کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ۴ مہینے ۷ دن کے محاصرہ میں قلعہ فتح ہو گیا۔ تاریخ ہوئی۔ ع

دل گفت کہ بکشاد بزودی چتور

پنڈولی سے بسی تک:۔

ٹاڈ صاحب کہتے ہیں۔ اکبر کی چھاؤنی کی نشانیاں اب تک وہاں موجود ہیں۔ پنڈولی سے بسی تک کہ شاہراہ ہے۔ ۱۰ میل تک لشکر پڑا تھا۔ کئی سنگ مرمر کے منارے ہیں۔ کہ اب تک کھڑے ہیں۔ اور واقعات مذکورہ کی گواہی دے رہے ہیں۔ ایک ان میں سے اکبر کا دیوا کہلاتا ہے۔ اب تک جیسا تھا۔ ویسا ہی کھڑا ہے۔ ۳۰ فٹ بلند ہے۔ ۱۲ فٹ مربع قاعدہ چوٹی کی سطح ۴ فٹ مربع۔ سر سے پاؤں تک سیڑھیاں ہیں۔ ایک بڑا سا حوض ہے۔ اس میں آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ کہ رات کو لوگ رستہ نہ بھولیں۔ اکبر ملک ملک کی عمدہ باتوں اور تاریخی یادگاروں کا مجموعہ تھا۔ اس کا دربار ہر ولایت کے معتبر اشخاص کا مجموعہ تھا۔ یہ سبق اہل عرب سے لیا ہوگا۔

جیمل اور فتا نے اپنے ملک کے بچانے میں جو جو نام دکھائے۔ ان کے گیت اور کبت اب تک لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ جب تک کوئی راجپوت کی بڑھیا یا ان کے گھر کا بچہ زندہ ہے تب تک قائم رہیں گے۔ ٹاڈ صاحب کہتے ہیں۔ اکبر نے دو بڑے ہاتھی پتھر کے ترشوائے۔ ان پر جیمل اور فتا کی مورتیں سوار کیں۔ یہ ہاتھی قلعہ آگرہ کے دروازے پر آمنے سامنے سونڈیں ملا کر محراب بنائے کھڑے تھے۔ لوگ نیچے سے آتے جاتے تھے۔ (۲) قلعہ چتور میں ایک بڑا نقارہ تھا۔ ۸ یا ۱۰ فٹ اس کا قطر تھا۔ کوسوں تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ جب راجہ سوار ہوتا تھا یا قلعہ میں داخل ہوتا اس وقت بجتا تھا کہ دور دور تک خبر ہو جاتی تھی۔ دروازہ مذکور کو وہاں سے اٹھا کر اجمیر کے دروازہ میں رکھ دیا۔ (۳) بڑی مائی جس نے اپنے مبارک ہاتھ سے باپا راول کی کمر میں تلوار باندھی تھی۔ اور اس کی دیا سے وہ قلعہ چتور مارا تھا۔ اس کے شوالہ کے کواڑ بھی اکبرآباد لے گیا۔ اور شمشیر مذکور بھی لے لی۔

Marfat.com

رام پور کی فتح:

آصف خاں نے چتور سے ۵۰ میل چڑھ کر رام پور بھی فتح کر لیا۔ اور قلعہ مانڈل بھی ہاتھ آ گیا۔ حسین قلی خاں نے اودے پور مارا۔ اس سے شمال و مغرب کی جانب میں کونبل میر ہے۔ وہ بھی زور شمشیر سے لیا۔ باوجود اس کے اودے سنگھ اپنی جنگل جھاڑیوں کی امان میں نچنت پھرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا رانا پرتاب جانشین ہوا۔ اس سے پھر کونسل سیر اور کوکندہ لیا۔ وہ باپ کی طرح نامراد اور بودا نہ تھا۔ اس نے ہمت واستقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اودے پور کو دارالسلطنت ٹھہرایا اور کئی علاقے جو ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ پھر چھڑا لئے۔ راجپوتوں میں یہی ایک خاندان ہے جس نے مسلمان بادشاہوں کو بیٹی نہیں دی۔

حاجی ابراہیم

ابتدائی حالات:

سرہند کے رہنے والے تھے۔ مگر بڑے جھگڑالو ملا تھے۔ مباحثوں میں حریف کا دم بند کر دیتے تھے۔ اور مغالطے کے بادشاہ تھے۔ ابھی یہ بات، ابھی وہ بات۔ ابھی یہاں، ابھی وہاں۔ اکبر نے چاہا کہ دستی مہر پر اللہ اکبر کھدوائے۔ حاجی صاحب مخالفت پر کھڑے ہو گئے اور یہ روکنا کچھ دینداری کی رعایت سے نہ تھا۔ فقط تقریر کی زور آزمائی تھی۔ پھر بادشاہ کی رغبت دیکھ کر آپ ہی سرخ و زعفرانی لباس کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیا۔ مگر بچ گئے۔ میر سید محمد میر عدل نے عصا تو اٹھایا تھا۔ لفظ کمبخت۔ ملعون پر خیر گزر گئی۔ بھاگ گئے ورنہ وہ مار بیٹھتے۔

آخر ۹۹۵ھ میں احمد آباد گجرات کے صدر ہو کر گئے۔ چند روز کے بعد دربار میں خبر پہنچی کہ خوب رشوتیں کھائی ہیں۔ مشائخ اور ائمہ مساجد سے ہزاروں روپیہ لیا ہے جس نے نہیں دیا اس کی مدد معاش میں سے وضع کر لیا ہے۔ اور جوروؤں سے گھر بھر لیا ہے۔ انہیں بھی خبر لگ گئی چاہتے تھے کہ دکن کو بھاگ جائیں۔ دربار میں خبر جا پہنچی۔ بادشاہی پیادوں نے جا لیا۔ پکڑے آئے حکیم عین الملک کے حوالہ ہوئے پھر بھی رات کے دربار میں بلائے جاتے تھے۔ مگر اب یہاں دربار کا عالم اور ہو گیا تھا۔ انہوں نے رنگ دیکھ کر ایک دقیانوسی کرم خوردہ رسالہ نکالا۔ شیخ محی الدین عربی کی عبارت کے حوالہ سے اس میں ایک عبارت لکھی یا لکھوا دی کہ حضرت امام مہدی کی بہت سی بیبیاں ہونگی اور وہ داڑھی منڈھے ہونگے اور کئی آتے پتے اور بھی ایسے لکھے کہ اکبر میں موجود تھے۔ اس سے یہ ثابت کرتے

Marfat.com

تھے کہ اکبر امام مہدی ہیں۔ یہ نسخہ بھی نہ چلا۔ بادشاہ نے رنتھبور کے قلعہ میں بھیج کر قید کر دیا۔ ملا صاحب اکبر کی شکایتوں کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ وہاں اوج رفعت نے خواری کے گڑھے میں گرا دیا اور مطلب اپنا نکالا (یعنی مار ڈالا) ابوالفضل لکھتے ہیں کہ حاجی نے پہرے والوں سے سازش کر کے کپڑے کے تھان کھول کر لٹکائے کہ کمند کی طرح اس پر سے اتر جائیں۔ قضا نے دھکا دیا اوپر سے گر پڑے اور صبح کو مرے ہوئے ملے۔

حسین قلی خان خان جہان

ابتدائی حالات:

بیرم خاں کا بھانجا، ولی بیگ ذوالقدر کا بیٹا تھا (ترکمانوں میں ایک نامور قبیلہ کا نام تھا) ولی بیگ نے بیرم خاں کے ساتھ ہمایوں کے انتہا تک اور اکبر کے ابتدا میں بڑی بڑی جانفشاں خدمتیں کیں۔ مگر جب بیرم خاں کی اکبر سے بگڑی تو اس نے بیرم خاں کا ساتھ دیا (آخر اس کا بہنوئی تھا) اور بڑی گرمجوشی اور دلاوری سے کارنامے کئے۔ دشمنوں نے اکبر کے منقوش خاطر کر دیا کہ بیرم خاں کو یہی فساد پر آمادہ کرتا ہے۔ جب قصبہ دکدار علاقہ جالندھر میدان جنگ ہوا تو چار دلاور میدان سے زخمی اٹھائے گئے۔ ایک ان میں سے ولی بیگ تھا۔ اس کی قسمت برگشتہ تھی۔ دشمن ایسے دربار میں چھائے ہوئے تھے کہ پہلی جانفشانیوں پر کچھ خیال نہ کیا گیا۔ سر کاٹا گیا۔ اور امرائے مشرقی کے پاس دورہ دیا گیا کہ سب کو عبرت ہو۔

ہیموں کے مقابلہ میں بہادری کے کارنامے:

جب ہیموں سے مقابلہ ہوا تو خان خاناں کی فوج خان زمان کے آگے سینہ سپر تھی۔ اور نوجوان حسین قلی خاں نے بڑھ بڑھ کر تلواریں ماریں۔ عداوت کیا بری بلا ہے! جب بیرم خاں کی اکبر سے ناچاقی ہوئی۔ اور اہل فساد نے اکبر سے خان خاناں کے نام فرمان لکھوایا تو اس میں اس کی بے اعتدالیوں کی تفصیل لکھی کہ تم نے اپنے بہنوئی ولی بیگ کو درجہ عالی پر پہنچایا۔ اور حسین قلی خاں جس نے کبھی ایک مرغ کے پنجہ نہیں مارا۔ اور اسے اور اپنے تمام متوسلوں کو عمدہ جاگیریں دیں۔

حسین قلی خاں وہی نوجوان ہے کہ جب بیرم خاں نے میوات سے طوغ وعلم سامان امارت اکبر کے حسب الطلب بھیجا تھا تو اس کے ہاتھ بھیجا تھا۔ کیونکہ وہ باوجود جوانی کے سلیم الطبع اور مزاج کا متحمل تھا۔ خان خاناں سمجھا کہ شاید نیاز مندی اور ضعف مالی کے ذریعہ سے بگڑا ہوا کام بن جائے۔

Marfat.com

یہاں دشمنوں نے اسے قید کروادیا۔ مگر اکبر کے اوصاف کی کیا تعریف ہو سکے کہ جب مہم خان خاناں کے لئے دلی سے پنجاب کو چلا تو (عبدالمجید) آصف خاں کو وہاں کا صوبہ کیا۔ اور جہاں اور ہدایتیں کیں۔ یہ بھی کہا کہ اسے احتیاط سے رکھنا۔ کوئی صدمہ نہ پہنچنے پائے۔ کیونکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ خان خاناں کے دشمنوں کا زور ہے۔ اور اس کی اور اس کے متوسلوں کی جان کے دشمن ہیں۔ جب بیرم خاں کی خطا معاف ہوئی تو سب کی خطا معاف ہوئی۔ حسین قلی خاں حضور میں حاضر رہتا تھا۔ دانائی اور رسائی اس کی قابل تعریف ہے کہ سلطنت کے تخت رواں کا پایہ پکڑے چپ چاپ چلا جاتا تھا۔ ماموں کے دشمنوں سے اپنی حالت کو بچائے رکھتا تھا۔ اور جو خدمت ملتی تھی۔ اسے اس طرح بجالاتا تھا کہ حریفوں کو خبر نہ ہوتی تھی۔ اور نظر عنایت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

باغی مرزا اشرف الدین حسین:

۹۷۰ھ میں مرزا اشرف الدین حسین آگرہ سے باغی ہو کر بھاگے۔ اب حسین قلی خان نے مزاج دانی اور خدمت گزاری کی سفارش سے اتنا اعزاز و اعتبار پیدا کرلیا تھا کہ بادشاہ نے اسے خانی کا خطاب دیا۔ اس کے بھائی اسماعیل قلی خاں کو ساتھ کیا۔ اور سمجھا دیا کہ مرزا کو تسلی واطمینان دینا۔ نہ مانے تو استیصال کر دینا۔ امرائے معتبر کو فوجیں دے کر کمک پر بھیجا۔ اور اجمیر و ناگور اس کی جاگیر کر دی۔ اس نے مرزا کو مارتے مارتے اجمیر سے ناگور اور وہاں سے میرٹھ پہنچایا۔ اور ریل دھکیل کر ممالک محروسہ کے باہر پھینک دیا۔ ملک کا عمدہ بندوبست کیا۔ اور جودھپور پر فوج کشی کی۔ ذرا خدا کی شان دیکھو! ایک وہ وقت تھا کہ مالدیو وہاں کے راجہ نے ہمایوں کو خود بلایا۔ اور عین مصیبت اور تباہی کی حالت میں مروت کی آنکھوں میں خاک ڈالی تھی۔ اب وہ مر گیا اس کا بیٹا چندر سین مسند نشین تھا۔ اب ملک مذکور حسین قلی خاں کی تلوار سے فتح ہو کر خاص جودھپور پر قبضہ ہوا۔ اور چند روز کے بعد سلطنت سے راج کارشتہ ہو گیا۔

۹۷۴ھ میں اکبر نے رانا کی مہم پر بھیجا۔ وہ ادیپور تک مارتا چلا گیا۔ رانا بھاگ کر پہاڑوں میں گھس گیا۔ بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ جم کر نہ لڑا تھا۔ لشکر بادشاہی سرگرداں ہوتا تھا۔ اس لئے بادشاہ نے بلا لیا۔ چتوڑ کے محاصرے میں پھر آ کر شامل ہوا۔ اور جاں نثاری کے قدموں سے آگے آگے دوڑتا پھرا۔

پنجاب کا علاقہ واپس لینا:

۹۷۵ھ میں مرزا عزیز کے خاندان سے پنجاب کا ملک لے کر تمام اتکہ خیل کو ملک پنجاب سے اور کمال گکھڑ کو اس کے علاقہ سے بلا لیا اور ملک مذکور کو اس کے اور اس کے بھائی اسماعیل قلی خاں کے

Marfat.com

نام کر دیا۔ مگر تھبور کی مہم سامنے تھی۔ اس کارکاب سے جدا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب قلعہ مذور فتح ہوا تو بادشاہ آگرہ میں آئے۔ وہ اور اس کا بھائی لاہور میں آیا۔ اور بہت خوبی سے پنجاب کا انتظام کیا۔

راجہ جے چند کو قید کرنا:

۹۸۰ھ میں بادشاہ نے کسی بات پر خفا ہو کر راجہ جے چند والی نگر کوٹ (کانگڑہ) کو قید کیا۔ بدیچند اس کا بیٹا سمجھا کہ باپ دربار میں مارا گیا۔ وہ کانگڑہ میں باغی ہو کر بگڑ بیٹھا۔ بادشاہ کو غصہ آیا۔ مہیش داس کو کبرائی سے راجہ بیر بر بنا کر ملک مذکور ان کی جاگیر کر دیا۔ مصلحت اس میں یہ رکھی ہوگی۔ کہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے۔ برہمن کا نام درمیان رہے۔ حسین قلی خان کو حکم پہنچا کہ کانگڑہ کو فتح کر کے راجہ بیر بر کو قبضہ دلوادو اس نے امرائے پنجاب کو جمع کیا اور لشکر لے کر روانہ ہوا۔ جب دھمیری پر پہنچے تو چنو وہاں کے حاکم نے رستہ سے ہٹ کر وکیل بھیجے کہ میری راجہ سے قرابت ہے۔ حاضر نہیں ہو سکتا۔ لیکن راہداری ذمہ میرا ہے۔ خان ملک گیر نے ماموں کی تدبیروں کا دودھ پیا تھا۔ وکیلوں کو خلعت دے کر رخصت کیا اور اپنا تھانہ بٹھا کر آگے بڑھا۔

کوٹلہ کے حاکم کا مقابلہ کرنا:

کوٹلہ کے حاکم نے مقابلہ کیا۔ یہ قلعہ حقیقت میں اتم چند راجہ گلیر کا تھا۔ رام چند کے دادا نے دبالیا تھا۔ سپہ سالار نے جا کر اطراف قلعہ پر نظر ڈالی اور ادھر ادھر پہاڑیوں پر توپیں چڑھا دیں۔ دن بھر گولے مارے۔ شام کو ڈیروں میں آیا۔ رات کو اہل قلعہ نکل کر بھاگ گئے۔ صبح کو قلعہ قبضہ میں آ گیا۔ اسے راجہ گلیر کے حوالے کر کے آگے چڑھ گیا۔ جنگل کا یہ عالم ہے کہ درختوں کی کثرت سے آسمان کے تاروں نے زمین کا منہ نہ دیکھا تھا۔ سپاہ اور بہیر سب کو کلہاڑیاں دے دیں کہ کاٹو اور بڑھتے چلو۔ کوٹ کانگڑہ سامنے نظر آیا۔ باغ اور گھوڑ دوڑ کا میدان راجگان قدیم کے وقت کا چلا آتا تھا۔ وہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور قلعہ بھون کو گھیر لیا۔ یہاں مہامائی کا مندر ہے۔ وہ پہلے ہی حملہ میں ہاتھ آ گیا۔ ہزاروں برہمن پجاری اور راجپوت دھرم کا پن سمجھ کر سینہ سپر ہوئے اور سرخرو دنیا سے گئے۔

کوٹ کانگڑہ کا محاصرہ:

(ملا صاحب فرماتے ہیں) خان جہاں آگے بڑھا۔ اور ایسے رستوں سے کہ سانپ کا پیٹ اور چیونٹی کے پاؤں نہ ٹھہرتے تھے۔ ہزار نشیب و فراز پھلانگ کر گھوڑے، ہاتھی، اونٹ، اور لشکر

Marfat.com

سمیت توپخانے اور قلعہ شکن توپیں پہنچا دیں۔ اور آبادی کوٹ کانگڑہ کو قلعہ سمیت گھیر لیا۔ یہ متبرک ومقدس مقام بزرگان ہنود کا ہے۔ یہاں لک در لک آدمی ہزاروں کوس ولایت ہائے دور دست سے عین موسم پر آ کر جمع ہوتے ہیں۔ اور ڈھیر کے ڈھیر سونا، اشرفیاں، کپڑے، شال، دوشالے، جواہرات، انواع واقسام کے نفائس، انبار در انبار عجائب وغرائب چڑھاتے ہیں۔ غرض مقام مذکور کو پہلے ہی دھاوے میں فتح کر لیا۔ پہاڑوں نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ پہاڑی گھاس کی طرح تلواروں سے کاٹے گئے۔ تماشا یہ ہے کہ راجہ بیر بر خود موجود تھے۔ پھر بھی مندر کے گنبد پر جو سونے کا چتر لگا تھا۔ تمام تیر دوز ہو گیا۔ اور مدتوں اسی طرح رہا۔ دو سو کے قریب کالی گائیں تھیں۔ ہندوان کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور پوجا کرتے تھے۔ اس وقت دار الامان سمجھ کر ان سب کو مندر لے آئے تھے۔ اور کمانوں کے تیر بندوقوں کی گولیاں مینہ برسا رہے تھے۔ تو بادشاہی لشکر کے سپاہی، کیا ہندو کیا مسلمان ایسے جوش میں آئے کہ دین دھرم کا ہوش نہ رہا۔ گایوں کو کاٹ ڈالا۔ ان کے خون موزوں میں بھرتے تھے۔ اور چاروں طرف مارتے تھے۔ اے جہالت کے بہادرو!! اگر جوش تھا تو حریفوں پر تھا۔ بے بس، بے کس بے زبان تمہاری دودھ پلانے والیوں نے کیا لیا تھا۔ جو یہ بے رحمی و بدسلوکی ان کے ساتھ کی۔ مندر کے پجارے اتنے مارے گئے کہ شمار نہیں (ملا صاحب کہتے ہیں) ان باتوں سے کیا اپنے کیا بیگانے۔ جنہیں بیر بر کہتا تھا کہ میں تمہارا گروہوں۔ وہی اس پر ہزار ہزار لعنت اور ملامت کرتے تھے۔

بھریلی کی آبادی پر قبضہ:

حسین قلی خاں نے جب بھریلی کی آبادی پر قبضہ کر لیا تو وہاں دمدمہ باندھا۔ اور ایک بڑی توپ چڑھا کر راجہ کے محلوں میں گولا مارا۔ راجہ اس وقت رسوئی جیم رہا تھا۔ مکان گرا اور اسی آدمی دب کر ضائع ہوئے۔ راجہ کی جان بڑی مشکل سے بچی۔ اور صلح کے دروازے پر آ کر کھڑا ہوا۔ قلعہ لیا ہی چاہتے تھے۔ جو خبر پہنچی کہ ابراہیم حسین مرزا گجرات دکن سے شکست کھا کر لوٹتا مارتا آگرہ اور دلی سے ہوتا چلا آتا ہے۔ اور لاہور کا ارادہ ہے۔ حسین قلی خاں سن کر متردد ہوا۔ جنگی نوجوان خوب جانتا تھا کہ سوا لیاقت اور جانفشانی کے دربار میں میرا کوئی نہیں (مرزا عبدالرحیم خان خاناں ۱۶ برس کا لڑکا تھا) جو امرا ماتحت ہیں ان میں کچھ تو ماموں کے ورنہ عداوت سے نفاق کے تھیلے بنے ہوئے ہیں۔ اکثر نہ دوست ہیں نہ دشمن مگر وہ جو دوست ہیں وہ بھی کہنہ عمل سپاہی ہیں۔ یہ میرے ماتحت آ جانا ایک زمانہ کا اتفاق سمجھتے ہیں۔ ان پہلوؤں کا لحاظ کر کے باوجود سپہ سالاری اور بااختیاری کے آپ کچھ نہ کرتا تھا۔

Marfat.com

جو کچھ کرتا۔ امرائے لشکر کے شمول اور اتفاق رائے سے کرتا تھا۔ چنانچہ سب کو جمع کر کے مصلحت لی صلاح ٹھہری کہ ادھر صلح کر کے پنجاب کی خبر لینی چاہیئے۔ وہ بدبخت ابھی نہ آنے پائے کہ ہم سامان درست کر لیں۔ مگر خان جہاں اپنے رفقا سمیت کہتا تھا کہ یہاں کا نوالہ بھی ہونٹوں تک آ گیا ہے۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن امرا نے زیادہ زور دیا۔ تو بہت سی گفتگو کے بعد اس نے کہا۔ کہ اچھا سب امرائے لشکر ایک کاغذ پر لکھ کر اپنی اپنی مہریں کر دیں۔ بادشاہ اس صلح سے خوش نہ ہوئے۔ تو تمہیں صاحبوں کو جواب دینا ہوگا۔ سب نے کاغذ مرتب کر کے دیا۔ ادھر راجہ نگرکوٹ نے بھی غنیمت سمجھا اور جو جو شرطیں کیں، سب منظور کر کے لکھ دیں۔ چوتھی شرط پر گفتگو ہوئی کہ یہ ولایت راجہ بیر بر کو مرحمت ہوئی تھی۔ ان کے لئے کچھ خاطر خواہ ہونا چاہیئے۔ یہ بھی منظور ہوا اور جو کچھ ہوا، اتنا ہوا جس میں ترازو کی تول فقط ۵ من سونا بوزن اکبری رکھا گیا۔ اسی رواداری میں قلعہ کے سامنے ایک نمودار مقام پر پیش طاق عالی شان تعمیر کروایا۔ اس کے ممبر پر ملا محمد باقر نے کھڑے ہو کر اکبری خطبہ پڑھا۔ جب بادشاہ کا نام آیا اس پر اشرفیاں برسائیں اور مبارکبادیں کہہ کر ملک میدان کو روانہ ہوئے۔

حسین قلی خاں سیل کی طرح پہاڑ سے اترا۔ معلوم ہوا کہ گاؤں گاؤں میں ہل چل پڑ رہی ہے۔ لاہور والوں نے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ اور مرزا ملتان کی طرف چلا جاتا ہے۔ خان جہاں نے اس کے پیچھے گھوڑے ڈالے۔ اور مارا مار اپنے شکار کو جا لیا۔ وہ مرزا سے چھری کٹاری ہوا چاہتا تھا کہ حسین خاں بھی پیچھے پیچھے آن پہنچے اور اس وقت وہ خان جہاں سے ایک پڑاؤ پیچھے تھے۔ خان جہاں کو تلبہ کئی کوس آگے نظر آتا تھا جہاں مرزا لشکر ڈالے پڑا تھا۔ حسین خاں نے انہیں خط لکھا۔ کہ چار سو کوس سے یلغار مار کر یہاں تک آیا ہوں۔ اگر اس فتح میں مجھ کو بھی شریک کرو اور ایک دن لڑائی میں دیر کرو۔ تو آثار محبت سے دور نہ ہوگا۔ وہ بھی آخر ترک بچہ تھا۔ دلی بیگ ذوالقدر کا بیٹا اور بیرم خاں کا بھانجا۔ خط سن کر زبان سے کہا۔ خوش باشد۔ اور گھوڑے کو ایڑی لگا کر ایک تیچی اور کر گیا۔ اسی دن مارا مار تلبہ کے میدان میں (جہاں سے ملتان ۴۰ کوس رہتا ہے) تلواریں کھینچ کر جا پڑا۔ مرزا کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ تھی۔ شکار کو گیا تھا۔ فوج کچھ کوچ کی تیاری میں تھی۔ بعضے بے سامان پریشان تھے۔ جنگ میدان کی لڑائی کا بھی انتظام نہ ہو سکا۔ مرزا کا چھوٹا بھائی پیش دستی کر کے حسین قلی خان کی فوج پر آن پڑا۔ زمین کی ناہمواری سے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا۔ وہ نوجوان لڑکا پکڑا گیا۔ مرزا شکار سے پھرے اتنے میں کار ہاتھ سے جا چکا تھا۔ ہر چند سپاہیانہ کوششیں کیں۔ اور مردانہ حملے کئے۔ کچھ نہ ہو سکا۔ آخر کو بھاگ نکلا۔

فتح کے دوسرے دن حسین خان پہنچے۔ حسین قلی خاں نے میدان جنگ دکھایا۔ اور ہر ایک کی

Marfat.com

جانفشانی کا حال بیان کیا۔ حسین خاں نے کہا کہ غنیم جیتا نکل گیا ہے۔ تمہیں تعاقب کرنا چاہئے تھا کہ جیتا پکڑ لے۔ کام ابھی ناتمام ہے۔ اس نے کہا کہ نگر کوٹ یلغار کر کے آیا ہوں۔ لشکر نے وہاں بڑی محنتیں اٹھائیں۔ اب ان میں حالت نہیں رہی۔ یہی بڑی فتح تھی۔ اب اور دوستوں کی باری ہے۔ (یعنے تمہاری)

اکبر کی گجرات کی مہم سے واپسی:

۹۸۱ھ میں اکبر گجرات کی مہم فتح کر کے آئے تھے۔ اور امرا بھی اطراف وجوانب سے ادائے تہنیت کے لئے حاضر ہوئے تھے کہ ادھر سے حسین قلی خان دربار میں پہنچے۔ مسعود حسین مرزا کی آنکھوں میں ٹانکے لگائے باقیوں میں سے ہرایک کے رتبہ بموجب کسی کے منہ پر گدھے کی، کسی پر سور کی کسی پر کتے کی، کسی پر بیل کی کھال، کانوں اور سینگوں سمیت چڑھائیں۔ اور عجیب سوانگ بنا کر دربار میں حاضر کیا۔ کل ۳سو آدمی کے قریب تھے۔ مرزا کے ساتھیوں میں سے تقریباً سو آدمی تھے۔ کہ دعوے کے بہادر تھے۔ اور خانی اور بہادری کے خطاب رکھتے تھے۔ حسین خاں سب کو پناہ دیکر اپنی جاگیر پر لے گئے۔ وہاں خبر پائی کہ حضور میں ان کی خبر پہنچ گئی۔ اس لئے سب کو رخصت کر دیا تھا۔ حسین قلی خان کی ہمت وحوصلہ کو آفرین ہے جب مفصل لڑائی کا حال بیان کیا۔ تو ان لوگوں کے نام بھی لئے۔ مگر یہ کہہ دیا کہ قیدیوں کے باب میں حضور سے قتل کا حکم نہیں ہے۔ فدوی نے سب حضور کے صدقے میں چھوڑ دیئے۔ اکبر نے کچھ نہ کہا اور جو خبر پہنچی تھی وہ بھی زبان پر نہ لائے۔ حسین قلی خاں کو نیک نیتی کا پھل ملا کہ خان جہاں کا خطاب پایا۔

اُزبکوں سے مقابلہ:

جب مرزا سلیمان بدخشاں سے تباہ ہو کر آیا۔ تو اکبر کو بڑا خیال ہوا۔ کچھ تو اس جہت سے کہ بدخشاں سرحد کی مضبوط دیوار ہے۔ دوسرے ملک موروثی کا رستہ ہے۔ تیسرے خود نامور کوہستان ہے۔ اور ازبک کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ خان جہاں کو حکم ہوا کہ پانچ ہزار سوار جرار لے کر جاؤ۔ اور مرزا کو ان کے گھر میں بٹھا کر لاہور میں چلے آؤ۔ مگر ساتھ ہی خبر آئی کہ منعم خاں کے مرنے سے بنگالہ میں پھر فساد ہوا۔ اور داؤد نے عہد نامہ توڑ ڈالا۔ امرائے شاہی پہلے سے بھی گھیرا رہے تھے اور خرابی ہوا سے تنگ تھے اس نازک موقع پر سب نے بنے بنائے گھر چھوڑ دیئے ملک مذکور سے نکل آئے۔ اکبر کو یہ بھی خیال تھا۔ کہ مرزا بدنیت اور لالچی آدمی ہے۔ بہتر ہے کہ بدخشاں کا کچھ اور بندوبست ہو جائے۔ مرزا نے کہا کہ تم فوج لے کر جاؤ۔ اور بنگالہ کو اپنا بدخشاں سمجھو۔ اس نے قبول نہ کیا۔ چنانچہ

Marfat.com

۹۸۳ھ میں خان جہاں کو بلا کر خان خاناں کا قائم مقام کر کے قبائے زر دوزی، چارقب طلا، کمر شمشیر مرصع، اسپ بازین طلائی دے کر روانہ کیا۔ اور ٹوڈرمل کی رفاقت سے اس کا بازو قوی کیا۔

بھاگل پور، بہار میں آمد:

جب وہ بھاگل پور علاقہ بہار میں پہنچا۔ تو امرائے بخاری و ماورا النہری۔ دولتوں سے خورجیں بھرے گھروں کو پھرنے کو تیار تھے۔ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کیونکہ زبردست اور کاروان افسر کے نیچے کام دینا کچھ آسان نہیں۔ بعضوں نے خرابی آب وہوا کا عذر کیا۔ بعضوں نے کہا یہ قزلباش ہے۔ اس کے ماتحت ہم نہیں رہ سکتے۔ بالیاقت دوستو پہلے کہہ چکا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں کہ جب کم لیاقت دعوے دار اپنے حریف کو لیاقت سے نہیں دبا سکتا۔ تو مذہب کا جھگڑا بیچ میں ڈال دیتا ہے اور اکثر فتح یاب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حکمت عملی سے احمقوں کی بہت سی فوج اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

ٹوڈرمل کی نیک نیتی:

خاندانی تجربہ کار نے خاموشی اختیار کی۔ اور علو حوصلہ کے ساتھ فراغ دلی دکھائی۔ اسماعیل قلی خاں اس کا بھائی پیش دستی کی تلوار ہاتھ میں اور پیش قدمی کی فوجیں رکاب میں لے کر چاروں طرف ترکتاز کرنے لگا۔ ٹوڈرمل ہندو کی نیک نیتی کو ہزار آفرین ہے۔ کہیں دوستانہ فہمائش کی۔ کہیں ڈراوے۔ کہیں لالچ سے۔ غرض سب کو پرچا لیا۔ کہ لشکر بنے کا بنا رہا اور کام جاری ہو گیا۔ وہ دونوں با وفا مل جل کر بڑے حوصلے اور کھلے دل سے کام کرتے تھے۔ سپاہی کے دل اور سپاہ کی قوت بڑھاتے تھے۔ پھر کوئی بے ہودہ گوئی کا کیا خیال کر سکتا تھا۔ جا بجا لڑائیاں صف آرائی کے ساتھ ہوتی تھیں اور کامیابی پر ختم ہوتی تھیں۔ چنانچہ گڑھی کو کہ بنگالہ کا دروازہ ہے جاتے ہی کھول لیا اور ٹانڈہ تک کا ملک پھر صاف کر لیا۔ غرض بنگالہ کا بگڑا ہوا کام پھر بنا لیا۔

مشرقی مہم کا خاتمہ:

مشرقی مہم کا خاتمہ اخیر حملہ داؤد کا تھا۔ کہ قدیمی سرداروں کو لے کر آک محل پر عین موسم برسات میں لڑائی کو تیار ہوا۔ خان جہاں کے لشکر میں غنیم کے ہجوم کی ایسی دھوم مچی۔ کہ سب کے جی چھوٹ گئے۔ مگر خان جہاں اور راجہ نے سب کو تسلی دے کر دل بڑھائے۔ اور فوجیں لیکر فوراً ٹانڈہ پر پہنچے۔ داؤد وہاں سے ہٹ گیا اور آک محل پر مقام کر کے قلعہ بنایا۔ خان جہاں بھی ساتھ ہی پہنچے اور سامنے چھاؤنی ڈال دی۔ ساتھ ہی بادشاہ کو عرضیاں لکھیں۔ اور امرائے اطرف کے پاس خط دوڑائے۔

Marfat.com

مظفر خاں بہار میں چھاؤنی ڈالے ملک کا انتظام کر رہا تھا۔ اسے بھی مدد کو بلایا۔ مظفر خاں اصل میں بیرم خانی امت تھے لیکن ایک تو اہل قلم اہلکار، دوسرے پرانے پاپی اور کہنہ عمل سپاہی۔ انہوں نے ٹالا۔ اور ادھر سے بادشاہ نے یسادل دوڑائے۔ کہ تمام امرائے اطراف کو واجب ہے کہ دل و جان سے حاضر ہو کر خان جہاں کے ساتھ شامل ہوں۔ مظفر خاں کے ساتھ بھی بڑے بڑے دلاور، صاحب فوج امیر تھے۔ اس نے ان سے مشورت کی۔ ارباب جلسہ نے کہا کہ برسات کا موسم، ملک کا یہ حال، سپاہی بے سامان۔ اس حالت میں سپاہ کو لے جا کر ویران کرنا خودکشی میں داخل ہے۔ چند روز صبر کریں۔ شروع زمستان طلوع سہیل پر تازہ زور لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں کہ دشمن کو فنا کر دیں۔ اتنے میں محب علی خاں بگڑ کر بولا کہ حضور کا فرمان اس تاکید کے ساتھ پہنچا ہے۔ خان جہاں نے بلایا ہے۔ آراستہ فوج پاس ہے جب یہاں تک آن پہنچے ہیں۔ تو پھر اٹکنا مردانگی سے بعید ہے۔ اور وفاداراخلاص بھی نہیں اجازت دیتی۔ مناسب یہی ہے کہ سب یک دل و یک رائے ہو کر دشمن پر حملہ کریں۔ البتہ خان جہاں سے یہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ اگر ہمارے آتے ہی لڑائی شروع کر دو تو ہمیں بلاؤ۔ اور ہمارے آنے پر بھی لشکر بادشاہی کا انتظار رکھو۔ تو ہم اپنے لشکر کو اس برسات میں کیوں برباد کریں۔ خان جہاں نے دو امیروں کو بھیجا۔ پیمان کے پیاموں، اور عہد کے ناموں سے یہ اقرار مضبوط ہوئے۔ سب تقریریں طے ہو کر دونوں لشکر شامل ہوئے۔ جب مظفر خاں وغیرہ قریب پہنچے۔ تو خان جہاں دور تک خود استقبال کو آیا۔ اپنے ہی ڈیروں میں لے گیا۔ دھوم دھام سے ضیافتیں ہوئیں۔ اور صلاح مشورے ہو کر جھٹ پٹ آک محل کے سامنے میدان جنگ قائم کر دیا۔

دونوں فوجوں کا آمنا سامنا:

دونوں سپہ سالار فوجیں لے کر میدان میں آئے۔ فوجوں نے قلعے باندھے۔ اور لڑائی شروع ہوئی۔ مگر جب حملے ہونے لگے تو سب بندوبست ٹوٹ گئے۔ جو فوج مقابل کی فوج سے ٹکر کھاتی تھی۔ چکی کی طرح چکر مارتی نظر آتی تھی۔ دن آخر ہو گیا۔ خان جہاں حیران کھڑا تھا کہ لڑائی ترازو ہے دیکھیئے پلہ کدھر جھکتا ہے۔ دفعتاً کالا پہاڑ غنیم کے سپہ سالار کے تیر لگا۔ اور وہ بھی ایک ہی تیر میں نوک دم بھاگا۔ اس کے بھاگتے ہی سارے پٹھان بھاگے۔ کیچڑ پانی کے سبب سے زمین کا پتہ نہ تھا۔ بادشاہی فوج وہیں تھمی رہی۔ شام قریب تھی۔ غنیم نے بھی پیچھے ہٹ کر لشکر ڈال دیا۔ اکبری اقبال کی طلسم کاری دیکھو کہ رات کو بادشاہی توپخانہ سے دشمن کی طرف توپیں مار رہے تھے۔ جنید افغان اپنے پلنگ پر پڑا سوتا تھا۔ ایک گولہ ایسا جا کر لگا کہ رات شیشے کی طرح چور چور ہو گئی۔ وہ پرانا پٹھان داؤ دکا

Marfat.com

عموزاد بھائی۔ اور افغانوں کا رکن خاندان تھا۔ پٹھانوں کی تلوار کہلاتا تھا۔ اس میدان میں فوج کا بایاں بازو تھا۔ اور لڑائی کے ہتھکنڈے خوب جانتا تھا۔ اس کے مرنے سے سارے افغان چپ ہو گئے۔

پانچ لاکھ روپیہ کا خزانہ:

ادھر اکبر کو امرا کی عرضیاں برابر پہنچ رہی تھیں کہ خانہ زاد بے ڈھب کیچڑ میں پھنسے ہیں۔ جب تک حضور اقبال کے گھوڑے پر سوار نہ ہونگے منزل مراد کا رستہ بند ہے۔ برسات گندہ بہار موسم ہندوستان کا ہے۔ اس پر ملک بنگالہ۔ امرا کاہلی کرتے ہیں۔ ادھر تو یہ حال تھا۔ ادھر راجہ مان سنگھ کوہستان اودے پور میں رانا سے رن جھوجھ رہے تھے۔ اکبر کی چشم انتظار ایک ادھر تھی۔ ایک ادھر۔ کہ سید عبداللہ خاں بارہہ مان سنگھ کے لشکر سے ڈاک میں فتح کی خوشخبری لے کر آئے۔ اکبر بہت خوش ہوا اور انہی کو سرسواری بنگالہ روانہ کیا۔ رخصت کے وقت یہ بھی کہا کہ امرا کے نام فرمان تاکید اہتمام میں تحریر کرنا اور کہنا کہ ہم یلغار کر کے آتے ہیں۔ پانچ لاکھ روپیہ کا خزانہ بھی سید کے ساتھ دوڑایا کہ خان جہاں کے خرچ کا ہاتھ کشادہ ہو اور بہت سی کشتیاں رسد غلہ کی آگرہ سے چھٹیں۔ رخصت کے وقت یہ بھی کہا کہ سید! چنانچہ ایں مژدہ میرِی۔ از انجا ہم بشارت فتح مے آری۔

پیچھے بنگالہ سے ایسی پریشان خبریں آنی شروع ہوئیں کہ سپاہی طبع بادشاہ نے تکلیف سفر اور خرابی موسم کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ اٹھ کھڑا ہوا۔ لشکر کو خشکی کے رستہ روانہ کیا۔ اور تجویز کی کہ آپ آبی گھوڑے پر بیٹھ کر ہوا کی طرح پانی پر جائے۔

اب ادھر کی سنو کہ دونوں لشکر نواح کھل گاؤں میں آمنے سامنے تھے۔ سید عبداللہ بھی پہنچ کر انتظام میں شامل ہوئے۔ رات کو جنید کا کام تمام ہوا۔ دوسرے دن خان جہاں نے حملہ کر دیا۔ اور کیچڑ پانی کو روند سوند کر جس طرح ہوا جا ہی پڑے۔ افغان بھی دل شکستہ تھے۔ جانوں سے ہاتھ دھو کر اڑے۔ اس وقت امرائے بادشاہی نے یہی مناسب دیکھا۔ کہ دست برد کر کے بیٹھیں۔ اتنے میں پیچھے سے مدد پہنچی۔ پھر بھی لڑتے تھے۔ اور ہٹتے آتے تھے۔ اقبال اکبری کی کارسازی دیکھو کہ افغانوں کے سردار خان جہاں نے پھر زخم کھایا اور مر کر گرا۔ اس وقت غنیم بے اختیار ہوئے اور سب بھاگ نکلے۔ لشکر بادشاہی نے بڑی زور وشور سے تعاقب کیا۔ ہزاروں کو مارا۔ سینکڑوں کو باندھا۔ ترک چاروں طرف مارتے پھرتے تھے۔ داؤد شاہ بیچارے کا گھوڑا ایک چہلے میں پھنس گیا اور گرفتار ہوا۔ ہمایوں کے بھائی بھی عجیب کینہ ور اور احسن لے کر دنیا میں آئے تھے۔ ہندال نے ہمہ موں میں

Marfat.com

خواجہ ابراہیم ایک شخص تھا۔ اس کا بیٹا طالب بدخشی اب اکبری نمک خواروں میں تھا۔ لیکن جو شور انگیز نمک باپ نے کھایا تھا۔ اس کے فساد کو اکبری نمک ہرگز اعتدال پر نہ لا سکا۔ طالب کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ داؤد یہی ہے۔ پہنچا اور رفاقت کرنے لگا کہ نکل جائے۔ مراد سیستانی اور حسین بیگ کو خبر ہو گئی۔ وہ باز کی طرح پہنچے اور شکار کو پکڑ لیا۔ باندھ کر لے آئے۔ سپہ سالار ابھی میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ دلاورا اپنے اپنے کارنامے سنا رہے تھے۔ داؤد سامنے حاضر کیا گیا۔ ایک حسین صاحب جمال اور دیدار جوان تھا۔ اس وقت خاموش کھڑا تھا مگر چہرہ شگفتہ تھا۔ اور کسی طرح کا اضطراب نہ معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ بہت پیاسا تھا اس نے پانی مانگا۔ لشکر کے لوگ دکھ بھرتے بھرتے تھک گئے تھے۔ ایک کم ظرف دل جلے نے جوتی میں بھر کر پانی سامنے کیا۔ داؤد نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دریا دل خان جہاں نے اپنی صراحی اور تھالی کٹورا منگا کر پانی دیا۔ اور پوچھا کہ عہد نامہ کے بعد بے وفائی کرنی، یہ کیا رسم اور کیا آئین ہے؟ اس نے بڑے استقلال سے کہا کہ وہ عہد منعم خاں کے ساتھ تھا۔ اب اترو، تھوڑی دیر آرام لو۔ تمہارے ساتھ الگ عہد و پیمان ہوگا۔ خان جہاں کا ارادہ ہرگز نہ تھا کہ اسے قتل کرے۔ امرا نے کہا کہ اسے زندہ رکھنے میں فساد کا احتمال ہے۔ ناچار قتل کا حکم دیا۔ جلاد نے دو ہاتھ مارے۔ تلوار کارگر نہ ہوئی۔ آخر لٹا کر ذبح کیا۔ سر کاٹ کر صاف کیا۔ بھس بھرا اور عطریات مل کر حضور میں بھیج دیا۔ دھڑ ٹانڈہ کو روانہ کیا کہ اس کا دارالخلافہ تھا۔ بادشاہ فتح پور سے سوار ہوئے تھے۔ پہلی ہی منزل تھی۔ ۵ کوس پر ڈیرے ڈالے تھے کہ سید عبداللہ خاں اپنی روانگی کے گیارھویں دن آن پہنچے۔ اور داؤد کا سر جلو خانہ اقبال پر لا کر ڈال دیا۔ لشکر بادشاہی میں عجب خوشی کا غلغلہ اٹھا۔ اکبر نے سجدہ شکر ادا کیا اور فتح پور چلے گئے۔

سید میرک:

سید میرک ایک مرد بزرگ علم جعفر میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ کئی دن پہلے بادشاہ نے ان سے سوال کیا تھا۔ جو حکم انہوں نے لگایا تھا ٹھیک وہی ہوا۔

مژدہ فتح بنا گاہ رسد   سر داؤد بدرگاہ رسد

خان جہاں نے راجہ کو رخصت کیا۔ آپ سات گام نواح ہگلی کی طرف لشکر لے کر گیا۔ کہ داؤد کا اصلی مقام وہی ہے۔ افغانوں نے جابجا شکستیں کھائیں۔ اور اکثر حاضر خدمت ہو گئے۔ جمشید اس کا خاصہ خیل بڑے زور شور سے اڑا مگر بڑی شکست کھائی۔ داؤد کی ماں بھی سب خاندان کو لیکر اس کے دربار میں آئی۔ اس سے تمام مفسدوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔

Marfat.com

کوچ بہار کا راجہ مال گوسائیں بھی رجوع ہوا۔ اس کے تحائف مع چون ہاتھیوں کے دربار میں بھیجے۔ پہانی کے ملک میں بھی پٹھانوں کی بہت سی کھرچن باقی تھی۔ عیسیٰ خاں وغیرہ یہاں سے ملک میں ہمیشہ فساد کی آگ سلگاتے رہتے تھے۔ ان پر لشکر بھیجا۔ وہ بھاگ گئے۔ جو باقی رہے انہوں نے اطاعت اختیار کی۔ اور بنگالہ بہار وغیرہ تمام ملک کہ فساد خانہ پٹھانوں کا تھا (امرائے دربار اسے بلغاک خانہ فساد کہا کرتے تھے) فتنہ سے پاک ہو گیا۔ اور وہ فارغ ہو کر صحت پور میں آئے کہ آپ ٹانڈہ کے پاس آباد کیا تھا۔ خیال تھا کہ یہاں آرام سے بیٹھیں گے۔ صحت پر الٹا اثر پڑا۔ چند روز کے بعد بیمار ہو گئے۔

نیکہ نہ بود ہیچ مرادے بکمال　　　چوں صفحہ تمام شد ورق برگردد

مرض نے چھ ہفتہ طول کھینچا۔ بیدوں کا علاج ہوتا تھا۔ صاحب ماثر الامرا کہتے ہیں کہ انہوں نے بے سمجھے علاج کیا۔ بھلا قضا کا علاج کس کے پاس ہے؟ آخر انیسویں شوال ۹۸۶ھ کو دنیا سے انتقال کیا۔ بادشاہ کو رنج ہوا۔ بہت افسوس کیا۔ مغفرت کے لئے دعا کی اور اسماعیل قلی خاں کو بڑی تسلی و تشفی کے ساتھ فرمان لکھا۔ دو بیٹے رہے۔ رضا قلی خان کہ ۳۵۰ کا منصب دار تھا۔ ۴۷ میں پانصدی منصب ۳ سو سپاہی کا عہدہ دار ہوا۔ (۲) رحیم قلی کہ ۲۵۰ کا منصب دار تھا۔

تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے تعمیل احکام اور ادائے خدمت کے سوا کسی بات کا شوق نہ تھا۔ نہ آپ قدم بڑھا کر رکھتا تھا۔ نہ کسی کے بڑھے ہوئے قدم کو ہٹاتا تھا۔ ہمت کے ذوق، شوق اور جانفشانی کے جوش و خروش سب خدمت بادشاہی میں نکال دیتا تھا۔ وہ سلامت روی کے گوشہ میں سیاحی کرتا تھا۔ اسی واسطے اس کی کسی سے مخالفت بھی نہیں ہوئی۔ اس نے فتوحات سلطنت کے سوا کوئی اور امیرانہ یادگار بھی نہ چھوڑی۔ البتہ یہ ہمت کی کہ بیر خاں اپنے ماموں کی ہڈیاں اس کے مرنے کے ۱۸ برس بعد مشہد مقدس بھجوا دیں۔

اسماعیل قلی خاں اس کا چھوٹا بھائی اکثر مہموں میں بھائی کے ساتھ تھا۔ جب ۳۰ جلوس میں راجہ بیر بر مہم یوسف زئی میں مارے گئے۔ تو بادشاہ نے اسماعیل قلی خاں کو جہلم سے لشکر جرار دے کر روانہ کیا۔ وہ گیا اور بڑے انتظام و اہتمام سے اہل بغاوت کی گردنوں کو دبایا۔

Marfat.com

اسماعیل قلی خاں

حسین قلی خاں کا چھوٹا بھائی تھا۔ جب جنگ جالندھر میں بیرم خاں کا لشکر تباہ ہوا تو یہ کسی طرح زندہ گرفتار ہو گیا۔ بیرم خاں کے ساتھ سب کی خطا معاف ہوئی۔ یہ بھی بھائی کے ساتھ رہا ہوا۔ اور اس کے ساتھ خدمتیں بجالاتا رہا۔ خان جہاں مر گیا تو یہ بنگالہ سے اس کا اموال و اسباب لے کر حضور میں حاضر ہوا۔ اکبر نے بہت دلداری کی۔ ۳۰ جلوس میں بلوچوں نے بغاوت کی۔ یہ سرشور فرقہ ہمیشہ امرائے اکبری کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ اس لئے اسماعیل قلی خاں کو فوج دے کر روانہ کیا کہ اچھی طرح ان کی گردنیں رگڑے۔ یہ پہنچے تو اول سینہ زور سامنے ہوئے۔ مگر جلد اطاعت اختیار کی۔ ۳۱ میں راجہ بھگوان داس کابل میں دیوانے ہو گئے۔ انہیں ان کی خدمت سپرد ہوئی۔ لیکن ان کی بلند نظری نے بعض ایسی درخواستیں پیش کیں کہ نظر پھر گئی۔ حکم ہوا کہ بھکر کے رستہ کشتی پر بٹھا کر مکہ کو بھیج دو بارے عجز وانکسار کے سفارش سے دعا قبول ہوئی اور خطا معاف ہو کر حاضر ہوئے۔ جہلم کے علاقہ میں خدمت بجالاتے تھے کہ راجہ بیربر کوہستان سواد میں مارے گئے۔ لشکر بادشاہ دوبارہ روانہ ہوا۔ جلالہ تاریکی نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ انہیں بھی حکم ہوا کہ آگے بڑھ کر تھانے قائم کریں۔ زین خاں کوکہ نے مہم مذکور میں پہلے سخت ندامت اٹھائی تھی۔ اب پھر چاہا کہ جائے اور اس داغ کو آب شمشیر سے دھوئے۔ ادھر وہ روانہ ہوا۔ ادھر بادشاہ نے صادق خاں کو فوج دے کر بھیجا کہ تم بھی جا بجا تھانے بٹھا دو اور ایسا بندوبست کرو کہ جلالہ جدھر کو جائے۔ پکڑا جائے۔ وہاں صادق خاں کی اور ان کی نہ بنی۔ یہ اپنے تھانے اٹھا کر چلے آئے۔ جلالہ رستہ پا کر بھاگ گیا۔ پھر غضب میں آئے۔ ۳۳ میں حاکم گجرات ہو گئے۔ جب ۳۴ میں شاہزادہ مراد مالوہ کے مالک ہوئے تو انہیں ان کی وکالت اور اتالیقی سپرد ہوئی۔ مگر اس خدمت کا سرانجام نہ کر سکے۔ ۳۸ میں صادق خاں ان کی جگہ بھیجے گئے۔ ۳۹ میں کالپی کو رخصت ہوئے کہ اپنی جاگیر جا کر آباد کرو۔ ۴۲ جلوس میں ۴ ہزاری منصب سے اعزاز پایا۔

عیش و عشرت کے عاشق:

عیش و عشرت کے عاشق تھے۔ کھانا، پہننا، مکان کی آراستگی، ہر چیز میں لطافت اور لوازم امارت کا بڑا خیال تھا۔ محل میں ۱۲ سو عورتیں تھیں۔ دربار جاتے تھے تو ازار بندوں پر مہریں کر جاتے تھے۔ سب جانوں سے تنگ آ گئیں۔ مرتیں کیا نہ کرتیں۔ آخر سب مل گئیں۔ انہیں زہر دے کر اپنی

Marfat.com

جانیں چھڑائیں۔ دیکھو مآثر الامرا۔

حکیم مصری

ایک طبیب بادشاہی تھے۔ بادشاہ نے دکن سے بلا کر حکمائے پایہ تخت میں داخل کیا تھا۔ شیخ فیضی جب سفارت دکن پر گئے تھے تو وہاں بھی حکیم موصوف کے اوصاف ہی سنے اور وہی اپنی عرائض میں بادشاہ کو لکھے۔ ملا صاحب ان بچارے کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ فرماتے ہیں اگرچہ بڑے بڑے رتبہ کے حکیم دربار میں موجود تھے۔ مگر خدا نے انہیں دست شفا ایسا دیا تھا کہ اکثر علاج حکمائے حاذق کے کارناموں میں لکھنے کے قابل ہے۔ اہل فضل وکمال دیکھتے تھے۔ اور حیران رہ جاتے تھے۔ ایک سیدھے سادھے بھولے بھالے آدمی تھے۔ باوجود ان سب باتوں کے خوش مزاج، ظریف طبع، دربار کی اہلکاریوں اور امرا کی درباداریوں سے کچھ غرض نہ رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی ظرافت اور بھی زیادہ اچھی معلوم ہوتی تھی۔ شعر بھی کہتے تھے۔ مگر مسخرا پن کے۔ شیخ ابوالفضل ۱۰۰۸ھ میں ان کا ذکر خیر عبارۂ ذیل سے کرتے ہیں۔ عقل ظاہری اور معرفت معنوی میں ان پر یکتائی کا خیال تھا۔ طب کو ایسا جانتے تھے کہ اگر سارے طبابت نامے نہ رہتے۔ تو یہ یاد سے لکھ دیتے۔ صوفیوں کی دلاویز تقریریں اچھی حاصل کی تھیں۔ چہرہ شگفتگی اور فرخندگی ظاہر کرتا تھا۔ لطف ومحبت سے اپنے بیگانے کو خوش کرتے تھے۔ کسی علاج میں بند نہ ہوتے تھے۔ اور کھلی پیشانی سے علاج کرتے تھے ؎

ہو جو اس جیسا تو وصف اس کا لکھے — آج اس جیسا مگر پیدا کہاں

۸۰ کو پہنچ گئے تھے۔ مگر طبیعت میں جوانی کی گرمی جوش مارتی تھی۔ دفعتاً ہوازدگی ہوئی قبض نے مزاج برہم کر دیا۔ تپ نے سوزش بڑھائی۔ آدھی رات کو دل کہ دل نڈھال ہوا۔ اور دم بدم حواس میں فرق آنے لگا۔ ہوش آیا تو مجھے بلایا اسی وقت پہنچا۔ حال دیکھ کر دل بے قابو ہو گیا۔ اور انہوں نے دل آگاہی سے یاد الٰہی میں آنکھیں بند کر لیں۔ چھوٹے سے بڑے تک سب کو رنج ہوا

خیر تا وازگریہ برگیریم — خوش بگریم وموبہ برگیریم
نوحہ ہائے جگر خراش کنیم — چوں بہ پایاں رسد زسر گیریم

شہر یار پایہ شناس کا دل بھی بے اختیار ہو گیا۔ اور آمرزش کی دعا کی۔ ملا صاحب حکما کے سلسلہ میں ان کا حال لکھتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں طب میں صاحب علم وعمل تھے۔ علوم عقلیہ میں ماہر علوم غریبہ

Marfat.com

میں مثلاً دعوت اسما، علم حروف وتکسیر سے بھی آگاہ تھے۔ شگفتہ، خوش صحبت، مبارک قدم۔ شیخ فیضی کے علاج میں بہتیری جان لڑائی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ کبھی فارسی میں شعر کہتا ہے مگر مسخرا پن کے۔ خواجہ شمس الدین خافی کو دیوان سلطنت تھے کسی مقدمہ میں ان کا فیصلہ سن کر کہا۔

خواجہ شمس الدین چہ ظلمے مے کند　　　　در طبابت ماش و دفلی مے کند

کنیر کے درخت کو عربی میں دفلی کہتے ہیں۔ ایک دن باغ میں گلگشت کر رہے تھے۔ اس کے پھول کھلے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ ع

چو آتش جست کاکل از سر دفلی

مسجد حضور کے لئے جو قطعہ لکھا۔

برہان پور علاقہ خاندیس میں مرگیا۔ وہیں سپرد خاک کیا۔ ملا صاحب کے دل میں جو آتا ہے سو کہتے ہیں۔ مگر تم یہ دیکھو کہ اکبر کی قدردانی نے کیا کیا لوگ اور کہاں کہاں سے کھینچ کر جمع کئے تھے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں جو اکبری طبیبوں کی فہرست لکھی ہے اس میں انہیں اولیت کی مسند پر بٹھایا ہے۔

خاندان سوری

ہمایوں کے پیچھے افغانوں کا کیا حال تھا

افغان سلطنت کا بانی:

شیر شاہ اپنی ذات سے بانی سلطنت افغانی کا ہوا۔ بابر کے بعد اس کے بیٹوں کو دیکھا کہ آپس میں نفاق رکھتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ اور ان کے امرا آرام طلب اور فراغت پسند ہیں۔ اس کے دل میں سلطنت کا شوق لہرایا۔ اسی میں ایک مضمون سوجھا کہ تدبیر کی موافقت اور تقدیر کی مطابقت نے اس کے سامان بھی جمع کر دیئے اور سلطنت کا شعر موزوں ہوگیا۔ ع

چوں مضامین جمع گردد شاعری دشوار نیست

شیر شاہ کے رفاہی اقدامات:

مضمون بھی کچھ دور کا نہ تھا۔ فقط اتنی بات کہ اپنی فوج کے دل میں اتفاق کے ساتھ ترقی قومی

Marfat.com

اور ہمت وحوصلہ کا خون دوڑ ائے اور بادشاہ ہو جائے۔ یہ قدرتی اتفاق ہے کہ جدھر کا ارادہ کیا کامیابی نے کھلے میدان سامنے دکھائے اور کہا۔خوش آمدید وصفا آوردید۔ یا دشمن مغلوب ہوا یا خود بخود اس کے دغا کے پھندے میں فنا ہو گیا۔ افغان کہ وحشی مزاج تھے۔ اور لوٹ کے سوا کوئی پیشہ نہ جانتے تھے سپاہی بن گئے۔ فتوحات نے ان کے دل بڑھائے اور لوٹ مار نے چاٹ دے کر بتایا کہ اتفاق اور یک دلی میں کیا مزے اور کیا کیا فائدے ہیں۔ وہ بھی انہیں ایسا عزیز رکھتا تھا کہ ایک سر کو ملک کے مول بھی نہ دیتا تھا۔ اس نے ۱۵ برس کی کشتکاری میں سلطنت کا کھیت ہرا کیا۔ اور ۵ برس سرسبزی کی بہار دیکھی۔ اس تھوڑے سے وقت میں بنگالہ سے لے کر رہتاس پنجاب تک اور آگرہ سے لے کر مندو تک کوس کوس بھر پر مسجد پختہ۔ کواں اور ایک ایک سرآباد کی۔ ایک دروازہ پر ہندو ایک پر مسلمان تعینات تھا کہ پانی پلاتا تھا۔ کھانا کھلاتا تھا۔ اور غریب مسافروں کیلئے دونوں وقت لنگر جاری تھا۔ رستہ کے دونوں طرف آم اور کھرنی وغیرہ کے سایہ دار درخت جھومتے تھے۔ مسافر گویا باغ کے خیابان میں چھانو چھانو چلے جاتے تھے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ آج ۵۲ برس اسے گزرے۔ اب تک مٹے نشان جابجا نظر آتے ہیں۔ اور انتظام کا یہ حال تھا کہ ایک بڑھیا ذکرے میں اشرفیاں بھر کر لے جاتی۔ اور جہاں چاہتی سورہتی مجال نہ تھی کہ چور کی نیت میں فرق آئے۔ ڈاک برابر بیٹھی تھی۔ بنگالہ میں بھی ہوتا تو دوسرے دن خبر پہنچتی تھی۔ فوج کی موجودات ہوتی تھی۔ اور سپاہی کو نقد تنخواہ ملتی تھی۔

وہ ہمت عالی کے ساتھ شطرنج سلطنت کا پکا شاعر تھا۔ جب جودھپور کو فتح کر کے پھرا تو میر سید رفیع الدین محدث نے کہ یگانہ زمانہ تھے۔ اس سے کہا کہ مجھے رخصت عنایت ہوتا کہ باقی عمر حرمین شریفین میں جا کر اپنے بزرگوں کی قبروں پر چراغ روشن کیا کروں۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو ایک مصلحت کے لئے روکا ہوا ہے۔ کئی قلعے رہ گئے ہیں۔ کہ ابھی فتح نہیں ہوئے۔ میرا ارادہ ہے کہ چند روز میں ہندوستان کو پاک کر کے کنارہ دریائے شور پر پہنچوں۔ اور قزلباش جو حاجیوں کے سد راہ ہوتے ہیں اور دین محمدی میں بدعتیں نکال رہے ہیں ان سے لڑوں۔ وہاں سے تم کو بطور سفارت سلطان روم کے پاس بھیجوں کہ اس سے میری برادری کی گرہ لگا دیجئے۔ اور حرمین شریفین میں سے ایک مقام کی خدمت مجھے لے دیجئے۔ پھر ادھر سے میں۔ ادھر سے سلطان روم آئیں اور قزلباش کو بیچ میں لے کر اڑا دیں۔ اگر فقط سلطان روم ادھر سے آیا تو وہ بھاگ کر ادھر کے جنگلوں میں چلا جائے گا۔ لشکر روم اپنے ملک کو جائے گا تو پھر اپنی جگہ جا کر لے گا۔ اور جب دونوں طرف سے گھیر لیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ جمعیت اور کثرت کہ ہندوستان میں ہے۔ اور وہ آتش بار توپخانہ کہ روم میں ہے۔ اس

کے آگے قزلباش کیا کر سکتا ہے۔

ہمایوں کی جلاوطنی:

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں ایران میں جا پڑا تھا۔ ہندوستان میں نام ونشان اس کا نہ رہا تھا۔ مگر شیر اپنے شکار پر یہیں سے تاک لگا رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس خانہ برباد کے لئے یہی تین ٹھکانے ہیں۔ ایران، ترکستان اور روم۔ ایران میں اس نے قدم رکھنے کو جگہ پیدا کر لی ہے۔ اگر یہاں سے بھاگے تو ترکستان جا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ازبک آل تیمور کے نام کا دشمن ہے۔ پھر اگر ہے تو روم کا گھر ہے۔ اس کا بندوبست کیا مگر افسوس ۔

ما در چہ خیالیم وفلک در چہ خیال کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

قلعہ کالنجر پر جا کر محاصرہ ڈالا۔ روز مورچے اور ساباط بناتے چلے جاتے تھے۔ افغان جانیں لڑاتے تھے اور توپوں سے آگ برساتے تھے۔ مرتے تھے، جلتے تھے مگر جاں فشانی سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک دن ساباط کو بڑھا کر قلعہ کے برابر کر دیا۔ شیر شاہ خود ایک مورچے پر کھڑا تھا۔ اور باروت کے گولے (حقہ ہائے باروت) قلعہ میں پھینک رہے تھے۔ ایک گولہ دیوار قلعہ پر لگا۔ اور ٹکرا کر مورچے پر آیا پاس اور گولوں کا ڈھیر لگا تھا۔ دفعتاً سب بھڑک اٹھے۔ شیر شاہ کا یہ عالم ہوا کہ جھلس کر یلمہ (اولمہ) ہو گیا۔ بہت سپاہی اور سردار کباب ہو گئے۔ مولانا نظام اس زمانہ میں مشہور عالم تھے۔ اور شیخ خلیل اس کے پیرزادہ صاحب بھی دکھ درد میں شریک ہوئے۔ شیر شاہ نے ایک ہاتھ آگے رکھا اور ایک پیچھے اور بھاگ کر جان نیم سوختہ کو خیمہ میں ڈالا۔ کہ مورچہ پر اس کے لئے لگایا تھا۔ کبھی ہوش میں تھا کبھی بے ہوش مگر جب آنکھ کھولتا تھا للکار للکار کر حملے کا حکم دے جاتا تھا۔ اور اسے جو دیکھنے کو آتا اسے بھی یہی کہتا کہ یہاں کیوں آتے ہو قلعہ میں جا پڑو۔ گرمی بھی آگ برسا رہی تھی۔ وہ تڑپتا تھا او رلوگ صندل اور گلاب چھڑکتے تھے۔ مگر موت کی تپش تھی کہ کسی طرح ٹھنڈی نہ ہوتی تھی قضا کا تاقاق دیکھو کہ ادھر کی نے فتح کی خوشخبری سنائی ادھر اس کی جان نکل گئی۔ تاریخ ہوئی۔ ز آتش مرد ۹۵۲ھ۔

جلال خاں کی تخت نشینی:

شیر شاہ کے بعد جلال خاں تخت نشین ہوا۔ اور اسلام شاہ نام رکھ کر سونے چاندی پر سکہ لگایا۔ بڑے بھائی کو دغا دے کر بلایا۔ اس سے اور اس کے طرفداری سے جنگ میدان کر کے اسے خانہ برباد کیا۔ شیر شاہ کا لشکر جرار مرتب موجود تھا جس میں بہت سے سردار صاحب طبل وعلم تھے اور سپاہ کے حوصلے ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ ایک ایک افغان سلطنت ہندوستان کے سنبھالنے کا دعویٰ رکھتا

Marfat.com

تھا۔ ابتدا میں سلیم شاہ نے اس کے پرچانے کیلئے سخاوت کے خزانے کھول دیئے۔ گھر گھر بلکہ کوچہ وبازار میں افغان جلسے جمائے بیٹھے تھے اور ناچ رنگ کر کے جشن مناتے تھے۔ مگر چند ہی روز کے بعد خود گھبرا گیا۔ بعض کی سرکشی کو آپ دبایا۔ بہتوں کو لڑا لڑا کر مارا۔ خواص خاں شیر شاہ کا بہادر اور نمک حلال غلام جسے وہ بیٹوں سے افضل سمجھتا تھا اسے دغا سے مروا ڈالا۔ غرض ایک ایک کر کے ان کی سخت گردنوں کو توڑا۔ اور چند روز آرام سے بیٹھا۔ پھر بھی ہر وقت ایک نہ ایک کھٹکا لگا رہتا تھا کیونکہ وہ اس سے بیزار تھے۔ اور یہ ان سے ہر وقت ہشیار۔ انہیں ذلیل رکھتا تھا اور ایسے کاموں میں لگائے رکھتا تھا کہ سرکشوں کو سر کھجانے کا ہوش نہ آئے۔ ایک دفعہ ہمایوں کے آنے کی ہوائی اڑی جس وقت خبر پہنچی سلیم شاہ اس وقت جونکیں لگائے بیٹھا تھا اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور فوج کو روانگی کا حکم دیا۔ پہلی ہی منزل میں داروغہ نے عرض کی کہ بیل چرائی پر گئے ہوئے ہیں۔ حکم دیا کہ لگا دو افغانوں کو۔ یہ ہزاروں آدمی مفت کی تنخواہیں کھا رہے ہیں اتنا کام بھی نہیں کر سکتے۔ ایک ایک توپ میں سو سو دو دو سو افغان جتا تھا اور کھینچے لئے جاتا تھا۔ نیازی افغانوں کا فرقہ بڑے انبوہ کی جمعیت رکھتا تھا۔ انہیں کئی دفعہ دبانا پڑا۔ چنانچہ اخیر میں خود پنجاب میں فوج لے کر آیا۔ انہیں دنوں میں کہ شمالی پہاڑوں میں پھرتا تھا۔ مانکوٹ کے علاقہ میں ایک مضبوط اور استوار مقام دیکھ کر ۵ پہاڑیوں پر قلعے مانکوٹ رشید کوٹ وغیرہ اس ڈھب سے تعمیر کئے کہ دور سے ایک قلعہ نظر آتا ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ جب ایک قلعہ پر حریف حملہ کرے تو اور قلعوں کی توپوں سے ہمیشہ زد میں رہے۔ عمارت کو پتھر اور چونہ گچ سے مضبوط کیا ہے۔ اور قلعوں کو پہاڑوں کے اتار چڑھاؤ اور پیچ وخم نے۔ قلعوں کے اندر جا بجا خوشگوار چشمے جاری اور کھانے پینے کے سامان جس قدر درکار ہوں بہت جلد جمع ہو سکتے ہیں۔ سلیم شاہ نے دو برس تک افغانوں سے چونا اور پتھر ڈھوائے اور ایک پیسہ نہ دیا۔ قلعہ ہائے مذکورہ اب تک موجود ہے۔ وہ ان کے بنوانے میں بذات خود کوشش خرچ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کسی دن برے وقت میں کام آئیں گے۔ وقت وہ تھا کہ ہمایوں کی بیخ وبنیاد تک ہندوستان سے اکھڑ گئی تھی۔ وہ انتہا کی بربادی اٹھا کر یہاں سے گیا تھا۔ اور گیا بھی ایسے ملک میں تھا کہ خدا ہی لائے تو آئے۔ بھائیوں کا نفاق اس کی کسی امید کو قائم نہ ہونے دیتا تھا وہ تینوں سد سکندری باندھے قندھار سے کابل تک گھیرے ہوئے تھے۔ خود سلیم شاہ بالاستقلال بادشاہی کر رہا تھا۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دل کی آگاہی غیب کی گواہی ہوتی ہے۔ خدا کی شان دیکھو کہ برے ہی وقت میں کام آئے۔ سلیم شاہ کا اصلی ارادہ یہ تھا کہ لاہور کو ویران کرکے اس مقام کو آباد کرے کیونکہ لاہور قدیم الایام سے کثرت آبادی اور سوداگری کے وفور اور ہر قسم کی دستکاری ہر مذہب کے آدمی۔ ہر ایک سامان کی بہتات سے ایک ایسا مقام ہے کہ جب کوئی چاہے

Marfat.com

تھوڑے سے عرصہ میں لشکروں کا سامان بہم پہنچا لے۔ اسے ہمایوں کا کھٹکا لگا تھا۔ اور مقام مذکور عین راہ پر تھا۔ اور اسے مٹھی بند کر کے قبضہ میں بھی رکھنے کی امید نہ رکھتا تھا۔ اس لئے چاہا کہ ویران کر دے۔ اور مانکوٹ کو آباد کرے تاکہ اگر ہمایوں آ بھی جائے تو یہاں خاک نہ پائے۔

جب اس سے چھٹے تو گکھڑوں سے لڑنے کو بھیج دیا۔ وہ عجیب فرقہ تھا۔ دن کو لڑتے تھے رات کو چوروں کی طرح آتے تھے۔ عورت، مرد، لونڈی، غلام جو ہاتھ آتا تھا پکڑ لے جاتے۔ قید رکھتے بیچ ڈالتے۔ افغانوں کا دم ناک میں آ گیا اس پر یہ حال کہ سپاہی کو تنخواہ نہیں۔

لطیفہ:۔ ایک سردار ذرا خوش مسخرہ تھا اس نے ظرافت کے پیرایہ میں کہا کہ حضور میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ۳ تھیلے نازل ہوئے۔ ایک میں اشرفیاں، ایک میں کاغذ ایک میں خاک۔ اشرفیوں کا تھیلا تو ہندوؤں کے گھر چلا گیا۔ کاغذ کا تھیلا بادشاہی خزانہ میں داخل ہوا۔ خاک کا تھیلا سپاہیوں کے سر پر الٹ دیا۔ سلیم شاہ کو یہ لطیفہ پسند آیا۔ حکم دیا کہ گوالیار چل کر تنخواہ بانٹ دینگے۔ وہاں پہنچا تھا کہ اجل کا پیام پہنچا۔ ۹۶۰ھ میں اس کے خاتمہ سے خاندان کا خاتمہ ہوا کیونکہ سلطنت انہی باپ بیٹوں پر تمام ہوئی۔ پھر طوائف الملوکی تھی۔ انہی کی بابت دلی میں مشہور تھی کہ کیا غرض شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی یا سلیم شاہ کی۔

فیروز خاں کی تخت نشینی:

فیروز خاں اس کا بارہ برس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ مبارز خاں سلیم شاہ کا چچیرا بھائی بھی تھا اور سالا بھی تھا۔ سلیم شاہ نے کئی دفعہ اس کے قتل کا ارادہ کیا اور بی بی بائی (فیروز خاں کی ماں) سے کہا کہ اگر بیٹے کی جان پیاری ہے تو بھائی کے سر سے ہاتھ اٹھا۔ اور بھائی پیارا ہے تو بیٹے سے ہاتھ دھو۔ بے عقل عورت نے ہر دفعہ یہی کہا کہ میرا بھائی عیش کا بندہ ہے۔ اسے ان باتوں کی پرواہ بھی نہیں! اور اس سے سلطنت کب ہوئی۔ آخر وہی ہوا۔ تیسرے ہی دن تلوار سونت کر گھر میں گھس آیا۔ بہن ہاتھ جوڑتی تھی اور پاؤں میں لوٹتی تھی کہ بھائی! بیوہ کا بچہ ہے۔ میں اسے لیکر ایسی جگہ نکل جاتی ہوں کہ کوئی اس کا نام بھی نہ لے گا۔ اور یہ سلطنت کا نام نہ لے گا۔ اس قسائی نے ایک نہ سنی۔ اور ایک دم میں کم عمر بچے کی عمر تلوار سے تمام کر دی۔ آپ محمد عادل شاہ بن کر تخت پر بیٹھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ نظام خاں شیر شاہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کا ایک بیٹا۔ یہی خونریز عادل شاہ۔ ۳ بیٹیاں۔ جن میں ایک خوش نصیب سلیم شاہ کے محلوں میں بادشاہ بیگم ہو کر بدنصیب ہوگئی۔ دوسری بیٹی ابراہیم سور سے بیاہی گئی۔ تیسری سکندر سور سے غرض تینوں کے شوہروں نے کچھ مدت یا برائے نام شاہی کا لقب ضرور پایا۔ عادل شاہ اپنی سبک

Marfat.com

حرکتوں سے عدلی۔ اور اندھا دھند کاموں سے اندھلی مشہور ہو گیا۔ وہ نہایت خوش عیش اور عشرت پسند تھا راگ رنگ کا عاشق، شراب کباب کا دیوانہ تھا۔ اور یا تو دیوانہ مزاجی سے یا اس غرض سے کہ لوگوں کو پرچائے جب سلطنت کا مالک ہوا تو خزانوں کے منہ کھول کر سونے روپے کے بادل اڑانے لگا۔ کتہ باسی (ایک قسم کا تیر) کہ اس کا پیکان تولہ بھر سونے کا ہوتا تھا سواری شکاری میں یا پھرتے چلتے ادھر ادھر پھینکتا تھا۔ جس کے گھر میں جا پڑتا، یا کوئی پڑا پاتا اور لاتا تو ۱۰ روپیہ انعام پاتا۔ اس کے اندھا دھند انعاموں کے سبب سے افغانوں نے عدلی کا اندھلی کر دیا۔ راگ رنگ کی باتوں میں ایسا گنی گنواں تھا کہ بڑے بڑے گائک اور نائک اس کے آگے کان پکڑتے تھے۔ اکبری عہد میں میاں تانسین اس کام کے جگت گرو تھے۔ وہ بھی اس کو استاد مانتے تھے۔

دکن کا ایک سازندہ:

دکن کا ایک سازندہ ہندوستان میں آیا۔ اس نے استادی کا نقارہ بجایا۔ اور سب کو ماننا پڑا۔ اس نے ایک پکھاوج تیار کی کہ دونوں ہاتھ دونوں طرف نہ پہنچ سکتے تھے۔ ایک دن بڑے دعوے سے دربار میں آیا اور پکھاوج بھی لایا۔ کہ کوئی اسے بجائے جو گویے اور کلاونت اس وقت حاضر تھے سب حیران رہ گئے۔ عدلی نے اسے دیکھا اور قرینہ تاڑ گیا۔ آپ تکیہ لگا کر لیٹ گیا۔ اور اسے برابر لٹا لیا۔ ایک طرف ہاتھ سے بجاتا گیا۔ پاؤں سے تال دیتا گیا۔ تمام اہل دربار چلا اٹھے۔ اور جتنے گویے حاضر تھے سب مان گئے۔

اس کی لطافت مزاج کی عجیب و غریب نقلیں مشہور ہیں۔ ایک دن بداؤں میں میدان چوگان بازی سے پھرتے ہوئے کہا کہ آج خوب بھوک لگی۔ غازی خاں ایک امیر تھا۔ اس کا گھر سر راہ تھا۔ عرض کی کہ جو ماحضر حاضر ہے یہیں نوش فرمایئے۔ عدلی گیا اور دستر خوان بچھا۔ اول پوتھی کے قلیے کا سالن سامنے آیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ایسا جی متلایا کہ سوار ہو کر محل کو بھاگا رستہ میں کہیں دم نہ لیا۔

اس کے فراغت خانہ میں خوشبو کے پھیلانے اور بدبو کے دبانے کیلئے اتنا کافور بکھیرتے تھے کہ حلال خور روز ۳،۲ سیر کافور قسم اعلیٰ سمیٹ کر لے جاتے تھے۔ پھر بھی جب وہاں سے نکلتا تھا تو رنگ کبھی زرد ہوتا تھا کبھی سبز، بدبو کی برداشت نہ تھی۔ یہ سب درست مگر میرے دوست! پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اور اب پھر کہتا ہوں کہ جس طرح انسان کا مزاج ہے کہ کوئی شے اسے موافق ہے، کوئی ناموافق۔ اسی طرح سلطنت کا بھی مزاج ہے۔ بعض چیزیں ہیں کہ اس کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہیں انہی میں ناچ رنگ اور اس قسم کے عیش و عشرت ہیں۔ انہیں غذائے ناموافق سمجھو۔ خواہ شگون

Marfat.com

منحوس۔ جہاں گانا بجانا بادشاہ کے دست و زبان پر آیا۔ جانو کہ الو بولا۔ اب اس گھر کی خیر نہیں۔

عدل کی ہوا بگڑ گئی:

چند ہی روز میں عدلی کی ہوا بگڑ گئی۔ دربار میں تلوار چلی۔ کئی سردار مارے گئے۔ بھانجے کے خون ناحق سے لوگوں کے دل بیزار تھے۔ عیاشی اور ناچ رنگ نے اور بھی بے وقار کر دیا۔ دوسرے ہی مہینے چاروں طرف تلاطم مچ گیا۔ وہ کرانی سرداروں کے دبانے کیلئے گوالیار سے بنگالہ گیا۔ چونکہ امرائے ہمراہی سے بھی بدگمان تھا۔ اس لئے ابراہیم سور سے بھی بدگمان ہوا۔ چاہا کہ قید کر لے بہن ابراہیم کی بی بی۔ اس نے خاوند کو خبر کر دی۔ ابراہیم شیر شاہ سے قریبی رشتہ بھی رکھتا تھا۔ لشکر سے بھاگ کر آیا اور آگرہ وغیرہ میان ولایت میں قبضہ کر کے بادشاہی کا نشان بلند کیا۔ عدلی نے استیصال کے لئے لشکر جرار بھیجا مگر ابراہیم نے شکست فاش دی۔ عدلی نے پھر لشکر بھیجا اور ہیمو کو سپہ سالار کیا۔ کئی جگہ لڑائیاں ہوئیں اور بڑے بھاری رن پڑے۔ ابراہیم نے دکھا دیا کہ افغان کی ہڈی کتنی مضبوط ہے اور ہیمو نے بھی سمجھا دیا کہ دل میں کسی طرح گوشت سے زور کم نہیں مگر انجام کو شکست کھا کر بھاگا۔ اب چاروں طرف سلطنت کے دعوے دار کھڑے ہو گئے۔

سکندر سور دلی سے پنجاب تک ملک دبا کر بیٹھ گیا۔ اور ابراہیم سے صلح کر کے عہد نامہ کر لیا بلکہ یہ بھی ذمہ لیا کہ کابل سے جو سیلاب آئے اس کا روکنا میرا ذمہ ہے۔

محمد خاں کوڑیہ بنگالہ کا حاکم تھا۔ کہ اپنا نقارہ سب سے الگ بجا رہا تھا۔ چنانچہ وہ ہیمو کی لڑائی میں اس طرح مرا کہ کسی کو خبر ہی نہیں۔ بعد اس کے ادھر اکبر کی تیغ اقبال سے ہیمو مارا گیا۔ ادھر اس کے بیٹے کے حملہ انتقامی میں عدلی کا کام تمام ہوا۔

کرانی سردار بنگالہ و بہار میں تھے اور چاروں طرف کشت و خون کر رہے تھے کہ ہمایوں کوہستان کابل سے لشکر لے کر سیلاب کی طرح گرا اور اقبال اکبری نے سب کو صفا صفا کر دیا۔

رات ہر اک مہ جبیں محفل میں گرم لاف تھا صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

خداوند خاں دکھنی

ابتدائی حالات:

نظام شاہی امیروں میں تھا باپ مشہدی تھا۔ ماں حبشیہ تھی۔ قوی ہیکل دیدنی جوان تھا اور بہادری سے بہادروں میں بلند تھا۔ خواجہ میرک اصفہانی جن کا خطاب چنگیز خاں تھا۔ جب مرتضیٰ نظام

Marfat.com

شاہ کے وکیل مطلق ہو گئے تو خداوند خاں کو بڑی ترقی کی اور اس نے بھی اپنی لیاقت سے عروج حاصل کیا اور چند روز میں صاحب دستگاہ ہو گیا۔ برابر میں کئی عمدہ ضلعے اس کی جاگیر میں تھے۔ مسجد رومن کھیڑہ ایسی مضبوط بنائی تھی کہ کئی سو برس تک زمانہ کی گردش اس کی عمارت کو جنبش نہ دے سکی۔ ۹۹۳ھ میں جب مرتضیٰ سبزواری سپہ سالار لشکر برار صلابت خاں چرکس کے مقابلہ میں دکھن میں نہ ٹھہر سکے تو خان بھی میر کے ساتھ فتح پور میں پہنچا۔ اکبر دونوں کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آیا خان کو ہزاری منصب دیا۔ پٹن گجرات اس کی جاگیر ہوا۔ اور دربار میں ترقی کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ ابوالفضل کی بہن سے شادی ہو گئی لیکن نوکروں کو بیحد لڑائی سے ایسا تنگ کیا کہ آقا سے برسر دربار گستاخانہ بولے اس سبب سے نظروں میں سبک ہو گیا۔ دلاور جوان نہایت نازک مزاج تھا۔ ایک دن ابوالفضل نے ضیافت کی۔ کھانوں کی بہتات اور انواع واقسام کی افراط شیخ کی عادت تھی۔ اس کے ہر نوکر کے آگے نو قاب کھانے کے ایک طباق کباب گوسپند، سوروٹیاں رنگ برنگ کی تھیں خود خان کے سامنے کبکب ودراج۔ مرغ و ماہی کے کبابہائے رنگا رنگ اور ساگ ساگن وغیرہ وغیرہ کھانے چنے تھے۔ اس نے بہت برا مانا اور ناخوش ہو کر اٹھ گیا کہ میرے سامنے مرغ کے کباب کیوں رکھے۔ مجھ سے مسخرا پن کیا۔ اکبر کو خبر ہوئی اسے سمجھایا کہ یہ چیزیں ہندوستان کے تکلفات ہیں۔ اور کھانے کو کہو تو تمہارے ایک ایک نوکر کے آگے نو نو طباق رکھے تھے۔ پھر بھی خاں اپنے دل سے صاف نہ ہوئے۔ نہ یہ اس کے گھر گئے ملا صاحب ۹۹۸ھ میں کہتے ہیں کہ خداوند خاں دکھنی رافضی کہ شیخ ابوالفضل کی بہن حسب الحکم بادشاہ کے نکاح میں آئی تھی اور قصبہ کری ولایت گجرات جاگیر میں پائی تھی دوزخ کی قرارگاہ کو بھاگا۔ تاریخ ہوئی۔ ع کہ خداوند دکھنی مردہ۔ طبقات اکبری میں ہے کہ ایک ہزار ضا نصدی منصب تھا۔ ۹۹۵ھ میں مر گیا۔ مآثر الامرا میں ۹۹۷ھ لکھتے ہیں۔

خواجہ مینا

ابتدائی حالات:

خواجہ امین الدین تربتی خواجہ امینا مشہور تھے۔ تربت علاقہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ ایران کے سفر میں ہمایوں کی خدمت میں حاضر رہے۔ عالم شہزادگی میں چند روز اکبر کی بخشی گری سے اعزاز پایا تھا۔ بیرم خاں کے معتمد ان خاص الخاص تھے۔ یہ وہی ہیں۔ کہ جب اس کا زوال شروع ہوا۔ تو دو اور امیروں کے ساتھ انہیں دربار میں عرض معروض کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ دربار کے فتنہ

Marfat.com

انگیزوں نے انہیں بھی قید کروا دیا۔ پھر قید سے نکلے اور بڑھتے بڑھتے وکیل مطلق کے رتبہ عالی کو پہنچے۔ اور خواجہ جہان خطاب پایا۔ ان کی لیاقت نے ایسے ایسے کام اور انتظام کیے۔ کہ ابوالفضل جیسے شخص نے ان کے باب میں لکھا ہے قلم روحساب میں شہسوار تھا۔ خط شکستہ نہایت درست اور خوب لکھتا تھا۔ مالیات کے بندوبست اور حساب کتاب کے معاملوں میں بال کی کھال اتارتا تھا۔ ہمایوں نے چندروز اکبر کی سرکار میں بخشی بھی کر دیا تھا۔ مدت تک مدار مہمات سلطنت کا ان کی رائے پر تھا۔ جب خان زمان کے اصلاح معاملات کے لئے منعم خان اور مظفر خاں کو بھیجا تو انہیں بھی ساتھ بھیجا۔ مہم کا فیصلہ خان زماں کی عفو تقصیر پر ہوا۔ جب امرا واپس پھرے تو مظفر خاں یلغار کر کے حضور میں پہنچے اور بادشاہ کے ذہن نشین کر دیا کہ امرا نے خان زماں کی رعایت کی۔ خواجہ جہان عتاب میں آئے۔ طغرائے بادشاہی کی مہر کہ اس کا زیور افتخار تھا چھن گئی۔ اور انہیں حکم ہوا حج کو جاؤ اور خدا سے گناہ معاف کرواؤ پھر مقربان درگاہ نے سفارشیں کیں اور یہیں خطا معاف ہوگئی۔

رشوت خوری اور بخیلی:

ملا صاحب کہتے ہیں کہ رشوت خوری کے نیستان کا شیر تھا۔ بلکہ اس کے اختیارات کے سبب سے لوگ اکبر سے بھی ناراض ہو گئے۔ خواجہ کے عین جاہ وجلال میں صبوحی شاعر نے کہا ؎

ہر اہل ہنر سد سکندر در تست　　یاجوج کہ گوید صف لشکر تست
در دور تو آثار قیامت پیداست　　دجال تو ئی خواجہ امینا خر تست

بخیلی میں شہرہ عالم تھا۔ رات کو کھانا بچتا تو اٹھوا رکھتا۔ صبح کو باسی کھاتا تھا لیکن غرض مندوں کی کارسازی میں بے نظیر تھا۔ اپنے بیگانے کی قید نہ تھی جب ملازمان دربار میں کسی کو کام آن پڑتا۔ تو وہ اس کی مدد کیلئے فوراً تیار ہو جاتا سعی وکوشش تو پوری کرتا تھا لیکن حق الخدمت کیلئے خواجہ اس سے اپنی رقم ٹھیرا لیتا تھا اور کام نکال دیتا تھا۔ طوغ، علم، نقارہ، خانی وسلطانی منصب فوراً دلوا دیتا تھا جو جاگیر چاہتا تھا وہی ہو جاتی تھی۔ صاحب علم، اہل فضل، ترکستان، خراستان، ایران، ہندوستان کے ہزاروں آئے۔ اور اس نے ہزاروں ہی دلوائے۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ اس کی سعی سے بادشاہ مجھے بھی بہت روپے دیتے تھے۔ اور جس طرح اور امیر دیتے تھے۔ آپ بھی ہر شخص سے سلوک کرتا تھا۔

سورہ محمد ﷺ کی تفسیر:

ملا عصام کے شاگرد فاضل تاشکندی کہ صدر نشین اہل فضیلت تھے۔ (سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر جو انہوں نے لکھی ہے ان کے کمال کی دلیل کافی ہے) انہیں بادشاہ اور امرا سے چالیس

Marfat.com

ہزار روپیہ دلوایا۔ وہ خوب سامان شایاں سے منعم خاں کے پاس بنگالہ پہنچے۔ وہاں سے دولت بھری۔ مکے پہنچے وہاں سے ایران کے رستے ساری بار برداری گھر پہنچائی اور آپ قبر میں چلے گئے۔

جب شاہ مہم پٹنہ پر گئے تو یہ ہمرکاب تھے رستہ میں بیمار ہو کر جونپور میں ٹھیر گئے۔ مراجعت کے وقت بادشاہ اسی راہ سے آئے۔ خواجہ ساتھ ہو گئے۔ اکبری لشکر ہاتھیوں کا بجلی بن تھا ایک منزل میں فیل مست نے ان پر حملہ کیا۔ یہ بھاگے۔ ایک تو بڑھاپا۔ دوسرے اضطراب۔ خیمہ کی طناب میں الجھ کر گرے اور دفعتاً حال بے حال ہو گیا۔ خوف کا ایسا صدمہ دل پر ہوا کہ پھر نہ اٹھے۔ ۹۸۳ھ میں ملا صاحب کیا مزے سے کہتے ہیں۔ خواجہ امینا وزیر مستقل جس کا خطاب خواجہ جہان تھا پٹنے سے پھرتے ہوئے لکھنو میں مر گیا۔ اور بے شمار دولت چھوڑ گیا۔ سب خزانہ میں داخل۔

خواجہ شاہ منصور

حساب کتاب اور تحریر و تقریر میں کارگزار اہلکار:

حساب کتاب معاملہ فہمی اور تحریر و تقریر میں کارگزار اہلکار تھا۔ خوشبوی خانہ کا داروغہ تھا اس کے حسن لیاقت اور تحریر و تقریر کے جوہر سے اکبر اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ مظفر خاں کی شدت اور سخت گیری سے تنگ رہتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ پیچ مارتا تھا۔ ایک دن گفتگو میں بات بڑھ گئی۔ شاہ نے رہنا مناسب نہ سمجھا۔ ناکامی کے ساتھ دربار چھوڑا۔ جونپور گئے اور قابلیت ذاتی کی بدولت خان زماں کے دیوان ہو گئے۔ وہ مارا گیا اس کا کام برہم ہو گیا۔ منعم خاں کے پاس بنگالہ گیا اس کی سرکار کے تمام کاروبار کو سنبھال لیا۔ وہاں سے وکالت کے سلسلے میں آمد و رفت ہوئی۔ اس میں ایسی لیاقت دکھائی کہ اس کی کاردانی بادشاہ کے منقوش خاطر ہو گئی۔ جب منعم خاں مر گیا تو بادشاہی محاسبہ کے پھندے میں پھنس کر راجہ ٹوڈرمل کے شکنجے میں کسے گئے۔ آخر بے سفارش، خاص بادشاہ کی جوہر شناسی سے پھر حضور میں پہنچے۔ ۸۳۔۹۸۴ھ میں دیوان کل ہو گئے۔ اور امور ملکی میں راجہ ٹوڈرمل کے شریک غالب ہو کر کام کرنے لگے۔ کسی استاد کا شعر ہے۔

ناقابل ست آنکہ بدولت نمے رسد ورنہ زمانہ در طلب مرد قابل ست

ملا صاحب اس موقع پر شعر مذکور میں اصلاح فرما کر کہتے ہیں۔

ناقابلان دہر بدولت رسیدہ اند پس چوں زمانہ در طلب مرد قابل ست

واول حق ست وثانی سم۔ سبحان اللہ۔ پھر دونوں طرف نشتر مارے گئے۔ کوئی پوچھے کہ پہلا

Marfat.com

شعر حق ہے؟ یا پہلا مصرع؟ خیر ملا صاحب جو چاہیں۔ سو کہیں خواجہ کی خوبی لیاقت اور کاردانی میں کلام نہیں۔ فراست اور دانائی سے دفتر حساب کو درست کیا اور پرانے پرانے معاملے جو الجھے پڑے تھے انہیں صاف کیا۔ پہلے دستور تھا کہ ہر سال معتبر اور کارواں اہلکار دیہات میں ضلع بہ ضلع جاتے تھے۔ اور جمع بندی بنا کرلاتے تھے۔ اس کے بموجب روپیہ وصول ہوتا تھا۔ اب کہ ممالک محروسہ نے زیادہ دامن پھیلایا تو اس کا چلنا مشکل ہوا۔ وہ کچھ لکھ کرلاتے۔ زمیندار کچھ اور دینا چاہتے۔ باقی۔ فاضل کے بڑے جھگڑے پڑتے۔ نرخ بھی ہر ایک علاقہ کا ٹھیک ٹھیک نہ معلوم ہوتا تھا۔ ۸۱۔۹۸۲ھ میں کہ جب تک اڑیسہ، کشمیر، ٹھٹھہ اور دکن ملک اکبری میں داخل نہ ہوئے تھے۔ ملک ۱۲ صوبوں میں تقسیم ہوا اور بندوبست ۱۵ سالہ کا آئین مقرر رہا۔ اس کا انتظام راجہ ٹوڈرمل اور ان کے سپرد ہوا تھا۔ راجہ تو مہم بنگالہ پر بھیجے گئے۔ انہوں نے کشت وکار کے کل مراتب اور نرخ وغیرہ کی تحقیقات کر کے گاؤں گاؤں کیلئے جمع بندی کی عمدہ کتابیں مرتب کیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے مزاج میں دقت، جزرسی، کفایت اندوزی اور سخت گیری بشدت تھی۔ امراء سے سپاہی تک سب تنگ تھے۔ حساب میں ایسا پیچ مارتے تھے کہ کتاب کے شکنجہ میں کس دیتے تھے۔ جن دنوں ان کا ستارہ اقبال چمکا۔ انہی دنوں ایک دمدار ستارہ نکلا۔ یہ شملہ کچھ لمبا چھوڑا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان کا نام دمدار ستارہ رکھ دیا۔ جب کوچہ و بازار میں سواری نکلتی۔ اشارے ہوتے بلکہ ان کی سختیاں دیکھ کر لوگ مظفر خاں کی کمبختیاں بھول گئے۔ انہیں پر نفریں اور لعنت کے ڈھیر لگا دیئے ع

کہ بسیار بد باشد از بدتر

مالگزاری کا بندوبست:

یہ ادھر مالگزاری کے بندوبست میں تھے۔ ادھر مظفر خاں مہم بنگالہ و بہار کا سرانجام کر رہے تھے خواجہ نے باوجود کاردانی اور سخن فہمی کے وقت کو نہ پہچانا۔ کہ سیاہ ممالک دور دست میں جانفشانی کر رہی ہے۔ موقع دلجوئی اور دلداری کا ہے نہ کہ سخت گیری اور خونخواری کا۔ انعام و اکرام کی جگہ کاغذ بنا کر بھیجا کہ امرائے بنگالہ سے دہ، پانزدہ اور بہار سے دہ، دوازدہ وصول کیا جائے۔ سپہ سالار ہمیشہ سپاہ کا طرفدار ہوتا ہے۔ وہاں مظفر خاں سپہ سالار تھے کہ پہلے دیوان تھے۔ انہوں نے شروع سال رواں سے روپیہ طلب کیا۔ امرا سب بگڑ کھڑے ہوئے۔ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی نئے سرے سے فوج کشتی ہوئی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے ملک تباہ ہوا۔ پشتوں کے نمک حلال جاں بازباغی ہو کر قتل ہو گئے۔

Marfat.com

ٹوڈرمل سے چشمک:

ٹوڈرمل کی ان سے چشمک تھی۔ وہ بنگالہ میں شامل مہم تھے۔ انہوں نے وہاں سے رپورٹ کی اور مصلحت کے نشیب وفراز بادشاہ کے منقوش خاطر کیے۔ بادشاہ سمجھ گیا۔ اور خواجہ کی جگہ شاہ قلی محرم کو دیوان کر دیا۔ لیکن ان کی خیر خواہی اور محنت اور دماغ سوزی دل پر نقش ہو چکی تھی چند روز کے بعد پھر وزارت کا خلعت مل گیا۔

مرزا حکیم کا لاہور تک پہنچنا:

مرزا حکیم اکبر کا سوتیلا بھائی حاکم کابل تھا۔ اسی سال میں بغاوت کر کے ادھر آیا۔ اور لاہور تک پہنچ گیا۔ اکبر نے آگرہ سے فوج روانہ کی۔ اور پیچھے آپ سوار ہوا۔ پانی پت پر پہنچا تھا کہ مرزا حکیم بموجب عادت کے بھاگ گیا۔ اکبر سرہند پر پہنچا۔ خواجہ اس وقت سرہند کے صوبہ تھے۔ ان سے کیا امرا، کیا عام اہل دربار مدت سے جلے ہوئے تھے۔ مرزا حکیم کے فرمان اور اس کے امرا کی طرف سے جعلی خطوط خواجہ کے نام۔ کچھ خواجہ کے خط اس کے نام پر بنا کر پیش کیے۔ موقع ایسا تھا کہ اکبر کو بھی یقین آ گیا۔ اور سمجھا کہ حقیقتاً ادھر ملا ہوا ہے۔ انہی خطوط میں ایک عرضی شرف بیگ ان کے عامل کی ان کے نام تھی۔ اس کا خلاصہ یہ کہ۔ میں فریدوں خاں مرزا کے ماموں سے ملا۔ مجھے مرزا کے پاس لے گیا۔ باوجودیکہ تمام پرگنوں پر عامل تعینات کر آئے ہیں۔ ہمارے پرگنے کو معاف کیا ہے۔ ملک نامی کہ مرزا کا قدیمی نمک خوار اور دیوان تھا۔ وزیر خاں اس کا خطاب تھا۔ شروع مہم میں ادھر آیا۔ ظاہر یہ کیا کہ میں مرزا سے ناراض ہو کر آیا ہوں۔ اس نے سونی پت کے مقام میں ملازمت حاصل کی اور سابقہ شناسائی کے سبب سے خواجہ کے پاس اترا۔ یہاں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ جاسوسی کے لئے آیا ہے۔ غرض پیچ پر پیچ برابر پڑتا گیا۔ تعجب یہ کہ راجہ مان سنگھ نے بھی اٹک سے ۳ خط گرفتار کر کے بھیجے اور لکھا تھا کہ شادمان کے بستر سے نکلے تھے۔ ایک خط کا خلاصہ یہ تھا کہ تمہاری یک جہتی اور نیک اندیشی کی عرضیاں پہنچ کر توجہ کو بڑھا رہی ہیں۔ ان کے تیجوں سے کامیاب ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آزاد۔ لاعلمی کے اندھیرے میں بدگمانی کی تیراندازی کیا ضرور ہے۔ جس طرح اکبر کو لوگوں نے دھوکا دیا مان سنگھ بیچارے کو بھی غوطہ دیا گیا ہوگا۔ بادشاہ بھی متردد تھے۔ قید کر کے ضامن مانگا۔ ان بیچارے کا ضامن کون ہو مسلمانوں نے ثواب اور ہندوؤں نے پن کمائے نواح انبالہ منزل کچھ کوٹ پر بے جرم و بے خطا منصور کی میراث خواجہ شاہ منصور کے گلے باندھی تاریخ ہوئی۔ شاہ منصور حلاج۔ ۹۸۹ھ میں شیخ ابوالفضل نے کئی جگہ اس کی لیاقت کو عمدہ سرٹیفکیٹ دیئے ہیں۔ قتل کے مقام پر لکھتے

Marfat.com

ہیں۔ اگرچہ فضیلت علمی نہ رکھتا تھا مگر پکا محاسب۔ جانچ کر بات کہنے والا، نکتہ فہم، خوردہ گیر، کاروبار کا بوجھ سنبھالنے والا، فصیح بیان، خوش کلام، خوش وضع، خوش نما انداز، نیک اطوار تھا۔ کچھوہ کوٹ کی منزل میں درخت سے لٹکا دیا۔ ملا صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبصورتی سے لکھتے ہیں۔ صبح کو خدمت رائے سے فرمایا۔ اس نے منزل کچھ کوٹ میں پھانسی سے لٹکا دیا اور خدائی کا مظلمہ گلے کا پٹہ رہا کہ قیامت تک لٹکا کریگا۔ ایاک و خدمتہ الملوک فانھم یستعظھون عند السلام والجواب ویستحقرون عند العقاب ضرب الرقاب ۔ خدمت سلاطین سے بچنا! یہ وہ ہیں کہ سلام کرو تو جواب دینا بھی بڑی بات سمجھتے ہیں۔ اور خفا ہوں تو گردنی مارنی کچھ بات ہی نہیں۔ ع۔ خوش باش کہ ظالم بزدرہ بسلامت۔ خیال کرو اشاہ منصور کا ذکر ہے اور نشتر کی نوکیں کہاں کہاں چھوتے جاتے ہیں۔ ہاں اصل نصیحت کا مضمون دل پر نقش کرنے کے قابل ہے۔

نباشی بکار جہاں سخت گیر | کہ ہر سخت گیرے بود سخت میر
بآساں گزاری دمے گزار | کہ آسان زید مرد آساں گزار

جب مرزا حکیم کی مہم کا خاتمہ ہوا تو کابل میں پہنچ کر اکبر نے بہت تحقیقات کی۔ سازش کی بو بھی کہیں سے نہ نکلی۔ یہی معلوم ہوا کہ کرم اللہ۔ شہباز خاں کمبو کے بھائی بعض امرا خصوصاً راجہ ٹوڈرمل کی اشتعالک سے یہ فتیلے بنے تھے۔ اکبر نے اس کے خون ناحق سے اور اس نظر سے کہ ایسا کاردان اہلکار ہاتھ سے گیا۔ بہت افسوس کیا۔ اور کہا کرتے تھے کہ جس دن سے خواجہ مرا۔ تمام حساب درہم برہم ہو رہے ہیں اور محاسبہ کا سررشتہ ٹوٹ گیا۔ ایسا محاسب خوردہ گیر، نکتہ سنج شخص کم ملتا ہے۔ خواجہ ہزاری منصب تک پہنچے۔ ۱۴ برس وزارت کی۔ اور استقلال اور استحقاق سے وزارت کی۔

خواجہ مظفر علی المخاطب بہ مظفر خاں

پہلے مظفر علی دیوانہ کہلاتے تھے۔ بیر خاں کے دیوان تھے۔ تحریر، تقریر اور حساب میں عمدہ لیاقت رکھتے تھے۔ جب زمانہ نے خان خاناں سے بے وفائی کی تو یہ اس کی وفاداری میں ثابت قدم تھے۔ اس نے پنجاب کا رخ کیا اور اپنے عیال اور اسباب و مال کو قلعہ بھٹنڈہ میں ذخیرہ کیا۔ یہاں اطمینان کی صورت یہ تھی کہ شیر محمد دیوانہ یہاں حاکم تھا۔ خان خاناں کے صدہا پرورش یافتوں میں ایک دلاور یہی تھا مگر اس میں یہ خصوصیت تھی کہ بیٹا کہلاتا تھا۔ افسوس کہ بیٹا ناخلف نکلا۔ جب خان خاناں نے وہاں سے کوچ کیا اور دیپالپور میں پہنچا تو دیوانہ نے تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور ا

Marfat.com

وعیال کی بڑی بے عزتی واہانت کی۔ خان خاناں کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت رنج ہوا۔ خواجہ مظفر علی اور درویش محمد ازبک کو بھیجا کہ اسے دردمندی کی تبریدیں پلائے اور نصیحت کی معجونیں کھلائے شاید کہ دیوانہ کا دماغ اصلاح پر آئے۔ یہاں دیوانہ کو کتے نے کاٹا تھا۔ ع۔ اے عاقلاں کنارہ کہ دیوانہ مست شد۔ وہ کس کی سنتا تھا۔ اس نے اسے بھی قید کر کے دربار کو روانہ کر دیا۔ درویش دربار میں آئے تو یاروں نے چاہا کہ تلوار تلے دھر دیں مگر بادشاہ نے قید پر قناعت کی۔

جب خان خاناں کی خطا معاف ہوئی تو سب کے گناہ بخشے گئے۔ ان کی لیاقت نے اول خدمت سے منصب لئے۔ چند روز کے بعد پسرور کا علاقہ جاگیر ہو گیا۔ لیاقت عمدہ، مادہ قابل تھا۔ خان خاناں جیسے شخص کے زیردست دیوان رہے تھے۔ بہت جلد ترقی کی سیڑھیوں پر چڑھ گئے اول دیوان بیوتات ہوئے۔ ۹۷۱ھ میں وکیل مطلق ہو کر مظفر خان ہو گئے۔ عمدۃ الملک سے خطاب کا وزن سنگین ہوا اور امیر الامرائی نے اسے تاجدار کیا۔ انہیں کی تجویز سے شیخ عبدالنبی صدر، صدر الممالک دربار اکبری کے ہوئے تھے۔ ٹوڈرمل کے ساتھ شریک ہو کر کام کرتے تھے۔ ایسے دو با لیاقت اہلکاروں کا اتفاق۔ اتفاقاً ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان دونوں میں جزئیات سے لے کر کلیات تک اخلاف ہی رہتا تھا۔ ایک سے ایک دبتا نہ تھا کیونکہ اکبر کی نظر دونوں پر برابر تھی۔ دونوں کارگزاروں کو دو ہاتھوں پر برابر لئے چلتا تھا۔ راجہ نے ایک دن سر دیوان خواجہ سے کہا کہ تم مسلمان بہت نوکر رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تم ہندو نوکر رکھو اور اپنا کام چلاؤ۔

داغ اور دفتر مالگزاری میں خالصہ کا آئین:

۹۸۰ھ میں اکبر نے چاہا کہ سپاہ میں داغ اور دفتر مالگزاری میں خالصہ کا آئین جاری ہو۔ جلسہ مشورہ بیٹھا اور امراء سے صلاح ہوئی۔ ٹوڈرمل نے عرض کی کہ بہت مناسب تجویز ہے۔ حالت موجودہ کی قباحتیں بھی دکھائیں اور عرض کی۔ مظفر خاں اور منعم خاں کو گوارا نہ ہوگا۔ مظفر خان سارنگ پور میں جا کر دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ طلب ہوئے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اس کا انتظام کرو تو انہوں نے برخلاف رائے دی اور اس بے ہودگی سے دلائل پیش کئے کہ بادشاہ ناراض ہو گئے اور یہ عتاب میں آئے۔ اسے ان کی گستاخی یا سینہ زوری جو کہو درست۔ لیکن تجربہ کار اہلکار تھے۔ صورتحال سے انجام کار کو سمجھ لیتے تھے۔ چنانچہ جو وہ سمجھے تھے وہی ہوا۔ کہ دونوں تجویزوں میں سے ایک بھی پیش نہ گئی۔ آخر سب محنتیں برباد گئیں اور دفتر گاؤ خورد ہو گئے۔

اسی سال میں منعم خاں نے مہم پٹنہ سے بادشاہ کو لکھا کہ سامان جنگ وغیرہ وغیرہ مرحمت ہو اور

Marfat.com

حضور خود قدم اقبال کو ادھر جنبش دیں تا کہ فتح کی موج میں جنبش پیدا ہو۔ بادشاہ نے ان کی خطا معاف فرما کر سامان مذکورہ کا اہتمام ان کے سپرد کیا۔ یہ خدمت میں مصروف ہوئے مگر اپنی اکڑ تکڑ کے پورے تھے۔ پھر ایسی خود رائی اور بے پروائی سے کام سرانجام کرنے لگے کہ دوبارہ نظروں سے گر گئے۔ خیر چند روز کے بعد پھر خطا معاف ہوگئی۔

بنگال کا انتظام:

۹۸۷ھ میں خان جہاں حسین قلی خاں مر گئے تو بادشاہ نے ملک بنگالے کا انتظام ان کے سپرد کیا اور وہاں ان کے سخت احکام اور سینہ زور بندوبست نے کام خراب کر دیا۔ تمام امراء باغی ہو گئے اور یہ ترکان قاقشال سرشوری سے مارے گئے۔ خواجہ کی قابلیت اور کاروائی میں کچھ کلام نہیں۔ کیا دربار میں اور باہر دربار سے۔ سب انہیں عزیز رکھتے مگر ان کی تجویزیں اور حکام اور حساب کتاب کی عمل درآمد ایسی سخت تھی کہ کوئی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ جب دیوان کل ہوئے تو لوگوں نے تاریخ کہی۔ ظالم۔ ان کی کارروائی دیکھ کر لوگ راجہ کی روکھی سوکھی کو بھی بھول گئے۔ اہل ظرافت میں ایک شعر مشہور تھا۔

سگ کاشی بہ از خراسانی گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

یاروں نے جل کر اس میں اصلاح کی اور کہا۔

سگ راجہ بہ از مظفر خاں گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

راجگان میواڑ یا اودے پور

راجگان میواڑ (ادیپور) اپنے خاندان کا سلسلہ نوشیروان سے ملا دیتے ہیں اس کے اثبات یا انکار کی ضرورت نہیں یہ ضرور ہے کہ کل ممالک ہندوستان کے راجہ اس خاندان کی عظمت پر ادب کے ہار پڑھاتے ہیں اور راجگان میواڑ نے بھی اپنے اوصاف قومی کے لحاظ سے رتبہ مذکور کی خوب حفاظت کی۔ عہد سلف میں جو راجہ کسی راج میں گدی پر بیٹھتا تھا اول وہاں حاضر ہوتا تھا۔ رانا اپنے پاؤں کے انگوٹھے میں سے ذرا سا لہو نکالتا تھا اور اس کے ماتھے پر تلک دیتا تھا۔ پھر تخت نشینی کی رسمیں آگے چلتی تھیں۔

تزک جہانگیری کے بقول:

جہانگیر نے اپنے توزک کے ۸ جلوس میں رانا امر سنگھ کے حال میں لکھا ہے۔ رانا، زمینداران

Marfat.com

وراجہائے معتبر ہندوستان میں سے ہے۔ اس کی اور اس کی آباؤ اجداد کی سروری و سرداری کو تمام رائے اور راجہ اس ولایت کے تسلیم کرتے ہیں۔ مدت دراز سے دولت اور ریاست ان کے خاندان میں چلی آتی ہے۔ پہلے مدت دراز تک سمت مشرق میں حکومت کرتے رہے۔ ان دنوں راجہ کا لقب رکھا تھا۔ پھر دکن کی طرف رخ کیا اور اکثر ریاستیں ادھر کی فتح کیں۔ اور راجہ کی جگہ راول کا لقب اختیار کیا۔ پھر کوہستان میوات میں آئے اور رفتہ رفتہ قلعہ چتوڑ کو فتح کیا۔ اس وقت سے آج تک کہ میرے جلوس کا آٹھواں برس ہے ۱۴۷۱ برس ہوتے ہیں۔ ۱۰۱۰ برس کے عرصہ میں ۲۶ فرمانروا اس خاندان کے راول کے لقب سے نامور ہوئے۔ اور راول سے رانا امر سنگھ تک کہ اب رانا ہے ۴۶۰ برس میں ۲۶ فرمانروا ہوئے۔

رانا سانگا:

جب بابر نے آگرہ تک قبضہ کرلیا اس وقت میواڑ کا فرمانروا سنگھر ام (رانا سانگا) تھا اس کا جاہ وجلال بھی دیکھنے کے قابل ہوگا۔ ۸۰ ہزار سوار، سات راجہ مہاراجہ، نوراؤ ایک سوچار راول اور راوت۔ پانسو ہاتھی لے کر میدان جنگ میں آیا کرتا تھا۔ ماڑواڑ، آمیر، جودھپور وغیرہ کے راجہ اس کا ادب کرتے تھے۔ گوالیار، اجمیر، رسائن، سیکری، کالپی، چندیری، بوندی، گکراون، رام پور، الور کے راجہ اس کے باگزار تھے۔ راج کی شمالی حد پر پیلا کھل (متصل بیانہ)۔ مشرق میں دریائے سندھ، جنوب میں مالوہ، مغرب میں میواڑ کے پہاڑ تھے۔ یہ رانا ضرور چکرورتی راجہ ہندوستان کا ہوتا اگر بابر اس کی موت کا فرشتہ ترکستان سے نہ آتا۔ اس نے بھی فتح وشکست کے سبق بابر کی طرح یاد کئے تھے خیال کرو ایک دریائے سیحون کا پانی پینے والا ترک، دوسرا گنگا کا پانی پینے والا راجپوت اب سیحون کا پانی کنار گنگ کی سلطنتوں کو خاک میں ملاتا ہے۔ میواڑ کا راج اس وقت۔ بابر اپنے واقعات میں لکھتا ہے۔ جب میں کابل میں تھا تو رانا نے رفیقانہ مراسلے لکھے اور وکیل بھیجے کہ جب آپ دی کی طرف کوچ کرینگے تو میں آگرہ پر آؤں گا مگر جب میں نے ابراہیم کو شکست دی اور دلی سے آگرہ تک فتح کرلیا تو اس نے میری بات بھی نہ پوچھی۔ اور تھوڑے دنوں بعد قندھار کا محاصرہ کرلیا۔

قندھار حسن ابن مکن کے پاس:

قندھار حسن ابن مکن کے پاس تھا۔ وہ اگرچہ خود میرے پاس نہیں آیا مگر کئی دفعہ وکیل میرے پاس بھیجے۔ یہاں اٹاوہ، دھولپور، گوالیار اور بیانہ میرے پاس نہ تھے۔ افغانوں نے پورب میں شوروشر مچا رکھا تھا اس لئے اسے کمک نہ بھیج سکا۔ حسن نے ناچار [illegible] رانا سانگا کے حوالے [illegible] یا۔

قلعہ مذکور رن تھنبور سے چند میل مشرق کی جانب ہے اور نہایت مستحکم ہے۔ مہدی خواجہ کے خط میرے پاس آگرہ میں آئے۔ کہ رانا بڑھا چلا آتا ہے۔ تمام راجہ ہندوؤں کے اس کی رکاب میں ہیں اور حسن خاں میواتی بھی ساتھ ہے۔ یہ لڑائی بھی اس شان کی تھی کہ بابر اور اس کے اہل فوج کی جانوں پر بنی ہوئی تھی اور کسی کو بچنے کی امید نہ تھی۔ سیکری پر میدان ہوا (اکبر نے اس کا نام فتح پور رکھا) تقدیری اتفاق تھا کہ نا امیدی کامیاب ہوگئی۔ ہزاروں کا کھیت پڑا۔ بہت سے راجہ ٹھاکر اور مسلمان سردار اس کی رفاقت میں مارے گئے اور رانا رن سے بھاگا۔ چند روز کے بعد کوئی کہتا ہے بی بی نے زہر دیا غرض رانا مر گیا اور سلطنت چند بیٹوں میں چھوڑ گیا جنہیں سوا گھر میں لڑنے کے کچھ لیاقت نہ تھی۔

آپس کی کشاکشی:

نالائق اولاد نے آپس کی کشاکشی کے بعد گھر کی کثافت تخفیف دی۔ اور ادے سنگھ سب سے چھوٹا بیٹا گدی پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں اکبر نے چتور اور رنتھنبور فتح کیا۔ نالائق اور بے ہمت ادے سنگھ پہاڑوں میں گھس گیا۔ اس کے عہد میں اکبر کے حکم سے اول مرزا شمس الدین نے قلعہ میرٹھ پر فوج کشی کی۔ جیمل رانا کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا۔ اس نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا آخر بھاگ گیا۔ ۷ جلوس ۹۶۹ھ ۔ ۱۵۱۲ء۔ میں قلعہ مذکور خالی ہوا۔ یہ پہلی ٹکر تھی کہ ادے پور کے راجہ کو بھیل قوم کے لوگ پناہ نہ دیتے تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔ وہ بھی نہ دربار میں آیا نہ اطاعت پر راضی ہوا۔ اس نے پیچ در پیچ گھاٹیوں کے جال میں اپنے نام پر ادیپور آباد کیا کہ راج نگری ملک مذکور کی ہے۔ وہی ایک گھاٹی میں کئی طرف سے بند باندھ کر ایک جھیل بنائی۔ وہ اب بھی ادے ساگر مشہور ہے۔ عرصہ دراز تک بدنامی اور بے لیاقتی کے ساتھ زندگی کی۔ قوم کی عزت برباد اور بنیاد مملکت کو ضعیف کرتا رہا۔

پرتاب کی تخت نشینی:

۴۲ برس کی عمر میں ادے سنگھ کی عمر پوری ہوئی اور پرتاب اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ وہ بیشک خاندان کا نام روشن کرنے والا تھا۔ اگر رانا سانگا کے بعد وہی گدی پر بیٹھتا تو بابر اور اس کی اولاد کو دم نہ لینے دیتا۔ اکبر نے بھی ہزار جتن کیے مگر اس کی گردن نہ جھکی بلکہ دربار تک بھی نہ آیا۔

رن تھنبور

شیر شاہ کے بعد اس قلعہ میں حاجی خاں اس کا غلام حاکم تھا۔ اس نے اکبر کا اقبال طلوع دیکھ کر

Marfat.com

اپنی حالت پر نظر کی۔ ڈرا کہ مبادا شعاع اقبال سے جل جائے۔ ۹۶۶ھ۔ ۱۵۵۹ء۔ میں راجہ سرجن کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ سرجن۔ رانا کے عزیزوں میں تھا۔ اس نے بہت سے محل اور مکانات بنوائے۔ باہر بھی دور دور تک عملداری پھیلائی۔ جب اکبر قلعہ چتور کی فتح سے فارغ ہوا تو ۹۷۶ھ میں اکبر نے رن تھنبور کے قلعہ پر فوج کشی کی۔ اس وقت رائے سرجن ہاڑا راج کرتا تھا۔ یہ قلعہ راجگان سلف کی عالی ہمتی نے پہاڑوں کے بیچ میں جا کر کوہ رن کی چوٹی پر بنایا تھا۔ اس پہاڑ پر بڑے پتھر تھے اور درختوں سے چھائے ہوئے۔ رن پہاڑ کو کہتے ہیں۔ تھنبور جوشن پوش۔ یعنے جوشن پوش پہاڑ۔ وہ برائے نام قلعہ تھا مگر حقیقت میں ملک خدائی تھا۔ جس کے گرد فصیل کھینچی ہوئی تھی۔ کہیں فصیلیں تھیں۔ کہیں پہاڑوں کی دھاروں پر قدرتی فصیلیں تھیں اس کے محاصرہ بھی سخت دشواریاں پیش آئیں۔ بے دمدموں کے کامیابی ممکن نہ تھی۔ چنانچہ اس کا اہتمام بھی ٹوڈرمل کو کہ وزیر مطلق ہو گیا تھا۔ اور قاسم خاں میر بحر کو سپرد ہوا اس نے کمال عرقریزی اور بڑے انتظام سے اس کا بندوبست کیا بہادروں نے دروں میں گھس کر اور پہاڑوں پر چڑھ کر اونچے اونچے مقام پیدا کیے جس کی بلندی قلعے کی عمارتوں کو قہر کی نظر سے گھورتی تھی ان پر ساٹھ ساٹھ منی توپیں چڑھائیں ایک ایک توپ کو دو دو سو بیل اور سات سات آٹھ آٹھ سو کہاروں نے کھینچا اور ان پہاڑوں کی چوٹیوں اور دھاروں پر مورچوں میں جما دیا کہ جہاں چیونٹی کے پاؤں پھسلتے تھے۔ ایک ایک توپ پانچ پانچ سات سات من کا گولہ نگلتی تھی جب آگ کے بادل سے لوہا برسنا شروع ہوا۔ پتھروں کے سینے پھٹ گئے اور پہاڑ تہ و بالا۔ قلعہ کے مکانات فرش زمین ہو گئے اور مکان والے بلبلا اٹھے راجہ چتور کا حال دیکھ چکا تھا۔ گھبرا گیا۔ بعض ٹھاکروں اور زمینداروں کو بیچ میں ڈالا۔ دودھ، بھوج اپنے دونوں بیٹوں کو دربار میں بھیجا اور یہ بھی کہا کہ کوئی امیر آ کر مجھے لے جائے تو میں بھی حاضر ہوں۔ بادشاہ نے حسین قلی خاں کو بھیجا۔ راجہ قلعہ کے باہر تک استقبال کو آیا۔ بہت تعظیم و احترام کیا۔ اور قلعہ میں لے جا کر اتارا۔ خان نے راجہ کی بہت تشفی کی اور اپنے ساتھ دربار میں لا کر حضور میں پیش کیا۔ اس نے سونے کی کنجیاں اور گراں بہا پیشکش نذر کیے۔ اور تیسرے دن قلعہ سپرد ہو گیا۔ تاریخ ہوئی۔ فتح ثنی۔

رن تھنبور قلعہ کی تاریخ:

جو وجہ تسمیہ اوپر لکھی ہے یہ اکبر نامہ سے لی ہے جہانگیر نے ۱۰۲۷ھ کے واقعات میں اپنی توزک میں لکھا ہے کہ سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں۔ رائے ہمیر دیو یہاں کا راجہ تھا۔ سلطان نے جب فوج کشی کی تو مدتہائے مدید کے محاصرہ میں بڑی محنتوں اور کوششوں سے فتح پائی تھی۔

Marfat.com

میرے والد نے ایک مہینے ۱۲ دن میں فتح کر لیا۔ میں نے قلعہ مذکور کو دیکھا دو پہاڑ برابر برابر تھے۔ ایک کا نام رن ہے دوسرے کا تھبور۔ قلعہ تھبور پر ہے دونوں لفظ مل کر رنتھبور مشہور ہو گیا اگرچہ قلعہ نہایت مضبوط ہے اور پانی بھی بہت ہے مگر رن بڑی مضبوط فصیل ہے۔ اور حصار کی فتح اسی پر منحصر ہے چنانچہ والد بزرگوار نے فرمایا کہ توپیں رن پر چڑھا دو۔ اور قلعہ کے اندر کی عمارتوں کو سامنے دھر لو پہلی ہی توپ کو آگ دی تو رائے سرجن کی جوکنڈی پر گولہ لگا۔ اس کی ہمت کی بنیاد اکھڑ گئی۔ گھبرا گیا۔ اور قلعہ حوالہ کر دیا۔ قلعہ کی تمام عمارتیں ہندوانی طور پر بنی ہیں اور مکان بے ہوا اور کم فضا بنائے ہیں۔ پسند نہ آئے اور دل نہ لگا۔ جی نہ چاہا کہ ٹھہروں۔ ایک حمام نظر آیا کہ قلعہ کے پاس رستم خاں کے ایک ملازم نے بنایا تھا۔ باغچہ اور بالا خانہ بھی ہے کہ صحرا کی طرف کھلا ہوا ہے۔ ہوا فضا کے لطف سے خالی نہیں۔ اور تمام قلعہ میں اس سے بہتر جگہ نہیں رستم خاں میرے والد کے امرا میں سے تھا اور بچپن سے بندگی میں تربیت پا کر محرمیت اور قرب خدمت حاصل کیا تھا۔ اس اعتماد کے سبب سے قلعہ مذکور اس کے سپرد کیا تھا۔ قلعہ دیکھ کر میں نے حکم دیا کہ یہاں کے قیدیوں کو حاضر کرو۔ سب کے حال سنے۔ خونی یا جس کے چھوڑنے میں فتنہ و آشوب کا خطر ہوا سے تو قید رکھا۔ باقی سب کو چھوڑ دیا اور ہر ایک کو خرچ و خلعت بھی عنایت کیا۔

سادات بارہہ

ضلع مظفر نگر میں کہ دوآبہ گنگ و جمن میں واقع ہے۔ صدہا سال سے ۱۲ گاؤں مشہور چلے آتے تھے۔ ان میں سادات کی آبادی ہے۔ یہاں کے سید صحیح النسب اور بڑے بہادر تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے کیے۔ اکبری فوج میں بھی دلاوری کے چہرہ کو سرخرو کرتے رہے۔ اول ان میں سید محمود بارہہ تھے کہ پہلے سکندر سور کے ساتھ قلعہ مانکوٹ میں محصور تھے۔ جب اکبری فوج نے محاصرہ کا دائرہ بہت تنگ کیا تو سردار ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یہ مع اپنے ہمراہیوں کے لشکر دربار میں آئے۔ اور ملازمت بادشاہی اختیار کی۔ ان کی خدمات جانفشاں نے منصب کا درجہ چار ہزاری تک بلند کیا۔ ان کے بیٹے سید ہاشم بارہہ برابری منصب تک پہنچے تھے کہ شہادت کا منصب نصیب ہوا۔ سید عبدالمطلب۔ سید عبداللہ خاں بارہہ وغیرہ نامی سردار اسی خاندان کے تھے۔ اور ہر میدان میں ایسے بے جگر ہو کر لڑتے تھے کہ ان کی شجاعت آج تک ضرب المثل چلی آتی ہے۔ مرزا عزیز کوکلتاش کہا کرتے تھے کہ سادات بارہہ دولت اکبری کے فدا ہیں۔

Marfat.com

سلیمان کرانی

سلیمان کرانی چھوٹا بھائی تھا تاج خاں حاکم بنگالہ کا۔ بنگالہ کی حکومت قدیم الایام سے پٹھانوں کے ہاتھوں میں چلی آتی تھی جو کہنے کو سلطان دہلی کے تابع فرمان تھے۔ لیکن درحقیقت خود مختار بادشاہ اپنے ملک کے تھے اور شاہ دہلی کے مقابلہ میں کبھی کبھی وہ اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھوا لیتے تھے۔ جب سلیم شاہ سوری مر گیا اور مبارز خاں اس کا سالا عادل شاہ بادشاہ ہوا۔ تو کرانی افغانوں کے چند سردار اور بعض امرائے دربار سلطنت کا رنگ بے رنگ دیکھ کر عدلی کے دربار سے الگ ہو گئے تھے۔ وہ بنگالہ کی طرف گئے۔ اور ادھر کے ملکوں میں جا کر مختلف قطعات پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کا سرگروہ تاج خاں تھا کہ جمعیت قوم سے طاقت والا، تدبیر میں لیاقت والا، اور دین و دیانت کی پابندی سے نظروں میں پورا وزن وقار رکھتا تھا۔ اس کا ذکر نہ کرو کہ سلیم شاہ کے اشارہ سے خواص خاں کو قول و قسم کر کے بلایا اور قتل ہی کر ڈالا۔ کیونکہ سلطنت کے کارخانوں، خصوصاً افغانوں میں یہ معمولی باتیں ہیں۔ سبحان اللہ۔ آزاد! وہی خواص خاں؟ جسے شیر شاہ نے بچوں کی طرح پالا؟ اور وفاداری اور جانثاری کے جوہر سے سلطنت کا بازو اور اپنی آنکھوں کا نور سمجھتا رہا؟ ہاں ہاں۔ بلکہ خاص و عام اس کی دینداری اور خدا ترسی کے لحاظ سے مرنے کے بعد بھی خواص خاں ولی کہتے رہے۔

عدلی، سکندر سور، ابراہیم سور:

غرض عدلی، سکندر سور، ابراہیم سور وغیرہ ہندوستان میں کٹتے مرتے رہے۔ تاج خاں الگ بنگالہ میں بیٹھے رہے۔ ان کا اقبال آس پاس کے سرداروں کو آہستہ آہستہ خاک میں دباتا گیا ان کو ابھارتا گیا۔ وہ ان کے علاقوں کو دباتا گیا۔ اور زور پکڑتے گئے۔ یہاں تک کہ جلال خاں بھی مر گیا اور ملک بنگ بہار پر قابض ہو گئے۔ چند روز کے بعد تاج تختہ پر لیٹے۔ سلیمان کرانی تخت پر بیٹھے۔ سلیمان نام کو چھوٹا بھائی تھا مگر اوصاف مذکورہ میں اسے بھی بڑا تھا۔ اس نے کٹک بنارس سے جگن ناتھ تک ملک فتح کیے۔ اور کامروپ سے اڑیسہ تک تمام ملک سلیمان بنا دیا۔ باوجود اس کے بادشاہی کا تاج اپنے نام پر نہ رکھا حضرت اعلیٰ لکھواتا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا۔ اکبر یا اس کے کسی سردار کا منہ نہ ہوا کہ آنکھ بھر کر ادھر دیکھ سکے۔ جب خان زماں علی قلی خاں کے زور بازو سے اکبری سلطنت مشرق کی طرف پھیلتی ہوئی چلی تو ادھر کی تمام سرزمین امرائے افغان سے پٹی پڑی تھی خاں زماں چھوٹی موٹی ریاستوں کو تلوار کی جھاڑو سے صاف کرتا، گڈھ مانک پور اور جونپور تک جا پہنچا۔ اور

Marfat.com

زمانیہ اپنے نام پر آباد کیا۔ خان زماں ایک مجموعہ مختلف طلسمات کا تھا۔ ملک گیری اور ملک داری کے دو وصفوں کو دونوں ہاتھوں پر برابر لے کر چلتا تھا۔ اس نے حریف کے زور کو تولا۔ اور وقت کی مصلحتوں کو دیکھا۔ کیونکہ ابراہیم سور ملک مالوہ سے بھاگ کر ادھر آیا تھا۔ اور راجہ جگن ناتھ کے پاس پناہ لے کر تالے لگائے بغل میں بیٹھا تھا۔ بڈھے بہادر نے جوان دلاور سے بگاڑ کرنا مناسب نہ دیکھا۔ دوستانہ پیام سلام اور خط و کتاب جاری کر کے موافقت پیدا کی۔

خان زماں کی گرمجوشی:

خان زماں کی گرمجوشی اور تپاک عالم دوستی اور ارتباط میں قوت برقی کو مات کرتی تھی۔ آپ خورد۔ اور بڈھے کو بزرگ قرار دے کر اول تاج خاں کو اور بعد اس کے سلیمان کو عمو بنایا اور اکبر کا خطبہ اس کی مسجدوں میں پڑھوا کر اطاعت بادشاہی پر مائل کیا۔ اس کے بھی پرانے دشمن افغان اور قدیمی راجہ ادھر ادھر لگے ہوئے تھے۔ کہن سال افغان نے بھی غنیمت جانا ہوگا اور سمجھا ہوگا کہ ایک بااقبال بادشاہ کا سپہدار، عالی ہمت فتح یاب، ہمسایہ میں آ گیا ہے۔ چھوٹا بن کر ملتا ہے کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ محبت کو عداوت اور آرام کو خود تکلیف بناؤں۔ وہ بھی زمانہ سازی کرتا رہا۔ اور وقت کو دیکھتا رہا۔ چنانچہ جب اکبر نے خان زماں پر فوج کشی کی۔ تو اس نے عمو کی طرف بھی نکاس کا رستہ نکال رکھا تھا۔ چنانچہ اکبر نے وہاں بھی ایلچی بھیج کر دیوار کھینچ دی۔ اور سلیمان نے اکبری فرمان کو فرمانبرداری کے ساتھ آنکھوں پر رکھا۔ بڈھا افغان جیسا دنیاوی معاملات میں تجربہ کار تھا۔ ویسا ہی عاقبت کے لحاظ سے صاحبدل پرہیزگار تھا۔ ڈیڑھ سو عالم اور مشائخ اس کی صحبت میں ہوتے تھے۔ اس کا قاعدہ تھا کہ ہمیشہ پچھلی رات سے اٹھتا تھا۔ نماز تہجد جماعت سے پڑھتا تھا۔ صبح تک قال اللہ وقال الرسول۔ سے صحبت نورانی رہتی تھی۔ تفسیر اور حدیث اور ذکر الٰہی سنتا رہتا تھا۔ صبح کی نماز پڑھ کر مہمات ملکی، سپاہ و رعیت کے مقدمات، حساب کتاب لین دین کے کاروبار میں رہتا تھا۔ تقسیم اوقات کا ایسا انتظام تھا کہ ایک ساعت ضائع نہ ہونے دیتا تھا۔

لودھی خاں، گوجر خاں، قتلو خاں:

وہ ۹۸ میں فوت ہوا۔ اس کے مرتے ہی دیو زاد قابو سے نکلے۔ بایزید بڑا بیٹا مسند نشین ہوا۔ اور اپنے نام سکہ و خطبہ جاری کیا۔ لودھی خاں، گوجر خاں، قتلو خاں وغیرہ پرانے پرانے افغان بڑے بڑے جتھے والے دربار سلیمانی کے رکن تھے۔ ان کی نیتیں نیک اور رائے متفق نہ تھیں۔ نوجوان مسند نشین کا دماغ بہت بلند مگر گھر کے فسادوں کو نہ دبا سکا۔ یہاں تک کہ ۵، ۶ مہینے کے اندر خود خاک کے

Marfat.com

نیچے دب گیا۔ اور قتل کا خنجر کون؟۔ ہانسو چچیرا بھائی کہ داماد بھی تھا۔ ملک کی جیتی جان لودھی خاں تھا۔
اس کشت وخون کے بعد اس کی تجویز سے داؤد چھوٹے بھائی نے بڑے کی جگہ پائی۔ گوجر کہتا تھا کہ
تلوار میرا ہی مال ہے۔ اس نے بہار میں بایزید کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ لودھی لشکر لے کر گیا اور کچھ
نمائش کچھ نمائش سے روک تھام کر اسے بھی شامل کر لیا۔ داؤد نے ملک سلیمان پر قناعت نہ کی۔
جوانی کے ارمان نکالنے لگا، تاج شاہی سر پر رکھا۔ لقب بادشاہی اختیار کیا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔
داؤدی سکہ جاری کیا۔ تاج سر پر آتے ہی غرور کی ہوا دماغ میں بھری۔ صلاحیت کے خیالات اڑ
گئے۔ باپ جن افغانوں سے بھائی بندی اور برادری کا زور ڈال کر جاں نثاری کرواتا تھا۔ یہ ان سے
نوکروں کے طور برتنے لگا۔ اللہ اللہ باوجود ان کراماتوں کے ابراہیم سور کو عہد و پیمان کر کے جگن ناتھ
سے بلایا اور بہشت میں پہنچا دیا۔

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دل پر از شوق گناہ   معصیت را خندہ مے آید بر استغفار ما

بادشاہت کی خبر سن کر اکبر کے سوتے ہوئے وہم جاگ اٹھے۔ دوسری قباحت کا اثر سب سے
زیادہ ہوا کیونکہ افغان جن کے بھروسہ پر ساری طمطراق تھی۔ سب کے دل ٹوٹ گئے۔ نوجوان لڑکے
نے بڑی غلطی یہ کی کہ لودھی کو اپنا کر کے نہ رکھا۔ یہ پرانا پٹھان، سلیمان کا وزیر، تجربہ کار سپاہی، اس
ملک کا رکن اعظم تھا۔ قتلو خان، گوجر خاں وغیرہ امرا بھی پرانے پٹھان تھے۔ مگر نہ اس درجہ کے۔ وہ
ہمیشہ لودھی سے جلتے تھے۔ اب انہوں نے موقع پا کر بڈھے کو لڑکے سے لڑا دیا اور لڑایا کس بات پر؟
دس ہاتھیوں پر۔ بڈھے نے بھی ذرا پرواہ نہ کی۔ داؤد حاجی پور پٹنہ میں سلطنت کا طنبور بجاتا تھا۔ لودھی
قلعہ رہتاس پر بیٹھا تھا اور اپنے نقارے پر چوٹیں لگاتا تھا۔ ہمسایہ کے حق سے بڈھے نے بڈھے سے
راہ کر رکھی تھی۔ چنانچہ اب لودھی نے منعم خاں سے مدد مانگی انہوں نے فوراً چند امرا کے ساتھ فوج
بھیجی۔ ایک دن داؤد جریدہ چند سواروں کے ساتھ شکار کو نکلا۔ لودھی دس ہزار سوار لے کر چڑھ آیا۔
داؤد شہر میں بھاگ گیا لیکن سمجھا کہ معاملہ قابل تدارک ہے۔ لودھی کے ساتھ جو لوگ تھے اکثر سلیمان
کے نمک خوار تھے۔ داؤد نے آہستہ آہستہ انہیں توڑنا شروع کیا۔ لودھی کو بھی خالی نہ چھوڑا۔ مکر و دغا
کے گلاب چھڑک کر بہت سے پیام سلام بھیجے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ میں تمہیں حضرت اعلیٰ کی جگہ
سمجھتا ہوں۔ اگر خاندان کا پاس کر کے بعض اہل خاندان کی تم نے رفاقت کی اور مجھ سے خفا ہوئے تو
مجھے شکایت نہیں۔ میں تمہیں ہر بات میں پشت پناہ جانتا ہوں۔ اب کہ بادشاہی لشکر سر پر آ گیا ہے
جس طرح ہمیشہ قوم کی خیر اندیشی پر کمر بستہ رہے۔ اسی جوش سے آؤ۔ لشکر توپ خانہ خزانہ جو درکار ہو
حاضر ہے۔

Marfat.com

دیکھو بڈھا وزیر لڑکے سے دغا کھاتا ہے۔لودھی جانے کو تیار ہوا۔اور پیغام سلام ہونے لگے۔ کالو اس کے وکیل نے سمجھایا کہ دغا ہے۔جانا مناسب نہیں۔اس کی موت گریبان کھینچے لئے جاتی تھی۔ہرگز نہ مانا اور گیا۔کالو نہ گیا(آخر جانے والا اور نہ جانے والا دونوں جان سے گئے۔پیچھے کالو بھی مارا گیا۔بات رہ گئی۔اور بیوفائی کا داغ رہ گیا)اگرچہ اس وقت لودھی کے سر پر موت تلوار کھینچے کھڑی تھی مگر اس نیک نیت نے اس عالم میں بھی نصیحت سے دریغ نہ رکھی۔اور کہا کہ خیر دشمنوں کی فتنہ سازی کا افسون اس وقت چل گیا۔مگر صاحبزادے بہت پچھتائے گا اور کچھ فائدہ نہ پائے گا۔ اب بھی جو مصلحت ہے وہ کہے دیتا ہوں عمل کرے گا تو فتح تیری ہے۔اور وہ یہ ہے کہ جو صلح دو لاکھ دے کر میری ہی معرفت ہوئی ہے اس پر نہ پھولنا۔مغلیہ کی بلا اتنی بات میں سر سے نہ ٹلے گی۔اگر بگاڑنی ہے تو پیش دستی کرو اور فوراً جا پڑو۔ع۔کہ ہرگز مشت پیشیں را بدل نیست۔نوجوان نے جانا کہ بڈھا بنی بات کو بگاڑتا ہے۔منعم خاں کی صلح پر کہ چار دن کی چاندنی تھی دھوکہ کھایا۔اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری اور پرانے دولت خواہ کو مروا ڈالا۔افغانوں کے لشکر میں اس واردات سے ہل چل پڑ گئی اور ایسا تفرقہ تھا کہ اگر اس وقت منعم خاں فقط اپنی رکابی فوج لے کر جا پڑتا تو بنگالہ کا معاملہ طے تھا۔مگر احتیاط نے اس کی باگ پکڑ لی اور جو کام اس وقت ایک حملے میں ہوتا تھا۔بہت سی مہموں کے بعد ہوا۔

سلیمہ سلطان بیگم

گلرخ بیگم کی صاحبزادی تھیں جو کہ ہمایوں کی حقیقی بہن تھیں۔باپ خواجگان کاشغر سے ایک خاندانی شخص تھے۔سلیمہ سلطان رشتہ سے ہمایوں کی بھانجی ہوئیں۔یہ پاک دامن بی بی محلوں کی بیٹھنے والی تھیں۔مگر نام ان کا امرائے نیک مرد کے ذیل میں لکھا نظر آتا ہے۔اور اوصاف وخوبی کی برکت دیکھ کر تاریخوں اور تذکروں نے ان کے نام پر تعریفوں کے سہرے باندھے ہیں وہ نیک طینتی کے ساتھ خوش بیان، شیریں کلام، حاضر جواب، باسلیقہ، صاحب تدبیر تھیں۔جب خاندان سلطنت میں کوئی معاملہ الجھتا تھا تو ان کی دانائی اور عقل کی رسائی، اور حسن تقریر کی وکالت سے سلجھتا تھا۔پڑی لکھی تھیں اور کتاب کے مطالعہ کا شوق رکھتی تھیں۔سخن فہم وسخن شناس تھیں اور اہل سخن کی قدردانی کرتی تھیں۔

بیرم خاں سے شادی:

ہمایوں نے مرنے سے چند روز پہلے انہیں بیرم خاں خان خاناں کے ساتھ نامزد کیا تھا۔اکبر نے

Marfat.com

۹۶۵ھ میں اس تجویز کی تعمیل کی یہ شادی بھی تعجب سے خالی نہیں کیونکہ جہانگیر نے تزک کے ۱۰۲۱ھ میں جہاں ان کے مرنے کا حال لکھا ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئیں۔ شادی کے وقت تقریباً ۵ برس کی ہونگی۔ اس صورت میں سوا اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ غرض اس وصلت سے فقط خان خاناں کا اعزاز اور سلطنت سے رشتہ مضبوط کرنا تھا۔

(ملا صاحب ۹۸۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں) اس برس سلیمہ سلطان بیگم کہ پہلے بیرم خاں کے حبالہ نکاح میں تھیں اور پھر حرم شاہنشاہی میں داخل ہوگئیں۔ سفر حجاز پر متوجہ ہوئیں آزاد حیران تھا کہ اس طرز کا سبب کیا ہوگا۔ پھر حضرت ہی کی کتاب میں ۹۹۹ھ کے حالات میں دیکھا کہ نامہ خرد افزا (سنگھاسن بتیسی) آپ کی ترجمہ کی ہوئی کتاب تھی۔ وہ بادشاہی کتب خانہ سے گم ہوگئی۔ بیگم کو اس کی سیر کا شوق ہوا۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ نے کیفیت حال سن کر کہا کہ ملا عبدالقادر سے اصل مسودہ لے لو۔ یہ وطن گئے ہوئے تھے اور رخصت پر بھی ۵ مہینے زیادہ گزر گئے تھے۔ بیگم نے بار بار عرض کی۔ بادشاہ ان کی عدول حکمیوں اور غیر حاضری وغیرہ سے پہلے بھی تنگ تھے۔ اب تنگ تر ہوئے۔ آدمی بھیجے کہ جا کر گرفتار کرلاؤ۔ اس عتاب و خطاب نے بہت طول کھینچا۔ حضرت نے اس کا غصہ بیگم پر نکالا اور ناحق اس کے دامن پاک پر ایک چھینٹا مارا۔

۹۸۳ھ میں یہ اور گلبدن بیگم اکبر کی پھوپھی گجرات کے رستہ حج کو گئیں۔ ۴ حج متواتر کیے۔ آتے ہی جہاز تباہی میں آگیا۔ ایک برس اہل جہاز کو عدن میں ٹھہرنا پڑا۔ ۹۹۰ھ میں داخل ہندوستان ہوئیں۔ آخر عہد جہانگیری ۱۰۲۱ھ میں ۶۰ برس کی عمر میں قضا کی۔ جہانگیر نے بھی ان کی لیاقت اور عفت و عصمت کی تعریف کر کے مرنے کا افسوس کیا ہے۔ سلیمہ سلطان بیگم، طبع سلیم کی لہر میں کبھی شعر بھی کہہ دیتی تھیں۔ ایک فرد مشہور ہے۔

کاکلت را من زمستی رشتہ جاں گفتہ ام ۔۔۔ مست بودم زیں سبب حرف پریشان گفتہ ام

گلبدن بیگم بھی لکھنے پڑھنے کی استعداد رکھتی تھیں۔ چنانچہ ہمایوں نامہ ان کا حسن قابلیت کی یادگار ہے۔

سلطان مظفر گجراتی فرمانروائے گجرات و احمد آباد

خاندان کا کچھ پتہ نہیں۔ اسی سے پہچان لو کہ اصل نام اس کا نتو تھا۔ چنانچہ ابوالفضل مظفر نہیں لکھتے تھے اکثر نتو ہی لکھتے تھے جب سلطان محمود گجراتی لاولد مر گیا تو نمک حلال اعتماد خاں نے آقا کا

Marfat.com

نام ونشان قائم رکھنے کو دربار میں اسے پیش کیا اور امرا کے سامنے قرآن اٹھا کر کہا کہ ایک دن سلطان جنت آشیان نے ایک حرم پر خفا ہو کر قتل کا حکم فرمایا اور اسے میرے سپرد کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسے ۵ مہینے کا حمل ہے۔ اپنے گھر میں مخفی رکھا۔ اس سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ اسے خداوند زادہ سمجھ کر پرورش کرتا رہا۔ اب تخت وتاج بے صاحب ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ صاحب تخت وتاج قرار دیا جائے۔ سب نے قبول کیا۔ چنانچہ تو مظفر شاہ بن کر تخت پر بیٹھے اور اعتماد خاں کا خطاب مسند عالی قرار پایا مگر حال یہ تھا کہ اعتماد خاں جب چاہتا دربار کرتا تھا۔ مظفر کو لا کر بٹھاتا تھا۔ آپ بیٹھتا تھا۔ اور جو جو مقدمے مناسب سمجھتا تھا پیش کر کے حکم دیتا تھا۔ مظفر کی زبان سے کہلوا دیتا تھا۔

رفتہ رفتہ امرا میں بگاڑ ہوا اور اسی بگاڑ میں سلطنت بگڑنی شروع ہوئی۔ اعتماد خاں نے دیکھا کہ میں اتنے بڑے بڑے سرداروں کی گردنوں کو دبا نہ سکوں گا۔ اکبر کو خفیہ عرضیاں لکھنی شروع کیں۔ ادھر سے فوج کشی ہوئی اور خونریز لڑائیوں کے بعد مظفر ایک کھیت میں چھپا ہوا پکڑا گیا ملک مذکور ۹۷۹ھ میں دولت اکبری سے وابستہ ہو گیا۔ اکبر نے مظفر کو اول سلطانی اعزاز سے رکھا تھا۔ پھر اعتماد خاں مذکور کی زبانی معلوم ہوا کہ حقیقت میں بہلبان کالڑکا ہے۔ جو کچھ کیا۔ مصلحت وقت کے لئے کیا تھا۔ بادشاہ نے خواصوں اور خدمت گاروں میں ڈال دیا اور اس کی عزت اور عظمت کا وزن تیس روپے قرار دیا۔ چندروز کرم علی داروغہ خوشبو خانہ کے سپرد رہا۔ پھر منعم خاں خان زمان کا زندانی رہا۔ وہ مر گیا تو حضور میں آیا۔ خواجہ شاہ منصور کی نگرانی میں رہا۔ ۲۳ جلوس میں بھاگ کر اپنے ملک میں پہنچا۔ قطب الدین خاں پیچھے فوج لے کر پہنچے۔ یہ بھاگ کر لونہ کاٹھی کی پناہ میں بیٹھ گیا۔ بے سروسامان تھا اور بہ شکستہ گزران کرتا تھا۔ اس لئے امرا نے کچھ خیال نہ کیا۔ یہاں تک کہ بغاوت کر کے پھر صاحب فوج وعلم ہو گیا۔

سورت ❶ کے قلعہ کی فتح:

بندر سورت کا قلعہ سب سے کڈھب تھا کہ سمندر کے کنارہ پر تھا۔ اور نہایت محکم اور استوار تھا۔ سبب یہ تھا کہ فرنگیاں پرتگال جہازوں پر آتے تھے۔ رعایا کو لوٹتے تھے۔ مارتے تھے، پکڑ کر لے جاتے تھے اور ملک کو برباد کرتے تھے۔ خداوند خاں دکنی نے ان کے روکنے کے لئے یہ قلعہ بنوانا شروع کیا۔ اہل فرنگ نے انواع واقسام کی تدبیروں سے تعمیر کو روکا۔ جہازوں نے آگ برسائی۔ مگر معمار اپنا کام کئے گئے۔ خدا جانے کیسے ریاضی دان مہندس تھے۔ فصیل کی بنیاد کو پانی تک پہنچا دیا۔

---

❶ جن جہازوں کیلئے اب بندر بمبئی لنگر گاہ ہے۔ اس عہد میں بندر سورت لنگر گاہ تھا۔

Marfat.com

اور ۲۰ گز عرض کی خندق بھی اتنی ہی گہری کھودی۔ دونوں طرف خشکی تھی۔ ادھر کی دیوار میں پتھروں کو چونہ اور ماش ❶ سے وصل کر کے چنائی کی اور لوہے کے دورخے کانٹے اس میں جڑے۔ قلعہ کی دیوار کا ۱۵ گز عرض ۲۰ گز بلندی، دیوار دوتہی تھی۔ کل کا عرض ۳۵ گز چار دیوار کا عرض ۱۵ گز، بلندی عرض خندق کے برابر ۲۰ گز۔ درزوں میں سیسہ پلایا تھا۔ فصیل کنگرہ اور سنگ انداز سے ایسی بلند اور خوش نما کہ دھر دیکھو آنکھیں وہیں لگی رہیں۔ دریا کی طرف ہر برج پر چوکھنڈیاں بنا کر ان میں کھڑکیاں رکھی تھیں۔ یہ پرتگال کی عمارت کا انداز تھا۔ اور وہیں کا ایجاد تھا۔ فرنگیوں نے اس کی تعمیر کو بہت روکا۔ جب جنگ وجدل سے کچھ نہ کر سکے۔ تو آخر کار صلح پر آئے اور بہت سا روپیہ دینا کیا۔ کہ اس چوکھنڈی کو گرا دو۔ خداوند خاں کی عالی ہمتی نے بھی کسی بات پر گردن نہ جھکائی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں قلعہ بنا کر کھڑا کر دیا۔

۹۷۵ھ میں اکبر آپ بڑودہ میں ٹھہرا۔ اور راجہ ٹوڈرمل کو بھیجا کہ آمد و رفت کے رستہ اور نشیب وفراز کے انداز جا کر دیکھو۔ یہ گئے اور دیکھ بھال کر ایک ہفتہ کے بعد واپس آئے۔ اور عرض کیا۔ کہ کچھ بات نہیں۔ ان ان ترکیبوں سے قلعہ آسان قبضہ میں آ سکتا ہے۔ اکبر لشکر لے کر گیا۔ ٹوڈرمل کا انتظام تھا۔ کوس بھر پر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور قلعہ کو اس طرح گھیر لیا جیسے چاند کے گرد کنڈل۔ مورچال امرا کو تقسیم کر دیئے۔ قلعہ والے تنگ ہو گئے۔ دو مہینے میں بڑے بڑے دمدمہ بلند کر کے اونچے اونچے ٹیلے بنا دیئے ان پر توپخانے چڑھائے۔ توپچی توپیں مارتے تھے۔ سپاہی بندوقیں گولیاں برساتے تھے۔ مورچے ایسے پاس پہنچا دیئے کہ بندوق کی گولی قلعہ کے اندر جاتی تھی۔ کوئی سر اونچا نہ کر سکتا تھا۔ قلعہ کے پچھواڑے تالاب تھا۔ ادھر سراپردہ اکبری قائم تھا۔ مورچے بڑھاتے بڑھاتے اس پر قبضہ کر کے پانی بھی بند کر دیا۔ آخر اہل قلعہ عاجز ہو گئے۔ اطاعت قبول کی۔ اور قلعہ حوالہ کر دیا۔

سلیمانی توپیں:

دوسرے دن بادشاہ قلعہ میں گئے۔ سب جگہ پھر کر دیکھا۔ ٹوٹ پھوٹ کر مسمار ہو گیا تھا۔ مرمت کا حکم دیا۔ ایک برج کے نیچے کئی عظیم الشان توپیں نظر آئیں۔ یہ سلیمانی توپیں کہلاتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ سلیمان سلطان خلیفہ روم نے چاہا تھا کہ ہندوستان کی بندرگاہیں جو فرنگیوں کی لنگرگاہیں ہو گئی ہیں ان پر فوج کشی کرے۔ چنانچہ بہت بڑا لشکر اور قلعہ گیری کے سامان دریا کے رستہ روانہ کئے

❶ ماش کا آٹا چونے میں ملا دیتے ہیں سوکھ کر بہت مضبوط ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

تھے۔مگر حکام گجرات کی بدمددی اور رسد کی کوتاہی سے مہم خراب ہوگئی۔توپیں اور اسباب مذکور جو ادھر آگئے تھے وہ پڑے رہے۔اکبر نے دیکھ کر حکم دیا کہ اکبر آباد میں ہی رہیں۔مورخ لکھتے ہیں کہ ایک ایک توپ صنعت اور ستمگاری کا کارنامہ تھی۔

سید محمد جونپوری

جونپور کے رہنے والے تھے۔حنفی مذہب تھا جب بادشاہوں کی اولاد بدلی اور ملک کی بد انتظامی طول پکڑتی ہے تو خودسری کے مادے مختلف رنگوں سے ظہور کرتے ہیں۔ان بزرگ کو آواز آئی کہ انت المھدی۔(تو ہے مہدی) اس بنیاد پر مہدویت کا دعویٰ کیا۔انہوں نے جونپور کی تباہی کو آثار قیامت سمجھا۔اور جب کوئی نئی بات ظہور میں آتی۔کہتے کہ یہی قرب قیامت کی نشانی ہے۔ بہت سے واقعہ طلب اور اکثر جاہل کہ ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں ان کے گرد جمع ہوگئے لیکن مخالف بھی بہت ہوگئے چنانچہ جونپور سے تنگ ہوکر گجرات میں گئے۔سلطان محمد گجراتی ان کا معتقد ہوگیا۔لوگوں کی مخالفت سے وہاں بھی نہ ٹھہر سکے۔عربستان میں سیاحی کی،حج کیے،مدینہ میں جا کر زیارت کی۔ ایران میں آکر توقف کیا۔لوگوں کا ہجوم ان کے گرد دیکھ کر شاہ اسمٰعیل نے نہایت سختی سے روکا۔ باوجودیکہ فوراً ایران سے چلے آئے مگر مدت تک وہاں ان کا اثر باقی رہا۔فرہ میں آکر ۹۱۱ھ میں مر گئے۔اور قبر کی پرستش ہونے لگی۔

علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دستگاہ کامل:

شیخ ابوالفضل آئین اکبریؒ میں لکھتے ہیں کہ سید محمد جونپوری پور سید بڈہ اویسی است۔از فراوان روحانیہ فیض برگرفتہ۔ہبر صوری و معنوی علم چیرہ است۔از شوریدگی دعویٰ مہدویت کرد و بسیاری مردم بر وگرویدند و بسا خارق ازو گرگزارند۔و سرچشمہ مہدویت او از جونپور بگجرات شد۔و سلطان محمود کلان بہ نیایش برخاست و از تنگ چشمی زمانیان بہ ہندیا رست بود۔و بازش ایران زمین پیمود۔و در فرہ درگزشت۔دہمانجا آسود۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد جونپوری ضرور ایک زبردست عالم تھا جو علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔اور نہ صرف عامی اور جہلا نے اس کو مہدی برحق تسلیم کیا بلکہ خود سلطان محمود بادشاہ گجرات اس کے حلقہ عقیدت منداں میں داخل ہوا۔سید محمد کمالات علمی کے ساتھ اپنے میں کمال اولوالعزمی بھی رکھتا تھا جو اس کو ہند سے ایران زمین میں لے گیا۔سید محمد

Marfat.com

کے عقائد کا مفصل حال نہیں کھلتا۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی جو اس کے ہمعصر تھے۔ ایک مکتوب میں اتنا لکھتے ہیں کہ دراعتقاد سید محمد جونپوری ہر کما لیکر محمد رسول اللہ داشت درر سید محمد مہدوی تیز بود۔ فرق ہمیں است کہ آنجا با صالت بود وا ینجا۔ تبعیت و بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہچو اوشد۔ فقط۔

سید محمد میر عدل

ملا صاحب لکھتے ہیں۔ امروہہ علاقہ سنبھل کے رہنے والے تھے۔ دانشمند عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار اوائل حال میں وہ اور میرے والد سنبھل اور بداؤں کے بزرگوں اور استادوں کی خدمت میں تحصیل علم کرتے تھے۔ میر سید جلال کے درس میں بھی ساتھ تھے۔ میر سید جلال حدیث میں میر سید رفیع الدین کے شاگرد تھے۔ میر سید محمد صاحب تحصیل علوم کے بعد درس وافادہ میں مصروف ہوئے۔ اکبر کے دربار میں میر عدل ہوئے۔ اس منصب جلیل اقدر کو نہایت عدالت انصاف راستی اور امانت کے ساتھ سرانجام کیا۔ اور حق یہ ہے کہ یہ جامہ انہی کے قد پر ٹھیک آیا تھا۔ پھر کسی کو میر عدل کہنا عقل کو رسوا کرنا ہے۔ بڑے بڑے قاضی مفتی بلکہ قاضی القضاۃ ان کی بزرگی اور سن وسال کو دیکھ کر ابد سے اپنی اپنی جگہ رک جاتے تھے۔

حاجی ابراہیم سرہندی کی سر دربار فضیحت کی۔ اور کوئی دم نہ مار سکا۔ اس کی مختصر حکایت یہ ہے کہ حاجی موصوف نے ایک موقع پر اکبر کا شوق دیکھ کر فتویٰ لکھا۔ کہ سرخ وزعفرانی لباس پہننا جائز ہے اور سند میں کوئی ضعیف نحیف غیر مشہور سی حدیث بھی لکھدی ملا نے پیچھے لپٹے۔ اور جلسہ علما میں وہ فتویٰ پیش ہوا۔ انہوں نے حدیث مذکور کی صحت میں سند دوائی۔ میر عدل موصوف ان پر بہت جھنجلائے۔ اور عین مجلس بادشاہی میں، بدبخت، ملعون اور دشنامی الفاظ اس کے حق میں صرف کر کے عصا مارنے کو اٹھایا۔ یہ اٹھ کر بھاگ گئے۔ ٹھہرتے تو ضرور مار کھاتے۔ اور ان کا وقار وادب اس قدر دلوں میں پھیلا ہوا تھا کہ سب بجا و برحق سمجھتے۔

ملا صاحب کہتے ہیں۔ تعلق موروثی اور شفقت قدیمی کے سبب سے میرے حال پر بہت توجہ کرتے تھے۔ میری ابتدائے ملازمت میں دربار کی رسائی اور بادشاہ کی شفقت دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ زمین جاگیر کے درپے نہ ہو۔ صدور کی خواریاں اٹھانی پڑیں گی۔ یہ لوگ مصر غرور کے فرعون ہیں۔ جو ہو سو ہو داغ بادشاہی اختیار کر۔ ہائے میں نے ان کی نصیحت گوش قبول سے نہ سنی۔ ناچار جو

Marfat.com

دیکھا سو دیکھا۔ اور اٹھایا سو اٹھایا۔

۹۹۵ھ میں بادشاہ نے میر موصوف کو بھکر بھیج دیا۔ کہ ملک کا کنارہ ہے۔ اور قندھار بلکہ ایران سے پہلو لگتا ہے۔ بہانہ یہ کیا کہ آپ کے سوا دوسرے پر اطمینان نہیں۔ انہوں نے جا کر کچھ رسائی کچھ چڑھائی کے ساتھ سیوی کو فتح بھی کر لیا (یہی جواب بی مشہور ہے) سید صاحب کی رخصت کے وقت جس حالت کے ساتھ ملا صاحب سے گفتگو ہوئی۔ آہ۔ آہ۔ مایوسی چپ کھڑی دیکھتی تھی۔ حسرت سنتی تھی اور بولا نہ جاتا تھا۔ ۹۸۶ھ میں وہیں دنیا سے انتقال کیا۔ سید فاضل اور اللہ بالفضل تاریخیں لکھی ہیں۔ ملا صاحب کی ساری تاریخ میں ایک یہ اور پانچ چھ شخص شاید اور ہوں گے کہ ان کے نشتر قلم سے صاف نکل گئے فرشتہ بھی آیا ہوگا تو ایک نہ ایک کو چا ضرور رکھا گیا ہوگا۔

سید رفیع الدین صفوی

سید رفیع الدین صفوی۔ ملا صاحب کہتے ہیں کہ انج میں ان کا خاندان بہت معظم اور محترم تھا۔ اور یہ علما اور محدثین عالی رتبہ میں شمار ہوتے تھے۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں جب آگرہ میں آکر آباد ہوئے۔ یہاں بھی سب تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور سکندر لودھی نے حضرت مقدسہ خطاب دیا تھا۔ باوجودیکہ دربار کی نوکری کبھی نہیں کی۔ مگر کمال عظمت اور آسودہ حالی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ تمام اہل اسلام کے دلوں پر ان کا نیک اثر تھا اور بادشاہ وقت بھی ان سے فتویٰ طلب کرتے تھے اور اکثر صلاح و اصلاح سلطنت میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بابر کے عہد میں بالکل نیاز مانہ تھا۔ دربار میں دخل رکھتے تھے۔ اور بعض علاقوں کے فرمانروا ان کی معرفت ملازمت میں آئے۔ ہمایوں نے جب شیر شاہ کے اقبال سے دوسرا صدمہ اٹھایا اور آگرہ میں آیا تو ان کے مکان پر گیا۔ بھائیوں کی بدنفسی اور شیر شاہ کی سرشوری اور اپنی صورتحال بیان کر کے صلاح طلب کی۔ انہوں نے کہا جب یگانہ و بیگانہ کا یہ حال ہے۔ تو بہتر ہے کہ آپ چند روز کے لئے اس ملک سے نکل جائیں اور منتظر وقت رہیں کہ قدرت الٰہی سے کیا ظہور ہوتا ہے۔ وہ فوراً آگرہ سے لاہور اور یہاں سے سندھ پہنچا۔ اور جو ہوا سو معلوم ہے۔ شیر شاہ کو بھی جب کوئی ایسی صورت پیش آئی ہے کہ اس میں رعایا کی ناراضی کا خیال ہوا ہے۔ تو اس سے فتویٰ لیا اور جو کرنا ہوا سو کر گزرا۔

جب شیر شاہ جودھپور کی مہم فتح کر کے پھرا تو سید موصوف نے کہا کہ میرے آباؤ اجداد سے تصانیف معتبر یادگار ہیں۔ سب صاحب فضل و کمال تھے۔ اور حرمین شریفین میں درس کہتے تھے۔

Marfat.com

سارے خاندان میں۔ میں نا قابل ہوا کہ ہندوستان کے زور مال کا شہرہ سن کر لالچ کا مارا آوارہ ہوا اور بے علم رہ گیا۔ اب مجھے رخصت فرمایئے کہ اخیر عمر ہے۔ جاؤں اور بزرگوں کی قبر پر چراغ جلاؤں۔ شیر شاہ نے پھر روک یا اور جو عذر تھا وہ بھی بیان کیا۔

سلیم شاہ کے دربار میں جب شیخ غلام نبی کا معرکہ ہوا اور تمام علماء طلب ہوئے۔ اس میں سید موصوف بھی شامل تھے۔ شیخ سید سے بھی ایک جھپٹ کی۔ آگرہ میں پہنچتے ہی مبارک کا اور ان کا تعارف ہوا۔ اور اکثر نازک حالتوں میں یہ شیخ کے مددگار رہے۔ شیخ ابوالفضل ان کا حال اس طرح لکھتے ہیں۔ میر موصوف حسنی حسینی سید ہے وطن برفتہ آنک متعلق شیراز تھا۔ مگر مدت تک عرب میں سیاحی کرتے رہے ہند میں آتے تھے تو آگرہ میں رہتے تھے۔ عرب میں جاتے تھے تو مکہ اور مدینہ میں سفر کرتے رہتے تھے۔ اور درس و تدریس سے لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے۔ معقول و منقول اپنے بزرگوں سے حاصل کئے تھے۔ مگر مولانا جلال الدین دوانی کی شاگردی سے نئی روشنی پائی تھی۔ شیخ سخاوی کہ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ سید مصووف نے علوم نقلی ان سے حاصل کئے تھے۔ چنانچہ شیخ نے اپنے مصفات میں بھی ان کا کچھ کچھ حال لکھا ہے۔

شاہ عارف حسینی

ایک بزرگ صاحب ریاضت تھے۔ پابند تقویٰ وطہارت، شاہ اسماعیل صفوی کے پوتوں میں تھے۔ ہمیشہ جو کی روٹی سے افطار کرتے تھے۔ جلی ہوئی اور اس میں جنگل کی گھاس ملی ہوئی ایسی کڑوی ہوتی تھی کہ کوئی کھا نہ سکے۔ احکام شریعت پر ظاہر و باطن مستقل اور عامل تھے۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ کہ شیخ ابوالفضل کے مکان پر قلعہ میں پانچوں وقت اذان کہہ کر نماز پڑھتے تھے۔ اور کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے (یہ زمانہ وہ تھا کہ دربار سے نماز روزہ رخصت ہو چکا تھا) لوگ ان کی بہت سی کراماتیں خلاف قیاس بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک کاغذ کا گول گول کاٹ کر جلتی انگیٹھی میں ڈال دیتے تھے اور اشرفیاں نکال کر بانٹنی شروع کرتے تھے جتنے لوگ مجلس میں ہوں سب کو نچا دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ انہیں حجرہ میں بند کر کے مقفل کر دیا۔ اس میں سے صاف نکل گئے۔ ایک دفعہ گجرات دکن سے پھر کر لاہور میں آئے۔ گجرات کے گرمی کے میوے جاڑے میں اور جاڑے کے گرمی میں منگائے۔ اور لاہور میں لوگوں کو کھلائے۔ یہاں کے علما جن کے سرگروہ مخدوم صاحب تھے ان سے بھی اڑ گئے۔ صورت مسلہ کی یہ قائم کی۔ آخر یہ میوے لوگوں کے باغوں کے ہیں۔ اور انہوں نے

Marfat.com

بے اجازت تصرف کیا ہے۔ان کا کھانا حرام ہے۔آخر بیچارے تنگ ہو کر کشمیر چلے گئے۔

علی خاں حاکم کشمیران کا معتقد ہو گیا۔اور کمال خلوص سے بیٹی نذر دی۔لیکن صفوی خاندان کے شہزادے تھے۔لوگوں نے اس کے دل میں شبہ ڈالا کہ ان کے دل میں ملک گیری کے ارادے موج مار رہے ہیں اس نے بیٹی کا مہر مانگا۔یہ نہ دے سکے۔اس لئے طلاق لے لی اور چند آدمی لگا دیئے کہ جب میں ان کی ملاقات کو جاؤں تو تم معتقد بن کر جاؤ۔اور سید کو بہشت میں پہنچا دو۔انہیں بھی معلوم ہو گیا۔خفا ہو کر سر بصحرا نکلے۔بے خبر ناحق شناسوں نے زبانی آزار دینے شروع کئے۔آخر اس کے علاقہ سے نکل کر بھاگ گئے۔تبت میں پہنچے۔علی رائے حاکم تبت نے بہ کمال اعتقاد اپنی بہن سے شادی کر دی۔وہاں بھی عجیب وغریب معاملات ظاہر ہوتے تھے۔مثلاً درخت کو ہلاتے تھے اس میں سے روپے اشرفیاں جھڑتی تھیں۔لوگوں کو بانٹ دیتے تھے۔غرض گجرات کشمیر تبت میں ان کے عجیب وغریب تصرف مشہور ہیں۔جہاں جاتے تھے۔لوگ آ کر گھیر لیتے تھے۔ساری دنیا کو خدا بھی خوش نہیں رکھ سکتا۔کچھ معتقد ہوتے تھے۔کچھ دشمن ہو جاتے تھے۔وہ بیزار ہو کر وہاں سے نکل جاتے ہیں۔غرض شہر بشہر بھاگے پھرتے ہیں۔

۹۹۷ھ میں جو پہلی دفعہ بادشاہ کشمیر گئے۔تو علی رائے مذکور کو ایلچی بھیجا تھا۔اور کہلا بھیجا تھا کہ شاہ موصوف کو بھیج دینا۔وہ نہ بھیجتا تھا۔مگر یہ اپنے دل کے بادشاہ تھے۔خدا جانے کس وقت نکل کھڑے ہوئے اور کہاں سے کہاں ہو کر کشمیر میں آن پہنچے۔سواری میں سر راہ آمنا سامنا ہوا۔بادشاہ نے انہیں تعظیم سے اتروایا اور امرا سے کہہ دیا کہ نظر میں رکھو، جانے نہ پائیں۔

کبھی کبھی بادشاہ سونے کے پیالہ میں خوشبویاں ڈالتے اور پھول اور عطریات تحفہ کے طور پر لیکر جاتے تھے۔کئی دفعہ کہا کہ کچھ روپیہ کچھ جاگیر فرمائش کیجئے۔شاہ جواب میں کہتے تھے روپے اپنے احدیوں کو دو کہ بدحال ہیں۔

ایک دن بادشاہ نے کہا۔شاہ یا تو ہم جیسے ہو جاؤ۔یا ہم کو آپ جیسا کر لو۔جواب دیا۔ہم نامراد تو تم جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں۔تم چاہو تو آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔اور ہم جیسے ہو جاؤ۔

ملا صاحب لکھتے ہیں۔شاہ عارف ان دنوں ابوالفضل کی نگرانی میں تھے۔اور صحت دولت خانہ میں ایک طرف اترے ہوئے میں قلیچ خاں کے ساتھ گیا۔کوٹھے پر جالیاں تھیں۔انہیں میں سے ہم نے دیکھا نیچے اپنے حجرہ کے آگے بیٹھے تھے منہ پر نقاب پڑی تھی اور کچھ لکھتے تھے (شاید قلیچ خاں نے کچھ کہا ہوگا) ایک شخص ان کے پاس تھا۔اس سے بولے۔این قلیچ خاں بود کہ میگفت۔منم قلیچ بندہ . . . . گار شاشاید وہ قدیم سے نقاب ڈالے رہتے ہونگے۔دنیا کے لوگ اس میں بھی بدگمانی کی

Marfat.com

دمیں لگاتے تھے۔ کہتے تھے۔ یہ اس لئے ہے کہ ایک جگہ سے چلے جائیں تو دوسری جگہ پہچانے نہ جائیں۔ افسوس اسی نقاب کی بدولت حکیم ابوالفتح کی جان گئی۔ ان کی ایسی کراماتیں لوگ حد تعداد وشمار سے زیادہ بیان کرتے ہیں۔

۱۰۰۶ھ کے اخیر میں شیخ ابوالفضل کہتے ہیں۔ میر عارف اردبیلی نے آگرہ میں آکر نقد زندگی سپرد کر دیا۔ سام میرزائی صفوی کے بیٹے تھے۔ صاحب ریاضت تھے اور دنیا سے الگ۔ لوگ ان کی عجیب وغریب کراماتیں بیان کرتے ہیں۔

شاہ ابوالمعالی

ایک خوبصورت اور دیدار و نوجوان خواجگان کاشغر کے گھرانے سے تھا۔ مگر نہایت بلند نظر، بلکہ مغرور، بد دماغ، بدنیت۔ جب ہمایوں ایران سے پھر کر قندھار پر آیا۔ انہی دنوں یہ بھی ملازمت میں پہنچا، حسن خداداد کی برکت سے بادشاہ بھی اس پر شفقت کرنے لگے یہ شفقت ایسی بڑھی کہ حد سے بڑھ گئی۔ فرزندی کا خطاب عنایت فرمایا۔

بے مثال قصیدہ:

بلکہ خود اس کی بے اعتدالیوں کی برداشت کرتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی تھی۔ کہ بیرم خاں جیسے عالی رتبہ امیر نے ایک قصیدہ ۲۴ شعر کا بادشاہ کی تعریف میں کہا۔ عظیم، قدیم، وغیرہ بنائے قافیہ تھی۔ (۱) ہر مصرع اول کے پہلے حرف کو لیں تو حضرت ہمایوں بادشاہ غازی وغیرہ وغیرہ عبارت حاصل ہوتی ہے۔ (۲) ہر مصرع کے اخیر حرفوں کو جمع کریں تو مرزا شاہ ابوالمعالی وغیرہ (۳) ہر دوسرے مصرعہ کے اوائل حرف کو لیں تو شاہزادہ جلال الدین محمد اکبر۔ (۴) ہر دوسرے مصرع کے مصرع اخیر سے ۲۴ میم نکلتے ہیں جس کے اعداد وشمار ۹۶۰ ہوئے۔ یہ تصنیف قصیدہ کی تاریخ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب بیرم خاں قندھار کا حاکم تھا۔ ہمایوں بھی وہیں تھے۔ شاہ طہماسپ کے میر شکار کا باپ شیر علی بیگ کسی سبب سے ہمایوں کے پاس آیا ہوا تھا ظاہر ہے کہ ہمایوں کو اس کی کس قدر خاطر ہوگی۔ شاہ ابوالمعالی اسے دیکھ دیکھ کر کہا کرتا تھا۔ ''من ایں رافضیک را روزے خواہم کشت۔'' ہمایوں اسے ہنسی اور ناز دلبرانہ سمجھتا تھا۔ آخر ایک دن شراب پی اور نشہ کی حالت میں تیغ بے باکی سے اس کا کام تمام کر دیا۔ وارث حضور میں داد خواہ آئے۔ شاہ صاحب بلائے گئے۔ گوری گوری رنگت، مخمل رومی پر سیہ چغہ اور سرخ چھپانی اطلس کا استر ایک زرق برق کا عالم۔ وہی برق بدم نیمچہ جس

Marfat.com

سے اس کا بے گناہ کا خون بہایا تھا۔ چغہ کے نیچے کمر میں تھا۔ آنکھوں میں رات بھر کا خمار بھرا۔ عجب آن و انداز سے لڑکھڑاتے ہوئے مجلس میں آئے۔ قتل کا نام آیا تو صاف انکار۔ بیرم خاں کو سب خبر تھی۔ یہ شعر پڑھا۔

نشان شب رواں دارد سر زلف پریشانش دلیل روشن ست ایںک چراغ زیر دامانش

بادشاہ عالم حسن و جمال میں محو ہو گئے اور ہنس پڑے۔ بے گناہ کا خون باتوں میں اڑ گیا کہ قاتل معلوم نہیں۔

خاندان بابری کے اندرونی و بیرونی اسرار اور معلومات:

معتمد خاں اقبال نامہ میں لکھتے ہیں۔ کہ خاندانی بابری کے اندرونی و بیرونی اسرار اور معلومات جو مرزا عزیز کوکہ کو تھی۔ کسی کو نہ تھی۔ شاہ کی گرفتاری کا راز جو خاص ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ جن دنوں اکبر تخت نشین ہوا۔ ایک سپاہی زادہ جیسا صورت میں حسین اور صاحب جمال تھا۔ ویسا ہی عادات و اطوار میں نیک خصائل تھا۔ شاہ ابو المعالی نے اسے نوکر رکھا تھا۔ بیرم خاں خزانہ تدبیر کی ایک بے بہا رقم تھے۔ جب شاہ کے باب میں کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ تو آدمی لگا کر اندر اندر اس لڑکے کو وہاں سے ابھارا اور کئی دن غائب رکھا۔ شاہ بے قرار ہو گئے۔

دو تین دن کے بعد بیرم خاں نے پیغام بھیجا۔ کہ تمہارے خدمتگار کو بڑی تلاش سے پیدا کیا ہے۔ مگر ڈر کے مارے تمہارے پاس آنے کو راضی نہیں ہوتا۔ یہ ٹھہرائی ہے کہ تم حضور میں آؤ۔ حضور خود اس کی سفارش فرمائیں۔ اور تمہارے سپرد کریں۔ شاہ سنتے ہی خوش ہو گئے۔ سب شرطیں اور عہد و پیمان بھول گئے۔ غرض جب آئے تو جس طرح قرار پایا تھا۔ دست راست پر بیٹھنے کو جگہ قرار پائی۔ بیرم خاں نے ادھر ادھر کی چند باتیں پیش کر کے اس سپاہی زادہ کو بلا لیا۔ بادشاہ نے اس کی خطا معاف فرمائی۔ اور شاہ سے کہا کہ اب اس سے خفا نہ رہو۔ شاہ نے کہا۔ نہیں خفگی کا کیا محل ہے۔ اکبر نے کہا۔ اچھا جس طرح پہلے تمہاری تلوار اس کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اسی طرح اب بھی رہا کرے۔ شاہ تو دل دیئے بیٹھے تھے۔ جو نوکر تلوار لئے تھا اسے اشارہ کیا۔ کہ اسے دیدو۔ اس نے دیدی۔ (ملا صاحب کیا مزے سے لکھتے ہیں)

اس عرصہ میں دستر خوان بچھا۔ میر نے سیلانچی پر ہاتھ بڑھائے کہ دھوئیں تمک خان تو جین افسر توپ خانہ ان دنوں خوب بھنسڈ بنا ہوا تھا۔ (اب وہ بھی مکڑی کا تار ہو گیا ہے) اسے گھات میں لگا رکھا تھا۔ بے خبر پیچھے سے آیا اور شاہ کی مشکیں باندھ لیں۔ امرا نے اسی وقت چاہا تھا کہ نیست و نابود کر

Marfat.com

دیں۔ بادشاہ نے اجازت نہ دی کہ تخت پر بیٹھتے ہی ایک بے گناہ کا خون کرنا حیف کی بات ہے۔ لاہور میں بھیج دیا۔ پہلوان گل گز کوتوال نے ادب کیا کہ چوکی پہرے کی مضبوطی نہ رکھی۔ یہ نکل بھاگے۔ وہ بچارا غیرت کا مارا اپنی جان کھو بیٹھا۔ یہ بھاگ کر کمال خاں گکھڑ کے پاس گئے۔ (رہتاس اور پنڈی وغیرہ کی حکومت اس وقت آدم خان اس کے چچا کے پاس تھی) انہوں نے کمال خان کو ایسا اکسایا کہ اس نے ایک لشکر تیار کیا اور کشمیر پر چڑھ گئے۔ راجوڑی پر بہت سے بھوکے کنگال اور بھی ساتھ ہو لئے۔ مگر انجام یہ ہوا کہ شکست کھا کر بھاگے۔ اور دیپالپور میں آئے یہاں اس وقت بہادر خان حاکم تھے۔ نوک نام ایک شخص پہلے شاہ کا نوکر تھا۔ اب بہادر خاں کا ملازم تھا۔ اس کے پاس آ کر پناہ لی۔ اس نے خوف خدا کر کے جگہ دی۔ ایک شب اس نے اپنی بی بی کو لڑ کر خوب مارا۔ اسے یہ راز معلوم تھا۔ صبح ہوتے ہی بہادر خان کے پاس گئی اور کہا کہ میرے خاوند نے شاہ کو چھپا رکھا ہے اور بغاوت کا ارادہ رکھتا ہے جلد بندوبست کیجئے۔ بہادر خان نے فوراً گرفتار کیا اور باندھ کر بیرم خاں کے پاس بھیج دیا۔

مکہ معظمہ روانگی:

بیرم خاں نے ولی بیگ ترکمان کے حوالے کیا کہ اس بلا کو مکہ بھیج دو۔ خدا کے گھر کے سوا کوئی زمین اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکتی۔ اس نے گجرات کو بھیج دیا کہ وہاں سے مکہ کو روانہ کر دیں۔ شاہ نے وہاں ایک خون کیا۔ اور بھاگ کر خان زمان کے پاس پہنچے۔ بیرم خاں کو بھی خبر لگی انہوں نے خان زماں کو فرمان لکھا کہ آگرہ بھیج دو۔ جب یہاں آئے تو خان خاناں کے کاروبار برہم ہونے لگے تھے۔ اس خیال سے کہ بادشاہ کو مجھ پر بغاوت کا شبہ قوی نہ ہو۔ انہیں بیانہ کے قلعہ میں بھیج دیا۔ چند روز وہاں رہے۔ جب بیرم خاں خود حج کو چلے تو انہیں بھی ساتھ لے چلے۔ پھر رستہ میں سے بھاگ اور چاہا کہ بادشاہ کے سامنے ہو کر کچھ راہ نکالیں۔ چنانچہ سر سواری آ کر ملے۔ غرور تو دم کے ساتھ تھا۔ سوار ہی سلام کیا۔ بادشاہ کو برا معلوم ہوا۔ اشارہ کیا قید۔ پھر مکہ بھیج دیا۔ چند روز نہ گزرے تھے کہ پھر آن موجود ہوئے اور خانہ حذر سے درگاہ اکبری کی طرف متوجہ ہوئے۔

حاجی کہ ز خانہ خدا اگر گشتہ ۔۔۔ ماریست کہ رفت واژدہا برگشتہ

زنہار فریب چرب وگرش نخوری ۔۔۔ کیں خانہ خراب از خدا برگشتہ

یہاں مرزا اشرف الدین حسین اکبر کے بہنوئی بھی مشائخ ماوراالنہر کے خاندان سے تھے۔ ان دنوں باغی ہو کر نواح گجرات میں لوٹتے مارتے پھرتے تھے جالور میں دو ہمدردوں کی ملاقات ہوئی۔

Marfat.com

اس نے شاہ سے کہا۔ کہ حسین علی خان فوج لے کر مجھ پر آتا ہے۔ تم اسے مارتے ہوئے کابل کو نکل جاؤ اور حکیم مرزا کو لاؤ۔ میں اتنے دنوں یہاں ہاتھ پاؤں مارتا رہوں گا۔ انہوں نے جمعیت بہم پہنچائی اور لوٹ مار کے گھوڑے دوڑاے چلے۔ حسین علی خان کے لشکر سے اسماعیل علی خاں وغیرہ یلغار کرکے ان کے پیچھے دوڑے۔ اور یہ بھاگتے بھاگتے نارنول تک آئے۔ شاہ نے یہاں خزانہ شاہی لوٹ کر ہمراہیوں کو بانٹا۔ پیچھے پیچھے وہ بھی آئے۔ لڑائی ہوئی۔ شاہ کے بھائی کا نام خانہ زاد تھا۔ شالوندان کہلاتا تھا۔ وہ قید ہوا۔ شاہ سمجھے کہ ان ارمان کے درختوں کو ہند کی آب و ہوا موافق نہیں۔ یہی غنیمت معلوم ہوا کہ سر سلامت لیکر ہندوستان سے کابل کو نکل جائے۔ پنجاب کے گوشہ کا رستہ لیا۔ راہ میں دو منصب دار ملے کہ امرائے شاہی کی جمعیت سے الگ ہو گئے تھے۔ شاہ نے ان کے نوکروں سے مل کر بے گناہ بیچاروں کو قتل کیا اور لوٹ مار کرآگے نکل گیا۔ ۹۸۱ھ۔ ۱۵۶۴ء۔ ۹ جلوس ماہ چوچک بیگم حکیم مرزا کی ماں کو ایک عرضی لکھی۔ اس میں ہمایوں بادشاہ کے ساتھ اپنا بہت سا تعلق اور راز و نیاز جتایا۔ بیگم کی خدمت میں نہایت خلوص اعتقاد ظاہر کیا۔ عرضی کی پیشانی پر یہ شعر لکھا۔

ما بریں در نہ پے عزت و جاہ آمدہ ایم　　از بد حادثہ اینجا بہ پناہ آمدہ ایم

بیگم نے جواب مناسب لکھا۔ اور یہ شعر بھی درج کیا۔

رواق منظر چشم من آشیانہ تست　　کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانہ تست

مرزا وہاں پہنچے۔ ناقص العقل بیگم نے بہت عزت سے رکھا۔ شاہ بد طینت افسون و افسانہ کے ساتھ اول اول ایسی چالیں چلا۔ جس سے بیگم کو یقین ہو گیا کہ یہ وزیر بے نظیر ہاتھ آیا۔ اب یا تو بھولے پن سے یا اس سبب سے کہ اس کا بھی جی چاہتا تھا کہ دربار اکبری کے سامنے میرے بیٹے کا بھی دربار لگا ہو۔ شاہ کو دلاور اور عالی ہمت سمجھ کر اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ اکبر سے اجازت بھی نہ لی۔ گھر کا مالک داماد کو کر دیا۔

وہ بلند نظر، بد دماغ اس نعمت کو غنیمت نہ سمجھا حکیم مرزا کو بچہ پایا۔ کئی بدراہوں کو ساتھ لے کر دربار پر قبضہ کرنے لگا۔ اہل دربار ناراض ہوئے اور بیگم کو بھی ناگوار ہونے لگا۔ شاہ سمجھا کہ مرزا تو لڑکا ہے جس طرح چاہیں گے پر چالیں گے۔ بیگم بس کا کانٹا ہے اسے نکال ڈالیں تو قصہ پاک ہو جائے۔ یہ بد اعمال ایک دن تلوار لے کر محل میں گھس گیا۔ بیگم کو بے گناہ مار ڈالا۔ محمد حکیم مرزا بھاگ کر کہیں چھپ گیا۔ امرائے دربار خون پر دعوے دار کھڑے ہو گئے۔ شاہ کا زور غالب تھا بہت آدمی مارے گئے۔ قلعہ میں خونریز معرکہ ہوا۔ بعض سردار بھاگ کر بدخشاں پہنچے۔ مرزا حکیم نے بھی عرضی لکھی۔ اور مرزا سلیمان کو نہایت التجا کے ساتھ بلایا۔

Marfat.com

سلیمان ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے۔ شاہ ادھر سے فوج لے کر مقابل ہوئے۔ اب غور بند کے کنارہ میدان جنگ ہوا۔ آپ حکیم مرزا کو لیکر قلب میں کھڑے ہوئے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ تیر اور تلواریں دونوں طرف سے آگ اچھالنے لگیں۔ دیکھا کہ بدخشیوں کے دائیں نے کابلیوں کے بائیں کو دبایا۔ شاہ نے فوراً مرزا حکیم کو قلب میں چھوڑا۔ اور آپ بائیں کی مدد کو چلے۔ حکیم مرزا نے فرصت کو غنیمت سمجھا۔ ہمراہیوں سمیت نالہ اتر کر مرزا سلیمان کے ساتھ جا شامل ہوا۔

یہ حال دیکھ کر لشکر درہم برہم ہوگیا۔ شاہ سراسیمہ اور بدحواس ہوکر میدان سے بھاگ گئے۔ سلیمان کے دیو پیچھے دوڑے۔ اور چاری کار کے مقام سے گرفتار کر کے تخت کے سامنے حاضر کیا۔ اس نے اسی طرح طوق وزنجیر پہنے۔ حکیم مرزا کے خیمہ میں بھیج دیا۔ مرزا نے فوراً پھانسی دے کر زندگی کے پھندے سے چھڑادیا۔

شجاعت اور شے ہے۔ شورپشتی کچھ اور چیز ہے۔ شاہ پہلی وصف سے محروم تھے۔ پچھلی صفت کے بادشاہ تھے قتل کے وقت بزرگی سیادت اور برکت خاندان کو شفاعت کے لئے لائے۔ اور رو کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر عجز وانکسار کیے۔ مگر کیا ہونا تھا ع۔ تجھے لازم تھا اپنا کام کرنا سوچ کر پہلے۔

غرض ۹۷۱ھ میں پھانسی چڑھ کر اپنے بارگراں سے زمین کو ہلکا کیا۔

شرف الدین حسین مرزا

مرزا کئی واسطہ سے خواجہ عبداللہ احرار کے پوتے تھے جو کہ سمرقند بخارا کے اہل اللہ میں خواجگان کہلاتے تھے۔ ان کا باپ خواجہ معین الدین ابن خواجہ خداوند ابن خواجہ یحییٰ ابن خواجہ احرار تھے۔ خواجہ معین الدین نے کاشغر سے آکر ایران وخراسان میں تحصیل علوم کو تکمیل تک پہنچایا تھا۔ مرزا شرف الدین ان کا بیٹا ہندوستان میں آکر ابتدائے عہد اکبری میں حاضر دربار ہوا اور شجاعت اور کارگزاری کے جوہر دکھا کر درجہ امارت کو پہنچا۔ چونکہ برکت خاندانی کا اعزاز حسن خدمات کی تائید کرتا تھا۔ اس لئے قدم بہ قدم عزت زیادہ ہوتی گئی۔ اور ۹۶۸ھ میں شرف بہت بڑھ گیا۔ بخشی بیگم اکبر کی بہن سے شادی ہوئی۔ ناگور اور متعلقات ناگوران کی جاگیر میں تھے۔ بادشاہ نے امیر الامرا کا رتبہ دیا۔ ان کے انتظام کے لئے رخصت کر دیا۔ دماغ پہلے بھی حد اعتدال سے بلند تھا۔ اب تو سلطنت کے داماد ہو گئے۔ وہاں حکومت کو اجمیر تک پھیلایا مگر خود بھی پھیلے۔

Marfat.com

والد بزرگوار کی آمد:

باپ نے کاشغر میں سنا کہ اقبال نے بیٹے کی اس طرح یاوری کی ہے تو اول حج کے ارادہ سے ادھر آئے یہاں بڑی عزت وعظمت ہوئی۔ امرا پیشوائی کو گئے۔ بادشاہ خود بھی شہر آگرہ کے باہر تک استقبال کو نکلے۔ تعظیم وتکریم کی صحبتوں میں ملاقاتیں ہوئیں۔ اسی اثناء میں خدا جانے کیا معاملہ ہوا جسے تمام مورخ اس اجمال کے معمے میں لکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ نفاق اس کی طبیعت میں داخل تھا۔ کسی بات پر بدگمان ہو کر بھاگا اور اپنی جاگیر پر جا کر باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے حسین قلی بیگ کو خطاب خانی مقرر کر کے حسین قلی خاں بنایا۔ اور مرزا کی جاگیر اس کے نام کر کے روانہ کیا۔ مرزا نے قلعہ اجمیر اپنے مصاحب معتبر تر خان دیوانہ کے حوالہ کیا اور دکن کی طرف بڑھا۔ جالور میں شاہ ابوالمعالی سے ملے کہ خانہ خدا سے پھر کر آئے تھے۔ ایک نے دوسرے کی تقویت کر کے دل بڑھایا اور ایک اور ایک گیارہ ہو گئے۔ (دیکھو شاہ ابوالمعالی کا حال) یہی مرزا اشرف الدین ہیں جن کے غلام فولاد نے دلی میں مدرسہ کے کوٹھے پر سے اکبر کے تیر مارا تھا۔ شاہ ابوالمعالی کابل کو نکل گئے۔ اور مرزا قید ہو گئے۔

امرائے ترک بنگالہ کی بغاوت:

جب کہ بعض امرائے ترک وبمغول بنگالہ میں باغی ہو گئے۔ اور علماومشائخ نے انہیں فتووں کے کارتوس بنا کر دیئے۔ تو بغاوت نے طول کھینچا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ معصوم خاں نے مظفر خاں سپہ سالار کو ٹانڈہ میں قتل کیا۔ اس بغاوت سے چند روز پہلے بادشاہ نے مرزا کو مقید بنگالہ میں بھیج دیا تھا۔ اور مظفر خان کو لکھ دیا تھا کہ اگر اس کے خیالات درست ہو گئے ہوں تو اسی ملک میں جاگیر دے دو۔ ورنہ حج کو روانہ کر دو۔ مظفر خان نے دیکھا تو جس طرح تلوار کا خم اس کے دم کے ساتھ ہے اور میر اپنی بدی پر ثابت قدم ہے۔ اس نے قید رکھا کہ موسم حج آئے تو روانہ کر دے۔ مرزا باغیوں سے سازش کر کے ایک دن بھاگا قلعہ والوں کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے ادھر سے تیر مارے۔ وہ زخمی ہوا مگر باغیوں میں جاملا۔ اس بغاوت سے چند روز پہلے مرزا اشرف الدین قاسم علی خاں لعل کے پاس کانسی میں قید تھا۔ اہل بغاوت کو ایک ایسے شخص کا رکھنا واجب ہوتا ہے جسے خاندان سلطنت سے رشتہ تعلق ہو۔ اس میں سوچا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے حق کا سلطنت سے دعویدار ہے اور ہم اس کا حق دلواتے ہیں۔ بادشاہ کے باغی نہیں ہیں۔ اور ایسی صورت میں جہلا اور عوام الناس بھی جلد اور بکثرت فراہم ہو جاتے تھے۔ غرض معصوم خان نے انہیں قید سے نکالا اور اپنا سر لشکر قرار دیا۔ راجہ ٹوڈرمل کو قلعہ منگیر میں گھیر لیا

Marfat.com

اور ۳۰ ہزار فوج باغی لے کر گور جم گئے۔ قلعہ میں رسد بند ہوگئی اور بے سامانی نے سخت تکلیف دی۔ اب اقبال اکبری کی شعبدہ بازی دیکھو۔ مرزا اور خان، دونوں فساد و نفاق کے رستم تھے۔ مگر یہاں معصوم خان کی پہلوانی غالب آئی۔ اس نے ۹۸۸ھ میں مرزا کو مروا ڈالا۔ کمبخت مرزا کے ایک ہندوستانی لڑکا نوکر تھا۔ اس سے بہت محبت تھی۔ اور نہایت اعتبار تھا۔ اور مرزا پوستی بھی تھے۔ وہی لڑکا پوست مل کر پلایا کرتا تھا۔ معصوم خاں نے اسے بہت سے روپیوں کا لالچ دے کر پرچالیا۔ پوست میں زہر دے دیا۔ مرزا ایسے پینک میں گئے کہ قبر میں ہی جا پڑے۔

شمس الدین محمد اتکہ خان۔ خان اعظم

اگلے زمانہ کے لوگوں کو خیال تھا کہ بچہ کی مزاج اور اخلاق میں دودھ کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے بادشاہ اور امرا بچوں کے دودھ پلانے کو شریف خاندان کی بی بی تلاش کرتے تھے۔ بادشاہ عالم طفولیت میں جس کی بی بی کا دودھ پیتا تھا۔ وہ اسکہ خاں خطاب پاتا تھا۔ آما ترکی میں باپ کو کہتے ہیں جو بی بی دودھ پلاتی تھی۔ وہ انکہ کہلاتی تھی۔ آینہ ترکی میں ما کو کہتے ہیں۔ جو بچہ ان دنوں میں اس کا دودھ پیتا تھا۔ وہ شہزادہ کا کوکہ کہلاتا تھا۔ اور بڑا ہو کر کوکلتاش خاں ہو جاتا تھا۔ اس کی اور اس کے رشتہ داروں کی بڑی عزت اور خاطر ہوتی تھی۔ شیخ ابوالفضل کہتے ہیں کہ اکبر نے سب سے پہلے دودھ تو کئی بیگموں کا پیا مگر بہاول انکہ نے پہلے دودھ پلایا۔ وہ جوگا بر ہار کی بیٹی تھی۔ جب آئی تو بابر نے ہمایوں کے محل میں بھیج دی۔ چنانچہ اس کی خوش روی نے خوشخوئی کی رفاقت سے ہمایوں کو لبھالیا۔ مریم مکانی آئیں تو سورج کی روشنی نے ستارہ کو مدھم کیا۔ اور بادشاہ نے اسے جلال کوکہ دے دیا۔ پھر بھی وہ محل میں رہتی تھی۔ اول اس نے دودھ پلایا۔ پھر موقع موقع پر اوروں نے۔ مگر صحیح روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے مادر مکرمہ ہی کے دودھ پینے پر رغبت فرمائی تھی آزاد۔ اگلے وقتوں کے لوگ اصلیت اشیاء اور تاثیر ادویات سے بالکل بے خبر تھے۔ اس لئے خواہ مخواہ کے تکلف گلے باندھتے تھے۔ عقل ہوتی تو گدھی کا دودھ پلاتے۔ دانایان فرنگ نے فرمایا ہے کہ اس دودھ سے بہتر بچہ کے لئے کوئی دودھ نہیں۔

صاف دل آدمی:

خان اعظم ایک سیدھے سادہ سید بامروت، صاف دل آدمی تھے۔ خاندان کا ذکر آئے تو کہہ دو کہ وہ آپ ہی اپنے خاندانی کے بانی تھے۔ جب ہمایوں نے شیر شاہ سے دوسری شکست کھائی تو تمام

Marfat.com

لشکر پریشان ہو گیا یہاں تک کہ شکست نصیب بادشاہ کو اس حال میں بیگمات کا ہوش بھی نہ رہا۔ ننگ و ناموس غنیم کی ہاتھ پڑا ہر شخص جان لے کر بھاگا۔ ہمایوں دریا کے کنارہ پر آ کر حیران کھڑا دیکھتا تھا کہ ایک ہاتھی ہاتھ آ گیا۔ اس پر چڑھا۔ فیلبان سے کہا کہ ہاتھی دریا میں ڈال دے۔ معلوم ہوا کہ اس کی نیت میں فساد ہے۔ چاہتا ہے کہ شیر شاہ کے پاس لے جا کر انعام حاصل کرے۔ ایک خواجہ سرا بادشاہ کے ساتھ تھا۔ اس نے پیچھے سے تلوار ماری کہ فیلبان کا سر اڑ گیا۔ اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔ غرض ڈوبتے ابھرتے پار پہنچے۔ اتر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کڑاڑہ بہت بلند ہے۔ خدائے کریم کارساز ہے۔ اوپر ایک سپاہی نظر آیا کہ کچھ رسی اور کچھ دستار کچھ پٹکا بلکر لٹکا رہا ہے۔ اسے پکڑ کر اوپر چڑھے۔ اور خدا کا شکر کیا۔ اس کا نام اور مقام پوچھا۔ عرض کی کہ غزنی کی پیدائش اور میرزا کامران کا نوکر ہوں۔ بادشاہ نے عنایتوں کا امیدوار کیا۔ اس وقت تو بدحواسی کا عالم تھا۔ دونوں اپنی اپنی راہ کہیں کے کہیں چلے گئے۔ لاہور پہنچے تو وہ بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمایوں نے ملازمان شاہی میں داخل کر کے ہمرکاب لے لیا۔ اور اس وقت سے اخیر تک جان نثاری میں رہا۔ خوش نصیبی سے اس نے اکبر کی پرورش اور بی بی نے دائگی کی عظمت پائی۔ آخر خدمت یہ تھی جو بیرم خان کی مہم پر بن آئی۔ اس کی بدولت خان اعظم اتکہ خان ہو گئے۔ لیکن ماہم کی مہتاب میں ان کا ستارہ نہ چمکا۔ بلکہ جانفشانی کا صلہ بھی پورا نہ ملا۔ اس وقت انہوں نے اکبر کو ایک عرضی لکھی ہے جس سے اکثر رمزیں مہم خان خاناں کی کھلتی ہیں۔ اور ان کی بے اختیاری اور محرومی اور دل شکستگی۔ اور باہم کی سینہ زوری بھی عیاں ہے۔

ترجمہ عرضداشت کمترین بندگان دولت خواہ شمس الدین اتکہ دعا اور بندگی کے بعد عرض کرتا ہے کہ جب اس دولت خواہ نے دلی میں آستانہ بوسی کی اور حضور نے عنایت اور التفات بے دریغ مبذول فرما کر بیرم خاں کے علم و نقارہ و طوفان و طوغ سے سرفرازی دی اور حکومت و حفاظت سرکار پنجاب وغیرہ کی عنایت فرمائی تو اس دولت خواہ کو بھی واجب ہوا کہ اس عنایت و سرفراز کے لائق خدمت بجا لاوے تاکہ جب حضور اس فدائی کے حق میں کچھ پرور فرمادیں تو اور دولت خواہوں کو اس رعایت پر کچھ بولنے کی گنجائش نہ ہو۔

خبر پہنچی کہ فتنہ انگیز حرام خور بیرم خاں کو خطوط اور خبریں بھیج بھیج کر فیروز پور پر لے آئے۔ حکم ہوا کہ ارکان دولت جمع ہوں۔ اور جو صلاح دولت ہو۔ مصلحت قرار دے کر عرض کریں۔ اسی مجلس میں بیرم خان کا وہ خط پڑھا گیا جو اس نے درویش محمد حاکم بھٹنڈہ کو لکھا تھا۔ اس میں درج تھا کہ میں غلام و بندہ آل حضرت کا ہوں۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ اپنا انتقام آں حضرت کے وکلا سے لوں۔ سب دولت خواہ اس کے دفع کی تدبیر کے لئے جو جو خیال میں آتا تھا کہتے تھے۔ چونکہ دو ہی دن ہوئے تھے کہ

Marfat.com

اسباب حشمت خاں مذکور کا دولت خواہ کو عنایت ہوا تھا۔ دل نے کہا کہ کوئی لائق خدمت کروں ارکان دولت کے سامنے کہ خورد و کلاں حاضر تھے۔ بڑھ کر بولا۔ اور قول دے کر کہا کہ بیرم خاں کی مہم خدا کی عنایت اور حضور کی توجہ سے میرے ذمہ ہو۔ جہاں سامنا ہو جائے اگر ہفتوں تو فاحشہ اور لونڈیوں سے کم ہوں۔

بیرم خاں کی مہم بڑی مہم:

ارکان دولت نے کہا کہ بیرم خاں کی مہم بڑی مہم ہے۔ جب تک بندگان حضور خود متوجہ نہ ہوں۔ کام بنا محال ہے۔ جب ارکان دولت نے یہ مصلحت دیکھی۔ میں زیادہ نہ بولا۔ بزرگوں کی خدمت میں عرض کی کہ فلاں فلاں امرا ملتان و لاہور کو رخصت ہوتے ہیں۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ بندہ ان کی خدمت میں قراولی کے طور پر آگے جائے؟ اور جو حال ہو روز عرض کرتا رہے۔ بندہ دولت خواہ کی عرض قبول ہوئی۔ حکم ہوا کہ امرائے عظام کے ساتھ بیرم خاں کی طرف روانہ ہو۔ اور ہزار آدمی کی کمک کا بھی حکم ہوا۔ رخصت ہو کر چار پانچ دن نواح رہتک اور پرگنہ مہم میں ٹھہرا۔ کمک کا نشان بھی نظر آیا۔ امرا کو عرضداشت لکھی تو ہزار آدمی سے پچاس آدمی کی کمک پہنچی۔ اکثر پرانے سپاہی بھی ساتھ تھے۔ سپاہ گری کا معاملہ ہے۔ ہر ایک کو چند در چند اندیشے گزرتے تھے۔ کیچڑ پانی برسات کا موسم بھی تھا۔ چند روز روانگی میں توقف ہوا۔ (معلوم ہوتا ہے کہ حضور میں عرض معروض ماہم ہی کی معرفت ہوتی تھی۔ اور اہل دربار اسے والدہ کہا کرتے تھے) لوگوں نے والدہ کے ذریعہ اس سے حضور میں ہزاروں باتیں بنائیں۔ اور کہا کہ اتکہ خان دو کوس روز چلتا ہے۔ ڈر کے مارے آگے نہیں بڑھتا۔ اس سے یہ کام نہیں ہوسکتا اس کی جاگیر اور وظیفہ موقوف کرنا چاہیے۔ والدہ نے ان کے کہنے پر عمل کیا۔ ملاحظہ خاطر۔ اور بیس برس کے حق خدمت کا خیال نہ کیا جو کہنے والوں نے کہا اور والدہ نے عرض کیا۔ وہ حضرت پر واضح ہے۔

مددالٰہی پر توکل:

فرزند عزیز محمد کو لوگوں کی باتوں اور اشاراتوں کی تاب نہ ہوئی۔ دولت خواہ کو لکھا کہ اے دادا! لوگوں کی باتوں نے ہلاک کر ڈالا۔ جو تمہاری قسمت میں ہونا ہے سو ہوگا۔ جس حال میں ہو بیرم خاں کی مہم پر چلے جاؤ۔ دولت خواہ مطلب سمجھ گیا۔ مدد الٰہی پر توکل اور دولت بادشاہی پر تکیہ کر کے بیرم خاں کی طرف چلا۔ اب کہ بیرم خاں کی مہم حضرت کی بدولت سرانجام کی۔ اور نوکر اور سلطان جو اس کے ساتھ تھے قتل کیے۔ اور رشتہ دار اس کے قید کر کے درگاہ میں لایا عیاذاً باللہ۔ اگر معاملات

Marfat.com

الٹ جاتے تو حضور کو معلوم ہے کہ کیا نوبت پہنچتی۔ مہم کی حقیقت بیرم خان نے خود عرض کی ہی ہوگی۔ فتح کے بعد جو لوگ دولت خواہوں میں سے معرکہ میں موجود نہ تھے۔ اور ہر ایک کی خدمت حضور کو معلوم ہے۔ انہوں نے کیسی عنایت اور مرحمت بادشاہی سے سرفرازی پائی ہے۔ اور جو دولت خواہ موجود تھے۔ ایک کو بھی نہیں پوچھا۔ جان محمد بھسودی قلعہ جالندھر میں بیٹھا رہا۔ اس کے لئے خانی کا خطاب دیا۔ اور بہتیروں نے خدمتوں سے وہ چند سرفرازیاں پائیں۔ اور وظیفے اور انعام حاصل کئے۔

جب سب کے بعد اس دولت خواہ اور فرزند یوسف محمد کی نوبت آئی کہ ایسے معرکہ عظیم میں تلوار ماری تھی تو بڑی مہربانی وہی تھی۔ جو پہلے دن فرمائی تھی۔ یعنی اتکہ کا نام فرمان فتح پر لکھو۔ عالم پناہا! دولت خواہ بیگم ماہم سے امید مادری رکھتا ہے۔ غیبت نہیں کرتا۔ خدا قبول کرے۔ دولت خواہ نے آں حضرت کی دولت خواہی میں جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ۱۲ برس کی بیٹی کو ساتھ لے کر بیرم خان اور اس کے دس بیس اقرباؤں اور ملازموں اور سلطانوں کے منہ پر تلواریں ماریں۔ اور امرائے عظام اپنے اپنے پرگنوں پر بیٹھے تھے۔ مدد کو نہ آئے اور جو ساتھ تھے انہوں نے وہ حرکتیں کیں۔ بیرم خان نے عرض کیا ہوگا کہ اس غلام بیر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بیرم خاں نے جو سپاہی حضور کی ملازمت میں جاسوسی کے لئے چھوڑے تھے۔ وہ حضور کی بدولت خطاب پا کر دو دو کروڑ اور تین کروڑ کا وظیفہ لیں۔ اور یوسف محمد خاں کہ بیرم خاں اور ہیبت خاں اور اس کے سلطانوں کے مقابل ہو کر تلوار مارے۔ اسے آپ خانی کا خطاب دیں۔ بزرگان دربار نے ایک کروڑ کے وظیفہ کا پروانہ جاری کیا۔ وہ بھی ذاتی ہے۔ تنخواہ نہیں۔ بندہ کو خان اعظم خطاب دیا۔ ایک کروڑ انعام فرمایا جس میں کل ایک لاکھ فیروز پور پر۔ عالم پناہ ! عمر گزر گئی کہ تمام آدمی اس دولت خواہ کے بھائیوں اور بیٹوں سمیت امیدواری پر خدمت کر رہے ہیں۔ اب آں حضرت کی بدولت ہر شخص خانی۔ اور سلطانی کے خطاب سے سرفراز ہو گیا۔ جب علم و نقارہ و طمان و طوغ بیرم خاں کا اس کمینہ کو (مجھ کو) عنایت فرمایا۔ اور فتح کے بعد جامہ واتو اور خلعت فتاحی اور اسباب حشمت بھی عنایت کر کے رتبہ بڑھایا۔ امیدوار ہے کہ اس کا منصب بھی اس کمینے سے (مجھ سے) متعلق ہو۔

وکیل مطلق کا منصب:

اس عرضی پر انہیں وکیل مطلق کا منصب ملا۔ اور کاروبار سلطنت سپرد ہوئے۔ ماہم اور ماہم والے جو اندر ملک کے مالک بن رہے تھے۔ ان کے اختیارات میں فرق آیا۔ ان کے حوصلے حد سے بڑھ گئے تھے۔ ادھم خاں بیٹا شہاب خاں جو رنگ نکال کر شہاب الدین احمد خاں ہو گئے وہ بھی انا

Marfat.com

والوں میں چلتی تلوار تھے۔ انہوں نے انہیں اور بھی بھڑکایا۔ ۱۲ رمضان ۹۶۹ھ کو میر اتکہ منعم خاں شہاب خاں وغیرہ چند امرا، دیوان عام کے کسی مکان میں بیٹھے مہمات سلطنت میں گفتگو کر رہے تھے۔ میر اتکہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے کہ ادھم خاں تقرب۔ بلکہ قرابت کے گھمنڈ میں بھرا رشک وحسد کی آگ میں بھڑکا، چند اوباشوں کو ساتھ لے آیا۔ سب تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ بڈھا بزرگ رمضان کا روزہ منہ میں، کلام الٰہی زبان پر نیم قد اٹھا۔ اور قرآن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ رانڈ کا سانڈ بادشاہ کا بھائی بنا ہوا تھا۔ خنجر کھینچ کر بڑھا۔ نوکروں سے کہا کہ یہیں کھڑے دیکھتے ہو! ہاں! خوشم ازبک اس کے ملازم نے بڑھ کر ایک خنجر اس کے سینہ پر مارا۔ خان اٹھ کر محل شاہی کی طرف بھاگے۔ خدا بردی ناخدا ترس نے پہنچ کر ایک تلوار کا ہاتھ مارا۔ اور دولت خانہ کے میدان میں کہن سال جاں نثار کا کام تمام کر دیا۔ دیوان عام میں غل مچ گیا۔ اور وہ خونخوار شمشیر بہ کف ٹہلتا ہوا بادشاہی حرم سرائے کے دروازہ پر آیا کہ محل میں داخل ہو۔ دربان کو اتنی عقل آئی۔ اور ہوش نے بھی رفاقت کی کہ دروازہ کو قفل لگا دیا۔ اس خونی نے بہت دھمکایا۔ مگر نہ کھولا۔ ماہم اور اس کے بھائی بندوں کا سکہ ایسا بیٹھا تھا کہ ایک کی جرات نہ ہوئی۔ جو دم مار سکے۔ دیوان میں غل اور محل میں کہرام مچ گیا۔

خان اعظم کا قتل:

دوپہر کا وقت تھا۔ اکبر محل میں آرام کرتا تھا چونک پڑا۔ پوچھا کیا ہوا؟ کسی کو معلوم نہ تھا۔ کیا بتاتے بادشاہ نے کوٹھے کی دیوار سے سر نکال کر دیکھا۔ اور پوچھا یہ کیا حالت ہے۔ ایک رفیق چار منصب جاں نثار نے ہاتھ اٹھایا۔ اور جدھر خان اعظم کی لاش پڑی تھی۔ اشارہ کیا اور کچھ کہہ نہ سکا۔ بادشاہ نے دوبارہ پوچھا وہ ڈر کا مارا تھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر رہ گیا۔ بادشاہ گھبرا کر باہر چلے۔ ایک حرم کو ہوش آیا کہ تلوار ہاتھ میں دیدی۔ غنیمت یہ ہوا کہ بادشاہ دوسرے دروازے سے نکل کر آئے۔ اسے دیکھ کر کہا۔ اے بے ہودہ لڑکے میرے اتکہ کو کیوں مار ڈالا۔ اس نے دوڑ کر بادشاہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اور کہا "تحقیق کیجئے۔ اور غور فرمایئے۔ نادولت خواہ کو سزا دی ہے۔" اکبر اور ادھم میں دھکا پیل ہوتی ہے اور سب کھڑے دیکھتے ہیں۔ اللہ رے ماہم تیرا رعب داب۔

بادشاہ نے اپنی تلوار پھینک کر اس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ اس نے خود تلوار کھینچنی چاہی۔ بادشاہ نے ایک مکا کلے پر مارا۔ اتفاقاً ایسے ضرب بیٹھی کہ گر پڑا۔ اور کبوتر کی طرح لوٹ گیا۔ آخر اکبر نے جھنجلا کر کہا چہ تماشا میکنید۔ بربندید این دیوانہ را۔ دیکھ رہے ہو باندھ لو۔ اس دیوانہ کو۔ اسی وقت

Marfat.com

مشکیں کس لیں۔ حکم دیا کہ ابھی دولت خانہ کے کوٹھے پر سے پھینک دو۔ ایوان مذکور ۱۲ گز بلند تھا اسی وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینکا۔ مگر ماہم سے بھی جان نکلتی تھی۔ اس طرح بچا کر پھینکا کہ پاؤں سے بل گرا اور بچ گیا۔ دوبارہ حکم دیا کہ پھینکو اور سرنگوں پھینکو۔ دوبارہ کوٹھے پر لے گئے۔ ادھم خاں دہم سے زمین پر آن پڑے۔ اب کے سر کے بل گرے۔ خودسری کی گردن ٹوٹ گئی۔ اور سر پھوٹ گیا۔ اس کے ہوا خواہ لاش اٹھا کر لے گئے۔ منعم خاں اور شہاب خاں موجود تھے۔ ڈرے اور کھسک کر بھاگ گئے۔ یوسف خاں، اتکہ خاں کا بڑا بیٹا۔ اور تمام اتکہ خیل یہ سنتے ہی مسلح ہوئے۔ اور چڑھ کر ماہم کے سرراہ آن پہنچے کہ ہم انا والوں سے انتقام لیں گے۔ اکبر نے خان کلان یعنی خان اعظم کے بڑے بھائی کو بلا کر ادہم کی لاش دکھائی اور فساد سے روک کر کہا کہ قصاص ہم نے لے لیا۔ اور فساد کیا ضرور ہے دونوں لاشیں دلی کو روانہ کر دیں۔

عبرت تقدیر کا تماشا:

عبرت تقدیر کا تماشا دیکھو کہ قاتل ستمگار مقتول مظلوم سے ایک دن پہلے زیر خاک پہنچا۔ خان اعظم دوسرے دن فوت ہوئے۔ تاریخ ہوئی۔ دوخون شد (ملا صاحب فرماتے ہیں) دوسری تاریخ ہوئی۔ ع

رفت ازظلم سر اعظم خان

مگر پہلی میں ایک زیادہ ہے۔ دوسری ٹھیک ہے۔ ایک اور باکمال نے کہا۔

کاش سال دگر شہید شدی ۔ کہ شدی سال فوت خان شہید

میر اتکہ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی متانت اور بزرگی اور سلامتی طبع ان کے اشعار سے ہویدا ہوتی ہے۔ نمونہ کیلئے ایک شعر بھی لکھتا ہوں۔

منہ اے طفل اشک از خانہ چشم قدم بیروں ۔ کہ مردم زادہا از خانہ مے آیند کم بیروں

ماہم کچھ بیمار تھیں سنتی ہی دوڑیں کہ جاؤں اور بیٹے کو چھڑا لاؤں۔ انہیں یقین نہ تھا کہ یہ سزا ہو گی اور ایسی جلد ہو جائے گی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا کہ جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی کہا۔ ادھم اتکہ مارا کشتہ۔ ماہم او را کشتیم۔ اور اسے تسلی بھی دی۔ اس کا سینہ حوصلہ کا تنور تھا۔ دم نہ مارا مگر رنگ فق ہو گیا اور عرض کی۔ خوب کردید کہ آئین انصاف ہمیں بود۔ پھر بھی یقین نہ آتا تھا۔ جب بی بی تختہ بیگی۔ رستم خاں کی ماں نے سارا حال بیان کیا تو کلیجہ مسوس کر رہ گئی۔ اکبر نے بھی خدمتوں کا خیال کر کے تسلی اور دلاسے کے رومال سے آنسو پونچھے۔ اس کے ہوش بجا نہ تھے۔ خاموش رخصت

Marfat.com

ہو کر گھر گئی۔ کہ ماتم داری اور سوگواری کی رسمیں ادا کرے بیٹے کا داغ تھا۔ مرض بڑھتا گیا۔ عین چالیسویں کا دن تھا کہ ماں بھی بیٹے کے پاس پہنچ گئی۔ اکبر نے اس کے جنازہ کا چند قدم ساتھ دیا اور عزت واحترام سے روانہ کر دیا۔ دونوں کی قبروں پر عالیشان مقبرہ بن گیا۔ اب تک قطب صاحب کے درگاہ کے پاس موجود ہے۔ اور بھول بھلیاں کہلاتا ہے۔ یاد کرو باز بہادر کی مہم۔ خان خاناں کے مرتے ہی ماہم کے اقبال کو گھن لگا اور دوسرے ہی سال گھرانا غروب ہو گیا۔

منعم خاں سپہ سالار ہو کر لڑتے مرتے پھرا کریں۔ وکیل مطلق کا کام ہی نہ رہا۔ بادشاہ ہر بات آپ سننے لگے اور ہر کام آپ کرنے لگے۔

شہاب خان، شہاب الدین احمد خان تو ہو گئے مگر جو رنگ چاہتے تھے وہ نہ نکھرا۔ رنگ کیا نکھرتا کہ رنگ والی نہ رہی۔ (وہی ماہم بیگم) ملا صاحب کی رنگینیوں کی کیا تعریف ہو سکے۔ جب شہاب خاں مرے تو آپ فرماتے ہیں کہ شہاب خانم۔ تاریخ ہوئی۔

ناصر الملک ملا پیر محمد خان

ایک خوش فہم، عالی ادراک ملا تھے۔ حسن تقریر سے جلسہ کو شگفتہ کرتے تھے۔ باوجود اس کے دل کے قسائی تھے اور احکام شریعت کی بھی چنداں قید نہ رکھتے تھے۔ شروان سے آ کر قندھار میں بیرم خاں سے ملے۔ یہاں دربار کھلا تھا۔ اپنے کتب خانہ کا داروغہ کر دیا۔ خان خاناں ہی کی تجویز سے چند روز اکبر کو سبق پڑھاتے رہے۔ ہندوستان کی مہم کے بعد خاں ہو گئے اور ملا پیر محمد سے ناصر الملک بنے۔ ۳ جلوس میں بیرم خاں کے نائب ہو کر سفید و سیاہ کل مہمات مملکت کے مالک ہو گئے۔ سب اہل دربار اور سلطنت کے ملازم ان کے گھر پر حاضر ہوتے تھے اور کم ہی بار پاتے تھے۔ تین چار برس نہایت عالی رتبہ جاہ وجلال پر رہے مگر ظلم کی عمر بہت نہیں ہوتی۔ اس لئے تھم نہ سکے۔

ہم پیالہ وہم نوالہ:

خان خاناں کے بعد ان کے لئے میدان صاف تھا۔ ادھم خاں کی۔ اور ان کی مرادیں پوری ہوئیں ہم پیالہ وہم نوالہ تھے۔ باز بہادر کی مہم پر مالوہ گئے۔ وہ شراب عیش کا متوالا تھا۔ ہزار مصیبت کے ساتھ سیجوں سے اٹھا۔ سارنگپور پر آیا۔ لڑائی لڑا تو شکست کھائی۔ اس کے خیمہ وخرگاہ، خزانے اور سارے کارخانے وغیرہ وغیرہ کہ حد حساب سے باہر تھے۔ سب ان کے ہاتھ آئے۔ ملا صاحب کہتے ہیں جس دن فتح ہوئی۔ دونوں سردار خیمہ گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قیدی ریوڑ کے ریوڑ پکڑے آتے

Marfat.com

تھے۔ اور قتل ہو رہے تھے۔ لہو اس طرح بہتا تھا جیسے نہر کی نالیاں۔ پیر محمد خاں دیکھتا تھا اور ہنس ہنس کر کہتا تھا۔ اسے دیکھو! کیا قوی گردن ہے۔ اور اس کے گلے سے فوارہ نکلتا ہے۔ بنیان الٰہی جس سے انسان اشرف المخلوقات مراد ہے۔ میں نے آپ دیکھا کہ اس بے رحم کے آگے گاجر، مولی، لہسن، پیاز تھے کہ برابر کٹ رہے تھے۔ کچھ پرواہ نہ تھی۔ میں بے غرضانہ فکر میں گیا تھا۔ یہ آشوب قیامت دیکھ کر نہ رہا گیا۔ مہر علی سلاوزیار قدیم تھا۔ اسے میں نے کہا کہ باغیوں نے سزا پائی۔ زن و بچہ کے لئے قتل، قید کچھ نہیں آیا، انہیں تو چھوڑ دو۔ وہ بھی دین و دیانت کا درد دل میں رکھتا تھا۔ پیر محمد خاں سے جا کر کہا۔ جواب میں کہتا ہے۔ قید ہی ہے۔ کیا بات ہے۔ افسوس اسی رات لٹیرے گرے۔ مسلمانوں کی عورتوں کو مشائخ، سادات، علما، شرفا امرا کے بال بچوں کو پکڑا۔ صندوقوں، خورجینوں میں چھپا چھپا کر اجین اور اطراف میں لے گئے۔ سادات و مشائخ وہاں کے قرآن ہاتھوں پر لے لے کر پیشوائی کو نکلے۔ اس نے انہیں اور لٹیروں کو برابر ہی مارا۔ اور ان کے قرانوں کو جلا دیا۔

ادہم خاں نے جو کچھ وہاں کیا اس کا ذکر ہو لیا۔ اکبر نے بلا لیا۔ پیر محمد خاں مالک کل ہو گئے۔ لشکر عظیم جمع کر کے برہان پور پہنچے۔ بیجا گڑھ کو (کہ بڑا مضبوط قلعہ تھا) امرائے اکبری نے بزور شمشیر فتح کیا۔ ملا نے خوب قتل عام کیا۔ اور خاندیس کی طرف پھر کر لوٹ مار، قتل، تاراج غرض طورہ چنگیزی کے قوانین کا ایک دقیقہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ گویا وہ خونریزی کے سپہ سالار تھے۔ برہان پوری۔ اور آسیری رعایا کہ مدتوں سے روپیوں، اشرفیوں میں کھیلتے تھے۔ اور ناز نعمت میں لوٹتے تھے۔ یا وہ قید تھے یا قتل۔ نربدا کے پار اتر کر خون کے دریا بہا دیئے۔ اور اکثر شہروں اور قصبوں کو خاک در خاک صفا صفا کر دیا۔ اور دولت بھی اس قدر سمیٹی کہ ان کے فرشتوں کے خیال میں بھی نہ ہو گی۔

باز بہادر کی آمد:

ایک موقع پر فوج کے لوگ اطراف و اضلاع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لوٹ کے مال باندھ رہے تھے۔ خبر پہنچی کہ باز بہادر ادھر ادھر سے فوج سمیٹ کر آن پہنچا۔ انہوں نے امرا کو جمع کر کے مشاورت کی۔ صلاح ہوئی کہ جنگ میدان کا موقع نہیں۔ اس وقت پہلو بچا کر ہنڈیو میں چلے چلو۔ انہوں نے صلاح و اصلاح کا سبق پڑھا ہی نہ تھا۔ جو ٹوٹی پھوٹی سپاہ ساتھ تھی۔ اس لے کر میدان میں جا کھڑے ہوئے۔ سپاہی کا قاعدہ ہے کہ جب روپیہ پاس ہوتا ہے۔ جان عزیز ہو جاتی ہے اس کے علاوہ لوگ اس کی بدمزاجی سے جلے ہوئے تھے۔ ادھر باز بہادر کا یہ عالم کہ باز کی طرح جھپٹے مارتا تھا اور ہر حملہ میں ستھراؤ کرتا تھا۔ آخر ملا کی فوج بھاگی اور انہیں خود بھی بھاگنا پڑا۔ دریائے نربدا سامنے

Marfat.com

آیا۔ اضطراب کے مارے گھوڑا ڈال دیا۔ تمام فوج بھاگی آتی تھی۔ گھبراہٹ میں ایک لدے ہوئے اونٹ کا ایسا دھکا لگا کہ گرے۔ اور پانی کے رستے سید ھے آگ میں پہنچے۔ ساتھیوں میں سے کوئی چاہتا تو پکڑ لیتا مگر حقیقت میں دھکا بھی اونٹ کا نہ تھا۔ اس کے اعمال بد نے دھکا دیا اور فرعونی و بدمزاجی نے آنکھیں دکھائیں کوئی ہاتھ نہ پکڑ سکا۔ زبدا ان کے لئے دریائے نیل ہوگیا اور ایک غوطہ میں فرعون کے دربار میں جا پہنچے (ملا صاحب حالات مذکور لکھ کر کہتے ہیں) میں نے اسے دور سے دیکھا تھا۔ الحمدللہ مجلس تک نہیں پہنچا۔

اتفاق عجیب:

مندو دارالخلافہ مالوہ میں بڑی جامع مسجد تھی۔ اس کے دروازے میں ایک فقیر مجذوب رہتا تھا۔ کہ خاص و عام کو اس سے اعتقاد تھا۔ ملا پیر محمد نے جب بہاز بہادر کی آمد آمد سنی تو فوج لے نکلے۔ فقیر مذکور کے پاس بھی گئے اور دعا کی التجا کی۔ اس نے کہا مصحف مجید ہے؟ انہوں نے قرآن حمائل منگا کر دیا۔ اس نے ایک جگہ سے کھول کر انہی کو دیا کہ پڑھو۔ سر صفحہ۔ پہلی ہی سطر میں تھا۔ واغرقنا ال فرعون وانتم تنظرون ۔ہم نے آل فرعون کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے رہ گئے۔ ملا اپنے گھمنڈ میں خانے جانے کیا بن رہے تھے۔ فقیر بچارہ کو دھکے مکے لگائے اور دو تین قمچیاں بھی پیٹھ پر ماریں وہ بیچارہ سہلا کر رہ گیا۔ مگر غیرت الٰہی نہ رہ سکی۔

خان زماں علی قلی خان:

محمد سعید بہادر خاں، خان زماں علی قلی خان شیبانی کا چھوٹا بھائی تھا۔ مآثر میں لکھا ہے کہ پنج ہزاری امیر تھا۔ خاندان کا حال خان زماں کے حال میں لکھ چکا ہوں۔ خورد سالی کے عالم میں اکبر کے ساتھ کھیل کر بڑا ہوا تھا۔ اور اکبر اسے بھائی کہتا تھا۔ اس کے کارناموں کو دیکھو! یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی میں آدمی کا نہیں۔ شیر کا جگر تھا۔ وہ ہر معرکہ میں بھائی کا داہنا ہاتھ اور ہاتھ میں فتح کی تلوار تھا۔ ابتدائے حال بطور اجمال یہ ہے کہ جب بیرم خان قندھار۔ اور متعلقات خراسان کا حاکم تھا تو اس کی خواہش سے ہمایوں نے محمد سعید خاں کو بہادر خاں خطاب دے کر زمینداور کا حاکم کر دیا۔ ہمایوں ہندوستان آیا۔ اور بیرم خان اس کے ساتھ سپہ سالار ہو کر آیا۔ اپنی جگہ شاہ محمد خان قلاتی کو چھوڑ آیا کہ اس کا قدیمی رفیق تھا۔ چونکہ سرحد ملی ہوئی تھی۔ بہادر خاں کی اور اس کی بعض مقدموں میں تکرار ہوئی۔ بہادر جوان بڈھے کو کیا خاطر میں لاتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے شاہ محمد کو شہر قندھار میں ڈال کر محاصرہ کیا۔ اور ایسا دبایا کہ بڈھا جان سے تنگ [illegible] اس نے بھی بیرم خاں

Marfat.com

کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں۔ بادشاہ ایران کو بایں مضمون عرضی بھیجی کہ ہمایوں بادشاہ نے یہ تجویز لی تھی کہ ہندوستان فتح کر کے قندھار کو خاک ایران سے وابستہ کر دیں۔ دعا گواسی بندوبست میں تھا۔ اور ہندوستان سے اپنے عرایض کا منتظر تھا کہ یہاں یہ صورت پیش آئی۔ اب حضور میں یہ عرض ہے کہ امرائے معتبر میں سے کسی کو فوج مناسب کے ساتھ روانہ فرمادیں کہ امانت اس کے سپرد کی جاوے۔ اور یہ نااہل کافر نعمت اپنی سزا کو پہنچے کہ بیچ بیچ میں دست برد کرنی چاہتا ہے۔ شاہ نے یار علی بیگ کے ماتحت تین ہزار ترکمان روانہ کئے۔ بہادر خاں کو ادھر کا خیال بھی نہ تھا۔ یکا یک برق آسمانی سر پر آن پڑی۔ سخت لڑائی ہوئی۔ بہادر نے بھی اپنے نام کے جوہر قرار واقعی دکھائے۔ دو دفعہ گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا آخر بھاگ کر صاف نکل آیا اور اکبری اقبال کے رکاب پر بوسہ دیا۔ امرا نے مہرہ سزا پر رکھ دیا تھا مگر خان خاناں ان کے پلہ پر تھا۔ خطا معاف، اور پھر ملتان کا صوبہ بھی اسے مل گیا۔

قلعہ مان کوٹ کا محاصرہ:

۲ جلوس میں جب اکبر نے سکندر سور کا قلعہ مان کوٹ پر آ کر محاصرہ کیا تو یہ بھی ملتان سے بلائے گئے۔ گھوڑے دوڑاتے آئے اور جنگ میں شامل ہوئے۔ ایک مورچہ ان کے نام ہوا۔ اور انہوں نے اپنے نام کی بہادری کو کام کی بہادری سے ثابت کر دیا۔ مہمان مان کوٹ کا فیصلہ ہوا۔ بہادر خان پھر اپنے علاقہ کو رخصت ہوئے کہ جا کر بندوبست کریں۔ ملتان کا پہلو بلوچستان سے ملا ہوا ہے یہ فوج لے کر دورہ کو نکلے۔ بلوچ زمانہ کے سرشور، ٹڈی دل باندھ کر پہاڑوں سے نکل پڑے۔ بہادر بھی بہادر تھے، اڑ گئے، اور خوب دھاوے کئے۔ ایک مہینے میں سب کو دبا لیا۔ اور سرحد کا مضبوط بندوبست کیا۔ چند روز کے بعد دربار میں آ گئے۔

باز بہادر پسر سجاول خان:

باز بہادر پسر سجاول خان، شیر شاہی سردار ملک مالوہ پر حکمرانی کرتا تھا۔ بیرم خان نے ۳ جلوس میں بہادر خان کو فوج و علم دے کر روانہ کیا۔ یہ قصبہ بیری تک پہنچا تھا کہ خان خاناں کے اقبال نے دغا کی۔ وہ دربار کی صورتحال سے مایوس ہوا اور سمجھا کہ دونوں بھائی میری محبت اور دوستی سے بدنام ہیں۔ اور یہ مہم پر میرا بھیجا ہوا گیا ہے۔ دربار سے ان کی مدد کون کرے گا۔ اس لئے طلب کیا اور حضور دربار کی ہدایت کی۔ اہل دربار نے اکبر کی طرف سے خود فرمان بھیج کر اوپر اوپر بلا لیا۔ اور وکیل مطلق کر دیا کہ بیرم خاں کا منصب خاں تھا۔ حکم احکام تو سب باہم محل میں بیٹھے بیٹھے جاری کر رہی تھی۔ انہیں فقط وزن شعر پورا کرنے کا خطاب دے دیا تھا۔ اور بیچ یہ مارا تھا کہ ادھر تو بیرم خاں کے دل ملا

Marfat.com

ان بھائیوں کی کی طرف سے کدورت پڑ جائے۔ ادھر امید ہائے چند در چند پر آ جکر یہ اس کی رفاقت کا ارادہ نہ کریں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بہادر خان ان کے ساتھ رہ کر بھی راہ وفا نہیں بھولا۔ وہ اکبر کا بچپن سے راز دار تھا اور ہر بات بے تکلف کہہ سکتا تھا۔ ضرور بیرم خاں کی صفائی کے خیالات کانوں کے رستہ دل میں اتارتا ہوگا۔ حریفوں نے اسے مہم میں نہ شامل کیا۔ جب بادشاہ کو لے کر پنجاب میں بیرم خان سے لڑانے لائے تو اسے خان زماں کے پاس مغرب سے مشرق میں پھینک دیا۔ باقی حالات دونوں بھائیوں کے شیر شکر ہیں۔ ان کے حال میں دیکھو۔

شمس الدین حکیم الملک گیلانی

(ملا صاحب فرماتے ہیں) حکمت اور طب میں جالینوس زمان اور مسیح الناس تھا۔ اور اور علوم نقلی اور رسمی میں بھی سب سے نمودار و ممتاز تھا۔ اگر مجھے اس سے اصلاً لگاؤ نہ تھا۔ مگر ابتدائے ملازمت میں جب کہ میں نے نامہ خرد افزا کا دیباچہ لکھ کر سنایا تو خدا واسطہ کو نیش زنی کی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ملا عبدالقادر کی انشاء پردازی کیسی ہے۔ کہا کہ عبارت تو فصیح ہے مگر بڑھتا برا ہے۔ (پھر آپ فرماتے ہیں) مگر انصاف یہ ہے کہ سب کا کارساز اور بندگان خدا کا خیر خواہ تھا۔ اور دین میں استوار اور ثابت قدم اور آشنا پرور تھا۔ اپنے طلبا کی تربیت اور پرورش کرتا تھا۔ انہیں درس دیتا تھا۔ اور ممکن نہ تھا کہ کبھی بے ان کے دستر خوان پر بیٹھے۔ انہی کاموں کے سبب سے لوگوں کے گھر پر آمد و رفت بھی کم کرتا تھا۔

ایک دن شیخ سلیم چشتی کے جلسہ میں بیٹھا فقہ اور فقہا کی مذمت۔ اور طریقہ حکما کی تعریف و تحسین اور علم و حکمت کی شکوہ و شان اور شیخ بوعلی سینا کے مناقب بیان کر رہا تھا۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے کہ علما و حکما لڑ رہے تھے۔ اور روز مسائل مذہبی پر بک بک جھک جھک، رگڑے جھگڑے، غل غپاڑے کرتے تھے۔ میں ناواقف اور سرحدات سے نیا آیا تھا۔ اور اصل مباحثہ کی خبر نہ تھی میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ روحہ کے شعر پڑھے۔

وکم قلت للقوم انتم علے   شفا حفرہ من کتاب الشفا
فلما استحانوا بتو بیخنا   فزعنا الی اللہ حسبی کفا
فماتوا علیٰ دین رسطاطلیس   وعشنا علے ملتہ المصطفی

اور گواہی میں مولوی مخدومی عارف جامی قدس سرہ کی وہ ابیات لایا کہ تحفتہ الاحرار میں کہی ہیں۔

Marfat.com

نور دل از سینہ سنیا مجو روشنی از چشم نابینا مجو

حکیم بگڑے۔ شیخ سلیم چشتی نے کہا۔ وہ پہلے ہی جلے بیٹھے تھے۔ تو نے آ کر اور بھی بھڑ کا دیا۔

جب علما و مشائخ کا معرکہ ویران ہو گیا تو جہاں تک ہو سکا حکیم نے مخالفان دین سے مقابلے کیے۔ آخر برداشت نہ کر سکا۔ مکہ کی رخصت مانگی۔ ۹۹۸ھ یا ۹۸۹ھ میں زیارت حج کو گیا۔ آخر وہیں مر گیا۔ شکر اللہ سعیہ۔ اللہ اس کی سعی کو مشکور کرے۔ بادشاہ نے اپنا فرمان بھیج کر بلایا بھی مگر کردہ نہ آیا ۔

از سر کوئے تو نے چینم آسماں نیستم زمینم من

عرضداشت خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش در جواب فرمان اکبر بادشاہ کہ از مکہ معظمہ فرستادہ بود۔ کمینہ فراشان آستان کیوان مکان ملایک آشیان خاقان جمشید نشان فریدوں شان کیخسرو دستگاہ کیومرث بارگاہ سکندر جاہ عالم پناہ انجم سپاہ آسمان خرگاہ ظل سبحانی عزیز کوکہ بعرض میر ساند کہ رائے انور بر طلب ایں غلام کمینہ فایض وصادر گشتہ بود جان و دل را کہ خلاصہ آب و گل ست باجمعی کثیر از روسائے اخلاص و ابتہال بخدمت حجاب درگاہ گیہاں پناہ کے مبداے سخاو منشاء عظمت وکبریایت فرستادن چوں مفتی عقل وفتویٰ قاضی گمان بلکہ یقین مجل بحرمان مہجوری کہ درویست بے درمان نوشتہ دادہ بود برنا قابلی فرسودہ دست ملالت درگردن کردہ ماند چوں دانست بہ یقین کہ احادیث تحریک اعدا موثر وکارگر افتادہ مزاج اشرف رابعنیت وتہمتی چند کہ بمسامع جاہ وجلال رسانیدہ از کمینہ درگاہ منحرف ساختہ اندوہای رائے عالم آرائے بساط بوسان آن درگاہ بہ قتل وقمع ایں بے گناہ راہنمون گشتہ بہ خاطر رسید کہ چشم خاکسار بے مقدار را کہ در خدمت قابلان آندرگاہ آسمان نشان پرورش یافتہ بمرتبہ اعظم خانی وعزیز کوکگی وحکومت گجرات سرافراز شدہ ہم بواسطہ ایں تشریفات بخاک مکہ معظمہ مقدسہ منورہ رسانیدہ کہ با کافران ہندوستان جسمی را کہ پروردہ خوان الوان انعام واحسان بادشاہ جہاں پناہ باشد دریک خاک و دریک محل مدفون ساز ومحض گستاخی وغایت بے ادبی است ولاجرم گجرات را کہ آنکہ معمورہ دارالسلطنۃ بود بہ معتمدان سپردہ غبار ملال واختلال خویش را از گوشہ خاطر خاکروبان آن آستان ملایک آشیان اشستہ دست از مطالبات آنجا دپائے ادب را کوتاہ ساختہ مواشی کہ محض بسعی جانسپاری خود از معارک کفار جمع ساختہ بود بدست عدل بیرون آوردہ از حلال تریں چیز ہا دانستہ سفر گزیدہ آں قدر جمعیت از مکاسبات مذکور بدست آورد کہ اگر خواہند منصب اعظم خانے را در بارگاہ بادشاہ روم کہ اشرف مکان ربع مسکون بتصرف ایشانست میتو اند خرید۔ اما خلاصہ ہمت مصروف آنست کہ وظیفہ بمردم مستحق مصالح پاک دین آن ملک مقرر ساز ددو مدرسہ بنام نامی حجاب بارگاہ بندہ پرور

Marfat.com

حضرت خاقانی باتمام رساند کہ تا انقراض عالم وروزبان مورخان جہان باشد وخود درآن مدرسہ بہ بحث علوم دینی وفکر شعر کہ عبارت از توحید ونعت ومنقبت اصحاب بودہ باشد ودعائے دولت روز افزون اشتغال میداشتہ باشد۔ امید آنست کہ از رفتن ایں کمترین غلامان برحاشیہ ضمیر خاکروبان آستان غبارے نخواہد نشست بلکہ مطلب سخن چینان وعیب کنندگان کہ عدم بود این معدوم است بحصول خواہد پیوست کہ منصب اعظم خانی وحکومت گجرات وعشرت عزیز کوکلی را باین محروم نے شمرند بنا چار جمع مذکورات را پیشکش مدعیان نمودہ کہ ایشان رامیسر نیست بدوں بندہ وتمکن کہ این کمینہ رامیسر باشد بدوں ایشان چون آخر الامر نسیم لطف شامل حال بوستان مطالب ومقاصد دیگران شد ونہال امید وحقوق خدمت بندہ راسموم محرومی خشک سالی بخشیدند۔ بندہ اندذوی کہ نہاد عاقبت اندیشے ہا بسگاں آن آستان چند کلمہ گستاخی نمودہ بعرض میرساند کہ جمعی خاطر اشرف را از دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیگانہ ومجتنب مے سازد حاشا کہ دولت باشند وکمینہ کہ نیک نامی دنیا وعقبیٰ مے طلبد دشمن وواجب الاخراج باشم والا کار دنیا بازیچہ ایست ناپائیدار برحرف دوسہ خوش آمد گوی آخرت بدنیا فروش اعتماد نباید کرد۔ ہمہ عالم را گوش ہوش است۔ پیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہمہ صاحب تمکیں بودند ہیچ بادشاہے را دغدغہ نہ شد کہ دعویٰ پیغمبری ونسخ دین محمدی نماید۔ بل مادامے کہ جوں مصحف اعجازی چوں جہار بار چند بار پسندیدہ باشند وشق قمر با مثال ایں چیزہا واقع نبود مردم میکند یا رب دغدغہ چہار یار بودن کدام جماعت رامی شدہ باشد۔ قلیچ خان کہ صفائی ظاہر وباطن وعصمت جبلے دارد یا صادق خان کہ شرف رکابداری از بیرام خان یافتہ یا ابوالفضل کہ شجاعت وحیایش بجائی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان مے تواند بوند۔ بخداوند بجا کپائے بادشاہ قسم جز عزیز کسی کو نیک نامی طلب باشد نیست وہمہ مدار برخوش آمد وروز گزرانیدن دارند وآنکہ نیکنامی طلبدہ بندہ است کہ تا بود جز حرف نیکنامی باشد ۔ ی ا (برزبان نہ آید الحال ہم در مکہ مقدسہ منورہ کاری نخواہد کرد کہ خلاف نیکنامی باشد)

خلاف پیمبر کسی رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

فرقے کہ میان اکابر مجلس بہشت آئین وبندہ کمترین است ہمیں است کہ ابوالغازی در فرمان بندہ اضافہ کردہ دیگراں کافراں را بر مسلماناں ترجیح دادند کہ بر صحف لیل ونہار خواہد ماند۔ آنچہ بر بندہ واجب است۔ درآں تقصیر نرفت والدعا۔

———— ۞۞۞ ————

Marfat.com

شہزادگان تیموری

ابراہیم حسین وغیرہ:

محمد سلطان، ابن سلطان ویس میرزا، ابن بایقرا میرزا، ابن عمر شیخ میرزا، ابن امیر تیمور گورگان، یہ محمد سلطان۔ سلطان حسین مرزا بادشاہ ہرات وخراسان کا نواسا تھا۔ باپ کی جانب میں امیر تیمور سے نسل ملتی تھی۔ وہ بابر کے پاس آیا۔ یہ اپنائیت کا عاشق تھا۔ سب کو سمیٹتا تھا۔ اور سب ہی اس سے دغا کرتے تھے۔ اسے بھی خاطرداری سے رکھا۔ مگر اس نے دغا کی۔ پھر ہمایوں کے پاس آیا۔ وہ بھی مروت کا پتلا تھا۔ عزت کے ساتھ رکھا اور اس کے بچوں کو بڑی محبت سے تربیت کرتا رہا۔ (اولاد کا شجرہ دیکھو)

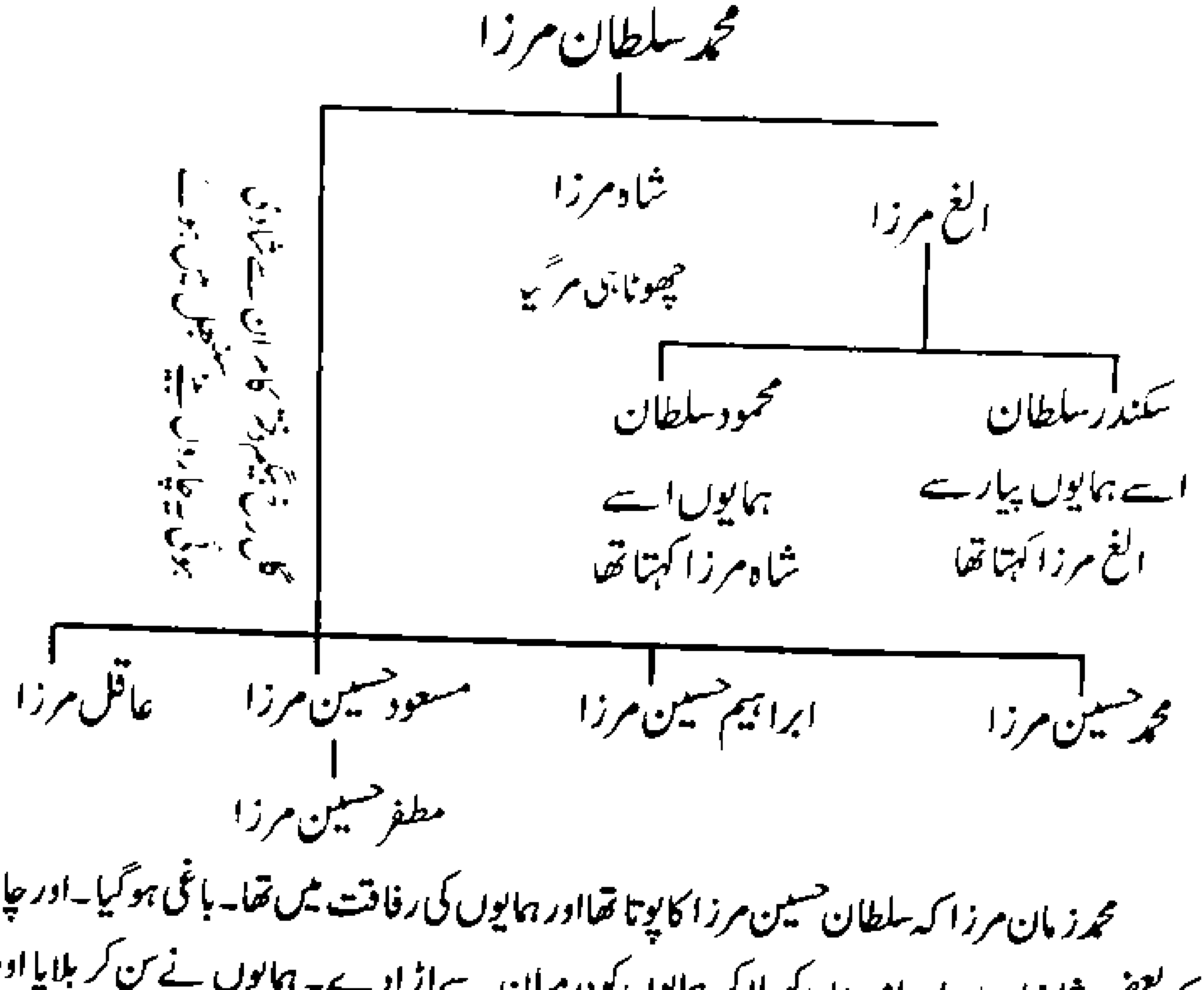

محمد زمان مرزا کہ سلطان حسین مرزا کا پوتا تھا اور ہمایوں کی رفاقت میں تھا۔ باغی ہوگیا۔ اور چاہا کہ بعض شاہزادوں اور امیروں کو بلا کر ہمایوں کو درمیان سے اڑا دے۔ ہمایوں نے سن کر بلایا اور سمجھایا۔ اس نے عذر معذرت کی۔ قرآن سامنے رکھ کر قول وقسم ہوئے اور خطا معاف ہوگئی۔ چندروز

Marfat.com

کے بعد اسے پھر شیطان چڑھا۔ ہمایوں نے قلعہ بیانہ میں قید کر دیا۔ محمد سلطان اور نخوت سلطان اس کے ساتھ شریک تھے۔ دونوں کے لئے حکم دیا کہ اندھا کر دو۔ جس کا حکم دیا تھا۔ اس نے نخوت کو اندھا کیا۔ محمد سلطان کے حق میں چشم پوشی کر کے پتلی کو بچا گیا۔ یہ اندھا بن کر قید میں بیٹھا رہا۔ چند روز کے بعد موقع پا کر محمد زمان مرزا گجرات کو بھاگ گیا۔ پھر محمد سلطان مرزا بھی کسی ڈھب سے نکلا۔ اور قنوج میں جا کر اپنے بیٹوں اور بہت سے مفسدوں کو لے کر خاک اڑانے لگا۔ ۵، ۶ ہزار مغل افغان راجپوت کا لشکر جمع کر لیا۔

جب ہمایوں بنگالہ میں شیر شاہ کے جھگڑوں میں پھنسا ہوا تھا۔ خبر لگی کہ کامران و عسکری بغاوت کے بندوبست کر رہے ہیں۔ اور محمد سلطان اور اس کے بیٹوں نے اطراف دہلی میں لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ اس نے ہندال کو بھیجا کہ اس کا انتظام کرے۔ وہ یہاں آ کر اپنی بادشاہی کے بندوبست کرنے لگا لیکن جب ہمایوں شیر شاہ سے شکست کھا کر آگرہ میں آیا تو ہر شاہزادے اور امیر کو اپنی اپنی فکر پڑی۔ یہ باپ بیٹے بھی شرمساری کا رنگ منہ پر مل کر حاضر ہوئے۔ واسطے وسیلے بیچ میں ڈالے۔ خطاب معاف ہو گئی۔

نو لاکھ سوار کے لشکر:

دوسری دفعہ فوج کشی کی۔ نو لاکھ سوار کے لشکر سے قنوج کے میدان میں پڑا تھا۔ ادھر شیر شاہ ۵۰ ہزار فوج لئے سامنے جما تھا۔ پہلے یہ ہی بے وفا بھاگے۔ اور تمام امرائے لشکر کو رستہ بتا گئے کہ وہ بھی ہمایوں کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ہمایوں دوبارہ شکست کھا کر پھر آگرہ میں آیا۔ یہ بھی اور نئی امیر بے جنگ اپنے علاقے چھوڑ کر چلے آئے۔ جب ہمایوں اور بھائی بند لاہور میں آئے کہ صلاح مناسب کے ساتھ اتفاق کریں تو یہ بھی لاہور میں آئے مگر یہاں سے ملتان کو بھاگ گئے۔

بے حیائی کا خضاب:

جب کہ اکبر کی سلطنت ہندوستان میں جم رہی تھی اور محمد سلطان بے وفائی کی خاک اڑاتے اڑاتے بڈھا ہو گیا تھا۔ بے حیائی کا خضاب لگا کر بیٹوں پوتوں سمیت دربار حاضر میں حاضر ہوا۔ دریا دل بادشاہ نے سرکار سنبھل میں اعظم پور، نہٹور وغیرہ کا علاقہ دیا کہ آرام سے بیٹھ رہے۔ بڈھے نے یہاں بیٹھے بیٹھے پر نکالے۔ محمد حسین مرزا، ابراہیم حسین، مسعود حسین مرزا، عاقل مرزا۔ یہ ابھی لڑکے ہی تھے کہ بادشاہ نے پرورش کر کے امارت کی سیڑھیوں پر چڑھا دیا۔ خان زمان کی دوسری مہم میں یہ بھی اکبر کی رکاب میں تھے۔ پھر رخصت ہو کر اپنی جاگیر پر چلے گئے۔

Marfat.com

جب بادشاہ محمد حکیم مرزا کی بغاوت کے سبب سے پنجاب میں آیا تو ان کی نیت بگڑی۔ الغ مرزا اور شاہ مرزا نے ابراہیم مرزا وغیرہ سے سازش کی۔ منعم خان کے پاس تھے۔ وہاں سے بھاگے اور سکندر سلطان اور محمود سلطان وغیرہ کے ساتھ (یہ بھی تیموری شہزادے تھے) ملک باغی ہو گئے۔ سنبھل میں جا کر ملک کو تباہ کرنے لگے۔ سنبھل کے جاگیردار سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ اور انہیں مارا مار کر کے نکال دیا۔ ادھر سے منعم خان آن پہنچا۔ یہ وسط ولایت سے گزر کر دلی سے ہوتے ہوئے مالوہ کی طرف بھاگے۔ وہاں محمد قلی برلاس سے بڑا کوئی سردار صاحب اقتدار نہ تھا۔ یہ بڈھے کی کیا حقیقت سمجھتے تھے۔ پھونس ہٹا کر جگہ صاف کی اور ملک پر قابض ہو گئے۔ منعم خاں نے فوراً بڈھے سلطان کو قید کر کے قلع بیانہ میں بھیج دیا کہ وہیں وبال زندگی سے سبکدوش ہوا۔

امرائے شاہی نے انہیں وہاں بھی دم نہ لینے دیا۔ یہ گجرات کو بھاگ گئے۔ وہاں بھی محمود شاہ گجراتی کے مرنے سے طوائف الملوکی ہو رہی تھی۔ چنگیز خان، سورت، بروج، بڑودہ، جانپانیر پر حکومت کرتا تھا۔ یہ اس کے پاس گئے۔ اس نے ان کے آنے کو غنیمت سمجھا اور بروج میں انہیں جاگیر دی وہ شہزادوں کی شاہ خرچی کیلئے کافی نہ ہوئی۔ انہوں نے چنگیز خاں کی بے اجازت اور جاگیرداروں کی جاگیروں میں ہاتھ ڈالنے شروع کیے۔ اور خواہ مخواہ حق جتا کر شیخیاں مارنے لگے۔ یہ باتیں چنگیز خاں سے بھی نہ سنی گئیں۔ غرض یہاں بھی ایسے جھگڑے پڑے کہ مرزا خاندیس کی طرف نکل گئے۔ ان کے وسیع ارادے خاندیس کے ملک میں بھی نہ سمائے۔ ادھر امرائے گجرات میں کشا کشی ہو رہی تھی۔ اسی ہل چل میں چنگیز خان مارا گیا۔ یہ پھر مالوہ میں چلے آئے۔ اب ان کی سینہ زوری اور سرشوری نے زیادہ پاؤں پھیلائے۔ کسی جاگیردار کو مارا، کسی کو بھگایا۔ ملک کو لوٹ مار کر ستیا ناس کر دیا۔ سورت میں محمد حسین مرزا، جانپانیر میں شاہ مرزا، بروج میں ابراہیم حسین مرزا مالک بن کر بیٹھے۔

۹۷۹ھ میں اکبر نے یہ حال سنا۔ خلق خدا کی تباہی نہ دیکھ سکا اور ملک پر قبضہ کرنا واجب سمجھا۔ امرا کو فوج دے کر بھیجا اور ساتھ ہی خود روانہ ہوا۔ کچھ تدبیر سے کچھ شمشیر سے ملک تسخیر کیا۔ شہزادے تتر بتر ہو گئے۔ بادشاہ نے خان اعظم کو احمد آباد میں حاکم کر دیا۔ آپ آگے بڑھا کر اطراف کے فتنوں کو فرو کرے۔ شہزادوں کی جڑ زمین سے نکالے اور سمندر کے کنارہ کنارہ پھر کر بندروں کو حکومت کے پھندے میں لائے۔ وہ کنبایت سے کہ احمد آباد سے ۳۰ کوس سے ہوتا ہوا بڑودہ میں آیا تھا اور یہاں چھاؤنی ڈالی تھی۔ خبر لگی کہ ابراہیم مرزا نے رستم خاں رومی (ایک قدیمی امیر دربار گجرات کا تھا) کو مار ڈالا۔ بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر بروج کو چھوڑ دیا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ لشکر شاہی سے اوپر اوپر اتر کر

Marfat.com

وسط ولایت کو لوٹتا پنجاب میں جانکلے۔ اس وقت یہاں سے ۸ کوس پر ہے۔ یہ سن کر اکبر کا جوش ہمت ابل پڑا۔ حکم دیا کہ فلاں فلاں جاںنثار رکاب میں چلیں۔ شہباز خاں کمبو کو بھیجا کہ سید محمود بارہہ، راجہ بھگوان داس، کنور مان سنگھ، شاہ قلی محرم وغیرہ چند سردار جوانہی بھائیوں کے دفعیہ کو سورت کی طرف کل روانہ ہوئے ہیں۔ انہیں پھیر لاؤ۔ ہمارے ساتھ آن ملو۔ سلیم اڑھائی برس کا بچہ اور حرم سرائے نیمے بھی ساتھ تھے۔ یہاں دو امیر حفاظت کے لئے رکھے اور کہہ دیا کہ کسی کو چھاؤنی سے نکلنے نہ دو۔ مطلب یہ تھا کہ مبادا جاں نثار ہمارے یلغار کی خبر پا کر پیچھے اٹھ دوڑیں۔ اور لشکر کی بہتات سے ڈر کر مرزا بھاگ نکلے۔ ہماری فوج تھوڑی ہوگی۔ تو شیر ہو کر مقابلہ پر جم جائیگا۔ پھر رات رہے سوار ہو کر گھوڑے اٹھائے۔

چیتے کے شکار کا شگون:

صبح ہوتے ہی ایک ہرن نمودار ہوا۔ حکم ہوا۔ کہ چیتا چھوڑ دو۔ مار لیا تو فتح ہے (اس زمانہ میں ایسے شگون ضرور لیتے تھے) اس نے جھپٹتے ہی شکار کو دبوچ لیا۔ سب کے دل کھل گئے۔ پھر رات، دن بھر چلے۔ غنیم کا کچھ پتہ نہ لگا۔ ۲ گھنٹے دن ہوگا کہ ایک برہمن سامنے آتا ہوا ملا۔ اس نے خبر دی کہ مرزا دریا اتر کر سرنال پر آن پڑا ہے۔ لشکر بھی بہت ساتھ ہے۔ اور قصبہ مذکور یہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اکبر نے وہیں باگیں روکیں اور مشورت ہوئی۔ جلال خاں قورچی نے عرض کی۔ کہ دشمن کی جمعیت بہت بتاتے ہیں۔ ان ہمراہیوں کے ساتھ ان کو لڑائی ڈالنی سپاہ گری کے حساب سے باہر ہے۔ مناسب ہے۔ کہ شبخون کیا جائے۔ اکبر نے کہا کہ جہاں بادشاہ موجود ہو۔ وہاں شبخون جائز نہیں۔ خدا نہ کرے کہ ہمیں شبخون کی نوبت پہنچے۔ یہ مغلوبی کی نشانی ہے۔ دن کی بات کو رات پر نہ ڈالو۔ جو جان نثار ہیں۔ انہی کو ساتھ لو۔ اور لڑائی کے پلے چل پہنچو۔ اور آگے بڑھے۔ اتنے میں سرنال سامنے نظر آیا کہ ٹیلے پر واقع ہے۔ ۴۰ آدمیوں کے ساتھ دریائے مہندری کے کنارے رات بسر کی۔ صبح ہوتے ہی حکم دیا۔ کہ ہتھیار سج لو۔ اتنے میں خبر آئی کہ امرا بھی آن پہنچے بادشاہ رستے میں خفا ہوتے چلے آتے تھے۔ حکم ہوا کہ جو دیر میں آئے۔ جنگ میں شریک نہ کرو۔ بارے معلوم ہوا کہ ان کی کوتاہی نہ تھی حکم ہی دیر میں پہنچا تھا۔ سلام کی اجازت ہوئی۔ ان کے شامل ہونے پر بھی جو کچھ تھے۔ ڈیڑھ دو سو کے بیچ میں تھے۔ اکبر نے یہاں روک کر سب کو سنبھالا۔ کنور مان سنگھ باپ کے ساتھ حاضر تھا۔ عرض کی۔ ہراول غلام باشد۔ اکبر نے کہا ''بکرام لشکر تقسیم افواج تواں کرد؟ وقت است کہ ہمہ یکدل ویک رو کار کنند'' عرض کی۔ ''درہر صورت قدمے پیشتر جاں نثار شدن فرض

Marfat.com

عقیدت واخلاص است۔'' اس کی خاطر سے چند بہادر ساتھ کر کے روانہ کیا۔

شاہی لشکر کی آمد:

ابراہیم حسن مرزا نے جب سپاہی لشکر پر نظر کی تو فوج کی آمد آمد اور رفتار کے جوش کو دیکھ کر کہا کہ ضرور اس لشکر میں بادشاہ خود موجود ہیں۔ اس کے ہزار سوار کی جمعیت تھی۔ انہیں لے کر بلندی پر قائم ہوا۔ اکبری دلاور جب دریا اترے تو کڑارے ٹوٹے پھوٹے تھے۔ بیچ میں جابجا گڑھے تھے۔ پُر جوش بہادر گھاٹ کے پابند نہ رہے۔ ایک سے ایک آگے بڑھا اور جس نے جدھر راہ پائی۔ چڑھ گیا۔ ابراہیم مرزا نے بابا خان قاقشال پر حملہ کیا کہ فوج پیش قدم کو لے جاتا تھا۔ بابا خان کو ہٹنا پڑا اور مرزا مارا مار دور تک بھگائے چلا گیا اکبر چند بہادروں کے ساتھ شہر پر چلا کہ گھاٹ سے سیدھا دروازے کو رستہ جاتا تھا۔ راہ میں سخت مقابلہ ہوا مگر رکتا کون تھا۔ اور ہٹتا کب ممکن تھا۔ کچھ دلاور بھی آن پہنچے۔ جم تو گئے مگر بیڈھب گھر گئے۔ مشکل یہ کہ بادشاہ بھی انہی میں اب سوائے لڑنے اور مرنے کے کسی کو چارہ ہی نہ تھا۔ یہاں اگر مدد الٰہی شامل حال نہ ہوتی۔ تو کام تمام تھا۔ بارے خیر گزری۔ کہ لڑ مر کر غنیم بھاگ گئے۔ اب اکبر کو شہر میں داخل ہونے کے سوا دوسری صورت نہ تھی۔ بازار تمام اسباب اور بھیڑ سے بھرے پڑے تھے۔ بڑی دھکا پیل سے سب کو روند سوند کر نکل گئے اور ٹھیک حریف کے پہلو میں جا پہنچے۔

بابا خاں قاقشال:

وہاں کی سنو کہ بابا خاں قاقشال نے سب سے آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ غنیم نے ایک سینہ توڑ دھکا دیکر الٹ مارا۔ اتنے میں اور دلاور جا پہنچے۔ پھر جو دست و گریبان ہو کر تلوار چلی اور گھر کر لڑنا پڑا۔ تو یہ عالم ہوا کہ خدا نظر آ گیا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ بہت تھے۔ اکبری دلاور دلوں سے بہت بھاری تھے۔ مگر شمار میں کچھ نہ تھے۔ اس لئے دشمن کی نگاہ میں ہلکے پڑتے تھے۔ وہ زور سے آتا تھا اور جابجا ڈٹتا تھا۔ بارے رستے کی خرابی کے سبب سے جو سردار کھنڈ گئے تھے۔ سب آ گئے۔ جابجا لڑائی پڑ گئی۔ اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ اگر اقبال اکبری مدد نہ کرتا تو کام تمام ہو چکا تھا۔ بادشاہ ایک مقام پر گھر گیا۔ اس وقت راجپوتوں کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرد پھرتے تھے اور اس طرح مر مر کر گرتے تھے جیسے پتنگے چراغ کے آس پاس تڑپتے ہیں اور نہیں ٹلتے۔ راجہ بھونت گھوان داس کے بھتیجے مان سنگھ کے بھائی نے بڑا ساکھا کیا۔ کمال دلاوری سے لڑا اور مارا گیا خاک پر پڑا تھا اور جب تک رمق جان باقی تھی۔ تلوار کا ہاتھ ہلے جاتا تھا اور شیر کی طرح دڑوکتا تھا۔

Marfat.com

اکبر پر قاتلانہ حملہ:

اکبر ایک مقام پر کھڑا تیر مار رہا تھا۔ دو طرفہ تھور کی باڑ تھی۔ مان سنگھ باپ کے ساتھ اکبر کے پہلو میں تھا۔ دیکھا کہ غنیم کے ۳ سپاہی انہیں تاڑ کر آئے۔ ایک کا رخ بھگوان داس پر، اور دوسرے کا اکبر پر۔ راجہ نے بھی گھوڑا اٹھایا۔ اس نے نیزہ مارا۔ راجہ نے وار بچا کر برچھا مارا۔ وہ گھائل ہو کر بھاگا۔ جو دو اکبر پر آتے تھے۔ ان پر مان سنگھ چلا۔ اکبر نے کہا۔ خبردار قدم نہ اٹھانا اور باڑ پر سے آپ گھوڑا اڑا کر ان پر چلا۔ دور و نزدیک اور سردار بھی لڑ رہے تھے۔ کسی کو خیال نہ ہوا۔ راجہ بھگوان داس چلایا۔ کنور جی کیا دیکھتے ہو۔ اور کھڑے ہو۔ اس نے کہا کیا کروں۔ مہابلی خفا ہوتے ہیں۔ راجہ نے کہا یہ وقت خفگی دیکھنے کا ہے؟ اتنے میں دیکھا۔ کہ دونوں جس زور سے آئے تھے اس سے زیادہ شور سے بھاگے جاتے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھ کر خیال آتا ہے۔ کہ جب تک دل میں وفا نہیں ہوتی۔ نہ یہ باتیں زبان سے نکلتی ہیں۔ نہ یہ رفاقتیں ہاتھ پاؤں سے بن آتی ہیں۔

ہم ہیں غلام ان کے جو ہیں وفا کے بندے اس کو یقین کرنا گر ہو خدا کے بندے

نواحی پٹن میں پھر سارے مرزا جمع ہوئے۔ صلاح ٹھہری کہ ابراہیم مرزا چھوٹے بھائی مسعود مرزا کو ساتھ لے کر ہندوستان سے گزرتا ہوا پنجاب پہنچے۔ اور وہاں بغاوت پھیلائے۔ محمد حسین مرزا اور شاہ مرزا شیر خاں فولادی سے مل کر پٹن جائیں۔ اور ہاتھ پاؤں ہلائیں تا کہ اکبر نے جو سورت کا محاصرہ کیا ہے وہ کھل جائے کہ یہی ان فتنہ گردوں کا بغاوت خانہ تھا۔ (انصاف یہ ہے۔ یہ سب اکبر کے ساتھ مخالف اور قدرتی بدنیت تھے۔ مگر ان کے صاحب ہمت ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ ہمیشہ گرتے تھے۔ اور اٹھ کھڑے ہوتے۔ کسی طرح ہمت نہ ہارتے تھے۔

رائے سنگھ، رام سنگھ، فرخ خان:

اکبر اس مہم سے فارغ ہو کر احمد آباد میں آیا اور اطراف کے بندوبست میں مصروف ہوا۔ ابراہیم حسین مرزا وہاں سے بھاگ کر آبادیوں کو ویران کرتا۔ قافلوں کو لوٹتا ناگور میں آیا۔ رائے سنگھ، رام سنگھ، فرخ خان وغیرہ وفاداران اکبری کو خبر پہنچی۔ انہوں نے دم لینے کی فرصت نہ دی۔ سب طرف سے جمع ہوئے۔ اور فوج لے کر آن پڑے۔ سخت لڑائی ہوئی۔ رفیق و ملازم یہاں آ کر شامل ہوئے۔ لاہور جانا مناسب نہ دیکھا۔ پھر سنبھل کو چلا گیا۔ وہاں سنا کہ حسین قلی خان کانگڑہ پر گیا ہوا ہے طمع نے پھر بے قرار کیا اور دوڑا۔ ارادہ یہ کیا کہ بادشاہ گجرات اور سورت کے علاقوں میں فوج لئے پھرتے ہیں۔ آگرہ، دلی، لاہور مشہور شہر ہیں۔ سب جگہ میدان خالی ہیں۔ دھاوے ماروں گا۔

Marfat.com

بادشاہی خزانے ہیں۔شہر آباد ہیں،لوٹ مار سے سامان لیتا جاؤں گا۔ جہاں قدم تھم گئے جم جاؤں گا۔ کچھ نہ ہوا تو ملتان سے سندھ ہو کر پھر گجرات میں آجاؤں گا۔

راجہ باڑہ مل مان سنگھ کے دادا:

آگرہ میں راجہ باڑہ مل مان سنگھ کے دادا تھے۔انہوں نے جب اس آندھی کی اندھیری دیکھی فوراً دلی وغیرہ مقامات میں فوجیں بھیج دیں۔اور امرائے اطراف کے بھی خطوط دوڑ گئے۔مرزا جہاں پہنچا۔نامرادی نے سامنے سے نشان ہلایا۔ناچار وحشت اور دہشت کے عالم میں پنجاب کا رخ کیا۔ سنپت، پانی پت، کرنال، انبالہ، دنبل پور وغیرہ شہروں کو لوٹتا ہوا لاہور پر آیا۔ یہاں بھی شہر کے دروازے بند پائے۔معلوم ہوا کہ حسین قلی خان کوہ کانگڑہ سے سیلاب کی طرح آتا ہے۔مرزا لاہور سے پانی کی طرح ملتان کو بہے اور رستہ ہی میں بلبلا ہو کر بیٹھ گئے ❶۔مسعود حسین مرزا قید ہو کر دربار میں گئے۔اور قلعہ گوالیار میں پہنچ کر ملک عدم کو روانہ ہوئے (قلعہ گوالیار سلاطین چغتائیہ کے عہد میں شہزادوں کا قید خانہ تھا) محمد حسین مرزا اور شاہ مرزا شیر خان فولادی کو ساتھ لے کر بڑے زور شور سے آئے۔اور پٹن میں سید محمود بارہہ کو گھیر لیا۔خان اعظم احمد آباد سے مدد کو پہنچے۔مرزا نے ۵ کوس آگے بڑھ کر میدان کیا۔لڑے اور خوب لڑے۔آخر تیمور کی ہڈی تھی۔دونوں شہزادوں نے حملہ ہائے مردانہ سے بادشاہی فوجوں کو اٹھا اٹھا کر الٹ دیا۔امرائے بادشاہی بھی پہاڑ کا پتھر ہو کر میدان میں گڑ گئے۔ اس وقت رستم خاں اور عبدالمطلب خاں بارہہ مدد کو پہنچے۔اور خان اعظم کی عظمت کو قائم رکھا۔پھر بھی تقدیر سے لڑا نہیں جاتا۔مرزا کا آراستہ لشکر کھنڈ گیا۔اس کے غول کے غول اسی طرح جنگل میں بھاگے جاتے تھے۔جیسے بادل کے ٹکڑے اڑے جاتے ہیں اور مرزا دکن بھاگ گئے۔لیکن ۹۸۰ھ میں اختیار الملک کو لے کر پھر آئے۔اور اس کروفر سے آئے کہ گجرات کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔مرزا کوکہ کو احمد آباد میں گھیرا اور ایسا دبایا کہ اگر اکبر خود یلغار کر کے نہ پہنچتا تو کوکہ جی کا کام تمام تھا۔لیکن اس لڑائی میں مرزا کا کام تمام ہو گیا۔

گل رخ بیگم:

گل رخ بیگم کامران کی بیٹی۔ابراہیم حسین مرزا سے بیاہی تھی۔وہ نام کو عورت تھی۔مگر بڑی مردانی بی بی تھی۔جب مرزا کرنال کی لڑائی سے بھاگا تو سورت سے بھاگ کر دکن کو چلی گئی۔قلعہ سرداروں کے حوالہ کر گئی۔بیگم نے کامران کے خون سے کینہ کی سرخی پائی تھی۔ابراہیم مرزا کی فتنہ

❶ دیکھو حسین قلی خان جہاں کا حال۔یہ یلغار بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

Marfat.com

انگیزی خود ظاہر ہے۔ مظفر مرزا دونوں سے ترکیب پا کر طرفہ معجون پیدا ہوا۔ مہر علی ایک نمک پروردہ ابراہیم مرزا کا اس کے ساتھ تھا۔ ماں کی مہر۔ اور مہر علی کی تربیت دکن میں لڑکے کو فساد کی مشق اور فتنہ کی تعلیم دیتی رہی۔ ۹۸۵ھ میں ۱۵، ۱۶ برس کی عمر ہوئی تو اوباشوں کا انبوہ جمع کر کے اطراف گجرات میں آئے۔ اور امرائے بادشاہی کو شکست دی۔ مظفر مرزا ظفریاب ہو کر کمبایت میں گیا۔ باوجودیکہ دو ہزار سے کچھ زیادہ جمعیت تھی۔ اور وزیر خان کے پاس ۳ ہزار فوج تھی۔ وزیر خاں کو قلعہ میں ڈال کر گھیر لیا۔ اتفاقاً راجہ ٹوڈرمل پٹن میں دیکھ رہے تھے۔ اگر نہ جا پہنچتے تو لڑکے نے وزیر کو شاہ مات دیدی تھی۔ راجہ پہنچے تو وہ بھاگا۔ دونوں امیر پیچھے دوڑے۔ وہ دلقہ پر جا پہنچا۔ اور ایک میدان لڑ کر دل کا ارمان نکالا۔ آخر جونا گڑھ کو بھاگ گیا۔ ٹوڈرمل تو دربار شاہی میں آن حاضر ہوئے۔ وزیر خاں احمد آباد میں آئے۔ مرزا پھر آیا۔ وزیر خاں پھر قلعہ میں بیٹھ گئے۔ اس نے محاصرہ ڈال کر حملے شروع کئے۔ ایک دن سیڑھیاں لگا کر قلعہ کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ قریب تھا کہ قلعہ ٹوٹ جائے یکا یک اقبال اکبری نے طلسم کاری دکھائی۔ مہر علی نے کہ مرزا کی تدبیروں کا صندوق تھا۔ سینہ پر بندوق کھائی۔ اور صندوق اعمال میں پہنچ گیا۔

اس کے مرتے ہی مرزا بھاگے۔ اور چند روز کے بعد راجہ علی خاں حاکم خاندیس کے پاس پہنچے۔ بادشاہ نے مقصود جوہری کو فرمان کے ساتھ بھیجا۔ راجہ علی خان خود دربار اکبری میں سرخروئی کے رنگ ڈھونڈتا تھا۔ اس یگوہر مقصود سمجھا۔ اور تحائف اور پیشکش کے ساتھ مقصود کے ہمراہ روانہ دربار کیا۔ چند روز کے بعد گل رخ بیگم کی اور اس کی حالت دیکھ کر بادشاہ نے شرف دامادی سے اعزاز بخشا۔ اور اس کی بہن سے سلیم کا عقد کر دیا۔ اب تو سب دلی میں رہیں گے۔ مرزاؤں کا فساد ۱۱ جلوس سے شروع ہوا اور ۲۳ میں تمام ہوا۔ ابراہیم مرزا انتہائے درجہ کا بہادر تھا۔ مگر تھوڑا مادہ جنون کا بھی رکھتا تھا۔ سب بھائی ایک دن بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ کرنال کی شکست کا ذکر آ گیا۔ ہنسی میں بات بڑھ گئی۔ ابراہیم ایسے بگڑے کہ خفا ہو کر اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آگرہ کا رخ کیا رستہ میں ناگور ملا۔ اس پر دھاوا مارا خان کلان کا بیٹا حاکم تھا قلعہ بند ہو کر بیٹھا۔ مرزا نے شہر کو لوٹ کر خورجینیں بھریں اور محاصرہ کر کے بیٹھ گیا۔ امرا جو نواح جودپور وغیرہ میں پڑے تھے۔ اٹھ کر دوڑے۔ بعض امرا اکبر کے پاس چلے تھے کہ ملک گجرات میں تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور مرزا پر ہجوم کر کے چلے۔ مرزا ان کی آمد آمد میں گھبرا کر بھاگا۔ جب یہ آئے تو اندر باہر والے شامل ہوئے اور اس کے پیچھے گھوڑے دوڑائے۔ وہ ایک مقام پر جما اور فوج کے تین حصہ کر کے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ مرزا نہایت جوانمردی سے لڑا لیکن نمک حرامی ضرور اثر دکھاتی ہے۔ مرزا، حالیٔ تباہ بھاگا۔ [illegible]

Marfat.com

تیر کھا کر گرا تھا۔ دور تک پیادہ پا جنگل پایا۔ بارے اسی کا ایک نوکر ملے گا۔ اس نے گھوڑا دیا۔ سوار ہو کر دلی پہنچا۔

شیری ملا

ملک پنجاب میں دریائے بیاس کے کنارہ پر کوکووال گاؤں ہے۔ ملا وہاں کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ میں خود اشارہ کرتے ہیں۔

اے خوش آں شب ہا کہ ہر دم وردعائے وصل او   سورہ واللیل خوانم برلب آب بیاہ
فیل رفتاران آہو چشم کوکووال را   میکنم ہر لحظہ یاد و ے کشم از سینہ آہ

قوم کے ماچھی تھے (ماہی گیر) اپنے والد ملا یحیٰی کی خدمت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میری ماں سادات میں سے تھی۔ طبیعت ایسی شوخ لائی تھی جو کہ شاعری کے لئے نہایت مناسب تھی۔ اور زبان میں عجب لطف کا نمک تھا۔ یہ قدرتی نعمتیں خداداد ہیں۔ شرافت اور خاندانوں کا ان پر زور نہیں چلتا۔ طبیعت نہایت رواں تھی۔ کہتے تھے کہ ایک دفعہ رات کو ذہن لڑ گیا۔ موقع بھی ضرورت کا تھا۔ ۳ غزلیں ایک قلم سے لکھی تھیں۔

لطیفہ۔ ایک دن جلسہ احباب میں اپنے شعر سنا رہے تھے۔ کتاب انداختم۔ حساب انداختم۔ بردوش احباب انداختم۔ ان میں مصرع تھا۔

ع چار دفتر شعر درآب حباب انداختم۔ دیوان ہاتھ میں تھا مولانا الہ داد امروہہ نے فوراً کہا۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ پرانی دیگچی بھی اس میں پھینک دیتے۔

لطیفہ۔ جن دنوں اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کی خدمت چند اشخاص کے سپرد کی۔ ایک حصہ انہیں ملا۔ ایک دن دوستوں کے جلسہ میں بیٹھے تھے ترجمہ کی دقتوں کی شکایتیں ہونے لگی۔ ایک شخص نے کہا۔ ملا کیا حال ہے تم بھی تو کچھ بولو۔ کہا کیا بولوں ایسے افسانے لکھنے پڑے ہیں جیسے کوئی بخار کی بے ہوشی میں خواب دیکھتا ہے۔

طبیعت میں بے نیازی اور فقر اور دردمندی بہت تھی۔ ایک اد ھ قطعہ کے دو شعر ہیں۔

صاحب خوان فقرم و ہرگز   ہمت من نخواہد از جاناں
قرض ہندو بشرط دہ پنجاہ   بہ کہ انعام ایں مسلماناں

ملا صاحب بھی کہتے ہیں۔ کہ ہم عصروں میں شکوہ یا شکایت کے مضمون اس سے بہتر کسی نے

Marfat.com

نہیں کہے۔ دو شعر ایک اور قطعہ کے ہیں ۔

گذشتگان ہمہ عشرت کنند۔ کالودید   ازانکہ عیش برافتادہ اززمانہ ما
ایا کساں کہ پس از مارسید فاتحہ   بشکر آنکہ نبودید درزمانہ ما

اس وقت ملا صاحب مہربان تھے۔ فرماتے ہیں کہ قصیدہ اور قطعہ گوئی کے میدان میں ہمقدم اشخاص سے آگے نکل گیا۔ اور ان کی فصاحت کی مشکیں باندھ کر گویائی کے منہ پر سکوت کی مہر لگادی۔

اسی قطعہ سے سمجھ لو ۔

اگر از شعر شیریم پرسی   گویم از درمیانہ انصاف است
غزل و مثنویش جملہ سقط   دیں سخن نے ستیزہ نے لاف است
نہ ہمہ شعر شاعراں سرہ است   نہ ہمہ بادہ کساں صاف است
لیک صیت قصیدہ وقطعہ   رفتہ از وے زقاف تا قاف است
شیری اوزال را مکن قدے   کہ مناسب بحال اشراف است

اکبر کی تعریف میں اکثر قصاید لکھے ہیں۔ ان میں بھی صفائی کلام کے ساتھ ایجاد واختراع کی داددی ہے۔ لیکن جب بدمذہبوں کی گرم بازاری ہوئی۔ تو جل کر ایک قطعہ میں دل کا بخار بھی خوب نکالا۔ مجھے اس میں سے پانچ شعر ہاتھ آئے۔

تا بزاید ہر زماں کشور برانداز آفتے   فتنہ درکوے حوادث کتخدا خواہد شدن
با عقاب قرضخواہ وخنجر ارباب شرک   باز سرازذمہ گردن جدا خواہد شدن
فیلسوف کذب راخواہد گریباں پارہ شد   خرقہ پوش زہد را تقویٰ رواخواہد شدن
شورش معزاست اگر در خاطر آرد جاہلے   کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن
بادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است   گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

اکبر نے مان سنگھ کو حکم بھیجا کہ کانگڑہ پر لشکر لے کر جاؤ۔ وہ سامان میں مصروف ہوا۔ ملا شیری نے قطعہ کہا۔

شہا فرماں فرستادی بہ راجہ   کہ سازد ہندوان کوہ را رام
چناں رونق گرفت ازعدل تو دیں   کہ ہندو میزند شمشیر اسلام

۹۷۶ھ میں قلعہ رنتھنبور فتح ہوا تو انہوں نے تاریخ کہی اس کا شعر اخیر ہے ۔

قلعہ کفر چو از دولت شہ یافت شکست   شہ کفار شکن یافتہ شیری سالش

اسی سال میں آگرہ کے نئے قلعہ کا دروازہ عظیم الشان تیار ہوا۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر دو

Marfat.com

پتھر کے ہاتھی کھڑے کیے تھے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا نام ہتیا پول دروازہ رکھا تھا۔ پول سنسکرت میں دروازہ کو کہتے ہیں۔ ملا شیری نے تاریخ کہی۔ اس کا شعر آخر ہے۔

کلک شیری پے تاریخ نوشت	بے مثال آمدہ دروازہ فیل

مرعلاء الدولہ اپنے تذکرہ میں اکبر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ہاتھیوں کا بہت شوق اور ہاتھی کی سواری میں کمال تھا۔ طب فیل میں ایک رسالہ سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کروایا تھا اور ملا شیری ہندی نے اسے نظم میں لکھا تھا۔

آخر ملا صاحب کو ان سے بھی خفا ہونا پڑا کیونکہ زمانہ کا رنگ دیکھ کر ان کی طبیعت بھی بدلی۔ آفتاب کی تعریف میں ہزار قطعے کہے۔ اور اس کا نام ہزار شعاع رکھا۔ نظام الدین بخشی طبقات اکبری میں اس مجموعہ کا نام شمع جہاں افروز لکھتے ہیں اور ایک قطعہ بھی نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

در عشق کساں اسیر محنت	بسیار شنیدہ ام کساں را
معشوق دل آفتاب باید	امید بآرزو رساں را

۹۹۴ھ میں یوسف زئی کی مہم میں جہاں راجہ بیربر ہزاروں آدمیوں کے ساتھ رہے۔ وہیں یہ رہے۔

شیخ گدائی کنبو

پہلے ان کے والد شیخ جمال کا حال سننا چاہئے کہ سکندر لودھی کے عہد میں شعرائے باکمال میں شمار ہوتے تھے۔ اور شیخ جمال کنبوہی دہلوی کہلاتے تھے۔ وہ شیخ سماء الدین کے مرید تھے۔ کہ مشائخ کبار اور علماء روزگار میں تھے۔ شیخ جمالی سے سکندر لودھی بھی اصلاح لیا کرتا تھا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بیت مجموعی ان کے چند فضائل سے مرکب تھی۔ سیاحی بھی بہت کی تھی۔ مولانا جامی کی خدمت میں پہنچ کر فیض نظر اور اشعار نے شرف قبول پایا۔ آزاد۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ پہلے ملاقات میں اپنا حال کچھ ظاہر نہ کیا۔ اور پاس جا بیٹھے۔ تن برہنہ فقط لنگ باندھے تھے۔ فقیرانہ حالت تھی۔ انہوں نے کہا۔ میان خر دتو چند فرق است۔ انہوں نے بالشت بیچ میں رکھ دی۔ انہوں نے تحمل کیا اور کہا کیستی۔ انہوں نے کہا۔ از خاکساران ہند۔ ان کا کلام وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ پوچھا از سخنان جمالی چیزے یاد داری۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

دو سہ گز کے بوریا دپوستکے	دلکے · پر ز درد دوستکے

Marfat.com

لنکلے زیرو لنکلے بالا نے غم وزدو نے غم کالا
ایں قدر بس بود جمالی را عاشق رند لا اوبالی را

انہوں نے کہا طبع شعرداری؟ یعنی کچھ شعر کہتے ہو۔ انہوں نے مطلع پڑھا۔

مارا زخاک کویت پیراہن است برتن آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

یہ کہا اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن پر تمام گرد پڑی تھی۔ سینہ پر جو آنسو گرے۔ گرد چاک چاک ہوگئی۔ مولانا جامی سمجھ گئے۔ اٹھ کر گلے ملے اور تعظیم اور تواضع سے پیش آئے۔ آخر ۹۴۲ھ میں دلی میں مر گئے۔ تاریخ ہوئی۔ خسرو ہند بودہ۔

ان کی ایک غزل اکبری عہد میں مشہور تھی کہ انہوں نے خود ہندوستانی راگ میں اس کی لے رکھی تھی۔

طال شوقی الیٰ بقائکم ایما الغالبون من نظری
روز و شب مونسم خیال شماست فاسئلوا عن خیالکم خبری

مقالات و حالات مشائخ میں ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ سیر العارفین اس کا نام ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی سے شروع ہو کر شیخ سماء الدین ❶ کنبوا پنے پیر پر ختم کیا ہے۔ ملا صاحب کہتے ہیں کہ وہ بھی تناقص اور سہو سے خالی نہیں۔ اس کے علاوہ اور تصنیفات بھی نظم و نثر میں یادگار چھوڑیں۔ کہ آٹھ نو ہزار بیت ہونگے۔

ملا صاحب ۹۵۹ھ میں لکھتے ہیں۔ شیخ عبدالحی ولد شیخ جمالی کنبوہی، دہلوی نے کہ فضائل علمی و شعری سے آراستہ اور صاحب سجادہ اور ندیم اور مصاحب خاص الخاص سلیم شاہ کے تھے۔ اس سال میں امانت حیات سپرد کی۔ سید شاہ میر نے تاریخ کہی۔

گفت نامم ہے شود تاریخ بندہ وقتے کہ درمیاں نبود

جب اکبر نے تاج شاہی سر پر رکھا تو دروازے کھلے تھے دربانوں کیچ کہ دلجوئی اور تالیف

---

❶ سلطان بہلول لودھی مر گیا تو سکندر لودھی تخت نشین ہوا۔ اٹاوہ وغیرہ ملک شرقی کے انتظام کے لئے چلا۔ خیال تھا کہ مبادا دوسرا بھائی دعویدار ہو۔ اس لئے شیخ سماء الدین کی خدمت میں گیا اور برکت کیلئے کتاب صرف تہائی شروع کی۔ اس کی ابتدا بداں اسعدک اللہ تعالیٰ فے الدارین خیرا پڑھ کر کہا کہ اس کے معنی ارشاد ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔ نیک بخت گرداناد ترا خدائے تعالیٰ۔ اس نے کہا آپ تین دفعہ بھی فرمائیں۔ انہوں نے کہا تو یہ خوش ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنے مطلب کو پہنچ گیا۔ غرض شیخ سے رخصت لے کر لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔

Marfat.com

قلوب دونوں چوکیوں پر بیٹھے تھے۔ کہ جو آئے عزت سے لاکر حاضر کرو۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اکبر کی خدائی ہے اور بیرم خاں کی فرمانروائی تو شیخ گدائی بھی گجرات سے پہنچے اور صدارت کا عہدہ مل گیا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں کہ ہمایوں کی شکست دوم کے بعد شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبو دہلوی نے خان خاناں کے ساتھ آوارگی گجرات میں رفاقت پیدا کی تھی۔ اس نے اس حق پر تمام اکابر ہندوستان سے بڑھا کر صدارت کا منصب رفیع القدر اس کے لئے مسلم کیا۔ خان خاناں بلکہ اکبر بھی اکثر اوقات اس کے ہاں حال وقال کی مجلس میں (جس پر سراسر ظاہر داری برتی تھی) جاتے تھے۔

بزرگان وشرفا وامرا:

جب سے ہندوستان میں بنائے اسلام واقع ہوئی۔ خدا نے یہاں کے بزرگان وشرفا وامرا کو ہمیشہ رغبت سرشت، محکوم طبیعت، پست فطرت پیدا کیا ہے۔ جاہ و دولت ان کی کبھی ضرب شمشیر سے نہیں حاصل ہوئی۔ مگر فریب، دغا، نفاق ذاتی اور بدنامی سے سروری وسرداری کا جامہ ان کے قامت ہمت پر چھوٹا ہی آیا۔ چنانچہ شیخ کی معراج سے جس کے نصب کو بھی اچھا نہ سمجھتے تھے۔ سب اکابر آئمہ گھبرائے اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ کبرنی موت الکبرا۔ (بڑوں کی موت نے مجھے بڑھایا) کا بھید اب سمجھ میں آگیا۔

درتنگ نائے خیرتم از نخوت رقیب　　یارب مبادآنکہ گدا معتبر شود

اراضی ومدد معاش:

اس نے خان وادہ ہائے قدیم کی اراضی مدد معاش اور وقفی املاکوں پر قلم نسخ پھیر دیا۔ جو اس کے دربار کی خواری اٹھاتا تھا۔ اس کو جاگیر ملتی تھی۔ نہیں تو نہیں۔ (آج تو ۵ بیگہ کی جاگیر بلکہ اس سے بھی کم میں بھی کلام ہے اس حساب سے تو اسے عالم بخش کہنا چاہئے) ولایت کے اعیان اور اشراف بھی جو آتے تھے تو اس کی حکومت اور غرور کے سبب سے متردد رہتے تھے۔

گر فروتر نشست خاقانی　　نہ ز راعیب و نے تر ا ادب است

مے نہ بینی کہ سورہ اخلاص　　زیر تبت یدا ابی لہب است

پھر فرماتے ہیں کہ سید نعمت اللہ اسولی نے ایک قطعہ کہا کہ مساجد و مدارس میں مشہور ہے۔ بعض شیاطین شیخ گدائی کی مسجد اور دیوان خانہ میں جاکر دیواروں پر لکھ آئے۔ آپ نے پڑھ کر مٹا دیا۔ مگر کیا فائدہ۔ اسی میں سے ایک بیت ہے۔

Marfat.com

نام گدائی مبر نان گدائی مخور — زانکہ گدائی بدست روی گدائی سیاہ

بعض باتیں بے اخلاصی اور بے ادائی اور بدرائی کی بندگان شاہی کی نسبت بھی اس سے ظاہر ہوئیں کہ بجائے خود لکھی گئیں۔

جہاں خان خاناں کے اقبال نے بے وفائی کی ہے۔ اور رفیق اس کے جدا ہونے شروع ہوئے ہیں۔ وہیں ایک چٹکی لیتے ہیں۔ آخر حدود بیکانیر میں شیخ گدائی بھی الگ ہو گئے۔ اور اس شعر کا راز کھل گیا۔

وکل اخ یفارقہ اخوہ — لعمرابیک الاالفرقدان

وہاں سے دلی آئے۔ تب بھی معزز و مکرم تھے۔ مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم کے مزاروں پر عرسوں میں حاضر ہوتے تھے اور مجالس عالی میں بڑے کر و فر سے بیٹھتے تھے۔

پھر ۹۷۶ھ میں لکھتے ہیں۔ اسی سال میں اتر اشحنہ مروک نام۔ شیخ گدائی کنبوہ کہ زمانہ کا زانڈل پکھال پیٹتا۔ اور پندار و غرور کالات و منات تھام گیا۔ تاریخ ہوئی۔ ''مردہ خوک کلان۔''

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ طبیعت موزوں تھی۔ ہندی گیت اور دہروں کی لے آپ رکھتے تھے قوالوں سے گواتے تھے اور آپ بھی گاتے تھے اور اس کے ذوق و شوق میں لٹو تھے اور دیوانے تھے۔

ملا صاحب کہتے ہیں کہ اس کی اولاد کا گھر بھی اور گھروں کی طرح خراب ہے۔ اسی طرح زمانہ چلا آیا ہے۔ اور حکم الٰہی اسی قانون پر چلتا ہے۔ یہ اس کی غزل ہے

گہے جاں منزل غم شد گہے دل — غمست میرم منزل بہ منزل
مشو غافل زحال دردمندی — کہ از حال تو یک دم نیست غافل
دل دیوانہ درزلف تو بستم — گرفتارم بآں مشکیں سلاسل
بجاں دادن اگر آساں شدے کار — بنودے عاشقاں را کار مشکل
گدائی جاں بہ ناکامی برآید — نشد کام ز لعل یار حاصل

تذکرہ علاؤ الدولہ:

پھر ملا صاحب فرماتے ہیں یہ غزل تذکرہ علاؤ الدولہ سے نقل کی ہے۔ قابل اعتبار نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ شیخ گدائی کی نہ ہوگی۔ آزاد میر علاؤ الدولہ کے تذکرہ کی بے اعتباری کا اور بھی کئی جگہ ملا صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ اس کا سبب جانتے ہو؟ یہ میر عبداللطیف قزوینی کے بھتیجے تھے۔ مگر انہوں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا۔

Marfat.com

شیخ گدائی اوران کے بزرگ:

آزاد حیران تھا کہ شیخ گدائی اور ان کے بزرگوں کی کوئی برائی اب تک نظر نہیں آئی کیا سبب ہے کہ اکثر اہل تاریخ انہیں سبک الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔اور ملا صاحب کا تو کیا کہنا ہے۔نظم،نثر، لطیفہ،تاریخ کے نیزوں سے خاک تودہ بنا دیا ہے۔مآثر الامرا سے یہ عقیدہ حل ہوا کہ ان کے خاندان کا مذہب بھی شیعہ تھا۔آلہی تیری امان۔الہی تیری امان ۔

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے　ہے یہ گنبد کا کہا۔جیسی کہے ویسی سنے

فصیح فارس کیا خوب کہتا ہے :۔

درحقیقت نسب عاشق ومعشوق یکے است　بوالفضولاں صنم و برہمنے ساختہ اند

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں　ہر کسے مے نگری انجمنے ساختہ اند

شیخ حسین اجمیری

ابتدائی حالات:

ملا عبدالقادر بدایونی کہتے ہیں کہ مشہور تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد میں سے ہیں۔ مدت سے ان کی درگاہ کے متولی تھے۔اس سبب سے اعزاز و اکرام اور شان وشکوہ بادشاہانہ ہوگئی تھی۔ بزرگان سیکری وال (شیخ سلیم چشتی اور ان کا خاندان) بھی انہیں توڑنا چاہتے تھے۔آخر بادشاہ بھی برہم ہوگئے۔تحقیق ہونے لگی کہ یہ خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد ہیں یا نہیں۔مشائخ اور علما نے محضر لکھ دیئے کہ ان کی اولاد ہی نہ تھی۔متولی کا عہدہ چھن گیا۔پھر بھی لوگوں کی طرف سے اعزاز واکرام قائم تھا۔اس لئے بادشاہ نے حج کو بھیج دیا۔وہ حج اور زیارتیں کر کے پھر ہندوستان میں آئے۔ ملازمت ہوئی تو پرانے آدمی تھے۔اپنے قدیمی طریقہ سے ملے۔اہل دربار کی طرح آداب نہ بجا لائے۔بادشاہ کو پھر بدگمانی تازہ ہوئی۔اس لئے ۱۰۰۲ھ میں بھکر بھیج دیا۔چند روز کے بعد جلاوطن خانہ بربادوں کی سفارشیں ہوئیں۔شیخ کمال بیابانی اور بعض مشائخ قاضی۔عالم وغیرہ جو بھکر میں نکالے ہوئے تھے طلب ہوئے۔سب آئے۔آداب کورنش بجالائے۔سجدے کئے۔زمین چومی۔شیخ حسین بیچارے سیدھے سادے آدمی تھے ۸۷ برس کی عمر تھی۔انہوں نے وہ آداب نہ ادا کئے۔نہ انہیں آتے تھے۔حکم دیا کہ تین سو بیگہ زمین جاگیر کر کے پھر وہیں بھیج دو۔لوگوں نے بھی عرض کی۔ مریم مکانی (اکبر کی ماں) نے محل میں سفارش کی اور کہا"بوتم او ماد پیر فرتوت دارد در اجمیر دلش برائے

Marfat.com

دیدن فرزند کباب است چہ شود اگر او را رخصت فرمایند۔ اور ہیچ مدد معاش از شما نمے خواہد' اکبر نے ہرگز نہ مانا اور کہا'' آنچہ جیو در آنجا کہ می رود باز دکانے برائے خود وا میکند۔ دفتوحات و نذر و نیاز بسیار برائے او می آرند۔ او جماعت را گمراہ می سازد۔ غائتش اینکہ والدہ خود را از اجمیر ہمانجا طلبد۔'' یہ بات انہیں بھکر جانے سے بھی مشکل تھی۔ ملا صاحب کے اعتراض سب درست مگر ان لفظوں کو خیال کرو کہ بادشاہ کو ان لوگوں کی طرف سے کیسا خطر تھا اور کس قدر بچاؤ کرتا تھا۔

متولی اجمیر شریف:

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ بادشاہ نے خود ہی ایک دن تجویز فرمائی کہ مجھے اجمیر کا متولی کر دیں۔ جب صدر جہاں نے اس مطلب سے مجھے پیش کیا تو بعض خدمتوں کی ضرورت سے خود ہی اس تجویز کو ملتوی کر دیا اور پوچھا آن پیر بلوچ کجاست (وہی شیخ حسین اجمیری) میں پاس موجود تھا۔ میں نے یاد دلایا کہ لاہور میں ہیں اور صدر جہاں سے بڑے مبالغہ کے ساتھ کہا کہ میں تو اس سعادت کے لائق نہیں۔ اسی کو کر دیں کہ حق مرکز پر ٹھیر جائے۔ مگر ہندوستان کی اصالت میں داخل ہے کہ ہم جنس کو بڑھتے نہیں دیکھ سکتے۔ اور آپس میں سینہ صاف کبھی نہیں رہتے۔ اس نے ایسی سعی نہ کی جس کا دعا میں شکر گزار ہوتا۔ بڈھا مرحوم اب تک حیران پریشان۔ شکستہ حال۔ گوشہ گمنامی میں تڑپتا ہے۔ نہ امرا کے گھروں پر جانے کی مجال ہے۔ نہ کوئی وسیلہ بہم پہنچانے کی خواہش ہے۔ اور آج کل عرض معروض کا رستہ بند اور وسیلہ کا گھر بھی ویران ہے۔ ہاں شیخ موصوف اپنی ذات سے زمانہ کی برکت ہیں اور دنیا میں غنیمت ہیں۔ میری ان سے جان پہچان بھی نہ تھی۔ جب سفر مکہ سے پھر کر اور قید کی مصیبت بھر کر آئے تو دیکھا تھا کہ نور کا ڈھیر ہے۔ اور فرشتہ مجسم ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

شیخ محمد غوث گوالیاری

شیخ ظہور اور حاجی حضور عرف حاجی حمید کے مرید تھے۔ سلسلہ ان کا شکار یہ تھا کہ سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی سے منسوب ہیں۔ کوہ چنار کے دامن اور جنگل میں ۱۲ برس تک بناسپتی کھا کر یاد الٰہی کرتے رہے۔ غار میں بیٹھے رہے اور سخت ریاضتیں کیں۔ غار مذکور مدتوں تک ریاضت ہائے شیخ کی نمائش گاہ کا ایک متبرک نمونہ تھا کہ ان کے خویش و اقارب سیاحوں اور مسافروں کو دکھایا کرتے تھے۔ تسخیر کواکب، دعوت اسما اور عمل و اعمال اور تصرفات ان کے تیر بہدف مشہور ہیں۔ یہ کمال اپنے بڑے بھائی شیخ پھول سے حاصل کئے تھے۔ قال اللہ اور قال الرسول کے ذکر سے بھی

Marfat.com

صحبت خالی نہ تھی۔ خاص وعام ہندوستان کے شیخ کے ساتھ دلی ارادت اور اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ایک وقت ایسا ہوتا تھا کہ بادشاہوں کو اپنی دنیا کے کاموں میں بھی ان کی طرف رجوع کرنی پڑتی تھی۔ گجرات، بنگالہ اور دہلی میں نامی مشائخ ان کے دامن وسیع کو پکڑے رہے۔ جبکہ بابر بادشاہ آگرہ تک پہنچ کر ملک گیری کر رہے تھے۔ اس وقت تاتارخاں والی گولیار کو اپنی اطراف کے بعض سرداروں کی طرف سے خطر معلوم ہوا۔ اس نے بابر کو عرضی بھیج کر اطاعت ظاہر کی۔ بابر نے خواجہ رحیم داد اور شیخ گھورن کو فوج دے کر بھیجا کہ قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ جب یہ فوج لیکر پہنچے تو تاتارخان اپنے قول سے پھر گیا۔ دونوں سردار حیران پڑے تھے۔ شیخ محمد غوث ان دنوں قلعے میں رہتے تھے۔ انہوں ❶ نے ایک بااقبال بادشاہ کی آمد آمد دیکھ کر اندر سے تدبیر بتائی۔ اس کے بموجب انہوں نے تاتارخاں کو کہلا بھیجا کہ ہم جو یہاں آئے تو فقط اس لئے کہ تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچائیں اور آئے تو تمہارے بلانے سے آئے۔ اب کف دست میدان میں پڑے ہیں کوئی پناہ نہیں۔ اور دشمن فوجیں لئے انہی حدود میں پھرتے ہیں۔ دن کو ان کے چھاپے کا ڈر ہے۔ رات کو شبخون کا خطر ہے۔ اتنی اجازت دو کہ ہم چند خدمت گاروں کے ساتھ رات کو قلعہ میں آجائیں۔ لشکر باہر رہے گا۔

سپاہی مزاج امیر:

تاتارخاں بچارا سپاہی مزاج امیر تھا۔ اس نے صاف دل سے اجازت دیدی۔ اور غضب یہ کیا کہ کچھ غفلت سے کچھ اپنے قلعہ اور سامان کے گھمنڈ سے بے پروا پڑا سویا کیا۔ سرداران مذکور نے راتوں رات اپنے بہت سے آدمی قلعہ میں پہنچا دیئے اور بہانہ یہ کیا کہ مزدور ہیں۔ ضروری اسباب اندر لے جاتے ہیں۔ دروازہ پر پہرہ دار شیخ کے مرید تھے۔ انہیں بھی مرشد کا حکم پہنچ چکا تھا۔ غرض تاتارخاں کو اس وقت خبر ہوئی کہ فوج بابری کی جماعت کثیر اندر پہنچ چکی تھی۔ اور کام ہاتھ سے نکل چکا تھا چاروناچار قلعہ حوالہ کرنا پڑا اور آپ دربار میں حاضر ہوا۔

مصاحبان روحانی:

ہمایوں کو شیخ محمد غوث اور ان کے بڑے بھائی شیخ پھول کی تسخیر کواکب اور دعوت واعمال کا ایسا اعتقاد تھا کہ کسی کا نہ تھا۔ مصاحبان روحانی میں شمار ہوتے تھے۔ اور شیخ خود بھی کبھی ہمایوں کے پیر بن کر کبھی مصاحب باعقیدت ہو کر فخر کیا کرتے تھے۔ اور بادشاہ نے خود بھی عمل اعمال سیکھے تھے۔ جب

❶ ملا صاحب اس خیال کے لکھتے وقت مہربانی کے دم میں تھے۔ فرماتے ہیں۔ ایں جماعت برہمنونی شیخ محمد غوث کہ یگانہ زمانہ دردعوت السماء نشانہ بود بہ تدبیر صائب درقلعہ درمی آیند۔

Marfat.com

ہمایوں بنگالہ میں تھا اور اس کی سلطنت بگڑی ہوئی تھی تو مرزا ہندال نے آگرہ میں آکر بادشاہی دعویٰ کر کے چاہا کہ تخت سلطنت پر جلوس کرے۔ ہمایوں نے شیخ پھول کو بھیجا کہ بزرگ شخص ہیں اور سب ان کا ادب کرتے ہیں۔ ان کی فہمائش سے اثر پذیر ہوگا۔ مرزا کو وہم یہ ہوا کہ ستاروں کی تاثیر سے شیخ پھول میرا چراغ گل کرنے آئے ہیں۔ افسوس کہ اس نے چار باغ میں کہ بابر نے آگرہ میں بنوایا تھا۔ شیخ پھول کو خون ہلاک سے گلگوں کیا۔ محمد بخش کو ان سے بہت اعتقاد تھا وہ لاش لے گیا اور قلعہ سانبا میں دفن کر کے مقبرہ بنایا۔ ادھر شیر شاہ شیخ محمد غوث کے درپے ہوا۔ یہ عیال و اطفال، مریدوں اور متعلقوں اور سارے کارخانوں کو لیکر احمد آباد گجرات میں چلے گئے۔ وہاں بھی بڑی عزت و عظمت سے رہے۔ مریدوں اور معتقدوں کی کیا کمی تھی۔ خلق خدا کو ہدایت کرنے لگے۔ شیخ علی متقی کہ وہاں کے مشائخ کبار اور علمائے بزرگوار و صاحب اقتدار میں تھے۔ انہوں نے شیخ کے قتل پر فتوے لکھے۔ وہاں میاں وحید الدین احمد آبادی ایک بزرگ تھے کہ وہ بھی ان کے ہم رتبہ تھے۔ بادشاہ نے ان کے پاس مہر کے لئے فتویٰ بھیجا۔ اتفاق سے میاں پہلے ہی شیخ سے مل چکے تھے۔ اور صورت دیکھتے ہی عاشق ہو گئے تھے۔ انہوں نے فتویٰ پھاڑ ڈالا۔ شیخ علی بے اختیار میاں کے گھر دوڑے آئے۔ اور کپڑے پھاڑ کر بولے آپ کیونکر پسند کرتے ہیں کہ بدعت پھیلے اور دین میں رخنہ پڑے۔ میاں نے کہا۔ ہم اہل قال ہیں اور شیخ اہل حال ہیں۔ ہمارا فہم ان کی باتوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض بھی ان پر نہیں آسکتا خاص و عام دکن کے میاں کے ساتھ دل سے اعتقاد رکھتے تھے۔ میاں کی اتنی بات سنتے ہی سب شیخ کے معتقد ہو گئے۔ اور یا تو جان پر نوبت پہنچی تھی یا امرا و حکام تک مرید و معتقد ہو گئے۔ فاضل بدایونی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگرچہ میاں اور گھرانے کے مرید تھے۔ مگر آداب طریقت شیخ محمد غوث سے پائی اور ناتمام کام کو انہیں سے تمام کیا۔

شیخ کی ہدایت و ارشاد:

گجرات دکن میں شیخ کی ہدایت و ارشاد کا بازار گرم تھا کہ اکبر کے اقبال نے جہان کو روشن کیا۔ فاضل موصوف لکھتے ہیں کہ یہ بھی اپنے مریدوں اور معتقدوں کے انبوہ کو لے کر چلے۔ اور بڑے کروفر سے آگرہ پہنچے۔ انواع و اقسام کے وسیلے بیچ میں لائے۔ اول اول پسند اور شوق کی خبریں دے کر مریدی کے جال میں بھی پھنسانا چاہا۔ شہنشاہ اعتقاد درست کے ساتھ جا کر ملے۔ اور اصل حال معلوم کر کے جلدی ہی اچاٹ ہو گئے۔ شیخ گدائی (شیخ جمالی دہلوی کنبو کے بیٹے) اس وقت صدر الصدور تھے۔ اور دکان خوب جمی ہوئی تھی۔ انہیں یک چشمی اور نفاق اور حسد کے سبب سے گوارا نہ ہوا کہ اور

Marfat.com

دکان ان سے اونچی چنی جائے۔ حسد اور نفاق ائمہ ہندوستان کا لازمہ ہے۔ بیرم خاں خان خاناں کا دور تھا۔ حضرت شیخ گدائی نے اس کے مزاج میں خوب تصرف کر رکھا تھا۔ اس نے اپنی خلاف عادت وہ کیا جو کہ اسے نہ چاہئے تھا یعنی شیخ سے شیخ کے لائق مروت نہ کی۔ کئی دفعہ علماء و مشائخ کے جلسے کیے۔ شیخ بھی اس میں موجود تھے۔

رسالہ معارجیہ:

انہیں جلسوں میں شیخ کا رسالہ معارجیہ سامنے ڈالا۔ اس میں انہوں نے اپنے معراج کا حال لکھا تھا کہ جاگتے ہوئے خدا سے آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں ہوئیں۔ اور آں حضرت سے میرا درجہ اوپر رہا۔ ایسے ایسے اور بھی خرافات بہت سے تھے۔ کہ عقلاً اور نقلاً قابل ملامت ہیں۔ ان باتوں پر پیچ کو سامنے رکھ کر تیر ملامت کا نشانہ بنالیا۔ شیخ اپنے دل آزردہ کو لے کر گوالیار چلے گئے۔ اور ایک کروڑ دام کی جاگیر پر قناعت کر کے بیٹھ رہے۔ واہ! سادھو لوگ ہیں۔ گڑ نہ ملا۔ پیڑے ہی کھائے۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خان خاناں کی بربادی ہماری ہی کرامات سے ہیں۔ جن دنوں آگرہ میں علوم رسمی پڑھتا تھا۔ شیخ اسی دھوم اور شکوہ مالا کلام کے ساتھ فقر کے لباس میں پہنچے کہ زمین و آسمان میں غلغلہ مچ گیا۔ ایک دن دور سے دیکھا۔ آگرہ کے بازار میں سامنے سے سوار چلے آتے تھے۔ خلقت انبوہ در انبوہ تھی کہ چاروں طرف گھیرے تھی اور وہ فرط تواضع سے ان کے جواب سلام کے لئے ہر طرف اس طرح دمبدم جھکتے تھے کہ خانہ زین میں سیدھے نہ ہو سکتے تھے۔ اک دم سر کو آرام نہ تھا۔ اور پیٹ کا خم دمبدم زین کے ہرنے تک پہنچتا تھا۔ ۸۰ برس کی عمر تھی مگر عجب طراوت اور روشنی چہرہ پر تھی۔ جی چاہا کہ جا کر ملازمت حاصل کروں۔ مگر سنا کہ ہندوؤں کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس ہوس سے دل اکھڑ گیا۔ اور محروم رہا۔ خیر اب یہ کہو کہ گویا شیخ گدائی کی بدولت گوالیار گئے۔ وہاں ایک خانقاہ تعمیر کی، سماع اور سرود اور وجد کا شغل رہتا تھا۔ اور خود بھی معرفت کے گیت بناتے اور گواتے تھے۔

مصنف کتاب ہذا کے بقول:

ملا صاحب کے علاوہ اور اہل تاریخ بھی ان کی باتیں کچھ ظرافت، کچھ کراہت سے لکھتے ہیں۔ چنانچہ معتمد خاں اقبالنامہ میں لکھتے ہیں۔ ۹۶۶ھ میں کہ ابھی اکبر کو سلطنت سے تعلق نہ تھا۔ شکار کھیلتے گوالیار کی طرف جا نکلے۔ گجرات میں گائے بیل بہت خوب ہوتے ہیں۔ اثنائے شکار میں، پلنگ بانوں اور آہو بانوں نے کہا کہ شیخ انہی دنوں میں گجرات سے آئے ہیں۔ ان کے قافلہ میں بہت

Marfat.com

اچھے اچھے بیل ہیں اور شکار میں کار آمد ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ سوداگروں کو بلواؤ۔ کوئی بول اٹھا کہ شیخ اور ان کے بھائی بند خود بھی لائے ہیں۔ سوداگروں کے پاس ویسے نہیں ہیں۔ گوالیار کا قلعہ بہت مشہور تھا۔ ایک دن بادشاہ شکار کو اٹھے تو قلعہ دیکھا اور پھرتے ہوئے شیخ موصوف کے گھر چلے گئے۔ انہوں نے جس طرح کے تحفے کہ پیران اہل طریقت دیا کرتے ہیں۔ پیش کیے۔ مثلاً دو تین تسبیحیں۔ ایک کنگھا، کوئی سوکھا روٹی کا ٹکڑا، ہلا سدانی۔ ایک پرانی ٹوپی، عصا وغیرہ۔ اور چونکہ انہیں بھی پتہ لگ گیا تھا۔ اس لئے تحائف گجرات ودکن کے ساتھ عمدہ عمدہ گائیں اور بیل بھی نذر کیے۔ دستر خوان بھی چنا۔ مٹھائیاں کھلائیں۔ عطر لگائے۔ خاتمہ صحبت میں کہا کہ آپ کسی کے مرید ہوئے ہیں؟ اکبر نے کہا۔ نہیں۔ ان کے آگے ۱۶ برس کے لڑکے کا پھسلانا کتنی بات تھی۔ خود بڑھ کر دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اکبر مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ واہ۔ بیل دیئے اور مہمان کو مریدی کی رسی میں باندھ لیا۔ اکبر مصاحبوں میں بیٹھتا تو اکثر کہا کرتا۔ یاد رہے؟ وہ شیخ کے ہاں سے آکر شراب کا جلسہ، شیخ کی دراز دستی اور ہمارا بیلوں کا لینا۔ کیا ہنسی رہی ہے۔ ان تحفوں کی قیمت بھی نہ دی۔ خیر کوئی کچھ کہے۔ شیخ نے خان خاناں کے خطر کے لئے قلعہ خاصہ باندھ لیا۔

(ان کے خاتمہ احوال میں ملا صاحب لکھتے ہیں) کہ لباس فقر میں بڑے جاہ وجلال سے بسر کرتے تھے اور جس کو دیکھتے تھے۔ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مسلمان وغیر مسلمان کی خصوصیت نہ تھی۔ اس سبب سے بعض اہل فقر انکار بلکہ ملامت بھی کرتے ہیں۔ اصل حال اللہ جانتا ہے۔ خدا جانے ان کی نیت کیا تھی۔

چوں رد وقبول ہمہ در پردہ غیب زنہار کسی را نہ کہنی عیب کہ عیب ست

وفات:

۹۷۰ھ میں ۸۰ برس کی عمر میں آگرہ میں مرے اور گوالیار میں دفن ہوئے۔ ملا عطائی معمائی نے کہ معتقد مریدوں میں تھا۔ تاریخ کہی۔ بندہ خدا شد۔ بڑے سخی تھے۔ اپنے لئے کبھی میں نہ کہتے تھے۔ ہمیشہ فقیر کہہ کر تعبیر کرتے تھے۔ کسی کو اناج دلواتے تو اس میں بھی من رکھتے تھے کہ اتنے م۔ ن۔ اس شخص کو دیدو۔

جواہر خمسہ:

ایک رسالہ اعمال اور دعوت اسماء میں لکھا ہے۔ کہ فقرائے صوفیہ اور عالموں کے لئے دستور العمل چلا آتا ہے۔ اور ان کی زبانوں پر ان کا نام شیخ محمد غوث گوالیاری مشہور ہے۔ شیخ ضیاء اللہ ان

Marfat.com

کے فرزند سجادہ نشین رہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی تنگدستی کا حال جمال خاں قورچی نے اکبر سے بیان کیا۔ اور اس کے دل پر اثر ہوا اور انہیں بلا کر مکان چار ایوان میں جگہ دی۔ دیکھو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب ان سے بہت خفا ہیں۔ چنانچہ سلسلہ فقرا میں فرماتے ہیں۔

شیخ ضیاء اللہ

آج کل تصوف کا چرچا جو وہ رکھتے ہیں کہیں نہیں۔ کبھی ان کی مجلس بے کلام معرفت نہیں ہے۔ اور مراتب توحید کے سوا اور کچھ گفتگو نہیں ہے۔ ظاہر تو یہ ہے۔ باطن کی کسی کو خبر نہیں کہ ارادہ کیا ہے۔ ابتدائے حال میں جب اطراف ہندوستان میں ان کا شہرہ ہوا۔ میں نے بھی سنا کہ شیخ فقر و ارشاد کی مسند پر باپ کے قائم مقام ہوئے ہیں اور اکثر فضیلتوں میں ان پر فائق ہیں۔ چنانچہ حافظ قرآن ہیں اور ساتھ اس کے اس طرح تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اصلاً کتاب کی حاجب نہیں ہوتی۔ ۹۷۰ھ میں سہوان پے پھرتے ہوئے آگرہ میں میرا گزر ہوا۔ میں نے کسی کو ساتھ بھی نہ لیا کہ ملاقات کروائے۔ وہی نامرادانہ اور بے تکلفانہ وضع کہ میری قدیمی عادت ہے۔ اور حقیقت میں مشائخ وفقرا کے پاس اسباب دنیا کے ساتھ جانے سے مطلب میں بھی خلل آتا ہے۔ غرض میں نے جاتے ہی کہا سلام علیکم اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔

غالباً شیخ کو ان تعظیموں کی عادت تھی جو شیخ زادوں کو پسند ہوتی ہیں۔ اس طرح ملنے سے خوش نہ ہوئے اہل مجلس نے پوچھا کہاں سے آتے ہو۔ میں نے کہا سہوان سے۔ پوچھا علوم سے بھی کچھ تحصیل کیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہر علم میں کچھ کچھ رسائل لکھے پڑے تھے۔ چونکہ سہوان چھوٹا سا قصبہ ہے۔ قلیچ خاں چوگان بیگی وہاں کا جاگیردار ہے۔ وہ ان کے والد کا مرید ہے۔ میں ان کی نظر میں جچا نہیں۔ کچھ طنز کچھ تمسخر کر کے ایک مسخرہ کو اشارہ کیا کہ مجھے بنائے اور گھبرائے۔ وہ دفعتاً منہ بنا کر بولا کہ عطر کی بو آتی ہے۔ اور میری طبیعت بگڑی ہے۔ سب صاحب ہوشیار ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو مجھ سے کچھ تکلیف پہنچے۔ یہ کہتے ہی کف اس کے منہ سے جاری ہوا۔

صوفی نما مصاحبوں میں سے:

ان کے صوفی نما مصاحبوں میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ عطر تم ملے ہو۔ میں سمجھ گیا تھا۔ مگر عمداً پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ وہ بولا کہ اس شخص کو کبھی کتے نے کاٹا ہوا ہے۔ جب اس کے داغ

Marfat.com

میں خوشبو پہنچتی ہے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ کف لاتا ہے بھونکتا ہے اور لوگوں کو کاٹنے دوڑتا ہے۔ تم بھی ہوشیار ہو جاؤ۔ اور سب ادھر ادھر ہو گئے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ ع

سگ دیوانہ را دروکلوخ است

سب حیران رہ گئے۔ میں نے کہا تعجب یہ ہے کہ کلوخ ایک بوٹی کا بھی نام ہے کہ ہڑکائے کتے کی دوا ہے یہ سن کر شیخ کڑوائے۔

جب دیکھا کہ یہ مکر کارگر نہ ہوا تو کہا آؤ قال اللہ ۔ اور قال الرسول ۔ میں مشغول ہوں۔ قرآن شریف کھولا اور سورہ بقر میں سے ایک آیت پڑھ کر جو چاہا سو کہنا شروع کیا۔ رنگا رنگ کی بولیاں بولتے تھے۔ اور جو واہیات لکتے تھے۔ کوڑمغز مرید امنا و صدقنا۔ کہتے تھے۔ میں تو دل میں بھرا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ شیخ جو معنی فرماتے ہیں کسی تفسیر میں بھی ہونگے؟ فرمایا کہ میں تاویل واشارت کہتا ہوں۔ یہ رستہ وسیع ہے۔ سند کی حاجت نہیں۔ اور یہ کچھ میری ہی خصوصیت نہیں ہے۔ اوروں نے بھی ایسا کیا ہے۔ میں نے کہا۔ اس صورت میں یہ معنی حقیقت ہیں یا مجاز ہیں؟ کہا مجاز۔ میں نے کہا۔ دونوں معنوں میں علاقہ بیان فرمائے۔ اور ساتھ ہی بحث کو علم معانی میں لے گیا۔ کچھ درہم برہم باتیں کرتے تھے اور تڑپتے تھے۔ جب میں نے دبایا تو بے مزہ ہو گئے۔ قرآن رکھ دیا اور کہا میں نے علم جدل نہیں پڑھا۔ میں نے کہا کہ تم معانی قرآن وہ کہتے ہو کہ نقل اس کی تائید نہیں کرتی۔ پھر جو رابطہ حقیقۃ ومجاز میں ہے۔ کیونکر نہ پوچھا جائے۔ اس گفتگو نے طول پکڑا۔ بات کو پھیر کر میرے حال احوال پوچھنے لگے۔ انہی دنوں میں نے ایک شرح قصیدہ بردہ پر لکھی تھی اور اس کے مطلع کی شرح میں اکثر نکتے بیان کئے تھے وہ سنائے۔ بہت تعریف کی۔ اور آپ بھی کچھ لطائف بیان کئے۔ وہ صحبت اسی رنگ سے گزری۔ مدت کے بعد میں بادشاہی ملازمت میں پہنچا۔ شیخ کے ساتھ زمانہ نے بے وفائی کی اور نوبت یہ پہنچی کہ جلال خاں قورچی کی سفارش پر انہیں بادشاہ نے بلا بھیجا۔ عبادتخانہ میں رکھا۔ اکیلے تھے اور نہایت شگفتگی کے عالم میں جمعہ کا دن تھا۔ بادشاہ دو تین آدمیوں کو ساتھ لے کر خود تشریف لے گئے۔ یہ پہلی ہی ملاقات تھی۔ مرزا غیاث الدین علی آخوند اور مرزا غیاث الدین علی آصف خاں کو اشارہ کر دیا تھا۔ کہ تصوف کے مطالب میں ذرا کریدنا۔ دیکھیں تو کیا ٹپکتا ہے۔ آصف خاں نے لوائح کی یہ رباعی پڑھی ۔

گر در دل تو گل گزرد گل باشی ۔۔۔ در بلبل بے قرار۔ بلبل باشی
تو جزوی واو کل است اگر روزے چند ۔۔۔ اندیشہ کل پیشہ کنی۔ کل باشی

Marfat.com

ذات پاک جزو کل سے پاک:

اور پوچھا کہ ذات پاک جزو کل سے پاک ہے۔ اسے کل کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ شیخ بہت شکستیں کھا کر آئے تھے۔ گھمنڈ غرور سب ٹوٹ چکے تھے۔ مصیبتیں بہت اٹھائی تھیں۔ شرمندہ صورت تھے۔ آہستہ آہستہ چند بے ربط باتیں ملائیں کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ آخر میں نے جرات کر کے کہا کہ مولوی جامی نے ظاہر میں جزو اور کل اطلاق کیا ہے۔ اور ایک اور رباعی میں کہا ہے ۔

ایں عشق کہ ہست جزو لاینفک ما　　حاشا کہ بہ عقل ما شود مدرک ما
خوش آنکہ دہد پرتوے از نور یقین　　مارا برہاند از ظلام وشک ما

ذات پاک پر کلیت اور جزئیت کا اطلاق:

اس میں بھی ذات پاک پر کلیت اور جزئیت کا اطلاق مطلوب نہیں ہے۔ جزو کل جو کچھ ہے سب وہی ہے۔ غیر کا کچھ وجود ہی نہیں ہے۔ مشکل یہ ہے زبانوں کے الفاظ وعبارات اصل مدعا کو ادا نہیں کر سکتے۔ ناچار انہیں لفظوں میں بولتے ہیں۔ اور کبھی جزو کہتے ہیں۔ کبھی کل کہتے ہیں۔ چند تقریریں وحدت وجود کی ان دنوں مجھے خوب رواں ہو رہی تھیں۔ شیخ کی تائید میں خرچ کیں۔ حضور بھی خوش ہوئے اور شیخ بھی خوش ہو گئے۔

میں فتح پور میں خواجہ جہاں کے محلہ میں رہتا تھا۔ شیخ کے علائی بھائی شیخ اسماعیل میرے ہمسایہ میں رہتے تھے۔ اور اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ ان سے میں نے پہلی ملاقات کا حال بھی بیان کیا تھا۔ ایک شب مجھے شیخ ضیاء اللہ کی ملاقات کو لے گئے۔ اور اس جلسہ کا ذکر بھی کیا۔ شیخ حیران رہ گئے اور کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ ایسا ہوا ہو۔ فاضل بدایونی ۱۰۰۰ھ میں کہتے ہیں کہ باوجودیکہ ایک گوشہ دکانداری کا بھی سنبھالا ہوا تھا مگر آگرہ میں باپ کی طرح اہل جاہ کے لباس میں۔ یا یہ کہو کہ عیش وفراغت میں مشغول ہیں۔ اور اپنی وضع پر قائم ہیں۔ اور ان کی بھولی بھولی باتیں عام فریب اکثر مشہور ہیں۔ کہ یہاں گنجائش ان کی تحریر کی نہیں۔ میر ابو الغیث بخاری رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ لباس درویشانہ اور مجلس فقیرانہ رکھتا ہے۔ تصوف کی باتیں کرتا ہے۔ ہم ان باتوں کے غلام ہیں۔ وہ جو ہو سو ہو۔ جس سال خان زمان کی فتح ہوئی۔ لشکر کے ساتھ شیخ ضیاء اللہ بھی تھے۔ امیٹھ میں سے گزرے۔ حضرت میاں شیخ نظام الدین قدس سرہ سے جا کر ملے وہ ایک آیت کی تفسیر کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنا خبث ظاہر کر کے کہا کہ اس آیت میں تناقض ہے۔ میاں کا مزاج برہم ہو گیا۔ بگڑ کر بولے۔ سبحان اللہ باپ وہاں غوطے کھا رہا ہے۔ اور کسی کامل کی شفاعت کا محتاج ہے۔ بیٹا یہاں کلام الٰہی میں تناقض ثابت کرتا

Marfat.com

ہے۔

شیخ ابوالفضل سے دوستانہ راہ و رسم:

شیخ ابوالفضل کی ان سے دوستانہ راہ و رسم تھی۔ انشا میں بھی کئی خط ان کے نام ہیں۔ اکبر نامہ میں لکھتے ہیں۔ شیخ ضیاء اللہ ولد شیخ محمد غوث گوالیاری نے ۱۰۰۵ھ میں دنیا کو الوداع کہا۔ تھوڑا سا نقد دانش جمع کیا تھا۔ صوفیوں کی گفتار دلاویز سے آشنا تھے۔ اور نکتہ شناس آدمی تھے۔ آد ہر شخص قیاس کر سکتا ہے کہ دونوں بھائی جہاں تک ممکن ہوتا تھا ہر شخص کو ہاتھ اور زبان سے نیکی پہنچاتے تھے۔ اور کسی کی برائی سے قلم کو آلودہ نہ کرتے تھے۔ اور ایسی بات ہوتی تو ملھم کہہ جاتے تھے۔ خوبی کو جس قدر پاتے تھے۔ ظاہر کرتے تھے۔

شیخ علائی

صوبہ بنگالہ میں شیخ حسن اور شیخ نصر اللہ دو بھائی ایک نامی خانوادہ مشائخ سے تھے۔ چھوٹا بھائی بڑا عالم تھا۔ دونوں وطن چھوڑ کر حج کو گئے اور ۹۳۵ھ میں وہاں سے آ کر شہر بیانہ میں سکونت اختیار کی۔ خوش اعتقادوں نے ان صاحبداوں کے آنے کو غنیمت سمجھا۔ اور اہل طبع نے جاء نصر اللہ والفتح۔ تاریخ کہی۔ بڑا بھائی طریقت میں ہدایت وارشاد کے مسند پر بیٹھا تھا۔ اور شریعت میں اجتہاد کا علم قائم کرتا تھا۔ اس کا بیٹا شیخ علائی سب بچوں میں رشید اور ہونہار تھا۔ بچپن سے اصلاح وتقویٰ [illegible] کی عبارتیں اس کے قیافہ میں پڑھی جاتی تھیں۔ چند ہی روز میں باپ کے فیضان صحبت سے علوم عقلی ونقلی اور اخلاق وسلوک کی تحصیل سے فارغ ہو گیا۔ اور مطالعہ کے ساتھ جودت طبع اور تیزی فکر سے اسے زیادہ قوت دی۔ باپ کے بعد سجادہ نشین ہوا۔ اس سے سخت ریاضتیں اٹھائیں اور تہذیب وشائستگی کے ساتھ درس وتدریس اور اہل طبیعت کی ہدایت میں مصروف ہوا مگر طبیعت ایسی تیز واقع ہوئی تھی کہ ناموافق بات کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ ایک دفعہ عید کا دن تھا۔ ایک نامی شیخ کو کہ صاحب خانوادہ اور خانقاہ وسجادہ کا مالک تھا کسی بات پر روک لیا۔ سواری میں سے اتروا دیا۔ اور ایسا شرمندہ کیا کہ اس بیچارے کو جواب تک نہ بن آیا۔ غرض ایسی ایسی باتوں سے شیخ اور شیخ زادگی کا نقارہ تن تنہا بجاتا اور کسی کو دم نہ مارنے دیتا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگ کہ اکثر بھائی بند اور اکثر عمر اور درجہ میں اس سے بھی بلند تھے۔ سب جانتے تھے بلکہ اس کے کام اور نام سے آپ فخر کرتے

Marfat.com

تھے۔

میاں عبداللہ افغان نیازی:

اسی عہد میں میاں عبداللہ افغان نیازی مکہ سے پھر کر آئے تو ان کا اعتقاد اور مہدوی طریقہ لے کر آئے۔ بیانہ میں ایک باغ میں کنارہ حوض پر حجرہ ڈالا اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گئے۔ پانی بھر بھر کر اپنے سر پر لاتے اور حوض میں بھرتے۔ مختلف پیشہ ور، سقے، لکڑہارے۔ جو ادھر سے گزرتے انہیں بلا لیتے۔ اور سب کو جماعت سے نماز پڑھاتے۔ کسی کامی آدمی کو رزق کے فکر میں نماز پر مائل نہ دیکھتے تو دو چار پیسے اپنے پاس سے دیتے کہ غریب مسلمان ثواب جماعت سے محروم نہ رہے۔ شیخ علائی نے جو انہیں دیکھا تو انہیں یہ وضع بہت پسند آئی۔ اور اپنے رفیقوں اور اصحابوں سے کہا کہ حقیقت میں خدا کی راہ یہ ہے۔ جو ہم کر رہے ہیں یہ نفس پرستی اور آدم پرستی ہے۔ دفعتاً آباؤ اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا۔ مشیخت کی مسند الٹ دی۔ پیری و پیرزادگی کو رخصت کر کے خاکساری و نامرادی۔ فروتنی اور خواری اختیار کی۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کو کبھی پہلے آزردہ کیا۔ نہایت عجز و انکسار سے ان کی جوتیاں اٹھا اٹھا کر سامنے رکھیں۔ خانقاہ اور جاگیر اور لنگر بزرگوں سے جاری چلا آتا تھا سب موقوف کر دیا اور تمام اسباب غربا و مساکین کو بانٹ دیا۔ یہاں تک کہ کتابیں بھی فقرا اور غربا کو دے دیں۔ لوگوں نے بھی سبرک سمجھ کر ان کی چیزیں لیں۔ اور گھروں میں رکھیں۔ بی بی سے کہا کہ اپنا تو یہی حال ہے تم سے فقر و فاقہ پر صبر ہو سکے تو میرے ساتھ رہو۔ بسم اللہ۔ نہیں تو اس مال سے اپنا حق لے لو۔ پھر تم جانو تمہارا کام جانے۔ بی بی راہ حق میں ان سے بھی زیادہ ثابت قدم تھیں۔ وہ ساتھ ہوئیں اور میاں عبداللہ کے سایہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ بزرگوں نے معمولی طریقے ترک کئے اور نئے پیر کی برکت انفاس سے فیض پا کر مہدوی طریقے کے بموجب اشغال و عبادت اختیار کئے۔

توکل اللہ:

ان کی زبان میں خدا نے وہ اثر دیا تھا کہ دوست احباب مرید اصحاب ان سے محبت یا اعتقاد رکھتے تھے۔ وہ بھی ساتھ ہی رجوع ہو گئے۔ بعضے خانہ دار تھے۔ بعضے بے تعلق تھے۔ سب نے صدق دل سے ساتھ دیا اور توکل کے ٹیکے سے کمر باندھی۔ نہ زراعت نہ تجارت، نہ پیشہ نہ نوکری سب خدا کے توکل پر تھے۔ جو کچھ خدا بھیجتا تھا برابر بٹ جاتا تھا۔ ایک ایک ان میں ایسا ثابت قدم تھا کہ بھوک سے مر جاتا مگر عقیدہ سے بال بھر نہ ہٹتا تھا۔ کوئی شخص کام یا کچھ نوکری کر لیتا تھا تو وہ یکی خدا کے راہ میں دیتا تھا۔ روز ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد۔ اور ایک دفعہ عصر کے بعد سب چھوٹے بڑے دائرہ

Marfat.com

میں آ کر حاضر ہوتے تھے۔ اور قرآن کی تفسیر سنتے تھے۔ وہ پُراثر کلام جس میں فصاحت کا زور اور خدا کے نام کا پشتیبان لگا تھا۔ ایسے گرم دلوں سے نکلتا تھا کہ فقط مٹھی سے روپیہ اور گھروں سے مال و دولت ہی کو نہ کھینچتا تھا۔ بلکہ آنکھوں سے آنسو اور دلوں سے آہوں کا دھواں بھی نکال لیتا تھا۔ صرف ایک دفعہ سنا شرط تھا پھر ہر شخص اہل و عیال کو چھوڑتا دنیا سے ہاتھ دھوتا اور انہی میں آن شامل ہوتا۔ مزے سے لیکر فاقے کرتا۔ اور دنیا کی لذتوں کا نام نہ لیتا۔ کچھ بھی نہ ہوتا تو ممنوعات سے توبہ تو ضرور کر لیتا تھا۔ ان لوگوں کے توکل کا یہ حال تھا کہ رات کو کھانا بچ رہتا تو وہ بھی نہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ نمک بھی باقی نہ چھوڑتے تھے۔ پانی تک بھی پھینک دیتے تھے۔ اور باسنوں کو اوندھا کر رکھ دیتے تھے کہ صبح کا اللہ مالک ہے۔ ان کے ہاں روز نو روز تھا۔ اس پر زندہ دلی اور خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ جب تک کسی کو اصل حال کی خبر نہ ہو۔ تب تک ہرگز نہ معلوم کر سکتا تھا کہ اندر ان پر کیا گزر رہی ہے۔ یہی جانتا تھا کہ بالکل حالت فارغ البالی میں ہیں۔

دائرہ مہدویت میں داخلہ:

ان باتوں کے ساتھ آٹھ پہر سب مسلح رہتے تھے اور دشمنوں کی طرف سے ہوشیار، کوچہ و بازار میں کوئی نامشروع بات دیکھتے تو جھٹ روک دیتے حاکم کی ذرا پروانہ کرتے تھے۔ اور اکثر غالب ہی رہتے تھے۔ جو حاکم ان کے رنگ پر ہوتا اس کی مدد کو جان حاضر تھی اور لشکر کو تو مقابلہ کی طاقت ہی نہ تھی۔ غرض تقدیر کی تاثیر نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو، بیوی خاوند کو چھوڑ کر الگ ہو گئے اور ہزاروں آدمی فقر و فاقہ کی خاک کو تبرک سمجھ کر دائرہ مہدویت میں داخل ہو گئے۔

میاں عبداللہ ان کے پیر عاقبت اندیش بزرگ تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ شیخ علائی کی تیزی طبع اور زور کلام نے خاص و عام میں دھوم مچا دی۔ اور اپنے اوقات خاص میں بھی خلل آنے لگا تو خلوت میں سمجھایا کہ زمانے کا مزاج ان ہدایتوں کی سہار نہیں رکھتا۔ کلمہ حق لوگوں کی زبان پر کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ یا تو یہ باتیں چھوڑ دو یا حج کو چلے جاؤ۔

آنکس کہ ز غوغا زہد وائے برد | بر خلق جہاں دل ندہد وائے برد
در دست فقیر نیست نقدی جز وقت | آں نیز گر از دست دہد وائے برد

حج پر روانگی:

آخر ۶ یا ۷ سو گھر کے قریب جمعیت لے کر جس حال میں تھے اسی طرح دکن کے رستہ حج کو چلے۔ مشہور شہروں میں جہاں جہاں گزر ہوا غل مچ گیا۔ علما و فضلا سے لے کر عوام تک صدہا آدمی

Marfat.com

گرویدہ ہو گئے جودھپور کے پاس خواصپور میں شیر شاہ کا غلام خواص خان اس سرحد کا حاکم تھا استقبال کو آیا اور پہلی صحبت میں معتقد ہو کر دائرہ میں داخل ہوا۔ ان کے ہاں ہر شب جمعہ کو جلسہ اور حال وقال کی محفل ہوتی تھی۔ شیخ راگ کے نام کے دشمن۔ وہ احکام شریعت کا بہت پابند نہ تھا۔ اور شیخ اس معاملہ میں جبر کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ غرض صحبت موافق نہ آئی وہ سپاہیوں کے حقوق رکھ لیا کرتا تھا۔ اس پر بھی شیخ نے روکا۔ آخر وہاں سے ناراض ہو کر نکلنا پڑا۔ رستہ میں بعض اور ایسے موانع پیش آئے کہ حج کو نہ گئے اور پھر کر بیانہ میں چلے آئے۔

اب ہندوستان میں سلیم شاہ تخت نشین ہو گیا تھا۔ اور اس موقع پر آگرہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ شیخ کے علم وفضل اور تاثیر کلام کا نام تو سنتا ہی تھا۔ اور روز خبریں پہنچتی تھیں۔ کہ اس کا کاروبار ترقی کر رہا ہے۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری نے کان بھرنے شروع کئے کہ یہ شخص صاحب عزم ہے۔ اگر بغاوت کر بیٹھا تو تدارک مشکل ہوگا۔ سلیم شاہ نے کچھ سوچ کر بلا بھیجا۔ وہ اپنے اصحابوں سمیت آگرہ میں پہنچا۔ سب بکتر پوش تھے۔ اور ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ سلیم شاہ نے سید رفیع الدین محدث اور ابو الفتح تھانیسری وغیرہ علمائے آگرہ کو بھی دربار میں بلایا۔ جب شیخ علائی دربار میں آیا۔ تو آداب ورسوم کا ذرا خیال نہ کیا۔ سنت پیغمبر کے بموجب جب عموماً اہل مجلس سے سلام علیکم کی۔ سلیم شاہ نے دل میں برا مانا مگر جواب سلام دیا۔ مصاحبان شاہی کو بھی یہ بات ناگوار ہوئی۔ اور مخدوم الملک نے اسی وقت جھک کر کان میں پھونکی آپ نے دیکھ لیا۔ مہدویت کا نام درمیان ہے۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مہدی بادشاہ روئے زمین ہوگا یہ بغاوت کئے بغیر نہیں رہے گا۔ بادشاہ وقت کو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ عیسیٰ خاں دربار شاہی کا ناظم بہت منہ چڑھا تھا۔ اس نے اور امرائے دربار نے جو شیخ کو اور اس کے اصحابوں کو دیکھا کہ پھٹے کپڑے ہیں، ٹوٹی جوتیاں ہیں۔ نامرادوں اور خاکساروں کی وضع ہے۔ تو بادشاہ سے کہا کہ اس حال اور اس وضع سے یہ شخص چاہتا ہے کہ ہم سے سلطنت چھین لے۔ کیا ہم افغان سب مر گئے؟

شیخ علائی کی تقریر:

ابھی علماء کا جلسہ جمع نہ ہوا تھا کہ شیخ علائی نے تقریر شروع کی۔ چند آیات قرآنی کی تفسیر کی۔ ساتھ ہی دنیا کی بے بنیادی اور دولت دنیا کی بے حقیقتی۔ اہل دنیا کا اس پر گرویدہ ہونا، علمائے زمانہ کی بدحالی، قیامت کی حالت اور اس پر افسوس اور اہل غفلت کی ملامت غرض ان مطالب کو ایسی فصاحت وبلاغت سے ادا کیا کہ تمام اہل دربار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور در ودیوار پر حیرت

Marfat.com

برسنے لگی۔ دربار میں سناٹا ہو رہا تھا۔ اور لوگوں کے حیرت ناک چہرے کہہ رہے تھے کہ اللہ اکبر ایک زبان کی طاقت نے سلطنت بھر کے زور کو دبا لیا۔ باوجود اس سنگی کے خود سلیم شاہ آبدیدہ ہو گیا۔ دربار سے اٹھ کر محل میں چلا گیا اور اپنے خاصہ میں سے کھانا بھیجا۔ شیخ نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ اصحابوں سے کہا کہ جس کا جی چاہے کھا لے۔ بادشاہ آیا تو پھر تعظیم نہ کی۔ اس نے پوچھا کہ کھانا کیوں نہیں کھایا۔ اس نے کہا کہ تمہارا کھانا مسلمانوں کا حق ہے۔ جو کہ اپنے حق سے زیادہ حکم شرع کے برخلاف تم نے لیا ہے۔ سلیم شاہ کو غصہ تو آیا مگر پی گیا۔ اور کہا کہ اچھا علما سے اپنے مسائل میں گفتگو کرو۔

جلسہ کی تاریخ قرار پائی۔ دربار اور شہر کے عالم سب جمع ہوئے۔ شیخ مبارک بھی بلائے گئے۔ تقریریں شروع ہوئیں۔ آپس میں سب قیل وقال کرتے تھے۔ اس سے کوئی خطاب کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ سید رفیع الدین نے مہدویت کے باب میں ایک حدیث پر گفتگو شروع کی۔ شیخ علائی نے کہا کہ تم شافعی، ہم حنفی۔ تمہارے اصول حدیث اور ہمارے اور۔ تمہاری دلیلیں مجھ پر کب حجت ہو سکتی ہیں؟ وہ بیچارے چپ ہو رہے۔ غرض جو کوئی بولتا اسے باتوں باتوں میں اڑا دیتا۔ اور مخدوم الملک کو تو بات نہ کرنے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو دنیا کا عالم ہے، دین کا چور ہے۔ ایک نہیں بہت سی نامشروع باتیں ہیں کہ کھلم کھلا کرتا ہے۔ آج تک راگ رنگ کی آواز لوگ تیرے گھر سے سنتے ہیں۔ احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو عالم سلاطین اور دربار امرا کو اپنا قبلہ بنائے بیٹھے ہیں اور دربدر پھرتے ہیں ان سے وہ مکھی جو نجاست پر بیٹھے بدرجہا بہتر ہے۔

علم کز بہر کاخ و باغ بود　　　　ہمچو شب روز را چراغ بود

غرض علمائے بےعمل کی ایسی خاک اڑا رہا تھا۔ اور بات بات پر برمحل سندیں آیتوں اور روایتوں سے پیش کرتا تھا کہ مخدوم الملک دم نہ مار سکتا تھا۔

تیز طبع اولوالعزم لوگوں کا قاعدہ:

یہ جلسے کئی دن تک رہے۔ تیز طبع اولوالعزم لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب ایک صاحب جوہر کو بے انصافی کے پہاڑ تلے دبتا دیکھتے ہیں تو ہمدردی خواہ مخواہ اس کی رفاقت پر کھڑا کر دیتی ہے۔ چنانچہ شیخ مبارک کئی مسائل میں کہیں اشارہ کنایہ سے۔ کہیں ہاں میں ہاں ملانے سے رفاقت کا حق ادا کرتے تھے۔ ایک عالم کا نام ملا جلال تھا۔ انہوں نے کچھ تقریر شروع کی۔ اور امام مہدی کے حلیہ میں سے چند الفاظ پڑھے۔ اس میں ان کی زبان سے نکلا اجل الجبھہ۔ شیخ مبارک نے سامنے سے اشارہ کیا۔ شیخ علائی مسکرایا اور کہا۔ سبحان اللہ لوگوں میں اعلم العلماء بنتے ہیں اور عبارت صحیح پڑھنی نہیں آتی۔

Marfat.com

بھلا تم کنایات اور اشارات قرآن اور لطائف و دقائق احادیث کو کیا سمجھو گے۔ صاحب یہ اجلی الجبہہ فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ اور جلاء سے مشتق ہے نہ جلال سے کہ تمہارا نام ہے۔ وہ بیچارہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہا۔

سلیم شاہ اس کی تقریر کا عاشق:

سلیم شاہ اس کی تقریر کا عاشق ہو گیا۔ بار بار کہتا تھا کہ قرآن کی تفسیر کہا کرو۔ شیخ اب تک تم نے بدعت کی زور سے لوگوں کو تاکید کی۔ اب میرے حکم کی زور سے ہدایت کرو۔ مگر اس عقیدہ سے باز آؤ علما نے تمہارے قتل پر فتویٰ دیا ہے۔ میں لحاظ کرتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ تمہاری جان جائے۔ آخر پاس بلا کر چپکے سے کہا کہ شیخ تو آہستہ سے میرے کان میں کہہ دے۔ کہ اس دعویٰ سے میں نے توبہ کی۔ شیخ علائی کو کسی دربار اور صاحب دربار کی پرواہ نہ تھی۔ ذرا خیال نہ کیا اور کہا کہ تمہارے کہنے سے میں اعتقاد کو کس طرح بدل دوں۔ یہ کہا اور اسی طرح اٹھ کر فرودگاہ کو چلا گیا۔ اور تاثیر کلام کا یہ عالم ہو رہا تھا کہ بادشاہ کو روز خبر پہنچتی تھی۔ آج فلاں سردار حلقہ میں داخل ہوا۔ آج فلاں امیر نے نوکری چھوڑ دی اور مخدوم الملک ساعت بہ ساعت ان باتوں کو اور بھی آب و تاب سے جلوہ دیتے تھے۔ آخر بادشاہ نے دق ہو کر کہا کہ ان سے کہہ دو۔ اس ملک میں نہ رہو دکن کو چلے جاؤ۔ وہ خود مدت سے دکن اور وہاں کے مہدویوں کے دیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ ان ارض اللہ واسعتاً۔ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

قاسم سخن کوتاہ کن برخیز و عزم راہ کن   شکر بر طوطی فگن مردار پیش کرگساں

ہنڈیہ سرحد دکن پر اعظم ہمایوں شروانی حاکم تھا وہاں پہنچے۔ وعظ سنتے ہی وہ بھی غلام ہو گیا۔ روز شیخ کے دائرہ میں آکر شغل میں شامل اور وعظ میں حاضر ہوتا تھا اور آدھا لشکر بلکہ زیادہ اس کا مرید فدائی ہو گیا۔

ہمیشہ فساد کے لیے تیار رہنا:

سلیم شاہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت خفا ہوا۔ مخدوم الملک نے اس آگ پر اور تیل ڈالا۔ اور وہ باتیں ذہن نشین کیں۔ جن کی اصل اصلاً نہ تھی۔ پھر شیخ علائی کی طلب میں فرمان جاری ہوا۔ اس عرصہ میں بادشاہ نیازی افغانوں کی بغاوت کو دبانے کو آگرہ سے پنجاب کو چلا۔ بیانہ کے پاس پہنچا تو مخدوم الملک نے کہا کہ چھوٹے فتنہ کا (یعنی شیخ علائی کا چند روز کے لئے) بندوبست میں نے کر لیا۔ بڑے فتنہ کی بھی تو خبر لیجئے۔ یعنی میاں عبداللہ شیخ علائی کا پیر کہ نیازیوں کی جڑ ہے۔ اور ہمیشہ ۳،۴ سو

Marfat.com

آدمی سلاح پوش ہتھیار بند لئے بیانہ کے کوہستان میں فساد کو تیار بیٹھا رہتا ہے۔ سلیم شاہ نیازیوں کے لہو کا پیاسا تھا۔ اس پھونک سے شعلہ کی طرح بھڑک اٹھا۔ میاں بھوا حاکم بیانہ کو لکھا کہ میاں عبداللہ کو معتقدوں سمیت حاضر کر۔ وہ میاں عبداللہ کا معتقد تھا۔ اس نے جا کر ان سے سارا حال کہا اور عرض کی۔ بلا سے بچنا واجب ہے۔ چند روز آپ یہاں سے کنارہ ہو جائیں۔ شاید بادشاہ اس بات کو بھول جائے۔ یا خیال بدل جائے۔ جب تک آپ کسی اور طرف ٹل جائیں تو بہتر ہے۔ میں جا کر ایک خوبصورتی کے ساتھ بات کو ٹال دونگا۔ ع

منزس از بلائے کہ شب درمیان است

شیخ عبداللہ نے کہا کہ سلیم شاہ جابر وقاہر بادشاہ ہے۔ اور مخدوم ہمیشہ تاک میں ہے۔ اب تو پاس ہے۔ کہیں دور جا کر کھینچ بلایا۔ تو بڑھاپے میں اور بھی مصیبت ہوگی۔ اس وقت دس کوس کا معاملہ ہے جو ہو سو ہو۔ چلنا ہی چاہئے۔ مرضی الٰہی یہاں اور وہاں، حال اور استقبال میں برابر ہے۔ قسمت میں لکھا ہے سو ہوگا۔ بندہ کی تدبیر ہے اللہ کی تقدیر غالب ہے۔

عناں بدست قضادہ کہ مصلحت این است | عنان کار نہ دردست مصلحت بین است

سلیم شاہ کے لشکر میں شمولیت:

غرض میاں عبداللہ راتوں رات چل کر صبح ہوتے لشکر میں پہنچے۔ سلیم شاہ کوچ کے لئے سوار کھڑا تھا کہ انہوں نے سامنے آکر کہا۔ السلام علیکم۔ میاں بھوا نے ان کی گردن پر ہاتھ رکھ کر جھکا دیا۔ اور کہا۔ شیخا بہ بادشاہاں ایں چنیں سلام میکنند۔ شیخ نے بگڑ کر دیکھا اور کہا۔ سلامے کہ سنت است و یاراں بر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بر رسول ترا ایشاں رضی اللہ عنہم گفتہ اند ہمیں۔ من غیر ایں نمیدانم۔ سلیم شاہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔ پیر علائی ہمین است؟ مخدوم الملک گھات میں موجود تھے کہا۔ ہمیں۔ سلیم شاہ نے اشارہ کیا۔ ساتھ ہی لات، مکہ، لاٹھیاں، کوڑے برابر پڑنے لگے۔ جب تک اس مظلوم کو ہوش رہا۔ ایک دعائیہ آیت پڑھتا رہا۔ (ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علے القوم الکافرین)۔ بادشاہ نے پوچھا۔ چہ میگوید؟ مخدوم نے کہا شارا و مارا کافر میخواند۔ بادشاہ کو اور بھی غصہ آیا جوش میں آکر اور شدت کا حکم دیا۔ سوار کھڑا رہا اور گھنٹہ بھر سے زیادہ پٹوائے گیا۔ جب جانا کہ دم نہیں رہا۔

نفسے درمیاں میانجی بود | آں میانجی ہم از میاں برخاست

مردہ کو وہیں چھوڑ کر روانہ ہوا۔ رمق جان خدا جانے کہاں اٹکی تھی۔ لوگ دوڑے اور کھال میں

Marfat.com

لپیٹ کر گرم جگہ میں رکھا۔ دیر کے بعد ہوش آیا۔ یہ معاملہ ۹۹۵ھ میں ہوا اور وہ مظلوم بیانہ سے نکل کر کچھ عرصہ تک افغانستان کچھ مدت سرحد پنجاب میں۔ کہ کبھی بجواڑہ میں پھرتا تھا۔ کبھی نواع امبر سر وغیرہ میں نظر آتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ صحبت اہل قال کا یہی ثمرہ ہے۔

اے خداوندان حال الاعتبار الاعتبار وے خداوندان قال الاعتذار الاعتذار

آخر سرہند پہنچے۔ اور عقیدہ مہدویہ سے بالکل تائب ہو کر اوروں کو اس عقیدہ سے روکا۔

جب سلیم شاہ نیازیوں کی مہم طے کر کے پھرا۔ تو مخدوم نے پھر اکسانا شروع کیا۔ کہ شیخ علائی کو ہنڈیہ سے بلانا چاہئے اور اس پر حد جاری کرنی چاہئے۔ اور نہایت مضر خیالات کے ساتھ یہ ذہن نشین کیا۔ کہ حکم اس کے اخراج کا ہوا تھا۔ وہاں اعظم ہمایوں اس کا مرید معتقد ہو گیا۔ تمام شکر اس کی طرف رجوع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اپنوں سے جدا ہو کر اس کے مذہب میں آ گئے۔ تمہارے اپنے خاندان کے لوگ بھی اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ اس کا اثر ملک و مملکت میں ظاہر ہو۔ کیونکہ وہ مہدویت کا دعوے دار ہے۔ آخر اس بیچارے کو ہنڈیہ سے بھی پکڑ بلایا۔ سلیم شاہ جانتا تھا۔ کہ مخدوم کو اس سے عداوت ہو گئی ہے۔ لیکن دہلی اور آگرہ میں کوئی عالم نظر نہ آتا تھا۔ کہ اس بحث کو تشخیص کرے۔ آخر بہار میں میاں بڈھ ایک فاضل جلیل القدر تھے کہ شیر شاہ بھی کمال اعتقاد سے ان کے سامنے جوتیاں سیدھی کر کے رکھتا تھا۔ انہوں نے ارشاد قاضی پر شرح لکھی ہے۔ وہ معتبر اور مشہور ہے۔ مگر چونکہ بہت بڈھے تھے۔ اس لئے خانہ نشین تھے۔ ان کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا۔

شیخ علائی کے گھر سے موسیقی کی آوازیں:

شیخ علائی جب وہاں پہنچے۔ تو ان کے گھر میں سے گانے بجانے کی آواز آتی تھی۔ اور بعض مکروہات طبعی اور شرعی اور بھی ایسے تھے۔ کہ جن کا ذکر فاضل بداؤنی نے اپنی تاریخ میں مناسب نہیں سمجھا۔ شیخ علائی نے انہیں بھی دبایا۔ میاں بڈھے بڑے ہی بڈھے ہو رہے تھے۔ ان سے تو بات بھی نہ کی جاتی تھی۔ ان کے لڑکوں نے کچھ عذر بیان کئے مگر گناہ سے بھی بدتر۔ شیخ علائی کے سامنے یہ باتیں کب پیش جاتی تھیں۔ شیخ بڈھے اپنے نام کے بموجب بڑے منصف تھے۔ انہوں نے بڑے عذر و معذرت کئے۔ اور شیخ علائی کی بہت تعریف کر کے عزت و احترام سے پیش آئے۔ سلیم شاہ کے نام خط لکھا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایمان اسی پر منحصر ہو اور علامات مہدوی کے باب میں بہت سے اختلاف ہیں۔ اس لئے شیخ علائی کے کفر یا فسق پر حکم نہیں کر سکتے۔ ان کا شبہ رفع کرنا چاہئے۔ یہاں

Marfat.com

کتابیں موجود نہیں۔ وہاں علما کے کتب خانوں میں بہت کتابیں ہونگی۔ وہیں تحقیقات اور ان کی فہمائش ہو جائے تو بہتر ہے۔لڑکے زمانہ کی عقل خوب رکھتے تھے۔ وہ ڈرے اور میاں بڈھے کو سمجھایا۔ کہ مخدوم الملک آج صدر الصدور ہیں۔تم ان کی مخالفت کرتے ہو۔ادنیٰ بات یہ ہے کہ ابھی تمہیں بلا بھیجیں گے۔اس بڑھاپے میں یہ بعد المشرقین کا سفر اور سفر کی مصیبتیں کون اٹھائے گا۔ایسا لکھنا ہرگز مناسب نہیں۔ایک خط خفیہ میاں کی طرف سے سلیم شاہ کے نام لکھا۔خلاصہ جس کا یہ کہ مخدوم الملک آج محققین میں سے ہیں۔بات ان کی بات ہے۔اور فتویٰ ان کا فتویٰ ہے۔

شیخ کو سزائے موت:

سلیم شاہ پنجاب ہی میں دورہ کر رہا تھا۔بن کے مقام میں لوگ پہنچے۔میاں کا سربہ مہر خط پڑھ کر پھر شیخ علائی کو پاس بلایا۔اس میں بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی، کیونکہ ان دنوں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔اس کے گلے میں اتنا بڑا ناسور تھا۔کہ انگلی کے برابر فتیلہ جاتا تھا۔اور یہ دور دراز کا سفر اور قید کی مصیبت اس کے علاوہ تھی۔بادشاہ نے پاس بلا کر چپکے سے کہا کہ تو تنہا در گوش من بگو کہ ازیں دعویٰ تائب شدم و مطلق العنان و فارغ البال باش۔

شیخ علائی نے جواب بھی نہ دیا۔جب اس نے کسی طرح نہ مانا۔تو مایوس ہو کر مخدوم سے کہا۔تو دانی وایں۔انہوں نے فوراً حکم دیا۔کہ ہمارے سامنے کوڑے مارو۔بیماری کے سبب سے اس میں کوئی رمق ہی جان باقی تھی۔تیسرے ہی کوڑے میں اس بے گناہ کا دم نکل گیا۔اور قادر مطلق کے حضور میں ایسی نزہت گاہ میں جا کر آرام لیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔اس کے نازک بدن کو ہاتھی کے پاؤں میں باندھ کر بازار لشکر میں کھچوایا۔اور حکم دیا کہ لاش دفن نہ ہونے پائے۔تھوڑی ہی دیر میں ایسی آندھی چلنی شروع ہوئی۔کہ لوگوں نے جانا قیامت آئی۔تمام لشکر میں اس واقعہ کے چرچا سے غلغلہ اور ماتم عظیم برپا ہوا۔اور سب کہتے تھے۔کہ سلیم شاہ کی سلطنت گئی۔راتوں رات میں ان کی لاش پر اتنے پھول چڑھے کہ بے کس اور بے وارث لاش کے لئے وہی قبر ہو گئی۔اور ذکر الہ تاریخ ہوئی۔

۹۵۶ھ ملا صاحب کہتے ہیں۔کہ اس کے بعد سلیم شاہ کی سلطنت دو برس بھی نہ تھم سکی۔جیسے جلال الدین خلجی کی ریاست سید مولہ کے قتل کے بعد۔بلکہ سلیم شاہ کی سلطنت اس سے جلد ختم ہو گئی۔لوگ اس دل آزاری کا باعث ملا عبداللہ کو سمجھے کہ ہمیشہ دل آزاری کرتے تھے۔اور حق یہ ہے کہ ایسے ہی تھے۔

Marfat.com

شیخ سلیم چشتی کا حال

اکبر کا سارا حال تم نے پڑھ لیا۔ تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس کے دل میں مذہب اور اعتقاد کی ہئیت مجموعی کیا تھی۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ابتدا میں وہ صوفیانہ خیالات کے ساتھ ایک ایسا شخص تھا۔ جسے نئی مسلمان خوش اعتقاد کہہ سکتے تھے۔ اور یہ عمارت حقیقت میں اسی معمولی بنیاد پر تھی۔ جو کہ خاص و عام اہل اسلام کے دلوں میں ان کے بزرگوں کی باتوں سے تہ بہ تہ چڑھتی چلی آتی ہیں۔ ترقی اس کی اس طرح ہوئی کہ ۹۶۸ھ میں ایک دن شکار کو نکلا۔ اسے ہندوستان کے گانا سننے کا بھی بہت شوق تھا۔ منڈاکر میں (آگرہ اور فتح پور کے بیچ میں ایک گاؤں ہے) گویوں نے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمتہ کے فضائل و کرامات میں گیت گائے۔ وہ پہلے بھی سنا کرتا تھا۔ کہ تمام ہندوستان میں ان کا نام اور عالی مقام روشن ہے۔ خصوصاً راجپوتانہ میں وہ درگاہ سلاطین فرماں روا کا حکم رکھتی ہے۔ اکبر کو ایسا ذوق و شوق طاری ہوا کہ وہیں سے اجمیر کو روانہ ہوا۔ زیارت کے مراتب ادا کئے۔ دل کی مرادیں عرض کیں۔ اور نذر نیاز چڑھا کر رخصت ہوا۔

خدا کی قدرت:

یہ خدا کی قدرت ہے۔ کہ حسن اتفاق جو کچھ مانگا تھا اس سے زیادہ پایا۔ اس لئے زیادہ اعتقاد بڑھا اور روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ اکثر ایسے معاملے ہوئے کہ آگرہ یا فتح پور سے وہاں تک پاپیادہ، پا برہنہ گیا۔ اور یہ تو معمول تھا کہ ایک منزل سے پیادہ ہوتا تھا۔ روضہ کا طواف کرتا تھا۔ اندر جا کر گھنٹوں تک مراقبہ میں بیٹھتا تھا۔ عجز و نیاز سے مرادیں مانگتا تھا۔ پھر وہاں کے علماء و مشائخ کی صحبت میں بڑے ادب آداب سے بیٹھتا تھا۔ ان کے کلاموں اور تقریروں کو ہدایت سمجھتا تھا۔ ہر ایک کو بہت کچھ دیتا تھا۔ جس وقت قوالی ہوتی تھی۔ اور قوال معرفت الٰہی کے اشعار یا گیت گاتے تھے۔ تو بزرگان و مشائخ پر حالت طاری ہوتی تھی۔ روپیہ اور اشرفیاں مینھ کی طرح برستی تھیں۔ انعام و اکرام بخشش و سخاوت کی کچھ حد نہ تھی۔ تم نے وہ بھی دیکھ لیا کہ اخیر میں عقائد اسلامی کے باب میں اس کا کیسا خیال ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ معراج کے باب میں کیا کچھ کہتا تھا۔ اور معجزوں کو نہ مانتا تھا۔ لیکن اس درگاہ کے ساتھ مرتے دم تک وہی اعتقاد رہا۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ اہل نظر دیکھ حیران ہوتے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ تو یہ اعتقاد اور آنحضرت جن کے دامن کے سایہ سے ایسے ایسے ہزاروں اولیا

Marfat.com

اٹھ کھڑے ہوں۔ان کے باب میں وہ گفتگو۔لیکن اس عالم میں بھی وہ آدمی کو خوب پہچانتا تھا۔تم شیخ محمد غوث گوالیاری کے حال میں دیکھو گے۔انہوں نے اسے کیونکر دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر مریدی کے پھندے میں پھانسا۔وہ سمجھے کہ ہم نے ایک لڑکے بادشاہ کو بہلایا۔اور حقیقت میں اس نے بڈھے پیر کو شکار کیا۔

عالم تصوف کی کیفیتوں میں ڈوبا ہوا:-

خیر تم ابتدائی خوش اعتقادی کا حال سنو عالم تصوف کی کیفیتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔جو ۹۷۱ھ میں شیخ سلیم چشتی حج کر کے دوبارہ ہندوستان کو پھرے۔سیکری ایک گاؤں آگرہ ❶ سے ۱۲ کوس پر ہے وہیں رہتے تھے۔ان کے آنے کا بڑا غل ہوا۔اور غل ہونا بھی بجا تھا۔تم دیکھو گے صورت حال ایسی ہی تھی۔کیسے مقدس اور نامور خاندان سے تھے اور چشتیہ ہی سلسلہ میں تھے۔غرض اکبر ان کے مرید ہوئے۔اور ان کی ارادت اور اعتقاد نے مدت تک پھول پھل دیئے۔اس لئے واجب ہے کہ ان کے حالات جو کچھ معلوم ہوں مفصل لکھوں۔وہ شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد تھے۔اصل میں دلی کے رہنے والے تھے۔خواجہ ابراہیم جو چھٹے واسطہ میں فضیل عیاض کے فرزند سجادہ نشین تھے۔ان سے بھی انہوں نے فیض امانت پایا تھا۔شیر شاہ کے عہد میں بھی ان کی پرہیزگاری اور نیکوکاری لوگوں کے دلوں میں اثر رکھتی تھی۔۹۵۲ھ میں اس کا بڑا بیٹا عادل خاں اپنے چھوٹے بھائی سلیم سے تخت نشینی کے معاملہ میں گفتگو کرنے آیا۔سیکری میں عین شب برات کو پہنچا۔وہ اور خواص خاں شیخ سلیم چشتی کے گھر میں رہے۔اور تمام رات دعاؤں اور نمازوں میں گزاری۔پھر سلیم شاہ کے عہد میں جو خاص اس کے دو امام تھے۔ایک یہ تھے۔دوسرے حافظ نظام بداؤنی۔بداؤں میں بھی ان کے بھائی بندوں کا خاندان نامور اور صاحب اثر تھا۔چنانچہ ایک برج فصیل کا شیخ زادوں کا برج کہلاتا تھا۔

سیر و سیاحت:

خشکی و تری کے رستہ دو دفعہ ہندوستان سے حرمین شریفین کو زیارت کو گئے۔روم، بغداد، شام، نجف اشرف اور ادھر ادھر کے ملکوں میں پھرتے رہے۔تمام سال سفر میں سیاحی حج کے وقت مکہ معظمہ میں آجاتے تھے۔پھر سیر کو نکل جاتے تھے۔اس طرح بائیس حج کئے۔چودہ پہلی دفعہ، آٹھ دوسری دفعہ۔اخیر مرتبہ چار برس مکہ معظمہ ہی میں رہے۔چار برس مدینہ منورہ میں۔مکہ والے چار برسوں میں بھی خاص خاص دنوں میں مدینہ طیبہ میں جا رہے تھے۔حج کے موسم میں چلے جاتے تھے۔وہاں شیخ

❶ خافی خاں نے ۱۷، ۱۸ کوس کا فاصلہ لکھا ہے۔

Marfat.com

الہند کہلاتے تھے۔ اخیر حج میں شیخ یعقوب کشمیری بھی ساتھ تھے۔ (یہ وہی یعقوب ہیں جنھوں نے تاریخ کہی)۔

شکر خدارا کہ بہ مختص کرم   منزل ماشد حرم محترم
ہر کہ بپرسید زتاریخ سال   نحن اجبناه دخلنا الحرم

جب ساری منزلیں طے کیں اور دعائیں قبول ہو گئیں تو ۹۷۱ھ میں پھر آ کر اپنے عبادت خانہ میں داخل ہوئے۔ زمانہ بہت خوب تھا۔ اکبر کا ابتدائی دور تھا۔ ہر جلسہ اور مسجد۔ مدرسہ میں خوبیوں کے ساتھ چرچا ہوا۔ ملا صاحب نے بھی تاریخیں لکھیں۔

شیخ اسلام ولی کامل   آں مسیحا نفس وخضر قدم
لامع ازجبہ اوسرازل   طالع از چہرہ او نور قدم
از مدینہ چوسوے ہند شتافت   آں مسیحا نفس وخضر قدم
بشمر حرفے وشمر حرفے   بہر تاریخ ز خیر المقدم

دوسری تاریخ

شیخ اسلام مقتدائے انام   رفع اللہ قدره السامی
از مدینہ چوسوے ہندآمد   آں ہدایت پناہی نامی
گیر حرفے وترک کن حرفے   بہر سالش ز شیخ اسلامی

نئی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ آٹھ برس میں تیار ہوئی تھی۔ اس عہد کے مورخ لکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں اس کا نظیر نہیں۔ ہشت بہشت سے پہلو مارتی ہے۔

شیخ سلیم کی دعا سے اکبر کے گھر اولاد ہونا:

اکبر کی ۲۷، ۲۸ برس کی عمر ہو گئی تھی۔ کئی بچے ہوئے اور مر گئے۔ لاولد تھا۔ اس لئے اولاد کی بڑی آرزو تھی۔ شیخ محمد بخاری اور حکیم عین الملک نے شیخ موصوف کے بہت سے اوصاف بیان کئے۔ اکبر خود سیکری میں گیا۔ اور دعا کی التجا کی۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ جن دنوں والد بزرگوار کو فرزند کی بڑی آرزو تھی۔ ایک پہاڑ میں۔ سیکری علاقہ آگرہ کے پاس شیخ سلیم نام ایک فقیر صاحب حالت تھے۔ کہ عمر کی بہت منزلیں طے کی ہوئی تھیں۔ ادھر کے لوگوں کو ان کا بڑا اعتقاد تھا۔ میرے والد کہ فقرا کے نیاز مند تھے۔ ان کے پاس گئے۔ ایک دن اثنائے توجہ اور بے خودی کے عالم میں ان سے پوچھا کہ حضرت! میرے ہاں کتنے فرزند ہونگے۔ فرمایا کہ تمھیں خدا تین فرزند دیگا۔ والد نے

Marfat.com

کہا۔میں نے منت مانی کہ پہلے فرزند کو آپ کے دامن تربیت وتوجہ میں ڈالوں گا۔اور آپ کی مہربانی کو اس کا حامی وحافظ کرونگا۔شیخ کی زبان سے نکلا کہ مبارک باشد۔میں نے بھی اسے اپنا بیٹا کیا۔

انہیں دنوں معلوم ہوا کہ حرم سرا میں کسی کو حمل ہے۔بادشاہ سن کر بہت خوش ہوئے۔اس حرم کو حریم شیخ میں بھیج دیا۔خود بھی گئے۔اور اس وعدہ کے انتظار میں چند روز شیخ کی ملازمت میں رہے۔ اس سلسلہ میں ایک حرم سرا کی عالی شان عمارت شیخ کی حویلی اور خانقاہ کے پاس بنوانی شروع کی۔ (دیکھو تعمیرات اکبری) اور شہر آباد کر کے سیکری کو فتح پور خطاب دیا۔ملا صاحب فرماتے ہیں۔مسجد وخانقاہ کی تاریخ میں نے اس طرح نکالی۔شہر فتح پور کی تفصیل دیکھو فہرست عمارت میں۔

هذه البقع قبة الاسلام رفع الله قدر بانيها

قال روح الامين تاريخاً لايرى فى البلاد ثانيها

اور ایک اور بھی ہے۔ ع

بیت معمور آمدہ از آسماں

اور اشرف خاں میر منشی حضور نے کہی۔ ع

ثانی مسجد الحرام آمد

شہزادہ سلیم کی پیدائش:

جب ۹۷۷ھ میں لڑکا پیدا ہوا۔خوشی کے سامان تو بڑے بڑے ہوئے۔مگر ایک نکتہ اس میں سے یہ ہے۔کہ کل ممالک محروسہ کے قیدی آزاد ہو گئے۔اجمیر وہاں سے ۱۲۰ کوس ہے۔پیادہ پا شکرانے کو گئے۔برکت کے لئے حضرت شیخ نے بیٹی سے دودھ پلوایا۔اپنے نام پر اس کا نام رکھا یعنی سلیم۔چونکہ شیخ کی دعا سے انہیں کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔اور وہیں پلا تھا۔اس لئے اکثر کچھ ادب سے اور کچھ پیار سے شیخو جی کہا کرتا تھا۔نام نہ لیتا تھا۔وہی بڑا ہو کر جہانگیر بادشاہ ہوا۔

مصنف کے بقول:

آزاد۔اکبر کو اس سے دلی محبت تھی۔جن دنوں شکم مادر میں تھا۔ایک دن چار پہر گزر گئے۔ معلوم ہوا کہ بچہ نہیں پھرتا۔سب گھبرا گئے اکبر کو بھی تردد ہوا۔اس دن جمعہ تھا۔ان دنوں چیتے کے شکار کا بہت شوق تھا۔عہد کیا کہ آج کے دن چیتے کا شکار نہ کھیلوں گا۔خدا اس بچے کو زندگی دے۔اور اس کی بدولت بہت سے جانداروں کی جان بچ جائے۔چنانچہ جب تک زندہ رہا اس عہد کا پابند رہا۔

سبحان اللہ ملا صاحب کی باتیں سن کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔کہ پہلے وجد کرے یا رقص

Marfat.com

کرے۔ یہ حالات وکمالات وکرامات لکھتے لکھتے فرماتے ہیں۔ بس یہیں سے حضرت شیخ کے کمالات کو نظر لگی۔ بادشاہ ان کے گھر میں محرموں کی طرح آنے جانے لگے۔ بیٹے پوتوں نے کہا۔ اب بیبیاں ہماری نہ رہیں۔ فرمایا۔ دنیا کی عورتیں تھوڑی نہیں نقصان کیا ہے۔ ارض اللہ واسعہ۔ ع

خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

دو اور عالیشان محل بادشاہ نے بنوائے۔ شہر بہشت بریں بنتا چلا جاتا تھا۔ کہ شیخ موصوف نے ۹۵ برس کی عمر میں دنیا سے انتقال کیا۔ ایک تاریخ ہوئی۔ شیخ ہندی۔ دوسری

تاریخ وفات شیخ اسلام شیخ حکماؤ شیخ حکام ۹۷۹ھ

آزاد۔ خدا جانے اس تاریخ میں بھی کچھ طنز ہے یا بے تکلفی کی ہے۔ باوجود اس کے سلسلہ مشائخ میں جہاں ان کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ شریعت کے بموجب عبادت کا بجالانا، دردناک ریاضتیں اور سخت مشقتیں اٹھا کر منازل فقر کو طے کرنا ان کا عمل۔ اور طریقہ کا اصول تھا اور یہ بات اس عہد کے مشائخ میں کسی کو کم حاصل ہوئی۔ نماز پنجگانہ غسل کر کے جماعت سے پڑھتے تھے۔ اور یہ وظیفہ تھا کہ فوت نہیں ہوا۔ شیخ مان پانی پتی نے پوچھا "طریق شما باستدلال است یا بکشف۔" جواب دیا۔ "درطومار دل بر دل است۔" بڑے بڑے مشائخ کبار ان سے فیض پا کر درجہ تکمیل کو پہنچے۔ ان میں سے حاجی حسین خادم، بہترین خلفا، صدرنشین اور خانقاہ فتح پور کے صاحب اہتمام اور بااختیار تھے۔

دوبارہ ہندوستان آنا:

جب شیخ سلیم چشتی دوبارہ ہندوستان میں آئے۔ تو ملا صاحب نے سنا کہ عربیت میں بڑی دستگاہ ہے۔ ایک خط زبان عربی میں لکھ کر بھیجا۔ اس میں دو تاریخیں بھی ان کے آنے کی لکھیں۔ چنانچہ وہ خط بجنسہ اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ مگر کاتبوں نے اس میں ایسی اصلاح دی ہے۔ کہ لکھنا نہ لکھنا برابر ہو گیا ہے۔ شیخ اعظم بداؤنی شیخ موصوف کے ہم جد بھائی بندوں میں تھے۔ اور داماد بھی تھے۔ ملا صاحب نے ۹۷۶ھ میں ان کے ساتھ جا کر شیخ سے ملاقات کی۔ باتیں ہوئیں اور بموجب ان کے فرمانے کے دو تین دن حجرہ خانقاہ میں رہے۔ پھر ۹۷۸ھ میں تو بارہا ملتے رہتے تھے۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں نے جوان کی کرامات دیکھی۔ وہ یہ تھی کہ جاڑے کے موسم میں فتح پور جیسے ٹھنڈے مقام میں خاصے کا کرتا اور ململ کی چادر کے سوا کچھ اور لباس نہ ہوتا تھا۔ جلسہ کے دنوں میں دو دفعہ غسل ہوتا تھا۔ وصال کے روزے تھے۔ غذا آدھا تربوز بلکہ اس سے بھی کم۔

تزکِ جہانگیری کے بقول:

جہانگیر جو کچھ اپنی تزک میں ان کی کرامات کے باب میں لکھتے ہیں۔ میں اس کا ترجمہ کرتا

Marfat.com

ہوں۔ ایک دن کسی تقریب سے میرے والد نے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہوگی۔ اور آپ کب ملک بقا کو انتقال فرمائیں گے۔ فرمایا عالم الغیب خدا ہے۔ بہت پوچھا تو مجھ نیاز مند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ جب شاہزادہ اتنا بڑا ہوگا۔ کہ کسی کے یاد کروانے سے کچھ سیکھ لے۔ اور آپ کہے۔ جاننا کہ ہمارا وصال نزدیک ہے۔ والد بزرگوار نے یہ سن کر تاکید کر دی کہ جو لوگ خدمت میں ہیں۔ نظم نثر کچھ سکھا دیں نہیں۔ اس طرح دو برس سات مہینے گزرے۔ محلہ میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ نظر گزر کے لئے روز مجھے اسپند کر جاتی تھی۔ اسے کچھ صدقہ خیرات مل جاتی تھی۔ ایک دن اس نے مجھے اکیلا پایا۔ اور اس مقدمہ کی اسے خبر نہ تھی۔ مجھے یہ شعر یاد کروا دیا۔

الٰہی غنچہ امید بکشا گلے از روضہ جاوید بنما

وصال کا وقت:

مجھے پہلے پہل یہ کلام موزوں ایک عجیب چیز معلوم ہوا۔ شیخ کے پاس گیا۔ تو انہیں بھی سنایا۔ وہ مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ والد بزرگوار کے پاس گئے۔ اور یہ واقعہ بیان کیا۔ اتفاق یہ کہ اسی رات انہیں بخار ہوا۔ دوسرے دن آدمی بھیج کر تانسین کلانوت کو بلوا بھیجا۔ کہ بے نظیر گویا تھا۔ اس نے جا کر گانا شروع کیا۔ پھر والد مرحوم کو بلوایا۔ وہ تشریف لائے۔ فرمایا کہ وعدہ وصال پہنچ گیا۔ تم سے رخصت ہوتے ہیں۔ اپنے سر سے دستار اتار کر میرے سر پر رکھ دی اور کہا کہ سلطان سلیم کو ہم نے اپنا جانشین کیا۔ اور اسے خدائے حافظ و ناصر کو سونپا۔ دمبدم ضعیف بڑھتا جاتا تھا۔ اور مرنے کے آثار ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ محبوب حقیقی کا وصال حاصل ہوا۔ اکبر کے دل میں ان کے ادب واعتقاد پر کبھی ضعف نے اثر نہیں کیا۔ جب فاتحہ کو جاتا تھا۔ تو روپے اشرفیاں اس طرح نچھاور ہوتے تھے گویا آسمان سے فرشتے برسا رہے ہیں۔

ملا صاحب بڑے درد کے ساتھ فرماتے ہیں۔ شیخ بدر الدین ان کے بڑے بیٹے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ وہاں عبادتیں اور سخت ریاضتیں کرتے تھے۔ سات دن کا طی ❶ کا روزہ رکھا تھا۔ گرم

---

❶ روزہ طی کا طریقہ یہ ہے۔ کہ دن بھر روزہ رکھا۔ شام کو فقط دو تین قطرے پانی سے افطار کیا۔ اور اسی وقت سے پھر روزہ۔ رات بھر دن بھر فاقہ۔ شام کو پھر وہی دو تین قطرہ پانی اور پھر روزہ۔ دو تین قطرہ آب کا اندازہ استادوں نے یہ رکھا ہے کہ ہاتھ کے پنجہ کو خوب سختی سے کھول کر ہتھیلی زمین پر وصل کرو۔ انگوٹھے کی جڑ پر جو گڑھا سا پڑ جاتا ہے۔ اس پر پانی کے قطرے ڈالو۔ جس قدر ٹھیر جائے۔ وہی مقدار افطار کے لئے کافی ہے۔ وہ دو تین ہی قطرے ہوتے ہیں)

Marfat.com

موسم۔ مکہ کی گرم ہوا اور وہ ننگے پاؤں طواف کعبہ کر رہے تھے۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ تپ محرقہ ہو گئی۔ آخر ۹۹۰ھ میں ساقی لطف ازلی کے ہاتھ سے شہادت قتل فی سبیل اللہ کا شربت پیا۔ جس دن یہ خبر پہنچی تھی بادشاہ آگرہ سے الہ آباد کو کشتی سوار جاتے تھے۔ حاجی حسین خادم خانقاہ کو کہلا بھیجا۔ شیخ کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ اور جو سلسلہ ہدایت وارشاد کا باقی رہ گیا تھا۔ وہ بھی تمام ہو گیا۔ آزاد سبحان اللہ یہ کیسے شہید ہوئے۔

پھر ۹۹۹ھ میں فرماتے ہیں۔ شیخ ابراہیم چشتی اجل طبعی سے مر گئے۔ اور جہاں جہاں زر و مال کو وداع کر کے خدا کو حساب دیا۔ پچیس کروڑ تو نقد روپیہ تھا۔ ہاتھی گھوڑے اور اجناس اس احساب پر پھیلا لو۔ سب بادشاہی خزانہ میں داخل ہوا۔ اور جس کا راز نہ کھلا۔ وہ نصیب اعدا۔ یہ کون؟ ان کی اولاد اور وکیل۔ خست کی حالت میں گرفتار تھے۔ شیخ لئیم اور ذمیم الاوصاف تاریخ ہوئی۔

اولاد:

بڑے صاحبزادے شیخ ابراہیم تھے جن کا حال سن چکے۔ (۲) شیخ ابوالفضل اکبرنامہ میں لکھتے ہیں۔ شیخ احمد منجھلے بیٹے شیخ سلیم فتح پوری کے ہیں۔ دنیا داروں میں بہت سی عمدہ خصلتیں ان کے چہرے پر ابٹنہ ملتی تھیں۔ لوگوں کی شکایت سے زبان آلودہ نہ کرتے تھے۔ خلاف طبع بات پر غم سے مغلوب نہ ہوتے تھے۔ متانت و وقار سے مصاحبت رکھتے تھے۔ دستگیری عقیدت اور خوبی عبادت سے جرگہ امرا میں داخل ہوئے۔ ان کی بی بی کا سلیم (جہانگیر) نے دودھ پیا تھا۔ مالوہ کی مہم میں بے پرہیز کی۔ سمجھایا تو نہ مانا۔ آخر دارالخلافہ میں آکر فالج کی نوبت پہنچی۔ ۹۸۵ھ میں کہ بادشاہ اجمیر جاتے تھے۔ اسے حضور میں لائے۔ سجدہ عجز کر کے آخری رخصت حاصل کی۔ گھر میں جا کر آخری سانس نے منزل گاہ نیستی کا رستہ دکھایا۔

نواب قطب الدین خاں اور جہانگیر:

جہانگیر نے جس عفیفہ کا دودھ پیا تھا اس کی گود میں لڑکا تھا۔ اور نام اس کا شیخ جیون تھا۔ وہی صاحب زادہ بڑا ہو کر نواب قطب الدین خاں اور جہانگیر کے کوکلتاش خاں ہو گئے۔ انہی کو جہانگیر نے بھیجا تھا کہ شیر افگن خاں کے پاس جاؤ۔ اور جس طرح ہو نور جہاں کو لے آؤ۔ نہ ہو سکے تو شیر افگن کو شکار کر لو۔ تقدیر الٰہی سے دونوں ایک ہی میدان میں کھیت رہے۔ ذی قعدہ ۱۰۱۴ھ میں مر گئے۔ جہانگیر نے ان کے جنازہ کو چند قدم کندھا دیا۔ اور دل کو رنج ہوا۔ کئی دن تک کھانا کھانے کو دل نہ چاہا۔ اور کپڑے نہ بدلے۔ آخر صبر کیا۔

Marfat.com

سلسلہ صفیہ اور خاندان تیموری کا تعلق

شاہ صفی ایک سید صحیح النسب، عابد، زاہد، پرہیزگار۔ اردبیل علاقہ آذر بائیجان میں تھے۔ عزلت کا گوشہ ان کی صبر و قناعت سے روشن تھا۔ اور اوصاف و برکات نے اعتقاد کی گرمی خاص و عام کے دلوں میں اس طرح دوڑائی تھی جیسے رگوں میں خون، نیت کی برکت تھی۔ کہ جو ظاہر میں ان کا جانشین ہوا۔ وہ معنی میں دلنشین ہوا۔ حکام اور شاہان وقت انہیں اپنی بیٹیاں نذر دیتے تھے۔ اور سعادت سمجھتے تھے۔

بے گناہ قیدیوں کی رہائی:

شاہ صفی کے بعد ان کے فرزند شیخ صدر الدین عبادت کے سجادہ نشین ہو کر بندگان خدا کو فیض پہنچاتے تھے۔ جب امیر تیمور روم کو فتح کر کے پھرا۔ تو لشکر کا اردبیل میں مقام ہوا۔ ان کے خاندان کے اوصاف پہلے بھی سنتا تھا۔ اور سادات و فقرا کے ساتھ صدق دل سے اعتقاد رکھتا تھا۔ خدمت میں حاضر ہوا اور دعا چاہی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے کچھ خدمت فرمائیے۔ اور اس امر پر بہت اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ کہ تمہارے لشکر میں ہزاروں بے گناہ بندے خدا کے بندی میں گرفتار ہیں۔ جن جانوں کو خدا نے آزاد پیدا کیا۔ انہیں غلامی کے بند میں دیکھ کر خوف آتا ہے۔ کہ خدا کا بندہ آدمی کا بندہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ انہیں آزاد کر دو۔ امیر صاحب قرآن نے ''بچشم'' کہہ کر قبول کیا۔ ہزار در ہزار آدمی، امیر غریب، شریف، عامی اور قبائل ترکوں کے تھے۔ استجلو، تکلو، رستاق، رملو، ذوالقدر، افشار، قاجار، دغلو وغیرہ سب رہا ہو گئے۔ یہ شیخ کے بندہ احسان ہوئے۔ اور عقیدت نے دلوں میں جگہ پڑی۔

شیخ جنید مسند ہدایت پر:

شیخ موصوف کے بعد شیخ جنید مسند ہدایت پر بیٹھے۔ ان کے گرد اہل ارادت کی انبوہ دیکھ کر بادشاہ وقت کو خطر ہوا۔ اور اپنی قلمرو سے نکال دیا۔ وہ حلب میں چلے گئے۔ ازن حسن وہاں کا فرماں روا

Marfat.com

مقرر ہوا۔اور اپنی بہن کو ان کے حرم میں داخل کر دیا۔اس سے سلطان حیدر پیدا ہوئے۔

جب معرفت کا سلسلہ سلطنت میں مسلسل ہوا۔تو خیالات کے رنگ بدلنے شروع ہوئے۔ انہوں نے اہل ارادت کو سرخ بانات کی ٹوپیوں سے سربلند کیا۔اس میں بارہ اماموں کے شمار سے بارہ کنگرے قرار دیئے۔اور یہی لوگ لقب قزلباش سے نامور ہوئے۔قزل،سرخ،باش،سر۔

بزرگان صفویہ کے ساتھ اہل عقیدت کا ہجوم دیکھ کر ہمیشہ سلاطین عہد کو ڈر رہتا تھا۔اس لئے یہ مقدس لوگ تکلیفیں اٹھاتے تھے۔مارے جاتے تھے۔یہاں تک کہ کئی پشت کے بعد شاہ اسماعیل صفوی کو باپ کا انتقام لینا واجب ہوا۔وہی ترکان خونریز کے قبیلے کہ دادا کے بندہ احسان تھے۔اس کی فوج خدائی ہوگئی۔وہ ننھیال کی طرف سے شمشیر سلطنت ہاتھ میں لیکر سمند دولت پر سوار ہوا۔اور ذاتی ہمت اور قدرتی اقبال نے تاج کیانی سر پر رکھ کر تخت جمشیدی پر بٹھادیا۔قزلباش ہمیشہ ان کی اور ان کی اولاد کی فدائی رہے۔اور وہ اطاعت کی کہ کسی امت نے اپنے پیغمبر کی ایسی اطاعت نہ کی ہوگی۔

یہی زمانہ تھا کہ ادھر صفویہ کی تلوار ایران میں اور ادھر شیبانی خاں کا اقبال توران میں اپنی اپنی سلطنت کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ازبک کی قومی دلاوری ایسی زور پر چڑھی تھی کہ آل تیمور کی چھ پشت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی۔

بابر کی ہندوستان کی طرف توجہ:

بابر نے جب کسی طرح گھر میں گزارہ نہ دیکھا۔پشتوں کے نمک خواروں نے بےوفائی کی۔ رشتہ دار جان کے لاگو ہو گئے۔تو مایوس ہوا۔اور جس خاک سے چھ شت کی بیلیں آگ کر منڈھے چڑھی تھیں۔اسے خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوا۔وہ بدخشاں میں آیا۔خسرو شاہ ایک نمک حرام وہاں کا حاکم تھا۔پہلے اس سے معاملہ پڑا تھا۔تو بےحیائی کی سیاہی منہ پر مل لی تھی۔اب کی دفعہ انسانیت خرچ کی۔اور بن بلائے مہمان کو آرام کا سامان دیا اس کمبخت کی رعایا اس سے ناراض تھی۔بابر نے اندر ہی اندر سب کو پرچالیا۔اور چاہا کہ خسرو کو ضیافت میں بلا کر قید کرلے۔اس فساد کی بو اسے بھی پہنچ گئی۔ ضیافت کی نوبت بھی نہ آئی۔چپ چپاتے ہی نکل کر بھاگ گیا۔

جب یہ لشکر،دولت خانہ،خزانہ اور بنا بنایا گھر ہاتھ آیا۔تو بابر کے حواس درست ہوئے۔چند روز بعد کابل میں آئے۔یہاں ایک شخص الغ مرزا کا دامان بن کر حکومت کر رہا تھا۔وہ پہلے قلعہ بند ہو کر سامنے ہوا۔پھر کچھ سمجھا۔اور آخر کار ملک حوالے کر کے بھاگ گیا۔برسوں کی مصیبتیں اور مدتوں کی آفتیں اٹھا کر ذرا نصیبہ نے کروٹ لی۔جب بدخشاں اور کابل جیسے علاقے مفت ہاتھ آئے۔تو بابر

Marfat.com

نے پر و بال درست کئے۔اور ملک افغانستان کا بندوبست کرنے لگے۔

شیبانی خاں کے اقتدار کا عروج:

اب ان کے وطن کی حقیقت سنو۔کہ جب یہ وہاں سے ادھر آئے۔تو شیبانی خاں اس طرح پھیلا۔جیسے بن میں آگ لگی۔چند روز میں سمرقند و بخارا سے آل تیمور کا نام ونشان مٹا دیا۔اور ایسا بڑھا کہ جیحون اتر کر قندھار کو شربت کی طرح پی گیا۔بلکہ ہرات لے کر ایران پر ہاتھ مارا۔اس کے ادھر آنے کے دو سبب تھے۔ایک تو جانتا تھا۔کہ چھ پشت کا حقدر یہاں پہلو میں بیٹھا ہے جب بابر موقع پائیگا۔بدخشان سے اتر کر چھاتی پر چڑھ آئیگا۔دوسرے ایران میں صفوی سلطنت کی بنیاد قائم ہونے لگی تھی۔اسے گرانا اور اپنے ملک کا پھیلانا ایسے شخص کے لئے بہت آسان بات تھا۔جس کے ساتھ لاکھوں ازبک قومی اور مذہبی جوش میں بھرے۔شمشیر بکف حاضر ہوں۔

سلاطین صفویہ شیعہ تھے۔اور اہل توران سنت جماعت۔اور حق تو یہ ہے۔کہ ایراج اور تورج کے خون خدا جانے آپ جیحون میں کس بلا کا زہر گھول گئے۔کہ ایران وتوران کی خاک ایک دوسرے کے لہو کی پیاسی ہوگئی۔اور اب تک چلی آتی ہے۔

غرض شیبانی خاں نے جیحوں اتر کر اول چغتائی شہزادوں کو خانہ برباد کیا۔اس کا دل بڑھا ہوا تھا۔قدم بڑھا کر قزلباشوں پر ہاتھ مارنے لگا۔اس وقت ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کی تلوار چمک رہی تھی۔اصفہان کے جوہر سے ازبک کی دست درازی نہ دیکھی گئی۔شاہ جواں بخت نے تحمل اور وقار سے کام لیا۔اور باوجود جوش جوانی اور حریف کی پیش قدمی کے نامہ لکھا۔جس کے مطالب صلاحیت اور شائستگی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔اس نے اپنے مراسلے کو آرام وعافیت کے فوائد سے نقش ونگار کر کے کمال متانت سے یہ دکھایا تھا۔کہ لڑائی میں کیا کیا خرابیاں ہیں۔اور ملاپ میں کس قدر فائدے اور آرام ہیں۔خاتمہ کلام اس امر پر تھا کہ ترکستان تمہارا قومی ملک ہے۔وہ تمہیں مبارک رہے۔لیکن عراق کے دامن میں پاؤں پھیلانا مناسب نہیں۔اس میں یہ شعر بھی لکھا تھا۔

نہال دوستی بنشاں۔کہ کام دل ببار آرد درخت دشمنی برکن۔کہ رنج بیشمار آرد

شیبانی خاں کی فتوحات:

شیبانی خاں کی فتوحات متواتر اور بلند نظری نے اس خط کی روشنائی کو خط غبار دکھایا۔اور باوجود کہن سالی اور تجربہ کاری کے جواب میں بڑے غرور سے لکھا۔کہ ہم چنگیزی نسل ہیں۔اور موروثی سلطنت کے مالک ہیں۔ملک گیری ہمارا حق ہے۔سلطنت کا دعویٰ اور پادشاہوں سے معاوضہ اسے

Marfat.com

زیبا ہے۔ جس کے باپ دادا نے پادشاہی کی ہو۔ تمہیں ہمارے مقابلہ میں دعوئی جہانداری نہیں پہنچتا۔ اور ترکمانوں سے رشتہ کر کے سلطنت کا دعوئی بے معنی ہے۔ اور یہ حق تمہیں اس وقت پہنچتا۔ کہ مجھ جیسا بادشاہ وارث ہفت اقلیم موجود نہ ہوتا۔ ہمارے سامنے تمہیں ان باتوں سے کیا تعلق؟ ع

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اس تحریر پر بھی قناعت نہ کی۔ تحائف ونفائس کے مقابل میں ایک فقیروں کا چملا اور ایک عصا بھیجا۔ کہ یہ ہے میراث تمہارے باپ دادا کی۔ اسے لو اور مانگتے کھاتے پھرو اور لکھا۔

نصیحت گوش کن جاناکہ از جاں دوست تر دارند جواناں سعادت مند پند پیر دانا را

خاتمہ میں یہ بھی لکھا کہ ہم نے حج بیت اللہ کا ارادہ مصمم کیا ہے۔ عنقریب عراق اور آذربائی جان کے راستے روانہ ہونگے۔ مطلع کرو کہ کس مقام پر ملاقات ہوگی۔

شاہ اسماعیل نے اس کا جواب طولانی لکھا اور بہت جوش وخروش سے لکھا۔ مگر جو فقرہ فقیری کی طنز کرتا تھا۔ اس کے جواب میں یہ مضمون تھا۔ کہ ہم آل رسول ہیں۔ فقر کی نعمتیں اور دنیا کی سلطنت۔ دونوں ہمارا حق ہیں۔ اور ہمارے اجداد کرام کا ورثہ ہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمسری شایاں نہیں۔ اور سلطنت اگر میراث ہوئی تو پیشدادیوں سے کیانیوں کو اور ان سے درجہ بدرجہ چنگیزیوں کو۔ اور پھر تم تک کیونکر پہنچتی؟ اور یہ جو تم نے لکھا ہے۔ کہ۔

عروس ملک کسے در کنار گیرو چست کہ بوسہ بر دم شمشیر آبدار زند

درست ہے۔ مگر۔ ع

جاناسخن از زبان ماے گوئی

تلوار علی اسد اللہ الغالب کی ہے۔ وہ ہمیں اپنے دادا سے میراث پہنچی ہے۔ یہ ہمارا حق ہے۔ اگر مرد ہو اور جنگ کی ہمت ہے تو میدان جنگ میں آؤ۔ کہ باقی باتیں ذوالفقار حیدر کرار کی زبان سے ادا ہونگی۔ ع

بہ یلیم کہ از ما بلندی کراست

اور نہیں آتے تو یہ چرخہ اور تکلا اور روئی پہنچتی ہے۔ اسے سامنے رکھ کر بڑھیوں میں بیٹھو کہ اسی قابل ہو اور یاد رہے۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات با آل نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد

دل عقیدت منزل کو زیارت مشہد مقدس کی تمنا ہے۔ ہم نے بھی عزم بالجزم کے ساتھ نیت کی ہے۔ مناسب ہے کہ لشکر نصرت واقبال کے استقبال کو جلد روانہ ہو۔ کہ دوست نوازی اور دشمن

Marfat.com

گدازی کے آئین وقوانین سے تمہیں آگاہ کریں۔

قزلباش کے خونریز دستے:

قاصد ادھر روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی قزلباش خونریز کے دستے لے کر گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں۔ ادھر شیبانی خاں بھی لشکر لے کر چلا۔ فرشتہ وغیرہ ازبک کی تعداد ایک لاکھ لکھتے ہیں۔ مگر مرزا حیدر وغلات صاحب رشیدی نے پچیس ہزار فوج لکھی ہے۔ غرض مرو پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اتفاق تقدیر۔ کہ پہلے ہی حملہ میں شیبانی خاں کی فوج کے پاؤں اکڑھ گئے۔ اب شاہ کب رک سکتا تھا۔ قزلباش، بزن، بزن کرتے پیچھے دوڑے۔ ہزاروں ترک تھے۔ کہ کھیت کی طرح کٹتے اور گرتے چلے جاتے تھے۔ شیبانی خاں پانسو ہمراہیوں کے ساتھ جن میں اکثر شہزادے اور خاندان زادے تھے۔ ایک احاطہ کی پناہ میں بیٹھ گئے۔ (ادھر کے دشتقوں میں اکثر گلہ بان اپنے آرام اور گلہ کی حفاظت کے لئے بنا رکھتے تھے) جب لشکر قزلباش نے گھیر کر زور دیا تو وہ بھی تلواریں کھینچ کر نکل پڑے۔ مگر پھر ناکامی کے ساتھ ہٹے۔ بہت مارے گئے۔ اس میں شیبانی خاں نے بھی سرداری کا بوجھ سر سے اتارا۔ باقی ہزار آدمی مع زن وفرزند قید ہوئے۔ اور انہی میں خانزادہ بیگم بابر کی بہن بھی شامل تھی۔

بیگم کا ماجرا بھی سننے کے قابل ہے۔ جب بابر شیبانی خاں کے ہاتھ سے سمرقند کی دیوار کود کر بھاگا تھا۔ اس میں یہ بدنصیب بیگم بھی رہ گئی تھی۔ پہلے اس کی خالہ شیبانی خاں کے نکاح میں تھی۔ اس وقت خالہ کو طلاق دیکر اسے نکاح میں لایا تھا۔ پھر اسے بھی طلاق دیکر سید ہادی نام ایک سید کے حوالے کر دیا تھا۔ اور یہ پاک دامن بی بی غریبی کی حالت میں گزارہ کر رہی تھی۔ شاہ کو جب معلوم ہوا۔ تو بیگم کو عزت کے ساتھ قیدیوں میں سے نکالا اور بی بیوں کی معرفت عزاپرسی کی رسمیں ادا کیں۔

بابر افغانستان میں:

بابر اس وقت افغانستان میں آ گئے تھے۔ اور ملک کی تدبیر کے بادشاہ تھے۔ فتح کی خبر سن کر مبارکباد کا نامہ تیار کیا۔ اور شاہ کو ادھر آنے کا رستہ دکھایا۔ اتنے میں شاہ کا ایلچی مع مراسلہ کے پہنچا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ ہم دونوں بھائیوں کو خدا فتح مبارک کرے۔ خصوصاً تم کو کہ امیر صاحب قرآن کی یادگار ہو۔ ایلچی کے ساتھ گراں بہا تحفے تھے۔ اور بیگم کو بھی عزت واحترام کے ساتھ بھیجا تھا۔ کہ دس برس ہو گئے تھے۔ خانہ برباد بھائی سے جدا تھی۔ بابر خود لکھتا ہے۔ میں قندز میں تھا۔ حرا سرا میں بہن سے ملنے کو گیا۔ محمدی کوکلتاش میرے ساتھ تھا۔ ایک زمانہ گزر گیا تھا۔ بہن نے مجھے بالکل نہ پہچانا۔

Marfat.com

حیران دیکھتی تھیں۔ جتا کر کہا۔ کچھ خبر نہ ہوئی۔

غرض بابر نے بھی شاہ کو مبارکباد کے ساتھ جواب لکھا۔ اور خان مرزا کو کہ ایک تیموری شاہزادہ تھا۔ ایلچی بنایا اور کمک کے لئے درخواست کی۔ صاحب ہمت بابر جس حال میں تھا ازبکوں کے ساتھ دھکا پیل کئے جاتا تھا۔ اور وہ بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ بابر نے ایک موقع پر انہیں شکست دی تھی۔ مگر رفیقوں کی بدمددی سے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بیٹھا تھا۔ آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ مدد غیبی کا منتظر تھا۔ یکا یک خبر پہنچی کہ خان مرزا آتا ہے۔ اور ساتھ اس کے تین ایرانی سردار قزلباش کا لشکر جرار لئے کمک کو آئے ہیں۔ شیر کی طرح پہاڑوں سے نکلا۔ اور میدان کے شہروں کو آتے ہی ازبکوں سے صاف کر دیا۔

عبداللہ خاں ازبک:

شیبانی خاں کے بعد عبداللہ خاں ازبک نے اپنی بہادری اور تدبیر کی رسائی سے سپہ داری کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ اور ملک بخارا پر قابض ہو گیا تھا۔ اب جو بابر کو ساٹھ ہزار فوج کی جمعیت اپنے گرد نظر آئی۔ تو بادل کی طرح گرجتا گیا۔ وہ بھی برق کی طرح آیا۔ لیکن دھوئیں کی طرح اڑ گیا۔ بہت سے ازبک شمشیر قزلباش کا شکار ہوئے۔ جو بھاگ بھی نہ سکے وہ قید ہوئے۔ الحمدللہ کہ تیمور کے پوتے نے پھر سمرقند و بخارا پر قبضہ پایا۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را　　　　بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

دادا کے تخت پر جلوس کیا۔ اور منبروں اور مسجدوں پر نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ نوبت خانہ سے دمامہ دولت کی آواز بلند ہوئی۔ بابر نے درباروں کو چشمہائے شاہانہ سے رونق دی۔ اور امرائے قزلباش کو اعلیٰ شکریوں کے ساتھ خلعت و انعام دیکر رخصت کیا۔ یہ معرکہ ۹۱۷ھ میں ہوا۔

ہمت کے رستم:

بابر جیسے ہمت کے رستم تھے۔ ویسے ہی ذوق وشوق کے دیوانے تھے۔ آٹھ مہینے تک جس میں چھ مہینے جاڑے کے تھے۔ بہاریں اڑاتے رہے۔ دفعتاً خبر آئی کہ خاندان تیموری کا قدیمی دشمن تیمور سلطان ازبکوں کا ٹڈی دل لئے چلا آتا ہے۔ کہ میں شیبانی خاں کا جانشین ہوں۔ خون کا عوض لوں گا۔ بابر گرم بچھونوں سے اٹھ کر سوار ہوئے۔ اور پھر شاہ کو نامہ لکھا۔ اتفاق تقدیر۔ کہ بخارا کے قریب انہوں نے پھر شکست کھائی۔ اور بھاگ کر حصار شادمان میں آنا پڑا۔

Marfat.com

عبداللہ خاں ازبک سے مقابلہ:

شاہ کی طرف سے نجم خاں اصفہانی پھر ساٹھ ہزار فوج قزلباش لے کر مدد کو پہنچا۔ بابر اسے لے کر چلے۔ قلعہ افراس پر عبداللہ خاں ازبک سے مقابلہ ہوگیا۔ پندرہ ہزار سے زیادہ ازبک کی جمعیت تھی، خود عبداللہ خاں سپہ سالار تھا۔ طرفین کے دلاوروں نے بڑا ساکھا کیا۔ مگر ازبک شمشیر قزلباش کی خوراک ہوئے۔ اور کم بچے جو بھاگ گئے۔ باقی قید ہوئے۔ قلعہ فتح ہوا۔ نجم ثانی کہ اپنے تئیں رستم ثانی گنتا تھا۔ آگے چلا اور کہا۔ کہ جب تک ازبک کی قوم کا توران سے استیصال نہ کرلوں گا۔ ایران کو نہ پھروں گا۔ غجدیوان ایک منزل بخارا سے آگے ہے۔ اس کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ اور قزلباش کے سردار جابجا پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ تو دونوں قوموں کی قومی برخلافی، کچھ جاہل قزلباشوں کی خودنمائی۔ اور یاوہ گوئی۔ غرض یہ تسلط ان کا تمام ترکستان کو ناگوار گزرا۔ خوانین وامرا اشرفا وغربا اتفاق کر کے جمع ہوئے۔ اور خاص وعام کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ کہ بابر رافضیوں کی مدد لایا ہے۔ اور آپ بھی رافضی ہو گیا ہے۔ اس تدبیر نے بڑا اثر کیا۔ بڈھے اور جوان شہری اور دہقان، سب تلواریں پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چاروں طرف سے امنڈ کر آئے۔ نجم ثانی اور ایرانی حیران رہ گئے۔ اس بادل کو برق شمشیر سے نہ ہٹا سکے۔ لیکن اپنے ملک اور قوم کی عزت اس بات سے رکھی کہ نہ بھاگے۔ اور سوا چند آدمیوں کے ایک ایرانی میدان میں زندہ نہ رہا۔ یہ حملہ رات کو بے خبری کے عالم میں ہوا تھا۔ بابر کی یہ نوبت ہوئی۔ کہ کفش پہننے کی مہلت بھی نہ پائی۔ ننگے پاؤں خیمہ سے نکل کر بھاگا۔

تاریخ رشیدی کے بقول:

مرزا حیدر دغلات نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے۔ کہ شاہ کے متواتر احسانوں نے بابر کے دل میں بہت اثر کیا تھا۔ اظہار محبت کے لئے خود بھی انہی کا لباس پہنتا تھا۔ قزلباش کی سرخ تاجدار ٹوپی اپنی فوج کی وردی میں داخل کر دی تھی۔ مرزا حیدر موصوف نے اس مقام پر اہل ایران اور اہل تشیع کے باب میں بہت سے فقرے اور فحش تشبیہیں ایسی لکھی ہیں کہ میں کسی کے حق میں بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بابر کی افراط ممنونی اور ایرانیوں کی زبان درازی نے کام خراب کر دیا۔ اسی سے حریفوں کو سند ہاتھ آئی۔ کہ رفض کی تہمت لگائی۔ اور اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس اخیر شکست نے بابر کا دل توڑ دیا اور ایسا بیزار ہوا۔ کہ پھر وطن کا رخ نہ کیا۔ پہلے بدخشان لیا۔ پھر افغانستان مارا۔ آب ودانہ وہاں سے ہندوستان میں لایا۔ اور ایسی مضبوطی سے جمایا کہ ۱۸۵۷ھ کے غدر نے آکر خاندان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹایا ہے۔

Marfat.com

شاہ طہماسپ کی مہمان نوازی:

ہمایوں نے جب شیر شاہ کے زور اور بھائیوں کی بے مروتی سے کہیں گزارہ نہ دیکھا تو ایران کا رخ کیا۔ جس وقت سے خاک ایران پر قدم رکھا۔ شاہ طہماسپ ❶ نے بساط مہماں نوازی کو ایسے اوج رفعت پر بچھایا کہ کسی بادشاہ کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ مصاحبان باوفا اور امرائے خاص کو دربار سے بھیجا۔ اور راہ میں جو بیٹے اور امرائے عظیم الشان شہروں میں حکومت کرتے تھے۔ انہیں حکم آیا کہ ایسے اور ایسے احترام واعزاز کے سامان۔ اور اس اس قدر فوج لیکر اس طرح کے توزک اور آداب سے استقبال کریں۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے نوکروں کی امیروں سے بڑھ کر اور امیروں کی بادشاہوں کے برابر عظمت اور خاطرداری ہوئی۔ اور جو تعظیم وتکریم خود بادشاہ کی ہوئی۔ اس سے ورق درورق تاریخیں رنگین ہیں۔ جس منزل میں شاہ بے سپاہ پہنچتا تھا۔ وہاں کا حاکم رزق برق سپاہ لیکر سرحد پر استقبال کو آتا تھا۔ نذر دے کر لگام کو بوسہ دیتا تھا۔ رکاب پر سر رکھتا تھا۔ اور ہاتھ باندھ کر ساتھ ہولیتا تھا۔ پیدل چلتا تھا۔ جب بادشاہ اشارہ کرتا تھا تو سوار ہوتا تھا۔ اور لشکر سمیت پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جو محل اترنے کے لئے تجویز ہوتا تھا۔ اس کی آرائش وزیبائش میں نہایت تکلف ہوتا تھا۔ کوسوں تک مخمل وزربفت کا فرش پا انداز ہوتا تھا۔ جشن جمشیدی کے شکوہ سے دربار ہوتا تھا۔ شاہ ایران کے تمام امرا اور ملازم نذریں دیتے تھے۔ سواری کے وقت زروگوہر نثار ہوتے تھے۔ لباس، اسلحہ اور دسترخوان کے تکلفات کا بیان بے تکلف نہیں ہوسکتا۔

تمام قلمرو ایران میں شاہ کا حکم پہنچ گیا تھا۔ کہ کسی کی زبان پر شکست کا لفظ نہ آنے پائے کہ مہمان عزیز کا دل آزردہ ہو۔ ہرات میں شاہ ایران کا بیٹا فرماں روا تھا۔ اس نے بڑی دھوم دھام سے دعوت کی۔ باغ میں جشن سلطانی کیا۔ موسیقی کے ماہر جادوگری کررہے تھے۔ ایک صاحب کمال نے غزل گانی شروع کی:۔

مبارک منزلے۔ کاں خانہ راماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے۔ کاں عرصہ راشاہے چنیں باشد

ساری مجلس اچھل پڑی۔ مگر جب اس نے دوسرا شعر گایا۔

زرنج وراحت گیتی۔ مشو غمگیں۔ مرنجاں دل کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

اس پر ہمایوں کے آنسو نکل پڑے۔ اور سب دم بخود رہ گئے۔

---

❶ شاہ طہماسپ ابن شاہ اسماعیل ابن سلطان حیدر ابن سلطان جنید۔ ابن سلطان شیخ صدر الدین ابن ابراہیم ابن شیخ علی خواجہ ابن شیخ صدر الدین۔ ابن شیخ صفی الدین ابواسحاق جو کہ شاہ صفی مشہور ہیں۔

Marfat.com

خاک ایرانی جیسی گل انگیز:

اہل نظر نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خاک ایرانی جیسی گل انگیز ہے۔ ویسی ہی دانش خیز اور نکتہ ریز ہے۔ چنانچہ شاہ نے ایک ہاتھ سے مدارج مہماں نوازی کو اعلیٰ درجہ رفعت پر پہنچایا دوسرے ہاتھ سے حفاظت ملک کے آئین میں انتہائے دور اندیشی کو کام فرمایا۔ وہ ہشیار ہو گیا تھا کہ پانچویں پشت میں تیمور کا پوتا ہے۔ مبادا اس ملک میں آکر بغاوت برپا کرے۔ اس واسطے وہ کرنا چاہئے۔ کہ جس کی نیک نامی سے تاریخوں کے صفحے سنہری ہو جائیں۔ اور سلطنت خطر سے محفوظ رہے۔ ظاہر میں جا بجا استقبال ہوتے تھے۔ اور حقیقت میں دیکھو تو ہمایوں برابر نظر بند ہوتا چلا آتا تھا۔ شاہ بے لشکر اور سالار بے سپاہ نے قزوین سے بیرم خاں کو مراسلہ لکھ کر دربار شاہ کی طرف روانہ کیا۔ اس میں ایک قطعہ سلمان ساوجی کا بھی لکھا۔ جس کا مطلع ہے۔

خسروا عمر یست تا عنقائے عالی طبع من قلہ قاف قناعت را نشیمن کردہ است

وغیرہ وغیرہ اور مقطع تھا:۔

التجا از لطف شہ دارم کہ با من آں کند ہر چہ با سلماں علی در دشت ارژن کردہ است

بیرم خاں دربار میں پہنچا۔ اور اپنی حسن رسائی اور جوہر دانائی کے ساتھ جواب باصواب لیکر آیا۔ شاہ نے حسن قدوم اور مضامین اشتیاقیہ کے ذیل میں یہ شعر بھی لکھا۔

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد اگر ترا گزرے بر مقام ما افتد

اس مراسلہ کو دیکھ کر شاہ بے لشکر خوش ہو گیا۔ اور لشکر گاہ شاہ کی طرف روانہ ہوا۔ کیفیت ملاقات کا ادا کرنا دشوار ہے۔ جب شہزادوں امیروں نے وہ طلسمات کیے تو اس دربار کے جاہ و جلال کا کیا کہنا۔ کہ بادشاہ ہی مہمان ہو اور بادشاہ ہی میزبان۔ کہنے کے قابل یہ نکتہ ہے۔ کہ ایک دن دونوں بادشاہ برابر بیٹھے تھے۔ مگر ہمایوں کا دامن ذرا مسند سے باہر تھا۔ ندیم کوکلتاش کو تاب نہ آئی۔ اپنے ترکش کا غلاف کہ زرین و زرتار تھا۔ کمر سے کاٹا اور خنجر سے چیر کر اپنے بادشاہ کے زیر زانو بچھا دیا۔ شاہ طہماسپ کو بھی یہ جوش وفاداری پسند آیا۔ ہمایوں سے کہا۔ کہ ایسے باوفا جاں نثار تمہارے ساتھ تھے۔ پھر کیا سبب ہوا۔ کہ یہاں تک نوبت پہنچی۔ ہمایوں نے کہا کہ ان کی رائے پر عمل نہ کرنا۔ بھائی جو قوت بازو تھے۔ وہ آستین کا سانپ نکلے۔ بعض مورخ اس امر کو بیرم خاں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ایک اور جلسہ میں پھر شاہ نے ہمایوں سے پوچھا۔ کہ ایسی شکست اور تباہی کا سبب کیا تھا۔ ہمایوں نے پھر وہی کہا۔ کہ نفاق برادران۔ شاہ نے کہا۔ کہ اس ملک کے لوگوں نے رفاقت نہ کی؟

Marfat.com

ہمایوں نے کہا۔ کہ وہ لوگ غیر قوم، غیر مذہب، غیر جنس ہیں۔ ان سے اور ہم لوگوں سے، اتفاق ممکن نہیں۔ شاہ نے کہا۔ کہ جب بادشاہ غیر قوم کے ملک میں داخل ہو تو پہلا قدم مصلحت کا یہ ہے۔ کہ ان سے اتحاد اور یگانگی پیدا کر لے۔ اب کی دفعہ کریم و کارساز کرم کرے۔ تو ضرور اس بات کا لحاظ رکھنا۔ تھوڑی دیر میں دستر خوان بچھا۔ سام مرزا، شاہ طہماسپ کا بھائی کمر بستہ کھڑا تھا۔ سلانچی و آفتابہ سامنے لایا۔ اور ہاتھ دھلوائے۔ شاہ نے ہمایوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ بھائیوں کو اس طرح رکھتے ہیں! ان تقریروں میں کسی موقع پر بہرام مرزا۔ شاہ طہماسپ کا دوسرا بھائی بھی موجود تھا۔ اسے ہمایوں کی بعض باتیں ناگوار گزریں۔ اس لئے اندر ہی اندر ایسی تدبیریں شروع کیں۔ کہ شاہ امداد کے ارادے سے رک گیا۔ بہرام مرزا نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ اسی باپ کا بیٹا ہے۔ جو کئی ہزار قزلباش کو کمک کے لئے لے گیا۔ اور ازبکوں سے قتل کروا کر بھاگ آیا۔ ایک ان میں سے جیتا نہ پھرا۔

یہ اسی فوج کا اشارہ تھا۔ کہ شاہ اسماعیل سے بابر نے دوبارہ مدد مانگی۔ انہوں نے نجم ثانی کی سپہ سالاری سے لشکر روانہ کیا۔ اور وہ سازا لشکر سر لشکر سمیت وہیں فنا ہوا۔ اور حقیقت میں بابر نے بھی غضب کیا تھا۔ پہلی فتح میں جب ملک اس پر بغاوت کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا تو الزام یہی لگا تھا کہ بابر رافضیوں کے لشکر کو چڑھا کو لایا ہے۔ اور خود بھی رافضی ہو گیا ہے۔ جب دوسری فوج کشی میں نجم ثانی مع فوج فنا ہوا۔ تو بابر نے اپنے مضمون کا رنگ بدلا۔ اور کہا کہ میں ان لوگوں کو تمہاری تلوار کا طعمہ کرنے کو لایا تھا۔ اس مضمون کی زبانی فہمائشیں کیں۔ مراسلے اور پیغام بھیجے۔ بلکہ قلعہ قرش کے محاصرہ میں ایک کاغذ کا پرچہ تیر میں باندھ کر اندر سے پھینکا۔ اس پر یہ شعر لکھ دیا تھا۔

صرف راہ از بکاں کردیم نجم شاہ را   گر گناہے کردہ بودم پاک کردم راہ را

ہمایوں نے جب یہ حال سنا تو متاسف اور متحیر ہوا۔ شاہ کی ایک بہن نہایت دانا تھی۔ بلکہ امورات سلطنت میں اس کی رائے شریک ہوتی تھی۔ اس کی طرف رجوع کی۔ نیک نیت بیگم نے اپنے بھائی شاہ طہماسپ کو سمجھایا۔ ہمایوں نے خود بھی اشعار لطیف کہہ کہہ کر شاہ کو شگفتہ کیا۔ چنانچہ ایک رباعی کی دوسری بیت ہے۔ کہ فی الحقیقت شاہ بیت ہے۔

شاہاں ہمہ سایہ ہما میخواہند   بنگر کہ ہما آمدہ در سایہ تو

ایک موقع پر ہمایوں کی رباعی بیگم نے شاہ کو سنائی اور اسی کو سفارش کا ذریعہ کیا۔

ہستیم ز جاں بندہ اولاد علی   ہستیم ہمیشہ شاد بیاد علی

چوں سر ولایت از علی ظاہر شد   کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی

شاہ پھر خوش ہو گیا۔ اور شکاروں کے جلسوں میں شامل کرنے لگا۔ کئی برس کے بعد رخصت

Marfat.com

کیا۔ دس ہزار فوج قزلباش۔ شاہزادہ مراد طفل شیر خوار کے نامزد کی۔ بداغ خاں افشار کو شہزادہ کا اتالیق اور سپہ سالار کیا۔ باوجود اس کے آئین احتیاط کو بال بھر نہ سرکایا۔ فوج کو اور رستے بھیجا۔ اور ہمایوں کو اور رستے۔ کہہ دیا کہ سرحد پر لشکر مذکور تمہارے ساتھ شامل ہوگا۔ چنانچہ ہمایوں اردبیل سے۔ شاہ صفی کے مزار پر فاتحہ پڑھتا۔ تبریز سے ہوتا۔ مشہد مقدس میں پہنچا۔ اور سرحد پر فوج کو تیار پایا۔

(ملا صاحب بھی کسی سے نہیں چوکتے۔ ہمایوں کے حال میں فرماتے ہیں) ایک شب روضہ مقدس کے صحن میں اکیلا ٹہلتا پھرتا تھا۔ سنا کہ ایک زائر دوسرے زائر سے کہتا ہے (چپکے سے) ہمایوں بادشاہ ہمیں است؟ دوسرا کہتا ہے۔ بلے۔ پہلے نے ہمایوں کے برابر آ کر کہا (چپکے سے) باز دعویٰ خدائی مے کنی؟ یہ اشارہ تھا۔ کہ جب ہمایوں بعالم جاہ وجلال ملک بنگالہ میں تھا۔ تو ایک سر انقاب کا تاج پر ہوتا تھا۔ باقی چہرہ پر ہوتی تھی۔ نقاب جس وقت الٹتا تھا۔ تو ارکان دولت کہتے تھے۔ تجلی شد۔ اور ایسی بہت باتیں ہوتی تھیں۔ ایک دن تلوار کو دریا میں دھویا اور کہا۔ تلوار کس پر باندھوں۔ ہے کون؟

ہمایوں کو مذہب شیعہ اختیار کرنے کی دعوت:

اہل تاریخ لکھتے ہیں۔ کہ شاہ جو ہمایوں سے کشیدہ خاطر ہوا۔ اس میں ایک یہ بھی شامل تھا۔ کہ ہمایوں سے مذہب شیعہ اختیار کرنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ اور کہا گیا تھا کہ جہاں جہاں تمہاری عملداری ہو۔ وہاں مذہب مذکور کو رواج دو۔ ہمایوں نے اس میں عذر بیان کئے تھے۔ باوجود اس کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب میں ایسا چست و درست نہ تھا۔ جیسا کہ ایک پکے سنت وجماعت کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ فرشتہ اور خافی خاں لکھتے ہیں۔ لطیفہ۔ جب وہ اور منافق بھائی شیر شاہ کے مارے نکالے لاہور میں آئے۔ تو ایک دن ہمایوں اور کامران ساتھ ہاتھی پر سوار چلے جاتے تھے۔ رستہ میں دیکھا۔ کہ ایک کتے نے ٹانگ اٹھا کر ایک قبر پر موتا۔ کامران نے کہا (شاید طنز سے کہا ہو) معلوم میشود کہ ایں قبر رافضی ست۔ ہمایوں نے کہا۔ البتہ سگ سنی باشد۔ یہ بھی عجب نہیں کہ کلام مذکور ایک لطیفہ کے طور پر زبان سے نکل گیا ہو۔ عقیدہ کو اس سے کچھ تعلق نہ ہو۔ مگر اس سے لطیف تر یہ نکتہ ہے (لیکن اس سے بھی ہمایوں کا تشیع نہیں ثابت کر سکتے)

نکتہ تاریخی:

جب ہمایوں نے ایران سے آ کر افغانستان کو تسخیر کیا۔ تو ابھی کابل ہی میں تھا۔ جو ہندوستان میں اس کی کامیابی اور فتوحات کے چرچے ہونے لگے۔ اسے علماء فضلا سے محبت تھی۔ اور اہل شریعت

Marfat.com

کے ساتھ بہت تعظیم و آداب کے ساتھ پیش آتا تھا۔ تمام علماء و مشائخ آمد آمد کی خبریں سن کر خوش ہو گئے۔ نامے گئے۔ پیام پہنچے۔ مخدوم الملک نے موزے اور قمچی تحفہ بھیجے (یہ رمز تھی کہ موزے چڑھاؤ اور گھوڑے کو قمچی کرو) جو زیادہ دور اندیش تھے وہ خود چلے۔ کہ جتنی دور بڑھ چڑھ کر ملیں گے۔ اتنے ہی یہاں آکر زیادہ حقدار ہونگے۔

شیخ حمید سنبلی:

ایک عالم، صاحب تفسیر تھے۔ خود کابل میں جا کر ملے۔ بادشاہ کو ان سے اعتقاد تھا۔ انہوں نے ایک دن جوش جذبہ میں فرمایا۔ بادشاہم! تمام لشکر شمار ار افضی دیدم۔ بادشاہ نے کہا۔ شیخ چرا چنیں میگوئید؟ وچہ قصہ است؟ شیخ نے فرمایا۔ در ہر جا نام لشکریان شما دریں مرتبہ ہمہ یار علی مہر علی کفش علی وحیدر علی یافتم و ہیچ کس راندیدم کہ بنام یاران دیگر باشد۔ ہمایوں اس وقت تصویر کھینچ رہا تھا۔ ایسا جھنجھلایا کہ مارے غصہ کے موقلم زمین پر پٹخ دیا۔ اور کہا۔ نام پدر کلان من عمر شیخ است دیگر نمیدانم۔ اتنا کہہ کر حرم سرا میں چلا گیا۔ لیکن پھر آکر ملائمت اور نرمی سے شیخ کو اپنے حسن عقیدہ پر آگاہ کیا۔

آزاد۔ پہلے جب یہ نقل تاریخ بدایونی میں دیکھی تھی۔ تو میں حیران ہوا تھا۔ کہ ہمایوں جیسا متحمل اور خوش اخلاق بادشاہ اور مقابل میں ایک عالم شرع اور مفسر اور خود بھی اس سے اعتقاد۔ اس کی اتنی سی بات پر اتنا جھنجھلایا۔ اس کا سبب کیا؟ یہ تو ایک لطیفہ تھا لیکن جب دو دفعہ ایران کی مدد سے بابر کا سمرقند و بخارا پر جانا اور وہاں سے تشیع کی علت میں نکالا جانا کتابوں میں دیکھا۔ اور تاریخ رشیدی وغیرہ سے اس کی زیادہ تفصیل معلوم ہوئی۔ اس وقت میں سمجھا کہ جب یہ لفظ شیخ کی زبان سے نکلا ہو گا۔ تو ہمایوں کو باپ کی حالت اور علالت یاد کر کے خدا جانے کیا کیا مہلک اندیشے پیدا ہوئے ہوں گے۔ وہ ڈرا ہو گا۔ کہ اگر بھائیوں کو یہ مضمون سوجھ جائے یا کسی سے سن پائیں اور افغانوں کو بہکائیں۔ تو ابھی بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ اس صورت میں جتنا جھنجھلاتا اور گھبراتا بجا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ پھر حرم سرا سے نکل کر شیخ موصوف کی دل جوئی و دلداری کی۔ اور اپنے عقائد اس کے ذہن نشین کئے۔ کہ مبادا یہ خفا ہوئے ہوں۔ اور مجھے بھی رافضی سمجھ کر آزردہ ہوں۔ یہی باتیں اور کسی کے سامنے ان کی زبان سے نکل جائیں تو خدا کی پناہ۔ اس کی بھڑکائی ہوئی آگ کو کون ہے جو بجھا سکے گا۔

تورانیوں یا افغانوں سے اتفاق ناممکن:

اور شیخ موصوف نے بھی سچ کہا تھا۔ ہمایوں کے اکثر ہمراہیوں کے نام ایسے ہی تھے۔ بلکہ گدا علی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی۔ درویش علی، محب علی وغیرہ۔ نام جو جابجا تاریخوں میں آتے ہیں۔

Marfat.com

وہ انہوں نے نہیں لئے۔ یہ لوگ بابر کے ساتھ ایران سے آئے ہونگے۔ یا ہمسائیوں کے ہمراہ ہوں گے۔ ہزارہ جات۔ کابل کے لوگ بھی تمام شیعہ ہیں۔ اور افغانوں کی اور ان کی ہمیشہ عداوت رہتی ہے۔ یہ بھی عجب نہیں کہ افغانوں کو کامران کیساتھ دیکھ کر ہزارے ہمایوں کے ساتھ گئے ہوں۔ ہمایوں جوان لوگوں کو ساتھ رکھتا تھا۔ یہ بھی مصلحت سے خالی نہ تھا کیونکہ بھائیوں سے مقابلہ تھا۔ اور افغان ان کے ساتھ تھے۔ ترکوں کا کچھ اعتبار نہ تھا۔ ابھی ادھر۔ ابھی ادھر۔ دونوں ان کے گھر تھے۔ ایرانیوں اور اور شیعہ مذہب کے لوگوں سے یہ امید نہ تھی۔ کیونکہ تورانیوں یا افغانوں کا ان کا اتفاق ناممکن تھا۔ اور اب تک یہی حال ہے۔ ہمایوں کی سلطنت کا زمانہ اہل تاریخ ۱۵۵۳ھ سے ۱۵۵۶ھ تک بیان کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہمایوں کی سلطنت صرف تقریباً گیارہ برس رہی۔ یعنی پہلی مرتبہ ۱۵۳۰ھ سے ۱۵۴۰ھ تک اور دوسری مرتبہ چند مہینے ۱۵۵۶ھ میں۔ ۱۵۴۰ھ سے ۱۵۵۶ھ تک کا کل زمانہ ہمایوں نے جلاوطنی میں گزارا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی حکومت شیر خاں افغان اور اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں رہی۔ ۱۵۵۶ھ میں ہمایوں نے ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان پر دوبارہ چڑھائی کی۔ اور لاہور تک آن پہنچا۔ اور سکندر لودھی کو کوہستان شمالی میں بھگا کر دہلی اور آگرہ پر متصرف ہو گیا۔ لیکن اسی سال میں کہ اس کی فتح کو چھ ماہ ہی گزرے تھے۔ وہ اپنے کتب خانہ کے زینہ سے گر کر جاں بحق ہوا۔ اور ہمایوں بادشاہ از بام افتاد تاریخ ہوئی۔

عبداللہ خاں اُزبک

عمدہ سردار تھا۔ اور ہمایوں کے عہد سے ملازمت میں تھا۔ اور خدمتیں بجالاتا تھا۔ جب ۹۶۸ھ میں پیر محمد خاں پانی کے رستے ملک عدم کو روانہ ہوئے۔ اسے بلایا۔ تو باز بہادر وہاں کا فرماں روائے قدیم نے پھر آ کر مالوہ کو مار لیا۔ امرا اس کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ دربار کو بھاگ آئے۔ یہاں ملامت پھٹکار کی مار کھا کر قید ہوئے۔ چند روز بعد نکل آئے۔ بادشاہ نے عبداللہ خاں ازبک کو مع چند امرا کے فوج دیکر بھیجا۔ اس نے جنگ مردانہ کے ساتھ باز بہادر کو بھگا دیا اور ملک پر قبضہ کر لیا۔ امرا اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔

۹۷۱ھ میں اکبر ہاتھیوں کے شوق میں شکار کے لئے نرور کے جنگل میں گئے۔ کہ وہاں ان کی بہتات تھی۔ عجب عجب ایجادوں کے ساتھ بڑے بڑے دیوزاد پکڑے اور سارنگ پور کے رستے سے مندو کے علاقہ میں آ کر قیام کیا۔ عبداللہ خاں ازبک کو یا تو یہ خیال ہوا۔ کہ ملک مفتوحہ کے خزانوں اور

Marfat.com

اجناس خانوں کے انبار دربار میں نہیں پہنچے۔ یا ان کے حساب کتاب دینے سے گھبرایا۔ یا کچھ اور امیر بادشاہ کے خلاف مرضی ہو گئے۔ غرض تمام اہل و عیال اور دولت و مال لیکر مندو سے نکلا۔ اور گجرات کو چلا۔ بادشاہ نے مقیم بیگ کو شجاعت خاں بنایا اور فوج دیکر روانہ کیا۔ کہ اسے سمجھا کر لے آؤ (وہی تردی بیگ کے بھانجے) شجاعت خاں کیا تھے۔ اور ان کا سمجھانا کیا تھا بات بگڑ کر بڑھ گئی۔ اور ہراول سے ایک جھپٹ بھی ہوئی۔ لیکن اکبر کی یلغار کا ڈر تھا کہ پاس ہی موجود ہے۔ اس لئے بھاگ کر گجرات میں گیا۔ اور چنگیز خاں والی گجرات کی پناہ میں جا بیٹھا۔ اکبر نے بہت چاہا کہ پرانا خدمت گزار ہے۔ آ جائے لیکن کوشش کارگر نہ ہوئی۔ مقیم بیگ پیچھے پیچھے گجرات تک چلے گئے تھے۔ اس کے اہل و عیال پکڑ لائے۔ ہاتھی گھوڑے نقد و جنس جو ہاتھ آیا چھین لائے۔ جو رہا سو نصیب اعدا۔ جنگلوں کے گنوار بھیل مینے۔

سکندر خاں ازبک

اودھ میں اس کی جاگیر تھی۔ کہنے والوں نے اکبر سے کہا کہ یہ بھی افغانوں کے مال مار کر مال زادہ ہو گیا ہے۔ اور طور بھی بے طور نظر آتے ہیں۔ چنانچہ بھائی کے ساتھ اس کا بھی اعتبار گیا۔ ادھر اس نے خان زمان سے پیغام سلام کر کے اتفاق کر لیا۔ اکبر کو سب خبریں پہنچتی تھیں۔ اور اصلیت سے زیادہ گل پھول لگ کر پہنچتی تھیں۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ خاں ازبک اس وقت توران میں کمال اولوالعزمی سے سلطنت کر رہا تھا اس لئے بادشاہ کو فرقہ مذکور کے نام سے بدگمانی اور بیزاری تھی۔ فہمائش کے لئے اشرف خاں میر منشی حضور کو بھیجا کہ عفو تقصیر کی امید سے خاطر جمع کرو۔ اور سمجھا کر لے آؤ، وہ میر منشی کو بھی انشا پردازی سکھانے والا تھا۔ اس نے باتوں میں لگا لیا۔ اور کہا کہ ابراہیم خاں ہم سب کا بزرگ ہے۔ اس سے گفتگو کر لوں تو جواب دوں۔ اس کی جاگیر سرہرپور میں تھی۔ اشرف خاں کو بھی وہاں لے گیا۔ اور وہاں سے خان زماں کے پاس جون پور پہنچا کہ سب مل کر جواب دینگے۔ میر منشی حضور ہیں کہ نظر بندوں کی طرح ساتھ پڑے پھرتے ہیں۔ خان زماں نے جو بغاوت کا خاکہ ڈالا تھا۔ اس میں سکندر خاں ملک مالوہ کے لئے تجویز ہوا تھا۔ جب خان زمان مارا گیا۔ تو اکبر نے محمد قلی برلاس اور مظفر خاں کو فوج دیکر اس کے پیچھے بھیجا۔ وہ بہت مضطرب ہوا۔ اور سارے ازبک گھبرا گئے۔ صلح کا پیغام بھیجا۔ دونوں امیروں سے ملاقات ہوئی۔ مگر گورکھپور کی طرف بھاگ کر عملداری بادشاہی سے نکل گیا۔ بادشاہ بھی چپکا ہو رہا۔ ۹۷۹ھ میں حاضر خدمت ہوا اور خطا معاف ہو گئی۔ مگر

Marfat.com

اپنی جاگیر پر جاتے ہی مر گیا۔

عبداللہ نیازی سرہندی

نیازی افغانوں میں ایک فرقہ ہے۔ میاں عبداللہ پہلے شیخ سلیم چشتی کے مرید تھے۔ فتح پور میں جو شیخ کی نئی خانقاہ ہے۔ اس کے برابر ایک حجرہ میں اعتکاف سے بسر کرتے تھے۔ وہی حجرہ تھا کہ ایک دن چار ایوان بن گیا اور عبادت خانہ کہلایا اس کے پاس محل بادشاہی بلند ہوئے۔ پہلی دفعہ جو شیخ سلیم چشتی خشکی کے راستے حج کو جا کر پھر آئے تو میاں نے حج کی اجازت لی۔ شیخ عرب و عجم اور ہند میں جن جن مشائخ و اہل اللہ سے ملے تھے۔ سب کے نام اور کچھ کچھ حال ایک طومار میں لکھ لائے تھے۔ میاں وہ فہرست لیکر اکثر شہروں میں پھیرے۔ بہت سے مشائخ سے ملاقات کی۔ اور پھر ہندوستان میں آئے۔ گجرات دکن پہنچے۔ تو دیکھا کہ میر سید محمد جونپوری کی مہدویت نے زور و شور کر رکھا ہے۔ میاں ان کے معتقدین سے ملے۔ اور وہی طریقہ اختیار کیا۔ سلیم شاہ کا زمانہ تھا۔ تو بیانہ میں گمنامی اور آزادی اور بے پروائی اور بے تکلفی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ اور عام فقرا کی طرح گزراہ کرتے تھے۔ جب شیخ علائی کے معاملہ نے طول کھینچا۔ اور مخدوم الملک کے اغوا سے سلیم شاہ نے بہت ستایا۔ اور نہایت سخت مار دھاڑ کی تو وہ وہاں سے نکل گئے۔ اور اطراف عالم میں سیاحی کرتے رہے۔ اخیر میں مہدویت سے توبہ کر کے سرہند میں گوشہ نشین ہو بیٹھے۔ مشائخ کی طرح رہتے تھے۔ اور اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔

چار ایوان کی تعمیر:

اکبر نے جب ان کے حجرہ پر چار ایوان تعمیر کرکے عبادت خانہ نام رکھا۔ اور علما کے مجمع ہونے لگے۔ تو ایک تقریب سے ان کا بھی وہاں ذکر آیا۔ بادشاہ نے بلا بھیجا۔ تنہائی میں ملاقات کی اور باتیں چیتیں پوچھیں۔ انہوں نے عقائد مہدویت سے انکار کیا۔ اور کہا کہ پہلے یہ لوگ مجھے بہت اچھے معلوم ہوئے۔ اس لئے مائل ہوا تھا۔ پھر حقیقت اصلی روشن ہوئی۔ اس لئے انکار کیا۔ بادشاہ نے عزت سے رخصت کر دیا۔

۹۹۳ھ میں اٹک کو سواری جاتی تھی۔ سرہند میں اترے تو انہیں پھر بلایا اور مدد معاش میں زمین دینی چاہی۔ انہوں نے قناعت کی دستاویز دکھا کر قبول نہ کی۔ بادشاہ نے آپ ہی ان کے اور ان کے فرزندوں کے نام پر مقام سرہند میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا اور فرمان لکھوا کر حوالہ کر دیا۔

Marfat.com

حکم شاہی کی اطاعت سمجھ کر لے لیا مگر اپنے توکل کا شیوہ نہ چھوڑا۔ اور فرمان سے کچھ کام نہ لیا آخر کام تمام ہو گیا۔

(ملا صاحب کہتے ہیں) جب ابراہیم مرزا احمد آباد گجرات سے بغاوت کر کے بھاگا اور ہندوستان سے لوٹتا مارتا پنجاب کو چلا۔ حسین خاں پیچھے پیچھے دھاوا مارے آتا تھا۔ اور میں بھی ساتھ تھا۔ تب سرہند میں دیکھا احیاء العلوم سامنے تھی اور اسی پر ان کا مدار تھا (ملا صاحب کا نشتر کہیں نہیں چوکتا۔ ایک کوچا مار ہی جاتا ہے) کچھ فوائد بیان کر رہے تھے۔ محمود خاں ایک دوست کہ سلیم شاہ کے عہد سے میرا یار تھا۔ اور ان دنوں شیخ علائی کی برکت سے اس جوش کی دینداری اس میں سمائی تھی۔ کہ ہر مجمع و محفل میں ابلتا پھرتا تھا۔ اور جہاں شیخ کا ذکر آتا شمشیر برہنہ بن کر سامنے ہو جاتا تھا۔ شوخ طبع شیخ مبارک نے اسے سیف اللہ خطاب دیا تھا۔ حسن اتفاق یہ کہ اس وقت وہ بھی ہمراہ تھا اس نے پوچھا کہ حضرت دل کیا شے ہے؟ بولے کہ ہم اس سے ہزاروں منزلیں دور پڑے ہیں۔ کیا پوچھتے ہو۔ کوئی اخلاق کی بات کہو۔ پھر میر سید محمد جونپوری قدس اللہ روحہ کے ذکر میں ایک بڈھے مغل کو حاضر کیا۔ اور اس سے گواہی چاہی۔ اس نے کہا کہ جب میر سید موصوف نے فراہ میں رحلت کی تو میں خود حاضر تھا۔ انہوں نے دعوئ مہدویت سے انکار کیا اور کہا کہ میں امام مہدی نہیں ہوں۔ محمود خاں چپکے چپکے کہہ رہا تھا واہ میاں عبداللہ عجب کام کیا۔ بچارے شیخ علائی کو مفت قتل کروایا۔ آپ الگ ہو گئے۔ آخر میاں عبداللہ بھی ۹۰ برس کی عمر ۱۰۰۰ھ میں رحلت فرمائی۔ عجب دنیا ہے اور عجب اہل دنیا۔ مگر کیا کیجئے۔ یہاں بھی ایسی صورتیں پیش آتی ہیں۔ کہ انسان کی عقل گم ہو جاتی ہے۔ ملا صاحب مہدویت کا ذکر ہر جگہ۔ اور یہاں بھی سید محمد جونپوری اور میاں عبداللہ کا ذکر ایسے ادب اور تعظیم کے لفظوں سے کرتے ہیں۔ گویا ان کی حالت کو دل سے پسند کرتے ہیں۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ مہدی نہ تھے۔ البتہ یہ لوگ اتقا اور پرہیزگاری میں حد سے گزرے ہوئے تھے۔ اور ملا صاحب اتباع شریعت کے عاشق تھے۔ اس لئے ان کے باب میں اچھے لفظ قلم سے ٹپک جاتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ جہاں موقع پاتے ہیں چٹکی بھی لے جاتے ہیں۔ چوکتے کسی سے بھی نہیں۔

فصلی سن کی بابت فرمان

تاریخ سے اصل مطلب عہد مہمات کی آگاہی اور معاملات کی آسانی ہے۔ کہ حساب میں غلطی اور باہم تکرار نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے جائیداد بیچی یا گرو رکھی۔ یا کچھ قرض لیا۔ مدت اس میں چار

Marfat.com

سال چار مہینے قرار پائی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک تاریخ کی ابتدا نہ لکھی جائے۔ تب تک میعاد کا گزرنا یا باقی رہنا بالکل معلوم نہیں ہوتا۔ اور جب معاملہ کو زیادہ مدت گزر جاتی ہے۔ اور شمار برسوں کا بہت ہو جاتا ہے۔ تو حساب بھی بڑھ جاتا ہے۔ پھر شمال سال کے نکالنے میں اور بھی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بلکہ جس قدر نئے سال اور تھوڑے ہی سنہ ہوں کاروبار والوں کو آسانی ہوتی ہے۔

واقفان کتب تواریخ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ عالم میں جو تاریخیں اور سنہ رائج ہیں۔ یہ سلاطین اوالوالعزم اور شاہان فتح یاب نے اپنے اپنے وقت میں قرار دیئے ہیں۔ اور اہل معاملہ کے بار تکلیف کو ہلکا کیا ہے۔ غور کر کے دیکھو کہ تاریخ ہجری کیا شے ہے۔ یہ درحقیقت وہ سال ہے جس میں اعدائے اسلام کے زور اور غلبہ نے حضرت سے وطن اور گھر چھڑوایا ہے۔ اب اسے ہزار برس کے قریب ہو گئے۔ ہندی تاریخ کو پندرہ سو سے زیادہ ہو چکے۔ سکندری و یزدجردی ہزاروں سے گزر گئے۔ معاملات اور مقدمات میں ان کا لکھنا اور کہنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً عوام الناس کو کہ انہی کے کام بہت ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے مختلف قطعوں میں مختلف سنہ رائج ہیں۔ بنک بہار میں آغاز حکومت چھمن سے لیا ہے۔ جسے آج تک چار سو پندرہ برس گزرے۔ گجرات دکھن میں سالباہن سے لیا ہے۔ اسے ۱۵۰۶ء برس ہوئے۔ مالوہ اور دلی وغیرہ میں سنہ بکرماجیت ہے۔ اسے ۱۶۴۱ ہوئی۔ کانگڑہ کے پہاڑوں میں جو راجہ کوٹ کانگڑہ میں راج کرے اسی کے جلوس کا سنہ سارے پہاڑ میں چلتا ہے۔ اور ان لوگوں کی حقیقت اور قدر و منزلت خود ظاہر ہے۔ کہ کیا تھی اور کیا مرتبہ رکھتے تھے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ کہ تاریخ ہائے ہندی کا کوئی سنہ کسی واقعہ عظیم کی بنیاد پر نہیں ہے۔

اسی بنیاد پر حضور میں معروض ہوا۔ کہ اگر کوئی نیا سنہ قرار دیا جائے۔ تو عامہ خلائق کے لئے آسانی ہو جائے۔ اور جابجا اختلاف ہے وہ بھی رفع ہو جائے۔ پرانی تاریخوں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ نیا سنہ اکثر وقائع عظیم یا کسی ملت قویم کے قائم ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ الحمد اللہ اس سلطنت عالی میں وقائع عظیم اور مہمات جسیم اور استوار قلعے اس قدر فتح ہوئے ہیں۔ کہ ایک ایک بات کو آغاز سنہ کی بنیاد قرار دیں تو زیبا ہے۔ لیکن ہم نے اپنی تاریخ جلوس پر بنیاد رکھی۔ ملک شاہ کے زمانہ میں اعداد سال کچھ زیادہ نہیں ہوئے تھے۔ اس نے آسانی خلائق کا خیال کر کے تاریخ جلالی وضع کی۔ اور وہی سنہ ممالک عرب و عجم اور ترکستان اور خراسان اور ایران کی تقویموں میں جاری ہے۔ اور عالم کے دیندار اور اہل دیانت ہر عہد میں وہی لکھتے رہے۔

ان مراتب پر نظر کر کے اہل التجا کی عرض قبول ہوئی۔ اور سال جلوس کے پہلے نوروز سے سنہ

Marfat.com

شروع کیا گیا۔ اور تقویم اور پتری والوں کو چاہیئے۔ کہ جس طرح عربی، رومی، فارسی جلالی سنہ اپنے کاغذوں میں لکھتے ہیں۔ تاریخ جدید کو بھی لکھا کریں۔ کہ آسانی کے دروازے کھل جائیں۔ اور پتروں میں بجائے مختلف تاریخوں کے خصوصاً سمت بکرماجیت کی جگہ یہی تاریخ لکھی جائے۔ رنگ برنگ کی تاریخیں کاغذات معاملات میں موقوف ہو جائیں۔

ہندوستان کی تقویموں میں سال شمسی ہوتے ہیں اور مہینے قمری۔ اب مہینے بھی شمسی لکھا کریں۔ کہ حساب میں صفائی رہے۔ احتیاط اور اہتمام اور تسہیل اور مبارک شگون سمجھ کر ہر تقویم کو مہر اشرف سے مزین کر کے بھیجتے ہیں۔ اسی کے بموجب عمل درآمد ہو۔

آزاد۔ ہندو مسلمان میں صدہا سال سے تلوار درمیان چلی آتی ہے۔ جو جو سنہ اس وقت ہندوستان میں اپنے اپنے مقام پر رائج تھے۔ اگر انہیں موقوف کر کے حکماً ہجری سنہ جاری کر دیتے تو ہنود کو سخت ناگوار گزرتا۔ مصلحت اندیش بادشاہ نے سب مذہبوں سے قطع نظر کیا۔ اپنے سنہ کا نام سنہ الٰہی رکھ دیا۔ اللہ کا نام کسے ناگوار ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی محبت، ہمدردی اور بے تعصبی سے دلوں میں گھر کیا ہوا تھا۔ کوئی اصلا ناخوش نہ ہوا۔ اور دیکھو! ناخوش ہوئے تو کون ہوئے۔ جو اسی کی بدولت اسلام کے رشتہ دار بنے بیٹھے تھے اور پیغمبروں کی میراث کے دعوے رکھتے تھے۔ اور اسی کو کافر بناتے تھے۔ آفرین ہے اس حوصلہ پر۔ اکبر سب کچھ سنتا تھا۔ ان ناقباحت فہموں کی باتوں پر کیا کہتا ہوگا۔ خون جگر پیتا ہوگا۔ اور رہ جاتا ہوگا۔ میرے دوستو! عامہ اہل عالم سے معاملہ اور رعایا کے ساتھ علاقہ رکھنا بڑا نازک مقدمہ ہے۔ تھوڑی تھوڑی باتیں ہوتی ہیں۔ کہ عام خیالات میں آ کر انسان کو محبوب الخلائق کر دیتی ہیں۔ ذرا ذرا سی باتیں ہوتی ہیں۔ جن سے سب کے دل متنفر ہو جاتے ہیں۔ انتہا ہے کہ بغاوت عام اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ جو لوگ جاننے والے ہیں۔ وہ باتوں کے ذریعے سے توپوں اور تلواروں کے کام لیتے ہیں۔

۹۹۳ھ میں سال الٰہی ایجاد ہوا مگر شروع سال۔ اردی بہشت سن جلوس سے رکھا گیا۔ اور آئندہ کا نوروز لیا کہ جلوس کے پچیس ہی دن بعد ہوا تھا۔ اسی حساب پر کاغذات دفتر اور تصنیفات میں تحریر جاری ہوئی۔ ریاضی داں اور ہیئت شناس جمع ہوئے۔ سنہ قمری کے مطابق۔ دنوں کی کمی بیشی کے حساب پھیلائے۔ جس جلسہ کے دائرہ میں یہ مبارک پرکار گردش میں آئی۔ میر فتح اللہ شیرازی اس کے مرکز میں صدر نشین تھے۔

Marfat.com

قاضی نظام بدخشی مخاطب بہ غازی خاں

پہلے مرزا سلیمان کے پاس بدخشاں میں تھے۔ اور امرا میں داخل تھے۔ جس گاؤں میں رہتے تھے اس کے پاس ہی کان لعل ہے۔ علوم متداولہ میں مولانا عصام الدین کے شاگرد تھے۔ ملا سعید سے علوم دینی حاصل کئے۔ شیخ حسین خوارزمی ادھر کے ملکوں میں بڑے نامی مشائخ تھے۔ طریقت میں ان سے بیعت تھی۔ ۹۸۲ھ میں یہ اور فیروزہ کابلی دربار اکبری میں پہنچے۔ بادشاہ خان زمان کی مہم طے کر کے جونپور سے پھرے آتے تھے۔ خانپور کے مقام پر ملازمت ہوئی۔ کہ ملا صاحب نے پہلی ہی نظر میں پرکھ لیا تھا۔ طنز سے تاریخ کہی دانائے بدخشی۔ لکھتے ہیں کہ اعلم علمائے ماوراالنہر و بدخشان تھے۔ علم تصوف سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ بدخشاں میں بھی صاحب عزت تھے۔ اور امرا میں شمار ہوتے تھے۔ یہاں آتے ہی کمر شمشیر مرصع، پانچ ہزار روپے نقد انعام پائے۔ مادہ قابل تھا۔ اور زمانہ کا مزاج پہچان لیا تھا۔ جلد رنگ چڑھ گیا۔ چار ایوان کے جلسوں میں علماء سے اکثر معرکے مارے اور قاضی خاں ہو گئے۔ جہاد کی تلوار کمر سے باندھ کر میدان جنگ میں پہنچے۔ چند روز میں قاضی خاں سے غازی خاں ہو گئے۔ ہزاری منصب مل گیا۔ اور اس پر بڑے خوش ہوتے تھے۔ ملا صاحب کا یہ لکھنا بھی چوٹ سے خالی نہیں۔ کیونکہ ہزار بیگھہ جاگیر کی بدولت یہ بھی اپنا ہزاری کا وزن سمجھتے تھے۔

غازی خاں ہر قسم کی لیاقت رکھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے علاقوں کے انتظام بھی سنبھال لیتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کے ماتحت میدانوں میں بھی بہادری کے جوہر دکھاتے تھے۔ فیروزہ کے باب میں ملا صاحب فرماتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ طالب علمی کا وقوف رکھتا تھا۔ حسن خط میں ہاتھ ہلاتا تھا۔ موسیقی میں بھی آواز لگاتا تھا۔ غرض ہیئت مجموعی خاصی تھی۔ مگر یہ جوہر اس کے حق میں نگین فیروزہ کے جوہر نکلے۔ کہ چند روز میں نظروں سے گر گیا۔ اور مردہ ہو گیا۔ نظام بڑھتے چلے گئے۔ رانا کیکا کی مہم پر مان سنگھ کے ساتھ گئے تھے۔ وہاں بہادری کا جوہر دکھایا۔ سپاہی تو بھاگ گئے تھے۔ وہ سپاہ گری کو رفاقت میں لے کر شریک حال رہے۔

سجدہ زمیں بوس انہی کی تصنیف میں تھا۔ اکبر کے محضر اجتہاد پر پہلے جن چار عالموں نے مہریں کیں۔ ان میں سے چوتھے نمبر پر یہ تھے۔ بڑے بڈھے ہو کر مرے۔ اخیر کو یہ نوبت ہوئی۔ کہ منہ میں دانت رہے نہ پیٹ میں آنت۔ نہ ہاتھ پاؤں میں سکت۔ لطیفہ۔ قالین پر بیٹھ جاتے تھے۔ نوکر چاروں کونے پکڑ کر اٹھاتے تھے۔ اور جہاں کہتے تھے وہاں رکھ دیتے تھے۔ اسی طرح پالکی سے

Marfat.com

اتر کر دربار میں پہنچتے تھے۔ کوئی پوچھتا۔ چہ حال دارید؟ فرماتے۔ الحمدللہ بقوت حرص بر پایم۔ لطیفہ۔ ایسے لوگوں کے نکر بھی ڈھیٹ اور مگرے ہو جاتے ہیں۔ جب آپ ان پر خفا ہوتے تو کہتے۔ الٰہی تو ہم ہزاری شوی۔ تا قدر مرا بدانی۔ ملا صاحب کہتے ہیں۔ لطیفہ۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ قلیچ خاں کے دیوان خانے میں ضیافت افطار تھی۔ مشائخ، امرا، علما کی جماعت کثیر جمع تھی۔ کہ میں پہنچا۔ دیکھتا ہوں آپ سورہ انا فتحنا کی تفسیر بیان کر رہے ہیں۔ میں نے ایک جگہ سوال کیا۔ انہوں نے کچھ توجیہ کی۔ میں نے پھر روکا۔ آپ جھنجھلانے لگے۔ میں نے کہا۔ سبحان اللہ اہل ولایت کے اخلاق بھی آج معلوم ہو گئے۔ فرمایا۔ تمہیں خیال ہوگا کہ میں ہزاری منصب کے سبب سے زیادتی کرتا ہوں۔ میں نے کہا۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور بھی خفا ہوئے۔ خیر کچھ عرصہ کے بعد آصف خاں بخشی نے پھر آیۃ الصلح خیر۔ پڑھوا دیا۔ تکلف کا پردہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ گیا۔

سال اول جلوس اکبر میں جبکہ مرزا اسلیمان کابل پر فوج لیکر آیا۔ اور مرزا حکیم کو محاصرہ میں تنگ کیا تو ان کی زبانی پیام وسلام ہوئے تھے۔ منعم خاں نے اپنی کارروائی ایسے کروفر سے دکھائی۔ کہ ان کی بلکہ تمام بدخشیوں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ انہوں نے مرزا کو جا کر سمجھایا کہ قلعہ کا ٹوٹنا محالات سے ہے۔ مرزا کی ہمت پست ہو گئی۔ اور بدخشاں کو واپس گیا۔ دربار اکبری کی دھوم دھام سن کر چند روز بعد مرزا سے الگ ہوئے۔ اور کابل میں آئے۔ مرزا حکیم نے اعزاز و اکرام سے رکھا۔ ہمت کی نگاہ دور لڑی ہوئی تھی۔ یہ وہاں سے بھی آگے بڑھے۔

۲۱ جلوس میں جب راجہ مان سنگھ رانا کی مہم پر لشکر لے کر گئے۔ تو یہ بھی ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں جہاد کی تلوار سونتے۔ دست راست پر سردار تھے۔ اس معرکہ میں ایسے گھوڑے دوڑائے۔ کہ ملائی کی حد کو پھلانگ ❶ گئے۔ جب صوبہ بہار میں امرا باغی ہوئے اور فساد کا گولا اودھ تک پہنچا۔ یہ لشکر بادشاہی کے ساتھ اپنے پسینہ کو دشمنوں کے خون میں بہاتے تھے۔

۹۸۹ھ میں انہیں کوہستان تبت کا علاقہ ملا۔ وہاں بہادر خاں (سفید بدخشی کا بیٹا) تھا۔ وہ باغی ہو گیا۔ اور ایسا بگڑا کہ اپنا سکہ آپ کہہ کر اشرفی روپے چلائے۔

بہادر دین سلطاں آنکہ بن اسفید شہ سلطان — پدر سلطاں پسر سلطاں زہے سلطان بن سلطان

غازی خاں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ دربار کے لوگ ان کی ملائی کا خیال کر کے ہنستے تھے۔ اور کہتے تھے دیکھیں، آہن بہ آہن کوفتن چہ رنگ پیدا مے شود۔ بدخشی سے بدخشی کی ٹکر ہے۔ اور لال سے لال لڑتا ہے۔ لیکن باپ کے نام نے کام بگاڑ دیا۔ بہادر خاں کا رنگ پھیکا پڑا۔ غازی خاں نے کچھ

❶ دیکھو راجہ مان سنگھ کا حال۔

Marfat.com

تسبیح کا زور لگا کر کچھ فوج بنا کر جنگ کا سامان کیا۔ خان اعظم ان دنوں بہار میں تھے۔ کچھ ان سے مدد لی۔ اور پہاڑ میں جا کر خوب پتھر ٹکرائے۔ بہادر بالکل نامردہ نکلا۔ مال اسباب ایک طرف عیال بھی چھوڑ کر بھاگا۔ بے غیرت نے ناموس کا بھی خیال نہ کیا۔ یہی سمجھا ہوگا۔ کہ ہم بھی بدخشی، تم بھی بدخشی۔ جو ہمارے عیال سو تمہارے عیال۔ خیر انہوں نے بھی مسجدوں میں جھاڑو دی ہوئی تھی۔ سب کوڑے کو سمیٹا اور گھر بھر لیا۔ لڑ کا پھر بھی سر تا نکلا۔ چند روز بعد ہاتھ باندھ کر حاضر ہو گیا۔

شغال بیشہ ماژندراں را　　　　انگیرد جز سگ ماژندرانی

ملا صاحب لکھتے ہیں۔ ۹۹۲ھ میں بادشاہ نے الہ آباد سے کوچ کیا۔ میر ان کا ساتھ ہوا۔ دور تک علمی تذکرے، اور مشائخ کبار کی باتیں ہوتی گئیں۔ یہی آخری ملاقات تھی۔ باہم رخصت ہوئے۔ وہ اور طرف میں اور طرف۔ ان کی تصنیفات کچھ بہت تھیں اور علماء میں چنداں اعتبار نہیں رکھتیں۔ تفصیل یہ ہے۔

رسالہ اثبات کلام و بیان ایمان:

رسالہ اثبات کلام و بیان ایمان۔ تحقیق و تصدیق، حاشیہ شرح عقائد پر تصوف میں کتنے ہی رسالے لکھتے تھے۔ بہتر برس کی عمر تھی۔ کہ دنیا سے انتقال کیا۔ شیخ ابوالفضل نے رخصت کے وقت سند کیا خوب دی ہے۔ جسے ظاہر و باطن کا حال سب کھل جاتا ہے۔ دانائی کے چہرہ کو سپا ہگری سے روشن کرتا تھا۔ اور تلوار سے قلم کا رتبہ ابھارتا تھا۔ علوم رسمی میں ڈوب چکا تھا۔ مگر ارادت بادشاہی کی برکت سے اہل اشراق اور صوفیان صافی کے ساتھ زاری و نیازی میں حاضر تھا۔ صورت کی شائستگی میں معنی کی وارستگی سمیٹتا تھا۔ ظاہری لیاقت کے ساتھ آزادی کے منافعے کمائے تھے۔ ہمیشہ چشم پر آب اور دلگداز رہتا تھا۔ قصبہ اودھ میں آخری سفر اختیار کیا۔ بہانہ یہ ہوا۔ کہ بی بی کے پاس بے وقت گیا تھا۔ اور صوفیان صافی کے ساتھ زاری و نیاز میں حاضر تھا۔

حسام الدین ان کا بیٹا تھا۔ اکبر نے اسے ہزاری منصب عطا کیا۔ اور خان خاناں کے ساتھ دکن کو بھیج دیا۔ وہاں اس پر جذبہ غیبی طاری ہوا۔ خان خاناں سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے۔ اس نے رخصت کیا۔ کپڑے پھینک دیئے۔ کیچڑ مٹی بدن کو ملی۔ اور حاضر دربار ہو کر استعفا پیش کیا۔ اکبر نے منظور کیا۔ اس نے دلی میں سکونت اختیار کی۔ اور دنیا سے الگ ہو کر بیٹھ رہا۔

Marfat.com

ملا عالم کابلی

ایک ملائے شیریں کلام خوش ادا خوش طبع موزون حرکات تھے۔ (چار ایوان) عبادت خانے کے مباحثوں میں پیش قدم بن کر معرکہ آرائی کرتے تھے۔ جب وہ لطائف وظرائف کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ تو اہل جلسہ کو لٹا لٹا دیتے تھے۔ اور حریف اپنا مباحثہ بھی بھول جاتا تھا۔ تصنیفات کا ایک ذخیرہ تھا۔ مگر وہ بھی مسخرا پن مثلاً ایک بیاض میں شرح مقاصد کے کسی مطلب پر تقریر لکھی ہے۔ اس کے اخیر میں آپ لکھتے ہیں۔ یہ عبارت کتاب قصد کی ہے۔ کہ راقم آثم کی تصنیفات میں سے ہے۔ کہیں لکھ دیتے ہیں۔ تجدید جو کہ میں نے شرح تجرید کے مقابل میں لکھی ہے۔ اس میں اس مطلب کو بہ تفصیل لکھا ہے۔ کہیں مطول کی عبارت پر ایک تقریر لکھتے ہیں۔ اور اس میں فرماتے ہیں کہ طول جو ایک مفید و مفصل کتاب فن بلاغت میں نے لکھی ہے۔ اور ضخامت میں مطول واطول سے کم نہیں۔ اس کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

ایک بھاری ذخیرہ مشائخ واولیائے ہند کے حالات میں جمع کیا۔ کوئی مجاور، کوئی خادم درگاہ، کوئی کنگال، کوئی بھیک منگا نہ چھوڑا۔ جس کا نام سنا۔ اس کا ذکر لکھ دیا۔ اور آخر میں تتمہ بھی لگا دیا۔ اس کا نام رکھا دفواتح الولایہ لوگ پوچھتے۔ کہ یہ واو عاطفہ کیسا؟ اور اس کا معطوف علیہ کہاں ہے؟ فرماتے مقدر ہے۔ ذہن بذاتہ انتقال کرتا ہے۔ ذکر کی کیا حاجت ہے۔ لوگ پوچھتے وہ کیا؟ تو کہتے وہ فوائح الوالیہ بالفتح جیسا کہ معطوف ہے بالکسر۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔ ایک دن مجھے اور مرزا نظام الدین بخشی کو صبح بہت سویرے نہایت اصرار سے اپنے گھر لے گئے۔ وہی تصنیفات کہ ہاضمہ کا چورن اور بھوک کی معجون تھیں۔ نکال کر بیٹھے۔ بکتے بکتے۔ اور سنتے سنتے دوپہر آ گئی۔ ہم میں مارے بھوک کے بات کرنے کی حالت نہ رہی۔ آخر مرزا نے بے طاقت ہو کر کہا۔ یہ تو کہو۔ کچھ کھانے کو بھی ہے؟ ہنس کر بولے۔ او ہو میں نے تو جانا تھا۔ کہ تم کھا کر آئے ہو گے۔ ٹھہر جاؤ۔ ایک حلواہ فربہ۔ برہ شیر مست ہے۔ میرے پاس طویلہ میں بندھا ہے۔ کہو تو اسے ذبح کر لوں؟ ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہنستے ہوئے گھر کو بھاگے۔ ان کی ایسی ایسی ہزاروں باتیں تھیں۔ کوئی کہاں تک لکھے۔

غازی خاں بدخشی کی خوش نصیبی اور ترقی کا داغ تھا۔ جلسوں میں بیٹھ کر کہا کرتے تھے۔ یہ بھی مسخرا پن۔

Marfat.com

شیخ ابوالفضل اور غازی خاں:

شیخ ابوالفضل اور غازی خاں وغیرہ ہم چشموں کو دیکھا۔ کہ ملائی کے گوشے سے کود کر اعلیٰ درجہ امارت میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ وہی ملا کے ملا رہ گئے۔ جانتے تھے کہ جو لوگ عرق ریزی سے مہمات اور کاروبار میں خدمت بجالاتے ہیں۔ بادشاہ ان سے بہت خوش ہوتا ہے۔ عرض کی۔ میں بھی چاہتا ہوں۔ کہ اہل سیف کے سلسلہ میں داخل ہوں۔ اور خدمت بجالاؤں۔ اکبر نے کہا۔ بہت خوب۔ ایک دن شام کا وقت تھا۔ چوکی بدلی جاتی تھی۔ آپ نے کہیں سے ایک تلوار مانگ لی۔ ایک بونگی بے ڈھنگی وضع کے ساتھ کمر سے باندھی۔ اور بادشاہ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ خلاف قاعدہ ہی آداب بجالائے۔ آپ ہی عرض کی۔ ما پہلوے کدام منصبدار بایستیم؟ واز کجا تسلیم کنیم؟ بادشاہ سمجھ گئے تھے۔ کہا از ہماں جائیکہ ہستید تسلیم نمائید۔ جب دیکھا کہ یہ داؤں بھی خالی گیا۔ تو شتر بے مہار بن کر بے قید و بے تعلق پھرنے لگے۔

امارت اور اظہار تجمل کی بڑی آرزو تھی۔ اور چاہتے تھے۔ کہ امرائے منصبدار میں شامل ہو جاؤں۔ لطیفہ۔ ایک دن گرمی کی دوپہر میں ایک روئی دار دگلہ پہن کر آ موجود ہوئے۔ میلا کچیلا پسینوں میں چکتا ہوا۔ وہ بھی اپنا نہ تھا۔ خدا جانے کسی امیر نے انعام میں دیا ہوگا۔ یا مانگ لائے تھے۔ مرزا کو کہ اس وقت موجودات دلوار ہے تھے۔ وہ بھی بے باک اور لاڈلے مصاحب تھے۔ خوب خوب لطیفے اڑے۔ یہ بھی میٹھی میٹھی باتوں میں جواب دیتے تھے۔

کابل کے متعلقات میں گل بہار ایک گاؤں ہے۔ وہی ان کا وطن تھا۔ شاعر بھی تھے۔ بہار تخلص کیا۔ پھر سمجھے کہ لونڈی کا نام ہوتا ہے۔ اس لئے ربیعی اختیار کیا۔ اپنا سجع بھی کہا تھا۔ افسوس کہ ہر کتاب میں اتنا ہی فقرہ لکھ کر سجع کی جگہ چھوڑ دی ہے۔ سجع بھی بجیلا ہی کہا ہوگا۔

سلسلۃ الذہب نہاں گراں بہاء کتاب مولوی جامی کی تھی۔ آپ نے اس کے بحر میں کچھ مہملات بتیں کہہ لی تھیں۔ اکثر جلسوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ سلسلۃ الذہب کے جواب میں صلصل الجرس میری کتاب ہے۔ یہ اسی کے شعر ہیں۔ ان اشعار میں اپنی تصانیف موسومہ کے نام بھی مسلسل کئے تھے۔

دیدہ باشی بہ نسخہ تجدید — کہ مجدد رسید فیض جدید
کاندر و صد مواقف است نہاں — واز بیانش مقاصد است عیاں
متن تجدید پیش اولنگ است — گلشن از قحط آب بے رنگ است

Marfat.com

لمعہ اش بے تکلف واغراق | حکمت عین وحکمت اشراق
وانکہ وصفش نہ رتبہ نقل است | اسم در سمش دلالتہ العقل است
وآں درے کاں زبحر جود آمد | لجتہ الجود فے الوجود آمد
جامع آں عوالم الآثار | من تعالیم عالم الاخبار
کاندر و نوع علم تا صد وبیست | کردہ ام۔ ایں صفت بگو در کیست

خاتمہ احوال میں ملا صاحب کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ صحیح مگر دوست باصفا۔ فاضل قابل۔ دردمند، آزاد طبع، مقبول، مطبوع، دل لگی کا یار تھا۔ امید ہے۔ کہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے بہشت جاودانی نصیب کی ہوگی۔ آزاد۔ باوجود ان عنایتوں کے سلسلہ تاریخ میں سال بہ سال کے حال لکھتے لکھتے جہاں ان کے مرنے کا واقعہ لکھا ہے۔ وہاں فرماتے ہیں۔ اس سال میں ملا عالم کابلی گزر گئے۔ عالم نہایت شیریں ادا، خوش تکلم، گلدستہ شادمانی تھا۔ تاریخ ہوئی۔ اشعث طباع ۹۹۹ھ سبحان اللہ۔ ع

خوشی پر تو یہ عالم ہے خفا ہوگے تو کیا ہوگا

عرب میں ایک شخص تھا۔ کہ جہاں شادی مہمانی سنتا۔ وہیں جا حاضر ہوتا۔ جہاں کسی کو مہمانی جات دیکھتا۔ اس کے ساتھ ہو لیتا۔ اور دستر خوان پر بیٹھ جاتا۔ اسی واسطے اسے طفیل الاعراس کہتے تھے۔ یعنے جو شادی میں مہمان بلائے آئے ہیں یہ ان کے طفیلیوں میں ہے۔ اور چونکہ اشعث اس کا نام تھا۔ اس لئے اشعث طماع بھی کہتے تھے۔

قندھار

امیر تیمور کے بعد وقت بوقت شہزادگان تیموری کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ جب بابر تباہ ہو کر کابل میں آیا۔ تو بدیع الزمان مرزا وغیرہ سلطان حسین بالقرا کے بیٹوں کے ساتھ تھا۔ وہ بھی بھائی بند تھے۔ بابر نے چاہا کہ لے۔ خود بھی گیا۔ مگر کچھ مطلب حاصل نہ ہوا۔ جب وہ شیبانی خاں کی تلوار سے برباد ہو کر پریشان ہو گئے۔ تو بابر پہنچے۔ مگر ہندوستان کا سفر درپیش تھا۔ اپنی طرف سے قراچہ بیگ کو بٹھا آئے۔ شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ اس عرصہ میں ایران پر پھیل گئے تھے۔ شیبانی خاں نے ادھر پھیلنے کیلئے رستہ نہ پایا۔

جب ہمایوں ہندوستان سے تباہ ہو کر ایران کو گیا۔ تو اس کے بھائی کامران نے آپ کابل لیا۔ اور قندھار قراچہ بیگ سے چھین کر عسکری مرزا دوسرے بھائی کو دیا۔ ایران میں شاہ طہماسپ نے جو

Marfat.com

کچھ مہماں نوازی اور رفاقت کے حق ادا کیے۔ مجمل بیان ہوئے وہاں ہمایوں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ قندھار فتح کر کے آپ کی فوج کے سپرد کر دونگا۔ اور میں آگے بڑھ جاؤں گا۔ یہ علاقہ شاہزادہ مراد کی میوہ خوری کے لئے رہے۔ جب قندھار لیا۔ تو جو کچھ سپاہ اور سپہ سالار ایران کے ساتھ سلوک ہوا۔ وہ بیرم خاں کے حال میں لکھا گیا۔ شاہ طہماسپ سن کر چپ رہ گیا۔ یہی سمجھا ہوگا کہ ذرا سی بات کے لئے نئی اور پرانی نیکیوں کے نقش ونگار پر سیاہی پھیرنی کیا ضرور ہے۔

جب ہمایوں کابل میں آئے تو بیرم خاں کو وہاں چھوڑ آئے۔ ہندوستان کو چلے۔ اور بیرم خاں سپہ سالار ہو کر ساتھ ہوئے۔ تو شاہ محمد قلاتی جو بیرم خاں کا پرانا رفیق تھا۔ ان کی طرف سے نائب رہا۔ زمین داور میں بہادر خاں علی قلی خاں کا بھائی حاکم تھا۔ چونکہ دونوں کی سرحد ملتی تھی۔ بعض مقدمات ایسے الجھے کہ بڈھے کی جوان کے ساتھ نہ نبھی۔ بڈھے نے اسے دبانا چاہا۔ وہ بھی بہادر خاں تھا۔ اس نے ۹۶۴ھ میں آ کر قندھار کو گھیر لیا۔ اور شاہ محمد کو ایسا تنگ کیا کہ دم لبوں پر آ گیا۔

بڈھے کہن سال نے بیرم خاں کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ اندر ہی اندر شاہ ایران کو عریضہ لکھا اس میں درج کیا۔ کہ قندھار حضور کا ملک ہے۔ بادشاہ کا حکم تھا۔ کہ فلاں فلاں موارت کے فیصلہ کے بعد بندگان دولت کو سپرد کر دینا۔ فدوی انہی انتظاموں میں مصروف تھا۔ کہ یہ نااہل ناہنجار میرے درپے ہو گیا ہے۔ آپ فوج بھیج دیں تو فدوی امانت سپرد کر کے سبکدوش ہو۔

شاہ نے فوراً تین ہزار فوج سیستان اور فرہ کے علاقہ سے یار علی بیگ افشار کے زیر حکم بھیجی۔ بہادر خاں کو اس وقت تک خبر نہ تھی۔ دفعتاً شاہ کی فوج کو سر پر دیکھ کر پلٹا۔ ان سے بھی مقابلہ کیا۔ دو دفعہ اس کا گھوڑا گرا۔ اور وہ پھر کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ آخر شکست کھا کر بھاگا۔ لطف تو یہ ہے۔ کہ شاہ محمد نے لشکر ایران کو پھر دم دلا سا دے کر ٹال دیا۔

شاہ کو یہ امر ناگوار ہوا۔ ۹۶۶ھ میں سلطان حسین مرزا ولد بہرام مرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی نے اپنے بھتیجے کے ماتحت قزلباش کا لشکر جرار بھیج کر محاصرہ کر لیا۔ شاہ محمد نے اکبر کو عرضیاں بھیجیں۔ یہاں نئی نئی تخت نشینی تھی۔ ایک جھگڑے میں کئی کئی جھگڑے تھے۔ انہوں نے اجازت لکھ بھیجی۔ اس نے قندھار حوالے کر دیا۔ شاہ نے یہ علاقہ سلطان حسین مرزا کو دے دیا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ مظفر حسین مرزا۔ رستم مرزا۔ ابو سعید مرزا اور سنجر مرزا۔

اکبر کا شوق یہی چاہتا تھا۔ کہ علاقہ مذکور پھر میرے قبضہ میں آئے۔ مگر منہ نہ پڑتا تھا۔ کہ شاہ سے کچھ کہہ سکے۔ پھر بھی بندوبست سے نہ چوکتا تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ کہ کابل کی فوج سے حملہ ہوا تو کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے محب علی خاں اور مجاہد خاں کو فوج دے کر بھیجا۔ انہوں نے بھکر پر قبضہ کیا۔ سید محمد

Marfat.com

میر عدل کی معتدل تدبیروں سے سیوی فتح ہوا جسے آج کل سبی کہتے ہیں۔ اقبال اکبری زبردست تھا۔ شہزادگان مذکور نے اپنے علاقہ کو آزاد رکھنا چاہا۔ چند ہی روز میں شاہ عباس کے جاہ وجلال نے تمام ایران وخراسان میں زلزلہ ڈال دیا۔ انہیں اپنی حالت پر خطر ہوا۔ اوران میں باہم بھی کشاکش ہونے لگی۔ اکبر نے خان خاناں کو فوج دیکر روانہ کیا اس نے اول ملک سندھ پر قبضہ کرلیا۔ پھر افغانستان اور خراسان زمین میں شہرت ہوئی اور قلات تک کے لوگ ادھر جھک گئے۔ میرزاؤں کے خیالات بھی ادھر متوجہ ہوئے۔

۱۰۰۱ھ میں رستم مرزا دربار اکبری میں حاضر ہوا۔ اس کی یہاں بڑی قدر ومنزلت ہوئی رستہ ہی میں تھا۔ کہ اثنائے راہ کے حکام وامرا کے نام فرمان جاری ہوئے کہ مہمانداری وخدمت گاری کرتے ہوئے لاؤ۔ جب لاہور ایک منزل رہا تو بادشاہ یہیں تھے۔ امرا کو استقبال کے لئے بھیجا۔ وہ چاروں بیٹوں سمیت حاضر دربار ہوا۔ چنانچہ اعزاز سے ملاقات کی۔ اور پنج ہزاری منصب عنایت کرکے ملتان جاگیر کردیا۔ اس کے بعد ابوسعید مرزا اس کا بھائی۔ پھر بہرام مرزا۔ ابن مظفر مرزا آیا۔ پھر امرائے اکبری کو قندھار سپرد کر کے ایک ہزار قزلباش کے ساتھ مظفر حسین مرزا بھی حضور میں آگیا۔ اور ایران سے بالکل رشتہ توڑ دیا۔ سب کو حسب مراتب عہدے اور منصب ملے۔ شاہ بیگ خاں صوبہ دار کابل تھا۔ اس کو صوبہ داری قندھار بھی مل گئی۔

جہانگیر کے عہد میں پھر شاہ عباس نے قندھار لے لیا۔ جہانگیر نے فوج کشی کا ارادہ کیا۔ مگر ایسا منحوس ہوا کہ اسی پر خرم (شاہجہان) اور نور جہاں کا فساد ہوگیا۔ ہزاروں آدمیوں کا خون پانی ہو کر بہ گیا۔ بڑے بڑے جاں نثاروں کی جانیں مفت برباد ہوگئیں۔ شاہ جہان نے دو دفعہ عالمگیر اور داراشکوہ کو بھیجا۔ مگر ہر دفعہ ناکامی ہی نصیب ہوئی۔

کوہستان بدخشاں

جب یہ نام کتابوں میں لکھا نظر آتا ہے۔ تو دل دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ مگر ملک کو جا کر دیکھو تو پیٹ کو پتھر باندھنا پڑتا ہے۔ عالم سیاحت میں میرا گزر اس ملک میں ہوا۔ فیض آباد اس کا حاکم نشین شہر ہے۔ میں نے وہاں اور اس کے اطراف میں چار مہینے کامل سیر کی۔ علاقہ مذکور کے گرد خدائی پہاڑوں کی قطاریں حفاظت کو کھڑی ہیں۔ جنہیں آسمانی برف چادر اوڑھائے رہتی ہے۔ کسی کاروان یا فوج بادشاہی کے قدم اس پر بے ادبی کی ٹھوکر نہیں لگا سکتے۔ تمام ملک مخملی پہاڑ۔ چشمے جابجا جاری،

Marfat.com

زمین سرسبز، وہ رنگ رنگ کے پھولوں سے بوقلموں اور قسم قسم کے میووں سے مالا مال۔ وسعت زمین کی بدولت ہر گھر میں ایک خانہ باغ ضرور ہے۔ خواہ امیر ہو، خواہ غریب، سیب، بہی، انگور، خوبانی، توت وغیرہ کے درخت خودرو۔ ان میں ہزاروں جانور خوش الحان بول رہے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام میں بھی جانتا ہوں۔ کہ اسے بلبل ہزار داستان کہتے ہیں۔ اس کے پہاڑ قسم قسم کی دھات اور جواہرات بغل میں دبائے بیٹھے ہیں۔ جن میں سے ایک وہی ہے۔ کہ جس کو تم لعل بدخشاں کہتے ہو۔ دریا کے کنارے پر لوگ خاک شوئی کرتے ہیں۔ اور سونا نکال لیتے ہیں۔ ایک آدمی دن بھر میں ۴، ۸ کما لیتا ہے۔ جس پہاڑی سے اترو دامن کوہ میں کم سے کم ہزار گھوڑوں کے گلے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور ہزار در ہزار دمبوں اور بکریوں کے ریوڑ چلتے پھرتے ہیں۔ انسان تمام صاحب جمال، قوی ہیکل، خوش عیش مگر بے ہمت اور آرام طلب۔

تعلیم، صنعت گری، زراعت، تجارت:

اس سرزمین پر قدرت نے اپنی دستکاری کا سارا تھیلا الٹ دیا ہے۔ لیکن انسانی دستکاری بالکل مفقود ہے۔ تعلیم، صنعت گری، زراعت، تجارت وغیرہ جو سامان تحصیل دولت کے ہیں۔ وہاں ایک بھی نہیں۔ تعلیم دیکھو تو کوئی کوئی آدمی شد بود ضروری لکھنا پڑھنا جانتا ہے۔ اور وہ عالم سمجھا جاتا ہے۔ دستکاری۔ جب میں نے دیکھا تھا تو سارے فیض آباد میں ایک دکان قلعی گر کی تھی۔ اور وہ بھی کابلی تھا۔ وہی ٹوٹا پھوٹا باسن بھی جوڑ لیتا تھا۔ ورنہ تانبے کے باسن بھی بخارا اور کابل سے تاشقرغان اور قندز میں جاتے ہیں۔ وہاں سے بدخشان میں پہنچتے ہیں۔ جلاہے فقط گاڑھا بن لیتے ہیں۔ یا دسا۔ لوئی، نمدہ وغیرہ۔ زراعت بقدر ضرورت کر لیتے ہیں کہ اپنے سال بھر کو کافی ہو۔ زیادہ محنت کون کرے۔ اور کریں تو بے فائدہ۔ کیونکر باہر نکاس نہیں۔ اگر کسی کو ضرورت پڑے اور چاہے۔ کہ من بھر آٹا بازار سے لے آئے تو فقط بنئے کی ایک یا دو دکانیں۔ گھر گھر بھیک کی طرح مانگتا پھرے گا۔ جب دن بھر میں جمع ہوگا۔ تجارت کو گھر سے باہر جانا پڑتا ہے اس لئے نہیں کرتے۔ باہر کے سوداگر نہیں جاتے۔ اس لئے کہ آسمانی اور برفانی پہاڑ کاٹ کر جائیں۔ اور جا کر چیز کو بیچیں تو وہاں سے روپیہ نہیں ملتا۔ خریداری جو کچھ کرے خود امیر بدخشاں یا اس کا کوئی بھائی بند کرے۔ اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا یہ حال ہے کہ سوداگر مال دے کر برس برس دن پڑا رہتا ہے۔ آخر کو قیمت میں پانسو دنبے، سات سو بکرے بکریاں۔ کچھ نقد، اس میں بھی پچاس روپیہ، سو ڈیڑھ سو روپیہ کے پیسے۔ ایک لڑکا۔ دو لڑکیاں۔ دو سو کا غلام، تین سو کی لونڈی ملتی ہے۔ انہیں باہر کے ملکوں میں جا کر بیچ لیتا ہے۔ لطیفہ۔ شہر

Marfat.com

فیض آباد میں تقریباً سات سو گھر کی بستی ہوگی۔ جن میں ایک نائی نہیں۔ اور سچ ہے۔ وہ بچارا سر مونڈ ھے تو کیا لے؟

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے　　　تیری کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

ہر شخص کی کمر میں ایک ایک چھری ایک ایک چاقو لٹکتا ہے۔ چھری سے گوشت کاٹتے ہیں کچھ باریک کام ہو تو چاقو سے کر لیتے ہیں۔ باپ بیٹے کو مونڈ لیتا ہے۔ بیٹا باپ کو مونڈ لیتا ہے۔ دوست بھی دوست کو مونڈ لیتے ہیں۔ اور یہ داخل ثواب سمجھا جاتا ہے۔ ایک آب رواں کے کنارے بیٹھ گئے۔ نرم سا پتھر وہیں سے اٹھا کر پاس رکھ لیا۔ اس پر چاقو رگڑے جاتے ہیں۔ مونڈتے جاتے ہیں۔ ثواب کماتے جاتے ہیں۔ (وہ لوگ ایک دوسرے کو ملا کہہ کر بات کہتے ہیں)

لطیفہ در لطیفہ۔ جب میری حاجت بڑھ جاتی ہے۔ تو کسی سے کہتا تھا۔ کہ ملا مادست دریں کار نداریم۔ نمیتواں خدمت شابکینم۔ اگر زحمتے بکشید۔ مسافر نوازیست۔ ایک دن ایک شخص نے حجامت بنانے میں بیان کیا۔ کہ شخصے از فیض آباد ما بسفر رفت۔ چوں بشہرے آباداں رسید۔ چند روز اقامت کرد۔ مردم باد آشنا شدند۔ پرسیدند ملا! شہر شا چہ قدر آبادی دارد۔ ایں کس مرد راست گفتار و پاک نہاد بودنخواست کہ زبان خود را بہ دروغ آلاید۔ گفت ہمیں بدانید کہ شہر ما فقط صفت صد خانہ و ملک دارد۔

محمد حکیم مرزا

حیف ہے۔ کہ اکبر کا بھائی اور ایسا بے اقبال، بدعقل، کم ہمت، جب تک جیا، نوکروں کے ہاتھوں میں چچہ قلی بنا رہا۔ اگر وہ انسان ہوتا تو تمام خراسان زمین اس کا مال تھا۔ قندھار، تو جیب کا شکار تھا۔ بلخ، کولاب، حصار، بدخشاں وغیرہ کنار جیحوں تک پھیل کر عبداللہ خاں ازبک کو برسر حساب لیتا۔ اور اکبر کا داہنا ہاتھ بن کر ملک موروثی کو چھڑا لیتا۔ اور اکبر بھی وہ عالی ہمت بادشاہ تھا۔ کہ اسے اپنے تاج کا لعل اور ہار کا موتی بناتا۔ مگر وہ بدنصیب اپنی بدبختی اور نوکروں کی بدصلاحی سے جوؤں بھرا پوستین بنا رہا۔ کیفیت حال اس کی یہ ہے۔ کہ اس کی ماں کا نام ماہ چوچک بیگم تھا۔ ۹۶۱ھ میں جبکہ ہمایوں ہندوستان پر فوج کشی کا سامان کر رہا تھا۔ یہ کابل میں پیدا ہوا۔ بادشاہ نے محمد حکیم نام رکھا۔ ابو المفاخر خطاب دیا۔ ابوالفضائل تاریخ ولادت تھی۔ اسی واسطے کنیت قرار دی گئی۔ اسے اور اہل حرم کو وہیں چھوڑا۔ اور ملک مذکور اس کے نام پر کر کے منعم خاں کو اتالیق کر دیا۔ آپ ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہندوستان میں آیا۔ ۹۶۳ھ میں ہمایوں مر گیا۔ یہ معصوم بچہ دو برس کا بھی نہ تھا۔ جو مرزا

Marfat.com

سلیمان بدخشان سے فوج لے کر آیا۔ اور کابل کو گھیر لیا۔ (دیکھو منعم خاں کا حال)

۹۶۹ھ میں دس برس کی عمر ہو گی۔ جو امرا کا باہم فساد ہوا۔ منعم خاں کا بیٹا بھاگ آیا بھائی اور بھتیجا مارا گیا۔ اور امرائے دولت میں عجیب کشاکشی پڑی۔

اسی عرصہ میں شاہ ابوالمعالی بلائے آسمانی کی طرح پہنچے۔ چند روز بعد پھر فساد اٹھا ماں قتل ہوئی۔ امرا ضائع ہوئے۔ اپنی جان خدا خدا کر کے بچی۔ مرزا سلیمان نے آ کر اس آفت کو رفع دفع کیا۔ اس کی بی بی حرم بیگم ❶ کی تجویز تھی۔ کہ مرزا کو بدخشاں لے چلو۔ اور کابل میں بندوبست اپنا کرلو۔ مرزا سلیمان سمجھا کہ اکبر اس حرکت کی برداشت نہ کر سکے گا۔ اس لئے کابل ہی میں رکھا۔ بیٹی کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ امید علی اپنے ملازم کو اتالیق بنایا اور آپ بدخشاں کی راہ لی۔ مرزا حکیم نے تنگ ہو کر امرائے مذکور کو بلایا۔ اور عذر معذرت کر کے ٹال دیا۔ جب وہ بدخشاں پہنچے تو مرزا سلیمان بہت خفا ہوا۔ اور لشکر بے شمار لے کر چڑھا مرزا نے مقابلے کی طاقت نہ دیکھی۔ باقی خاں قاقشال کو کابل میں چھوڑا۔ اور آپ جلال آباد میں بھاگ آیا۔ جب سنا۔ کہ مرزا سلیمان یہاں بھی آیا۔ تو دریائے اٹک کے کنارے آن پڑا۔ اور اکبر کو عرضی لکھی۔ ادھر سے فرمان جاری ہوئے۔ چنانچہ تمام اٹک خیل کہ پنجاب ان کی جاگیر تھا۔ اور کئی امیر صاحب فوج مرزا حکیم کے ساتھ جا کر شامل ہوئے۔

مرزا سلیمان پشاور تک آ کر کابل کو پھر گیا تھا۔ جلال آباد میں قنبر اپنے ملازم کو چھوڑ گیا تھا۔ امرائے اکبری باگیں اٹھائے جلال آباد پہنچے۔ بدخشیوں کے دھوئیں اڑا دیئے۔ اور قنبر کا سر کاٹ کر باقی خاں کے پاس کابل میں بھیج دیا۔ کہ ہم بھی آن پہنچے ہیں۔ سپاہ بدخشی ایسی تباہ ہوئی۔ کہ ان میں سے فقط دو آدمی زندہ بچے اور سلیمان کے پاس جا کر رفیقوں کا سارا مصیبت نامہ سنایا۔ مرزا سلیمان یہ خبریں سن کر بدخشاں کو بھاگ گیا۔ امرائے اکبری مرزا حکیم کو لے کر کابل پہنچے۔ انہیں مسند فرماں روائی پر بٹھایا۔ خان کلاں مرزا عزیز کے چچا اتالیق بن کر بیٹھے۔ اور غلطی یہ کی کہ باقی امرا کو دربار اکبری اور ان کے علاقوں کو رخصت کر دیا۔ سکینہ بانو بیگم مرزا حکیم کی چھوٹی بہن قطب الدین خاں کی حفاظت سے حضور میں پہنچی۔ مرزا سفلہ مزاج نوجوان تھا۔ اور سفلے ہی مصاحب رکھتا تھا۔ چند روز کے بعد پھر عقل پر پردہ پڑا۔ خواجہ حسن کوئی نوجوان خواجہ حسن نقشبندی کی اولاد سے وہاں آیا ہوا تھا۔ جس

---

❶ مرزا سلیمان کی بی بی حرم بیگم سلیمان دیس کولابی کی بیٹی تھی۔ وہ قوم قبچاق کا سردار تھا۔ بیگم مذکور نام کی عورت تھی مگر بیگموں اور خاتونوں کو چٹکیوں میں ملتی تھی۔ دیو کی طرح سلیمان پر سوار تھی۔ اور سلطنت کی مالک بنی ہوئی تھی۔ ولی نعمت بیگم اس کا خطاب تھا اور با لکل ہوا تھا۔

Marfat.com

بہن کی شادی پہلے شاہ ابوالمعالی سے کی تھی۔ اس کا عقد خواجہ حسن سے کر دیا۔ نہ بادشاہ سے اجازت لی۔ نہ خان کلاں سے صلاح کی۔ اب خواجہ صاحب گھر والے بن کر بیٹھ گئے۔ مرزا لڑکا تھا۔ یہ انہیں کیا دبا سکتا تھا۔ انہوں نے تمام حکم احکام اپنے اختیارات میں لے لئے۔ خان کلاں جل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بے اطلاع چلے آئے۔

۹۷۴ھ میں مرزا سلیمان نے دیکھا۔ کہ امرائے بادشاہی ناراض ہو کر کابل سے چلے گئے اور میدان صاف ہے۔ والی نعمت بیگم کو لے کر پھر آئے۔ اور کابل کو گھیر لیا۔ مرزا نے شہر معصوم خاں کو کہ کے سپرد کیا۔ اور اب چند امرا کے ساتھ غوربند کو بھاگ گئے۔ مرزا سلیمان نے دیکھا۔ کہ کابل زور شمشیر سے ہاتھ نہ آئے گا۔ اپنی ولی نعمت بی بی کو قراباغ میں کہ کابل سے دس کوس تھا۔ مرزا کے پاس بھیجا کہ صلح وصلاح کر کے لے آئے۔ اس نے آکر مکر کے جال پھیلائے۔ ہزاروں قسمیں کھائیں۔ قرآن درمیان لائی۔ اور کہا کہ بیٹا تم میرے فرزند ہو۔ نور بصر لخت جگر ہو۔ داماد تو بیٹے سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ میں فقط تم سے ملنے آئی ہوں۔ غرض ایسی چکنی چپڑی باتیں بنائیں کہ مرزا حکیم آنے کو تیار ہوئے۔ خواجہ حسن بھی اس صلح میں شریک تھے۔ مگر باقی خاں کہے جاتا تھا کہ عورت چلتر باز ہے۔

ازرہ مرد بعشوہ دنیا کے ایں عجوز مکارہ مے نشیند و محتالہ میرود

بیگم سے چوک یہ ہوئی۔ کہ جھٹ خاوند کو بلا بھیجا۔ مرزا سلیمان فوراً فوج جرار لے کر دوڑے اور گھات لگائے کھڑے تھے۔ کہ جب موقع پائیں شکار پر جا گریں۔ مرزا حکیم کو کسی نے رستہ میں خبر دی۔ وہ سنتے ہی بھاگا۔ اور غوربند کی گھاٹیوں میں گھس کر کوہ ہندوکش کا رستہ لیا۔ خواجہ حسن کہتا تھا۔ کہ پیر محمد خاں ازبک حاکم بلخ کے پاس چلو وہاں سے مدد لائیں گے۔ باقی خاں قاقشال نے سمجھایا۔ اور روک کر پنج شیری کے رستہ اٹک کے کنارہ پر پہنچا دیا۔ اس نے دریا اتر کر اکبر کو عرضی لکھی۔ خواجہ حسن کے ادھر آنے کا منہ کہاں تھا۔ وہ اپنے رفیقوں کو لے کر بلخ پہنچا۔ اور وہاں سڑ سڑ کر زندگی سے بیزار ہو گیا۔

دل بشد جاں گریخت۔ دیں گم شد اے حسن زیں بتر چہ خواہد شد

مرزا سلیمان تو ادھر آئے۔ معصوم خاں کابلی ایک سردار مرزا کا نمک خوار بڑا بہادر جانباز تھا۔ اس نے مرزا سلیمان کی چھاؤنی پر حملہ کیا اور بدخشیوں کو بھگا کر ایک چار باغ میں گھیر لیا۔ مرزا سلیمان نے قاضی خاں (وہی غازی خاں) کو وکیل کر کے بھیجا۔ معصوم خاں اول صلح پر راضی نہ ہوتا تھا۔ مگر قاضی خاں کا شاگرد بھی تھا۔ اس کے کہنے سے عدول بھی نہ کر سکا۔ مرزا سلیمان برائے نام کچھ پیشکش لے کر بدخشاں کو تشریف لے گئے۔

Marfat.com

مرزا حکیم کی عرضی سے پہلے ہی اکبر کو سب خبریں پہنچ گئی تھیں۔ اس نے گھوڑا زین مرصع سے سجا ہوا۔ اور اکثر تحائف ہندوستان کے اور بہت سا روپیہ جونجر خاں کے ساتھ روانہ کیا اور تسلی و دلداری کے ساتھ فرمان بھیجا۔ فریدوں خاں اس کا ماموں حضور میں حاضر تھا اسے بھی رخصت کیا۔ کہ جا کر پریشانیوں کی اصلاح کرے۔ امرائے پنجاب کو حکم بھیجا۔ کہ فوجیں لے کر کمک کو پہنچیں۔ بدنیت فریدوں خاں سامان مذکور لے کر کنار اٹک پہ مرزا سے ملا۔ وہ ادھر آنے کو تیار تھا۔ فریدوں نے آتے ہی ورق الٹ دیا۔ اس نے کہا کہ بادشاہ خان زمان کی مہم میں مصروف ہیں۔ اور خان زمان وغیرہ امرا تمہارے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ تمہارے نام کا سکہ کہہ کر روپیہ اشرفی پر لگایا ہے۔ تم بھی آخر ملک کے وارث ہو۔ مصلحت وقت اور تقاضائے ہمت یہ ہے۔ کہ ہم بھی اس وقت ہمت کی کمر باندھیں۔ اور پنجاب پر قبضہ کرلیں۔ سرحد کو اپنی حد باندھیں اور آئندہ سامان الٰہی کے منتظر رہیں۔ اور کابل میں تو تمہارا نال گڑا ہے۔ وہ کہیں گیا ہی نہیں۔ کئی مفسد اور بھی ادھر سے گئے تھے۔ انہوں نے اس مشکل امر کو زیادہ تر آسان کر کے دکھایا۔ ماموں کے ساتھ بھانجے کی نیت بھی بگڑی۔ اور اب الٹی نیت سے ہندوستان کا رخ کیا۔ مفسدوں نے چاہا تھا۔ کہ جو سردار بادشاہی تحائف لے کر گئے تھے۔ انہیں قید کرلیں۔ مگر مرزا کی طبیعت میں مروت ذاتی تھی۔ خلوت میں بلا کر خوشخبر خاں کو سمجھایا۔ وراسے چپکے سے رخصت کر دیا۔

مرزا حکیم اٹک اتر کر بھیرہ کو لوٹتے ہوئے لاہور پر آئے۔ راوی کے کنارے باغ مہدی قاسم خاں میں جہاں اب مقبرہ جہانگیر ہے۔ آن اترے۔ ان دنوں پنجاب میں اتکہ خیل کا عمل تھا۔ قلعہ داری کا پورا سامان لے کر قلعہ میں گھس بیٹھے۔ اور بڑی چستی سے مقابلہ کیا۔ مرزا نے قلعے پر کئی حملے کیے۔ مگر انہوں نے اسے پاس بھی نہ پھٹکنے دیا۔

بادشاہ بھی ادھر سے روانہ ہوئے۔ سرہند تک پہنچے تھے۔ کہ یہاں آمد آمد کا غلغلہ ہوا۔ ایک دن علی الصبح قلعہ سے شادیانہ کے نقارے بڑے زور شور سے بجتے شروع ہوئے۔ مرزا سوتا اٹھا۔ سمجھا کہ بادشاہ آن پہنچے۔ اسی وقت سوار ہو کر بھاگا۔ اور جس رستہ آیا تھا اسی رستہ چلا گیا۔ جو امرا تعاقب میں گئے تھے۔ بھیرہ تک پہنچا کر چلے آئے۔

۹۸۳ھ میں مرزا سلیمان کو شاہ رخ ان کے پوتے نے بڑھاپے میں گھر سے نکال دیا۔ اور اسے مرزا حکیم کے پاس آنا پڑا۔ کہ اس بے کسی کے وقت میں میری مدد کرو۔ یہ زمانہ کا انقلاب قابل عبرت تھا۔ مگر مرزا نے باتوں میں ٹال دیا۔ بڈھے نے مایوس ہو کر دربار اکبری کا ارادہ کیا۔ اور مرزا سے کہا کہ افغانوں کا ملک ہے۔ تم یہاں سے پشاور تک پہنچا دو۔ مرزا نے جھل یا چالاکی سے کہن

Marfat.com

سال بڈھے کو اس وقت میں ایسا چکمہ دیا جو کسی طرح مناسب نہ تھا۔

معصوم خاں مرزا کا ملازم دربار اکبری میں آ کر درجہ امارت کو پہنچا۔ اور بنگالہ کی مہمات میں شامل رہا۔ جب وہاں امرا باغی ہوئے۔ تو وہ بھی ان میں داخل ہو گیا۔ باغیوں نے ۹۸۹ھ میں مرزا کو عرضیاں بھیجیں۔ بھولا بھالا مرزا فوج تیار کر کے ادھر روانہ ہوا۔ اور لاہور تک آ کر پھر گیا۔ اب اکبر کو واجب ہوا۔ کہ اس کا تدارک قرار واقعی کرے۔ مان سنگھ کو فوج دے کر آگے بھیجا۔ شاہزادہ مراد کو ساتھ کیا۔ پیچھے پیچھے آپ لشکر لے کر پہنچا۔ مان سنگھ نے کئی خونریز معرکے مار کر مرزا کو شکست دی۔ اور اکبر کابل میں داخل ہوئے۔ مرزا کی خطا معاف کی۔ اور دوبارہ ملک بخشی کر کے چلے آئے۔

۹۹۳ھ میں ۳۲ برس کی عمر میں شراب کے شیشہ پر جان قربان کی کیقباد اور افراسیاب دو بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ (دیکھو مان سنگھ کا حال)

Marfat.com

مرزا سلیمان حاکم بدخشاں

تین واسطہ سے امیر تیمور کا پوتا تھا۔ مرزا سلیمان ابن خان مرزا۔ ابن سلطان محمود مرزا۔ ابن سلطان ابوسعید مرزا۔ ابن امیر تیمور گورگان۔ مرزا نے جس طرح ملک مذکور پایا۔ اس کی تمہید بھی سننے کے قابل ہے۔

قدیم الایام سے بدخشان میں ایک خاندان کی حکومت تھی۔ وہ دعویٰ کرتا تھا۔ کہ سکندر رومی کی ولاد ہیں۔ کچھ کوہستان کی دشوار گزاری سے۔ کچھ سکندر کے نام کا پاس کر کے سلاطین اطراف سے کوئی ان کے ملک پر ہاتھ نہ ڈالتا تھا۔ بہت ہوتا تو نام کو تھوڑا سا خراج لیکر ماتحت بنا لیتے۔ امیر تیمور کے بیٹے سلطان ابوسعید مرزا نے وہاں کے اخیر بادشاہ سلطان محمد کو پکڑ کر ملک مذکور پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد سلطان محمود اس کا بیٹا وہاں آیا اور مر گیا۔ خسرو ایک سردار اسی کی پرورش سے امارت کے درجہ کو پہنچا تھا۔ اس نے سلطنت کا تاج مرزا بایقرا اور مرزا مسعود اس کے بیٹوں کے نام پر رکھا۔ اور آپ سلطنت کرنے لگا۔ ۹۵۵ھ میں پہلے کو اندھا اور دوسرے کو مار کر آپ خسرو شاہ بن گیا۔

۹۱۰ھ میں بابر نے آ کر خسرو کو نکال دیا۔ اور آپ ملک مذکور کو سنبھالا۔ جب ۹۱۲ھ میں قندھار لے کر کابل میں آئے تو ملک کو پھیلتا دیکھ کر خان مرزا کو بدخشان کا حاکم کر کے بھیج دیا۔ اس نے بہت رگڑوں جھگڑوں کے بعد وہاں استقلال پیدا کیا۔ مگر ۹۱۷ھ میں مر گیا۔

مرزا سلیمان اس کا بیٹا اس وقت سات برس کا تھا۔ بابر نے اسے اپنے پاس رکھا اور ہمایوں کو بدخشان کا ملک دے دیا۔ ان کے معتمد معتبر وہاں انتظام کرتے رہے۔ باپ بیٹے ہندوستان میں آئے۔ جب رانا سانگا کی مہم فتح ہو چکی تو ۹۳۳ھ میں ہمایوں کو پھر بدخشان بھیج دیا کہ کابل کا اور وہاں کا بندوبست رہے۔ شاہزادہ ایک سال تک وہاں رہا۔ دفعتاً باپ کی حضوری کا شوق ایسا غالب ہوا۔ کہ دل بے اختیار ہو گیا۔ سلطان اویس سلیمان مرزا کا خسر ساتھ تھا۔ ملک اس کے سپرد کیا اور چلا آیا۔ سلطان اویس کی اشارت اور بعض امرا کی شرارت سے سلطان سعید خان نے کاشغر سے فوج کشی ا

Marfat.com

کی۔ ہندال مرزا اس سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ اس نے قلعہ ظفر کی مضبوطی کر کے خوب مقابلہ کیا۔ سلطان سعید خاں تین مہینے کے بعد محاصرہ اٹھا کر کاشغر کو ناکام پھر گیا۔ لیکن ہندوستان میں ہوائی اڑ گئی تھی۔ کہ اس نے بدخشاں لے لیا۔ بابر نے ہمایوں کو پھر بدخشاں بھیجنا چاہا۔ اس نے کہا۔ میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ اپنے ارادہ سے آپ کی خدمت سے جدا نہ ہونگا۔ اور حکم سے چارہ نہیں۔ ناچار بابر نے مرزا سلیمان پسر خان مرزا کو ادھر رخصت کیا۔ اور سلطان سعید خاں کو ایک خط لکھا کہ باوجود حقوق چند در چند کے ہماری غیبت میں ایسے امر کا ظہور میں آنا کمال تعجب ہے۔ اب ہم نے مرزا ہندال کو بلا لیا۔ مرزا سلیمان کو بھیجتے ہیں۔ مرزا سلیمان آپ سے نسبت فرزندی رکھتا ہے۔ اگر تعلقات مذکور کا خیال کر کے بدخشاں اسے دیجیے تو بجا ہوگا۔ ورنہ ہم نے وارث کو میراث دے کر اپنا حق ادا کر دیا۔ آگے آپ جانئے۔ مرزا جب وہاں پہنچا تو ملک میں پہلے ہی امن امان ہو چکا تھا۔ تمام علاقہ پر قبضہ کیا۔

۹۶۴ھ میں جبکہ پہلی دفعہ کابل سے ناکام پھرا تو اس کی طمع یا بلند نظری نے ایسی بلندی سے پٹخا۔ کہ دل و جان کو صدمہ پہنچا۔ یعنے اطراف ملک سے فوج فراہم کی اور بلخ پر حملہ کیا ہر چند خیر خواہوں سے سمجھایا کہ بڑے بڑے شاہزادے اور پرانے امیر قوم ازبک کے میر محمد خاں کے ساتھ ہیں۔ اس پر چڑھ کر جانا مصلحت سے بعید ہے۔ ایک نہ مانی۔ آپ گیا۔ اور رشید فرزند ابراہیم مرزا کو بھی ساتھ لے گیا۔ جب میدان میں مقابلہ ہوا تو دیکھا کہ لوہا ٹھنڈا ہے۔ اور تلوار کاٹ نہیں کرتی۔ آپ بدخشاں کو بھاگے۔ ابراہیم مرزا اپنی جگہ گرم کارزار تھا۔ اسے مصاحبوں نے کہا کہ ٹھہرنے کا وقت نہیں۔ باپ تمہارا میدان سے نکل گیا۔ اس جوانمرگ کی زبان سے نکلا۔ کہ اب نکلنا دشوار ہے۔ یہیں لڑے جاتے ہیں۔ یا قسمت یا نصیب۔ محمد قلی شغاولی نے زبردستی گھسیٹا۔ وہ بھی چلا، مگر گھوڑا نہ چلا۔ آخر پیادہ ہو کر بھاگا۔ رستہ میں تبدیل صورت کے لئے چار ابرو کی صفائی کر کے فقیر بنا۔ کہ کوئی نہ پہچانے۔ موت ہر رنگ میں تاڑ لیتی ہے۔ ایک مقام پر پہچانا گیا۔ لوگوں نے پکڑ کر پیر محمد خاں کے پاس پہنچایا۔ وہاں قید میں قتل ہوا۔ اس کا درد کمبخت باپ کے دل سے پوچھنا چاہئے۔ دیکھو جگر کا خون تاریخ ہو کر ٹپکا ہے۔ نخل امید پدر کو؟ بدفالی کا اثر اکثر خالی نہیں جاتا۔ چند روز پہلے مرنے والے نے خود ایک قصیدہ کہا۔ مطلع تھا۔

رفتم نجاک حسرت چوں لالہ داغ بر دل ۔۔۔ آرم بحشر بیروں با داغ دل سر از گل

مگر ایک استاد نے رباعی خوب کہی ہے۔ رباعی

اے لعل بدخشاں ز بدخشاں رفتی ۔۔۔ از سایہ خورشید درخشاں رفتی

در دہر چو خاتم سلیماں بودی ۔۔۔ افسوس کہ از دست سلیماں رفتی

Marfat.com

جب ہمایوں کی بربادی کے بعد مرزا کامران کابل میں مسلط ہوا۔ تو مرزا سلیمان کو کہا کہ میرا سکہ وخطبہ جاری کرو۔ اس نے نہ مانا۔ کامران نے فوج کشی کر کے اپنی ضد پوری کی اور کچھ علاقہ لے کر باقی ملک دیدیا۔ چند روز کے بعد سلیمان نے عہد شکنی کی۔ کامران پر لشکر لے کر گیا سلیمان چند روز کا محاصرہ اٹھا کر معہ عیال قید ہوا۔ جب ایران سے ہمایوں کی آمد آمد ہوئی۔ تو یہ قید میں تھا۔ کامران نے اس باب میں مشورت کی۔ انہی دنوں میں سرداران بدخشان نے بغاوت کر کے کامران کو لکھا تھا۔ کہ ہمارے سلیمان کو ہمیں دے دو۔ ورنہ تمہارے سرداروں کو قید خانے سے عدم کو روانہ کرتے ہیں۔ کامران نے اسے روانہ کر دیا۔ جب وہ چلا گیا تو پچھتاتا۔ اور فوراً کہلا بھیجا۔ کہ چند ضروری باتیں سمجھانی رہ گئی ہیں۔ مجھ سے مل جاؤ۔ وہ بھی سمجھ گیا تھا کہلا بھیجا۔ کہ مبارک ساعت میں کوچ کیا تھا۔ ویسا وقت پھر نہ ہاتھ آئے گا جو بات ہے لکھ بھیجو۔ اور جاتے ہی باغی ہو گیا۔ جب ہمایوں کابل میں فتح یاب ہو کر داخل ہوا تو سلیمان نے عرضی بھیجی۔ آپ نہ آیا۔ اور سکہ خطبہ اپنا جاری کر دیا۔ چند روز کے بعد ہمایوں نے فوج کشی کی۔ بڑے کشت وخون کے ساتھ لڑائی ہوئی۔ مرزا بھاگا۔ اور چند روز سرگرداں پھر کر جیحوں پار اتر گیا۔ بدخشاں ہمایوں کے قبضہ میں آیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مرزا کو بلا کر پھر ملک سپرد کر دیا۔

کامران جب تباہ ہوا تو بلخ سے پیر محمد خاں ازبک کی مدد لے کر بدخشاں پر آیا۔ ادھر سے سلیمان نکلا۔ ادھر سے ہمایوں پہنچا۔ حریف ناکام پھر گئے۔ مرزا سلیمان ہمایوں سے ملا رہتا تھا۔ اور کبھی کبھی خودسری کے خیال بھی دوڑاتا تھا۔ جب ہمایوں ہندوستان پر فوج لے کر چلا۔ تو مرزا سلیمان دربار میں تھا۔ اس سے بڑی محبت کی باتیں کر کے بدخشان کو روانہ کیا۔ ابراہیم اس کے بیٹے کو رکھ لیا۔ اور بخشی بیگم اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر کے بہت عزت سے رخصت کیا۔

ہمایوں کے بعد مرزا سلیمان کا لالچ اسے چار دفعہ کابل پر لایا۔ اور چاروں دفعہ بد نیتی کے دامن میں آن پڑے۔ آخر ۹۸۲ھ میں مرزا شاہ رخ اس کے پوتے نے جوش جوانی میں خودسری کے خیالات پیدا کئے۔ اور دادا کو ایسا تنگ کیا۔ کہ بڈھا حج کا بہانہ کر کے وہاں سے بھاگا اور کابل پہنچا۔ انقلاب زمانہ کو دیکھو۔ جس شیر خوار بچہ کو لاوارث یتیم دیکھ کر ۲۰ برس پہلے مرزا گھر چھیننے آئے تھے۔ بڈھے ہو کر ہزار طرح کی ذلتیں اور خواریاں اٹھائیں۔ اور اسی کے پاس مدد کی التجا لائے۔ مرزا حکیم نے رخ نہ دیا۔ بڈھا مایوس ہو کر ۹۸۳ھ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ کہ دربار اکبری سے داد پائے۔ مرزا حکیم سے کہا۔ کہ کچھ فوج بدرقہ کے لئے دو تاکہ منازل خطرناک سے نکال کر اٹک تک پہنچائے۔ نوجوان مرزا نے فوج دینے میں بھی ظرافت اور نزاکت کو کام فرمایا۔ ایسے لوگوں کو اس کے

Marfat.com

ساتھ کیا کہ پہلی ہی منزل میں چھوڑ کر چلے آئے۔ بڈھا بچارا حیران۔ پھرے تو کس منہ سے پھرے۔ چھوٹے چھوٹے بیٹے بھی ساتھ تھے۔ توکل بخدا۔ تنہا و بے سامان روانہ ہوا۔ رستہ میں کئی جگہ پہاڑوں کے دیوزاد سلیمان پر گرے۔ وہ بھی پتھر ہو کر گر گیا۔ خوب مردانگی سے مقابلے کئے۔ اور زخمی بھی ہوا۔ غرض لڑتا بھڑتا اٹک کے کنارہ تک آپہنچا۔ اکبر کو عریضہ لکھا۔ اس میں ساری سرگزشت بیان کی۔ اور یہ بھی درج کیا۔ کہ اس وقت تحفہ یا پیشکش کسی چیز تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ دو گھوڑے ساتھ رہ گئے ہیں۔ کہ میرے خانہ زاد ہیں۔ یہی بھیجتا ہوں تا کہ عریضہ خشک خالی نہ ہو۔

اکبر کو اپنا سال اور جلوس اور مرزا کا کابل پر آنا بھولا نہ تھا۔ اور اس کے علاوہ مرزا نے آداب قرابت کا بھی کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ لیکن کچھ مروت ذاتی۔ اور کچھ اس مصلحت سے کہ مرزا کا ملک ازبک کے سامنے دیوار استوار ہے۔ اس کی اس قدر مہمان نوازی اور خاطر داری کی کہ۔ نقاروں کی آواز بخارا اور سمرقند تک پہنچی۔ جب اس کا عریضہ پہنچا تو کئی طویلے گھوڑے کاٹھیاواڑ، ایرانی، بہت سے اجناس نفیس، خیمے اور بارگاہ اور حشمت شاہانہ کے سامان ۵۰ ہزار روپیہ نقد اور آغا خاں خزانچی وغیرہ امرا کو استقبال کے لئے بھیجا۔ مان سنگھ اس وقت سرحد پشاور پر تھے۔ اور راجہ بھگوان داس پنجاب میں تھے۔ ان مزاج دانوں نے اکبر کی مصالح ملکی اور اس کی مرضی پر جان و مال کو قربان کر دیا تھا۔ بلکہ آئین اکبری کے اجزاء یہی لوگ تھے۔ مان سنگھ فوراً پہنچے۔ بڑے شان و شوکت سے استقبال کیا۔ اور دھوم دھام کی ضیافتیں کھلاتے لائے۔ راجہ بھگوان داس لاہور سے دریائے اٹک تک پہنچے ضیافتیں کھلاتے لاتے تھے۔ اور جو جو حکام اور امرا رستہ کے آس پاس تھے۔ پرگنوں اور شہروں سے نکل نکل کر مہمانداری کے لوازمات ادا کرتے تھے۔ اسی طرح برابر لئے آئے۔ اکبر کو جب ان انتظاموں کے حالات معلوم ہوئے تو بہت خوش ہوا۔

متھرا میں پہنچے۔ تو کئی امیر عالی رتبہ جن میں قاضی نظام بدخشی بھی شامل تھے۔ متھرا تک استقبال کو گئے۔ فتح پور کے پاس پہنچے۔ تو اول علما و شرفا و اکابر و مفتی و صدر الصدور پھر امرا ارکان دولت، پھر خود بادشاہ۔ ۵ کوس تک پیشوائی کو بڑھے۔ پانچ ہزار ہاتھی جن پر مخمل فرنگی اور زربفت کی جھولیں جھول رہی تھیں۔ چوندی سونے کی زنجیریں، سونڈوں میں ہلاتے، سراگائے کی دمیں کالی اور سفید سر و گردن پر لٹکتے، دو طرفہ برابر قطار باندھے تھے۔ ایرانی و عربی گھوڑے طلائی و نقرئی زینوں سے سجے، مرصع ساز لگے۔ دو دو ہاتھیوں کے بیچ میں ایک ایک چیتا، گلے میں سونے کی زنجیر اور بھنور کلی۔ مخمل زرکار کی جھول۔ ایک ایک رنگین چھکڑے پر بیٹھا۔ ہر چھکڑے میں ناگوری بیلوں کی جوڑی۔ بیلوں پر شالہائے کشمیر اور کمخواب کی جھولیں۔ سروں پر تاج زرکار۔ ۴ کوس تک تمام جنگل نگار خانہ

Marfat.com

بہار ہو رہا تھا۔ دیکھنے والے حیران تھے۔ کہ یہ کیا طلسمات ہے۔ کیونکہ آج تک اس انتظام کے ساتھ یہ سامان کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ سپاہی قدم قدم پر تعینات تھے۔ کہ سلسلہ راہ میں کہیں خلل نہ پائے۔ شہر فتح پور کے بازار گلی کوچے صاف، ہر جگہ چھڑکاؤ، دکانیں آئین بندی سے آراستہ تھیں۔ عید کا دن معلوم ہوتا تھا۔ شہر کے شرفا کوٹھوں اور بالا خانوں میں بن سنور کر بیٹھے تھے۔ تماشائیوں کے ہجوم سے بازاروں میں رستے بند تھے۔ جس وقت بادشاہ نظر آئے مرزا گھوڑے سے کود پڑا۔ اور آگے دوڑا کہ تسلیم بجالائے۔ تورہ ترکانہ اور آداب شاہانہ کا آئین یہی تھا۔ مگر اکبر نے قرابت اور بزرگی عمر کی رعایت رکھی۔ جھٹ اتر پڑا جھک کر سلام کیا۔ اور عموعمو کہہ کر بغلگیری کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ مرزا کو تسلیم و کورنش وغیرہ نہ کرنے دی۔ گلے ملے اور سوار ہو گئے۔ دولت خانہ انوپ تلاؤ کے در و دیوار، چھت، طاق، محرابوں میں، پردے، سائبان زریں، گلدان گلدستے، سونے روپے کے جڑاؤ، ایوان مکانات، فرشہائے مخملی و قالین ابریشمی سے آراستہ تھے۔ وہاں آکر دربار کیا۔ مرزا کو اپنی پہلو میں جگہ دی۔ جہانگیر بچہ تھا۔ اسے بھی بلا کر ملایا۔ اور ہتیا پال دروازہ پر جہاں نقار خانہ تھا انہیں اتارا۔ ملا صاحب عجب شخص ہیں۔ یہاں بھی چٹکی لے گئے۔ فرماتے ہیں۔ ان دنوں میں تورہ چنگیز خانی کو بھی زندہ کر دیا۔ مرزا کے دکھانے کو سیلان یعنے دستر خوان عام۔ دیوان خاص میں بچھتا تھا۔ اور بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ وفور وسعت کے ساتھ ہوتا تھا۔ معمولی وقت پر نقیب جاتے تھے۔ اور وہی چنگیزی تورہ پر سپاہیوں کو جمع کر کے لاتے تھے۔ کہ سیلان ترکانہ پر چل کر کھاؤ مرزا گئے۔ تورہ بھی گیا۔

اکبر کا ارادہ تھا۔ کہ فوج دے کر اسے بھیجے۔ اور ملک پر قبضہ دلوا دے۔ اور حقیقت میں یہ مدد چند در چند مصلحتوں کی بنیاد تھی۔ خان جہاں حسین قلی خاں اس مہم کے لئے مقرر ہو چکا تھا۔ اسی عرصہ میں ملک بنگالہ سے بغاوت کی عرضیاں پہنچیں۔ اکبر نے مرزا سلیمان سے کہا۔ کہ تم بنگالہ کو اپنا بدخشان سمجھو اور جا کر بندوبست کرو۔ مرزا نے انکار کیا۔ اکبر نے اس خدمت پر خان جہاں کو بھیج دیا۔ مرزا کو اپنی تمنا میں دیر یا مایوسی نظر آئی۔ اس لئے رخصت ہو کر حج پر چلا گیا۔ اکبر نے پچاس ہزار روپیہ خزانہ سے دیا اور بیس ہزار کا فرمان خزانہ گجرات پر لکھ دیا۔

۹۹۴ھ میں مرزا سلیمان حج کر کے ایران میں آئے اور شاہ اسماعیل ثانی سے کمک کی التجا کی۔ شاہ نے بڑی عزت سے رکھا اور چند روز کے بعد فوج قزلباش ہمراہ کر کے روانہ کیا۔ یہ ہرات میں آئے تھے۔ کہ شاہ اسماعیل کا انتقال ہو گیا۔ منصوبہ بگڑ گیا۔ یہ مایوس ہو کر قندھار میں آئے۔ مظفر حسین مرزا شاہزادہ ایرانی وہاں کا حاکم تھا۔ اسے نسبت قرابت پیدا کی مگر کام نہ نکلا۔ کابل میں آئے۔ مرزا حکیم سے مل کر چاہا کہ ہندوستان جائیں۔ اور پنجاب میں طوفان اٹھائیں۔ مرزا حکیم شامل

Marfat.com

فوج ساتھ لے کر بدخشان پر گیا۔ مرزا شاہرخ مقابلہ پر آیا۔ بہت سے بدخشی بدنیت پوتے کو چھوڑ کر دادا کی طرف چلے آئے۔ شاہرخ اوروں سے بھی بدگمان ہو گیا۔ اور کولاب کو چلا گیا۔ بہت سی قیل وقال کے بعد دادا پوتے میں ملک تقسیم ہو گیا۔ مگر چند ہی روز میں پھر بگڑا ہوا۔ اور یہ جھگڑے برابر جاری تھے۔ دادا اطراف سے مدد لیتے تھے۔ اور کبھی کام کبھی ناکام سرگردان ہوتے تھے۔ اسی حالت میں محرم بیگم مرگئی۔ جب تک وہ زندہ تھی۔ بگڑی بات بناتی تھی۔ اس کے بعد مرزا شاہرخ کی جوانی نے اسے زیادہ خود بین کر دیا۔ آخر بڈھے سلیمان تنگ ہو کر ہنارا گئے۔ کہ عبداللہ خاں ازبک کے زور سے پوتے کو گوشمالی دیں۔ وہ تاشقند پر فوج لے کر گیا تھا۔ سکندر خاں اس کے باپ سے ملاقات ہوئی۔ اور صورتحال اچھی نظر آئی۔ باپ نے بیٹے کو روئیداد لکھی۔ وہ بھی ایک عجوبہ روزگار تھا۔ جواب میں لکھا کہ انہیں میرے آنے تک انتظار کرنا چاہئے۔ مگر خفیہ لکھا کہ قید کر لو۔ مرزا کو بھی خبر ہو گئی۔ یہ جس طرح دوڑ کر گئے تھے۔ اسی طرح بھاگ کر الٹے پھرے اور حصار میں آ کر دم لیا۔ اور اپنے بندوبست سوچنے لگے۔ عبداللہ خاں تاشقند سے آئے۔ مرزا کا حال معلوم کیا۔ حاکم حصار کو لکھا۔ کہ انہیں قید کر کے روانہ کرد۔ وہ ان کے ساتھ رسم مروت کام میں لایا۔ یہ وہاں سے بھی بھاگے۔ عبداللہ خاں نے بدخشاں کی خبر لی۔ تو دیکھا کہ دسترخواں تیار ہے۔ اور کوئی مزاحم نہیں فوراً قبضہ کر لیا۔ دادا پوتے جہاں جہاں تھے۔ جانیں لیکر کابل کی طرف بھاگے۔ رستہ میں ملاقاتیں ہوئیں۔ جس لقمہ پر جھگڑے تھے وہ لقمہ ہی نہ رہا۔ اب جھگڑا کیا تھا۔ دونوں مل کر صلاحیں کرتے تھے۔ اور کچھ بن نہ آتی تھی۔ مرزا حکیم نے اس وقت بڑی انسانیت کی۔ کہ ایلچی بھیجا۔ بعض اشیائے ضروری بھیجیں اور بلا بھیجا۔ مرزا سلیمان نے حج کر کے اس سے راہ نکال لی تھی۔ اور دربار اکبری سے شرمساری بھی تھی۔ وہ کابل کو چلے گئے۔ شاہ رخ سے انہیں کی بدولت چند روز پہلے بگاڑ ہوا تھا۔ وہ دربار اکبری کا راستہ ڈھونڈنے لگے۔ مرزا حکیم نے بڈھے مہمان کو لمغانات کے علاقے میں چند گاؤں دیئے۔ یہ چند روز وہاں بیٹھے۔ مگر بیٹھا کب جاتا تھا۔ پھر اس سے مدد لی۔ اور ترک وافغان سے ایک جمعیت بنا کر ازبک سے دست وگریبان ہوئے۔ کئی معرکے کئے۔ کبھی غالب ہوئے کبھی مغلوب آخر مایوس ہو کر پھر کابل میں آئے۔ یہاں حکیم مرزا مر چکا تھا۔ مان سنگھ موجود تھے۔ انہوں نے بڑی عزت واحترام سے مہمانداری کی۔ اور دربار کو روانہ کر دیا۔ یہاں پر نئے سرے سے استقبال کی دھوم دھام ہوئی۔ شاہزادہ مراد لینے گئے۔ جاگیر ووظیفہ مقرر ہو گیا۔ آخر ۷۷ برس کی عمر ۹۹۰ھ میں لاہور سے ملک عدم کو کوچ کر گئے۔ بخشی ان کی ولادت کی تاریخ تھی۔ کہ ترکی میں بمعنی خوب ہے۔

Marfat.com

مرزا شاہرخ

مرزا سلیمان کی بی بی حرم بیگم کا حال مجملاً کہیں کہیں آیا ہے کہ ولی نعمت بیگم کہلاتی تھی۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ وہ مردانی بی بی دیو کی طرح سلیمان کو دبائے تھی۔ خاوند برائے نام تھا۔ حکومت اس سینہ زور بی بی کے ہاتھ میں تھی۔ جس طرح چاہتی تھی حکم کرتی تھی۔ تمام امرا اور سرداروں کو اس کی گردن کشی اور خودرائی نے جان سے تنگ کر دیا تھا۔ آخر ان لوگوں کی دعائیں قبول ہوئیں۔ اور اس مرد مار بیگم پر آسمان سے نحوست نازل ہوئی۔

شاہ محمد سلطان کاشغری کی بیٹی محترمہ خانم کامران کے عقد میں تھی۔ اور کابل میں رہتی تھی۔ وہ کامران کی خانہ بربادی کے سبب سے کاشغر کو چلی۔ بدخشاں سے اس کا گزر ہوا۔ قرابت خاندانی کے سبب سے یہاں ٹھیری۔ ع

پیری وصد عیب ہمیں گفتہ اند

مرزا سلیمان کا ارادہ ہوا کہ اس سے نکاح کرے۔ بڑھیا بیگم کو کسی طرح پتہ لگ گیا۔ وہ کب دیکھ سکتی تھی کہ ایسی خاندانی شہزادی اس پر سوکن ہو کر بیٹھے۔ اندر ہی اندر ایچ پیچ کھیل کر اپنے نوجوان بیٹے مرزا ابراہیم کو اکسایا اس نے محترمہ بیگم سے نکاح کر لیا۔ سلیمان بڈھے منہ دیکھتے رہ گئے۔ پری ہاتھ نہ آئی۔ خانم کو پیچھے معلوم ہوا کہ میں ملکہ زمانی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بہت ملال ہوا۔ اور بیگم اور خانم کے دلوں میں گرہ پڑ گئی۔

بیگم کے کلہ توڑ حکموں سے امرائے بدخشان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔ اور ہمیشہ تاک میں رہتے۔ مرزا حیدر علی ایک شخص بیگم کی سرکار میں مختار تھا۔ اور وہ اسے بھائی کہتی تھی۔ ان دنوں میں سب نے موقع پا کر بیگم کے دامن میں تہمت کی خاک ڈالی۔ اس بات کا چرچا مرزا ابرہیم تک پہنچا۔ نوجوان، ناتجربہ کار، نہ سوچا نہ سمجھا، مرزا کو مار ڈالا۔ بیگم بڑی دانا و دوراندیش تھی۔ زہر کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ مگر امرا کے پیچھے پڑی۔ لوگوں کے دلوں میں پہلے بیگم کی طرف سے بیزاری تھی۔

Marfat.com

اب نظروں میں بے عزتی بھی گئی۔

۹۶۸ھ میں ازبک کے خوانین نے جیحوں اتر کر بلغ اور خستلان تک قبضہ کر لیا تھا۔ اور بدخشاں کی حدود پر ہاتھ مارتے تھے۔ مرزا بھی انہیں کلہ شکن جواب دیتے تھے۔ انہی دنوں میں پیر محمد خاں اپنے لشکر لے کر آیا۔ باپ بیٹے فوجیں لے کر سامنے ہوئے۔ مرزا سلیمان تو پہلو بچا کر نکل آیا۔ مرزا ابراہیم لڑ مرا اور گرفتار ہو کر ازبک کی قید میں مارا گیا۔ بیگم کو بڑا رنج ہوا لباس ماتم پہنا اور ایسا غم کیا کہ جب تک جیتی رہی سوگ کے کپڑے نہ اتارے۔ مگر اس کا زور حکومت ٹوٹ گیا۔

مرزا ابراہیم نے ایک شیر خوار بچہ محترمہ خانم کے شکم سے چھوڑا۔ اس کا نام شاہرخ تھا۔ بیگم ہمیشہ خانم کو طعنے دیا کرتی۔ کہ اس بدشگون نحس نے گھر ویران کر دیا۔ اور رنگ برنگ سے دل آزاری کرتی تھی۔ مطلب یہ تھا۔ کہ وہ تنگ ہو کر کاشغر چلی جائے۔ شاہرخ کو میں پالوں اور اس کی حکومت میں حکم حاصل کروں۔ خانم سنتی تھی اور صبر کرتی تھی۔ اسی حال میں شاہرخ بڑا ہوا۔ خوانین دربار۔ بیگم سے اور اس کی بدولت مرزا سلیمان سے ناراض تو پہلے ہی تھے اب مرزا شاہرخ بڑا ہوا تو اسے زیادہ بڑھانے لگے۔ رفتہ رفتہ دادا کو پوتے سے برگشتہ کر کے تخت سلیمانی پر بٹھانا چاہا۔ بہت سی ردوبدل کے بعد یہ قرار پایا کہ جو علاقہ اس کے باپ کو دیا ہوا تھا۔ وہ اس کو ملنا چاہیے۔ یہ بھی ہو گیا۔ مگر مختلف مقدموں پر بگاڑ کی چقماق چمکتی رہتی تھی۔ اور بیگم اور خانم کے بگاڑ اس پر رنجک اڑاتے تھے۔ اسی عرصہ میں حرم بیگم مر گئی۔ اور اب سلیمان کی بالکل ہوا بگڑ گئی۔ ناچار حج بیت اللہ کا بہانہ کیا اور سلطنت پوتے کو دے کر کابل میں آیا۔ کہ مرزا حکیم سے مدد لے کر مفسدوں سے ملک سلیمان کو پاک کرے۔ وہاں وہ پیش آیا جو تم نے سن لیا اور انجام یہ ہوا کہ گھر برباد ہو گیا۔ اور بدخشاں جیسا ملک عبداللہ خاں ازبک نے مفت مار لیا۔

جب سے مرزا سلیمان ہندوستان کی طرف آئے تھے۔ مرزا شاہرخ اور ان کی والدہ اکبر کو عرائض وتحائف بھیج کر عقیدت کا رشتہ جوڑتے تھے۔ جب ازبک نے خانہ ویران کر کے نکالا تو مرزا شاہرخ مدت تک کوہ[illegible]ن کابل میں سرگردان رہے اور سخت آفتیں اٹھائیں۔ حسن، حسین اور بدیع الزمان مرزا تین بیٹے ساتھ تھے۔ حسن رستے میں بچھڑ گیا۔ مرزا کو بڑا رنج ہوا۔ زمان مرزا بیٹا ان کا وطن کے کناروں پر اڑ بیٹھا اور جب موقع پاتا تھا۔ ازبک کو پہلو مارتا تھا۔ یہ بھی موقع ڈھونڈتے تھے۔ ایک دو دفعہ ہمت کر کے گئے۔ مگر مایوس ہو کر پھرے اور پہلے سے زیادہ بدحالی اٹھائی۔ لشکر تباہ ہوا۔ سامان لٹ گیا۔ پہاڑ میں مرزا سلیمان کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ پوتے نے اپنا گھوڑا دیا کہ اس پر سوار ہو۔ بڈھے بچارے سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ گھوڑا بھاگ گیا۔ اسے ایک نوکر نے اپنے گھوڑے پر

Marfat.com

بڑھاپا۔ مرزا شاہرخ باوجودیکہ بہت موٹے تھے مگر دوڑ کر گھوڑے کو پکڑا اور سوار ہو کر بھاگے۔ آخر دادا نے ہندوستان کا رستہ بتا دیا تھا۔ ۹۹۳ھ میں انہوں نے بھی دربار اکبری کا رخ کیا۔ چنانچہ جب کنار اٹک پر پہنچے۔ تو راجہ مان سنگھ نے استقبال کیا۔ پانچ ہزار پانچ سو روپے نقد ہزاروں کے نفائس اور تحائف۔ آٹھ گھوڑے، پانچ ہاتھی پیشکش کیے۔ اسی کی رسائی تدبیر سے بچھڑا ہوا بیٹا بھی آ گیا۔ سب خدمتیں اور تجویزیں پسند اور مقبول ہوئیں۔ اکبر بھی بہت خوش ہوئے۔ جب لاہور سے راجہ بھگوان داس نے بیٹے سے زیادہ شوکت وحشمت دکھائی۔ مرزا سرہند تک پہنچ لئے تو دربار سے فوراً قاضی علی بخشی کو استقبال کے لئے روانہ کیا۔ آگرہ کے پاس پہنچے تو لاکھ روپیہ نقد، سامان، فراشخانہ، تین ایرانی، نو ہندوستان کے گھوڑے پانچ ہاتھی، چند قطاریں اونٹوں کی۔ کئی لونڈی غلام مرحمت ہوئے۔

مرزا شاہرخ بڑا نیک نیت اور صاف دل مرزا تھا۔ اس کی طبیعت میں اپنی طرف سے کسی قسم کی ترقی یا عروج کی ہوس کبھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ ملا لے لیا۔ جو حکم ملا اس کی تعمیل کرتا رہا۔ اکبر کو بھی اس کی طرف سے نیک خیال اور نیک بھروسے تھے۔ ۱۰۰۱ھ میں اس سے شکرن بیگم بیٹی کی شادی کر دی۔ پنج ہزاری منصب عنایت فرمایا۔ مالوہ کا ملک دیا۔ اور شہباز خان کمبو اتالیق بنا کر ساتھ کیا۔ بات وہی ہے۔ کہ ڈرتا تھا یہ بھی باغی نہ ہو جائے۔ ورنہ اتنے بڑے موٹے تاڑے ہسنڈ جوان کے لئے اتالیق کی کیا حاجت ہے۔ تم جانتے ہو کہ بابر کو اس کے اقرباؤں نے خانہ برباد کیا۔ ہمایوں کا گھر بھائیوں نے ویران کیا۔ اکبر کو شہزادگان تیموری اور مرزا اشرف الدین وغیرہ نے تھوڑا دق نہیں کیا۔ اس لئے اکبر بلکہ سلاطین تیموریہ ہمیشہ رشتہ داروں سے ہوشیار رہتے تھے۔ اسے مالوہ سمیت دکن میں جاگیر دی تھی۔ خان خاناں کے ساتھ سہیل خان کی لڑائی میں شامل تھا۔ ابوالفضل جب گئے تو انہوں نے بھی مدد کو بلایا۔ دانیال کی لشکر کشی میں بھیجے گئے۔ سب کو خوش رکھا۔ اور آپ سب سے خوش رہا۔ اخیر عہد اکبری میں ہفت ہزاری منصب عطا ہوا۔ جہانگیر نے بھی اپنی توزک میں اس کی خوش اطواری وسعادت مندی کی تعریف کی۔ لکھتا ہے۔ کہ سیدھا سادہ ترک ہے۔ اور اس نے مجھے کبھی نہیں ستایا۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے۔ اگرچہ حسینی سے زیادہ عالم میں کوئی بے حقیقت نہیں۔ مگر مرزا شاہرخ گویا بدخشی نہیں بیس برس ہوئے ہندوستان میں آیا ہے۔ زبان ہندی بالکل نہیں جانتا۔

یاد رکھنا یہ وہی مرزا شاہرخ ہیں۔ جن کی بابت عبداللہ خان ازبک نے اکبر کو شکایت لکھی کہ مرزا شاہرخ ہم سے گستاخی و بےادبی کر کے گیا۔ اور تم نے اسے ایسے اعزاز و احترام کے ساتھ رکھ لیا۔ پھر اس کے جواب میں اکبر کی طرف سے ابوالفضل نے طبع آزمائی کی ہے۔

مرزا نے ۱۰۱۶ھ میں اجین میں قضا کی اور شہر کے باہر دفن ہوئے۔ کابلی بیگم مرزا حکیم کی ایک۔

Marfat.com

بیٹی ان سے بیاہی تھی۔ وہ ہڈیاں لے کر مدینہ منورہ کو گئے۔ بدوؤں نے رستہ بند کر رکھا تھا آپ بصرہ سے ایران کو روانہ ہو گئے۔ جنازہ ادھر بھیج دیا۔

میر عبداللطیف قزوینی

(ملا صاحب لکھتے ہیں) اعاظم سادات حسینی سیفی میں سے تھے۔ ان کا خاندان آباواجداد سے تاریخی مشہور چلا آتا ہے۔ والد ان کے قاضی میر یحیٰی۔ یحیٰی معصوم کہلاتے تھے۔ حیرتی شاعر نے ایک مثنوی میں ان کی بھی مدح کی ہے۔ اور تاریخ دانی کے وصف کا اشارہ کیا ہے۔

کس دریں تاریخ مثل او ندید　　قصہ تاریخ از و باید شنید

میر علاء الدولہ صاحب تذکرہ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ میر عبداللطیف مرحوم نے انہیں باپ کی طرح کنار شفقت میں پالا تھا۔ اور میر علاء الدولہ انہیں حضرت آقا کہا کرتے تھے۔ قزوین کے لوگ شاہ طہماسپ کی اطاعت نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کی۔ کہ یہ سرکشی ان کی میر عبداللطیف کی پشت گرمی سے ہے۔ کہ ان کا مذہب سنت و جماعت ہے۔ شاہ نے ان پر سختی کی۔ مختصر یہ کہ میر عبداللطیف وہاں سے بھاگ کر گیلانات کے پہاڑوں میں چلے گئے۔ انہی دنوں میں ہمایوں بھی ایران میں پہنچا۔ کسی مقام پر ان کی ملاقات ہوگئی تھی۔ اور وعدہ ہوا تھا کہ اگر اقبال نے مدد کی۔ اور ہم پھر ہندوستان میں پہنچے تو تم بھی آنا۔ چنانچہ حسب وعدہ ۹۶۳ھ میں یہاں پہنچے۔ کہ اکبر اسی برس تخت نشین ہوا۔ میر موصوف دربار بلکہ خاص و عام میں معزز اور محترم رہے۔ ۵ رجب ۹۸۱ھ کو فتح پور سیکری میں دنیا سے انتقال کیا۔ اور قلعہ اجمیر میں سید حسین جنگ سلوار کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ قاسم ارسلان نے تاریخ کہی۔ فخر آل یاسین۔ تمام عالم کے علماء اور بزرگان دین میں سے پانچ چار شخص تھے۔ جو ملا صاحب کی زبان قلم سے الفاظ تعریف کے ساتھ کامیاب ہوئے ہیں۔ ان میں میر موصوف اور ان کے بیٹے ہیں۔

ابوالفضل کی کیا تعریف کروں۔ ہر معاملہ میں ایک نئی بات نکالتے ہیں۔ اور ایک بات میں ہزار باتیں ملفوف ہوتی ہیں۔ اکبر نامہ میں ان کے آنے کا حال لکھتے ہیں۔ میر اقسام علوم اور فضل و کمال، اور لطف کلام اور ملایمت قلب اور شرائف صفات میں اہل زمانہ میں سے نہایت ممتاز تھے۔ تعصب سے پاک تھے۔ سینہ کھلا ہوا تھا۔ اس لئے ایران میں تسنن اور ہندوستان میں تشیع سے نامزد

Marfat.com

تھے۔ بات یہ ہے کہ صلح کل کے امن خانہ کے رہنے والے تھے۔ اس لئے پر جوش متعصب بدنام کرتے تھے۔

میرزا غیاث الدین علی۔ ان کے بیٹے بھی ساتھ آئے تھے چنانچہ وہ۔ ملا صاحب، فیضی، ابو الفضل سب ہم سبق تھے۔ کہ شیخ مبارک کے دامن تعلیم سے علم کے ساتھ اقبال کی نعمت لے کر اٹھے تھے۔ ملا صاحب اس کے باب میں کہتے ہیں۔ ان کا فرزند رشید کہ ملائک کے اخلاق اس کا ملکہ ہیں۔ حمیدہ اطوار ہے۔ اور مظہر اس حدیث کا ہے کہ الولد الحر بابائہ الغر۔ شریف بیٹا اپنے روشن بزرگوں کا پیرو ہوتا ہے۔ میر غیاث الدین ملقب بہ نقیب خاں علم سیر۔ تاریخ، اسماء الرجال۔ اور عام حالات سلاطین وملوک وامرا واہل کمال میں ایک آیت ہے۔ آیات روزگار سے اور ایک برکت ہے برکات زمانہ سے۔ اور لوح محفوظ کی نقل ثانی ہے۔ بادشاہ کی ملازمت میں دن رات۔ تاریخ اور عام نظم ونثر کے سناتا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔ ان کا فرزند رشید نجیب سعادت مند مرزا غیاث الدین علی آخوند۔ فرشتوں کے اخلاق سے آراستہ۔ کمالات علمی سے پیراستہ، علم سیر، تاریخ، اسماء الرجال میں اس کا ثانی نہ عرب میں بتاتے ہیں۔ نہ عجم میں۔ فقیر کو کل مقربان شاہی میں اس کے ساتھ نسبت خاص ہے۔ اور لڑکپن سے ہم عہدی۔ اور ہم درسی اور ہم سبقی اور برادری ایمانی کا عقد ہے۔ اب وہ بڑی عرق ریزی سے بادشاہ کی خدمت میں مصروف ہے۔ تیس برس سے زیادہ ہوئے۔ کہ خلوۃ اور جلوۃ میں قصے، حکایتیں فارسی وہندی افسانے کہ (ان دنوں میں ترجمہ ہوئے ہیں) سنایا کرتا ہے۔ گویا بادشاہ کی زندگی کا جز ہو گیا ہے۔ ایک پل جدائی ممکن نہیں۔ آج کل ذرا بخار اس کے جسم مبارک کو عارض ہے۔ درگاہ الہی سے امید ہے کہ جلد صحت کامل اور شفائے عاجل حاصل ہو۔ چونکہ نیک سب جگہ عزیز ہیں۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ بدان زمانہ کو دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی بدی ہی پنا کام کر جائے گی اس زبان پر حیف ہے۔ جو اس قوم بے نشان کے نام سے آلودہ ہو۔ (فیضی اور بوالفضل بچارے مراد ہونگے) آزاد۔ ۹۸۹ھ میں جبکہ بادشاہ۔ محمد حکیم مرزا کی مہم پر کابل جاتے تھے۔ کتاب خوانی کے جلسے تو ہر وقت گرم رہتے تھے۔ میر موصوف نے اٹک اتر کر ایک حال کی تحقیق بہت خوبی سے ادا کی۔ اکبر نے نقیب خاں خطاب دیا۔ اور خلعت فاخرہ، خاصہ کا گھوڑا۔ ہزار روپے نقد مرحمت فرمائے۔

نقیب خان کے باب میں جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے حالات میں لکھا ہے۔ اسے میں نے ہزار و پانصدی منصب عطا کیا۔ میرے والد نے نقیب خاں کے خطاب سے ممتاز کیا تھا۔ اور ان کی خدمت میں مقرب اور صاحب منزلت تھا۔ ابتدائے جلوس میں اس سے ابتدائی کتابوں کے سبق

Marfat.com

پڑھے تھے۔اس لئے آخوند کہا کرتے تھے۔علم تاریخ اسماء الرجال یعنے وہ حالات اور معلومات جن سے اشخاص کے با اعتبار اور بے اعتبار ہونے کی تحقیق وتصحیح ہو۔ان امور میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتا۔آج ایسا مورخ معمورہ عالم میں نہیں۔ دنیا بھر کا آج تک حال زبان پر ہے۔ ایسا حافظہ کسی کو خدا ہی دے۔

۱۰۲۳ھ میں جہانگیر نے لکھا ہے۔نقیب خاں رحمت الٰہی میں داخل ہوئے۔دو مہینے پہلے بارہ دن کے بخار میں بی بی مرگئی تھی۔اس نے نہایت محبت تھی۔ میر عبداللطیف ان کا باپ بھی اجمیر میں مدفون ہے۔میں نے کہا کہ انہیں بی بی کے پہلو میں رکھیں۔کہ خواجہ بزرگوار کے روضہ میں مدفون تھی۔

نقابت:

ملک عرب میں بڑا معزز رتبہ اور قومی عہدہ تھا۔ظاہر ہے کہ عہد قدیم میں وہاں تحریر نہ تھی۔اس واسطے حالات سلف کا رستہ بھی ریگستان بے نشان تھا۔اور تاریخی حالات کی تدوین بھی نہ ہوئی تھی۔جو کچھ تھا زبان بہ زبان۔سینہ بہ سینہ بزرگوں اور کہن سال لوگوں میں چلا آتا ہے۔جو شریف ونجیب قبیلہ کے ہوتے تھے۔وہ اپنے اکثر قبیلوں کے جزوی وکلی حالات سے بلکہ ان کے آباؤ اجداد سے۔ اور گھر گھر کے معاملات سے اور ان کے سلسلہ ہائے خاندان سے واقف ہوتے تھے۔ان میں سے جس شخص کو ان معلومات میں مہارت کامل ہوتی تھی۔اور صادق القول، نیک نیت، نیک اعمال۔ صاحب دیانت وامانت، فصیح وبلیغ ہوتا تھا۔اسے سب کی اتفاق رائے سے نقابت کا منصب ملتا تھا۔ جس دن یہ عہدہ اسے ملتا۔بہت سے قبیلے جمع ہوتے تھے۔وہ سب کو ضیافت دیتا تھا۔شادمانی کے نشان ظاہر کرتا تھا۔سب اس کو مبارکباد دیتے تھے۔اور منصب مذکور پر منصوب کرتے تھے۔یہ امر اس کے اور اس کے خاندان کے لئے فخر واعزاز کا موجب ہوتا تھا۔جب کوئی اختلاف ہوتا تو سب اس کی طرف رجوع کرتے۔جو وہ کہتا تھا۔اسے سب تسلیم کرتے تھے۔انہی تاریخی معلومات کے سبب سے کہ ان کے خاندان میں تاریخ دانی چلی آتی تھی۔اور انہیں بذات خود بھی یہ فضیلت حاصل تھی۔اکبر نے انہیں نقیب خاں خطاب دیا تھا۔

Marfat.com

نظام الدین احمد بخشی صاحب طبقات اکبری

جن دو تین شخصوں سے ملا عبدالقادر بداؤنی خوش ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہیں۔ اکثر مصنف ان کی تاریخ کی تعریف کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا ابتدائی حال ماثر الامرا سے لکھتا ہوں۔ خواجہ مقیم ہروی ان کے باپ۔ بابری خدمت گزاروں میں تھے۔ اخیر میں دیوان بیوتات ہو گئے تھے۔ بابر کے بعد مرزا عسکری کے پاس رہے۔ جب ہمایوں نے احمد نگر مرزا کو دیا۔ تو خواجہ اس کے وزیر ہو گئے۔ ہمایوں نے جب ساہ کے کنارے شیر شاہ سے شکست کھائی۔ اور چند سواروں کے ساتھ آگرہ کو بھاگا تو یہ ہمرکاب تھے اکبر کے عہد میں چند سال خدمت کر کے دربار عدم میں منتقل ہو گئے۔

نظام الدین احمد راستی و درستی اور معاملہ فہمی و کاردانی میں رشتہ عالی رکھتے تھے۔ اور رفاقت پرستی اور صفائی و آشنائی میں یگانہ زمانہ تھے۔ ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ ابتدا میں اکبر کے دیوان رہے۔ یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔ البتہ جب ۹۹۱ھ میں اعتماد خاں گجراتی کو صوبہ گجرات عنایت ہوا۔ تو اس صوبہ کی بخشی گری ان کے نام کر کے ساتھ کر دیا تھا۔ وہاں باوجود جوانی کے ایسی جانفشانی اور سرگرمی سے خدمتیں کیں۔ کہ بڈھے بڈھے سردار دیکھتے رہ گئے۔ مرزا عبدالرحیم خان خاناں کی سپہ سالاری کو ان کی جرات اور جانبازیوں نے بڑی قوت دی۔ اور وہاں بخشی گری مدت تک زیر قلم رہی۔ جب خان خاناں کو صوبہ جونپور عنایت ہوا۔ تو انہیں بھی بلا لیا۔ طلب موقع ضرورت پر تھی۔ اس لئے بارہ دن میں چھ سو کوس رستہ مار کر لاہور میں آ حاضر ہوئے۔ ۳۵ جشن جلوس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضور میں عرض ہوئی کہ خواجہ اور جماعت کثیر ان کے ہمراہی سب شتر سوار آئے ہیں۔ عالم قابل تماشا ہے۔ حکم ہوا کہ اسی طرح سوار سامنے حاضر ہوں۔ بادشاہ دیکھ کر خوش ہوئے۔ خواجہ بعد اس کے حاضر خدمت رہے۔ اور ترقی روز بروز قدم بڑھانے لگی۔ ۳۷ جلوس میں آصف خاں مرزا جعفر جلالہ روشنائی کی مہم پر چلے تو خواجہ میر بخشی لشکر ہوئے۔ ۴۵ برس کی عمر ۱۰۰۳ھ میں تپ محرقہ سے مر گئے۔ اجزائے حالات جو مآثر میں مختصر تھے۔ میں نے مختلف مقاموں میں تاریخوں سے بہ تفصیل لکھے

Marfat.com

ہیں۔

طبقات اکبری:

عمدہ تاریخ ہے۔۱۰۰۲ھ تک اکبر کا حال لکھا ہے۔اگرچہ مفصل نہیں مگر مختصر بھی نہیں۔عبارت صاف، بے تکلف، بے مبالغہ، حالات کی تحقیق، احوالات کی تنقیح۔اخبار کے فراہم کرنے میں بڑی کوشش اور وقت اٹھانی پڑی ہوگی۔چونکہ میر معصوم بھکری وغیرہ باخبر اور معتبر اشخاص شریک تالیف تھے۔اس لئے معتبر مانی جاتی ہے۔یہی پہلی تاریخ ہے۔کہ جو جو بادشاہ مختلف ممالک ہند میں ہوئے۔ابتدا سے عہد تصنیف تک سب کے حال پر حاوی ہے۔محمد قاسم فرشتہ اور ان کے بعد جو مورخ آئے اور اس سے زیادہ لکھ گئے۔اصل سب کی یہی ہے۔خاتمہ میں لکھتے ہیں۔کہ اگر عمر نے رفاقت کی تو آئندہ کے حالات بھی ترتیب دے کر ضمیمہ لگاؤں گا۔نہیں تو جسے توفیق ہوگی لکھے گا۔

Marfat.com

ہیمو بقال

تمام مورخ ہیمو کے حال کو سبک الفاظ اور سخت عبارتوں میں ادا کرتے ہیں۔ لیکن اس کی لیاقت اور ترقی کی رفتار میں قلم کو کھینچ کر تعریف کے میدان میں لاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ وہ ریواڑی کا غریب بنیا قوم کا ڈھوسر تھا۔ (جسے ابو الفضل نے لکھا ہے۔ کہ بنیوں میں ایک رذیل فرقہ ہے) عام اہل تاریخ لکھتے ہیں۔ کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں لونوں! لونوں! کہتا پھرتا تھا۔ یہ بھی درست ہے۔ کہ وہ بدن کا حقیر، بدصورت کا کم رو، آنکھ سے بھینگا یا کانڑاں تھا۔ لیکن اس کے چست انتظام، برجستہ تدبیریں اور جنگی فتوحات کو بھلا کون چھپا سکتا ہے۔

ہندوستان میں جو مورخ ہوئے۔ چغتائی نمک خوار تھے۔ اس لئے ان کے لکھنے پر پورا اعتبار نہیں۔ اس کے اوصاف کی باتیں اور فتوحات کی حکایتیں ضرور سیاہی کے پردہ میں رہیں۔ اور برائیوں نے حرف بحرف روشنائی کا لباس پہنا ہوگا۔ مورخاں مذکور کا یہ اعتراض درست ہے۔ کہ اس ذات وصفات پر اس نے اکبر کے منہ پر تلوار کھینچی۔ جس کے سر پر سات پشت سے سلطنت کے نشان جھومتے تھے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ سلطنت کسی کی میراث نہیں۔ اگر دو تین پشت بھی سلطنت اس کے خاندان میں رہ جاتی تو ہم دکھا دیتے کہ آزاد جیسے کتنے خوشامدی مورخ پیدا ہو جاتے۔ وہ اس کے کارناموں اور انتظاموں کو کہیں سے کہیں پہنچاتے۔ اور خاندان کے پست سلسلہ کو اوتاروں سے جا ملاتے۔

جن قدموں سے وہ ترقی کی سیڑھی پڑھا قابل دیکھنے کے ہیں۔ قسمت کی زنجیر اس کے پاؤں کو گلی کوچوں سے کھینچ کر سلیم شاہ کے بازار لشکر میں لے گئی۔ رفتہ رفتہ وہاں دکان کھول لی۔ آدمی رسا تھا، بازار کا چودھری ہوگیا۔ سلیم شاہ باوجود جباری وقہاری کے کمینہ مزاج بھی بشدت تھا۔ اور کم رتبہ لوگوں سے بہت گھل مل جاتا تھا۔ اسے ہمزبانی کا موقع ملنے لگا۔ بادشاہ نے ہر کام میں اس کی کارگزاری اور محنت دیکھ کر بازار لشکر کا کوتوال کر دیا۔ چند روز میں مقدمات فوجداری بھی اس کے

Marfat.com

حوالے ہو گئے۔ نمک حلال بالیاقت نے اور زیادہ ہمت اور محنت دکھائی۔ بادشاہ سر شور افغانوں سے بیزار تھا۔ اور ان کا توڑنا مدنظر رکھتا تھا۔ اسے کام کا بوجھ سہارتا دیکھتا تھا۔ اس لئے خدمتیں دیتا۔ اور منصب بڑھاتا جاتا تھا۔ غرض اپنی خدمت گزاری یا آقا کی خیر خواہی و خدمت گزاری۔ خواہ اوروں کی چغل خوری۔ کچھ ہی سمجھو۔ وہ روز بروز کاردار۔ صاحب اعتبار ہوتا گیا۔ اور جو امرائے عالی وقار سے کام تھے۔ وہ اسے ملتے گئے۔ انتہا ہے کہ جب ہمایوں ایران سے کابل میں آ گیا۔ اور کامران بھاگ کر ادھر آیا۔ تو دربار سلیم شاہی سے لالہ ہیمو رائے اس کے لینے کو گئے۔ یہ بات کامران کو ناگوار بھی گزری مگر کیا ہو سکتا تھا۔

سلیم شاہ کے بعد محمد عدلی بادشاہ ہوا وہ عیش اور بے خبری کو لطف زندگی سمجھتا تھا۔

لطیفہ۔ ہندوستان کے لوگ عجب آفت ہیں۔ عادل شاہ کو عدلی۔ اور عدلی کو اندھلی کہتے تھے۔

اس نے ہیمو کو بسنت رائے بنایا۔ اور اس کے اختیاروں کو اور بھی مطلق العنان کر دیا۔ یہاں تک کہ وزیر اور وکیل مطلق ہو گیا۔ ہیمو نے بھی باوجودیکہ ایک بے علم بے حقیقت بنیا تھا۔ مگر لیاقت اور تدبیر کے ساتھ وہ دلاوری دکھائی۔ کہ جس کی امید نہ تھی۔ چنانچہ جب کرانی سردار دربار سے کنارہ کش ہو کر بنگالہ میں جا بیٹھے تو عدلی خود فوج لے کر چنار پر گیا۔ طرفین نے کنارہ دریا پر لشکر ڈالا اور مقابل آن پڑے۔ ہیمو نے ایک دن کہا کہ اگر ایک حلقہ ہاتھیوں کا اور فوج مناسب مجھے مل جائے تو کرانیوں کے دھوئیں اڑا دوں۔ عدلی نے سب سامان دیا۔ اور ہیمو نے ان کے انبوہ کو تہ و بالا کر دیا۔ ابراہیم سور کہ عدلی کی بہن اس سے منسوب تھی۔ اور صاحب فوج و علم امیر تھا۔ عدلی نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لے۔ عدلی کی بہن نے ابراہیم کو کہ اس کا شوہر تھا۔ خبر دی کہ میرا بھائی یہ ارادہ رکھتا ہے۔ وہ چنار سے بھاگا۔ اور آگرہ وغیرہ مار کر میانہ ولایت کو دبا کر نشان بادشاہی علم کیا۔ عدلی نے ہیمو کو فوج جرار اور ہاتھی بے شمار دے کر روانہ کیا۔ ابراہیم نے بڑی پامردی سے کالپی پر مقابلہ کیا۔ اور ایسا لڑا کہ شاید رستم ہوتا تو اتنا ہی کرتا۔ ہیمو نے اسے شکست دی۔ ابراہیم بیانہ کی طرف آیا اور لشکر جنگی جمع کر کے تیار ہوا۔ ہیمو پیچھے پیچھے آیا۔ ابراہیم نے دس کوس آگے بڑھ کر میدان کیا۔ یہاں بھی خوب رن پڑا مگر قسمت سے کون جیت سکے۔ ہیمو نے شکست دے کر قلعہ بیانہ میں قلعہ بند رکھا۔ اور اطراف و جوانب کو لوٹ مار دوڑ دھاڑ سے خاک در خاک کر دیا۔ اتنے میں عدلی کا فرمان پہنچا۔ کہ اسے بہت بھاری بلا کا سامنا ہے۔ محاصرہ اٹھاؤ اور چلے آؤ۔ وہاں محمود کوڑیہ ایک افغان نامی کے ساتھ عدلی کا مقابلہ تھا۔ اور مقام چرکتہ پر کہ کالپی سے پندرہ کوس ہے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے تھے۔ کوڑیہ کے ساتھ افغانوں کی فوج آراستہ۔ ہاتھی دیو کوہسار اور سامان بے حد و حساب۔ حریف کے اور اپنے بیچ میں

Marfat.com

دریائے جمن جاری بے فکر پڑا تھا۔ کہ ایک رات ہیمو دمدار تارہ کی طرح کہیں سے اٹھا اور بے خبر اس پہ جا پڑا۔ لطف یہ ہے کہ ہاتھیوں کے حلقے جمن پار اترے اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ ہاتھ ہلانے کی مہلت نہ دی۔ افغانوں کا یہ عالم ہوا۔ کہ سر کو پاؤں کا ہوش نہ جوتی کو پگڑی کا۔ بھاگے۔ ڈوبے۔ قتل ہوئے اور کوڑیہ بچارا تو ایسا گیا کہ پھر پتا ہی نہ لگا۔ ساتھ ہی اس کا بیٹا لشکر بے شمار جمع کر کے عدلی پر چڑھ آیا۔ اور میدان جنگ میں عدلی کو مار کر اپنے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ اب ہیمو خود صاحب فوج و لشکر ہو گئے۔

چغتائی مورخ بنئے کی ذات کو غریب سمجھ کر جو چاہیں سو کہیں۔ مگر اس کے قواعد بندوبست درست۔ اور احکام ایسے چست ہو گئے تھے۔ کہ پتلی دال نے گوشت کو دبالیا۔ افغانوں میں جو باہم کشاکشی اور بے انتظامی رہی۔ اس میں وہ ایک جنگی اور بااقبال راجہ بن گیا۔ عدلی کی طرف سے لشکر جرار لئے پھرتا تھا۔ کہیں دھاوا مارتا تھا۔ کہیں محاصرہ کرتا تھا۔ اور قلعہ بند کر کے وہیں ڈیرے ڈال دیتا تھا۔ البتہ یہ قباحت ضرور ہوئی۔ کہ بگڑے دل افغان اس کے احکام سے تنگ آ کر نہ فقط اس سے بلکہ عدلی سے بھی بیزار ہو گئے۔

بنئے کی خوش اقبالی دیکھو۔ کہ ممالک مشرقی میں اس سال مینہ نہ برسا۔ عالم میں آفت پڑ گئی۔ دولت مند اپنے اپنے حال میں مبتلا ہو گئے۔ غریب غربا کنگال ہو کر ٹکڑے کے سہارے کو غنیمت سمجھنے لگے۔

اس سال کے حال میں ملا صاحب کی عبارت پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دہلی، آگرہ اور اطراف کے شہروں میں قیامت آ رہی تھی۔ اڑھائی روپیہ سیر مکئی کا نرخ تھا۔ اور وہ بھی ہاتھ نہ آتی تھی۔ بہتیرے اشراف دروازہ بند کر کر کے بیٹھ رہے۔ دوسرے دن دس دس، بیس بیس بلکہ زیادہ مردے گھر میں پڑے پائے۔ اور گاؤں اور جنگلوں میں تو کون دیکھتا تھا۔ کفن کون دے، اور دفن کون کرے۔ غریب بیچارے آفت کے مارے جنگل سنسان میں بنا پتی سے گزارے کرتے تھے۔ امیر گائے بھینس کاٹ کر بیچتے تھے۔ اور لوگ کھالیں لے لیتے تھے۔ کاٹتے تھے۔ اور غنیمت سمجھ کر پکا کھاتے تھے۔ چند روز بعد ہاتھ پاؤں سوج کر مر جاتے تھے۔ آدمی آدمی کو کھائے جاتا تھا۔ اور صورتیں ایسی ڈراؤنی ہو گئی تھیں۔ کہ ان کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا۔ نان نان کہتے تھے۔ اور جان دیتے تھے۔ جان عزیز جو کا مول نہ تھی۔ جہاں ویرانہ میں کوئی اکیلا دکیلا آدمی مل جاتا تھا۔ جھٹ پٹ تکا بوٹی کاٹ کر کھا جاتے الٰہی تیری امان۔ الٰہی تیری امان۔ اس پر حاکموں کی لڑائیاں۔ ایک ایک افغان بادشاہی کا دعویدار۔ روز بادشاہ گردی، لوٹ مار، قتل، غارت، تاراج، وہ کال اور اس آفت کا

Marfat.com

قحط سال پھر خدا نہ دکھائے۔ ایسے وقت میں لشکر اور لشکر کا سامان بہم پہنچانا اس باتدبیر آدمی کو بہت آسان تھا۔ جو اپنے قبضہ میں بادشاہی ذخیرہ اور ملکی خزانہ رکھتا تھا۔ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ آخر مرنا اول مرنا۔ بھوکے مرنے سے ہمت کرنا تو اچھا ہی کام ہے۔ آؤ اسی کی نوکری کر لو۔

ہیمو کی لیاقت اور حسن تدبیر اس حالت میں بھی ہزار تعریف کے قابل ہے۔ کہ عالم میں یہ آفت آئی ہوئی ہے۔ اور اس کے لشکر میں گویا خبر بھی نہ تھی۔ ہزاروں جنگی ہاتھی تھے۔ اور سب چاول اور گھی شکر کے ملیدے کھاتے تھے۔ سپاہیوں کا تو کیا کہنا ہے۔

میرے دوستو! جب خدائی آفت آتی ہے۔ تو فوجیں باندھ باندھ کر دھاوے کرتی ہے۔ عدلی افغان تو آگرہ سے لشکر لے کر نکل گیا۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا اور اپنے رقیبوں کو دباتا پھرتا تھا۔ قلعہ میں ایک افغان سردار آیا۔ کہ رسد اور سامان جنگ کے بندوبست کرے۔ مکانات میں جو اسباب بند پڑے تھے۔ ان کی موجودات لیتا تھا اور سنبھالتا۔ ایک دن صبح کا وقت۔ چراغ لئے حجروں کو دیکھتا پھرتا تھا۔ کہیں چراغ کا گل جھڑ پڑا۔ کوٹھے باروت کے تھے۔ یا پہلے ان میں باروت رہ چکی تھی۔ نہیں نہیں! موت نے قتل عام کی سرنگ لگا رکھی تھی۔ پل کے پل میں آدھا قلعہ ایک بقہ آگ کا ہوکر آسمان کو پہنچا۔ زمین پر وہ بھونچال آیا کہ شہر تہ وبالا ہو گیا۔ صبح کے سونے والے بیخبر پڑے سوتے تھے۔ کلمہ پڑھتے اٹھ بیٹھے۔ کہ قیامت آئی۔ توبہ واستغفار کرتے تھے۔ اور کچھ معلوم نہ تھا۔ کہ کیا ہوا۔ اور کیا کریں۔ پتھروں کی سلیں، ستون بحرا میں اڑ اڑ کر دریا پار کہیں کی کہیں جا پڑیں۔ ہزاروں آدمی اور جانور اڑ گئے۔ پانچ پانچ چھ چھ کوس پر کسی کا ہاتھ کسی کا پاؤں پڑا ہوا ملا۔ اکبر ہی کے مبارک قدم پنجاب سے ہندوستان میں پہنچے۔ جب یہ بلائیں دفعہ ہوئیں۔ ترکوں میں چنگیزی آئین چلا آتا تھا۔ دونوں وقت بادشاہی دستر خوان بچھتا تھا۔ جو خوان یغما تھا۔ جس پر دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ امراے سپاہی تک سب اپنایت اور بھائی بندی کے رشتہ سے بٹھائے جاتے تھے۔ اور ہر ایک کو برابر کھانا کھلاتے تھے۔ شیر شاہ اگرچہ افغان تھا۔ لیکن چونکہ اسے بھی قومی اتفاق کے خون کو جوش دے کر مطلب حاصل کرنا تھا۔ اس لئے اس طریقہ کو جاری رکھا تھا۔

ہوشیار ہیمو ہندو دھرم تھا۔ خود مسلمانوں کی طرح امرا اور سپاہ کو دستر خوان پر لیکر نہ بیٹھ سکتا تھا۔ پھر بھی روز ایک وقت سب کو کھانا دیتا تھا۔ افغان سرداروں کو آپ دستر خوان پر بٹھاتا تھا۔ ان کے دل بڑھاتا تھا۔ اور کہتا تھا خوب کھاؤ۔ بڑے بڑے نوالے اٹھاؤ۔ کسی کو آہستہ آہستہ کھاتے دیکھتا۔ تو سینکڑوں بھوگ سناتا اور کہتا۔ عورتوں کی طرح نوالے اٹھاتا ہے؟ بھڑوے کھانا نہ کھائے گا تو اپنے جوانیوں سے کیونکر لڑے گا۔ مغل تو چڑھے آتے ہیں۔ واہ رے اقبال وہ جاہل سرشور افغان کہ سیدھی بات

Marfat.com

پڑے مریں! سب سنتے تھے۔ اور حلوے کی طرح نگل جاتے تھے۔ ہائے احتیاج اور ہائے پیٹ۔ ع

مراناں وہ دکفش برسر بزن

افسوس ہیمو کی ذات کچھ ہی ہو مگر اس کے کارنامے با آواز بلند نقارے بجاتے ہیں۔ کہ وہ اپنی ذات سے عالی ہمت، حوصلہ والا اور آقا کے لئے مستعد خدمت گزار اور چست خدمتگار تھا۔ بندوبست اور انتظام اور چستی و چالا کی اس کی طبیعت میں داخل تھی۔ اور محبت اور عرقریزی سے دلی شوق رکھتا تھا۔ افسوس کہ اکبر اس وقت لڑکپن کے عالم میں تھا۔ اگر ہوش سنبھالا ہوتا تو ایسے شخص کو ہرگز اس طرح ہاتھ سے نہ کھوتا۔ اسے رکھتا اور دلاسے کے ساتھ کام لیتا۔ وہ جوہر نکالتا۔ اور عمدہ خدمتیں کر کے دکھاتا۔ جن سے ملک کو ترقی اور بنیاد ملک کو استحکام حاصل ہوتا۔

ہیمو کی ہمت کیوں ناکام رہی:

بادشاہی لشکر کی کمی، اور کم سامانی۔ اور اس کے مقابل میں ہیمو کے لشکر کی کثرت اور فراوانی دستگاہ پر نظر کر کے خان زمان کی اس فتح یابی پر لوگ حیرت کی نظر سے دیکھیں گے۔ لیکن جن لوگوں نے تجربے اور تحقیق کی نگاہ سے زمانے کو پہچانا ہوا ہے۔ وہ صورتحال کی نبض دیکھ کر استقبال کی کیفیت کو سمجھ جاتے ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ ہیمو باوجود ساری باتوں کے ان کے بڑے نکتے سے غافل تھا۔ اسے سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ میں کس لشکر اور کن لشکریوں سے کام لے رہا ہوں۔ یہ نہ میرے ہم قوم ہیں، نہ میرے ہم وطن ہیں، نہ ہم مذہب ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں یا کریں گے پیٹ کی مجبوری، یا امید انعام یا جان کے آرام کے لئے کرتے ہیں۔ اور میری میٹھی زبان، خوشخوئی، دردخواہی اور محبت نمائی اس کا جزاعظم تھا۔ پھر بھی یہ ساری باتیں عارضی ہیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا۔ کہ اس کی فتح ہماری اور ہماری قوم کی فتح ہے۔ اور ہم مر بھی جائیں گے تو ہماری اولاد اس کامیابی کی کمائی کھائے گی۔

فتوحات کے مشتاق اور ہمت والے مہاجن کو جن باتوں نے بھلاوے میں ڈالا وہ کیا تھیں؟

(۱) خزانہ وافر شیر شاہ و سلیم شاہ کا کہ اپنے قبضہ میں تھا۔

(۲) ہزاروں بھوکوں کا انبوہ کہ گرد رہتا تھا۔

(۳) بہت سے ضرورت مندوں اور پیٹ کے بھوکوں کی خوشامد اور جاں نثاروں کے دعوے۔

یہ سب باتیں معمولی اتفاقات زمانے کے تھے۔ کہ جن سے ہوا بندھ گئی تھی۔ اور دلوں پر رعب بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس مہتابی کی روشنی کو اقبال کا روز روشن سمجھ کر بے نیاز ہو گئے۔ اور

Marfat.com

ایسے سخت حکم دینے لگا۔ جنہیں سرشور پٹھان دلوں سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ شیر شاہ و سلیم شاہ بھی سخت خدمتیں لیتے تھے۔ لیکن یہ تو سمجھو کہ وہ کون تھے؟ ان کی سلطنت اپنی قوم کی سلطنت تھی۔ ایک بنئے کی بدزبانیاں جسے چار دن پہلے بازار لشکر میں کوتوالی کرتے دیکھ چکے۔ کون اٹھائے۔ اور کیوں اٹھائے۔ خصوصاً جبکہ وہ بکر ماجیت بن جائے۔ وہ پیٹ کے مارے اگرچہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ مگر دل سے دعائیں کرتے تھے۔ ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

آخر وقت پر اس کا نتیجہ نکلا کہ سب پہلو بچا کر الگ ہو گئے۔

Marfat.com

ایسے سخت حکم دینے لگا۔ جنہیں سرشور پٹھان دلوں سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ شیر شاہ و سلیم شاہ بھی سخت خدمتیں لیتے تھے۔ لیکن یہ تو سمجھو کہ وہ کون تھے؟ ان کی سلطنت اپنی قوم کی سلطنت تھی۔ ایک بنئے کی بدزبانیاں جسے چار دن پہلے بازار لشکر میں کوتوالی کرتے دیکھ چکے۔ کون اٹھائے۔ اور کیوں اٹھائے۔ خصوصاً جبکہ وہ بکرما جیت بن جائے۔ وہ پیٹ کے مارے اگرچہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ مگر دل سے دعائیں کرتے تھے۔ ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

آخر وقت پر اس کا نتیجہ نکلا کہ سب پہلو بچا کر الگ ہو گئے۔

Marfat.com

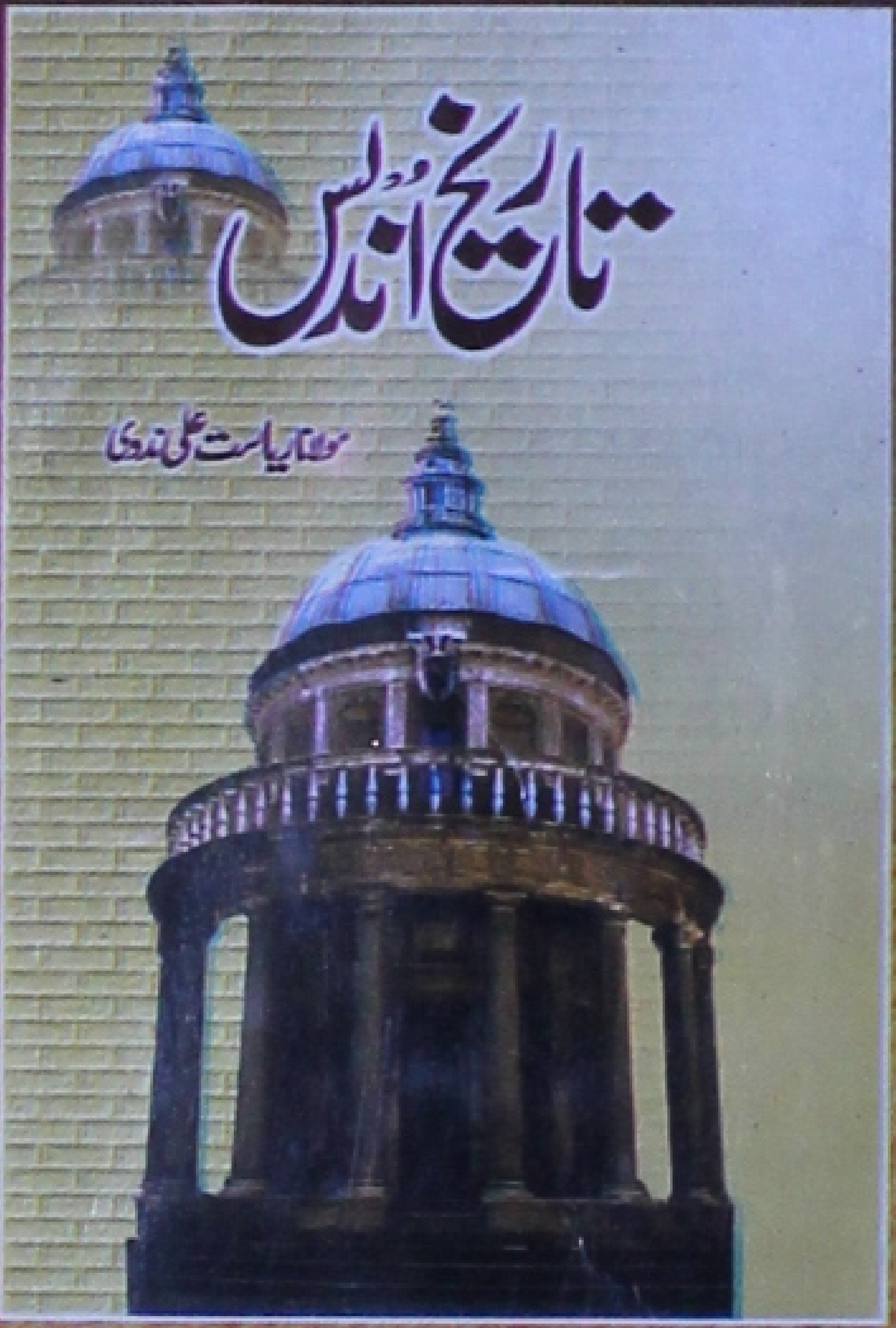

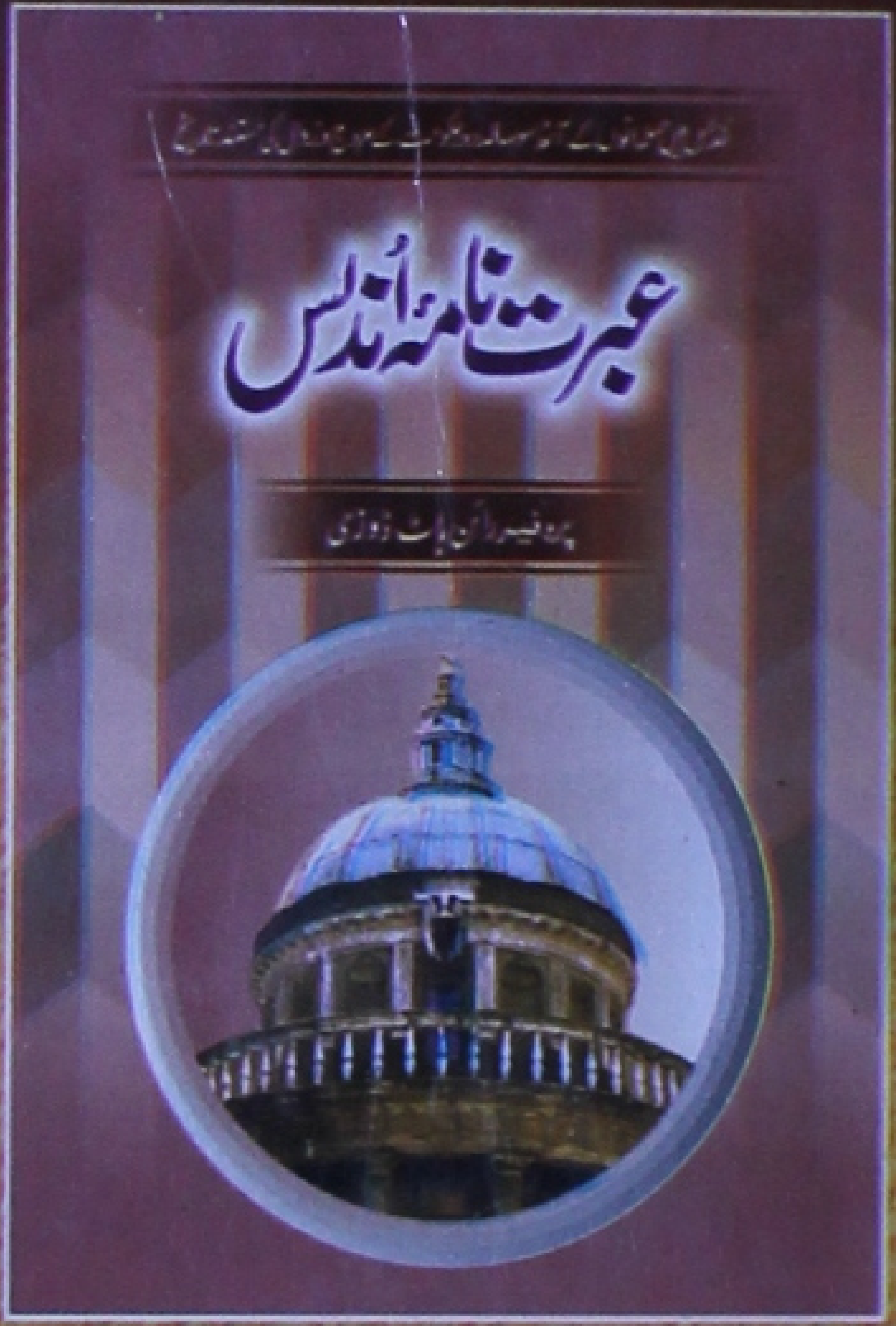

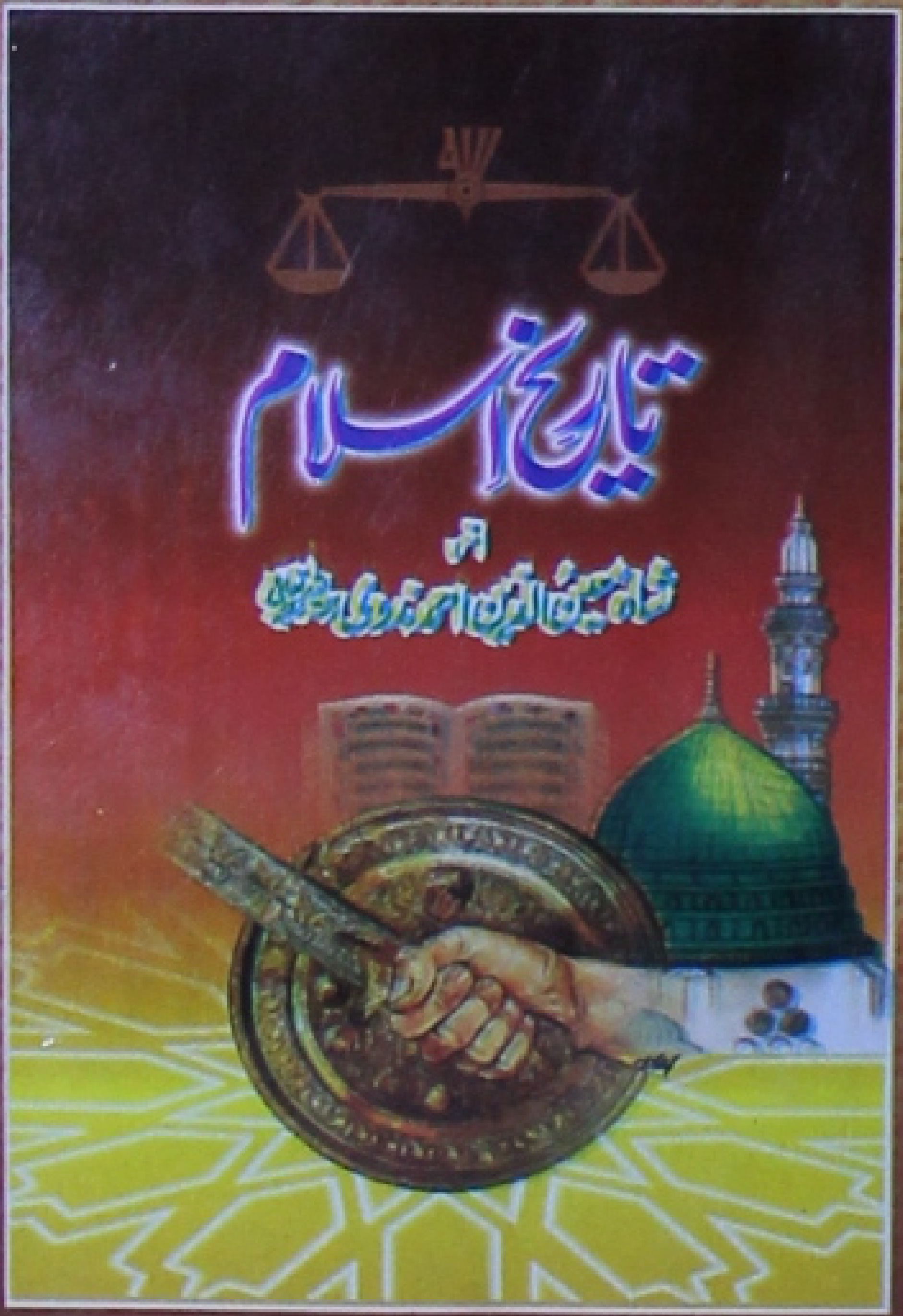

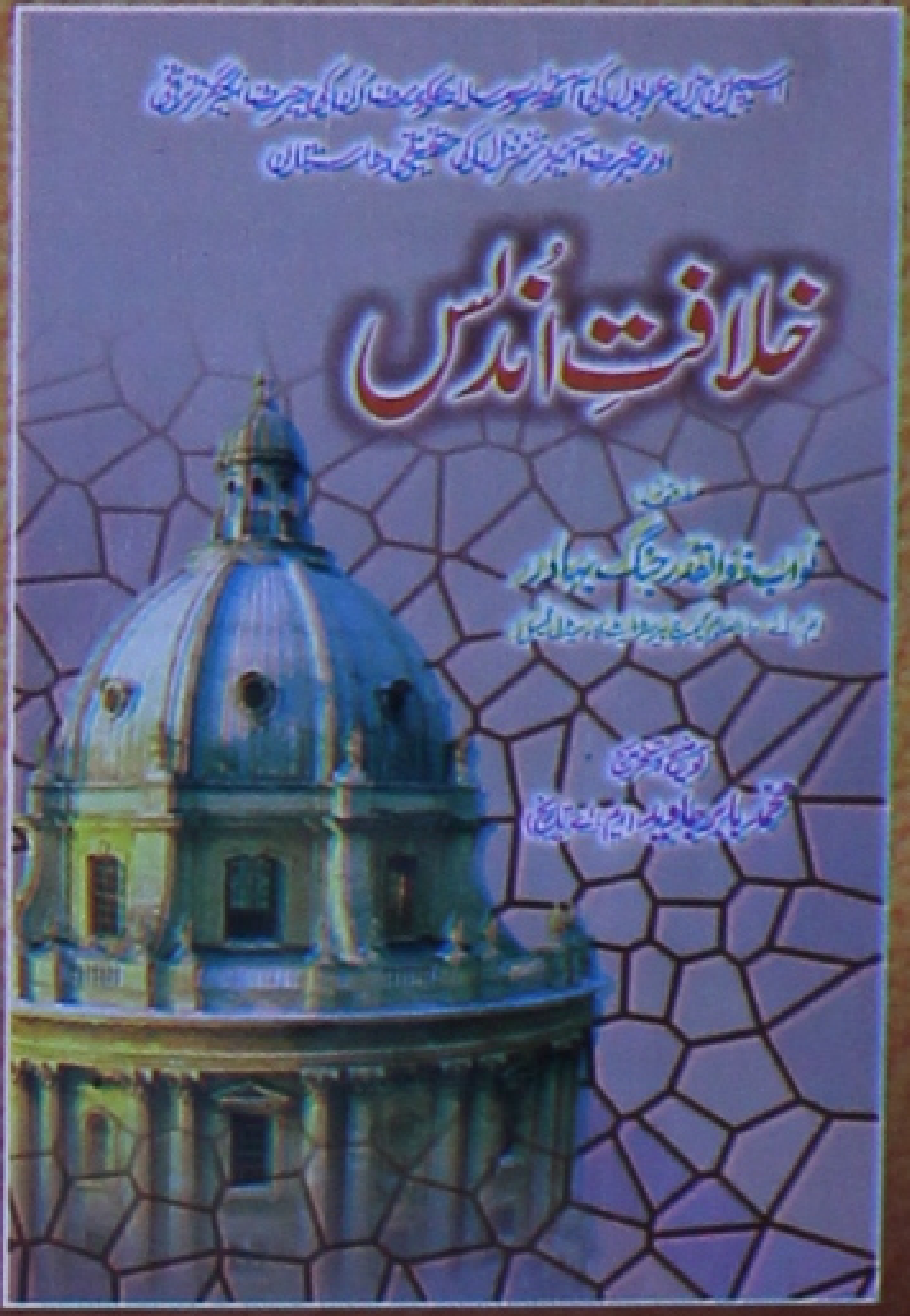

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور